تشریحات
بخاری (اردو)
افادات
۱- قطب العالم حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ
۲- شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا رحمہ اللہ
ترتیب:
حضرت مولانا محمد عبد القادر قاسمی
کتب خانہ مجیدیہ ملتان

قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلیہِ وَآلہِ وَسَلَّمَ
بَلِّغُوا عَنِّی وَلَو آیَۃً

جلد اول

افادات

قطب العالم مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ
شیخ العرب والعجم مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ
شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رحمہ اللہ

مرتبہ

استاذ العلماء مولانا محمد عبد القادر قاسمی فاضل دیوبند

ناشر

عرضِ ناشر

حضرت شیخ العرب والعجم مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی مرحوم و مغفور اور دیگر اکابر دیوبند کے فیوض کی عام اشاعت کے لئے قبل ازیں کتب خانہ مجیدیہ ملتان نے تقریر ترمذی شریف مع شمائل نبوی از افادات شیخ الاسلام مولانا مدنیؒ شائع کر چکا ہے، بحمد اللہ وہ بہت قلیل عرصہ میں اندرون اور بیرون پاکستان مقبولیت کا شرف حاصل کر کے ختم ہو گئی۔ اب استاذ العلماء حضرت مولانا محمد عبد القادر قاسمی، فاضل دیوبند نے علماء، طلباء اور عامۃ المسلمین کے برابر استفادہ کے لئے تشریحات بخاریؒ مرتب فرمائی ہے اس کی اشاعت کا فخر بھی ہمارے کتب خانہ مجیدیہ کو حاصل ہو رہا ہے حضرت مولانا قاسمی مدظلہ نے حضرت شیخ الاسلام مولانا مدنیؒ کے یہ افادات آج سے پچاس سال قبل ۱۳۶۰ھ میں جبکہ آپ شریک دورۂ حدیث تھے۔ قلمبند کئے تھے اپنے پچاس سالہ تدریسی تجربہ کے بعد ان افادات کا شائع ہونا یہ خالص علمی خدمت ہے جس پر ہم مولانا موصوف کے شکر گزار ہیں کہ انہوں نے ان علمی جواہر کو منظر عام پر لا کر ملتِ اسلامیہ پر ایک احسان کیا ہے جزاہ اللہ تعالیٰ احسن الجزاء۔

تشریحات بخاری کی پہلی جلد جو پہلے دو پاروں پر مشتمل ہے پیش خدمت ہے انشاء اللہ تعالیٰ باقی چار جلدیں جلد ہی کتابت اور طباعت کے مراحل طے کر کے منصۂ شہود پر آجائیں گی۔ اللہ تعالیٰ ہماری ان مساعی کو قبول فرمائے آمین۔

ناشر

ہلال احمد شاہد

عرضِ مؤلف

حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد صاحب مدنیؒ مرحوم و مغفور کے افادات تقریر ترمذی کے نام سے کتب خانہ مجیدیہ ملتان کی جانب سے شائع ہوکر قلیل عرصہ میں ختم ہوگئی۔ جس سے علماء اور طلبہ کو بہت فائدہ پہنچا۔

جناب ناشر کی استدعا اور علامہ خالد محمود آف انگلینڈ کے مشورہ سے کہ اب ایک ایسی کتاب مرتب کی جائے جو حامل متن سلیس ترجمہ اور افادات اکابر دیوبند پر مشتمل ہو جس سے علماء اور طلبہ کے ساتھ ساتھ عامۃ المسلمین بھی استفادہ کرسکیں چنانچہ اس ترتیب سے تشریحات بخاری کا آغاز ہوا۔

تحیۃ المسجد تک حضرت مولانا مدنیؒ کے افادات ختم ہوئے اور کتاب الاستسقاء تک افادات مولانا محمد زکریاؒ اختتام پذیر ہوئے، خدا کا کرنا کہ جناب شفیق سنز کراچی نے لامع الدراری مہیا فرمادی تو اب قطب عالم مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ کے افادات کا اضافہ ہوا حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ کا حاشیہ بدستور جاری رہا۔ حضرت مولانا احمد علی سہارنپوریؒ کے حاشیہ بخاری سے بھی استفادہ ہوا۔

اب تشریحات بخاری اس طرح مرتب ہوتی (۱) متن، ترجمہ با محاورہ (۳) تشریح از شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی مرحوم (۴) تشریح از قطب عالم مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی (۵) تشریح از شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی (۶) تشریح از محمد عبد القادر قاسمی فاضل دیوبند جو مختلف حواشی کا نچوڑ ہے مزید براں بخاری جلد ثانی ہیں کتاب المغازی اور کتاب التفسیر ہیں پھر حضرت مولانا مدنی مرحوم کے افادات درج کئے گئے اس طرح ان اکابر کے افادات مختلفہ یکجا جمع ہوگئے جس نے کتاب کی افادیت کو چار چاند لگا دیئے۔ فکر مند تھا کہ کتابت کے مراحل طے ہوجانے کے بعد طباعت کا کیا انتظام ہوگا، اندرون اور بیرون ملک مساعی بروئے کار لائی گئیں جو لاحاصل رہیں، جناب حافظ بلال احمد شاہد مالک کتب خانہ مجیدیہ نے کتابت کی طرح طباعت کا بیڑا بھی اٹھا لیا جس سے میرے حوصلے اور بلند ہوگئے اب یہ کتاب کتب خانہ مجیدیہ ملتان سے شائع ہو رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کی مساعی کو شرفِ قبولیت سے نوازے۔

فقط والسلام

محمد عبد القادر قاسمی فاضل دیوبند مکان نمبر ۲۶۹/۱
محلہ ٹبی شبیر خان کچہری روڈ ملتان شہر

فہرست مضامین تشریحات بخاری از اکابر علماءِ دیوبند

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ؕ

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم ۔

علم حدیث کی تعریف یہ وہ علم ہے جس سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال افعال واحوال معلوم ہو جائیں۔

موضوع علم حدیث علم حدیث کا موضوع آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات اس حیثیت سے کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔

غرض وغایت علم حدیث وہ دعائیں اور فضیلتیں حاصل کرنا ہے جو احادیث پڑھنے پڑھانے والوں کے لئے احادیث میں وارد ہوئی ہیں۔

دوسری غرض یہ بیان فرمائی گئی ہے کہ دین کا مدار علم حدیث پر ہے۔ کیونکہ اصل دین یعنی قرآن پاک تو مجمل ہے۔ اس کی تبیین و توضیح احادیث سے ثابت ہے۔ تیسری غرض مولانا زکریا کاندھلوی کے نزدیک یہ ہے کہ حدیث جناب محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام ہے۔ ہم محب رسول ہیں۔ محبوب کے کلام کو جب پڑھا جائے تو ایک قسم کی لذت حلاوت اور رغبت پیدا ہوتی ہے۔ غرضیکہ علم حدیث کی تعریف جس کا خلاصہ تدبر ہے۔ علم حدیث کا موضوع جس کا خلاصہ عظمت ہے اور اس کی غرض کا خلاصہ لذت ہے۔

وجہ تسمیہ اس فن کا نام حدیث ہے۔ حدیث حادث کے معنی میں ہے۔ قرآن مجید تو اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔ جیسے ذات باری تعالےٰ قدیم ہے۔ تو اس کی صفت بھی قدیم ہوگی۔ حدیث حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام ہے تو لامحالہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح یہ بھی حادث ہوگا۔

ان کے ماسوا کوئی علم ہے ہی نہیں۔ علم فقہ قرآن وحدیث کے معارض ومنافی نہیں بلکہ علم فقہ ان دونوں کا خلاصہ ہے۔ کہ فقہار کرام نے غور وفکر کر کے قرآن وحدیث کے مسائل کو آسانی کے واسطے ایک جگہ جمع کر دیا۔ جیسے حدیث میں بحالت صیام اپنی بیوی کا بوسہ لینے کی اجازت بھی ہے اور ممانعت بھی۔ عامی کے لئے مشکل پیش آگئی تو مجتہدین نے غور وفکر کر کے بتلا دیا کہ حدیث نہی جوان کے لئے ہے۔ اور حدیث اباحت بوڑھے کے لئے۔ کیونکہ جوان بے قابو ہو سکتا ہے مگر بوڑھا نہیں ہوگا۔

دوسری وجہ تسمیہ یہ بتلائی گئی کہ حدیث کے معنی بات کے ہیں۔ چونکہ علم حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی باتیں ہیں اس لئے ان کو حدیث کہا جاتا ہے۔

حدیث وخبر میں فرق بیان کیا جاتا ہے کہ حدیث تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خاص ہے اور خبر کا اطلاق آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے اخبار ملوک پر بھی ہوتا ہے۔ غرضیکہ دونوں میں عام وخاص کی نسبت ہے۔

مؤلف اور موجد فن عام طور پر مشہور ہے کہ حدیث کی تدوین حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے ایک سو برس بعد ہوئی ہے۔ حالانکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص احادیث لکھا کرتے تھے۔ حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی احادیث کا ایک مجموعہ تھا جو انہوں نے اپنے بیٹے کے نام پر لکھا تھا۔ اس مجموعہ کی چھ احادیث امام ابو داؤد نے اپنی سنن میں روایت کی ہیں اور اسی مجموعے کی ستّر کے قریب احادیث مسند بزار میں ہیں۔ لہٰذا حدیث کی کتابت اور جمع تو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کے زمانہ میں ہو چکی تھی۔ البتہ کتابی شکل میں یہ ذخیرہ بعد میں منتقل کیا گیا۔

علم حدیث تاریخی حیثیت سے یہ ایک تاریخی اور مسلّم مسئلہ ہے کہ حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ جو خلفاء راشدین میں شمار ہوتے ہیں اور پہلی صدی کے مجدد ہیں۔ انہوں نے امراء اجناد کو لکھا کہ میں علم حدیث کے اندراس یعنی مٹنے اور ذہاب علم کا خوف کرتا ہوں۔ لہٰذا اپنے اپنے بلاد کے علماء کو حکم کریں کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کو جمع کریں۔ چنانچہ عام محدثین اور مؤرخین کا اس پر اتفاق ہے۔ کہ سب سے پہلے حدیث کے مدوّن امام ابن شہاب زہری

المتوفی ۱۲۵ھ ہیں۔ اور بعض محققین کی رائے یہ ہے کہ سب سے پہلے مدون محمد بن ابی بکر بن حزم ہیں۔ جن کی وفات ۱۲۰ھ میں ہوئی ہے۔ وجہ ترجیح یہ بیان کی جاتی ہے کہ امام بخاریؒ نے باب کیف یقبض العلم کے ذیل میں جو حضرت عمر بن عبد العزیز کا خط نقل کیا ہے۔ ان میں انہی کا نام مذکور ہے۔ بہت ممکن ہے کہ ایک امیر نے ابوبکر بن حزم کو اور دوسرے نے ابن شہاب زہری کو حکم دیا ہو۔ زمانہ دونوں کا تقریبًا ایک ہی ہے۔ بعض حضرات نے دیگر اسماء گرامی بھی ذکر کئے ہیں۔

انواعِ کتب احادیث حدیث پاک کے آٹھ ابواب ہیں۔ عقائد۔ احکام۔ تفسیر۔ تاریخ۔ رقاق آداب۔ مناقب۔ فتن۔ جو کتاب ان آٹھ ابواب پر مشتمل ہو اس کو **جامع** کہتے ہیں۔ جیسے جامع بخاری۔ جامع ترمذی۔

سنن اس کتاب کو کہتے ہیں جس کے ابواب فقہی طریقہ پر ہوں۔ جیسے سنن ابو داؤد و سنن نسائی۔

مسند وہ کتاب جس میں ہر صحابی کی ہر روایت کو ایک جگہ ذکر کیا جائے۔ جیسے مسند امام احمد بن حنبلؒ۔

معجم وہ کتاب جس میں احادیث کی تخریج شیوخ کی ترتیب پر ہو۔ جیسے معجم طبرانی۔

مستدرک کسی کتاب کی شرط کے مطابق کسی روایت کو ذکر کیا جائے جس کو مصنف کتاب نے ذکر نہ کیا ہو۔ جیسے مستدرک حاکم۔

مستخرج کسی کتاب کی احادیث کو اپنی سند کے ساتھ بیان کرنا بشرطیکہ مصنف اصل حائل نہ ہو۔ جیسے مستخرج ابو عوانہ۔

اغراض مصنفین امام ترمذیؒ کے پیش نظر اختلاف ائمہ کو بتلانا ہے۔ امام ابو داؤدؒ کا وظیفہ مستدلات ائمہ کو بتلانا ہے۔ امام بخاریؒ کا مقصد استنباط مسائل ہے۔ مسلم شریف کا وظیفہ صحیح احادیث کا جمع کرنا ہے۔ امام نسائیؒ کا مقصد احادیث کی للیہ خفیہ کا بیان کرنا ہے۔ ابن ماجہ کے اندر تمام احادیث گڈمڈ ہیں۔

مقدمۃ الکتاب وجہ تالیف کتاب۔ حضرت امام بخاریؒ نے بچپن میں ایک خواب دیکھا کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم مبارک پر مکھیاں بیٹھی ہوئی ہیں اور میں ان کو اڑا رہا ہوں۔ انہوں نے یہ خواب اپنے استاد اسحٰق بن راہویہ کو سنایا۔ انہوں نے یہ تعبیر دی کہ انت تذب الکذب عن

احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یعنی تم کسی وقت میں انشاء اللہ تعالیٰ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے احادیث کے ذخیرے سے ان حدیثوں کو نکالو گے جو ضعیف یا موضوع ہیں۔ اس کے بعد ایک مرتبہ ان کے استاذ نے ان سے فرمایا کہ تم ایسی کتاب لکھو جس کی سب احادیث صحیحہ ہوں۔ ان کو بھی ولولہ اور شوق ہوا۔ چنانچہ احادیث کے اقسام ثمانیہ کی احادیث صحیحہ اپنی کتاب جامع بخاری میں جمع فرمائیں۔ اس کے علاوہ سب سے بڑی خصوصیت جو امام بخاریؒ کی ساری کمائی قرار دی جاسکتی ہے۔ وہ ان کے تراجم ہیں۔ یعنی احادیث سے مسائل کا استنباط کرنا اسی وجہ سے حضرات علماء کرام نے باقاعدہ اس میں تصنیفات فرمائی ہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہؒ نے تراجم بخاری کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے۔ ویسے ایک رسالہ اردو میں حضرت شیخ الہندؒ نے الابواب والتراجم کے نام سے لکھا ہے۔ نیز علماء عظام نے بخاری شریف کی بہت سی فضیلتیں اپنے تجربات کے بعد لکھی ہیں۔ مثلاً جس جہاز میں بخاری شریف کا نسخہ ہوگا۔ وہ جہاز سمندر میں نہیں ڈوبے گا۔ کسی مریض کے لئے اُسے پڑھا جائے تو وہ شفایاب ہوگا۔ مشکل کام آسان ہوگا۔

وجہ تسمیہ کتاب اس کتاب کا نام الجامع المسند الصحیح من حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وسننہ وایامہ۔ جامع تو اس وجہ سے کہتے ہیں کہ اس کے اندر آٹھوں ابواب مذکور ہیں۔ مسند اس لئے کہ جتنی روایات ہیں وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بالرفع منقول ہیں۔ اور آثار وغیرہ بالتبع آ گئے ہیں۔ صحیح اس وجہ سے فرمایا کہ اس کے اندر احادیث صحیحہ کا ذخیرہ مذکور ہے۔ کوئی راوی اس کے اندر ضعیف نہیں ہے۔ من حدیث کی قید اس لئے بڑھائی کہ اس کے اندر ساری احادیث ہیں۔ **سننہ** اس لئے زائد کیا تاکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تقریرات بھی اس میں داخل ہوجائیں۔ اور **ایامہ** سے وہ وقائع اور حالات مراد ہیں۔ جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں پیش آئے۔ بہت سی احادیث امام نے ایسی ذکر فرمائی ہیں جو نہ تو قولی ہیں نہ فعلی ہیں۔ اور نہ تقریری جس کی وجہ سے بہت سے شراح کو اشکال ہو رہا ہے۔ پورے نام پر غور کرنے سے یہ اشکال رفع ہوجاتے ہیں۔

مؤلف کتاب اس کتاب کے مؤلف امیر المؤمنین فی الحدیث امام بخاریؒ ہیں۔ ان کا سلسلۂ نسب یہ ہے۔ ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بن ابراہیم بن مغیرہ بن بردزبہ الجعفی البخاری۔ جعفی جعف کی طرف

نسبت ہے جو عرب کا ایک قبیلہ ہے۔

بردویہ باء مفتوحہ بعدہ راء ثم دال مکسورہ بردویہ۔ یہ فارسی کی لغت ہے اور فارسی بھی ملک بخارا کی بردویہ فارسی میں کاشتکار کو کہتے ہیں۔ یہ کھیتی کرتے تھے اور مجوسی تھے۔ حالت کفر میں ہی ان کا انتقال ہوا۔ ان کے صاحبزادے مغیرہ ہیں یہ مسلمان ہیں اور یمان جعفی جو اس وقت کابل و بخارا اور سمرقند کے حاکم اور عرب کے باشندے تھے یہ ان کے ہاتھ پر ایمان لائے۔ یہ تمام علاقے حضرت عمرؓ کے زمانے سے لے کر حضرت عثمانؓ کے زمانہ تک مفتوح ہو چکے تھے۔ عرب کے اندر جس طرح ولاء معاقدہ اور ولاء موالات کی نسبت ہوتی ہے۔ اسی طرح موالات اسلام کی بھی نسبت ہوتی ہے اسی اعتبار سے ان کو مغیرہ جعفی کہتے ہیں۔ اسماعیل امام بخاری کے والد ماجد ہیں۔ ابراہیم کے حالات معلوم نہیں ہو سکے۔ اسماعیل امام مالکؒ کے تلامذہ میں سے ہیں۔

احوال بخاری

امام بخاریؒ تیرہ شوال ۱۹۴ھ کو بعد نماز جمعہ پیدا ہوئے۔ امام بخاری کی بصارت بچپن میں جاتی رہی تھی۔ ان کی والدہ نے خوب دعائیں کیں۔ خواب میں حضرت سیدنا ابراہیم علیہ وعلیٰ نبینا السلام کی زیارت ہوئی۔ فرمایا اللہ تعالے نے تیرے بچے کی آنکھیں درست کر دیں بیدار ہوئیں تو دیکھا کہ امام بخاریؒ بالکل تندرست ہیں۔ امام بخاریؒ بمقام خرتنگ جو سمرقند کے مضافات میں ایک گاؤں ہے۔ شنبہ کی رات جو عید الفطر کی بھی شب تھی ۲۵۶ھ میں انتقال فرمایا۔ تنگ آکر دعا فرمائی تھی۔ رمضان شریف میں ہی دعا قبول ہوئی۔ کل عمر باسٹھ سال ہوئی۔ امام بخاریؒ کی تاریخ پیدائش اور تاریخ وفات یاد رکھنے کا آسان طریقہ یہ ہے۔ صدق حمید نور۔ ترجمہ۔ سچ کہا حمید نے کہ وہ نور تھے۔ ابجد کے حساب سے صدق کے ایک سو چورانوے نمبر نکلتے ہیں۔ تو وہ سن پیدائش ہے۔ دوسرے لفظ کے جو باسٹھ نمبر ہیں وہ ان کی کل عمر ہے۔ اور نور کے کل نمبرات دو سو چھپن ہیں یہ حضرات امام کا سن وفات ہے۔ میلادہٗ صَدَقَ و ماش حمیدٌ او فقضیٰ فی نور بچپن سے ذہین اور ذکی تھے۔ دس سال کی عمر میں قرآن مجید حفظ کیا۔ ان کو احادیث کے یاد کرنے کا بڑا شوق تھا۔ جب دس برس کی عمر میں مکتب سے تو علماء بخارا کے حلقہ تدریس میں آنے جانے لگے۔ امام بخاریؒ کے والد ماجد (اسماعیل) کا انتقال اسی وقت ہو چکا تھا۔ جبکہ حضرت امام بخاریؒ بالکل بچے تھے۔ والد نے انتقال کے وقت فرمایا تھا کہ میرے مال میں ایک پیسہ بھی مشتبہ نہیں ہے۔ اسی مال سے امام بخاریؒ کی پرورش اور تربیت ہوئی

علماء بخارا میں سے ایک محدث امام داخلی ہیں جن کی مجلس تحدیث میں شرکت کرنے لگے۔ اس مجلس میں بڑے بڑے علماء شرکت کرتے تھے۔ یہ بے چارے بھی ایک کونے میں بیٹھ جاتے تھے۔ جس سے ایک دلولہ اور شوق پیدا ہوا۔ ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ حضرت استاذ داخلی نے کسی حدیث کی سند اس طرح پڑھی۔ حدثنا سفیان عن ابی الزبیر عن ابراهیم امام بخاریؒ دور ایک کونے میں بیٹھے ہوئے تھے وہیں سے فرمایا کہ عن ابی الزبیر صحیح نہیں ہے۔ انہوں نے نہ سنا پھر زور سے کہا۔ کہ ابوالزبیر نے ابراہیم سے نہیں سنا۔ کیونکہ ان کا لقاء ابراہیم سے ثابت نہیں بلکہ یہ زبیر بن عدی ہیں۔ یہ سن کر محدث داخلی مکان میں تشریف لے گئے۔ کتاب کے ایک پرانے نسخہ میں دیکھا۔ تو فی الحقیقت اس میں عن ابی الزبیر کی بجائے عن الزبیر تھا۔ تو استاذ نے مجمع میں اعلان کیا کہ واقعی لڑکا صحیح کہتا ہے۔ لوگوں کو ان کی ذہانت پر تعجب ہوا۔ اور اسی دن سے استاذ داخلی کی نظر میں مقبول اور رفیع بن گئے۔ گیارہ برس کی عمر میں علماء بخارا کی تمام احادیث یاد کرلیں۔ سولہ برس کی عمر میں اپنی والدہ اور بھائی احمد کے ساتھ حج کے لئے گئے۔ باقی سب حضرات واپس آگئے۔ امام بخاری وہیں رہ گئے۔

جہاں جہاں مشہور علماء تھے ان کے ہاں جاکر احادیث یاد کرلیں۔ روایات کو مع اسانید کے ایک مرتبہ سن کر یاد کرلیتے تھے۔ حامد بن اسماعیل ان کے ہم سبق ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ ہم جب اساتذہ کے پاس جاتے تھے تو ہمارے ساتھ سامانِ کتابت ہوتا تھا ہم سن کر لکھ لیتے تھے۔ امام بخاریؒ نہیں لکھتے تھے۔ ہم نے ان سے کہا لکھتے کیوں نہیں۔ سماع کافی نہیں ہے۔ وقت کیوں ضائع کرتے ہو۔ اول اول تو امام بخاریؒ خاموش رہے لیکن جب لوگوں نے خوب برا بھلا کہنا شروع کیا اور تنگ کرنے لگے تو انہوں نے فرمایا کہ ہم آٹھ دن سے شیخ کے پاس آرہے ہیں اور شیخ نے پندرہ ہزار حدیثیں بیان فرمائی ہیں۔ امام بخاریؒ نے ان پندرہ ہزار احادیث کو مع اسانید سنا دیا۔ اور وہ لکھنے والے امام بخاریؒ کے سنانے پر اپنے لکھے ہوئے کی تصحیح کرتے تھے جس پر سب حضرات نے تعجب کیا۔ الغرض تھوڑے سے ہی عرصہ میں ان کی شہرت ہوگئی۔ تھوڑی عمر میں علم حاصل کیا۔ اور تھوڑی ہی عمر میں پڑھانا شروع کر دیا کہ مافی وجہہ شعرۃ چہرے پر کوئی بال نہیں تھا۔ اٹھارہ سال کی عمر میں ایک کتاب قضایا صحابہ وتابعین کے نام سے مدینہ پاک میں لکھی امام بخاریؒ خود فرماتے ہیں کہ مجھے اس وقت عبداللہ بن مبارکؒ جو امام ابوحنیفہؒ کے شاگرد ہیں۔ اور وکیع کی تمام کتابیں حفظ یاد

ہو گئی تھیں ۔ دوسری تالیف تاریخ کبیر ہے جو آپ نے چاند کی روشنی میں لکھی تھی ۔ حضرت امام بخاریؒ
کی قوت حفظ ضرب المثل ہے ۔ دس سال کی عمر میں اپنے استاد امام داخلی کو لقمہ دیا تھا جب کوئی
آدمی کسی خاص چیز میں مشہور ہو جاتا ہے تو پھر اس کا امتحان بھی لیا جاتا ہے ۔ چنانچہ دو واقعے ایک سمرقند
کا دوسرا بغداد کا پیش آیا ۔ بغداد کا قصہ زیادہ مشہور ہے ۔ کہ آپ جب وہاں تشریف لے گئے تو
وہاں کے دس علماء نے آپس میں مشورہ کے بعد سو احادیث تلاش کیں ۔ اور ہر ایک نے دس
دس احادیث اپنے ساتھیوں پر تقسیم کر دیں ۔ اور ان کی سند اور متن یعنی مضمون حدیث کو ایک دوسری
کی جگہ ردو بدل کر دیا ۔ جب امام بخاریؒ ایک بڑے مجمع میں تشریف لائے تو ہر ایک نے بڑی
عقیدت کا اظہار کیا ۔ پھر عرض کیا کہ ہم لوگ کچھ احادیث حضرت کو سنانا چاہتے ہیں ۔ امام بخاریؒ نے
فرمایا سنادو ۔ اس پہ ہر ایک نے نمبروار احادیث سنا کر دریافت کیا کہ یہ حدیث کیسی ہے ۔ امام بخاریؒ
ہر ایک کے جواب میں لا ادری فرماتے رہے یعنی مجھے معلوم نہیں ۔ اب لوگوں میں اشارے ہونے
لگے ۔ کہ بس یہی ہیں جن کا بڑا شہرہ ہے ۔ جب سب سنا چکے تو امام بخاریؒ نے اول سے مخاطب ہو
کر فرمایا کہ تم نے جس طرح حدیث پڑھی ہے غلط ہے ۔ صحیح یہ ہے ۔ پھر ہر ایک کو نمبروار اس کی غلط
حدیث اور اپنی صحیح حدیث سنائی ۔ یہاں کمال یہ نہیں کہ پوری سو احادیث مع سنادیں بلکہ اصل کمال
یہ ہے کہ ان کی اسانید اور احادیث منقلبہ کو صحیح کر کے نمبروار سنا دیا ۔ غرضیکہ امام بخاریؒ کے صرف
ہم عصر علماء اور تلامذہ ہی آپ کی فضیلت کے معترف نہیں بلکہ ان کے اساتذہ بھی ان کی تعریف کرتے
ہیں ۔ حضرت علی بن مدینیؒ جو ائمہ حدیث میں سے ہیں ۔ جن کے متعلق خود امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ میں
نے اپنے آپ کو کسی کے سامنے ذلیل نہیں پایا سوائے علی بن مدینی کے جب علی بن مدینیؒ سے
یہ کہا گیا تو انہوں نے فرمایا ذروہ فانہ لایُریٰ مثلہ امام احمد بن حنبلؒ بھی ان کی بڑی تعریف کرتے ہیں ۔ کہ
سرزمین بخارا نے امام بخاریؒ جیسا کوئی پیدا نہیں کیا ۔ اور بعض میں ہے کہ زمین بخارا نے چار اعلیٰ
درجہ کے آدمی نکالے ۔ مگر سب سے اقدم امام بخاریؒ ہیں ۔

مسئلہ خلق قرآن اور امام بخاری

جس طرح آج کل علماء کرام میں کسی معاصر کی رفعت نہیں
سنی جاتی اسی طرح پہلے زمانے میں بھی یہی دستور
تھا ۔ چنانچہ امام بخاریؒ کے معاصرین کو بھی امام صاحب سے حسد پیدا ہوا ۔ جہاں جہاں ان کا شاندار

استقبال ہوتا۔ وہیں کچھ حاسدین اس کا رد عمل بھی کرتے چنانچہ بہت سی جگہ سے مار پیٹ کر نکلے گئے۔
بہت سے لوگوں نے گالیاں دیں۔ اس زمانہ میں ایک مسئلہ خلق قرآن کا بہت زور شور سے چل رہا تھا۔
حضرت امام احمد بن حنبلؒ اور امام بخاریؒ چونکہ ایک مرتبہ کے ہیں۔ اس لئے ان دونوں کو اس مسئلہ
میں بڑی بڑی مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑا۔ بہت سی مرتبہ جیل بھیجے گئے۔ بہت سے علماء نے کوڑے
کھائے تکلیفیں اٹھائیں مگر جمے رہے۔ چونکہ امام احمد بن حنبلؒ امام بخاریؒ کے استاد ہیں۔
اس لئے ان کا زمانہ پہلے کا ہے۔ اور امام بخاریؒ کا بعد کا ہے۔ امام احمدؒ کے زمانہ میں معتزلہ کا
بہت زور تھا اور سلاطین وقت بھی انہی کے ساتھ تھے۔ معتزلہ کا کہنا تھا کہ یہ قرآن حادث ہے مخلوق
ہے لفظ کن سے پیدا کیا گیا ہے۔ ان پر رد کرنے کے لئے حنابلہ حضرات کو میدان میں آنا پڑا اور
معتزلہ کا رد کرتے ہوئے کہا کہ قرآن پاک قدیم ہے اور یہ دستور چلا آرہا ہے کہ جب کوئی مقتدا کسی
چیز کے متعلق رد کرتا ہے تو خوب زور شور اور مبالغہ سے تردید کرتا ہے اس کے خدام اور مرید بڑے
کی بات کو خوب زور شور سے اچھال کر پیش کرتے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے ایک قدم اور بڑھایا کہ یہ
قرآن مجید قدیم ہے اس کے الفاظ بھی قدیم ہیں اور یہ دفتین یعنی گتہ بھی اور کاغذ بھی قدیم ہے۔ ان
مبالغہ آرائیوں کو جب امام بخاریؒ نے دیکھا تو بڑی شدت سے حنابلہ کا رد کیا اور لفظی بالقرآن مخلوق
یعنی جو الفاظ قرآن پاک کے ہیں اپنی زبان سے بول رہا ہوں یہ مخلوق اور حادث ہیں۔ اور جو اس کے
خلاف کہے وہ کافر ہے۔ اس سلسلہ میں حنابلہ اور امام بخاریؒ کا حنابلہ کے مقابلہ میں اتنا اختلاف ہوا کہ امام احمدؒ نے معتزلہ کے مقابلہ میں سلیا اور
حنابلہ نے امام بخاریؒ کی خبر لی۔ چنانچہ امام بخاریؒ جہاں جاتے ابتلاء میں پھنس جاتے حتیٰ کہ آخر میں
سب جگہ سے مایوس ہو کر اپنے وطن مالوف بخارا واپس تشریف لے گئے۔

واقعہ امیر خالد اور حادثہ فاجعہ اس وقت بخارا میں امیر خالد نامی حاکم تھا بخارا پہنچ کر یہ واقعہ
پیش آیا کہ لوگوں نے امام بخاریؒ سے ایک مسئلہ دریافت کیا کہ اگر بکری کا دودھ دو بچے پی لیں تو کیا
ان میں رضاعت ثابت ہوگی۔ امام صاحب نے فرمایا کہ ہاں رضاعت ثابت ہو جائے گی۔ بعض
حاسدین نے خوب شور مچایا۔ ابو حفص کبیر حنفی کو کہلا بھیجا کہ تم حدیث پر رہو۔ فقہ دانی نہ کرو۔ فقہ و اس
کے مسائل ہم لوگوں کے لئے رہنے دو۔ اس کے بعد امیر خالد نے امام بخاریؒ کو کہلا بھیجا کہ
میرے لڑکے آپ سے حدیث پڑھنا چاہتے ہیں آپ کسی وقت آکر ان کو پڑھا دیا کریں۔ امام صاحب

نے جواباً کہلا بھیجا کہ مجھے حدیث پاک کو ذلیل نہیں کرنا جسے پڑھنا ہو میرے پاس آکر پڑھے امیر نے اس کو منظور کرلیا اور کہا کہ میں اپنے بچوں کے ہمراہ ضرور حاضر ہوں گا لیکن شرط یہ ہے کہ اس وقت دوسرے لوگ وہاں تعلیم کے لئے موجود نہ ہوں ۔ صرف میرے لڑکے تعلیم حاصل کریں گے ۔ حضرت امام صاحب نے اس کو بھی منظور نہیں فرمایا ۔ اور کہا کہ سب بچے پڑھنے میں برابر ہیں ۔ امیر کو اس بات پر غصہ آگیا ۔ اس نے امام صاحب کو بخارا سے نکل جانے کا حکم دیا ، چنانچہ امام بخاریؒ بخارا سے نکل گئے نکلتے وقت دعا کی کہ اے اللہ ! جس طرح اس امیر نے مجھ کو نکالا ، تو بھی اس کو ذلیل کرکے یہاں سے نکال دے ، ایک ماہ سے پہلے ہی اس امیر سے کوئی حاکم اعلیٰ کسی بات پر ناراض ہوگیا اور حکم دیا کہ اس معزول امیر کا منہ کالا کرکے گدھے پر سوار کرکے پورے شہر میں چکر کراؤ ۔ تو امام بخاریؒ نے وہاں سے سمرقند کا قصد فرمایا ۔ راستہ میں خرتنگ مقام پر کچھ رشتہ دار تھے ۔ رمضان کی آمد کی وجہ سے وہاں قیام فرمایا ۔ اسی دوران سمرقند سے اطلاع آئی کہ یہاں فضا تمہارے موافق نہیں ہے ۔ حضرت امام بخاری کو اس خبر سے بہت رنج وغم ہوا ۔ اور یہ دعا فرمائی ۔ اللّٰھم ضاقت علی الارض فما رحبت فاقبضنی الیک یہ دعا آپ نے اخیر عشرہ میں فرمائی جو قبول بھی ہوگئی ۔ چنانچہ عید کی رات وفات پائی اور عید الفطر یوم شنبہ ۲۰۶ھ بعد نماز ظہر اس مجسمۂ نور کو مقام خرتنگ میں دفن کردیا گیا ۔ دفن کے بعد سنا ہے کہ مدتوں آپ کی قبر مبارک سے نہایت زوردار خوشبو مہکتی رہی ۔

کتاب بخاری شریف

بخاری شریف کے متعلق مؤرخین کی رائے یہ ہے کہ اس کو سولہ سال کی مدت میں لکھا گیا ۔ لیکن کب تصنیف ہوئی اور کب ختم ہوئی ۔ اس کے متعلق حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلوی مرحوم کی رائے یہ ہے ۔ کہ حضرت امام بخاریؒ نے اس کتاب کو ۲۱۷ھ میں لکھنا شروع کیا ، جبکہ امام بخاریؒ کی عمر تینتیس ۳۳ سال تھی اور اور ۲۳۳ھ میں اس کی تالیف سے فارغ ہوئے ۔ جس کی دلیل بھی آپ نے بیان فرمائی ہے ۔

سبب تالیف مشہور یہ ہے کہ حضرت محمد بن اسحاق راہویہ استاد امام بخاریؒ کو کسی شخص نے آکر کہا کہ کیا ہی اچھا ہوتا کہ ایسی مختصر کتاب لکھی جاتی جس میں سب احادیث صحیحہ جمع ہوں ، یہ بات امام بخاریؒ کے دل میں گھر کر گئی ۔ دوسری بات یہ بیان کی جاتی ہے کہ امام بخاریؒ نے ایک خواب دیکھا تھا ۔ کہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بدن مبارک پر سے مکھیاں اڑا رہا ہوں ۔ ان کے استاد محمد بن اسحٰق راہویہ

نے یہ تعبیر دی کہ تم کسی وقت میں حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے احادیث کے ذخیرہ سے ان حدیثوں کو علیحدہ کرو گے جو ضعیف یا موضوع ہیں۔ چنانچہ اس کے بعد امام بخاریؒ نے اپنی یہ تالیف شروع کر دی۔ عام طور سے بخاری شریف کے متعلق دو قسم کی روایات ملتی ہیں۔ اوّل یہ کہ امام بخاریؒ نے یہ کتاب روضۃ من ریاض الجنۃ میں غسل کر کے لکھی۔ دوسری روایت یہ ہے کہ حطیم میں لکھی۔ اب اس پر یہ اشکال ہے کہ مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ میں مدتِ قیام سولہ سال نہیں ہے۔ بلکہ زائد سے زائد تین چار سال ہے۔ اس کی توجیہ یہ ہوسکتی ہے کہ سولہ برس تو ساری کتاب کے لکھنے کے ہیں اور تراجم سارے کے سارے ایک ہی مرتبہ روضہ مطہرہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں بیٹھ کر لکھے اس کے بعد جتنی جتنی احادیث ملتی رہیں ان کو چھانٹ چھانٹ کر لکھتے رہے۔ اس کی تائید خود امام بخاریؒ کے اس مقولہ سے ہوتی ہے کہ میں نے ایک حدیث مدینہ میں سنی اس کو بصرہ میں لکھی۔ بصرہ میں سنی تو شام میں لکھی شام میں سنی تو کوفہ میں لکھی۔ رہا یہ سوال کہ حطیم کعبہ اور روضہ مطہرہ میں تو کافی فاصلہ ہے یہاں پر کس طرح جمع کریں گے تو اس کا جواب یہ ہے کہ خود امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ میں نے بخاری تین بار تصنیف کی ہے۔ اور مصنفین کا قاعدہ ہے کہ مہتم بالشان تصنیف میں بار بار نظر ثانی کی جاتی ہے تبییض کی تسوید کی جاتی ہے۔ ممکن ہے امام بخاریؒ نے تسوید حطیم میں کی ہو اور تبییض روضہ اطہر علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں کی ہو یا اس کے برعکس ہو۔ اس سے جو نسخوں میں اختلاف ملتا ہے کہ کہیں باب ہے اور روایت نہیں۔ اس کا جواب بھی نکل آیا کہ تراجم سارے کے سارے ایک مرتبہ لکھے پھر روایات تلاش کر کے لکھیں۔ چنانچہ امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ میں ایک لاکھ صحیح احادیث اور دو لاکھ غیر صحیح احادیث یاد رکھتا ہوں اور ان کو چھ لاکھ حدیثوں سے چھانٹ کر اخذ کیا ہے۔ چنانچہ امام ترمذیؒ نقل فرماتے ہیں کہ امام بخاریؒ نے جس روایت کی تخریج کی ہے وہ صحیح ہے۔ بہت سی صحیح روایات کو چھوڑ دیا ہے طوالت کے خوف سے۔ البتہ جن کو اپنی کتاب میں درج کیا ہے۔ وہ سب صحیح ہیں چنانچہ مسند امام احمدؒ کا پڑھنا تو بجائے خود اس کا مطالعہ نہیں کیا جاسکتا۔ کیونکہ لوگوں کی ہمتیں قاصر ہیں تو امام بخاریؒ نے اختصار سے کام لیا۔ اور روایات صحیحہ کو جمع کر دیا۔ اگرچہ امام مسلمؒ اور مستدرکؒ نے بھی احادیث کو جمع کیا ہے۔ ہاں امام مسلمؒ جب تک اپنی کتاب لکھتے رہے امام بخاریؒ سے ملنے کی نوبت نہیں آئی۔ امام مسلمؒ اتصال سند کے متعلق وہ ثبوتِ لقاء کو ضروری نہیں سمجھتے۔ ان کے

نزدیک امکان لقاء بھی ہو تو کافی ہے۔ امام بخاریؒ ثبوت لقاء کو ضروری قرار دیتے ہیں۔ خواہ ایک مرتبہ ہی کیوں نہ ہو۔ جس پر امام مسلمؒ نے امام بخاریؒ کو سخت الفاظ میں یاد کیا ہے۔ لیکن جب امام بخاریؒ سے ملاقات ہوئی اور آپس میں مذاکرات کی نوبت آئی تو علامہ حافظ ابن حجرؒ نقل فرماتے ہیں کہ پھر تو امام مسلمؒ امام بخاریؒ سے اس طرح سوال کرتے تھے جیسے کمزور بچہ اپنے استاد سے پوچھتا ہے۔

الغرض امام بخاریؒ نے چھ لاکھ احادیث سے انتخاب کر کے بخاری لکھی جن کی تعداد میں اختلاف ہے۔ امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ کل احادیث مکررات کو شمار کر کے ساڑھے سات ہزار ہیں اور بغیر مکررات کے ساڑھے تین ہزار لیکن حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ کل احادیث نو ہزار ہیں مکررات حذف کر کے صرف ڈھائی ہزار باقی رہ جاتی ہیں۔ لیکن یاد رکھنا چاہیئے کہ بخاری کی احادیث کے صحیح ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ بقیہ کتابوں میں جو احادیث ہیں وہ غلط ہیں بلکہ وہ بھی صحیح ہیں۔ فرق صرف شرائط کا ہے۔ اتصالِ سند کی تین حالتیں ہیں۔ ثبوتِ لقاء۔ عدم ثبوتِ لقاء اور امکانِ لقاء۔ امکان لقاء سے ایسی روایات جو عن عن کے ساتھ ہیں اتصال پر محمول ہیں یا نہیں۔ امام بخاریؒ تو اتصالِ سند کے لئے ایک مرتبہ ثبوتِ لقاء کو ضروری سمجھتے ہیں۔ جمہور ائمہ ثبوت لقاء کو ضروری نہیں سمجھتے بلکہ ان کے ہاں امکانِ لقاء بھی اتصال کے لئے کافی ہے۔ بشرطیکہ ثبوت عدم لقاء نہ ہو۔ جمہور محدثین نے امام مسلمؒ کی شرط سے اتفاق کیا ہے۔ امام بخاریؒ نے جن شرائط کا اعتبار کیا ہے وہ امام مسلم کی شرائط سے زیادہ سخت ہیں۔ مزید برآں امام بخاریؒ فرماتے ہیں جب بھی میں نے کوئی ترجمہ لکھا ہے تو دو رکعت نماز نفل پڑھ کے مراقبہ کرتا تھا۔ مراقبہ کے بعد مدینہ منورہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مرقد مبارک پر پیش کرتا تھا۔ تو جو کتاب اس قدر عبادت اور خلوص کے ساتھ لکھی گئی ہو تو وہ یقیناً زیادہ مقبول ہوگی۔ تصنیف کے بعد اپنے اساتذہ کے سامنے پیش کیا اور لوگوں کو پڑھایا۔

فربریؒ مصنفؒ کے اعلیٰ درجہ کے تلامذہ میں سے ہے وہ فرماتے ہیں کہ اس کتاب کو نوے ہزار افراد نے جناب مصنفؒ سے سنا۔ اب ان میں سے سوائے میرے کوئی باقی نہیں رہا۔ یہ روایت فربریؒ کی ہے جو نہایت قوی ہے۔ تراجم ابواب میں بہت وقت سے کام لیا ہے۔ شراحؒ لکھتے ہیں کہ امام بخاریؒ نے تمام علوم کو ترجمۃ الباب میں لکھا ہے۔ فقہ البخاری فی تراجمہ۔

فربری | ان کا نام محمد بن یوسف بن مطر بن صالح فربری ہے۔ فِرَبر بکسر الفاء و فتح الراء و سکون الباء

ایک گاؤں ہے جو بخارا سے بیس[20] پچیس[25] میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ یہ ۲۳۱ھ میں پیدا ہوئے۔ اور بیس[20] شوال ۳۲۰ھ میں انتقال فرمایا۔ کل عمر نوّے سال ہے۔ حضرت امام بخاریؒ کے انتقال کے وقت ان کی عمر چھبیس[26] سال تھی۔ گویا چونسٹھ[64] سال بعد تک زندہ رہے۔ چونکہ بعد میں اتنی مدت تک پڑھایا اور ہر سال شاگردوں نے پڑھا اور لکھا اس لئے یہی نسخہ زیادہ متداول اور متعارف ہے۔ دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ فربریؒ نے امام بخاریؒ سے دو بار بخاری شریف پڑھی ہے۔ اوّل مرتبہ ۲۴۸ھ میں دوسری مرتبہ ۲۵۲ھ میں پھر ۲۵۶ھ میں امام بخاریؒ انتقال ہی فرما گئے اور بعض نے لکھا کہ تین مرتبہ پڑھی فربری سے بخاری شریف کے نقل کرنے والے بارہ شاگرد ہیں۔ ان میں سے نو کا ذکر حافظ ابن حجرؒ نے کیا ہے۔

تخریج روایات میں محدثین کی شرائط

رواۃ پانچ قسم پر ہیں۔ اوّل۔ کثیر الضبط والاتقان وکثیر الملازمۃ لشیوخہم۔ دوم۔ کثیر الضبط وقلیل الملازمۃ۔ سوم۔ قلیل الضبط وکثیر الملازمۃ۔ چہارم۔ قلیل الضبط وقلیل الملازمۃ۔ پنجم۔ قلیل الضبط وقلیل الملازمۃ مع غوائل الجرح سوٰی ذلک۔ یہ شرائط خود ائمہ حدیث اور مصنفین نے اپنی کتابوں میں ذکر نہیں فرمائی۔ بلکہ ان کے بعد علماء نے ان کی کتب کا مطالعہ کرنے کے بعد تتبع اور تلاش سے بیان فرمائی ہیں۔ امام بخاریؒ نے جن شرائط کا اعتبار کیا ہے وہ مسلمؒ کی شرائط سے زیادہ سخت ہیں۔ کیونکہ ہر روایت کے درمیان دو چیزیں ہوا کرتی ہیں۔ ایک راوی کی اپنی حیثیت اور اس کا ذاتی جوہر یعنی اس کا عادل ہونا ثقہ ہونا وغیرہ اور دوسری چیز یہ کہ اس کا تعلق اس کے استاذ سے ہو۔ امام بخاریؒ نے بھی ان دونوں شرطوں کا اعتبار کیا۔ کہ راوی عادل اور ثقہ ہو۔ دوسرے یہ کہ اپنے استاذ کے ساتھ اس کا لقاء (ملاقات) ثابت ہو۔ بلکہ اس کے ساتھ سفر وحضر میں رہا ہو۔ ورنہ حضر میں تو ملازمت رہی ہو۔ کیونکہ جو آدمی سفر وحضر کا ساتھی ہوگا اس سے غلطی کا امکان کم ہوتا ہے۔ امام مسلمؒ پہلی شرط میں تو امام بخاریؒ کے ساتھ ہیں۔ کہ راوی عادل اور ثقہ ہو۔ دوسری شرط یعنی لقاء ان کے ہاں ضروری نہیں ہے۔ بلکہ صرف امکان لقاء کافی ہے۔ یہی جمہور محدثین کا مسلک ہے۔

یہ جو محدثین فرماتے ہیں کہ فلاں حدیث بخاری کی شرط کے مطابق ہے۔ عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ اس حدیث کے رواۃ بخاری کے رواۃ ہیں بلکہ اس حدیث کا علی شرط البخاری ہونا اس وقت ہوگا جبکہ بخاری میں بھی کوئی روایت اسی سند کے ساتھ مذکور ہو۔ کیونکہ دونوں رواۃ کے یکجا ہونے سے یہ معلوم ہوگیا کہ دونوں راوی ثقہ ہیں اور لقاء بھی ایک دوسرے سے ثابت ہے۔ لیکن اگر دونوں رواۃ بخاری میں ہوں

لیکن ایک کسی سند میں دوسرا کسی اور حدیث کی سند میں ہو تو یہ کافی نہ ہو گا کیونکہ اس صورت میں دونوں کا لقا ثابت نہ ہو گا۔ ہاں البتہ دونوں کا ثقہ ہونا ثابت ہو جائے گا۔ اب رہے امام ابوداؤد اور نسائی دونوں امام بخاریؒ کی صرف شرط ثانی میں شریک ہیں۔ اور شرط اول یعنی عادل ہونا ان دونوں کے ہاں معتبر نہیں، حالانکہ اصلی شرط یہی ہے۔ اسی لئے یہ دونوں مسلم سے نیچے ہیں۔ اور ترمذی شریف میں دونوں شرطیں مفقود ہیں۔ اس لئے وہ ان دونوں سے بھی نیچے ہیں۔ اور ابن ماجہ میں چونکہ خود احادیث ہی گڈمڈ ہیں۔ اس لئے وہ بے چاری سب سے آخری درجہ کی ہے۔ کیونکہ مذکورہ بالا رواۃ کے جو پانچ درجے بیان ہوئے۔ ان میں سے امام بخاریؒ اوّل درجہ کے رواۃ کی احادیث بالاستیعاب لیتے ہیں اور دوسرے درجہ کی احادیث کا انتخاب کرتے ہیں۔ امام مسلمؒ اوّل اور ثانی درجہ کی احادیث بالاستیعاب اور تیسرے درجہ کی انتخاب کرتے ہیں۔ باقی کو چھوڑ دیتے ہیں۔ چوتھے درجہ سے امام ابوداؤد اور نسائی اخذ کرتے ہیں۔ اور پانچویں سے امام ترمذیؒ تخریج کرتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ امام بخاریؒ دوسرے درجہ کے رواۃ سے نیچے نہیں اترتے۔ امام مسلمؒ تیسرے سے نیچے نہیں اور امام ابوداؤدؒ اور نسائیؒ چوتھے درجہ سے نیچے امام ترمذیؒ پانچویں درجہ کے رواۃ تک اتر آتے ہیں۔

ثلاثیات بخاری بخاری شریف میں بائیس ثلاثیات ہیں۔ ثلاثیات کا مطلب یہ ہے کہ امام بخاریؒ اور حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان صرف تین واسطے ہیں۔ ایک تبع تابعی دوسرا تابعی اور تیسرا صحابی کا۔ اور یہ حدیث کی بہت ہی اعلیٰ نوع شمار کی جاتی ہے۔ کیونکہ صحابہ کرام تمام کے تمام عادل ہیں۔ الصحابۃ کلھم عدول۔ تابعین اور تبع تابعین یہ سب خیر القرون کے حضرات ہیں۔ علماء نے ثلاثیات پر مستقل کتابیں لکھی ہیں۔ خود بخاری شریف کے حاشیہ پر اول الثلاثیات و ثانی الثلاثیات موٹے قلم سے لکھا ہوا ہے۔ تو جب ثلاثیات واقعی مفخم ہیں تو فقہ حنفی اس سے بھی مہتم بالشان ہے۔ کیونکہ وہ تو ثنائی ہے۔ یعنی اس میں ایک واسطہ تابعی کا ہے دوسرا صحابی کا۔ کیونکہ امام اعظم رضی اللہ عنہ احناف کے نزدیک روایۃً بھی تابعی ہیں اور رویۃً بھی۔ البتہ غیر حنفیوں کے ہاں اگر روایۃً تابعی نہیں ہیں تو رویۃً تابعی ہونا ان کو بھی تسلیم ہے۔ نیز! بخاری کی جو ثلاثیات ہیں اس میں بیس[۲۰] کے تو استاذ حنفی ہیں۔ اور دو کے متعلق وثوق سے نہیں کہا جا سکتا کہ وہ حنفی ہیں۔ تفحص سے ان کا حنفی ہونا بھی انشاء اللہ ثابت ہو جائے گا۔

تنبیہہ معلوم ہونا چاہیئے کہ ہر حدیث پڑھنے والے کو سب سے پہلے اس بات کی ضرورت ہوتی ہے،

کہ وہ یہ معلوم کرے کہ اس حدیث کے متعلق ائمہ حدیث کیا کہتے ہیں اور ان کا مذہب کیا ہے یہ بات ترمذی سے معلوم ہوگی۔ جب مذہب معلوم ہوگیا تو اب اس کی دلیل معلوم ہو یہ وظیفہ ابوداؤد کا ہے۔ اس کے بعد ضرورت ہوتی ہے۔ کہ یہ مسئلہ کیسے مستنبط ہوا۔ تو استنباط مسائل کا امام بخاریؒ بتلاتے ہیں، جب احادیث سے مسائل مستنبط ہوگئے اور دلائل سامنے آگئے تو ان دلائل کی تقویت کے لئے اسی مضمون کی دوسری حدیث ضروری ہوتی ہے۔ یہ کمی امام مسلمؒ پوری کرتے ہیں۔ اب آدمی مولوی ہو جاتا ہے۔ اب اس کے بعد محقق بننے کی ضرورت ہوتی ہے تاکہ یہ معلوم کرے کہ یہ حدیث جو مستدل بن رہی ہے اس کے اندر کوئی علۃ تو نہیں اس کا تعلق نسائی سے ہے اس کے بعد آدمی کو ایک مستقل بصیرت حاصل ہوجاتی ہے۔ اب اس کو چاہیئے کہ وہ خود احادیث پر غور کرے اور دیکھے کہ اس کے اندر کوئی علۃ تو نہیں اب تک امام نسائی ساتھ دے رہے تھے۔ اب ضرورت اس بات کی ہے کہ بغیر کسی کے مطلع کئے ہوئے خود احادیث کو پرکھے اور علل کو تلاش کرے اس کے اندر ابن ماجہ معین ہے۔ کیونکہ اس میں احادیث گڈمڈ ہیں۔ کسی حدیث کے متعلق یہ نہیں بتایا گیا کہ اس کا درجہ کیا ہے۔

اب رہ گئی ترتیب فضیلت کے اعتبار سے تو جمہور کا مسلک یہ ہے کہ سب سے مقدم بخاری ہے البتہ مغاربہ اختلاف کرتے ہیں۔ کہ مسلم شریف سب سے افضل اور اصح ہے۔ جس کا مطلب یہ بیان کیا جاتا ہے کہ جودۃ ترتیب اور احسن سلیقہ کے لحاظ سے اقدم ہے۔ کیونکہ بخاری کے اندر کسی حدیث کا تلاش کرنا کہ وہ اپنے موقعہ پر مل جائے مشکل ہے الا قلیلاً بخلاف مسلم کے کہ اس میں ایک مضمون کی احادیث ایک ہی جگہ جمع کردیں۔ باقی اس کے علاوہ بخاری ہر اعتبار سے مسلم پر فائق ہے۔ بخاری کے بعد عند الجمہور مسلم کا درجہ ہے۔ اس کے بعد ابوداؤد کا ہے۔ چوتھا مرتبہ نسائی کا ہے۔ مولانا کاندھلویؒ کے نزدیک طحاوی شریف بھی مرتبہ ثالثہ میں ہے۔ ان چاروں کے بعد ترمذی شریف کا نمبر ہے۔ ان سب کے بعد ابن ماجہ کا درجہ ہے۔ کیونکہ اس کے اندر احادیث ضعیفہ بلکہ موضوعہ بھی آگئی ہیں۔ حضرت امام شافعیؒ سے مروی ہے۔ کہ

ماتحت ادیم السماء اصح من الموطاء۔ یہ امام شافعیؒ کا یہ فرمان بخاری شریف کی تصنیف سے پہلے پہلے کا ہے۔ کیونکہ بخاری کی تصنیف سے قبل اصح مؤطا امام مالک تھی۔ غرضیکہ بخاری اصح الکتب

بعد کتاب اللہ ہے۔ جس کی فضیلت اور شہرت کی وجہ سے لوگوں کو ان سے حسد پیدا ہو گیا یہاں تک کہ ان کے اساتذہ نے بھی ان سے حسد کیا۔ امیر بخارا خالد بن احمد نے جب اپنے محل پر اس نے لڑکوں کو بخاری اور تاریخ پڑھانے کے لئے طلب کیا تو امام بخاریؒ نے فرمایا یہ علم حدیث علم شریف ہے۔ اس کے لئے لوگ چل کر آئیں۔ یہ چل کر نہیں جاتا۔ بئس العالم علی باب الامیر ونعم الامیر علی باب العالم۔ گورنر کو بھی امام بخاریؒ سے بغض پیدا ہو گیا۔ تو اس نے آپ کو شہر بدر کرنے کا یہ طریقہ اختیار کیا کہ بخارا کے علماء کو جمع کر کے امام بخاریؒ کے متعلق فتاوٰی شائع کئے گئے کہ یہ اہل سنت والجماعۃ نہیں ہے۔ طرح طرح کے مضامین اختراع کئے گئے بالآخر علماء نے فتوٰی دے دیا۔ کہ ایسے آدمی کا بخارا میں رہنا مناسب نہیں ہے۔ امام بخاریؒ نے گورنر سے کہا تھا کہ میں تو لوگوں کو تحصیل علم سے منع نہیں کرتا تو گورنر ہے میرے حلقہ علم کو بند کر دے۔ تاکہ میرے لئے حجۃ ہو جائے۔ جس پر اس کو سوائے اس کے جرأت نہ ہوئی کہ امام بخاریؒ کو جلا وطن کر دیا۔ بہر حال جلا وطنی کے دوران خرتنگ میں آپ کی وفات ہوئی۔ وہیں دفن ہوئے۔ عرصہ دراز تک قبر سے خوشبو آتی رہی۔ لوگ مٹی اٹھا اٹھا کر لے جاتے تھے۔ صلحاء امت نے یہ حالت دیکھ کر اللہ تعالیٰ سے دعا کی۔ کہ اللہ تعالیٰ یہ ایک فتنہ ہے اسے اٹھا دے۔ جس روز امام بخاریؒ کی وفات ہوتی ہے۔ بعض ائمہ حدیث آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مع چند صحابہ کرام کے کھڑے ہوئے دیکھتے ہیں۔ پوچھنے پر معلوم ہوا کہ امام محمد بن اسماعیل بخاریؒ کی انتظار میں کھڑے ہیں۔ آنکھ کھلنے کے بعد امام بخاریؒ کی وفات کی خبر سنی جو عین خواب کے وقت کے مطابق تھی۔ اس طرح ایک عارف نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں یہ فرماتے سنا کہ تم کب تک مالک کی کتاب کو پڑھتے پڑھاتے رہو گے میری کتاب کو کیوں نہیں پڑھاتے۔ دریافت کرنے پر فرمایا کہ میری کتاب بخاری شریف ہے۔ اور بعض عارفین نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں اس طرح دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم چل رہے ہیں۔ اور امام بخاریؒ آپ کے قدم پر قدم رکھتے ہوئے چل رہے ہیں۔ الغرض یہ کتاب بخاری اصح الکتب ہے۔ جس میں امام بخاریؒ نے اپنی اجتہادی شان دکھلائی ہے جس کو سمجھنے میں دشواری پیش آتی ہے۔ اس کو شراح نے تسلیم کیا ہے۔ اس کتاب میں احادیث کی تشریح وترجیح۔ مذاہب کی طرف توجہ کم ہو گئی۔ زیادہ تر توجہ ابواب اور تراجم کی طرف ہو گئی۔ تراجم ابواب کے متعلق بعض حضرات نے مستقل تصانیف

لکھی ہیں۔ علامہ ابن حجر عسقلانی نے حضرت شاہ ولی اللہ رحمہما اللہ نے تراجم لکھے ہیں۔ حضرت شیخ الہندؒ کا ارادہ تھا کہ ابواب وتراجم پر مستقل تصنیف لکھی جائے۔ جب حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ حجاز مقدس میں بخاری شریف اور مسلم شریف پڑھایا کرتے تھے۔ تو انہیں کئی اشکال پیش آئے۔ سنہ ۱۳۲۶ھ میں بیوی محترمہ کے انتقال کے بعد دوسری شادی کرنے کی غرض سے ہندوستان تشریف لائے تو دوسری مرتبہ بخاری شریف پڑھنے کا شوق پیدا ہوا۔ آپ کی طبعی رغبت ابتدا میں معقولات کی طرف تھی پھر فلسفہ کی طرف اور بعد میں احادیث کی طرف بڑی رغبت پیدا ہوئی غرضیکہ مولانا مدنیؒ نے ان تراجم کو لکھنا شروع کیا۔ مگر عوارض کی وجہ سے پورے نہ ہو سکے۔ اسارت مالٹا کے بعد بھی اس کی خواہش ظاہر کی۔ مالٹا میں اس کا ایک مسودہ تیار کیا تھا۔ جس کے چند اصول بھی جمع کر دیئے تھے۔ جزئیات تفصیلیہ کا ارادہ کر ہی رہے تھے کہ زندگی نے وفا نہ کی۔ یہ حسرت حضرت شیخ الہندؒ قبر میں ہی ساتھ لے کر گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مراتب کتب حدیث

حضرت شاہ عبد العزیزؒ نے اپنے رسالہ مایجب حفظہ للناظر میں کتب حدیث کے پانچ طبقات بیان فرمائے ہیں۔

پہلا طبقہ وہ ہے جس کے اندر ایسی کتابیں داخل ہیں۔ جن کے متعلق ہم آنکھ بند کر کے یہ کہہ سکتے ہیں کہ ھذا صحیح۔ اگر کوئی اس کے خلاف ہے تو اس سے دلیل طلب کی جائے گی اس کے اندر صحیح بخاری، صحیح مسلم، مؤطا امام مالک، صحیح ابن حبان۔ مسند ابو عوانہ اور مستدرک حاکم داخل ہیں۔

دوسرا طبقہ وہ ہے کہ ان کتابوں میں جو احادیث مذکور ہیں۔ ان کو ہم صحیح تو نہیں کہہ سکتے۔ البتہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ وہ صالح الاحتجاج ہیں۔ یعنی ان سے استدلال کیا جا سکتا ہے۔ کیونکہ احتجاج کے لئے صحیح ہونا ضروری نہیں بلکہ حسان سے بھی احتجاج ہو سکتا ہے۔ اس طبقہ میں ابو داؤد شریف نسائی۔ ترمذی وغیرہ داخل ہیں۔ مولانا کاندھلویؒ ترمذی شریف کی بجائے طحاوی شریف کو ذکر کرتے ہیں۔

تیسرا طبقہ وہ ہے کہ ان کی احادیث کو نہ تو ہم صحیح کہیں گے اور نہ ہی ان کی تغلیط کریں گے۔ بلکہ غور کریں گے کہ کس درجہ کی احادیث ہیں۔ اس طبقہ میں مصنف عبد الرزاق مصنف ابن ابی شیبہ اور ابن ماجہ اور زوائد مسند ہے۔ زوائد مسند سے مراد یہ ہے کہ حضرت امام احمد بن حنبلؒ کے صاحبزادے

حضرت عبداللہ بن احمدؒ نے مسند امام احمد بن حنبل پر کچھ روایات کو زیادہ فرمایا ہے۔ جن کو زوائد مسند سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

چوتھا طبقہ وہ ہے جو پہلے کے بالکل برعکس ہے۔ کہ اس کے متعلق ہم آنکھ بند کر کے کہہ سکتے ہیں۔ کہ یہ سب ضعیف ہیں۔ اس طبقہ میں دیلمی کی مسند فردوسی اور حکیم ترمذی کی نوادرالاصول اور کتب تفاسیر کی تمام روایات داخل ہیں۔ یہ دونوں وعظ کی کتابیں ہیں۔ جن میں کثرت سے روایات ضعیفہ شامل ہیں۔

پانچواں طبقہ وہ کتب جن میں احادیث موضوعہ جمع کر دی گئی ہیں۔ ان سب میں سب سے زیادہ مشہور علامہ سیوطیؒ کی اللآلی المصنوعہ فی الاحادیث الموضوعہ اور دوسری کتاب ذیل اللآلی ہے۔ اور انہی کی تیسری کتاب التعقبات علی الموضوعات ہے۔ ایک دوسرے محدث ابن جوزی ہیں۔ جو مشہور حافظ حدیث ہیں اور بہت متشدد ہیں ان کے تشدد کی یہ حالت ہے کہ بخاری کی ایک روایت پر بھی موضوع ہونے کا حکم لگا دیا۔ جو درحقیقت موضوع نہیں لیسے ابو داؤد کی نو احادیث پر موضوع ہونے کا حکم لگایا۔ ملا علی قاری کی موضوعات کبیر اور علامہ شوکانی کی الفوائد المجموعہ بھی اسی مقصد کے لئے لکھی گئی ہے۔

سند قاسمی من المدنیؒ

محمد عبدالقادر قاسمی عن شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی عن شیخ الہند مولانا محمود الحسن دیوبندی عن رئیس المتکلمین مولانا محمد قاسم نانوتوی عن شاہ عبدالغنی مجددی دہلوی عن شاہ محمد اسحٰق دہلوی عن شاہ عبدالعزیز دہلوی عن شاہ ولی اللہ دہلوی الخ

سند مولانا کاندھلوی

مولانا زکریا محدث عن والدہ مولانا محمد یحییٰ کاندھلوی عن قطب عالم مولانا رشید احمد گنگوہی عن شاہ عبدالغنی مجددی عن شاہ محمد اسحٰق دہلوی عن شاہ عبدالعزیز دہلوی عن شاہ ولی اللہ دہلوی الخ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

باب کیف کان بدؤ الوحی الی رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم

یہاں ایک بڑا اشکال یہ کیا جاتا ہے۔ کہ حضرت امام بخاریؒ نے بخاری شریف کو خطبہ کے ساتھ شروع نہیں فرمایا اور بسملہ کے بعد احادیث شروع کر دیں۔ حالانکہ حدیث شریف میں ہے کل امر ذی بال لم یبدأ بحمد اللہ فھو ابتر (الحدیث) لہٰذا اس حدیث کے تحت ان کو حمدلہ ذکر کرنا چاہیئے تھا۔ اس کے متعدد جوابات دیئے گئے ہیں۔

پہلا جواب یہ ہے کہ جس حدیث کے اندر حمد کا ذکر ہے وہ حدیث چونکہ امام بخاریؒ کی شرائط کے مطابق نہیں اس وجہ سے مصنفؒ نے اس حدیث پر عمل نہیں کیا۔

دوسرا جواب یہ ہے چونکہ بخاری شریف کے اندر باریکیاں بے انتہا ہیں۔ یہاں بھی مصنفؒ نے ایک باریکی پیدا کی ہے۔ کہ حمدلہ سے مقصود اللہ تعالیٰ کے اوصاف کمالیہ کا اظہار کرنا ہے اور یہ مقصود خود بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے پورا ہو گیا۔ لہٰذا یہی حمدلہ کی جگہ کافی ہے۔ یہ جواب مولانا کاندھلویؒ کے والد ماجد کا ہے۔

تیسرا جواب علامہ عینیؒ نے فرمایا ہے۔ کہ میں نے محض اساتذہ کبار سے سنا ہے کہ اس کے بعض نسخوں میں حمدلہ ہے۔ امام بخاریؒ نے ابتداً کتاب میں حمدلہ لکھی تھی لیکن اس جواب کو حافظ ابن حجرؒ نے رد کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ حدیث کی کتابیں مؤطا وغیرہ بسملہ سے شروع ہیں ان میں حمدلہ نہیں ہے اصل جواب جو مولانا زکریا کاندھلویؒ کو حضرت امام بخاریؒ نے خواب میں بیان فرمایا کہ اس کی تالیف کتابی صورت سے نہیں ہوئی بلکہ الگ الگ اجزا رکتاب العلم۔ کتاب الطہارۃ وغیرہ تالیف ہوتے رہے بعد میں ان کو مرتب کر لیا گیا۔ اس لئے خطبہ کی نوبت نہیں آئی۔

باب اصل میں بوب تھا واؤ کو الف سے بدل دیا باب ہو گیا اجوف واوی ہے کیونکہ اس کی جمع ابواب ہے۔ لفظ باب میں علماء کے تین اقوال ہیں۔ اوّل یہ کہ اضافت کے ساتھ پڑھا جائے دوسرے

یہ کہ تنوین کے ساتھ۔ تیسرے یہ کہ وقف کے ساتھ پڑھا جائے اب یہاں اشکال یہ ہے کہ مصنفؒ نے اس کو باب سے تعبیر فرمایا کتاب سے اس وجہ سے تعبیر نہیں فرمایا۔ تاکہ آئندہ آنے والی کتاب اس کی قسم نہ بنے کیونکہ مقسم ہے۔ اور باقی تمام ابواب آتیہ خواہ عبادات سے متعلق ہوں یا معاملات سے سب کی سب وحی کی قسمیں ہیں۔ لہٰذا اگر تمام کو کتاب کے عنوان سے تعبیر فرماتے تو کوئی بھی مقسم نہ رہتا تو فرق پیدا کرنے کے لئے مقسم کو باب سے اور باقی کو کتاب سے تعبیر فرمایا۔ اور حسب قول حافظ ابن حجرؒ بعض نسخوں میں باب کا لفظ نہیں ہے۔

کیف کان یہاں سے امام بخاریؒ یہ بتلا رہے ہیں کہ وحی کی ابتدا کیونکر ہوئی۔ گویا کیفیت کے متعلق ایک سوال ہے۔ حضرت مولانا زکریاؒ فرماتے ہیں کہ میں نے متعدد بار خود بخاری کے ابواب کو شمار کیا ہے۔ تو پہلی جلد میں ابواب اور جلد ثانی میں دس باب ایسے ہیں جن کے اندر اصالۃً لفظ کیف کان واقع ہوا ہے اور اصالۃً کا مطلب یہ ہے کہ کہیں امام بخاریؒ نے باب و ترجمہ ذکر کرنے کے بعد کیف وغیرہ کہہ دیا۔ مگر وہاں کیفیت وغیرہ کوئی مقصود نہیں بخلاف ان تیس ابواب کے کہ شراح نے ہر جگہ کیفیت بیان کرنے کے واسطے مختلف توجیہات بیان کی ہیں۔ مثال کے طور پر اسی باب کے اندر دیکھ لو کہ پہلی حدیث اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ ذکر فرمائی ہے جس کے اندر نہ وحی کا ذکر ہے اور نہ ہی اس کی کیفیت مذکور ہے۔ مولانا فرماتے ہیں کہ غور و فکر کے بعد میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ جہاں کہیں اختلافِ روایات ہو۔ یا علماً کا اختلاف ہو یا احوال کے اندر اختلاف ہو۔ تو امام بخاریؒ اس اختلاف پر متنبہ کرنے کے لئے کیف کان سے باب باندھتے ہیں۔ مثلاً احوال کے اندر اختلاف کا مطلب یہ ہے کہ ایک حال وحی کا مثل صلصلۃ الجرس ہے اور ایک حال خواب وغیرہ کا ہے۔

حضرت شیخ الہندؒ کی رائے جو ان کے تراجم سے معلوم ہوتی ہے۔ یہ ہے کہ امام بخاریؒ کے اصول موضوعہ میں سے ایک اصل یہ بھی ہے۔ کہ امام بخاریؒ لبسا اوقات کوئی ترجمۃ الباب باندھتے ہیں۔ مگر اس سے اس کے ظاہری معنی مراد نہیں ہوتے بلکہ کچھ اور مراد ہوا کرتا ہے۔ ایسے یہاں بھی کیف کان سے کیفیت بیان کرنا مقصود نہیں بلکہ عظمت وحی کو بتلا رہے ہیں۔ کہ وحی جیسی عظیم الشان چیز کی ابتدا کیسے ہوئی تو آنے والی روایات نے بتلا دیا کہ ان اخلاق عالیہ پر ہوئی۔ اور علامہ عینیؒ کی رائے یوں ہے کہ لبسا اوقات امام بخاریؒ ایک مرکب باب باندھتے ہیں۔ اب یہ ضروری نہیں کہ ترجمہ کا ہر ہر جزء روایت سے ثابت ہو جائے۔ بلکہ اگر

کوئی سا جز بھی کسی روایت سے ثابت ہو جائے تو یہی کافی ہے چنانچہ یہاں پر وحی کا ثبوت ہو رہا ہے۔ حضرت مولانا گنگوہیؒ کی رائے یہی ہے۔ فرق اتنا ہے کہ علامہ عینیؒ کے نزدیک تو کسی ترجمہ کے جز کا ثابت ہو جانا کافی ہے۔ اور حضرت گنگوہیؒ کے نزدیک ترجمہ کا ثابت ہو جانا کافی ہے خواہ وہ کسی روایت سے ہو۔ حضرت مولانا مدنیؒ فرماتے ہیں کہ حضرت شاہ ولی اللہؒ کی رائے یہ ہے کہ وحی عام ہے متلو ہو یا غیر متلو وحی الی النبی ہو یا الی سائر الانبیاء اور بدء بھی عام ہے۔ خواہ زمانی ہو یا مکانی کیفی ہو یا کمی۔ تو ان کے عموم کی بنا پر توجیہات کی گئی ہیں کہ بدء بھی عام ہے اور وحی بھی عام ہے۔ تو اس صورت میں روایات کا انطباق باب سے ہو سکے گا۔ مگر اس پر پہلی روایت اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ ایسی آکر پڑتی ہے جس کی وجہ سے تطابق مشکل ہو جاتا ہے۔ کیونکہ اس میں نہ وحی کا ذکر ہے اور نہ ہی مبدء کا ذکر ہے۔ بعض حضرات نے بتکلف یہ جواب دیا کہ امام بخاریؒ یہ حدیث ترجمہ کے لئے لائے نہیں بلکہ قاری۔ استاد، کاتب و ناظر حضرات کی تصحیح نیت کے لئے لائے ہیں۔ کہ جس کی نیت خالص اور اعلیٰ ہو گی۔ اس کا ثمرہ عند اللہ عالی ہو گا نیت سافل تو ثمرہ بھی سافل ہو گا۔ لیکن اس پر یہ اشکال ہے کہ پھر تو باب باندھنے سے قبل ذکر کرتے بعد میں لانے کا کیا فائدہ۔ جواب دیا جاتا ہے کہ یہ ناسخین کی غلطی اور سہو ہے۔ مگر ہزارہا بلکہ کروڑہا نسخے لکھے گئے ہیں بلکہ چھاپے گئے سب میں سہو کیسے ہو سکتا ہے۔ تو بعض حضرات نے فرمایا کہ انما الاعمال بالنیات یہ بھی ما اوحی الیہ میں سے ہے۔ لہٰذا یہ بھی وحی ہو گا۔ مگر اس سے بھی مصنفؒ کا مقصد پورا نہیں ہوتا۔ اس لئے کہ اس نے باب الوحی نہیں فرمایا۔ بلکہ باب کیف کان بدء الوحی فرمایا ہے۔ اور یہ حدیث کیفیت بدء وحی پر دلالت نہیں کرتی۔ چنانچہ علامہ سندھیؒ نے اس جگہ اضافۃ بیانیہ قرار دی۔ ای کیف کان بدءُ الذی ھو الوحی الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم اور وحی مبدء اسلام ہے جس میں نہ عقل کو دخل ہے اور نہ کسی دوسری چیز کو۔ تو جب اس جگہ وحی کی کوئی کیفیت بھی بیان کر دی جائے تو تطابق کی صورت نکل آئے گی۔ لیکن اس پر بھی یہ اشکال ہے کہ پھر اس ایک حدیث کی کیا خصوصیت ہے بلکہ سب احادیث جو مشکوٰۃ نبوی سے صادر ہوئی ہیں۔ سب کو مبدء اسلام کہنا چاہیئے۔ حضرت شیخ الہندؒ نے جو وجہ ذکر فرمائی تھی۔ اس کو عموماً شراح تسلیم کرتے ہیں کہ مصنفؒ الفاظ تو دوسرے ذکر کرتے ہیں جن کے مدلول مطابقی سے ترجمہ ثابت نہیں ہو سکتا۔ جس پر اشکال کا خلجان پیدا ہوتا ہے۔ بنابریں اگر مدلول التزامی کو لیا جائے تو تمام روایات میں مطابق ہو جاتا ہے وہ

مدلول التزامی عظمت وحی ہے۔ قابل اعتبار ہونا اوراس میں کسی قسم کے شک وشبہ کی گنجائش نہ ہونا، توجب مصنفؒ اوّل وہلے عظمت وحی کو بیان کرے گا۔ اس کی بدولت اس کی کتاب بھی قابل اعتماد رہے گی۔ سوال یہ ہے کہ اس غرض کے مطابق یہ روایت کیوں کرہوئی اس کی دو تقریریں کی جاتی ہیں ایک استدلال انّی کے طریقہ پہ دوسرا استدلال لمّی کے طریقہ پہ۔ کہ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جیسی نیت ہوگی ویسا ہی عمل ہوگا۔ اگر نیت عالی تو عمل بھی عالی ہوگا۔ اگر نیت دنی ہوگی تو عمل بھی دنی ہوگا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نیت اعلیٰ درجہ کی تھی جس پہ تاریخ شاہد ہے۔ اگر کسی قسم کی دنیاوی غرض ہوتی تو آپ مکانات بنواتے۔ اموال جمع کرتے۔ لیکن آپؐ تیئس ۲۳ برس تک تبلیغ کرتے رہے وفات کے وقت نہ درہم چھوڑا نہ دینار صرف ایک مکان چھوڑا وہ بھی کچا جس کے متعلق حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ اس کی چھت اتنی نیچی تھی کہ میرے سر کو لگتی تھی۔ حضرت حسن بصریؒ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے تیرہ برس بعد پیدا ہوئے۔ مدینہ میں رہے پھر بصرہ چلے گئے حضرت ام سلمہؓ کے بیٹے ہیں۔ ان کا علمی خزانہ انہی کی بدولت ہے۔ یہ حضرت علیؓ سے بیعت تھے بلکہ ان سے خلافت بھی ملی تھی۔ سوائے نقشبندیہ کے باقی سب سلاسل کا تعلق ان سے ہے۔ ان کی شہادت سے معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ بھی جمع نہیں فرمایا۔ تو نیت عالی یہ ثمرہ عالی مرتب ہوا کہ ختم نبوت کا تاج سر پہ رکھا گیا۔

بدءِ | یہ لفظ بخاری کے مشہور نسخوں میں بآ کے فتح اور دال کے سکون اور ہمزہ کے ساتھ نقل کیا گیا ہے۔ جس کے معنی ابتدار کے ہیں۔ اور علامہ عینیؒ نے بعض شراح سے بُدُوّ بضم الاول والثانی وتشدید الواؤ نقل کیا ہے۔ جس کے معنی اظہار اور ظہور کے آتے ہیں۔ حافظ ابن حجرؒ کی رائے یہ ہے کہ یہ ہمزہ کے ساتھ بدءِ ہے۔ کیونکہ بعض نسخوں میں ابتدار کا لفظ وارد ہوا ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ یہ بدر بمعنی الابتدار ہے نہ کہ بدوّ بمعنی الظہور۔ اگر کسی نسخہ میں بدوّ بمعنی الظہور موجود ہو تو اس صورت میں حضرت شیخ الہندؒ کے ارشاد کی اشارۃً تائید ہوسکتی ہے کہ ارے وحی کا ظہور کہاں سے ہوگیا۔ روایات نے بتلا دیا۔ کہ اوصاف حمیدہ پہ نزول ہوا۔

الوحی | لغت میں اس کے معنی الاعلام فی خفاءٍ کے آتے ہیں اور اصطلاح میں وحی الکلام المنزل من اللہ تعالیٰ علی الانبیار کو کہتے ہیں۔ وحی کی کئی قسمیں ہیں۔ امام حلیمی نے چھیالیس قسمیں بیان

فرمائی ہیں۔ سہیلی نے وحی کی کل سات قسمیں بیان فرمائی ہیں، اور یہی عامۃ الشراح کی رائے ہے۔
اوّل خواب یہ متفقہ مسئلہ ہے۔ کہ انبیاء علیہم السلام کا خواب وحی ہوا کرتا ہے۔ اسی واسطے حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے بیٹے کو ذبح کر دیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ علماء نے بیان کیا ہے۔ اگر حضرات انبیاء علیہم السلام سو رہے ہوں۔ تو ان کو جگانا جائز نہیں ممکن ہے خواب میں وحی آرہی ہو۔
دوسرا قسم القائی القلب ہے۔ یعنی اگر قلب پر کوئی چیز وارد ہو تو وہ وحی ہوگی اور اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی ولی امتی کے قلب پر کوئی شی وارد ہو۔ تو اہل فن کی اصطلاح کے اندر کشف سے تعبیر کرتے ہیں۔ وحی اور کشف میں یہ فرق ہوتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کا وارد وحی ہوتا ہے اور ہمیشہ صواب ہوتا ہے۔ اولیاء کا وارد صواب اور خطا کے درمیان ہوتا ہے۔
تیسرے اللہ تعالےٰ کا مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ کلام فرمانا۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کلام حجاب کی صورت میں ہوا تھا۔
چوتھے یہ کہ ملک اپنی اصلی شکل کے اندر آکر کلام کرے۔ پانچویں انسانی شکل میں آکر کلام کرے۔ چھٹے یہ کہ مثل صلصلۃ الجرس یعنی گھنٹے جیسی آواز جس کا ذکر روایت میں آرہا ہے۔ ساتویں یہ کہ حضرت جبرائیل کے واسطہ سے وحی ہو۔
مولانا زکریا کاندھلویؒ کے نزدیک صرف چار قسمیں ہیں (۱) من وراء حجاب (۲) تلقی بالقلب (۳) خواب (۴) وحی جو بواسطہ فرشتے کے ہو۔

الیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رسول اور نبی اللہ تعالےٰ کی طرف سے پیامبر اور واسطہ ہوتے ہیں۔ دونوں میں فرق یہ ہے۔ کہ نبی صاحبِ شریعت نہیں ہوتا اور رسول صاحبِ شریعت ہوتا ہے۔ رسول اللہ یہ عام لفظ ہے جو اللہ کے ہر رسول کو شامل ہے۔ لیکن یہاں اضافت عہدِ خارجی ہے۔ اس لئے اسی سے ہمارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہیں۔

صلی اللہ علیہ وسلم علماء نے لکھا ہے جہاں کسی صحابی کا ذکر آئے تو وہاں رضی اللہ عنہ کہنا چاہیئے خواہ کتاب کے اندر لکھا ہوا یا نہ ہو۔ اسی طرح جہاں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نامی وہاں صلی اللہ علیہ وسلم پڑھے چاہے کتاب میں نہ ہو۔ امام کرخیؒ کی رائے یہ ہے۔ ایک بار عمر بھر

ہیں درود شریف پڑھنا واجب ہے۔ بعد ازاں مستحب ہے۔ اور علامہ طحاویؒ کا مذہب یہ ہے۔ کہ جتنی مرتبہ آپؐ کا نام پاک آئے ہر بار پڑھنا واجب ہے۔ یہ اختلاف ایک اصل پر مبنی ہے۔ قرآن مجید میں ہے۔ صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا اصول فقہ میں ہے الامر المطلق لا يقتضي التكرار و لا يحتمله اسی بنا پر امام کرخیؒ کے نزدیک عمر بھر میں ایک بار پڑھنا واجب ہے۔ پھر مستحب ہو جاتا ہے۔ لیکن امام طحاویؒ فرماتے ہیں کہ درود شریف کے پڑھنے کا حکم ایک سبب کی بنا پر ہے وہ ہے آپ کا اسم سامی اور قاعدہ یہ ہے کہ تکرار سبب تکرار مسبب کا تقاضا کرتا ہے۔ لہذا جب بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم سامی آئے گا۔ درود کا حکم متوجہ ہوگا۔ اور اس کا پڑھنا واجب ہوگا۔ جیسے اقیموا الصلوٰۃ کا حکم وقت جو سبب صلوٰۃ ہے۔ اس وقت کے تکرار سے نماز کا حکم متوجہ ہوگا۔

قول اللہ عزوجل یہ لفظ بالرفع اور بالجر دونوں طرح پڑھا گیا ہے۔ بالرفع کی صورت میں باب پر عطف ہوگا۔ خواہ وہ باتنوین ہو یا بالاضافۃ ہو۔ اور جر کی صورت میں باب کے تحت میں ہوگا۔ اور باب مضاف ہوگا۔ اور کیف کان پر عطف ہوگا۔ امام بخاریؒ یہ جملہ متعدد جگہ ذکر فرمائیں گے۔ وہاں اس میں تین احتمال جاری ہوں گے۔ یا تو یہ جز ترجمہ ہوگا۔ اس صورت میں مثبت بفتح البا ہوگا۔ یا مثبت بکسر البا ہوگا یا ادنیٰ ملابستہ کی وجہ سے ذکر فرمادیں گے۔ کہ آیت کریمہ کو ترجمۃ الباب سے ادنیٰ ملابستہ مناسبت ہے۔ خواہ کسی قسم کی مناسبت ہو۔ اور بعض جگہ امام بخاریؒ آثار بھی ادنیٰ مناسبت کی وجہ سے ذکر کرتے ہیں۔ مولانا مدنیؒ فرماتے ہیں کہ مرفوع کی صورت میں ترجمۃ الباب کی دلیل ہوگا۔ جبکہ یہ مبتدا محذوف الخبر ہو ای فیہ قول اللہ تعالیٰ۔ اگر مجرور ہو تو ترجمۃ الباب میں شامل ہوگا۔ اس قول کی تفسیر کرنی ہے۔ دوسرے کلام سابق کا مفہوم ہو۔ بہرحال اس دوسرے ترجمہ کو بھی دلیل قرار دیا جائے گا۔ اس لئے کہ جب ایک باب میں مصنفؒ چند تراجم لاتا ہے تو ان میں مناسبت ہوتی ہے۔ کبھی ترجمہ ثانیہ ادنیٰ کی دلیل ہوتا ہے۔ اور کبھی دو یا تین مدلول ہوتے ہیں کسی اور کے۔ بہرحال ان میں باہمی تعلق ضرور ہوتا ہے۔ اول تقدیر پر بالبداہۃ دلیل ہے۔ بر تقدیر ثانی مختلف وجوہ سے دلیل ہے۔ کیونکہ وحی کے تین منازل ہیں۔ (۱) اللہ تعالیٰ سے ملک تک (۲) ملک سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک (۳) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ہم تک پہنچنا ہے۔

انا اوحینا الیک اس آیت میں اگرچہ نفس وحی کا ذکر ہے۔ کیفیت بدء الوحی کا کوئی تذکرہ نہیں۔ مگر اس آیت سے مبدأ اوّل یعنی اللہ تعالیٰ کی دلیل بیان کی گئی ہے۔ کیونکہ نحن اور انا جمع کے صیغے عرب میں مفرد معظم کے لئے استعمال کئے جاتے ہیں۔ باری تعالیٰ بھی مفرد اور وحدہٗ لاشریک لہٗ ہیں۔ وہ جمع کا صیغہ اپنی عظمت کا لحاظ کر کے استعمال فرماتے ہیں۔ اور قاعدہ ہے کہ جب حکم کسی صفت کے ساتھ موصوف ہو۔ تو اس حکم میں صفت کو دخل ہوتا ہے۔ علیتہ کا یا کوئی اور۔ اس جگہ مسند الیہ کو موصوف بالعظمۃ قرار دیا گیا ہے۔ تو جو وحی اس کی طرف سے نازل ہو گی وہ بھی معظم ہو گی۔ تو انا ارسلنا سے اس کی عظمت معلوم ہو گئی اور اس کی انتہا بھی معلوم ہو گئی۔ کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جن پر الیک کا لفظ دلالت کرتا ہے تو اس آیت سے مبدأ اور منتہا تو معلوم ہو گیا۔ لیکن سفر ثانی صراحۃً معلوم نہیں ہوتا بلکہ اشارۃً معلوم ہوتا ہے۔ اس لئے کہ کَمَآ اَوْحَیْنَآ اِلٰی نُوْحٍ وَّالنَّبِیّٖنَ فرمایا گیا۔ جہاں سفر ثانی کا مصداق جبرائیل علیہ السلام ہیں۔ لہٰذا یہاں بھی وہی مبدأ ہوں گے

النبیین جمع مذکر سالم کا صیغہ ہے جب جمع محلّی باللام ہو تو استغراق کا فائدہ دیتی ہے۔ تو وہ انبیاء علیہم السلام متعدد ہیں۔ یا تو ان سب کے لئے وحی کا ایک طریقہ ہو تو آپؐ کے لئے بھی ایک ہی متعین ہو گیا۔ اگر طرق متعدد ہیں۔ تو سب طرق آپؐ میں جمع ہوں گے۔ ؎

آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری۔ اس لئے کہ بعض انبیاء کی طرف وحی ادعیہ کی تھی جیسے حضرت داؤد علیہ السلام اگرچہ ان کو زبور دی گئی مگر اس میں احکام نہیں تھے۔ صرف ادعیہ تھیں۔ اور موسیٰ علیہ السلام کی تورات میں احکام تھے۔ اسی طرح باقی صحف صحائف میں اس اعتبار سے اگر وحی کو کلی مشکک کہا جائے تو لازم آئے گا کہ آپؐ کی وحی کوئی نرالی نہیں ہے۔ بلکہ وہی ہے جو انبیاء سابقین کو دی گئی تھی۔ جو انبیاء سابقین کی وحی کو ماننے والے ہیں۔ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وحی کو مانیں اور اس کا اتباع کریں یہ آیت اس کی دلیل ہے۔ بلکہ یہ سالم دو رکوع وحی کی کمل کیفیت پر مشتمل ہیں۔ پہلے رکوع میں فاسد الدماغ لوگوں کا بیان ہوا کہ فَقَدْ سَاَلُوْا مُوْسٰٓی اَکْبَرَ مِنْ ذٰلِکَ (الآیۃ) دوسرے رکوع میں اِنَّآ اَوْحَیْنَآ اِلَیْکَ سے صحیح الدماغ لوگوں کی طرف التفات ہے۔ جس میں سب حضرات کی وحی کا ذکر کیا گیا۔ جو آدمی کے تمام اقسام اور جمیع کیفیات پر مشتمل ہے۔

آیت بالا کی تشریح میں مولانا زکریا کاندھلویؒ فرماتے ہیں کہ آیت میں حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم

کی وحی کو تشبیہہ دی گئی ہے۔ حضرت نوح اور دیگر انبیاء کی وحی کے ساتھ اور ظاہر ہے کہ ان کی وحی کی ابتدا بھی ہو گی۔ اور اس کی کیفیت ہی ہو گی۔ لہذا اس سے کیفیت ابتدا وحی معلوم ہو گئی۔

۲۔ وحی کے مختلف معانی آتے ہیں۔ اصل معنی تو اس کے کلام خفی کے ہیں۔ اور گاہے وحی کے معنی مطلقاً الہام اور القاء کے آتے ہیں۔ اس معنی کے لحاظ سے قرآن کریم میں واوحیٰ ربک الی النحل وارد ہوا ہے۔ تو حضرت امام بخاریؒ اس آیت کو ذکر کر کے اشارہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف جس وحی کی ابتدا ہوئی ہے۔ وہ وحی رسالت ہے۔ نہ کہ وحی الی الحیوانات ہے جس کا تعلق امور تکونیہ سے ہے۔ لہذا اس سے خود کیفیت وحی معلوم ہو گئی۔

۳۔ مقصود صرف ابتدا وحی میں تشبیہہ دینا نہیں بلکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وحی کو مختلف انبیاء علیہم السلام کی مختلف انواع وحی سے تشبیہہ دینی ہے۔ جو ان پر مختلف طور سے بھیجی جاتی ہیں۔

۴۔ اس آیت سے تنبیہہ کرنا ہے کہ وحی کے لئے تین چیزیں لازم ہیں۔ مرسل۔ وہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہے (۲) مرسل الیہ۔ وہ انبیاء ہیں اور حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم ہیں (۳) واسطہ وہ جبرائیل ہیں مقصود آیت وحی کے جملہ لوازمات کو بیان کرنا ہے۔

والنبیین من بعدہٖ آیت کریمہ میں حضرت نوح علیہ السلام کی تخصیص کی گئی ہے حالانکہ آپ سے پہلے اور بھی انبیاء گزرے ہیں اور ان پر بھی وحی آئی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام سب سے پہلے نبی مرسل ہیں۔ اور احکام تکلیفیہ سب سے پہلے خاص طور پر انہی کے زمانہ میں نازل ہوئے ہیں۔ چنانچہ حدیث حشر میں اول مرسل حضرت نوح علیہ السلام کو بتلایا گیا ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ نوح علیہ السلام کو ان کی قوم نے بہت ستایا۔ جس پر انہوں نے صبر کیا۔ تو اس سے اشارہ کر دیا کہ تم کو بھی تکلیف ہو گی صبر کرنا تیسری وجہ یہ ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام شیوع کفر میں مبعوث ہوئے ان سے پہلے کفر کا شیوع نہیں ہوا تھا۔ آپؐ کو بھی بتلا دیا گیا۔ کہ آپؐ بھی شیوع کفر میں مبعوث ہوئے ہیں۔ چوتھی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ طوفانِ نوح کی وجہ سے تمام انسان ہلاک ہو گئے تھے۔ سوائے نوح علیہ السلام اور ان کے متبعین کے۔ تو یہ موجودہ نسل انہی سے چلی ہے۔ اس بنا پر ان کو آدم ثانی کہا جاتا ہے تو آیت کریمہ میں باپ کی وحی کے ساتھ تشبیہہ دے دی ہے۔ پانچویں وجہ یہ ہے۔ کہ علماء نے لکھا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کا زمانہ

طفولیت کا ہے۔ احکام تکلیفیہ ان کے زمانے میں بہت کم تھے۔ معاش وغیرہ کی تعلیم ان کے زمانہ میں زیادہ تھی۔ اور حضرت شیث علیہ السلام کو علم زراعت اور حضرت ادریس علیہ السلام کو علم صناعت عطا فرمایا گیا۔ احکام تکلیفیہ کی ابتدا حضرت نوح علیہ السلام کے دور سے ہوئی تو حضرت نوح علیہ السلام کا ذکر خاص کر کے تنبیہہ کرنا ہے کہ آپؑ کی وحی احکام تکلیفیہ کی جنس سے ہے۔ چھٹی توجیہ حضرت مولانا گنگوہیؒ نے فرمائی ہے کہ ہر ایک چیز کے ساتھ تشبیہہ دینے سے دوسری چیز کی نفی نہیں ہوتی جیسے اگر کسی کو کوتے سے تشبیہہ دی جائے تو اس سے کوئلہ کی سیاہی سے مشابہت کی نفی نہیں ہوتی۔ ساتویں توجیہ یہ ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام اولوالعزم انبیاء میں سے ہیں۔ حضرت نوح علیہ السلام کی تخصیص سے اشارہ فرمایا گیا کہ آپ بھی اولوالعزم انبیاء میں سے ہیں۔ اور انبیاء علیہم السلام کی جملہ انواع وحی حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نازل فرمائی گئی ہیں۔

حضرت شیخ مدنیؒ فرماتے ہیں کہ من بعدہ کی قید سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کے بعد جو وحی آئی ہے۔ آپؐ اس پر تو حاوی ہیں۔ لیکن جو وحی ان سے پہلے آئی ہے۔ اس وحی پر آپؐ مجتمع نہیں جیسے آدم علیہ السلام وشیث علیہ السلام کی وحی۔ حالانکہ اہل تصوف فرماتے ہیں کہ یہ عالم ایک شخص واحد اکبر ہے۔ اور مخلوقات شخص اصغر ہے۔ خدا جانے اس شخص جیسے اور کتنے اشخاص ہیں لَا يَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ اِلَّا هُوَ چنانچہ سائنس والے بتلاتے ہیں۔ کہ مریخ اور قمر میں کچھ آبادی ہے۔ دوربین سے ہم ان کو چلتے پھرتے دیکھتے ہیں۔ گفتگو کرنے کی کوشش کی گئی۔ لیکن کامیابی نہیں ہوئی۔ قرآن مجید میں بھی ہے۔ وَمِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ چنانچہ ایک بزرگ کو تمام عالم کف دست کے برابر دکھایا گیا۔ مگر یہ مشاہدہ ان کا ہمیشہ نہیں رہتا۔ احوال متبدل ہوتے رہتے ہیں۔ اگر اولیاء کرام کے لئے یہ مشاہدات ہمیشہ رہتے تو حضرات انبیاء علیہم السلام اس کے زیادہ مستحق تھے۔

الغرض عالم شخص اکبر ہے۔ اور اس کے اجزاء میں سے جزو اشرف انسان ہے۔ اس نوع انسانی کے کئی اجزاء ہیں۔ طفولیت۔ شباب۔ شیخوخت کے زمانے۔ حضرت نوح علیہ السلام تک تمام مخلوقات کے لئے زمانہ طفولیت ہے۔ اسی زمانے میں وحی ضروریات زندگی بتلانے کے لئے آتی رہی۔ کہیں زراعت کی وحی۔ کہیں صنعت کی وحی۔ کیونکہ بچے کے لئے تو احکام نہیں ہوا کرتے بلکہ ابتدا میں اس کی تربیت کی جاتی ہے۔ بعد ازاں معلم کے سپرد کیا جاتا ہے۔ اور نوعمری کے عالم میں ہٹ دھری

پر منحصر رہتا ہے۔ چنانچہ حضرت نوح علیہ السلام نے ساڑھے نوسو سال تک تبلیغ کی۔ لوگ ہٹ دھرمی کی وجہ سے سزا کے مستوجب ہوئے۔ پھر حضرت ہود علیہ السلام کو بھیجا گیا۔ اس وقت بھی شرارتیں کی گئیں جن پر مواخذہ ہوا۔ غرضیکہ نوح علیہ السلام کے زمانہ سے پہلے صرف توحید و رسالت پر کفایت کی گئی۔ زراعت خیاطت وغیرہ کی تعلیم دی گئی۔ حکم اور احکام کا زمانہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ہے۔ جو عالم کی کہولت کا وقت ہے۔ چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد حکمت کا شیوع ہوتا ہے۔ حکمائے یونان وحکمائے ہند وغیرہ پیدا ہوئے ہیں۔ بنا بریں من بعدہ کی قید لگائی گئی تاکہ وحی کی تمیز ہو جائے۔ کہ حضرت نوح علیہ السلام کے بعد کی وحی احکام کے لئے ہے۔ پہلے کی وحی تکمیل خلقت کے لئے تھی۔ احکام بمنزل عدم کے تھے۔

اب تشریح شروع ہوتی ہے۔

تشریح کرنے والے ایک تو شیخ الاسلام شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی مرحوم ومغفور ہیں اور دوسرے شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی مرحوم ہیں

سند

قال الشاہ ولی اللہ الدہلوی اخبرنا الشیخ ابو طاہر محمد بن ابراہیم الکردی المدنی قال اخبرنا والدی الشیخ ابراہیم الکردی المدنی قال قرآت الشیخ احمد القشاشی قال قرآت علی الشیخ الحافظ ابی الفضل شہاب الدین محمد بن احمد بن محمد الرملی عن الشیخ احمد زکریا بن محمد ابو یحییٰ الانصاری قال قرآت علی الشیخ الحافظ ابی الفضل شہاب الدین احمد بن علی بن حجر العسقلانی عن ابراہیم بن احمد التنوخی عن ابی العباس احمد بن ابی طالب الحجار عن السراج الحسین بن المبارک الزبیدی عن الشیخ ابی الوقت عبدالاول بن عیسیٰ بن شعیب السجزی الہروی عن الشیخ ابی الحق عبدالرحمٰن بن مظفر الداؤدی عن ابی محمد عبداللہ بن احمد السرخسی عن ابی عبداللہ محمد بن یوسف بن فطر بن صالح الفربری بری عن مؤلفہ امیر المؤمنین فی الحدیث الشیخ ابی عبداللہ محمد بن اسماعیل بن ابراہیم البخاری رحمۃ اللہ۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ؕ

ترجمہ۔شروع کرتا ہوں اُس اللہ تعالیٰ کے نام سے جو نہایت رحم کرنے والا اور مہربان ہے ۔

پہلا پارہ

باب کیف بدؤ الوحی الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

ترجمہ یہ باب ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف وحی کی ابتدا ر کیسے ہوئی ۔

وقول اللہ عزّ وجلّ۔ اِنَّآ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ كَمَآ اَوْحَيْنَآ اِلٰى نُوْحٍ وَّ النَّبِيّٖنَ مِنْۢ بَعْدِهٖ ۚ

ترجمہ اور اللہ بلند و برتر کا قول ہے کہ بے شک ہم ہی نے آپ کی طرف ایسے وحی بھیجی جیسے کہ ہم نے نوحؑ ان کے بعد نبیوں کی طرف بھیجی ۔

۱ ۔ **حَدَّثَنَا** الْحُمَيْدِيُّ اِلٰى اٰخِرُ السَّنَدْ اَنَّهٗ سَمِعَ عَلْقَمَةَ بْنَ وَقَّاصٍ اللَّيْثِيَّ يَقُوْلُ سَمِعْتُ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَلَى الْمِنْبَرِ يَقُوْلُ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ وَاِنَّمَا لِامْرِئٍ مَّا نَوٰى فَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهٗ اِلٰى دُنْيَا يُصِيْبُهَا اَوْ اِلَى امْرَاَةٍ يَّنْكِحُهَا فَهِجْرَتُهٗ اِلٰى مَا هَاجَرَ اِلَيْهِ ۔

ترجمہ حضرت علقمہ بن وقاص لیثی فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے منبر پر یہ کہتے ہوئے سنا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو میں نے یہ کہتے ہوئے سنا کہ عملوں کے اعتبار نیتوں سے ہی ہوتا ہے ۔ اور آدمی کو وہی کچھ ملتا ہے جسکی اس نے نیت کی ۔ پس جس کی ہجرت دنیا حاصل کرنے کے لئے ہوئی یا کسی عورت سے نکاح کرنے کے لئے ہوئی تو جس چیز کی طرف اس نے ہجرت کی ہے اسی ہجرت کا اس کو ثواب ملے گا ۔

تشریح **حدثنا الحمیدی** ۔ حدثنا یہ محدثین کی ایک اصطلاح ہے ۔ اور اس کے ساتھ دو لفظ اور ہیں ۔ ایک اخبرنا دوسرا انبانا ۔ بخاری اور مسلم میں کثرت سے حدثنا اور نسائی میں بکثرت اخبرنا اور مصنف ابن ابی شیبہ اور مصنف عبد الرزاق میں بکثرت انبانا ملے گا ۔ اس میں اختلاف ہے کہ یہ تینوں

ایک ہیں یا ان میں کوئی فرق ہے ۔علماءِ سلف جن میں امام بخاریؒ بھی شامل ہیں فرماتے ہیں کہ ان میں کوئی فرق نہیں سب ایک دوسرے کی جگہ استعمال ہو سکتے ہیں ۔ لیکن متاخرین میں مشارقہ اور امام نسائی داخل ہیں ۔ وہ فرماتے ہیں کہ لغت اور معنی کے اعتبار سے تو کوئی فرق نہیں لیکن استعمال کے اعتبار سے فرق ہو گا ۔ وہ اس طرح کہ اگر استاذ پڑھے اور شاگرد سنیں تو اس کو حدثنا سے تعبیر کریں گے ۔ اگر استاذ سنے اور شاگرد پڑھیں تو اس کو اخبرنا سے تعبیر کریں گے اور جہاں نہ استاذ قرأت کرے اور نہ شاگرد بلکہ صرف استاذ اپنی کتاب شاگرد کو دے کر یا اوائل پڑھا کر اجازت دے دے تو
اس کو انبانا سے تعبیر کیا جائے گا ۔ تحدیث کے معنی آتے ہیں حدیث کا بیان کرنا اور اخبار اور انبار دونوں ہم معنی ہیں یعنی خبر دینا ۔ محدثینؒ کے ہاں یہ قاعدہ ہے کہ ابتداء میں تو حدثنا جلی قلم سے لکھتے ہیں اور اس کے بعد جب دوبارہ لکھتے ہیں تو باریک لکھا کرتے ہیں تاکہ سند حدیث کے اندر ابتداء اور غیر ابتداء کا امتیاز ہو جائے ۔ اس طرح ایک قاعدہ یہ بھی ہے کہ دوسری مرتبہ حدثنا یا اخبرنا تحریر کرنے سے پہلے قال کو کتابۃً حذف کر دیتے ہیں ۔ اگرچہ وہ قرآۃً باقی رہتا ہے ۔ گویا تقدیری عبارت قال حدثنا قال اخبرنا ہوتی ہے ۔ اسی طرح حضرات محدثین حدثنا کی بجائے صرف ثنا اور اخبرنا کی بجائے صرف انا تحریر کرتے ہیں ۔ اور ابنانا کو بنار سے تعبیر کرتے ہیں ۔ متقدمین کی کتابوں میں یہ چیز بکثرت ملتی ہے ۔ یہاں پر ایک اختلاف یہ بھی ہے کہ استاد کا پڑھنا اور شاگرد کا سننا اولیٰ ہے ۔ یا برعکس بہتر ہے ۔ حضرات محدثینؒ کے ہاں استاد کا پڑھنا اور شاگرد کا سننا اولیٰ ہے ۔ اور فقہاء رحمہم اللہ کے یہاں استاد کا سننا اور شاگرد کا پڑھنا اولیٰ ہے ۔ محدثینؒ اپنی دلیل یہ بیان فرماتے ہیں کہ جب شاگرد پڑھے گا تو لبا اوقات وہ غلط پڑھے گا اور ممکن ہے استاد غافل ہو جائے تو سارے تلامذہ غلط ہی پڑھیں گے اور غلط ہی نقل کریں گے ۔ جب استاد پڑھے گا تو صحیح پڑھے گا ۔

لہٰذا اس میں اعتبار اور اعتماد زیادہ ہے ۔ قدماء حضرات کی بھی یہی رائے ہے ۔ لیکن فقہاء کرام فرماتے ہیں ۔ کہ غلطی ہر جگہ تو ہوتی نہیں کہیں کہیں ہوتی ہے ۔ لہٰذا اگر استاد پڑھتا چلا جائے گا تو شاگردوں کو پتہ بھی نہیں چلے گا کہ یہ جگہ مزلۃ الاقدام ہے ۔ لہٰذا جب شاگرد پڑھے گا اور استاذ اس کو غلطی بتلائے گا تو تمام طلباءً اس کو سنیں گے اور ضبط کرلیں گے ۔ لہٰذا صحت کے اعتبار سے یہی اولیٰ ہے ۔ چنانچہ

امام مالکؒ فقیہ ہونے کی وجہ سے شاگردوں سے پڑھوایا کرتے تھے ۔

الحمیدی علماء نے بیان فرمایا ہے کہ حضرت امام بخاریؒ نے جہاں بہت باریکیاں اپنی کتاب میں رکھی ہیں ان میں مناسبت کے طور پر ایک باریکی یہ ہے ۔ کہ سب سے پہلی حدیث حمیدی اور سفیان کی ذکر فرمائی جو مکی ہیں ۔ دوسری حدیث امام مالکؒ کی بیان فرمائی جو مدنی ہیں ۔ تو اس سے اشارہ کیا کہ وحی کی ابتدار مکہ سے ہوئی اور اس کا پھیلاؤ مدینہ پاک میں ہوا ۔

قال حدثنا سفیان محدثینؒ کے ہاں جب نام کی طرف نسبت کے آئے تو وہ اعرف پر محمول کیا جاتا ہے ۔ لیکن بعض مرتبہ اس میں اشتباہ پیدا ہو جاتا ہے ۔ کیونکہ ان کے ہاں اعرف ہمارے ہاں غیر اعرف ہوتا ہے ۔ وجہ یہ کہ وہ لوگ اپنے وسعت مطالعہ اور علمی معلومات کثیرہ کی بنا پر ان کو پہچانتے ہیں لیکن ہم ان سے کم واقف ہوتے ہیں ۔ اب اس حدیث کے اندر سفیان کا ذکر ہے ۔ اور سفیان دو ہیں اور دونوں مشہور ہیں ۔ ایک سفیان بن عیینہ اور دوسرے سفیان ثوری ۔ اب ان کو پہچاننے کی صورت یہ ہے کہ جہاں اونچے طبقہ میں نام آتا ہے تو اس سے سفیان ثوری مراد ہوتے ہیں ۔ کیونکہ وہ اونچے طبقہ کے ہیں ۔ اگر سند میں نیچے کے درجہ میں سفیان آئیں تو اس سے سفیان بن عیینہ مراد ہوتے ہیں ۔

چنانچہ یہاں بھی سفیان بن عیینہ مراد ہیں ۔ اس مقام پر شراح یہ تحریر کرتے ہیں کہ امام بخاریؒ نے سند اول کے اندر تحدیث کے چاروں متداول طریقے درج کر دیئے ہیں یعنی تحدیث ۔ اخبار سماع اور عنعنہ مگر شیخ زکریاؒ فرماتے ہیں کہ مجھے اس سند میں عنعنہ نہیں ملا ۔ تو میں یوں کہا کرتا ہوں کہ امام بخاریؒ نے سند اول کے اندر تحدیث کے جو اکثری صیغے ہیں ان کو جمع فرما دیا ۔ چونکہ عنعنہ تینوں کو عام اور شامل ہے ۔ اس لئے وہ بھی اس میں آگیا ۔ ہاں البتہ شراح کی یہ رائے حافظ ابن حجرؒ کے نسخے پر صادق آسکتی ہے ۔ ان کے نسخے میں عن یحییٰ ابن سعید الانصاری درج ہے ۔

الانصاری محدثینؒ کے ہاں ایک اصطلاح ہے جو نحو والوں کی اصطلاح کے خلاف ہے ۔ وہ یہ کہ چند ناموں کے بعد جو کوئی صفت واقع ہو تو وہ نحو کے قاعدہ کے مطابق اقرب نام کی صفت ہوتی ہے اور محدثین حضرات کے ہاں وہ اوّل نام کی صفت ہو گی اس کی وجہ یہ ہے کہ محدثین کے یہاں استاد مقصود ہوتا ہے اور اسی کے لئے وہ باقی سند کی کڑی ذکر کرتے ہیں تو اس سند کے بعد جو صفت آئے گی تو اس کا موصوف وہی ہوگا جو متکلم کا مقصود ہے ۔ درمیان کے اسمار تو تابع ہیں اور نحو والوں کے

ہاں اعراب مقصود ہوتا ہے۔ اور قاعدہ ہے جب نحو اور حدیث کے قاعدہ میں تعارض ہو جائے تو حدیث کی کتب میں حدیث کے قاعدہ کو ترجیح ہوگی۔ بعض علماء نے لکھا ہے کہ بخاریؒ کی شرائط میں سے یہ بھی ہے کہ روایت عزیز ہو یعنی اس کے ہر طبقے کے اندر کم از کم دو راوی ضرور موجود ہوں۔ لیکن بخاری کی یہ پہلی روایت ہی اس کے خلاف ہے۔ کیونکہ یحییٰ بن سعید کے نیچے نیچے تو یہ روایت مشہور کیا بلکہ متواتر ہے کیونکہ یحییٰ سے نقل کرنے والوں کی تعداد میں مختلف قول ہیں۔ بعض نے دو سو بعض نے ڈھائی سو اور بعض نے سات سو تک شمار کرائے ہیں۔ لیکن ان سے اوپر محمد بن ابراہیم تیمی اور علقمہ اور حضرت عمرؓ یہ سب چونکہ تنہا ہیں اس لئے اس اعتبار سے غریب ہے۔ بہر حال یحییٰ بن سعید الانصاری تک تو یہ روایت غریب ہے۔ ہر ایک راوی ایک دوسرے سے متفرد ہے حتیٰ کہ بعض لوگوں نے یہاں تک لکھا ہے حضرت عمرؓ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے سننے میں متفرد ہیں۔

عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ بات قابل غور ہے کہ تین چیزیں ہیں صلوٰۃ وسلام دوسرے ترضی رضی اللہ کہنا تیسرے رحمۃ اللہ علیہ امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک ہر ایک پر ان جملوں کو استعمال کر سکتے ہیں۔ باقی ائمہ ثلاثہ کے ہاں صلوٰۃ وسلام کا استعمال حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خاص ہے۔ اور رضی اللہ عنہ کا کہنا حضرات صحابہؓ کے ساتھ اور رحمۃ اللہ علیہ غیر صحابہ کے ساتھ مخصوص ہے البتہ صحابہ کرام پر استعمال بے ادبی میں شمار ہوگا۔

علی المنبر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ابتدائی زمانہ میں منبر نہیں تھا بلکہ ۵ھ یا ۶ھ میں بنا ہے اور حضرت عمرؓ نے اس حدیث کو جو منبر پر پڑھا ہے وہ اس کی اہمیت کی وجہ سے پڑھا۔

اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّيَّات ۔ یہ حدیث اپنے ظاہر پر کسی کے یہاں بھی نہیں کیونکہ اس کے معنی ہیں کہ اعمال کا وجود نیت سے ہوتا ہے۔ حالانکہ چھت پر سے گرنے والا گرنے کی نیت سے نہیں آتا ایسے ٹھوکر کھانے والا۔ لہٰذا تقدیر عبارت ضروری ہے۔ امام شافعیؒ صحۃ الاعمال مقدر مانتے ہیں۔ اور حضرات احناف ثواب الاعمال مقدر مانتے ہیں۔ اس قسم کی تقدیریں اجتہاد سے نکالی جاتی ہیں۔ بنا بریں حنفیہؒ یہ فرماتے ہیں کہ طہارت من الانجاس میں نیت شرط نہیں۔ اگر کپڑے پر پیشاب لگ جائے اور سمندر میں پڑ جائے اور بغیر نیت طہارت کے نکال لیا جائے تو پاک ہو جائے گا۔ شافعیہؒ نے الزام دیا کہ پھر تم تیمم میں نیت شرط کیوں قرار دیتے ہو۔ حنفیہؒ اس کا یہ جواب دیتے ہیں کہ لفظ

نیت کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ اس لئے کہ یمم کے معنی لغت میں قصد کرنا ہے۔ نیز! تیمم طہارت کے اندر اصل نہیں ہے بلکہ خلیفہ اور تابع ہے اس لئے نیت کرنی پڑے گی۔ اور سبب ورود حدیث بھی اسی بات پر دلالت کرتا ہے جو حنفیہؒ کہتے ہیں کہ ثواب عمل نیت پر موقوف ہے۔ یہ کہ یہاں حدیث میں ثواب مراد ہے۔ کیونکہ مصنفؒ کا مقصود اس جگہ اس حدیث کو بیان کرنے سے نیک نیتی پر متنبہ کرتا ہے۔ دوسرا کلام اس حدیث پر یہ ہے کہ انما الاعمال بالنیات فرمایا۔ نیت اور عمل دونوں کو جمع لائے گویا مقابلۃ الجمع بالجمع ہے۔ اور قاعدہ یہ ہے کہ مقابلۃ الجمع بالجمع انقسام الاحاد علی الاحاد کو متقاضی ہوتا ہے۔ چنانچہ ایک جماعت کے نزدیک اس جملہ کا مطلب یہ ہوگا کہ ہر ہر عمل کے واسطے الگ الگ ایک نیت ہو۔ اور بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ ایک عمل کے ساتھ مختلف نیات متعلق ہو سکتی ہیں۔ مثلاً کوئی شخص مسجد میں نماز پڑھنے کی نیت سے جاتا ہے۔ اگر کسی صالح شخص سے ملنے کی نیت کرے اور کسی کی مدد کرنے کی نیت کرے تو ہر ایک نیت کا الگ الگ ثواب ملے گا۔ تیسرا کلام انما لکل امرءٍ مانوی پر ہے۔ یہ جملہ اولیٰ کی تاکید ہے یا تاسیس ہے۔ اکثر حضرات کی رائے یہ ہے کہ جملہ اول ہی کی تاکید ہے۔ اور بعض کی رائے ہے کہ تاکید پر کلام کو اس وقت حمل کرتے ہیں جب کہ تاسیس ممکن نہ ہو۔ لیکن یہاں تاسیس پر محمول کرنا ممکن ہے جس کی صورت یہ ہے کہ جملہ اولیٰ انما الاعمال بالنیات کے اندر تو شارع علیہ السلام نے یہ بتلا دیا کہ عمل کا وجود شرعی نیت پر موقوف ہے اور اس ثانی جملہ سے یہ بتلا رہے ہیں۔ کہ جو کام کرے گا اس پر وہی ملے گا۔ جس کی اس نے نیت کی ہو۔ مگر یہ معنی تو پہلے جملہ سے سمجھے جاتے ہیں۔ اس لئے حضرت شیخ زکریاؒ کی رائے یہ ہے کہ جملہ ثانیہ سے تعدد منوی کی طرف اشارہ فرما دیا کہ ایک عمل کے ساتھ مختلف نیات متعلق ہو سکتی ہیں۔ صاحب مظاہر حق نے اس کی ایک لمبی چوڑی مثال دی ہے کہ اگر کوئی مسجد جا رہا ہو۔ راستہ میں کسی بزرگ کے پاس بیٹھنے کی نیت کرے۔ کسی کی مدد کی نیت کرے۔ کسی مریض کی عیادت کی نیت کرے تو ان سب پر الگ الگ ثواب ملے گا۔ اس جملہ پر فقہاؒ کی جانب سے ایک اشکال ہوتا ہے کہ اگر کوئی رمضان میں نفلی روزے کی نیت کرے تو نفل نہیں واقع ہوگا بلکہ فرض واقع ہوگا۔ تو یہاں پر مانوی مرتب نہ ہوا تو اس کا جواب یہ ہے کہ چونکہ رمضان نفل کا محل نہیں ہے۔ لہٰذا اس کی نیت نفل لغو ہو جائے گی۔ اور یہ بھی

کہا جاسکتا ہے کہ فرض کے اندر نفل خود داخل ہے۔ گویا کہ فرض عبادت نافلہ مع شئ زائد ہے تو منوی مرتب ہوا ہے۔ شئ زائد یہ روایت بخاری شریف میں سات جگہ مذکور ہے۔ ایک جگہ نیات جمع کا صیغہ مذکور ہے۔ باقی چھ مقامات پر مفرد کا صیغہ ہے جہاں پر جمع کا صیغہ ہے وہاں پر تو تعدد منوی کا لحاظ فرمادیا گیا۔ اور جہاں مفرد کا صیغہ لائے ہیں۔ وہ اس وجہ سے کہ نیت فعل قلب ہے اور قلب ایک ہی ہے۔ اس لئے وہاں مفرد کا صیغہ ذکر کر دیا۔

حضرت شیخ مدنیؒ اس حدیث کے متعلق فرماتے ہیں کہ اعمال دو قسم کے ہیں اختیاری اور غیر اختیاری جن میں ارادہ اور اختیار کو دخل نہیں ہوتا ان پر ترتب مدح وذم ملامت دنیا میں اور عتاب و سزا آخرت میں مرتب نہ ہوگی بلکہ اعمال اختیاریہ پر ان کا ترتب ہوگا۔ کیونکہ بعض اعمال انسان سے ایسے سرزد ہوتے ہیں جن کی نیت نہیں تھی۔ مثلاً منڈیر پر سونے والا گر پڑے اس کی وجہ سے کوئی دوسرا آدمی مرجائے یا کسی مال کا نقصان ہو جائے۔ ایسے جب کوئی شکاری ہرن کو تیر مار رہا ہے۔ اچانک ایک آدمی کو لگ گیا تو ان اعمال میں نیت کو دخل نہیں لیکن قتل عمد اور قتل خطأ کی تقسیم کی جاتی ہے۔ قتل خطأ میں دیت دلائی جاتی ہے تو انما الاعمال بالنیات میں حصر صحیح نہ ہوا تو علماء نے اس کی یہ توجیہ کی ہے کہ انما الاعمال معتبرۃ اور مثابتہ بالنیات افعال عامہ کی تقدیر نہ ہوگی۔ کہ اعمال بغیر نیت کے موجود تو ہو جاتے ہیں۔ مگر ثمرات کا ترتب نیت کی وجہ سے ہوتا ہے۔ قتل عمد کی سزا جہنم ہے اور قتلِ خطأ کی سزا دیتہ ہے تو تقدیر عبارت ہوگی الاعمال معتبرۃ بالنیات اتی بحسب النیات قتل خطأ میں نفس زید کے قتل کرنے کی نیت نہیں مگر نفس قتل کی نیت ہے۔ اس لئے کہ افعال اختیاریہ کی دو حیثیتیں ہیں۔ (۱) جوارح کی حرکات (۲) قلب کا ارادہ۔ ہر ایک کے ثمرات الگ الگ ہیں۔ جوارح کی حرکات سے مادی اثر پیدا ہوگا۔ قلب کی حرکت سے اور اثر ہوگا۔ تو دو شانیں الگ الگ ہوئیں۔ عند اللہ کس چیز کا اعتبار ہے۔ ظاہر ہے کہ جوارح پر مؤاخذہ نہیں۔ ورنہ قتل خطأ میں یہ چیز موجود ہے۔ بلکہ قلب کا اعتبار ہے۔ دوسرا بعض حضرات عمل اور فعل میں فرق کرتے ہیں۔ عمل کا اطلاق ان چیزوں پر ہوگا جو اختیار اور ارادہ سے سرزد ہوں۔ لفظ فعل اختیاری غیر اختیاری دونوں کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ اور امور اختیاریہ کے لئے نیت کا ہونا ضروری ہے تو انما الاعمال بالنیات بالحصر کہنا صحیح ہوگا۔

تیسرا جواب یہ ہے کہ ہم عمل اختیاری اور غیر اختیاری کو تسلیم کرتے ہیں۔ مگر الاعمال میں الف لام عہد خارجی کا ہے۔ اس سے وہ اعمال مراد ہیں جو اختیاری ہوں۔ ان میں ارتقار۔ تنزل یدح اور ذم کا ترتب ہوگا۔ اعمال اضطراریہ میں ترتب نہ ہوگا۔ توجیہ ثانی اور ثالث میں یہ فرق ہوگا کہ توجیہ ثانی میں عمل صرف فعل اختیاری کے لئے لغۃً ثابت کیا گیا تھا۔ اور ثالث توجیہ میں عموم تسلیم کرتے ہوئے تخصیص کی گئی۔ کیف ماکان سب حضرات اس پر متفق ہیں کہ اعمال کے درجات کا نیات پر دار و مدار ہے۔ اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بعد ازاں فرمایا انما لامرء ما نوی یہ جملہ ماقبل کے لئے موضحہ ہے۔ لامرء میں لام انتفاع کا ہے۔ کہ اعمال کا دار و مدار نیات پر ہے۔ کس حیثیت سے بیان کیا گیا کہ انتفاع ما نوی کے موافق ہوگا۔ تو پہلے جملہ میں ابہام تھا اس کی توضیح کی گئی۔ اس جگہ قلب کی جانب کو بیان کرنا منظور ہے۔ جوارح کی جانب کو بیان نہیں کرنا کیونکہ شہنشاہ بدن قلب ہے۔ تمام حکومت کا دار و مدار شہنشاہ پر ہوتا ہے۔ اگر لڑائی میں بادشاہ ثابت قدم ہو کر ڈٹا رہے تو شکست نہیں مانی جاتی۔ چنانچہ غزوہ حنین میں آپ ثابت قدم رہے۔ شکست تسلیم نہیں کی گئی۔ اس لئے کہ قلب کا اعتبار کیا گیا۔ نیت الفاظ کو نہیں کہتے بلکہ ارادہ قلبیہ کو نیت کہتے ہیں۔ الحاصل اس روایت سے معلوم ہوا کہ نیت اعمال کے درجات کا مبدأ ہے۔ اگر نیت اعلیٰ درجہ کی ہے تو عنداللہ اعلیٰ قسم کا درجہ ہوگا۔ اگر نیت رذیل اور دنی درجہ کی ہے تو اس کا ثمرہ بھی ویسے ہی ہوگا۔ چنانچہ کوئی شخص ورزش کی غرض سے نماز پڑھتا ہے کوئی جہنم کے عذاب سے نجات پانے کے لئے کوئی وصال باری تعالیٰ کے لئے کوئی رضا مولا کے لئے اور کوئی حقوق عبدیت ادا کرنے کے لئے نماز پڑھتا ہے۔ ایسے ہی ایک بزرگ کا واقعہ ہے۔ کہ اس سے کہا جاتا تھا کہ تو جس قدر عبادت کرے پھر بھی اہل جہنم سے رہے گا۔ کسی آدمی نے یہ سن کر ان سے کہا۔ کہ تعجب ہے پھر بھی عبادت کئے جا رہے ہو۔ اب چھوڑ دو اس سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ جس پہ اس بزرگ نے فرمایا۔ کہ تو ایک دفعہ یہ آواز سن کر تحمل نہیں کر سکا۔ میں چالیس برس سے اس آواز کو سن رہا ہوں۔ پھر بھی باقاعدگی سے عبادت اس لئے کرتا ہوں۔ کہ حقوق عبدیت ادا ہو جائیں۔ اللہ تعالیٰ کے مجھ پر بہت احسانات ہیں۔ اب وہ باری تعالیٰ مجھے جنت میں داخل کرے یا جہنم میں ڈالے یہ اس کی مرضی ہے۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں ما عبدناک حق عبادتک وما عرفناک حق معرفتک۔ تو حدیث کا خلاصہ یہ ہوا کہ اعمال کے ارتفاع کا مبدأ نیت ہے اب اس استدلال انی ولمی دونوں طرح

ہوسکتا ہے اگر معلول سے علت پہ استدلال ہو تو دلیل اِنّی ہے۔ اگر علت سے معلول پہ استدلال ہو تو دلیل لِمّی ہے۔ عالم سے خالق پہ استدلال اِنّی کہلاتا ہے۔ اور نار سے وجود حرارت پہ استدلال لمّی کہلاتا ہے۔
اس روایت سے معلوم ہوا کہ نیت مبدأ ہے۔ اس کے مطابق ثمرات کا ترتب ہوگا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نیت اعلیٰ ہونے پہ آپؐ کے افعال حسنہ شاہد ہیں۔ کیونکہ نیت فعل قلبی ہے۔ جس پہ اطلاع طاقت بشری سے خارج ہے۔ بلکہ آثار سے اطلاع ہوگی۔ جیسے جود وکرم۔ داد ودہش وغیرہ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نیت کے متعلق آپؐ کے افعال اور اخلاق حمیدہ سے فیصلہ کیا جائے گا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خون کے پیاسوں کو جنہوں نے بیس برس تک ایذا رسانی میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ اور ہجرت کرنے پہ قریش نے انصار کو دھمکیاں دیں۔ تسلیم کرنے پہ لڑائی کے لئے تیار ہو گئے۔ آپؐ ہیں کہ بیس برس کے بعد مکہ پہ غلبہ حاصل کرتے ہیں۔ قریش کے تین بڑے جاسوس کی حالت میں پکڑے گئے تھے۔ ان کو بھی قتل نہیں کیا۔ دوسرے روز یہ اعلان کر دیا جبکہ ابوسفیان کے قلب میں رعب پڑ چکا تھا۔ کہ من دخل دار ابی سفیان فھو امن من دخل فی المسجد الحرام فھو امن اسی پہ بھی فرما دیا کہ ابوسفیان اور اس کے ساتھی سب مامون ہیں۔ اس اعلان کے بعد کفار مکہ نے ہتھیار ڈال دیئے۔ آپؐ نے فرمایا تمہارا ہمارا معاملہ بیس برس کا ہے۔ اب بتلاؤ کہ میں تمہارے ساتھ کیا سلوک کروں۔ عرب کا دستور تھا۔ کہ جب دشمن پکڑا جاتا تو اس کو قتل کر دیتے تھے اس پہ کفار مکہ نے کہا کہ ہم خاطئین ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو ہم پہ فوقیت دی ہے۔ آپؐ جو چاہیں کر سکتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا لَا تَثْرِيبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ۔ جاؤ ہم نے تم سب کو چھوڑ دیا۔ ایسے سلوک کی دنیا میں کوئی نظیر نہیں ملتی۔ اس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے علو نیت کی خبر ملتی ہے کہ اس میں نفسانیت کا کوئی شائبہ نہیں۔ بلکہ یہ تعلقات خواہ خالق سے یا مخلوق سے ان سے خلوص اور للّٰہیت ٹپکتی ہے۔ نماز پڑھتے ہیں تو قدموں میں ورم آجاتا ہے نصیحت کرنے پہ فرماتے ہیں افلا اکون عبداً شکوراً آپؐ نہ اپنی راحت کو چاہتے ہیں نہ اپنے اہل بیت اور خاندان کی راحت کا خیال کرتے ہیں۔ وفات پاتے ہیں تو یہودی کے مقروض ہیں۔ اس معلول سے اس بات کا پتہ چلا کہ خاتم النبیین کی نیت خاتم النیات ہے۔ تو جب مبدأ کی شان انتہائی ہے تو اس کے ثمرہ عنداللہ کی شان بھی انتہائی ہوگی اور عنداللہ ثمرات میں سے انتہائی ثمرہ کسی پہ وحی کا نازل کرنا ہے اور اپنی کلام کا آپؐ کی زبان پہ جاری کرنا ہے جس کا وعدہ

تورات میں کیا گیا تھا۔ کہ ہم اپنا کلام خاتم النبیین کی زبان پر جاری کریں گے۔ تو مؤلفؒ اس حدیث کو اس لئے لائے ہیں کہ مبتدأ تمام اعمال کا نیت ہے اور وہ انتہائی ہے۔ اور ثمرہ انتہائی وحی ہے۔ جب یہ اس کا ترتب ہوا۔ نیت کے علو سے ثمرہ کے علو کو ثابت کیا گیا یہ دلیل لمی ہے۔ اور دلیل انی اس طرح ہے۔ کہ بڑا احسان باری تعالیٰ کا کسی پر وحی نازل کرنا ہے۔ وہ انتہائی درجہ ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ کی نیت عالی ہے تو ترجمہ سے نیت کا عالی ہونا سمجھا جاتا تھا۔ اس کو روایت سے ثابت کر دیا تو کیف کان بدأ الوحی ترجمہ ثابت ہو گیا۔

فمن کانت ھجرۃ الی دنیا یصیبھا الخ امام بخاریؒ نے یہاں پوری حدیث ذکر نہیں فرمائی اب سوال یہ ہے کہ یہ حدیث مختصر کس نے کی۔ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ خود امام بخاریؒ نے کی ہے بعض کہتے ہیں کہ ان کے اساتذہ نے کی ہے۔ بہر حال امام بخاریؒ نے فمن کانت ھجرتہ الی اللہ و رسولہ فھجرتہ الی اللہ و رسولہ کو چھوڑ دیا۔ شراح حضرات نے اس سے تعرض نہیں کیا۔ لیکن حضرت مولانا شیخ زکریاؒ فرماتے ہیں کہ مدینہ منورہ میں حضرت مولانا بدر عالم مرحوم نے جب اس ترک کی وجہ پوچھی تو میں نے یہ وجہ بتلائی کہ جلب منفعت سے دفع مضرت اولیٰ ہے تو جملہ فمن کانت ھجرتہ الی دنیا کے اندر دفع مضرت کی جا رہی ہے اور مصنفؒ کا مقصد بھی یہی ہے کہ لوگوں کے اندر نیک نیتی چاہیئے۔ یہ نہ سوچے کہ پڑھ کر دنیا کماؤں گا۔ اگر تم نے دنیا سے منہ موڑا تو یہ خود تمہارے قدموں میں آپڑے گی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے ہاں اخلاص کی قدر ہے۔ اس پر ایک قصہ تحریر فرمایا ہے کہ ایک مسافر کئی دن کا بھوکا جنگل کی کسی مسجد میں جا پہنچا دیکھا کہ مسجد کے تین کونوں میں ایک ایک آدمی گردن جھکائے بیٹھے ہیں۔ اس کو ڈھارس ہوئی یہ بھی ایک کونے میں جا بیٹھا۔ اتنے میں ایک نوجوان خوب صورت لڑکی خوان لے کر آگئی۔ یہ اس کو دیکھنے لگا۔ اولاً وہ ان تینوں میں سے ایک کے پاس آئی اور کہا کہ حضرت کھانا حاضر ہے۔ کئی دفعہ کہنے کے بعد انہوں نے سر اٹھایا اس نے فوراً ایک خوانچی میں سے ایک خالی طشتری اور تھوڑا سا پانی نکال کر ان کے ہاتھ دھلائے اور دسترخوان بچھا کر عمدہ بریانی کی ایک بڑی پلیٹ رکھ دی۔ انہوں نے اس میں سے کچھ کھا کر باقی چھوڑ دیا۔ کھانے کے درمیان جب کوئی ہڈی نکلتی تو وہ آدمی اس کے منہ پر مارتے۔ یہی قصہ دوسرے اور تیسرے آدمی کے سامنے پیش آیا۔ اور یہی صورت وہاں بھی ہوئی۔ اس کے بعد اس لڑکی نے تینوں رکابیوں کے بچے ہوئے

کھانے کو ایک جگہ کیا۔ اور اس چوتھے کے پاس لائی۔ یہ تو منتظر ہی تھا۔ کھانا شروع کر دیا۔ تو جب اس کے ملن بھی ہڈی نکلی تو یہ سوچ کر کہ شاید یہاں کا یہی دستور ہو کہ ہڈی منہ پہ مارتے ہوں اس نے بھی مار دی۔ اس عورت نے ایک تھپڑ مارا اور کہا کہ اگر کھانا ہے تو کھالے ورنہ چھوڑ دے۔ اس آدمی نے کہا کہ ابھی تو ان لوگوں نے یوں ہی ہڈی ماری تھی میں یہ سمجھا کہ یہاں کا یہی دستور ہے۔ اس عورت نے کہا تو نہیں جانتا کہ میں کون ہوں۔ میں دنیا ہوں اور یہ لوگ مجھ سے روٹھے ہوئے ہیں۔ ان کو منا رہی ہوں۔ اور تو میری طرف گھور گھور کر دیکھ رہا تھا۔

الغرض اگر دنیا کو چھوڑ دیا جائے تو اللہ تعالیٰ ضرور دے گا۔ بشرطیکہ اللہ تعالیٰ پہ توکل ہو۔ یہ نہیں کہ دل میں کچھ ہو اور ظاہر توکل ہو۔

او الی امرأة ینکحها یہاں پہ امرءة ینکحہا تخصیص بعد التعمیم ہے۔ کیونکہ عورت زیادہ محل فتنہ ہے۔ اس لئے اس کی تخصیص فرمادی۔ کیونکہ انسان زنا وغیرہ کے اندر اسی کی وجہ سے مبتلا ہوتا ہے۔ جاننا چاہیئے کہ جیسے آیات کا شان نزول ہوتا ہے اسی طرح احادیث کا بھی شانِ ورود ہوتا ہے۔ اس حدیث کا شانِ ورود صحاح کی کتابوں میں تو نہیں ملتا۔ البتہ طبرانی وغیرہ میں ملتا ہے۔ کہ ایک شخص نے ام قیس نامی عورت سے نکاح کا پیغام بھیجا اس نے شرط لگائی کہ تم ہجرت کر لو۔ چنانچہ اس نے اسی بنا پہ ہجرت کی۔ اسی وجہ سے اس کو مہاجر ام قیس کہنے لگے۔ اس صحابی کا نام ظاہر نہیں کیا گیا تاکہ صحابی کی تنقیص نہ ہو۔ دوسری توجیہ یہ ہے کہ نفس اور مال دونوں قسم کی ہجرت کو بیان کر دیا گیا۔

فھجرتہ الی ما ھاجر الیہ ہجرت جس طرح یہ کہ وطن کو چھوڑ کر دوسرا وطن اختیار کیا جائے۔ اسی طرح ہجرت یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی معاصی سے اجتناب کیا جائے۔ اسی کو حدیث پاک میں المہاجر من ہجر ما نہی اللہ عنہ ورسولہ کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔ یہ حدیث امام ابو داؤد کے مختارات اربعہ میں سے ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے پانچ لاکھ احادیث سے اپنی کتاب منتخب کی ہے۔ پھر ان میں سے چار احادیث انتخاب کی ہیں۔ ایک انما الاعمال بالنیات۔ دوسری لا یؤمن احدکم حتی یحب لاخیہ ما یحب لنفسہ۔ تیسری من حسن اسلام المرء ترکہ ما لا یعنیہ اور چوتھی الحلال بین الحرام بین۔ یہ چاروں اصولِ دین میں سے ہیں اور بعینہٖ یہی چار احادیث امام ابو حنیفہؒ کی وصایا

ہیں ان کے مختارات سے لکھی ہوئی ہیں۔ اس کے علاوہ امام صاحبؒ نے ایک اور حدیث اختیار کی ہے
المسلم من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ آج کل جو عالم کے اندر آئے دن لڑائیاں ہوتی ہیں اس کی وجہ یہی ہے کہ کوئی کسی کو اپنے ہاتھ اور زبان سے محفوظ نہیں رکھتا۔ اگر ہم لوگ تعرض کرنا ہی چھوڑ دیں تو کچھ بھی پیش نہ آئے۔ ان چاروں احادیث کے اصول دین ہونے کی وجہ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ نے یہ تحریر فرمائی ہے۔ کہ انما الاعمال بالنیات میں تصحیح عبادات اور اعمال آگئے۔ حدیث لا یؤمن احدکم الخ میں حقوق العباد آگئے۔ حدیث ثالث من حسن اسلام امرء میں اوقات کا تحفظ آگیا۔ اور چوتھی حدیث الحلال بین الخ میں تقویٰ آگیا کہ جہاں کسی مسئلہ میں ائمہ کا اختلاف آگیا تو جانب احوط اختیار کرے۔ یہی سارے اصول دین ہیں۔ حدیث بالا کو ترجمۃ الباب سے مناسبت کے بارے میں یہ جواب بھی علماء کرام ذکر فرماتے ہیں کہ یہ حدیث امام بخاریؒ نے بمنزلہ خطبہ کے ذکر فرمائی ہے۔ چونکہ یہ حدیث جوامع احادیث میں سے ہے اس لئے اس کو بمنزلہ خطبہ کے ذکر فرمایا اس وجہ سے حضرت عمرؓ نے منبر پہ خطبہ میں ذکر فرمایا تھا۔ اور بعض حضرات کی یہ رائے ہے کہ امام بخاریؒ نے اس حدیث سے اپنے حسن نیت کی طرف بطور تحدث بالنعمۃ کے اشارہ فرما دیا کہ میں نے جو کچھ لکھا ہے اخلاص سے لکھا ہے اور کتاب پڑھنے والوں کو بھی رغبت دلائی ہے۔ کہ وہ بھی اپنی نیات کو درست کریں۔ لیکن تینوں جوابات پہ یہ اعتراض ہوتا ہے کہ پھر تو اس حدیث کو باب سے پہلے ذکر کرنا چاہیئے تھا اس کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ یہ حدیث حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں سب سے پہلے بیان کر دی تھی۔ اور باب بدء الوحی ہے۔ لہٰذا مدینہ کی وحی کی ابتدا ہوگی۔ نیز حمیدی مکی ہیں اور مالک مدنی دونوں روائیتیں ذکر کر کے بتلا دیا کہ وحی کی ابتدا مکہ سے ہوئی اور اس کا پھیلاؤ میں ہوا۔ اور جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ بدؤ کی اضافت وحی کی طرف بیانی ہے اور مقصود ابتدا امر جو کہ وحی ہے یعنی ابتدا دین کو بیان کرنا ہے۔

حدیث۔ ۲۔ عَنْ عَائِشَةَ اُمِّ الْمُؤْمِنِيْنَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا اَنَّ الْحَارِثَ بْنَ هِشَامٍؓ سَاَلَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ كَيْفَ يَأْتِيْكَ الْوَحْيُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَحْيَانًا يَأْتِيْنِيْ مِثْلَ صَلْصَلَةِ الْجَرَسِ وَهُوَ اَشَدُّهٗ عَلَيَّ فَيُفْصَمُ عَنِّيْ وَقَدْ وَعَيْتُ عَنْهُ مَا قَالَ وَاَحْيَانًا يَتَمَثَّلُ لِيَ الْمَلَكُ

رَجُلًا فَیُکَلِّمُنِیْ فَاَعِیْ مَایَقُوْلُ قَالَتْ عَائِشَۃُ وَلَقَدْ رَاَیْتُہٗ یَنْزِلُ عَلَیْہِ الْوَحْیُ فِی الْیَوْمِ الشَّدِیْدِ الْبَرْدِ فَیَفْصِمُ عَنْہُ وَاِنَّ جَبِیْنَہٗ لَیَتَفَصَّدُ عَرَقًا (الحدیث)

ترجمہ تمام مؤمنوں کی ماں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالےٰ اس سے راضی ہو سے روایت ہے کہ بے شک حضرت حارث بن ہشام رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ اے اللہ کے رسول آپ کے پاس وحی کیسے آتی ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کبھی تو وحی میرے پاس گھنٹے کی آواز کی طرح آتی ہے اور یہ حالت مجھ پر سخت گراں ہوتی ہے پس جب وہ مجھ سے جدا ہوتی ہے تو جو کچھ اس فرشتے نے کہا وہ مجھے یاد ہو جاتا ہے۔ اور کبھی وہ فرشتہ میرے پاس کسی آدمی کی شکل میں آتا ہے۔ پس وہ میرے سے کلام کرتا ہے تو اس نے جو کچھ کہا ہوتا ہے وہ میں سب یاد کر لیتا ہوں۔ حضرت بی بی عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ واقعی میں نے آپؐ کو اس حالت میں دیکھا جب کہ سخت سردی کے دن میں آپؐ پر وحی اترتی ہے۔ پھر وہ آپؐ سے جدا ہوتی ہے۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشانی مبارک سے خوب پسینہ بہ رہا ہوتا ہے۔

تشریح عن عائشۃ ام المؤمنین اس روایت میں ام المؤمنین کا لفظ زائد کیا گیا ہے۔ ازواج مطہرات کی امیت نص قطعی سے ثابت ہے النبی اولیٰ بالمؤمنین وازواجہ امہاتہم۔ جب یہ مائیں ہیں تو جتنے تعلقات ماں اور بیٹے کے درمیان ہوتے ہیں وہ سب ثابت ہوں۔ میراث بھی جاری ہو۔ پردہ بھی نہ ہو۔ وغیرہ۔ مگر۔ یدنین علیہن من جلابیبہن کا حکم ہے واسئلوھن من وراء حجاب بھی نازل ہوا ہے۔ تو کہا جائے گا کہ جس طرح کی ابوت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ہے اسی طرح کی امیت ازواج مطہرات کے لئے ہے۔ جیسے یہ ابوت اور امیت روحانی ہے پردہ اور میراث جسمانی احکام ہیں۔ پردہ کا حکم تو واسئلوھن من وراء حجاب کی آیت سے ہے۔ اور نکاح نہ کرنے کا حکم ولا تنکحوا ازواجہٗ من بعدہٖ ابدا سے ہے۔ اور دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر اطہر کے اندر زندہ ہیں۔ جب زندہ ہیں تو نکاح باقی ہے کسی کی منکوحہ سے کسی دوسرے کو نکاح کرنا جائز نہیں۔ حارث بن ہشام جو مکہ معظمہ میں ایمان لائے تھے۔

کیف یأتیك الوحی وحی کے معنی اِدا القاء خفی کے ہے۔ اگر مصدر ہے تو معنی صحیح ہیں اگر صفۃ ہو تو وہ چیز مراد ہوگی جو القاء کی جاتی ہے۔ مگر اتیان خاصہ ذات کا ہے۔ صفات کا اتیان نہیں

ہوتا۔ لہذا مجاز بالحذف کے طور پر حامل الوحی کہا جائے گا یا مجاز عقلی ہوگا کہ نہر جاری کی طرح ادنیٰ ملابست کی وجہ سے اضافت ہوگی ۔ دوسری بات یہ ہے کہ جو چیز وحی ہو رہی ہے یعنی مایوحیٰ اسی کا انتقال ہو رہا ہے ۔ تو پھر مجاز بالحذف کا قول نہیں کہا جا سکتا ۔ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ وحی کے سات طریقے ہیں مگر اس جگہ صرف دو ہی ذکر کئے گئے ۔ کیونکہ یہی دو طریقے کثیر الوقوع ہیں ۔ وہی اعم اور اغلب ہیں ۔ تو لاتیان وحی بدالوحی سے اعم ہونے کی بنا پر بدء کو بھی شامل ہوگا ۔

احیاناً فعل مقدر کی صفت ہے بطور ظرف کے ۔ ای یاتی ایتاناً احیاناً ۔

مثل صلصلۃ الجرس صلصلہ کہتے ہیں زنجیر کا لوہے پر کھینچنا اور جرس ڈھول کو کہتے ہیں ۔ تو مطلب یہ ہوا کہ شدت اور سختی کے اعتبار سے ایسی آواز ہوتی تھی جیسے ڈھول پر زنجیر کھینچی جائے ایک دوسری روایت میں سلسلہ سین کے ساتھ بھی واقع ہوا ہے ۔ مطلب دونوں کا ایک ہے ۔

اب یہ آواز کیسی ہے اور کیا چیز ہے اس کے اندر چھ قول ہیں ۔ پہلا قول یہ ہے کہ یہ باری تعالےٰ کے کلام نفسی کی اپنی اصلی آواز ہوتی تھی ۔ دوسرا قول یہ ہے کہ یہ اللہ تعالےٰ کی طرف سے موحی بہ یعنی وحی میں تخلیق صوت ہوتی تھی ۔ تیسرا قول یہ ہے کہ یہ حضرت جبرائیل علیہ السلام کی اصلی آواز ہوتی تھی ۔ اور جب شکل انسانی میں آتے تھے تو وہ انسانی آواز ہوا کرتی تھی ۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ جب کوئی شئی کسی دوسرے کا زیّ (ہیئت) اختیار کرتی ہے ۔ تو اس شئی کے اوصاف خود اس میں آجاتے ہیں ۔ چنانچہ اگر جن چاہے تو تم کو اٹھا کر پھینک دے ۔ اور وہی جن جب سانپ کی شکل اختیار کر لیتا ہے تو ایک ہی لاٹھی میں مر جاتا ہے ۔ بہر حال جبرائیل علیہ السلام جب اپنی اصل شکل میں ہوتے ہیں ۔ تو ان کی آواز ایسی ہوتی ہے جیسے کہ رعد کے متعلق سنا ہے کہ وہ ایک فرشتے کی آواز ہے ۔ شیخ زکریا فرماتے ہیں ۔ کہ اگر بجلی کڑکے اور کوئی شخص آیت کریمہ یُسَبِّحُ الرَّعْدُ بِحَمْدِهٖ وَالْمَلٰٓئِكَةُ مِنْ خِيْفَتِهٖ پڑھے تو وہ آدمی نہ صرف بجلی سے محفوظ رہتا ہے بلکہ جس مکان وغیرہ میں کھڑے ہو کر یہ آیت پڑھے گا تو وہ بھی بجلی کی زد سے محفوظ رہے گا ۔

چوتھا قول یہ ہے ۔ کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام کے آنے کی یہ آواز ہوتی ہے ۔ جیسے ریل کے آنے کی آواز دور سے ہی معلوم ہو جاتی ہے

پانچواں قول یہ ہے کہ جبرائیل علیہ السلام کے پروں کی یہ آواز ہوا کرتی تھی علماء کرام اسی کو

اصح الاقوال بتلاتے ہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ترمذی شریف میں ایک یہ روایت ہے کہ اذا قضی اللہ فی سماءٍ امرًا ضربت الملائکۃ باجنحتھا خضعانًا لقولہ کانھا صلصلۃ علی صفوان کہ جب اللہ تعالیٰ آسمان میں کسی امر کا فیصلہ فرماتے ہیں تو فرشتے اللہ تعالٰے کے فرمان کے سامنے جھکتے ہوئے اپنے پَروں کو ایسے ہلاتے ہیں جیسے پتھر پر زنجیر کھینچی جائے۔

چھٹا قول شیخ المشائخ حضرت شاہ ولی اللہ نوراللہ مرقدہٗ کا ہے کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے حواس مبارکہ وحی کے وقت اس عالم کی اشیاء سے معطل ہو کر دوسرے عالم کی طرف منتقل ہوجایا کرتے تھے۔ اور اس تعطل کے بعد حواس میں جو کیفیت پیدا ہوتی تھی۔ یہ اس کی تعبیر ہے جیسے کانوں کو خوب بند کر لینے سے ایک آواز سنائی دیتی ہے۔ کیونکہ باہر کی آواز سے بالکل منقطع ہوجاتا ہے۔ جب انقطاع ختم ہوجائے گا یعنی انگلی ہٹالی جائے۔ تو پھر وہ آواز بھی ختم ہوجاتی ہے۔ شیخ زکریا مرحوم فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک اول قول صحیح ہے۔ کیونکہ باری تعالٰے کا صوت سے تکلم کرنا روایات سے ثابت ہے۔ کتاب التوحید میں امام بخاریؒ کا میلان بھی اسی طرف معلوم ہوتا ہے۔ حضرت شیخ مدنیؒ فرماتے ہیں کہ صلصلہ اس آواز کو کہتے ہیں جس میں تمیز نہ ہو سکے جیسے گونج ہوتی ہے اور جرس یعنی گھنٹی کی آواز متدارک اور مسلسل ہوتی ہے۔ اس میں حروف اور الفاظ کی تمیز نہیں ہوسکتی۔ اب یہ آواز کاہے کی ہے اگر سوال حامل وحی سے ہے تو ملک کے اڑنے کی آواز ہے۔ جو اس کے اجنحہ سے پیدا ہوتی ہے۔ اگرچہ آواز کے سماع کی رفتار دیکھنے سے بہت کم ہے۔ اس لئے کہ نظر کی رفتار تیز ہے اور آواز کی رفتار سست ہے۔ حامل وحی کو دیکھنے سے پہلے یہ آواز سنائی دی۔ تاکہ آپؐ متوجہ ہوجائیں۔ پھر دیکھنے کی نوبت آتی تھی۔ اور جو چیز تیزی سے چلتی ہے اسی سے آواز پیدا ہوتی ہے۔

وھو اشدہ علیّ شیخ مدنیؒ فرماتے ہیں کہ اشد شدید سے ماخوذ ہے شدید کے معنی قوی اور گراں کے آتے ہیں۔ شاق ہونے کی مشہور وجہ یہ ہے۔ کہ چونکہ آواز متدارک ہے اس کا سمجھنا بہت مشکل ہوتا تھا اس لئے آپؐ کو بہت متوجہ ہونا پڑتا تھا یا شدید ہونا اس بنا پر ہے کہ کلام نفسی کے القاء کی وجہ سے آپؐ کو عالم غیب کی طرف متوجہ ہونا پڑتا تھا۔ جس کی وجہ سے آپؐ کو تکلیف ہوتی

تھی۔ یہی وجہ ہے کہ جب کسی کو ذکر اللہ سے کچھ مناسبت ہو جاتی ہے تو بے چینی بڑھ جاتی ہے۔ کیونکہ یہ جسم مادی ہے۔ اور ذکر کے فوائد میں سے یہ بھی ہے کہ روح کو عالم تجرد کی طرف کھینچے تو ان دونوں میں تنازع ہوتا ہے۔ چنانچہ فلاسفہ لکھتے ہیں کہ لکڑی کے جلنے کی وجہ سے اس میں اجزاء دخانیہ پیدا ہوتے ہیں۔ آگ ان کو لے کر اپنے مرکز اعلیٰ کی طرف متوجہ ہوتی ہے۔ راستہ میں پانی سے تنازع ہو جاتا ہے تو اس میں چمک پیدا ہوتی ہے۔ اسی طرح یہ روح عالم تجرد کی طرف کھینچتی ہے۔ اور جسم عالم اسفل کی طرف۔ اس تنازع کی وجہ سے ذاکر میں بے چینی پیدا ہو جاتی ہے تو یہاں دو حالتیں ہیں۔ جب آپؐ کو عالم علوی کی طرف متوجہ کیا جاتا ہے تو آواز سنائی دیتی ہے اور مشقت ہوتی ہے۔ اور جب ادھر سے ملک آتا ہے تو مشقت نہیں ہوتی۔ ؎

کس نداند کہ منزلِ آں یار کجا است
غیر ازیں نیست کہ بانگِ جرسے می آید

اور یہ قاعدہ ہے کہ چیزیں جس قدر تجرد ہو گا اس میں لطافت ہو گی۔ اور جس قدر مادیت ہو گی اتنی کثافت ہو گی۔ چنانچہ ہمارے اندر جو قوت خیالیہ رکھی گئی ہے وہ مجرد ہے۔ ہمارے خیال میں اس کی قوت ضعیف معلوم ہوتی ہے۔ لیکن اگر اس کو مجتمع کیا جائے تو خوب قوت پیدا ہوتی ہے مسمریزم والے اسی خیال کو جماتے ہیں۔ مگر یہ لوگ مادیات کی طرف قوتِ خیال کو بڑھاتے ہیں۔ صوفیاء کرام روحانیات کی طرف بڑھاتے ہیں۔ چنانچہ دو شیخ نقشبندی پتھر کی چٹان درمیان میں رکھ کر کھینچنے لگے تھوڑی دیر بعد پتھر کے دو ٹکڑے ہو گئے۔ ایک ٹکڑا ادھر ہو گیا دوسرا اُدھر ہو گیا۔ غرضیکہ چیزیں جس قدر تجرد ہو گا اسی قدر اس میں قوت ہو گی۔ بنا بریں آپؐ کو عالم علوی کی طرف توجہ کرنی پڑتی تو اس وقت سخت مشقت اٹھانی پڑتی تھی۔ ملک نازل ہونے کی صورت میں کوئی مشقت نہیں ہوتی تھی۔ تو پانچ صورتیں ہوئیں (۱) ملک کے اجنحہ کی آواز (۲) ملک کے آنے کی آواز (۳) ملک کے بولنے کی آواز اگر بواسطہ ملک کلام سنائی گئی (۴) خود کلام نفسی کو سنایا گیا۔ جس پر اشاعرہ اور ماتریدیہ دونوں کا اتفاق ہے کہ کلام نفسی قابل سماع ہے۔ (۵) کلام لفظی کو باری تعالےٰ بغیر واسطہ کے سناتے ہیں۔ اور یہ الفاظ پیدا ہوتے ہیں۔ لیکن مابعد کے قرائن سے پہلی تین توجیہات کی تائید ہوتی ہے۔ جو حضرات بقیہ دو توجیہات کو ترجیح دیتے ہیں۔ کہ تمثل

۱/۱۴

یہ یاتینی کے مقابل ہے۔ پہلے کلام نفسی سنائی گئی پھر ملک آیا۔ اور پھر تمثل ہوا۔ اور شدت کی ایک توجیہ شیخ زکریا مرحوم نے بھی تحریر فرمائی ہے کہ جب جبرائیل علیہ السلام اپنی اصلی شکل میں آکر کلام سناتے تو اس آواز سے وحی قرآن کا اخذ کرنا بڑا مشکل ہوتا تھا گویا یہ چھٹی توجیہ ہوئی۔

فیفصم عنی یہ لفظ تین طرح سے ضبط کیا گیا ہے۔ باب افعال سے علی بناء الفاعل دوسرے مجرد سے بھی علی بناء الفاعل تیسرے علی بناء المفعول از باب ضرب یضرب یہاں اس سے مراد ہٹانا اور ازالہ کرنا ہے ای ینقطع الوحی او الملک۔

وقد وعیتُ یہ جملہ حالیہ ہے۔ کیونکہ باری تعالٰے نے لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ (الآیۃ) کے ذریعہ اس کا تکفل فرما لیا تھا۔ اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ سب کچھ یاد ہو جاتا تھا اور تمام کیفیت راسخہ ہو جاتی تھی۔ اور جب آپؐ پر وحی نازل ہوتی تھی اس وقت آپؐ کو عالم لاہوت میں لایا جاتا تھا۔ سماء دنیا سے مرکز عالم تک عالم ناسوت ہے۔ سماء دنیا سے فلک الافلاک تک عالم ملکوت ہے اور فلک الافلاک سے اوپر عرش وکرسی تک عالم جبروت کہلاتا ہے۔ جس میں مجردات ہوتے ہیں۔ اور اس سے اوپر عالم لاہوت ہے چونکہ ہمارے ارواح بوجہ کثافت کے ان عوالم کی طرف متوجہ نہیں ہو سکتے۔ البتہ جن حضرات کے ارواح لطیفہ ہیں ان کو عالم امر کی طرف متوجہ کرتے ہیں۔ یہ وہ عالم ہے جس کو لفظ کن سے پیدا کیا گیا۔ اسے صوفیاء کرام عالم جبروت کہتے ہیں۔ اور عالم لاہوت کسی کے امر اور خلق سے پیدا شدہ نہیں۔ اس لئے ان جمیع عوالم کی سیر کرانے کے بعد آپؐ پر وحی نازل کی گئی۔

واحیانا یتمثل لی الملك رجلاً یہ رجلاً روایات کے اندر نصب ہی ساتھ آتا ہے مگر وجہ نصب کیا ہے اس میں مختلف اقوال ہیں۔ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ یہ مفعول مطلق ہے۔ تقدیر عبارت یوں ہے۔ یتمثل لی الملک تمثل رجل مضاف کو حذف کرکے مضاف الیہ کو اس کا اعراب دے کر مضاف کے قائم مقام بنا دیا۔ اور بعض اسے منصوب بنزع الخافض فرماتے ہیں یعنی یتمثل لی الملک برجل بعض اسے حال قرار دیتے ہیں اور تقدیر عبارت یوں بیان فرماتے ہیں۔ یتمثل لی الملک حال کونہ رجلاً۔ علماء نے لکھا ہے کہ جبرائیل علیہ السلام اکثر حضرت دحیہؓ کلبی کی شکل میں آیا کرتے تھے۔ حسن ظاہری کی بنا پر کیونکہ حضرت دحیہؓ بہت حسین وجمیل تھے۔

قالت عائشۃ رضی اللہ تعالٰی عنہا۔ یہاں سے حضرت عائشہؓ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد وھو اشد علیّ کی توضیح اور تبیین فرما رہی ہیں۔ کہ وہ نوع اوّل حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایسی سخت گذرتی تھی کہ سخت سردی کے زمانہ میں بھی آپؐ پسینہ پسینہ ہو جایا کرتے تھے۔ یتفصد عرقاً ای یسیل عرقاً یہ مبالغہ کے لئے ہے۔ اس حدیث میں وحی کی اقسام میں سے صرف دو کا بیان ہوا۔ ایک نوع اعلیٰ اشد ہے اس کو مثل صلصلۃ الجرس سے بیان فرمایا دوسری نوع بکثرت واقع ہوتی تھی اس کو یتمثل الخ سے بیان فرمایا۔ اس حدیث کو ترجمۃ الباب سے مطابقت اس طرح ہوئی کہ مبادی وحی کی کیفیات میں سے یہ بھی ہے کہ سخت سردی کے اندر آپؐ پسینہ پسینہ ہو جاتے تھے۔ یہ معنی مطابقی کے طور پر ہے۔ اور اصل یہ ہے کہ جو چیز انسان خود اختیار کرے اس میں مشقت اور یہ کیفیات نہیں ہوا کرتیں۔ اگر وحی کے آنے میں آپؐ کا کسی قسم کا تصنع ہوتا تو یہ کیفیات طاری نہ ہوتیں۔ معلوم ہوا کہ اس میں آپؐ کا کوئی تصرف نہیں کفار کا کہنا غلط ہے کہ غیر اللہ کی جانب سے ہے۔ اگر غیر اللہ کا دخل ہوتا تو یہ صداقت اور عالمی ہمدردیاں نہ ہوتیں واضح ہوا کہ وحی ایک ذی عظمت چیز ہے جس کی معصومیت اور جس کا قابل اعتماد ہونا یقینی طور پر معلوم ہوتا ہے۔ علامہ عینیؒ فرماتے ہیں کہ مناسبت بالکل ظاہر ہے۔ کہ اس روایت میں وحی کا ذکر ہے۔

۳۔ **حدثنا** یَحْیَی بْنُ بُکَیْرٍ الخ عَنْ عَائِشَۃَ اُمِّ الْمُؤْمِنِیْنَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہَا اَنَّہَا قَالَتْ اَوَّلُ مَا بُدِئَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مِنَ الْوَحْیِ الرُّؤْیَا الصَّالِحَۃُ فِی النَّوْمِ فَکَانَ لَا یَرٰی رُؤْیَا اِلَّا جَاءَتْ مِثْلَ فَلَقِ الصُّبْحِ ثُمَّ حُبِّبَ اِلَیْہِ الْخَلَاءُ وَکَانَ یَخْلُوْ بِغَارِ حِرَاءٍ فَیَتَحَنَّثُ فِیْہِ وَھُوَ التَّعَبُّدُ اللَّیَالِیَ ذَوَاتِ الْعَدَدِ قَبْلَ اَنْ یَّنْزِعَ اِلٰی اَھْلِہٖ وَیَتَزَوَّدُ لِذٰلِکَ ثُمَّ یَرْجِعُ اِلٰی خَدِیْجَۃَ فَیَتَزَوَّدُ لِمِثْلِہَا حَتّٰی جَاءَہُ الْحَقُّ وَھُوَ فِیْ غَارِ حِرَاءٍ فَجَاءَہُ الْمَلَکُ فَقَالَ اقْرَاْ فَقَالَ فَقُلْتُ مَا اَنَا بِقَارِئٍ فَقَالَ فَاَخَذَنِیْ فَغَطَّنِیْ حَتّٰی بَلَغَ مِنِّی الْجَھْدَ ثُمَّ اَرْسَلَنِیْ فَقَالَ اقْرَاْ فَقُلْتُ مَا اَنَا بِقَارِئٍ فَاَخَذَنِیْ فَغَطَّنِی الثَّانِیَۃَ حَتّٰی بَلَغَ مِنِّی الْجَھْدَ ثُمَّ اَرْسَلَنِیْ فَقَالَ اقْرَاْ فَقُلْتُ مَا اَنَا بِقَارِئٍ قَالَ فَاَخَذَنِیْ فَغَطَّنِی الثَّالِثَۃَ ثُمَّ اَرْسَلَنِیْ فَقَالَ اقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ اقْرَاْ وَرَبُّکَ الْاَکْرَمُ فَرَجَعَ بِہَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَرْجُفُ

فُؤَادُهُ فَدَخَلَ عَلٰى خَدِيجَةَ بِنْتِ خُوَيْلِدٍ فَقَالَ زَمِّلُوْنِيْ فَزَمَّلُوْهُ حَتّٰى ذَهَبَ
عَنْهُ الرَّوْعُ فَقَالَ لِخَدِيجَةَ وَاَخْبَرَهَا الْخَبَرَ لَقَدْ خَشِيْتُ عَلٰى نَفْسِيْ فَقَالَتْ
خَدِيجَةُ كَلَّا وَاللّٰهِ مَا يُخْزِيْكَ اللّٰهُ اَبَدًا اِنَّكَ لَتَصِلُ الرَّحِمَ وَتَحْمِلُ الْكَلَّ
وَتَكْسِبُ الْمَعْدُوْمَ وَتَقْرِى الضَّيْفَ وَتُعِيْنُ عَلٰى نَوَائِبِ الْحَقِّ فَانْطَلَقَتْ بِهٖ خَدِيجَةُ
حَتّٰى اَتَتْ بِهٖ وَرَقَةَ بْنَ نَوْفَلِ بْنِ اَسَدِ بْنِ عَبْدِ الْعُزّٰى ابْنَ عَمِّ خَدِيجَةَ وَ
كَانَ امْرَءًا تَنَصَّرَ فِي الْجَاهِلِيَّةِ وَكَانَ يَكْتُبُ الْكِتَابَ الْعِبْرَانِيَّ فَيَكْتُبُ مِنَ الْاِنْجِيْلِ
بِالْعِبْرَانِيَّةِ مَا شَآءَ اللّٰهُ اَنْ يَّكْتُبَ وَكَانَ شَيْخًا كَبِيْرًا قَدْ عَمِيَ فَقَالَتْ لَهٗ خَدِيجَةُ
يَا ابْنَ عَمِّ اسْمَعْ مِنِ ابْنِ اَخِيْكَ فَقَالَ لَهٗ وَرَقَةُ يَا ابْنَ اَخِيْ مَاذَا تَرٰى فَاَخْبَرَهٗ
رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَبَرَ مَا رَاٰى فَقَالَ لَهٗ وَرَقَةُ هٰذَا النَّامُوْسُ
الَّذِىْ نَزَّلَ اللّٰهُ عَلٰى مُوْسٰى يَا لَيْتَنِيْ فِيْهَا جَذَعًا يَا لَيْتَنِيْ اَكُوْنُ حَيًّا اِذْ يُخْرِجُكَ قَوْمُكَ
فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَوَمُخْرِجِيَّ هُمْ قَالَ نَعَمْ لَمْ يَأْتِ رَجُلٌ
قَطُّ بِمِثْلِ مَا جِئْتَ بِهٖ اِلَّا عُوْدِيَ وَاِنْ يُّدْرِكْنِيْ يَوْمُكَ اَنْصُرْكَ نَصْرًا مُّؤَزَّرًا ثُمَّ
لَمْ يَنْشَبْ وَرَقَةُ اَنْ تُوُفِّيَ وَفَتَرَ الْوَحْيُ قَالَ ابْنُ شِهَابٍ وَّاَخْبَرَنِيْ اَبُوْ سَلَمَةَ
بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ اَنَّ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ الْاَنْصَارِيَّ قَالَ وَهُوَ يُحَدِّثُ عَنْ
فَتْرَةِ الْوَحْيِ فَقَالَ فِيْ حَدِيْثِهٖ بَيْنَا اَنَا اَمْشِيْ اِذْ سَمِعْتُ صَوْتًا مِّنَ السَّمَآءِ فَرَفَعْتُ
بَصَرِيْ فَاِذَا الْمَلَكُ الَّذِيْ جَآءَنِيْ بِحِرَآءٍ جَالِسٌ عَلٰى كُرْسِيٍّ بَيْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ
فَرُعِبْتُ مِنْهُ فَرَجَعْتُ فَقُلْتُ زَمِّلُوْنِيْ زَمِّلُوْنِيْ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ تَعَالٰى يٰاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ
قُمْ فَاَنْذِرْ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ فَحَمِيَ الْوَحْيُ
وَتَتَابَعَ تَابَعَهٗ هِلَالُ بْنُ رَدَّادٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ وَقَالَ يُوْنُسُ وَمَعْمَرٌ بَوَادِرُهٗ۔

ترجمہ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔ کہ پہلے پہل جو آنحضرت
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی کی ابتداء ہوئی۔ وہ نیند میں سچے خواب تھے توجب بھی آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم کوئی خواب دیکھتے تھے وہ صبح پھٹنے کی طرح روشن آتا تھا۔ پھر اور آپ کو خلوت مرغوب ہوئی۔
چنانچہ آپ غار حراء میں خلوت گزین ہو کر عبادت کرتے تھے تحنث کے معنی عبادت کرنے کے ہیں۔

اپنے اہل وعیال کے ہاں لوٹنے سے پہلے کئی کئی راتیں مسلسل عبادت میں مصروف رہتے تھے۔ اور ان دنوں کے لئے آپ اپنا خرچہ خوراک (توشہ) ہمراہ لے جاتے تھے جب وہ ختم ہو جاتا تو پھر حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے پاس واپس آکر لے جایا کرتے تھے۔ حتیٰ کہ اسی غارِ حرا میں ہی وحی آئی۔ جس کی صورت یہ ہوئی کہ آپؐ کے پاس فرشتہ آیا اور کہنے لگا کہ پڑھیئے میں نے کہا میں پڑھنے والا نہیں ہوں تو اس نے مجھے پکڑ کر خوب بھینچا یہاں تک کہ مجھے اس سے مشقت پہنچی پھر اس نے مجھے چھوڑ دیا۔ اور کہا کہ پڑھو میں نے کہا میں پڑھنے والا نہیں ہوں۔ پھر اس نے پکڑ کر دوسری مرتبہ مجھے بھینچا یہاں تک کہ مجھے مشقت تکلیف پہنچی تو اس نے مجھے چھوڑ دیا پھر کہا کہ پڑھو میں نے اسی طرح کہا کہ میں پڑھنے والا نہیں ہوں تو پھر اس نے مجھے تیسری دفعہ پکڑ کر بھینچا پھر چھوڑ دیا۔ اور کہا (ترجمہ) پڑھو اپنے رب کے نام سے جس نے پیدا کیا جس نے انسان کو لوتھڑے سے پیدا کیا۔ پڑھو تمہارا رب بڑا عزت والا ہے۔ آپؐ ان آیات کو لے کر اس حال میں گھر واپس آئے کہ آپ کا دل کانپتا تھا۔ حضرت خدیجۃ الکبریٰ کے پاس تشریف لائے اور فرمایا کہ مجھے چادر اڑھادو۔ مجھے چادر اڑھادو انہوں نے چادر اڑھادی۔ یہاں تک کہ آپ سے وہ خوف جاتا رہا۔ جس کی وجہ سے دل کانپ رہا تھا۔ پھر حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کو سارے واقعہ کی خبر دی اور فرمایا مجھے تو اپنی جان کا خطرہ پیدا ہو گیا تھا جس پر حضرت خدیجہؓ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کی قسم ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔ اللہ تعالےٰ آپؐ کو کبھی رسوا نہیں کرے گا کہ (جن بھوت کے سپرد کر دے) کیونکہ آپؐ تو صلہ رحمی کرتے ہیں۔ لوگوں کے قرضے کے بوجھ اٹھاتے ہیں۔ معدوم المال مفلس وقلاش کو کمائی والا بنا دیتے ہیں یا مفلسوں کے لئے کمائی کرتے ہیں۔ اور مہمان نوازی فرماتے ہیں۔ خلاصہ یہ کہ حق کے مصائب میں آپؐ لوگوں کی مدد فرماتے ہیں۔ اس تسلی دینے کے بعد حضرت خدیجۃ الکبریٰ آپؐ کو اپنے چچا زاد بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں۔ جو زمانہ جاہلیت میں نصرانی ہو گیا تھا۔ اور عبرانی کتاب لکھتا تھا چنانچہ انجیل مقدس میں عبرانی زبان میں اللہ تعالےٰ جو چاہتا وہ لکھتا تھا۔ اور اب وہ بہت بوڑھا ہو کر نابینا ہو گیا تھا۔ تو حضرت خدیجہؓ نے ان سے کہا کہ میرے چچا کے بیٹے اور اپنے بھتیجے حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنو انہوں نے کیا دیکھا تو ورقہ نے کہا بھتیجے بتاؤ تم نے کیا دیکھا آپؐ نے جو کچھ دیکھا تھا ورقہ کو سب کچھ سے خبردار کر دیا۔ جس پر ورقہ نے کہا یہ تو

وہ فرشتہ ہے جس کو اللہ تعالےٰ وحی دے کر حضرت موسیٰ علیہ السلام پر اتارا تھا کاش میں آپؐ کی اعلان نبوت کے دور میں نوجوان ہوتا کاش میں زندہ ہوتا جب کہ آپؐ کی قوم آپؐ کو وطن سے نکال دے گی۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ؐ نے فرمایا کہ کیا وہ لوگ مجھے نکالنے والے ہوں گے۔ اس نے کہا ہاں! کیوں کہ جو شریعت آپؐ لے کر آئے ہیں جو نبی بھی ایسی وحی لے کر آیا ہے اس کی قوم نے اس سے دشمنی کی ہے۔ اگر مجھے آپؐ کی نبوت کے ظہور کا زمانہ مل گیا۔ تو میں آپؐ کی بھرپور مدد کروں گا۔ لیکن ورقہ زیادہ عرصہ نہ رہ سکا کہ اس کی وفات ہو گئی ادھر آپؐ کی وحی بھی منقطع ہو گئی۔ ابن شہاب زہری فرماتے ہیں کہ مجھے ابو سلمہ بن عبد الرحمٰن نے خبر دی کہ حضرت جابرؓ بن عبد اللہ انصاری فترۃ وحی کے بارے میں بیان کرتے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں چل رہا تھا کہ آسمان سے میں نے ایک آواز سنی۔ میں نے آنکھ اٹھا کر دیکھا تو وہی فرشتہ جو غارِ حرا میں میرے پاس آیا تھا وہ آسمان اور زمین کے درمیان کرسی پر بیٹھا ہے جس کی وجہ سے میں گھبرا گیا اور گھر واپس آ گیا گھر والوں سے کہا مجھ پر چادر ڈالو جس پر اللہ تعالےٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ یَآ اَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ الآیۃ۔ اے کملی اوڑھنے والے اٹھو اور قوم کو ڈراؤ۔ اور اپنے رب کی بڑائی بیان کرو۔ اور اپنے کپڑے پاک صاف رکھو اور بتوں کو چھوڑ دو پھر وحی کثرت سے اور مسلسل آنے لگی اس روایت کی موافقت عبد اللہ بن یوسف اور ابو صالح اور ہلال بن رداد نے زہری سے روایت کی اور یونس اور معمر نے فوادہ کی بجائے بوادرہ کہا یعنی آپ کے گوشت کا وہ ٹکڑا کانپنے لگا جو کندھے اور گردن کے درمیان ہوتا ہے۔

تشریح اس روایت پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی شادی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مشہور قول کے مطابق چھ سال کی عمر میں ہوئی۔ خواہ ہجرت سے ایک سال پہلے ہوئی ہو یا ہجرت والے سال بہرحال اس وقت حضرت عائشہؓ پیدا کہاں ہوئی تھیں۔ جو یہ حدیث بیان کر رہی ہے۔ جواب یہ ہے کہ بعد براہِ راست حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہو گا یا حضرات صحابہ کرام سے سن کر یہ فرما رہی ہیں۔ پہلی صورت میں حدیث متصل ہو گی اور دوسری صورت میں اسے مرسلاتِ صحابہ کرام میں سے شمار کیا جائے گا۔ اور مرسلاتِ صحابہ ہمارے نزدیک حجت ہیں۔

الرؤیا الصالحۃ ای الصادقۃ معلوم ہوچکا ہے کہ وحی کی چھیالیس قسمیں ہیں۔ ان میں سے ایک رویا صالحہ بھی ہے۔ چونکہ نصوص سے ثابت ہے کہ انبیاء کرام کے خواب وحی میں داخل ہیں لہٰذا کہا جائے گا کہ یہ نوع اوّل ہے جو پہلے سے شروع ہوگئی تھی اور دوسری نوع وحی کی غارِ حرا سے شروع ہوئی یا یوں کہا جائے کہ رویا صالحہ کی حیثیت مقدمہ کی سی ہے اور حقیقی وحی وہ ہے جو غارِ حرا سے شروع ہوئی۔

الاجاءت مثل فلق الصبح یعنی وحی میں ایسی جزئیات معلوم ہوں جیسے کہ زمانہ سابقہ میں اس طرح واقع ہوئی ہوں۔ یا آئندہ اس کے مطابق واقع ہوں۔ اس کی تائید فلق صبح کے الفاظ سے ہوتی ہے۔ جبکہ کمال روشنی ہوتی ہے۔ التباس کا کوئی شائبہ نہیں ہوتا۔ اس لئے ہر اس سچی بات کو جس میں کوئی اشتباہ باقی نہ رہے ضوء صبح۔ فلق صبح سے تعبیر کرتے ہیں۔ فلق کے معنی چیرنے کے آتے ہیں۔ چونکہ ضوء بھی تاریکی کو چیرتی ہے۔ اس لئے روشنی کے ظاہر ہونے کو فلق کہتے ہیں۔ یا اس بنا پر تشبیہہ ہے کہ اصل میں تمام عالم مظلم ہے۔ اور آفتاب اس کی ظلمت کو چیرتا ہے۔ جیسے اصل میں تمام عالم بارد ہے۔ آفتاب کے ذریعہ اس میں حرارت پہنچتی ہے۔ تو ضوء کو اوّل معنی میں مجازاً فالق کہا گیا اور دوسرے معنی میں شمس حقیقتہً فالق ہوا۔ اور دوسرے معنی رؤیا صالحہ کے یہ ہیں کہ وہ خواب جس میں صلاح اور خیریت پائی جاتی ہو۔ خواہ وہ کسی قسم کی خیریت ہو۔ جیسے انبیاء۔ ملائکہ یا اللہ تعالےٰ کو خواب میں دیکھا اسی لئے فرمایا گیا۔ رؤیا صالحہ نبوت کے چھیالیسویں اجزاء میں سے ہے۔ اس کے اندر معنی عام مراد لئے جاتے ہیں۔ بہرحال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اوّلاً رؤیا صالحہ سے واسطہ پڑا اور بعض شراح تجزیہ نبوت کی یہ توجیہ کرتے ہیں کہ نبوت کی مدت تیئس سال ہے۔ جس کی چھیالیس [۴۶] ششماہیاں ہوتی ہیں۔ اور رؤیا صالحہ چھ ماہ آتے رہے۔ مگر محققین فرماتے ہیں کہ تجزیہ نبوت حروف مقطعات کی طرح متشابہ ہے۔ الحاصل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ابتدا سے ہی آثار نبوت تھے۔ اور خوارقِ عادت اعراثات صادر ہوتی تھیں مگر وحی قبل از نبوت نہ پہلے کسی نبی پر ہوئی اور نہ آپؐ پر ہوئی۔ البتہ شق صدر بچپن اور جوانی میں کیا گیا۔ یہی وجہ ہے کہ جب ہرقل نے ابوسفیان سے پوچھا کہ کبھی تم نے آپؐ کو متہم بالکذب بھی پایا ہے۔ یہ سوال ۶ھ میں کیا جارہا ہے۔ اس مدت میں قریش کو کوئی جھوٹ معلوم نہیں ہوا۔ بلکہ کفار مکہ نے صفا پہاڑی والے خطاب میں کہا تھا۔

مَا جَرَّبْنَاكَ كَذِبًا قط کہ ہم نے کبھی آپ سے جھوٹ نہیں سنا۔ تو افعال حسنہ اور اخلاق حمیدہ یہ امور آپ میں ابتدا سے ہی موجود تھے۔ پھر ان میں ترقی ہوتی گئی۔ اس لئے اس جگہ اول ما بدیٔ بہ کے ساتھ من الوحی کہا گیا۔ کیونکہ یہ عالم غیب کا تعلق ہے۔ اولاً عالم ظاہر کی چیزیں تھیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر عالم غیب کی اشیاء کو عادت الٰہی کے مطابق تدریجی طور پر منکشف کیا گیا۔ اللہ تعالیٰ کو رب اسی بنا پر کہا جاتا ہے کہ وہ تدریجاً تربیت کرتے ہیں۔ تو علوم عالیہ اور عالم کلیات سے پہلے جزئیات بتلائے گئے تاکہ مناسبت پیدا ہو۔ فی النوم جار مجرور رؤیا کے متعلق ہے۔ قالہ شیخ مدنیؒ حضرت شیخ زکریا مرحوم فرماتے ہیں کہ جیسے خواب دیکھتے تھے ویسے ہی پیش آتا تھا۔ چونکہ ان رؤیا صالحہ کی وجہ سے ایک جلاءِ باطنی اور ایک نور پیدا ہو گیا تھا اس لئے دنیا کی کدورتوں سے طبیعت متنفر ہو گئی تھی پھر کیا تھا وہ ہوا جو آگے آ رہا ہے کہ خلوت سے محبت ہو گئی۔ ثم حبب الیہ الخلاء صوفیاء کا کہنا ہے کہ جب ذکر کے آثار شروع ہوتے ہیں تو آدمی کو خلوت بہت پسند ہوتی ہے۔ اس کا ماخذ حدیث پاک کا یہی جملہ ہے۔

شیخ مدنیؒ فرماتے ہیں کان یخلو بغار حراء کی وجہ یہ ہے کہ بعد میں کسی کو یہ کہنے کی جرأت نہ ہو۔ کہ یہ باتیں جو آپؐ بتلا رہے ہیں کوئی دوسرا آدمی آپؐ کو بتلاتا ہے۔ اس لئے میل جول کو ترک کرایا گیا۔ دوسرے یہ کہ عالم غیب کی طرف آپؐ کو متوجہ کرنا ہے۔ اور قاعدہ کہ ان النفس لا تتوجہ الی شیئین فی آنٍ واحدٍ کہ نفس انسانی بیک وقت دو چیزوں کی طرف متوجہ نہیں ہو سکتا۔ دنیا کا عاشق جب اپنے معشوق کی توجہ کسی دوسرے کی طرف دیکھنا نہیں چاہتا تو معشوق حقیقی کیسے گوارا کر سکتا ہے۔ تیسرے یہ کہ جن امور کو آپؐ پر ظاہر کرنا ہے۔ ان کا القا تنہائی میں ہونا چاہیئے۔ لوگوں کے سامنے ان کا القا مناسب نہیں تھا۔ اس لئے وحشت ڈالی گئی۔ بعض حضرات تو خود ہی باری تعالےٰ کا تقرب تلاش کرتے ہیں۔ اور بعض کے لئے اُدھر سے منظوری ہوتی ہے اور ادھر سے جذبیت ہوتی ہے۔ اس لئے علائق منقطع کئے گئے۔

حراء کا لفظ ممدودہ غیر منصرف ہے بتاویل بقعہ کہ بقعہ کا علم ہے۔ اور منصرف بھی پڑھ سکتے ہیں۔ یہ غار مکہ معظمہ سے تین میل کے فاصلہ پر ہے۔ تحنث حنث سے ماخوذ ہے۔ باب تفعل میں تا کبھی سلب کے لئے ہوتا ہے۔ حنث کے معنی گناہ کے ہیں۔ اور ازالہ حنث کے لازمی معنی

تعبد کے ہیں جیسے تہجد میں تاسلب کے لئے ہے۔ وھو التعبد یہ کلام مدرج ہے۔ کہ ایک کلام روایت میں سے تو نہ ہو۔ مگر راوی روایت کرتے وقت اس کو بیان کردے۔ اللیالی تحنث کے متعلق ہے۔ تعبد کے متعلق نہیں ورنہ معنی فاسد ہوجائیں گے۔

ذوات العدد کبھی تو عدد کا ذکر کرنا تکثیر کے لئے ہوتا ہے اور کبھی تقلیل کے لئے۔ جیسے دراھم معدودہ ایام معدودات۔ ذوات العدد سے ظاہر یہ ہے۔ کہ وہ راتیں تھوڑی تھیں اکثر آپؐ وہاں دن میں رہتے تھے۔ مگر مابعد کا کلام اس پر دلالت کرتا ہے کہ آپ صرف لیالی میں عبادت نہیں کرتے تھے بلکہ ایام میں بھی کرتے تھے تو الایام مع لیالیھن کے الفاظ محذوف ماننے پڑیں گے۔ یا لیالی سے مجرد وقت مراد لیا جائے اسے زماناً قلیلاً بہرحال ہر دو تقدیر پر یہ شبہ وارد ہوتا ہے کہ لفظ کیوں حذف کیا گیا۔ یا دوسری تقدیر پر زماناً کو کیوں نہ لایا گیا۔ وجہ یہ ہے کہ لوگ رات کو اپنے گھروں کو واپس آجاتے ہیں۔ دن میں ادھر ادھر پھرتے رہتے ہیں۔ ایسا شخص تو جنگلات اور اندھیرے میں رہ سکتا ہے۔ جس پر جذبہ اور شوق کا غلبہ ہو۔ عقل کے غلبہ کی صورت میں وحشت پیدا ہوتی ہے۔ تو بتلانا یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رات کی وحشت سے نہیں گھراتے تھے۔ اور دن کو تو وہاں رہتے ہی تھے۔ اور ذوات العدد کا لفظ ممکن ہے تکثیر کے لئے ہو۔ اگر بہت آدمی ہوں تو گننے کی نوبت آتی ہے تھوڑے آدمیوں کو گننے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ تو اس سے اربعینات مراد ہو سکتے ہیں اور اس سے زائد بھی۔ چالیس روز تک حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کوہِ طور پر رہنا پڑا۔ کتاب اللہ لینی تھی۔ اس کے لئے انقطاع کی ضرورت تھی۔ نیز! کوہِ طور پر تیس دن رہے۔ مگر اس میں بعض چیزوں پر مواخذہ ہوا یعنی مسواک پر۔ جس کی وجہ سے چالیس دن تک ٹھہرنا پڑا۔ خلاصہ یہ ہے کہ چالیس کے عدد کو اخلاق و اطوار میں خصوصیت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ منی کا قطرہ خون اور مضغہ وعلقہ وغیرہ چالیس چالیس دن میں بنتے ہیں۔ صوفیائے کرام نے ریاضات کے لئے چلّہ کشی کو اسی سے ثابت کیا۔ البتہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتی قابلیت اس کو تقاضا نہیں کرتی۔ کہ اتنی مدت انتظار کیا جائے۔ مگر ہم کو تعلیم دینے کے لئے ایسے کیا گیا۔

یتحنث اور بعض روایات میں یتحنف کے الفاظ ہیں۔ تحنف کا معنی ہے ملۃ حنفیہ پر عمل کرنا اور ملۃ حنفیہ سے ملۃ ابراہیمیہ مراد ہے۔ جن نسخوں میں تحنث ہے اس کو تحنف سے متبدل

کہتے ہیں۔ بہرحال یہ معلوم ہوا کہ آپؐ غارِ حرا میں کھانے پینے اور کھیل کود میں وقت نہیں گزارتے تھے۔ بلکہ عبادت الٰہی کرتے تھے اور اس کا طریقہ طریقہ ابراہیمی تھا۔ اگرچہ بالکل ملۃ ابراہیمی نہیں تھی مگر اکثر اس کی چیزیں باقی تھیں۔ مولانا شیخ زکریا مرحوم فرماتے ہیں یہ نیچری اور مودودی کے لوگ خانقاہوں میں بیٹھنے کو شریعت کے خلاف اور چلہ کشی کو لارہبانیۃ فی الاسلام کے خلاف سمجھتے ہیں یہ غلط ہے۔ بھلا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خلوت کی ضرورت پیش آئی جن کا سینۂ اطہر بالکل صاف تھا تو ہم بے چارے کیا ہیں اور ہماری کیا حیثیت ہے۔ اور یہی نہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم غلوت میں نبوت کے ملنے سے قبل ہی بیٹھا کرتے تھے بلکہ نبوت ملنے کے بعد آپؐ کا خلوتوں میں رہنا اور جنگلوں میں قیام فرمانا ثابت ہے۔ اور دلیل اس کی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی وہ حدیث ہے جو ابوداؤد کی باب الہجرت میں مذکور ہے۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اونٹنی دی اور فرمایا کہ اس پر سامان وغیرہ باندھ دو۔ اور پھر آپؐ جنگل میں دو۔ دو تین تین دن کے لئے تشریف لے جایا کرتے تھے۔ چونکہ اس سے تبتل (تنہائی) حاصل ہوتا ہے۔ اور اختلاط سے جو اثر دل پر پڑتا ہے وہ دور ہو جاتا ہے۔ ایک مرتبہ حضرت مولانا تھانویؒ نے حضرت گنگوہی نور اللہ مرقدہٗ کو لکھا تھا کہ جی چاہتا ہے خلوت اختیار کروں۔ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا یہ جواب دیا کہ "ہمارے اکابر کا طریقہ نہیں ہے" اس جواب سے یہ سمجھ لینا کہ تبتل اختیار کرنا اکابر کا طریقہ نہیں یہ غلط ہے۔ بلکہ حضرت گنگوہیؒ کے جواب کا حاصل یہ ہے کہ بالکلیہ تبتل اختیار کرے مدارس اور خوانق کو چھوڑ دیا جائے۔ یہ ہمارے سلف کا طریقہ نہیں ہے۔ بلکہ ظاہر شریعت پر رہتے ہوئے عوائق دنیا سے اپنے قلب کو فارغ کرنے کے لئے خلوت اختیار کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدثؒ اپنی متعدد تصانیف میں مختلف عبارات کے ساتھ تحریر فرماتے ہیں کہ چند چیزیں ایسی ہیں جن پر مجھے مجبور کیا گیا۔ منجملہ ان کے یہ ہے کہ میرا جی چاہتا تھا کہ کسی کی تقلید نہ کروں اس پر مجھے مجبور کیا گیا کہ تقلید تو کرنی پڑے گی۔ چاہے کسی کی کرو۔ چونکہ شاہ صاحب کو خلافِ طبع تقلید پر مجبور کیا گیا۔ اسی وجہ سے کہیں کہیں ان کی زبان سے خلافِ تقلید بات نکل جاتی ہے۔ مگر چونکہ اجبار ہے اس لئے جلدی سنبھل جاتے ہیں۔ اور یہاں تک کہہ دیتے کہ ہندوستان میں بلا تقلید حنفیہ چارہ نہیں ہے۔ نیز! فرماتے ہیں۔ میرا جی چاہتا ہے کہ توکل اختیار کروں ترک اسباب کے ساتھ اسی طرح میرا جی چاہتا تھا کہ حضرت علیؓ کی افضلیت کا قائل ہو جاؤں۔ کیونکہ وہ بچپن میں اسلام لائے۔ اور اسلام کے اندر ان کا نشوونما ہوا۔

اس کے علاوہ وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نسبت میں اتنے قریب ہیں کہ چچا زاد بھائی ہیں۔ اور صوفیاء کرام کے سارے سلاسل تقریباً انہی سے ملتے ہیں۔ بخلاف حضرات شیخین کے کہ ان کی زندگی ایک حصہ کفر میں گذرا ہے۔ اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب میں بھی اتنے قریب نہیں۔ لیکن مجھے اس پر مجبور کیا گیا کہ میں حضرات شیخین کی تفضیلت کا قائل ہوں۔ جب میں نے وجہ دریافت کی تو بتلایا گیا۔ کہ ابوبکرؓ اور عمرؓ سے میری ظاہری شریعت کا تحفظ ہے۔ اور حضرت علیؓ سے باطن شریعت کا۔ اور ظاہر باطن پر مقدم ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ظاہر شریعت کے جو کام ہیں۔ ان کو نہیں چھوڑنا چاہیئے۔ اور یہی مطلب حضرت گنگوہیؒ کے فرمان کا بھی ہے کہ ظاہر شریعت کے پابند بنے رہو۔ یہ نہیں کہ درس و افتاء چھوڑ کر بالکل گوشہ نشین بن جاؤ۔ بہرحال میرا خیال یہ ہے کہ بزرگوں کا یہ چلہ بھی اسی سے ماخوذ ہے۔ اصل ماخذ تو قرآن شریف کی آیت۔ واذ واعدنا موسیٰ ثلثین لیلۃ واتممنٰہا بعشر ہے۔ کیونکہ اس آیت موسیٰ علیہ السلام کو بھی چلہ گذارنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اور دوسرا ماخذ کتاب القدر کی وہ روایت ہے جس میں آتا ہے کہ ماں کے پیٹ میں چالیس دن منی کا قطرہ نطفہ کی شکل میں رہتا ہے۔ پھر چالیس دن علقہ اور پھر چالیس دن بعد مضغہ بنتا ہے۔ تو اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اربعینہ کو احوال کے تغیر میں بہت دخل ہے۔ اور میرا تو یہ بھی خیال ہے کہ تبلیغ والوں کے یہ تین چلے اسی حدیث سے ماخوذ ہیں۔ کہ اس میں بچہ تیار ہو جاتا ہے اور علماء کے لئے سات چلے اس کے نشوونما کی دلیل ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت ملت ابراہیمی کے مطابق ہوتی تھی یا بذریعہ خواب طریقہ عبادت تعلیم کیا گیا تھا یا عبادت سے مقصود اللہ کا ذکر اور اس سے تعلق قائم کرنا تھا۔ ہر فطرت سلیمہ اس کا تقاضا کرتی ہے۔ جبکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سب سے زائد سلیم الفطرت ہیں۔ تو اس کے مقتضیٰ پر کہ اقرار ربوبیۃ و وحدانیۃ اقدس ہے عمل کریں گے اسی وجہ سے امام ابوحنیفہؒ کا ارشاد ہے کہ اگرچہ کسی کے پاس دعوتِ اسلام نہ پہنچی ہو لیکن پھر بھی اس کے لئے وحدانیت کا اقرار و اعتراف ضروری ہے۔

حتی جاءہ الحق یہ غایت محذوف کی ہے۔ ای لم یزل ھکذا حتی جاءہ الحق ای الوحی یا مضاف محذوف ہے۔ ای رسول الحق وھو جبرائیل علیہ السلام یا رحمۃ الحق و فضل الحق کے معنیٰ ہیں۔ فجاءہ الملک یہ ماقبل کی تفسیر ہے۔ الملک میں الف لام عہد خارجی

کا ہے۔ اس سے جبرائیل علیہ السلام مراد ہیں۔

قبل ان ینزع الی اھلہ بعض روایات میں ہے کہ کبھی کبھی ایک ماہ تک نہیں لوٹتے تھے۔ چنانچہ مسلم میں ہے۔ جاورتُ بحراء شہرًا۔

فقال اقراء یہاں یہ اشکال ہے کہ جب فرشتے کو معلوم تھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم قاری نہیں ہیں اور پڑھے لکھے نہیں تو فرشتے نے قرآت کا حکم کیسے دے دیا۔ یہ تو تکلیف مالا یطاق ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ تکلیف مالا یطاق نہیں بلکہ پڑھانے کی ابتدا ہے۔ جیسے کوئی استاد چھوٹے بچے کو مخاطب کرکے کہتا ہے کہ منا بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھ لے۔ پیارے بسم اللہ کہہ دے۔ تو یہاں بھی جبرائیل علیہ السلام نے قرآت کا حکم نہیں دیا۔ بلکہ تعلیم قرآت کا حکم دیا ہے۔ لیکن حضورؐ نے ظاہر الفاظ سے یہ سمجھا کہ مجھے قرآت کا حکم دیا جا رہا ہے۔ اسی لئے جواباً ما انا بقاری فرما دیا۔

حتی بلغ منی الجھد جَہد بمعنی مشقت اور تکلیف اور جُہد بضم الجیم طاقت اور وسعۃ الجہد فاعل اور مفعول دونوں ہو سکتا ہے۔ حتی بلغ منی الجھد مبلغہ یا مفعول ہے یعنی یا تو میں مشقت میں پڑ گیا۔ یا حضرت جبرائیل علیہ السلام اپنی تمام طاقت صرف کر کے مشقت میں پڑ گئے۔ یا بلغ کا فاعل غطّ ہے۔ یعنی دبانا نہایت زور کا ہوا۔ تو رفع کی صورت میں مطلب یہ ہوگا۔ کہ مجھ کو انتہائی تکلیف ہوئی۔ کیونکہ وہ فرشتے تھے اور حضور بشر تھے۔ اور نصب کی صورت میں ترجمہ یہ ہوگا کہ جبرائیل علیہ السلام میری طرف سے تکلیف کو پہنچ گئے۔ یعنی انہوں نے مجھے اس زور سے بھینچا کہ خود پسینہ پسینہ ہو گئے۔

اب یہاں اشکال یہ ہے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام جب ایک آن میں پوری قوم لوط کی بستی کو الٹ دیں تو جب وہ مشقت کو پہنچیں گے اور حضورؐ کو دبائیں گے تو حضورؐ زندہ کیسے رہیں گے۔ جواب یہ ہے کہ جبرائیل علیہ السلام اس وقت آدمی کی شکل میں تھے اور قاعدہ ہے کہ آدمی کی زی میں ہونے کی وجہ سے ان کے آثار بھی ان میں آجائیں گے۔ تو اب جبرائیل علیہ السلام میں صرف انسانی طاقت رہ گئی تھی۔ اسی نوع سے حضرت موسیٰؑ کا حضرت عزرائیلؑ کا تھپڑ مار کر آنکھ نکال دینا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح دبانا اور پھر اقرأ کہنا اس سے کس چیز کی قرأۃ کا حکم ہے۔ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ سیر کی روایات میں ہے جو اگرچہ قوی نہیں ہیں مگر ان میں ہے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام ایک حریر (ریشم) کا قطعہ لے کر آئے تھے جس میں یہ آیات لکھی ہوئی تھیں اس کو پیش کیا تھا جس پر آپؐ نے فرمایا ما انا بقاری۔

یہ حافظ ابن حجر عسقلانی کا قول ہے۔ مگر دوسرے حضرات فرماتے ہیں کہ اگرچہ اقرأ فعل متعدی ہے۔ مگر کبھی اس کو بمنزل لازم کے لیا جاتا ہے۔ اور فعل کا ایجاد مراد ہوتا ہے۔ جیسے ان یس ی حبصص و یسمع ؎ تیرے دشمن کا سا سودا تو نہ دیکھا نہ سنا ر چاہتا ہے کہ کوئی دیکھنے والا بھی نہ ہو۔ تو اقرأ بمعنی اوجد القرآۃ کے ہو گا۔ جب کہ مقروٗ کوئی چیز نہ ہو۔ لیکن دونوں تقدیر پر ایک امی کو تکلیف مالایطاق دینے کا اشکال باقی رہے گا۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سمجھے نہیں کہ جبرائیل علیہ السلام تلقین کرتے ہیں۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ تکلیف مالایطاق تو وہ ہوتی ہے کہ نفس انسان میں طاقت نہ ہو۔ اور ایک چیز یہ ہے کہ اس طاقت کا اس کو علم نہ ہو۔ ایسے آپؐ کو اپنی طاقت کا علم نہ تھا۔ جیسے مولانا رومؒ نے ایک شیر کے بچے کا واقعہ لکھا ہے جو بکریوں میں رہ کر اپنی طاقت بھول گیا تھا۔ اس طرح نفوس قدسیہ کی حالت اور ہے۔ ان کے ہاں تو نظریات بھی بدیہات ہوتے ہیں۔ چنانچہ بعض نے انبیاء علیہم السلام کو اور ہی دوسری صنف قرار دیا ہے ؎

دوھری ناس ناس صفا۔ وان کانت لہم جیب عظام۔

وما انا منہم بالعیش فیہم ۔ ولکن معدن ذھب رغام۔

یعنی جیسے سونا کیچڑ میں پایا جاتا ہے۔ ایسے میں بھی ان میں پایا جاتا ہوں۔ یہی حال انبیاء علیہم السلام کا ہے۔ کہ ہم میں زندگی بسر کرنے کی وجہ سے یہ خیال پیدا ہوا۔ کہ میں قاری نہیں ہوں اس غلط فہمی کو زائل کرنا ہے۔ اور اس طاقت کو دکھلانا ہے۔ اور قاعدہ ہے کہ جو چیز ذہن میں راسخ ہو جائے اُسے آہستہ آہستہ زائل کیا جاتا ہے۔ چونکہ آپؐ نے چالیس برس لوگوں میں پرورش پائی۔ تو ایسے ہی خیالات پیدا ہوئے اس لئے ان کو زائل کیا گیا۔ اور اس کے مانجنے کے لئے بلکہ زنگ دور کرنے کے لئے تکلیف اٹھانی پڑتی ہے اس لئے تین دفعہ دبایا گیا اور اسی وہم کو زائل کیا گیا۔

تیسری توجیہ یہ ہے کہ کاملوں کے نفوس سے ناقصوں کے نفوس پر اثر ڈالا جاتا ہے اہل تصوف اسے توجہ سے تعبیر کرتے ہیں۔ توجہ کی کئی اقسام ہیں۔ مشائخ نقشبندیہ حلقہ بنا کر بیٹھتے ہیں۔ اور طالب کے قلب کی طرف خیال کرتے ہیں۔ مشائخ قادریہ اور چشتیہ کا اور طریقہ ہے۔ غرضیکہ اس طریقہ کا نام توجہ ہے۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مریدوں کے قلوب کی نجاسات کو دور کرنے میں مرشد کو اس سے زیادہ تکلیف ہوتی ہے۔ جس قدر ماں کو بچے کے چیتھڑے دھونے میں تکلیف

ہوتی ہے۔ بہرحال یہ توجہ وہی ہے جیسے "وَيُزَكِّيهِمْ" فرمایا گیا۔ یعنی اپنی قوت روحانی سے قلوب حاضرین کی کثافتوں کو دور کرتے ہیں۔

توجہ کی چار قسمیں ہیں (۱) انعکاسی (۲) القائی (۳) اصلاحی (۴) اتحادی۔

۱۔ انعکاسی توجہ یہ ہے کہ شیخ کی مجلس میں بیٹھے۔ شیخ کا قلب صاف ہے اور انوار کا مجمع ہے اس کی مجلس میں بیٹھنے سے قلوب الناس پر اس کا اثر پڑے گا اور اس کی وجہ سے غفلت دور ہو گی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اولیاء اور مومنین کی شان میں فرماتے ہیں۔ إِذَا رُؤُا ذُكِرَ اللهُ۔ یہ کمزور توجہ ہے۔ جیسے کوئی عطر لگا کر بیٹھے۔

۲۔ توجہ القائی کی صورت یہ ہے کہ ریاضات میں مشغول ہو۔ ذکر اللہ کی تیاری کی مرشد نے اس میں ایک دیا سلائی لگا دی۔ جیسے بتی پہلے روشن نہیں تھی دیا سلائی لگانے سے جلتی رہے گی۔ توجب اپنی طرف سے تیاری ہو۔ فیض باقی رہے گا۔ لیکن اس میں دو نقصان ہیں۔ ایک تو یہ کہ مثلاً کوئی چراغ لئے جا رہا ہو۔ اور سخت آندھی چل پڑے تو چراغ بجھ جائے گا۔ چنانچہ ایک بزرگ کا واقعہ ہے کہ ایک جوگی کو دیکھا کہ اپنے شاگردوں پر توجہ ڈال رہا ہے۔ تو یہ مقابلے کے لئے بیٹھ گیا تو چاروں طرف ظلمت چھا گئی پھر شیخ کے پاس آئے شیخ نے کہا کہ تم گئے کیوں! اب میرے بس کا روگ نہیں ہے۔ اور شہر کے ایک شیخ کے متعلق کہا جو رستی بٹ رہے تھے۔ اس بٹنے سے ان کی ظلمات چلی گئیں۔

۳۔ توجہ اصلاحی یہ ہے کہ جو کدورات ہیں ان کو بھی دور کیا جائے اور مجاری سے کدورات دور کر کے ان سب کے اندر روشنی بھر دی جائے۔ یہی تزکیہ ہے۔ کہ اس میں پوری اصلاح کی گئی۔ مگر فائدہ بمقدار ظرف ہو گا۔ جس قدر قابلیت ظرف میں ہو گی اسی قدر فائدہ بھی ہو گا۔

۴۔ توجہ اتحادی یہ ہے کہ کامل اپنی روح کو ناقص کی روح سے متحد کر دے جیسے دودھ کو پانی سے ملایا جائے تو جب متحد بن جائے گا۔ تو جو کیفیت کامل کی تھی وہی ناقص کی ہو جائے گی۔ یہ سب سے قوی ہے۔ اس کا نہ ہر شخص مالک ہے اور نہ ہر وقت ہوتی ہے۔ حضرت خواجہ باقی باللہؒ کا واقعہ ہے۔ کہ ان کے گھر مہمانوں کے کھلانے کے لئے کچھ نہیں تھا۔ پاس والے نانبائی نے رحم کھایا اور عمدہ کھانا کھلا دیا۔ اس پر آپ بہت خوش ہوئے۔ اور کہا کہ مانگو کیا مانگتے ہو۔ اس نے کہا مجھے اپنا سا بنا دو۔ آپ نے فرمایا تم سے اس کا تحمل نہیں ہو سکے گا۔ اس نے کہا کہ پھر نہیں دینا چاہیئے۔ آخر حجرہ میں

۱/۲

لے گئے توجہ اتحادی فرمائی۔ باہر نکلے تو دونوں ایک جیسے تھے۔ فرق اتنا تھا کہ خواجہ صاحب کی حالت اطمینانی تھی اور ان کی اضطراری۔ تین دن کے بعد اس کا انتقال ہوگیا۔

حضرت شیخ زکریا رحمۃ اللہ علیہ اس کی مزید تفصیل فرماتے ہیں۔ فغطنی الثالثۃ اس حدیث کے اندر یہ لفظ تین مرتبہ آیا ہے۔ اس سے علماء ظاہر نے استدلال کیا کہ استاذ کو تین مرتبہ شاگرد کو متنبہ کرنے کا اختیار اور حق ہے۔ کیونکہ اس وقت جبرائیل علیہ السلام معلم تھے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم متعلم تھے۔ اگر یہ سوال ہو کہ جبرائیل علیہ السلام آپؐ کے استاذ کیسے ہوگئے۔ تو کہا جائے گا کہ ان کا پڑھانا قبل از نبوت تھا۔ اور پڑھتے پڑھتے حضورؐ کا مرتبہ بلند ہوگیا۔ اور بعض مرتبہ شاگرد استاذ سے فوقیت لے جاتا ہے۔

ان غطات ثلاثہ کے متعلق علماء باطن یہ فرماتے ہیں۔ کہ غطہ اولیٰ اس واسطے تھا کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے آپؐ سے اقرأ فرمایا آپؐ نے ما انا بقاری فرمایا۔ تو حضرت جبرائیل علیہ السلام نے دیکھا کہ عوائق بشریہ مانع ہو رہے ہیں۔ ان سے فارغ کرنے کے لئے ایک مرتبہ بھینچا اور دوبارہ تحصیل ملکیت کے لئے بھینچا تیسری بار اتحاد بالملکیۃ حاصل ہونے کے واسطے بھینچا۔ اتحاد بالملکیۃ کا مطلب یہ ہے کہ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی اپنی تفسیر میں ذکر فرماتے ہیں۔ کہ مشائخ جو مریدین پر توجہ ڈالتے ہیں وہ چار قسم ہے۔ سب سے پہلی قسم انعکاسی ہے جو سب سے ضعیف ہے۔ اور اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ فی نفسہ مرید میں کچھ نہیں ہوتا۔ شیخ کے پاس بیٹھنے سے شیخ کا عکس اس کے قلب پر پڑتا ہے۔ مجاہدہ اور مشائخ کی صحبت سے قلب کے اندر ایک صفائی پیدا ہوجاتی ہے۔ جس سے وہ مثل آئینہ کے ہوجاتا ہے۔ اور اس کے اندر اشیاء منعکس ہونے لگتی ہیں۔ اور اس کے دل کے اندر اثر پڑتا ہے۔ یہ نسبت سب سے ادنیٰ درجہ کی ہے۔ کیونکہ اس کی بقاء اس وقت تک ہے جب تک شیخ کی مجلس میں رہے۔ اور جب وہاں سے دور ہوگا وہ نسبت بھی ختم ہوجائے گی۔ جیسے آئینہ جب تک سامنے ہے۔ اس کے اندر عکس موجود رہے گا اور جب سامنے سے ہٹ جائے گا تو عکس بھی ختم ہوجائے گا۔ اس سے معلوم ہوا کہ وہ نسبت پختہ نہیں ہوئی اس نسبت کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی عطر فروش کے پاس رہتا ہو۔ تو جب تک وہ اس کے پاس رہے اس کا دماغ عطر سے معطر ہوتا رہے گا۔ جب وہاں سے اٹھے گا تو اس کے پاس کچھ بھی نہیں ہوگا۔

دوسری نسبت جو اس سے اونچی ہے اس کا نام القائی ہے۔ کیونکہ یہاں شیخ اپنی نسبت کو مرید

کی طرف القا کرتا ہے۔ اور اپنے انوارِ باطنہ اور قوت روحانیہ سے یہ معلوم کرلیتا ہے کہ اب مرید میں کچھ صلاحیت پیدا ہوگئی۔ یہ درجہ اول سے قوی ہے مگر ہے یہ بھی ضعیف۔ اس کی مثال ایسے ہے جیسے چراغ جب تک اس میں تیل رہے گا اور سخت ہوا سے محفوظ رہے گا جلتا رہے گا ورنہ بجھ جائے گا۔ اسی طرح شیخ اپنے قلب سے انوار کا تیل اس کے چراغ میں ڈالتا ہے۔ اور اپنی قوت نورانیہ سے اس کو روشن کر دیتا ہے۔ اب مرید کا کام یہ ہے کہ اس کی حفاظت کرے۔ اور معاصی کی ہوا سے اس کی حفاظت رکھے بالخصوص نظر بد سے کہ وہ سم قاتل ہے۔

تیسری نسبت اصلاحی ہے۔ یہ اوّل دوم سے بہت قوی ہے کہ اس کے اندر مرید اپنے قلب کو ریاضات اور مجاہدوں سے بالکل صاف کرلیتا ہے۔ اور شیخ کے توجہ ڈالنے پر اس کے انوارات پوری طرح حاصل کرلیتا ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص بڑی محنت کے بعد نہر کھودے اور اس کو بالکل صاف کرے اور اس کا دہانہ کسی دریا سے ملا دے جس کی وجہ سے اس کی نہر میں بھی پانی آجائے۔ اب اس نہر میں اگر کوئی خس وخاشاک اور مٹی وغیرہ آئے گی تو پانی کے دباؤ سے خود بخود بہتی چلی جائے گی۔ یہی وہ مقام ہے جس کے متعلق حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے من قال لا الٰہ الا اللہ دخل الجنۃ اس پر حضرت ابو ذرؓ نے فرمایا وان زنی وان سرق تو آپؐ نے جواباً ارشاد فرمایا وان زنی وان سرق علی رغم انف ابی ذر (الحدیث)

چوتھی نسبت نسبت اتحادی ہے کہ شیخ کے ساتھ طبیعت اتنی متحد ہو جائے۔ جو اس کے قلب میں آئے وہی مرید کے قلب میں آئے۔ اس کے بعد حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ حضرت جبرائیلؑ نے جو یہاں تین مرتبہ بھینچا وہ اسی نسبت اتحادی پیدا کرنے کے لئے کیا تھا۔ حضرت مولانا مرحوم فرماتے ہیں۔ کہ حضرت ابو بکرؓ کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے جو نسبت حاصل تھی وہ نسبت اتحادی تھی۔ یہی وجہ ہے جو آپؐ سے صادر ہوا وہی ابو بکر صدیقؓ سے صادر ہوا۔ مثلاً اساریٰ بدر کے بارے میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکرؓ کا فیصلہ تھا کہ سب کو فدیہ لے کر چھوڑ دیا جائے لیکن حضرت عمرؓ نے اس کی مخالفت کی اور فرمایا کہ سب کی گردن اڑا دی جائے اور اسی طرح جب صلح حدیبیہ واقع ہوئی۔ تو حضرت عمرؓ غصے سے بھرے ہوئے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ آپؐ اللہ کے سچے رسول نہیں ہیں کیا یہ دین حق نہیں ہے کیا ہم حق پر نہیں ہیں۔ حضور پاک

صلی اللہ علیہ وسلم نے نہایت نرمی سے جواب دیا کہ ہاں واقعی میں اللہ کا سچا نبی ہوں اور ہمارا دین برحق ہے اور تم حق پر ہو۔ جس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا پھر ایسا کیوں ہوا۔ آپؐ نے فرمایا ایسا ہی مناسب ہے۔ حضرت عمرؓ یہاں سے اٹھ کر سیدھے حضرت ابوبکرؓ کے پاس آئے۔ اور وہی بات کہی جو حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے کہہ کر آئے تھے اور حضرت ابوبکرؓ نے بھی لفظ بلفظ وہی جواب دیا۔ جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دے چکے تھے۔ اسی اتحاد کی وجہ سے حضرت ابوبکرؓ خلیفہ بلا فصل ہوئے۔ اگرچہ اس وقت خدانخواستہ حضرت عمرؓ یا اور کوئی خلیفہ بن جاتا تو کہرام مچ جاتا۔ اس لئے کہ ایک طرف تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کا صدمہ ہوتا۔ اور دوسری طرف چونکہ وہ اتحاد حضرت ابوبکرؓ کے علاوہ اور کسی کو حاصل نہیں تھا تو یقیناً کچھ نہ کچھ کام خلاف بھی صادر ہو جاتے اسی لئے حضرت ابوبکرؓ خلیفہ بنائے گئے جب وفات نبوی کا صدمہ کچھ ہلکا ہو گیا اور انتظامات درست ہو گئے تو حضرت عمرؓ کو بنا لیا گیا۔ کیونکہ اب ضرورت انہی کی تھی۔ یہاں فوج بھیج وہاں فوج بھیج یہ انتظام وہ انتظام اس کی سرکوبی اس کی تادیب یہ سب حضرت عمرؓ ہی کر سکتے تھے۔ خلاصہ یہ ہوا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے قبل الوحی جو چھ ماہ ریاضت اور مجاہدہ میں گزارے جس کے اندر منامات اور رؤیا صالحہ کا خوب ورود ہوا۔ تو اس وقت آپ کا قلب مبارک صاف ہو چکا تھا۔ اس کے بعد حضرت جبرائیلؑ نے آپ سے ملاقات کی تو نسبت انعکاسی پیدا ہوئی۔ اس کے بعد غطہ اولیٰ سے نسبت القائی اور غطہ ثانیہ سے نسبت اصلاحی اور غطہ ثالثہ سے نسبت اتحادی پیدا ہوئی اور پھر اس کے بعد تیرہ سال قبل از ہجرت جو معارج اور منازل طے فرمائے وہ بعد کی ترقیات ہیں۔

اقرأ باسم ربك الذی خلق یہاں چند باتوں کا جاننا ضروری ہے اول یہ کہ سب سے پہلے قرآن پاک کا کون سا حصہ نازل ہوا۔ کیونکہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ سب سے پہلے اقرأ کی اولین پانچ آیات نازل ہوئیں۔ اور دوسری حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ سورۃ فاتحہ نازل ہوئی اور تیسری روایت سے پتہ چلتا ہے کہ سورۂ مدثر نازل ہوئی۔ ان تینوں کے درمیان علمائے نے جمع کی صورت بیان فرمائی ہے کہ اولیت حقیقیہ ان پانچ آیات اقرأ کو حاصل ہے اور پوری سورۃ جو سب سے پہلے نازل ہوئی۔ تو وہ سورۂ فاتحہ ہے۔ اور چونکہ اقرأ کی ان آیات خمسہ کے نزول کے بعد فترۃ الوحی واقع ہو گئی تھی۔ تو تین سال کے بعد سورۂ مدثر نازل ہوئی۔ خلاصہ یہ نکلا کہ جہات تینوں کے

اندر مختلف ہیں۔

دوسری بات جس کا جاننا ضروری ہے وہ یہ ہے کہ علامہ زمخشری نے بسم اللہ کا متعلق اقرأ مانا ہے جو بسم اللہ سے مؤخر ہے۔ لیکن قرآن پاک میں یہاں اقرأ کو اسم رب سے مقدم لایا گیا۔ اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ اقرأ باسم ربک میں جو اقرأ ہے اس کا تعلق اقرأ باسم ربک سے نہیں ہے۔ بلکہ یہ بطور تنبیہ کے ہے۔ جیسے ایک استاد اپنے شاگرد کو تنبیہ کرتا ہے۔ فی الحقیقت اس کا متعلق محذوف ہے۔ تقدیر عبارت یوں ہوگی اقرأ باسم ربک الذی اقرأ۔ دوسری وجہ یہ ہے۔ کہ حضرت جبرائیلؑ کی طرف سے امر بالقرأۃ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے مسلسل انکار ہوا تو اس سبب سے اس میں اہمیت پیدا ہو گئی۔ بنابریں اقرأ کو مقدم کیا گیا۔

اور تیسری بات یہاں یہ ہے کہ آیت کریمہ اقرأ باسم ربک میں ابتدا نہ تو اسم جلالۃ یعنی لفظ اللہ سے ہو رہی ہے۔ حالانکہ وہ اسم ذات ہے۔ اور بتلایا جاتا ہے کہ اسم اعظم بھی ہے۔ اور نہ ہی اسمار جلالیہ یعنی الرحمٰن اور الرحیم سے ہو رہی ہے۔ بلکہ اسم رب سے ہو رہی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ رب العالمین ہے۔ اور تربیت الشئ یہ ہے کہ اس کی ساری چیزوں کی کفالت کی جائے۔ جیسے ماں بچے کی کفالت کرتی ہے۔ کیونکہ بچہ نہ خود اٹھ سکتا ہے نہ بیٹھ سکتا ہے نہ کھا سکتا ہے نہ پی سکتا ہے۔ اس لئے سب امور کی نگہداشت ماں ہی کرتی ہے۔ اسی لئے رب العالمین سب کی کفالت کرتے ہیں۔ اب چونکہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم بار بار ما انا بقاری فرما رہے تھے۔ تو اسم رب سے شروع کر کے متوجہ کیا کہ رب کے نام سے پڑھو وہ رب العالمین جو ضروریات قرأۃ وغیرہ کی پیش آئیں گی وہی سب کی کفالت کرے گا۔ اور پڑھنے کو آسان فرمائے گا۔ اس کے بعد مزید شان ربوبیت کی طرف اشارہ کرنے کے لئے فرمایا۔ خلق الانسان من علق یعنی جس ذات نے ایک نطفہ ناپاک اور پانی کے قطرے سے افضل المخلوقات اور احسن المخلوقات کو پیدا فرمایا وہی قرآت بھی سکھلا دے گا۔ مزید ترقی کرتے ہوئے فرمایا علم بالقلم کہ جو ذات ایک بے جان شے یعنی قلم کے ذریعہ سے علم سکھاتی ہے۔ اور آدمی علم سیکھ جاتا ہے۔ تو اگر وہ ذات ہی براہِ راست علم سکھانے پہ اتر آئے تو کیسے علم نہیں سیکھ سکتے۔ اور بہت ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس جملہ علم بالقلم سے اشارہ فرمادیا ہو۔ کہ علم کو قلم سے مقید کرنا چاہیئے۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ حدیث میں جو یہ آتا ہے کہ قیدوا العلم بالکتاب

یہ اسی جملہ کی شرح ہو۔ اور واقعہ بھی یہی ہے کہ علم قلم سے مدتوں باقی رہتا ہے۔ چنانچہ یہی بخاری شریف جو میری تحقیق کے مطابق ۲۳۳ھ میں لکھی گئی آج ایک ہزار برس سے زائد ہو گئے اسی طرح باقی ہے۔ اگر کوئی حفظ یاد کرتا تو کچھ ہی دن باقی رہتا۔

حضرت شیخ مدنیؒ فرماتے ہیں کہ باسم ربک اسی اقرأ کے متعلق ہے مگر اس جگہ عارض کو اہمیت دی گئی ہے۔ اصلی کو اہمیت نہیں دی گئی۔ اس لئے کہ آپؐ کو ابتداً قرأۃ کے متعلق کہا جا رہا ہے۔ اگرچہ اہمیت ذاتیہ باری تعالےٰ کو حاصل ہے۔ مگر اہمیت عارضہ قرأۃ کو حاصل ہو گی بنابریں اس کو مقدم کیا گیا۔ پھر آپؐ کو قرأۃ کے متعلق استبعاد تھا ان آیات خمسہ سے اس کو زائل کر دیا گیا۔ کہ انسان ابتداءً میں معدوم تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اسے اپنی قدرت سے موجود کیا۔ پھر علقہ سے بدل کر اس کی یہ حالت ہے کہ حی د مرید وغیرہ ہے۔ تو جس ذات نے انسان کو ایسا بنا دیا اس ذات سے کیا بعید ہے کہ وہ ایک اُمیؐ کو عالم بنا دے اسی استبعاد کے رفع کے لئے ایک دوسری چیز بیان کی گئی۔ کہ انسان تو ذی ارادہ ہے۔ مگر قلم غیر ذی روح ہے۔ اس کے باوجود اس کے ذریعہ سے علوم سابقہ پائے جاتے ہیں۔ اگر ایک امیؐ کے ذریعہ علوم الٰہیہ کا اظہار کیا جائے تو کیوں مستبعد ہے۔ اور تیسری چیز یہ فرمائی کہ انسان جب ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا تو کسی چیز کو نہیں جانتا تھا۔ اسے قدرت الٰہیہ سے علم دیا گیا۔ تو ان تین مشاہدات کے ذریعہ سے اس استبعاد کو رفع کیا گیا۔ کہ یہ سب قدرت خداوندی کے مظاہر ہیں۔ ورنہ ذہن اور قلم کے ذریعہ سے علوم کا جمع ہونا قرین عقل نہیں ہے۔ دماغ ایک چند ہڈیوں کا مجموعہ ہے۔ الغرض ان مشاہدات سے آپؐ کا استبعاد رفع ہوا۔ اس کے بعد جو علوم آپؐ کو دئے جائیں گے تو ان کو بآسانی اخذ کر سکیں گے۔ اور جبرائیل علیہ السلام محض سفیر ہیں اس سے ان کی فضیلت لازم نہیں آتی۔ من حیث الکل تو آپؐ افضل ہیں۔ اگر فضیلت جزئی جبرائیل علیہ السلام کو حاصل ہو تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ رہا ان الفاظ کی وجہ سے قرآن مجید کا حادث ہونا تو اس کا جواب یہ ہے کہ تکلم بالقرآن الآن تو حادث ہے۔ جیسے شیخ سعدی کی کتاب کے الفاظ جو کہ آج سے پانچ چھ سو سال پہلے کے ہیں اس اعتبار سے کہ ہم اب پڑھ رہے ہیں۔ وہ آج کے الفاظ ہیں اور اس اعتبار سے کہ شیخ سعدیؒ کی زبان سے نکلے ہیں وہ آج سے چھ سو سال پہلے کے ہیں۔ ایسے قرآن مجید کا حکم ہے۔ بنابریں امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا۔ القرآن

کلام اللہ مکتوب فی المصاحف محفوظ فی صدورنا مقروٌ بالسنتنا غیر حالٍ فیھا۔ تو لفظی بالقرآن و کتابتی بالقرآن وحفظی بالقرآن وحادث ولکن القرآن قدیم۔ کتاب اصل میں مؤلف کی طرف منسوب ہوتی ہے۔ کاتب اور قاری کی طرف منسوب نہیں ہوتی۔ ایسے ہی قرآن مجید اللہ تعالیٰ نے ازل میں تالیف فرمایا۔ یہ مسئلہ ایسا ہے کہ اس میں خبط عشواٗ پیدا ہوا۔ اس مسئلہ کی وجہ سے امام احمد بن حنبلؒ کی شہادت ہوئی۔ اور خود حنابلہ کو خبط ہوا۔ کہ جلد اوراق اور نقوش وغیرہ سب کو قدیم کہہ دیا۔ حالانکہ روزمرہ کی چیزوں کو بھول گئے۔ آج بھی انہی اوہام کی وجہ سے قرآن مجید پر اعتراضات کئے جاتے ہیں۔

فرجع بھا رسول اللہ۔ بہا کی ضمیر ان آیات کی طرف راجع ہے۔ آپؐ نے ان کو حفظ کر لیا حالانکہ آپؐ اسے مستبعد سمجھ رہے تھے۔ اور ممکن ہے کہ بھا کا مرجع وہ کیفیت ہو جو پہلے گزر چکی ہے۔ اور اس میں باٗ سببیۃ کی ہو۔ بسبب ھذہ الکیفیۃ پہلی صورت میں باٗ بمعنی مع کے تھا۔

یرجف فؤادہ دوسرے معنیٰ کی تائید کرتا ہے۔ قلب پر جب اثر پڑا تو کپکپی طاری ہوگئی۔ اور قلب پر صدمہ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ جبرائیل علیہ السلام کے دبانے سے تھا اگر شبہ ہوا کہ قلب کو کیوں نہیں دبایا گیا۔ جسم کو کیوں دبایا گیا۔ تاکہ صدمہ جسم کو ہوتا قلب کو کیوں ہوا۔ جواباً تو کہا جائے گا کہ جسم کا صدمہ قلب کو ہوتا ہے اور قلب کا جسم کو۔ ہر ایک دوسرے کا اثر قبول کرتے رہتے ہیں۔ اور دوسری توجیہ یہ ہے کہ قرآن مجید کے ثقل کی وجہ سے یہ صدمہ ہوا۔ چنانچہ ارشاد ربانی ہے۔ سَنُلْقِیْ عَلَیْكَ قَوْلاً ثَقِیْلاً۔ اوّلاً جب یہ آیات نازل ہوتی تھیں تو قلب متاثر ہوتا تھا اور بالتبع و بالعرض تمام جسم پر اثر پڑتا تھا۔ چنانچہ عرب جب مالا بار میں پہنچے ہیں اور وہ کشتی سے اترتے تو دیکھا کہ ان لوگوں نے ایک لڑکی کو ہار سنگھار پہنا رکھا ہے۔ پوچھنے پر معلوم ہوا۔ کہ یہاں ایک مکان میں ایک دیو رہتا ہے۔ اور ہر سال ایک حسین و جمیل لڑکی مانگتا ہے۔ تو جب ایک صحابیؓ نے قرآن مجید پڑھا تو وہ اس مکان سے نکل بھاگا۔ اگرچہ ہمیں قرآن مجید کا ثقل محسوس نہیں ہوتا لیکن جب اسے جنات پر پڑھا جائے تو وہ چیخ و پکار کرتے ہیں۔ ہمارے لئے وَلَقَدْ یَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّکْرِ فَھَلْ مِنْ مُّدَّکِرٍ فرمایا گیا ہے۔ تیسری توجیہ یہ ہے کہ جب حضرت جبرائیل علیہ السلام نے اپنی روح کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روح کے ساتھ متحد کیا۔ تو کیفیات روحانیہ کی وجہ سے اثر پڑا قلب کو کچھ اضطراب لاحق ہوا۔ چوتھی توجیہ یہ ہے کہ جب انسانی زنگ کو آپؐ کے قلب اطہر سے زائل کیا گیا۔ تو یکبارگی ہٹانے سے تکلیف

ہوئی تو کپکپی کا طریان ہوا۔

زملونی زملونی ای لفونی جب قلب کے اندر اضطراب ہو تو اس کا اثر تمام بدن پر پڑتا ہے۔ اس لئے آپ لحاف میں لپیٹے گئے۔ کیونکہ کپکپی کو لحاف وغیرہ کے ذریعہ سے دفع کیا جاتا ہے۔ اور لفظ جمع کا لایا تو اس بنا پر ہے کہ حضرت خدیجہؓ کے ساتھ آپ کی بیٹیاں یا خادمائیں تھیں یا تعظیم کے طور پر بولا گیا۔ البتہ یہ شبہ باقی رہا کہ زملینی کہنا چاہیئے تھا جب کہ مخاطبہ ایک تھیں۔ تو کہا جائے گا کہ جس طرح انھا کانت من القانتین فرمایا گیا من القانتات نہیں بولا گیا جس کے بارے میں جمہور فرماتے ہیں کہ قنوت رجال کی صفت ہے نساء کی نہیں ایسے یہاں بھی جو جواب حضرت خدیجہؓ نے دیا۔ وہ بھی رجال کے ساتھ تعلق رکھتا ہے اس لئے جمع مذکر کا صیغہ لایا گیا قالہ الشیخ مدنی۔ فدخل علی خدیجۃ بنت خویلد (قولہ اد شیخ زکریا) حضرت خدیجہؓ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے لاڈلی اور چہیتی بیوی تھیں۔ ان کی عمر چالیس برس کی تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے نکاح فرمایا اور خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر اس وقت پچیس سال کی تھی اب یہیں سے ان آریوں کا اشکال ختم ہو گیا جو کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تمام شادیاں یعنی گیارہ عورتوں سے نکاح شہوت پرستی کی بنا پر کئے تھے۔ نعوذ باللہ من ذلک بھلا جب حضورؐ اپنی بھرپور جوانی میں تھے اور خوب شباب کا زمانہ تھا اس وقت آپؐ نے ایک پر قناعت کر لی جو کہ بیوہ بھی تھی اور جب آپؐ خود بوڑھے ہو گئے تو پچاس سال کی عمر میں ان کی وفات پر دوسری عورتوں سے نکاح شروع کیا یہ اس بات کی دلیل ہے کہ تعدد ازدواج میں یقیناً کوئی مصلحت تھی وہ یہ کہ ان کے ذریعہ دین کو فروغ ہو۔ ورنہ آپؐ اپنی جوانی میں ضرور کسی جوان عورت سے نکاح فرماتے۔ نیز! اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا شہوت کی ہی غرض سے نکاح کرنا ہوتا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت کیوں انکار کرتے جب کہ ابتداً دعوتِ اسلام کے وقت قریش نے آپ کے سامنے یہ پیش کش کی تھی کہ اگر آپؐ کو نکاح کی غرض ہے تو آپؐ جس لڑکی سے چاہیں نکاح کر لیں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم غارِ حرا سے چل کر سیدھے حضرت خدیجہؓ کے پاس پہنچے اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ آپؐ کا گھر تھا اور مصیبت کے وقت آدمی اپنے گھر کی طرف واپس آتا ہے۔ دوسرے یہ کہ حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ آپ کی بیوی تھیں۔ اور جب پریشانی کی بات ہوتی ہے تو آدمی بیوی ہی سے کہتا ہے۔ فقال زملونی زملونی پہلے بات یہاں یہ وہی ہے۔ کہ لیتفصد عرقا پر زملونی زملونی سے اشکال ہوتا ہے۔ کیونکہ تفصد عرق کا تقاضا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی گرمی محسوس ہوتی تھی۔ اور زملونی کا تقاضا یہ ہے کہ سردی معلوم ہوتی تھی۔ اس لئے کہ جب کسی کو سردی لگتی ہے تو اس کو لحاف وغیرہ اڑھاتے ہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو گرمی عین نزول وحی کے وقت محسوس ہوتی تھی۔ جیسا کہ روایات سے ثابت ہے کہ جب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم پر جب وحی نازل ہوتی تھی تو پیشانی مبارک سے پسینہ ٹپکتا تھا۔ اس کے بعد جب آثار ختم ہو گئے۔ پسینہ صاف کیا۔ اس کے بعد جو سردی لگتی تھی اس کی وجہ یہ ہے کہ پسینہ آنے کے بعد جب ہوا لگتی ہے تو سردی بھی محسوس ہوتی ہے۔ اس کے بعد جو روایات وحی کے ذکر میں آتی ہیں۔ ان میں پسینہ اور گرمی کا ذکر ہے۔ چادر اور کمبل اوڑھنے کا ذکر نہیں ہے۔ وجہ یہی ہے کہ ابتدا میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو خوف بھی ہوا کرتا تھا۔ اس لئے سردی کے اثرات زیادہ معلوم ہوتے تھے۔ پھر جب طبیعت مبارکہ خوگر ہو گئی تو چادر اوڑھنے کی ضرورت نہیں رہی۔ دوسرا جواب اصل اشکال کا یہ بھی دیا گیا ہے کہ آدمی کو جب خوف لاحق ہوتا ہے تو وہ چادر اوڑھتا ہی ہے۔ خواہ اس کے ساتھ حرارت ہو یا نہ ہو۔ زملینی کی بجائے زملونی فرمانا اس لئے تھا کہ ایسے مواقع خدمت پر محاورات میں تذکیر و تانیث کے اعتبار سے کوئی فرق نہیں کرتے چنانچہ گھر جا کر عام طور سے بیوی سے کہا جاتا ہے کہ کھانا لاؤ۔ یہی جواب راجح معلوم ہوتا ہے۔

لقد خشیت علیٰ نفسی میں لام موطئۃ للقسم ہے۔ اس کے بارے میں حافظ ابن حجر نے بارہ تیرہ اقوال نقل کئے ہیں۔ لقد خشیت علی نفسی ان اکون مجنونا اور بعض نے کہا کہ ان الآتی رجل من جان او شیطان لیکن یہ جواب بالکل غلط ہے۔ اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی نبوت میں شک تھا۔ حالانکہ ہر نبی کو اپنی نبوت پر ایمان لانا ضروری ہے۔ جیسے کہ امت کو اس پر ایمان لانا ضروری ہے۔

(ترجمہ: میرے پاس آنے والا آدمی جن تھا یا شیطان تھا)

۳۔ حضرت گنگوہیؒ فرماتے ہیں۔ کہ آپؐ کو خوف اس وجہ سے پیش آیا۔ کہ نہ معلوم عبأ نبوت کا تحمل ہو سکے یا نہ ہو سکے۔

۴۔ علامہ سندھیؒ فرماتے ہیں۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ جملہ حضرت خدیجہؓ کی توجہ کو اپنی طرف مائل کرنے کے لئے فرمایا کیونکہ اگر حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ابتداہی میں یہ فرما دیتے کہ میرے اوپر فرشتہ وحی لے کر آتا ہے۔ تو بہت ممکن ہے کہ ان کو یقین نہ آتا۔ کیونکہ قاعدہ یہ ہے کہ جب کوئی آدمی بڑائی کی بات کرتا ہے۔ تو دوسرے کو ناگوار ہوتی ہے۔ اگر تواضع اور عاجزی کے ساتھ بات کرے تو طبیعت خود بخود پسیج جاتی ہے۔ تو اولاً حضرت خدیجہؓ کو مانوس کرنے کے لئے یہ طریقہ اختیار فرمایا۔ کہ اپنے ہی

خوف کا اقرار کرلیا۔ اور حضرت خدیجہؓ نے جب آپؐ کا یہ نکسر دیکھا تو آپؐ کے اوصاف جمیلہ شمار فرما کر آپؐ کی ڈھارس بندھا دی۔

۵۔ حضرت شیخ زکریا مرحوم فرماتے ہیں۔ کہ چونکہ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے خوب دبوچا تھا۔ اس لئے آپؐ کو اپنی موت کا خوف ہونے لگا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خطرہ تھا کہ اگر حضرت جبرائیل علیہ السلام نے دوبارہ دبوچا تو کہیں موت واقع نہ ہو جائے۔

۶۔ حضرت مدنیؒ ابن حجر کے اس قول کو نقل فرماتے ہیں۔ لقد خشیت علی نفسی من الموت او المرض او دوام المرض ان تینوں معانی کو راجح قرار دیتے ہیں۔ اور علامہ سندھیؒ کے قول کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے آپ کو درجہ شک میں متصور کرتے ہوئے اس آنے والے شخص کو جن یا شیطان یا اپنے آپ کو مجنون اس لئے ظاہر کیا کہ یہ سیاست تھی۔ ورنہ آپ کو تو یقین تھا اگر اولاً اس کا ذکر کر دیتے تو پھر تبلیغ مشکل ہو جاتی۔ گھر میں جھگڑا ہو جاتا۔ جب اپنی اضطرابی حالت ظاہر کی۔ بصورت خائف اپنے آپ کو پیش کیا۔ تو اس پر حضرت خدیجہؓ کو اپنا ہمدرد بنالیا۔ جس پر انہوں نے آپؐ کو تسلی دی۔ یہ توجیہ راجح معلوم ہوتی ہے۔ چنانچہ جس قدر انکار تھا اسی قدر تاکیدات لائی گئیں۔ کلا اور قسم وغیرہ کو اسی ازالہ کے واسطے لایا گیا۔ کیونکہ حضرت خدیجہؓ بھی فصیحہ بلیغہ تھیں۔ کلا کی علت واللہ ما یخزیک سے اور پھر اس کی دلیل انک لتصل الرحم سے بیان کی گئی۔ کہ حضرت خدیجہؓ نے آپؐ کے مکارم اخلاق بیان کر دیئے اور قاعدہ ہے کہ ہر بنانے والے کو اپنی بنائی ہوئی چیز سے الفت ہوتی ہے۔ اور ہر پالنے والے کو اپنی پروردہ سے محبت ہوتی ہے۔ ایسے باری تعالٰے کو اپنی مخلوقات سے الفت ہے الخلق عیال اللہ فرمایا گیا۔

شیخ زکریاؒ فرماتے ہیں کہ ما یخزیک اللہ ابدا سے حضرت گنگوہیؒ کے قول کی تائید ہوتی ہے کہ آپؐ کا یہ سارا خوف اسی وجہ سے تھا کہ شاید آپؐ اعبائے نبوت کا تحمل نہ کر سکیں۔

حضرت مدنیؒ فرماتے ہیں کہ خلق خدا کی خدمت تین طرح سے (۱) اقارب۔ اباعد کی خبر گیری کرنا۔ (۲) اعانتہ بالجسم والمال حالانکہ المال شقیق الروح کہا گیا ہے اور چمڑی جائے دمڑی نہ جائے۔ کہاوت مشہور ہے۔ پھر کسی کو دینا بغیر کسی توقع کے اور ایسے لوگوں کی امداد کرنا جو بالکل عاجز ہوں۔ بالکل مشکل کام ہے۔ اسی طرح اپنے قول اور عمل میں صداقت سے کام لینا یہ بھی مکارم اخلاق میں ہے۔ اگرچہ آپؐ ان مکارم اخلاق

کو جانتے تھے۔ مگر حضرت خدیجہؓ بطور دعوٰی مع البینہ کے مکارم کو پیش کر رہی ہیں۔ کہ جب آپؐ اللہ تعالیٰ محبوب ہیں۔ اور اس کے عیال کے خدمت گذار ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپؐ کو جن بھوت کے سپرد کر کے۔ کیسے تکلیف دے سکتے ہیں۔ یہ جواب حضرت خدیجہؓ کا دانشمندانہ تھا۔ جس کو آپؐ نے پسند فرمایا۔ جس کی وجہ سے آپؐ کو ان سے زیادہ محبت ہوگئی۔ چنانچہ ان کی وفات کے بعد بھی ان کی حسنات کا ذکر فرمایا کرتے تھے۔ جس پر حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں۔ کہ مجھے ازواج مطہرات میں سے کسی پر اتنی غیرت نہ آتی تھی۔ جس قدر ان پر غیرت آتی۔ حالانکہ میں نے ان کو دیکھا نہیں تھا لیکن آپؐ ان کا ذکر کثرت سے کرتے اور ان کی سہیلیوں کو تحفے تحائف بھیجتے تھے رضی اللہ عنہا۔

انک لتصل الرحم صلہ رحمی بہت مشکل ہے۔ کیونکہ ان سے تعلقات بہت ہوتے ہیں۔ عموماً خلافِ طبیعت امور پیش آتے ہیں۔ برابر والے کی رضامندی بڑی مشکل ہوتی ہے۔ الکل من لا یستقل بامرہ یعنی جو خود اپنی ضروریات کا متکفل نہیں ہو سکتا۔ کل کے معنی ثقل اور بوجھ کے ہوتے ہیں پھر اس ہر شخص کو کہنے لگے جو ثقیل اور بوجھل ہو جائے جس سے کوئی امید نہ ہو۔

شیخ زکریاؒ فرماتے ہیں۔ کہ حضرت خدیجہؓ نے تمام اوصاف میں سے سب سے پہلے صلہ رحمی کو ذکر کیا۔ کیونکہ غیر کے ساتھ حسن سلوک کوئی زیادہ مشکل نہیں۔ اس لئے کہ اگر کسی کی حالت گری ہوئی دیکھی اس کے ساتھ احسان کر دیا۔ مگر چونکہ قرابت داروں کے ساتھ ہر وقت سابقہ پڑتا ہے۔ اور ان کی نرم وگرم سننی پڑتی ہے۔ اس لئے ان کے ساتھ اگر احسان کرنا بھی چاہے گا تو وہ سختیاں اور بے عنوانیاں یاد آ کر طبیعت رک جائے گی تو حضرت خدیجہؓ نے سب سے پہلے اسی کو تبلایا کہ آپؐ تو دوسروں کی غلطیوں کو خیال میں لائے بغیر صلہ رحمی کرتے ہیں۔ پھر کیسے خدا آپؐ کو ضائع کر دے گا۔ یاد رہے کہ جو شخص جتنا زیادہ صلہ رحمی کرے گا وہ اتنا ہی غیر کے ساتھ احسان اور حسن سلوک کرنے والا ہو گا۔

وتحمل الکل یعنی آپؐ بوجھ برداشت کرتے ہیں۔ کل بمعنی بوجھ جس سے حسی اور معنوی دونوں مراد ہو سکتے ہیں۔

وتکسب المعدوم حضرت مدنیؒ فرماتے ہیں کہ اگر کسب مجرد ہو تو متعدی الی المفعول الواحد ہو گا۔ اگر مزید سے ہو تو متعدی الی المفعولین ہو گا۔ کسب اکثر متعدی الی مفعول واحد ہوتا ہے یہی مشہور ہے مگر کبھی مجرد بھی متعدی الی المفعولین ہوتا ہے۔ المعدوم روایت مشہور میں ہے اور المعدم بھی آیا ہے معدم

بمعنی مفلس اور معدوم ضد موجود کی ہے۔ اس کے معنی میں کئی احتمال ہیں۔ اگر تکسب مزید ہے تو اس کے معنی ہوں گے تکسب المعدوم المال یعنی اسے راس المال دے دیا اور وہ تجارت کرنے لگا۔ مدینہ کے لوگ کھیتی باڑی کرنے والے تھے اور مکہ کے لوگ تاجر تھے۔ ان کی تجارت گرمی میں شام کی طرف اور سردیوں میں یمن کی طرف ہوا کرتی تھی۔ اس لئے کہ شام سرد ملک ہے اور یمن گرم ملک۔ یا کچھ مال کسی کو ہبہ کیا۔ اور اس سے شرکت کر لی۔ یا اسے کوئی صنعت بتلا دی۔ یعنی کسی شخص کے پاس بٹھلا دیا۔ اور اس کی کفالت کی تو تکسب بمعنی تجعلہ ذا کسب اور تکسب مجرد بھی مزید کے معنی میں ہوگا۔ اگر المعدم ہے تو پھر ظاہر ہے۔ اگر معدوم ہو تو فقیر کے معنی میں ہوگا۔ اس لئے کہ فقیر فقر کی حالت میں سب تو ای معدوم کر بیٹھتا ہے۔ تو معدوم سے معدم ہی مراد ہوگا۔ لان المفلس فی حکم المعدوم اگر تکسب متعدی الی مفعول واحد ہو۔ تو اس وقت المعدوم المال محذوف کی صفت ہوگی۔ ای تکسب المال المعدوم او الربح المعدوم یعنی جو مال دوسرے حاصل نہیں کر سکتے۔ آپؐ اس مال کو حاصل کر لیتے ہیں۔ اور عرب میں اس پر بھی تمدح ہوتا تھا۔ کہ کوئی شخص ماہر فی التجارۃ ہو۔ اور اس قدر نفع حاصل کرے کہ دوسرے نہ کر سکیں۔ چنانچہ آپؐ کا یہی حال ہوتا۔ جس پر حضرت خدیجہؓ نے آپؐ کو مضاربت پر مال دیا تھا۔ اور اپنا ایک غلام بھی ساتھ کر دیا تھا۔ اس مال سے آپؐ زیادہ نفع لائے۔ جس کی وجہ سے حضرت خدیجہؓ کو فریفتگی ہوئی۔ غلام نے راستہ میں آپؐ کے اخلاق اور احراسات سب کو دیکھا۔ احراسات قبل از نبوت کے خوارق کو کہتے ہیں۔ غلام نے دیکھا کہ بادل سایہ کئے ہوئے ہے اور درخت آپؐ کو سلام کرتے ہیں۔ اور اخلاق کی یہ حالت تھی۔ کہ آپؐ خود لکڑیاں چننے چلے جاتے تھے۔ سفر کو سفر اس لئے کہتے ہیں کہ اس میں رفقاء سفر کے حالات کھلتے اور ظاہر ہوتے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے نیک آدمی کی تین صفات ذکر فرمائیں کہ سفر میں۔ پڑوس میں اور شرکت میں رفقا کے اخلاق معلوم ہوتے ہیں۔

الحاصل جب حضرت خدیجہؓ نے مال کا نفع بھی زیادہ دیکھا۔ غلام سے آپؐ کے اخلاق اور احراسات بھی سنے تو اس کو آپؐ سے زیادہ محبت پیدا ہو گئی۔ اور یہ حضرت خدیجہؓ عرب کی متمولین عورتوں میں سے تھی۔ عقلمند اور جمیلہ بھی تھی۔ کسی عرب سے اب شادی نہیں کرنا چاہتی تھی۔ مگر ان واقعات کی بنا پر اس نے خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف شادی کا پیغام بھیجا۔ آپؐ نے بوجہ فقر کے انکار فرمایا۔ تو حضرت خدیجہؓ نے خود ایک طریقہ بتلایا۔ کہ حضرت ابو طالب پیام نکاح لے کر خویلد کی مجلس شراب میں

جائیں۔ چونکہ نسبی حیثیت سے آپؐ کا نسب عرب میں سب سے اچھا اور اونچا تھا۔ خویلد نے کہا کہ خدیجہ ایسا فحل ہے کہ جس کے ناک پر ڈنڈا نہیں مارا جاسکتا۔ لیکن باپ نے جب بیٹی سے اس کا اظہار کیا تو خدیجہؓ نے رضامندی ظاہر کی جس پر عقد نکاح ہوا۔ اور حضرت خدیجہؓ کے مال کا ہر طرح کا تصرف آپؐ کو عطا کیا گیا۔ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ وَوَجَدَكَ عَائِلًا فَأَغْنَىٰ ای بمال خدیجۃ[۳]۔

اور تیسری توجیہ یہ ہے کہ تکسب الرجل المعدوم یعنی جو شخص مر چکا ہے اس کی اولاد عاجز درماندہ ہے۔ آپؐ ان پر احسان کر کے اپنا بنا لیتے ہیں۔ الانسان عبید الاحسان تو اب المعدوم الرجل کی صفت ہوگی۔

شیخ زکریاؒ کا ارشاد ہے کہ اگر متعدی ہو تو ترجمہ یہ ہوگا کہ آپؐ فقیر کو کمواتے ہیں یعنی دوسرے سے کہہ کر اس کی مدد کراتے ہیں۔ اگر لازم ہو تو مطلب یہ ہوگا کہ آپؐ فقیر کو کماتے ہیں۔ یعنی آپؐ اس کو مال عطا کرتے ہیں۔

تقری الضیف (قالہ المدنی) قری بمعنی مہمانی کرنا۔ عموماً مہمانی اس کی ہوتی ہے جو شہر کا رہنے والا نہ ہو۔ مہمانی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہے۔ جو کہ عرب میں برابر چلی آرہی ہے۔ اور آج بھی مہمانی کا یہی عالم ہے۔ کہ بدوی اعرابی اگرچہ گھر میں کچھ نہ رکھتا ہو۔ قرض لے کر مہمان کے لئے پورا دنبہ ذبح کرے گا۔ اور عرب میں قریش اور قریش میں سے بنو ہاشم مہمان نوازی میں خصوصی شہرت کے مالک تھے۔ اور بنو ہاشم میں سے بھی آپؐ زیادہ مہمان نواز تھے۔ اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کثرت سے واردین کی روزانہ خبر گیری کرتے تھے۔ جو بڑا مشکل کام ہے۔ اس لئے کہا جاتا ہے کہ اگر حاتم طائی آج موجود ہوتا تو آج سخاوت پر اس کو اتنی شہرت حاصل نہ ہوتی۔ غرضیکہ تحمل الکل تکسب المعدوم اور تقری الضیف ان سب میں احسان بالا جانب پایا جاتا ہے۔

وتعین علی نوائب الحق نوائب جمع نائبہ کی بمعنی مصیبت کیونکہ وہ نوبت بنوبت آتی رہتی ہے۔ نوائب دو قسم کے ہیں۔ نوائب باطلہ جو فعل شنیع کی وجہ سے وارد ہوں۔ اور نوائب حقہ جو فعل حسن کی وجہ سے پیش آئیں تو نوائب الحق میں اضافۃ الصفۃ الی الموصوف ہوگی۔ یا اضافہ حقیقیہ ہے ای نوائب اللہ یعنی نوائب آسمانی۔ ان میں انسان مدافعت کرنے سے عاجز ہوتا ہے۔ اور ایسی مصیبت میں اعانۃ بالمال والجسم دو طرح سے ہوتی ہے۔ تو جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم آفات سماویہ غیر اختیاریہ میں

بھی مدد کرتے ہیں۔ تو آفات ارضی میں تو ضرور مدد کریں گے۔ اس روایت میں راوی نے دو چیزوں کو اختصار کی وجہ سے ذکر نہیں کیا۔ ایک تصدق الحدیث اور دوسرے اداءُ الامانت یا روایت بالمعنیٰ کر کے بعض کو بھول گیا۔ تو یہ سب چیزیں حضرت خدیجہؓ نے استدلال میں پیش کیں۔ یہ تین طریقے تسلی کے اختیار فرمائے۔

ایک تو ردع سے (کلا) (۲) واللہ مایخزیک اللہ۔ اور تیسرا انک لتصل الرحم الخ اور چوتھا طریقہ یہ ہے کہ ایک پیر مرد کے پاس لے جاتی ہیں جو کہ کامل عالم ہے۔ ورقہ بن نوفل اور دوسرا زید بن نفیل۔ یہ دونوں شخص مکہ معظمہ کے جوانب سے نکلے ہیں۔ بت پرستی کے طریقہ کو پسند نہیں کرتے تھے۔ دینِ حق کی تلاش میں نکلے اور یہودی حِبر (عالم) سے ملے۔ اس نے ان کی ہمت افزائی نہ کی تو ایک نصرانی عالم کے پاس گئے۔ اس نے بھی کہا کہ لن تدخل فی دیننا حتی تاخذ نصیبا من الضلال۔ آخر دونوں نے آپس میں کہا کہ دینِ حنیفی پہ عامل رہو۔ وہ دین خلیلی تھا۔ ورقہ بن نوفل تو نصرانی بن گیا۔ اور عبرانی زبان سیکھی۔ اور عبرانی کتب کا عربی میں ترجمہ کرنے لگا۔ اور جب حضرت خدیجہؓ آپؐ کو لے کر گئی ہیں تو ورقہ بن نوفل بہت سن رسیدہ ہو چکا تھا۔ اور آنکھیں بھی کھو بیٹھا تھا۔ ایسے بزرگ کی بات کا آخر اعتبار ہوتا ہی ہے۔ اس لئے آپؐ کو لے کر گئیں۔

قالہ شیخ ذکریاؒ۔ یہ ورقہ بن نوفل اور زید بن نفیل ابتداً مشرک تھے۔ فطرت سلیمہ کی وجہ سے شرک سے تائب ہو کر وحدانیت باری تعالیٰ کے قائل ہوئے۔ حتیٰ کہ زید بن نفیل تو بتوں کی مذمت میں بہت آگے تھے کہا کرتے تھے۔ کہ ان کی پرستش کرتے ہو۔ جن کو اپنے ہاتھ سے بناتے ہو۔ اور جو تمہاری کوئی مدد بھی نہیں کر سکتے۔ یہ زید جب شرک سے بیزار ہوئے تو علمائے یہود کے پاس گئے اور ان سے یہودی ہونے کی درخواست کی۔ تو انہوں نے کہا شوق سے ہو جاؤ۔ لیکن اس مذہب سے کچھ حصہ غضب الٰہی کا بھی ملے گا پھر نصاریٰ کے پاس جا کر نصرانیت قبول کرنے کی خواہش ظاہر کی۔ ان لوگوں نے کہا ہو جاؤ۔ مگر کسی قدر حصہ ضلالت کا بھی ملے گا۔ ان کے پوچھنے پر نصاریٰ نے دینِ ابراہیمی کے قبول کرنے کا مشورہ دیا۔ جس پہ انہوں نے ملت ابراہیمی کو اختیار کیا۔ اور زمانہ نبوت سے پہلے ہی انتقال کر گئے۔ دوسرے ساتھی ورقہ بن نوفل نے نصرانیت اختیار کی اور بعد میں نصرانیت کے بہت بڑے عالم ہوئے۔ کہ انجیل کو عبرانی زبان سے عربی میں منتقل کیا کرتے تھے۔ اور عربی زبان سے عبرانی زبان میں منتقل کیا کرتے تھے۔

فیکتب من الانجیل بالعبرانیہ تورات عبرانی زبان میں تھی۔ اور انجیل سریانی زبان میں۔ ورقہ بن نوفل چونکہ نصرانی تھے۔ اس لئے انجیل کا ترجمہ سریانی زبان سے عبرانی میں کر کے اپنے یہاں کے لوگوں کو دیتے تھے۔ اور ظاہر یہ ہے کہ یہ عبرانیہ کی بجائے عربیہ ہے۔ کیونکہ خود ورقہ کی زبان عربی تھی جب کہ حاشیہ کے اندر العربیہ ہی واقع ہوا ہے۔ اور یہی کتاب التفسیر میں بھی آرہا ہے۔ لیکن علماء نے دونوں میں اس طرح جمع کیا ہے کہ ورقہ دونوں زبانوں میں ماہر تھے۔ عربی کے بھی کہ ان کی مادری زبان تھی۔ اور عبرانی کے بھی۔ لہٰذا انجیل کو سریانی زبان سے عبرانی زبان میں منتقل کیا کرتے تھے۔ اس لئے کہ عرب میں یہود بھی رہتے تھے۔ اور تورات بھی اسی زبان میں نازل ہوئی ہے۔ تو بعض کو عبرانی زبان میں اور بعض کو عربی زبان میں ترجمہ کر کے دیتے تھے۔

اسمع عن ابن اخیک ورقہ بن نوفل حضورؐ کے چچا نہیں تھے۔ مگر چونکہ اہل عرب ہر بڑے کو چچا اور ہر چھوٹے کو بطور تعظیم اور شفقت کے بھتیجا کہتے ہیں۔ اس لئے حضرت خدیجہؓ نے بھی بطور مہربان کرنے کے ابن اخ کہہ دیا۔ اور واقعہ بھی ہے۔ کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چوتھے دادا عبد مناف ہیں۔ جو کہ عبد العزیٰ کے بھائی ہیں۔ تو بھی ابن اخ کہنا صحیح ہوگا۔

ھذا الناموس۔ ناموس کے معنی صاحب السر کے ہیں۔ ناموس اور جاسوس ان لوگوں کو کہتے ہیں جو خبر لائیں۔ ناموس تو اس ندیم کو کہا جاتا ہے جو خیر کی خبر لائے۔ اور جاسوس وہ ندیم جو شر کی خبر پہنچائے۔ یہاں ناموس سے مراد فرشتہ ہے۔ چونکہ جبرائیل علیہ السلام حضرات انبیاء علیہم السلام کے پاس خیر کی خبر لاتے تھے اس لئے ان کو الناموس کہا گیا۔

نزل اللہ علی موسیٰ۔ یہاں شبہ ہے کہ ورقہ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نام کیوں نہیں لیا۔ جب کہ ورقہ نصرانی تھے۔ علماء نے اس کے کئی جواب دیئے ہیں۔

پہلا جواب یہ ہے کہ چونکہ نصرانیوں کی بنسبت عرب میں یہودی زیادہ تھے ان میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شہرت تھی اس لئے ان کا نام لیا گیا۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بھی ان کی قوم کی طرف سے شدت اور سختی میں مبتلا کیا گیا تھا وہ اس بات میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے شریک تھے۔ اس وجہ سے ان کا ذکر فرما دیا۔

تیسرا جواب یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبوت بین الیہود والنصاریٰ مسلم تھی۔ اس لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر کیا۔ بخلاف حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ان کو صرف نصاریٰ مانتے تھے۔

چوتھا جواب یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر جو وحی اتری تھی۔ وہ امثال۔ عبر۔ رأفۃ اور رحمت پر مشتمل ہوتی تھی۔ بخلاف حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وحی کے کہ اس میں اوامر ونواہی تھے۔ جہاد اور قتال کا حکم تھا۔ تو ورقہ نے اس کی طرف اشارہ کر دیا۔ کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر جو وحی آئے گی وہ اوامر اور نواہی پر مشتمل ہوگی۔ یہ علم ان کو کتب سماویہ سے حاصل ہوا۔ کیونکہ ان کتابوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف مذکور تھے۔

یالیتنی فیہا جذعاً ای قویاً شدیداً۔ جزعہ اصل میں قوی اونٹ کو کہتے ہیں اور فیہا کی ضمیر مجرور اس ایام نبوت کی طرف راجع ہے۔ جو ماقبل سے مفہوم ہوتی ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ کاش میں ایام دعوتِ اسلام میں قوی ہوتا تاکہ ان کا مقابلہ کرتا جس وقت کہ وہ لوگ آپؐ کو شہر سے نکالیں گے۔ تو منازل حضرت موسیٰ علیہ السلامؑ کو طے کرنے پڑیں گے۔ تو معنی ہوں گے جذعا اور قویا شدیدا انی مدۃ دعوتک لانی مدۃ نبوتک کیونکہ یہ سب کام مشقت والے جوانی میں کئے جا سکتے ہیں بڑھاپے میں قویٰ مضمحل ہو جاتے ہیں۔ او مُخرجیّ ھم چونکہ اہل عرب میں عصبیت زیادہ ہوتی ہے۔ وہ اپنے اہل قرابت کی حمایت کرتے ہیں۔ خواہ حق پر ہوں یا ناحق پر۔ دوسرے اخلاق حمیدہ کی وجہ سے آپ مقبول عام ہو چکے تھے جو حجر اسود کے رکھنے کے واقعہ سے ظاہر ہے۔ کہ آپؐ نے ایسا فیصلہ کیا جس سے سب راضی ہو گئے۔ ایسے ایک پڑوسی کے مظالم بیان کرنے والے کو آپؐ نے ترکیب بتائی تھی۔ کہ سامان نکالنا شروع کر دو۔ جب یہ وہ شرمندہ ہو کر مظالم سے باز آگیا۔ حضرت وہب بن منبہ فرماتے ہیں کہ میں نے اسّی یا نوّے کے قریب کتب سابقہ کو دیکھا جن میں مرقوم تھا کہ اگر حضرت محمد مصطفےٰؐ خاتم النبیین کی عقل کا تمام دنیا کے عقلمندوں کی عقل سے مقابلہ کیا جائے تو آپؐ کی عقل سب سے فائق رہے گی۔ اس لئے آپؐ کو خبر اخراج پر تعجب ہوا۔ نیز حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی چالیس سالہ زندگی بہت محبوبانہ گزری تھی۔ امین اور صادق کے لقب سے آپؐ مشہور تھے۔ بنابریں آپؐ کو نکالنے کی خبر پر تعجب ہوا۔ آپؐ کے استعجاب پر ورقہ بن نوفل نے وجہ بیان فرمائی۔

لم یأت رجل قط بمثل ما جئت بہ الا عودی ورقہ نے کہا یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔ بلکہ یہ تو ہوتا چلا آیا ہے۔ کہ آپؐ جیسی چیز (نبوت) جو کوئی بھی لے کر آیا۔ اس کو ستایا گیا اور اس سے دشمنی

کی گئی۔ ای اعمادی ومخرجی ھم وان یدرکنی یومك انصرك نصراً مؤزراً بمعنی قویا بلیغا یہاں ورقہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد کا وعدہ کر رہے ہیں۔ اس سے ظاہر ہوا کہ ورقہ حضورؐ پر ایمان لائے ہوں گے تبھی تو مدد کا وعدہ کر رہے ہیں۔ اب اگر ان کو مسلمان مان لیا جائے۔ تو اب اول المؤمنین ورقہ ہوئے اور حضرت صدیق اکبرؓ سے مقدم ہوئے۔ چنانچہ حافظ ابن حجرؒ نے اصابہ میں صحابہ کی قسم اول میں ان کا تذکرہ کیا ہے۔ قسم اول کا مطلب یہ ہے کہ حافظ ابن حجرؒ نے حروف تہجی کے اعتبار سے اصابہ کے اندر صحابہ کرام کا تذکرہ کیا ہے۔ اور ہر حرف کے چار درجے متعین کئے ہیں۔ مثلاً الف قسم اول الف قسم ثانی الف قسم ثالث الف قسم اربع اور طریقہ حافظؒ کا یہ ہے۔ کہ قسم اوّل میں کبار صحابہ کے نام ذکر فرماتے ہیں۔ اور قسم ثانی میں صغار صحابہ کے اسماء لکھتے ہیں جن کو رویت حاصل ہے۔ اور قسم ثالث میں مخضرمین کا ذکر فرماتے ہیں مخضرم وہ کہلاتا ہے جس کو حضورؐ کا زمانہ ملا ہو۔ لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نہ کر سکا ہو۔ اور قسم رابع میں ان لوگوں کا تذکرہ کرتے ہیں۔ جن کی صحبت کے وہ خود منکر ہیں اگرچہ کسی اور نے ان کو صحابی لکھ دیا ہو۔ ورقہ کی صحبت کا بعض حضرات نے انکار کیا ہے۔ لیکن حافظ ابن حجرؒ نے ان کو قسم اول میں شمار کیا ہے۔ اب آیا یہ حضرت صدیق اکبرؓ سے قدیم الاسلام ہوتے یا نہیں اس لئے کہ ابتداء وحی کا واقعہ ہے۔ ممکن ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ابوبکرؓ سے ورقہ سے پہلے ہی مل چکے ہوں اور ابوبکرؓ ایمان لاتے ہوں۔ اور یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ اول من آمن اس وجہ سے ہیں کہ بالتصریح اشہد ان لا الٰہ الا اللہ کہنے والوں میں سب سے پہلے ہیں۔ اور حضرت ورقہ اگرچہ مقدم ہیں مگر بالتصریح کلمہ گو نہیں کیونکہ ان کا ایمان ان کے اقوال سے مستفاد ہوتا ہے۔

ثم لم ینشب ورقہ ان توفی ورقہ بن نوفل ملک شام چلے گئے تھے وہاں جاکر معلوم ہوا کہ مکہ کے لوگ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمن بن گئے ہیں۔ تو یہ اعانت کے لئے وہاں سے چل دیئے مگر راہ میں کسی نے قتل کر دیا۔ لیکن صحیح قول یہ ہے کہ مکہ میں ہی کچھ دنوں بعد انتقال فرمایا۔

حضرت شیخ مدنیؒ فرماتے ہیں کہ لم ینشب بمعنی لم یلبث یعنی فوت ہو گئے۔ کہ کہیں لوگ یہ گمان نہ کریں کہ آپؐ ورقہ سے اخذ کر کے بیان کر رہے ہیں۔ حضرت ورقہ بن نوفل کو مؤمن کہا جائے گا اس لئے کہ وہ دین عیسوی پر تھے۔ دوسرے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تا حال مامور بالتبلیغ نہیں ہوئے تھے۔ اور انہوں نے یقین کے ساتھ کہا تھا کہ کاش آپؐ مامور بالتبلیغ ہوتے اور میں زندہ رہا تو آپؐ کی ضرور مدد کرتا۔ اس سے

بھی ان کا ایمان ثابت ہوتا ہے۔ اس لئے کہ اقرار پایا جاتا ہے۔ اور انبیاً سابقین اور صلحاً وغیرہ کا اقرار معتبر تھا۔ لہذا یہ اقرار بھی معتبر ہوگا۔ اور حضرت عائشہ صدیقہؓ نے حضرت ورقہ کو خواب میں دیکھا کہ سفید کپڑے پہنے ہوئے جنت میں پھر رہے ہیں۔ الغرض غیرت خداوندی نے اس کو بھی گوارا نہ کیا کہ اخذ من الغیر کا کوئی شائبہ باقی رہ جائے۔ اور اسی وجہ سے ماں باپ اور دادے کا سایہ بھی اٹھالیا گیا خود ہی مربی ہوئے۔ ؎

شرکتِ غم بھی نہیں چاہتی غیرت میری ——— غیر کی ہو کے رہے یا شب فرقت میری

وفترالوحی اس کے بعد تین برس تک وحی نہیں اتری۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ کوئی فرشتہ آپؐ کے ساتھ نہیں رہتا تھا بلکہ دوسری روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت میکائیل اور جبرائیل علیہما السلام ہر وقت آپؐ کے ساتھ رہتے تھے۔ فترت اور قطع وحی کا یہ مطلب ہے کہ کوئی فرشتہ وحی لے کر نہیں آتا تھا جس کی وجہ سے قلب پر اثر پڑتا تھا۔ جیسا کہ اہل سلوک کے ساتھ قبض ہوتا رہتا ہے جس سے تڑپ اور بے قراری ہوتی ہے۔ چنانچہ آپؐ کو اس بارے میں کئی تکالیف کا سامنا کرنا پڑا۔ دو مرتبہ آپؐ نے جبرائیل علیہ السلام کو اپنی اصلی صورت میں دیکھا ہے ایک تو اسی وقت دوسرے لیلۃ المعراج میں اس کے علاوہ اور شکل میں نمودار ہوتے تھے۔

شیخ زکریا مرحوم لکھتے ہیں کہ یہ فترت وحی مسلسل تین برس تک رہی اس کی کیا حکمت تھی حقیقی حکمت کو اللہ تعالٰے شانہٗ ہی جانتے ہیں۔ مگر بعض علماً نے لکھا ہے کہ فترت اس لئے واقع ہوئی تاکہ آپؐ آیات منزلہ میں غور و فکر کریں۔ اور تدبر و تفکر ہو۔ اور بعض نے یہ جواب دیا ہے کہ چونکہ وحی ایک وزنی چیز تھی۔ اِنَّا سَنُلْقِیْ عَلَیْكَ قَوْلًا ثَقِیْلًا میں ارشاد ہے تو کچھ دنوں کے لئے اس کو روک دیا گیا تاکہ طبیعت مبارکہ اس بوجھ کی خوگر ہو جائے۔ اور ثقل برداشت کرنے لگے۔ اگر یہ کہا جائے کہ جب وحی ایک ثقیل چیز ہوتی ہے۔ تو ہم کو اس کا ثقل کیوں نہیں معلوم ہوتا۔ بات یہ ہے کہ ہم غور و فکر ہی نہیں کرتے۔ اور اس کے حقائق نہیں سمجھتے ورنہ اکابر کے متعلق مشہور رہے۔ کہ وہ قرآن مجید پڑھتے تھے اور دھاڑیں مار مار کر روتے تھے۔ یا پھر اس وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ نے ہم پر رحم فرما رکھا ہے۔ اور اس کے ثقل کو خفت سے بدل دیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ربانی ہے وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ اور بعض علماً نے یہ کہا ہے کہ فترت تحصیل انس کے لئے ہوئی۔ کیونکہ اگر پے در پے اس امر ثقیل کا نزول ہوتا تو بہت ممکن تھا کہ طبیعت مبارکہ میں نفرت اور وحشت پیدا ہو جاتی۔ جیسا کہ بار بار کی سختی سے بسا اوقات وحشت ہونے

لگتی ہے۔ یا اس کو یوں تعبیر کرو کہ چونکہ عبارسالت سے آپؐ کو خوف تھا۔ تو اس کے تحمل کے لئے مہلت دے دی گئی۔ اور یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ صوفیا کرام کے یہاں معمول ہے۔ کہ جب کسی کو تلقین وغیرہ کی اجازت دیتے ہیں تو اس کو کچھ دنوں کے لئے اپنے سے دور کر دیتے ہیں۔ تاکہ اس کا علم ہو جائے کہ جو نسبت مرید کو حاصل ہے۔ وہ نسبت انعکاسی تو نہیں یہی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بھی پیش آیا۔ تاکہ صوفیا کے لئے مشعل راہ ہو۔

قال ابن شہاب یہ تعلیق نہیں جیسا کہ بعض لوگوں کو وہم ہو گیا۔ چونکہ ابتدا حدیث سے لے کر یہاں تک کے حالات حضرت عائشہؓ کی روایت سے بواسطہ عروہ مذکور تھے۔ مگر قصہ ابھی پورا نہیں ہوا تھا۔ اس لئے امام زہریؒ فترۃ وحی کے واقعہ کو دوسرے واسطے سے بیان فرما رہے ہیں۔ اور وہ واقعہ حضرت جابرؓ کی روایت میں بواسطہ ابوسلمہ بن عبد الرحمٰن موجود ہے۔

وھو یحدث۔ ھو کی ضمیر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت جابرؓ دونوں کی طرف لوٹ سکتی ہے۔ لیکن راجح یہ ہے کہ یہ ضمیر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف راجع ہے۔

فَرعِبْت کہ میں مرعوب ہو گیا کیونکہ جب یہ دیکھا کہ ایک معلق کرسی پر فرشتہ بیٹھا ہے تو یہ عجیب بات دیکھ کر خوف زدہ ہو گئے۔

وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ رجز کے معنی یا تو اور قبیحہ کے ہیں یا عبادۃ الاوثان کے ہیں اشکال یہ ہے۔ کہ آپؐ نے تو کبھی بتوں کی عبادت نہیں فرمائی پھر ترک کا حکم کیوں دیا جا رہا ہے۔ تو جواباً کہا جائے گا کہ بسا اوقات کسی شے سے رکاوٹ اور ممانعت اس کی غایت قباحت کے پیش نظر ہوتی ہے۔ گو مخاطب نے کبھی بھی اس کا ارتکاب نہ کیا ہو۔ جیسے لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ یا جیسے بیعت میں شیخ يُبَايِعْنَ عَلٰى اَنْ لَا يُشْرِكْنَ بِاللّٰهِ شَيْئًا وَّ لَا يَسْرِقْنَ وَ لَا يَزْنِيْنَ کے الفاظ کہلواتا ہے۔ حالانکہ ہر آدمی زانی اور چور نہیں ہوتا۔

حضرت شیخ مدنیؒ جواب میں فرماتے ہیں کہ فاھجر اپنے حقیقی معنی میں نہیں بلکہ الرجز فأمر الہجران یعنی لوگوں کو ھجران رجز کی تبلیغ کریں۔ یا رجز کے اندر تاویل کی جائے۔ رجز کے معنی صنم کے نہیں بلکہ ذنب کے معنی ہیں صنم کو اس لئے کہتے ہیں کہ وہ ذنب کبیر ہے۔ تو آثام کے ھجران کی تبلیغ ہوگی۔ امام جعفر صادقؒ فرماتے ہیں۔ کل ما اشغلک عن الحق فھو طاغوتک۔ یعنی جو چیز حق سے روکنے والی ہو وہ طاغوت ہے۔ اگرچہ

وہ علم میں کیوں نہ ہو۔ تو معنیٰ ہوں گے کہ غیر اللہ کے ساتھ تعلق کو چھوڑ دو۔

فحمی الوحی اگر کوئی چیز پے در پے ہوتی رہے تو اسے حمی یعنی گرم ہونے سے تعبیر کرتے ہیں۔ یہ روایت ایسی ہے کہ ترجمۃ الباب سے التزاماً اور مطابقۃً من کل الوجوہ روشنی ڈالتی ہے۔ اور اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ منشأ نبوت اخلاق حمیدہ ہیں۔ کیونکہ نبوت عطیہ الٰہی ہے۔ اور اس کے لئے کچھ اسباب ہیں۔ آپؐ کی نبوت کے بواعث عالم اسباب میں یہ اخلاق حمیدہ ہیں۔ جن کو حضرت خدیجہؓ نے بیان فرمایا جو شخص ایسے اخلاق اور صفات سے متصف ہو۔ وہ مستحق رفعت ہے۔ بلکہ جو ایسے اخلاق کا مالک ہو اسے نبوت ملے گی۔ لیکن بغیر دینے کے وہ نبی نہیں بن سکتا۔ قابلیت کو تو مدارِ نبوت کہا جا سکتا ہے جیسے کوئی شخص گورنری کی قابلیت رکھتا ہو۔ مگر بغیر اعطاء کے وہ گورنر نہیں بن سکتا۔ ایسے یہاں بھی نبوت کا مدار اخلاق پر ہے۔ اور اس کی علامات معجزات ہیں۔ جو کہ بطور تائید کے ہوتے ہیں۔ لیکن نبوت کا مدار معجزات پر نہیں معجزات کا مدار نبوت پر ہے۔ خوارق عادت چیزیں قدرت الٰہیہ میں سے ہوتی ہیں۔ ظاہر کرنے والی کی قدرت میں نہیں ہوتیں۔ ان اخلاق میں سے مہتم بالشان شفقت علی الخلق ہے۔ اس لئے کہ رسول کے قلب میں مرسل الیہ کی محبت ڈالی جاتی ہے۔ تاکہ اس کی وجہ سے اس کی اصلاح اور پرورش ہو۔ جیسے ماں باپ کے قلب میں شفقت ڈالی جاتی ہے۔ نبی کے قلب میں اس سے بھی زیادہ محبت ہوتی ہے۔ اور جس قدر محبت زیادہ ہو گی اس قدر تربیت اچھی ہو گی۔ چنانچہ واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ ایک غزوہ میں ایک جگہ پر آپؐ نے مع لشکر پڑاؤ کیا۔ پیلو کے درخت کو دیکھ کر آپؐ نے فرمایا کہ سیاہ رنگ کی پیلو چن کر لاؤ۔ لوگوں نے اس پر تعجب کیا۔ کہ آپؐ کو اس کا کیسے علم ہو گیا۔ کیونکہ ایک مکہ میں پیلو نہیں دوسرے اہل بادیہ کو اس کا زیادہ علم ہوتا ہے تو آپؐ نے فرمایا کہ میں نے بچپن میں بکریاں چرائی ہیں۔ اور کوئی نبی ایسا نہیں گزرا جس نے بکریاں نہ چرائی ہوں۔ اور یہ شفقت کی بنا پر تھا۔ کہ بکری شریر جانور ہے جو اس پر شفیق ہو گا وہ انسانوں پر بھی شفقت کرے گا۔ تو مبادی نبوت میں سے ایک شفقت علی الخلق بھی ہے۔ اور ایسے امانت و دیانت ہے۔ اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ وحی نہایت معصوم ہے اور قابلِ اعتماد ہے۔ کہ اس پر غیر تعلیم یافتہ بھی اعتماد کرتے ہیں۔

تابعہ عبداللہ بن یوسف متابعۃ کی دو قسمیں ہیں۔ متابعۃ تامہ اور متابعۃ ناقصہ۔ متابعۃ تامہ یہ ہے کہ کوئی شخص ابتداً ہی سے استاذ میں راوی حدیث کا شریک بن جائے۔ اور متابعۃ ناقصہ یہ

یہ ہے کہ اوپر سند میں کوئی راوی کسی راوی حدیث کی متابعت کرے، متابعت کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ اس سے روایت اور راوی کو تقویت ملتی ہے۔

وقال یونس ومعمر بوادرہ یہاں سے امام بخاریؒ اختلاف روایات کی طرف اشارہ فرما رہے ہیں۔ کہ زہری کے شاگرد عقیل نے تو فؤادہ کہا اور یونس اور معمر نے بوادرہ کہا ہے۔ بوادر جمع بادرہ کی ہے بادرہ گردن اور مونڈھے کے درمیانی حصہ کو بولتے ہیں۔ خوف کی شدت میں جس طرح دل کانپتا ہے اس طرح یہ حصہ بھی حرکت کرنے لگتا ہے۔ یہ روایت باب بدء الوحی کے بالکل مطابق ہے۔ چونکہ حضرت شیخ الہندؒ کے نزدیک ترجمہ کا مقصد عظمت وحی کو بتلانا ہے۔ اس طرح موافقت ہو جائے گی۔ کہ حضرت اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جیسے عظیم الشان اور فخر الرسل اس وحی کو لے آئے۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ ترجمہ کی غرض ان اوصاف جمیلہ کو بیان کرنا ہے۔ جن پہ وحی نازل ہوتی ہے۔ تو یہ بھی اس روایت نے بتلا دیا کہ وہ اوصاف صلہ رحمی وغیرہ کرنا ہے۔

حدیث نمبر۴۔ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ الخ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ فِي قَوْلِهِ تَعَالَى لَا تُحَرِّكْ بِهِ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهِ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُعَالِجُ مِنَ التَّنْزِيلِ شِدَّةً وَكَانَ مِمَّا يُحَرِّكُ شَفَتَيْهِ فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا فَأَنَا أُحَرِّكُهُمَا لَكَ كَمَا كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُحَرِّكُهُمَا وَقَالَ سَعِيدٌ أَنَا أُحَرِّكُهُمَا كَمَا رَأَيْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا يُحَرِّكُهُمَا فَحَرَّكَ شَفَتَيْهِ فَأَنْزَلَ اللّٰهُ تَعَالَى لَا تُحَرِّكْ بِهِ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهِ ط إِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهُ وَقُرْآنَهُ قَالَ جَمْعَهُ لَكَ صَدْرُكَ وَتَقْرَأَهُ فَإِذَا قَرَأْنَاهُ فَاتَّبِعْ قُرْآنَهُ قَالَ فَاسْتَمِعْ لَهُ وَأَنْصِتْ ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهُ ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا أَنْ تَقْرَأَهُ فَكَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْدَ ذٰلِكَ إِذَا أَتَاهُ جِبْرَائِيلُ اسْتَمَعَ فَإِذَا انْطَلَقَ جِبْرَائِيلُ قَرَأَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَمَا قَرَأَهُ۔

ترجمہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کے اس قول کے بارے میں فرماتے ہیں۔ کہ لَا تُحَرِّكْ بِهِ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهِ (جلدی کرنے کے لئے آپؐ زبان کو حرکت

نہ دیں) فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وحی کے اتارے جانے کے وقت سخت تکلیف برداشت کرتے تھے جس کی وجہ سے بسا اوقات آپؐ اپنے دونوں ہونٹوں کو ہلاتے تھے۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ میں بھی اسی طرح ہونٹوں کو ہلاتا ہوں جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حرکت دیتے تھے۔ اور ان کے شاگرد حضرت سعید بن مسیبؒ نے فرمایا کہ میں بھی اسی طرح ہونٹوں کو ہلاتا ہوں جس طرح حضرت ابن عباسؓ کو ہونٹ ہلاتے دیکھا تھا۔ تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ اتاری کہ بے شک اس کا جمع کرنا اور اس کا پڑھانا ہمارے ذمہ ہے۔ حضرت ابن عباسؓ اس کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ کہ اس وحی کا آپؐ کے سینہ میں جمع کرنا اور اس کا پڑھانا مراد ہے۔ اور فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ پس جب ہم اس وحی کو پڑھائیں تو آپؐ اس کے پڑھنے کی پیروی کریں۔ یعنی کان لگا کے سنیں اور چپ رہیں۔ ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ یعنی پھر ہمارے ذمہ ہے کہ آپؐ اس کو پڑھیں پھر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بعد جب بھی جبرائیل علیہ السلام آپ کے پاس آئے تو آپؐ کان لگا کے ان کی بات سنتے تھے پھر جب جبرائیل علیہ السلام چلے جاتے تو آپؐ اس طرح پڑھتے جس طرح جبرائیل علیہ السلام پڑھا کے گئے تھے۔

تشریح لاتحرک بہ لسانک۔ یاد کرنے کے لئے کسی چیز کا بار بار پڑھنا اس کا مؤید ہوتا ہے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جب بھی وحی آتی تھی تو آپؐ اس خوف سے کہ کہیں وحی بھول نہ جائے اپنے کانوں کو وحی کی طرف متوجہ کرتے اور زبان کو ادا الفاظ کی طرف۔ اس سے نفس کو سخت تکلیف ہوتی تھی۔ اس لئے لاتحرک بہ لسانک نازل ہوا۔ یُعالج بمعنی یتحمل اٹھانے کے معنی میں ہے۔

مِمَّا يُحَرِّكُ میں مّما بمعنی ربّ کے ہے۔ اور مِن کو زائدہ اور مَا کو مصدریہ بھی کہا جا سکتا ہے۔ اکثر آئمہ تحریک شفتین یاد کرنے کی وجہ سے کہتے ہیں۔ لیکن بعض حضرات فرماتے ہیں کہ یہ علاوہ وحی کی وجہ سے تھا۔ لیکن پہلی توجیہ صحیح معلوم ہوتی ہے۔ لتعجل بہ ای لتأخذہ علی العجلۃ۔

جمعہ لک صدرک۔ جمع اگر فعل ماضی ہے تو صدرک فاعل ہوگا۔ اگر جمعہ مصدر ہو تو پھر صدرک منصوب ہوگا۔ ای جمع اللہ لک فی صدرک۔ سمع اور استماع میں فرق ہے۔ استماع کان لگانے کو کہتے ہیں۔ آواز آئے یا نہ آئے۔ انصات۔ چپ رہنے کو کہتے ہیں۔ اسی سے بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ جہری نماز میں امام کے پیچھے چپ رہنا چاہیئے۔ سریہ میں نہیں۔ پھر تو فاسمعوا کہا جاتا۔ فاستمعوا نہ فرماتے

کیونکہ سمع کے معنی سننے کے ہیں جب کہ آواز پہنچے۔ اس آیت کریمہ میں اللہ تعالےٰ کی طرف سے تین چیزوں کا تکفل ہے۔ (۱) وحی کا زبانی جاری کرانا (۲) یاد کرا دینا (۳) اس کے معانی کا بیان کرنا۔ اس روایت میں مبدء وحی کی طرف اشارہ ہوا کہ آپؐ مبدء وحی میں ہونٹوں کو حرکت دیتے تھے۔ بعد میں اسے اٹھا دیا گیا۔ اور کفالت کر لی گئی۔ تو معنی مطابقی ظاہر ہوئے۔ اور معنی التزامی (وحی کا معصوم ہونا) وہ اس سے زیادہ واضح معلوم ہوتے ہیں اس لئے کہ باری تعالےٰ نے وحی کی حفاظت کے لئے خود ان تینوں چیزوں کی کفالت لے لی۔ اور آپؐ کو اس سے مستغنی کر دیا۔ حیات میں تو کوئی آفت پہنچ جاتی ہے۔ جس کی وجہ سے محسوس قابلِ اعتماد نہیں رہتا۔ اخبار میں کبھی خبط عشوای ہو جاتا ہے۔ کہ اس کا اعتماد بھی نہیں رہتا۔ تو باری تعالیٰ نے ان سب کا تکفل فرما لیا۔ تو اس سے عظمت وحی واضح طور پر معلوم ہوئی۔ یہاں پر ایک اشکال ہے کہ سورۃ ممتحنہ میں جو مضمون اس آیت سے پہلے اور اس کے بعد ہے۔ وہ احوالِ قیامت میں سے ہے۔ ان کے درمیان اس آیت کو رکھا گیا۔ ظاہراً کوئی مناسبت معلوم نہیں ہوتی۔ مفسرین نے اس کی کئی وجوہ لکھی ہیں۔ لیکن سب سے زیادہ صاف وہ وجہ ہے جو حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھی ہے۔ کہ یہاں جزا و سزا کی تکالیف کا مدار مالہ التاخیر و مالہ التقدیم کے رکھنے پر ہے۔ یعنی ہر چیز کو اپنے مرتبہ پر رکھا جائے تب نجات ہوگی۔ اگر مؤخر کو مقدم اور مقدم کو مؤخر کر دیا تو عذاب ہوگا۔ جس پر فرمایا گیا کہ بَلْ تُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ وَتَذَرُوْنَ الْاٰخِرَةَ جس سے معلوم ہوا کہ تقدیم و تاخیر کو اپنے مرتبے پر رکھنے سے جزاء و سزا کا ترتب ہوگا۔ اور امور شرعیہ اور مفروضات میں معلوم ہوتا تھا کہ اس میں تقدیم و تاخیر نہ ہوگی تو فرمایا گیا کہ اس میں بھی ترتیب کا لحاظ رکھنا ہوگا۔ کیونکہ استماع کو قرأۃ پر مقدم کرنا تھا۔ اس کے خلاف پر جھڑک دیا گیا۔ اس طرح اگر کوئی شخص دنیا میں تقدم و تاخر کا لحاظ نہ رکھے گا تو وہ بھی سزا کا مستحق ہوگا ورنہ جزا کا۔ اس لئے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر عمل کیا۔ تو باری تعالےٰ نے بھی ترتیب کا لحاظ کرتے ہوئے فرمایا۔ کہ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ۔ ثُمَّ اِنَّ عَلَیْنَا بَیَانَهٗ بے ترتیبی کی وجہ سے بہت سی خرابیاں پیدا ہوتی ہیں۔ اس لئے فرمایا گیا۔ یُنَبَّؤُا الْاِنْسَانُ یَوْمَئِذٍۭ بِمَا قَدَّمَ وَاَخَّرَ۔ یعنی جس نے آخرۃ اور ہماری رضا جوئی کو مقدم رکھا اس کے لئے فلاح ہے اور جس نے دنیا کو مقدم کیا یعنی تقدیم ماحقہ التاخیر کیا۔ تو فلاح نہ ہوگی۔ تو فرمایا گیا کہ امور شرعیہ یا دنیاوی و اخروی سب میں ترتیب ضروری ہے۔ (کمالات لہ شیخ مدنی)

حضرت شیخ زکریاؒ نے لکھا ہے کہ قرآن پاک کے ذریعہ سے تربیت پیدا کرنی مقصود ہے۔ جیسے مربی درمیان کلام میں کوئی بات غیر متعلق کہہ دیتا ہے۔ جیسے باپ بچے کو کھانا کھلاتے کھلاتے نصیحت بھی کر رہا ہو۔ اسی اثنا میں بچہ کسی غیر مناسب جگہ میں ہاتھ ڈال دے تو باپ درمیان گفتگو اس کو منع کر دیتا ہے کہ ایسا مت کرو۔ اتنا کہہ کر پھر پہلی بات شروع کر دیتا ہے۔ اس طرح یہ آیتِ کریمہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جبرائیل علیہ السلام کے ذریعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن پاک سکھا رہے تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھول جانے کے خوف سے اپنی زبان سے اس کو بار بار دہراتے تھے۔ تو درمیان کلام میں تنبیہہ کر دی کہ ایسا مت کرو۔ پھر سابقہ کلام شروع فرما دیا۔

حدیث نمبر ۳ میں متابعت کے بارے میں حضرت شیخ مدنیؒ نے فرمایا کہ متابعت کسی راوی کا دوسرے کے ساتھ مطابقت کرنا اور مطابقت کی دو صورتیں ہیں تامہ اور ناقصہ۔ تامہ تو یہ ہے کہ سب شیوخ کے اندر مطابقت ہو۔ اگر استاد الاستاد میں یا کسی اوپر کے راوی میں ہوئی تو یہ ناقصہ ہوگی مصنفؒ کسی روایت کو کبھی متابعت تامہ سے اور کبھی متابعت ناقصہ سے روایت کرتے ہیں۔ روایت سابقہ میں مصنفؒ کا استاد یحییٰ بن بکیر تھا۔ تو اس کی مطابقت عبد اللہ بن یوسف نے کی مصنفؒ کی متابعت تب ہوتی جب کوئی یحییٰ بن بکیر سے روایت کرتا تو مصنفؒ تابعنی کہتا اس وقت متابعت تامہ ہوتی۔ اس جگہ متابعت ناقصہ ہے۔ متابعت ناقصہ میں مروی عنہ کو ذکر کیا جاتا ہے۔ متابعت تامہ میں اس کی ضرورت نہیں ہوتی۔

كان مما يحرك شفتيه اگر شبہ ہو کہ سارے حروف تو شفوی نہیں ہیں۔ تو یحرک شفتیہ کہنا کیسے صحیح ہوگا یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ لا تحرک به لسانک فرمایا ہے۔ تو جواب یہ ہے کہ چونکہ زبان کی حرکت ہمارے سامنے نہیں ہے اس لئے اسے ذکر نہیں فرمایا باری تعالیٰ کے سامنے ہے وہاں ذکر ہوا۔ شفتین ہمارے سامنے ہوتے ہیں۔ جن کی حرکت ہمارے سامنے ہوتی ہے اس لئے اس کو ذکر کیا گیا۔

قال ابن عباس انا احركهما یہاں حضرت سعید بن مسیبؓ نے کما رأيت ابن عباس يحركهما فرمایا ہے۔ لیکن حضرت ابن عباسؓ نے کما رأيت رسول الله الخ نہیں فرمایا۔ وجہ یہ ہے کہ حضرت سعید بن مسیب نے حضرت ابن عباسؓ کو تحریک شفتین کرتے دیکھا تھا۔ اور حضرت ابن عباسؓ

نے نہیں دیکھا تھا۔ کیونکہ ابتدا وحی میں تو ابن عباسؓ پیدا ہی نہیں ہوئے تھے۔ تو انہوں نے یا تو براہِ راست آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے تحریک شفتین کے متعلق سنا۔ یا کسی اور صحابی سے تو پھر یہ روایت مراسیلِ صحابہ کے قبیل سے ہوگی۔

اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهُ عامۃ مفسرین نے اس جملہ کی تفسیر ان علینا توضیح مشکلات وتبیین مبہمات سے کی ہے اور ابن عباسؓ نے ان نقرءک کے ساتھ کی ہے۔ تو مطلب یہ ہوگا کہ ہمارے ذمہ آئندہ اس کو پڑھوانا ہے۔ آپؐ اس کو بھول نہیں سکتے۔ یہاں یہ جمہور اور ابن عباس کی تفسیر میں فرق ظاہر ہے۔

حضرت مدنیؒ فرماتے ہیں کہ آیاتِ قرآنیہ کے اندر ترتیب کا ہونا باعتبار نزول کے اور ہے۔ اور باعتبار قرأۃ کے اور ہے۔ نزول تو مخلوقات کے مصالح کی بنا پر ہوتا ہے۔ لیکن لوگ اس ترتیب کو سیکھ گئے۔ تو پھر اس کی ضرورت نہیں جیسے طبیب کے نسخہ میں پہلے پہل ایک ترتیب کی رعایت ہوتی ہے۔ بعد میں اس کی ضرورت نہیں رہتی۔ چنانچہ نماز تہجد فرض تھی۔ مدینہ میں آنے کے بعد اعمال کو لایا گیا۔ جب کہ لوگوں کی اعتقادی حالت درست ہوگئی تھی۔ بنابریں نزول آیات کی ترتیب اور تھی تلاوت کی ترتیب اور ہے۔ چنانچہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے اس آیت کو فلاں جگہ رکھا جائے۔ اور اس آیت کو فلاں جگہ پر۔ تو ترتیب آیات توقیفی ہوئی۔ البتہ ترتیب سور میں اختلاف ہے۔ بعض توقیفی اور بعض اجتہادی کہتے ہیں۔ اور بعض کہتے ہیں کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے اس ترتیب پر بیان کیا۔ بعض فرماتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ نے ترتیب دی۔ جس پر اجماع صحابہ منعقد ہوا۔ تو اجماع صحابہ منعقد ہونے کے بعد اس ترتیب کو باقی رکھنا ضروری ہوگا۔ کیونکہ امت گمراہی پر جمع نہیں ہو سکتی۔ اس لئے کہ مَنْ يُشَاقِقِ الرَّسُوْلَ الخ فرمانِ ربانی موجود ہے۔ اور جمع قرآن کے متعلق باری تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اس سے تثبیت اور مصالح ناس مقصود ہیں۔ آج کسی نے خلافِ ترتیب پڑھا تو اسے حرام یا مکروہ تحریمی کہا جائے گا۔ جبکہ عمداً پڑھے۔

۵۔ حَدَّثَنَا عَبْدَانُ الخ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ. قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَجْوَدَ النَّاسِ وَكَانَ اَجْوَدُ مَا يَكُوْنُ فِيْ رَمَضَانَ حِيْنَ يَلْقَاهُ جِبْرَائِيْلُ وَكَانَ يَلْقَاهُ فِيْ كُلِّ لَيْلَةٍ مِّنْ رَمَضَانَ فَيُدَارِسُهُ الْقُرْاٰنَ فَكَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَجْوَدَ بِالْخَيْرِ

مِنَ الرِّیْحِ الْمُرْسَلَۃِ۔

ترجمہ حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام لوگوں میں سے سب سے زیادہ سخی تھے۔ اور آپؐ کی سخاوت رمضان شریف کے مہینہ میں سب سے زیادہ ہوتی تھی۔ جب کہ جبرائیل علیہ السلام کی آپؐ سے ملاقات ہوتی تھی۔ اور جبرائیلؑ کی ملاقات رمضان کی ہر رات کو آپؐ سے ہوتی تھی۔ تو جبرائیل علیہ السلام آپؐ سے قرآن مجید کا دور کرتے تھے۔ بنابریں البتہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عموم نفع رسانی میں آندھی سے بھی زیادہ ہر قسم کی خیر کے سخاوت کرنے والے ہوتے تھے

تشریح شیخ زکریا مرحوم۔ یہاں پر سند میں ح واقع ہوئی ہے۔ اس کے اندر اختلاف ہے کہ یہ حائے مہملہ ہے۔ یا خائے معجمہ جو لوگ خائے معجمہ قرار دیتے ہیں۔ وہ اس کے اندر دو قول بیان کرتے ہیں۔ اول یہ کہ یہ مخفف ہے الخ کا یعنی کوئی مضمون طویل ہو۔ یا کوئی آیت یا حدیث ہو۔ لکھنے والا اس کو پورا نہیں لکھتا تو تخفیف کی طرف اشارہ کرنے کے لئے الخ لکھ دیتا ہے۔ اور معنی اس کے الی آخر الکلام کے ہیں۔ اور دوسرا قول یہ ہے کہ یہ مخفف ہے اسناد آخر کا۔ لیکن دوسری جماعت کثیرہ کی رائے یہ ہے کہ یہ حائے مہملہ ہے۔ اسی جماعت کے اندر چار فریق ہیں۔ ایک فریق کی رائے یہ ہے۔ کہ یہ الحدیث کا مخفف ہے۔ لہٰذا یہاں پہنچ کر الحدیث پڑھنا چاہیئے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ یہ مخفف ہے صح کا۔ اور مطلب اس کا یہ ہے کہ جہاں کہیں کسی تحریر میں تردد ہو جاتا ہے۔ تو قاعدہ یہ ہے کہ اسی تحریر پر تھوڑا سا صح بنا دیتے ہیں۔ یہ اس بات کی علامت ہے کہ عبارت میں شک وشبہ نہ کرو۔ یہ عبارت صحیح ہے۔ اس صورت میں اس کو پڑھا نہیں جائے گا۔ صرف تنبیہہ کے لئے ہوتا ہے۔ تیسرا قول یہ ہے کہ الحائل کا مخفف ہے۔ حائل کے معنی آڑ کے ہیں۔ اس لئے کہ یہ سندِ اول اور سندِ ثانی کے درمیان حائل ہو رہی ہے۔ اس کو پڑھا نہیں جائے گا۔ چوتھا قول یہ ہے۔ کہ یہ تحویل کا مخفف ہے۔ ای تحویل من سند الی سند آخر۔ علامہ نووی فرماتے ہیں کہ یہاں پہنچ کر حا پڑھا جائے گا۔ جس کی حقیقت یہ ہے کہ جب کسی حدیث کی دو سندیں ہوں۔ اور اوپر کا حصہ دونوں کا ایک ہو۔ اور نیچے سے دونوں سندیں الگ الگ ہوں تو تطویل سے بچنے کے لئے دونوں مختلف سندوں کو ذکر کر کے جب اتحاد شروع ہوتا ہے تو وہاں ح بنا دیتے ہیں۔ چنانچہ ومعمر نحوہ اس حدیث کے لئے امام بخاریؒ نے دو سندیں ذکر فرمائیں۔ پہلی سند میں عبدان نقل کرتے ہیں عبداللہ سے

وہ یونس سے وہ زہری سے گویا عبدان کی سند میں زہریؒ سے نقل کرنے والے صرف یونس ہوئے۔
اور دوسری سند کے اندر بشر بن محمد نقل کرتے ہیں انہی عبداللہ اور یہ یونس اور معمر سے نقل کرتے ہیں اور
یونس اور معمر امام زہری سے نقل کرتے ہیں۔ اور امام بخاریؒ نے معمر کے بعد نحوہٗ کا لفظ بڑھا کر اشارہ کر دیا
کہ اگرچہ زہری سے یونس اور معمر دونوں نقل کرتے ہیں مگر الفاظ حدیث یونس کے ہیں۔ معمر اس کے صرف
معنی اور مفہوم کو ذکر کرتے ہیں۔ بعینہٖ الفاظ بیان نہیں کرتے۔

کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اجود الناس اجود الناس یہ مطلقاً ہے۔
واقعی آپؐ کی صفات کاملہ سب کی سب علی طریق المبالغہ تھیں۔ جود وسخاوت کا کمال بھی تب ہے۔ جب کہ
اپنی حاجت کے ہوتے ہوئے ہو۔ فی رمضان اسی حال کو نہ فی رمضان۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام کا آنا ویسے
بھی ہوتا تھا۔ مگر رمضان کے مہینہ میں روزانہ تشریف لاتے تھے۔

شیخ زکریاؒ فرماتے ہیں۔ کہ روایات سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ مدتوں آپؐ کے گھر آگ نہیں جلا کرتی
تھی۔ کچھ نہ ہونے کی وجہ سے۔ چنانچہ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ دو دو ماہ گزر جاتے تھے ہمارے چولہے
میں آگ نہیں جلتی تھی۔ تو پھر جود وسخاوت کے کیا معنی۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ جود وسخاوت آپؐ کے
فقر وفاقہ کے خلاف نہیں۔ کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فقر وفاقہ اسی جود وکرم کی وجہ سے تھا۔
جو کچھ آیا فوراً تقسیم کرا دیا۔ گھر پر اس وقت تک تشریف نہیں لے گئے جب تک وہ سارا تقسیم نہیں ہو گیا۔ لہذا
جس کا یہ حال ہو گا۔ اس کے پاس کیا رہے گا۔ اور اسی پر بس نہیں اگر اپنے پاس کچھ نہ ہوتا تو کسی دوسرے سے
لے کر دیا کرتے تھے۔ چنانچہ حضرت بلالؓ سے کہہ رکھا تھا۔ کہ وہ قرض لے کر دے دیا کریں پھر بعد میں ہم
ادا کر دیں گے۔ چنانچہ حضرت بلالؓ اسی طرح قرض لے کر حاجت مندوں کو دیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ ایک
یہودی نے کہا کہ بلالؓ تم روزانہ قرض مانگتے ہو۔ لوگوں سے لینے کی ضرورت نہیں بس مجھ سے لے لیا کرو۔
جب تمہارے پاس کہیں سے آجایا کرے تو ادا کر دیا کرو۔ حضرت بلالؓ کو اس کی بڑی خوشی ہوئی۔ اور اس سے
قرض لینا شروع کر دیا۔ ان خبیث کافروں کا دستور یہ ہے کہ جب یہ سمجھ لیتے ہیں کہ اب مقروض کا مکان وغیرہ
سب فروخت ہو سکتا ہے تو آکر تقاضا شروع کر دیتے ہیں۔ چنانچہ وہ یہودی بھی اسی کا منتظر تھا۔ ایک دن
حضرت بلالؓ کو آواز دی۔ او حبشی او حبشی یہاں آ۔ حضرت بلالؓ تشریف لے گئے۔ اس نے کہا کہ اس مہینے
کے کتنے دن باقی رہ گئے ہیں۔ فرمایا چار دن۔ کہنے لگا یا تو چار دن کے اندر سارا قرض ادا کر دے ورنہ غلام

بنا لوں گا۔ اور پھر اسی طرح بکریاں چراتا پھرے گا۔ حضرت بلالؓ کو یہ سن کر بڑا غم ہوا۔ دن تو کسی طرح گذر گیا۔ شام کو حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر پورا واقعہ بیان کر کے دو چار دن کے لئے کہیں روپوش ہونے کی اجازت مانگی۔ اور عرض کیا جب آپؐ کے پاس کچھ آجائے گا تو آپؐ ادا فرما دیں۔ پھر میں ظاہر ہو جاؤں گا۔ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت فرما دی۔ حضرت بلالؓ شب، میں روپوش ہو جانے کی تیاری کر رہے تھے۔ کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا آدمی بلانے کے لئے پہنچا۔ حضرت بلالؓ حاضر خدمت ہوئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم نے دروازہ پر کچھ سامان دیکھا ہے؟ عرض کیا، چار اونٹنیاں مال سے لدی ہوئی کھڑی ہیں۔ حضورؐ نے فرمایا کہ یہ شاہِ فدک نے میرے پاس ہدیہ بھیجا ہے۔ تم اس سے اپنا قرض ادا کر دو۔ چنانچہ صبح ہی صبح حضرت بلالؓ اس یہودی کے پاس لے گئے۔ اور اس کا سارا حساب ادا کر دیا۔ یہودی بھی حیرت میں رہ گیا۔ بعد میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ بلال کچھ مال باقی ہے۔ عرض کیا ابھی تو بہت باقی ہے۔ ارشاد فرمایا کہ سب کو تقسیم کر دو۔ چنانچہ حضرت بلالؓ نے تھوڑا سا تقسیم کر کے باقی اس خیال سے روک لیا۔ کہ کل کو کوئی مصیبت پیش آئے گی اس میں کام دے گا۔ جب بلالؓ خدمت میں حاضر ہوئے تو ارشاد فرمایا کہ سب تقسیم ہو گیا۔ اور عرض کیا کہ آدمی کم آئے تھے اس لئے بچ گیا۔ آپؐ نے فرمایا جب تک وہ سارا مال ختم نہیں ہوگا میں گھر نہیں جاؤں گا۔ چنانچہ رات آپؐ نے مسجد میں گزاری مکان پر تشریف نہیں لے گئے۔ (رواہ ابو داؤد فی باب الامام یقبل ہدایا المشرکین)

بہر حال اس حدیث میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تین جود کا ذکر ہے۔ ایک تو اجود الناس سے معلوم ہوا۔ دوسرا اجود ما یکون فی رمضان سے معلوم ہوا۔ حتیٰ کہ ماہ رمضان میں قرض لے کر بھی لوگوں کو کھلایا کرتے تھے۔ کیونکہ قاعدہ یہ ہے۔ کہ جب مسرت ہوتی ہے تو آدمی خوب خرچ کرتا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو رمضان میں زیادہ خوشی و مسرت ہوتی تھی۔

حین یلقاہ جبرائیل تیسرا جود اس جملہ سے معلوم ہوا۔ کہ ماہ رمضان میں جب حضرت جبرائیل علیہ السلام سے ملاقات ہوتی۔ تو اس وقت کے جود کا حال نہ پوچھو۔ اس وقت صفت جود اور بڑھ جاتی تھی۔

فیدارسہ القرآن یدارس فعل مضارع ہے باب مفاعلہ سے جس کے معنی دَور کرنے کے ہیں۔ ایک پڑھے اور دوسرا سنے۔ اس سال تک جتنا قرآن نازل ہو چکا ہوتا تھا اس کو جبرائیل علیہ السلام سنتے تھے۔ باوجودیکہ حفظ قرآن کی کفالت باری تعالیٰ نے لے لی۔ اور آپؐ ہر رات کو پڑھا کرتے تھے۔ لیکن ہر

رمضان میں جبرائیل علیہ السلام آتے ہیں سنتے ہیں۔ سناتے ہیں۔ اور آخری سال تو جبرائیلؑ نے دو مرتبہ تدارس کیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ باری تعالےٰ نے وحی کی خوب حفاظت فرمائی۔ یہی ان حفاظ کی دلیل ہے۔ جو رمضان شریف میں دَور کرتے ہیں۔ اور اس سے پتہ چلتا ہے۔ کہ قرآن مجید کو رمضان کے ساتھ خصوصیت ہے۔ اور اسی وجہ سے اسے رمضان میں اتارا گیا۔ کسی خاص تاریخ یا کسی خاص مہینے میں اتارنا اس کے یہ معنی ہیں کہ ام الکتاب سے اسے اتارا گیا۔ پھر نجماً نجماً جبرائیل علیہ السلام لاتے رہے۔ ام الکتاب سے لوح محفوظ میں اترنا اور وقت ہے اور لوح محفوظ سے آپؐ کے قلب اطہر پہ اتارنا اور وقت ہے۔ اور یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ بار بار سننا اور سنانا اس کو اترنے کے ساتھ تعبیر کیا گیا۔ اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اولاً غار حرا میں وحی رمضان شریف میں نازل ہوئی تو معنی مطابقی کے طور پر بھی ترجمۃ الباب سے مناسبت ہوگی (افادہ المدنی)

شیخ زکریا مرحوم فرماتے ہیں کہ یہاں القرآن کا لفظ اپنے ظاہری معنی کے اعتبار سے یہ چاہتا ہے کہ ہر رمضان میں پورے قرآن کا دور فرماتے تھے۔ اور یہی ایک جماعت کی رائے ہے کہ رمضان میں تو حضرت جبرائیل علیہ السلام کے ساتھ پورے قرآن کا دور فرماتے تھے اور رمضان شریف کے علاوہ بقیہ ایام میں آیات وسور علی حسب الضرورۃ اترتی رہتی تھیں۔ مگر محققین کی رائے یہ ہے کہ قرآن سے مراد ما نزل ہے۔ اس لئے کہ اگر پورے قرآن کا دور فرماتے تو قصہ افک میں اتنی پریشانی کیوں برداشت کرنی پڑتی کیونکہ واقعہ افک ۶ھ کے اندر ہے تو اگر چھ سال تک دَور کیا تھا تو ساری بات گویا پہلے ہی سے معلوم تھی پھر اتنی پریشانی کیوں ہوتی۔ ایسے ہی یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الرُّوْحِ میں سکوت نہ فرماتے۔ یہ دونوں باتیں اس کی دلیل ہیں کہ اسی کا دَور ہوتا تھا جس قدر کہ وحی کا نزول ہو چکا ہوتا تھا۔

فلرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اجود بالخیر من الریح المرسلۃ چونکہ ہوا بادل کو لاتی ہے۔ اور اس سے پانی برستا ہے۔ جو ان کثیر نعمتوں کے پیدا ہونے کا سبب ہے۔ اس لئے اس کثرتِ خیر کو ریح مرسلہ سے تشبیہ دے دی یعنی ہوا جو کہ اتنی خیرات کثیرہ کا سبب ہوتی ہے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اس سے بھی زیادہ خیر کے سخاوت کرنے والے تھے۔

حضرت شیخ مدنیؒ فرماتے ہیں کہ عدم تمام شرور کا مرکز ہے اور وجود تمام خیور کا۔ باری تعالےٰ کا تمام اشیاء کو وجود عطا کرنا۔ یہ ایک عظیم الشان نعمت ہے۔ پھر اس کے بعد صفات دے دینا اور وہ بھی

اپنی صفات یہ اس سے بھی عظیم الشان نعمت ہے چنانچہ شمس کو نور اور وجود دیا گیا اسے ارادہ وغیرہ سے نہیں نوازا گیا۔ البتہ انسان کو اپنی صفات کاملہ میں سے عطا کر کے فرمایا۔ خلق اللہ آدم علیٰ صورتہ۔ ان سب انعامات میں سے زیادہ عظیم الشان کلام اللہ ہے۔ جو کہ صفت قدیمہ ہے۔ اس کو مختلف طرق سے اتار کر ہم تک پہنچایا۔ اس کے برابر کوئی انعام نہیں ہو سکتا۔ خصوصاً امت محمدیہ کو اور خصوصاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو۔ اس انعام کی قدر و منزلت کو مختلف آیات میں بیان کیا گیا ہے۔ اور آپ کا جود جو قرآن مجید کے بارے میں ہوتا تھا وہ رمضان شریف میں ہوتا تھا۔ تو جس طرح باری تعالےٰ نے انسان پر جود کیا اسے اپنی صفت قدیمہ قرآن مجید اتار کر عطا فرمائی تو انسان کو بھی چاہیئے کہ وہ اس کی قدر و منزلت میں سخاوت سے کام لے۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سخاوت رمضان شریف میں زیادہ ہوتی تھی تخلقاً باخلاق اللہ۔

ریح مرسلہ سے مراد آندھی کی وہ ہوا ہے جو چاروں طرف جاتی ہے۔ اور سب جگہ پہنچتی ہے۔ اس کو کسی سے اباً نہیں ہوتا۔ تو آپ کی سخاوت بھی رمضان شریف میں ایسے ہوتی تھی۔ کسی سے بخل نہیں ہوتا تھا۔ اس روایت کو معنی مطابقی کے طور پر تو ترجمہ باب سے مناسبت ظاہر ہے۔ کہ وحی رمضان شریف میں آتی تھی اور باعتبار معنی التزامی کے وحی کی عظمت اور عصمت پر زیادہ روشنی پڑتی ہے۔ کہ باری تعالیٰ نے اس کی حفاظت کا یہ انتظام فرمایا کہ تیئس سال تک اس کی مدارستہ کرائی گئی۔ اور ہر رات اس کے پڑھنے کا حکم دیا گیا۔ بخلاف اور مراکز علم کے کہ ان میں یہ چیز نہیں پائی جاتی۔ لہذا اعتماد اسی وحی پر ہونا چاہیئے۔

حضرت شیخ زکریا مرحوم کا ارشاد ہے کہ فی رمضان میں لفظ رمضان سے ترجمہ ثابت ہے کہ اس سے کیفیت بدء وحی کی طرف اشارہ ہوا۔ کہ رمضان میں پورا لوح محفوظ سے سماء دنیا پر نازل ہوا۔ یہ بدء زمانی ہوا۔ بعض حضرات کی رائے ہے کہ ترجمہ یلقاہ سے ثابت ہوتا ہے۔ کیونکہ لقا اپنے عموم سے لقا بوقت ابتداء وحی کو بھی شامل ہے۔ اور ایک وجہ یہ بھی ہے کہ حدیث پاک میں تین مراتب جود کے بیان فرمائے گئے ہیں۔ تو مقصد یہ ہے کہ وہ صفات عالیہ یہ ہیں جن پر نزول وحی مرتب ہوئی۔

۶۔ **حَدَّثَنَا** اَبُوالْیَمَانِ الخ اَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عَبَّاسٍ اَخْبَرَهٗ اَنَّ اَبَاسُفْیٰنَ بْنَ حَرْبٍ اَخْبَرَهٗ اَنَّ هِرَقْلَ اَرْسَلَ اِلَیْهِ فِیْ رَكْبٍ مِّنْ قُرَیْشٍ وَّكَانُوْا تُجَّارًا بِالشَّامِ فِی الْمُدَّةِ الَّتِیْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَادَّ فِیْهَا اَبَاسُفْیَانَ وَكُفَّارَ قُرَیْشٍ فَاَتَوْهُ وَهُمْ بِاِیْلِیَاءَ فَدَعَاهُمْ فِیْ مَجْلِسِهٖ وَحَوْلَهٗ عُظَمَاءُ الرُّوْمِ

ثُمَّ دَعَاهُمْ وَدَعَا تَرْجُمَانَهٗ فَقَالَ اَيُّكُمْ اَقْرَبُ نَسَبًا بِهٰذَا الرَّجُلِ الَّذِىْ
يَزْعَمُ اَنَّهٗ نَبِيٌّ قَالَ اَبُوْسُفْيَانَ فَقُلْتُ اَنَا اَقْرَبُهُمْ نَسَبًا فَقَالَ اَدْنُوْهُ مِنِّىْ وَ
قَرِّبُوْا اَصْحَابَهٗ فَاجْعَلُوْهُمْ عِنْدَ ظَهْرِهٖ ثُمَّ قَالَ لِتَرْجُمَانِهٖ قُلْ لَّهُمْ اِنِّىْ
سَآئِلٌ هٰذَا عَنْ هٰذَا الرَّجُلِ فَاِنْ كَذَبَنِىْ فَكَذِّبُوْهُ فَوَاللهِ لَوْلَا الْحَيَآءُ مِنْ
اَنْ يَّاْثِرُوْا عَلَىَّ كَذِبًا لَّكَذَبْتُ عَنْهُ ثُمَّ كَانَ اَوَّلَ مَا سَاَلَنِىْ عَنْهُ قَالَ كَيْفَ نَسَبُهٗ فِيْكُمْ قُلْتُ
هُوَ فِيْنَا ذُوْنَسَبٍ قَالَ فَهَلْ قَالَ هٰذَا الْقَوْلَ مِنْكُمْ اَحَدٌ قَطُّ قَبْلَهٗ قُلْتُ لَا قَالَ
فَاَشْرَافُ النَّاسِ اتَّبَعُوْهُ اَمْ ضُعَفَآءُهُمْ قُلْتُ بَلْ ضُعَفَآءُهُمْ قَالَ اَيَزِيْدُوْنَ
اَمْ يَنْقُصُوْنَ قُلْتُ بَلْ يَزِيْدُوْنَ قَالَ فَهَلْ يَرْتَدُّ اَحَدٌ مِّنْهُمْ سُخْطَةً
لِدِيْنِهٖ بَعْدَ اَنْ يَّدْخُلَ فِيْهِ قُلْتُ لَا قَالَ فَهَلْ اَنْتُمْ تَتَّهِمُوْنَهٗ بِالْكِذْبِ قَبْلَ
اَنْ يَّقُوْلَ مَا قَالَ قُلْتُ لَا قَالَ فَهَلْ يَغْدِرُ قُلْتُ لَا وَنَحْنُ مِنْهُ فِىْ مُدَّةٍ لَّا نَدْرِىْ
مَا هُوَ فَاعِلٌ فِيْهَا قَالَ وَلَمْ تُمْكِنِّىْ كَلِمَةٌ اُدْخِلُ فِيْهَا شَيْئًا غَيْرُ هٰذِهِ الْكَلِمَةِ
قَالَ فَهَلْ قَاتَلْتُمُوْهُ قُلْتُ نَعَمْ قَالَ فَكَيْفَ كَانَ قِتَالُكُمْ اِيَّاهُ قُلْتُ الْحَرْبُ
بَيْنَنَا وَبَيْنَهٗ سِجَالٌ يَّنَالُ مِنَّا وَنَنَالُ مِنْهُ قَالَ مَاذَا يَاْمُرُكُمْ قُلْتُ يَقُوْلُ اعْبُدُوا
اللهَ وَحْدَهٗ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا وَاتْرُكُوْا مَا يَقُوْلُ اٰبَآؤُكُمْ وَيَاْمُرُنَا بِالصَّلٰوةِ
وَالصِّدْقِ وَالْعَفَافِ وَالصِّلَةِ فَقَالَ لِلتَّرْجُمَانِ قُلْ لَّهٗ سَاَلْتُكَ عَنْ نَسَبِهٖ فَذَكَرْتَ
اَنَّهٗ فِيْكُمْ ذُوْنَسَبٍ وَّكَذٰلِكَ الرُّسُلُ تُبْعَثُ فِىْ نَسَبِ قَوْمِهَا وَسَاَلْتُكَ هَلْ
قَالَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ هٰذَا الْقَوْلَ فَذَكَرْتَ اَنْ لَّا قُلْتُ لَوْ كَانَ اَحَدٌ قَالَ هٰذَا
الْقَوْلَ قَبْلَهٗ لَقُلْتُ رَجُلٌ يَّاْتَسِىْ بِقَوْلٍ قِيْلَ قَبْلَهٗ وَسَاَلْتُكَ هَلْ كَانَ مِنْ
اٰبَآئِهٖ مِنْ مَّلِكٍ قُلْتُ رَجُلٌ يَّطْلُبُ مُلْكَ اَبِيْهِ وَسَاَلْتُكَ هَلْ كُنْتُمْ
تَتَّهِمُوْنَهٗ بِالْكِذْبِ قَبْلَ اَنْ يَّقُوْلَ مَا قَالَ فَذَكَرْتَ اَنْ لَّا فَقَدْ اَعْرِفُ اَنَّهٗ لَمْ
يَكُنْ لِّيَذَرَ الْكِذْبَ عَلَى النَّاسِ وَيَكْذِبُ عَلَى اللهِ وَسَاَلْتُكَ اَشْرَافُ النَّاسِ
اتَّبَعُوْهُ اَمْ ضُعَفَآءُهُمْ فَذَكَرْتَ اَنَّ ضُعَفَآءَهُمْ اتَّبَعُوْهُ وَهُمْ اَتْبَاعُ الرُّسُلِ وَ
سَاَلْتُكَ اَيَزِيْدُوْنَ اَمْ يَنْقُصُوْنَ فَذَكَرْتَ اَنَّهُمْ يَزِيْدُوْنَ وَكَذٰلِكَ

أَمْرُ الْإِيْمَانِ حَتّٰى يَتِمَّ وَسَأَلْتُكَ أَيَرْتَدُّ أَحَدٌ سَخْطَةً لِدِيْنِهِ بَعْدَ أَنْ
يَدْخُلَ فِيْهِ فَذَكَرْتَ أَنْ لَّا وَكَذَالِكَ الْإِيْمَانُ حِيْنَ تُخَالِطُ بَشَاشَتُهُ
الْقُلُوْبَ وَسَأَلْتُكَ هَلْ يَغْدِرُ فَذَكَرْتَ أَنْ لَّا وَكَذَالِكَ الرُّسُلُ لَا تَغْدِرُ
وَسَأَلْتُكَ بِمَا يَأْمُرُكُمْ فَذَكَرْتَ أَنَّهُ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تَعْبُدُوا اللهَ وَلَا تُشْرِكُوْا
بِهِ شَيْئًا وَّيَنْهٰكُمْ عَنْ عِبَادَةِ الْأَوْثَانِ وَيَأْمُرُكُمْ بِالصَّلٰوةِ وَالصِّدْقِ وَ
الْعَفَافِ فَإِنْ كَانَ مَا تَقُوْلُ حَقًّا فَسَيَمْلِكُ مَوْضِعَ قَدَمَيَّ هَاتَيْنِ وَقَدْ كُنْتُ أَعْلَمُ
خَارِجٌ وَّلَمْ أَكُنْ أَظُنُّ أَنَّهُ مِنْكُمْ فَلَوْ أَنِّيْ أَعْلَمُ أَنِّيْ أَخْلُصُ إِلَيْهِ لَتَجَشَّمْتُ لِقَآءَهُ
وَلَوْ كُنْتُ عِنْدَهُ لَغَسَلْتُ عَنْ قَدَمَيْهِ ثُمَّ دَعَا بِكِتَابِ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ الَّذِيْ بَعَثَ بِهِ مَعَ دِحْيَةَ الْكَلْبِيِّ إِلٰى عَظِيْمِ بُصْرٰى فَدَفَعَهُ عَظِيْمُ
بُصْرٰى إِلٰى هِرَقْلَ فَقَرَأَهُ فَإِذَا فِيْهِ بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ مِنْ مُّحَمَّدٍ
عَبْدِ اللهِ وَرَسُوْلِهِ إِلٰى هِرَقْلَ عَظِيْمِ الرُّوْمِ سَلَامٌ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى أَمَّا بَعْدُ
فَإِنِّيْ أَدْعُوْكَ بِدِعَايَةِ الْإِسْلَامِ أَسْلِمْ تَسْلَمْ يُؤْتِكَ اللهُ أَجْرَكَ مَرَّتَيْنِ
فَإِنْ تَوَلَّيْتَ فَإِنَّ عَلَيْكَ إِثْمَ الْيَرِيْسِيِّيْنَ وَيَا أَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا إِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍ
بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَنْ لَّا نَعْبُدَ إِلَّا اللهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهِ شَيْئًا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا
أَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللهِ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِأَنَّا مُسْلِمُوْنَ ۝ قَالَ أَبُوْ
سُفْيَانَ فَلَمَّا قَالَ مَا قَالَ وَفَرَغَ مِنْ قِرَاءَةِ الْكِتٰبِ كَثُرَ عِنْدَهُ الصَّخَبُ فَارْتَفَعَتِ
الْأَصْوَاتُ وَأُخْرِجْنَا فَقُلْتُ لِأَصْحَابِيْ حِيْنَ أُخْرِجْنَا لَقَدْ أَمِرَ أَمْرُ ابْنِ أَبِيْ
كَبْشَةَ إِنَّهُ يَخَافُهُ مَلِكُ بَنِي الْأَصْفَرِ فَمَا زِلْتُ مُوْقِنًا أَنَّهُ سَيَظْهَرُ حَتّٰى أَدْخَلَ
اللهُ عَلَيَّ الْإِسْلَامَ وَكَانَ ابْنُ النَّاطُوْرِ صَاحِبُ إِيْلِيَاءَ وَهِرَقْلَ سُقُفًّا عَلٰى
نَصَارَى الشَّامِ يُحَدِّثُ أَنَّ هِرَقْلَ حِيْنَ قَدِمَ إِيْلِيَاءَ أَصْبَحَ يَوْمًا خَبِيْثَ النَّفْسِ
فَقَالَ بَعْضُ بَطَارِقَتِهِ قَدِ اسْتَنْكَرْنَا هَيْئَتَكَ قَالَ ابْنُ النَّاطُوْرِ وَكَانَ هِرَقْلُ
حَزَّآءً يَنْظُرُ فِي النُّجُوْمِ فَقَالَ لَهُمْ حِيْنَ سَأَلُوْهُ إِنِّيْ رَأَيْتُ اللَّيْلَةَ حِيْنَ نَظَرْتُ
فِي النُّجُوْمِ مَلِكَ الْخِتَانِ قَدْ ظَهَرَ فَمَنْ يَخْتَتِنُ مِنْ هٰذِهِ الْأُمَّةِ قَالُوْا لَيْسَ

يَخْتَتِنُ اِلَّا الْيَهُوْدُ فَلَا يُهِمَّنَّكَ شَاْنُهُمْ وَاكْتُبْ اِلٰى مَدَائِنِ مُلْكِكَ فَيَقْتُلُوْا مَنْ فِيْهِمْ مِنَ الْيَهُوْدِ فَبَيْنَمَا هُمْ عَلٰى اَمْرِهِمْ اُتِيَ هِرَقْلُ بِرَجُلٍ اَرْسَلَ بِهٖ مَلِكُ غَسَّانَ يُخْبِرُ عَنْ خَبَرِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا اسْتَخْبَرَهُ هِرَقْلُ قَالَ اذْهَبُوْا فَانْظُرُوْا اِلَيْهِ فَحَدَّثُوْهُ اَنَّهٗ مُخْتَتِنٌ وَ سَاَلَهٗ عَنِ الْعَرَبِ فَقَالَ هُمْ يَخْتَتِنُوْنَ فَقَالَ هِرَقْلُ هٰذَا مُلْكُ هٰذِهِ الْاُمَّةِ قَدْ ظَهَرَ ثُمَّ كَتَبَ هِرَقْلُ اِلٰى صَاحِبٍ لَّهٗ بِرُوْمِيَةَ وَكَانَ نَظِيْرَهٗ فِي الْعِلْمِ وَسَارَ هِرَقْلُ اِلٰى حِمْصَ فَلَمْ يَرِمْ حِمْصَ حَتّٰى اَتَاهُ كِتَابٌ مِّنْ صَاحِبِهٖ يُوَافِقُ رَاْيَ هِرَقْلَ عَلٰى خُرُوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَنَّهٗ نَبِيٌّ فَاَذِنَ هِرَقْلُ لِعُظَمَآءِ الرُّوْمِ فِيْ دَسْكَرَةٍ لَّهٗ بِحِمْصَ ثُمَّ اَمَرَ بِاَبْوَابِهَا فَغُلِّقَتْ ثُمَّ اطَّلَعَ فَقَالَ يَا مَعْشَرَ الرُّوْمِ هَلْ لَّكُمْ فِي الْفَلَاحِ وَالرُّشْدِ وَاَنْ يُّثْبُتَ مُلْكُكُمْ فَتُبَايِعُوْا هٰذَا النَّبِيَّ فَحَاصُوْا حَيْصَةَ حُمُرِ الْوَحْشِ اِلَى الْاَبْوَابِ فَوَجَدُوْهَا قَدْ غُلِّقَتْ فَلَمَّا رَاٰى هِرَقْلُ نَفْرَتَهُمْ وَاَيِسَ مِنَ الْاِيْمَانِ قَالَ رُدُّوْهُمْ عَلَيَّ وَ قَالَ اِنِّيْ قُلْتُ مَقَالَتِيْ اٰنِفًا اَخْتَبِرُ بِهَا شِدَّتَكُمْ عَلٰى دِيْنِكُمْ فَقَدْ رَاَيْتُ فَسَجَدُوْا لَهٗ وَرَضُوْا عَنْهُ فَكَانَ ذٰلِكَ اٰخِرَ شَاْنِ هِرَقْلَ قَالَ اَبُوْ عَبْدِ اللّٰهِ رَوَاهُ صَالِحُ بْنُ كَيْسَانَ وَيُوْنُسُ وَمَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ۔

ترجمہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے خبر دی کہ انہیں ابوسفیان بن حرب نے خبر دی کہ ہرقل نے اس کی طرف آدمی بھیجا جبکہ وہ قریش کے ایک قافلہ میں تھے۔ اور یہ عرب لوگ شام میں تجارت کرنے کے لئے گئے تھے۔ اس مدت میں جب کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوسفیان اور کفار قریش کے ساتھ صلح کر لی تھی۔ تو یہ عرب لوگ ہرقل بادشاہ روم کے پاس اس وقت پہنچے جب کہ ہرقل اور اس کا عملہ ایلیا یعنی بیت المقدس میں تھا۔ تو ہرقل نے ان کو اپنی مجلس میں بلوا بھیجا جب کہ اس کے اردگرد روم کے بڑے بڑے سردار بیٹھے ہوئے تھے۔ تو ہرقل ان عرب کو اور اپنے ایک ترجمان کو بلوا کر کہنے لگا کہ وہ آدمی جو نبی ہونے کا دعوٰی کرتا ہے۔ تو تم میں سے کون نسب کے اعتبار سے اس کے زیادہ قریب ہے۔ تو ابوسفیان کہتے ہیں کہ میں نے کہا کہ میں نسب کے اعتبار سے ان کے زیادہ قریب ہوں تو ہرقل نے کہا اس کو میرے

قریب کرو۔ اور اس کے ساتھیوں کو اس کے پاس بٹھاؤ۔ اس طرح کہ وہ لوگ ابوسفیان کی پیٹھ کی طرف بیٹھیں چنانچہ اس نے اپنے ترجمان سے کہا کہ ان سے کہو کہ میں تم سے اس نبیؐ کے متعلق کچھ باتیں پوچھتا ہوں۔ اگر تمہارا یہ نمائندہ مجھے جھوٹ بتلائے تو تم لوگ اس کو جھٹلا دینا۔ حضرت ابوسفیانؓ فرماتے ہیں کہ اللہ کی قسم اگر مجھے اس بات سے شرم نہ ہوتی کہ یہ لوگ مکہ میں جا کر مجھے جھوٹا مشہور کریں گے۔ تو میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق کچھ نہ کچھ جھوٹ ضرور نقل کرتا۔ بہر حال پہلے پہل جو اس نے مجھ سے آپؐ کے متعلق دریافت کیا۔ تو کہا کہ آپؐ نسب کے اعتبار سے تمہارے اندر کیا حیثیت رکھتے ہیں۔ میں نے کہا کہ وہ ہمارے اندر بڑی نسبی حیثیت رکھتے ہیں۔ پھر پوچھا کہ کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے بھی کسی آدمی نے تم میں سے اس قسم کا دعوٰی نبوت کیا ہے۔ میں نے بتلایا کہ نہیں۔ پھر اس نے پوچھا کہ کیا آپؐ کے آباؤ اجداد میں سے کوئی بادشاہ گزرا ہے میں نے کہا نہیں۔ پھر پوچھا کہ کیا چوہدری لوگ اس کی پیروی کرتے ہیں یا کمزور لوگ۔ میں نے کہا کمزور لوگ اس کے پیرو کار ہیں۔ اس نے پوچھا کہ کیا ان کی نفری بڑھ رہی ہے یا کم ہو رہی ہے۔ میں نے کہا کہ بڑھ رہی ہے۔ پھر پوچھا کہ کیا کوئی شخص داخل ہونے کے بعد اس کے دین سے ناراض ہو کر پھر جاتا ہے یعنی مرتد ہو جاتا ہے۔ میں نے کہا نہیں پھر اس نے پوچھا کہ اس دعوت نبوت سے پہلے کبھی تم نے اس پر جھوٹ کی تہمت لگائی ہے۔ میں نے کہا نہیں۔ اس نے کہا کہ کیا وہ بدعہدی کرتا ہے میں نے کہا نہیں حالانکہ ہم صلح کی اس مدت میں تھے جس کے متعلق ہم نہیں جانتے کہ آپؐ اس میں ہمارے ساتھ کیا سلوک کرنے والے ہیں۔ یہی ایک موقع تھا کہ جس میں اپنی طرف سے کچھ گڑبڑ کر سکتا تھا مگر مجھے کسی کلمے کے داخل کرنے کی گنجائش نہ رہی۔ پھر اس نے پوچھا کیا تمہاری ان سے لڑائی بھی ہوتی ہے۔ میں بولا۔ ہاں۔ اس نے کہا تو پھر تمہاری لڑائی کیسی رہتی ہے۔ تو میں نے کہا کہ ہمارے اور ان کے درمیان لڑائی ڈول کی طرح رہتی ہے۔ کبھی وہ ہم پہ غالب آجاتے ہیں (جیسے بدر میں) اور کبھی ہم ان پر غالب آجاتے ہیں۔ (جیسے کہ اُحد میں) بعد ازاں اس نے پوچھا کہ وہ آپ لوگوں کو کس کس چیز کا حکم دیتے ہیں۔ میں نے کہا کہ وہ فرماتے ہیں کہ ایک اکیلے خدا کی عبادت کرو اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھہراؤ۔ اور وہ بت پرستی جو تمہارے باپ دادا کا وطیرہ رہا ہے اس کو چھوڑ دو۔ وہ ہمیں نماز پڑھنے۔ سچ بولنے۔ پاکدامن رہنے اور صلہ رحمی کا حکم دیتے ہیں۔ تو ہرقل نے اپنے ترجمان سے کہا کہ ان سے کہو کہ میں آپؐ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نسب پوچھا تو تم نے بتایا کہ آپ ہماری قوم میں اونچے نسب

والے ہیں۔ انبیاً اور رسل علیہم السلام بھی اسی طرح اپنی قوم میں اونچے نسب والے ہوتے ہیں۔ پھر میں نے پوچھا کہ ایسا دعوٰی نبوت کسی اور نے بھی آپؐ سے پہلے کیا تھا تم نے بتلایا نہیں اب میرا کہنا یہ ہے کہ اگر آپؐ سے پہلے کسی نے ایسا دعوٰی کیا ہوتا۔ تو میں کہہ سکتا تھا کہ یہ کوئی ایسا آدمی ہے جو اپنے سے پہلے کہی ہوئی بات کی تقلید کر رہا ہے۔ پھر میں نے آپ سے پوچھا کہ کیا ان کے آباؤ اجداد میں سے کوئی بادشاہ گذرا ہے۔ تم نے جواب دیا کہ نہیں۔ پس میں کہتا ہوں کہ اگر آپؐ کے آباؤ اجداد میں کوئی بادشاہ ہوتا تو میں کہنے میں حق بجانب تھا کہ یہ آدمی اپنے باپ کی بادشاہی کا طلب گار ہے۔ پھر آپ سے پوچھا کہ کیا اس سے قبل آپ لوگوں نے کبھی ان پر جھوٹ کی تہمت لگائی ہے۔ تم نے بتلایا کہ نہیں۔ تو اس سے میں پہچان گیا کہ جو لوگوں پر جھوٹ گوارا نہیں کرتا وہ اللہ تعالےٰ پر جھوٹ کیسے بول یا باندھ سکتا ہے۔ پھر میں نے پوچھا کہ اس کے پیرو کار چوہدری قسم کے لوگ ہیں یا کمزور نچلے درجے کے لوگ۔ تم نے بتایا کہ نچلے درجے کے لوگ ان کی پیروی کرتے ہیں۔ انبیاً اور رسل کے پیرو کار ایسے لوگ ہوا کرتے ہیں۔ پھر میں نے تم سے پوچھا۔ کہ وہ لوگ بڑھ رہے ہیں یا گھٹ رہے ہیں تم نے بتلایا کہ ان کی نفری بڑھ رہی ہے۔ تو ایمان کا معاملہ بھی اسی طرح تمام ہوتا ہے۔ پھر میں نے پوچھا کہ کیا دین میں داخل ہونے کے بعد کوئی شخص اس سے ناراض ہو کر مرتد ہو جاتا ہے۔ تو تم نے بتایا کہ ایسا نہیں ہے۔ تو ایمان کی بھی یہی کیفیت کہ جب اس کی بشاشت اور وضاحت دلوں میں پیوست ہوتی ہے تو پھر وہ بڑی مشکل سے نکلتی ہے۔ میں نے تم سے پوچھا کہ کیا وہ بدعہدی کرتا ہے تم نے بتلایا کہ نہیں تو انبیاً کرام اور رسل عظام کا یہی حال ہوتا ہے کہ وہ بدعہدی نہیں کرتے۔ پھر میں نے ان کے مامورات پوچھے ہیں تم نے بتایا کہ وہ توحید کا درس دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ صرف اللہ تعالیٰ وحدہٗ کی عبادت کرو اس کا کسی چیز کو ساجھی نہ بناؤ۔ اور وہ تمہیں بتوں کی پوجا پاٹ سے منع کرتا ہے۔ نماز۔ سچائی۔ پاکدامنی کا حکم دیتا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ جو کچھ تم نے بتلایا ہے اگر یہ سچ ہے تو عنقریب اس نبی کی حکومت میرے دونوں قدموں تک پہنچ کر رہے گی۔ اور مجھے علم تھا کہ عنقریب ان کا ظہور ہونے والا ہے۔ لیکن مجھے یہ گمان نہیں تھا۔ کہ وہ تم میں سے ہوگا۔ بہر حال اب اگر مجھے علم ہو جائے کہ میں کسی طرح ان تک پہنچ سکتا ہوں۔ تو میں ان تک پہنچنے کی زحمت گوارا کر کے ان سے ضرور ملاقات کروں گا۔ اور میں ان کے پاس ہوتا تو میں ضرور ان کے قدم دھوتا پھر ہرقل بادشاہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ خط منگوایا جس کو حضرت دحیہ کلبیؓ بصرای کے حاکم پاس لے کر آئے تھے تاکہ وہ عظیم بصری

ہرقل بادشاہ روم تک پہنچائے۔ جب ہرقل نے وہ خط کھول کر پڑھا تو اس میں لکھا ہوا تھا بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم (شروع اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان بڑا رحم والا ہے) اللہ کے بندے اور اس کے رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے روم کے بادشاہ ہرقل کے نام۔ ہر اس شخص پر سلامتی ہو جو ہدایت کی پیروی کرے۔ اس کے بعد میں آپ کو اسلام کی دعوت دیتا ہوں اسلام لے آؤ گے تو بچ جاؤ گے اور اللہ تعالےٰ آپ کو دوہرا ثواب عطا فرمائیں گے۔ اگر آپ پھر گئے تو پھر تمام کسانوں۔ مزارعین اور خدام کا گناہ تمہارے ذمہ ہوگا۔ اے کتاب والو! اس کلام (فارمولا) کی طرف آؤ جو تمہارے اور ہمارے درمیان برابر ہے یہ کہ ہم اللہ تعالےٰ کے سوا کسی کی عبادت نہیں کریں گے اور اس کے ساتھ کسی چیز کو ساجھی نہیں ٹھہرائیں گے اور اللہ تعالےٰ کو چھوڑ کر آپس میں ایک دوسرے کو رب نہیں بنائیں گے۔ پس اگر تم اس متفقہ فارمولا سے پھر جاؤ تو پھر گواہ رہو کہ ہم تو مسلمان ہیں ہی۔ ابوسفیان کہتے ہیں کہ جب اپنی بات کہہ چکا اور خط پڑھنے سے فارغ ہوگیا۔ تو اس کے پاس اس قدر شور و شغب شروع ہوگیا کہ آوازیں بلند ہونے لگیں اور ہمیں نکال دیا گیا۔ باہر نکل کر میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ ابوکبشہ کے بیٹے (حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کا معاملہ تو عظیم الشان ہوگیا کہ بنو الاصفر یعنی رومیوں کا بادشاہ بھی اس سے ڈرتا ہے۔ جس سے مجھے یقین ہوگیا کہ عنقریب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم غالب آکر رہیں گے اسی وجہ سے اللہ تعالےٰ نے مجھے اسلام لانے کی توفیق عطا فرمائی۔ اور ابن ناطور جو ایلیا (بیت المقدس) کا حاکم اور ہرقل کا ساتھی تھا اور شام کے نصرانیوں کا لارڈ پادری تھا وہ بیان کرتا ہے کہ ہرقل جب ایلیا (بیت المقدس) میں حاضر ہوا۔ تو ایک دن صبح کو اٹھا تو بہت اداس تھا اس کے بعض خواص نے اس سے پوچھا کہ آج آپ کی طبیعت ناساز معلوم ہوتی ہے۔ ابن ناطور کا کہنا ہے کہ ہرقل نجوم کے علم میں بھی مہارت رکھتا تھا۔ تو ان خواص کے پوچھنے پر اس نے بتایا کہ آج رات جب میں نے ستاروں میں غور و فکر کیا۔ تو معلوم ہوا کہ ختنہ کرنے والوں کا بادشاہ غالب آگیا ہے۔ تو بتاؤ کہ اس زمانے میں کون لوگ ختنہ کراتے ہیں۔ کہ یہود کے سوا اور کوئی ختنہ نہیں کراتا۔ آپ ان کی فکر نہ کریں۔ اپنی مملکت کے شہروں کے حاکموں کو لکھیں کہ وہ اپنے اپنے شہروں میں یہودیوں کو چُن چُن کر قتل کر دیں۔ وہ لوگ اس یہودیوں کے قتل کی فکر میں تھے کہ ہرقل کے پاس بادشاہ غسان کی طرف سے ایک آدمی آیا۔ جس نے آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات کی خبر سنائی۔ جب ہرقل نے اس آنے والے سے آپؐ کے متعلق خوب پوچھ گچھ کر لی تو حکم دیا کہ جاؤ اس خبر لانے والے کو دیکھو کہ یہ مختون

ہے یا نہیں دیکھنے والوں نے آکر بیان کیا کہ وہ واقعی مختون ہے۔ پھر اس نے عرب کے متعلق پوچھا تو اس نے بتلایا کہ وہ بھی ختنہ کراتے ہیں۔ جس پر ہرقل نے کہا۔ کہ بس انہی لوگوں کا بادشاہ غالب آکر رہے گا۔ پھر ہرقل نے رومیہ شہر میں اپنے ایک ساتھی کو اس بارے میں لکھا جو علم نجوم میں اس جیسا تھا اور خود وہ حمص چلا گیا۔ اور اس وقت تک حمص میں مقیم رہا یہاں تک کہ اس کے ساتھی کا اسے خط ملا۔ جس میں اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خروج اور آپؐ کے نبی کے بارے میں ہرقل کی رائے کی موافقت کی تھی۔ بنا بریں ہرقل نے حمص کے اندر اپنے خاص محل میں سرداران روم کو طلب کیا اور اس محل کے سب دروازے بند کرنے کا حکم دیا پھر ان کے سامنے ظاہر ہو کر کہا کہ اے روم کے لوگو! اگر تم دین و دنیا کی کامیابی اور ہدایت چاہتے ہو اور یہ بھی کہ تمہارا ملک و حکومت برقرار رہے تو اس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت کر لو یا اس کی پیروی کرو۔ تو وہ لوگ وحشی گدھوں کی طرح محل کے دروازوں کی طرف بھاگے۔ جن کو انہوں نے بند پایا۔ جب ہرقل نے ان کی اس نفرت کا مظاہرہ دیکھا اور ان کے ایمان لانے سے مایوس ہو گیا۔ تو حکم دیا کہ ان کو میرے پاس واپس لاؤ۔ جب واپس آئے تو کہنے لگا کہ یہ بات جو ابھی ابھی میں نے تم سے کہی تھی اس سے میرا مقصد تمہاری دین پر پختگی کا امتحان کرنا تھا سو میں نے دیکھ لیا کہ تم پختہ ہو۔ تو یہ سن کر وہ سب سجدہ میں گر گئے اور اس ہرقل سے اپنی رضامندی کا اظہار کیا تو یہ ہرقل کا آخری انجام تھا کہ وہ ایمان سے محروم رہا۔

تشریح از شیخ مدنیؒ۔ غزوہ حدیبیہ ۶ھ میں وقوع پذیر ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پندرہ سو صحابہ کرام کے ساتھ عمرہ کا احرام باندھ کر تشریف لے گئے تھے۔ اس سے پہلے غزوہ خندق۔ اُحد اور بدر واقع ہو چکے تھے۔ خندق میں قریش کی پوری قوت صرف ہو چکی تھی۔ دس ہزار نوجوان جمع کر کے مدینہ پر چڑھائی کا پروگرام تھا کہ اب کسی مسلمان کو نہ چھوڑیں گے۔ اور مدینہ کی سرزمین پر ہمارا قبضہ ہو گا۔ اور اسی بنا پر بعض لوگوں کو مدینہ کی کھجوریں دینے کا وعدہ بھی کر لیا تھا۔ بہرحال طمع دے کر اتنی بڑی جمعیت ساتھ لے کر جب مدینہ کے قریب پہنچے دیکھا کہ سہل راستہ کے آگے خندق ہے۔ گھوڑوں کو دوڑا کر اور خود بھی دوڑ کر خندق عبور نہیں کر سکتے ادھر دوسری جانب پہاڑیوں کی گھاٹیوں پر مورچے قائم ہیں۔ پہلے سے ان کو طریقہ معلوم نہ تھا۔ یہ طریقہ تو صرف حضرت سلمان فارسیؓ نے آپؐ سے ذکر کیا تھا جس پر عمل کیا گیا۔ قریباً اٹھائیس یا تیس دن تک پڑے رہے حملہ کرتے تھے ادھر سے حضرت سلمان فارسیؓ پتھر گراتے تھے۔ غرضیکہ بہت تنگ آگئے تھے ادھر

خدا کی قدرت ایک سخت آندھی چلی جس نے تمام خیموں کو اڑا دیا۔ دیگوں کو ریت سے بھر دیا۔ اونٹوں کو گرا دیا۔ گھوڑے اُڑ گئے۔ لیکن اس آندھی سے مسلمانوں کا کچھ نہیں ہوا کیونکہ وہ جبل سلع کے دامن میں رہے۔ ہوا مشرق سے چلی تھی یہ مسلمان لوگ مغربی جانب میں تھے۔ جب قریش کا بہت سا نقصان ہوا تو کہنے لگے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ہوا کے ذریعے جادو کیا ہے۔ مجبور ہو کر واپس چلے گئے۔ یہی پروا ہوا قوم عاد پر بھی آئی تھی جس نے ان کو برباد کر کے رکھ دیا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بار بار اللہ تعالیٰ کی حمد اور شکر کرتے تھے۔ کہ خود اللہ تعالیٰ نے میری مدد فرمائی۔ الحاصل کفار قریش کا مالی نقصان بہت ہو چکا تھا۔ ہتھیاروں کا نقصان بھی بہت ہوا۔ چنانچہ بعد ازاں ان کو مسلمانوں پر چڑھائی کی ہمت نہ ہوئی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرما دیا تھا۔ کہ اب انشاء اللہ ہماری ان پر چڑھائی ہوگی۔ اس واقعہ کے ایک سال بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عمرہ کی ادائیگی کے لئے مکہ معظمہ جانا چاہتے ہیں۔ لیکن قریش نے روک لیا۔ بالآخر دس برس کے لئے صلح ہوگئی۔ کہ اب لڑائی نہیں کریں گے۔ جب آپؐ کو قریش سے اطمینان ہو گیا۔ تو یہودِ خیبر پر حملہ کر دیا۔ اور اسے فتح کیا۔ اس وقت آپؐ نے سلاطین ممالک کی طرف خطوط بھیجے ہیں۔ چنانچہ ایک خط ہرقل کو بھی بھیجا جو رومیوں کی بڑی حکومت کا مالک تھا۔ مصر ان دنوں اس کے ماتحت تھا۔ مصر سے لے کر حدودِ فارس تک رومی ہی حاکم تھے۔ جب ہرقل کو آپؐ کا خط ملا ہے تو وہ ایلیا یعنی بیت المقدس میں شکریہ کے طور پر عبادت کے لئے آیا ہوا تھا۔ کیونکہ رومیوں اور فارسیوں میں لڑائی ہوئی تھی۔ پہلی مرتبہ تو فارسیوں کو فتح اور رومیوں کو شکست ہوئی تھی۔ لیکن دوسری مرتبہ رومیوں کو فتح نصیب ہوئی۔ ہرقل نے نذر مانی تھی کہ اگر ہمیں فتح ہوئی تو میں پاپیادہ بیت المقدس کی زیارت کے لئے جاؤں گا۔ ایسی حالت میں آپؐ کا قاصد حضرت دحیہ کلبی اس کے پاس پہنچا تھا۔ پہلے تو وہ خط بصریٰ کے گورنر کو ملا بعد میں اس نے ہرقل بادشاہِ روم کو پہنچایا۔ ہرقل نے خط پڑھنے سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حالاتِ زندگی پر اطلاع حاصل کرنا چاہی چونکہ وہ لوگ عربی پڑھے ہوئے نہیں تھے۔ اس لئے اس کا ترجمہ کرایا گیا۔ اور آپؐ کے حالات معلوم کرنے کے لئے عرب کے لوگ تلاش کئے گئے۔ چنانچہ ایک تجارتی قافلہ جو دمشق آیا ہوا تھا اسے بیت المقدس بلوایا گیا۔ ان کا سردار قافلہ ابوسفیان تھا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قومی اور مذہبی ہر طرح سے مخالف تھا۔ لیکن نسبی حیثیت سے آپؐ سے زیادہ قریب تھا۔ مگر تھا ضدی دشمن عیر (قافلہ) بھی یہی نکال کر لے گیا تھا۔ غزوۂ خندق میں بھی یہی سردار قریش تھا۔ بہر حال اس کو بلایا گیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات پوچھے گئے جس پر

ابوسفیان نے کہا۔ فی رکب ابوسفیان سے حال ہے۔ ماۃ فیہا ای اعطی المدۃ صلحاً یعنی جس مدت میں صلح حدیبیہ ہوئی تھی اس مدت کے اندر یہ واقعہ رونما ہوا کہ ایک جماعت ہرقل کے پاس آئی۔ ھم کا مرجع بھی یہی جماعت ہے۔ ایلیا بیت المقدس۔ وحولہ عظمائھم یعنی کچہری میں بلوایا۔ عند ظہرہ مقصود یہ ہے کہ ابوسفیان کوئی غلطی نہ کرے اور ہرقل کا شک دور ہو جائے۔ کیونکہ یہ کوئی غلط بات کہے گا۔ تو دوسرے اس کی تکذیب کر دیں گے۔ ؎

جب آنکھیں چار ہوتی ہیں تو محبت آ ہی جاتی ہے۔

ابوسفیان کو خیال پیدا ہوا کہ یہ لوگ غیر کے سامنے بھی میری تکذیب کریں گے اور مکہ میں جا کر بھی اس کا اظہار کریں گے۔ تو ان دو چیزوں نے مجھے جھوٹ بولنے سے روکا۔ تو سب سے پہلے ہرقل نے نسب کے متعلق سوال کیا ہے۔ تو انہوں نے کہا۔ وہو فینا ذو نسب ای ذو نسب عظیم۔ اس کی تصریح طرق بخاری میں موجود ہے۔ کہ اعلیٰ نسب والے بنو ہاشم ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ عرب تین قسم ہیں۔

۱۔ عرب بادیہ جو کہ ہلاک ہو گئے۔ جو سام بن نوح کی اولاد میں سے تھے۔ جیسے عاد، ثمود۔

۲۔ عرب مستعربہ جیسے معدین، عدنان یہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں۔

۳۔ عرب متعربہ وعرب بن قحطان کی اولاد کو کہا جاتا ہے۔

درحقیقت یہ لوگ عرب کے باشندے نہیں۔ بلکہ بابل کے رہنے والے تھے۔ بابل سے ہجرت کر کے فلسطین گئے۔ چونکہ بابل نمرود کا ملک تھا۔ لہٰذا شام کی طرف ہجرت کی۔ جہاں حضرت اسماعیل علیہ السلام پیدا ہوں گے۔ عورت و مرد میں جھگڑا کی وجہ سے حضرت بی بی ہاجرہ اور اسماعیل علیہ السلام کو مکہ معظمہ میں آکر آباد ہونا پڑا۔ قبیلہ جرہم بھی یہیں آباد ہو گیا۔ کیونکہ یہ پانی کی تلاش میں نکلے تھے۔ حضرت ہاجرہ کے پاس زمزم کے چشمے پر رہنے کی اجازت طلب کی تھی۔ چونکہ حضرت اسماعیل علیہ السلام نے قبیلہ جرہم میں پرورش پائی تھی۔ اس لئے ان سے عربی سیکھی شادی بیاہ ہوا۔ پھر ان کی اولاد پھیلی تو انہوں نے جرہم کو وہاں سے نکال دیا۔ یہ خود عرب مستعربہ وہاں بسنے لگے۔ اور ان میں بنو ہاشم زیادہ ذی شرف تھے۔ لیکن ان میں آج تک کوئی نبی نہیں آیا تھا۔

ھرقل (از شیخ زکریاؒ) بکسر الہاء وفتح الراء وسکون القاف وبکسر الہاء وسکون الراء وکسر القاف دونوں طرح سے ضبط کیا گیا ہے۔ یہ روم کے بادشاہ کا نام ہے۔ اور وہاں کے بادشاہوں کا لقب

قیصر ہوا کرتا ہے۔ جیسے فارس کے بادشاہ کا لقب کسریٰ ہوتا ہے، لہٰذا ان روایتوں کے درمیان کوئی تعارض نہیں ہوگا۔ جن میں بعض کے اندر قیصر کا لفظ ہے اور بعض میں ہرقل کا ہے۔ یہ حدیث اسی مناسبت سے حدیث ہرقل کہلاتی ہے۔ اس کو امام بخاری نے تیرہ جگہ ذکر فرمایا ہے۔ تین جگہ مفصل اور دس جگہ اختصار کے ساتھ کچھ کچھ ٹکڑے۔ تفصیل کے ساتھ تو ایک جگہ یہاں جو ہمارے سامنے موجود ہے، دوسرے ص۴۱۲ پر اور تیسرے ص۶۵۳ پر آئے گی۔

فاتوہ یعنی ابوسفیان اور اس کے ساتھی قیصر کے پاس آئے یا قیصر کے فرستادے ابوسفیان کے پاس آئے۔

وھم بایلیاء اس ھم کے اندر بھی دونوں احتمال ہیں۔

وحولہ عظماء الروم ای من عمائد السلطنۃ وارکین الدولۃ ومن الاساقفۃ والراھبۃ

دعا بترجمانہ ترجمان اس لئے بلایا کہ ابوسفیان وغیرہ کی زبان عربی تھی۔ اور قیصر کی زبان یونانی افرنجی تھی۔

ایکم اقرب نسبا اقرب نسب کو اس لئے پوچھا کہ قریب کا آدمی جس قدر حالات سے مطلع ہوگا، دوسرا اس قدر نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ قریبی آدمی کا ہر وقت رہنا سہنا معاملہ وغیرہ ہوتا ہے

فقال ابوسفیان قلت انا اقربھم نسبا یہ اس لئے کہا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوسفیان کے دادا پانچویں پشت میں ایک ہوجاتے ہیں۔ گویا پانچویں پشت میں ابوسفیان حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا چچا زاد بھائی ہوجاتا ہے۔ ابوسفیان بن حرب بن امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف۔ اور حضور اقدسؐ کا نسب یہ ہے کہ محمد بن عبد اللہ بن عبد المطلب بن ہاشم بن عبد مناف پھر عبد مناف کے چار بیٹے ہوئے ہاشم مطلب عبد شمس اور نوفل۔ عبد شمس سے ابوسفیان تھا۔ اور بنو ہاشم کی اولاد سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔

فاجعلوھم عند ظھرہ ابوسفیان کی پشت پر اس لئے کر دیا۔ کہ ممکن ہے ابوسفیان کوئی سچ بات کہنا چاہے تو یہ لوگ سامنے ہونے کی وجہ سے اشارہ وغیرہ سے منع کر دیں۔ اور بعض نے اس کی وجہ یہ بتائی ہے۔ کہ اگر سامنے ہوتے اور وہ کوئی بات معلوم کرنا چاہتا تو ممکن ہے سامنے ہونے کی وجہ سے حجاب

اظہار حق سے مانع ہوجاتا۔

فواللہ لولا الحیاء من ان یأثروا یعنی اگر مجھے یہ خوف نہ ہوتا کہ اگر میں نے جھوٹ بول دیا تو وہ پردۂ راز میں نہیں رہے گا۔ بلکہ افشا ہوکر رہے گا۔ اور مجھے اس کا بھی خوف نہ ہوتا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا تو کچھ نہیں بگڑے گا میں ہی رسوا ہوجاؤں گا۔ اور نہ معلوم میرے جھوٹ پر کتنے قصائد لکھے جائیں گے۔ تو میں جھوٹ بول دیتا۔

ثم کان اول ما سألنی قیصر نے دس چیزوں کے متعلق سوال کیا۔

ذو نسب وہ تو بڑے شریف نسب والے ہیں۔

ھذا القول منکم احد قبلہ قط یہ دوسرا سوال ہے۔ یہاں یہ اشکال ہے کہ لفظ قط کلام منفی کے اندر تاکید کے لئے ہوتا ہے۔ اور یہاں کلام مثبت ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ قاعدہ اکثریہ ہے۔

قال فاشراف الناس اتبعوہ ام ضعفاءھم یہ چوتھا سوال ہے۔ اس سے شرافت نسبی مراد نہیں بلکہ شرافت فی اعین الناس مراد ہے۔ ورنہ تو حضرت عمرؓ۔ حضرت ابوبکرؓ۔ حضرت عثمانؓ وغیرہم سارے کے سارے قریش تھے۔ قلت بل ضعفاء ھم اس پر یہ اشکال ہے کہ اس وقت حضرت عمرؓ اور حضرت امیر حمزہؓ جیسے حضرات اکابر موجود تھے ان کو ضعفا میں کیسے شمار کیا۔ جواب یہ ہے کہ غالب کے اعتبار سے کہہ دیا۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ ضعفاوھم کا مقابل ان کے نزدیک وہ لوگ ہیں جن کی ناک بہت اونچی ہوتی ہے۔ اور اپنے آپ کو خود بھی اونچا سمجھتے ہیں اور یہ حضرات ان میں سے نہیں تھے۔

ایزیدون ام ینقصون یہ پانچواں سوال ہے۔

قال فھل یرتد احد منھم سخطۃ لدینہ الخ یہ چھٹا سوال ہے۔ کہ آیا کوئی ان کے دین سے بیزار ہوکر مرتد ہوجاتا ہے۔ اور پھر اپنا آبائی دین اختیار کرلیتا ہے۔ کیونکہ دین چھوڑنے کے مختلف اسباب ہوتے ہیں۔ مثلاً کوئی مال کی لالچ میں کوئی کسی عورت کے عشق میں یا دین میں کسی خامی کی وجہ سے۔ اگر دین میں کوئی خامی پاکر مرتد ہوا تو یہ اس دین کے نقصان کی دلیل ہوگی۔ ابوسفیان نے جواب دیا کہ ایسا نہیں ہوتا۔

سخطۃ بمعنی ساخط کے ہے ۔ غضب ناک اور مفعول مطلق بھی ہو سکتا ہے ۔ جبکہ فعل محذوف ہو ۔ یا ہم معنی ہونے کی وجہ سے اسی فعل کو عامل قرار دیا جائے ۔

ارتداد کے وجوہ میں سے ایک وجہ خطرہ جان بھی ہے ۔ مالی طمع یا قبائح بھی دین چھوڑنے کا باعث بنتے ہیں ان سب کی نفی کرنا مقصود تھا ۔

فهل تتهمونه بالكذب یہ ساتواں سوال ہے ۔ ایک تو ہوتا ہے کسی کا کاذب ہونا مثلاً کوئی جھوٹ بولنے کے اندر مشہور ہو جیسے جرمنی کا گوبلز ۔ دوسرے یہ کہ جھوٹ بولنا تو ثابت نہ ہو مگر اس کو کسی وجہ سے متہم بالکذب کرتے ہوں ۔ یہ مرتبہ پہلے مرتبہ سے ادون ہے ۔ تو جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم متہم بالکذب نہ تھے ۔ تو کاذب تو بدرجہ اولیٰ نہ ہوں گے ۔ ابوسفیان نے کہا ہم ان کو متہم بالکذب بھی نہیں سمجھتے ۔ یعنی واقعی اور غیر واقعی کسی طریقہ سے بھی آپ کی طرف کذب کی نسبت نہیں کی جاتی ۔ اگرچہ بعد نزول وحی غیر واقعی طور پر آپ کی طرف کذب کی نسبت کی گئی مگر قبل از وحی تو واقعی اور غیر واقعی دونوں طرح سے کذب کی نفی ہے ۔

قال فهل يغدر یہ آٹھواں سوال ہے ۔ مطلب یہ ہے کہ جو عہد معاہدہ ان کے اور تمہارے درمیان ہوتا ہے تو کیا حضورؐ (نعوذ باللہ) بدعہدی کرتے ہیں ۔ ابوسفیان نے اس کی بھی نفی کر دی ۔ کیونکہ کسی آدمی کی عادت کو دیکھنے سے انسان بآسانی نتیجہ نکال سکتا ہے ۔ کہ فلاں آدمی غدر نہیں کرے گا ۔ اگرچہ یہاں ان کو کہنے کا موقع تھا ۔ کہ اب تک تو ہم سے غدر نہیں کیا لیکن ممکن ہے کہ مستقبل میں ایسا کر دیں ۔ اگرچہ یہ غیر واقعی تھا ۔ مگر اس کو بھی اس نے کہہ دیا کہ نہیں ۔ یہی کلمہ غیر ھذہ الکلمۃ سے مراد ہے اس لئے کہ عادات اور اخلاق سے مستقبل میں غدر کا امکان نہیں تھا ۔ جس پر ابوسفیان نے اعتماد کا اظہار کیا ۔

قال فهل قاتلتموه یہ نواں سوال ہے ۔

الحرب بيننا وبينهم سجال شراح کی رائے یہ ہے ۔ کہ عرب کے اندر بڑے بڑے ڈول ہوتے ہیں ۔ ایک ہی آدمی اس کو برابر نہیں کھینچ سکتا اس لئے نوبت بنوبت کھینچتے ہیں ۔ ایک نے ایک مرتبہ کھینچا دوسرے نے دوسری مرتبہ اسی طرح باری باری ہوتا ہے ۔ عرب میں پہلے یہ دستور تھا کہ کنوئیں کے اوپر ایک چرخہ ہوتا تھا جس میں ایک رسی بندھی ہوتی تھی اور دونوں جانب بڑے بڑے ڈول لگے ہوتے تھے ۔ جب ایک طرف سے خالی ڈول کو کنوئیں میں جھکا دیا جاتا تو دوسری طرف سے خود بخود بھرا ہوا اوپر آجاتا ۔

اس میں آسانی ہوتی تھی۔ کیونکہ اوپر کو کھینچنا مشکل ہو جاتا ہے بنسبت نیچے لٹکانے کے۔ تو مطلب یہ ہوا کہ کبھی وہ اوپر کبھی ہم اوپر کبھی ان کو غلبہ ہوتا ہے اور کبھی ہمیں غلبہ ہوتا ہے۔ جیسا کہ غزوہ بدر میں مسلمان غالب رہے اور احد میں کفار کا غلبہ رہا۔ اور خندق میں دونوں برابر رہے۔ ینال منا وننال منہ اسی پر دلالت کرتا ہے۔

ماذا یأمرکم یہ دسواں سوال ہے۔ فقال للترجمان اب یہاں ہرقل ان سوالات کے بارے میں اپنا عندیہ ظاہر کرتا ہے کہ جو سوالات میں نے کئے۔ اور ان کے جو جوابات تم نے دیئے وہ ایک نبی کے اوصاف ہوا کرتے ہیں۔ لیکن عندیہ کے اظہار میں ہرقل نے ترتیب میں کچھ تغیر کر دیا۔ اور ہر سوال کی وجہ بیان کی۔ ان میں سے نویں سوال کی وجہ اس حدیث میں ذکر نہیں کی گئی۔ علمائے نے بیان کیا ہے۔ کہ یہ کسی راوی کا تصرف ہے۔ یا اس کو نسیان ہو گیا۔ ورنہ ص۴۱۲ پر یہ حدیث دوبارہ آرہی ہے۔ وہاں نویں سوال کی وجہ مذکور ہے۔

قلت رجل یطلب ملک ربیہ یہ اس لئے کہ ملک بغیر اعوان اور انصار کے تو حاصل نہیں ہو سکتا۔ بہت ممکن ہے کہ مددگار پیدا کرنے کے لئے دعوائے نبوت کی صورت اختیار کی ہو۔

وسألتك بل کنتم تتهمونہ بالکذب یہ مضمون سوالات کی ترتیب میں ساتویں نمبر پر تھا یہاں چوتھے نمبر پر آگیا۔

وسألتك اشراف الناس یہ سوالات کی ترتیب میں چوتھے نمبر پر تھا۔ یہاں پانچویں نمبر پر آگیا۔ یاد رکھنا چاہیئے کہ جو ترقی ضعفائے سے شروع ہو کر اقویا کی طرف جاتی ہے وہ قوی ہوا کرتی ہے۔ اس لئے کہ وہ محض اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہے۔ اور جو شہرت اغنیأ کی طرف سے ہو وہ کمزور ہوتی ہے۔ چنانچہ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کا یہ ملفوظ ہے کہ قبول عام کی دو صورتیں ہوتی ہیں۔ ایک وہ قبول جو خواص سے شروع ہو کر عوام تک پہنچے دوسرا وہ کہ جو عوام سے شروع ہو اور اس کا اثر خواص تک بھی پہنچ جائے۔ پہلا قبول علامتِ مقبولیت ہے نہ کہ دوسرا۔ کیونکہ حدیث میں جو مضمون علامت مقبولیت آیا ہے کہ پہلے اس سے اچھے لوگوں کو محبت ہوتی ہے اس کے بعد دوسروں کو۔ پس جو مقبولیت اس کے برعکس ہوگی۔ وہ دلیل مقبولیت نہیں ہوگی۔ اس کے بعد فرمایا کہ دیکھو جب جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی رسالت کا اعلان فرمایا ہے۔ تو اول وہ لوگ معتقد ہوئے جو اس زمانے میں سب سے اچھے تھے۔ اس کے بعد وہ لوگ جو ان سے کم تھے اور آخیر میں اچھے برے سب زیر اثر آگئے۔ حتیٰ کہ آپؐ کے ملنے والے

کچھ منافقین بھی تھے۔ اور اسی بنا پر جو ہجرت سے پہلے مسلمان ہو چکے تھے وہ سب سے افضل ہیں۔ ان کے بعد وہ جو بدر سے پہلے مسلمان ہوا اس کے بعد جو احد سے پہلے مسلمان ہوئے پھر وہ جو خندق سے پہلے مسلمان ہوئے ازاں بعد صلح حدیبیہ سے پہلے والے اور اس کے بعد جو فتح مکہ سے پہلے مسلمان ہوئے اور فتح مکہ کے بعد تو سب ہی مطیع ہو گئے اور آپؐ کی مقبولیت بہت عام ہو گئی۔ (ماخوذ از اروح ثلاثہ)

حضرت شیخ مدنیؒ فرماتے ہیں کہ علماء نصاریٰ میں دو آدمی بہت بڑے مانے جاتے تھے۔ ایک ہی ہرقل اور دوسرا اضغاطر۔ ہرقل نے کتب سابقہ سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی علامات معلوم کی تھیں ان کے بارے میں سوال کیا چونکہ بعثت سے مقصد لوگوں کو فلاح کی دعوت دینا اور منکرین پر حجۃ قائم کرنا ہوتا ہے۔ اس لئے حضرات انبیاء علیہم السلام میں ایسے امراض نہیں پائے جاتے۔ جن سے لوگ نفرت کریں۔ بخار۔ وجع راس وغیرہ میں مبتلا ہوتے ہیں۔ لیکن جذام طاعون وغیرہ میں مبتلا نہیں ہوا کرتے۔ حضرت ایوب علیہ السلام کے متعلق جو مشہور ہے اس میں محققین علماء کو کلام ہے۔ بعض نے تو سرے سے انکار ہی کر دیا۔ قرآن مجید میں صراحۃً اس بیماری کا ذکر نہیں۔ اگر اسرائیلیات کو مان بھی لیا جائے تو دیکھنا یہ ہے کہ وہ مامور بالتبلیغ ہونے سے پہلے کا واقعہ ہے یا بعد کا۔ اگر بعد کا ثابت بھی ہو جائے تو اسے استثناء پر محمول کیا جائے گا۔ ایسے نبی کا عورت ہونا اور دنی النسب ہونا بھی قابلِ نفرین ہے۔ کیونکہ ایسے شخص کے پاس لوگ میل جول کم رکھتے ہیں۔ اور بیٹھتے بھی کم ہیں اگرچہ اصل میں یہ نفرت نہ ہونی چاہیئے کلمۃ الحق ضالۃ المؤمن کے مطابق حق جہاں سے ملے لے لینا چاہیئے۔ حضرت امام ابو حنیفہؒ سے ایک لڑکے نے کہا تھا کہ میرے گرنے سے تو صرف میں اکیلے کا نقصان ہوگا۔ اور تم امام ہو۔ تمہارے پھسلنے سے عوام الناس کا نقصان ہے۔ ایسے ہی حضرت شاہ ولی اللہؒ کے ساتھ بھی ایک کتے کے بچے کا واقعہ پیش آیا جس سے اللہ تعالیٰ نے ان کو تنبیہ فرمائی تھی۔ الغرض بنو آدم کو حقیر جاننا جائز نہیں بلکہ بزرگوں کا تو کہنا ہے کہ معرفتِ خداوندی اس شخص پر حرام ہے جو لوگوں کو اپنے سے حقیر سمجھے۔ بایں ہمہ باری تعالیٰ حضرات انبیاء علیہم السلام میں نسب کی بلندی کا اس لئے لحاظ فرماتے ہیں۔ تاکہ لوگوں پر حجۃ تام ہو۔ اور کسی کو نفرت کرنے کا موقعہ نہ ملے۔ چنانچہ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ اس نسب کا لحاظ حضرت لوط علیہ السلام کے زمانہ سے شروع ہوا۔ کیونکہ وہ سدام کی قوم میں سے نہیں تھے۔ بنا بریں انہوں نے ساٰوی الی رکن شدید فرمایا تھا۔ لیکن ان کے بعد انبیاء علیہم السلام اعلیٰ نسب کی اقوام میں بھیجے گئے تاکہ لوگ ان سے گھن نہ کریں۔ یہی وجہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ مجھے بڑے

نسب کے ایک بطن سے دوسرے بطن کی طرف منتقل کیا گیا۔ فقد اعرف انہ لم یکن یذر الکذب یعنی جب کمزور پر جھوٹ نہیں بولتے تو باری تعالیٰ جس کا انتقام بڑا سخت ہے ان پر جھوٹ کیسے بول سکتے ہیں۔

ان ضعفاؤھم اتبعوہ اس لئے کہ ذومسکنۃ کی طرف رحمت ایزدی جلدی آتی ہے۔ نخوت اور کبر والوں کے پاس اتنا جلدی نہیں آتی۔ چنانچہ قریش نے بہت دیر کے بعد اسلام قبول کیا۔ ذو نخوت نے تو قبول نہیں کیا۔ ابوجہل غرور کی وجہ سے مارا گیا۔

ہرقل نے جو بات کی وہ واقعی عند اللہ مقبولیت کی دلیل ہے۔ تو اشراف سے وہ چیز مراد ہوگی جو ضعفاء کے مقابل میں ہو یعنی ذو قوۃ اور ذو نخوت لوگ۔ اگر قبولیت اہل دنیا میں اولاً ہو۔ اور ضعفاء میں آخر کے اندر ہو تو وہ عند اللہ قبولیت نہیں ہوتی۔ جیسے مرزائی۔ مشرقی اور سرسید کی مقبولیت ہے۔ کہ عوام سے شروع نہیں ہوئی۔ کھاتے پیتے لوگوں سے شروع ہوئی۔ بہرحال ہرقل نے قبولیت کا ایک معیار بتایا جو بہت اچھا معیار ہے۔

ولم اکن اظن انہ منکم یعنی مجھ کو یہ تو یقین تھا کہ نبی آخر الزمان پیدا ہوں گے مگر یہ خیال نہیں تھا کہ وہ تم میں سے پیدا ہوں گے۔ یہ اس کی غلطی بلکہ دسیسہ کاری ہے۔ کیونکہ بائیبل اگرچہ محرف ہو چکی ہے مگر اس میں بھی یہ موجود ہے کہ خاتم النبیین بنی اسرائیل سے نہیں بلکہ ان کے بھائیوں بنو اسماعیل میں پیدا ہوگا۔ اور فاران پہاڑ کا ذکر ہے جو حجاز میں واقع ہے۔ چونکہ بشارات میں اجمال و ابہام ہوتا ہے اس لئے اسے اشتباہ ہوگیا۔

انی اخلص الیہ یعنی بآسانی پہنچ سکتا اور کوئی مانع پیش نہ آتا۔ لتجشمت لقاءہ تو میں ان کی ملاقات کے لئے مشقت برداشت کرتا۔ قدمیہ ای التراب عن قدمیہ او الوسخ عن قدمیہ یعنی آپؐ کے قدم مبارک دھو کر پیتا۔

ثم دعا بکتاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ والا نامہ آخیر ذی الحجہ ۶ھ میں ارسال فرمایا جو محرم ۷ھ میں پہنچا۔ کیونکہ اس وقت ہوائی جہاز وغیرہ نہیں تھے اونٹوں پر سفر ہوتا تھا۔ اب تو ظہر کراچی میں اور عصر جدہ میں پڑھ سکتے ہیں۔

فقرء قرأ الترجمان اور ممکن ہے کہ ہرقل نے خود پڑھا ہو۔ اور ترجمان سے ترجمہ کرایا ہو۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم من محمد بن عبد اللہ ورسولہ۔ یہاں پر بسم کو مقدم کیا گیا۔ اور آپؐ نے اپنا نام مؤخر کیا۔

اِنَّهٗ مِنْ سُلَيْمَانَ وَاِنَّهٗ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ سلیمان علیہ السلام کا نام بسم اللہ سے مقدم ہے۔ وجہ یہ ہے کہ انہ من سلیمان قرآن پاک کے اندر حضرت سلیمانؑ کے خط کا عنوان نہیں۔ بلکہ خط تو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے شروع ہوتا ہے۔ اور جملہ انہ من سلیمان کا مطلب یہ ہے کہ حضرت سلیمانؑ کی طرف سے خط کا مضمون یہ تھا جب بسم اللہ الرحمٰن الرحیم تک ہرقل کے ہاں پڑھا جا چکا تو اس کا بھائی بہت خفا ہوا کہ یہ کون بے ادب ہے۔ جس نے اپنا نام بادشاہ کے نام سے پہلے لکھا ہے۔ اسی وجہ سے پرویز شاہ فارس نے آپؐ کا خط پھاڑ دیا تھا۔ لیکن ہرقل نے بھائی کو خاموش کر دیا کہ چپ رہو۔ اگر یہ وہی شخص ہے اس کو ایسا ہی لکھنا چاہیئے۔

الی هرقل عظیم الروم اس لفظ پر بھی اس کا بھائی بہت غصہ ہوا۔ سلام علی من اتبع الهدیٰ یاد رکھنا چاہیئے کہ اگر کوئی کافر سلام کرے تو اس کو انہی الفاظ کے ساتھ جواب دے اگر کافر کو لکھنا ہو تو یہی الفاظ لکھے جائیں۔

ادعوك بدعایة الاسلام دعایة اور داعیة دونوں ہم معنی ہیں بمعنی بلانا۔ اسلم تسلم علماء نے اس جملہ کو جوامع الکلم میں شمار کیا ہے۔ کہ اس ایک لفظ کے اندر سب کچھ فرما دیا۔ یؤتك الله اجرك مرتین بمعنی ضعفین کے ہے۔ کیونکہ یہ اپنے نبی پر بھی ایمان لایا۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی تصدیق بھی کی۔ فان علیك اثم الیریسین یہاں دو نسخے ہیں ایک یریسین یاء کے ساتھ دوسرے اریسین الف کے ساتھ اول یریس اور ثانی اریس کی جمع ہے۔ جس کے معنی اکار یعنی کاشتکار کھیتی کرنے والا۔ کیونکہ اکثر اہل روم وشام کاشتکاری کرتے تھے۔ اس لئے صرف انہیں کا ذکر فرمایا۔ مراد اس سے رومی ہیں۔ اور ان لوگوں کا گناہ بادشاہ پر اس لئے ہوگا کہ عموماً لوگ اپنے بادشاہوں کی اقتدا کرتے ہیں۔ الناس علیٰ دین ملوکهم اب اگر وہ ایمان لاتا تو تمام لوگ اس کی اقتداء کرتے۔ اگر وہ ایمان نہیں لاتا تو تمام لوگ اس کی اقتدا میں ایمان نہیں لائیں گے من سن سنة سیئة۔

فعلیه وزرها ووزر من عمل بها۔ یٰۤاَهْلَ الْکِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰی کَلِمَةٍ سَوَآءٍ الخ سواءً بمعنی مستوا اور دون بمعنی پہلے کے۔ یعنی ان کو تقرب کا ذریعہ نہ بناؤ۔ اس آیت کے بارے میں اختلاف ہے کہ آپؐ کے خط تحریر کرنے سے پہلے یہ آیت اتر چکی تھی یا بعد میں اتری۔ امام بخاریؒ کی رائے بھی یہی ہے کہ یہ آیت پہلے اتر چکی تھی بعد میں آپؐ نے خط میں تحریر فرمائی۔ جیسے بخاری کتاب الجہاد میں یہ روایت آرہی ہے۔ اور ایک جماعت

کی رائے یہ ہے کہ اس وقت یہ آیت نازل نہیں ہوئی تھی بلکہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی غایت فصاحت ہے کہ جو لکھا وہی نازل ہوا جیسے حضرت عمرؓ نے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے تحریر کرانے سے پہلے ہی کہہ دیا تھا فَتَبَارَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخَالِقِيْن ۔ حضورؐ نے فرمایا اس کو بھی لکھ دو ۔ یہ کلمہ حضرت عمرؓ کے حق میں تو باعث شکر ہوا لیکن عبد اللہ بن سعد بن سرح یہ کہہ کر مرتد ہوگیا کہ بس جی جس کی زبان سے جو اچھا کلمہ نکلا بس کہہ دیا اسی کو لکھ دو ۔ اگر یہ اشکال ہو ۔ کہ قرآن پاک کی یہ آیت ناپاک اور غبی کو کیوں لکھ دی گئی ۔ تو کہا جائے گا یہ آیت تحریف نہیں بلکہ خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام تھا ۔ اور توارد کے قبیل سے ہے ۔ دوسرا جواب یہ ہے ۔ کہ یہ مقدار قلیل ہے ۔ اور ایک دو آیت میں گنجائش ہے ۔

کثر عنده الصخب جب ان لوگوں نے دیکھا کہ ہرقل تو ساری باتوں کی تصدیق کر رہا ہے ۔ اور یہ کہہ رہا ہے کہ یہ مملکت ہو تو قدمی ہاتین ۔ تو وہ شور کرنے لگے کہ یہ کیا ہوا ۔ واخرجنا اس خوف سے کہ ہم پر کوئی حملہ نہ کر دے ۔

لقد امر امر ابی کبشہ امر بمعنی عظم یعنی ابن ابی کبشہ کا کام تو بہت بلند ہوگیا ۔ کہ روم کا بادشاہ تک خوف کھانے لگا ۔ اس سے مراد حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم ہیں ۔ کہ آپ کی تبلیغ کا کام نہایت تیز اور بلند ہو رہا ہے ۔ ابن ابو کبشہ سے آپ کو اس لئے تعبیر کیا کہ ابو کبشہ آپؐ کے جد فاسد یعنی ماں کی جانب سے دادا (نانا) ہیں ان کی طرف منسوب کیا گیا ۔ اور بعض نے کہا کہ ابو کبشہ قریش میں ایک ایسا شخص گزرا ہے ۔ جس نے دین قریش میں فساد کیا تھا کہ عبادت اوثان ترک کر کے توحید اختیار کر لی تھی ۔ تو اسی توحید کے اختیار کرنے کی وجہ سے آپ کی نسبت اس کی طرف کر دی گئی ۔ اور بعض علما کی رائے ہے کہ ابو کبشہ حضرت حلیمہ سعدیہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مرضعہ کے خاوند کی کنیت ہے اور بعض کہتے ہیں کہ حضورؐ کے رضاعی والدہ کے دادا کی کنیت ہے ۔ بعض کی رائے یہ ہے کہ آپ کے آباؤ اجداد میں کسی کی کنیت ابو کبشہ تھی ۔ اس غیر معروف کی طرف نسبت کرنے سے آپ کی تحقیر و استہزا مقصود ہے ۔ خلاصہ یہ کہ ہم تو طرح طرح سے آپؐ کی مخالفت کرتے تھے ۔ یہاں تو ان کی بڑی شان بن گئی ۔

انه لیخافه ملك بنی الاصفر بنو الاصفر رومیوں کو اس لئے کہا جاتا ہے ۔ کہ حضرت ابراہیمؑ کے پوتے عیص بن اسحاق ہیں ان کے صاحبزادے روم ہیں ۔ کہا جاتا ہے کہ عیص کا بیاہ حبشہ کے بادشاہ کی لڑکی سے ہوا تھا ۔ جس کی وجہ سے رنگ گورا نہیں رہا ۔ اور بعض کہتے ہیں کہ ان کو ان کی دادی سارہ نے سونے

کا زیور پہنایا تھا۔ تو تحلیہ کی وجہ سے مشہور ہوا اس لئے یہ اصغر بن ردم بن عیص بن اسحاق بن ابراہیم کی طرف منسوب ہوئے۔

فَمَازِلْتُ موقنا انه سیظهر یعنی یہ دیکھ کر ہرقل بھی باوجود اتنی بڑی سلطنت ہونے کے ڈرتا ہے تو مجھ کو یقین ہو گیا کہ حضور اکرم صلعم کو غلبہ حاصل ہو گا۔ حتیٰ ادخل اللہ الخ فرمایا اسلمت نہیں کہا کیونکہ یہ ایک انعام تھا جس کو ظاہر کرنا تھا کہ ابوسفیان مجبوراً اسلام میں داخل ہوا۔ کہ فتح مکہ کے دن ابوسفیان حکیم بن حزام اور ایک تیسرا آدمی تجسس کے لئے نکلے تھے کہ حضرت عمرؓ اور ان کے ساتھیوں نے جو جاسوسی کے لئے پھر رہے تھے ان کی آواز سن کر پکڑ کر آپؐ کے پاس لے گئے تھے آپؐ نے ان کو قتل کرنے کا حکم نہیں دیا۔ بلکہ حضرت عباسؓ کے حوالہ کر دیا۔ جن کے کہنے پر یہ اسلام میں داخل ہوئے۔ وکان ابن الناطور یہ امام زہری کا مقولہ ہے جس کو امام بخاریؒ تکمیل قصہ کے لئے بیان فرما رہے ہیں۔ ابن الناطور ایلیاء کا گورنر تھا گویا ایلیاء کا سیاسی حاکم تھا اور ہرقل کا ندیم تھا اور مذہبی شیخ بھی تھا صاحب ایلیاء خبر اوّل ہے اور یحدث خبر ثانی ہے۔ کان کی۔ حزاء نجومی کو کہتے ہیں۔ یہ قصہ ابوسفیان کے گذشتہ واقعہ سے پہلے پیش آیا۔ ہرقل کا عطف ایلیاء پر ہے اور ایلیاء کی طرف مضاف کرنے کی صورت میں صاحب کے معنی گورنر کے ہوں گے اور ہرقل کی طرف نسبت کرنے کی صورت میں ساتھی اور دوست کے معنی ہوں گے۔ ایلیاء سریانی لفظ ہے۔ علماء نے اس کے معنی بیت اللہ کے کئے ہیں اس طرح کہ ایل بمعنی اللہ اور یا کے معنی بیت کے۔ جبرائیل کے اخیر میں جو ایل ہے اس کے معنی بھی اللہ ہی کے ہیں۔

سقف علی نصاریٰ شام یعنی شام کے نصاریٰ پر اسقف بنا دیا گیا۔ اسقف ہمارے ہاں پوپ کو کہتے ہیں۔ گویا کہ یہ بڑا پوپ اور پادری تھا۔ اسقف رفع کی صورت میں مبتدا محذوف کی خبر بنے گا۔ اور نصب کی حالت میں کان کی خبر یا اسقف مجہول ماضی یعنی ان پر پوپ مقرر تھا سب کا باوا تھا۔ حین قدم ایلیاء ہرقل اس وقت بیت المقدس میں شکر یہ ادا کرنے کے لئے آیا تھا۔

فقال بعض بطارقته بطارقہ بطریق کی جمع ہے جس کے معنی اخص الخواص کے آتے ہیں۔ ملک الختان سے مراد وہ لوگ جو ختنہ کرتے ہیں۔ ان ملک الختان قد ظهر ظہور یا تو ضد خفا ہے یا ضد مغلوبیت ہے۔ اس جگہ قد ظهر کے معنی تو غلبہ کے ہیں ورنہ نفس ظہور تو پہلے ہو چکا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ یہ اس وقت کا واقعہ ہے جبکہ صلح حدیبیہ ہو گئی تھی جس کو بظاہر مسلمانوں کی شکست کہا جاتا ہے

لیکن درحقیقت یہ صلح مسلمانوں کی فتح کا باعث ہوئی۔ چنانچہ صلح حدیبیہ سے واپسی پر یہ آیت اِنَّا فَتَحْنَا لَکَ فَتْحًا مُّبِیْنًا نازل ہوئی تھی۔ تو صلح حدیبیہ مقدمہ الفتح بنی اور مقدمۃ الشیٔ شیٔ کے حکم پر ہوا کرتا ہے غسان ایک چشمہ پانی کا نام ہے جو حدود شام پر واقع تھا۔ سبا کے کچھ لوگ نکل کر یہاں بس گئے تھے انہیں میں سے کچھ لوگ مدینہ منورہ میں آباد ہوئے جن کو اوس اور خزرج کہا جاتا ہے غسان والے تو عیسائی ہوگئے تھے۔ اوس و خزرج اپنے آبائی دین پر قائم رہے۔ لیس یختتن الا الیھود یہاں صرف یہود کا ذکر کردیا کیونکہ اہل عرب ان کے یہاں کچھ شمار نہیں ہوتے تھے۔ اور جو کچھ ان کو حاصل ہوا وہ سب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بدولت حاصل ہوا۔

فلا یھمنک شانھم یعنی یہود سے گھبرانے کی کوئی ضرورت نہیں وہ کون سے شان و شوکت والے ہیں ان کے ختم کرنے کی صرف یہ صورت ہے۔ کہ اپنے ملک کے شہروں میں ایک حکم لکھ کر بھیج دو کہ وہ سب کو قتل کردیں۔ مدائن جمع مدینہ کی یعنی شہر

ثم کتب ھرقل الی صاحب لہ برومیۃ رومیہ اطالیہ کا پایہ تخت ہے اسے رومۃ الکبریٰ بھی کہا جاتا ہے۔ مشرقی حصہ کا پایہ تخت انطاکیہ تھا۔ صاحب الہ اس کا نام ضغاطیر تھا۔ جب ہرقل کا خط اس کے پاس پہنچا تو یہ خط پڑھ کر مشرف باسلام ہوا لیکن اس کی قوم نے اس کو وہیں قتل کردیا یہ واقعہ آپ کے خط پہنچنے سے پہلے کا ہے۔ مگر یہ الفاظ اس کی تائید کرتے ہیں کہ ابوسفیان سے گفتگو کرنے کے بعد اس خط بھیجنے کی نوبت آئی۔ ضغاطیر اور ہرقل دونوں نے آنحضرت صلعم کی نبوت کا اقرار کیا۔ ضغاطیر تو اپنے قول پر برقرار رہا۔ اور قتل ہوگیا۔ ہرقل رغبت الی الدنیا کی وجہ سے اس پر قائم نہ رہا۔

دسکرہ وہ محل بڑا جس کے گرداگرد گھر بنائے گئے ہوں غلقت الابواب یعنی درمیان والے محل کے دروازے بند کردیئے گئے۔ تاکہ وہ لوگ اس پر ہجوم کرکے نہ آئیں۔ لیکن مشہور یہ ہے کہ باہر والے گھروں کے دروازے بند کردیئے گئے تھے۔ تاکہ یہ لوگ بھاگ نہ جائیں۔ چنانچہ فوجد وھا قد غلقت اس کی تائید کرتا ہے۔ اور ہوسکتا ہے کہ اس کی طرف دوڑے تو دیکھا کہ محل دروازے بند ہیں اور چابیاں اپنے پاس رکھ لیں۔ اور اونچی جگہ پر چڑھ کر کہنے لگا ھل لکم فی الفلاح یعنی اگر تم دنیا اور آخرت کی فلاح چاہتے ہو تو نبی اکرم صلعم کی اقتدا کرو۔ اگر تم نے ان کی اقتدا نہ کی تو ملک تو ہاتھ سے جاوے گا ہی آخرت کا بھی ناس ہوجائے گا۔

فوجدوھا قد غلقت اور کنجیاں ملی نہیں اس لئے کہ ہرقل نے اپنے پاس رکھ لی تھیں اور خود اوپر محفوظ جگہ میں بیٹھ گیا تھا۔ اگر کہیں نیچے ہوتا تو پیس ڈالتے فسجدوا لہ ان لوگوں کی عادت تھی کہ ملوک کو سجدہ کیا کرتے تھے۔ اب ہرقل کے لئے مناسب تو یہ تھا کہ وہاں سے نکل کر آنحضرت صلعم کے پاس آجاتا۔ یا ضفاطیر کی طرح اظہار کرتا۔ مگر اس نے دنیا کی طرف رغبت کی اور اور غزوۂ موتہ میں ایک لشکر آنحضرت صلعم کے مقابلہ کے لئے بھیجا اور کافر ہو کر مرا۔ کیونکہ ہرقل کے ابتدائی کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ مسلمان ہو گیا تھا۔ لیکن اس کے اس آخری مقولہ اختبر بھا شدتکم مع دینکم نے تمام کلام پر پانی پھیر دیا۔ اب اس کے اندر اختلاف ہو گیا کہ وہ مسلمان تھا یا نہیں فکان ذالک امام بخاریؒ نے تنبیہہ فرما دی کہ تم خود فیصلہ کر لو کیونکہ اس کا یہ کہنا کہ اگر میں پہنچ سکتا تو ضرور جاتا اور قدموں کو دھو کر پیتا اور ان کا غلبہ یہاں تک ہو گا۔ وغیرہ وغیرہ۔ یہ باتیں اس پر دلالت کرتی ہیں کہ وہ مسلمان ہو گیا تھا اور اس کے بالمقابل اس کا یہ کہنا کہ میں تو تمہاری شدت دیکھ رہا تھا اور باوجود اظہار دین پر قادر ہونے کے اس کو ظاہر نہ کیا۔ اور دنیا کو آخرت پر ترجیح دی۔ یہ سب باتیں چاہتی ہیں کہ وہ کافر ہو۔

حافظ ابن عبدالبر صاحب نے استیعاب میں یہ رائے لکھی ہے کہ وہ مسلمان تھا اختبر بھا شدتکم علے دینکم یہ اپنی جان بچانے کے لئے کہا مگر اکثر علماء کی رائے یہ ہے کہ وہ مسلمان نہیں تھا اگرچہ اس نے اسلام کی تمنا کی۔ مگر محض تمنا سے کام نہیں چلتا۔ اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ اس نے آنحضرت صلعم کے مقابلہ میں جنگ موتہ ۸ھ میں ایک لشکر بھیجا تھا۔ اور بعض ضعیف روایات میں یہ بھی ہے کہ جنگ تبوک میں بھی آنحضرت صلعم کے مقابل میں اس نے ایک لشکر بھیجا تھا۔ مگر جب دیکھا کہ کافروں کو ناکامی ہو رہی ہے۔ تو اس نے آپؐ کو ایک خط لکھا جس میں تحریر تھا کہ میں مسلمان ہوں کیا کروں جان کے خوف سے ظاہر نہیں آتا۔ اس پر آنحضرت صلعم نے فرمایا کذب عدو اللہ مگر یہ روایت محدثین کی شرط کے مطابق نہیں ہے۔

حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں لکھا ہے کہ فکان ذلک آخر شان ھرقل اس سے امام بخاریؒ نے آخر کتاب کی طرف اشارہ کر دیا لیکن حضرت شیخ محمد زکریا کاندھلویؒ فرماتے ہیں کہ امام بخاریؒ کا مقصد کتاب کے ختم کی طرف اشارہ کرنا نہیں بلکہ تم لوگوں کے اختتام کی طرف متنبہ کرنا مقصود ہے یعنی اکثر

اکثروا ذکر ھاذم اللذات الموت تو ایسے یہاں بھی آخر شان ہرقل سے متنبہ کر دیا کہ اس کا انجام تو یہ ہوا کہ یا جنت ہو یا دوزخ تم بھی اپنے انجام کی فکر کرو، موت کو یاد کرو، گویا کہ وہ آنے والی ہے اب روایت کو ترجمہ باب سے کیا مناسبت ہے۔ ایک جواب تو یہ ہے کہ والا نامہ میں آپؐ نے ان کو ہدایت کی طرف بلایا ہے وہ کلمہ سواء بیننا و بینکم ہے جو ترجمۃ الباب میں تھا، تو معلوم ہوا کہ وہ وحی جو آپؐ کی طرف آئی تھی، وہ انبیاء سابقین کی وحی کے مطابق ہے۔ مگر یہ تکلف ہے۔ بلکہ اتنی بڑی روایت تو مبادی وحی پر کثرت سے دلالت کرتی ہے۔ ہرقل نے آپؐ کے نسب اور اخلاق وغیرہ کے متعلق سوالات کئے جو شخص ایسے حسب و نسب والا ہو وہ ضرور قابل و لائق وحی ہے والّا فلا تو ان اشیاء سے مبادی وحی کی طرف زیادہ اشارہ ہوتا ہے۔ کتب سابقہ اور علم نجوم وغیرہ کے ذریعہ بھی مبادی وحی کی طرف زیادہ اشارہ ملا۔ اور یہ وحی عظمت والی ہے اور معصوم ہے کہ اس پر اعتماد کیا جائے۔

حضرت شیخ زکریاؒ فرماتے ہیں کہ امام بخاریؒ نے کیف بدا لوحی کا ترجمہ منعقد فرمایا اور روایت میں موحیٰ الیہ صلعم کا تذکرہ ہے لہٰذا بطور تکملہ کے اس کو ذکر فرمایا۔ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ چونکہ یہ واقعہ بھی وحی کے ابتدائی زمانوں میں پیش آیا۔ امام بخاریؒ کا مقصد وحی کے ابتدائی احوال کو بیان کرنا ہے کہ وحی ابتدائی کن کن منازل سے گذری ہے اور کیا کیا حالات پیش آئے۔ تو اس صورت میں حدیث ہرقل احوال ابتدائیہ میں داخل ہو جائے گی۔ تو حاصل یہ ہوا کہ ابتدا سے ابتدا آنی مراد نہیں بلکہ ابتدا زمانی ممتد مراد ہے۔

اور تیسرا جواب یہ کہ اس حدیث میں آپؐ کے اوصاف حمیدہ کا ذکر ہرقل کے سوالات کے جوابات میں آیا ہے۔ اور ابتداء وحی اخلاقِ حمیدہ سے ہوئی تھی۔ اس مناسبت سے یہ حدیث ذکر کر دی گئی اور چوتھا جواب حضرت شیخ الہندؒ کا ہے کہ باب کی غرض عظمت وحی کو بیان کرنا ہے اور حدیث ہرقل میں آنحضرت صلعم کے اخلاقِ عالیہ کو بیان کیا گیا جس سے آپؐ کی عظمت معلوم ہوتی ہے موحیٰ الیہ کی عظمت سے وحی کی عظمت خود ظاہر ہے۔ حضرت شیخ زکریاؒ فرماتے ہیں میری رائے یہ ہے کہ امام بخاریؒ نے ترجمہ یوں منعقد فرمایا۔ کیف کان بدؤ الوحی الخ حدیث ہرقل میں کلمہ سواء کی دعوت ہے۔ تو شیخ مدنیؒ کی موافقت کرتے ہوئے فرمایا کہ وہی کلمہ توحید تمام انبیاء علیہم السلام کا کلمہ ہے جس کے سارے داعی بنا کر بھیجے گئے تھے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

كِتَابُ الْاِيْمَانِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ط

باب قَوْلِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بُنِيَ الْاِسْلَامُ عَلٰى خَمْسٍ وَهُوَ قَوْلٌ وَفِعْلٌ وَّيَزِيْدُ وَيَنْقُصُ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى لِيَزْدَادُوْا اِيْمَانًا مَّعَ اِيْمَانِهِمْ وَزِدْنٰهُمْ هُدًى وَّيَزِيْدُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اهْتَدَوْا هُدًى وَّالَّذِيْنَ اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًى وَّاٰتٰهُمْ تَقْوٰهُمْ وَيَزْدَادَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِيْمَانًا وَّ قَوْلِهٖ عَزَّوَجَلَّ اَيُّكُمْ زَادَتْهُ هٰذِهٖ اِيْمَانًا فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَزَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّ قَوْلِهٖ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ اِيْمَانًا وَّقَوْلِهٖ وَمَا زَادَهُمْ اِلَّا اِيْمَانًا وَّتَسْلِيْمًا وَّالْحُبُّ فِي اللّٰهِ وَالْبُغْضُ فِي اللّٰهِ مِنَ الْاِيْمَانِ وَكَتَبَ عُمَرُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيْزِ اِلٰى عَدِيِّ ابْنِ عَدِيٍّ اِنَّ لِلْاِيْمَانِ فَرَائِضَ وَشَرَائِعَ وَحُدُوْدًا وَّ سُنَنًا فَمَنِ اسْتَكْمَلَهَا اسْتَكْمَلَ الْاِيْمَانَ وَمَنْ لَّمْ يَسْتَكْمِلْهَا لَمْ يَسْتَكْمِلِ الْاِيْمَانَ فَاِنْ اَعِشْ فَسَاُبَيِّنُهَا لَكُمْ حَتّٰى تَعْمَلُوْا بِهَا وَاِنْ اَمُتْ فَمَا اَنَا عَلٰى صُحْبَتِكُمْ بِحَرِيْصٍ وَقَالَ اِبْرَاهِيْمُ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَلٰكِنْ لِّيَطْمَئِنَّ قَلْبِيْ وَقَالَ مُعَاذٌ اِجْلِسْ بِنَا نُؤْمِنْ سَاعَةً وَّقَالَ ابْنُ مَسْعُوْدٍ اَلْيَقِيْنُ الْاِيْمَانُ كُلُّهٗ وَقَالَ ابْنُ عُمَرَ لَا يَبْلُغُ الْعَبْدُ حَقِيْقَةَ التَّقْوٰى حَتّٰى يَدَعَ مَا حَاكَ فِي الصَّدْرِ وَقَالَ مُجَاهِدٌ شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا اَوْصَيْنَاكَ يَا مُحَمَّدُ وَاِيَّاهُ دِيْنًا وَّاحِدًا وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا سَبِيْلًا وَّسُنَّةً وَّدُعَاءُكُمْ اِيْمَانُكُمْ۔

۷۔ حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللّٰهِ بْنُ مُوْسٰى قَالَ اَخْبَرَنَا حَنْظَلَةُ بْنُ اَبِيْ سُفْيَانَ عَنْ عِكْرِمَةَ بْنِ خَالِدٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بُنِيَ الْاِسْلَامُ عَلٰى خَمْسٍ شَهَادَةِ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَاءِ الزَّكٰوةِ وَالْحَجِّ وَصَوْمِ رَمَضَانَ۔

ترجمہ :۔ یہ کتاب ہے جس میں ایمان کی بحث ہے۔ باب آنحضرت صلعم کا ارشاد ہے کہ اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر رکھی گئی ہے تو معلوم ہوا کہ ایمان قول اور فعل کا نام ہے جو گھٹتا بڑھتا رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ

کا ارشاد ہے تاکہ ان کا ایمان اپنے ایمان کے ساتھ بڑھتا رہے۔ اور ہم نے ان کی ہدایت کو زیادہ کر دیا اور اللہ تعالیٰ ان لوگوں کی ہدایت زیادہ کرتا ہے جو ہدایت پا گئے اور جو ہدایت پا گئے ان کی ہدایت کو زیادہ کر دیا اور ان کو ان کی پرہیزگاری دے دی۔ اور ایمان والوں کا ایمان بڑھتا رہتا ہے اور قول تعالیٰ کا قول ہے کہ ان آیات نے کن کا ایمان بڑھایا پس جو لوگ ایمان لائے ان آیات نے ان کا ایمان بڑھا دیا۔ اور قول باری تعالیٰ ہے کہ لوگوں نے کہا ان کفار سے ڈرو تو اس بات نے ان کا ایمان بڑھا دیا۔ اور یہ بھی باری تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ انہیں بڑھایا اس بات نے مگر ان کا ایمان اور سپرداری حُبّ فی اللہ اور بغض فی اللہ بھی ایمان میں سے ہے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے عدی بن عدی کی طرف لکھا کہ بے شک ایمان کے لئے فرائض اور احکام ہیں حدود اور طریقے ہیں۔ پس جس نے ان کو مکمل کر لیا تو اس نے ایمان کو مکمل کر لیا۔ اور جس نے ان کو مکمل نہ کیا وہ اپنا ایمان مکمل نہ کر سکا پس اگر میں زندہ رہا تو ان احکام و شرائع کو تمہارے لئے خوب اچھی طرح واضح کروں گا تاکہ تم ان پر عمل کر سکو۔ اور اگر کہیں مر گیا تو مجھے تمہاری صحبت کا حرص نہیں ہے اور حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا قول ہے تاکہ میرا دل مطمئن ہو جائے۔ اور حضرت معاذؓ نے فرمایا کہ ہمارے ساتھ بیٹھو تاکہ کچھ گھڑی ایمان کی باتیں کر لیں۔ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا قول ہے کہ یقین سارے کا سارا ایمان ہے۔ اور ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ بندہ تقویٰ کی حقیقت کو نہیں پہنچ سکتا جب تک ان چیزوں کو نہ چھوڑے جو اس کے سینہ میں شک پیدا کرتی ہیں اور مجاہد نے اللہ تعالیٰ کے اس قول کے بارے میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے وہی دین اختیار فرمایا جس کی حضرت نوح علیہ السلام کو وصیت فرمائی تھی کہ اے محمد مصطفےٰ صلعم ہم نے آپ کو اور ان کو ایک ہی دین کی وصیت فرمائی شرعة ومنهاجا کے بارے میں ابن عباسؓ فرماتے ہیں۔ کہ منہاج سے مراد راستہ اور سنت ہے۔ اور لولا دعاکم میں دعا کی تفسیر ابن عباسؓ نے ایمانکم سے فرمائی ہے۔ اور حدیث ابن عمر کا ترجمہ یہ ہے کہ حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں جناب رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ ایمان کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور یہ کہ محمد صلعم اللہ کے رسول ہیں۔ اور نماز کو قائم کرنا زکوٰۃ کا ادا کرنا بیت اللہ کا حج کرنا اور رمضان شریف کے روزے رکھنا۔

تشریح :- از شیخ زکریاؒ تمام بخاری شریف میں کئی مرتبہ کتاب سے قبل اور کبھی کتاب کے

بعد بسم اللہ آئے گی جیسا کہ یہاں باب کے بعد ہے اور اس سے قبل باب سے پہلے تھی اور بعض جگہ بے جوڑ بھی بسم اللہ آتے گی۔ اس کے وجہ ہمارے نزدیک اختلاف نسخ ہے کہ کسی نسخہ میں باب سے پہلے ہے اور کسی نسخہ میں باب کے بعد ہے جہاں بے جوڑ آئے گی وہاں اس کی وجہ ذکر کر دی جائے گی۔

جاننا چاہیئے کہ اصحاب جوامع یعنی جو محدثین اپنی کتاب کے اندر حدیث کے ابواب ثمانیہ ذکر کرتے ہیں اِن کا طریقہ یہ ہے کہ جامع کو کتاب الایمان سے شروع کرتے ہیں جیسے مشکوٰۃ شریف اور مسلم شریف وغیرہ اور خود امام بخاریؒ بھی اصحاب جوامع میں سے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے اپنی بخاری کتاب کو کتاب الایمان سے شروع فرمایا ہے مگر ایک جدت یہ پیدا فرمائی کہ کتاب الایمان پر وحی کے باب کو مقدم کر دیا۔ یہ ان کی دقت نظر کی دلیل ہے کہ باب وحی کو کتاب الایمان پر اصل چیز کی طرف اشارہ کرنے کے لئے مقدم فرما دیا کہ ایمانیات کے اندر معتبر وہ ہے، جو بواسطہ وحی کے ہو۔ ایمان باب افعال کا مصدر ہے جس کے معنے لغت میں تصدیق کے ہیں ما امنت بمومن تھا اور اس کا مادہ امن ہے کہ مؤمن مؤمن بہ کو بتلا دیتا ہے کہ تم ہماری طرف سے تکذیب سے مامون ہو۔ تو اب اس کے لئے لازم ہے کہ وہ اس کی تصدیق کرے اور اصطلاحِ شریعت میں ایمان نام ہے تصدیق الرسول صلی اللہ علیہ وسلم بما جاء بہ کا۔ اور شریعت کا مدار ایمان پر ہے۔ بغیر ایمان کے کوئی عمل معتبر نہیں ومن یعمل من الصالحات من ذکر وانثی وھو مومن فرمایا گیا اس لئے مصنف نے ایمان کی بحث شروع کر دی۔

شیخ مدنیؒ فرماتے ہیں کہ ایمان امن سے ماخوذ ہے۔ باب افعال میں متعدی ہوگا۔ الایمان ای جعل الغیر اٰمن چونکہ تصدیق کرنے والا اپنے مخاطب کو مطمئن اور مامون کر دیتا ہے تکذیب کرنے سے۔ اس لئے باعتبار لغت کے یہ مؤمن ہوگا۔ تو عرفِ عام میں ایمان بمعنی تصدیق کے آتا ہے۔ تصدیق کے لئے کوئی قید نہیں۔ لیکن شریعت میں تخصیص ہے تصدیق بما جاء بہ النبی صلعم وعلم مجیئہ بالضرورۃ تو تصدیق جنس ہوئی۔ اور ما جاء بہ النبی فصل اول اور علم مجیئہ بالضرورۃ فصل ثانی ہوئی۔ کیونکہ جمیع ما جاء بہ النبی میں بہت سے مستحبات اور سنن ہیں جن میں ائمہ مجتہدین کا اختلاف ہے۔ تو اس کا کیا معیار ہوگا۔ تو قید بڑھائی گئی۔ علم مجیئہ بالضرورۃ کیونکہ آپ جو احکام لے کر آئے ہیں بعض تو وہ ہیں جن کو سب جانتے ہیں کہ یہ امور مامور بہا ہیں یا منھی عنھا ہیں۔ شراب کی ممانعت

اور نماز کی فرضیت اُن کو ہر صغیر و کبیر جانتا ہے۔ لیکن مسئلہ تھا مقام کا یہ ما علم مجیئہ بالضرورۃ سے نہیں ہے بلکہ اس کی تخریج ارباب اجتہاد اپنے اجتہاد سے کرتے ہیں۔ بالضرورۃ یعنی بالبداھۃ دبا للزوم ایمان کی تحقیق کے بارے میں بہت سے اقوال ہیں۔ کہ مومن یہ کیا چیز ہے جس کے بغیر ایمان متحقق نہیں ہو سکتا۔ متکلمین (اشاعرہ اور ماتریدیہ) کا مسلک یہ ہے کہ ایمان نام تصدیق بجمیع ماجائبہ النبی یعنی فقط تصدیق قلبی کو ایمان قرار دیتے ہیں۔ اور امام شافعیؒ امام احمدؒ اور جمہور محدثین اور اہل ظواہر کہتے ہیں کہ ایمان تصدیق بالجنان۔ اقرار باللسان اور عمل بالارکان کا نام ہے۔ بروایۃ المتکلمین امام ابوحنیفہؒ کا مسلک بھی یہی ہے کہ ایمان تصدیق قلبی کا نام ہے۔ اور دوسرا قول امام صاحبؒ بروایۃ الاصولیین یہ ہے کہ الایمان تصدیق بالجنان والاقرار باللسان ہے۔

چوتھا قول مرجئہ کا ہے کہ وہ ایمان صرف اقرار باللسان کو کہتے ہیں یعنی جس نے صرف اقرار کر لیا عمل نہیں کیا وہ مؤمن اور ناجی ہے۔ گویا ان کے نزدیک اعمال صالحہ کی کوئی ضرورت نہیں اور نہ ہی اعمال سیئہ مضر ہیں۔ ان کی دلیل آنحضرت صلعم کا ارشاد وان زنی وان سرق ہے۔ اور پانچواں مذہب خوارج اور بعض معتزلہ کا ہے۔ کہ ایمان مرکب ہے تصدیق قلبی۔ اقرار باللسان اور عمل بالجوارح لہٰذا اگر کوئی شخص اعمال کو چھوڑ دے گا تو وہ کافر ہو گا۔ اسی طرح ان کا عقیدہ یہ بھی ہے کہ مرتکب کبیرہ کافر خارج عن الاسلام ہے۔ ان کی دلیل آنحضرت صلعم کا یہ ارشاد لا یزنی الزانی حین یزنی وھو مؤمن الخ ہے۔ اور چھٹا مسلک اکثر معتزلہ کا ہے کہ ایمان مرکب ہے۔ تصدیق اقرار اور اعمال سے مگر مرتکب کبیرہ حد اسلام سے تو خارج ہے۔ لیکن کفر کے اندر داخل نہیں ہو گا۔ یہ لوگ اس کو اسلام سے اس لئے خارج قرار دیتے ہیں کہ ان کے ہاں اعمال ایمان کے اجزاء میں سے ہے اور کفر میں اس لئے داخل نہیں کرتے کہ توحید موجود ہے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ محدثین۔ متکلمین اور فقہاء میں بالکل تضاد ہے اور معتزلہ اور خوارج محدثین کے ساتھ متفق ہیں۔ کیونکہ محدثین بھی ایمان کو مرکب مانتے ہیں تو من اخل عن الاعتقاد القلبی فھو کافر ومن اخل عن الاعمال فھو لیس بمؤمن اس لئے کہ اذا فات الجزء فات الکل معتزلہ اور خوارج تو اس پر عمل کرتے ہیں۔ البتہ درجہ بین الدرجتین مانتے ہیں۔ لیکن محدثین اور فقہاء شوافع وغیرہ ایمان کو مرکب ماننے کے باوجود مرتکب کبیرہ کو خارج عن الاسلام اور مخلد فی النار نہیں مانتے، وجہ یہ ہے کہ اجزاء دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک اجزاء مکملہ دوسرے اجزاء مقومہ جیسے درخت کے اجزاء

پتے، شاخیں بن وغیرہ ہیں مگر یہ اجزاء مکملہ ہیں۔ ان کے انتفاء سے درخت کا انتفاء نہیں ہوگا۔ اسی طرح ناک کان بازو انسان کے اجزاء ہیں۔ لیکن ان کے کٹ جانے کی صورت میں انسان ویسے ہی باقی رہتا ہے۔ کیونکہ یہ اجزاء مقومہ نہیں بلکہ مکملہ ہیں جن کے انتفاء سے نقص آجائے گا لیکن کل کی نفی نہیں ہوگی تو اشاعرہ ماتریدیہ محدثین اور فقہاء شوافع کا اختلاف لفظی ہوا۔ البتہ خوارج اور معتزلہ سے نزاع حقیقی ہے۔ محدثین صورۃً معتزلہ اور خوارج کے ساتھ معلوم ہوتے ہیں لیکن درحقیقت وہ متکلمین کے ساتھ ہیں جو ایمان کو بسیط کہتے ہیں جیسے مناطقہ تصدیق کو بسیط کہتے ہیں اور امام رازی تصدیق کو مرکب مانتے ہیں۔ مگر محدثین کا ایمان کو مرکب کہنا متکلمین کے خلاف نہیں اس لئے کہ وہ اعمال کو اجزاء مکملہ مانتے ہیں مقومہ نہیں مانتے۔ معتزلہ اور خوارج ان کو اجزاء مقومہ مانتے ہیں نزاع لفظی ہونے کا مبنیٰ یہ ہے کہ احناف یا متکلمین یہ نہیں کہتے کہ تارکِ اعمال سیدھا جنت میں جائے گا جیسا کہ مرجئہ کا عقیدہ ہے۔ بلکہ یہ کہتے ہیں کہ وہ جہنم میں جائے گا اس کے بعد شفاعت وغیرہ سے اس کو نجات ملے گی۔ اور حضرات محدثین و شافعیہ وغیرہ فرماتے ہیں کہ تارک اعمال جہنم میں جائے گا مگر مخلّد فی النار نہیں ہوگا۔

دوسری بحث یہ ہے کہ قوم متکلم پر اقرار باللسان کو ایمان کے ساتھ کیا نسبت ہوگی اس لئے کہ ان کے یہاں ایمان جزم کا نام ہے تو جمیع متکلمین اور احناف فرماتے ہیں کہ اقرار باللسان اجراء احکام شرعیہ کے لئے شرط ہے۔ کیونکہ قلبی حالت پر ہم واقف نہیں دنیاوی احکام کے اجراء کے لئے کوئی امارۃ ہونی چاہیئے وہ اقرار باللسان ہے جس کی وجہ سے ہم اس کے ساتھ مسلمانوں جیسا معاملہ کریں گے اور جس شخص نے تصدیق تو کی لیکن اقرار نہ کیا یہ شخص عنداللہ نجات پا جائے گا لیکن اس پر احکام اسلامیہ کا اجراء نہ ہوگا۔ ایک صورت یہ ہے کہ کسی کو اقرار کا تمکن نہیں تصدیق ہے تو ان دونوں صورتوں میں تمکن ہو یا نہ ہو اس کا ایمان عنداللہ معتبر ہے ہم اسے مقابر مسلمانوں میں دفن نہ کریں گے وغیرہ اور جو لوگ اقرار کو حقیقت ایمان میں داخل کرتے ہیں ان کے نزدیک یہ مؤمن نہ ہو گا۔ جیسے مرجئہ کا قول ہے اور ایک روایت امام اعظمؒ کی بھی ہے۔ ایسے معتزلہ اور خوارج کے ہاں بھی مؤمن نہ ہوگا۔

تیسری بحث یہ ہے کہ آیا ایمان زائد اور ناقص ہوتا ہے یا کہ نہیں مشہور یہ ہے کہ متکلمین و اشاعرؒ

ماتریدیہ) ایمان کی زیادتی اور نقصان کا انکار کرتے ہیں۔ اور محدثین معتزلہ وغیرہ اس کو مانتے ہیں، بات یہ ہے کہ جو لوگ ایمان کو مرکب کہتے ہیں ان کے ہاں زیادتی و نقصان ہوگا۔ جن کے ہاں ایمان بسیط ہے بفقط تصدیق کا نام ایمان ہے۔ ان کے ہاں زیادتی و نقصان نہیں ہوگا کیونکہ یقین کے کم ہونے کے یہ معنی ہیں کہ اذعان نہ پایا گیا۔ بلکہ ظن اور شک ہے۔ تو ایمان ہی نہ پایا گیا لہٰذا اس اعتبار سے ایمان زائد اور ناقص نہ ہوگا۔ اعمال کو داخل فی الایمان ماننے والے زیادتی اور نقصان کے قائل ہوں گے۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ متکلمین اور محدثین کے درمیان نزاع لفظی ہے۔ وہ اعمال کو ایمان کے اجزاء مکملہ مانتے ہیں تو اعمال کی کمی بیشی سے ایمان کامل میں زیادتی نقصان ہوگا۔ نفس ایمان میں زیادتی و نقصان نہ ہوگا۔ چونکہ معتزلہ اور خوارج ان کو اجزاء متقومہ قرار دیتے ہیں۔ ان کے ہاں بھی ایمان زائد اور ناقص ہوگا۔ بلکہ اختلال کی صورت میں ایمان کی نفی ہوگی۔ اس کی تائید میں امام ابوحنیفہؒ کے یہ قول پیش کیا جاتا ہے کہ ایمانی کایمان جبرائیل لا کمثل ایمان جبرائیل تو کہا جائے گا کہ متکلمین اور امام ابوحنیفہؒ ایمان میں باعتبار کمیت کے تو زیادتی و کمی کا انکار کرتے ہیں۔ البتہ باعتبار کیفیت کے انکار نہیں کرتے۔ جیسے روشنی کی کیفیت میں تفاوت ہوتا ہے ایسے ایمان کی کیفیت میں بھی تفاوت ہے جبرائیل کا ایمان بالمشاہدہ ہمارا ایمان بالغیب ہے۔ تو ایمان بسیط ہو کر باعتبار انشراح کے اس میں زیادتی نقصان ہو سکتی ہے چنانچہ یقین کے تین قسمیں ہیں۔ علم الیقین۔ عین الیقین۔ حق الیقین۔

علم الیقین جو دلائل اور براہین سے یقین حاصل ہو۔ عین الیقین دلائل اور براہین سے جزم حاصل ہو جانے کے بعد مشاہدہ بھی ہو جائے۔ اس مشاہدہ سے جو نور اور علم حاصل ہوگا وہ یقیناً پہلے علم سے بڑھ کر ہوگا۔ اسے عین الیقین کہتے ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کوہ طور پر قوم کی گوسالہ پرستی کو سنا تھا علم تو ہوگیا لیکن وہاں غصہ نہیں آیا۔ جب مشاہدہ کیا تو سخت غصہ آیا۔ معلوم ہوا کہ یہ پہلے سے اقویٰ ہے اور جو چیز مشاہدہ فی النفس سے حاصل ہوا سے عین الیقین کہتے ہیں جیسے کوئی شخص اپنی انگلی آگ میں ڈالے اور وہ جل جائے یا مٹھائی کو دیکھنے کے بعد اس کو چکھ لے تو یہ حق الیقین ہے۔ یہ تینوں اقسام جزم اور تصدیق کے ہیں مگر ان میں باہمی تفاوت ہے۔ تو یہ ایک کیفی چیز ہوئی۔ کمیت کا اس میں دخل نہیں تو امام صاحبؒ کا یہ فرمانا کہ ایمانی کایمان جبرائیل ولا اقول ایمانی مثل ایمان جبرائیل صحیح ہوا یعنی نفس جزم میں تو مساوی ہیں مگر حضرت جبرائیل علیہ السلام کا ایمان بالمشاہدہ ہے

وہ اقوای ہے اس کی مثل نہیں۔ اور حق الیقین ان سب سے یقین کا قوی درجہ ہے اور یہ مشاہدہ
فی النفس سے حاصل ہوتا ہے۔ اس لئے فلاسفہ کہتے ہیں کہ قوت قدسیہ کے نزدیک نظریات بدیہات
بن جاتے ہیں اور ہمارے نزدیک بدیہات نظریات بن جاتے ہیں تو ہماری غباوت کی وجہ سے ہوا
علم اس نور کا نام ہے۔ عوام الناس کا ایمان ایمان تقلیدی نہیں بلکہ ایمان مع البراہین ہے۔ جیسے
ایک خراسانی کا منطقی سے مناظرہ ہوا۔ کہ جیحون اور سیحون تیرے باپ نے بنایا۔ اور ایک اعرابی
نے کہا البعرۃ تدل علی البعیر خلاصہ یہ ہے کہ ہم تصدیق اس کو کہتے ہیں کہ جس یقین میں
وقائع کا خلاف نہ ہو۔ اس میں تقلید اور براہین وغیرہ سب داخل ہیں

چوتھی بحث ایمان اور اسلام میں فرق۔ جس طرح ایمان کے دو معنی ہیں۔ نفس ایمان تصدیق
بجمیع ما جآء بہ النبی الخ دوسرا ایمان کامل ہے۔ تشریعات میں دونوں طرح کا اطلاق آتا ہے اس طرح
اسلام کے بھی دو معنی ہیں۔ اسلام بمعنی انقیاد وہ دو قسم ہے انقیاد ظاہری اور انقیاد باطنی منافق
انقیاد ظاہری رکھتا ہے باطنی نہیں رکھتا۔ مؤمن دونو قسم کا انقیاد رکھتا ہے۔ ذمی اور معاہدین انقیاد
باطنی ہوتا ہے ظاہری نہیں ہوتا۔ غرضیکہ ایمان میں یقین تو ہوتا ہے مگر اطاعت نہیں ہوتی ؎

جانتا ہوں ثواب طاعت و زہد ، پر طبیعت ادھر نہیں آتی

اگرچہ مدار اسلام کا انقیاد باطنی پر ہے لیکن اس کا ظہور انقیاد ظاہری کی شکل میں ہوگا اور
کبھی ایمان اور اسلام ایک دوسرے کے معنی میں مستعمل ہوتے ہیں۔ اس لئے کہا جاتا ہے کہ ایمان اور
اسلام میں متلازمین کی نسبت ہوتی ہے۔ تو گویا مفہوم کے اعتبار سے متباین ہیں اور مصداق کے اعتبار
سے متلازم ہیں کہ ایمان بغیر اسلام کے مقبول نہیں اور اسلام بغیر ایمان کے معتبر نہیں اور اسلام اور
ایمان شرعی مراد ہیں۔ تو ایمان اور اسلام کے مفہوم میں اقرار وغیرہ داخل نہیں۔ البتہ مصداق میں
یہ چیزیں پائی جاتی ہیں۔ مصنفؒ امام بخاریؒ کا مقصد مرجئہ اور خوارج پر رد کرنا ہے۔ جن سے عالم
میں بڑا فساد برپا ہوا۔ یہ مرجئہ کہتے ہیں کہ ایمان فقط قول لا الٰہ کا نام ہے۔ اعمال کو نہ مقوماً دخل
ہے اور نہ مکملاً اور وہ یہ بھی کہتے ہیں۔ کہ ان میں سے کسی چیز کا خلل نہ ایمان کو ضرر پہنچاتا ہے اور
نہ نفع دیتا ہے۔ آجکل ملحد اور دہری اعتقاد کے لوگ یہی کہتے ہیں، جس سے ان لوگوں نے آپ
کے مشن کو سخت کو سخت نقصان پہنچایا لوگ کی طبیعت میں کسل ہے۔ وہ بھی یہی چاہتے ہیں کہ

اعمال نہ کرنے پڑیں ان مرجئہ کی دلیل یہ ہے کہ نصوص قطعیہ سے مطالبہ قول کا ہے تصدیق کا نہیں ہے چونکہ امام بخاریؒ محدثین میں سے ہیں اس لئے ایمان کے ذو اجزاء اور زیادت و نقصان کے قبول کرنے پر باب باندھتے ہیں۔ قرآنی آیات اور دوسرے دلائل کے ذریعہ مرجئہ پر رد کرتے ہیں اور خوب زور سے تردید کرتے ہیں۔ اور کہیں کہیں معتزلہ پر بھی رد فرمایا ہے۔ اب یہ کہ امام بخاریؒ نے مرجئہ پر اتنا زور کیوں باندھا اور معتزلہ پر کہیں کہیں رد فرمایا۔ حالانکہ دونو فرق باطلہ میں داخل ہیں تو علماً نے اس کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ معتزلہ کے مذہب میں دنیاوی حیثیت سے کوئی نقصان نہیں۔ آخر میں جو بھی انجام ہو۔ کیونکہ ان کے نزدیک تارک اعمال ایمان سے خارج ہو جائے گا۔ لہٰذا معتزلی تو اعمال کو چھوڑ ہی نہیں سکتا۔ اس ڈر سے کہ کہیں ایمان سے نہ نکل جاؤں۔ اور مرجئہ کے ہاں اعمال کی کوئی حقیقت نہیں اس لئے ان پر شدت سے رد فرمایا۔ بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ امام بخاریؒ متکلمین اور امام صاحبؒ پر رد کر رہے ہیں۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے کیونکہ متکلمین اور محدثین کے درمیان تو نزاع لفظی ہے۔ نفس ایمان محدثین کے نزدیک بھی تصدیق ہے۔ تو ان کے یہاں بھی اعمال نہ نفس ایمان جز ہوں گے اور نہ اس میں کمی بیشی ہو گی۔ تو جو کچھ رد ہو گا وہ مرجئہ پر ہو گا۔ اور اس طرح مرجئہ کا ایک گروہ کرامیہ بھی ہے جن کے نزدیک ایمان محض کلمتین شہادت کا نام ہے ان پر بھی امام بخاریؒ رد فرماتے ہیں۔

اب یہاں ایک اشکال ہے کہ حدیث جبرائیل سے معلوم ہوتا ہے کہ ایمان اور اسلام میں تغایر ہے لیکن مصنفؒ کتاب الایمان کہہ کر بُنِیَ الاسلام علی خمس فرماتے ہیں جس سے تساوی معلوم ہوتی ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ ایمان کا اطلاق نفس ایمان پر بھی ہوتا ہے اور ایمان کامل پر بھی۔ اور ایمان کامل اور اسلام کامل کا تلازم ہے۔ تو ان میں تلازم ہوا۔ البتہ تباین یا عموم خصوص وہ نفس ایمان اور نفس اسلام میں ہے۔ احادیث اور امور شرعیہ میں جو ایمان اور اسلام کے الفاظ آتے ہیں۔ ان سے ایمان اور اسلام کامل مراد ہو گا لہٰذا کتاب الایمان میں جو ایمان ہے اس سے ایمان کامل جو امور شرعیہ پر مشتمل ہے اور وہ اسلام کامل کو لازم ہے لا یفترقان تو بنی الاسلام علی خمس کہنا صحیح ہو گا تو امام بخاریؒ فرماتے ہیں جب اسلام پانچ چیزوں پر مبنی ہے۔ تو ظاہر ہے کہ وہ ذو اجزاء ہو گا جہاں اجزاء ہوں گے وہاں ایمان کامل جہاں اجزا پورے نہ ہوں گے وہاں ناقص لہٰذا زیادتی اور نقصان بھی

ثابت ہوگئی۔ اس جگہ ایک اشکال اور ہے کہ جب اسلام پانچ چیزوں پر مبنی ہے۔ تو اسلام مبنی اور اشیاء خمسہ مبنی علیہ ہوں گی اور قاعدہ ہے کہ مبنی مبنیٰ علیہ کا غیر ہوتا ہے۔ تو ان میں تغایر ثابت ہوا حالانکہ ایسا نہیں ہے تو کہا جائے گا کہ نحو کے قاعدہ کے مطابق جب حروف جارہ ایک دوسرے کے قائم مقام ہوا کرتے ہیں تو یہاں علے بمعنی من کے ہوگا یعنی بنی الاسلام من خمس کہ اسلام پانچ چیزوں سے بنایا گیا ہے۔ اس حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے تقریب الی الفہم کے لئے اسلام کو ایک خیمہ کے ساتھ تشبیہہ دی ہے کہ جس میں ایک ستون درمیان میں ہو۔ اور چار کنارے کنارے پر شہادت تو بمنزلہ عمود کے ہے اور یہ چاروں ستون بمنزلہ اطناب کے ہیں۔ اگر ان میں سے کوئی نہ رہے گا۔ تو وہ جگہ ناقص رہے گی اور اگر عمود گر جائے تو خیمہ ہی باقی نہ رہے گا۔ اسی طرح اگر شہادت نہ رہی تو ایمان ہی نہ رہے گا۔ حضرت شیخ مدنیؒ فرماتے ہیں کہ اسلام کو مکان سے تشبیہہ دی گئی اور پانچوں چیزیں مانند دیواروں اور ستون کے ہیں۔ جن کے بغیر مکان کا بقاء نہیں۔ لہٰذا پانچوں چیزیں اسلام کا موقوف علیہا ہوئیں۔ وھو قول وفعل جب ایمان قول اور فعل کے مجموعہ کا نام ہے۔ تو مرکب ہوا اس لئے کہ ایک قول ایک جزء ہے۔ فعل دوسرا جزء ہے ویزید و ینقص امام بخاریؒ نے ترجمہ کو تین چیزوں سے مرکب فرمایا ہے۔ اول بنی الاسلام علے خمس دوسرے قول و فعل اور تیسرے یزید ینقص سے در حقیقت یہ تینوں تراجم ایک دوسرے کی تائید اور تقویت کرتے ہیں جس سے توضیح اور تبیین ہوتی ہے۔ کیونکہ بنا علے الخمس ترکیب پر دلالت کرتا ہے۔ قول اور فعل کا مجموعہ ہونا بھی ترکیب ہے اور زیادہ و نقصان بھی مرکب ہی میں ہوا کرتا ہے۔ حضرت مدنیؒ فرماتے ہیں کہ بنی الاسلام علے خمس دوسرے تراجم کے لئے علۃ ہے یہ خمس اشیاء اسلام کے قوام میں داخل ہوئیں۔ گویا موقوف علیہا ہوئیں۔ جب اسلام قول اور فعل ہو گا تو بعض موقوف علیہ فعل اور بعض قول ہوں گے۔ افعال اور اقوال مختلف ہوا کرتے ہیں۔ لہٰذا یزید و ینقص بھی ہوا تو تینوں تراجم صحیح ہوئے۔ اور ان تراجم متعددہ میں سے ہر ایک کو دلالت مطابقی سے ثابت نہیں کیا بلکہ جزء اول کو مطابقۃً حدیث سے ثابت کیا اور باقی تراجم التزامی طور پر ثابت ہوئے۔

شیخ زکریاؒ فرماتے ہیں کہ موجودہ زمانے کے اہل حدیث یہ کہتے ہیں کہ امام بخاریؒ نے اس جملہ سے حنفیہ پر رد کیا ہے۔ کیونکہ وہ ایمان کی بساطت کے قائل ہیں اور امام بخاریؒ ایمان کو ذوا جزاء ثابت فرما رہے ہیں۔ جب ہی تو زیادتی اور نقصان کو قبول کرے گا۔ مگر یہ کہنا غلط ہے۔ کیونکہ امام ابو حنیفہؒ

فرماتے ہیں۔ کہ ایمان کے لئے اذعان قلبی ضروری ہے۔ بغیر اس کے مومن ہو نہیں سکتا۔ اگر کسی کو اذعان نہ ہو۔ بلکہ اس میں نقصان ہے مثلاً شک ہو تو وہ کسی کے ہاں مسلمان نہیں ہو سکتا۔ ہاں یقین کے درجات مختلف ہیں۔ جیسا کہ بیان ہوا۔ مثلاً اس بات کا یقین کہ کلکتہ ایک شہر ہے اس شخص کو بھی یقین ہے۔ جس نے دیکھا نہیں اور اس کو بھی ہے جس نے دیکھا ہے۔ البتہ دونوں کے یقین کے اندر فرق ہے۔ اس طرح ایمان تو نفس تصدیق کا نام ہے۔ مگر مکملات کے ذریعہ زیادتی ہوتی رہتی ہے بخلاف مرجئہ کے وہ بالکل کسی قسم کی زیادتی کے قائل نہیں۔ لہٰذا ان پر رد ہوا حنفیہ پر تو کسی حال میں رد ہو نہیں سکتا۔ کیونکہ وہ بھی ایمان کے لئے اجزاء مکملہ مانتے ہیں۔

قال اللہ تعالیٰ لیزدادوا ایمانا امام بخاریؒ نے ایمان کے ذو اجزاء اور قابل زیادتی اور نقصان ہونے کو ثابت کرنے کے لئے دس آیات قرآنیہ ذکر فرمائی ہیں۔ آٹھ آیات تو ایک جگہ متصلاً بیان فرمائی ہیں۔ اور دو اس کے بعد آرہی ہیں۔ جب ان آیات سے زیادتی ایمان ثابت ہوگی۔ تو نقصان بھی ثابت ہو گا اس لئے کہ زیادتی نقصان کو مستلزم ہے کیونکہ زیادتی اسی شیئ میں ہو سکتی ہے جس میں نقصان بھی ہو سکتا ہو۔ الغرض تراجم کے بعد امام بخاریؒ نے آیات اور تعلیقات کو بیان فرمایا ہے جو تراجم کے لئے دلیل بن جاتے ہیں۔ پہلی آیت لیزدادوا ایمانا مع ایمانہم۔ چونکہ اس جگہ قول پر زیادتی معلوم ہوتی ہے لہٰذا قول ہی مراد ہوگا۔ اور زیادتی اور نقصان بھی ثابت ہوا۔ دوسری آیت میں زدناھم ھدی ہدی سے مراد ایمان ہے کیونکہ ایمان کامل بغیر ہدایت کے ہو نہیں سکتا۔ خواہ ہدایت سے وصول الی المطلوب مراد ہو یا اراءۃ الطریق چونکہ ان میں تلازم ہے لہٰذا ایک کی زیادتی سے دوسرے کی زیادتی ثابت ہوگی۔ اور ہدی بمعنی اہتداء کے ہیں۔ اگر ہدایت کے معنی اراءۃ الطریق کے ہوں تو اس کے بھی بہت سے طرق ہوتے ہیں۔ اگر روشنی دکھانے والے کی زیادہ ہو تو دیکھنے والے میں بھی زیادتی ہوگی۔ جب دکھانے والے باری تعالیٰ ہیں۔ تو اہتداء میں بھی زیادتی ہوگی۔ اور اہتداء عین ایمان ہے ایکم زادتہ ھذہ ایمانا جب قرآن پاک کی آیات نازل ہوتی تھیں تو کفار مومنین سے پوچھا کرتے تھے کہ اس آیت نے تم میں سے کس کا ایمان زیادہ کیا۔ معلوم ہوا کہ ایمان میں زیادتی ہو سکتی ہے۔ الغرض ان آٹھ قرآنی آیات سے امام بخاریؒ نے زیادۃ فی الایمان کو ثابت کیا ہے۔ زیادہ اور نقص متضادین ہیں۔ جن کا محل ایک ہوتا ہے۔ جب زیادہ کو قبول کیا تو نقصان کو بھی قبول کرے گا نیز! زیادتی کے تو معنی ہی یہ ہیں کہ

اس سے قبل اس پر نقصان تھا۔

والحب فی اللہ البغض فی اللہ الخ الحب فی اللہ میں فی تعلیلیہ ہے۔ جیسے عذبت فی ھرۃ میں ہے۔ حب اور بغض کو بھی ایمان میں سے قرار دیا گیا اور جب کسی سے محبت ہوتی ہے تو جو چیز اس کی طرف منسوب ہوگی اس سے بھی محبت ہوگی۔ جب باری تعالیٰ سے محبت ہوتی تو اس کی طرف منسوب اشیاء بھی من حیث الخلق محبوب ہوں گی محبت اور بغض متفاوت ہوتے رہتے ہیں۔ للہذا ایمان میں بھی نقص اور ازدیاد ہوگا حضرت شیخ زکریاؒ فرماتے ہیں کہ امام بخاریؒ کا طریقہ یہ ہے کہ جب کوئی روایت اس کی شرط کے مطابق نہیں ہوتی اور اس کا مضمون صحیح ہوتا ہے تو حضرت امام بخاریؒ ترجمہ میں اس کی طرف اشارہ فرما دیتے ہیں۔ چنانچہ الحب فی اللہ والبغض فی اللہ یہ ابو داؤد کی روایت ہے اس سے امام بخاریؒ نے ایمان کے ذو اجزاء ہونے کو ثابت کیا ہے۔ اس لئے کہ جب حب اور بغض کی مشکک ہے اس کے ہزاروں درجے ہیں۔ ایک محبت تو وہ ہے جس کے متعلق متنبی کہتا ہے۔

ھوی الاحبۃ منہ فی سودائہ کہ دوستوں کی محبت دل کے سیاہ حصہ میں ہے۔ اور ایک وہ ہے جو راہ چلتے ہو جائے۔ اور ایک عداوت یہ ہے کہ جان سے مارنے کے لئے تیار رہے اور ایک یہ ہے کہ وقتی طور پر غصہ آجائے۔ اس طرح جب محبت فی اللہ اور عداوت فی اللہ ایمان میں سے ہیں اور اس کے اندر مراتب ہیں تو ایمان کا قابل زیادت و نقصان ہونا ثابت ہو گیا۔

وکتب عمر بن عبد العزیز امام بخاریؒ ثبوتِ دعویٰ کے لئے صحابہ اور تابعین کے اقوال بھی پیش کرتے ہیں عمر بن عبد العزیز اگرچہ صحابی نہیں ہے۔ بلکہ تابعی ہے۔ مگر ان کا شمار خلفاء راشدین میں ہوتا ہے۔ حالانکہ ۹۹ھ اور ۱۰۱ھ میں ان کی خلافت کا دور ہے۔ علم اور تقویٰ میں اس قدر فوقیت حاصل کر گئے کہ اسلام میں ان کو محبوب نظر سے دیکھا گیا ہے۔ ان کی والدہ حضرت عمرؓ کی پوتی ہے حضرت عمرؓ ایک رات گشت کرتے ہوئے ایک دروازے پر پہنچتے ہیں، کیا سنتے ہیں کہ ایک عورت اپنی لڑکی سے کہہ رہی ہے کہ دودھ میں پانی ملا دو۔ لڑکی نے کہا کہ خلیفۂ وقت نے ممانعت کر دی ہے۔ اور خلیفہ کی اطاعت علانیہ اور خفیۃً ضروری ہے۔ حضرت فاروق اعظمؓ نے سمجھ لیا کہ اس لڑکی کے قلب میں تقویٰ ہے اپنے صاحبزادے عاصم کا نکاح اس سے کرا دیا۔ جن سے حضرت عبد العزیز کی بیوی اور حضرت عمرؒ کی ماں پیدا ہوئی۔ حضرت عمر بن عبد العزیز اولاً بصرہ اور کوفہ کے گورنر تھے۔ اس قدر عطر استعمال کرتے تھے کہ لوگ اس لئے ان کے دھوبی

کو کپڑے اس لیے دیتے تھے کہ وہ معطر ہو جائیں گے۔ خلیفہ سلمان بن عبدالملک نے ان کو خلیفہ بنایا جبکہ حجاج بن ارطاۃ نے منبر پر کھڑے ہو کر وہ خط پڑھ کر سنایا جو اس کے پاس محفوظ تھا۔ اس حکم کی وجہ سے ان میں اٹھنے کی ہمت نہ رہی۔ بہت مرعوب ہو گئے۔ سب سے پہلا کام خلیفہ کو دفن کرنے کا انجام دیا۔ جب آرام کے لیے گھر آئے تو بیٹے نے کہا کہ بنو امیہ نے جو لوگوں کی جائیدادیں ضبط کر رکھی ہیں۔ وہ جلد واپس کرو۔ اس نے کہا کہ میں قیلولہ کر لوں بیٹے نے کہا کہ اگر قیلولہ کی حالت میں جان نکل گئی تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کو کیا جواب دو گے۔ ان کو بھی بات سمجھ آگئی بنا بریں فوراً بنو امیہ کے مظالم کو رفع کرنا شروع کر دیا اور ان کی بیوی کے پاس جو ایک غصب شدہ ہار تھا وہ بھی واپس کر دیا۔ الغرض انہوں نے بہت اصلاحات کی ہیں اور لوگوں کو بنو امیہ کے مظالم سے نجات دلائی ہے۔ جس پر ان کی پھوپھی نے کہا کہ میں نے کہا نہیں تھا کہ عبدالعزیز کی شادی حضرت عمرؓ کے خاندان میں نہ کرو۔ ان کو بعض اہل اللہ نے خواب میں دیکھا کہ عمر بن عبدالعزیز آنحضرت صلعم کے بالکل قریب بیٹھے ہیں۔ اور حضرت ابو بکر صدیق رضؓ اور حضرت عمرؓ دور بیٹھے ہیں پوچھنے پر آپ نے فرمایا کہ ان دونوں نے زمانہ عدل میں عدل کیا مگر عمر بن عبدالعزیزؒ نے زمانہ جور میں عدل کیا ہے چنانچہ ابن جوزی نے انہیں کے زمانہ میں شیر اور بکری کا ساتھ چرنے کا واقعہ ذکر کیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بادشاہ کا اثر دنیا اور مافیہا پر پڑتا ہے۔ اس لیے السلطان ظل اللہ کہا گیا ہے۔ ایک بادشاہ کا واقعہ ہے کہ اس نے ٹیکس نہیں لگایا تھا تو ایک انار سے ڈیڑھ گلاس رس نکلتا تھا۔ جب ٹیکس لگانے کا خیال آیا۔ تو انار نچوڑنے پر آدھا گلاس بھی نہ نکلا۔ جب توبہ کی تو پہلے کی طرح ڈیڑھ گلاس نکلا۔ بادشاہ کی نیت پر برکت اور عدم برکت کا دارومدار ہوتا ہے۔ آج ہندوستان میں جو برکت نہیں رہی وہ انگریزوں کی نیت کی خرابی کی وجہ سے ہے چنانچہ سر ولیم جانسن ہکس سیکرٹری انڈیا ۱۹۳۰ء میں کہتا ہے کہ ہم نے ہندوستان کو ہندوستان کی بھلائی کے لیے فتح نہیں کیا۔ اس طرح حضرت شیخ الہند نے سلطان عالمگیرؒ کا واقعہ لکھا ہے کہ ایک دفعہ ہندوستان میں بارش نہ ہوئی۔ نماز استسقاء کے لیے علماء کو جمع کیا گیا۔ مگر نماز سے پہلے وہ خود سجدے میں گر پڑا اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ یا اللہ مجھ گنہگار کی وجہ سے ساری مخلوق پر کیوں عذاب نازل فرمایا۔ زار و قطار روتا تھا۔ بس اسی وقت بارش شروع ہو گئی۔ غرضیکہ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے بنو امیہ کی بہت اصلاح فرمائی۔ دو سال اس کا دور خلافت ہے۔ بالآخر بنو امیہ نے زہر دلا کر اس کو مروا ڈالا۔ ان کے زمانہ میں علم دین کی بہت ترویج ہوئی۔ انہوں نے بہت سے احکامات نافذ فرمائے تھے۔ ان میں ایک یہ

بھی تھا جو عدی بن عدی کے پاس لکھا۔ فرائض سے وہ اعمال مراد ہیں جن کے بغیر نجات نہیں ہوتی جیسے صلوٰۃ، صوم وغیرہ۔ شرائع سے عقائد اسلامیہ مراد ہیں اور حدود سے منہیات اور سنن سے مستحبات مراد ہیں۔ فمن استکملھا اس سے معلوم ہوا کہ ایمان کامل میں یہ سب امور داخل ہیں۔ تو ایمان کا ذو اجزاء ہونا اور قابلِ زیادت ونقصان ہونا ثابت ہوگیا ان میں سے جتنے اجزاء پائے جائیں گے۔ اتنا ایمان کامل ہوگا اور جتنے یہ اجزاء کم ہوں گے۔ اتنا ہی ایمان ناقص ہوگا۔ فمن استکملھا الخ یہ بیّن دلیل ہے کہ امام بخاریؒ کا مقصد حنفیہ پر رد کرنا نہیں کیونکہ احناف تو اعمال کو مکملات ایمان میں سے قرار دیتے ہیں۔ اور ان میں مؤکدات۔ غیر مؤکدات۔ فرائض سنن سب داخل ہیں جن سے ایمان کی تکمیل ہوتی ہے یہی امام بخاریؒ کا مقصد ہے۔ اشاعرہ نفس ایمان کو بسیط کہتے ہیں۔ نیز حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کے متعلق یہ بھی مشہور ہے کہ ان کی بیوی فرماتی ہیں کہ ان کے دورِ خلافت میں کبھی غسل ان پر واجب نہیں ہوا۔ نہ بیوی سے اور نہ باندی سے جماع کیا بلکہ عشاء کی نماز کے بعد برابر دربار الٰہی میں گڑگڑاتے رہتے اسی طرح رات گذر جاتی۔

ولکن لیطمئن قلبی یہ بھی ایمان کی ترکیب کی دلیل ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے احیاءِ موتٰی کے متعلق سوال کیا رب ارنی کیف یحیی الموتیٰ اگرچہ یہ علم اور ایقان تھا کہ اللہ تعالیٰ احیاء پر قادر ہیں۔ جیسا کہ آیت کریمہ اَوَلَمْ تُؤمِنْ قال بلیٰ سے ظاہر ہے۔ لیکن اپنے اس ایمان اور یقین میں زیادتی پیدا کرنے کے لئے سوال کیا۔ جس سے ان کا مقصد کیفیت احیاء موتی کا مشاہدہ کرنا تھا۔ تو باری تعالیٰ اپنے مقربین سے شبہات کا ازالہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ کیف تحی الموتی سے سوال لیطمئن قلبی کے لئے تھا۔ اگر سوال ہو کہ اطمینان قلب میں جزم ہے۔ اگر اطمینان نہ ہو تو وہ اضطراب اور شک ہے تو ایمان کیسے ہوا۔ اس کی کئی توجیہات کی گئی۔ پہلی توجیہ یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام مرتبہ عین الیقین حاصل کرنا چاہتے ہیں کماقالہ ابن ھمام تو طمانیت قلب سے وضوح کا وہ درجہ مراد ہے۔ جو کہ مشاہدہ سے حاصل ہو۔ جیسے کسی کو دمشق کے عروس البلاد ہونے کا یقین تو ہو۔ مگر وہ اس کا مشاہدہ کرنا چاہتا ہے۔ اس کے یہ معنی نہیں کہ ان کو ایمان نہیں دوسرا جواب یہ ہے کہ اگر حضرت ابراہیم علیہ السلام رب ارنی احیاء الموتیٰ فرماتے تو پھر اشکال تھا۔ وہ تو کیفیت احیاء کے بارے میں سوال کر رہے ہیں۔ ہاں کبھی کیف استفہام کے لئے بھی ہوتا ہے اس لئے اَوَلَمْ تُؤمِنْ

سے اس کا ازالہ کیا گیا تو اس وقت طمانیتہ کا تعلق نفس ایمان سے نہ ہوا۔ بلکہ کیفیت میں اضطراب تھا جس کی بنا پر سوال کیا۔ یہاں پر ایک اشکال ہے کہ امام بخاریؒ نے اس آیت کو ماقبل کی آیات میں کیوں ذکر نہیں فرمایا۔ علیحدہ ذکر کرنے کی کیا وجہ ہے تو کہا جائے گا۔ کہ آیات ثمانیہ میں صراحۃً زیادتی کا ذکر ہے اور اس آیت میں زیادتی کی تصریح نہیں بلکہ استنباطی طور پر زیادتی معلوم ہوتی ہے۔

وقال معاذ اجلس بنا نؤمن ساعۃ اس سے بھی زیادتی ایمان ثابت فرما رہے ہیں۔ کیونکہ نؤمن کے یہ معنی تو ہو نہیں سکتے کہ آؤ ایمان کا وجود حاصل کریں۔ کیونکہ حضرت معاذؓ تو پہلے سے مسلمان تھے۔ تو نؤمن کے معنی ہوں گے نزداد ایمانا ساعۃ اس لئے کہ ذکر اللہ سے آزدیاد ایمان ہوتا ہے۔ ذرا بیٹھو اللہ کا ذکر کریں جس کا ثمرہ یہ ہوگا کہ ہمارے ایمان میں زیادتی ہوگی۔

قال ابن مسعود الیقین الایمان کلہ امام بخاریؒ نے اس جملہ سے بھی ایمان کی ترکیب ثابت کی دو طریقہ سے اوّل یہ کہ یہاں ایمان کی تاکید لفظ کل کے ذریعہ سے لائی گئی ہے۔ تاکید بلفظ کل ذو اجزاء شیئی کی لائی جاتی ہے۔ کل سے تاکید دفع بعضیۃ کے لئے ہوتی ہے۔ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ اس جملہ کے اندر یقین کو ایمان کہا گیا ہے اور یقین کے مراتب مختلف ہیں۔ تو اس سے بھی ترکیب ثابت ہوگئی

وقال ابن عمر لا یبلغ العبد حقیقۃ التقوی حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ بندہ حقیقت تقویٰ کو پہنچ ہی نہیں سکتا۔ جب تک کہ ان شبہات کو نہ چھوڑ دے جو دل میں کھٹکتے ہوں۔ یہ قول ماخوذ ہے حضور صلعم کے ارشاد دع ما یریبک الی ما لا یریبک حاک بمعنی اختلج یعنی بعض اشیاء کی حلت اور حرمت کا یقین ہے۔ اور بعض کی حلت و حرمت کا یقین نہیں ہوتا۔ تو اشتباہ ان قلوب پر ہوگا۔ جو طبائع سلیمہ رکھتے ہوں۔ اس جگہ امام بخاریؒ نے لفظ حقیقت سے استدلال کیا ہے۔ اس طرح کہ لفظ حقیقت سے معلوم ہوتا ہے کہ تقویٰ کلی مشکک ہے اس کے مراتب ہیں۔ تقویٰ اور ایمان متلازم ہیں۔ جب تقویٰ کے لئے حقیقت اور غیر حقیقت ہے تو ایمان میں بھی تشکیک ہوگی۔ اور حقیقت سے کمال تقویٰ مراد ہے۔ تو ایمان میں زیادتی اور نقصان آجائے گا۔

وقال مجاھد شرع لکم من الدین ما وصّی بہ نوحًا اللہ تعالیٰ نے جمیع انبیاءؑ کا دین اور معتقد علیہ ایک قرار دیا ہے۔ اعمال اور شرائع باعتبار موسم۔ مکان۔ زمان اور فاعل کے مختلف ہوتے رہتے ہیں۔ اوصیناک یا محمد وایاہ بہ ما وصّی بہ نوحا کی تفسیر ہے شرع لکم الخ کی نہیں ہے

جس طرح بعض کو شبہ ہو گیا۔ اس آیت میں دین کو واحد کہا گیا۔ لیکن دوسری آیت میں ہے شرعۃ ومنہاجًا منہاج بمعنی وسیع سڑک اور شرعۃ بمعنی طریقہ اور سنۃ تو اس سے معلوم ہوا کہ دین متغایر ہیں تو امام بخاریؒ ان دونوں کے مجموعے سے ترجمہ نکالنا چاہتے ہیں۔ کہ جب اتحاد دین کے باوجود ایک کا منہاج اور سبیل الگ ہے۔ تو دین اور ایمان میں ازدیار ہو گا کہ اصول میں اتفاق اور فروع میں اختلاف تو ایمان میں ازدیار اور نقصان ہوا۔ ان فروع کے بغیر ایمان اور دین کامل نہیں ہو سکتا۔ تو آیت کا مطلب یہ ہوا کہ اے محمد مصطفےٰ صلعم ہم نے آپؐ کو اور نوح علیہ السلام کو ایک ہی دین کی وصیت کی ہے۔ حالانکہ اس سے قبل کے ادیان اور اس دین کے اندر جزئیات میں بڑا فرق ہے۔ پھر بھی ایک دین فرما رہے ہیں۔ تو معلوم ہوا کہ دین کوئی مرکب شئی ہے۔ بعض محدثین نے فرمایا کہ شرع لکم الخ سے استدلال اس طرح بھی ہو سکتا ہے کہ یہ آخر آیت ہے جس میں ان اقیموا الدین ہے۔ اور اقامۃ دین بغیر ایمان کے ہو نہیں سکتی۔ کیونکہ جو تصدیق اور طاعۃ احکام میں اکمل ہو گا۔ اس کا ایمان کامل ہو گا۔

شیخ زکریاؒ فرماتے ہیں کہ بعض علماء نے قال مجاہد سے لے کر سبیلا وسنۃ تک کو ایک استدلال شمار کیا ہے۔ یعنی ان دونوں آیتوں کے ملانے سے ایمان کی ترکیب ثابت ہو گی کہ تمام انبیاء کا ایمان اور دین اصولی اعتبار سے ایک ہے۔ لیکن فروعی اعتبار سے مختلف طریقوں اور شعبوں سے مرکب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر ایک کے لئے مختلف طریقے پیدا فرمائے ہیں۔ اسی سے ترکیب ثابت ہو گئی مولانا رحؒ کی اپنی رائے یہ ہے کہ ان آیات کے ذکر کرنے سے امام بخاریؒ کا مقصد ان دونوں آیات کے درمیان تطبیق دینا ہے۔ کہ اوّل آیت شرع لکم من الدین الخ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام انبیاء کا دین ایک ہی ہے۔ اور دوسری آیت لکل جعلنا منکم شرعۃ ومنہاجا سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر ایک کے لئے دین کے طریقے اور راستے الگ الگ ہیں۔ تو اس تعارض کو اس طرح رفع فرمایا کہ اوّل آیت سے جو دین کا اتحاد معلوم ہوتا ہے وہ اصولی اعتبار سے ہے۔ اور فروع اعتبار سے اختلاف ہے۔ کہ بعض احکام میں کسی کے ہاں سختی ہے اور کسی کے ہاں نرمی۔ اور بعض علماء نے شرعۃ ومنہاجا کو امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے متعلق کیا ہے کہ تمہارے لئے مختلف احکام مقرر فرمائے گئے ہیں۔ مسافر کے لئے اور مقیم کے لئے اور صحیح کے لئے علیحدہ اور مریض کے لئے علیحدہ اور نوح علیہ السلام کی تخصیص کی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے۔ کہ جیسے نوح علیہ السلام کو احکام تکلیفیہ دیئے جائیں گے ایسے آپؐ کو بھی۔

دعاءکم ایمانکم یہ سورۃ فرقان کی آیت قل ما یعبأ بکم ربی لولا دعاءکم کی طرف اشارہ ہے۔ اور دعا کی تفسیر ایمان سے کی ہے۔ اور دعا کے اندر کمی زیادتی ہوتی ہے۔ لہٰذا ایمان میں بھی کمی زیادتی ہوگی۔ جو مرکب کا خاصہ ہے۔ کیونکہ دعا اگر جزء ایمان یا لازم ایمان نہ ہوتا تو دعاکم سے ایمانکم کا ارادہ نہ کیا جاتا اور دعاکم کی تفسیر ابن عباسؓ ایمانکم سے کرتے ہیں۔ اگر دعا کو ایمان میں کسی قسم کا دخل نہ ہوتا۔ تو پھر یہ تفسیر کیسے صحیح ہوگی۔ اور یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ اعمال ایمان میں داخل ہیں۔ اس لئے کہ اس تفسیر کی بناء پر دعا کا اطلاق ایمان پر کیا گیا ہے۔ اور دعا ایک عمل ہے۔ اور عمل میں زیادتی و نقصان ہوا کرتا ہے لہٰذا ایمان مرکب ثابت ہوا ؎

خوب پردہ ہے کہ چلمن سے چھپے بیٹھے ہیں
صاف چھپتے بھی نہیں اور سامنے آتے بھی نہیں

حدیث نمبر ۸ حدثنا عبید اللہ الخ عن ابن عمرؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بُنِیَ الْاِسْلَامُ عَلٰی خَمْسٍ شَہَادَۃِ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ وَاِقَامِ الصَّلٰوۃِ وَاِیْتَاءِ الزَّکٰوۃِ وَالْحَجِّ وَصَوْمِ رَمَضَانَ۔

ترجمہ:۔ حضرت عبد اللہ ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اسلام کی بنا پانچ چیزوں پر رکھی گئی ہے اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور حضرت محمد صلعم اللہ کے رسول ہیں۔ نماز کو پابندی سے ادا کرنا۔ مال کی زکوٰۃ ادا کرنا۔ اور حج کرنا اور رمضان شریف کے روزے رکھنا۔

تشریح:۔ یہ حدیث ترجمہ الباب کے بالکل مطابق ہے۔ اسلام کو ایک مکان سے تشبیہ دی گئی ہے جس کے اندر دیواریں۔ چھت اور دعائم یعنی ستون ہوں۔ جیسے مکان ان پر مبنی ہوتا ہے۔ ایسے اسلام بھی ان چیزوں پر مبنی ہے۔ اگر یہاں سوال ہو کہ مبنی مبنیٰ علیہ کے مغایر ہوتا ہے تو اسلام ان پانچ چیزوں کے مغایر ہوا۔ حالانکہ حدیث جبرائیل علیہ السلام میں ہے کہ جب انہوں نے آنحضرت صلعم سے اسلام کے متعلق سوال کیا تو اس کے جواب میں آپ صلعم نے انہیں پانچ چیزوں کو ذکر فرمایا اس کا تسلیمی جواب یہ ہے کہ ایمان و اسلام انقیاد باطنی و ظاہری کا نام ہے جن کی معرفت ان پانچ چیزوں سے ہوتی ہے۔ اس لئے ان پانچ چیزوں کو مبنی علیہ قرار دیا گیا۔ اور حقیقت اسلام یہی انقیاد باطنی ہے

اس حیثیت سے وہ ایمان کے ملازم ہے۔ اور انقیاد ظاہری کے اعتبار سے ان پر عموم وخصوص من وجہ ہے۔ اس اعتبار سے لما یدخل الایمان فی قلوبکم فرمایا گیا۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ یہاں علے بمعنی من کے ہے کیونکہ حروف جارہ ایک دوسرے کے معنی میں آیا کرتے ہیں۔ تو معنی ہوں گے بنی الاسلام علے خمس ای من خمس تو اب اسلام کا مبنی امور خمسہ کا ہونا ظاہر ہوگیا۔ کیونکہ توحید کی شہادت دینا وجود باری تعالیٰ کی شہادت کو مستلزم ہے تو اس سے وہ شبہ بھی زائل ہوگیا کہ جو شخص توحید کا قائل ہے مگر صفات کمالیہ اور وجود باری کا منکر ہے۔ اسے مؤمن نہ کہا جائے تو یہاں مؤمن کی شان میں توحید باری کے ساتھ ساتھ وجود باری اور صفات کمالیہ کو بھی بیان کیا گیا چونکہ توحید وجود باری اور صفات کمالیہ کو مستلزم ہے اس لئے ان کا ذکر نہیں ہوا۔ یا یہ کہا جائے کہ اوّلاً مخاطب عرب ہیں۔ وہ وجود باری اور صفات کمالیہ کے قائل تھے۔ اختلاف صرف مسئلہ توحید میں تھا اس لئے اس کا ذکر ہوا۔ جن امور کو وہ مانتے تھے ان کا ذکر نہیں کیا گیا۔ بہرحال شہادت اقوال ہیں اور اقام الصلوٰۃ وغیرہ افعال ہیں۔ تو الایمان قول وفعل یزید وینقص ثابت ہوگیا۔ پھر اشکال ہے کہ جو چیز اصلی تھی یعنی تصدیق قلبی اس کا ذکر تو نہیں ہوا تو جواب یہ ہے کہ آنحضرت صلعم نے شہادت لفظ فرمایا قول نہیں فرمایا۔ شہادت اس کو کہتے ہیں کہ جس میں اذعان ہو۔ یعنی قول قلب کے مطابق ہے۔ تو شہادت قول۔ عمل اور تصدیق سب کو مستلزم ہوا۔ اس کے بعد عمل کی چند چیزیں ذکر کردی گئیں۔ صلوٰۃ وزکوٰۃ باری تعالیٰ کی صفت جلال پر متفرع ہیں حج اور صوم صفت جمال پر۔ صفت جلال کا تقاضا ہے کہ انتہائی ادب سے کام لیا جائے اور جمال کا تقاضا یہ ہے کہ انسان بالکل طور عقل سے نکل جائے۔ صفت جمال عشق وفریفتگی کو چاہتی ہے جس پر توجہ الی الحبیب ہوتی ہے۔ اور غیر سے اعراض ہوتا ہے۔ صوم میں اعراض عن غیر اللہ ہے اور حج میں توجہ الی اللہ ہے

باب امور الایمان وقول اللہ عزّ وجلّ لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ ولکن البرّ مَنْ آمَنَ بِاللہ الی قولہ المتقون قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ الآیۃ۔

حدیث ۹ حدثنا عبد اللہ الخ عن ابی ھریرۃؓ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال اَلْاِیْمَانُ بِضْعٌ وَسِتُّوْنَ شُعْبَةً وَالْحَيَاءُ شُعْبَةٌ مِنَ الْاِیْمَانِ۔

ترجمہ:۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ آنحضرت نبی اکرم صلعم سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ ایمان کے ساٹھ سے اور کئی شعبے اور شاخیں ہیں۔ اور حیا بھی اس کا ایک خاص شعبہ اور شاخ ہے۔

تشریح :- امور الایمان میں اضافۃ بیانیہ ہے۔ کیونکہ ایمان کامل ان امور کا مجموعہ ہے۔ تو الامور التی ھی الایمان کے معنی ہوں گے اور ممکن ہے کہ اضافۃ لامیہ ہو۔ ای الامور التی تحققت من الایمان تواب زیادۃ ونقص کا تحقق ہوگا۔ اضافہ بیانیہ امام بخاریؒ کے مسلک کے زیادہ قریب ہے۔ وقول اللہ عز وجل ای فیہ قول اللہ الخ یہود نے بہت سے اعتراضات کئے تھے ان میں سے ایک تحویل قبلہ کے متعلق بھی تھا کہ کبھی آپؐ نماز میں بیت المقدس کا استقبال کرتے ہیں اور کبھی بیت اللہ کا۔ ان پر قبلہ مشتبہ ہے۔ اگر پہلا صحیح تھا تو اب ایمان صحیح نہیں اگر اب قبلہ صحیح ہے تو پہلے کا ایمان معتبر نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس اعتراض کا رد کرتے ہوئے فرمایا کہ بہترین نیکی تو ایمان میں ہے کمال بِر فروع میں نہیں بلکہ حقیقت ایمان میں ہے۔ فروع تو نیچے کی چیزیں ہیں۔ بعد ازاں اعتقادات عبادات بدنیہ اور مالیہ سیاسیات لوگوں کے ساتھ تعلقات اور مربیات بھی ذکر فرماتے جن سے اخلاق پر بہت اثر پڑتا ہے اور دوسری آیت قد افلح المؤمنون الخ اس میں مؤمنین کی صفات بطور تفسیر ذکر کی گئی تو معلوم ہوا کہ امور دین جن پر نجات کا دار و مدار ہے۔ وہ صرف پانچ چیزوں میں منحصر نہیں بلکہ اور بھی ہیں۔

بضع وستون : بضع کا لفظ کسور پر اطلاق کیا جاتا ہے۔ یعنی عقود کے درمیان جو کسور رہتے ہیں ان کو بضع سے تعبیر کیا جاتا ہے بعض نے تین سے لے کر دس تک اور بعض نے ایک سے لے کر دس تک کا کہا ہے۔ اب تعارض یہ ہے کہ اس جگہ تو ستون کا لفظ ہے اور بعض روایات میں سبعون کا ہے۔ اور بعض میں کچھ اور ہے تو اس کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ ستون وسبعون سے حصر مراد نہیں بلکہ کثرت مراد ہے لہٰذا تعارض نہ رہا۔ شعبہ شاخ کو بھی راستہ اور درختوں کی شاخ کو کہتے ہیں۔ ایمان کے شعبے بہت ہیں جن سے مراد ایمان کے خصائل ہیں جس طرح کفر کے خصائل ہوتے ہیں اس طرح ایمان کے بھی خصائل ہیں بلکہ نفاق کے بھی خصائل ہیں الحیاء کے معنی انکسار اور انفعال نفس کے ہیں جو مخافت ذم اور مخافۃ عذاب کی کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ حیا کی وجہ سے اس فعل کو ترک کر دیا جاتا ہے۔ حیا کو ایمان کا شعبہ اس لئے کہا گیا کہ حیاء من اللہ میں جمیع امور غیر مرضیۃ عند اللہ کو ترک کرنا اور حیاء من الناس میں خلاف انسانیت امور کو ترک کرنا ہوتا ہے قالہ الشیخ مدنیؒ

حضرت شیخ زکریاؒ فرماتے ہیں کہ امام بخاریؒ جب کسی شے کے اثبات پر اتر آتے ہیں تو اس کو مختلف

طور پر ثابت فرماتے ہیں۔ چونکہ امام بخاریؒ کو ترکیب ایمان ثابت کرنی ہے۔ اس لئے اس کو اس طرح ثابت فرما رہے ہیں کہ امور ایمان بہت سے ہیں۔ حضرت مولانا مرحوم کے والد صاحب مرحوم نے یہ فرمایا کہ امام بخاریؒ ایمان کی ترکیب تو پہلے ثابت فرما چکے ہیں۔ اب اس جگہ ان امور کو ذکر فرما رہے ہیں۔ جنہیں مسلمانوں کو حاصل کرنا چاہیئے گویا کہ امور ایمانیہ پر ترغیب دلا رہے ہیں۔ شیخ زکریاؒ کی اپنی ذاتی یہ ہے کہ بظاہر حدیث بنی الاسلام علی خمس سے ایک طرح کا ابہام حصر فی الخمس معلوم ہوتا تھا اس کو رفع کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ایمان انہی پانچ چیزوں میں منحصر نہیں بلکہ اس کے اور اجزاء بھی ہیں۔ قول اللہ تعالیٰ لیس البر الآیۃ قد افلح المؤمنون الآیۃ دونوں آیات کو ذکر کرکے ایمان کے اجزاء ثابت کئے اور امور مرغوب فیہا کو ذکر کیا یا پھر حصر فی الخمس کے ابہام کو رفع کر دیا۔ قد افلح المؤمنون کے بارے میں حضرات شراح کی رائے یہ ہے۔ المتقون کی تفسیر فرما رہے ہیں جو آیت سابقہ میں ہیں مگر میرے نزدیک امام بخاریؒ نے اس آیت کو بھی استدلال کے طور پر ذکر فرمایا ہے کہ جس طرح مکملات ایمانیہ پہلی آیت کے اندر مذکور ہیں۔ ایسے ہی اس آیت میں بھی ان بہت سی اشیا کا ذکر ہے جو پہلی آیت کے اندر نہیں ہیں۔

بضع وستون اور دوسری حدیث میں بضع و سبعون آیا ہے۔ اس کا بعض حضرات نے یہ جواب دیا کہ مفہوم عدد کا اعتبار نہیں کثرت مراد ہے اور بعض نے یہ جواب دیا ہے کہ چونکہ نبی اکرم صلعم پر بار بار وحی نازل ہوتی تھی۔ تو بعد میں اضافہ ہوتا رہا بہرحال یہ حدیث ایمان کی ترکیب پر دلالت کرتی ہے۔ اور مولانا زکریاؒ کی رائے کے مطابق اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ اسلام امور خمسہ میں منحصر نہیں۔ اور اس حدیث کے بعض طرق میں افضلہا قول لا الٰہ الا اللہ وادناہا اماطۃ الاذی عن الطریق وارد ہوا ہے۔ حضرات صوفیاً کرام فرماتے ہیں کہ ادنیٰ سے مراد ردی نہیں بلکہ ادنیٰ اقرب کے معنی میں ہے اور اذی سے مراد نفس اور اس کی شہوات ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ طریق تزکیہ سے نفس کو ہٹا دینا اقرب ایمان ہے۔

والحیاء شعبۃ من الایمان اس جگہ دو طرح سے کلام ہے۔ اوّل تو یہ کہ آخر حیاء کو بضع وستون شعب کے اندر ایسی کیا خصوصیت ہے جو اس کو مستقل ذکر فرمایا۔ پہلا جواب یہ ہے کہ حیاء ایک ایسا شعبہ ہے جس پر بہت سے شعبے مرتب ہوتے ہیں۔ بلکہ یہ حیاء ان کے وجود کا سبب بنتی ہے۔ اس لئے اس کو خصوصیت سے ذکر فرمایا۔ چنانچہ کہتے ہیں کہ بے حیا باش ہرچہ خواہی کن چونکہ حیا کذب سے بچاتی ہے اس لئے کہ حیا ہوگی تو سوچے گا کہ اگر کل کو جھوٹ ثابت ہو گیا تو کیا ہو گا۔ اس وجہ سے پھر جھوٹ نہیں

بولے گا اس طرح زنا چوری غرضیکہ ہر قبیح کام سے بچ جائے گا۔ دوسرا کلام یہاں یہ ہے کہ حیا ایک فطری شئی ہے۔ لہٰذا حیا ایمان کا جزء کیسے بن گئی۔ پہلا جواب تو شراح نے یہ دیا ہے کہ حیا کی دو قسمیں ہیں ایک طبعی دوسرے عقلی جس حیا کو ایمان کے شعب میں شمار کیا گیا ہے اس سے عقلی حیاء مراد ہے جو مکتسب ہے مطلب یہ ہوا کہ ایک تو غریزہ طبع ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کیا گیا ہے۔ وہ تو وہی ہے۔ دوسرا یہ ہے کہ اس حیاء کے مقتضیٰ پر عمل کرے۔ تو وہ حیا عقلی ہوگا۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ حیا ابتدا تو فطری ہوتی ہے اور انتہا کسبی ہو جاتی ہے۔ تیسرا جواب یہ ہے کہ یہاں حیا سے اس کے ثمرات اور نتائج مراد ہیں۔ اور وہ اختیاری ہیں۔ تو پہلے جواب میں حیا کی دو قسمیں بنائی گئی تھیں۔ اس جواب میں ثمرات اور نتائج مراد لئے گئے۔

حدیث نمبر ۱۰ باب اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مَنْ لِسَانِہٖ وَیَدِہٖ حدثنا آدم الخ عَنْ عبد اللہ بن عمرؓو عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِسَانِہٖ وَیَدِہٖ الْمُھَاجِرُ مَنْ ھَجَرَ مَا نَھَی اللہُ عَنْہُ الحدیث ۔

ترجمہ:۔ حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے مروی ہے۔ وہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ مسلمان وہ ہے کہ جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان محفوظ ہوں۔ اور مہاجر وہ ہے جس نے ان سب کاموں کو چھوڑ دیا جن سے اللہ تعالیٰ نے روکا ہے

تشریح:۔ از شیخ مدنیؒ نفس صیغہ کا تقاضا یہ تھا کہ جو شخص اس صفت کے ساتھ متصف ہو وہی مسلم ہوگا۔ حالانکہ اسلام کی تعریف پہلے گذر چکی ہے بنی الاسلام علی خمس اور اس طرح حضرت جبرائیلؑ کے سوال کے جواب میں جو آپؐ نے تفسیر فرمائی۔ اس میں یہ امور نہیں ہیں۔ لہٰذا حصر حقیقی نہ ہوگا بلکہ حصر کمال کا ہوگا۔ یعنی نفی ادعائی ہے اس میں دو چیزیں ذکر کی گئی ہیں۔ سلامتی من اللسان یہ ہے کہ کسی دوسرے کے بارے میں تکلیف دہ الفاظ نہ بولے جائیں۔ کیونکہ جراحات السنان لہ التیام ولا یلتام ما جرح اللسان۔ نیزے کے زخم مل جاتے ہیں۔ زبان کے زخم مندمل نہیں ہوتے۔ اور سلامتی ہاتھ میں ید کی تخصیص اس لئے کی گئی کہ اغلب افعال اس سے سرزد ہوتے ہیں تو حدیث کا مقصد یہ ہوا کہ قول و فعل سے کسی کو نہ ستایا جائے۔ اگر معصیت سرزد ہو تو اس سے اللہ تعالیٰ اور آنحضرت صلعم کو تکلیف ہوتی ہے۔ مرزا بیدل کا واقعہ ہے کہ اس کی داڑھی تراشی ہوئی تھی۔ سفیر ایران نے اعتراض

کہ مرزا بیدل ریش مے تراشی۔ جواباً انہوں نے کہا کہ دل کسے رانمے خراشم اس نے بے ساختہ کہا کہ بلے دلے رسول اللہ میخراشی ان کے قلب پر اثر ہوا اور سر نیچا کر دیا۔ تین روز تک زندہ رہے شرمندگی کی وجہ سے باہر نہ نکلے۔ چونکہ آنحضرت صلعم پر اعمال امت ہفتہ میں دو بار پیش کئے جاتے ہیں۔ اس سے آپؐ کو کس قدر تکلیف ہوتی ہوگی۔
المسلم من سلم الخ صیغہ حصر کا فرمایا۔ تو معنی یہ ہوں گے کہ لوگوں کو اذیت سے بچانا اس کو اسلام میں اس قدر دخل ہے کہ اس کی وجہ سے اسلام کا حصر اس میں کیا جا سکتا ہے۔ تو مرجئہ کا یہ کہنا کہ اسلام میں اعمال کا کوئی دخل نہیں نہ نفع میں نہ نقصان میں غلط ثابت ہوا۔ اگر یہ شبہ ہو کہ بعض کافر ایسے ہیں جو کسی کو اذیت نہیں پہنچاتے جیسے جینی مذہب کے لوگ بلکہ ان میں سے بعض لوگ اپنے منہ پر کپڑا باندھے رہتے ہیں۔ کسی جانور کو تکلیف دینا ان کا گوشت کھانا جائز نہیں سمجھتے اس لئے ذبح حیوانات ہندوؤں میں ممنوع ہے اگرچہ ان کی پرانی کتابیں اس کی شہادت نہیں دیتیں۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ المسلم من سلم فرمایا ہے ہمیشہ کسی وصف کا موصوف کے لئے ذکر کرنا علیت پر دلالت کرتا ہے۔ یعنی کسی مسلمان کو اس کے اسلام کی وجہ سے نہ ستایا جائے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ آپؐ نے مسلمانوں کے لئے یہ علامت بتلائی ہے۔ غیر مسلم میں یہ کمال نہ پایا جائے گا جب تک کہ وہ اسلام قبول نہ کرے۔

والمھاجر من ھجر ما نھی عنہ شریعت میں مہاجر اس شخص کو کہتے ہیں جس نے اپنے وطن دارالحرب کو چھوڑ کر دارالاسلام میں سکونت اختیار کی ہو۔ جبکہ دارالحرب میں فرائض کی ادائیگی مشکل ہوگئی ہو۔ فتح مکہ کے بعد آپؐ نے فرمایا لا ھجرۃ بعد الفتح اس سے خاص وہ ہجرت مراد ہے۔ جو مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ کی طرف تھی۔ البتہ دارالحرب کے دیگر ممالک ہیں جبکہ فرائض کی ادائیگی آسان نہ ہو۔ اس جگہ سے ہجرت کرنا اس شرط پر جائز ہے کہ جس جگہ جا رہے ہو۔ وہاں فرائض کی ادائیگی آسانی سے کر سکو۔ ہندوستان سے ہجرت کرنا مستحب ہے۔ غرضیکہ وطن سے ہجرت کرنا صرف یہی کافی نہیں بلکہ مہاجر کامل وہ ہے جو ما نھی اللہ کو بھی ترک کر دے جس نے وطن سے ہجرت کی مگر ما نھی اللہ کو نہیں چھوڑا وہ مہاجر کامل نہیں ہوگا۔
حضرت شیخ زکریاؒ فرماتے ہیں کہ اس باب میں بھی وہی تین باتیں جاری ہوں گی کہ اس حدیث سے ایمان کی ترکیب ثابت فرما رہے ہیں۔ کیونکہ مسلمان وہ ہوا جس کے ہاتھ اور زبان کے شر سے دوسرے مسلمان محفوظ ہوں۔ تو معلوم ہوا کہ یہ بھی ایمان کا جزء ہے ترکیب ثابت ہوتی اور آپ کے والد صاحب کی توجیہ یہ ہے کہ ترکیب تو پہلے باب سے ثابت فرما چکے جہاں دس آیات آثار اور احادیث ذکر فرمائی تھیں

اب امور الایمان سے لے کر کتاب العلم تک ان امور کو ذکر فرما رہے ہیں۔ جو مومن کے اندر ہونی چاہئیں۔ گویا کہ ترغیب ہے۔ اور خود مولانا کے ہاں ابہام انحصار فی الخمس کو رفع کرنا ہے۔ یہ تینوں امور آخر تک چلیں گے۔

من لسانہ ویدہ یہ حدیث ان احادیث خمسہ میں سے ہے۔ جس کو حضرت امام ابوحنیفہؒ نے پانچ لاکھ احادیث سے انتخاب فرمایا ہے۔ اس حدیث میں دو باتیں قابل ذکر ہیں۔ اوّل یہ کہ من لسانہ کیوں نہیں فرمایا۔ دوسرے لسان کو ید پر کیوں متقدم فرمایا۔ حالانکہ ہاتھ وغیرہ سے زیادہ تکلیف ہوتی ہے۔ زبان سے زائد سے زائد گالی ہی دے سکتا ہے۔ لیکن ہاتھ سے تو قتل بھی کیا جا سکتا ہے۔ اوّل سوال کا جواب یہ ہے کہ یہ حضور اکرم صلعم کی جامعیت کی علامت ہے کہ من لسانہ فرمایا من کلامہ نہیں فرمایا۔ کیونکہ اگر من کلامہ فرماتے تو زبان سے جو اور ایذائیں بغیر کلام کے پہنچتی ہیں وہ شامل نہ ہوتیں مثلاً کسی کو زبان سے چڑاتا چونکہ لسان اعم ہے بنسبتہ کلام کے اس لئے لسان کا ذکر فرمایا۔ دوسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ زبان کا زخم زیادہ دیر تک باقی رہتا ہے۔ جراحات السنان لها التیام الخ

دوسرا جواب یہ ہے کہ لوگ زبان کی ایذاؤں کو زیادہ اہمیت نہیں دیتے۔ چنانچہ جب کوئی آدمی کسی کے کچھ کہنے سننے پر ناراض ہوتا ہے۔ تو کہنے والا یہی کہتا ہے۔ کہ کیا میں نے تجھے مارا تھا صرف ایک بات ہی تو کہی تھی۔ تو اس کے اہتمام کے لئے لسان کو مقدم فرمایا کہ یہ معمولی چیز نہیں ہے۔

والمهاجر من هجر الخ یوں فرماتے ہیں کہ ہجرت ایک تو یہ ہے کہ اپنے گھر بار کو ایمان کے لئے چھوڑ دے لیکن حقیقی مہاجر وہی ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کی منہیات کو چھوڑ دے۔ شراح نے اس حدیث کی دو غرضیں بیان فرمائی ہیں ایک یہ کہ متنبہ اور تنبیہ کرنا ہے۔ مہاجرین کو کہ صرف ان کا ہجرت کر لینا کافی نہیں۔ بلکہ ہجرت کے بعد آدمی گناہوں سے بچے تب اس کی ہجرت کا فائدہ مرتب ہوگا۔ ورنہ کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ دوسری غرض یہ بیان کی جاتی ہے کہ ان لوگوں کو تسلی دینا مقصود ہے جو کسی وجہ سے ہجرت وطن نہیں کر سکے۔ کہ تم لوگ اگرچہ اس کے ثواب سے محروم ہو لیکن اصل ہجرت یہ نہیں بلکہ اصل ہجرت یہ ہے کہ آدمی گناہ اور ہر قسم کے منہیات کو ترک کر دے۔ اور یہ تم لوگ اب بھی کر سکتے ہو یہ اعلیٰ درجہ ہے کرو اور ثواب کماؤ۔

باب ، اَیُّ الْاِسْلَامِ اَفْضَلُ

حدثنا سعید الخ عَنْ اَبِیْ مُوْسٰی قَالَ قَالُوْا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اَیُّ الْاِسْلَامِ اَفْضَلُ قَالَ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِسَانِہٖ وَیَدِہٖ۔

ترجمہ حدیث نمبر ۱۱:۔ حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرمایا کہ صحابہ کرام نے آنحضرت صلعم سے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اے اللہ کے رسول کون سا اسلام افضل ہے۔ آپ نے فرمایا وہ شخص جس کی زبان اور ہاتھ کے شر سے مسلمان محفوظ ہوں۔

تشریح :۔ یہ روایت کلام سابق کی توضیح ہے۔ کہ حصر باعتبار حقیقت کے نہیں بلکہ باعتبار کمال کے ہے۔ لفظ "ایٌّ" کا مضاف الیہ وہ چیز واقع ہوتی ہے جس میں تعدد ہو۔ لیکن اسلام ایک حقیقت مشخصہ ہے تو ایٌّ کا مضاف الیہ کیسے بنے گا تو کہا جائے گا کہ اس عبارت میں حذف مضاف ہے یعنی ای خصال الاسلام یا ای اجزاء الاسلام افضل ہے۔ پھر اشکال ہے کہ سوال صفات سے ہو رہا ہے۔ اور جواب ذات سے دیا جا رہا ہے۔ تو کہا جائے گا اس جگہ بھی حذف مضاف ہے ای اسلام من سلم المسلمون کی تقدیر ہوگی۔ (شیخ مدنی ؒ)

شیخ زکریا رح نے فرمایا اگر شبہ ہو کہ امام بخاری ؒ نے کتاب تو منعقد فرمائی ایمان کی لیکن انہوں نے اس میں ایمان، اسلام اور دین تینوں کو ذکر فرمادیا اس کا جواب یہ ہے کہ مفہوم لغوی۔ ان تینوں کا جو چاہے ہو۔ چونکہ ہر ایک کے اندر تلازم ہے اس لئے سب کو جمع کر دیا۔ یہی وجہ ہے کہ ایمان وہی معتبر ہے جو اسلام کے ساتھ ہو۔ کیونکہ ایمان نام ہے ایقان اور اذعان کا۔ اس طرح اسلام وہی معتبر ہے۔ جو ایمان کے ساتھ ہو کیونکہ اگر اسلام بغیر ایمان کے ہوگا تو وہ اسلام نہیں بلکہ نفاق ہوگا اور کفر ہوگا۔ اسلام کہتے ہیں۔ گردن نہادن کو۔ اس طرح دین کے معنی طریقہ کے ہیں۔ اور طریقہ وہی معتبر ہے جو ایمان اور اسلام کے ساتھ ہو۔ اسی طرح ان تینوں میں تلازم ثابت ہو گیا۔

باب اطعام الطعام من الاسلام

حدیث نمبر ۱۲ حدثنا عَمْرُو بْنُ خَالِدٍ الخ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو اَنَّ رَجُلًا سَاَلَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَيُّ الْاِسْلَامِ خَيْرٌ قَالَ تُطْعِمُ الطَّعَامَ وَتَقْرَءُ السَّلَامَ عَلٰى مَنْ عَرَفْتَ وَمَنْ لَّمْ تَعْرِفْ ۔

ترجمہ، حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص راوی ہیں کہ ایک آدمی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ اسلام کون سا بہتر ہے آپ نے فرمایا کہ تو کھانا کھلائے اور ہر اس شخص پر سلام پڑھے جس کو تو پہچانتے یا نہ پہچانے۔

تشریح از شیخ مدنیؒ۔ اس حدیث سے مرجیہ کارد تو ہوگیا مگر تُطْعِمُ الطَّعَام فرمایا گیا توکل الطعام اس لئے نہیں فرمایا گیا تاکہ تعمیم ہوجائے۔ خواہ کھانا ہو۔ یا شرب ہو، یا ذواق ہو یا ضیافت ہو۔ سب پر طعام کا اطلاق کیا جاتا ہے۔ علی من عرفت الخ اس میں مسلمان کی تخصیص کی جائے گی۔ کفار پر سلام نہ کرنا ہوگا۔ آپؐ کا مقصد یہ ہے کہ تم کسی کو جانتے ہو یا نہ ہر مسلمان کو سلام کرو۔ غیر مسلم پر بغیر ضرورت کے سلام نہ کرنا چاہیئے۔ آجکل یہ حکم ہم سے متروک ہوگیا خصوصاً اپنے گھر میں۔

شیخ زکریاؒ نے ارشاد فرمایا کہ اطعام کے اندر صرف مسلم کی قید نہیں بلکہ کافر کیا جانوروں تک کے کھلانے کا اجر و ثواب ہے البتہ مسلمان کو کھلانے کا ثواب اوروں کے کھلانے سے زیادہ ہوگا اور تطعم الطعام کا حکم اہتمام کے لئے اس کو ذکر کیا گیا کیونکہ گر زرطلبی سخن دریں است۔

وتقرؤ السلام الخ یعنی اسلامی سلام وہ ہے جو تعلقات کی بنا پر نہ ہو۔ بلکہ محض مسلمان ہونے کی وجہ سے اس کو سلام کیا جائے۔ یہاں آنحضرت صلعم نے تسلم السلام نہیں فرمایا وجہ یہ ہے کہ لفظ تقرؤ عام ہے جو کتابت کو بھی شامل ہے۔ کیونکہ اگر آدمی خط میں کسی کو سلام لکھے تو وہ بھی قرات میں داخل ہے لفظ تسلم کی صورت میں یہ فائدہ حاصل نہ ہوتا۔

باب، مِنَ الْإِيمَانِ أَنْ يُحِبَّ لِأَخِيهِ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهِ۔

حدیث نمبر ۱۳ حدثنا مُسَدَّدٌ الخ عَنْ أَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتّٰى يُحِبَّ لِأَخِيهِ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهِ

ترجمہ:۔ حضرت انسؓ آنحضرت صلعم سے راوی ہیں کہ آنحضرت نبی اکرم صلعم نے ارشاد فرمایا تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک کامل مومن نہیں ہوسکتا جب تک اپنے بھائی کے لئے وہ چیز پسند نہ کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے۔

تشریح:۔ از شیخ مدنیؒ: اس جگہ ایمان کامل کی نفی ہے۔ یہاں پر ایک شبہ طبعی ہے کہ انسان اپنی بیوی سے محبت کرتا ہے تو کیا دوسرے کے لئے بھی اسے پسند کریں۔ اور نقلی طور پر بھی اعتراض ہوتا ہے کہ حضرت سلمان علیہ السلام نے فرمایا رَبِّ هَبْ لِيْ ملکا لا ينبغي لاحدٍ من بعدی اس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بھی مخصوص دعا فرمائی۔ وَاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ إِمَامًا۔ امامت بھی مخصوص ہے اور اس طرح آنحضرت صلعم کے لئے بعد اذان دعا مخصوص ہے وابعثه مقامًا محمودًا تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں حقیقی معنی محبت کے

مراد نہیں بلکہ مجازی معنی ہیں یحب لاخیہ کنایہ ہے۔ حسد اور غبطت سے کسی پر حسد کی وجہ سے زوال نعمت کی کوشش نہ کرے اور ان ادعیہ مخصوصہ میں کسی قسم کا حسد نہیں ہے دوسری توجیہ یہ ہے ماحکو مخصوص منہ البعض ہے یعنی مما یمکن فیہ الاشتراک اور بیوی میں اشتراک جائز نہیں۔

از شیخ زکریاؒ اس باب میں جو حدیث امام بخاریؒ نے ذکر فرمائی ہے۔ یحب لاخیہ الخ یہ ان پانچ احادیث میں سے ہے جس کو امام ابوحنیفہؒ نے انتخاب فرمایا ہے اور یہی روایت ان چار میں سے ہے جس کو امام ابوداؤدؒ نے انتخاب فرمایا ہے۔ اور بھائی ہے بھی یہی بات کہ کمال ایمان اسی سے حاصل ہوتا ہے جتنے فسادات دنیا میں ہورہے ہیں۔ اگر صرف اسی حدیث پر عمل کر لیا جائے تو سب کی جڑ کٹ جاتی ہے۔ اس لئے جب کوئی شخص کسی کے ساتھ جو کوئی معاملہ بھی کرنا چاہتا ہے۔ اگر وہ ساتھ ساتھ یہ بھی سوچ لے کہ اگر میں اس کی جگہ ہوتا تو کیا اس چیز کو پسند کر لیتا۔ جو میں اس کے ساتھ کرنا چاہتا ہوں اگر صرف یہی سوچ لے تو سارا فساد ہی نیست و نابود ہو جائے۔ اور مخصوص دعاؤں کے بارے میں حضرت شیخ زکریاؒ کا جواب یہ ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کا دعا کرنا جواز کی دلیل ہے یا اہتمام کے قصد سے ہے۔ یا وہ دعا امور طبعیہ کے قبیل سے اور آنحضرت صلعم کا ارشاد امور کے بارے میں ہے۔ جسے کوئی پسند نہیں کرتا۔

باب حب الرسول صلی اللہ علیہ وسلم من الایمان

حدیث نمبر ۱۴ حَدَّثَنَا۔ اَبُوالْیَمَانِ الخ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِهٖ لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی اَکُوْنَ اَحَبَّ اِلَیْهِ مِنْ وَّالِدِهٖ وَوَلَدِهٖ۔

ترجمہ:۔ حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے اس ذات کی قسم ہے جس کے جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے تم میں سے کوئی بھی اس وقت مومن نہیں ہو سکتا۔ جب تک کہ میں اس کے نزدیک اس کے باپ اور بیٹے سے زیادہ محبوب نہ ہوں۔

تشریح از شیخ مدنیؒ۔ محبت بھی ایک فعل ہے تو قول کے علاوہ ایک اور چیز ایمان میں داخل ہوئی۔ اور محبت زائد و ناقص ہوتی رہتی ہے۔ لہٰذا ایمان بھی زائد و ناقص ہوگا۔

حدیث نمبر ۱۵ حَدَّثَنَا۔ یَعْقُوْبُ الخ عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی اَکُوْنَ اَحَبَّ اِلَیْهِ مِنْ وَّالِدِهٖ وَوَلَدِهٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ۔

ترجمہ، حضرت انسؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلعم کا ارشاد ہے کہ تم میں کوئی شخص اس وقت تک ایماندار نہیں ہو سکتا جب تک میں اس کے نزدیک اس کے باپ اور بیٹے اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہوں۔

تشریح از شیخ مدنیؒ اَلنَّاس اَجْمَعِیْن میں انسان کا اپنا نفس بھی داخل ہے تو اس حدیث سے پتہ چلا کہ آنحضرت صلعم اپنے والد بیٹے حتیٰ کہ اپنے نفس سے بھی زیادہ محبوب ہونے چاہئیں۔ حالانکہ ایمان میں محبت نفس داخل نہیں۔ تو لا یؤمن احدکم الخ کہنا کیسے صحیح ہوگا۔ دوسرا اشکال یہ ہے کہ محبت کے معنی میلانِ قلب کے ہیں۔ جو اختیاری چیز نہیں ہے۔ بسا اوقات انسان محبت پیدا کرنا چاہتا ہے۔ مگر وہ پیدا نہیں ہوتی۔ اور بسا اوقات اسے دفع کرنا چاہتا ہے لیکن وہ دفع نہیں ہوتی۔ بلکہ اس میں اپنا نام و ناموس بھی مٹ جاتا ہے ؎

یَامَعْشَرَ الْعُشَّاقِ بِاللّٰهِ خَبِّرُوْا ؛ اِذَا حَلَّ عِشْقٌ بِالْفَتٰی کَیْفَ یَصْنَعُ

یُدَاوِیْ هَوَاهُ ثُمَّ یَکْتِمُ سِرَّهٗ ؛ یَخْشَعُ فِیْ کُلِّ الْاُمُوْرِ وَیَخْضَعُ

یعنی اے گروہِ عاشقانِ خدا کے لئے مجھے بتاؤ کہ جب کسی نوجوان کو عشق لگ جائے تو وہ کیا کرے اپنی محبت کا علاج کرے اور پھر اس کا راز چھپائے۔ تمام امور میں جھک جائے اور عاجزی اختیار کرے غالبؔ کہتا ہے ؎

عشق پہ زور نہیں یہ وہ آتش ہے کہ غالبؔ
جو لگائے نہ لگے اور بجھائے نہ بجھے

تو محبت فعل اضطراری ہوا۔ انسان کو اس کا مکلف کیسے بنایا جا سکتا ہے۔ اور محبت بھی اتنے درجہ کے یہ تو اور تکلیف مالا یطاق ہے۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آنحضرت صلعم کے ارشاد پر فرمایا۔ کہ اَنْتَ اَحَبُّ اِلَیَّ مِنْ کُلِّ شَیْئٍ اِلَّا نَفْسِیْ کہ آپ تمام چیزوں سے مجھے زیادہ محبوب ہیں مگر میرے نفس سے نہیں جس پر آپؐ نے فرمایا کہ ابھی ایمان مکمل نہیں ہوا۔ تب حضرت عمرؓ نے فرمایا ومن نفسی یا رسول اللہ آپؐ نے فرمایا اَلْاٰنَ یا عمر اے عمرؓ اب آپ کا ایمان مکمل ہوا۔ امر اول کا جواب یہ ہے کہ لا یؤمن میں نفی کمال کی مراد ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ محبت عقلی مراد ہے طبعی مراد نہیں جو غیر اختیاری ہے کہ ما ینفع سے محبت کرنا اور ما یضر سے بچنا گویا کہ اس میں نافع اور ضار کا اعتبار ہے۔ اور محبت

طبعی کبھی اس کے معارض ہوتی ہے۔ اور کبھی اس کے ساتھ بھی ہو جاتی ہے۔ محبت عقلی اختیاری ہے جو کہ علم بالشیئ پر موقوف ہے۔ آنحضرت صلعم کی رسالت کا اقرار کرنا یہ اس بات کا متقاضی ہے کہ آپؐ کا اتباع کرنا سب سے بالاتر ہوگا۔ غرضیکہ آپؐ کی اطاعت والد۔ ولد۔ ناس اور نفس کی اطاعت سے بالاتر ہوگی۔ اسی بنا پر آپؐ صلعم کا ارشاد ہے المومن کجمل انفٍ حیث قید انقادَ و حیثُ اُنیخَ اناخَ الحدیث۔ ترجمہ" مومن کی مثال نکیل دار اونٹ کی طرح ہے کہ جہاں اسے کھینچا جائے کھچا جائے جہاں بٹھایا جائے وہاں بیٹھ جائے"۔ یہی شان مؤمن کی ہونی چاہیئے کہ جہاں اللہ کا رسول کھینچے کھچا چلا جائے۔ کیونکہ رسول باری تعالیٰ کے سفیر ہیں۔ اور باری تعالیٰ کا ارشاد ہے من یطع الرسول فقد اطاع اللہ جس نے اللہ کے رسول کا کہنا مانا اس نے اللہ کا کہنا مانا۔

الغرض اگر محبت کو محبت عقلی پر محمول کیا جائے تو دونوں شبہ دور ہو جائیں گے۔ چنانچہ حضرت ابن عمرؓ نے محبت عقلی کو لیا اور محبت طبعی کو ترک کرتے ہوئے اپنی بیوی کو باپ کے کہنے پر طلاق دے دی۔ اس طرح آپؐ کا ارشاد سب سے بالاتر ہوگا۔ اس کو محبت ایمانی بھی کہتے ہیں فرق اتنا ہے کہ محبت عقلی میں نافع سے محبت اور ضار سے اجتناب ہوتا ہے۔ لیکن محبت نبوی بھی نافع محض ہے۔ کیونکہ اسی میں نفع ہوگا۔ غیر کی محبت میں شائبہ ضرر کا ضرور ہوگا۔

حدیث شریف میں والد کا ذکر کیا گیا۔ کیونکہ کبھی بڑوں سے محبت ان کی عظمت کی وجہ سے ہوتی ہے۔ اور چھوٹوں سے اجزاء ہونے کی وجہ سے ناس سے تعلقات کی بنا پر محبت ہوتی ہے۔ اور محبت ایمانی۔ ایمان کا تقاضا ہوتا ہے۔ اس میں نفع اور نقصان کے اعتبار سے محبت نہیں ہوتی۔ بلکہ اس میں عظمت، جزئیت اور تعلقات کا بالکل اعتبار نہیں ہوتا۔ اور یہی ایمان بالرسل کے معنی ہیں۔ تو اب لایؤمن اپنے حقیقی معنی پر ہوگا۔ اور بعض نے کہا مجازی معنی مراد ہیں۔ کہ لفظ بولا اور اس کا اثر مراد لیا تو احب بمعنی اطوع ہوگا۔ جیسے باری تعالیٰ کے لئے غضب اور حیاء وغیرہ کا اثر اور نتیجہ مراد لیا جاتا ہے۔ تو ایسے یہاں اکثر طواعلک کے معنی ہوں گے۔

تیسری توجیہ یہ ہے کہ محبت سے محبت طبعی مراد ہے۔ لیکن لایؤمن میں نفی کمال کی لی جائے۔ اب اس کی تکلیف نہیں کہ اس کے بغیر نجات نہ ہوگی۔ بلکہ اس سے کمال پیدا ہوگا۔ یہ بعینہٖ پہلا جواب ہے۔

چوتھی توجیہ یہ ہے کہ محبت سے محبت طبعی مراد ہو۔ اور نفس ایمان کا تحقق مراد لیا جائے محبت

طبعی کے واسطے علم محبوب شرط ہے۔ بغیر ادراک کے محبوب ہو نہیں سکتا۔ آپؐ نے محبت طبعی زیادہ ہو سکتی ہے۔ جبکہ آپؐ کو دیکھنے کی یا حواس خمسہ ہیں سے کسی کے ذریعے سے ادراک کی نوبت آئے۔ دنیا میں اسباب محبت چار سے زائد نہیں۔ جمال۔ کمال۔ قرابتہ اور احسان محبوب مجازی عموماً جمال کی وجہ سے ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بدصورت عورت سے محبت نہیں ہوتی۔ لیکن شمع کے جمال پر پروانہ عاشق ہے۔ گل پر بلبل عاشق ہے ؎

میں نے پوچھا اے صنم وہ کیا ہوا حُسن وجمال
بولے گھبرا کر کہ وہ شانِ خُدا تھی میں نہ تھا

اور کمال کی وجہ سے بھی محبت ہو جاتی ہے چنانچہ کہتے ہیں کسب کمال کن کہ عزیز جہاں شوی اور قرابت یعنی وہ شئی تمہاری جزء ہو یا تم اسی کے جزء ہو۔ یا دونو کسی اور چیز کا جزء ہو۔ باپ، بیٹا، بھائی اس کے مصداق ہیں ان سے بھی محبت ہوتی ہے۔ اور احسان کے متعلق تو مشہور ہے الانسان عبید الاحسان انسان احسان کا بندہ ہے۔ الغرض ان چار کے علاوہ اور کوئی سبب محبت نہیں پایا جاتا۔ بنا بریں آنحضرت صلعم میں ایک نہیں چاروں اسباب محبت موجود ہیں۔ آپؐ میں جمال ظاہری و باطنی جسمانی و روحانی دونو پائے جاتے ہیں۔ چنانچہ کعبؓ فرماتے ہیں کہ جب آپ کو خوشی ہوتی تو اس سے آپؐ کا چہرہ ایسے دمکتا تھا۔ جیسے چاند کا ٹکڑا ہو حضرت براء بن عازبؓ فرماتے ہیں۔ یقول ناعتہ ما رأیت مثلہ قبلہ ولا بعدہٗ قاضی عیاضؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ رات کے اندھیرے میں آپؐ کے چہرہٗ انور کی روشنی میں سوئی میں تاگہ ڈالتی تھیں۔ حضرت حسان بن ثابتؓ کا شعر ہے۔

خُلِقْتَ مُبَرَّأً مِنْ كُلِّ عَيْبٍ ⁂ كَاَنَّكَ قَدْ خُلِقْتَ كَمَا تَشَاءُ

کہ آپؐ ہر عیب سے بری پیدا کئے گئے ہیں گویا جیسا آپؐ نے چاہا اسی طرح پیدا کئے گئے۔ اس پر کچھ لوگ کہتے ہیں۔ کہ آپؐ کا اس قدر حسن وجمال بیان کیا جاتا ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے حُسن پر تو عورتوں نے ہاتھ کاٹ ڈالے تھے۔ لیکن آپؐ کے بارے میں ایسا منقول نہیں ہے تو کہا جائے گا کہ اس حُسن کو باری تعالیٰ نے اپنے لئے مخصوص کر کے اس کی اس طرح حفاظت کی کہ بشری پردہ ڈال دیا چنانچہ مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کا ایک مدحیہ قصیدہ ہے، جس کے اشعار میں یہ ہے کہ ؎

رہا جمال پہ تیرے حجاب بشریت ⁂ نہ جانا تجھ کو کسی نے بجز خدا زنہار

پہنچ سکے تیرے جلوے کو حسن یوسف کب ؎ وہ دلبرِ بازلیخا تو شاہدِ ستار

تو معلوم ہوا کہ آپؐ کے جمالِ جسمانی میں بھی آپؐ کا کوئی نظیر نہیں۔ اور حکماء یونان کہتے ہیں کہ اعتدال حقیقی پر سوائے آپؐ کے کوئی نہیں پایا گیا۔ افلاطون کے متعلق کہتے ہیں کہ وہ اعتدال کے قریب تھا۔ اور حکماء اسلام کہتے ہیں۔ کہ آنحضرت صلعم میں اعتدال حقیقی پایا جاتا ہے۔ اور ہمیشہ عشق کا تقاضا رہا ہے کہ وہ محبوب پر غیرت کھلائے۔ اس لئے اس میں شرکت کو پسند نہیں کیا جاتا۔ تو باری تعالیٰ بطریق اولیٰ اپنے محبوب میں شرکت کو گوارا نہیں کریں گے۔ اس لئے بشری لباس ڈال دیا۔ یہی روکنے کا ذریعہ تھا، چنانچہ عورتوں کے متعلق فرمایا گیا کہ پہلے تو وہ گھر سے باہر نہ نکلیں اگر نکلیں وَھُنَّ تَفِلَاتٌ یعنی میلے کچیلے کپڑوں میں نکلیں۔ تاکہ جمال ظاہر نہ ہو۔ تاکہ کوئی عاشق نہ ہونے پائے۔ قصائد قاسمی میں اس کے متعلق شعاً میں فیصلہ کیا گیا ہے۔ اور آسمان اور زمین کی فضیلت کا فیصلہ بھی کیا ہے ؎

فلک پہ عیسیٰ وادریس ہیں تو خیر سہی
زمین پہ جلوہ فرما رہے احمد مختار

دوسرا وصف کمال ہے۔ اس میں بھی آپؐ کا سب مخلوق پر فائق ہونا بدیہی امر ہے۔ بعض وہ کمالات ہیں جن کو دشمن تک تسلیم کرتے تھے۔ وہ کمالات ظاہریہ ہیں۔ چنانچہ صفا پہاڑی پر سب قبائل عرب کو جمع کر کے جب آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ اگر میں تمہیں خبر دوں کہ پہاڑی کے اس طرف دشمن ہے جو تم پر حملہ آور ہونے والا ہے تو کیا مجھے سچا سمجھو گے۔ سب نے یک آواز کہا مَا جَرَّبْنَاكَ كَذِبًا قَطُّ صفوان بن عینیہ اور ابوسفیان وغیرہ سب نے اس کا اقرار کیا۔ کیونکہ ان کا سالہا سال کا تجربہ تھا۔ اور امانت داری میں کمال کی شہادت حضرت خدیجۃ الکبریٰ نے دی۔ اور بعض وہ کمالات ہیں جو بذریعہ وحی معلوم ہوئے۔ اَنَا سَیِّدُ وَلَدِ اٰدَمَ وَلَا فَخْرَ میں تمام اولاد آدم کا سردار ہوں جس پر مجھے فخر نہیں یہ محض اللہ کی دین ہے تنہا یہ کمالات متقاضی ہیں کہ آپؐ سے محبت کی جائے۔

تیسری چیز احسان ہے جو اب دنیا پر ظاہر ہے۔ کیا یہ معمولی احسان ہے کہ جس ریگستان میں تمدن، تہذیب بادشاہت نام کی چیز نہ تھی۔ آپؐ نے تیئیس سال تبلیغ کر کے صحرانوردوں کو سلطنتوں کا مالک بنا دیا۔ اور دوزخ سے نجات دلائی۔ اور سب سے پہلے جنت میں داخل ہونا اور سب امتوں سے زیادہ تعداد میں جنت کے اندر داخل ہونا وغیرہ وغیرہ یہ آپؐ کے احسانات دنیاوی اور اخروی سب بڑھے ہوئے ہیں۔ ان کے مقابل

میں کسی کا کوئی احسان نہیں ہے ۔ جب معمولی احسان پر ہم غلام بن جاتے ہیں ۔ تو آپؐ کے ان عظیم الشان احسانات کی صورت میں آپؐ سے بھرپور محبت کیوں نہ ہوگی ۔

چوتھا سبب محبت قرابت ہے ۔ جو قرب سے ماخوذ ہے ۔ آپؐ سے قرب روحی اور ماں باپ سے قرب جسمانی ہے ۔ روح اعلیٰ جسم اسفل ہے ۔ قرآن مجید میں ہے النبی اولیٰ بالمؤمنین من انفسھم کہ نبی مؤمنوں کی جانوں سے ان کے زیادہ قریب ہیں ۔ مؤمن کو ایمان پیغمبر کے ذریعے حاصل ہوتا ہے ۔ معلول کو اپنی علۃ اور وسائط سے جس قدر قرب ہوتا ہے اس قدر اپنے نفس سے قرب نہیں ہوتا ۔ پھر صوفیاء کرام تو یہاں تک فرماتے ہیں ۔ کہ وجود کا طوق ذریعہ اور واسطہ بھی ذات محمدی ہے ۔ جیسے شمس کے نور سے قمر نور کا استفادہ کرتا ہے ۔ پھر اس قمر سے باقی اشیاء نور حاصل کرتی ہیں ۔ اسی طرح آنحضرت صلعم نے باری تعالیٰ سے نور کا اکتساب کیا اور واسطہ فی العروض کے طور پر جمیع عالم کا وجود ہے ۔ اس لئے آنحضرت صلعم فرماتے ہیں اوّل ماخلق اللہ نوری وکنت نبیاً وآدم بین الما وایطن تو اس سے زیادہ قرب اور کیا ہوگا ۔ تو پتہ چلا کہ آپؐ ہمارے روحانی باپ ہیں ۔ اور ازواج مطہرات ہماری روحانی امہات ہیں ۔ تو جب آپؐ روحانی باپ ہوئے ۔ تو آپؐ سے زیادہ محبت ہونی چاہیئے ۔ دنیاوی محبت میں جب ان چاروں میں سے ایک بھی سبب بن جاتا ہے تو جہاں چاروں اسباب پائے جائیں وہاں محبت انتہائی درجہ کی ہونی چاہیئے ۔ اگرچہ باری تعالیٰ میں بھی یہ کمالات ، جمالیات اور احسانات پائے ہیں مگر وہ ذاتی اور ازلی ہیں ۔ آپؐ میں یہ اسباب عارضی اور حدثی ہیں ۔ اس لئے آپؐ کا مرتبہ تمام عالم سے بڑھا ہوا ہوگا ۔ اگر یہ کہا جائے کہ ان اسبابِ محبت کے باوجود وہ فریفتگی اور جذب کیوں نہیں جو مجازی عشاق میں پایا جاتا ہے ۔ تو کہا جائے گا کہ علم بالمحبوب کے نہ ہونے کی وجہ سے ہے ۔ علم بالنبی اختیاری ہے جس کی ہمیں تکلیف دی گئی ۔ صحابہ کرامؓ کی زندگی اس پر شاہد ہے ۔

خدا جب حسن دیتا ہے نزاکت آہی جاتی ہے
طبیعت ہر بشر کی کچھ نہ کچھ بل کھا ہی جاتی ہے

حضرت شیخ زکریاؒ فرماتے ہیں کہ میرے والد صاحب مرحوم فرمایا کرتے تھے کہ یہاں جو محبت مطلوب ہے وہ طبعی ہی ہے ۔ لیکن یہ جو شبہ ہوتا ہے کہ بسا اوقات اولاد کی محبت آنحضرت صلعم کی محبت سے زائد معلوم ہوتی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ رسول اکرم صلعم کے محبت کے مواقع بہت کم پیش آتے ہیں بخلاف اولاد اقارب کے ۔

چنانچہ اگر دونوں میں تصادم ہو جائے۔ تو آپ کی محبت راجح ہوگی۔ مثلاً کسی کی بیوی نعوذ باللہ حضور اکرم صلعم کو بُرا بھلا کہے۔ تو وہ ہرگز برداشت نہیں کرے گا بلکہ گلا تک گھونٹ دے گا۔ اسی طرح اگر کسی کا لڑکا قرآن پاک پر پَیر رکھ دے تو دور ہی سے ڈانٹتا ہوا دوڑے گا۔ اور اگر کوئی ایسا نہ کرے تو وہ مسلمان ہی نہیں۔ اس باب کی اہمیت کو دیکھتے ہوئے اس باب کو دوسرے ابواب پر مقدم ہونا چاہیئے تھا مگر چونکہ حقوق العباد مقدم ہیں اور مضرت کو دفع کرنا زیادہ بہتر ہوتا ہے اس لئے دوسرے ابواب کو مقدم کیا گیا۔

والد کو ولد سے پہلے اس لئے ذکر کیا گیا کہ جس طرح اعلیٰ سے ادنیٰ کی طرف ترقی ہوتی ہے۔ اسی طرح کبھی ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف ترقی ہوتی ہے یہاں پر ادنیٰ سے ترقی ہے جو والد کی محبت ہے اعلیٰ کی طرف جو ولد کی محبت ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ والد کے احترام کی وجہ سے اسے مقدم فرمایا گیا۔ تیسرا جواب یہ ہے کہ محبت فطری اور طبعی ہوتی ہے۔ یہاں محبت تعظیمی اور اعتقادی مراد ہے۔ ایک اشکال یہ بھی ہے کہ روایات میں حضور کی محبت کو والد اور ولد سے مقدم رکھا گیا۔ لیکن اپنے نفس سے محبت کے تقدم اور عدم تقدم کا کوئی ذکر نہیں۔ اس کا ایک جواب علماء نے یہ دیا ہے کہ بعض روایات میں من نفسہ کا لفظ موجود ہے دوسری وجہ یہ ہے کہ یہاں ذکر باعتبار ظہور کے ہے اور اپنے نفس سے محبت کا ظہور نہیں ہوا۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ لڑکے کی محبت اپنی ذات سے زیادہ ہوا کرتی ہے۔ والناس اجمعین دوسری روایت کو اس جملہ کی وجہ سے ذکر فرمایا ہے۔ اور اسی کے عموم میں نفس اجل بھی داخل ہو گیا۔

باب حلاوۃ الایمان

حدیث نمبر ۱۶ حَدَّثَنَا۔ مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنّٰى الخ عَنْ اَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ ثَلٰثٌ مَّنْ كُنَّ فِيْهِ وَجَدَ حَلَاوَةَ الْاِيْمَانِ اَنْ يَّكُوْنَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَحَبَّ اِلَيْهِ مِمَّا سِوَاهُمَا وَاَنْ يُّحِبَّ الْمَرْءَ لَا يُحِبُّهٗ اِلَّا لِلّٰهِ وَاَنْ يَّكْرَهَ اَنْ يَّعُوْدَ فِي الْكُفْرِ كَمَا يَكْرَهُ اَنْ يُّقْذَفَ فِي النَّارِ۔ (الحدیث)

ترجمہ:- حضرت انس رض آنحضرت نبی اکرم صلعم سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا۔ تین خصلتیں ہیں جس شخص میں وہ پائی جائیں گی وہ ایمان کا مٹھاس پائے گا۔ پہلی تو یہ کہ اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول اس شخص ان دونوں کے ماسوا سے زیادہ محبوب ہو۔ اور یہ آدمی جس شخص سے محبت کرے تو وہ محبت صرف اللہ تعالیٰ کے لئے ہو۔ تیسری یہ کہ کفر میں واپس جانا اس طرح ناپسند ہو جیسے آگ میں پھینکا جانا

ناپسند ہوتا ہے۔

تشریح از شیخ مدنی رح حلاوت ایک وصف ہے جو نفس شئی سے زائد ہوتی ہے۔ یہاں پر عام شراح کے نزدیک حلاوت معنویہ مراد ہے۔ لیکن حسیہ اور ظاہرہ بھی ہو سکتی ہے۔ قبل ازیں ایمان کے اندر زیادتی اور نقصان کو تبلایا تھا۔ اب اس کے کمالات میں زیادتی اور نقصان کو ثابت فرماتے ہیں۔

ان یحب المرء لا یحبہ الا اللہ حضرت شیخ زکریا فرماتے ہیں یہ معیار محبت اس لئے ہے کہ اگر کسی سے دنیا کے واسطے محبت کرتا ہو تو جب یہ معلوم ہوگا کہ یہ تو بڑا بخیل ہے۔ تو پھر اس سے نفرت ہو جائے گی۔ اور اگر شہوت کی وجہ سے کسی سے محبت کرے اور وہ منہ پھیرلے تو دو تین مرتبہ کے بعد یہ بھی کہہ اٹھے گا کہ مارو کم بخت کو لیکن اگر اللہ کے لئے محبت کرتا ہے تو اگرچہ وہ اس کو کچھ نہ دے اور بے رخی کرے پھر بھی وہ اس کے ساتھ محبت کرے گا۔ اس لئے کہ وہ ذات جس کے لئے یہ محبت کرتا ہے وہ تو اسی طرح باقی ہے۔

ان یکرہ ان یعود فی الکفر یہ بات اس وقت ہوگی جب کہ ایمان دل کی جڑ میں پیوست ہو جائے اور یہ ایمان کے اندر پختگی لا الہ الا اللہ کی کثرت سے ہوتی ہے۔ اور اس میں ذکر بالجہر ضروری نہیں بلکہ زبان سے آہستہ آہستہ بھی کافی ہے۔

حضرت شیخ مدنی رح فرماتے ہیں کہ ان یکرہ ان یعود الخ عہد نبوی کے تو مناسب ہے مگر آج کل ہم تو ماں کے پیٹ سے ہی مسلمان پیدا ہوئے ہیں تو پھر ہم میں عود فی الکفر کیسے ہوگا۔ تو بعض حضرات نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ یہ علامت آپ کے عہد کے ساتھ مختص ہے۔ اور بعض نے کہا کہ عود فی الکفر سے مجازی معنی ان یکفر کے ہیں۔ بہرحال اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ جس شخص میں یہ تینوں چیزیں ہوں گی اس کو زیادہ حلاوت حاصل ہوگی۔ اور جس میں کم ہوں گی اس قدر حلاوت بھی کم ہوگی۔ تو جب کمالات میں بھی زیادتی و نقص پایا جاتا ہے تو مرجیہ کا انکار کیسے صحیح ہوگا۔

باب علامة الایمان حب الانصار

حدیث نمبر ۱۔ حَدَّثَنَا۔ اَبُو الْوَلِیْدِ الخ سَمِعْتُ اَنَسَ بْنَ مَالِكٍ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اٰیَةُ الْاِیْمَانِ حُبُّ الْاَنْصَارِ وَاٰیَةُ النِّفَاقِ بُغْضُ الْاَنْصَارِ۔ (الحدیث)

ترجمہ۔ حضرت انس بن مالک رض حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلعم

نے فرمایا کہ ایمان کی نشانی انصار سے محبت کرنا ہے۔ اور نفاق کی نشانی انصار سے بغض رکھنا ہے۔

تشریح از شیخ زکریاؒ۔ انصار سے محبت کرنا جزء ایمان تو نہیں ہے۔ لیکن چونکہ امام بخاریؒ نے ایمان کے ابواب ذکر فرمائے ہیں۔ تو ایمان کے بعض مناسب امور کا بھی ذکر فرما دیا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار کی محبت کی تحریص فرمائی ہے کیونکہ انہوں نے دین کی مدد کی لہذا ظاہر ہے کہ اگر کوئی ان سے محبت کرتا ہے۔ تو اسی وجہ سے کہ انہوں نے دین کی مدد کی ہے۔ آپؐ کی اعانت فرمائی ہے۔ تو حقیقۃً یہ دین سے محبت ہوگی۔ اس لئے اس کو ایمان کی علامت فرمایا گیا۔ اب اسی طرح اگر کوئی حضرات انصار سے عداوت رکھتا ہے تو اس کے بھی دل میں ایمان نہ ہوگا۔ کیونکہ اس کی دشمنی اس نصرت اور مدد کی بنا پر ہوگی۔ اسی لئے انصار سے عداوت اور بغض کو نفاق کی علامت قرار دیا گیا۔

حضرت شیخ مدنیؒ فرماتے ہیں کہ انصار مدینہ آپؐ کے سچے عاشق ہیں۔ مہاجرین نے تو مجبور ہو کر کفار کے جبر سے گھر بار چھوڑا اگرچہ یہ بھی عشق ہے مگر انصار بخوشی آپؐ پر ایمان لائے۔ اور بیعت عقبہ کر کے تمام دنیا کی دشمنی مول لی۔ مسلمانانِ مکہ کو بلوایا اور آپؐ کو اور آپؐ کے ساتھیوں کو ٹھکانا دیا۔ حالانکہ سارا عالم آپؐ کا دشمن ہو چکا تھا۔ بلکہ آپؐ کے متعلق یہ اعلان ہوا تھا کہ جو آپؐ کو پکڑ کر ہمارے حوالے کرے گا اسے چالیس اونٹ دیں گے۔ اور ٹھکانا دینے والوں کو کفار نے دھمکی بھی دی تھی۔ ان تمام موانع کے باوجود انصار آپؐ کی تشریف آوری پر عید مناتے ہیں۔ اور بدر و احد میں مہاجرین کی بنسبت ان کے افراد زیادہ شہید ہوئے ہیں۔ مؤرخین لکھتے ہیں کہ انصار کی فدائیت اور مہاجرین سے ان کی ہمدردی اور مواخات کی ہے اس کی نظیر دنیا میں نہیں ملتی۔

یہ سب چیزیں عشق نبویؐ پر دلالت کرتی ہیں۔ اگر آپؐ میں یہ جاذبیت نہ ہوتی۔ تو یہ فدائیت کیسے پائی جاتی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے عشاق ایسے نہیں تھے۔ موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے تو کہہ دیا اذھب انت وربک فقاتلا انا ھٰھنا قاعدون۔ بہرحال جب کسی سے عشق ہوتا ہے تو اس کے چاہنے والوں سے بھی عشق ہو جاتا ہے۔ اس لئے جو آنحضرت صلعم سے محبت رکھے گا۔ وہ آپؐ کے ان فدائیوں سے بھی محبت رکھے گا۔ ورنہ محبت نہیں ہو سکتی۔ انصار میں ہر قسم کی فدائیت پائی جاتی تھی۔

چنانچہ آخر میں فتح مکہ کے موقع پر جب سرداران قریش کو اونٹ دیئے گئے تو نوجوانانِ انصار نے اعتراض کیا۔ کہ تلواریں ہم چلائیں اور مال یہ لوگ لے جائیں۔ اس پر آنحضرت صلعم کا ارشاد ہوا۔ اے انصار تمہیں یہ پسند

نہیں ہے کہ لوگ تو مال د مویشی لے کر جائیں۔ اور تم اللہ کے رسول کو لے کر گھر لوٹو۔ توجعون برسول اللہ
چنانچہ انصار نے کہا رضینا رضینا ہم راضی ہیں ہم راضی ہیں۔ ایسے جان نثاروں پر لوگ اعتراضات کر
کے اپنے بغض باطن کا اظہار کرتے ہیں۔ جو من احبهم فبحبی احبهم ومن ابغضهم فببغضی ابغضهم
ایسے لوگوں کو آپؐ سے محبت نہیں ہو سکتی بلکہ یہ نفاق ہے۔

باب، حدیث نمبر ۱۸ حَدَّثَنَا اَبُوالْیَمَانِ الخ اَنَّ عُبَادَةَ بْنَ الصَّامِتِ وَكَانَ شَهِدَ بَدْرًا وَّ هُوَ اَحَدُ النُّقَبَاءِ لَيْلَةَ الْعَقَبَةِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ وَحَوْلَهُ عِصَابَةٌ مِّنْ اَصْحَابِهِ بَايِعُوْنِيْ عَلٰى اَنْ لَّا تُشْرِكُوْا بِاللّٰهِ شَيْئًا وَّ لَا تَسْرِقُوْا وَلَا تَزْنُوْا وَلَا تَقْتُلُوْا اَوْلَادَكُمْ وَلَا تَاْتُوْا بِبُهْتَانٍ تَفْتَرُوْنَهُ بَيْنَ اَيْدِيْكُمْ وَاَرْجُلِكُمْ وَلَا تَعْصُوْا فِيْ مَعْرُوْفٍ فَمَنْ وَّفٰى مِنْكُمْ فَاَجْرُهُ عَلَى اللّٰهِ وَمَنْ اَصَابَ مِنْ ذٰلِكَ شَيْئًا فَعُوْقِبَ فِي الدُّنْيَا فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَّهُ وَمَنْ اَصَابَ مِنْ ذٰلِكَ شَيْئًا ثُمَّ سَتَرَهُ اللّٰهُ فَهُوَ اِلَى اللّٰهِ اِنْ شَاءَ عَفَا عَنْهُ وَاِنْ شَاءَ عَاقَبَهُ فَبَايَعْنَاهُ عَلٰى ذٰلِكَ۔

ترجمہ:۔ حضرت عبادہ بن الصامت جو ایک بدری صحابی ہیں۔ کہ بدر کی لڑائی میں حاضر ہوئے تھے۔ اور عقبہ والی رات اپنی قوم کے نمائندوں میں ایک نمائندہ تھے۔ وہ فرماتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلعم نے اس وقت یہ ارشاد فرمایا جبکہ آپ کے ارد گرد آپؐ کے صحابہ کی جماعت بیٹھی تھی کہ تم اس بات پر میرے ہاتھ پر بیعت کرو۔ کہ تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ بناؤ گے۔ نہ چوری کرو گے۔ نہ زنا کرو گے اور نہ ہی اپنی اولاد کو قتل کرو گے اور نہ ہی تم کسی پر کوئی ایسی تہمت لگاؤ گے جس کو تمہارے ہاتھ اور پاؤں نے گھڑ لیا ہو۔ اور نہ ہی کسی نیکی کے کام میں میری نافرمانی کرو گے۔ پس جس نے تم سے اس معاہدہ کو پورا کیا تو اس کا ثواب اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے اور جس شخص نے ان گناہوں میں سے کسی کا ارتکاب کیا اور اسے اس کی وجہ سے اسے دنیا میں سزا مل گئی تو یہ سزا اس کے گناہوں کا کفارہ بنے گی اور اگر کسی نے کسی گناہ کا ارتکاب کیا پھر اللہ تعالیٰ نے اس کی پردہ پوشی کر دی تو پھر اللہ تعالیٰ کو اختیار ہے۔ چاہے اسے معاف کر دے چاہے اسے سزا دے تو ہم سب نے اس معاہدہ پر آپؐ سے بیعت کر لی۔

تشریح از شیخ زکریاؒ یہ باب بلا ترجمہ ہے۔ جس کی کئی وجوہات ذکر کی جاتی ہیں۔ مشہور وجہ یہ ہے کہ

حضرت امام بخاریؒ باب بلا ترجمہ وہاں لاتے ہیں جہاں اس باب کو باب سابق سے فی الجملہ مناسبت ہو۔ اور فی الجملہ تفارق ہو۔ چنانچہ اس باب بلا ترجمہ میں جو حدیث آرہی ہے اس کا من وجہ پہلے باب سے تعلق یہ ہے کہ جیسے وہاں انصار کا ذکر ہے۔ ایسے اس حدیث میں بھی انصار کے کچھ حالات بیان کر دیئے گئے لیکن فی الجملہ مناسبت نہیں کیونکہ پہلے باب میں حب انصار کا ذکر ہے۔ اس باب میں مطلق انصار کا ذکر ہے حب بغض کا نہیں۔ مولانا زکریا فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک مناسبت یہ ہے کہ باب سابق میں انصار کی محبت کو ایمان کی علامت قرار دیا گیا تھا۔ باب بلا ترجمہ باندھ کر تبلا دیا کہ انصار سے محبت ایمان کی علامت اس وجہ سے ہے۔ کہ انہوں نے ابتداء اسلام میں آنحضرت صلعم کی مدد فرمائی دین کی اشاعت کی۔ آپؐ کے ساتھ موافقت کی۔ اور قاعدہ ہے جو آدمی مصیبت کے وقت کام آئے۔ بنسبت اوروں کے اس کو زیادہ خصوصیت حاصل ہوتی ہے۔ حضرات مہاجرین نے گو مدد کی مگر اجتماعی طور پر انصار ہی نے ابتدا کی تو باب سابق میں جو حب الانصار کو ایمان کی علامت قرار دیا گیا۔ اس کی وجہ خود بخود معلوم ہو گئی۔

حضرت شیخ الہندؒ ارشاد فرماتے ہیں۔ کہ امام بخاریؒ کبھی کبھی باب بلا ترجمہ تشحیذ اذہان کے لئے لایا کرتے ہیں۔ تشحیذ اذہان کے معنی ہیں ذہنوں کو تیز کرنا۔ کہ امام بخاریؒ ناظر کو متوجہ کرتے ہیں کہ وہ روایت کو دیکھ کر کوئی ترجمہ خود اس کے مناسب منعقد کرے۔ کہ اتنے ابواب تو ہم نے بیان کئے تم بھی مناسب حال کوئی ترجمہ باندھو تو باب اجتناب الکبائر علامۃ الایمان واجتناب المعاصی من الایمان ہو سکتا ہے اور دوسرا قاعدہ شیخ الہندؒ نے یہ بھی ذکر فرمایا کہ کبھی کبھی تکثیر تراجم کے پیش نظر باب بلا ترجمہ ذکر فرماتے ہیں کیونکہ اگر خود ہی کوئی ترجم منعقد فرما دیتے تو وہی رہتا اب ناظر غور و فکر کرکے جو ترجمہ مناسب سمجھیگا وہی ترجمہ وضع کریگا۔

ایک بات یہ بھی ہے کہ امام بخاریؒ نے ابواب سابقہ میں مرجئہ پر رد فرمایا ہے۔ لیکن اس باب سے مرجئہ اور خوارج دونو پر رد ہے۔ تو تمایز کے لئے باب بلا ترجمہ ذکر فرمایا۔ خوارج پر رد تو ان شاء عفا عنہ سے کیا کہ وہ گناہگار کافر نہیں ہوتا بلکہ معافی ہو سکتی ہے۔ اور مرجئہ پر رد ان شاء عاقبہ سے فرمایا کہ اعمال نہ کرنے کی صورت میں عذاب دے سکتے ہیں۔

اور بعض شراح کی رائے یہ بھی ہے۔ کہ گاہے باب بلا ترجمہ اختلاف طرق کے واسطے بھی پیش فرماتے ہیں۔ اور گاہے امام بخاریؒ باب بلا ترجمہ رجوع الی الاصل کے ذکر فرماتے ہیں جس کی صورت یہ ہے کہ ایک باب قائم کرکے اس کے بعد دوسرا باب اس کے مناسب ذکر فرما دیا۔ یا پھر کوئی روایت ایسی ذکر فرمائی جو باب

متصلہ کے مناسب نہیں ہے۔ لہٰذا باب بلا ترجمہ ذکر کرکے اشارہ فرماتے ہیں کہ اب ہم باب اول کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ وکان شہد بدرا یہ بطور منقبت کے ذکر فرمایا چونکہ بدر میں حاضر ہونے والوں کے بڑے فضائل ہیں۔ حتیٰ کہ آنحضرت صلعم نے فرمادیا کہ لعل اللہ اِطَّلَعَ عَلٰی اَھْلِ بَدْرٍ فَقَالَ لَھُمْ اِفْعَلُوْا مَا شِئْتُمْ فَقَدْ غَفَرْتُ لَکُمْ یعنی شاید اللہ تعالیٰ نے اہل بدر کی طرف جھانک کر فرما دیا ہو کہ تو اس قابل تو نہ تھا کہ تجھے چھوڑ دیا جائے مگر ہم نے محض اپنے فضل سے تجھے بخش دیا تو اب کس کو دم مارنے کی مجال ہے۔ اس خصوصیت کی بناء پر کہیں کہیں کان شہد بدراً لکھ دیتے ہیں و ھواحد النقباء لیلۃ العقبۃ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہجرت سے پہلے یہ دستور تھا کہ آپؐ قبائل پر اسلام پیش فرماتے تھے وہ لوگ حضور اکرم صلعم کی بات ماننے کی بجائے الٹا ایذائیں پہنچاتے تھے۔ اور یہ بھی دستور تھا کہ ایام حج میں منیٰ اور عرفات میں جاکر لوگوں کو دین کی دعوت دیتے تھے۔ ایک مرتبہ آنحضرت صلعم نے ۱۱ھ نبوی میں انصار کے چھ آدمیوں کو اسلام کی دعوت دی۔ انہوں نے عرض کیا کہ ہمیں کوئی وقت رات کا کسی خاص مقام میں دیا جائے تاکہ ہم آپؐ سے کوئی بات کریں۔ حضور اکرم صلعم نے ایک گھاٹی مقرر فرما دی۔ رات کو آپؐ اور وہ چھ آدمی حاضر ہوتے۔ ان میں ایک اسعد بن زرارہ بھی تھے۔ آپؐ نے ان کو اسلام کی دعوت دی تو وہ مسلمان ہوگئے۔ صبح کو شور مچ گیا کہ یہ لوگ صابی ہوگئے۔ مگر چونکہ چند آدمی تھے بات پھیل نہ سکی۔ انہوں نے اس کی شد ومد کے ساتھ تغلیط کر دی۔ اس کے بعد ۱۲ھ نبوی میں بارہ آدمی حاضر خدمت ہوتے۔ اور اسی گھاٹی میں اسی طرح بات چیت ہوئی اور یہ لوگ بھی مسلمان ہوگئے پھر ۱۳ھ نبوی میں ۷۰ آدمی حاضر ہوتے۔ اور اسی گھاٹی میں ایمان لائے اس لیلۃ العقبۃ الثالثہ میں جہاں اور باتیں ہوئیں وہاں یہ بات بھی ہوئی کہ ان حضرات نے حضور اکرم صلعم سے درخواست کی کہ آپؐ ہمارے ہاں مدینہ منورہ تشریف لے جائیں۔ ہم لوگ آپؐ کی ہر طرح سے مدد کریں گے۔ بس یہی ہجرت کا سبب اور آغاز ہوا اس مجلس میں حضرت عباسؓ بھی موجود تھے۔ جو اس وقت تک مسلمان نہیں ہوتے تھے۔ جب مدینہ لے جانے کی باتیں ہو رہی تھیں، تو انہوں نے تقریر کرتے ہوئے فرمایا کہ لوگ حضرت محمد مصطفےٰ صلعم کی بات کو نہیں مانتے جس کی وجہ سے آپؐ سب کی نظروں میں معتوب ہیں۔ لہٰذا تم اس شرط پر لے جاؤ۔ کہ کسی قسم کی تکلیف نہ ہو۔ بڑے عہود و مواثیق کے بعد یہ حضرات رخصت ہوتے نقباء جمع نقیب کی ہے۔ وہ شخص جو اپنی قوم کا سردار ہو۔ اور ان کے حالات سے اچھی طرح واقف ہو اور کبھی اس کو عریف (چوہدری) کے لفظ سے بھی تعبیر کرتے ہیں۔ تو نقباء سے وہی لوگ مراد ہوتے ہیں

جو موسم حج میں پوشیدہ طور پر اس گھاٹی میں اسلام لاتے۔ اور لیلۃ العقبہ وہ رات کہلاتی ہے جس میں یہ سب لوگ جمع ہوتے تھے۔ اب حضرت عبادہ بن الصامتؓ کے متعلق مشہور تو یہ ہے کہ وہ لیلۃ العقبہ الثانیہ کے نقباءً میں سے ہیں۔ لیکن بعض نے ان کو بیعت اولی کے نقباء میں شمار کیا ہے۔ اس لئے محشی نے بین السطور الاولی اوالثانیہ لکھ دیا۔ مگر مشہور یہی ہے کہ وہ بیعۃ ثانیہ کے نقباء میں سے ہیں اس تمام واقعہ سے حب انصار کا پتہ چلتا ہے۔ کہ ان لوگوں کو آپؐ سے کتنی محبت تھی۔ جس کی بناء پر ان لوگوں نے آپؐ کو اپنے پاس بلایا۔ اس صورت میں اس حدیث پاک کو حب الانصار علامۃ الایمان سے خوب مناسبت ہو جائے گی۔ کہ جیسے یہ حضرات آنحضرت صلعم سے محبت کرتے تھے ایسے ہی یہ خود بھی اس لائق ہیں کہ ان سے محبت کی جائے۔

بایعونی ان لا تشرکوا باللہ شیئاً اس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ بیعت عقبہ یعنی بیعت اسلام ہے۔ لیکن اس سے قبل جو جملہ وارد ہوا ہے۔ یعنی وحولہ عصابتہ من الصحابہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بیعت اسلام نہیں۔ کیونکہ اسی بیعت کے وقت صحابہ موجود نہ تھے۔ ایک دو تھے۔ لہٰذا حافظ ابن حجرؒ کی رائے یہ ہے کہ یہ فتح مکہ کے بعد کا واقعہ ہے۔ بعض لوگ جاہل اعتراض کرتے ہیں کہ بیعت صوفیہ بدعت ہے۔ مگر یہ اعتراض غلط ہے کیونکہ خود آنحضرت صلعم سے بیعت الاسلام بیعت الجہاد بیعت السلوک سب ثابت ہیں۔ یہاں وہ حضرات اس روایت پر اعتراض کر سکتے ہیں کہ یہ بیعت تو اسلام کی بیعت ہے۔ لیکن حضرت عبادہؓ کی روایت سے بیعت السلوک بھی ثابت ہے۔ کہ آپؐ نے دوبار فرمایا بایعونی جب کہ وہ بیعت اسلام کر چکے تھے۔ اور اس وقت کہیں جہاد پر جانے کا ارادہ بھی نہیں تھا۔ تو پھر یہ بیعت السلوک کے سوا اور کیا تھی۔ لا تشرکوا باللہ شیئاً میں شخصاً اس لئے نہیں فرمایا کہ اس سے عموم مراد ہے

لا تأتوا ببھتان الخ۔ بہتان یہ ہے کہ کسی آدمی پر وہ عیب لگایا جائے۔ جو اس میں نہ ہو۔ اس کے معنی میں علماء کے چند اقوال ہیں۔ اول یہ ہے کہ بین ایدیکم وارجلکم سے مراد منہ در منہ اور آمنے سامنے ہے۔ مطلب یہ کہ کسی کو آمنے سامنے بہتان نہ باندھو کیونکہ اول تو بہتان فی نفسہ قبیح ہے۔ مگر کسی کے سامنے یوں کہنا کہ تو رات کہاں گیا تھا۔ تو نے کیا کیا۔ یہ زیادہ قبیح ہے اس سے اس کو شرم آئے گی دوسرا مطلب یہ ہے کہ بین ایدیکم وارجلکم سے فرج مراد ہے۔ مطلب یہ ہے کہ کسی کو فرج کا بہتان نہ لگاؤ۔ کیونکہ یہ بہت قبیح ہے۔ تیسرا مطلب یہ ہے کہ بین ایدیکم وارجلکم سے مراد قلب ہے۔ کیونکہ وہ سینے

کے درمیان بھی ہے اور یدین اور رجلین کے درمیان بھی چوتھا مطلب یہ ہے کہ کسی کو نفی ولد کے سلسلہ میں بہتان مت باندھو۔ یعنی یہ مت کہو کہ وہ حرامی ہے۔ پانچواں مطلب یہ ہے کہ زنا کر کے اپنے شوہر پر بہتان مت باندھو کہ بدفعلی عرب میں عام تھی۔ اور کسی سے زنا کرا لیا۔ اور جو بچہ پیدا ہوتا اس کو اپنے شوہر کی طرف منسوب کرتی تھیں بس یہی بہتان ہے اور اسی سے منع کیا گیا ہے۔

ولا تعصوا فی معروف! اگرچہ آنحضرت صلعم نے جتنے بھی اوامر فرمائیں وہ سب معروف ہیں مگر آپ نے اپنے کلام میں یہ قید تعلیم امت کے لئے لگائی ہے کہ لا طاعۃ لمخلوق فی معصیۃ الخالق اللہ فھو کفارۃ لہ۔ اس سے ایک مسئلہ خلافیہ مستنبط ہوتا ہے۔ وہ یہ کہ حدود کفارہ ہیں یا نہیں امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ حدود کفارہ ہیں وہ شخص عنداللہ ماخوذ نہ ہوگا۔ اور نہ ہی اسے توبہ کرنی پڑے گی حضرات حنفیہؒ فرماتے ہیں کہ حدود کفارہ نہیں ہیں وہ صرف زواجر کے درجہ میں ہیں۔ مگر ذنب جو حق اللہ کے بارے میں تھا وہ باقی ہے اس کے لئے توبہ کی ضرورت ہے۔ امام بخاریؒ بھی امام شافعیؒ کے ساتھ ہیں۔ لیکن واضح رہے کہ حضرت اقدس گنگوہیؒ کا مشہور مقولہ ہے کہ حدیث کو جتنی سرسری نظر سے دیکھا جائے گا وہ اتنی ہی حضرات حنفیہ کے خلاف ہوگی۔ اور جتنا حدیث پاک میں توغل کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ وہ حنفیہؒ کے بالکل موافق ہے۔ نیز! احناف کے ہاں ایک قاعدہ ہے کہ پہلے قرآن پر نظر کی جائے۔ اور حدیث موافق بالقرآن ہو اس پر عملدرآمد کیا جائے۔ کیونکہ اکثر احادیث روایت بالمعنی ہیں۔ اور الفاظ قرآن قطعی ہیں۔ مثلاً حدیث میں رفع اور عدم رفع دونو وارد ہوتے ہیں۔ قرآن مجید پر غور کرنے سے معلوم ہوا کہ قوموا للہ قانتین کے موافق عدم رفع ہے۔ ایسے ہی احادیث میں آمین بالجہر و بالسر دونو وارد ہیں۔ لیکن آمین بالسر قوموا للہ قانتین کے زیادہ موافق ہے۔ ایسے بعض احادیث سے جلسہ استراحت کا ثبوت اور بعض سے عدم ثبوت کا پتہ چلتا ہے لیکن غور کرنے سے معلوم ہوا کہ جلسہ استراحت میں دو حرکتیں ہوتی ہیں۔ اور عدم جلسہ میں ایک حرکت ہوتی ہے۔ لہٰذا یہ بھی اس آیت کریمہ کے موافق ہوا۔ اس طرح کی اور بھی بہت سی مثالیں ہیں جو اس قاعدہ مسلمہ پر مرتب ہوں گی۔ اس قسم کے اصول دوسرے ائمہ کے نزدیک بھی ہیں۔ چنانچہ امام مالکؒ کے مرجحات قویہ میں سے یہ ہے کہ وہ سب سے پہلے اہل مدینہ کے عمل کو دیکھتے ہیں۔ جو حدیث بھی عمل اہل مدینہ کے موافق ہوگی وہی ان کے نزدیک راجح ہوگی۔ مؤطا امام مالکؒ کے بغور مطالعہ سے یہ حقیقت روز روشن کی طرح واضح ہوگی۔ ولکل وجھۃ ھو مولیھا حضرات احنافؒ اوفق بالفاظ القرآن کو اس لئے راجح قرار دیتے ہیں کہ قرآن اللہ کا کلام ہے

اور اس کے الفاظ منزل من اللہ ہیں۔ لہٰذا جو حدیث اس کے موافق ہوگی وہ زیادہ اقرب الی الصواب ہوگی۔ کیونکہ چند احادیث ہی روایت باللفظ ہیں۔ جن میں سے ایک مَنْ کَذَبَ عَلَیَّ مُتَعَمِّدًا فَلْیَتَبَوَّءْ مَقْعَدَہٗ مِنَ النَّارِ ہے، ترجمہ، جس نے جان بوجھ کر مجھ پر جھوٹ باندھا وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنالے۔ باقی سب روایات بالمعنی ہیں اور حضرت امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ اسلام مدینہ میں آیا اور یہیں رہا۔ لہٰذا جتنے اہل مدینہ واقف ہوں گے۔ اور کوئی واقف نہ ہوگا۔ اور شافعیہ کے یہاں اہم اصول میں اخذ بروایۃ الاوثق ہے اور حنابلہ کی اصل اعظم اخذ بروایۃ الثقہ ہے۔ خواہ اختلاف بھی کیوں نہ ہو۔ جب یہ اصول معلوم ہو گئے تو اب حنفیہ کے نزدیک توبہ تو کفارہ بن سکتی ہے۔ محض حدود کفارہ نہیں بنیں گے۔ کیونکہ قرآن پاک پر جو نظر ڈالی جائے تو یہ آیت سامنے آتی ہے کہ السارق والسارقۃ فاقطعوا ایدیھما جزاء بما کسبا نکالا من اللہ واللہ عزیز حکیم اس آیت میں چور کی سزا قطع ید ذکر فرمائی گئی ہے۔ وہ تو بیان ہو چکی آگے فرماتے ہیں، فمن تاب من بعد ظلمہ وَاَصْلَحَ فَاِنَّ اللہ یتوب علیہ ان اللہ غفور رحیم تو ہمیں پوچھنا یہ ہے کہ جزا ختم ہو چکی اور حدود کفارات ہیں۔ اور کفارہ سیئہ ہو چکا تو اب فمن تاب کا کیا مطلب ہے۔ اور اس فاء تعقیب کے لانے کی وجہ کیا ہے؟ سوائے اس کے کہ یہ کہا جائے کہ حدود کفارہ نہیں ہیں بلکہ توبہ کی بھی ضرورت ہے اور یہ کہ حدود ساتر اثم ہیں رافع اثم نہیں ہیں۔ ایسے ہی ایک دوسری جگہ ارشاد ہے۔ والذین یرمون المحصنٰت ثم لم یاتوا باربعۃ شھداء فاجلدوھم ثمانین جَلْدَۃً ولا تقبلوا لھم شھادۃ اَبَدًا واولٰئِکَ ھم الفاسقون اِلَّا الَّذِیْنَ تابوا الآیہ تو جب حد قذف اسی کوڑے مارے جا چکے اور حدود کفارات ذنوب ہیں تو پھر الا الذین تابوا کا کیا مطلب ہے۔ اور یہ استثناء کسی وجہ سے فرمایا گیا ہے۔ اور جو روایات میں فھو کفارۃ لہ وارد ہوا ہے اس کا مطلب وہ ہے۔ جو دوسری احادیث سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ جب کسی بندہ کو کوئی مصیبت پہنچتی ہے۔ تو وہ اس کے لئے کفارہ بنتی ہے۔ حتّٰی الشوکۃ یشاکھا اس طرح اس کو یہاں تکلیف پہنچی ہے کہ اس نے حد کی مشقت اور مصیبت برداشت کی تو اس پر اس کو جواجر ملے گا۔ اس کو کفارہ سے تعبیر کیا گیا ہے اور یہی کفارۃ لہ کی مراد ہے۔ اور احناف کا تیسرا مستدل قرآن مجید کی یہ آیت ہے ذلک لھم خزی فی الحیٰوۃ الدنیا ولھم فی الاخرۃ عذاب عظیم الا الذین تابوا من قبل ان تقدروا علیھم الآیۃ جس سے معلوم ہوا کہ حدود کفارات نہیں ہیں بلکہ زواجر ہیں کہ جن کی وجہ سے لوگ جرائم سے

باز آجائیں گے۔ مگر ذنب کے سقوط کے لئے تو یہ ضروری ہے۔ البتہ اگر اللہ تعالیٰ معاف فرما دیں تو اور بات ہے
حضرت شیخ مدنیؒ فرماتے ہیں کہ اس جگہ بعض احناف نے کہا کہ آپؐ نے فرمایا لا ادری الحد ود کفارۃ ام لا
مگر یہ روایت ضعیف ہے اگر صحیح بھی ہو۔ تو کہا جائے گا کہ یہ روایت پہلے کی ہے بعد کو جب علم ہو گیا تو آپؐ
نے فرمایا فھو کفارۃ لہ اور یہ روایت صحیح ہے۔ بہرحال امام صاحبؒ کا استدلال اس روایت سے نہیں
ہے۔ بلکہ ان کا استدلال ان قرآنی آیات سے ہے جو گذر چکی ہیں۔ اور اس روایت سے جو کفارہ معلوم ہوتا
ہے۔ تو چونکہ یہ خبر واحد ہے۔ نص قطعی کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ بایں ہمہ ہم جمع بین الروایتین کی صورت
بیان کرتے ہیں کہ آپؐ کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے جیسے ترمذی جلد ثانی ص۹۴ پر ہے کتاب الایمان
فاللہ اکرم من ان یعود فی شیئ قد عفا عنہ کہ اللہ تعالیٰ اس بات سے بہت بلند ہیں کہ وہ
اس چیز کی طرف واپس آئیں جس کو معاف کر چکے ہیں اور پچھلی روایت میں تھا ان شاء عاقبہ وان شاء
عفا عنہ کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو سزا دے چاہے معاف کر دے۔ تو آیت اور ان تینوں روایات میں جمع
کی یہ صورت ہوگی۔ کہ آپؐ کا ارشاد قضا کے متعلق ہے۔ کہ جس میں احد الخصمین کی کوئی رعایت نہ ہو۔
یا احد الخصمین میں سے کسی ایک کی یا دونو کی رعایت کر کے فیصلہ کر دیا جائے۔ قضاءً فیصلہ تو عادلانہ ہوگا
مگر احدھما کی رعایت یا دونو کی رعایت ہو یہ تشفقاً ہوگی۔ جس میں مصالحانہ انداز ہوگا۔ باری تعالیٰ نے جو
نکالاً من اللہ فرمایا ہے۔ وہ فیصلہ قضاءً ہے۔ اس کے بعد تو بہ کا ذکر ہے۔ اس طرح بُغَاۃ اور صاحب قذف
میں توبہ کا بیان ہے۔ اور ان شاء عاقبہ میں یہ فیصلہ رجاءً ہے۔ اور فاللہ اکرم الخ اور فھو کفارۃ
لہ یہ بھی رجاءً اور مصالحانہ فیصلہ ہے۔ چنانچہ امام صاحبؒ بھی یہی فرماتے ہیں کہ فھو کفارۃ لہ یہ
فیصلہ بطریق عدل نہیں بلکہ مصالحۃً ورجاءً ہے

باب، مِنَ الدِّيْنِ الْفِرَارُ مِنَ الْفِتَنِ،

حدیث نمبر ۱۸ حَدَّثَنَا، عَبْدُ اللّٰهِ الخ عَنْ اَبِيْ سَعِيْدِنِ الْخُدْرِيِّ اَنَّهٗ قَالَ قَالَ
رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُوْشِكُ اَنْ يَّكُوْنَ خَيْرَ مَالِ الْمُسْلِمِ غَنَمٌ يَتْبَعُ بِهَا
شَعَفَ الْجِبَالِ وَ مَوَاقِعَ الْقَطْرِ يَفِرُّ بِدِيْنِهٖ مِنَ الْفِتَنِ ۔ (الحدیث)

ترجمہ۔ حضرت ابو سعید خدریؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ عنقریب مسلمان کا
بہترین مال وہ بکریاں ہوں گی جن کے پیچھے وہ پہاڑ کی چوٹیوں اور بارش کے اترنے کی جگہوں میں پھرے گا۔

اس حال میں کہ فتنوں سے بچنے کے لئے اپنے دین کو لے کر بھاگتا پھرے گا۔

تشریح از شیخ زکریاؒ پہلے ان امور کا ذکر تھا جن کو حاصل کرنا چاہیئے۔ اب یہاں سے ان امور کا ذکر فرماتے ہیں۔ جن سے بچنا چاہیئے۔ کیونکہ قاعدہ ہے وبضدھا تتبین الاشیاء امام بخاریؒ نے یہاں لفظ دین استعمال کیا ہے اور پہلے ابواب میں کہیں ایمان کہیں اسلام کا لفظ اطلاق کرکے اس طرف اشارہ فرمایا کہ یہ تینوں ایک ہیں۔ مشترک المعنی اور مختلف الالفاظ۔ اس حدیث میں حضور اقدس صلعم نے پیشین گوئی فرمائی ہے کہ عنقریب وہ زمانہ آنے والا ہے کہ شہر میں رہنا دشوار ہو جائے گا۔ اور اپنے دین کی حفاظت کی خاطر لوگ شہر سے بھاگ کر جنگلات کو مسکن بنائیں گے۔

از شیخ مدنیؒ ایمان۔ اسلام اور دین کے درمیان ترادف بیان کرنے کے بعد امام بخاریؒ اس لئے بھی لفظ دین کو لائے ہیں کہ روایت میں آنحضرت صلعم نے لفظ دین کا استعمال فرمایا ہے جس کو ترجمہ میں امام بخاریؒ لاتے مراد وہی ایمان ہے۔ تکمیل دو طرح سے ہوتی ہے۔ تخلیہ اور تحلیہ سے۔ اب تک تحلیہ سے ایمان کی تکمیل بیان ہوئی کہ کن کن اشیاء سے ایمان مکمل ہوتا ہے فرار من الفتن باب تخلیہ سے ہے جس سے معلوم ہوا کہ ایمان کے اندر صرف عمل ہی نہیں بلکہ قول وفعل میں تروک میں شامل ہیں یوشک ان یکون الخ سے معلوم ہوتا ہے کہ لوگوں کے میل وجول سے تنہائی اچھی ہوگی۔ حالانکہ میل وجول کے ذریعہ نماز جمعہ۔ جماعۃ عیدین۔ جنازہ وغیرہ میں شمولیت کا آپؐ نے حکم فرمایا ہے۔ کیونکہ انسان مدنی الطبع ہے۔ تو اس حدیث سے آنحضرت صلعم کا مقصد یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ ایک زمانہ آخر میں ایسا آئے گا۔ کہ تفرد اجتماع سے بہتر ہوگا۔ اور تفرد کی صورت یہ بتلائی۔ کہ چند بکریاں لے کر پہاڑوں میں چلا جائے۔ جبکہ لوگوں کے ضرر سے بچنا مشکل ہو جائے۔ تو اس کی خیریت اسی تنہائی میں ہے۔ چنانچہ لوگ یا ایھا الذین آمنوا علیکم انفسکم لا یضرکم من ضل اذا اھتدیتم سے استدلال کرتے ہیں۔ اور علیک بخاصۃ نفسک بھی آپؐ کا ارشاد ہے۔ جس پر حضرت ابو بکر صدیق رضؓ نے اسی آیت علیکم انفسکم کو پڑھا اور فرمایا کہ انی سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اِذا رأی الناس ظالماً فلم یأخذوا علی یدیہ اوشک ان یعمھم اللہ بعقاب الحدیث کہ اے لوگو! تم تو یہ آیت علیکم انفسکم کہ اپنی اپنی فکر کرو۔ کو پڑھ کر مطمئن ہو جاتے ہو۔ اور میں نے آنحضرت صلعم کی زبانی اپنے ان کانوں سے سنا کہ جب لوگ کسی ظالم کو دیکھیں اور اس کا ہاتھ نہ پکڑیں تو عنقریب ایسا عذاب نازل ہوگا جو سب کو اپنی لپیٹ میں لے لیگا۔ تو اس آیت

اور دیگر روایات میں جمع کی صورت یہ ہو گی کہ جب تک امر بالمعروف و نہی عن المنکر اور دین کا تحفظ ممکن ہے تو اختلاط جائز ہے۔ اور جب لوگوں کو تم سے نفع نہیں پہنچ سکتا اور نہ ہی اپنے دین کا ان سے تحفظ کر سکتے ہو تو پھر عزلۃ اور نہائی ضروری ہے تو امام بخاریؒ کا مقصد یہ ہو گا کہ ان چیزوں کا بھی ایمان میں دخل ہے تو مرجیہ پر رد کرنا ہو گا۔ ہاتھ پکڑنے کی دو صورتیں ہیں ایک تو یہ کہ خود پکڑے دوسرے یہ کہ اس کے خلاف پروپیگنڈا کرے اور اپنے ہم خیال بنائے۔ اور پھر اجتماعی طور پر ایک دم ان پر یورش کرے اور یہ بھی ہے کہ سلام و کلام ترک کر دیا جائے۔ جیسے حضرت کعب بن مالکؓ کے ساتھ بائیکاٹ کیا گیا۔ جو ضاقت علیہم الارض بما رحبت کا مصداق بن گئے تھے۔ پچاس دن کے بعد ان کی توبہ قبول ہوئی۔

باب، قَوْلِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنَا اَعْلَمُکُمْ بِاللّٰہِ وَاَنَّ الْمَعْرِفَۃَ فِعْلُ الْقَلْبِ لِقَوْلِ اللّٰہِ تَعَالٰی وَلٰکِنْ یُّؤَاخِذُکُمْ بِمَا کَسَبَتْ قُلُوْبُکُمْ۔

حدیث نمبر ۲۰۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سَلَامٍ الخ عَنْ عَائِشَۃَ قَالَتْ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا اَمَرَھُمْ اَمَرَھُمْ مِنَ الْاَعْمَالِ بِمَا یُطِیْقُوْنَ قَالُوْا اِنَّا لَسْنَا کَھَیْئَتِکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اِنَّ اللّٰہَ قَدْ غَفَرَ لَکَ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِکَ وَمَا تَاَخَّرَ فَیَغْضَبُ حَتّٰی یُعْرَفَ الْغَضَبُ فِیْ وَجْھِہٖ ثُمَّ یَقُوْلُ اِنَّ اَتْقَاکُمْ وَاَعْلَمَکُمْ بِاللّٰہِ اَنَا (الحدیث)

ترجمہ، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔ کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام کو کسی چیز کا حکم دیتے تو اعمال میں سے ایسے عمل کا حکم دیتے جس کی وہ ہمیشہ کے لئے طاقت رکھتے۔ صحابہ کرامؓ نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول ہم لوگ آپ کی طرح نہیں ہیں۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی اگلی پچھلی سب لغزشیں معاف کر دی ہیں (گویا ہم ایسے نہیں ہیں ہمیں تو امور شاقہ بھی انجام دینے چاہئیں) تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس جواب سے سخت غضب ناک ہوئے۔ یہاں تک کہ آپؐ کا یہ غضب آپ کے چہرہ انور سے پہچانا جاتا تھا۔ پھر آپؐ فرمانے لگے کہ بیشک میں تم سے زیادہ پرہیزگار ہوں۔ اور میں تم سے زیادہ اللہ تعالیٰ کو جاننے والا ہوں۔

تشریح، از شیخ مدنیؒ اب تک امام بخاریؒ نے ایمان کامل کی زیادتی اور نقصان کو ثابت کیا یہاں سے نفس ایمان کی زیادتی اور کمی کو ثابت کرنا چاہتے ہیں وہ اس طرح کہ آپؐ نے انا اعلمکم فرمایا۔ اور علم کے لئے اسم تفضیل کا صیغہ لایا گیا۔ جو کمی اور زیادتی کو تقاضا کرتا ہے۔ اگر کہا جائے کہ علم تو کلیات سے تعلق رکھتا

ہے۔ اور معرفت جزئیات سے دوسرے علم کا اطلاق باری تعالیٰ پر ہوتا ہے معرفت کا اطلاق نہیں ہوتا۔ تو کہا جائے گا کہ یہ فرق عرفِ منطق کے اعتبار سے ہے۔ اطلاقاتِ شرعیہ میں علم اور معرفت ایک چیز ہیں۔ تو ایمان کی زیادتی معلوم ہوئی۔ کیونکہ علم قول بھی فعل بھی ہے۔ اگرچہ فعل قلبی ہے۔ جس پر مؤاخذہ ہوگا۔ چنانچہ آیت اس پر دال ہے۔ اصل ترجمہ تو انا اعلمکم ہے ان المعرفت اور آیت کریمہ ازالۂ شبہات کے لئے لائے گئے ہیں۔ پہلا شبہ یہ تھا کہ علم فعل ہے یا نہیں۔ تو امام بخاریؒ نے جواب دیا کہ علم فعل ہے۔ اگرچہ فعل جوارح نہیں بلکہ فعل قلبی ہے جس پر مؤاخذہ ہوگا۔ آیت کا یہی تقاضا ہے۔ تو اس سے ایمان کا قول و فعل ہونا اور اس کا زائد و ناقص ہونا بھی معلوم ہوا۔

شیخ زکریاؒ فرماتے ہیں کہ کہا جاتا ہے کہ اس باب کو کتاب العلم میں لانا چاہیئے تھا۔ کتاب الایمان میں لانا بے جوڑ ہے۔ تو بعض حضرات شراح کی رائے یہ ہے کہ یہاں روایات مختلفہ ہیں بعض روایات میں بجائے انا اعلمکم باللہ کے انا اعرفکم باللہ ہے۔ اور ظاہر یہ ہے کہ امام بخاریؒ نے علم سے معرفت مراد لی ہے۔ اور اس کی تائید امام بخاریؒ کے قول ان المعرفت فعل القلب سے ہوتی ہے۔ اور معرفت بھی ایمان میں ہی داخل ہے۔ لہٰذا اس باب کو کتاب الایمان سے مناسبت ہو گئی۔ اس باب سے امام بخاریؒ قیاس اور نظر سے ایمان میں کمی اور زیادتی ثابت فرماتے ہیں۔ کہ علم ایک قلبی شئے ہے۔ اور حضور اقدس صلعم نے یہاں اعلم اسم تفضیل کے ارشاد فرمایا ہے۔ جو زیادتی کو چاہتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ قلبی اشیاء میں کمی زیادتی ہوتی ہے۔ اور مشائخ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلعم نے انا اعلمکم فرما کر بتلا دیا کہ آنحضرت صلعم کے پاس اوروں کی بنسبت زیادہ علم تھا۔ اور علم سے مراد معرفت ہے۔ اور معرفت فعل قلب ہے۔ اور قلبی اشیاءً میں کمی زیادتی ہوتی ہے۔ اور ایمان بھی قلبی ہے۔ لہٰذا اس کے اندر بھی کمی زیادتی کی شان پائی جائے گی۔ اب یہ کہ معرفت فعل قلب کیوں ہے۔ تو امام بخاریؒ فرماتے ہیں۔ کہ ولکن یؤاخذکم بما کسبت قلوبکم الخ اگر معرفت فعل قلب نہیں تو مؤاخذہ کے کیا معنی؟ اس باب سے مقصد ان لوگوں کا رد کرنا ہے جو ایمان کے بسیط ہونے کے قائل ہیں۔ لیکن یہ حنفیہ کی تردید نہیں ہو سکتی اس لئے کہ وہ تو خود ہی ایمان اور ایقان کی زیادتی کے قائل ہیں۔ البتہ ایمان کامل کی قید لگاتے ہیں نفس ایمان ان کے ہاں بھی بسیط ہے

امر ھم بما یطیقون از شیخ مدنیؒ اس لئے کہ مربی کے لئے ضروری ہے کہ وہ اس حکم کا امر کرے جس پر دوام ہو سکے۔ لیکن صحابہ کرام تو ندیُن میں آگے بڑھنا چاہتے تھے۔ چنانچہ حضرت عثمان بن مظعونؓ

کی قیادت میں کچھ لوگ ازواج مطہرات سے آپؐ کی عبادت کا حال سن کر اس کو قلیل سمجھتے ہوئے فرمانے گئے۔ آپ صلعم تو گناہوں سے معصوم ہیں ان کو عبادات کی کیا ضرورت ہے۔ ایک نے کہا میں سرے سے نکاح نہیں کروں گا۔ دوسرے نے کہا کہ ہمیشہ روزہ رکھوں گا۔ تیسرے نے کہا کہ میں رات ہمیشہ عبادت کرتا رہوں گا نیند نہیں کروں گا۔ جس پر آپؐ نے غصّہ کا اظہار فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ انی ارقد واُصلّی اصوم وافطر وانکح الحدیث - کھیأتك ای لحال ھیئتك قد غفرلك الخ۔ کے مجازی معنی مراد ہیں کہ آپؐ رضا کے اعلیٰ درجہ پر پہنچ ہوئے ہیں۔ کیونکہ نبی معصوم ہوتا ہے تو یہ کنایہ ہوا عن البلوغ مبلغ الرضا الکامل تو معنی ہوں گے انت بمنزلة رجل یقال له قد غفرلك ما تقدم من ذنبك الخ۔ مقصد صحابہ کرام کا یہ تھا کہ آپؐ کو اطمینان ہے البتہ ہمیں خطرہ ہے اس لئے ہمیں مجاہدہ کی اجازت ملنی چاہیئے۔ جس پر آپؐ سخت ناراض ہوئے کہ تزوج کو ترک کرنا۔ نہ سونا اور نہ کھانا نہ پینا یہ تو فطرت کے خلاف ہے جس پر آپؐ نے فرمایا انقاکم واعلمکم باللہ انا دوسری روایت میں ہے کہ جو چیز میں جانتا ہوں اگر تمہیں ان کا علم ہو جائے۔ تو تم ہنسنا چھوڑ دو اور یہ واقعہ بھی ہے۔ کیونکہ آپؐ کو غیب کی ایسی باتیں معلوم ہیں ان کا اگر ہمیں علم ہو جائے تو ہم تو دنیا ہی چھوڑ چھاڑ دیں یہی انا اعلمکم محلِ استشھاد ہے۔ تو کیفاً نفس ایمان میں بھی زیادتی اور نقصان ہے اس کا انکار امام ابوحنیفہ بھی نہیں کرتے

فیغضب حتی یعرف الغضب نبی اکرم صلعم کے چہرہ انور پر غصہ کا اور خوشی و مسرت کا بہت زیادہ اثر ہوتا تھا۔ کیونکہ قاعدہ یہ ہے۔ کہ جو جتنا حسین ہو گا۔ اس کا چہرہ اتنا ہی زیادہ ان اشیاء کے اثرات کا مظہر ہوگا۔ اور آنحضرت صلعم تو سب سے زیادہ حسین تھے۔

باب، مَنْ كَرِهَ اَنْ يَّعُوْدَ فِى الْكُفْرِ كَمَا يَكْرَهُ اَنْ يُّلْقٰى فِى النَّارِ مِنَ الْاِيْمَانِ

حدیث نمبر ۱۲ حَدَّثَنَا، سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ الخ عَنْ اَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ ثَلٰثٌ مَّنْ كُنَّ فِيْهِ وَجَدَ حَلَاوَةَ الْاِيْمَانِ مَنْ كَانَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَحَبَّ اِلَيْهِ مِمَّا سِوَاهُمَا وَمَنْ اَحَبَّ عَبْدًا لَّا يُحِبُّهٗ اِلَّا لِلّٰهِ وَمَنْ يَّكْرَهُ اَنْ يَّعُوْدَ فِى الْكُفْرِ بَعْدَ اِذْ اَنْقَذَهُ اللّٰهُ كَمَا يَكْرَهُ اَنْ يُّلْقٰى فِى النَّارِ ۔ الحديث

ترجمہ، حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت نبی اکرم صلعم نے ارشاد فرمایا تین خصلتیں ہیں جس شخص میں وہ پائی جائیں گی وہ ایمان کی مٹھاس کو حاصل کرے گا۔ ایک تو وہ شخص جس کو اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول

ان دو نوں ماسواسے زیادہ محبوب ہو دوسرا وہ جو کسی بندہ سے محض اللہ تعالیٰ کے لئے ہی محبت کرے تیسرا وہ کہ کفر میں واپس جانا بعد اس کے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے کفر سے نکالا ہے اس کو ایسا ناگوار ہو جیسے کہ آگ کے اندر ڈالا جانا ناگوار ہوتا ہے۔

تشریح از شیخ زکریاؒ۔ یہ من الایمان جو باب میں مذکور ہے وہ یعود یا یلقی کے متعلق نہیں ہے۔ بلکہ یہ خبر ہے اور اس کا متعلق محذوف ہے۔ اس باب کو کتاب الایمان کیا مناسبت ہے۔ بعض شراح کی یہ رائے ہے کہ امام بخاریؒ ہر جگہ اضداد کو ذکر فرماتے ہیں۔ اگر علم کا ذکر آئے گا تو جہل کو ضرور ذکر فرمائیں گے۔ اگر ایمان کا ذکر فرمائیں گے۔ تو اس کے ساتھ کفر کو بھی ضرور ذکر کریں گے۔ وبضدھا تتبیّن الاشیاء لہٰذا اس عادتِ مبارکہ کے مطابق یہ باب یہاں ذکر فرمایا۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ اس سے پہلے باب میں فرار من الفتن کو دین قرار دیا تھا۔ اب یہاں سے تبلانا چاہتے ہیں کہ فرار من الکفر بھی دین میں داخل ہے۔ لہٰذا جس طرح ہر شخص فرار من النار کی کوشش کرتا ہے ایسے فرار من الکفر کی کوشش کرے، تیسرا جواب یہ ہے کہ جب کراہتہ کفر اس قدر ہے کہ جہنم میں جانا تو گوارا ہے۔ لیکن کفر کو اختیار کرنا گوارا نہیں تو یہ عین ایمان ہے۔ اور چوتھا جواب یہ ہے کہ اس سے کراھتہ فی الکفر کی انتہا بیان کرنا چاہتے ہیں۔ کہ آگ میں جانا گوارا کرے۔ مگر کفر اختیار کرنا مشکل ہو۔ تو عمل کی طرح تروک کا بھی ایمان میں دخل ہوا۔

باب، تَفَاضُلِ اَھْلِ الْاِیْمَانِ فِی الْاَعْمَالِ۔

حدیث نمبر ۲۲ حَدَّثَنَا، اِسْمَاعِیْلُ الخ عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ نِ الْخُدْرِیِّ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ یَدْخُلُ اَھْلُ الْجَنَّۃِ الْجَنَّۃَ وَاَھْلُ النَّارِ النَّارَ ثُمَّ یَقُوْلُ اللّٰہُ اَخْرِجُوْا مَنْ کَانَ فِیْ قَلْبِہٖ مِثْقَالُ حَبَّۃٍ مِّنْ خَرْدَلٍ مِّنْ اِیْمَانٍ فَیُخْرَجُوْنَ مِنْھَا قَدِ اسْوَدُّوْا فَیُلْقَوْنَ فِیْ نَھْرِ الْحَیَآ اَوِ الْحَیَاۃِ شَکَّ مَالِکٌ فَیَنْبُتُوْنَ کَمَا تَنْبُتُ الْحِبَّۃُ فِیْ جَانِبِ السَّیْلِ اَلَمْ تَرَ اَنَّھَا تَخْرُجُ صَفْرَآءَ مُلْتَوِیَۃً قَالَ وُھَیْبٌ حَدَّثَنَا عَمْرٌو الْحَیَاۃِ وَقَالَ خَرْدَلٍ مِنْ خَیْرٍ الحدیث

ترجمہ، حضرت ابی سعید خدریؓ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا کہ جب جنتی لوگ جنت میں اور جہنمی جہنم میں داخل ہو جائیں گے تو اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائیں گے

کہ جہنم سے ہر شخص کو نکال لو جس کے دل میں رائی کے دانے کے مقدار ایمان ہو۔ چنانچہ وہ لوگ جہنم سے اس حال میں نکالے جائیں گے کہ وہ سیاہ ہو چکے ہوں گے۔ تو ان کو نہر حیا یا نہر حیات میں ڈالا جائے گا (اس لفظ میں مالک راوی کو شک ہے) تو وہ ایسے اگیں گے جیسے سیلاب کے پانی سے ایک طرف دانا اگتا ہے۔ کیا دیکھتے نہیں ہو کہ وہ دانہ زرد سا اور مڑا ہوا نکلتا ہے۔ وہیب راوی فرماتے ہیں کہ عمرو راوی نے بغیر شک کے الحیاۃ بیان کیا ہے اور خردل من ایمان کی بجائے خردل من خیر فرمایا ہے یعنی جس کے پاس نیکی رائے کے دانے کے برابر ہو اس کو جہنم سے نکال دیا جائے

تشریح از شیخ مدنیؒ یہاں سے بھی ایمان کامل میں زیادتی اور کمی کو ثابت کرنا ہے۔ من ایمان پر شبہ ہوتا ہے کہ اہل اعمال کے تفاضل کو ثابت کرنے کے لئے باب منعقد کیا مگر روایت سے ترجمہ الباب ثابت نہیں ہوتا۔ کیونکہ روایت میں ہے کہ من کان فی قلبہ الخ کہ ایمان میں تفاضل ہے بعض کا خردل کے برابر اور بعض کا اس سے زیادہ تو یہ نفس ایمان میں تفاضل ہوا اعمال میں تفاضل نہ ہوا۔ مگر کہا جائے گا کہ امام بخاریؒ روایت کے اخیر میں لفظ ایمان کی بجائے من خیر کا لفظ لائے ہیں۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ تفاضل خیر کے اعتبار سے ہے۔ تو جس روایت میں لفظ ایمان وارد ہوا ہے اس سے نفس ایمان نہیں بلکہ خیر مراد ہے تاکہ روایات موافق ہو جائیں۔ ورنہ تخالف ہوگا تو لفظ خیر لا کر امام بخاریؒ نے اشارہ کر دیا کہ نفس ایمان میں زیادتی کمی نہیں بلکہ وہ اعمال مراد ہیں جن کا ترتب افعالِ خیر سے ایمان پر ہوتا ہے۔ تو دوسری روایت سے ترجمہ الباب سے موافقت ثابت ہو گئی۔ مثقال حبۃ من خردل یعنی نہایت ضعیف درجہ کا ایمان تھا۔ کیونکہ تمام حبوب میں سے سب سے چھوٹا دانہ خردل کا ہوتا ہے۔ تو آپؐ نے تمثیلاً فرمایا کہ ایسے شخص کی بھی نجات ہوگی۔ اور نجات بعد از عذاب ہوئی۔ اہلِ کفر پر تو عذاب انتقاماً ہوتا ہے اہلِ ایمان پر عذاب تنقیۃً ہوتا ہے۔ بلکہ اکراماً ہوتا ہے۔ جس کی مثال کپڑے جیسی ہے کہ جو کپڑا قابلِ اکرام ہوتا ہے اسے دھوبی کو دیا جاتا ہے۔ اگر قابلِ اکرام نہ ہوتا تو اسے پھاڑ دیا جاتا۔ اس طرح مؤمن کا عذاب اکراماً ہوگا۔ اور اکرام کا تقاضا ہے کہ اسے میل کچیل سے صاف کیا جائے۔ اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ مؤمن کو مصائب میں مبتلا کیا جاتا ہے۔ چنانچہ فرمایا گیا کہ اگر مؤمن کو کانٹا بھی چبھے تو وہ اس کے معاصی کا کفارہ بن جاتا ہے۔ ارشادِ نبوی ہے۔ من یرد اللہ بہ خیراً یصبہ الحدیث جس شخص سے اللہ تعالیٰ بھلائی کا ارادہ فرماتے ہیں تو اسے مصائب میں مبتلا کر دیتے ہیں۔ جس کی تفسیر میں محدثین نے لکھا ہے کہ بلایا میں مبتلا کرنا پاک صاف کرنے

کے لئے ہوتا ہے۔ بہت سے بندوں کو اللہ تعالیٰ دنیا سے پاک وصاف کرکے اٹھاتے ہیں۔ جن کے معاصی کثیرہ ہوں۔ تو سکرات الموت کی تکالیف اس کی تطہیر کا باعث بنتی ہیں۔ اگر معاصی اس سے بھی بڑھ جائیں تو حشر کی تکالیف سے تدارک کیا جاتا ہے۔ اگر اس سے بھی معاصی زائد نکلیں تو پھر دوزخ میں ڈال کر پاک کر دیا جائے گا۔ تو مؤمنین کا جہنم میں ڈالنا اہانۃً نہیں بلکہ اکراماً ہوا۔ اخرجوا کا امر یا تو شفاعت کی بنا پر ہوگا یا حکم خصوصی اور رحمت اس کا باعث ہوگی۔ فیجئ جون یہ روایت مختصر ہے۔ دیگر روایات میں آتا ہے کہ چونکہ یہ لوگ نمازی نہیں تھے تو آگ اس کے تمام اعضا کو چھوئے گی جس سے سارا بدن سیاہ ہو جائے گا جس کی بنا پر اسے نہر الحیاۃ میں ڈالا جائے گا۔ حیا کے معنی بارش کے ہیں۔ یہ بارش عرش سے اترتی ہے اور اس سے نہر پیدا ہوتی ہے۔ اس لئے اسے مطر کہا گیا مگر یہ بھی ضروری نہیں کہ مطر کے یہی معنی بارش کے لئے جائیں۔ یا تشبیہاً اور مجازاً کہا گیا کہ وہاں کوئی اور کیفیت ہے جس کی وجہ سے معدومات موجود ہو جاتے ہیں۔ ممکن ہے وجود ظلّی کے ذریعہ ہو۔ اس لئے کہ وجود حقیقی تو قدیم ہے۔ جس پر عدم کا طریان ہو نہیں سکتا۔ جس طرح دشمن کا ایک وجود تو وہ ہے جو اس کے جرم میں ہے۔ جو اس سے کبھی منفک نہیں ہوتا اور ایک وجود اس کا یہ ہے کہ صبح کو آتا ہے اور شام کو چھپ جاتا ہے۔ یہ وجود ظلّی اسی وجود حقیقی سے صادر ہوتا ہے جو عارضی ہے۔ اسی طرح باری تعالیٰ کے وجود حقیقی سے وجود ظلّی کا صدور ہوتا ہے اس وجود ظلّی کو محققین مطر سے تشبیہہ دیتے ہیں۔ وجود حقیقی متکلمین کے ہاں وصف لازم ہے اور صوفیا کے نزدیک عین ذات ہے لیکن وجود ظلّی جو ہمارے ساتھ قائم ہے۔ وہ عارضی ہے وہ اسی وجود حقیقی سے صادر ہوتا ہے۔ اور اس کا تعلق مختلف اشیاء سے ہوتا ہے جیسے بارش کے وقت کئی کیڑے مکوڑے پیدا ہو جاتے ہیں۔ اور بھی بہت سی اشیاء وجود ظلّی کے تحقق سے پیدا ہو جاتی ہیں تو حیا بمعنی مطر اور حیات بمعنی زندگی دونوں معنی صحیح ہوئے۔ اور انہار متعدد ہیں جن میں سے ایک نہر الحیاۃ ہے جس کا خاصہ ہے کہ جو کوئی مردہ چیز اس میں ڈالی جائے تو وہ زندہ ہو جائے گی تو اضافت بیانیہ ہوئی۔ یا تشبیہہ کے طور پر ہے کہ ہم نے اگرچہ اسے دیکھا نہیں۔ لیکن اسے مطر کے ساتھ تشبیہہ دے کر ہمیں سمجھایا گیا ہے

غیب را آب و باد دیگر اند ❊ آسمان و آفتاب دیگر اند

جیسے فلاسفہ کہتے ہیں۔ اس لئے کہ باری تعالیٰ نے سمجھانے کے لئے مثالیں بیان فرمائیں ان اللہ لا یستحیی ان یضرب مثلاً ما بعوضۃ الآیۃ حبۃ بمعنی ضرفہ جسے تعلۃ الحمقاء بھی کہا جاتا ہے۔ یہ بہت

جلد اگتا ہے۔ بعض نے اس کے ساتھ خاص کیا اور بعض نے مطلق حبہ مراد لیا۔ اور سیلاب میں جہاں کہیں پڑ کر جائیں۔ وہاں جلد اُگ جاتے ہیں۔ ایسی مٹی کو نہیں دیکھتے کہ اپنی جڑوں کو پھیلا دیں اس لئے انہیں حبۃ الحمقاء کہا جاتا ہے۔ اس جگہ تشبیہ جلدی اُگ جانے میں ہے۔ اور اسے رجلہ بھی کہا جاتا ہے۔

از شیخ زکریا حضرت امام بخاریؒ یہاں وہی فرما رہے ہیں۔ جو ما قبل میں حنفیہؒ کا مذہب بتلایا گیا کہ ایمان اذعان قلبی کا نام ہے نفس ایمان میں تو کمی زیادتی نہیں ہوتی وہ تو یکساں رہتا ہے۔ بلکہ کمی بیشی اعمال کے اعتبار سے ہوتی ہے۔ لہٰذا یہاں یہ بات واضح ہوگئی کہ امام بخاریؒ مرجئہ اور خوارج پر رد فرما رہے ہیں، در اصل تردید مرجئہ کی کرنی ہے۔ کیونکہ وہ لوگ اعمال کو بالکل ہی بے فائدہ کہتے ہیں۔ اور اس کے بعد خوارج پر رد کرنا ہے مگر ان پر اتنا شدید رد نہیں کیونکہ وہ فرقہ بھی اگرچہ ضال اور مضل ہے۔ مگر اعمال کے مسئلہ میں ان کے ہاں کوتاہی نہیں ہے اس لئے کہ وہ تارک عمل کو کافر کہتے ہیں۔ تو وہ بیچارہ اس ڈر سے کہ کہیں کافر نہ ہو جائے خوب عمل کرے گا۔

اس حدیث میں ایمان سے عمل خیر مراد ہوا۔ جیسے دوسری روایت صراحۃً خردل من خیر وارد ہوا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اعمال خیر ذرا سے بھی ہوں گے تو بھی مغفرت فرما دیں گے اور اس حدیث سے مرجئہ اور خوارج دونو پر اس طرح رد ہوا۔ کہ مرجئہ کا عقیدہ یہ ہے کہ اعمال کا کوئی اثر نہیں تو ان پر رد ہوا کہ اگر اعمال کا کوئی اثر نہیں تو وہ عاصی جہنم میں کیوں گیا۔ اور خوارج پر اس طرح کہ اگر مرتکب کبیرہ کافر ہو گیا تھا تو وہ جہنم سے کیوں نکالا گیا۔

حدیث نمبر ۲۳ حَدَّثَنَا۔ مُحَمَّدُ بْنُ عُبَيْدِ اللّٰهِ الخ سَمِعَ اَبَا سَعِيْدِنِ الْخُدْرِيَّ يَقُوْلُ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَا اَنَا نَائِمٌ رَاَيْتُ النَّاسَ يُعْرَضُوْنَ عَلَيَّ وَعَلَيْهِمْ قُمُصٌ مِّنْهَا مَا يَبْلُغُ الثُّدِيَّ وَمِنْهَا مَا دُوْنَ ذٰلِكَ وَعُرِضَ عَلَيَّ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ وَعَلَيْهِ قَمِيْصٌ يَجُرُّهُ قَالُوْا فَمَا اَوَّلْتَ ذٰلِكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ الدِّيْنَ (الحدیث)

ترجمہ، جناب ابو سعید خدریؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت نبی اکرم صلعم نے فرمایا کہ اس اثناء میں کہ میں سویا ہوا تھا کہ کیا دیکھتا ہوں کہ لوگ مجھے اس حال میں پیش کئے جاتے ہیں کہ ان پر قمیصیں ہیں بعض قمیصیں تو پستان تک پہنچتی ہیں اور بعض اس سے کم تک۔ لیکن جب حضرت عمر بن الخطاب مجھ پر پیش کئے گئے تو ان پر جو قمیص تھی وہ اس کو کھینچ رہے تھے۔ صحابہ کرام نے عرض کیا تو اے اللہ کے رسول پھر آپؐ نے اس کی کیا

تعبیر دی آپؐ نے فرمایا کہ دین مراد ہے۔

تشریح از شیخ مدنیؒ: قال دین کو قمیص سے تشبیہ دی گئی، کیونکہ جس طرح قمیص سردی و گرمی سے بچاتا ہے۔ اور باعثِ زینۃ بنتا ہے۔ ایسے دین بھی جہنم سے بچاتاہے اور باعثِ زینت بنتاہے اور دین اعمال کا مجموعہ ہے جن میں تفاضل ہوتاہے لہٰذا اس کے مطابق جزء میں تفاضل ہوگا۔

از شیخ زکریاؒ: قال الدین الخ دین سے مراد یہاں ایمان تو ہو نہیں سکتا۔ کیونکہ ایمان میں جو اذعان ہے۔ اگر اس میں کمی ہو جائے تو وہ شک ہوگا۔ ایمان نہیں ہوگا۔ لہٰذا دین سے مراد اعمال ہیں۔ اور مطلب روایت کا یہ ہے کہ لوگوں کے اعمال میں فرق ہے۔ بعض کے اعمال کی مثال ایسی ہے۔ جیسے قمیص کی۔ کہ بس سینہ تک ہی پہنچ پاتی ہے۔ اور بعض حضرات کے اعمال ایسی قمیص کی ہے۔ جو اتنی بڑی ہے کہ زمین پر گھسٹتی چلتی ہے۔ اور آثارِ قدم اس کی وجہ سے مٹتے چلے جاتے ہیں۔ یہ حضرت عمرؓ کے اعمال کی مثال ہے تو تفاضل اعمال ثابت ہوا۔

باب ، اَلْحَیَاءُ مِنَ الْاِیْمَانِ۔

حدیث نمبر ۲۴ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰہِ بْنُ یُوْسُفَ الخ عَنْ اَبِیْہِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَرَّ عَلٰی رَجُلٍ مِّنَ الْاَنْصَارِ وَھُوَ یَعِظُ اَخَاہُ فِی الْحَیَاءِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ دَعْہُ فَاِنَّ الْحَیَاءَ مِنَ الْاِیْمَانِ۔ (الحدیث)

ترجمہ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلعم کا گذر انصار کے ایک مرد پر ایسی حالت میں ہوا کہ وہ اپنے بھائی کو حیا کے بارے میں نصیحت کر رہا تھا (اتنا حیا نہ کیا کرو) جس پر جناب رسول اللہ صلعم نے ارشاد فرمایا۔ کہ اس کو چھوڑ و حیا تو ایمان میں سے ہے۔

تشریح از شیخ مدنیؒ: جس طرح علم و عمل کو ایمان میں سے قرار دیا اس طرح فرماتے ہیں کہ اخلاق کو بھی ایمان میں دخل ہے۔ بسا اوقات حیا کسی کام کے کرنے سے مانع ہو جاتاہے تو اس پر کسی نے ترکِ حیا کی نصیحت کی۔ آپؐ نے اس کو اس نصیحت سے منع فرمایا۔ حالانکہ خود آنحضرت صلعم کا ارشاد ہے۔ لَا یَتَعَلَّمُ الْعِلْمَ مُسْتَحْیٍ وَلَا مُسْتَکْبِرٌ کہ حیا کرنے والا اور مغرور متکبر آدمی علم حاصل نہیں کرسکتا اور حضرت ام سلیمؓ فرماتی ہیں جب کہ وہ ایک مسئلہ پوچھنا چاہتی تھیں اِنَّ اللّٰہَ لَا یَسْتَحْیِیْ الخ تو معلوم ہوا کہ حیا نا پسندیدہ اور مکروہ ہے۔ تو الحیاء من الایمان کیسے صحیح ہوگا۔ اس کے کئی جوابات ہیں

پہلا یہ ہے کہ الحیاء من الایمان جملہ مھملہ ہے جو موجبہ جزئیہ کے حکم میں ہوتا موجبہ کلیہ نہیں ہوتا یہاں الحیاء میں الف لام جنس کا ہے جس کا تحقق بعض افراد میں ہوتا ہے۔ تو موجبہ جزئیہ اور سالبہ جزئیہ میں منافات نہیں ہوتی۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ الحیاء من الایمان سے نفس حیاء مراد ہے۔ افراد مراد نہیں اور اخلاق بعض کفری ہوتے ہیں۔ اور بعض اخلاق ایمانی ہوتے ہیں۔ کفر ایک جڑ ہے اس سے مختلف شاخیں نکلتی ہیں۔ ایسے ایمان بھی ایک جڑ ہے۔ اس سے بھی مختلف شاخیں نکلتی ہیں۔ ممکن ہے کسی کافر میں شعبہائے ایمانی پائی جائیں۔ اور کسی مؤمن میں شعبہائے کفری پائی جائیں۔ تو لا یتعلم العلم مستحی الخ میں استعمال حیا مراد ہے کہ علم کامل میں حیا کا استعمال کرنا جائز نہیں جیسے جود کا فاحشہ میں استعمال کرنا یہ جود فی غیر محلہ ہے۔ الغرض اخلاق فاضلہ کو اگر اپنے محل پہ نہ رکھا جائے۔ تو اس میں قباحت آجاتی ہے۔ اور حضرت ام سلیمؓ نے جو فرمایا ان اللہ لا یستحی فی حق الخ اس کی مراد یہ ہے کہ مسائل ضروریہ میں حیا نہ کرنی چاہیئے۔ حیا تو سب کا سب خیر ہے۔ جبکہ اسے اپنے محل میں استعمال کیا جائے۔ اگر فی غیر محلہ مستعمل ہو تو وہ قبیح ہو گا جیسے ہمارے جسم کا ترکب اربعہ عناصر سے ہے۔ ایسے روح بھی مرکب ہے۔ اس میں اجزاء ملکوتی اور شیطانی دونو قسم کے پائے جاتے ہیں۔ پھر اس ترکیب میں قلت اور کثرت اجزاء کی وجہ سے اخلاق مختلف ہوتے ہیں۔

از شیخ زکریاؒ اس حیا کا ذکر اگرچہ ماقبل میں حدیث الحیاء شعبۃ من الایمان کے ذیل میں ہو چکا لیکن وہاں ضمناً آیا تھا۔ اس باب سے حیا کو اہمیت کی وجہ سے مستقلاً بیان فرما رہے ہیں۔

باب فَإِنْ تَابُوا وَأَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَخَلُّوا سَبِيلَهُمْ۔

حدیث نمبر ۲۵ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مُحَمَّدٍ الخ عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اُمِرْتُ اَنْ اُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰى يَشْهَدُوْا اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوا الزَّكٰوةَ فَاِذَا فَعَلُوْا ذٰلِكَ عَصَمُوْا مِنِّيْ دِمَاءَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ اِلَّا بِحَقِّ الْاِسْلَامِ وَحِسَابُهُمْ عَلَى اللّٰهِ۔ (الحدیث)

ترجمہ، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلعم نے ارشاد فرمایا کہ مجھے اس بات کا حکم دیا گیا ہے کہ میں اس وقت تک لوگوں سے لڑائی جاری رکھوں جب تک وہ اس بات کی گواہی نہ دیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور یہ کہ حضرت محمد مصطفےٰ صلعم اللہ کے رسول ہیں اور وہ لوگ نماز پابندی سے ادا کریں اور زکوٰۃ دیتے رہیں پس جب انہوں نے یہ کام

کرلئے تو انہوں نے اپنے خون اور اپنے مال مرے سے محفوظ کرلئے مگر ہاں حق اسلام کی وجہ سے خون اور مال محفوظ نہ ہوں گے۔ پھر ان کا حساب اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے۔

تشریح از شیخ مدنیؒ اس قرآنی آیت اور حدیث باب سے معلوم ہوا کہ اگر وہ لوگ ان اعمال کو انجام نہ دیں تو پھر ان کا راستہ نہیں چھوڑنا چاہیئے۔ بلکہ انہیں قتل کر دینا چاہیئے۔ تو مرجئہ کا کہنا صحیح نہ ہوا کہ اعمال ایمان کو کوئی ضرر نہیں پہنچا سکتے۔ بلکہ اعمال نہ کرنے کی صورت میں قتل کا حکم ہے۔ اگر اشکال ہو کہ ایک تیسری صورت قتل نہ کرنے کی جزیہ بھی ہے۔ تو اس کے کئی جوابات ہیں۔

(۱) یہ کہ یہ آیت سورۂ توبہ کی اس حدیث کو منسوخ کرتی ہے۔ دوسرا جواب یہ دیا گیا ہے کہ الناس سے مراد اہل عرب ہیں۔ اور ان سے جزیہ قبول نہیں کیا جاتا۔ بلکہ ان کے لئے اسلام ہے یا تلوار کیونکہ یہ لوگ قرآن مجید میں تفکر اور تدبر کر سکتے ہیں۔ قرآن مجید ان کی زبان میں اترا ہے۔ اس لئے ان کو مہلت نہیں دی گئی۔ البتہ عجمی لوگ جو اس کو اچھی طرح نہیں سمجھ سکتے ان کو مہلت دی گئی ہے۔ کہ تفکر و تدبر کر کے فیصلہ کریں۔ تیسری توجیہ یہ ہے کہ حتیٰ یقولوا لا الٰہ الا اللہ حقیقۃً ہو یا حکماً ہو۔ حقیقی قول تو ایمان اور اسلام لانا ہے۔ اور قول حکماً جزیہ دینا ہے۔ جیسے صلح حدیبیہ کو فتح مکہ قرار دیا گیا۔ انا فتحنا لک فتحاً مبیناً عصموا منی دماءھم الخ اس سے معلوم ہوا۔ کہ معصوم دم اور معصوم مال سے کوئی مواخذہ نہیں البتہ حربی اگر دار الحرب میں قتل کر لیا جائے۔ یا اس سے سود وغیرہ لیا جائے۔ تو جائز ہے۔ کیوں کہ وہ غیر معصوم الدم والمال ہے۔

اور حضرت شیخ زکریاؒ فرماتے ہیں کہ شراح کی رائے یہ ہے کہ امام بخاریؒ کی غرض اس باب سے قرآن پاک کی آیت کی تفسیر بیان کرنا ہے۔ لیکن میرے اساتذہ کی رائے یہ ہے کہ ایمان کی ترکیب ثابت کرنا ہے اس طرح کہ جہنم سے نجات ایمان ہی بدولت ملے گی۔ اور یہاں تخلیہ سبیل کو توبہ من الشرک۔ اقامۃ الصلوٰۃ و ایتاء الزکوٰۃ پر مرتب کیا گیا ہے۔ معلوم ہوا کہ ایمان ان سب چیزوں سے مرکب ہے۔

الا بحق الاسلام مثلاً کسی شخص نے کسی کو قتل کر دیا محصن تھا اس نے زنا کر لیا یا مسلمان تھا مرتد ہو گیا تو ان صورتوں میں اسے قتل کیا جائے گا۔

باب، مَنْ قَالَ اِنَّ الْاِیْمَانَ هُوَ الْعَمَلُ لِقَوْلِ اللّٰهِ تَعَالٰی وَ تِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِیْ اُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ وَقَالَ عِدَّةٌ مِّنْ اَهْلِ الْعِلْمِ فِیْ قَوْلِهٖ تَعَالٰی فَوَرَبِّكَ

لَنَسْئَلَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ عَنْ قَوْلِ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَقَالَ لِمِثْلِ هٰذَا فَلْيَعْمَلِ الْعَامِلُوْنَ ۔

ترجمہ، جو لوگ کہتے ہیں کہ ایمان عمل کا نام ہے۔ تو وہ تین آیات سے استدلال کرتے ہیں، تلک الجنۃ یعنی وہ جنت جس کا تم اپنے اعمال کی وجہ سے وارث بنائے گئے ہو۔ تو عمل سے ایمان مراد ہوا اور بہت سے اہلِ علم نے فو ربک لنسئلنھم کہ تیرے رب کی قسم ہم ان سب سے ضرور ان کے اعمال کے بارے میں سوال کریں گے۔ تو یعملون سے مراد قول لا الٰہ الا اللہ ہے۔ اور تیسری آیت کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد کہ اس جیسے اعمال عمل کرنے والوں کو کرنے چاہئیں۔

ای فلیؤمن المؤمنون لیکن علامہ عینیؒ فرماتے ہیں، کہ ان سب میں عمل سے ایمان مراد لینا یہ تخصیص بلا دلیل ہے۔ البتہ ایمان عمل قلب ضرور ہے۔

حدیث نمبر ۲۶ حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ يُوْنُسَ الخ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُئِلَ اَيُّ الْعَمَلِ اَفْضَلُ فَقَالَ اِيْمَانٌ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ قِيْلَ ثُمَّ مَاذَا قَالَ الْجِهَادُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ قِيْلَ ثُمَّ مَاذَا قَالَ حَجٌّ مَبْرُوْرٌ ۔ الحدیث

ترجمہ، حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلعم سے پوچھا گیا کہ اعمال میں سے کون سا عمل افضل ہے۔ تو آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ پر اور اس کے رسول پر ایمان لانا افضل العمل ہے کہا گیا کہ پھر کون سا عمل افضل ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا اللہ کے راستہ میں جہاد کرنا۔ کہا گیا اس کے بعد کون سا ہے تو آپ نے فرمایا مقبول حج ہے کہ جس کے ساتھ گناہ ملا ہوا نہ ہو۔

تشریح از شیخ مدنیؒ: امام بخاریؒ جب کسی مسئلہ کو مختلف فیہ سمجھتے ہے۔ اور اس کی کوئی جانب ان کے ہاں راجح ہوتی ہے۔ تو من قال کذا وکذا فرماتے ہیں۔ تصریح نہیں کرتے بلکہ قول صواب مقصود ہوتا ہے تو ایسے یہاں بھی ان الایمان ھو العمل سے مقصد یہ ہے کہ اعمال کا بھی ایمان میں دخل ہے جس سے مرجئہ کا رد ہو گیا۔ جس کے ثبوت میں تین آیات پیش فرمائیں۔ کہ بما کنتم تعملون کی تفسیر تؤمنون سے کی گئی۔ لیکن اس پر اعتراض ہوا کہ عمل سے ایمان مراد لینا متفق علیہ نہیں ہے۔ اور یہاں پر قرینہ بھی کوئی موجود نہیں۔ اس لئے عمدہ توجیہ یہ ہے کہ اس جگہ استحقاقِ جنت کے لئے جو چیزیں باعث بن سکتی ہیں، ان میں سے سب سے مقدم ایمان ہے۔ کیونکہ جب عمل اس کا سبب ہے تو اہم اور مقدم کا سبب ہونا بطریق اولیٰ

ہوگا۔ لفظ عمل کا اطلاق ایمان نہیں ہوا تاکہ اسے مجاز کہا جائے۔ البتہ یہاں تو مصداق عمل کا ایمان ہے کیونکہ جو اشیاء دخول جنت کا سبب ہیں۔ ان میں مقدم ایمان ہے۔ بالاتفاق تو بما تعملون کے افراد میں ایمان ضرور داخل کیا جائے گا۔ دوسری دلیل عما کانوا یعملون اہل علم نے کہا کہ اس سے مراد قول لا الٰہ الا اللہ ہے اس کا یہ مقصد نہیں کہ فقط اس کے متعلق سوال ہوگا بلکہ اور چیزوں کا بھی سوال ہوگا۔ جو لوگ فروع میں کفار کو مخاطب قرار نہیں دیتے۔ وہ تو اسے ظاہر پر رکھیں گے اور جو حضرات ان کو اصول اور فروع دونوں کا مکلف مانتے ہیں۔ ان کے ہاں ظاہر پر محمول نہ ہوگا۔ جیسے دوسری روایات بھی دلالت کرتی ہیں کہ ایمان کے ماسوا اور اشیاء سے بھی سوال ہوگا۔ الحاصل اس معنی کے اعتبار سے عمل کے مصداق پر ایمان کا ہونا ضروری ہوگا۔ اور جو کفار کو دونو کا مکلف گردانتے ہیں۔ ان کے ہاں معنی ہوں گے من الایمان وغیرہ اور تیسری دلیل فلیعمل العاملون ہے۔

الی فَلْيُؤْمِنُ الْمُؤْمِنُوْنَ الخ تو ان دلائل سہ گانہ سے معلوم ہوا کہ اطلاقات شرعیہ میں لفظ عمل بول کر اس سے ایمان مراد لیا جاسکتا ہے۔ البتہ نفس ایمان میں عمل داخل نہیں ہے۔ تو مرجئہ کا یہ کہنا صحیح نہ ہوگا کہ عمل کا ایمان میں کوئی دخل نہیں کیونکہ آپ کا جواب ای الاعمال افضل کے بارے میں الایمان باللہ ورسولہ فرمانا دلالت کرتا ہے۔ کہ اعمال کا بھی ایمان میں دخل ہے

از شیخ زکریاؒ شروع کتاب میں امام بخاریؒ نے فرمایا تھا۔ باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم وھو قول وفعل اس پر بظاہر اشکال ہوتا ہے کہ یہ ترجمہ مکرر ہوگیا۔ کیونکہ وھو قول وفعل میں عمل خود آگیا بعض حضرات نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ غایت اہتمام کی بناء پر مستقل باب دوبارہ منعقد فرمایا ہے اور بعض یہ کہتے ہیں کہ اگر ترجمے کے الفاظ نہ بدلیں اور غرض بدل جائے۔ تو ترجمہ مکرر نہیں کہلاتا۔ یہاں بھی ایسا ہے کہ غرض دوسری ہوگئی اور وہ یہ ہے کہ جیسے ایمان قول وعمل کا نام ہے ایسے قول وعمل کا نام ایمان ہے یعنی دونوطرف سے تلازم ہے۔ اس کو آیت تلک الجنۃ التی اور تنبوھا الخ سے ثابت فرما رہے ہیں۔ اور یہ بات واضح ہے کہ کوئی عمل بغیر ایمان کے معتبر نہیں لہٰذا جنت کی وراثت اس عمل کی وجہ سے ہوگی جو ایمان کو لازم ہے اور ایمان لازم ہے عمل کو۔ ایسے دوسری آیت عما کانوا یعملون ہے یہاں بھی عمل سے مراد لا الٰہ الا اللہ یعنی ایمان مراد ہے۔ میری رائے یہ ہے کہ یہ ترجمہ شارحہ ہے۔ یعنی اس ترجمہ سے امام بخاریؒ کی غرض ان آیات کی شرح کرنا ہے جن میں نجات کو عمل پر مرتب کیا ہے۔

اس حدیث میں ای العمل افضل کے جواب میں ایمان باللہ ورسولہ فرمایا گیا۔ تو ایمان پر عمل کا اطلاق ہوا جس سے تلازم ثابت ہوا۔ کہ کسی جگہ ایمان پر عمل کا اور کسی جگہ عمل پر ایمان کا اطلاق ہوا ہے

باب، اِذَا لَمْ يَكُنِ الْاِسْلَامُ عَلَى الْحَقِيْقَةِ وَكَانَ عَلَى الْاِسْتِسْلَامِ اَوِ الْخَوْفِ مِنَ الْقَتْلِ لِقَوْلِهٖ تَعَالٰى قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْا اَسْلَمْنَا فَاِذَا كَانَ عَلَى الْحَقِيْقَةِ فَهُوَ عَلٰى قَوْلِهٖ جَلَّ ذِكْرُهٗ اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ الْاٰيَةَ۔

تشریح از شیخ زکریاؒ۔ قرآن پاک میں فرمایا گیا۔ قالت الاعراب آمنّا قل لم تؤمنوا ولکن قولوا اسلمنا کہ دیہاتی لوگ کہتے ہیں ہم ایمان لائے آپؐ ان سے فرمادیں کہ تم ایمان نہیں لائے بلکہ کہو ہم اسلام لائے ہیں۔ تو اس سے معلوم ہوا کہ ایمان اور شئے ہے۔ اور اسلام اور چیز ہے۔ حالانکہ حضرت امام بخاریؒ اب تک کسی جگہ اسلام اور کسی جگہ دین سے تعبیر کرکے اشارہ فرماتے چلے آتے ہیں کہ ایمان اسلام اور دین تینوں ایک چیز ہیں۔ تو اس آیت شریفہ مذکورہ بالا اور امام بخاریؒ کے قول میں تعارض پیدا ہو گیا۔ تو امام بخاریؒ اس باب کے ذریعہ اس تعارض کا جواب دیتے ہیں کہ ہمارے کہنے اور آیت کریمہ کی مراد میں تعارض نہیں۔ چونکہ ایمان ایک قلبی شئے ہے۔ خود بخود وہ ظاہر نہیں ہو سکتا۔ بلکہ اس کا اظہار ہوتا ہے اور اس اظہار کا نام اسلام ہے۔ تو ایک کا تعلق قلب سے اور دوسرے کا تعلق ظاہر سے ہوا، تو یہاں آیت میں نفی اس ایمان کی ہے جو دل سے نہ ہو صرف ظاہر سے ہو۔ اگر دل سے ایمان ہو تو وہی اسلام اور دین بھی ہے۔

از شیخ مدنیؒ عام طور پر آیات میں ان الذین آمنوا وعملوا الصالحات کہا جاتا ہے کہ عطف تغایر کو چاہتا ہے۔ اور سابقہ ابواب سے معلوم ہوتا ہے کہ اعمال اور ایمان میں اتحاد ہے۔ کہ عمل کا اطلاق ایمان پر جائز ہے۔ اور جہاں عمل کا عطف ایمان پر کیا گیا ہے۔ وہ عطف بیانی ہے جیسے حافظوا علی الصلوات والصلوۃ الوسطی میں یہ عطف الخاص بعد العام ہے۔ اور کبھی عبارت کے اندر تقدیم وتاخیر ایسی پیدا ہو جاتی ہے۔ کہ جس سے کلام میں تعقید آ جاتی ہے۔ یہاں بھی عبارت محذوف ہے ای اذا لم یکن اطلاق الاسلام علی الحقیقۃ فھو جائز اور اذا کان علی الاستسلام فھو جائز الغرض اصل عبارت یوں تھی اذا لم یکن اطلاق الاسلام علی الحقیقۃ وکان علی الاستسلام لطمع او الخوف من القتل فھو اطلاق جائز فی الشرع تو تعقید پیدا ہوگئی۔ مطلب یہ ہے کہ اسلام کے معنی انقیاد ظاہری اور انقیاد باطنی کے کرتے ہیں۔ اگر اسلام بمعنی انقیاد باطنی کے ہو تو وہ ملازم ایمان ہوگا۔ اور انقیاد ظاہری

بسا اوقات ایمان کے ساتھ ہو گا۔ اور بسا اوقات نہ ہو گا۔ جب خوف قتل ہو تو انسان دین کو بدل دیتا ہے۔
انقیاد باطنی پر اسلام کا اطلاق حقیقی ہے۔ اور انقیاد ظاہری پر مجازی ہے۔ ظاہری کو استسلام کے ساتھ تعبیر کیا
جاتا ہے جو طمع اور خوفِ قتل کی وجہ سے ہوتا ہے۔ ان الدین عند اللہ الاسلام باعتبار انقیاد باطنی کے
ہے۔ اور قالت الاعراب میں باعتبار انقیاد ظاہری کے ہے۔ خلاصہ یہ ہوا کہ جب اسلام حقیقت پر مبنی نہ ہو
بلکہ صلح میں داخل ہونے کے لئے یا قتل کے خوف سے ہو۔ تو ایسا اسلام آخرت میں نفع نہیں دے گا۔ اور جو اسلام
حقیقت پر مبنی ہو یعنی دل سے ہو تو وہ اسلام اللہ تعالیٰ نزدیک پسندیدہ ہے۔

حدیث نمبر ۲۷ حَدَّثَنَا اَبُوالْیَمَانِ الخ عَنْ سَعْدٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ
وَسَلَّمَ اَعْطٰی رَھْطًا وَّ سَعْدٌ جَالِسٌ فَتَرَکَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ رَجُلًا
ھُوَ اَعْجَبُھُمْ اِلَیَّ فَقُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ مَا لَکَ عَنْ فُلَانٍ فَوَاللّٰہِ اِنِّیْ لَاَرَاہُ مُؤْمِنًا
فَقَالَ اَوْ مُسْلِمًا فَسَکَتُّ قَلِیْلًا ثُمَّ غَلَبَنِیْ مَا اَعْلَمُ مِنْہُ فَعُدْتُّ لِمَقَالَتِیْ فَقُلْتُ مَا لَکَ عَنْ
فُلَانٍ فَوَاللّٰہِ اِنِّیْ لَاَرَاہُ مُؤْمِنًا فَقَالَ اَوْ مُسْلِمًا فَسَکَتُّ قَلِیْلًا ثُمَّ غَلَبَنِیْ مَا اَعْلَمُ مِنْہُ
فَعُدْتُّ لِمَقَالَتِیْ وَعَادَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ثُمَّ قَالَ یَا سَعْدُ اِنِّیْ لَاُعْطِی
الرَّجُلَ وَغَیْرُہٗ اَحَبُّ اِلَیَّ مِنْہُ خَشْیَۃَ اَنْ یَّکُبَّہُ اللّٰہُ فِی النَّارِ الخ

ترجمہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلعم نے ایک
گروہ کو کچھ مال دیا اور حضرت سعد مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے۔ تو آنحضرت رسول اللہ صلعم نے ایسے شخص کو چھوڑ
دیا جو میرے نزدیک زیادہ پسندیدہ تھا کہ اس کو ضرور ملتا۔ تو میں نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ نے فلاں شخص
سے کیوں روگردانی فرمائی خدا کی قسم میں اس کو مؤمن سمجھتا ہوں آپ نے فرمایا یا مسلمان کہو (یعنی لفظا اسلام
اولیٰ ہے۔ باطن کا اللہ کے سوا کسی کو علم نہیں) کچھ دیر تو میں خاموش رہا۔ پھر مجھ پر اس حال کا غلبہ ہوا۔
جو مجھے اس کی طرف سے معلوم تھا۔ تو میں نے پھر اپنا کلام دہرایا۔ اور میں نے کہا کہ حضرت آپ کس وجہ سے
اس شخص کی پرواہ نہیں کرتے۔ حالانکہ اللہ کی قسم میں تو اس کو مؤمن سمجھتا ہوں۔ آپ نے پھر فرمایا کہ یا مسلمان
کہو پھر مجھے اس کے حال کا غلبہ ہوا جو کچھ اس کے بارے میں میں جانتا تھا۔ تو میں نے پھر اپنا کلام دہرایا آپ
نے اپنا وہی کلام دہرایا۔ پھر فرمایا کہ اے سعد کہ جب کسی آدمی کو کچھ دیتا ہوں۔ حالانکہ اس کا غیر یعنی دوسرا
آدمی میرے نزدیک اس سے زیادہ پسندیدہ ہوتا ہے۔ اس خطرہ سے دیتا ہوں کہ کہیں اس کو اللہ تعالیٰ اوندھے

منہ جہنم میں نہ ڈال دے۔

تشریح از شیخ مدنیؒ لا راہ مؤمنا ای لاعلمہ مؤمنًا او مسلما یہ عطف تلقینی ہے جس میں متکلم صرف معطوف کو ذکر کرتا ہے۔ جیسے کوئی کہے جاء زید دوسرا کہے وعمرٌ یہ عطف تلقینی کہلاتا ہے۔ قرآن مجید میں بھی ہے انی جاعلک للناس اماما قال ومن ذریتی ایسی یہاں بھی عطف تلقینی ہے لا راہ مؤمنا او مسلما اور ممکن ہے کہ اضراب کے لئے ہو۔ ای بل قل مُسلمًا جیسے الی مأتہ الف او یزیدون ای بل یزیدون یہ اس لئے فرمایا کہ تم کو قلب کی کیفیت معلوم نہیں تمہارا علم ظاہر تک محدود ہے۔ اس لئے مسلم کہو مؤمن نہ کہو۔ مالک عن فلان ای مالک مُعرِضًا عن فلان قال یا سعد انی لاعطی الرجل اور بعض روایات میں یا سعد اقتلاً ای اتقاتلنی قتلاً یعنی تقسیم کا معیار صدقہ نہیں بلکہ تالیف قلوب ہے۔ اور اس وقت یہی مقصود اعظم ہے۔

از شیخ زکریاؒ اس حدیث میں حضرت سعدؓ کے سوال اراہ مؤمنًا پر حضور رسول اللہ صلعم نے ارشاد فرمایا اومسلمًا یعنی تم نے جو قسم کھا کر اس کے مسلمان ہونے کو بیان کیا ہے۔ یہ غلط ہے۔ کیا پتہ وہ دل سے ایمان نہ لایا ہو۔ صرف ظاہراً مسلمان ہو۔ کیونکہ ایمان اذعان قلبی کا نام ہے۔ اور اس کا تعلق قلب سے ہے اور قلب کی حالت کسی کو معلوم نہیں کہ یہ انقیاد حقیقی ہے۔ یا ظاہری۔ بہرحال تیسری مرتبہ میں حضور اکرم صلعم نے جواب دیا کہ بعض مرتبہ میں ایسے شخص کو مال نہیں دیتا جو مجھے محبوب ہو بلکہ اس کے غیر کو دے دیتا ہوں۔ یہ سوچ کر مجھ کو جس سے محبت ہے۔ اگر میں اس کو نہ دوں تو کوئی مضائقہ نہیں۔ وہ مجھے کچھ نہیں کہے گا لیکن اگر دوسرے شخص کو نہ دوں تو وہ مجھے برا بھلا کہے گا۔ تو اس کا نقصان ہوگا کہ کہیں بطور سزا کے جہنم میں نہ پھینک دیا جائے۔ اب اس رجل کے بارے میں شراح اور مشائخ میں اختلاف ہے۔ کہ آیا یہ قسم اول میں سے تھے یعنی جو لوگ اسلام حقیقی کھتے ہیں یا قسم ثانی میں سے ہیں جو صرف اسلام ظاہری رکھتے ہیں۔ شراح حدیث حضور پاک صلعم کے اس جملہ اومسلما کی بنا پر کہتے ہیں۔ کہ یہ قسم ثانی میں سے تھے۔ کیونکہ آپؐ نے حضرت سعدؓ کے مؤمنا کہنے پر نکیر فرمائی۔ لیکن میرے مشائخ کی رائے یہ ہے کہ یہ قسم اول میں سے تھے۔ کیونکہ حضور اکرم صلعم نے یہ ارشاد فرمایا۔ انی لاعطی الرجل وغیرہ احب الی منہ ان کو احبین کی فہرست میں داخل فرمایا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ احب وہی ہوگا جو انقیاد ظاہری اور باطنی دونو سے متحلی یعنی تزین ہو

بَابُ اِفْشَآءُ السَّلَامِ مِنَ الْاِسْلَامِ وَقَالَ عَمَّارٌ ثَلٰثٌ مَنْ جَمَعَهُنَّ فَقَدْ جَمَعَ

اَلْاِيْمَانَ اَلْاِنْصَافُ مِنْ نَفْسِكَ وَبَذْلُ السَّلَامِ لِلْعَالَمِ وَالْاِنْفَاقُ مِنَ الْاِقْتَارِ۔

ترجمہ، سلام کا پھیلانا اسلام میں سے ہے اور حضرت عمارؓ فرماتے ہیں کہ تین خصلتیں ہیں جس شخص نے ان کو جمع کر لیا اس نے ایمان کو جمع کر لیا۔ پہلی خصلت اپنی ذات سے انصاف کرنا۔ تمام لوگوں کے لئے سلام کو خرچ کرنا اور فقر کے باوجود مال کو خرچ کرنا۔

تشریح از شیخ مدنیؒ افشاء السلام من الاسلام سے ایمان اور اسلام میں یا تو ترادف ثابت کرنا مقصود ہے۔ یا تلازم بیان کرنا ہے۔ کیونکہ ایک روایت میں من الایمان بھی آیا ہے الانصاف من نفسک اس کا مقصد یہ ہے کہ جو چیز دوسروں سے دیکھنا چاہتے ہو۔ تو اس کو چیز کو اپنے میں بھی پیدا کرو۔ بذل السلام مع العالم السلام سے یا تو قول السلام علیکم مراد ہے۔ یا السلام بمعنی سلامتی کے ہے۔ تو اس وقت العالم میں مسلمانوں کی تخصیص نہ ہوگی۔ بلکہ چرند۔ پرند۔ کفار۔ مسلمان سب داخل ہوں گے۔ البتہ پہلے معنی مشہور ہیں۔ بظاہر عالم میں کافر بھی داخل معلوم ہوتا ہے۔ لیکن چونکہ بعض روایات میں ان کی اہانت کا حکم ہے۔ تو العالم میں مسلمانوں کی تخصیص کی جائے گی۔ اقتار بمعنی افتقار تو من الاقتار بمعنی مع الافتقار کے ہوگا۔ یؤثرون علی انفسھم ولو کانت بھم خصاصۃ یُطْعِمُوْنَ الطعام علی حبہ الآیۃ۔

از شیخ زکریاؒ۔ افشاء السلام من الاسلام یہ بھی منجملہ شعب ایمانیہ میں سے ہے الانصاف من نفسک کے علماء نے کئی معانی بیان کئے ہیں۔ پہلے معنی یہ کہ اپنے نفس سے اللہ کے لئے انصاف کرو۔ اور اللہ تعالیٰ کے لئے انصاف کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح تم یہ پسند کرتے ہو۔ کہ تم سے چھوٹے تمہارے ساتھ ادب و احترام سے پیش آئیں اس طرح تم بھی دیکھو کہ آیا مالک الملوک کے ساتھ ان کے پاس اور احترام میں تمہارا کیا مرتبہ ہے۔ یعنی جیسے تم اپنے لئے ادب کے طالب ہو۔ اسی طرح تم بھی امر الٰہی کا پاس کر لو اور اس کا ادب کرو۔ حضرت گنگوہیؒ سے منقول ہے کہ اپنے نفس سے انصاف کا مطلب یہ ہے کہ اگر تم نے کسی کو تکلیف پہنچائی ہے تو تم اپنے آپ کو اس کے پیش کر دو۔ تاکہ وہ تم سے بدلہ لے یا معاف کر دے۔ تاکہ تم آخرت کی گرفت سے محفوظ ہو جاؤ۔ چنانچہ سرور کائنات صلعم نے اپنے مرض الوفات میں یہ اعلان فرمایا تھا کہ جس کو میں نے کوئی تکلیف پہنچائی ہو۔ وہ مجھ سے بدلہ لے لے۔ ایک صحابیؓ نے عرض کیا کہ آپؐ نے ایک مرتبہ مجھے چھڑی ماری تھی حضور اکرم صلعم نے فرمایا کہ بدلہ لے لو۔ صحابیؓ نے عرض کیا کہ حضرت! میں اس وقت ننگے بدن تھا۔ حضور اکرم صلعم نے فوراً قمیص اتار دی وہ صحابیؓ فوراً حضور صلعم سے لپٹ گئے۔ اور کبھی

ادھر بوسہ لیتے اور کبھی ادھر بوسہ دیتے ان کو تو بدلہ لینا تھا جس طرح چاہے لیا۔ اور بعض مشائخ کی رائے یہ ہے کہ یہ جملہ حضور صلعم کے ارشاد لا یؤمن احدکم حتی یحب لاخیہ ما یحب لنفسہ کے ہم معنی ہے۔ اور اپنے نفس سے انصاف لینے کا مطلب یہ ہے کہ جو اپنے لئے پسند کرتے ہو وہ اوروں کے لئے پسند کرو۔ اور جو اوروں کے لئے پسند کرتے ہو وہ اپنے لئے پسند کرو۔ اور بعض علما نے اس کا مقصد یہ بیان کیا ہے کہ جو اپنے اوپر واجب ہے اس کو ادا کرو۔ خواہ وہ حقوق اللہ میں سے ہو یا حقوق العباد میں سے ہو۔ ان تمام اقوال میں مشہور پہلے دو ہیں۔

بذل السلام علی العالم یہی مقصود ہے اور یہ ہے۔ السلام علی من عرفت و لم تعرف والانفاق من الاقتار یعنی تنگی کے وقت خرچ کرنا اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر مالدار ہو مثلاً ایک ہزار روپے ہیں سے پچاس روپے خرچ کر دیئے تو گویا بیسواں حصہ خرچ کیا۔ بخلاف اس کے جس کے پاس صرف سو روپے ہوں اگر وہ پچاس خرچ کرڈالے تو اس نے اپنا نصف مال خرچ کر دیا۔ حدیث شریف میں آتا ہے۔

افضل الصدقۃ جھد المقل یعنی افضل صدقہ نادار کی مشقت ہے، عند الاقتار انفاق محمود ہے مگر یہ اس شخص کے لئے ہے جس کو اعتماد علی اللہ ہو۔ اور یہ خوف نہ ہو کہ اس وقت دے کر دوسرے وقت افسوس ہوگا۔ یا دوسروں کے سامنے دست سوال دراز کرے گا۔ اگر یہ خوف ہو تو پھر اس کے لئے محمود نہیں ہے۔ چنانچہ ایک شخص ایک سونے کی ڈلی لایا اور خدمت اقدس میں پیش کر کے کہنے لگا کہ یہ میری کمائی ہے۔ اور میرے پاس کچھ نہیں حضور اقدس صلعم نے منہ پھیر لیا۔ وہ اسی جانب حاضر ہوا حضور اکرم صلعم نے اس طرف سے بھی منہ پھیر لیا۔ وہ اسی طرف سے گیا۔ آپؐ نے وہ ڈلی لے کر اس زور سے پھینک کر ماری کہ اگر وہ ہٹ نہ جاتے تو ہڈی ٹوٹ جاتی۔ اس کے برخلاف حضرت ابوبکر صدیقؓ سے پوچھتے ہیں۔ کہ گھر کے لئے کیا چھوڑا اس پر حضرت صدیق اکبرؓ فرماتے ہیں کہ اللہ اور اس کے رسول کو چھوڑا ہے۔ یہاں حضور اکرم صلعم نے کچھ نہیں فرمایا۔ کیونکہ آپؐ کو قرائن سے معلوم ہو گیا کہ پہلا شخص جزع فزع کرے گا۔ اس لئے اس کو تو واپس کر دیا۔ اور حضرت صدیق اکبرؓ کا اعتماد علی اللہ معلوم تھا۔ اس لئے اس کو قبول کر لیا رد نہیں فرمایا۔

حدیث نمبر ۲۸ حَدَّثَنَا قُتَیْبَۃُ الخ عَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ عَمْرٍو اَنَّ رَجُلًا سَاَلَ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَیُّ الْاِسْلَامِ خَیْرٌ قَالَ تُطْعِمُ الطَّعَامَ وَتَقْرَأُ السَّلَامَ عَلٰی مَنْ عَرَفْتَ وَمَنْ لَّمْ تَعْرِفْ۔

ترجمہ، حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ بے شک ایک آدمی جناب

رسول اللہ صلعم سے پوچھا کون سا اسلام بہتر ہے۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ مسکین کو کھانا کھلانا اور ہر اس شخص پر سلام پڑھنا جس کو پہچانتے ہو یا نہ پہچانتے ہو۔

باب كُفْرَانِ الْعَشِيْرِ وَ كُفْرٌ دُوْنَ كُفْرٍ فِيْهِ عَنْ اَبِيْ سَعِيْدٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ

ترجمہ، شوہر کی ناشکری کفر ایمانی کے بغیر بھی کفر یعنی ناشکری ہوتا ہے۔ اس بارے میں حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں۔

حدیث نمبر ۲۹ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مُسْلِمَةَ الخ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اُرِيْتُ النَّارَ فَاِذَا اَكْثَرُ اَهْلِهَا النِّسَآءُ يَكْفُرْنَ قِيْلَ اَيَكْفُرْنَ بِاللّٰهِ؟ قَالَ يَكْفُرْنَ الْعَشِيْرَ وَيَكْفُرْنَ الْاِحْسَانَ لَوْ اَحْسَنْتَ اِلٰى اِحْدٰهُنَّ الدَّهْرَ ثُمَّ رَاَتْ مِنْكَ شَيْئًا قَالَتْ مَا رَاَيْتُ مِنْكَ خَيْرًا قَطُّ۔

ترجمہ، حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں جناب نبی اکرم صلعم نے ارشاد فرمایا مجھے خواب میں جہنم دکھائی گئی یا شب معراج میں تو کیا دیکھتا ہوں کہ جہنم میں اکثریت عورتوں کی ہے کیونکہ وہ کفر کرتی ہیں۔ کہا گیا کہ حضرت کیا وہ اللہ تعالیٰ سے کفر کرتی ہیں۔ فرمایا کہ وہ شوہر کی ناشکری کرتی ہیں۔ اور احسان مندی کا انکار کرتی ہیں۔ اگر تم ان میں کسی ایک کے ساتھ زندگی بھر احسان کرتے رہو پھر کبھی ایک مرتبہ تم سے ناپسندیدہ بات دیکھ لیں تو یہی کہے گی۔ کہ میں نے تو کبھی بھی آپؐ سے نیکی دیکھی نہیں ہے۔

تشریح از شیخ مدنیؒ پہلے تو امام بخاریؒ اسلام دین اور ایمان کا ذکر کرتے رہے۔ ہم اس میں تاویلیں کرتے تھے کہ ان میں ترادف یا تلازم بیان کیا ہے اب کفران العشیر و کفران الاحسان کہہ کر تبلانا چاہتے ہیں کہ کفر میں بھی تشکیک ہے۔ حالانکہ اسلام اور کفر میں تضاد ہے۔ اب امام بخاریؒ اسی کفر کو بیان کرنا چاہتے ہیں۔ کیونکہ وبضدھا تتبین الاشیاء اور کبھی بسا اوقات کسی چیز کے اثبات میں نفی کو ذکر کیا جاتا ہے جیسے الفصاحۃ خلوہ عن التنافر الخ تو اس جگہ ایمان کی تفسیر میں کفر کو ذکر کیا جاتا ہے کیونکہ ایمان کے مخالف کفر ہے جس کے درجات ہیں کفر باللہ جو کہ کفر جحود ہے جس کی وجہ سے انسان ایمان سے نکل جائے گا۔ کفر بالرسول بھی کفر جحود ہے۔ کفر عشیر بھی کفر ہے۔ مگر اس کی وجہ سے ایمان سے خارج نہیں ہو گا جیسے عورت سے تمام عمر احسان کیا جائے۔ اگر ایک مرتبہ اس کا کہنا نہ مانا جائے۔ تو ہمیشہ کی خیر کا انکار کر دیتی

ہے۔ اس لئے حدیث شریف میں فرمایا گیا ما رأیت منک خیرا قط وجہ یہ ہے کہ اس کی پیدائش ضلع السیر سے ہوئی ہے جو ٹیڑھی ہوتی ہے۔ اس وجہ سے اس کی طبیعت میں اعوجاج ہوتا ہے۔ آپ نے فرمایا ایسی عورت جو جمیع عیوب سے پاک ہو۔ کہیں نہیں مل سکتی۔ بلکہ اس اعوجاج کے ساتھ اس سے کام لیا جائے۔ چنانچہ ہٹلر نے اس وجہ سے آج تک شادی نہیں کی وہ کہتا ہے جو شخص بارہ کروڑ جرمنوں پر حکومت کرے وہ ایک عورت کا محکوم نہیں ہو سکتا۔ لیکن آنحضرت صلعم نے ان کی جمیع مصائب کو جھیلا اور جھیل کر تعلیم دی۔ کہ حسن معاشرت سے تدبیر منزل کرو۔

حضرت مرزا مظہر جان جاناں نزاکت میں دلی کے اندر مشہور تھے۔ شہزادوں تک کی بات کو برداشت نہیں کرتے تھے۔ بایں ہمہ ان کو بیوی ایسی ملی تھی۔ جو بالکل فحش گو تھی۔ یہ مزاج پرسی کرتے وہ صلواتیں سناتی۔ پھر بھی برداشت کرتے حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تمام دنیا کی مجھے کفِ دست کی طرح سیر کرائی گئی۔ مگر مرزا مظہر جیسا میں نے کوئی نہیں دیکھا۔ تو ولایت ایسے حاصل نہیں ہوتی ؎

خونِ جگر پینے کو لختِ جگر کھانے کو ٭ یہ غذا ملتی ہے جاناں تیرے دیوانے کو

بہرحال کفر میں جب تشکیک ہوئی تو ایمان جو اس کی ضد ہے اس میں بھی تشکیک ہو گی۔

یکفرن الاحسان سے معلوم ہوتا ہے کہ جو شخص احسان کرے اس کا شکریہ ادا کرنا چاہیئے۔ کیونکہ ارشاد نبوی ہے لن یشکر اللہ من لم یشکر الناس الحدیث وہ اللہ تعالیٰ شکر گذار نہیں ہو سکتا جس نے لوگوں کا شکریہ ادا نہ کیا۔ مگر فطرت انسانی میں کفران کا مادہ رکھا ہوا ہے۔ ارشاد ربانی ہے۔ ان الانسان لربہ لکنود انسان رب کا ناشکر گذار ہے۔ رب سے مراد مربّی ہے۔ جس سے ماں باپ مراد ہیں۔ لیکن ان کا احسان نہیں مانا جاتا۔ خصوصاً لڑکے تو ماں باپ کی کثرت سے نافرمانی کرتے ہیں۔ الغرض مقصد یہ ہے کہ محسن کے احسان کو ماننا چاہیئے۔ کہ اس کا شکریہ ادا کیا جاتے شکر ادا نہ کرنا کفر ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ باری تعالیٰ کا بھی شکر ادا کرنا چاہیئے۔ کہ اس نے ان محسنین کو احسان کرنے کے لئے مقرر فرمایا۔

کفر دون کفر از شیخ زکریا یہاں پانچ باب ہوئے جن سے امام بخاریؒ نے یہ ثابت فرمایا کہ ایمان ایک حقیقت بسیط ہے۔ اور اس میں جو تفاضل وغیرہ ہے وہ اعمال کے اعتبار سے ہے وبضدھا تتبیّن الاشیاء کے مطابق اب کفر کے بھی مراتب ثابت فرما رہے ہیں۔ جب کفر کے مراتب ہیں تو اس کے مقابل اسلام کے بھی مراتب ہوں گے۔ لیکن یہ سارے مراتب حقیقی نہیں کہ خلود فی النار کا سبب بن جائیں، اس حدیث میں

آنحضرت صلعم نے ارشاد فرمایا یکفرن العشیر معلوم ہوا کہ کفر حقیقی جو کفر باللہ وہ کل مراتب نہیں جب ایسا ہے تو اس طرح ایمان کے سارے مراتب حقیقت ایمان میں داخل نہ ہوں گے۔ بلکہ اس کی حقیقت تو ایک ہوگی اور یہ چیزیں اس کی مکملات ہوں گی۔ آنحضرت صلعم فرماتے ہیں۔ کہ میں نے جہنم میں بکثرت عورتوں کو دیکھا ہے۔ معلوم ہوا کہ عورتیں زیادہ ہوں گے۔ اور اس کے مقابل دوسری حدیث میں ہے کہ جنت میں کم از کم ہر شخص کو دو بیویاں ملیں گی۔ جس سے معلوم ہوا کہ جنت میں بھی مردوں سے زیادہ عورتیں ہوں گی۔ اور اس کے مقابل دوسری حدیث میں ہے کہ جنت میں کم از کم ہر شخص کو دو بیویاں ملیں گی۔ جس سے معلوم ہوا کہ جنت میں بھی مردوں سے زیادہ عورتیں ہوں گی۔ کم از کم دوگنی ہوں گی۔ اس کا تقاضا ہے کہ جب وہاں عورتیں زیادہ ہیں تو مرد کم ہوتے اور جہنم کے اندر مرد زیادہ ہونے چاہئیں اور عورتیں کم۔ حالانکہ اس حدیث سے ان کی کثرت معلوم ہوتی ہے۔ اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ عورتوں کی پیداوار کثرت سے ہے اس لئے دونوں جگہ ہی زیادہ ہوں گی۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ چونکہ وہ عورتیں کفران عشیر کی وجہ سے جہنم میں گئیں۔ اور کفران عشیر کفر دون کفر ہے تو ابتداً سزا بھگتنے کے لئے وہ جہنم میں جائیں گی۔ پھر وہاں سے جنت میں آئیں گی تو گویا ابتداءً جہنم کے اندر کثرت اور پھر انتہائً جنت میں کثرت ہو گی۔

اب اس میں علماء کا اختلاف ہے۔ کہ آنحضور صلعم کو یہ ان عورتوں کے متعلق دکھایا گیا جو مر چکی ہیں اور جیسا کہ حدیث میں آتا ہے کہ جب کوئی مرجاتا ہے اگر وہ نیک ہوتا ہے تو اس کی قبر کو وسیع کر دیا جاتا ہے اور جنت کی کھڑکی وہاں کھول دی جاتی ہے۔ اگر وہ برا ہوتا ہے تو پھر جہنم کی کھڑکی کھول دی جاتی ہے، تو حضور پاک صلعم نے یہ منظر بیان فرمادیا۔ اور دوسرا قول یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو بطور کشف کے آئندہ ہونے والی بات بتلائی گئی ہے جیسے ہمارے زمانے میں بعض اولیاء اللہ کو آئندہ ہونے والی باتوں کے متعلق انکشاف ہو جاتا ہے۔ مگر انبیاء اور اولیاء کے انکشافات میں فرق یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے انکشاف میں غلطی کا احتمال نہیں ہوتا تاہم کبھی کبھی تعیین میں اشتباہ ہو جاتا ہے۔ جیسے کہ عمرہ حدیبیہ میں ہوا۔ مگر غلطی نہیں ہو سکتی۔ بخلاف کشف اولیاء کے وہاں احتمال وقوع غلطی کا ہے کیونکہ وہ معصوم نہیں ہوتے۔

یکفرن الاحسان احسان کا کفر کیسے کرتی ہیں۔ کہ ان کے ساتھ احسان کرتے رہو۔ جب کسی وقت کوئی بات ہو جائے تو کہہ دیں کہ تیرے سے مجھے کوئی راحت نہ ملی۔ ہمیشہ ہی مجھے اس گھر میں تکلیف پہنچی ہے۔

بَابُ اَلْمَعَاصِيْ مِنْ اَمْرِ الْجَاهِلِيَّةِ۔ وَلَا يُكَفَّرُ صَاحِبُهَا بِارْتِكَابِهَا اِلَّا بِالشِّرْكِ لِقَوْلِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّكَ امْرُؤٌ فِيْكَ جَاهِلِيَّةٌ وَقَوْلُ اللّٰهِ تَعَالٰى اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَاِنْ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا فَسَمَّاهُمُ الْمُؤْمِنِيْنَ۔

ترجمہ، گناہ جاہلیۃ کے معاملات میں سے ہیں لیکن ان کا ارتکاب کرنے والے کی تکفیر نہیں کی جائے گی مگر ہاں شرک کی وجہ سے کافر ہو جائے گا۔ بوجہ نبی اکرم صلعم کے قول کے کہ تو ایک ایسا آدمی ہے جس میں جاہلیۃ پائی جاتی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے، بے شک اللہ تعالیٰ اس کی تو ہرگز بخشش نہیں کرے گا کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے البتہ اس کے ماسوا گناہوں کی بخشش کر دے گا جس کے لئے چاہے۔ دوسری آیت کہ اگر مؤمنوں کے دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو ان کے درمیان صلح کرا دو تو ان لڑنے والوں کو مؤمن کہا گیا ہے حالانکہ قتالہ کفر وارد ہے۔

حدیث نمبر ۳۰ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ الْمُبَارَكِ الخ عَنِ الْاَحْنَفِ بْنِ قَيْسٍ قَالَ ذَهَبْتُ لِاَنْصُرَ هٰذَا الرَّجُلَ فَلَقِيَنِيْ اَبُوْ بَكْرَةَ فَقَالَ اَيْنَ تُرِيْدُ قُلْتُ اَنْصُرُ هٰذَا الرَّجُلَ قَالَ ارْجِعْ فَاِنِّيْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِذَا الْتَقَى الْمُسْلِمَانِ بِسَيْفَيْهِمَا فَالْقَاتِلُ وَالْمَقْتُوْلُ فِي النَّارِ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ هٰذَا الْقَاتِلُ فَمَا بَالُ الْمَقْتُوْلِ قَالَ اِنَّهٗ كَانَ حَرِيْصًا عَلٰى قَتْلِ صَاحِبِهٖ (الحدیث)

ترجمہ:۔ حضرت الاحنف بن قیس سے مروی ہے کہ میں اس آدمی یعنی حضرت علیؓ کی مدد کے لئے نکلا تو مجھے حضرت ابو بکرہؓ صحابی رسول ملے۔ انہوں نے پوچھا کہاں کا ارادہ ہے میں نے کہا اس آدمی یعنی حضرت علیؓ کی مدد کرنے کے لئے جا رہا ہوں فرمایا واپس جاؤ اس لئے کہ میں نے جناب رسول اللہ صلعم سے سنا آپ فرماتے تھے جب دو مسلمان اپنی اپنی تلواریں لے کر ایک دوسرے سے الجھ پڑیں تو قتل کرنے والا اور قتل ہونے والا دونو جہنم میں ہوں گے میں نے کہا اے اللہ کے رسول یہ قاتل تو سمجھ میں آتا ہے۔ لیکن مقتول کا کیا حال ہے کہ وہ جہنم میں کیوں جائے گا۔ فرمایا وہ بھی تو اپنے ساتھی کے قتل کرنے پر حریص تھا جو کامیاب نہ ہو سکا۔

تشریح از شیخ مدنیؒ:۔ اس جگہ امام بخاریؒ ایک باب میں دو ترجمے لائے ہیں (۱) زمانہ جاہلیۃ سے وہ فترت کا زمانہ مراد ہے۔ جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ کے کچھ بعد اور آپؐ کی بعثت سے پہلے کا زمانہ ہے جس پر

جاہلیۃ کو بڑا فروغ حاصل تھا۔ شرک اور کفر کا دور دورہ تھا۔ امرالجاہلیۃ۔ امرالشرک اور دوسرا ترجمہ لا یکفر صاحبھا الخ ہے۔ باوجودیکہ جمیع معاصی زمانہ جاہلیۃ کی پیداوار ہیں۔ لیکن ان کا مرتکب گناہگار تو ہوگا مگر کافر نہیں ہوگا اس دوسرے ترجمہ سے معتزلہ اور خوارج کے مسلک کی تردید کرتا ہے۔ کیونکہ معتزلہ کے ہاں مرتکب کبیرہ خارج از اسلام ہے کفر میں داخل نہیں بلکہ کفر و اسلام کے درمیان ایک درجۂ فسق مانتے ہیں۔ اور خوارج مرتکب کبیرہ کو کافر گردانتے ہیں۔ امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ تکفیر صرف شرک کی صورت میں ہوگی۔ جس کی دلیل انک امرأفیک جاھلیۃ ہے۔ اس لئے کہ جاہلیۃ میں غلاموں کو حقارت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ سوڈان سے لائے جانے کی وجہ سے وہ سیاہ شکل کے ہوتے تھے۔ تو حضرت ابو ذر غفاریؓ نے اپنے غلام کو یا ابن سودا کہا کہ اے کالی عورت کے بیٹے۔ آپؐ نے سن کر فرمایا کہ کیا تم اس کو عار دلاتے ہو۔ لا یسخر قوم من قوم عسیٰ ان یکونوا خیراً منکم کیونکہ خیریت کا علم سوا اللہ تعالیٰ کے کسی کو نہیں۔ چنانچہ یہ واقعہ ہے کہ مکہ معظمہ میں ایک مرتبہ بارش نہ ہوئی قحط پڑ گیا۔ لوگوں نے نماز استسقاء پڑھی مگر پھر بھی بارش نہ ہوئی۔ ایک صحابی فرماتے ہیں کہ میں رات کے وقت منیٰ کی طرف گیا کہ ایک سیاہ آدمی نماز پڑھنے لگا تو بارش شروع ہوگئی۔ صبح کو آکر دیکھا تو نخاس کا گھر تھا۔ اس میں ایک کالا۔ لولا لنگڑا غلام تھا جس کی دعا قبول ہوئی اور بارش برسی۔

حضرت امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ مَا رَأَیْتُ اَفْضَلَ مِنْ عطاء بن رباح کہ میں عطا بن رباح سے کوئی انسان افضل نہیں دیکھا۔ حالانکہ وہ سیاہ رنگ کے تھے۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں رنگ اور قوم کا کوئی اعتبار نہیں بلکہ رب اشعث اغبر لو اقسم علی اللہ لا برّہ اللہ۔ ترجمہ، اگر کوئی پراگندہ بال غبار آلود آدمی اللہ تعالیٰ پر قسم کھائے تو اللہ تعالیٰ اس کی قسم کو پورا کرتا ہے۔ اسی طرح باری تعالیٰ کے ہاں صورت کا بھی اعتبار نہیں۔ اِنَّ اللّٰہَ لَا ینظر الی صوَرِکم و اموالکم ولکن ینظر الی قلوبکم و اعمالکم۔ یعنی اللہ تعالیٰ تمہارے مال اور شکلوں کو نہیں دیکھتے وہ تو تمہارے اعمال اور قلوب کی نیات کو دیکھتے ہیں ارشاد ربانی ہے ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم تم سے زیادہ پرہیزگار اللہ تعالیٰ کے ہاں زیادہ عزت والا ہے اور آپؐ نے فرمایا التقویٰ ھھنا واشار الی القلب کہ تقویٰ اس جگہ ہے اور دل کی طرف اشارہ فرمایا۔

لا یکفر اس دوسرے دعویٰ کی دلیل ان اللہ لن یغفر الخ ہے کہ توبہ سے تو شرک اور غیر شرک سب معاف ہو جاتے ہیں۔ توبہ کے بغیر باقی سب گناہ معاف ہو سکتے ہیں مگر وہ اللہ تعالیٰ کی مرضی پر ہے۔ تو چیز معاف ہو جانے والی ہے۔ اس کے ارتکاب سے کفر لازم نہیں آتا۔ لا یغفر ان یشرک سے معلوم ہوا کہ

توحید میں شرک کی ملاوٹ سے کفر لازم آتاہے۔ لیکن رسالتہ اور ماجاء بہ النبی صلعم بالضرورۃ کے انکار سے کفر لازم نہیں آئے گا۔ حالانکہ ایسا نہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ کبھی ایک چیز پر اس لئے اکتفاء کیا جاتاہے کہ دوسرا امر ظاہر ہے۔ جیسے تقیکم الحر میں برد کا ذکر نہیں کیا گیا۔ تو ایسے یہاں بھی ان یشرک ہٖ مایساویہ کے معنی ہوں گے کہ شرک اور جو اس کے مساوی ہے یہ معاف نہیں ہوں گے کیونکہ نؤمن ببعض ونکفر ببعض الخ کو اولئک ھم الکافرون حقا فرمایا گیاہے۔ خلاصہ یہ ہوا کہ شرک فی الذات، شرک فی الصفات، شرک فی العبادت اور اس کے مساوی جو خبر متواتر سے ثابت ہیں ان سب کے انکار سے کفر لازم آئے گا۔ دوسری توجیہ یہ ہے کہ عدم شرک سے وہ توحید مراد ہے جو کہ معتبر ہو۔ توحید وہ معتبر ہے جس کو پیغمبر لے کر آیا ہو۔ ورنہ توحید کا دعوی تو نصاری اور یہود، ہنود اور قریش بھی کیا کرتے تھے۔ تو لوگوں والی توحید مراد نہ ہوئی بلکہ وہ لغوی توحید مراد ہوئی جس کو آنحضرت صلعم نے سمجھایا جو مقرون بالنبوۃ والکتب وغیرھا ہے۔ تو جو توحید معتبر کا منکر ہوگا وہ کافر ہوگا۔

اب حدیث کی تشریح کی جاتی ہے کہ حضرت احنف بن قیس حضرت علیؓ کی لڑائی جو جنگ جمل کے نام سے مشہور ہے اور وہ حضرت عائشہ رضؓ سے ہوئی تھی اس میں حضرت علیؓ کی امداد کے لئے جا رہے تھے تو حضرت ابوبکرہ نے حدیث سنائی۔ کان حریصًا علی قتل صاحبہ اگر شبہ ہو۔ کہ باری تعالیٰ خواطر قلب پر بھی محاسبہ نہیں کرتے اور ھمّ سیئہ کو بھی نہیں لکھا جاتا۔ تو پھر مقتول کو فی النار کیوں کہا گیا اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں فقط عزم نہیں پایا گیا بلکہ اس کے ساتھ عمل بھی پایا گیا ہے اس لئے مستوجب سزا ہوا۔

باب المعاصی من امر الجاھلیۃ از شیخ زکریاؒ یہ دوسرا باب ہے۔ اس سے بھی وہی ثابت کرنا ہے کفر دون کفر یہاں پر کفر کو جاہلیۃ سے تعبیر کیا گیا۔ کیونکہ اس زمانہ میں کفر تھا۔ پہلے معلوم ہو چکا ہے کہ امام بخاریؒ جب کسی چیز کے اثبات پر اتر آتے ہیں۔ تو اس کو مختلف عنوانات سے ثابت فرماتے ہیں۔ اب یہاں فرماتے ہیں کہ معاصی امر جاہلیۃ سے ہیں۔ اور جاہلیۃ کی چیزیں کفر ہیں۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو ذر غفاریؓ سے فرمایا۔ انک امرء فیک جاھلیۃ تو اگر معصیت کفر حقیقی تھی تو حضور اکرم صلعم نے تجدید ایمان کا امر کیوں نہیں فرمایا معلوم ہوا معصیت کفر حقیقی نہیں بلکہ کفر دون کفر ہے جیسے طاعۃ ایمان دون ایمان ہے۔ عین ایمان نہیں۔ آگے فرماتے ہیں۔

لا یکفر صاحبھا بارتکابھا یعنی اگر کوئی معاصی کا ارتکاب کرے تو وہ کافر نہیں ہوگا۔ اس باب سے امام

بخاریؒ نے خوارج کا رد کیا ہے۔ کہ اگر ارتکاب کبائر سے آدمی کافر ہو جاتا ہے تو حضور اکرم نے تجدید ایمان کا امر کیوں نہیں فرمایا۔ اور اس سے پہلے باب مرجئہ اور خوارج دونوں کا رد فرمایا، مرجئہ کا تو اس لئے کہ اگر معاصی مضر نہیں تو پھر جہنم میں جانے کا کیا مطلب اور خوارج پر اس طرح کہ اگر وہ عورتیں کافر ہو گئی تھیں تو پھر حضور اکرم صلعم نے یکفرن باللّٰہ کے جواب میں یکفرن العشیر کیوں فرمایا اسی طرح اللہ تعالیٰ ان اللّٰہ لا یغفر ان یشرک الخ اس سے پتہ چلا کہ مادون الشرک کوئی اور چیز ہے جو اختیار الٰہی میں ہے خواہ معاف کر دیں یا اس پر سزا دیں۔ ہاں شرک کو معاف نہیں کریں گے۔ اسی طرح ارشاد ہے ان طائفتان من المؤمنین الخ اس سے بھی مقصود کفر دون کفر کو ثابت کرنا ہے۔ کیونکہ قتال مؤمن کے متعلق ارشاد نبوی ہے قتالہ کفر۔ ان طائفتان میں اگر قتال مؤمن کفر حقیقی تھا تو پھر مؤمن کیسے کہہ دیا اس سے معلوم ہوا کہ مؤمن ہیں اور کفر سے کفر دون کفر مراد ہے عین کفر مراد نہیں ورنہ آیت اور حدیث میں تعارض ہو جائے گا۔

قال ذھبت لانصر ھذا الرجل یہ روایت یہاں مختصر ہے البتہ کتاب الجہاد میں مفصل آئے گی۔ یہ واقعہ جنگ جمل کا ہے کہ احنف بن قیسؓ تلوار سونت کر چلے راستہ میں حضرت ابو بکرہ صحابی سے ملاقات ہوئی۔ انہوں نے پوچھا کہاں جا رہے ہو۔ کہا اس رجل کی مدد کرنے کے لئے مراد حضرت علیؓ ہیں۔ اس جگہ تو صرف ھذا لرجل بس نام ہی مذکور ہے۔ اگلی روایت میں ابن عم رسول اللہ کا اضافہ بھی ہے۔ کہ حضور اکرم صلعم کی قرابت کی وجہ سے ان کی مدد کرنے جا رہا ہوں قلت یا رسول اللّٰہ ھٰذا القاتل یہ مبتدا ہے اس کی خبر محذوف ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ یہ قاتل تو اپنے قتل کی وجہ سے جہنم میں گیا۔ لیکن مقتول نے کیا قصور کیا۔ تو آپ نے فرمایا کہ تلوار تو وہ بھی لے کر گیا تھا۔ قتل ہی کے واسطے اگر موقع پاتا تو قتل کر دیتا۔ مگر موت دوسرے کی تھی۔ وہ ہی مر گیا۔

حدیث نمبر ۳۱ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ الخ عَنِ الْمَعْرُوْرِ قَالَ لَقِيْتُ اَبَا ذَرٍّ رض بِالرَّبْذَةِ وَعَلَيْهِ حُلَّةٌ وَّعَلٰى غُلَامِهٖ حُلَّةٌ فَسَأَلْتُهٗ عَنْ ذٰلِكَ فَقَالَ اِنِّیْ سَابَبْتُ رَجُلًا فَعَيَّرْتُهٗ بِاُمِّهٖ فَقَالَ لِيَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اَبَا ذَرٍّ عَيَّرْتَهٗ بِاُمِّهٖ اِنَّكَ امْرُءٌ فِيْكَ جَاهِلِيَّةٌ اِخْوَانُكُمْ خَوَلُكُمْ جَعَلَهُمُ اللّٰهُ تَحْتَ اَيْدِيْكُمْ فَمَنْ كَانَ اَخُوْهُ تَحْتَ يَدِهٖ فَلْيُطْعِمْهُ مِمَّا يَاْكُلُ وَلْيُلْبِسْهُ مِمَّا يَلْبَسُ وَلَا تُكَلِّفُوْهُمْ مَّا يَغْلِبُهُمْ فَاِنْ كَلَّفْتُمُوْهُمْ فَاَعِيْنُوْهُمْ۔

ترجمہ، حضرت معرورؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ ربذہ کے مقام پر حضرت ابوذر غفاریؓ سے اس حالت پر ان سے ملاقات ہوئی۔ ایک قیمتی پوشاک خود ان کے زیب تن تھی اور ایسی ہی دوسری پوشاک ان کے غلام پر تھی۔ میں نے ان سے اس کا سبب پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ میں نے ایک آدمی کو خوب گالیاں دی۔ حتیٰ کہ میں نے ان کی ماں کی وجہ سے اس کو عار دلائی (کہ تو کالی کلوٹی عورت کا بیٹا ہے) جس پر جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اے ابوذرؓ تو نے اس کو ماں کی وجہ سے عار دلائی بے شک تو ایک ایسا آدمی ہے جس میں جاہلیت پائی جاتی ہے۔ یہ تمہارے بھائی تمہارے غلام اور تابعدار ہیں۔ جن کو اللہ تعالیٰ نے تمہارے ماتحت کر دیا۔ پس جس شخص کے تحت اس کا بھائی ہو تو جو وہ خود کھاتا ہے اس سے اس کو کھلائے جو خود پہنتا ہے اس سے اپنے بھائی کو پہنائے۔ اور ان کو ایسی کام کی تکلیف مت دو جو اُن پر غالب آجائے کہ کر نہ سکیں اگر ایسے سخت کام کی تکلیف دو تو پھر ان کی اعانت بھی کرو۔

تشریح از شیخ مدنیؒ حضرت ابوذر غفاریؓ پر زہد کا غلبہ تھا۔ ان کا مسلک تھا کہ کسی مؤمن کو مال جمع نہیں کرنا چاہیئے۔ الذین یکنزون الذھب الآیۃ کے ظاہر پر عمل کرتے تھے کہ تمہیں اتنا مال رکھنے کی اجازت ہے جس کو بالفعل خرچ کر سکو بقیہ کو خیرات کر دو وجہ یہ ہوئی کہ انہوں نے آنحضرت صلعم کو دیکھا کہ فرما رہے ہیں کہ دو آدمی خسارہ میں پڑنے والے ہیں پوچھا کون تو آپ نے والذین یکنزون الذھب الآیہ والی آیت پڑھ دی۔ جمہور علماء فرماتے ہیں کہ جس مال سے زکوٰۃ ادا کر دی جائے اس کا رکھنا جائز ہے۔ اور صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ نصاب زکوٰۃ کا اس اعتبار سے ہو کہ انتالیس حصے دے دو اور ایک حصہ اپنے لئے رکھو۔

حضرت امیر معاویہؓ نے قسطنطنیہ پر ایک مرتبہ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں حملہ کیا۔ لیکن فتح نہیں ہوا غرضیکہ چار مرتبہ عربی حکومت کے [illegible] میں حملہ ہوا اور تین مرتبہ ترکی حکومت کے عہد میں حملہ ہوا۔ بالآخر ساتویں مرتبہ یہ قلعہ فتح ہوا۔ بحر پیائی اور نجومی حیثیت سے قسطنطنیہ ایسے مقام پر واقع ہے کہ سمجھ دار بادشاہ اس جگہ رہ کر تمام دنیا پر حکومت کر سکتا ہے۔ الحاصل حضرت ابوذر بھی حضرت امیر معاویہؓ کے ساتھ اس جنگ میں شریک تھے حضرت معاویہؓ کو خبر پہنچی۔ کہ حضرت ابوذر غفاریؓ لوگوں کو مال جمع نہیں کرنے دیتے کَیّ کَیّ کی صدا لگاتے حضرت امیر معاویہؓ نے حضرت عثمانؓ خلیفہ مسلمین کو لکھا بھیجا کہ حضرت ابوذر غفاریؓ نے لوگوں کو تنگ کر رکھا ہے حضرت عثمانؓ نے ان کو بلوا بھیجا خلیفہ کا حکم سنتے ہی جنگ چھوڑ کر چلے آئے۔ عہد عثمانی ثروت کا زمانہ ہے۔ جب مدینہ میں ان کے آنے کی خبر مشہور ہوئی۔ تو چاروں طرف سے لوگوں نے ان کو گھیر لیا اور مناظرہ کرنے لگے

جب یہ تنگ آگئے تو حضرت عثمانؓ نے فرمایا کہ تم ربذہ چلے جاؤ جو کہ مدینہ منورہ سے چار میل کے فاصلہ پر ایک مقام ہے۔ وہاں رہائش اختیار کرو بیت المال سے تمہیں قوت لا یموت ملتا رہے گا۔ اور عرب میں یہ عادت تھی کہ غلاموں کے لئے جو حلّے ہوتے تھے۔ وہ ایک ہی رنگ اور ایک ہی قسم کے ہوتے تھے۔ آقاؤں کے حلّے عمدہ اور قیمتی ہوتے تھے۔ حضرت ابوذر غفاریؓ ربذہ میں انہوں نے یہ معمول بنالیا کہ چادر اور تہمند میں سے ایک اپنے لئے رکھ لیتے تھے۔ اور ایک غلام کو دے دیتے تھے۔ جس سے امتیاز نہیں ہوتا تھا۔ جس پر حضرت معرورؓ نے تعجب کا اظہار کیا۔ حضرت ابوذر غفاریؓ کی وفات بھی اس مقام ربذہ میں ہوئی۔ وفات کے وقت نہ کوئی آدمی وہاں موجود تھا اور نہ ہی کفن کے لئے کوئی کپڑا تھا۔ ان کی بیوی بہت پریشان ہوئی۔ کوٹھے کی چھت پر چڑھ کر دیکھا تو ایک قافلہ مکہ کی طرف جارہا تھا۔ جس میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ صحابی رسول بھی تھے اور یہ قافلہ حج کے لئے جارہا تھا۔ بہرحال جب ان کو حضرت ابوذر غفاریؓ کے متعلق علم ہوا۔ تو فرمانے لگے بیشک آنحضرت صلعم نے سچ فرمایا تھا کہ اصدق لہجۃ (سچی بات والے) حضرت ابوذرؓ ہیں اور ان کی زندگی اور موت تنہائی میں ہوگی۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے تجہیز و تکفین کا انتظام کیا اور جنازہ بھی پڑھایا۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ ان کے مزار پر میں نے تجلیات اور انوار الٰہیہ کا مشاہدہ کیا ہے علیہ حلۃ ای علیہ بعض حلۃ علی غلامہ یہی معنی ظاہر ہیں۔ اور یہی باعثِ تعجب بھی تھا۔ دوسری توجیہ یہ ہے کہ وعلی غلامہ مثل حلتہ مگر پہلی توجیہ روایات کے مطابق ہے سابیت رجلا چونکہ آپؐ نے غلاموں کو عبد کہنے سے منع کیا تھا اس لئے انہوں نے رجلاً کہا۔ اخوانکم خولکم اصل ترکیب کا عکس ہے۔ اصل تھا خولکم اخوانکم، خول بمعنی من یتخول و یتعاھد یا مرکو یعنی نگرانی اور اصلاح کرنے کو تخول کہتے ہیں۔

اس جگہ مسند الیہ کو مسند کی جگہ رکھا گیا ہے۔ بہرحال خولکم سے غلام مراد ہے۔ جعل اللہ تحت ایدیکم کہ یہ اللہ تعالیٰ کا تم پر انعام ہے۔ اور غلاموں پر انتقام ہے۔ کہ انہوں نے غیر اللہ کو اللہ تعالیٰ کا شریک بنایا اور باری تعالیٰ کی ناشکری کی جس پر غلامی کی زندگی کی صورت میں ان کو سزا ملی۔ انک امرا فیک جاھلیۃ تو یہ معاصی میں سے ہے۔ تو کیا معاذ اللہ اس کے ارتکاب سے حضرت ابوذر غفاریؓ اسلام سے نکل گئے حالانکہ بالکل غلط ہے۔ تو معتزلہ اور خوارج پر رد ہوا۔

از شیخ زکریاؒ لقیت اباذر بالربذۃ یہ حضرت ابوذرؓ سید الزہاد اور امام المجذوبین ہیں ان کا حال یہ تھا کہ جہاں کسی کو اچھا کپڑا لیتے دیکھا اور پتہ چلا کہ اس میں پیوند نہیں۔ اور یہ بھی معلوم ہوگیا یہ مالدار ہے

تو لاٹھی اٹھاتے اور پہنچ کر کہتے دھوکی من النار هما کیان من النار کی یعنی داغ۔ حضرت عثمان شہید رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں جب فتوحات کا زور ہو رہا تھا اور دراہم و دنانیر گھر کے کونوں میں بکھرے پڑے رہتے تھے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے لوگوں نے ان کے زہد کی شکایت کی تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آپ دیہات میں جا کر سکونت اختیار کریں کیونکہ بیچارے دیہاتیوں کے پاس پیسہ زیادہ نہیں ہوتا۔ یہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے حکم کی تعمیل میں مدینہ کے قریب ربذہ نامی ایک گاؤں میں چلے گئے اور وہیں انتقال فرمایا انا للہ وانا الیہ راجعون کسی نے پوچھا آپ یہاں کیوں چلے آئے۔ فرمایا خلیفۃ المؤمنین کا حکم ہے۔ اگر مجھ پر کسی حبشی غلام کو بھی امیر بنا دیا جاتا تو میں ان کی اطاعت کرتا۔ یہ تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ہیں ان کی اطاعت کیسے نہ کرتا۔

سابیت رجلاً رجل کے مصداق حضرت بلال رضی اللہ عنہ ہیں کیونکہ یہ حبشہ کے رہنے والے تھے۔ جہاں کے باشندے کالے ہوتے تھے۔ تو میں نے ان کو کالی عورت کا لڑکا کہہ دیا تھا۔ انہوں نے حضور اکرم صلعم سے اس کی شکایت کی۔ جس پر آپ نے فرمایا انك امرأ فيك جاهلية۔ یعنی تیرے اندر سے ابھی جاہلیت ختم نہیں ہوئی۔ تو عار دلانے کو امر جاہلیۃ یعنی معصیۃ قرار دیا لیکن اسی سے ان کا کفر لازم نہیں آیا۔ اسی واقعہ سے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے بتلایا کہ حضور پاک صلعم کے اس ارشاد کی بنا پر میں نے بھی اپنے غلام سے یہی معاملہ کیا کہ میں نے پورا سوٹ نہیں پہنا بلکہ ایک چادر میں نے لی اور دوسری اس کو دی۔

باب ظُلْمٌ دُوْنَ ظُلْمٍ

حدیث نمبر ۳۲ حَدَّثَنَا اَبُوالْوَلِيْدِ الخ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ لَمَّا نَزَلَتْ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ قَالَ اَصْحَابُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَيُّنَا لَمْ يَظْلِمْ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ ۔

ترجمہ، جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی کہ جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اپنے ایمان کو ظلم سے نہیں ملایا ان کے لئے امن ہے، تو جناب رسول اللہ صلعم کے اصحاب نے فرمایا کہ حضرت! ہم سے کون ظلم نہیں کرتا جس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ بے شک شرک بہت بڑا ظلم ہے۔

تشریح از شیخ مدنی: یعنی ظلم کے بھی درجات متفاوت ہیں۔ بظلم میں چونکہ نکرہ تحت النفی واقع ہے جو عموم کا فائدہ دیتا ہے۔ تو صحابہ کرام کو اشکال پیش آیا کہ گناہ صغیرہ بھی ظلم ہے تو بہت شاق گذرا جس

پر آپ نے فرمایا کہ ظلم سے وہ ظلم مراد ہے جس سے بچنے کی نصیحت حضرت لقمانؑ نے اپنے بیٹے کو کی تھی، وہ نوع ظلم شرک ہے، یعنی ایمان کے ساتھ شرک کو نہیں ملایا ان کے لئے امن ہے، جیسے پیروں کو سجدہ کرنا ان کو حاضر ناظر سمجھنا چنانچہ بدعتی کا کہنا ہے کہ پیر ہر چیز کو جانتا ہے۔ اس لئے انہوں نے علم غیب آنحضور اکرم صلعم کے لئے بھی ثابت کیا۔ قاضی خاں نے ایک جزئیہ لکھا ہے کہ جس نے اللہ تعالیٰ کی طرح کسی کو حاضر ناظر مانا وہ کافر ہے۔ اس طرح تعزیہ پر کاغذ لگائے جاتے ہیں، اور لکھا جاتا ہے کہ اے امام حسینؓ مجھے بچہ دے دو۔ کہ اگر کہا جائے کہ صحابہ کرام تو عرب اہل لسان تھے۔ ان کو اشکال کیوں پیش آیا۔ انہوں نے عموم کیوں سمجھا تو کہا جائے گا کہ انہوں نے لم یلبسوا پر غور نہیں کیا۔ خلط تب ہوتا ہے۔ جبکہ محل واحد ہو۔ خلط ایمان قلبی اعمال سے ہوگا۔ اعمال جوارح سے نہیں ہوتا۔ تو قلب میں جو چیز پائی جائے۔ اور اسی صنف ایمان میں سے ہو۔ یعنی علمی چیز ہو۔ اس کا عقیدہ رکھنا یہ ظلم ہے۔ اس کے ساتھ ایمان کو خلط نہیں کرنا چاہیئے، شراب کا پینا اور ایمان کا خلط نہیں ہو سکتا۔ تو صحابہ کرام نے بظلم کو تو دیکھا لیکن لم یلبسوا پر غور نہ فرمایا حالانکہ یہ مراد تھا۔ یہ ظلم بڑے درجہ کا ہے۔ اور جو ظلم معاصی کا ہے۔ اس کی وجہ سے تکفیر نہ کی جائے گی (از مرتب) چنانچہ حضرت شاہ عبدالقادر دہلویؒ نے ترجمہ فرمایا کہ جن لوگوں نے اپنے یقین کو شک سے نہیں ملایا۔

از شیخ زکریاؒ۔ امام بخاریؒ کی عادت یہ ہے کہ جب کوئی باب منعقد فرماتے ہیں۔ تو اس کے بعد دوسرے باب سے اس کی توضیح اور تکمیل فرما دیتے ہیں۔ یہ باب بھی اسی قبیل میں سے ہے۔ باب سابق میں جو مضمون ثابت کیا ہے۔ اسی کو پھر یہاں سے ثابت فرما رہے ہیں چونکہ نکرہ تحت النفی واقع ہے تو اس عموم کی بنا پر آنحضور اکرم صلعم سے سوال کر لیا اینا لم یظلم کہ ہم میں سے کون ایسا ہے جس سے ظلم نہ ہوا ہو اور کچھ نہ کچھ کوتاہی نہ ہوئی ہو۔ جس پر آیت ان الشرك لظلم عظیم نازل ہوئی جس سے پتہ چلا کہ جب شرک ظلم عظیم ہے تو اس سے چھوٹا ظلم یقیناً کوئی نہ کوئی ہوگا۔ جب ہی تو عظیم کا مقابل سمجھ میں آتے گا۔ اس تحریر سے ظلم دون ظلم ثابت ہو گیا۔

باب علامۃ المنافق

حدیث نمبر ۳۳ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ اَبُو الرَّبِيعِ الخ عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اٰيَةُ الْمُنَافِقِ ثَلٰثٌ اِذَا حَدَّثَ كَذَبَ وَاِذَا وَعَدَ اَخْلَفَ وَاِذَا اؤْتُمِنَ خَانَ (الحدیث) **ترجمہ**، حضرت ابوہریرۃ رضؓ سے مروی ہے وہ نبی اکرم صلعم سے روایت کرتے ہیں

کہ آنحضرت صلعم نے ارشاد فرمایا کہ منافق کی تین نشانیاں ہیں جب وہ بات کرتا ہے تو جھوٹ بولتا ہے جب وعدہ کرتا ہے تو اس کی خلاف ورزی کرتا ہے۔ جب اس کے پاس امانت رکھی جاتی ہے۔ تو وہ خیانت اور بددیانتی کرتا ہے۔

تشریح از شیخ مدنی رح جس طرح ظلم اور کفر کلی مشکک تھے اور ان کے اضداد میں بھی تشکیک ثابت ہو جاتی تھی اس کی مناسبت سے علامات نفاق کو بیان فرمایا۔ اگر یہ علامات سب کی سب پائی جائیں گی تو نفاق کامل ورنہ نفاق ناقص ہوگا۔ نفاق دو قسم ہے ایک عملی دوسرا اعتقادی نفق کے معنی چلنے کے ہیں۔ منافق بھی اس سے ماخوذ تھا۔ مگر محاورات میں نفاق استبطانہ کو کہنے لگے کہ جس کا ظاہر اور ہو اور باطن دیگر ہو۔ اس کو نفاق اس لئے کہتے ہیں کہ یہ چلتا بہت ہے۔ منافق دو جگہ مقبول ہوتا ہے۔ جس کے شر سے بچنا بڑا مشکل ہوتا ہے۔ اس کی وجہ قلبی ضعف ہوتا ہے کسی ایک امر پر قائم نہیں رہتا۔ نخالی کا بیگن بنا رہتا ہے۔ منافق فی العقیدہ کافر ہے۔ لیکن منافق فی العمل کو کافر نہ کہا جائے گا۔ اس جگہ منافق سے منافق فی العمل مراد ہے۔ امام بخاری رح کا مقصد اس سے ظاہر ہو گیا۔ کہ جس کے اندر تین یا چار خصائل پائے گئے اس کا نفاق کامل ہے۔ جس میں کم خصائل ہوں گے اس کا نفاق ناقص ہوگا۔ تو نفاق کے مراتب معلوم ہوئے تو جو اس کی ضد ایمان ہے۔ اس میں بھی زیادہ نقصان ہوگا۔ اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ معاصی کا اثر ایمان پر پڑتا ہے۔ اگر شبہ ہو کہ حدث کذب الخ یہ علامت تو برادران یوسف ع میں بھی پائی جاتی تھیں کیونکہ حضرت یوسف علیہ السلام ان کے پاس امانت تھے۔ اس میں انہوں نے خیانت کی اور حفاظت کی بجائے مار مار کر کنوئیں میں پھینکا حالانکہ ایک جماعت علماء کی ان کو انبیاء کہتی ہے۔ اور دوسری جماعت انہیں مخلصین صدیقین کہتی ہے۔ اس کے متعدد جوابات ہیں پہلا جواب کہ ان کے یہ معاصی قبل از نبوت تھے۔ جن کا صدور سوائے شرک کے ان سے ہو سکتا ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ وہ انبیاء ہی نہیں تھے۔ تیسرا جواب یہ ہے کہ یہ معاصی کبائر نہیں تھے۔ بلکہ اجتہادی غلطی تھی۔ کیونکہ جب انہوں نے حضرت یعقوب علیہ السلام کی توجہ محبت یوسف اور بنیامین کی طرف دیکھی تو انہوں نے سوچا کہ ہم لوگ تو معارف یزدانی سے محروم رہ جائیں گے اور یہ دونو بھائی ترقی کر جائیں گے۔ فتکونوا من بعدہ قوما صالحین یعنی اس کے بعد تم لوگ نیک ہو جاؤ گے۔ پیغمبر کی توجہ سے جو چیز حاصل ہو وہ دہن ہے۔ تو انہوں نے بے وقوفی کی وجہ سے غلطی کی۔ چوتھا جواب یہ ہے کہ اس حدیث میں اذا حدث کذب لفظ اذا کے ساتھ ہے جو استمرار پر دلالت کرتا

ہے۔ یعنی جس کی عادت ہی جھوٹ بن جائے۔ اگر کوئی غلطی سے یا ایک دو مرتبہ جھوٹ بولے تو اسے کاذب نہیں کہا جاتا۔ تو نفاق سے مراد تعوّد ہے۔ سوائے انبیاؑ کے کوئی معصوم نہیں ہوتا۔ کوئی نہ کوئی گناہ چھوٹا بڑا ضرور سرزد ہو جاتا ہے۔

باب علامۃ المنافق از شیخ زکریاؒ۔ اس سے قبل امام بخاریؒ جو ابواب منعقد فرمائے ہیں وہ علامۃ الایمان سے متعلق ہیں۔ اب چونکہ کفر کا باب چل رہا ہے۔ تو جو علاماتِ کفر ہیں ان کو بیان کرتے ہیں۔ اور اس کے متعلق امام بخاریؒ نے یہاں سے باب قیام لیلۃ القدر من الایمان تک پانچ باب ذکر فرمائے ہیں انہی علامات میں سے ایک نفاق ہے۔ اذا حدث کذب اگر اشکال ہو کہ یہ علامات تو عام مسلمانوں میں پائی جاتی ہیں۔ لہٰذا منافق کو خاص کرنے کی کیا وجہ ہے۔ تو مجھے امام بخاریؒ کی طرف سے جواب دینے کی ضرورت نہیں میں اس کا جواب ترجمہ میں دے چکا ہوں۔ کہ امام بخاریؒ کی غرض کفر دون کفر کو ثابت کرنا ہے اور یہ علامات حقیقی کفر کی علامات نہیں ہیں۔ لہٰذا مسلمانوں کے اندر بھی پایا جانا ممکن ہے۔ اذا وعد اخلف وعدہ خلافی کا یہ مطلب نہیں کہ وعدہ کرتے وقت اس کو پورا کرنے کا پختہ ارادہ ہو لیکن معذوری کی وجہ سے پورا نہ کر سکے بلکہ وعدہ خلافی کا مطلب یہ ہے کہ وعدہ کرتے وقت ہی اس کا پختہ ارادہ ہو۔ کہ اس کو پورا نہیں کروں گا۔

حدیث نمبر ۳۴ حَدَّثَنَا قَبِيصَةُ بْنُ عُقْبَةَ الخ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَرْبَعٌ مَنْ كُنَّ فِيهِ كَانَ مُنَافِقًا خَالِصًا وَمَنْ كَانَتْ فِيهِ خَصْلَةٌ مِنْهُنَّ كَانَتْ فِيهِ خَصْلَةٌ مِنَ النِّفَاقِ حَتّٰى يَدَعَهَا اِذَا اؤْتُمِنَ خَانَ وَاِذَا حَدَّثَ كَذَبَ وَاِذَا عَاهَدَ غَدَرَ وَاِذَا خَاصَمَ فَجَرَ تَابَعَهُ شُعْبَةُ عَنِ الْاَعْمَشِ۔

ترجمہ، حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے مروی ہے کہ جناب نبی اکرم صلعم نے فرمایا چار خصلتیں ایسی ہیں جس شخص کے اندر وہ ہوں گی۔ وہ خالص منافق ہوگا۔ اور جس شخص میں ان میں سے کوئی خصلت ہوگی تو وہ اس کے اندر ایک نفاق کی خصلت ہوگی، یہاں تک کہ اس کو چھوڑ دے جب امانت رکھی جائے تو خیانت کرے بات کرے تو جھوٹ بولے جب کوئی معاہدہ کرے تو بے وفائی اور غداری کرے جب کسی سے جھگڑا کرے تو گالی بکے۔ شعبہ نے اعمش سے اس میں متابعت کی ہے۔

تشریح از شیخ زکریاؒ اس حدیث میں منافق کی چار علامتوں کا ذکر ہے۔ اور اس سے پہلی حدیث

میں تین کا ذکر تھا تو علماء نے اس کے چند جوابات دیئے ہیں۔ اوّل یہ کہ آپؐ کو اتنا ہی معلوم تھا اس لئے اسی پر اکتفا فرمایا۔ اس کے بعد جب اللہ تعالیٰ نے مزید علامتیں بتلائیں۔ تو وہ بھی ارشاد فرمادیں۔ دوسرا جواب یہ ہے موقع کے اعتبار سے ایسا فرمایا۔ کہ جس کے اندر جو خصلتیں نمایاں تھیں اسی پر اس کو متنبہ کر دیا
کان منافقا خالصًا خالص منافق ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ وہ کافر ہو گیا۔ بلکہ کمال نفاق کا مرتبہ اس کو حاصل ہو گیا جس کی بنا پر کفر حقیقی کے قریب قریب ہو گیا۔ حتی یدعھا مطلب یہ ہے کہ اس میں نفاق کی یہ خصلتیں جب تک رہیں گی وہ منافق رہے گا۔ اور جب اس خصلت کو چھوڑ دے گا نفاق بھی ختم ہو جائے گا۔ اور تجدید ایمان کی ضرورت نہ ہوگی۔ ماقبل میں چونکہ ایمان کا بیان تھا۔ اور زیادتی وضاحت کے لئے درمیان میں پانچ ابواب وبضدھا تتبین الاشیاء کے قاعدے کے مطابق ذکر فرمائے تھے۔ اب پھر اپنے اصل کی طرف رجوع کرکے ایمان کا ذکر فرمادیا۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔

بَابُ قِیَامُ لَیْلَۃِ الْقَدْرِ مِنَ الْاِیْمَانِ

حدیث نمبر ۳۵ حَدَّثَنَا اَبُوالْیَمَانِ الخ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ یَّقُمْ لَیْلَۃَ الْقَدْرِ اِیْمَانًا وَّاحْتِسَابًا غُفِرَ لَہٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِہٖ الحدیث

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ جناب رسول اکرم صلعم نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص نے لیلۃ القدر والی رات اللہ پر یقین رکھتے ہوئے اور ثواب حاصل کرنے کی نیت سے قیام کیا تو اس کے سب پچھلے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے۔

تشریح از شیخ مدنیؒ اس حدیث سے قیام لیلۃ القدر کا ایمان کامل میں سے ہونا معلوم ہوا۔ اور اس کا ثمرہ غفرلہ ماتقدم فرمایا گیا کیونکہ اِنَّ الْحَسَنٰتِ یُذْهِبْنَ السَّیِّاٰتِ نیکیاں برائیوں کو لے جاتی ہیں۔ اگرچہ ماتقدم میں ما کلمہ عموم کا ہے مگر حقوق العباد بغیر ان کی معافی کے معاف نہیں ہو سکتے لہٰذا ان کو شامل نہ ہوگا۔

از شیخ زکریاؒ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے تو صرف اتنا فرمایا ہے کہ یہ باب رجوع الی الاصل کے لئے ہے۔ اور باریکیاں بیان کرنے والے حضرات نے یہ باریکی تبلائی ہے کہ امام بخاریؒ نے باب افشاء السلام کے بعد قیام لیلۃ القدر کا باب منعقد کرکے آیت کریمہ سلام ھی حتی مطلع الفجر کی طرف اشارہ ہے اور سلام سے مراد شب قدر ہے۔ تو گویا اس آیت کی مناسبت سے شب قدر کو افشاء السلام کے بعد ذکر فرمایا۔ کسی شارح نے یہ نہیں تبلایا کہ افشاء السلام اور لیلۃ القدر میں پانچ بابوں کا فصل کیوں کر دیا گیا۔ حضرت مولانا زکریا کی رائے

ہے کہ امام بخاریؒ نے یہ طریقہ اختیار کرکے اس بات کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ لیلۃ القدر کی وہ فضیلت جو احادیث میں وارد ہوئی ہے۔ وہ کسی خاص آن کے ساتھ خاص نہیں بلکہ اس میں امتداد ہے۔ یہ نہیں کہ بس ہوئی اور ختم ہو گئی۔

ایمانا واحتسابا یہاں پر ایمان کی قید تو واضح ہے۔ لیکن احتساب کا ذکر بھی کافی اہمیت رکھتا ہے مطلب یہ ہے کہ اگر کام ثواب کی نیت سے کیا جائے۔ تو اس پر ثواب ملے گا۔ ورنہ ثواب سے محرومی رہے گی۔ تو گویا اس جملہ سے نیک نیتی پر تنبیہ کرنا ہے۔

باب اَلْجِهَادُ مِنَ الْإِيْمَانِ

حدیث نمبر ۳۶ حَدَّثَنَا حَرَمِيُّ بْنُ حَفْصٍ الخ قَالَ سَمِعْتُ اَبَا هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ انْتَدَبَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ لِمَنْ خَرَجَ فِيْ سَبِيْلِهٖ لَا يُخْرِجُهُ اِلَّا اِيْمَانٌ بِيْ اَوْتَصْدِيْقٌ بِرُسُلِيْ اَنْ اُرْجِعَهُ بِمَا نَالَ مِنْ اَجْرٍ اَوْ غَنِيْمَةٍ اَوْاُدْخِلَهُ الْجَنَّةَ وَلَوْلَا اَنْ اَشُقَّ عَلٰى اُمَّتِيْ مَا قَعَدْتُ خَلْفَ سَرِيَّةٍ وَلَوَدِدْتُ اَنِّيْ اُقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ اُحْيٰى ثُمَّ اُقْتَلُ ثُمَّ اُحْيٰى ثُمَّ اُقْتَلُ۔ الحدیث

ترجمہ باب جہاد بھی ایمان میں سے ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ میں نے سنا جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ بلند و برتر اس بندے کے کفیل بن جاتے ہیں یا اسے قبول کر لیتے ہیں جو اللہ کے راستہ میں جہاد کے لئے نکلا۔ اس حال میں اس مقصد کے لئے اس کو نہیں نکالا مگر میرے پر یقین کرنے یا میرے رسولوں کو سچا سمجھنے نے تو کفیل ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ اس بات کا کہ ان کو درج ذیل چیزوں میں سے کوئی نہ کوئی چیز حاصل کرنے کے بعد واپس کرے گا یا تو ثواب لے کر یا غنیمت کا مال حاصل کر کے یا یہ کہ اللہ تعالیٰ اس کو جنت میں داخل کرے گا۔ اگر مجھے اپنی امت پر یہ بات گراں نہ گذرتی تو میں کسی لشکر سے پیچھے نہ بیٹھتا بلکہ میری تو دلی تمنا یہ ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کی راہ میں قتل کیا جاؤں۔ پھر مجھے زندہ کیا جائے پھر قتل کیا جاؤں پھر زندگی دی جائے پھر قتل کر دیا جاؤں

تشریح از شیخ مدنیؒ انتدب ای تکفل اللہ لمن خرج، یا انتدب بمعنیٰ قبول کیا۔ لا یخرجہ الا ایمان بی یہ حال قولی ہے۔ کہ اس شخص کا جہاد کے لئے نکلنا میری تصدیق اور میرے رسولوں کی تصدیق سے ہو۔ کوئی دنیاوی غرض نہ ہو۔ تو اس صورت میں باری تعالیٰ کی طرف سے تکفل ہو گا۔

ان ارجعة تكفل الى رجوعه الى اهله من اجر. غنيمة او ادخله الجنه ۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں سے کوئی چیز ضرور حاصل ہوگی ۔ اجر۔ غنیمت یا دخول جنت حالانکہ سب بھی جمع ہوسکتے ہیں تو کہا جائے گا۔ کہ او تنویع کے لئے نہیں بلکہ منع الخلو کے لئے ہے۔ جو شہید ہوگا وہ مرتے ہی جنت میں داخل ہوگا۔ اور اسے وہاں کے انعامات ملنے شروع ہو جائیں گے مگر یہ ادخال جنت اور ہے اور روز قیامت کا ادخالِ جنت اور ہے۔ چنانچہ ایک بزرگ سید محمد ضامن صاحب شہیدؒ اپنے ہونٹوں کو چبایا کرتے تھے ان سے وجہ پوچھی گئی تو فرمایا کہ میں ایک جہاد میں تھا ایک پیالہ میرے پیش کیا گیا۔ ابھی میرے ہونٹوں سے لگا ہی تھا کہ ندا آئی کہ ابھی تک ان کی عمر باقی ہے۔ تو اس کا ذائقہ ابھی تک محسوس کرتا ہوں۔ اور ہونٹ چباتا ہوں۔ تو مجاہد کے لئے دو صورتیں ہوئیں ؎

مجاہد کے لئے دنیا و دیں کی سرفرازی ہے ، کہ مرنے سے شہید اور زندہ رہ جانے سے غازی ہے

اگر شہید ہوا تو جنت میں داخل ہوگا۔ اگر زندہ رہ گیا تو غلبہ کی صورت میں غنیمت بھی ہاتھ لگے گی اور اجر بھی ملے گا۔ اگر اور کوئی چیز نہ ملی تو اجر تو ضرور ملے گا۔ تو رجوع مع الاجر ہوا۔ تو معنی ہوئے ارجعه حيًّا او ادخله الجنّه ميّتًا اور پھر ارجعه حيًّا اما مع الاجراء ، مع الاجر والغنيمة. لولا ان اشق اى لولا مخافة ان اشق سريه وہ چھوٹی سی فوجی جماعت جن میں آنحضرت صلعم شامل نہ ہوں۔ اور مشقت اس لئے ہوتی۔ کہ جب آپ کسی غزوہ میں نکلیں تو پھر آپ کے فدائی کیسے گھر بیٹھ سکتے ہیں۔ اس کو کوئی بھی پسند نہیں کرتا تھا۔ جب آپ نکلتے آلات جنگ نہ ہوتے تو فدائیوں کے لئے دشواری ہوتی۔

ولوددت انى اقتل الخ اگر کہا جائے کہ شہید کا مرتبہ تو نبوت کے مقام سے کم ہے۔ تو آپ کم درجہ کی تمنا کیوں فرما رہے ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ مدرج راوی ہے۔ آپ کا ارشاد نہیں بلکہ حضرت ابوہریرہ کا مقولہ ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ اگرچہ آپ افضل ہیں۔ مگر شہادت کے اس انعام سے اپنے آپ کو مستغنی نہیں گردانتے جیسے حضرت ایوب علیہ السلام سونے کی چڑیاں جمع کرنے لگے تھے تو باری تعالیٰ کے فرمانے پر جواب کہا لا غنى لى من فضلك کہ آپ کے فضل مجھے غنا نہیں ہے۔

تیسرا جواب یہ ہے کہ قد يوجد فى النهر مالا يوجد فى البحر کہ کبھی نہر میں وہ چیزیں ملتی ہیں جو دریا میں نہیں ملتیں۔ تو شہادت کے ثواب میں بعض ایسی مزایا ہیں۔ جو خصوصیت رکھتی ہیں۔ ممکن ہے کہ وہ مزایا نبوت کے ثواب میں نہ ہوں۔ جس طرح کوئی کسی ایسی چیز کا عادی ہو جو نبوت کے انعامات میں نہ ہو۔

البتہ شہید کے انعامات ہیں مل جائے۔ چوتھا جواب یہ ہے کہ اس تمنا سے آپؐ کا مقصد لوگوں کو رغبت دلانا ہے۔ اگرچہ آپؐ کو یہ انعامات حاصل ہیں۔ لیکن لوگوں کی رغبت کے لئے اس کا اظہار فرمارہے ہیں۔

از شیخ زکریاؒ باب الجہاد من الایمان سے پہلے امام بخاریؒ قیام لیلۃ القدر من الایمان کا باب باندھ چکے ہیں۔ اب یہ باب الجہاد من الایمان منعقد فرمایا ہے بعد ازاں تطوع قیام رمضان ذکر فرمائیں گے۔ اب سوال یہ ہے کہ تطوع قیام رمضان میں تو لیلۃ القدر ہوتی ہے۔ پھر ان دونو کے درمیان باب الجہاد سے کیوں فصل کر دیا گیا۔ تو حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ لیلۃ القدر مشقت اور مجاہدہ سے حاصل ہوگی ایمان بی وتصدیق برسلی یہ آو شک کے لئے بھی ہو سکتا ہے اس لئے ایمان باللہ ہی معتبر ہے۔ جو تصدیق بالرسل کے ساتھ ہو۔ اور تصدیق بالرسل ایمان باللہ کو مستلزم ہے نیز او تنویع کے لئے بھی ہو سکتا ہے۔ علی سبیل مانعہ الخلو محدثین کا قاعدہ ہے کہ وہ آو کے بعد لفظ قال پڑھوایا کرتے ہیں لیکن مری عادت یہ ہے کہ میں اس کو تنویع پر حمل کر کے قال نہیں پڑھوایا کرتا۔ من اجراو غنیمۃ یہاں او مانعہ الخلو کے لئے ہے۔ لولا ان شق علی امتی یعنی اگر مشقت کا خوف نہ ہوتا تو میں ہر جہاد میں جاتا۔ چونکہ میرے جانے کی وجہ سے ہر شخص چلنے کو چاہے گا اور سواری نہ ہونے کی وجہ سے مشقت برداشت کرنی پڑے گی ثم احیی ثم اقتل یہ عشق کی بات ہے کہ آدمی محبوب کے راستہ میں قتل ہونا چاہتا ہے جہاں یہ فضیلت ہے وہیں شہرت عشق بھی حاصل ہوتی ہے۔ یاد رکھنا چاہئے کہ شہرت عشق اور چیز ہے شہرت ریا اور چیز ہے۔ وہ اچھی چیز ہے اور یہ مذموم ہے

ما و مجنوں ہم سبق بودیم در ایوان عشق
او بصحرا رفت و ما در کوچہا رسوا شدیم

باب تَطَوُّعُ قِيَامِ رَمَضَانَ مِنَ الْإِيمَانِ۔

حدیث نمبر ۳۷ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ الخ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ قَامَ رَمَضَانَ إِيمَانًا وَّاحْتِسَابًا غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ (الحدیث)

ترجمہ، قیام رمضان کا تطوع بھی ایمان میں سے ہے، حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلعم نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص رمضان کا قیام یعنی تراویح کی نماز اللہ پر یقین رکھتے ہوئے اور ثواب حاصل کرنے کی نیت سے پڑھی تو اس کے سب پچھلے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے۔

تشریح - از شیخ مدنی: بعض لوگ فرائض کو ایمان میں داخل سمجھتے ہیں، نوافل کو داخل نہیں کرتے۔ امام بخاریؒ نوافل کو بھی ایمان میں داخل قرار دیتے ہیں۔

از شیخ زکریا: ہم لوگ تو ایمان کی بساطت کے قائل ہیں۔ اس کے لئے اجزاء ترکیبیہ نہیں مانتے لیکن جو لوگ کہتے ہیں کہ ایمان مرکب ہے۔ ان کے ہاں اختلاف ہے کہ آیا جو اعمال جزاً ایمان ہیں ان میں نوافل بھی داخل ہیں یا نہیں۔ ایک جماعت کی رائے ہے کہ صرف فرائض جزء ہیں نوافل نہیں۔ اور ایک جماعت کی رائے یہ ہے کہ نوافل بھی داخل ہیں۔ امام بخاریؒ کا میلان بھی یہی معلوم ہوتا ہے اس لئے تطوع قیام رمضان کی قید لگائی۔

بَابُ صَوْمُ رَمَضَانَ إِحْتِسَابًا مِّنَ الْإِيْمَانِ،

حدیث نمبر ۳۸ حَدَّثَنَا ابْنُ سَلَامٍ الخ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَامَ رَمَضَانَ إِيْمَانًا وَّاحْتِسَابًا غُفِرَ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ ۔ الحدیث

ترجمہ، احتساباً صوم رمضان بھی ایمان میں سے ہے، حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں آنحضرت رسول اکرم صلعم نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص نے رمضان شریف کا روزہ اللہ تعالیٰ پر یقین اور ثواب حاصل کرنے کی نیت سے رکھا تو اس کے سب پچھلے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے۔

تشریح از شیخ زکریا: احتساب کی قید ہر عبادت میں معتبر ہے اور صوم رمضان میں خاص طور سے اس قید کا اظہار الفاظ روایت کے پیش نظر کیا گیا ہے۔ احتساب کے معنی اللہ تعالیٰ شانہٗ سے ثواب کی تمنا کرنا ہے۔ امام بخاریؒ نے احتساباً فرما کر اس بات کی طرف اشارہ کر دیا کہ اشیاء ایمان میں اس وقت شمار ہوں گی جب مع الاحتساب ہوں۔

بَابُ الدِّيْنُ يُسْرٌ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَحَبُّ الدِّيْنِ إِلَى اللّٰهِ الْحَنِيْفِيَّةُ السَّمْحَةُ۔ ترجمہ، کہ دین آسان ہے۔ نبی اکرم صلعم فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک دینوں میں سے زیادہ محبوب وہ طریقہ حنفیہ ہے اور جو آسان ہے۔

حدیث نمبر ۳۹ حَدَّثَنَا عَبْدُ السَّلَامِ بْنُ مُطَهَّرٍ الخ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ الدِّيْنَ يُسْرٌ وَّلَنْ يُّشَادَّ الدِّيْنَ أَحَدٌ إِلَّا غَلَبَهٗ فَسَدِّدُوْا وَقَارِبُوْا وَأَبْشِرُوْا وَاسْتَعِيْنُوْا بِالْغَدْوَةِ وَالرَّوْحَةِ وَشَيْءٌ مِّنَ الدُّلْجَةِ۔

ترجمہ، حضرت ابو ہریرہؓ جناب نبی اکرم صلعم سے روایت کرتے ہیں، کہ آپ نے فرمایا، دین سہل ہے

جس شخص نے دین میں سختی کو اختیار کیا تو اس پر دین غالب آکر رہے گا۔ اس لئے ٹھیک ٹھیک چلو یعنی درمیانہ راستہ اختیار کرو اور عاجزی کی صورت میں ایک دوسرے کے قریب ہو جاؤ۔ اور ثواب کی خوشخبری دو اور صبح وشام اور تھوڑی سی تاریکی میں چلنے سے مدد حاصل کرو۔

تشریح از شیخ مدنیؒ امام بخاریؒ کے نزدیک دین، اسلام۔ ایمان اطلاقات شرعیہ میں ہم معنی ہیں یا متلازم ہیں۔ الدین یسرای ذو یسر اور الدین میں الف لام عہد کا ہے۔ ای الدین الذی جاءبہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم اگرچہ انبیا سابقین کے دین میں بھی یُسر تھا۔ مگر دین محمدیؐ میں ان سے زیادہ یُسر ہے حنیفی دین ابراہیمی کو کہا جاتا تھا۔ حنیف بمعنی مائلاً عن الباطل راجعًا الی الحق۔ سمحۃ بمعنی سھلۃ دین ابراہیمی بھی ایسی سہولتوں پر مشتمل تھا جو دین موسوی میں نہیں تھیں۔ مشادہ بمعنی تشدّد میں مغالبہ کرنا۔ یہاں پر حقیقی مغالبہ مراد نہیں۔ بلکہ مبالغہ مراد ہے سدّ دوا ای توسطوا امر الدین یعنی توسط کامل ہونا چاہیئے۔ افراط تفریط نہ کرنی چاہیئے۔

از شیخ زکریاؒ۔ باب الدین یسر بعض علما کی رائے ہے کہ اس باب سے امام بخاریؒ خوارج پر رد فرما رہے ہیں۔ اس لئے کہ انہوں نے دین کو سخت بنا لیا کہ اگر ایک وقت کی نماز چھوٹ گئی۔ تو وہ کافر ہو گیا ذرا سی لغزش ہوئی تو کافر بن گیا۔ امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ دین اتنا سخت نہیں جتنا تم نے اس کو بنا رکھا ہے۔ بلکہ دین آسان ہے۔ حافظ ابن حجرؒ کی رائے یہ ہے کہ ابھی باب الجہاد گذرا ہے۔ اور اس سے پہلے باب میں گذر چکا کہ لیلۃ القدر کا قیام مجاہدہ سے ہوتا ہے۔ تو اب بتلانا چاہتے ہیں کہ اگرچہ ان چیزوں کو حاصل کرنے کے لئے مجاہدہ ضروری ہے اور وہ سر آنکھوں پر لیکن یہ سب جب ہے کہ جب تحمل بھی ہو ورنہ لا یکلف اللہ نفسا الا وسعھا گویا یہ بتلانا مقصود ہے کہ تحمل کے بقدر مشقت کا مطالبہ ہے۔ احب الدین الی اللہ الحنفیۃ السمحۃ حنفیۃ سے مراد ملۃ ابراھیمیہ حنفیہ مراد ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں واتّبع ملّۃ ابراھیم حنیفًا اس سے مذہب حنفی مراد نہیں۔ کیونکہ یہ تو ڈیڑھ سو سال بعد کی پیداوار ہے۔ البتہ تفاؤل کے طور پر میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ مذہب حنفی زیادہ قابل اتباع ہے السمحۃ بمعنی آسان۔

ولن یشاد الدین احد دین کے اندر شدت اختیار کرنے کا مطلب یہ ہے کہ عذر کی حالت میں جو رخصت اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لئے مشروع فرمائی ہے۔ ان کو اختیار نہ کرنا جیسے مریض کے لئے اللہ تعالیٰ نے اجازت دی ہے کہ وہ بیٹھ کر نماز پڑھے۔ لیکن شیطان کی چالبازیوں میں آکر رخصت پر عمل نہیں کرتا اس

طرح شریعت نے حکم دیا ہے کہ عذر کی حالت میں تیمم کرلو۔ لیکن تم اس وقت بھی بجائے تیمم کے وضو کرتے ہو تو ایسی صورت میں اور بیمار ہو جاؤ گے۔ ذات الجنب کا مرض لاحق ہو جائے گا۔ اور اس کے غالب ہونے کے معنی ہیں کہ اس سختی سے تم کو پریشانی ہو گی فسددوا ٹھیک ٹھیک دین کا راستہ اختیار کرو قاربوا آپس میں ایک دوسرے سے مل کر رہو۔ باہم اختلاف نہ کرو وابشروا ایک دوسرے کو تھوڑے عمل پر بھی خوشخبری سناؤ شیئ من الدلجہ کا مطلب ہے اندھیری رات کو تھوڑا سا حصہ بھائی نہ تو علم ہی بلا رات کو جاگے آتا ہے اور نہ ہی طریقت دونو کے لئے راتوں کو جاگنے کی ضرورت ہوتی ہے ؎ من طلب العلیٰ سھر اللیالی جو بلند یاں چاہتا ہے۔ وہ راتوں کو جاگا کرتا ہے۔

بَابُ الصَّلٰوةُ مِنَ الْإِيْمَانِ وَقَوْلُ اللّٰهِ تَعَالٰى وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيْعَ اِيْمَانَكُمْ يَعْنِيْ صَلٰوتُكُمْ عِنْدَ الْبَيْتِ ۔ ترجمہ، نماز دین میں سے ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ تمہارے ایمان کو ضائع نہیں کرے گا۔ یعنی بیت اللہ کے نزدیک تمہاری پڑھی ہوئی نماز کو ضائع نہیں کرے گا۔

حدیث نمبر ۴۰ حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ خَالِدٍ الخ عَنِ الْبَرَآءِ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ اَوَّلُ مَا قَدِمَ الْمَدِيْنَةَ نَزَلَ عَلٰى اَجْدَادِهٖ اَوْ قَالَ اَخْوَالِهٖ مِنَ الْاَنْصَارِ وَاَنَّهٗ صَلّٰى قِبَلَ بَيْتِ الْمُقَدَّسِ سِتَّةَ عَشَرَ شَهْرًا اَوْ سَبْعَةَ عَشَرَ شَهْرًا وَّكَانَ يُعْجِبُهٗ اَنْ تَكُوْنَ قِبْلَتُهٗ قِبَلَ الْبَيْتِ وَاَنَّهٗ صَلّٰى اَوَّلَ صَلٰوةٍ صَلَّاهَا صَلٰوةَ الْعَصْرِ وَصَلّٰى مَعَهٗ قَوْمٌ فَخَرَجَ رَجُلٌ مِمَّنْ صَلّٰى مَعَهٗ فَمَرَّ عَلٰى اَهْلِ مَسْجِدٍ وَّهُمْ رَاكِعُوْنَ فَقَالَ اَشْهَدُ بِاللّٰهِ لَقَدْ صَلَّيْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قِبَلَ مَكَّةَ فَدَارُوْا كَمَا هُمْ قِبَلَ الْبَيْتِ وَكَانَتِ الْيَهُوْدُ قَدْ اَعْجَبَهُمْ اِذْ كَانَ يُصَلِّيْ قِبَلَ بَيْتِ الْمُقَدَّسِ وَاَهْلُ الْكِتٰبِ فَلَمَّا وَلّٰى وَجْهَهٗ قِبَلَ الْبَيْتِ اَنْكَرُوْا ذٰلِكَ قَالَ زُهَيْرٌ حَدَّثَنَا اَبُوْ اِسْحَاقَ عَنِ الْبَرَآءِ فِيْ حَدِيْثِهٖ هٰذَا اَنَّهٗ مَاتَ عَلَى الْقِبْلَةِ قَبْلَ اَنْ تُحَوَّلَ رِجَالٌ وَّقُتِلُوْا فَلَمْ نَدْرِ مَا نَقُوْلُ فِيْهِمْ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ تَعَالٰى وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيْعَ اِيْمَانَكُمْ الآیہ

ترجمہ، حضرت برا بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ جناب نبی اکرم صلعم جب پہلے پہل مدینہ منورہ میں تشریف لائے تو اپنے ننھیال یا اپنے انصار میں سے ننھالوں کے پاس قیام پذیر ہوئے۔ اور یہ کہ آپ سولہ یا سترہ مہینہ بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے رہے۔ حالانکہ آپ کو یہ بات پسند تھی کہ آپ کا

قبلہ بیت اللہ کی طرف ہوا۔ اور یہ کہ پہلی نماز جو آپؐ نے پڑھی وہ عصر کی نماز تھی۔ اور آپؐ کے ساتھ کچھ لوگوں نے بھی نماز پڑھی۔ ان لوگوں میں سے جنہوں نے آپؐ کے ساتھ نماز ادا کی تھی ایک آدمی ایک مسجد والوں کے پاس سے گذرا جبکہ وہ رکوع کی حالت میں تھے۔ تو انہوں نے فرمایا کہ میں اللہ تعالیٰ کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مکہ کی طرف منہ کر کے نماز ادا کر آیا ہوں۔ پس وہ لوگ جس حالت میں تھے اسی طرح بیت اللہ کی طرف پھر گئے۔ اور یہود اور دیگر اہل کتاب کو یہ بات پسند تھی۔ جبکہ آنحضرت صلعم بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز ادا کرتے تھے۔ جب آنحضرت صلعم نے بیت اللہ کی طرف اپنا چہرہ انور پھیر دیا، تو وہ لوگ اس پر چہ میگوئیاں کرنے لگے۔ حضرت زہیر راوی فرماتے ہیں ہمیں ابو اسحاقؒ نے حضرت براءؓ سے اپنی حدیث میں یہ بھی بیان فرمایا کہ بہت سے آدمی تحویل قبلہ سے پہلے مر چکے تھے یا قتل ہو چکے تھے۔ ہمیں معلوم نہیں تھا کہ ہم ان کے بارے میں کیا کہیں۔ تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ اللہ تعالیٰ تمہارے ایمان یعنی نماز طرف بیت المقدس کو ضائع نہیں کرے گا بلکہ ثواب دے گا۔

تشریح از شیخ مدنیؒ: امام بخاریؒ صلوٰۃ کو ایمان میں قرار دیتے ہوئے آیت کریمہ کو استدلال میں پیش کرتے ہیں۔ یہ آیت نسخ قبلہ کے وقت نازل ہوئی۔ اور قرآن مجید میں ہے وما جعلنا القبلۃ التی کنت علیہا الا لنعلم کہ ہم نے امتحان کے لئے اسے قبلہ مقرر کیا تھا آیا بنو اسرائیل اس لئے آپؐ ایمان لاتے ہیں کہ آپؐ کا اور ان کا قبلہ ایک ہے۔ اور بنو اسمٰعیل قبلہ ابراہیمی کی وجہ سے اتباع کرتے ہیں یا للّٰہیت کی وجہ سے ہے۔ الغرض مقصد آپؐ کی اتباع کرانا تھا۔ اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ قبلہ اصلی تو بیت اللہ تھا عارضی قبلہ بیت المقدس قرار پایا تھا۔ یہاں پر شبہ تھا کہ جو لوگ بیت المقدس کی طرف نماز پڑھتے رہے اور نسخ قبلہ سے پہلے مر گئے کیا ان کے اعمال حبط ہوں گے۔ تو آیت کریمہ نازل ہوئی کہ تمہارے کو ضائع نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ تم نے تو امتثال امر کیا ہے۔ اس آیت میں لفظ ایمان بول کر صلوٰۃ مراد لیا گیا ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ ان دونو میں خصوصی تعلق ہے۔ اب اس جگہ یہ اشکال ہے کہ عند البیت کہنا کیسے صحیح ہو گا۔ کیونکہ شبہ تو بیت المقدس کی طرف نماز پڑھنے میں تھا۔ یعنی شبہ ای صلوٰۃ الی غیر البیت میں تھا۔ صلوٰۃ عند البیت تو مدینہ والوں کو نصیب نہیں ہوئی۔ بنا بریں بعض شراحؒ نے تصحیف کا الزام رکھا ہے کہ لفظ الی غیر البیت تھا ناسخین نے تصحیف کر دی۔ اور لکھنے والے عموماً ضربتہ کیا کرتے ہیں۔ تو یہاں غیر اور الی میں خلط ملط کیا گیا۔ لیکن یہ توجیہہ مناسب معلوم نہیں ہوتی۔ بلکہ توجیہ یہ ہے کہ عند استقبال البیت شبہ یہ تھا کہ جب نسخ واقع ہوا تو ہمارے

پہلے اعمال ضائع گئے تو فرمایا گیا۔ کہ نسخ کا کرنا بطور نعمت کے ہے بطور نقمت کے نہیں یہ توجیہ علامہ سندھیؒ نے بیان فرمائی ہے۔ لیکن ان سب سے اھون یہ ہے کہ عند البیت کو حقیقت پر محمول کیا جائے۔ لوگوں نے بیت المقدس کی طرف بھی عند البیت نماز ادا کی جب آپؐ مدینہ منورہ تشریف لائے تو بھی مامور باستقبال القبلہ تھے۔ لیکن وہاں مکہ معظمہ میں آپؐ نے اس طرح بیت المقدس کا استقبال کیا کہ خانہ کعبہ کا بھی استقبال ہوتا تھا اور بیت المقدس کا بھی۔ کیونکہ بیت اللہ، بیت المقدس کے بالکل آمنے سامنے ہے۔ اور درمیان میں مدینہ واقع ہے۔ مگر مدینہ میں یہ صورت ممکن نہ تھی۔ کیونکہ اگر بیت المقدس کی طرف منہ کیا جائے تو بیت اللہ کی طرف پشت ہو گی۔ خلاصہ یہ کہ جب تک آپؐ مکہ معظمہ میں رہے تو اس کی مراعات کی گئی۔ لیکن یہ مراعات صرف آپؐ نے فرمائی۔ صحابہ کرام میں سے کسی نے نہیں کی۔ تو جب کوئی شخص عند البیت کھڑے ہو کر بیت المقدس کی طرف استقبال کرے تو یہ خانہ کعبہ کے احترام میں زبردست ضرب ہے۔ تو ایسے شخص کی نماز تو بالکل قبول نہ ہو گی۔ چنانچہ اس بنا پر ان حضرات کو شبہ ہوا کہ جو لوگ ایسی حالت میں مرے ہیں انہوں نے خانۂ کعبہ کی بے حرمتی کی۔ تو اس کا جواب دیا گیا کہ جہاں تم نے بیت اللہ کے احترام کو کلہاڑا مارا تھا۔ اس نماز کو ہم نے ضائع نہیں کیا۔ اور جب بیت المقدس کی طرف بغیر بے حرمتی کے ہو تو ہم اس کو کیسے ضائع کریں گے۔ وکان یُعْجِبہ اس اعجاب کی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے۔ کہ آپؐ اپنے جدّ امجد کے قبلہ کو پسند کرتے تھے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہی قبلہ تھا یا ان کا بنایا ہوا تھا۔ یا یہ کہ قریش کا یہی قبلہ تھا۔ اور وطن کے قبلہ سے طبعًا محبت ہوتی ہے۔ اور حضرات صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ حقیقت محمدیہ اور حقیقتِ کعبہ میں زیادہ تناسب ہے اس لئے کہ ظاہری حیثیت سے اور حالت ہوتی ہے اور روحانی اور ہے کہتے ہیں کہ مظہر تجلی حقیقت محمدیہ ہے۔ اور مظہر اور ظاہر میں بہت فرق ہے۔ کفار نے مظاہر اور ظاہر میں فرق نہ کیا۔ چنانچہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے ملکہ بلقیس سے فرمایا تھا کہ شمس صفات کمالیہ باری تعالیٰ کا مظہر ہے۔ اس کے ساتھ وہ معاملہ نہ کرنا چاہیئے جو ظاہرًا صفات باری تعالیٰ سے کیا جاتا ہے اس لئے بلقیس کا تخت منگوایا گیا جو اس کی حکومت کا مظہر تھا۔ اس کو متغیر کر کے اس ملکہ کا امتحان لیا گیا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام دکھلانا چاہتے ہیں کہ یہ تخت ترا مظہر تھا جب تو اس سے جدا ہوئی تو ہم نے اس کو منگا کر متغیر کر دیا۔ لیکن تجھ میں تغیر نہیں آیا جب یہ بات اس کی سمجھ میں نہ آئی تو دوسرا طریقہ اختیار کیا گیا کہ حوض بنوا کر اس کے اوپر شیشہ لگایا گیا جس پر ظاہرًا پانی معلوم ہوتا تھا۔ اس نے مظہر پر وہی حکم لگایا جو ظاہر پر لگایا جاتا ہے۔ پھر اس کی سمجھ میں آیا۔ غرضیکہ انبیاء ہوں یا ملائکہ آفتاب یا قمر وغیرہ یہ سب صفات باری تعالیٰ کے مظہر ہیں۔ ان میں تجلیات اس قدر ہوں گی جتنی

ان میں استعداد ہوگی یہ عبادت کے لائق نہیں کفار نے مظاہر کو دیکھ کر ان پر ظاہر کا حکم لگا دیا۔ حالانکہ ظاہر جیسا معاملہ ان کے ساتھ نہیں کرنا چاہیے تھا۔ تو جب آپؐ باری تعالیٰ کا مظہر ہیں اور خانہ کعبہ بھی مظہر ہے عکس باری تعالیٰ کے صفات کی جیسے ایک آئینہ کو آفتاب کے سامنے رکھا جائے۔ اور دوسرے کو ماہتاب کے مقابل میں کیا جائے ماہتاب آفتاب کی تجلی اوّل کا مظہر ہے۔ اور آئینہ تجلی اوّل کا عکس ہے۔ تو ایسے بیت اللہ تجلی اوّل کا عکس ہے اور آپؐ کی حقیقت باری تعالیٰ کی تجلی کا مظہر ہے۔ اس لئے یہ کعبہ آپؐ کی طبیعت سے مناسبت رکھتا تھا۔ تو فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ فرمایا گیا۔ لیکن امور مجردہ وغیبیہ میں سمجھانے کیلئے دشواری ہوتی ہے۔ اگر اس توجیہ کو نہ لیا جائے تو مصنفین فرماتے ہیں کہ آپؐ کو خانہ کعبہ سے خصوصی مناسبت تھی۔ ان وجوہ مذکورہ بالا کی بنا پر یا اس وجہ سے کہ سب سے اشرف مقام بیت اللہ ہے۔ إِنَّ أَوَّلَ بَيْتٍ وُضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِي بِبَكَّةَ الآیہ کا مصداق ہے۔ اس کو قیامًا للناس کہا گیا ہے۔ اور قاعدہ ہے کہ پہلے شاہی خیمہ لگایا جاتا ہے۔ پھر فوج اترتی ہے اور جب شاہی خیمہ اکھاڑ لیا جائے۔ تو پھر فوج نہیں رہتی۔ چونکہ رحمت ایزدی کی یہ اوّلین جگہ ہے۔ اس لئے آپ کو اس سے مناسبت تھی فمر علی اهل مسجد الخ مسجدیں دو تھیں ایک مسجد قبا۔ اور دوسری مسجد بنو حارثہ کی ہے فجر کی نماز میں جو واقعہ پیش آیا وہ مسجد بنو حارثہ میں پیش آیا۔ مسجد بنو حارثہ مدینہ کے شمال مغرب کی طرف واقع ہے۔ بیت المقدس اس کے شمالی جانب تھا تو مقتدی پھر گئے۔ مگر امام نے فعل کثیر کر کے استقبال کیا۔ جو کہ اس وقت تک ممنوع نہیں تھا۔ اور مسجد قبا جو مدینہ سے جنوب کی طرف واقع ہے۔ اس میں عصر کی نماز کے وقت یہ واقعہ پیش آیا۔ تو دو مسجدوں کا واقعہ ہوا بعض لوگ ان میں فرق نہیں کرتے۔ تو خبط عشوٰی میں پڑ جاتے ہیں۔

از شیخ زکریاؒ بعض علماء فرماتے ہیں کہ امام بخاریؒ کا مقصود الصلوٰۃ من الایمان کے باب سے باب سابق میں جو ایک جملہ واستعینوا بالغدوۃ الخ آیا ہے۔ اس کی تفسیر کرنا ہے کہ اس سے مراد نماز ہے اور بعض حضرات فرماتے ہیں کہ امام بخاریؒ کی غرض ایمان کی ترکیب اور اعمال کا جزء ایمان ثابت کرنا ہے۔ کیونکہ سارے محدثین کا اس پر اتفاق ہے کہ یہاں آیت کریمہ وما کان اللہ لیضیع ایمانکم۔ میں ایمان سے مراد نماز ہے اور شان نزول بھی اسی پر دلالت کرتا ہے۔ تو نماز پر ایمان کا اطلاق اطلاق الکل علی الجزء ہے۔ لہٰذا جزئیت ثابت ہوگئی۔

نزل علی اجدادہ وقال علی اخوالہ یہ او شک کے لئے ہے۔ ان دونوں میں کوئی تعارض نہیں بلکہ

اجداد سے مراد اجداد من قبل الام یعنی ننہال مراد ہیں۔ تو وہ اخوال بھی ہوا۔ ستۃ عشر شھرا او سبعۃ عشر شھرا یہاں سے مدینہ منورہ میں بیت المقدس کی طرف نماز پڑھنے کی مدت بتلا رہے ہیں۔ حضور اکرم صلعم نے ربیع الاول میں ہجرت فرمائی اور اگلے سال ماہِ رجب میں قبلہ تبدیل ہوا۔ اب یہاں اختلاف یہ ہے کہ آپؐ نے کتنے ماہ بیت المقدس کی طرف منہ کرکے نماز پڑھی اس میں تین طرح کی روایات ہیں۔ ایک میں سولہ ماہ مذکور ہے۔ دوسری میں سترہ ماہ اور تیسری روایت میں اٹھارہ ماہ مذکور ہیں۔ تعارض ان روایات میں کسی قسم کا نہیں۔ اصل حقیقت یہ ہے کہ چونکہ ماہ ربیع الاول کے کچھ حصہ گذر جانے کے بعد ہجرت کی گئی تھی۔ ادھر رجب کے آخر میں تحویل ہوئی۔ تو بعض نے کسر کو شمار نہ کرکے پورے سولہ ماہ ذکر کردیئے اور بعض نے دونوں مہینوں کے ناقص ہونے کی وجہ سے ان کو ایک ہی ماہ شمار کرکے سترہ ماہ بتلا دیئے اور بعض حضرات نے دونوں کو مستقل مہینہ شمار کرکے اٹھارہ ماہ تبلائے۔ ابوداؤد شریف میں ہے کہ نماز میں تین طرح کا تغیر ہوا۔ اور روزوں میں بھی تین طرح سے تغیر و تبدل ہوا۔ اس کے بعد امام ابوداؤدؒ نے نماز کے تغیرات میں یہ شمار کردیا ہے کہ مسلمانوں نے تیرہ ماہ بیت المقدس کی طرف نماز پڑھی۔ یہ تیرہ والی روایت بالکل غلط ہے جو کسی طرح بھی صحیح نہیں ہے۔

وَاَنَّہٗ صلّٰی اوّل صلوۃ الخ اس میں اختلاف ہے کہ تحویل قبلہ کہاں ہوا اور کب ہوا۔ ایک قول تو یہ ہے کہ مسجد نبوی میں ہوا۔ دوسرا قول یہ ہے کہ بنو سلمہ میں ہوا پھر دونوں میں دو دو قول ہیں۔ ایک یہ کہ نماز ظہر میں تحویل ہوئی۔ دوسرے یہ کہ نماز عصر میں ہوئی لامع کے متن میں ظہر کی نماز کو ترجیح دی گئی ہے لیکن اوجز المسالک میں یہ لکھا ہے کہ تحویل مسجد نبوی میں ظہر و عصر کے درمیان ہوئی۔ یہی مولانا کے نزدیک راجح ہے۔ تو اس صورت میں بخاری کی روایت بھی ٹھیک ہوجائے گی۔ وہ اس طرح کہ تحویل ظہر کی نماز کے بعد عصر سے پہلے ہوئی۔ حضور اقدس صلعم نے عصر کی نماز بیت اللہ کی طرف منہ کرکے ادا فرمائی۔ ایک آدمی قبیلہ بنو سالم میں گذرا اس نے ان کو خبر دی کہ قبلہ اب [illegible] گیا تو وہ لوگ اس وقت بیت اللہ کی طرف پھر گئے۔ پھر دوسرے دن نماز فجر میں مسجد قبا کے اندر دوسرے صحابہ کو خبر ہوئی بنو سلمہ میں اسی دن عصر کی نماز میں تحویل کی خبر پہنچ گئی۔ اس وجہ سے کہ وہ مدینہ ہی کا ایک محلہ ہے۔ اور قبا مدینہ سے باہر ہے۔ فَدَارُوْا کما ھم دوسری مسجد میں نماز پڑھنے والوں کے متعلق فرماتے ہیں کہ جب ان کو نماز میں تحویل قبلہ کی نہایت انتظار کے بعد خبر ملی۔ تو وہ لوگ کھڑے کھڑے الٹی طرف گھوم گئے۔ ایک اشکال یہاں یہ ہے کہ توجہ الی القبلہ قطعی الثبوت ہے۔ لہٰذا خبر واحد کی بناء پر قطعی بھی ہے۔ یہ لوگ کیسے پھر گئے۔ جواب یہ ہے کہ آنحضرت صلعم کی یہ خواہش تھی کہ خانہ کعبہ کی طرف منہ کرکے

نماز پڑھی جائے جس کا ذکر آیت شریفہ قد نری تقلب وجهك فی السماء میں ہے۔ اور صحابہ کرام کو حضور انور صلعم کی اس خواہش کا علم تھا۔ اس لئے اس خبر پر محتف بالقرائن ہونے کی وجہ سے اعتماد کر کے صحابہ نے قبلہ کا استقبال کر لیا۔ فلو ندرما نقول فیهم شراح اس کا مطلب یہ تبلاتے ہیں۔ کہ ہم یہ نہیں جانتے تھے کہ آیا ہمارے آباؤ اجداد کی وہ نمازیں جو انہوں نے بیت المقدس کی طرف منہ کر کے پڑھیں صحیح ہیں یا نہیں اور میرے والد صاحب اس کا مطلب یہ تبلاتے ہیں کہ حضور اقدس صلعم کو کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کا بہت اشتیاق تھا۔ اور ظاہر ہے کہ حضور انور صلعم جس کے مشتاق ہوں گے اس کے کرنے میں زیادہ ثواب ہوگا۔ تو گویا صحابہ کرام کو یہ شبہ ہوا۔ کہ اکمل ثواب ہم ہیں یا ہمارے آباؤ اجداد

باب حُسْنِ إِسْلَامِ الْمَرْءِ - قَالَ مَالِكٌ الخ أَنَّ أَبَا سَعِيدٍ الْخُدْرِيَّ أَخْبَرَهُ أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ إِذَا أَسْلَمَ الْعَبْدُ فَحَسُنَ إِسْلَامُهُ يُكَفِّرُ اللهُ عَنْهُ كُلَّ سَيِّئَةٍ كَانَ زَلَفَهَا وَكَانَ بَعْدَ ذَالِكَ الْقِصَاصُ الْحَسَنَةُ بِعَشْرِ أَمْثَالِهَا إِلَى سَبْعِمِائَةِ ضِعْفٍ وَالسَّيِّئَةُ بِمِثْلِهَا إِلَّا أَنْ يَتَجَاوَزَ اللهُ عَنْهَا۔

ترجمہ - حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ خبر دیتے ہیں کہ انہوں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ وہ فرماتے تھے۔ جب بندہ مسلمان ہو جاتا ہے۔ اور اسلام خوبصورت و اچھا ہو جاتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ اس کی ہر اس برائی کو مٹا دیتے ہیں جو اس نے پہلے کی تھی اس کے بعد پھر ادلہ بدلہ شروع ہوتا ہے کہ ہر نیکی کے بدلے دس گنا نیکیاں سات سو گنا تک ملتی ہیں اور برائی کے بدلہ ایک برائی مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ اس سے معاف فرما دیں۔

تشریح از شیخ مدنی - فحسن اسلامه ای حسن اسلامه اس کا مطلب یہ ہے کہ فرائض واجبات سنن آداب کو اچھی طرح ادا کیا۔ مگر زیادہ مشہور یہ ہے کہ حسن سے درجہ احسان پیدا کرنا مقصود ہے۔ آپ کے زمانہ میں اس درجہ کا تحقق ایمان کے ساتھ آپ کی حاضری میں ہو جاتا تھا۔ چنانچہ صحابہ کرام فرماتے ہیں کہ حضرت جب آپ کی مجلس میں آتے ہیں۔ تو عالم غیب عالم شہادت ہو جاتا ہے۔ یہ آپ کی روحانی طاقت کا اثر تھا۔ جس پر آپ فرماتے ہیں کہ اگر یہ درجہ تمہیں غیبوبتہ کی حالت میں ہوتا تو فرشتے تم سے بستروں پر مصافحہ کرتے۔ بنا بریں ہر ولی۔ قطب اور غوث سے ایک بدری صحابی افضل ہے۔ وجہ یہ ہے کہ جو مقام آج کے اولیا کو سالہا سال کی ریاضت سے حاصل ہوتا ہے وہ ان حضرات کو دربار نبوی میں ایک گھنٹہ بیٹھنے کی وجہ سے حاصل ہو جاتا تھا۔ آج ہم قرآنی لطائف معانی معلوم کرنے کے لئے علوم عالیہ کی ضرورت پڑتی ہے۔ مگر اس وقت صحابہ کرام

کو آپؐ کی بدولت یہ سب کچھ حاصل تھا۔ جیسے اب ہم کو ان علوم کی ضرورت ہے۔ ایسے احسان پیدا کرنے کے لئے ریاضات اور وسائل تلاش کرنے کی سعی کرنی چاہیئے۔ اسی لئے شیخ کی ضرورت پڑتی ہے۔ مگر عالم میں ڈاکو اور چور ہوا کرتے ہیں۔ یہ مرتبہ ایسا ہے کہ جس کے لئے اللہ تعالیٰ آسان کر دیں آسان ہو جاتا ہے اور بعض اوقات ریاضات کرنے پڑتے ہیں تب یہ مقام و مرتبہ حاصل ہوتا ہے۔

از شیخ زکریا امام بخاریؒ کا مقصد اس باب سے ایمان میں کمی زیادتی ثابت کرنا ہے۔ کیونکہ آدمی جب اسلام میں تحسین پیدا کرتا ہے۔ تو پھر حسنہ میں سات سو گنا کا اضافہ شروع ہوتا ہے۔ پھر و اللہ یضاعف لمن یشاء تو اس تضعیف سے اسلام کے کمال میں بھی زیادتی ہوگی۔

اذا اسلم العبد یعنی اخلاص کے ساتھ مسلمان ہوا نفاق وغیرہ نہیں برتا تو اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ یہ معاملہ فرمائیں گے۔ کہ پہلے تو اس کے سارے پچھلے گناہ معاف کر دیں گے۔ کبائر کو بھی اور صغائر کو بھی۔ کیونکہ الاسلام یھدم ماکان قبلہ یہ مسئلہ متفق علیہ ہے۔ لیکن یہاں ایک اور مسئلہ اختلافی ہے کہ اگر کوئی مسلمان ہو گیا۔ تو آیا اسلام لانے کی وجہ سے اس کے ان اعمالِ صالحہ پر جو زمانہ کفر میں کئے ہیں۔ ثواب ہوگا یا نہیں۔ اس میں علماء کا اختلاف ہے وکان بعد ذلک القصاص ای المقاصہ یعنی اس کے بعد جزاء و سزا کا معاملہ ہوگا۔

حدیث نمبر ۴۲، حَدَّثَنَا اِسْحَاقُ بْنُ مَنْصُوْرٍ الخ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَحْسَنَ اَحَدُکُمْ اِسْلَامَهٗ فَکُلُّ حَسَنَةٍ یَعْمَلُهَا تُکْتَبُ لَهٗ بِعَشْرِ اَمْثَالِهَا اِلٰی سَبْعِ مِائَةِ ضِعْفٍ وَّ کُلُّ سَیِّئَةٍ یَعْمَلُهَا تُکْتَبُ لَهٗ بِمِثْلِهَا۔

ترجمہ، حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلعم نے ارشاد فرمایا جس شخص نے اپنے اسلام کو اچھا کر لیا پھر وہ جو نیکی بھی کرے گا۔ اس کے لئے دس گنا سے لے کر سات سو گنا تک ثواب لکھا جائے گا اور جو برائی عمل میں لائے گا۔ تو صرف اسی برائی کو لکھا جائے گا۔

تشریح گذر چکی ہے۔

باب، اَحَبُّ الدِّیْنِ اِلَی اللّٰهِ عَزَّ وَ جَلَّ اَدْوَمُهٗ۔

حدیث نمبر ۴۳ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنّٰی الخ عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ عَلَیْهَا وَ عِنْدَهَا امْرَاَۃٌ قَالَ مَنْ هٰذِهٖ قَالَتْ فُلَانَةُ تَذْکُرُ مِنْ صَلَاتِهَا قَالَ

مَهٗ عَلَيْكُمْ بِمَا تُطِيقُوْنَ فَوَاللّٰهِ لَا يَمَلُّ اللّٰهُ حَتّٰى تَمَلُّوْا وَكَانَ اَحَبُّ الدِّيْنِ اِلَيْهِ مَا دَاوَمَ عَلَيْهِ صَاحِبُهٗ

ترجمہ۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ بیشک جناب نبی اکرم صلعم اس حال میں ان کے پاس تشریف لائے جبکہ ایک عورت حضرت عائشہ رض کے پاس بیٹھی ہوئی تھی۔ آنحضرت صلعم نے پوچھا یہ کون عورت ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ یہ وہ عورت ہے جس کی کثرت نماز کا چرچا کیا جاتا ہے۔ آپؐ نے فرمایا رک جاؤ تم اپنے اوپر وہ عبادت لازم کرو جس کی تم طاقت رکھتے ہو۔ اللہ کی قسم اللہ تعالیٰ اس وقت تک نہیں اکتاتے یا تنگ نہیں پڑتے جب تک تم نہ اکتا جاؤ۔ اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ دین وہ ہے جس کا صاحب اس کی ہمیشگی کرے۔

تشریح از شیخ مدنیؒ اس حدیث سے دین میں تفاوت معلوم ہوگیا احب الدین ای احب اعمال الدین ادومہ یعنی فرائض کے علاوہ نوافل وغیرہ میں جو تھوڑا عمل بھی کیا جائے۔ تو اس پر مداومت کرنی چاہیئے اس کو باری تعالیٰ پسند فرماتے ہیں۔ انسان کی خلقت عناصر مختلفہ سے ہوئی ہے۔ ان میں کبھی کبھی ایک دوسرے پر غلبہ ہوتا ہے۔ ایسے روح میں بھی مختلف قُوی ہیں جن کی وجہ سے اختلاف پیدا ہوتا ہے۔ ایک چیز پر استقرار نہیں ہوتا۔ تو آپؐ نے فرمایا کہ اگر تم نے ایک کام میں توغل کیا۔ تو گھبرا جاؤ گے جب اسے چھوڑ دیا تو نقصان اٹھاؤ گے جیسے کوئی شخص جسمانی ورزش کرتا ہے۔ پانچ چھ ماہ ورزش کرنے کے بعد اسے چھوڑ دے تو بہت زیادہ امراض پیدا ہوتے ہیں۔ اس طرح روحانی ورزش ہے۔ اگر مداومت رہی تو روح کے لئے ہمیشہ ترقی ہوگی۔ لا یمل اللہ ای لا یقطع اللہ ثواب الاعمال یا لا یعامل معاملۃ الملول حتی تملوا۔

از شیخ زکریاؒ یہاں دین سے مراد اعمال ہیں۔ مدلولۃ حدیث ابواب اور مطلب ہوا احب الاعمال الی اللہ تعالیٰ ادومہٗ اس باب میں امام بخاریؒ نے جو حدیث ذکر فرمائی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ آدمی اگر دین کی اشیاء پر مداومت کرے۔ تو زیادہ محبوب ہے۔ اللہ کو بنسبتہ اس کے مداومت تو نہ ہو سکے اور بغیر تحمل کے ان اشیاء کو اختیار کرے۔

قالت فلانۃ اس فلانۃ کا مصداق حضرت حولاءؓ ہیں یہ فلانۃ غیر منصرف ہے۔ اس لئے کہ یہ کنایہ ہے علم سے مَہٗ کلمہ زجر ہے لا یمل اللہ حتٰی تملوا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ثواب دینے سے عاجز نہیں ہو سکتے کیونکہ ان کے خزانۂ قدرت میں تو بہت کچھ بلکہ سب کچھ ہے۔ ہاں تم عمل سے عاجز ہو جاؤ گے تو ثواب بھی رک جائے گا۔

باب زِيَادَةِ الْإِيْمَانِ وَنُقْصَانِهٖ ۔ وَقَوْلِ اللّٰهِ تَعَالٰى وَزِدْنٰهُمْ هُدًى وَّيَزْدَادَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِيْمَانًا وَقَالَ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ فَاِذَا تَرَكَ شَيْئًا مِّنَ الْكَمَالِ فَهُوَ نَاقِصٌ ۔

حدیث نمبر ۴۴ حَدَّثَنَا مُسْلِمُ بْنُ اِبْرَاهِيْمَ الخ عَنْ اَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَخْرُجُ مِنَ النَّارِ مَنْ قَالَ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَفِيْ قَلْبِهٖ وَزْنُ شَعِيْرَةٍ مِّنْ خَيْرٍ وَّيَخْرُجُ مِنَ النَّارِ مَنْ قَالَ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَفِيْ قَلْبِهٖ وَزْنُ بُرَّةٍ مِّنْ خَيْرٍ وَّيَخْرُجُ مِنَ النَّارِ مَنْ قَالَ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَفِيْ قَلْبِهٖ وَزْنُ ذَرَّةٍ مِّنْ خَيْرٍ قَالَ اَبُوْ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ اَبَانُ حَدَّثَنَا قَتَادَةُ حَدَّثَنَا اَنَسٌ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْاِيْمَانِ مَكَانَ خَيْرٍ ۔

ترجمہ۔ حضرت انسؓ حضرت نبی اکرم صلعم سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا جہنم سے ہر اس شخص کو نکالا جائے گا جس نے کلمہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ پڑھا اس حال میں کہ اس کے دل میں جو کے دانے کے برابر نیکی ہوگی۔ اور جہنم سے اس کو بھی نکالا جائے گا جس نے کلمہ پڑھا اور اس کے دل میں ذرہ برابر نیکی ہوگی۔ امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ آنحضور صلعم سے من خیر کی بجائے من ایمان کے الفاظ بھی مروی ہیں۔

اور یہ باب ایمان کی زیادتی اور نقصان کے بارے میں ہے۔ استدلال میں تین آیات پیش کی ہیں اور آخر میں فرمایا کہ کمال کی کوئی چیز چھوڑ دینے سے نقصان آجائے گا۔

تشریح از شیخ مدنیؒ امام بخاریؒ ایمان کی زیادتی و نقصان صراحۃً والتزاماً بیان کر چکے ہیں۔ اس جگہ جو آیات اور روایات پیش کی گئی ہیں۔ ان سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی نئی بات بیان کرنا چاہتے ہیں۔ پہلے تو ایمان کی زیادتی و نقصان مجموعہ اعمال ۔عقائد کے اعتبار سے ثابت کیا تھا اس کے بعد نفس ایمان میں جو کہ حکم کا مرتبہ ہے اس میں زیادتی و نقص کو بیان کیا۔ اس کے بعد اعمال میں اب باعتبار مؤمن بہ کے زیادتی اور نقص کو ثابت کرتے ہیں۔ مثلاً کہاہے کہ فلاں کا ایمان زیادہ ہے اور فلاں کا کم ہے۔ یا جیسے کسی نے کتابیں پڑھیں مگر ذکاوت کی وجہ ایک کامل ہے دوسرا ناقص جیسے سید شریف جس کو محقق کہا جاتا ہے۔ ذکاوت کی وجہ سے لیکن علامہ تفتازانی جس کا مطالعہ وسیع ہے۔ مگر اس میں ذکاوت نہیں ہے اس بنا پر اس کو زیادہ عالم تو کہا جاتا ہے مگر محقق نہیں کہا جاتا۔ سید شریف نے ان سے ایک نہایت نچلے درجہ کا مسئلہ پوچھا تو وہ عاجز آگئے۔ دوسرا مسئلہ نہایت مشکل پوچھا تب بھی عاجز آگئے۔ محققین فرماتے ہیں کہ علم ایک نور ہے جس سے اشیاء منکشف ہوتی ہیں متکلمین

کہتے ہیں کہ العلم صفۃ یتجلی بھا الاشیاء مگر بسا اوقات نور بہت ہوتا ہے۔ منور کوئی نہیں ہوتا اور بسا اوقات روشنی کم ہوتی ہے مستنیر بہت ہوتے ہیں۔ اس اعتبار سے علم میں بھی تفاوت پایا جاتا ہے۔ ورقہ بن نوفل پہلے مؤمن ہیں۔ ہمارے پاس مؤمن بہت ہیں لیکن ان کے پاس نہیں تھے لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ان کا ایمان نہیں تھا۔ ہمارے معلومات کی بہتات کی وجہ سے اس کی نفی نہیں کی جاسکتی۔ تو یہاں بھی زیادتی و نقصان مؤمن کے اعتبار سے ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ الیوم اکملت لکم دینکم تو کیا باری تعالیٰ حقانیت کے اعتبار سے بڑھ گئے ہیں۔ ہرگز نہیں بلکہ ایک فریضہ حج باقی رہ گیا تھا۔ جب اس کی زیادتی ہوتی تو ایک مؤمن بہ بڑھ گیا اس سے اسلام میں کمال آگیا۔ حقانیت وغیرہ میں کوئی زیادتی نہیں ہوئی۔ اس حدیث میں من خیر کا لفظ ہے اس کا مصداق اعمال ہیں۔ تو اس سے اعمال مراد ہوں گے۔ اور جس روایت میں من ایمان ہے۔ چونکہ اعمال مؤمن بہ ہیں ان کی کمی و بیشی سے ایمان میں کمی و بیشی آتی ہے۔ اور اعمال پر ایمان کا اطلاق ہوتا ہے۔

از شیخ زکریاؒ بعض حضرات نے اس کی توجیہ یہ فرمائی ہے کہ کتاب الایمان کے شروع میں جو زیادتی و نقصان کو ثابت کیا ہے۔ وہ باعتبار اجزاء ایمانیہ کے کیا ہے۔ کیونکہ ان تراجم سے امام بخاریؒ کا مقصود ایمان کی ترکیب کو ثابت کرنا تھا۔ اور یہاں کیفیت کے اعتبار سے ثابت کرنا ہے اور یہی میرے نزدیک راجح ہے۔ اور حضرت شیخ الہندؒ نے بھی اپنے تراجم میں اسی کو اختیار کیا ہے کہ وہ یہ ہے کہ زیادتی و کمی باعتبار اجزاء اعمال کے تھی یعنی اعمال اجزاء کثیرہ پر مشتمل ہیں۔ اب جو پورے اعمال کرے گا۔ وہ زیادہ کو حاصل کرے گا۔ اور جو ان میں سے کم کرے گا اسی کے یہاں نقصان ہوگا۔ اور یہاں مؤمن بہ کی کمی و زیادتی کو بیان کرنا مقصود ہے۔ کیونکہ اعمال ایک دم نازل نہیں ہوئے۔ بلکہ آہستہ آہستہ نازل ہونے میں مثلاً معراج میں نماز کی فرضیت کے بعد دیگرے دوسرے فرائض کی فرضیت نازل ہوئی۔ تو جس طرح احکام نازل ہوتے رہے۔ مؤمن بہ میں زیادتی ہوتی رہی۔ الیوم اکملت لکم الآیۃ یہاں اکمال سے مراد زیادتی ہے۔ جب دین کی کسی بات کو ترک کردیا جائے تو نقص پیدا ہوگا کہا جاتا ہے کہ اس آیت کے بعد شریعت میں بذریعہ وحی کوئی زیادتی نہیں ہوئی۔ اور یہ ۱۰ھ کا واقعہ ہے۔

حدیث نمبر ۴۵ حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ الصَّبَّاحِ الخ عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ اَنَّ رَجُلًا مِنَ الْيَهُوْدِ قَالَ لَهٗ يَا اَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ اٰيَةٌ فِيْ كِتَابِكُمْ تَقْرَءُوْنَهَا لَوْ عَلَيْنَا مَعْشَرَ الْيَهُوْدِ نَزَلَتْ لَاتَّخَذْنَا ذٰلِكَ الْيَوْمَ عِيْدًا قَالَ اَيُّ اٰيَةٍ قَالَ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا قَالَ عُمَرُ قَدْ عَرَفْنَا ذٰلِكَ الْيَوْمَ

وَالْمَكَانَ الَّذِيْ نَزَلَتْ فِيْهِ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ قَائِمٌ بِعَرَفَةَ يَوْمَ جُمُعَةٍ ۔

ترجمہ: حضرت عمر بن الخطابؓ سے مروی ہے کہ ایک یہودی نے ان سے کہا کہ اے امیرالمومنین تمہاری کتاب جس کو تم لوگ پڑھتے ہو اس میں ایک آیت ہے اگر ہم یہود کے گروہ پر نازل ہوتی تو ہم اس دن کو عید کا دن بناتے فرمایا وہ کون سی آیت ہے تو اس نے الیوم اکملت لکم دینکم الآیۃ کو پڑھا جس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ میں اس دن کو اور اس مکان کو خوب پہچانتا ہوں جس میں یہ آیت آنحضرت نبی اکرم صلعم پر اتری۔ آپ عرفات میں جمعہ کے دن کھڑے ہوئے تھے۔ یہ آیت اتری۔ لا تخذنا ذلك اليوم عيدا ۔

تشریح از شیخ زکریاؒ اس لئے کہ جس دن اتنی بڑی بشارت سنائی جائے کہ ہم نے تم پر دین کو کامل کر دیا۔ اور اتمام نعمت فرمایا اور پھر سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اس دین والوں سے راضی بھی ہیں۔ لہٰذا ایسا مبارک روز جس میں اتنی بشارتیں ہوں وہ اسی قابل ہے کہ اس کو عید بنا لیا جائے ۔

قال عمرؓ قد عرفنا ذلك اليوم یہاں اشکال یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ قول اس یہودی کی بات کا جواب ہو بھی گیا یا نہیں۔ بظاہر تو ہوا نہیں۔ اس لئے کہ وہ تو کہہ رہا ہے کہ ہم یوم العید بنا لیتے اور حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ ہم اس دن کو اور اس مکان کو حتیٰ کہ اس وقت کو بھی جانتے ہیں جب یہ آیت نازل ہوئی تھی۔ یہ نہیں بتلایا کہ یوم عید بنانا چاہیئے یا نہیں۔ اگر نہیں بتایا تو کیوں نہیں بتایا اس کا جواب یہ ہے کہ اگرچہ حضرت عمرؓ کا قول بظاہر جواب نہیں۔ مگر فی الحقیقت یہی جواب ہے اور جواب کی تقریر دو طرح سے کی جاتی ہے۔ ایک تو یہ کہ حضرت عمرؓ نے اس کو اس بات کی طرف متوجہ کیا کہ ذرا سوچ کر بات کر تو کیا کہہ رہا ہے تو عید بنانے کو کہتا ہے۔ ہمیں تو عید بنانے کی ضرورت ہی پیش نہیں آئی۔ بلکہ وہ تو پہلے ہی یوم عید ہے۔ کیونکہ وہ دن جمعہ کا ہے۔ وہ مسلمانوں کی عید کا دن ہے۔ پھر ہمیں عید بنانے کی کیا ضرورت ہے اور بعض شراح نے لکھا ہے کہ اتفاق سے وہ دن جس میں یہ آیت اتری تمام فرقوں کی عید کا دن تھا۔ چنانچہ نصاریٰ۔ یہود۔ مجوس سب ہی اس روز عید منا رہے تھے۔ اور مسلمانوں کی عید کا تو پوچھنا ہی کیا۔ اور دوسری تقریر اس طرح کی جاتی ہے کہ تم کیا کہتے ہو ذرا غور تو کرو۔ ہمیں سب کچھ معلوم ہے کہ یہ آیت کہاں نازل ہوئی۔ میدان عرفات میں جبکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ناقہ مبارکہ پر تشریف فرما تھے۔ جمعہ کا دن تھا اس وقت یہ آیت نازل ہوئی مگر ہم ایسے نہیں کہ بس اپنی طرف سے جو دن چاہے عید کا مقرر کر لیں۔ بلکہ ہم تو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے تابع ہیں۔ جب انہوں نے عید نہیں بنائی تو ہم کیوں بنائیں۔ یہ تقریر میرے نزدیک راجح ہے ۔

باب الزَّكٰوةُ مِنَ الْإِسْلَامِ وَقَوْلُهُ تَعَالٰى وَمَآ أُمِرُوْا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ حُنَفَآءَ وَيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوا الزَّكٰوةَ وَذٰلِكَ دِيْنُ الْقَيِّمَةِ۔

حدیث نمبر ۴۶ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيْلُ الخ أَنَّهُ سَمِعَ طَلْحَةَ بْنَ عُبَيْدِ اللّٰهِ يَقُوْلُ جَآءَ رَجُلٌ إِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ أَهْلِ نَجْدٍ ثَائِرُ الرَّأْسِ نَسْمَعُ دَوِيَّ صَوْتِهِ وَلَا نَفْقَهُ مَا يَقُوْلُ حَتّٰى دَنَا فَإِذَا هُوَ يَسْأَلُ عَنِ الْإِسْلَامِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَمْسُ صَلَوٰتٍ فِي الْيَوْمِ وَاللَّيْلَةِ فَقَالَ هَلْ عَلَيَّ غَيْرُهَا قَالَ لَا إِلَّا أَنْ تَطَوَّعَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَصِيَامُ رَمَضَانَ قَالَ هَلْ عَلَيَّ غَيْرُهُ قَالَ لَا إِلَّا أَنْ تَطَوَّعَ قَالَ وَذَكَرَ لَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الزَّكٰوةَ قَالَ هَلْ عَلَيَّ غَيْرُهَا قَالَ لَا إِلَّا أَنْ تَطَوَّعَ قَالَ فَأَدْبَرَ الرَّجُلُ وَهُوَ يَقُوْلُ وَاللّٰهِ لَا أَزِيْدُ عَلٰى هٰذَا وَلَا أَنْقُصُ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَفْلَحَ إِنْ صَدَقَ

ترجمہ، حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نجد کے باشندوں میں سے ایک آدمی آنحضرت رسول اکرم صلعم کی خدمت حاضر ہوا اس حال میں کہ اس کے سر کے بال بکھرے ہوئے تھے ہم اسکی آواز کی بھنبھناہٹ تو سنتے تھے لیکن جو کچھ وہ کہتا تھا اس کو سمجھ نہیں رہے تھے۔ یہاں تک وہ آپ کے قریب آیا۔ تو معلوم ہوا کہ اسلام کے متعلق آپ سے سوال کر رہا ہے تو جناب رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ دن اور رات میں پانچ وقت کی نماز فرض ہے۔ اس نے پوچھا کہ ان کے ماسوا بھی کچھ فرض ہے۔ آپؐ نے فرمایا نہیں مگر یہ کہ نفل پڑھو۔ اور جناب رسول اللہ صلعم نے یہ بھی فرمایا کہ رمضان شریف کے روزے فرض ہیں اس نے کہا کہ اس کے علاوہ بھی کچھ فرض ہے۔ آپؐ نے فرمایا نہیں مگر نفل روزے رکھ سکتے ہو۔ پھر آنحضرت رسول اکرم صلعم نے زکوٰۃ کا ذکر فرمایا جس پر اس نے کہا کہ اس کے علاوہ بھی مجھ پر کچھ فرض ہے آپؐ نے فرمایا نہیں مگر یہ کہ نفلی صدقہ دو۔ راوی فرماتے ہیں۔ وہ پیٹھ پھیرتے ہوئے کہتا جا رہا تھا کہ اللہ کی قسم نہیں ان پر نہ زیادتی کروں گا نہ کمی کروں گا۔ آنحضرت رسول اکرم صلعم نے فرمایا کہ اگر وہ سچ کہتا ہے تو کامیاب ہو گیا۔

تشریح از شیخ مدنیؒ حصر کی وجہ سے تینوں مامور بھا ہوں گے کہ جن کا مدار اخلاص پر ہو اور زکوٰۃ کو امور دین میں سے کہا گیا جس سے مرجئہ کا رد کرنا ہے اس پر حضرت ضمام بن ثعلبہ کی روایت پیش کرتے ہیں۔

ھل علیّ غیرھن الخ اس سے شوافعؒ فرماتے ہیں۔ کہ صلوٰۃ وتر واجب نہیں کہا جائے گا کہ وتر

عشاء کا وقت اس کا وقت ہے اگر عشاء سے پہلے مستقل فریضہ نہیں بلکہ وہ عشاء کے تابع ہے۔
صلوٰۃ وتر کو پڑھا جائے تو قبول نہ ہوگی۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ ہم صلوٰۃ وتر کو فرض نہیں کہتے بلکہ واجب
کہتے ہیں جس کا منکر کافر نہیں ہوگا۔ زیادہ سے زیادہ فرض عملی ہوگا۔ تیسرا جواب یہ ہے کہ وتر پہلے سے
واجب نہیں تھے۔ جب آپؐ نے انّ اللہ امدکم بصلوٰۃ الخ فرمایا اسی طرح الوتر حق وغیرہا سے وجوب
ثابت ہوا۔ پہلے اس کے احکام اور تھے وجوب کے بعد احکام اور ہوگئے۔ تو ممکن ہے کہ حضرت ضمام رضہ کا واقعہ
پہلے کا ہو جبکہ وتر کا وجوب نہیں ہوا تھا۔ اور ایسے ہوتا رہا ہے مثلاً پہلے شراب کی ممانعت نہیں تھی۔ اس
وقت حضرت حمزہؓ نے شراب پی اور مُغنیہ کا گانا سن کر حضرت علیؓ کی اونٹنیاں ذبح کر دیں سب حضرات اس کو قبل
از حرمت شراب پر محمول کرتے ہیں۔ بنابریں اگر ہمارے پاس کوئی ایسی روایت آئے جس سے وتر کا وجوب معلوم
نہ ہوتا ہو۔ تو اس کو مناسب زمانہ یعنی قبل از وجوب پر محمول کیا جائے گا۔

الا ان تطوع ای الا ان تأتی بالتطوع اگر اس پر اشکال ہو کہ تطوع فرائض میں سے نہیں تو
استثناء کیسے صحیح ہوگا۔ شوافع حضرات تو فرماتے ہیں کہ استثناء منقطع ہوگا تو مستثنیٰ منہ میں داخل نہیں
ہوگا۔ احنافؒ اور مالکیہؒ فرماتے ہیں استثناء متصل اصل ہے۔ اور منقطع فرع ہے۔ تو اگر اس کو استثناء متصل پر
محمول کریں تو اب معنی ہوں گے۔ الا ان تشرع فی التطوع تو اس وقت تطوع بھی فرض ہو جائے گا
کیونکہ ارشاد ربانی ہے۔ لا تبطلوا اعمالکم اپنے اعمال کو ضائع نہ کرو۔ نیز حج اور عمرہ اگرچہ نفل ہوں مگر
ان کا اتمام ضروری ہو جاتا ہے۔ واتموا الحج والعمرۃ للہ الآیہ اور حضرات شوافعؒ کے ہاں بھی حج اور
عمرہ نافلہ شروع کرنے سے واجب ہو جاتے ہیں۔ لیکن احنافؒ پر ذکر رسول اللہ صلعم الزکوٰۃ الخ الا ان تطوع
سے اعتراض ہوتا ہے کہ پھر تو صدقات نافلہ کو شروع کرنے سے وجوب ہو جانا حالانکہ ایسا نہیں ہے تو اس کا
جواب یہ ہے کہ صدقات کے اندر تطوع یہ ہے کہ ایک چیز کو لوجہ اللہ نذر کیا جائے۔ تو پھر صدقہ بھی واجب ہو
جائے گا۔ بحیث انتذر کے معنی ہوں گے اور نذر کے بارے میں ولیوفوا نذورھم اور صدقات
نافلہ کی شروع کی دو صورتیں ہیں۔ ایک تو اعطاء مال کے بعد شروع ہو جاتا ہے کہ پھر اس کا لوٹانا کسی کے نزدیک
جائز نہیں اور نذر میں اگرچہ اعطاء مال نہیں مگر اپنے اوپر واجب کرنے سے شروع پایا گیا۔ تو وجوب دونوں
صورتوں میں پایا گیا لا ازید علی ھذا ای علی قول النبی صلعم اس پر اگر شبہ ہو کہ زیادتی اور
نقصان نہ کرنے کی صورت میں فلاح پائے گا۔ اگر زیادتی کرے یا نقصان کرے تو فلاح نہیں ہے حالانکہ

زیادہ فی الصلوۃ والصوم میں تو کامل فلاح ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ وہ رجل قوم کا نمائندہ تھا لا ازید علی ھذا کا مطلب ہے فی التبلیغ الی قومی تو زیادتی اور نقص فرائض میں نہیں بلکہ تبلیغ احکام اور اخبار میں ہے۔ اگر اس میں زیادتی اور نقصان کرے تو واقعی فلاح نہ ہوگی

دوسری توجیہ یہ ہے کہ تسلیم کیا زیادتی اور نقصان فرائض کے اعتبار سے ہے۔ تو زیادتی اور نقصان نہ کرنا باعث فلاح ہوا۔ یہ منطوق کلام ہے۔ اور اس کا مفہوم مخالف یہ ہے کہ زیادتی اور نقصان کی صورت میں فلاح ہوگی۔ یا نہ حدیث اس سے ساکت ہے ہمارے ہاں مفہوم مخالف معتبر نہیں جیسے نعم العبد صھیب لو لم یخف اللہ لم یعص الحدیث صہیب اچھا آدمی ہے اگر اللہ تعالیٰ سے نہ ڈرتا تو نافرمانی نہ کرتا۔ تو اس کا مفہوم مخالف یہ ہے کہ اگر خوف ہوتا تو عصیان کرتا۔ حالانکہ خوف کے وقت تو عدم عصیان بطریق اولیٰ ہوگا۔ تو ایسے یہاں بھی معنی ہوں گے کہ اگر زیادتی نقصان نہ کرے تو فلاح پائے گا۔ اگر زیادتی ہو تو بطریق اولیٰ فلاح ہوگی۔ جیسے آپؐ کا ارشاد ہے۔ لو لم تکن ربیبتی ما حلت لی اگر بنت سلمہ میری ربیبہ نہ ہوتی تب بھی میرے لئے حلال نہیں تھی۔ اس کا مفہوم مخالف نہیں لیا جا سکتا۔

تیسری توجیہ یہ ہے کہ زیادہ نقص فرائض کے اندر اس طرح متحقق ہوگا کہ یزیادہ الرکعات و ینقصھا کماً و کیفاً کیونکہ حدود کا تحفظ بہر حال ضروری ہے

تشریح از شیخ زکریاؒ حنفاء حنیف کی جمع ہے جس کے معنی مائل ہونے والے کے ہیں یعنی مائلین عن الزیغ، ذٰلک دین القیمۃ۔ دین القیم اور دین القیمۃ دونو طرح سے روایات میں آتا ہے۔ اور دونو قرائتیں بھی ہیں یہاں سب کو دین قیم کہا گیا۔ اور دین ایمان ایک چیز ہیں لہٰذا زکوٰۃ بھی ایمان کے اعمال میں سے ہوئی۔ ثائر الرأس الجھے ہوئے بالوں والا یہ بدوی لوگ تہذیب و تمدن تو کچھ رکھتے نہیں اپنا ایسے ہی رہتے ہیں۔ لہٰذا اسی شکل میں آ گئے۔ لیکن علماؒ فرماتے ہیں کہ چونکہ وہ متعلم اور سائل ہو کر آیا تھا۔ اس لئے یہ تعلیم دے گیا کہ طالب علم کو بناؤ سنگار نہیں کرنا چاہیئے بلکہ ایک دھن ہو اور کسی چیز کی خبر نہ ہو۔

نسمع دوی صوتہ دوی کہتے ہیں صوت خفی کو یعنی اس آواز کو جو سنائی تو دے لیکن معنی سمجھ میں نہ آئیں اور عرفِ عام میں شہد کی مکھی کی آواز سے تشبیہ دیتے ہیں جس کی تفسیر بھنبھناہٹ سے کی جاتی ہے۔ یہاں پر شراح قاطبۃ اس کا مطلب یہ بیان فرماتے ہیں۔ کہ چونکہ وہ دیہاتی تھا تمدن سے عاری اس نے دور سے ہی زور زور سے پکارنا چلانا شروع کر دیا۔ مگر دور ہونے کی وجہ سے کچھ سنائی نہیں دے رہا تھا۔ جب قریب

آیا تو بات معلوم ہوئی۔ میرے والد صاحب نے اپنے شیخ قدس سرہٗ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے شراح کے اس مطلب کو غلط قرار دیا ہے۔ اس لئے کہ دَوِی کہتے ہیں صوتِ خفی کو لہٰذا یہ کہنا کہ وہ زور زور سے پکارتا ہوا آرہا تھا کیسے صحیح ہو سکتا ہے۔ بلکہ قاعدہ ہے کہ جب کوئی آدمی کسی بڑے کے پاس جاتا ہے۔ اور کوئی بات اس سے کرنا چاہتا ہے تو اس پر ایک قسم کا خوف اور سہم سوار ہو جاتا ہے۔ اس بنا پر وہ ان باتوں کو رٹتا ہے اور آہستہ آہستہ یاد کرتا جاتا ہے۔ تاکہ مقام پر پہنچ کر بلا تکلف کہہ دے۔ اور سوچتا رہتا ہے۔ کہ یہ پوچھوں گا اور یہ بات دریافت کروں گا وغیرہ وغیرہ۔

خمس صلوات کے بارے میں احناف پر وجوب وتر کا اعتراض کیا جاتا ہے۔ تو میں کہتا ہوں کہ نماز جنازہ بھی تو فرض ہے صلوٰۃ کسوف بعض ظاہر یہ کے نزدیک واجب ہے۔ عیدین کی نماز بعض ائمہ کے نزدیک فرض ہے جو جواب دیں گے ہم احناف بھی وہی جواب دے دیں گے۔ الا ان تطوع شوافع اور حنابلہ فرماتے ہیں کہ جس طرح تم احناف زکوٰۃ میں استثناء منفصل مانتے ہو۔ اسی طرح یہاں بھی مان لو۔ تو حنفیہؒ اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ چونکہ زکوٰۃ کوئی منظم نہیں بلکہ معطی کو اختیار ہے کچھ آج دے دے اور کچھ کل۔ بخلاف مصلی اور صائم کے کہ ان کو یہ اختیار نہیں کہ بعض رکعت آج پڑھ لیں بعض رکعت اگلے روز یا نصف دن کا روزہ آج رکھیں اور نصف بقیہ کل رکھیں بلکہ ان میں التصاق اور انتظام ہوگا بخلاف زکوٰۃ کے وہاں چونکہ خود انفصال ہوتا ہے استثناء بھی منفصل ہو جائے گا۔ یہاں یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ فرائض کا پڑھنا واجب مؤکد ہے اور نوافل باعث اجر و ثواب ہیں اور ان کے ترک پر کچھ عتاب و عذاب نہیں لہٰذا اگر کوئی شخص پورے فرائض ادا کرے اور نوافل نہ پڑھے تو وہ ناجی ہوگا۔ لیکن کوئی نجات کے دھوکے میں آ کر نوافل نہ چھوڑ دے کیونکہ حدیث پاک میں آتا ہے کہ قیامت کے روز فرائض کی کمی کو نوافل سے پورا کیا جائے گا۔ اب کیا ہماری نمازیں ایسی ہیں کہ ان پر پورا کامل ثواب ملے۔ ہاں صحابہ کرام کے متعلق کہا جا سکتا ہے کہ ان کے صرف فرائض ان کے لئے ناجی ہیں۔

وذکر له رسول الله صلعم اس ذکر کا مطلب یہ ہے کہ پہلے صوم وصلوٰۃ میں تو حضور انور صلعم کے الفاظ یاد تھے لیکن یہاں یہ یاد نہیں رہا کہ حضور اکرم صلعم نے کیا فرمایا۔ اس لئے ذکر له سے تعبیر فرما دیا ہے۔ یہ حضرات محدثین کی غایت احتیاط ہے۔ الا ان تطوع اس جگہ سب حضرات کے نزدیک استثناء منفصل ہے اور بعض روایات میں حج کا ذکر بھی آیا ہے اور بعض کہتے ہیں کہ وہ واقعہ دوسرا ہے۔ اور بعض حضرات فرماتے ہیں کہ واقعہ تو ایک ہی ہے مگر یہاں پر راوی نے اختصار کر دیا۔ یہی حدیث ص پر آ رہی ہے وہاں ہے لا تطوّ

شَیْئًا و لا اَنْقُصُ اس سے پتہ چلا کہ وہ اس کمی زیادتی کو اپنے متعلق فرما رہے ہیں کہ میں نہ نفلیں پڑھوں گا اور نہ ہی کوئی عبادت کروں گا میں کہتا ہوں۔ کہ ان حضرات صحابہ کرام کی شان یہ تھی کہ یونہی کہیں اس لئے کہ اگر فرائض کو ان کے پورے آداب کے ساتھ ادا کرے اور درمیان میں ادھر ادھر کا کیا نہ لائے تو وہ ناجی ہے اور یہ جو روایات میں آتا ہے کہ فرائض کی کمی کو نوافل سے پورا کیا جائے گا تو وہ ہم جیسوں کے لئے ہے جن کی عبادت ناقص ہے ہماری اور صحابہ کرام کی عبادتوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے ہماری نمازیں اگر وہاں منہ پر مار کر نہ پھینکی جائیں تو بھی بہت کافی ہے۔ افلح ان صدق میں یہ اِن شرطیہ بھی پڑھا گیا ہے۔ اور ان نصب کے ساتھ بھی یعنی لان صدق

باب اِتِّبَاعِ الْجَنَائِزِ مِنَ الْاِيْمَانِ۔

حدیث نمبر ۴۷ حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ الخ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنِ اتَّبَعَ جَنَازَةَ مُسْلِمٍ اِيْمَانًا وَّاحْتِسَابًا وَّكَانَ مَعَهٗ حَتّٰى يُصَلِّيَ عَلَيْهَا وَيَفْرُغَ مِنْ دَفْنِهَا فَاِنَّهٗ يَرْجِعُ مِنَ الْاَجْرِ بِقِيْرَاطَيْنِ كُلُّ قِيْرَاطٍ مِثْلُ اُحُدٍ وَّمَنْ صَلّٰى عَلَيْهَا ثُمَّ رَجَعَ قَبْلَ اَنْ تُدْفَنَ فَاِنَّهٗ يَرْجِعُ مِنَ الْاَجْرِ بِقِيْرَاطٍ (الحدیث)

ترجمہ، حضرت ابو ہریرۃؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلعم نے فرمایا جو شخص کسی مسلمان کے جنازہ کے ساتھ چلا اللہ تعالیٰ پر یقین رکھتے ہوئے اور ثواب حاصل کرنے کی نیت سے اور یہاں تک اس کے ساتھ رہا کہ اس پر نماز پڑھی اور اس کے دفن سے فارغ ہوا تو وہ دو قیراط کا ثواب لے کر واپس لوٹے گا جبکہ ہر قیراط اُحد پہاڑ کے برابر ہے اور جس نے صرف اس پر نماز جنازہ پڑھی اور اسے دفن کرنے سے پہلے واپس آ گیا تو وہ ایک قیراط کا ثواب لے کر واپس آئے گا۔

تشریح از شیخ مدنیؒ جنائز جمع جنازہ کی بکسر الجیم و فتحہا بکسر الجیم جنازہ کے معنی میت کے ہیں اور بفتح الجیم جَنازہ کے معنی السریر التی علیہا النعش اور بعض نے اس کا عکس کہا ہے۔ اتباع بمعنی پیچھے چلنا اس کو امام صاحبؒ افضل فرماتے ہیں چنانچہ ان کی حجۃ یہی روایت ہے۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ آگے چلنا افضل ہے۔ جنازہ مسلم ایمانا و احتسابا اس سے معلوم ہوا کہ اتباع کا تعلق ایمان سے ہے۔ کیونکہ کبھی کبھی کسی خوف کی وجہ سے یا ریا کی وجہ سے بھی اتباع کیا جاتا ہے۔ قیراط ایک درہم کے چھ حصے ہوتے ہیں اسے وانق کہتے ہیں اور وانق کے آدھے کو قیراط کہا جاتا ہے۔

از شیخ زکریا حافظ فرماتے ہیں کہ امام بخاریؒ نے شعب ایمانیہ کو اتباع الجنائز کے باب پر ختم

فرمایا ہے کیونکہ جنازہ کا نمبر بھی شریعت میں سب سے آخیر میں ہے اور تقسیم غنائم چونکہ موت کے بعد ہوتی ہے اس لئے اس کو مؤخر فرمادیا۔

باب خَوْفِ الْمُؤْمِنِ اَنْ يَّحْبَطَ عَمَلُهٗ وَهُوَ لَا يَشْعُرُ وَقَالَ اِبْرَاهِيْمُ التَّيْمِيُّ مَا عَرَضْتُ قَوْلِيْ عَلٰى عَمَلِيْ اِلَّا خَشِيْتُ اَنْ اَكُوْنَ مُكَذِّبًا وَقَالَ ابْنُ اَبِيْ مُلَيْكَةَ اَدْرَكْتُ ثَلٰثِيْنَ مِنْ اَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُلُّهُمْ يَخَافُ النِّفَاقَ عَلٰى نَفْسِهٖ مَا مِنْهُمْ اَحَدٌ يَّقُوْلُ اِنَّهٗ عَلٰى اِيْمَانِ جِبْرِيْلَ وَمِيْكَائِيْلَ وَيُذْكَرُ عَنِ الْحَسَنِ مَا خَافَهٗ اِلَّا مُؤْمِنٌ وَّلَا اَمِنَهٗ اِلَّا مُنَافِقٌ وَّمَا يُحْذَرُ مِنَ الْاِصْرَارِ عَلَى التَّقَاتُلِ وَالْعِصْيَانِ مِنْ غَيْرِ تَوْبَةٍ لِقَوْلِ اللّٰهِ تَعَالٰى وَلَمْ يُصِرُّوْا عَلٰى مَا فَعَلُوْا وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ؀

ترجمہ، مؤمن کو ڈرنا چاہیئے کہ کہیں اس کی لاعلمی میں اس سے اعمال حبط وضائع نہ ہو جائیں اور حضرت ابراہیم تیمی نے فرمایا جب بھی میں نے اپنے قول کو اپنے عمل پر پیش کیا یعنی اس کا مقابلہ کیا تو مجھ کو ڈر لاحق ہوا کہ کہیں میں دین کو جھٹلانے والا نہ ہو جاؤں۔ اور حضرت ابن ابی ملیکہ نے فرمایا کہ میں نے تیس اصحاب نبی اکرم صلعم کو پایا کہ وہ اپنے اوپر نفاق کا خطرہ محسوس کرتے تھے۔ اور ان میں سے کوئی ایک بھی یہ نہیں کہتا کہ میرا ایمان جبرائیل اور میکائیل علیہما السلام کی طرح ہے۔ اور حضرت حسن بصریؒ سے مذکور ہے کہ مؤمن کے سوا اللہ تعالیٰ سے کوئی نہیں ڈرتا یعنی نفاق کے بارے میں اور منافق کے سوا اللہ تعالیٰ سے کوئی بے خوف نہیں ہوتا۔ اور یہ کہ ڈر جائے۔ بغیر توبہ کے لڑائی لڑنے اور نافرمانی پر اصرار کرنے سے کہ کہیں ایمان ضائع نہ ہو جائے بوجہ قول اللہ تعالیٰ کہ مؤمن وہ ہیں جو اپنے کئے پر جانتے ہوئے اصرار نہیں کرتے۔

حدیث نمبر ۴۸ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَرْعَرَةَ الخ قَالَ سَاَلْتُ اَبَا وَائِلٍ عَنِ الْمُرْجِئَةِ فَقَالَ حَدَّثَنِيْ عَبْدُ اللّٰهِ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ سِبَابُ الْمُسْلِمِ فُسُوْقٌ وَّقِتَالُهٗ كُفْرٌ۔ الحدیث

ترجمہ، حضرت زبید فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابو وائلؒ تابعی سے فرقہ مرجئہ کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ مجھے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے یہ حدیث بیان کی کہ جناب نبی اکرم صلعم نے ارشاد فرمایا مسلمان کو گالی دینا گناہ ہے۔ اور اس سے لڑائی لڑنا کفر ہے۔

تشریح از شیخ مدنیؒ قاعدہ یہ ہے کہ اگر کوئی چیز کمال کو پہنچ جائے تو اس کے لئے یہ کوشش کی جاتی

ہے۔ کہ ایسے اسباب تلاش کئے جائیں۔ کہ جس کی وجہ سے اس کمال میں زوال نہ آئے۔ اس مقام پر امام بخاریؒ ایمان کو تکمیل تک پہنچانے کے بعد ان چیزوں کا ذکر فرماتے ہیں جن سے ایمان کو محفوظ رکھنا چاہیئے۔ اس کے ساتھ ساتھ مرجیہ کا رد بھی کرنا ہے۔ اس جگہ دو ترجمے ذکر فرمائے ہیں۔

خوف المؤمن اور دوسرا ما یحذر من الاصرار الخ قبل ازیں امام بخاریؒ ظلم کو کلی مشکک قرار دے چکے ہیں اور ایسے کفر کو بھی مشکک کہا۔ ایسے یہ بھی فرمایا کہ نفاق کلی مشکک ہے جس کا صدق اپنے تمام افراد پر مطابقی ہوتا ہے التزامی اور مجازی نہیں ہوتا۔ بنا بریں ہر ایک پر جس میں ایک خصلت نفاق کی ہو یا دو تین اس پر بھی نفاق کا اطلاق ہوگا۔ اس لئے کہ اگرچہ مؤمن کے قلب میں جزم ہے۔ مگر ممکن ہے کہ ایمان کی خصائل میں سے کسی ایک خصلت کے اندر کمزوری ہو جس کی وجہ سے نفاق آجائے۔ بنا بریں ان چیزوں سے بچنا ضروری ہے اور باری تعالیٰ فرماتے ہیں لا تزکوا انفسکم اپنے آپ کو پاکباز مت ظاہر کرو۔ تو اپنے آپ کو متقی نہیں کہنا چاہیئے۔ امام الحرمین بڑے ذی علم ہیں جس کی وجہ سے ان کو یہ لقب ملا۔ انہوں نے اپنے بیٹے کو ایک معتزلی کے ساتھ مناظرہ کرنے کے لئے بھیجا مگر وہ ہار گئے۔ جس پر ان کو صدمہ ہوا۔ جواب ملا کہ فلاں کھیت میں تم ہل چلا رہے تھے۔ وہاں جو غلہ ڈالا گیا وہ مشتبہ تھا۔ اور اس سے یہ لڑکا پیدا ہوا اس کمزوری کی وجہ سے اس بچے پر کمزوری آگئی۔ احتیاط کا یہ عالم تھا بہرحال معلوم ہوا کہ بعض اعمال ایسے ہیں۔ جن کی وجہ سے دیگر اعمال حسنہ حبط ہو جاتے ہیں۔ جیسے ارشاد ربانی ہے لا ترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی ان تحبط اعمالکم کہ نبی اکرم صلعم کی آواز پر اپنی آواز کو اونچا نہ کرو کہیں تمہارے اعمال حبط نہ ہو جائیں۔ حبط کا سبب محض کفر و نفاق نہیں بلکہ بعض اعمال بھی سبب بن جاتے ہیں، جیسے رفع صوت بنا۔ چنانچہ امام بخاریؒ ڈرانا چاہتے ہیں کہ کہیں اپنے اعمال پر غرہ نہ ہو جانا چنانچہ شافعی المذہب کا تو کہنا ہے انا مؤمن انشاء اللہ کرامی مذہب والا تو اس کو کافر کہہ دے گا حالانکہ یہ انشاء اللہ موافات کے اعتبار سے ہے کہ انشاء اللہ وفات اس کلمہ پر ہوگی۔ بالفعل تو جزم ہے۔ اور حنفی انا مؤمن حقاً کہتا ہے۔ یہ ایمان حالی کے اعتبار سے ہے۔ تو کرامی کا یہ کہنا کہ شافعی المذہب کے ساتھ مناکحت نکاح کرنا ناجائز ہے۔ غلط ہو گیا۔ بلکہ احناف اور شوافع میں نزاع لفظی ہے پہلے زمانہ میں ان کے درمیان منافرت آگئی تھی۔ ان چیزوں کی طرف توجہ نہیں کرنی چاہیئے۔ ان اکون مکذباً بفتح الذال وکسرھا ای مکذبا لنفسہ ما منھم احد الخ مرجیہ کہتے ہیں کہ ایمانی علیٰ ایمان جبرائیل نہیں کہنا چاہیئے۔ اور حضرت امام صاحبؒ سے منقول ہے کہ وہ فرماتے ہیں۔ ایمانی کایمان جبرائیل ولا اقول ایمانی مثل ایمان جبرائیل۔ اس لئے کہ جمیع

کیفیات مثل میں داخل ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام کے سامنے تو سارا عالم الغیب ہے ان کو مشاہدہ ہے ہمیں تو مشاہدہ نہیں ہمارا ایمان علم الیقین ان کا عین الیقین ہے۔ سباب باب مفاعلہ کی مصدر ہے بمعنی کسی کی عزت کے بارے میں کچھ کہنا اس کو ترجمہ ثانی سے مطابقت ظاہر ہے۔ اور ترجمہ اول بھی ثابت ہے کہ جب یہ اعمال کفر وفسوق ہوئے تو اس سے اعمال حبط ہو جائیں گے

تشریح از شیخ زکریاؒ خوف المؤمن ان یحبط عملہ یعنی مؤمن کو ہر وقت ڈرتے رہنا چاہیئے کہ زبان سے کوئی ایسا کلمہ کفر کا نہ نکل جائے جس سے اعمال حسنہ ضائع ہو جائیں بعض محدثین فرماتے ہیں کہ امام بخاریؒ اس باب میں فرقہ احباطیہ کی طرف پہنچ گئے۔ کیونکہ اس جماعت کا مذہب یہ ہے کہ جو شخص کوئی گناہ کرتا ہے تو اس کے پچھلے اعمال حسنہ ضائع ہو جاتے ہیں۔ لیکن یہ بالکل غلط ہے لہٰذا مطلب یہ ہے کہ مؤمن کو ڈرتے رہنا چاہیئے کہ کوئی ایسا عمل نہ کرے کہ شدہ شدہ کفر کی نوبت آ جائے۔ ترجمہ الباب کی اصل غرض مرجیہ کا رد کرنا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ لا ینفع طاعۃ ولا یضر معصیۃ کہ کوئی نیکی فائدہ نہیں دیتی اور نہ ہی کوئی برائی نقصان دیتی ہے۔ رد اس طرح ہوا کہ اگر معصیت مضر نہیں تو حبط عمل کے کیا معنی ہیں وھو لا یشعر یوں کہتے ہیں کہ امام بخاریؒ وھو لا یشعر بڑھا کر ایک اختلاف کی طرف اشارہ کر دیا۔ وہ اختلاف یہ ہے کہ اگر کوئی لاعلمی میں الفاظ کفر یہ کہتا ہے۔ تو کیا وہ کافر ہو جائے گا یا نہیں علامہ نوویؒ نے لکھا ہے کہ کلمات کفر جب قصد کے ساتھ کہے جائیں تو کفر ہیں۔ اور بلا قصد کفر نہیں علامہ کرمانیؒ نے علامہ نوویؒ پر رد کیا اور فرمایا۔ کہ کلماتِ کفر کہنے سے کافر ہو جاتا ہے خواہ قصد وخبر کے ساتھ کہے یا بلا قصد وخبر کے کہے یہی جمہور کی رائے ہے۔ امام بخاریؒ نے اسی ثانی قول کی تائید فرمائی وھو لا یشعر بڑھا کر بتلایا کہ کہیں لاعلمی میں ایسا عمل نہ ہو جائے جس سے اعمال حبط ہو جائیں۔ وقال ابراھیم التیمی یہ ابراہیم بہت بڑے واعظ تھے جب وعظ کہتے تھے تو دیکھا کرتے تھے۔ کہ میں جو کچھ کہہ رہا ہوں اس پر خود میرا عمل بھی ہے یا نہیں کہیں ایسا نہ ہو کہ میں کہہ رہا ہوں کچھ اور میرا عمل اس کے خلاف ہو۔

کلھم یخاف علی نفسہ چنانچہ حضرت حنظلہؓ اور حضرت ابو بکر صدیقؓ کا قصہ مشہور ہے کہ حضرت حنظلہؓ نے حضرت ابو بکر صدیقؓ سے کہا۔ کہ ہم لوگ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں ایسے ہوتے ہیں گویا جنت دوزخ سب ہمارے سامنے ہے اور جب ہم اپنے گھروں کو آتے ہیں۔ تو بیوی بچوں میں لگ جاتے ہیں مجھے تو ڈر لگ گیا کہ کہیں میں منافق تو نہیں نافق حنظلہ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے فرمایا میرا بھی یہی حال ہے چلو

حضور صلعم سے اس بارے میں دریافت کریں۔ حاضر ہو کر معاملہ عرض کیا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کبھی یہ کبھی وہ امام بخاریؒ نے ابن ابی ملیکہ کا مقولہ نقل فرمایا۔ ما منہم احد یقول بعض مشائخ درس میں فرماتے ہیں کہ امام بخاریؒ امام اعظمؒ پر رد فرما رہے ہیں۔ کیونکہ حضرت امام اعظمؒ سے منقول و مشہور ہے کہ ایمانی کایمان جبرائیل حالانکہ شراح میں سے کسی نے یہ نہیں لکھا۔ اگر بالفرض امام بخاریؒ کا مقصد امام صاحب پر رد کرنا تو کہا جائے گا کہ امام بخاریؒ نے امام صاحب کے مقولہ کا مطلب سمجھا ہی نہیں کیونکہ امام صاحبؒ نے توایمانی کایمان جبرائیل فرما کر مثل ایمان جبرائیل کی نفی فرمائی ہے۔ اور قاعدہ یہ ہے کہ کاف سے تشبیہ ذات کے اندر دی جاتی ہے۔ اور مثل میں صفات میں تو امام صاحبؒ ذاتِ ایمان میں تو اپنے ایمان کو ایمان جبرائیل سے تشبیہ دے رہے ہیں اور صفات میں برابری کی نفی فرما رہے ہیں۔ اور بعض حضرات فرماتے ہیں کہ امام اعظمؒ کا مقولہ صرف ایمانی کایمان جبرائیل ہے اس میں حضرت میکائیل کا کہیں ذکر نہیں اور یہاں بخاری میں لفظ میکائیل بھی ہے اس وجہ سے ظاہر ہے کہ یہ مقولہ کسی اور کا ہے۔ ما خافہ الا مؤمن الخ یعنی نفاق سے مؤمن ہی ڈرتا ہے۔ اور منافق اس سے مامون رہتا ہے وما یحذر من الاصرار علی التقاتل یہ عطف ہے خوف المؤمن الخ پر اور مطلب یہ ہے کہ نفاق اور عصیان سے بچنا چاہیئے کیونکہ اصرار علی المعاصی کفر تک منجر ہوتا ہے حضرت شاہ عبدالعزیز رح اس کی صورت بیان فرماتے ہیں۔ ومن تھاون بالنوافل تھاون بالسنن ومن تھاون بالسنن تھاون بالفرائض ومن تھاون بالفرائض سلب المعرفۃ ومن سلب المعرفۃ سیقع فی الکفر یعنی جو نوافل میں سستی کرتا ہے وہ سنن میں سستی کرے گا جو سنن میں سستی کرتا ہے وہ فرائض میں سستی کرے گا اس سے معرفت چھین لی جائے گی اور جس سے معرفت چھن گئی وہ عنقریب کفر میں گرے گا یہاں جو حدیث ذکر کی گئی ہے اس کا ایک جملہ قتالہ کفر ہے۔ اس سے مرجیۂ پر رد ہے۔ کہ یہ فرقہ صراحۃً حضور اقدس صلعم کے قول کی مخالفت کرتا ہے۔ یہی حضرت ابو دائل کے سوال کا جواب ہے۔ یہ فرقہ مخالف رسول ہے۔

حدیث نمبر ۴۹ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيْدٍ الخ أَخْبَرَنِي عُبَادَةُ بْنُ الصَّامِتِ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ يُخْبِرُ بِلَيْلَةِ الْقَدْرِ فَتَلَاحَى رَجُلَانِ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ فَقَالَ إِنِّي خَرَجْتُ لِأُخْبِرَكُمْ بِلَيْلَةِ الْقَدْرِ وَإِنَّهُ تَلَاحَى فُلَانٌ وَفُلَانٌ فَرُفِعَتْ وَعَسٰى أَنْ يَّكُوْنَ خَيْرًا لَّكُمْ فَالْتَمِسُوْهَا فِي السَّبْعِ وَالتِّسْعِ وَالْخَمْسِ۔

ترجمہ، حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ نے خبر دی کہ جناب رسول اللہ صلعم لیلۃ القدر کے متعلق خبر

دینے کے لئے باہر تشریف لائے، تو مسلمانوں میں سے دو آدمی آپس میں جھگڑ پڑے تو آپ نے فرمایا کہ میں تو لیلۃ القدر کی خبر بتلانے کے لئے باہر آیا تھا لیکن فلاں اور فلاں جھگڑ پڑے تو وہ اٹھا دی گئی شاید اس میں تمہارے لئے کوئی بھلائی ہو۔ اب اسے ساتویں نویں اور پانچویں رات میں تلاش کرو۔

تشریح از شیخ زکریاؒ چونکہ باب کے اندر اصرار علی التقاتل وغیرہ سے بچنے کا امر تھا۔ تو اب یہاں سے تقاتل کی خرابی اور اس کا نتیجہ بتلاتے ہیں۔ کہ اتنی بری شے ہے کہ لیلۃ القدر جیسی رفیع الشان چیز دو آدمیوں کے جھگڑنے کی وجہ سے نبی اکرم صلعم کے دل سے اٹھالی گئی۔ اگرچہ ان دونوں کو علم بھی نہیں تھا مگر پھر بھی ان کے تنازعہ کی وجہ سے ایسی نعمت سے محرومی ہوئی لہٰذا اگر علم بھی نہ ہو پھر بھی گناہ سے اعمال حسنہ ضائع ہو جاتے ہیں بعض حضرات کہتے ہیں کہ معرفت لیلۃ شبِ قدر ہے کہ وہ اٹھالی گئی۔

باب، سُؤَالِ جِبْرِيْلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْإِيْمَانِ وَالْإِسْلَامِ وَالْإِحْسَانِ وَعِلْمِ السَّاعَةِ وَبَيَانِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَهُ ثُمَّ قَالَ جَاءَ جِبْرِيْلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ يُعَلِّمُكُمْ دِيْنَكُمْ فَجَعَلَ ذٰلِكَ كُلَّهُ دِيْنًا وَمَا بَيَّنَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِوَفْدِ عَبْدِ الْقَيْسِ مِنَ الْإِيْمَانِ وَقَوْلِهِ تَعَالٰى وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ۔

حدیث نمبر ۵۰ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ الخ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَارِزًا يَوْمًا لِلنَّاسِ فَاَتَاهُ رَجُلٌ فَقَالَ مَا الْإِيْمَانُ قَالَ الْإِيْمَانُ اَنْ تُؤْمِنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهِ وَبِلِقَآئِهِ وَرُسُلِهِ وَتُؤْمِنَ بِالْبَعْثِ قَالَ مَا الْإِسْلَامُ قَالَ الْإِسْلَامُ اَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكَ بِهِ شَيْئًا وَتُقِيْمَ الصَّلٰوةَ وَتُؤَدِّيَ الزَّكٰوةَ الْمَفْرُوْضَةَ وَتَصُوْمَ رَمَضَانَ قَالَ مَا الْإِحْسَانُ قَالَ اَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَاَنَّكَ تَرَاهُ فَاِنْ لَّمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَاِنَّهٗ يَرَاكَ قَالَ مَتَى السَّاعَةُ قَالَ مَا الْمَسْئُوْلُ عَنْهَا بِاَعْلَمَ مِنَ السَّائِلِ وَسَاُخْبِرُكَ عَنْ اَشْرَاطِهَا اِذَا وَلَدَتِ الْاَمَةُ رَبَّهَا وَاِذَا تَطَاوَلَ رُعَاةُ الْاِبِلِ الْبُهْمُ فِي الْبُنْيَانِ فِيْ خَمْسٍ لَا يَعْلَمُهُنَّ اِلَّا اللّٰهُ ثُمَّ تَلَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ الْاٰيَةَ ثُمَّ اَدْبَرَ فَقَالَ رُدُّوْهُ فَلَمْ يَرَوْا شَيْئًا فَقَالَ هٰذَا جِبْرِيْلُ جَاءَ يُعَلِّمُ النَّاسَ دِيْنَهُمْ قَالَ اَبُوْ عَبْدِ اللّٰهِ جَعَلَ ذٰلِكَ كُلَّهٗ مِنَ الْإِيْمَانِ۔ (الحدیث)

ترجمہ باب حضرت جبرائیل علیہ السلام کا جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ

وسلم سے ایمان، اسلام، احسان اور قیامت کے علم بارے میں سوال کرنا اور نبی اکرم صلعم کا اس سے بیان کرنا پھر فرمایا کہ جبرائیل علیہ السلام تمہیں تمہارا دین سکھلانے آئے تھے۔ تو ان سب امور کو دین قرار دیا۔ اسی طرح ایمان کی وہ باتیں جو نبی اکرم صلعم نے وفد عبدالقیس سے بیان فرمائیں۔ اور اللہ تعالیٰ کا یہ قول کہ جس شخص نے اسلام کے سوا کسی اور دین کو طلب کیا تو وہ اس کی طرف سے قبول نہیں کیا جائے گا۔

ترجمہ حدیث، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ ایک دن آنحضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ظاہر ہو کر بیٹھے تھے کہ ایک آدمی آپ کے پاس آکر پوچھنے لگا کہ ایمان کیا چیز ہے آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ ایمان یہ ہے کہ تو اللہ تعالیٰ اس کے فرشتوں اور اس کی ملاقات اور اس کے فرشتوں پر ایمان لائے اور مرنے کے بعد اٹھا جانے پر بھی ایمان لائے۔ پھر اس نے اسلام کے متعلق پوچھا کہ اسلام کیا چیز ہے آپ نے جواباً فرمایا کہ تو اللہ کی عبادت اس حال میں کرے کہ تو اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراتا ہو۔ اور یہ کہ تو نماز کو پابندی سے قائم کرے اور کہ فرض شدہ زکوٰۃ کو ادا کرے اور رمضان شریف کے مہینہ کے روزے رکھے پھر اس نے کہا احسان کیا چیز ہے آپ نے فرمایا کہ تو اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طرح کرے کہ تو اسے دیکھ رہا ہے اگر تو اسے نہیں دیکھ رہا تو وہ تجھے دیکھ رہا ہے۔ پھر پوچھا قیامت کب آئے گی۔ فرمایا جس شخص سے قیامت کے متعلق پوچھا گیا ہے وہ پوچھنے والے سے زیادہ جاننے والا نہیں ہے۔ البتہ ابھی تمہیں اس کی کچھ نشانیاں بتلاؤں گا پس جب باندی اپنے مالک کو جنے اور جب کالے کالے اونٹوں کے چرواہے یا اونٹوں کے کالے کالے چرواہے تعمیرات پر فخر کر رہے ہوں اور ان پانچ چیزوں کے بارے میں متفکر ہوں جن کا علم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو نہیں ہے پھر آپ نے ان اللہ عندہ علم الساعۃ الآیۃ کو تلاوت فرمایا۔ پھر وہ آدمی جب پیٹھ پھیر کر چلا گیا تو آپ نے فرمایا اس کو واپس لاؤ۔ تو ان کو کوئی چیز نظر نہ آئی۔ تو آپ نے فرمایا کہ وہ جبرائیل علیہ السلام تھے جو تمہیں تمہارا دین سکھلانے آئے تھے۔ ابوعبداللہ امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ ان سب امور کو ایمان قرار دیا گیا۔

تشریح از شیخ مدنیؒ امام بخاریؒ نے اب تک جو طریقہ اختیار کیا ہے اس سے تو معلوم ہوتا تھا کہ ایمان اسلام اور دین کے ایک ہی معنی ہیں اس مقام پر بھی اس کو دکھلانا ہے کہ اطلاقات شرعیہ میں ان کے ایک ہی معنی ہیں۔ اگرچہ یہ خود تسلیم کر آتے ہیں کہ اگر اسلام خوف کی وجہ سے ہو۔ اذ قالت الاعراب آمنا الخ تو کفر نہیں ہوگا۔ اس جگہ بھی اطلاق ثانی یعنی تغایر حقیقی کو بیان کر کے اطلاقات شرعیہ میں ان کا اتحاد ثابت کرتے ہیں۔ ومن یبتغ غیر الاسلام دینا اس سے پہلے تو معلوم ہوا کہ اسلام اجزاء دین میں سے ہے۔ پھر

اسلام کا عین دین ہونا ثابت فرمایا تو یہی کہا جائے گا کہ اطلاقات شرعیہ دو قسم ہے۔ ایک اطلاق میں یہ ہم معنی ہیں۔ اور ایک اطلاق میں ان کے درمیان تفرقہ ہو گا۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ دین ذو اجزا ہے الایمان ان تؤمن باللہ اگر شبہ ہو کہ یہ تعریف الشیٔ بنفسہ ہوئی۔ تو کہا جائے گا کہ معرّف ایمان شرعی ہے اور معرِّف ایمان لغوی بمعنی تصدیق ہے اور تصدیق بما علم مجیئہ بالضرورۃ یعنی اس کی تصدیق ہیں نہ مستقبل میں شک ہوا ور نہ فی الحال شک ہو اور اسی طرح کی تصدیق ہو کہ وہ تشکیک مشکک سے زائل نہ ہو سکے۔ ان تؤمن باللہ فرمایا گیا۔ اس کے اندر بوجود وہ ولصفاتہ الثبوتیۃ والسلبیۃ سب کے سب اس کے تحت ہیں۔ بلقائہ بعض نے کہا کہ اس کی موت مراد ہے۔ لیکن اس پر تو سب ایمان لائے کیونکہ موت کو ہر روز دیکھ رہے ہیں تو بعض نے کہا کہ لقائہ سے رؤیتہ باری تعالیٰ مراد ہے۔ اسے امام نوویؒ نے اختیار کیا ہے۔ لیکن اس پر اشکال ہو گا۔ کہ رؤیتہ باری تعالیٰ تو ہر ایک کے لئے نہیں ہے تو دونوں کا جواب دیا گیا کہ ایک موت تو شخصی ہے جو ہر روز مشاہد ہے مگر موت عالم جسے قیام قیامت سے تعبیر کیا جاتا ہے وہ محسوس نہیں اس پر ایمان لانا مطلوب ہے۔ اگر رؤیتہ باری تعالیٰ بھی مراد ہو۔ تو معنی ہوں گے کہ یہ رؤیتہ واقع ہونے والی ہے۔ ہر ایک کو نہیں بلکہ جو اس کا مستحق ہو گا۔ اس پر ایمان لانا ہے۔ اس رؤیتہ کا معتزلہ نے انکار کر دیا۔ کیونکہ رؤیتہ کے لئے بُعد نہ ہو۔ اور زیادہ قرب بھی نہ ہو۔ مکان وجہتہ بھی ضروری ہے۔ لیکن یہ سب شرائط بطور عادت کے ہیں لزوم کے لئے نہیں۔ شیخ ابوالحسن اشعریؒ تو ایمان تقلیدی کا اعتبار نہیں کرتے بلکہ وہ ایمان استدلالی کا اعتبار کرتے ہیں۔ رہا عوام الناس کا ایمان اگرچہ وہ صغریٰ کبریٰ اور شکل اوّل کے ذریعہ سے نہیں ہوتا مگر ان کو دلیل معلوم ہے جیسے جیحون کے کنارے ایک آدمی ہل چلا رہا تھا تو کسی منطقی نے وحدت باری پر اس سے دلیل طلب کی۔ تو اس نے جواب دیا کہ جیحون تیرے باپ نے کھودوایا ہے۔ یہ اثر ضرور کسی مؤثر کا ہو گا وہی اللہ تعالیٰ ہے۔ والاحسان چونکہ احسان پر انعام خداوندی موقوف ہے جس پر بہت سی آیات دلالت کرتی ہیں۔ ان اللہ مع المحسنین، ان اللہ یامرکم بالعدل والاحسان احسان کے لغوی معنی تو یہ ہیں، کہ کسی چیز کو عیوب سے پاک صاف کر دیا جائے۔ لیکن اس جگہ اس کے متعلق سوال اطلاقات شرعیہ کے اعتبار سے ہے، اور اس کو آیات میں مختلف طور پر طلب کیا گیا ہے۔ معلوم ہوا کہ عنداللہ مرضی ہے۔ مشہور یہ ہے کہ مقامات تین ہیں (۱) فریضہ (۲) مشاہدہ (۳) مراقبہ۔ فریضہ کا مقام تو یہ ہے کہ عبادت اس طرح ادا کی جائے کہ فریضہ ساقط ہو جائے، دوسرا مقام یہ ہے کہ انسان عبادت کے وقت

حضورِ الٰہی میں اس قدر غرق ہو جائے۔ کہ سوائے باری تعالیٰ کے کسی کا خیال نہ رہے مراقبہ اس سے بھی کم درجہ کا ہے۔ کہ جس میں حضور باری نہیں ہوتا۔ آپؐ اس جگہ ان دو مقامات کو بتانا چاہتے ہیں۔ کانک تراہ یہ مقام شاہد ہے۔ اور ان لم تکن تراہ اس سے مقام مراقبہ کی طرف اشارہ ہے۔ لیکن مشہور توجیہ سے عبارت اباء کرتی ہے حقیقی رؤیتہ باری تعالیٰ حق ہے۔ مگر اس عالم میں جائز غیر ممکن الوقوع ہے۔ عالم آخرت میں جائز ممکن الوقوع ہے۔ اگر عالم دنیا میں غیر ممکن ہوتی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام رب ارنی سے سوال نہ کرتے۔ اس لئے کہ پیغمبر عالم جواز میں ہوتا ہے۔ جواب میں نفی وقوع کی گئی لن ترانی نفی امکان کی نہیں کی گئی۔ کہ لن اُری کہا جاتا۔ معتزلہ اور خوارج امکان کی نفی کرتے ہیں۔ لیکن حضرت موسیٰؑ کا سوال امکانِ رؤیتہ پر دلالت کرتا ہے۔ آنحضرت صلعم نے رؤیتہ باری کی لیکن عالم شہادت میں رہ کر نہیں بلکہ عالم غیب میں۔ اس لئے کہ عالم غیب میں جتنی اشیاء ہیں وہ سب وجود ظلی کا مظہر ہیں وجود حقیقی کا تحمل نہیں کر سکتیں وجود حقیقی کی رؤیتہ کے لئے آپؐ کو آسمانوں پر بلایا گیا عالم آخرت میں اہلِ جنت کے لئے رؤیتہ ہوگی۔ کہ ان کے درمیان حجاب نہیں ہوگا۔ اور وجود کو قوی کر دیا جائے گا۔ اور اہل جہنم بوجہ محجوب ہونے کے نہ دیکھ سکیں گے۔ کانک تراہ ای عبادۃ مشابہۃ لکونک تراہ یا یہ حال ہے ای تعبد حالتک کونک مشابہا لمن یری المحبوب بہرحال انسان کی حالت عمل کے اندر یہ ہوتی ہے کہ اگر خود مالک کو دیکھ رہا ہے یا خود کو مالک دیکھ رہا ہے۔ تو اس وقت عمل میں کوتاہی نہیں ہوتی۔ اور غیبوبیۃ کی حالت میں عمل کے اندر کوتاہیاں آجاتی ہیں۔ مقصد یہی ہے کہ عبادت خشوع اور خضوع کے ساتھ ہو۔ عابد کا معبود کو دیکھنا تکمیل کا باعث نہیں بلکہ معبود کا عابد کو دیکھنا یہ تکمیل کا باعث بنتا ہے۔ کیونکہ جب معبود محجوب مفلوج ہو تو تکمیل نہیں ہوتی۔ تو آپؐ نے اس شبہ کا ازالہ فرمایا کہ اگر تم اس کو نہیں دیکھتے تو چونکہ علۃ تکمیل عمل تمہارا اس کو دیکھنا ہے۔ لیکن اصلی تکمیل کا باعث باری تعالیٰ کا تجھ کو دیکھنا ہے۔ عاشقانہ عبادت کا اصلی مطلب یہ ہے کہ تمہاری عبادت میں ایسی تکمیل ہونی چاہیئے جو تکمیل عمل غلام اپنے آقا کو دیکھتے ہوئے کرتا ہے۔ اس پر شبہ ہوا کہ ہم تو باری تعالیٰ کو دیکھ نہیں سکتے۔ تو آپؐ نے فرمایا کہ اصلی تکمیل کا باعث معبود کا تم کو دیکھنا ہے۔ فان لم تکن تراہ فانہ یراک یہ اس شبہ کا ازالہ ہوا کیونکہ اگر علۃ تکمیل خادم کا مخدوم کو دیکھنا ہوتی تو پھر چاہیئے تھا کہ اندھے اور مفلوج آقا کو دیکھنے سے تکمیل عمل ہو جاتی۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے تو آپؐ نے تکمیل عبادت کا باعث آقا کا خادم کو دیکھنا قرار دیا۔ اس توجیہ سے جمیع شراح ملا علی قاریؒ حافظ ابن حجر عسقلانی کا تخطیتہ ہو جاتا ہے۔ یہ توجیہہ حضرت مدنیؒ کے اساتذہ نے بیان فرمائی ہے۔ اور حقیقت

عبارت بھی اسی پر دلالت کرتی ہے۔ کہ تکمیل عبادت میں معبود کا دیکھنا ہے۔ چنانچہ باری تعالیٰ ہماری تمام حرکات سکنات کو دیکھ رہے ہیں۔ وان لم تکن تراہ میں ان وصلیہ ہوا کلام ثانی نہ ہوا۔ کیونکہ اگر دوسرے مقام کا حصول مقصود ہوتا۔ تو دوسری عبارت میں پہلی کی نفی کی جاتی وان لم تکن کانک تراہ ہوتا لیکن اس جگہ تو نفس رؤیتہ کی نفی کی گئی ہے۔ تو اگر یہ مرتبہ ثانیہ تھا تو مرتبہ مشاہدہ ہیں جو چیز تھی اس کی نفی کی جاتی اور امام شعرانی فان لم تکن تراہ میں کان کو تامہ لیتے ہیں ای فان لم تجد تراہ یعنی جب تک تم اپنے آپ کو موجود مانتے ہو۔ تمہارے اور باری تعالیٰ کے درمیان حجاب ہے۔ اگر تم درجہ فنا الفناء کو پہنچ جاؤ کہ نہ ذاکر کا علم ہے اور نہ ذکر کا محض مذکور ہی مذکور رہو۔ تو تب تم باری تعالیٰ کو دیکھ لو گے اس لئے کہا گیا العلم حجاب اللہ لیکن جب باری تعالیٰ کے ذکر کا غلبہ ہوگا۔ اور مذکور ہی کا تصور ہو۔ تو اس وقت اپنا ہی وجود معلوم نہیں ہوتا جیسے غلبہ نور شمس کے وقت ستاروں کا وجود معلوم نہیں ہوتا حالانکہ وہ موجود ہوتے ہیں۔ یہ درجہ فنا الفنا کا ہے فنا کے درجہ میں اپنے وجود کا علم ہوتا ہے فنا۔ الفنا کی کیفیت منصورؒ پر طاری ہوئی تو انا الحق کہہ دیا حضرت مجددؒ الف ثانیؒ اپنے مکتوبات میں فرماتے ہیں کہ سالک پر جب یہ کیفیت طاری ہوتی ہے تو جیسے جب تک کوئی آگ میں رہے تو انا النار کہتا ہے، جب اس سے ہٹا دیا جائے۔ تو پھر وہ کیفیت نہیں رہتی۔ ایسے باری تعالیٰ کے اسماء میں آگ کی طاقت سے بھی زیادہ طاقت ہوتی ہے۔ سالک کو ذکر کرتے کرتے اس چیز کا احساس ہوتا ہے مگر ہم لوگ غافل ہیں ذکر نہیں کرتے تو مقصد یہ ہوا کہ فان لم تجد ای فی علمک نہ ہونا ایک تو عالم دنیا کے اعتبار سے ہے وہ مقصود نہیں۔ بلکہ یہ درجہ فنا الفناء کا مقصود ہے۔ اس وقت رؤیتہ باری تعالیٰ کا تحقق ہوگا۔ مگر وہ رؤیتہ بعیون القلب ہوگی۔ بعیون الوجہ نہیں ہوگی، چنانچہ حضرت علیؓ فرماتے تھے کہ اگر یہ پردے ہٹا دیئے جائیں، تو میرے یقین میں کوئی فرق نہیں آئے گا۔ اس جگہ ایک اشکال ہے کہ جب ان شرطیہ کی جزا تراہ ہے تو اس کو مجزوم تره پڑھنا چاہیئے تھا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ فعل جزاء کا مجزوم ہونا تمام عرب کا قاعدہ نہیں ہے جیسے اسم منقوص میں اعراب ثلاثہ ہوتے ہیں۔ اس طرح فعل منقوص میں بھی ہوتے ہیں۔ جیسے لم یخش میں الف کو ظاہر کیا جاتا ہے لن یخشی لم یخشیٰ پڑھتے ہیں۔ ابن مالکؒ نے اس کو نقل کیا ہے۔ یہاں تراہ مجزوم تقدیراً علی الالف ہے، دوسرا جواب یہ ہے کہ تراہ کہنا روایت بالمعنی ہے درحقیقت آپؐ نے تره فرمایا۔ رواۃ نے الف کو ظاہر کر دیا۔ یا یہ الف اشباع کا ہو۔ وہ حالت نصب اور جر میں آیا کرتا ہے فانہ یراک، تراہ کی دلیل ہے۔ کہ جب تمہارے درمیان سے حجاب زائل ہو جائے۔

العلم حجاب اللہ ہیں محققین یہی فرماتے ہیں کہ علم نفس مراد ہے۔ کہ جب یہ حجاب اٹھ جائے گا تو تم دیکھ لوگے کیونکہ جب وہ تم کو دیکھتا ہے۔ تو اس کی کیا معنی کہ تم نہ دیکھو اس کی وجہ یہی ہے کہ تمہارے درمیان حجاب ہے۔ اور وہ علم نفس ہے احسان کے بارے میں آیات سے ثابت ہے کہ بار بار باری تعالیٰ اس کا مطالبہ کرتے ہیں جس کی تفسیر آپؐ نے یہاں پر فرمائی۔ یہی چیز تصوف میں مقصود و مطلوب ہے۔ آجکل اعتراض کیا جاتا ہے کہ تصوف کے تمام امور بدعات ہیں۔ آنحضرت صلعم کے زمانہ میں یہ بدعات کہاں تھے، بعض نے کہا کہ تصوف کے امور اگرچہ بدعت ہیں مگر بدعت حسنہ ہیں۔ حالانکہ کل بدعت ضلالۃ فرمایا گیا ہے جو بدعت کی تقسیم نہیں کرنے دیتا۔ دراصل نہ یہ اعتراض صحیح ہے اور نہ یہ بدعت ہے، کیونکہ جب آیات سے ثابت ہے کہ احسان مقصود ہے اس کا حصول جس طرح بھی ممکن ہو صحیح ہے۔ ما یتوقف علیہ الواجب فھو الواجب کے مطابق یہ ذرائع بھی مطلوب ہوں گے۔ ہم مامور بالجہاد ہیں اُس زمانہ میں تیر اور تلوار سے کام چل جاتا تھا۔ لیکن آج ان چیزوں کو لے کر ٹینک توپ اور ہوائی جہازوں کی بوچھاڑ سے نہیں بچ سکتے۔ مقصد حقیقی غلبہ علی الکفار ہے۔ وہ جس ذریعہ سے حاصل ہو۔ کیونکہ ترھبون بہ عدو اللہ وعدوکم فرمان ربانی ہے اس پر عمل ہو جائے گا۔ جو قوت اس غلبہ کا باعث بنے بس وہی ضروری ہے۔ ایسے ہی احسان کا حکم فرمایا گیا۔ عہد نبوی میں زیادہ ریاضت کی نوبت نہ آتی تھی۔ آپؐ کی مجلس کی برکت سے قلوب کی صفائی ہو جاتی تھی جب آپؐ کی مفارقت ہوئی وہی صحابہ کرام فرماتے ہیں کہ آپؐ کے دفن کرنے کے بعد ہم نے اپنے قلوب کو منکر پایا۔ آپؐ کی روحانیت اس قدر اثر رکھتی تھی لیکن جس قدر عہد نبوی سے بُعد ہوتا گیا کدورت بڑھتی گئی جس کے ازالہ کے لئے ذرائع اختیار کئے گئے جیسے آج ہم قرآن مجید کا کوئی معنی بغیر صرف و نحو پڑھے معلوم نہیں کر سکتے۔ تو کیا اسے بدعت کہا جائے گا۔ واقعی صحابہ کرام کو ان کی ضرورت نہ تھی۔ کیونکہ عربی ان کی مادری زبان تھی۔ ان کو ان مشکلات کا سامنا نہیں کرنا پڑتا تھا آج ہم پر ان علوم کا پڑھنا فرض ہے۔ شیبہ بن سفیان کہتے ہیں کہ میں غزوہ حنین میں شرکت کا ارادہ اس نیت سے کرتا تھا۔ کہ موقع پاکر آپؐ کو قتل کر دوں گا۔ مسلمانوں کو جب شکست ہوئی اور آپؐ اتر کر مٹی اٹھانے لگے۔ میں نے موقع غنیمت سمجھ کر تلوار کا وار کرنا چاہا۔ کہتے ہیں کہ ایک ایسی بجلی آگے آگئی کہ میری آنکھیں خیرہ ہو کر رہ گئیں۔ آنحضرت صلعم نے ان کے سینہ پر ہاتھ پھیرا تو ان کا ایمان راسخ ہو گیا لیکن یہ چیز آج پیدا نہیں ہو سکتی۔ اس زنگ کو کس طرح دور کیا جاتے۔ تو اس فن کے ماہرین پیدا کئے گئے۔ جنید بغدادیؒ شیخ عبدالقادر جیلانیؒ جیسے پیدا ہوتے۔ انہوں نے اپنے اجتہاد سے دوائیں اور نسخ تجویز کئے۔ اور اپنے تجارب سے ثابت کیا۔ البتہ ان کو لینے

اور پرکھنے کا میزان شریعت ہے جو خلافِ شریعت ہو اس کو نہ لیا جائے گا۔ قوالی کو انہوں نے جائز قرار دیا۔ مگر ہمارے پاس کوئی ایسی دلیل نہیں ہے۔ اور نہ ہی اس کا کوئی ثبوت ہے جس کی بنا پر شریعت کا خلاف کیا جائے چنانچہ مجدد الف ثانی رح اس سے انکار کرتے ہیں۔ الحاصل تصوف کی اصل یہی روایت ہے۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام ایمان۔ اسلام اور احسان سے سوال کرکے لوگوں کو دین کی تعلیم دے گئے۔ لوگوں کو قیام قیامت میں زیادہ تر شبہات پیدا ہوتے تھے جس کے متعلق متی الساعۃ کہہ کر سوال کرتے تھے۔ حالانکہ اپنے کام میں مصروف رہنا چاہیئے۔ امتحان کے بارے میں سوال نہیں کیا جاتا اپنی اصلاح کی فکر ہونی ضروری ہے۔ باری تعالیٰ اس کو ظاہر کرنا پسند نہیں فرماتے۔ کیونکہ پھر کما حقہ اصلاح نہیں ہو سکے گی۔

ما المسئول عنہا باعلم من السائل یعنی علم میں تو مساوات ہے۔ اعلمیۃ کی نفی ہے۔ سائل عالم نہیں ہوتا مسئول عنہ عالم ہوتا ہے۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں کہ تمہارے اور ہمارے درمیان مساوات علمی ہے۔ اگر اشکال ہو کہ پہلے امور میں بھی مساوات فی العلم موجود تھی۔ کیونکہ جوابات کی تصدیق کرتے رہے۔ تو یہاں کیوں نفی کی گئی۔ تو جواب یہ ہے کہ جبرائیل علیہ السلام درحقیقت سائل نہیں تھے۔ دراصل سائلین صحابہ کرام تھے جبرائیل علیہ السلام نیابتہً کہہ رہے ہیں۔ اور قیامت کے متعلق نہ وہ واقف ہیں نہ مسئول عنہ واقف ہیں۔ تو آپ نے فرمایا کہ جیسے سائل نہیں جانتا ایسے میں بھی نہیں جانتا۔ تو جبرائیل علیہ السلام اپنی ذات کے اعتبار سے تصدیق کرتے اور وکالت کے اعتبار سے سوال کرتے ہیں۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ اور چیزوں کے بارے میں تو سوال کیا جا سکتا ہے۔ لیکن علم ساعۃ ایسی چیز ہے کہ اس کے بارے میں سوال بھی نہیں کرنا چاہیئے۔ تو یہاں سائل کل من یأتی منہ السوال ہوگا۔ بسا اوقات مخاطب نہیں ہوتا جیسے ولو ترٰی میں ہے۔ ایسے یہاں بھی ما المسئول عنہ ای من کان باعلم من السائل ای من کان کیونکہ اس کے علم کو باری تعالیٰ نے اپنے لئے مخصوص کر لیا ہے۔ تیسری توجیہ یہ ہے کہ اگرچہ اعلم کا صیغہ مساوات کو تقاضا کرتا ہے۔ لیکن یہاں مساوات علم میں نہیں بلکہ عدم علم میں ہے۔ بخلاف پہلی چیزوں کے آپ ان کے علم میں اعلم تھے۔

ساخبرک من اشراطھا دو چیزیں ذکر کی گئیں اور انہیں اشراط سے تعبیر کیا گیا۔ حالانکہ جمع کا ادنیٰ اطلاق تین پر ہوتا ہے۔ تو کہا جائے گا کہ جمع کا اطلاق ما فوق الواحد کے اعتبار سے ہے، دوسرا جواب یہ ہے کہ اشراط کو حقیقت پر محمول کیا جائے کہ آپ نے تو اور چیزیں بھی ذکر فرمائی تھیں راوی نے اختصاراً دو کو ذکر کر دیا جیسے کے معنی میں مختلف احتمالات ہیں۔ اَمۃ میں احتمال ہے کہ مطلق نسا کے معنی میں ہو۔ تو معنی ہوں گے

کہ جب عورتیں اپنی مالکہ کو جننے لگیں۔ کنایہ ہے کثرت عقوق سے یعنی اولاد اپنی ماؤں پر ایسے حکومت کریں گے۔ جیسے حاکم اور آقا اپنی باندی پر حکومت کرتا ہے۔ اور ربتھا سے اس کی مزید توضیح ہو گئی کہ بیٹیاں بھی ماؤں پر حکومت کرنے لگیں گی حالانکہ لڑکی تو بنسبت بیٹے کے ماں باپ کی زیادہ مطیع ہوا کرتی ہے۔ اور آج یہ چیز عام ہو گئی ہے انگریزی تعلیم یافتہ عموماً والدین کے ساتھ بے ادبی کا سلوک کرتے ہیں اور بدقسمتی سے آج علم دین پڑھنے والوں میں بھی یہ چیز سرایت کرتی جا رہی ہے۔ کافر ماں باپ کے بارے میں بھی بے ادبی کرنے کو ناجائز کہا گیا ہے، ۲۔ امتہ کو اپنے حقیقی معنی پر رکھا جائے۔ تو پھر اس کی مختلف وجوہ ہیں۔ اور یہ کنایہ ہے کثرت فتوحات اور کثرت تسری سے۔ سُرِیّہ اس باندی کو کہتے ہیں کہ جس کو آقا اولاد حاصل کرنے کے لیے اپنے استعمال میں لائے۔ یعنی جسے امہات الولد بنایا جائے۔ تو جب بچہ آقا سے جن رہی ہے۔ تو بیٹا باپ کے حکم میں ہوگا۔ اور جاریہ مملوک ہونے کی وجہ سے اگرچہ کامل مملوک نہیں مگر پھر بھی من وجہ بیٹے کی مملوک بن جائے گی۔ اگر کہا جائے کہ کثرت فتوحات کوئی بری چیز نہیں کیونکہ کثرت تسری سے اولاد کثیر ہوگی۔ حرائر سے اولاد کم پیدا ہوگی۔ باندیاں تو پانچسو تک رکھنے کی اجازت ہے۔ تو اس نعمت کو اشراط ساعۃ میں کیوں شمار کیا گیا، جواب یہ ہے کہ اشراط ساعۃ میں نعمت کا ہونا ضروری نہیں، بسا اوقات نعمت بھی اشراط ساعۃ میں آجاتی ہے۔ جیسے خاتم النبیّین کا آنا نزول عیسٰی مسیحؑ وغیرہ وغیرہ ایسے کثرت فتوحات اگرچہ نعمت ہے مگر اشراط ساعۃ میں داخل ہے۔

۳۔ کہ امتہ اور رب کے حقیقی معنی ہوں۔ کہ باندی اپنے مالک کو جنے جس کی صورت یہ ہے کہ باندی جو ام الولد تھی اس کا بیچنا ناجائز تھا حکم خداوندی پر عمل نہ کرتے ہوئے اسے بیچ ڈالا یہ لڑکا جوان ہو کر باپ کے مال کا مالک بن گیا۔ یہ باندی بکتی بکتی اس کے ہاتھ آگئی اور مملوک بن گئی۔ کیونکہ وہ جانتا نہیں حضرت محمد بن سیرینؒ کے سامنے ایک شخص نے خواب بیان کیا۔ کہ تل کا تیل پی رہا ہوں کہ تمہاری باندی تمہاری ماں ہے اس کو آزاد کر دو۔ دریافت کرنے پر ایسے ہی معلوم ہوا۔ تو کنایہ ہوا عدم مبالات سے کہ احکام خداوندی کی اس قدر نافرمانی ہوگی۔ کہ بیٹا اپنی ماں کو خرید کرنے لگے گا۔ تو احکام شرع میں عدم مبالات ہوگی۔

۴۔ تَلِدَتَ الاماءَ ا لملوک کہ بادشاہ باندیوں کی اولاد ہوں گے مرہ کا بیٹا اگر بادشاہ ہو۔ تو اوصاف اور افعال حرائر والے ہوتے ہیں۔ اماء کی اولاد میں اوصاف ناقص ہوتے ہیں، چنانچہ خلیفہ ہارون رشید کا بیٹا مامون باندی میں سے تھا۔ اور امین بی بی زبیدہ کا بیٹا تھا۔ ہارون رشید کے بعد مامون نے امین کو قتل کر کے بادشاہی حاصل کی۔ رشید اور زبیدہ ایک دن شطرنج کھیل رہے تھے۔ شرط یہ قرار پائی کہ اگر رشید ہارے تو سب سے گندی باندی

سے جماع کرے چنانچہ مامون اسی شرط کے مطابق باندی سے پیدا ہوا مامون نہایت ذکی قوی الحفظ اور منتظم تھا۔ اور امین نہایت کند ذہن تھا۔ ہارون رشید کو طبعی طور سے اس مامون سے محبت تھی۔ جس پر زبیدہ ہمیشہ ہارون رشید سے لڑا کرتی تھی۔ مگر اللہ تعالیٰ نے مامون کو وہ سمجھ عطا فرمائی تھی۔ کہ کہا جاتا ہے کہ انتظامی امور میں مامون کا زمانہ بنو العباس کی خلافت میں نہایت شاندار رہا ہے۔ تطاول یعنی فخر یا تطول۔ یعنی ہر ایک اپنے مکان کو دوسرے کے مکان سے اونچا بنائے گا۔ اور اس پر مفاخرت کرے گا۔ رعاۃ الا بل جس قسم کے جانور چرائے جائیں۔ ان کا اثر چرانے والا میں پیدا ہوتا ہے۔ اونٹ کے چرانے والوں میں فخر اور کینہ پایا جاتا ہے بکری کے چرانے والوں میں سکینہ اور خلق آتا ہے۔ غرضیکہ جانور کے اوصاف چرانے والے میں سرایت کرتے ہیں۔ اونٹ کینہ پروری میں بہت مشہور ہے۔ اور سیاہ رنگ کا اونٹ زیادہ خبیث ہوتا ہے معلوم ہوا کہ انقلاب عالم ہو جائے گا۔ بہم کا لفظ یا تو ابل کی صفت ہے یا رعاۃ کی صفت ہے۔ رنگت کی سیاہی عموماً اہلِ سوڈان میں پائی جاتی ہے۔ ان کے سر چھوٹے ہوتے ہیں۔ ذکاوت کم ہوتی ہے۔ دیار متوسطہ میں ذکاوت بہت ہوتی ہے۔ اس لئے حکمت یونان اور عرب وغیرہ کی مشہور ہوئی۔ سوڈان کا زیادہ تر حصہ گرم ہے۔ وہاں لوگ عموماً نہایت غبی بلید اور جاہل ہوتے ہیں۔ ہارون رشید نے غصہ میں آکر مصر کا بادشاہ ایک غلام کو مقرر کر دیا۔ کیونکہ مصر کا بادشاہ فرعون تھا۔ اس کی ذلت کے واسطے ایک غلام کو بادشاہ بنا دیا جب پانی کی قلت سے نیل کی پیداوار کم ہونے لگی تو قطن کی پیداوار بڑھانے کا طریقہ ریشم بو یا جائے بتلایا۔ انگلو کی تاریخ بتلاتی ہے کہ یہ لوگ وحشیانہ زندگی بسر کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انقلاب برپا کیا کہ یہ لوگ بادشاہ بن گئے اور فخر کرنے لگے تو یہ اس روایت کیمطابق ہوا جس میں ہے کہ جب نااہل اور نالائق کو سردار بنایا جائے۔ اذا وسد الامر الی غیر اھلہ فانتظر الساعۃ ان اللہ عندہ علم الساعۃ الخ تقدیم ظرف سے معلوم ہوتا ہے کہ علم ساعۃ کا حصر ہے ردّہ وہ یہ تعجب کی تیسری چیز ہے جعل ذلک کلہ من الایمان یعنی آپؐ نے ان جیسے امور کو دین قرار دیا۔ اور ان کو وفد عبد قیس کے ایمان میں بھی بتلایا گیا۔ تو معلوم ہوا کہ دین۔ اسلام اور ایمان اطلاقات شرعیہ میں متحد ہیں۔

از شیخ زکریاؒ ما الایمان ایمان کا تعلق چونکہ قلب سے ہے اس لئے ما الایمان کے جواب میں ان امور کو بتلا دیا جو قلب سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور اسلام کا تعلق جوارح سے ہے اس لئے ایسی چیزیں بتلائیں جو جوارح سے متعلق ہیں اور اس سے ایمان کی ترکیب ثابت ہوئی ان تعبد اللہ کانک تراہ ہم تو یہ تصور نہیں کر سکتے کہ ہم اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہے ہیں۔ کیونکہ ہمارا دیکھنا اس کو محال ہے۔ تو آگے اس کا طریقہ بتلایا کہ تو یہ تصور کر کہ وہ

تجھ کو دیکھ رہا ہے۔ توجب یہ تصور کرے گا۔ تو پھر عمل کے اعتبار سے ایسا ہو جائے گا کہ تو اس کو دیکھ رہا ہے
مطلب یہ ہوا کہ غایت توجہ سے عبادت کرو۔ اذا ولدت الامۃ ربتہا اس کی دو توجیہیں مشہور ہیں کہ اولاد
کی نافرمانی کی طرف اشارہ ہے۔ دوسری توجیہہ فقہا کی ہے کہ ام ولد کی بیع کثرت سے ہو گی۔

حدیث نمبر ۵۱ حَدَّثَنَا اِبْرَاهِيْمُ الخ اَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عَبَّاسٍ اَخْبَرَهٗ قَالَ اَخْبَرَنِيْ اَبُوْ سُفْيَانَ بْنُ حَرْبٍ اَنَّ هِرَقْلَ قَالَ لَهٗ سَاَلْتُكَ هَلْ يَزِيْدُوْنَ اَمْ يَنْقُصُوْنَ فَزَعَمْتَ اَنَّهُمْ يَزِيْدُوْنَ وَكَذٰلِكَ الْاِيْمَانُ حَتّٰى يَتِمَّ وَسَاَلْتُكَ هَلْ يَرْتَدُّ اَحَدٌ سَخْطَةً لِدِيْنِهٖ بَعْدَ اَنْ يَدْخُلَ فِيْهِ فَزَعَمْتَ اَنْ لَا وَكَذٰلِكَ الْاِيْمَانُ حِيْنَ تُخَالِطُ بَشَاشَتُهُ الْقُلُوْبَ لَا يَسْخَطُهٗ اَحَدٌ۔ (الحدیث)

ترجمہ :۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ مجھے ابوسفیان بن حرب نے بتلایا کہ ہرقل بادشاہ روم نے اس سے کہا کہ جب میں نے تم سے یہ سوال کیا کہ کیا لوگ بڑھ رہے ہیں یا کم ہوتے جاتے ہیں تو نے کہا کہ وہ بڑھ ہی رہے ہیں۔ اسی طرح ایمان کا حال ہے یہاں تک وہ تمام ہو جائے اور یہ بھی پوچھا کہ آیا کوئی شخص ان کے دین سے ناراض ہو کر مرتد ہو جاتا ہے اس میں داخل ہونے کے بعد تو نے کہا کہ ایسا نہیں ہے اسی طرح ایمان کا حال ہوتا ہے کہ جب اس کی بشاشت اور انشراح دلوں سے رل مل جاتا ہے تو پھر اس سے کوئی ناراض نہیں ہوتا۔

تشریح از شیخ مدنیؒ اس باب کو امام بخاریؒ نے بلا ترجمہ کے ذکر فرمایا۔ اور حدیث ہرقل کو پیش کیا جس میں ہرقل نے دین اور ایمان کو ایک کر دیا جس سے معلوم ہوا کہ دین اور ایمان کا اتحاد صرف شریعت محمدیہ میں نہیں بلکہ شرائع من قبلنا میں بھی ان کا اتحاد پایا جاتا ہے۔

تشریح از شیخ زکریاؒ یہ باب بلا ترجمہ ہے اور بالکل اس شعر کا مصداق ہے ؎

دو گونہ رنج و عذاب است جان مجنوں را
بلائے صحبت لیلیٰ و فرقت لیلیٰ

کیونکہ اول تو ترجمۃ الباب کی روایت سے مناسبت ثابت کرنی مشکل پھر جب سرے سے ترجمہ نہ ہو اور مصیبت ہے کہ کہنا کیا چاہتے ہیں۔ حضرت شیخ الہندؒ کی رائے یہ ہے۔ کہ اس سے پہلے ایک باب گذرا ہے باب خوف المؤمن ان یحبط عملہ اور اب اس باب میں حدیث ہرقل کا وہ ٹکڑا ذکر کرتے ہیں جس کے

اندر یہ کہ ایمان کی بشاشت جب آدمی کے قلب میں آجاتی ہے۔ تو ایمان کی تکمیل ہو جاتی ہے اور ایمان تام ہو جاتا ہے۔ تو اس باب میں یہ بتلا دیا کہ احباطِ عمل کا خوف اس وقت نہیں رہتا جب ایمان بشاشت قلوب میں گھس جائے۔ مگر مجھے اشکال ہے کہ امام بخاریؒ نے ابن ابی ملیکہ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ میں تیس[۳۰] صحابہ کرام سے ملا ہوں ان میں سے ہر ایک اپنے اوپر نفاق کا خوف رکھتا تھا۔ ان حضرات میں حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت حنظلہؓ بھی تھے۔ تو کیا ایمان ان حضرات کے بشاشت قلوب سے مخالط نہیں ہوا تھا۔ لہٰذا میرے نزدیک راجح یہ ہے کہ باب سابق میں جو حدیث جبرائیل گذری ہے۔ اس میں حضرت جبرائیلؑ کے سوال سے ایمان، اسلام میں مغایرت معلوم ہوتی ہے۔ تو اب اس باب سے دونو کا اتحاد ثابت کر رہے ہیں۔ گر یہ کہا جائے کہ یہ استدلال ایک کافر کے قول سے کیوں کیا گیا ہے۔ تو جواب یہ ہے کہ حضرت ابوسفیانؓ نے مسلمان ہونے کے بعد اس کو بیان کیا۔ لہٰذا مراسیل صحابہ، موقوفاتِ صحابہ کے قبیل سے ہوئی اور یہ سب ہمارے نزدیک حجت ہیں

باب، فَضْلِ مَنِ اسْتَبْرَأَ لِدِيْنِهٖ۔

حدیث نمبر ۵۲ حَدَّثَنَا اَبُوْنُعَيْمٍ الخ سَمِعْتُ النُّعْمَانَ ابْنَ بَشِيْرٍ يَقُوْلُ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ الْحَلَالُ بَيِّنٌ وَالْحَرَامُ بَيِّنٌ وَ بَيْنَهُمَا مُشَبَّهَاتٌ لَا يَعْلَمُهَا كَثِيْرٌ مِّنَ النَّاسِ فَمَنِ اتَّقَى الْمُشَبَّهَاتِ اسْتَبْرَأَ لِدِيْنِهٖ وَعِرْضِهٖ وَمَنْ وَقَعَ فِي الشُّبُهَاتِ كَرَاعٍ يَرْعٰى حَوْلَ الْحِمٰى يُوْشِكُ اَنْ يُّوَاقِعَهٗ اَلَا وَاِنَّ لِكُلِّ مَلِكٍ حِمًى اَلَا اِنَّ حِمَى اللّٰهِ فِيْ اَرْضِهٖ مَحَارِمُهٗ اَلَا وَاِنَّ فِي الْجَسَدِ مُضْغَةً اِذَا صَلَحَتْ صَلَحَ الْجَسَدُ كُلُّهٗ وَاِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ كُلُّهٗ اَلَا وَهِيَ الْقَلْبُ۔ (الحدیث)

ترجمہ، حضرت نعمان بن بشیرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے جناب رسول اللہ صلعم سے سنا کہ وہ فرماتے تھے کہ حلال واضح ہے حرام بھی واضح ہے۔ ان دونو کے درمیان کچھ مشتبہ چیزیں ہیں جن کو بہت سے لوگ نہیں جانتے پس جو شخص ان مشتبہ اشیاء سے بچا اس نے اپنے دین کے لئے براءۃ حاصل کرلی بلکہ آبرو کے لئے بھی۔ اور جو شخص مشتبہ چیزوں کے اندر پڑ گیا اس کی مثال اس چرواہے کی طرح ہے جو چراگاہ کے ارد گرد جانور چراتا ہے قریب ہے کہ ان کو چراگاہ میں داخل کر دے خبردار! ہر بادشاہ کے لئے ایک حمیٰ (جاگیر۔ چراگاہ) ہوتی ہے اللہ تعالیٰ کی حمیٰ اس کی زمین میں اس کی حرام کردہ اشیاء ہیں خبردار انسان کے جسم میں ایک گوشت کا ٹکڑا ہے۔ جب وہ ٹھیک ہوگا تو سارا جسم ٹھیک ہوگا اگر وہ بگڑ گیا تو سارا بدن بگڑ جائے گا خبردار وہ گوشت کا ٹکڑا دل ہے۔

تشریح از شیخ مدنی "بعض حضرات کو اس باب کے کتاب الایمان میں داخل کرنے میں تامل ہے۔ کیونکہ دین کو میل وکچیل سے بری رکھنا یہ ایمان اور اسلام کے بارے میں کہنا چاہیئے تھا۔ تو جواباً کہا جاتا ہے کہ جیسے ادائے خمس وغیرہ کا ایمان میں دخل ہے۔ ایسے استبرأ دین کو بھی ایمان کامل میں دخل ہے۔ اور بعض حضرات نے فرمایا کہ امام بخاریؒ کتاب کے آخر میں چند ابواب ایمان اور دین کے متعلق بطور وضوح کے ذکر کرتے ہیں۔ الحلال بین پر شبہ ہوتا ہے کہ بہت سی ایسی چیزیں ہیں جن کی حلت وحرمت کا ہمیں علم نہیں۔ تو جواب یہ ہے کہ معنی یہ ہیں الحلال بین حکمہا والحرام بین حکمہا البتہ مشتبہات کا حکم معلوم نہیں یا الحلال والحرام میں الف لام عہد ذہنی کا ہے جو کہ بعض افراد کے حکم میں ہوتا ہے جیسے اخاف ان یاکلہ الذئب میں معنی بعض الذئب تو معنی ہوئے بعض الحلال بین وبعض الحرام بین اور بینہما مشتبہات۔ الا ان فی الجسد الخ بتلانا یہ ہے کہ تمام جسد کا سردار قلب ہے۔ اس کی اصلاح کی اور زینت کی طرف کوشش کرنی چاہیئے۔ یہ باعتبار معنی کے ہے اور اسی طرح باعتبار ظاہر کے بھی ہے کہ قلب میں اگر کوئی بیماری پیدا ہو جائے تو پھر آدمی بچ نہیں سکتا

از شیخ زکریاؒ استبراء دین سے مراد تقوی ہے۔ کہ اپنے دین کے لئے پاکی حاصل کرے تو مقصد یہ ہوا کہ تقوی اور ورع بھی اجزأ ایمانیہ میں سے ہیں۔ اور میرا خیال یہ ہے کہ اس سے پہلے ایک باب گذرا ہے۔ باب خوف المؤمن الخ اس میں مؤمن کو حباط عمل سے ڈرایا گیا ہے۔ اب امام بخاریؒ اس باب سے ایسا طریقہ بتلانا چاہتے ہیں کہ اس کے اختیار کرنے سے آدمی حبط عمل سے بچ جائے۔ اور وہ راستہ اپنے دین کے لئے استبرا کرنا اور مشتبہات سے بچتے رہنا ہے۔ استبراء کا مطلب یہ ہے کہ جو اپنے دین سے برأت یعنی تقوی حاصل کرے گا وہ کفر سے بھی بچ جائے گا۔ جو کہ حابط عمل ہے۔ جیسے جانور حمی سے بچا رہے تو حمی داخل ہونے سے بھی بچا رہے گا۔ اگر حمی کے قریب ہو گیا تو حمی میں چلے جانے کا خدشہ ہے۔

فمن اتقی الشبہات یہ روایت کتاب البیوع میں آئے گی وہاں اس حدیث کو اس لئے ذکر کرتے ہیں کہ بیوع میں شبہات زیادہ پیش آتے ہیں تو اس روایت کا مقصد یہ ہوا کہ جو شخص متقی بننا چاہتا ہو اسے شبہات سے بچنا چاہیئے ؎

سعلم اللہ راہِ خدا از دو قدم بیش نیست
یک قدم بر نفس خود نہ دیگرے بر کوئے دوست

اَلَا اِنَّ فی الجسد مضغۃ الخ یعنی یہ سب کچھ اس وقت حاصل ہوتا ہے جبکہ دل کی اصلاح ہو جائے صوفیا کرام کی ضربیں بھی اسی قلب کے زنگ دور کرنے کے لئے ہوتی ہیں کیونکہ قلب کا یہ زنگ کوئی ظاہری

شے تو ہے نہیں کہ اس کو پانی سے دھو دیا جائے۔ بلکہ وہ تو ایک عرض ہے جیسا کہ حدیث میں ہے کہ جب آدمی کوئی معصیت کرتا ہے تو اس کے قلب پر ایک سیاہ نقطہ پڑ جاتا ہے اگر توبہ کرتا ہے تو ڈھل جاتا ہے اگر توبہ نہیں کرتا تو باقی رہتا ہے۔ اور پھر دوسرا گناہ کرنے پر دوسرا نقطہ لگ جاتا ہے۔ اسی طرح ہر گناہ سے نقطہ لگتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ اس کے قلب کو گھیر لیتا ہے۔ یہی وہ ران ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے کلا بل ران علیٰ قلوبھم والی آیت میں ذکر فرمایا ہے اس باب کی یہ حدیث امام ابوداؤد کی ان چار احادیث میں سے جس کا انہوں نے پانچ لاکھ احادیث سے انتخاب کیا ہے۔

باب اَدَآءُ الْخُمُسِ مِنَ الْاِیْمَانِ۔

حدیث نمبر ۵۲ حَدَّثَنَا عَلِیُّ بْنُ الْجَعْدِ الخ عَنْ اَبِیْ جَمْرَۃَ قَالَ كُنْتُ اَقْعُدُ مَعَ ابْنِ عَبَّاسٍ فَيُجْلِسُنِیْ عَلٰی سَرِيْرِهٖ فَقَالَ اَقِمْ عِنْدِیْ حَتّٰی اَجْعَلَ لَكَ سَهْمًا مِّنْ مَّالِیْ فَاَقَمْتُ مَعَهٗ شَهْرَيْنِ ثُمَّ قَالَ اِنَّ وَفْدَ عَبْدِ الْقَيْسِ لَمَّا اَتَوُا النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنِ الْقَوْمُ اَوْ مَنِ الْوَفْدُ قَالُوْا رَبِيْعَةُ قَالَ مَرْحَبًا بِالْقَوْمِ اَوْ بِالْوَفْدِ غَيْرَ خَزَايَا وَلَا نَدَامٰی فَقَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّا لَا نَسْتَطِيْعُ اَنْ نَّاْتِيَكَ اِلَّا فِی الشَّهْرِ الْحَرَامِ بَيْنَنَا وَبَيْنَكَ هٰذَا الْحَیُّ مِنْ كُفَّارِ مُضَرَ فَمُرْنَا بِاَمْرٍ فَصْلٍ نُّخْبِرْ بِهٖ مَنْ وَّرَآءَنَا وَنَدْخُلْ بِهِ الْجَنَّةَ وَسَاَلُوْهُ عَنِ الْاَشْرِبَةِ فَاَمَرَهُمْ بِاَرْبَعٍ وَّنَهَاهُمْ عَنْ اَرْبَعٍ اَمَرَهُمْ بِالْاِيْمَانِ بِاللّٰهِ وَحْدَهٗ قَالَ اَتَدْرُوْنَ مَا الْاِيْمَانُ بِاللّٰهِ وَحْدَهٗ قَالُوا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ قَالَ شَهَادَةُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَاِقَامُ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَآءُ الزَّكٰوةِ وَصِيَامُ رَمَضَانَ وَاَنْ تُعْطُوْا مِنَ الْمَغْنَمِ الْخُمُسَ وَنَهَاهُمْ عَنِ الْحَنْتَمِ وَالدُّبَّآءِ وَالنَّقِيْرِ وَالْمُزَفَّتِ وَرُبَمَا قَالَ الْمُقَيَّرِ وَقَالَ احْفَظُوْهُنَّ وَاَخْبِرُوْا بِهِنَّ مَنْ وَّرَآءَكُمْ (الحدیث)

ترجمہ، حضرت ابوجمرہؓ تابعی فرماتے ہیں کہ میں حضرت ابن عباسؓ کے پاس بیٹھا کرتا تھا تو وہ مجھے اپنے ساتھ اپنی چارپائی پر بٹھاتے تھے اور مجھے فرماتے کہ تم میرے پاس قیام کرو تو میں تمہارے لئے اپنے مال میں کچھ حصہ بطور تنخواہ کے مقرر کر دوں گا (کیونکہ یہ ترجمانی کرتے تھے) تو میں ان کے پاس دو ماہ تک ٹھیرا رہا۔ تو انہوں نے فرمایا کہ جب عبدالقیس قبیلہ کا ایک وفد آنحضرت نبی اکرم صلعم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ تو آنحضرت صلعم نے دریافت فرمایا کہ یہ کون لوگ ہیں یا کون سا وفد ہے۔ انہوں نے کہا قبیلہ ربیعہ کا تو آپؐ نے فرمایا اس قوم یا وفد

کے لئے ہم مرحبا کہتے ہیں جو بغیر رسوائی اور ندامت کے آیا ہے۔ انہوں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول صلعم ہم آپؐ کی خدمت میں سوائے شہر حرام کے حاضر نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ ہمارے اور آپؐ کے درمیان یہ کفار مضر کا قبیلہ آباد ہے۔ تو ہمیں ایک ایسا واضح فیصلہ کن امر فرمایئے جس کی ہم اپنے ان لوگوں کو بھی جا کر خبر دیں جو ہمارے پیچھے رہ گئے ہیں اور خود بھی عمل کر کے جنت میں داخل ہو جائیں۔ اور انہوں نے شراب کے برتنوں کے بارے میں بھی دریافت کیا جس پر آپؐ نے ان کو چار چیزوں کے کرنے کا حکم دیا اور چار چیزوں سے منع فرمایا ایمان باللہ وحدہٗ کا ان کو حکم دیا پھر اہمیت کی بنا پر ان سے پوچھا کہ کیا تم جانتے ہو کہ ایمان باللہ وحدہ کیا چیز ہے۔ انہوں نے جواب دیا کہ اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتا ہے۔ آپؐ نے فرمایا کہ اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور محمد صلعم اللہ کے رسول ہیں۔ اور نماز کو پابندی سے قائم کرنا۔ زکوٰۃ ادا کرنا۔ اور رمضان کے روزے رکھنا۔ اور غنیمت کے مال میں سے پانچواں حصہ بیت المال میں دینا اور چار چیزوں سے ان کو روکا وہ چار قسم کے روغنی مرتبان ہیں جن میں شراب تیار ہوتی تھی۔ اور فرمایا کہ تم ان کو محفوظ کر لو اور اپنے پیچھے رہ جانے والوں کو ان کی خبر دو۔

تشریح از شیخ مدنیؒ ابو جمرہؓ فارسی زبان جانتے تھے۔ انہوں نے ایک خواب دیکھا تھا۔ جس کو انہوں نے حضرت ابن عباسؓ سے بیان کیا کہ میں نے ایک شخص کو خواب میں عمرۃ و حجۃ قران کے بارے کہتے سنا۔ جس پر ابن عباسؓ نے فرمایا کہ یہ قران سنت نبوی ہے حضرت ابن عباسؓ نے ان میں صلاح کا مادہ پایا چونکہ حضرت ابن عباسؓ والی بصرہ تھے وہ فارسی زبان نہ جانتے تھے۔ جس کی وجہ سے ان کو فصل مقدمات میں دشواریاں درپیش آتی تھیں۔ اس لئے حضرت ابو جمرہ کو ترجمانی کے لئے اپنے پاس رکھا۔ ایک مرتبہ طلبا میں نبیذ لا کر انہوں نے ابن عباسؓ سے اس کے بارے میں سوال کیا۔ جس کے جواب کے طور پر انہوں نے یہ روایت بیان فرمائی واقعہ یہ ہے کہ بحرین کا ایک آدمی منقذ بن حبان آپؐ سے اپنے خسر اشج کے متعلق پوچھتا ہے۔ آپؐ نے اس پر اسلام پیش کیا وہ مسلمان ہو کر اپنے وطن واپس ہوئے۔ تو ان کی بیوی نے اسے وضو کرتے اور نماز پڑھتے ہوتے دیکھا تو منذ ابن عائذ جس کا لقب اشج ہے اور اُن کا خسر لگتا ہے۔ ان سے آکر ذکر کیا جنہوں نے ان سے حالات پوچھے وہاں سے وفد روانہ ہوتا ہے آپؐ کی خدمت میں حاضر ہونے سے پہلے نہا دھو کر اور سواری کو باندھ کر آتے ہیں۔ آپؐ ان کی اناۃ اور حلم وغیرہ کی تعریف بیان فرمائی آپؐ سے عطا لے کر یہ لوگ واپس آئے ان کی بدولت بحرین میں اسلام پھیلا۔ واعطوا المغنم من الخمس مامور بہ چار چیزوں کی بجائے

پانچ ذکر کی گئی تو کہا جاتا ہے کہ ادائے خمس کا ذکر تبعاً ہے۔ لیکن اشکال یہ ہے کہ پھر تو امام بخاریؒ کے طریقہ کے خلاف ہے۔ اس لئے کہ عقد باب تو اسی پر تھا کہ ادا الخمس من الایمان تو پھر یہ تابع کیسے ہوا۔ تو کہا جائے گا کہ جیسے ادائے زکوٰۃ عبادت مالیہ میں سے ہے۔ ایسے ادائے خمس اگرچہ ادائے زکوٰۃ میں عبادت مالیہ ہونے کی وجہ سے باقی صدقات کی طرح داخل تھا مگر کسی مصلحت کی بنا پر تخصیص بعد التعمیم کی گئی۔ کیونکہ اگرچہ ادائے خمس کا وجوب دائماً نہیں ہوتا۔ مگر ان کے حال کے مناسب تھا۔ اس لئے اسلوب حکیم کے طور پر ان کے مناسب حال کا ذکر کر دیا تو تبعاً اس کا ذکر بھی ہو گیا۔ اور امام بخاریؒ کا استدلال اسی سے ہے کہ ایمان کامل کی تفسیر میں ادائے خمس کو بھی شمار کیا گیا ہے۔ اگرچہ یہ ذکر تبعاً اور تخصیص بعد التعمیم کے طور پر ہے۔ تو امام بخاریؒ کا مقصد ایمان و اسلام ایک چیز میں ثابت ہو گیا۔ البتہ ایمان اور اسلام سے کامل مراد ہو گا۔ حدیث جبرائیلؑ میں اگرچہ وفد عبد القیس کا ذکر آچکا تھا۔ مگر ادائے خمس کو ایمان میں سے ذکر کرنا یہ روایات ایمان میں سے کسی میں بھی نہیں تھا۔ تو بیان فرمایا کہ ایمان کامل میں فرائض۔ نوافل، مستحبات وغیرہ سبھی سب داخل ہیں اگرچہ ادائے خمس دائماً نہیں مگر فرض ہے جب نوافل ایمان میں داخل ہیں تو یہ بطریق اولیٰ داخل ہو گا۔

از شیخ زکریا ادا الخمس من الایمان امام بخاریؒ شعب ایمان کو ذکر فرما رہے ہیں یہ سب سے آخری شعبہ ہے جس کو امام بخاریؒ نے ذکر فرمایا۔ اس باب کو باب اتباع الجنائز کے بعد اس وجہ سے لائے کہ عام طور پر شہید ہو جانے کے بعد ہی خمس وغیرہ تقسیم ہوتا ہے۔ ابو جمرہؒ کے اعزاز و اکرام کے بارے میں میری رائے یہ ہے کہ بخاری کتاب الحج میں ۲۱۳ پر روایت آرہی ہے کہ ابو جمرہ کے شاگرد نے ان سے پوچھا کہ آخر ابن عباسؓ آپ کا اتنا اکرام کیوں فرماتے ہیں۔ انہوں نے اس کی وجہ اپنا خواب تبلایا ہے کہ حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ اپنے اپنے زمانہ خلافت میں حج قران سے روکا کرتے تھے۔ مگر لوگ کہاں ماننے والے تھے اُن کی مخالفت کرتے تھے۔ ان مخالفت کنندگان میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ بھی تھے۔ جنہوں نے قران کا احرام باندھ کر اعلان کر دیا تھا۔ کہ میں اس کا احرام باندھتا ہوں جس کا جو چاہے کرے میں نے تو حضور اکرم صلعم کو قران کا احرام باندھتے ہوئے دیکھا ہے اسی طرح حضرت ابو جمرہؒ نے بھی قران کا احرام باندھا تو لوگوں نے ان پر فقرے کسے مگر وہ اپنے احرام پر رہے۔ اسی دوران انہوں نے خواب دیکھا کہ کوئی شخص کہہ رہا ہے کہ حج مبرور و عمرۃ متقبلۃ ان کو بڑی خوشی ہوئی اور اپنا یہ خواب حضرت ابن عباسؓ کو جا کر سنایا۔ اُن کو بھی بہت خوشی ہوئی اور ابو جمرہ سے عقیدت پیدا ہو گئی۔ اسی عقیدت کی بنا پر ان کو اپنے ساتھ بٹھاتے تھے اور وظیفہ مقرر کیا تھا۔ بنا بریں میرا خیال یہ ہے کہ ان کا احترام

اس بزرگی کی وجہ سے ہوتا ہوگا ورنہ محض ترجمانی ایسی بات نہیں جس کی وجہ سے اتنا احترام ہوتا ہو۔
ان وفد عبد القیس الخ یہ وفد عبد القیس عام الوفود میں ۹ھ کے درمیان آئے جیسا کہ محدثین اور مؤرخین کی رائے ہے۔ میری رائے یہ ہے کہ فتح مکہ کے بعد سے حجۃ الوداع کے سال تک کسی دوران آئے اگر اشکال ہو کہ فتح مکہ کے بعد تو اللہ تعالیٰ نے اسلام کا بول بالا کر دیا تھا۔ اور قبائل کے قبائل آکر مسلمان ہو رہے تھے۔ تو پھر وفد عبد القیس کے یہ کہنے کا کیا مطلب ہے۔ لا نستطیع ان ناتیک الا فی الشہر الحرام اس کی وجہ یہ ہے کہ ہمارے اور آپ کے درمیان یہ کفار مضر کا قبیلہ حائل ہے۔ جو مکہ اور مدینہ آتے ہوئے راستہ میں پڑتا ہے۔ اور لوٹ مار کرتا ہے تو سوال یہ ہے کہ ان کی مخالفت قبیلہ مضر سے کس طرح باقی رہ گئی تھی۔ جواب یہ ہے کہ وفد عبد القیس آنحضرت صلعم کے دربار میں دو مرتبہ آیا ہے ایک ۵ھ کے درمیان فتح مکہ سے قبل دوسرے ۸ھ کے درمیان تو یہ واقعہ جو اس حدیث کے اندر مذکور ہے وہ ۵ھ کا ہے۔ اور جو سوالات پوچھے گئے وہ بھی ۵ھ ہی کے ہیں چونکہ یہاں صرف احکامات کو بتلانا مقصود ہے۔ اس لئے اس کی ضرورت نہ سمجھی کہ یہ کس سن کا واقعہ ہے۔ لما انزل النبی الخ یہاں بین السطور محشی نے عام الفتح لکھ رکھا ہے۔ عام الفتح ۸ھ کو کہا جاتا ہے لیکن میرے نزدیک یہ واقعہ ۵ھ کا ہے کیونکہ اس میں کفار مضر کے پریشان کرنے کا ذکر ہے۔ تو پریشان کرنا لوٹ مار کرنا ۸ھ میں ہو سکتا۔ اگر اس ۵ھ کے قول کو نہ مانا جائے تو پھر قبیلہ مضر کا یہ شکایت کرنا غلط ہوگا۔ یہاں اس حدیث میں اشہر حرم کا لفظ آیا ہے جو اہل مکہ کے ہاں بین الاقوامی مہینے تھے اس میں کوئی آدمی کسی کو نہیں چھیڑ سکتا تھا۔ حتیٰ کہ باپ کے قاتل سے بھی کوئی تعرض نہیں ہوتا تھا۔ اشہر حرم سے مراد ذی قعدہ، ذوالحجہ، محرم اور رجب ہے
غیر خزایا ولا ندامی رسوائی تو اس وجہ سے نہ ہوئی کہ تم لوگ خود بخود آگئے۔ قید کر کے لانے کی نوبت ہی نہیں آئی۔ اور ندامت اس بنا پر نہیں ہے کہ تم سے ہماری کوئی لڑائی نہیں ہوئی جس میں ہمارے اور تمہارے آدمی قتل ہوتے تو آج منہ دکھانا مشکل ہوتا۔ اور باپ کا قاتل بیٹے کے سامنے آتا تو شرمندگی اور ندامت ہوتی بلکہ تم سب ان چیزوں سے محفوظ ہو سالوہ عن الاشربۃ اس وفد نے حضور پاک صلعم سے امر فصیل دریافت کیا تو آپ نے چار چیزوں سے منع فرمایا اور چار چیزوں کے کرنے کا حکم دیا چونکہ ان کے ہاں شراب کا بہت زور تھا۔ اور مدینہ منورہ وغیرہ میں شراب کی حرمت مشہور ہو چکی تھی۔ اس لئے اس کے متعلق ان لوگوں نے خاص طور سے آپ سے سوال کیا۔
امرھم باربع ونہاھم عن اربع شہادت و حدانیۃ ورسالۃ اقامۃ صلوۃ ایتاء زکوٰۃ اور

صوم رمضان یہ سب شمار کے اعتبار سے ایک ہیں اور ایمان باللہ وحدہ کی تفسیر ہیں اور دوسرا غنیمت میں سے خمس ادا کرنا ہے باقی دو کو راوی نے اختصاراً چھوڑ دیا۔ اور دوسرا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ یہ تو چار چیزیں ہوتیں پانچواں ادائے خمس بغیر ان کے سوال کے بتلا دیا کیونکہ یہ جنگجو اور بہادر قسم کے لوگ تھے۔ ان کے پاس کفار رہا کرتے تھے۔ اس لئے مال غنیمت ملنے کی ہر وقت امید رہا کرتی تھی۔ اس لئے حضور اکرم صلعم نے یہ مسئلہ ان کو بتلا دیا اور یہی وجہ ہے کہ اس کا اسلوب بدل دیا۔ وان تعطوا من المغنم الخمس کے الفاظ سے ذکر کر دیا۔ لیکن اس جواب پر اشکال ہے کہ یہی روایت بخاری شریف میں ص۱۸۸ پر آ رہی ہے۔ وہاں شہادۃ اقام الصلوٰۃ ایتاء الزکوٰۃ اور اعطاء خمس کا ذکر ہے جس سے پتہ چلا کہ اعطاء خمس امر زائد نہیں بلکہ ان چاروں میں شمار ہے۔ نیز اگر مقصود اصلی وہی چار ہوں اور اعطاء خمس امر خارجی ہو تو پھر باب اداء الخمس من الایمان کا ترجمہ کیسے صحیح ہوگا۔ لہٰذا پہلا ہی جواب درست ہے کہ راوی نے اختصار کیا ہے۔ اس روایت میں حج کا ذکر نہیں۔ اگرچہ بعض روایات غیر صحاح میں اس کا ذکر ہے۔ مگر صحیح یہ ہے کہ حج سب لوگوں پر فرض نہیں ہوتا۔ اس لئے اس کو شمار نہیں فرمایا بعض نے کہا حج ابھی فرض نہیں ہوا تھا۔ اور جن چار اشیاء سے منع فرمایا ان میں حنتم سبز مٹکے کو کہتے ہیں۔ عام طور پر شرابیں سبز مٹکوں میں بنتی ہیں۔ اس لئے سبز مٹکے کے ساتھ ہی اس کا ترجمہ کیا جاتا ہے دوسرا برتن دبا ہے۔ یہ آل کدو کا برتن ہوتا ہے اس کو خشک کر لیتے ہیں اور اندر سے بیج وغیرہ صاف کر کے برتن سا بنا لیتے ہیں۔ کبھی میٹھے کدو کا بھی بنایا جاتا ہے۔ تیرنے والے اس کو بغل میں لے کر تیرتے ہیں تیسرا برتن نقیر ہے۔ نقیر ہر کھدی ہوئی چیز کو کہتے ہیں۔ لیکن یہاں اس سے مراد وہ چیز ہے جو کھجور کی جڑ میں کھود کر برتن سا بنا لیتے ہیں بعض حضرات فرماتے ہیں۔ کہ خاص قسم کی لکڑیاں ہوتی ہیں جن کو اندر سے کھود کر صاف کر لیا جاتا ہے۔ المزفت وربما قال المقیر یہ چوتھا برتن ہے۔ مزفت اور مقیر رال ملے ہوئے برتن کو کہا جاتا ہے۔ معنی دونو کے ایک ہی ہیں ان برتنوں کے استعمال سے آپ نے اس لئے منع فرمایا کہ تمام برتن شراب کے لئے تھے اور شراب کے اثر سے بہت جلد متاثر ہو جاتے ہیں۔ اگر تازہ تازہ نبیذ بھی ڈالی جائے۔ تو وہ بھی بہت جلد خراب ہو جاتی گی اس لئے منع فرمایا۔

بَاب مَا جَآءَ اَنَّ الْاَعْمَالَ بِالنِّیَّۃِ وَالْحِسْبَۃِ وَ لِکُلِّ امْرِءٍ مَّا نَوٰی فَدَخَلَ فِیْہِ الْاِیْمَانُ وَالْوُضُوْءُ وَالصَّلٰوۃُ وَ الزَّکوٰۃُ وَ الْحَجُّ وَ الصَّوْمُ وَ الْاَحْکَامُ وَقَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی قُلْ کُلٌّ یَّعْمَلُ عَلٰی شَاکِلَتِہٖ عَلٰی نِیَّتِہٖ نَفَقَۃُ الرَّجُلِ عَلٰی اَھْلِہٖ یَحْتَسِبُھَا صَدَقَۃٌ وَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ سَلَّمَ وَلٰکِنْ جِھَادٌ وَّ نِیَّۃٌ۔

حدیث نمبر ۵۴ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰہِ بْنُ مَسْلَمَۃَ الخ عَنْ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّۃِ وَلِکُلِّ امْرِئٍ مَا نَوٰی فَمَنْ کَانَتْ ھِجْرَتُہٗ اِلَی اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ فَھِجْرَتُہٗ اِلَی اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ وَمَنْ کَانَتْ ھِجْرَتُہٗ لِدُنْیَا یُصِیْبُھَا اَوِامْرَاَۃٍ یَتَزَوَّجُھَا فَھِجْرَتُہٗ اِلٰی مَا ھَاجَرَ اِلَیْہِ الحدیث

ترجمہ، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ بے شک جناب رسول اللہ صلعم فرمایا کہ اعمال کا اعتبار نیت پر ہے اور ہر شخص کے لئے وہ کچھ ہے جس کی اس نے نیت کی. پس جس کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہوگی تو اس کی ہجرت کا ثواب اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہوگا. اور جس کی نیت کسی دنیا کے حاصل کرنے کے لئے ہوگی یا کسی عورت سے شادی کرنے کے لئے ہوگی تو اس کو بدلہ بھی اس ہجرت کا ملے گا جس کی طرف اس نے ہجرت کی ہے۔

تشریح از شیخ مدنیؒ کتاب الایمان اب ختم ہو رہی ہے. کتاب الایمان میں مرجیہ پر رد کرنا تھا اگرچہ تبعاً خوارج اور معتزلہ وغیرہ کا رد بھی ہو جاتا تھا. چونکہ مرجیہ نے اسلام کو بہت نقصان پہنچایا تھا اور اعمال کو ایمان میں کسی قسم کا دخل نہ مانا نہ نفع کے اعتبار سے اور نہ ضرر اعتبار سے حالانکہ شریعت کا مدار اعمال پر ہے اب آخر میں فرماتے ہیں کہ اعمال میں نفس پرستی نہیں ہونی چاہیئے. اگر کسی پر ردّ کرنا ہو تو اس میں بھی نفس پرستی کو دخل نہیں ہونا چاہیئے. چنانچہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ جس طرح میں اپنی زلّۃ سے بچنا چاہتا ہوں. اس طرح دوسرے کی زلّۃ کا بھی لحاظ کرتا ہوں. بہر حال اعمال میں نیت اچھی ہونی چاہیئے. جس سے خلوص اور للّٰہیت ٹپکتی ہو. انك تُنْفِقُ نفقۃً اگرچہ نفقہ زوجہ ضروری ہے، زوجہ قاضی کے ہاں دعویٰ دائر کر کے اپنا نفقہ وصول کر سکتی ہے. مگر اس میں بھی احتساب ہونا چاہیئے۔

از شیخ زکریاؒ اس جگہ امام بخاریؒ یہ ثابت فرما رہے ہیں. کہ اگر ہر عمل میں نیت خالص ہے تو مقبول ہے، ورنہ مردود اور اس کی تائید میں فرماتے ہیں کل یعمل علیٰ شاکلتہ یعنی جیسا کرنا ویسا بھرنا امام بخاریؒ نے ترجمہ میں حِسْبَۃً لا کر بتلا دیا کہ اس سے مجرد ارادہ مع الاخلاص مراد ہے. یعنی اعمال صرف نیت اور حسبت اور ثواب کی امید پر کئے جائیں اور ثواب کی امید اسی وقت ہو سکتی ہے جبکہ اعمال خالصۃً لوجہ اللہ ہوں اس باب میں جو حدیث امام بخاریؒ نے بیان کی ہے اس پر ابتداء کتاب میں کلام ہو چکا ہے کہ احناف کے نزدیک ثواب الاعمال بالنیات اور شوافعؒ کے نزدیک صحۃ الاعمال بالنیات ہے. لیکن امام بخاریؒ کے اس ترجمہ کو دیکھ کر

میری رائے یہ ہے کہ امام بخاریؒ حنفیہ کے ساتھ ہیں۔ اس لئے کہ نیت کی تفسیر انہوں نے حسبۃ سے کی ہے حسبۃ اور احتساب کہتے ہیں ثواب طلب کرنے کو۔ تو معلوم ہوا امام بخاریؒ کے نزدیک انما الاعمال بالنیات کا مطلب ثواب الاعمال بالنیات ہے، فدخل فیہ الایمان یہ اس ضابطہ اور کلیہ میں سب اعمال داخل ہیں۔ ایمان بھی اسی طرح ہے۔ کہ اس میں اخلاص ملحوظ ہے کہ محض اللہ کے لئے ایمان لانے۔ کسی ڈر یا خوف سے ایمان نہ لائے۔

حدیث نمبر ۵۵ حَدَّثَنَا حَجَّاجُ ابْنُ مِنْهَالٍ الخ عَنْ اَبِیْ مَسْعُوْدٍ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا اَنْفَقَ الرَّجُلُ عَلٰی اَھْلِہٖ یَحْتَسِبُھَا فَھِیَ صَدَقَۃٌ۔

ترجمہ، حضرت ابو مسعودؓ حضرت نبی اکرم صلعم سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا کہ جو آدمی اپنے گھر والوں پر ثواب حاصل کرنے کی نیت سے خرچ کرتا ہے تو یہ خرچہ اس کا صدقہ ہوگا۔

تشریح از شیخ زکریاؒ یہ روایت ترجمہ میں مختصر تھی، یہاں تفصیل کے ساتھ ہے۔ سبحان اللہ دین کتنا آسان ہے۔ کون نہیں جانتا کہ بیوی بچوں کا خرچ شوہر کے ذمہ ہے مگر اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے کتنی آسانی کر دی کہ اگر کوئی اپنی بیوی کو کچھ کھلائے پلائے تو اس پر بھی ثواب ملتا ہے۔ مگر ان سب چیزوں میں اصل شرط اخلاص ہے۔ اللہ کے لئے ہو ورنہ اگر دنیا کے لئے ہوگا تو وہاں نہ ملے گا یہاں یہ بات بھی سن لو کہ حنفیہ کے نزدیک عدم نیت سے حکم تو ثابت ہو جائے گا۔ لیکن ثواب حاصل نہیں ہوگا۔ لہٰذا اگر کوئی اللہ تعالیٰ کے لئے نفقہ نہ دے بلکہ ریا یا خوف و ڈر کی وجہ سے دے تو نفقہ تو ادا ہو جائے گا یعنی عدم نیت کی صورت میں حکم تو ثابت ہے۔ لیکن ثواب نہیں۔ کیونکہ احنافؒ کے نزدیک مقاصد میں نیت شرط ہوتی ہے وسائل میں نیت شرط نہیں

حدیث نمبر ۵۶ حَدَّثَنَا الْحَکَمُ بْنُ نَافِعٍ الخ عَنْ سَعْدِ بْنِ اَبِیْ وَقَّاصٍؓ اَنَّہٗ اَخْبَرَہٗ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّکَ لَنْ تُنْفِقَ نَفَقَۃً تَبْتَغِیْ بِھَا وَجْہَ اللّٰہِ اِلَّا اُجِرْتَ عَلَیْھَا حَتّٰی مَا تَجْعَلُ فِیْ فَمِ امْرَاَتِکَ۔ الحدیث

ترجمہ، حضرت سعد بن ابی وقاصؓ سے مروی ہے وہ خبر دیتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ بیشک تو جو کچھ بھی خرچ کرتا ہے جس سے اللہ تعالیٰ کی رضا مطلوب ہو، مگر تجھے اس پر ثواب دیا جائے گا۔ حتیٰ کہ جو چیز تو اپنی بیوی کے منہ میں ڈالتا ہے اس کا بھی تجھے ثواب ملے گا۔

باب قَوْلُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الدِّيْنُ النَّصِيْحَةُ لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَلِاَئِمَّةِ الْمُسْلِمِيْنَ وَعَامَّتِهِمْ وَقَوْلِهٖ تَعَالٰی اِذَا نَصَحُوْا لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۔

حدیث نمبر ۵ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ الخ عَنْ جَرِيْرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ الْبَجَلِيِّ قَالَ بَايَعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰی اِقَامِ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَاءِ الزَّكٰوةِ وَالنُّصْحِ لِكُلِّ مُسْلِمٍ الحدیث

ترجمہ، حضرت جریر بن عبداللہ بجلیؓ فرماتے ہیں کہ میں نے جناب رسول اللہ صلعم سے بیعت کی نماز کو پابندی سے قائم کرنے پر زکوٰۃ کو ادا کرنے اور ہر مسلمان کے لئے خیر خواہی کرنے پر بیعت کی۔

تشریح از شیخ مدنیؒ نصح کے معنی خلوص کے ہیں ناصح ای خالص نصیحت کے اندر اخلاص ہونا معتبر ہے۔ اگر اخلاص نہ ہو حقیقۃً نصیحت نہیں ہے بلکہ دھوکہ بازی ہے جیسے شیطان نے کہا اِنِّیْ لَكُمَا مِنَ النّٰصِحِيْنَ تو اس سے امام بخاریؒ کا مقصد یہ ہے کہ ہم نے جو مرجبۃ پر رد کیا ہے۔ یہ نصیحت اور خیر خواہی کی بنا پر کیا ہے۔ جو ہماری کتاب سے استدلال کرے اس کا مقصد بھی نصیحت ہونا چاہیئے نصیحت الٰہی کا مقصد یہ ہے کہ اس کے احکام کی تعمیل کی جائے۔

تشریح از شیخ زکریاؒ متاخرین کی ایک جماعت جس میں امام نوویؒ شامل ہیں۔ ان کی رائے یہ ہے کہ سارے دین کا خلاصہ صرف یہ حدیث ہے کیونکہ نصیحت کے معنی اخلاص کے ہیں۔ اور یہی اخلاص تصوف کی جان ہے، کیونکہ تصوف کہتے ہیں نیت کے خالص ہونے کو پھر اخلاص اور نصیحت کی کئی صورتیں ہیں۔
نصیحت اللہ تو یہ ہے کہ اللہ کے خالق، مالک اور رب ہونے پر ایمان لانے اور اس کے احکام ملنے، عبدیت کا اقرار اور اپنے کو غلام اور اس کو آقا سمجھنے کی کوشش کرتا ہے اور نصیحت الرسول یہ ہے کہ اعمال اور اس کے خصائل اور اس کے اسوہ پر عمل کرے۔ اور اس کے ہر عمل پر عمل کرنے کی کوشش کرے اور جن اعمال کا متحمل نہ ہو۔ جیسے جو کی روٹی کھانا وغیرہ ان کو دل سے پسند کرے اور ان پر عمل کی خواہش رکھے اور درود شریف کا اہتمام رکھے۔ نصیحت لائمۃ المسلمین یہ ہے کہ ان کے جو احکام شریعت کے موافق ہوں۔ ان کی پابندی کرے ان کی معاونت کرتا رہے۔ اگر وہ خلافِ شرع کام کرنے لگیں۔ تو ان کو حسن تدبیر اور خوش اسلوبی سے سمجھانے کی کوشش کرے اور نصیحت لعامۃ المسلمین یہ ہے کہ ہر ایک کے لئے وہ پسند کرے جس کو اپنے لئے پسند کرتا ہے۔ یہ حدیث تمام دین کا خلاصہ ہے۔ اس وجہ سے اللہ تعالیٰ کے ساتھ اخلاص میں تمام عبادات آگئیں۔ اور رسول کے ساتھ اخلاص میں محبت رسول آگئی۔ ائمہ مسلمین اور عام لوگوں کے ساتھ اخلاص

تمام معاشرت آگئی۔

بَایَعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ۔ بیعت اسلام۔ بیعت جہاد اور بیعتہ احسان تینوں کے متعلق حدیث عبادہ بن صامتؓ میں تبلایا جاچکا ہے۔ بیعت کے الفاظ مشائخ کے یہاں حسب موقعہ اور حسب مکان ہوتے ہیں۔ صوفیاء کرام بیعت لیتے وقت عہد لیتے ہیں کہ چوری زنا ڈاکہ اور نعرے یہ نہیں نکالے گا صحابہ سے بھی ان کے احوال کے مطابق بیعت لی گئی۔ تو جس طرح نفس بیعت مشکوٰۃ نبوت سے ماخوذ ہے۔ اسی طرح یہ طریقہ بھی حضرت رسالت پناہ صلعم سے لیا گیا ہے۔ چنانچہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے بیعت میں الفاظ عامہ کے ساتھ ساتھ الفاظ خاصہ سے بھی بیعت لی ہے۔ بعض عورتوں سے بیعت لی کہ وہ نوحہ نہیں کریں گی۔ اسی طرح یہاں حضرت جریرؓ سے نصیحت المسلمین کے لئے بیعت لی۔ کیونکہ آپؐ نے ان کے اندر اس کی قوت دیکھی تھی۔ چنانچہ انہوں نے اپنے ایک خادم کو عمدہ گھوڑا خرید کرنے کے لئے بھیجا وہ تین سو میں عمدہ گھوڑا لایا۔ جس کو انہوں نے کم قیمت پر سمجھا خود مالک کے پاس گئے بڑی رد وکد کے بعد آٹھ سو پر ان کو راضی کیا۔ یہ خیر خواہی تھی کہ ان کو اپنے عمدہ گھوڑے کی پوری قیمت ملنی چاہیئے۔ آج گاہک دکاندار کو لوٹنے کی فکر میں ہے اور دکاندار گاہک کی جیب کاٹنا چاہتا ہے۔ از مرتب

حدیث نمبر ۵۸ حَدَّثَنَا اَبُو النُّعْمَانِ الخ سَمِعْتُ جَرِیْرَ بْنَ عَبْدِ اللّٰہِ یَوْمَ مَاتَ الْمُغِیْرَۃُ بْنُ شُعْبَۃَ قَامَ فَحَمِدَ اللّٰہَ وَاَثْنٰی عَلَیْہِ وَقَالَ عَلَیْکُمْ بِاتِّقَاءِ اللّٰہِ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ وَالْوَقَارِ وَالسَّکِیْنَۃِ حَتّٰی یَاْتِیَکُمْ اَمِیْرٌ فَاِنَّمَا یَاْتِیْکُمُ الْاٰنَ ثُمَّ قَالَ اسْتَعْفُوْا لِاَمِیْرِکُمْ فَاِنَّہٗ کَانَ یُحِبُّ الْعَفْوَ ثُمَّ قَالَ اَمَّا بَعْدُ فَاِنِّیْ اَتَیْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قُلْتُ اُبَایِعُکَ عَلَی الْاِسْلَامِ فَشَرَطَ عَلَیَّ وَالنُّصْحِ لِکُلِّ مُسْلِمٍ فَبَایَعْتُہٗ عَلٰی ھٰذَا وَرَبِّ ھٰذَا الْمَسْجِدِ اِنِّیْ لَنَاصِحٌ لَّکُمْ ثُمَّ اسْتَغْفَرَ وَنَزَلَ ۔ (الحدیث)

ترجمہ، راوی فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت جریر بن عبداللہ سے اس دن یہ بات سنی جس دن حضرت مغیرہ بن شعبہ کی وفات ہوئی۔ تو یہ خطبہ دینے کے لئے کھڑے ہوئے۔ اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا بیان کی فرمایا کہ لوگو تم خوفِ خدا کو لازم پکڑو جو وحدہٗ لاشریک ہے۔ عزت اور سکون واطمینان اختیار کرو۔ یہاں تک کہ تمہارے پاس امیر آجائے بس وہ ابھی آہی جائیں گے۔ پھر فرمایا کہ اپنے امیر کے لئے معافی مانگو کیونکہ وہ معافی کو پسند کرتا تھا۔ پھر فرمایا کہ اما بعد میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض پذیر ہوا کہ

حضرت میں اسلام پر آپؐ سے بیعت کرتا ہوں۔ آپ نے مجھ پر یہ شرط بھی لگائی کہ ہر مسلمان سے خیر خواہی کرنی ہے تو میں نے اس پر بھی آپؐ سے بیعت کی۔ اس مسجد کے رب کی قسم بے شک میں تمہارا خیر خواہ ہوں۔ پھر بخشش طلب کی اور منبر سے اتر آئے۔

تشریح از شیخ مدنیؒ یوم مات مغیرہ بن شعبہ حضرت مغیرہ بن شعبہؓ۔ حضرت امیر معاویہؓ کی طرف سے کوفہ کے گورنر تھے مرضِ طاعون میں مبتلا ہو کر ۵۰ھ میں کوفہ کے اندر ان کا انتقال ہوا حضرت عمرؓ نے ان کو بصرہ کا والی بنایا تھا۔ بہر حال حضرت مغیرہ بن شعبہؓ نے اپنا قائم مقام حضرت جریر بن عبد اللہ کو نامزد فرمایا انہوں نے منبر پر کھڑے ہو کر خطبہ دیا کہ کوئی شور و شغب نہ ہو۔ امام بخاریؒ خطبہ حضرت جریرؓ کو آخر میں اس لئے لائے ہیں تاکہ نصیحت للمسلمین ثابت ہو۔

از شیخ زکریاؒ حضرت مغیرہؓ کے انتقال کا وقت جب قریب آیا تو انہوں نے حضرت جریر بن عبد اللہ البجلی کو اپنا قائم مقام بنا دیا اور یہ فرمایا کہ جب تک دوسرا امیر حضرت معاویہؓ کی طرف سے نہ آجائے۔ تم امامت کے فرائض انجام دیتے رہنا اس لئے کہ امارت کا مسئلہ ہر شے سے مقدم ہوتا ہے بشرطیکہ حکومت اسلامی ہو۔ یہی وجہ ہے کہ نبی اکرم صلعم کے دفن سے پہلے ہی امارت کا معاملہ طے کر لیا گیا تھا۔ چنانچہ ان کی وفات پر حضرت جریرؓ نے تعزیت کے لئے جلسہ کیا اور اس میں تقریر فرمائی اور ان کو وقار سکینہ کی تعلیم دی کہ پیارو تمہیں تو نہایت وقار سے رہنا چاہیئے تھا۔ تم ہو کہ شور و شغب کر رہے ہو۔

حتّٰی یاتیکم امیر یعنی دار الخلافہ سے کوئی امیر متعین ہو کر آجائے بعض شراح کی رائے یہ ہے کہ امیر سے مراد خود ان کی اپنی ذات ہے۔ یہ میرے نزدیک صحیح تو ہے لیکن بعید ہے۔ استغفروا لامیرکم یعنی حضرت مغیرہ بن شعبہ کے لئے جن کا انتقال ہو چکا ہے۔ ثم استغفر و نزل یہاں میرا اور حافظ کا معرکہ ہے۔ حافظ کے نزدیک امام بخاریؒ کتاب کے آخر میں کتاب ختم کی طرف اشارہ فرماتے ہیں کہ استغفر سے براعۃ اختتام کے طور پر کتاب کے ختم کی طرف اشارہ فرمایا کہ جب منبر سے اتر آئے تو جو کچھ کہہ رہے تھے وہ ختم ہوا۔ میرے نزدیک کتاب کے ختم ہونے کی طرف اشارہ نہیں بلکہ تیرے اختتام اور موت کی طرف اشارہ ہے۔ جیسے کہ اس سے پہلے فکذلک آخر شان ہرقل کے تحت اس کو بیان کر آیا ہوں۔ واللہ اعلم بالصواب

کتاب العلم

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط

باب فَضْلِ الْعِلْمِ وَ قَوْلِ اللّٰہِ عَزَّ وَجَلَّ یَرْفَعِ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْکُمْ وَالَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ ط وَاللّٰہُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرٌ وَ قَوْلِہٖ رَبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا ہ

باب مَنْ سُئِلَ عِلْمًا وَ ھُوَ مُشْتَغِلٌ فِیْ حَدِیْثِہٖ فَاَتَمَّ الْحَدِیْثَ ثُمَّ اَجَابَ السَّائِلَ۔

حدیث نمبر ۵۹ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سِنَانٍ الخ عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ بَیْنَمَا النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِیْ مَجْلِسٍ یُحَدِّثُ الْقَوْمَ جَآءَہٗ اَعْرَابِیٌّ فَقَالَ مَتَی السَّاعَۃُ فَمَضٰی رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یُحَدِّثُ فَقَالَ بَعْضُ الْقَوْمِ سَمِعَ مَا قَالَ فَکَرِہَ مَا قَالَ وَقَالَ بَعْضُھُمْ لَمْ یَسْمَعْ حَتّٰی اِذَا قَضٰی حَدِیْثَہٗ قَالَ اَیْنَ اُرَاہُ السَّائِلُ عَنِ السَّاعَۃِ قَالَ ھَا اَنَا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ قَالَ فَاِذَا ضُیِّعَتِ الْاَمَانَۃُ فَانْتَظِرِ السَّاعَۃَ فَقَالَ کَیْفَ اِضَاعَتُھَا قَالَ اِذَا وُسِّدَ الْاَمْرُ اِلٰی غَیْرِ اَھْلِہٖ فَانْتَظِرِ السَّاعَۃَ۔ (الحدیث)

ترجمہ، حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ اس اثنا میں جناب نبی اکرم صلعم ایک مجلس میں بیٹھے قوم سے باتیں کر رہے تھے کہ ایک دیہاتی آ گیا جس نے آتے ہی سوال کیا کہ قیامت کب ہوگی جناب رسول اللہ صلعم اپنی بات بیان کرتے رہے جس پر بعض لوگوں نے کہا کہ آپؐ نے اس کی بات سن لی مگر اسے ناپسند فرمایا۔ اور بعض نے کہا کہ آپؐ نے سنا ہی نہیں یہاں تک کہ جب آپؐ اپنی بات پوری کر چکے۔ تو فرمایا کہ قیامت کے بارے میں پوچھنے والا کہاں ہے۔ اس شخص نے کہا کہ یا رسول اللہ میں یہ حاضر ہوں۔ آپؐ نے فرمایا جب امانت کو ضائع کر دیا جائے تو قیامت کا انتظار کر۔ اس نے کہا امانت کا ضائع کرنا کیسے ہوگا۔ فرمایا جب معاملات نااہلوں کے سپرد کر دیئے جائیں تو قیامت کا انتظار کرو۔

تشریح از شیخ مدنیؒ، علم کو ایمان کے بعد لانا اس بنا پر ہے کہ جو احکام بعد میں ذکر کئے جائیں گے اگر ان کا سیکھنا سکھانا نہ ہوا تو پھر وہ کیسے نافذ ہوں گے۔ اس لئے علم کی ضرورت ہے۔ علم کو بعض نے بدیہات سے کہا اور بعض نے علم کی تقسیم کر کے حضوری اور حصولی کی بحث کی۔ الصورۃ الحاصلۃ من الشئی یا حصول الصورۃ کو علم کی تعریف قرار دیا۔ ماتریدیہ فرماتے ہیں کہ العلم صفۃ مودعۃ فی القلب کالقوۃ الباصرۃ فی العین حالانکہ ان میں سے کوئی یقینی نہیں ہے۔ کیونکہ متکلمین علم کی یہ تعریف کرتے

ہیں۔ صفۃ توجب تمیّزًا فی محلہا لا یبقیٰ منہا احتمال النقیض حالۃ ولا مآلہٗ فی الامور المعنویۃ احتمال نقیض ظن اور شک میں پایا جاتا ہے مگر علم میں احتمالِ نقیض نہیں ہوتا۔ بلکہ علم کے معنی تصدیق کے ہیں۔ اگر بالفعل احتمال نقیض نہیں تو تصدیق اور یقین ہے اگر مآلاً احتمال نقیض نہ ہو۔ بلکہ تشکیک مشکک سے زائل ہو جائے تو یہ علم تقلیدی ہے۔ فی الامور المعنویہ کی قید سے حسّیات خارج ہو جائیں گے۔ اس لئے کہ ان کا ادراک حواس سے ہوتا ہے۔ اور بعض نے نور یتجلی بہ المذکور ظن قائم بہ بہرحال اس صفت کا نام علم ہے جس میں یہ صفت پائی گئی۔ وہ عالم ہوگا۔ اگرچہ اس کے ساتھ مدرکات نہ ہوں۔ اگر کسی کے پاس مدرکات ہوں مگر صفۃ علم نہ ہو۔ تو وہ عالم نہیں ہوگا۔ جیسے حضرت ابو بکر صدیق رضؓ کے پاس اگرچہ مدرکات نہیں تھے جیسا کہ امام بخاریؒ کے پاس مدرکات ہیں مگر حضرت صدیق اکبرؓ کے پاس صفت علم تھی اس لئے ان کو فضیلت ہوگی۔ کیونکہ معلوم کی وجہ سے فضیلۃ نہیں ہوتی بلکہ صفت علم سے ہوتی ہے۔ اب اس کے حصول کے دو ذریعہ ہیں۔ ایک تو خِلقۃً اس سے ہماری بحث نہیں اور دوسری اکتسابی ہے، ہماری بحث اسی سے ہے۔ صفۃ علم خلقی تو خدا کی دین ہے۔ اور فضیلت میں دونو برابر ہیں۔ مگر وہ ہمارے اختیار کی نہیں۔ یرفع اللہ الخ پھر منؔ تبعیض کے لئے نہیں بلکہ تبیین کے لئے ہے۔ کیونکہ یا ایہا الذین آمنوا میں مخاطب سب مؤمنین ہیں۔ اور اہل علم کا عطف مؤمنین پر عطف الخاص علی العام ہے جس سے تمیز اور فضیلت معلوم ہوتی ہے۔ اس سے علم کی فضیلت ثابت ہوئی۔ حضرت عمرؓ کو والیٔ مکہ راستے میں آکر ملتے ہیں۔ حضرت عمرؓ ان سے پوچھتے ہیں کہ مکہ معظمہ پر کس کو والی مقرر کر کے آئے ہو۔ انہوں نے فرمایا کہ مکہ ایک غلام کے حوالہ کر آیا ہوں۔ کیونکہ وہ بہت زیادہ عالم قرآن ہے۔ مکہ بھر میں اس کے برابر کوئی عالم نہیں، تو حضرت عمرؓ کا تعجب زائل ہوا۔ سر جھکا کر یہ آیت پڑھی یرفع اللہ الذین آمنوا الخ عبد الملک بن مروان نے پوچھا من افقہ مدینہ قال مولیٰ امرعربی قال مولیٰ عطاؒ بن رباح ایسے مکہ، یمن اور شام کے متعلق پوچھا تو سب موالی کا نام ذکر کیا۔ تو اس نے کہا کہ قریب تھا کہ میرا دل پھٹ جائے کہ علم اور تفقہ کو موالی نے لیا عطاؒ بن رباح کے بارے میں حضرت امام اعظمؒ فرماتے ہیں کہ ما رأیت افضل من عطاؒ بن رباح حالانکہ وہ سر سے گنجے۔ رنگ کے کالے اور بھی جسمانی امراض ان میں تھے۔ خلاصہ یہ کہ یہ بھی اللہ کی دین ہے۔ جس سے دین اور دنیا کی عزت حاصل ہوتی ہے۔ آنحضرت صلعم کا علم اگرچہ بہت ہے۔ مگر پھر بھی اس کی حرص اور قناعت نہ کرنے کی ترغیب دی گئی ہے۔ فرمایا گیا اطلبوا العلم من المھد الی اللحد اور فرمایا گیا منہومان

لا یشبعان منھوما العلم ومنھوم الدنیا۔ قل رب زدنی علماً اس ذات کو فرمایا گیا جن کا ارشاد ہے۔ اعطیت علم الاولین والآخرین۔

تشریح از شیخ زکریاؒ ایمان کے بغیر کسی چیز کا اعتبار نہیں کیونکہ ایمان ہی اصل بنیادی شے ہے۔ اس لئے سب سے پہلے اس کو ذکر فرمایا۔ ایمان کا مبدا وحی ہے اس لئے بالکل شروع میں اس کا باب منعقد فرمایا تھا ایمان کے بعد سب سے اہم درجہ صلوٰۃ ہے لہٰذا اسی کو ذکر کرنا چاہیئے تھا۔ لیکن ان تمام کا محتاج الیہ علم ہے اس لئے اب اس علم کو بیان فرماتے ہیں۔

فضل العلم: حضرت امام بخاریؒ تراجم میں اللہ تعالیٰ کے اقوال کو بطور تبرک استشہاد کے پیش فرماتے ہیں۔ چنانچہ اس باب کے اندر بھی دو آیات ذکر فرمائی ہیں پہلی آیت ہے والذین اوتوا العلم درجات اس سے واضح طور پر اہل علم کا درجہ اور ان کی فضیلت معلوم ہو گئی۔ کہ اللہ تعالیٰ اہل علم کے درجات بلند فرمائیں گے۔ دوسری آیت ہے رب زدنی علماً اس سے بھی علم کی فضیلت معلوم ہوئی۔ اس لئے کہ رسول اللہ صلعم باوجود سید البشر افضل البشر افضل الانبیاء فخر دو عالم" بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر ہونے کے زیادۃ علم کے سوال کا امر فرمایا گیا۔ تو معلوم ہوا کہ علم بہت ہی مہتم بالشان اور ذی فضل شیئ ہے۔ یہاں امام بخاریؒ نے باب تو باندھا ہے مگر کوئی روایت ذکر نہیں فرمائی۔ بس صرف دو آیات ذکر فرما کر باب کو ختم کر دیا۔ شراح حضرات ہر ایسے موقعہ پر جہاں بخاری شریف میں ترجمہ تو ہو مگر روایت نہ ہو چند توجیہات فرمایا کرتے ہیں اول یہ ہے کہ لکھنے کا ارادہ تھا مگر کوئی روایت شرط کے مطابق نہیں ملی۔ دوسرے یہ کہ یہاں بیاض چھوڑ دی گئی تھی تاکہ جب کوئی روایت شرط کے مطابق مل جاتی تو لکھ دیں۔ لیکن جب امام بخاریؒ کا انتقال ہو گیا۔ تو شاگردوں نے وہ بیاض یہ سوچ کر ختم کر دی کہ اب تو امام بخاریؒ رہے نہیں اب کون لکھے گا۔ تیسرے یہ کہ یہ کاتب کی گڑبڑی ہے کہیں کی روایت کہیں اور کہیں کا ترجمہ کہیں لکھ دیا۔ چوتھے یہ کہ حضرت امام بخاریؒ کا لکھنے کا ارادہ تھا لیکن اعجلتہ المنیتہ نظر ثانی کی نوبت ہی نہ آئی۔ باوجودیکہ امام بخاریؒ کا انتقال ۲۵۶ھ میں ہوا۔ اور میری تحقیق کے مطابق ۲۳۳ھ میں حضرت امام بخاریؒ اپنی تصنیف سے فارغ ہو گئے تھے۔ شراح یہ تین چار جواب تو مستقل ذکر کرتے ہیں لیکن یہ سب دل بہلاوے کی باتیں ہیں بلکہ میری رائے یہ ہے کہ امام بخاریؒ تشحیذ اذھان کے لئے ایسا جان بوجھ کر فرماتے ہیں۔ جیسے کہ حضرت شیخ الہندؒ کا ارشاد ہے۔ کہ امام بخاریؒ باب باندھ کر ترجمہ ذکر نہیں فرماتے۔ گاہے گاہے ایسا بھی کرتے ہیں کہ ترجمہ تو باندھ لیتے ہیں لیکن روایت نہیں ذکر کرتے۔ کیونکہ روایت یا تو ابھی

ابھی گذری ہوتی ہے۔ یا عنقریب آنے والی ہوتی ہے چنانچہ یہی باب دوبارہ صلا پر آ رہا ہے یہاں پر دو آیتوں
پر اکتفا فرمایا تاکہ فضیلت علم کا دائرہ تنگ نہ ہو جائے۔ اس لئے کہ اگر مطلق رکھا جائے گا تو جتنی روایات اس
موضوع کی ہوں گی۔ سب اس کے اندر داخل ہو جائیں گی۔ کیونکہ علم کی فضیلت اتنی کثیر نوع سے ہے کہ اس کے لئے
ایک دو حدیثوں کا ذکر کر دینا اس کی فضیلت کو منحصر کر دینا ہے۔ اور اس کے عموم کو محدود بنا دینا ہے۔ علامہ عینیؒ
فرماتے ہیں کہ یہ باب کاتب کی غلطی سے یہاں لکھ گیا۔ ورنہ دراصل یہ باب یہاں کا ہے ہی نہیں بلکہ اس کا مقام
آگے ہے جہاں امام بخاریؒ نے فضل العلم منعقد فرما کر روایت ذکر فرمائی ہے۔ اور رہ گئیں یہ دو آیتیں تو یہ کتاب کے
بعد کی ہیں۔ کیونکہ امام بخاریؒ کی عادت یہ ہے کہ وہ کتاب کے بعد آیات ذکر فرماتے ہیں۔ مگر میری یہ رائے نہیں
کیونکہ فضیلت تو ابتداء میں بیان کی جاتی ہے۔ جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ اگر ترجمہ کے الفاظ بدل جائیں
اور مقصود ایک ہی ہو۔ تو وہ ترجمہ مکرر کہلائے گا۔ جیسا کہ کتاب الایمان میں ایک جگہ یزید و ینقص فرمادیا اور
دوسری جگہ زیادۃ الایمان ونقصانہ فرمایا حالانکہ مقصود دونوں جگہ ایک ہی ہے۔ اسی لئے توجیہ کی ضرورت پیش
آئی۔ اور اسی کے بالمقابل اگر ترجمہ کے الفاظ ایک ہوں لیکن غرض جدا جدا ہو جائے تو وہ تکرار نہیں کہلاتا اسی
قاعدہ کے مطابق مجھے یہ کہنا ہے کہ اس ترجمہ سے تو علم کی فضیلت کو بیان کرنا ہے اور صلا پر جو فضل آ رہا ہے
اس سے فضل بمعنی فضیلت مراد نہیں بلکہ فضل بمعنی باقی فضیلہ کو بیان کرنا مقصود ہے۔ اس توجیہ کی بنا پر دونوں بابوں
کی غرض الگ الگ ہو گئی۔ لہٰذا تکرار نہیں رہا۔ بعض شراح اس مقام پر ایک خاص جواب اور بھی دیتے ہیں، وہ یہ کہ
یہاں صرف استدلال مقصود ہے۔ اور استدلال بالقرآن سے بڑی چیز کون سی ہے۔ اس لئے قرآن سے استدلال کرنے
پر قناعت کرلی

باب من سئل علماً الخ شیخ مدنیؒ فرمایا گیا کہ من سئل فکتم علماً الجم بلجام من النار یوم القیمۃ
الذین یکتمون الآیۃ اولئک یلعنھم اللہ و یلعنھم اللاعنون معلوم ہوا کہ کتمان علم ناجائز ہے جس وقت
سوال کیا جائے اسی وقت جواب دینا چاہیئے۔ تاخیر بالکل نہ کرنی چاہیئے تاکہ کتمان علم میں داخل نہ ہو۔ امام بخاریؒ
یہ روایت لاکر تاخیر کے جواز کو ثابت کر رہے ہیں اذا ضیعت الامانۃ امانت ہر اس چیز کو کہتے ہیں جو کسی کو
بغیر تملیک کے دی جائے۔ اضاعۃ امانت کا مشہور معنی یہ ہے کہ جب عہدہ دار عوامل ایسے مقرر کئے جائیں جو اہل نہ
ہوں۔ اور دوسرے امانت کے معنی وہ ہیں جو قرآن مجید میں ہے انا عرضنا الامانۃ الآیۃ اور آنحضرت صلعم
فرماتے ہیں ان الامانۃ نزلت فی جذر قلوب الرجال اس سے معلوم ہوا کہ امانت کوئی مادہ معنویہ ہے

جس سے ایمان کا تحقق ہوتا ہے جس سے انسان مکلف بنتا ہے۔ تو صوفیاء رحہ فرماتے ہیں کہ جب کوئی پیغمبر بھیجا جاتا ہے۔ تو اس سے قبل ایک نور قلوب کے اندر پیدا کیا جاتا ہے۔ جو علی حسب الاستطاعۃ تعلیم نبوی کو قبول کرتا ہے۔ قابلیت فاعل اور منفعل دو نو شرط ہیں۔ تو یہ امانت ایک نور ہوا جس کو انا عرضنا الامانۃ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اس امانت کے بعد فرائض زیادہ عائد ہوتے ہیں۔ لیکن حملھا الانسان انہ کان ظلوماً جہولاً کا مصداق بن گئے۔ حضرت مجدد الف ثانی رحہ فرماتے ہیں کہ یہ صفت مدح ہے کہ نہایت اعلیٰ درجہ کی چیز امانت اس کو دی گئی۔ کیونکہ اس میں عبدیت اعلیٰ درجہ کی تھی۔ اور وہ فرماتے ہیں کہ

معرفۃ باری ہر آنکس حرام است ؛ ہر کہ خود را از کافر فرنگی بہتر داند مکیف کابردین

کیف اضاعتھا ای کیف اعلم انھا ضاعت۔

از شیخ زکریا۔ اگر کوئی شخص بات میں مشغول ہے۔ اور اس سے کوئی سوال کر لیا جائے۔ اور وہ مشغول آدمی اپنی بات پوری کر کے جواب دے تو یہ جائز ہے بعض علماء فرماتے ہیں کہ اس باب سے امام بخاریؒ نے یہی مسئلہ بیان فرمایا ہے۔ اور بعض حضرات ترجمۃ الباب کی غرض یہ بیان فرماتے ہیں۔ کہ اس سے معلم کا ادب بتلاتے ہیں کہ اس کے آداب میں سے یہ بھی ہے کہ اگر کوئی اس سے سوال کرے تو وہ اپنی بات پوری کر کے پھر جواب دے اور بعض کی رائے ہے کہ متعلم کا ادب بتلاتے ہیں۔ کہ اگر کوئی شخص بات کر رہا ہو۔ تو اس وقت تک اس سے کوئی سوال نہ کیا جائے۔ جب تک وہ اپنی بات سے فارغ نہ ہو جائے۔

اور حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔ کہ سائل کو جواب دینے میں اتنی تاخیر کرنا کہ پہلے اپنی بات پوری کرے کتمانِ علم میں داخل نہیں ہے حضرت شیخ الہندؒ فرماتے ہیں کہ اس سے یہ مسئلہ بھی مستنبط ہوتا ہے کہ مسئلہ کا جواب فوری دینا ضروری نہیں۔

جاء اعرابی ایک اعرابی حضور پاک صلعم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آتے ہی سوال کر دیا کہ قیامت کب آئے گی یہ نہیں دیکھا کہ پہلے سے حضور پاک صلعم ایک بات فرما رہے ہیں۔ اس کو ختم ہونے دیا جائے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اعراب آداب سے واقف نہیں ہوتے۔ اس لئے اس نے اپنے سیدھے پن میں آکر سوالات کرنے شروع کر دیئے۔ فقال بعض القوم چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی طرف متوجہ نہیں ہوتے تھے بلکہ اسی طرح اپنے کلام مبارک میں مصروف رہے۔ تو صحابہ کرام میں چہ میگوئیاں شروع ہو گئیں۔ بعض نے کہا کہ حضور اکرم صلعم نے سن تو لیا ہے۔ مگر ناگواری کی وجہ سے جواب نہیں دیا۔ اور بعض نے کہا کہ نہیں حضور اکرم صلعم نے سنا

ہی نہیں کیونکہ حضور صلعم تو ایسے لوگوں کو جلدی جواب دیا کرتے ہیں ۔ اگر سن لیا ہوتا تو کم ازکم یہ ضرور فرماتے کہ ذرا ٹھہر جاؤ۔ قال ابن اراہ السائل یہ لفظ " اراہ" راوی نے اپنی طرف سے بڑھایا ہے۔ کیونکہ ان کو اپنے استاد کے الفاظ یاد نہیں رہے تھے یہ تو متیقن تھا کہ استاد نے "این" فرمایا ہے لیکن اس کے بعد کیا فرمایا این الذی یسائل عن الساعۃ فرمایا یا کچھ اور کہا تھا اسی شک کی بنا پر "اراہ" بڑھادیا۔ یہ ان حضرات محدثین کی کمال احتیاط ہے۔ کہ اگر استاد کے الفاظ میں شک ہوگیا تو اس کو شک کے ساتھ بیان فرمادیا۔ اسی طرح اگر استاذ نے صرف راوی کا نام لیا اور اس کا نسب ذکر نہیں کیا تو یہ حضرات یعنی ابن فلاں کے ساتھ اس کو ذکر کرتے ہیں تاکہ استاذ اور شاگرد کا کلام متمیز ہوجائے

قال کیف اضاعتھا الخ کہ جب امارت نااہل کے ہاتھوں آجائے تو قیامت کا انتظار کرو۔ اور اسی کے افراد میں سے یہ بھی ہے۔ کہ کوئی اللہ اللہ کہنے والا زمین پر باقی نہ رہے۔ اور ہے بھی یہی بات کہ جب نااہل کے ذمہ گھر آتا ہے تو وہ برباد ہوجاتا ہے۔ دکان برباد۔ مدرسہ برباد غرضیکہ ہر چیز برباد ہو جاتی ہے تو اس حدیث کا خلاصہ یہ ہوا کہ نااہلیت لاعلمی سے پیدا ہوتی ہے۔ اور دنیا کا نظام علم پر موقوف ہے۔ اگر نااہلوں کے پاس نظام چلا گیا تو سب نظام درہم برہم ہوجائے گا۔ اس سے علم کی فضیلت خود بخود ثابت ہوگئی ۔

بَاب مَنْ رَّفَعَ صَوْتَهُ بِالْعِلْمِ۔

حدیث نمبر ۶۰ حَدَّثَنَا اَبُو النُّعْمَانِ الخ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ تَخَلَّفَ عَنَّا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي سَفْرَةٍ سَافَرْنَاهَا فَاَدْرَكَنَا وَقَدْ اَرْهَقَتْنَا الصَّلٰوةُ وَنَحْنُ نَتَوَضَّأُ فَجَعَلْنَا نَمْسَحُ عَلٰى اَرْجُلِنَا فَنَادٰى بِاَعْلٰى صَوْتِهٖ وَيْلٌ لِّلْاَعْقَابِ مِنَ النَّارِ مَرَّتَيْنِ اَوْ ثَلٰثًا۔ (الحدیث)

ترجمہ، حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک سفر میں جو ہم نے آنحضرت صلعم کے ساتھ کیا تھا اس میں نبی اکرم صلعم ہم سے پیچھے رہ گئے تھے۔ پس آپ نے ہم کو ایسے حال میں آکر پالیا کہ ہمیں نماز میں تاخیر ہو رہی تھی اور ہم جلدی جلدی وضو کر رہے تھے گویا کہ ہم اپنے پاؤں پر مسح کر رہے تھے کہ آنحضرت صلعم نے اپنی اونچی آواز سے پکار کر فرمایا کہ ایڑیوں کے لئے ہلاکت ہے جہنم سے دو مرتبہ فرمایا یا تین مرتبہ۔

تشریح از شیخ مدنی " قرآن مجید میں ہے لا ترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی یعنی اپنی آوازوں کو نبی کی آواز سے اونچا نہ کرو۔ اس سے معلوم ہوا کہ علم میں رفع صوت نہ ہو۔ تو امام بخاریؒ فرماتے ہیں

کہ رفع صوت بالعلم جائز ہے مگر اپنے اپنے موقع پر جیسے روایت سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ پڑھنا پڑھانا اور بلند آواز سے جواب دینا جائز ہے جبکہ ضرورت متقاضی ہو۔

از شیخ زکریاؒ بعض حضرات فرماتے ہیں چونکہ قرآن پاک میں آتا ہے واغضض من صوتک ان انکر الاصوات لصوت الحمیر یہاں پر حضرت لقمانؑ نے اپنے بیٹے کو آہستہ بولنے کی نصیحت کی اور چیخ کر بولنے کو حمار کا خاصہ بتلایا تو اس سے ایہام ہوتا تھا کہ کہیں رفع الصوت بالعلم بھی اس میں داخل نہ ہو۔ اس لئے امام بخاریؒ نے یہ باب باندھ کر تنبیہ فرمادی کہ علم اس سے مستثنیٰ ہے اس کے اندر آواز کو بلند کیا جاسکتا ہے۔ اور بعض کی رائے یہ ہے کہ حضور اکرم صلعم کے اوصاف میں آتا ہے لیس بصخاب بالاسواق یعنی آپ چیخ کر نہیں بولتے تھے۔ اور یہاں حدیث میں ہے فنادی باعلی صوتہ جو عادت مبارکہ کے خلاف ہوا۔ تو حضرت امام بخاریؒ نے تنبیہ فرمادی کہ یہ رفع الصوت بالعلم تھا جو اس میں داخل نہیں۔ اور حضور پاک صلعم کی عادت شریفہ یہ تھی کہ چیخ کر نہیں بولتے تھے۔ مگر تعلیم کے وقت زور سے ارشاد فرماتے تاکہ سب لوگوں تک آواز پہنچ جائے۔ اور بعض فرماتے ہیں کہ امام بخاریؒ اساتذہ کو ادب سکھلا رہے ہیں کہ معلم کو چاہیئے کہ علمی بات کو نہایت ڈٹ کر اور زور شور سے کہے۔

تخلف عنا النبی صلعم اس حدیث میں جو قصہ بیان کیا گیا وہ یہ ہے کہ صحابہ کرامؓ حضور اکرم صلعم کے ساتھ ایک سفر میں جارہے تھے۔ نماز کو دیر ہورہی تھی۔ صحابہؓ جلدی جلدی آگے بڑھے اور وضو کرنے لگے عام طور سے جلدی کرنے میں ایسا ہوتا ہے۔ کہ پاؤں وغیرہ خشک رہ جاتے ہیں۔ چنانچہ ان لوگوں کی ایڑیاں خشک رہ گئیں اس پر حضور اکرم صلعم نے دور سے پکار کر فرمادیا ویل للاعقاب الخ اعقاب سے صاحب اعقاب مراد ہیں یعنی ان ایڑیوں والوں کو جہنم میں ڈالا جائے گا۔ نمسح علی ارجلنا یہاں حقیقی مسح مراد نہیں ہے۔ بلکہ غسل ہی مراد ہے قلت ماء اور تعجیل کی وجہ سے اس کو مسح سے تعبیر کردیا۔

باب قَوْلِ الْمُحَدِّثِ حَدَّثَنَا وَاَخْبَرَنَا وَاَنْبَانَا وَقَالَ الْحُمَيْدِيُّ كَانَ عِنْدَ ابْنِ عُيَيْنَةَ حَدَّثَنَا وَاَخْبَرَنَا وَاَنْبَانَا وَسَمِعْتُ وَاحِدًا وَقَالَ ابْنُ مَسْعُوْدٍ حَدَّثَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ الصَّادِقُ الْمَصْدُوْقُ وَقَالَ شَقِيْقٌ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ كَلِمَةً كَذَا وَقَالَ حُذَيْفَةُ حَدَّثَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَدِيْثَيْنِ وَقَالَ اَبُوالْعَالِيَةِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْمَا

يَرْوِي عَنْ رَبِّهِ وَقَالَ أَنَسٌ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَرْوِيهِ عَنْ رَبِّهِ وَقَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَرْوِيهِ عَنْ رَبِّكُمْ تَبَارَكَ وَتَعَالَى ۔

حدیث نمبر ۶۱ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ الخ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ مِنَ الشَّجَرِ شَجَرَةً لَا يَسْقُطُ وَرَقُهَا وَ اِنَّهَا مَثَلُ الْمُسْلِمِ حَدِّثُونِي مَا هِيَ فَوَقَعَ النَّاسُ فِي شَجَرِ الْبَوَادِي قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ وَوَقَعَ فِي نَفْسِي أَنَّهَا النَّخْلَةُ فَاسْتَحْيَيْتُ ثُمَّ قَالُوا حَدِّثْنَا مَا هِيَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ قَالَ هِيَ النَّخْلَةُ ۔ (الحدیث)

ترجمہ: باب محدث کا حدثنا۔ اخبرنا وانبانا کہنا تو حمیدی فرماتے ہیں کہ حضرت سفیان ابن عیینہ محدثین کے نزدیک حدثنا اخبرنا انبانا اور سمعت سب ایک ہیں، اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ ہمیں جناب رسول اللہ صلعم نے بیان فرمایا جو سچے ہیں اور سچ کہے گئے ہیں۔ اور حضرت شقیق تابعی حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے جناب نبی اکرم صلعم سے کلمہ سنا۔ اور حضرت حذیفہؓ فرماتے ہیں ان روایات میں جو آپؐ اپنے رب سے روایت فرماتے ہیں۔ اور حضرت انسؓ بھی حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے وہ بات نقل کرتے ہیں جو آپؐ اپنے رب کی طرف سے روایت فرماتے ہیں۔ حضرت ابوہریرہؓ جناب نبی اکرم صلعم سے وہ بات روایت کرتے ہیں جو آپؐ نے تمہارے رب برکت والے اور بلندی والے سے روایت کرتے ہیں۔

ترجمہ حدیث: حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ درختوں میں سے ایک درخت ایسا ہے جس کے پتے نہیں گرتے۔ اور بے شک اس کی مثال مسلمان کی طرح ہے مجھے بتاؤ کہ وہ کون سا درخت ہے۔ لوگوں کا خیال جنگل کے درختوں کی طرف گیا اور میرے دل میں آیا کہ وہ کھجور کا درخت ہے مگر مجھے حیا آ گئی تو سب نے کہا کہ یا رسول اللہ آپؐ ہی بتائیں کہ وہ کون سا درخت ہے آپؐ نے فرمایا کہ وہ کھجور کا درخت ہے۔

تشریح از شیخ مدنیؒ: امام بخاریؒ اس جگہ ان الفاظ کے متعلق بحث کرنا چاہتے ہیں جن کو محدثین استعمال کرتے ہیں حدثنا۔ اخبرنا۔ انبانا۔ قال یروی۔ سمعت وغیرہ استعمال کرتے ہیں۔ بعض نے اعتراض کیا کہ یہ بدعت ہے زمانہ سعادت میں یہ الفاظ استعمال نہیں ہوتے تھے۔ امام بخاریؒ باب منعقد کرکے بتلانا چاہتے ہیں کہ یہ اطلاقات بدعت نہیں ہیں بلکہ آنحضرت صلعم اور صحابہ کرام سے ثابت ہیں اس جگہ ایک بحث اور ہے کہ حدثنا۔ اخبرنا۔ انبانا وغیرھا کے معانی اور درجات ایک ہیں یا مختلف ہیں۔ متاخرین کی

اصطلاح تو امام بخاریؒ آگے بیان کرے گا کہ ان میں تمیز ہے۔ لیکن متقدمین کے نزدیک ان سب کے معانی واحد ہیں دوسری چیز یہ ہے کہ ان الفاظ میں کوئی درجات ہیں یا نہیں اس دوسرے مسئلہ کو امام بخاریؒ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ لا فرق بینھا اگر معانی واحد ہوں تو باب سے مناسبت نہ ہوگی کیونکہ باب تو جواز استعمال کے لئے ہے۔ دوسرا شبہ یہ ہے کہ تمیز کے لئے تو امام بخاریؒ مستقل باب لانے والا ہے۔ پھر یہاں کیوں ذکر کیا تو جواب یہ ہے کہ کان واحداً ای فی جواز الاستعمال اور دوسری توجیہ یہ ہے کہ اگرچہ مقصود بہ نہیں تھا۔ مگر ابن عیینہؒ کے کلام کو تبعاً و استطراداً ذکر کر دیا۔ خلاصہ یہ ہے کہ ان الفاظ کا استعمال زمانہ سعادت یعنی عہد نبوی عہد صحابہ۔ تابعین۔ تبع تابعین میں بلانکیر ثابت ہے تو بدعۃ نہ ہوئی لا یسقط ورقھا الخ اس لئے کہ مسلمان کا عمل کسی وقت ساقط نہیں ہوتا۔ سوتا اس لئے ہے کہ تہجد کے لئے اٹھے گا۔ تو اس پر بھی ثواب ملے گا۔ آپؐ کے پاس جُمّار (مغز کھجور) لایا گیا تھا۔ آپؐ نے اس وقت یہ سوال فرمایا لوگ سوچ میں پڑ گئے حالانکہ قرینہ موجود تھا جس سے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سمجھ گئے لیکن بیان نہ کر سکے۔

قول المحدث حدثنا از شیخ زکریا قدنا کی رائے یہ ہے کہ ان میں کوئی فرق نہیں حدثنا کی جگہ اخبرنا اور اخبرنا کی جگہ حدثنا استعمال کیا جا سکتا ہے۔ یہی رائے آئمہ ثلاثہ امام ابوحنیفہؒ امام مالک اور امام احمد رحمہم اللہ کی ہے۔ حضرت امام بخاریؒ کی انہیں کے ساتھ ہیں۔ چنانچہ امام بخاریؒ اس باب سے اسی چیز کو ثابت فرما رہے ہیں کہ حضور صلعم نے کسی جگہ حدثونی کسی جگہ اخبرونی ایسی ہی حدثنا، اخبرنا کو ایک دوسرے کی جگہ استعمال فرمایا ہے معلوم ہوا کہ ان میں کوئی فرق نہیں۔ البتہ علماً متاخرین جن میں مشارقہ اور امام شافعیؒ اور امام نسائیؒ خاص طور سے داخل ہیں یہ فرماتے ہیں کہ حدثنا اس وقت کہیں گے جب استاذ پڑھے اور شاگرد سنے اور اخبرنا شاگرد پڑھے اور استاد سنے اور انبانا جہاں استاذ اوائل وغیرہ سن کر اجازت دیدے۔ یہ اختلاف سب سے پہلے امام نسائیؒ نے پیدا فرمایا تھا۔ مشارقہ نے ان کی تائید کی۔ وقال الحمیدی حضرت امام بخاریؒ اپنے استاد الحمیدی سے اپنے استاد الاستاذ سفیان بن عیینہ کا مذہب نقل کرتے ہیں۔ کہ ان کے نزدیک سارے الفاظ برابر تھے امام بخاریؒ نے ترجمۃ الباب میں چند مختصر احادیث بیان فرمائی ہیں جو مفصلاً اپنے اپنے مقام پر آئے گی۔ ان میں کہیں حدثنا ہے۔ اور کہیں عن ہے اور جہاں حضور صلعم اپنے رب ذوالعلی سے نقل فرماتے ہیں وہاں یروی عن ربہ کہا ہے جس کو حدیث قدسی کہتے ہیں کوئی فرق نہیں کیا۔

ان من الشجر شجرۃ یہ روایت بخاری شریف میں دسیوں جگہ آئے گی۔ امام بخاریؒ اس سے بیسیوں

مسائل ثابت کریں گے۔ حضور اقدس صلعم ایک مرتبہ تشریف فرما تھے۔ آپؐ نے بطور چیستاں یا پہیلی کے فرمایا
ان من الشجر شجرۃ الخ یعنی بتلاؤ وہ کون سا درخت ہے جس کے پتے موسم خزاں میں نہیں گرتے۔ لوگ یہ سن
کر جنگلوں میں پڑ گئے کوئی کہتا کہ فلاں درخت ہے کوئی کہتا کہ فلاں ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ
میرے جی میں آتو گیا کہ نخلہ ہے مگر مجھے شرم آئی کہ اتنے بڑے لوگ تو خاموش ہیں۔ میں کیا ٹانگ اڑاؤں اس
کے بعد جب صحابہ کی سمجھ میں اس کا جواب نہ آیا۔ تو کہنے لگے۔ حدثنا ماھی یا رسول اللہ صلعم آپ ہی بتلائیں
کہ وہ کون سا درخت ہے۔ حضور اکرم صلعم نے ارشاد فرمایا کہ وہ نخلہ ہے۔ حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں، کہ میں
جب گھر آیا تو میں نے اپنے باپ حضرت عمرؓ سے کہا کہ میرے جی میں تو آیا تھا کہ وہ نخلہ ہے مگر مجھ کو کہتے ہوئے شرم
آئی حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اگر تو اس وقت کہہ دیتا تو میرے لئے یہ افضل ہوتا۔ اور یہ بھی یہی بات ہے کہ اگر چھوٹوں
سے کوئی اچھی بات صادر ہوتی ہے۔ تو ان کے بڑوں کو خوشی ہوتی ہے۔ اس لئے کہ اس میں خود ان بڑوں کا اعزاز
ہے کہ میرے بیٹے نے کہا اور میرے بیٹے یہ کہا۔ امام بخاریؒ کا استدلال اس روایت سے بہت ہی دقیق ہے وہ
یہاں پر دو لفظوں سے استدلال کرتے ہیں۔ ایک تو یہ یہاں حضور اقدس صلعم نے فرمایا فحد ثونی ماھی اور
صحابہ کی سمجھ میں جب نہ آیا تو انہوں نے عرض کیا حدثنا اور یہی روایت امام بخاریؒ کتاب التفسیر میں ص۶۸۱ پر ذکر
فرمائیں گے۔ وہاں حدثونی کے بجائے اخبرونی وارد ہوا ہے اور بعض روایات میں انبئونی وارد ہے تو دیکھو
ایک ہی حدیث میں کہیں اخبرونی ہے کہیں حدثونی اور کہیں انبئونی ہے۔ معلوم ہوا کہ ان سب میں معانی کے اعتبار
سے اتحاد ہے کوئی فرق نہیں۔ اب ایک اور بات اس حدیث میں قابل غور ہے کہ یہاں حضور انور صلعم نے جو کہانی
بوجھی ہے۔ کہ ایسا درخت بتلاؤ جو مثل المسلم ہو۔ تو یہ تشبیہ اس چیز میں ہے کہ جس طرح مسلمان اپنے جمیع اجزاء
کے ساتھ نافع ہے حتی المنایۃ اسی طرح کھجور کا درخت بجمیع اجزائہ نافع اور کارآمد ہے۔ اور بعض لوگوں
کی رائے یہ ہے کہ یہ تشبیہ اس بارے میں ہے کہ نخلہ بقیہ طینۃ آدمؑ سے پیدا ہوا ہے اس واسطے اطبا اس کو
مفید بتلاتے ہیں۔ اور بعض لوگوں کا کہنا ہے۔ کہ اگر انسان کے کسی عضو کو کاٹ دیا جائے۔ تو اس کا بقا ہو سکتا
ہے۔ اور وہ کارآمد ہے لیکن اگر اس کا سر کاٹ دیا جائے تو وہ بے کار ہو جاتا ہے۔ بس یہی حال اس درخت
کا بھی ہے۔ کہ اگر اس کی کوئی ٹہنی کاٹ دی جائے اس کے باوجود وہ پھل لائے گا۔ لیکن اس درخت کے اوپر
کا حصہ کاٹ دیا جائے جس کو سر کہتے ہیں تو وہ بارآور نہیں ہوگا۔ اور بعض شراح یہ فرماتے ہیں کہ جیسے آدمی
تمام پانی میں نہ ڈوبے بلکہ اس کا سر اور کوئی عضو پانی سے کھلا رہے۔ تو وہ اس پانی میں زندہ رہ سکتا ہے لیکن

اگر سر بھی ڈوب جائے۔ تو آدمی مرجائے گا۔ ایسے ہی اس کھجور کے درخت کا حال ہے۔ اگر اس کے اوپر کے سرے تک پانی نہ پہنچے تو اس کی حیات باقی رہتی ہے۔ لیکن اگر سرا بھی ڈوب جائے تو پھر یہ درخت ختم ہو جائے گا اور بعض حضرات کا یہ بھی کہنا ہے کہ آپؐ نے یہاں پر درخت کو جو آدمی کے ساتھ تشبیہ دی ہے وہ اس وجہ سے ہے کہ بقائے نوع انسانی کے لئے جو طریقہ آدمی اختیار کرتے ہیں۔ یہ درخت بھی وہی طریقہ اپناتا ہے۔ حتیٰ کہ اگر کھجور کے نر و مادہ میں جفتی نہ ہو تو پھل اچھا پیدا نہیں ہوتا۔

بابُ طَرْحِ الْإِمَامِ الْمَسْئَلَةَ عَلٰى اَصْحَابِهٖ لِيَخْتَبِرَ مَا عِنْدَهُمْ مِنَ الْعِلْمِ۔

حدیث نمبر ۶۲ حَدَّثَنَا خَالِدُ بْنُ مَخْلَدٍ الخ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رض عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ مِنَ الشَّجَرِ شَجَرَةً لَا يَسْقُطُ وَرَقُهَا وَاِنَّهَا مَثَلُ الْمُسْلِمِ حَدِّثُوْنِيْ مَا هِيَ قَالَ فَوَقَعَ النَّاسُ فِيْ شَجَرِ الْبَوَادِيْ قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ فَوَقَعَ فِيْ نَفْسِيْ اَنَّهَا النَّخْلَةُ فَاسْتَحْيَيْتُ ثُمَّ قَالُوْا حَدِّثْنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَا هِيَ قَالَ هِيَ النَّخْلَةُ۔ (الحدیث)

ترجمہ باب، امام اگر ایک مسئلہ اصحاب کے سامنے امتحان کے لئے پیش کرے تو بھی علم میں سے ہے

ترجمہ حدیث، حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ حضرت نبی اکرم صلعم سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ درختوں میں سے ایک ایسا درخت جس کے پتے نہیں گرتے اور اس کی مثال مسلمان جیسی ہے۔ مجھے بتلاؤ کہ وہ کون سا درخت ہے۔ تو حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ لوگ جنگلوں کے درختوں میں پڑ گئے لیکن حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ میرے جی میں آیا کہ وہ درخت کھجور ہے۔ مگر مجھے شرم آگئی پھر صحابہ کرام نے آنحضرت صلعم سے پوچھا کہ یا رسول اللہ صلعم آپؐ ہی بتلائیں کہ وہ کون سا درخت ہے آپؐ نے فرمایا کہ وہ کھجور ہے۔

تشریح۔ از شیخ مدنی رحؒ بعض روایات میں ہے کہ لوگوں کو اشتباہ اور اغلوطات میں مت ڈالو۔ اس بنا پر اختبار رناجائز معلوم ہو" ہے۔ تو اس پر امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ مسائل میں اختبار کرنا یہ اغلوطات میں سے نہیں ہے۔ بلکہ بسا اوقات انسان غفلت کا شکار ہوتا ہے۔ سوالات کی بنا پر اسے تنبیہ ہو جاتا ہے اور تنبیہ کے بعد جو چیز حاصل ہوتی ہے۔ وہ اوقع فی النفس ہوتی ہے۔

از شیخ زکریا طرح الامام المسئلہ الخ اس باب کی غرض میں علماء کے چند اقوال ہیں۔ ایک تو یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں استاد کو چاہیئے کہ وہ شاگردوں کا امتحان لیتا رہے اور پوچھتا رہے تاکہ تیقظ رہے۔ روایت وہی کھجور والی ہے جیسا کہ ذکر ہو چکا کہ امام بخاریؒ اس حدیث کو دسیوں جگہ ذکر فرمائیں گے۔ دوسرے یہ کہ استاذ تشحیذ اذہان

کے طور پر کوئی مسئلہ پیش کرنا چاہے تو کرسکتا ہے۔ اس میں کوئی مضائقہ نہیں تیسرا قول یہ ہے کہ ابوداؤد شریف کی روایت ہے نھی النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن الاغلوطات تو بظاہر روایت سے ایہام ہوتا تھا کہ بطور اختبار کے استاد تلامذہ سے سوال نہ کرے تو امام بخاریؒ نے جواز ثابت کردیا۔ اب رہا یہ کہ ابوداؤد کی روایت میں جو اغلوطہ کی ممانعت ہے اس سے مراد یہ ہے کہ کوئی مسئلہ اگر مفتی سے دریافت کرنا ہو تو توڑ مروڑ کر غلط کرکے نہ پوچھے البتہ یہ ناجائز ہے۔

باب اَلْقِرَآءَةِ وَالْعَرْضِ عَلَى الْمُحَدِّثِ وَرَاَى الْحَسَنُ وَالثَّوْرِيُّ وَمَالِكٌ الْقِرَآءَةَ جَائِزَةً وَاحْتَجَّ بَعْضُهُمْ فِي الْقِرَآءَةِ عَلَى الْعَالِمِ بِحَدِيْثِ ضِمَامِ بْنِ ثَعْلَبَةَ اَنَّهٗ قَالَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ آللّٰهُ اَمَرَكَ اَنْ تُصَلِّيَ الصَّلٰوةَ قَالَ نَعَمْ قَالَ فَهٰذِهٖ قِرَآءَةٌ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَخْبَرَ ضِمَامٌ قَوْمَهٗ بِذٰلِكَ فَاَجَازُوْهُ وَاحْتَجَّ مَالِكٌ بِالصَّكِّ يُقْرَاُ عَلَى الْقَوْمِ فَيَقُوْلُوْنَ اَشْهَدَنَا فُلَانٌ وَيُقْرَاُ عَلَى الْمُقْرِئِ فَيَقُوْلُ الْقَارِئُ اَقْرَأَنِيْ فُلَانٌ۔

ترجمہ، محدث پر پڑھنا اور پیش کرنے کے باب میں اور حضرت حسن بصریؒ اور سفیان ثوری رحمہا اللہ اور امام مالکؒ قرأۃ کو جائز قرار دیتے ہیں اور بعض نے عالم پر قرأت کرنے کو حضرت ضمام بن ثعلبہؓ کی حدیث سے ثابت کیا ہے کہ انہوں نے حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کیا اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو حکم دیا ہے کہ ہم لوگ نماز پڑھا کریں آپؐ نے فرمایا ہاں تو فرمایا کہ یہی قرأۃ علی النبی صلعم ہے اور پھر حضرت ضمام نے اپنی قوم کو اس کی خبر دی تو انہوں نے اس کو جائز قرار دیا۔ اور امام مالکؒ نے اقرار نامہ سے استدلال کیا جس کو قوم پر پڑھا جاتا ہے تو وہ گواہ کہتے ہیں کہ فلاں نے ہمیں گواہ بنایا۔ اور مقری استاد پر پڑھا جاتا ہے تو قاری کہتا ہے۔ کہ مجھے فلاں نے پڑھایا۔

حدیث نمبر ۶۱ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سَلَامٍ الخ عَنِ الْحَسَنِ قَالَ لَا بَأْسَ بِالْقِرَآءَةِ عَلَى الْعَالِمِ

ترجمہ، کہ حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں۔ کہ عالم پر قرأۃ کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ عَنْ سُفْيَانَ قَالَ اِذَا قَرَأَ عَلَى الْمُحَدِّثِ فَلَا بَأْسَ اَنْ يَّقُوْلَ حَدَّثَنِيْ قَالَ وَسَمِعْتُ اَبَا عَاصِمٍ يَقُوْلُ عَنْ مَالِكٍ وَسُفْيَانَ اَلْقِرَآءَةُ عَلَى الْعَالِمِ وَقِرَآءَتُهٗ سَوَآءٌ۔

ترجمہ، حضرت سفیانؒ فرماتے ہیں کہ جب کوئی شخص محدث پر قرأۃ کرے تو اس میں کوئی حرج نہیں کہ

یہ کہے کہ مجھے فلاں نے حدیث سنائی ۔ اور فرمایا کہ میں نے ابو عاصم سے سنا وہ فرماتے تھے کہ امام مالک اور سفیان ثوری دونوں نے فرمایا کہ کسی کا عالم پر قرأۃ کرنا یا عالم کا خود قرأۃ کرنا دونوں برابر ہیں ۔

حدیث نمبر ۶۲ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ الخ أَنَّهُ سَمِعَ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ يَقُولُ بَيْنَمَا نَحْنُ جُلُوسٌ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْمَسْجِدِ دَخَلَ رَجُلٌ عَلَى جَمَلٍ فَأَنَاخَهُ فِي الْمَسْجِدِ ثُمَّ عَقَلَهُ ثُمَّ قَالَ أَيُّكُمْ مُحَمَّدٌ وَالنَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُتَّكِئٌ بَيْنَ ظَهْرَانَيْهِمْ فَقُلْنَا هٰذَا الرَّجُلُ الْأَبْيَضُ الْمُتَّكِئُ فَقَالَ لَهُ الرَّجُلُ يَا ابْنَ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ أَجَبْتُكَ فَقَالَ الرَّجُلُ إِنِّي سَائِلُكَ فَمُشَدِّدٌ عَلَيْكَ فِي الْمَسْأَلَةِ فَلَا تَجِدْ عَلَيَّ فِي نَفْسِكَ فَقَالَ سَلْ عَمَّا بَدَا لَكَ فَقَالَ أَسْأَلُكَ بِرَبِّكَ وَرَبِّ مَنْ قَبْلَكَ آللّٰهُ أَرْسَلَكَ إِلَى النَّاسِ كُلِّهِمْ فَقَالَ اللّٰهُمَّ نَعَمْ فَقَالَ أَنْشُدُكَ بِاللّٰهِ آللّٰهُ أَمَرَكَ أَنْ تُصَلِّيَ الصَّلَوٰتِ الْخَمْسَ فِي الْيَوْمِ وَاللَّيْلَةِ قَالَ اللّٰهُمَّ نَعَمْ قَالَ أَنْشُدُكَ بِاللّٰهِ آللّٰهُ أَمَرَكَ أَنْ تَصُومَ هٰذَا الشَّهْرَ مِنَ السَّنَةِ قَالَ اللّٰهُمَّ نَعَمْ قَالَ أَنْشُدُكَ بِاللّٰهِ آللّٰهُ أَمَرَكَ أَنْ تَأْخُذَ هٰذِهِ الصَّدَقَةَ مِنْ أَغْنِيَائِنَا فَتَقْسِمَهَا عَلَى فُقَرَائِنَا فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اللّٰهُمَّ نَعَمْ فَقَالَ الرَّجُلُ آمَنْتُ بِمَا جِئْتَ بِهِ وَأَنَا رَسُولُ مَنْ وَرَائِي مِنْ قَوْمِي وَأَنَا ضِمَامُ بْنُ ثَعْلَبَةَ أَخُو بَنِي سَعْدِ بْنِ بَكْرٍ رَوَاهُ مُوسٰى وَعَلِيُّ بْنُ عَبْدِ الْحَمِيدِ عَنْ سُلَيْمَانَ عَنْ ثَابِتٍ عَنْ أَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِهٰذَا ۔ الحديث

ترجمہ ؛ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ دریں اثنا کہ ہم مسجد نبوی میں جناب نبی اکرم صلعم کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک آدمی اونٹ پر سوار داخل ہوا اور اس نے مسجد میں اونٹ بٹھلا دیا اور پھر اسے باندھ دیا ۔ پھر اس نے لوگوں سے کہا کہ تم میں محمد صلعم کون ہے اور جناب نبی اکرم صلعم ہمارے درمیان تکیہ کے سہارے بیٹھے ہوئے تھے ۔ تو ہم نے کہا کہ یہ آدمی جو سفید رنگ والا اور تکیہ لگائے بیٹھا ہے یہی محمد صلعم ہے تو اس آدمی نے حضور انور صلعم سے کہا کہ اے عبد المطلب کے بیٹے آپ نے فرمایا میں تجھے جواب دے رہا ہوں ۔ تو اس آدمی نے کہا کہ میں آپ سے سوال کروں گا اور سوال کرنے میں آپ پر سختی کروں گا ۔ آپ اپنے جی میں میرے اوپر ناراض نہ ہونا آپ نے فرمایا جو مرضی آئے پوچھو تو اس نے کہا کہ میں تیرے رب اور تیرے سے پہلے جتنے لوگ گزرے ان کے رب کی قسم کھا کر تجھ سے پوچھتا ہوں کہ کیا تمام لوگوں کی طرف اللہ تعالیٰ نے آپ کو

نبی و رسول بنا کر بھیجا ہے آپ نے فرمایا ہاں اللہ ہی نے پھر اس نے کہا کہ میں آپ اللہ تعالیٰ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں۔ کہ کیا اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا ہے کہ آپ دن اور رات میں پانچ نمازیں پڑھا کریں آپ نے فرمایا ہاں پھر اس نے کہا کہ میں آپ کو اللہ تعالیٰ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ کیا اللہ تعالیٰ نے آپ کو سال میں سے اس ایک مہینے کے روزے رکھنے کا حکم دیا ہے۔ آپ نے فرمایا ہاں پھر اس نے کہا کہ میں آپ کو اللہ تعالیٰ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ کیا اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا ہے کہ آپ ہمارے اغنیا سے یہ صدقہ لے کر ہمارے فقراء پر تقسیم کریں نبی اکرم صلعم نے فرمایا کہ ہاں پھر اس آدمی نے کہا کہ جو کچھ آپ لاتے ہیں میں اس پر ایمان لے آیا۔ میں اپنے قوم کے ان لوگوں کا نمائندہ ہوں جو میرے پیچھے رہ گئے ہیں، میرا نام ضمام بن ثعلبہ ہے۔ بنو سعد بن بکر کا بھائی ہے۔

تشریح از شیخ مدنیؒ آپ پر جو احکام نازل ہوتے تھے ان کو آپ خود صحابہ کرام پر القار کرتے تھے۔ تو یہ قرأۃ الشیخ علی التلمیذ ہوئی لیکن قرأۃ التلمیذ علی الشیخ ثابت نہ ہوئی۔ اس لئے بعض لوگوں کو شبہ ہوا کہ اخبار کا طریقہ بدعت ہے صرف وہی تحدیث جائز ہو۔ تو امام بخاریؒ اخبار کے جواز کو ثابت فرماتے ہیں چنانچہ قاری بھی اپنے معلومات کو شیخ پر پیش کرتا ہے۔ یہ حقیقۃً عرض ہے تو معلوم ہوا کہ قرأۃ المحدث بھی جائز ہے جیسے ضمام بن ثعلبہؓ کی روایت اس پر دلالت کرتی ہے اور شہادۃ علی الشہادہ کی صورت میں اقرار نامہ وہ شخص خود نہیں پڑھتا بلکہ مقری پڑھتا ہے۔ اور مقر نے اقرار کیا۔ تو ان لوگوں کی قرأۃ قرأۃ التلمیذ علی المحدث ہوئی۔ اور ان کا اَشْهَدَنَا فلان کہنا صحیح ہو گا۔ امام مالکؒ اس سے استدلال کرتے ہیں۔

هذا الرجل الابيض الخ یہاں ابیض کا اثبات ہے شمائل میں اس کی نفی ہے۔ مگر وہاں ابیض کی نفی ہے سمرۃ اس بیاض کو کہتے ہیں جو دوسرے رنگ سے مخلوط ہو۔ مشہور یہ ہے کہ سمرۃ گندم گونی رنگ کو کہتے ہیں۔ یا ابن عبد المطلب یہ تربیت کی وجہ سے ہے۔ کہ انہوں نے آنحضرت صلعم کی تربیت کی تھی یا چونکہ عبد المطلب کے خواب کی آپ تعبیر تھے۔ اس لئے ان کی طرف نسبت کر دی قَدْ اَجَبْتُكَ صیغہ ماضی ہے اور معنی میں انشاء کے ہے۔

از شیخ زکریاؒ اس باب میں امام بخاریؒ نے دو چیزیں ذکر فرمائی ہیں۔ ایک قرأۃ علی المحدث جس کا مطلب یہ ہے کہ شاگرد پڑھے اور استاد سماعت کرے یہ تو وہی ہے جو اخبرنا کے اندر ہے مگر اس کو خاص طور سے مستقل باب میں اس لئے ذکر فرمایا کہ سلف کی ایک جماعت کی رائے یہ ہے کہ ایسا کرنا جائز نہیں کہ شاگرد پڑھے اور استاد سُنے تو اس باب سے ان لوگوں کا رد کیا۔ جمہور کی طرف سے ان کے استدلال کا جواب یہ ہے کہ

وہاں چونکہ شاگردوں کو ان احکام کا علم نہیں ہوتا تھا اس لئے آپ خود ہی سنایا کرتے تھے۔ لہٰذا اس سے استدلال مشکل ہے۔ دوسری چیز عرض علی المحدث ہے وہ یہ کہ استاد اپنی کتاب دیدے اور شاگرد نقل کرکے استاذ سے مقابلہ کرے، حافظ ابن حجرؒ کی رائے یہ ہے کہ قرأۃ علی المحدث اور عرض علی المحدث میں عموم وخصوص مطلق کی نسبت ہے۔ اوّل عام ہے چاہے اپنی کتاب ہو یا غیر کی، مطبوعہ ہو یا غیر مطبوعہ۔ اور عرض کے لئے ضروری ہے کہ وہ کتاب اپنی ہو۔ یا اپنے ہاتھ سے لکھی ہوئی ہو۔ مگر میری رائے یہ ہے کہ ان دونوں کے درمیان عموم وخصوص کی نسبت نہیں۔ بلکہ یہ دونوں چیزیں الگ الگ ہیں۔ لہٰذا عرض سے مراد عرض اصطلاحی نہیں بلکہ استاد کے سامنے ایک تو پڑھنا ہے۔ وہ تو قرأۃ علی المحدث ہے اور وہ جو سنتے ہیں وہ کیا ہے ہمارے نزدیک امام بخاریؒ نے تبلادیا کہ یہ عرض علی المحدث ہے واحتج بعضھم اس حدیث ضمام بن ثعلبہ سے استدلال اس طرح ہے کہ حضرت ضمام بن ثعلبہؓ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آللّٰہ اَمَرَکَ بھذا کہتے جاتے تھے۔ اور حضور اقدس صلعم صرف اللّٰھم نعم فرماتے جاتے تھے۔ جیسے شاگرد پڑھتا جائے اور استاذ ہاں ہاں کرتا رہے واحتج مالک بالصک امام بخاریؒ اس کو بھی بطور دلیل کے پیش فرماتے ہیں۔ کہ دستاویز پر ایک شخص کا بیان لکھا جاتا ہے۔ اور اس پر بہت سے لوگ دستخط کر دیتے ہیں اور کہتے ہیں اشھدنا فلان ایسے ہی اگر کوئی کسی سے قرآن شریف پڑھے تو وہ کہتا ہے کہ اقرأنی فلان یعنی فلاں شخص نے مجھ کو قرآن پڑھایا ہے۔ حالانکہ اس شخص نے نہیں پڑھایا بلکہ تو نے خود پڑھا ہے لیکن جیسے وہاں نسبت استاذ کی طرف ہوتی ہے۔ باوجود شاگرد کے پڑھنے کے ایسے ہی حدیث میں بھی جائز ہے کہ استاذ کی طرف نسبت کرکے شاگرد پڑھے۔ دخل رجل یہ رجل حضرت ضمام بن ثعلبہ ہیں۔

ثم قال لھم ایکم محمد الخ اس نے حضور اکرم صلعم کو پہچانا نہیں اس لئے کہ آپ اپنے اصحاب سے مل کر بیٹھتے تھے کوئی امتیاز نہیں فرماتے تھے۔ یہی ہمارے مشائخ کا طریقہ تھا اس زمانہ کی طرح نہیں کہ ممتاز جگہ پر بیٹھیں، رہا یہ کہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور اقدس صلعم تکیہ لگائے بیٹھے تھے تو ممکن ہے کہ کسی عذر کی وجہ سے لگایا ہوا ہو اور پھر تکیہ لگانے سے کوئی امتیاز بھی تو نہیں ہوتا بالخصوص جب کہ آدمی مل کر بیٹھا ہوا ہو۔ بین ظھرانیھم شراح کرام اس لفظ کے متعلق لکھتے ہیں کہ ھذا مقحم یعنی یہ لفظ زائد ہے۔ لیکن میرے والد صاحب نور اللہ مرقدہ کی رائے یہ ہے کہ اس لفظ کو زائد قرار دینے کی ضرورت نہیں۔ بلکہ یہ بہت بامعنی لفظ ہے۔ کیونکہ جب ایک آدمی درمیان میں ہوتا ہے۔ اور چاروں طرف

آدمی حلقہ بنائے ہوئے بیٹھے ہوں۔ تو اس حلقہ کی ایک تو سطح ظاہری ہے اور سطح باطنی۔ باطنی تو ان لوگوں کے چہرے ہیں۔ اوران لوگوں کی سطح ظاہری ان کی پشتیں ہیں۔ تو بین ظھرانیھم سے ان کی سطح ظاہری کی طرف اشارہ ہے کہ ہم لوگ حلقہ بنائے ہوئے بیٹھے تھے۔

یا ابن عبد المطلب اس آنے والے آدمی نے یا ابن عبد المطلب سے حضور اکرم صلعم کو خطاب کیا اور بعض روایات میں ہے کہ اس نے یا محمد کہا ممکن ہے اولاً یا محمد کہا ہو۔ اور پھر یا ابن عبد المطلب کہا ہو اور چونکہ عرب میں عام طور پر دادا کی طرف نسبت ہوتی ہے۔ اس میں کوئی استعجاب بھی نہیں۔ قد اجبتك سائل کے سوال کے جواب میں آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ میں تجھ کو جواب دے چکا۔ سوال یہ ہے کہ ابھی حضور انور صلعم نے جواب کہاں دیا۔ کیونکہ ابھی اس نے صرف نام ہی پکارا ہے۔ شراح کے نزدیک یہاں اَجَبْتُ بمعنی سَمِعْتُ کے ہے۔ یا اجابت سے مراد انشاً اجابت ہے۔ بعض شراح یہ بھی کہتے ہیں کہ اس نے آداب مجلس اختیار نہیں کئے تھے۔ اور بجائے یا رسول اللہ کے یا ابن عبد المطلب کہا۔ آپؐ نے بھی اسی طرح جواب دے دیا۔ اور میری رائے یہ ہے کہ ابتداً جب اس نے ایکم محمد کہا۔ تو حضور پاک صلعم نے فرمایا کہ کیا ہے اور ساتھ ساتھ صحابہ کرام نے بھی تبلا دیا۔ کہ محمد صلعم یہ ہیں۔ تو اس نے پھر دوبارہ کہا یا ابن عبد المطلب اس پر آمنے سامنے فرمایا کہ میں تجھ کو پہلے ہی جواب دے چکا ہوں۔ تو گویا اس صورت میں یہ کلمہ تنبیہہ نہیں ہے بلکہ اس سے اجابت حقیقی مراد ہے

فمشددٌ علیك یعنی میں مسائل سختی سے اور کھول کھول کر پوچھوں گا۔ ناراض مت ہونا۔

حدیث نمبر ۶۳ حَدَّثَنَا مُوْسَى بْنُ اِسْمٰعِيْلَ الخ عَنْ اَنَسٍ قَالَ نُهِيْنَا فِي الْقُرْاٰنِ اَنْ نَّسْئَلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكَانَ يُعْجِبُنَا اَنْ يَّجِيْئَ الرَّجُلُ مِنْ اَهْلِ الْبَادِيَةِ فَيَسْئَلُهٗ وَنَحْنُ نَسْمَعُ فَجَآءَ رَجُلٌ مِّنْ اَهْلِ الْبَادِيَةِ فَقَالَ اَتَانَا رَسُوْلُكَ فَاَخْبَرَنَا اَنَّكَ تَزْعَمُ اَنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ اَرْسَلَكَ قَالَ صَدَقَ فَقَالَ فَمَنْ خَلَقَ السَّمَآءَ قَالَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ قَالَ فَمَنْ خَلَقَ الْاَرْضَ وَالْجِبَالَ قَالَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ قَالَ فَمَنْ جَعَلَ فِيْهَا الْمَنَافِعَ قَالَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ قَالَ فَبِالَّذِيْ خَلَقَ السَّمَآءَ وَخَلَقَ الْاَرْضَ وَنَصَبَ الْجِبَالَ وَجَعَلَ فِيْهَا الْمَنَافِعَ آللّٰهُ اَرْسَلَكَ قَالَ نَعَمْ قَالَ زَعَمَ رَسُوْلُكَ اَنَّ عَلَيْنَا خَمْسَ صَلَوَاتٍ وَّزَكٰوةً فِيْ اَمْوَالِنَا قَالَ صَدَقَ قَالَ بِالَّذِيْ اَرْسَلَكَ آللّٰهُ اَمَرَكَ بِهٰذَا قَالَ نَعَمْ قَالَ وَزَعَمَ رَسُوْلُكَ اَنَّ عَلَيْنَا صَوْمَ شَهْرٍ فِيْ سَنَتِنَا قَالَ صَدَقَ قَالَ فَبِالَّذِيْ اَرْسَلَكَ آللّٰهُ اَمَرَكَ

بِهٰذَا قَالَ نَعَمْ قَالَ وَزَعَمَ رَسُوْلُكَ اَنَّ عَلَيْنَا حَجَّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا
قَالَ صَدَقَ قَالَ فَبِالَّذِيْ اَرْسَلَكَ آللّٰهُ اَمَرَكَ بِهٰذَا قَالَ نَعَمْ قَالَ فَوَالَّذِيْ بَعَثَكَ
بِالْحَقِّ لَا اَزِيْدُ عَلَيْهِنَّ شَيْئًا وَّلَا اَنْقُصُ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنْ
صَدَقَ لَيَدْخُلَنَّ الْجَنَّةَ (الحدیث)

ترجمہ، حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ ہمیں قرآن میں آنحضرت نبی اکرم صلعم سے سوال کرنے سے روکا گیا۔ تو ہمیں یہ بات پسند تھی کہ کوئی دیہاتی آدمی سمجھ دار آتا وہ حضور صلعم سے سوال کرتا اور ہم سنتے۔ چنانچہ ایک دیہاتی آدمی آگیا۔ وہ کہنے لگا کہ آپؐ کا قاصد نمائندہ ہمارے پاس پہنچا ہے جس نے ہمیں خبر دی ہے کہ آپؐ فرماتے ہیں کہ مجھے اللہ بلند و برتر نے رسول بنا کر بھیجا ہے۔ فرمایا اس نے سچ کہا۔ تو اس نے کہا کہ پھر اس آسمان کو کس نے پیدا کیا۔ فرمایا اللہ بلند و برتر نے پھر پوچھا زمین اور پہاڑوں کو کس نے پیدا کیا۔ آپؐ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے، پھر پوچھا کہ ان کے اندر منافع کس نے رکھے ہیں۔ فرمایا اللہ بلند و برتر نے تو اس نے کہا کہ قسم ہے اس اللہ تعالیٰ کی جس نے آسمان کو پیدا کیا اور جس نے زمین بنائی اور پہاڑوں کو گاڑا اور ان میں منافع رکھے کیا اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو نبی بنا کر بھیجا ہے۔ فرمایا ہاں فرمایا آپؐ کا نمائندہ یہ بھی کہتا ہے کہ ہمارے اوپر پانچ نمازیں اور ہمارے موال میں زکوٰۃ فرض ہے۔ فرمایا اس نے سچ کہا فرمایا قسم ہے اس اللہ تعالیٰ کی جس نے آپؐ کو رسول بنا کر بھیجا کیا ان چیزوں کا اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا ہے فرمایا ہاں پھر کہا کہ آپؐ کا نمائندہ یہ بھی کہتا ہے کہ ہمارے سال میں اس ایک مہینہ کے روزے ہم پر فرض ہیں فرمایا سچ کہا، فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس نے آپؐ کو رسول بنا کر بھیجا کیا اللہ تعالیٰ نے ان امور کا آپؐ کو حکم دیا ہے فرمایا ہاں کہا کہ آپؐ کا نمائندہ یہ بھی کہتا ہے کہ ہم میں سے ہر اس شخص پر حج بیت اللہ کا فرض ہے جو اس کی طرف رستے کی طاقت رکھتا ہے۔ فرمایا سچ کہا۔ اس نے کہا قسم ہے اس ذات کی جس نے آپؐ کو رسول بنا کر بھیجا کیا اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو اس کا حکم دیا ہے۔ فرمایا ہاں اس نے کہا پس قسم ہے اس ذات کی جس نے آپؐ کو حق دے کر بھیجا ہے میں ان احکام پر نہ تو کوئی چیز زائد کروں گا اور نہ ان میں کمی کروں گا۔ اس پر جناب نبی اکرم صلعم نے فرمایا کہ اگر اس شخص نے سچ کہا تو ضرور بالضرور جنت میں داخل ہوگا۔

تشریح از شیخ زکریاؒ نهينا في القرآن اس سے مراد قرآن شریف کی آیت کریمہ لا تسئلوا عن اشياء ان تبد لكم تسؤكم ہے رجلٌ سے وہی ضمام بن ثعلبہ مراد ہیں۔ اتانا رسولك یعنی جس

کو آپ نے تبلیغ کے واسطے روانہ فرمایا تھا لا نزید علیھن شیئًا الخ یعنی تبلیغ میں کمی بیشی نہیں کروں گا کیونکہ یہ مبلغ تھے۔ امام بخاریؒ نے اس باب میں ایک ہی مضمون کی دو روایات ذکر فرمائی ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ روایات میں کہیں اختصار ہوتا ہے کہیں زیادتی اور ایسا ہونا قرین قیاس بھی ہے۔ اس لئے امام بخاریؒ نے دوسری روایت تکمیل کے لئے ذکر فرمائی کیونکہ اس میں بعض الفاظ ایسے ہیں جو پہلی روایت میں نہیں تھے۔

باب مَا يُذْكَرُ فِي الْمُنَاوَلَةِ وَكِتَابِ أَهْلِ الْعِلْمِ إِلَى الْبُلْدَانِ وَقَالَ أَنَسٌ نَسَخَ عُثْمَانُ الْمَصَاحِفَ فَبَعَثَ بِهَا إِلَى الْآفَاقِ وَرَأَى عَبْدُ اللهِ بْنُ عُمَرَ وَيَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ وَمَالِكٌ ذٰلِكَ جَائِزًا وَاحْتَجَّ بَعْضُ أَهْلِ الْحِجَازِ فِي الْمُنَاوَلَةِ بِحَدِيثِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَيْثُ كَتَبَ لِأَمِيرِ السَّرِيَّةِ كِتَابًا وَقَالَ لَا تَقْرَأْهُ حَتَّى تَبْلُغَ مَكَانَ كَذَا وَكَذَا فَلَمَّا بَلَغَ ذٰلِكَ الْمَكَانَ قَرَأَهُ عَلَى النَّاسِ وَأَخْبَرَهُمْ بِأَمْرِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

ترجمہ، مناولۃ کے بارے میں جو کچھ ذکر کیا جاتا ہے۔ مناولۃ یہ کہ اہل علم، علم کی کوئی چیز لکھ کر شہروں میں بھیج دے۔ اور حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے قرآن مجید کے نسخہ لکھوا کر اطراف عالم میں بھجوا دیئے اور حضرت عبداللہ بن عمر یحییٰ بن سعید اور امام مالکؒ یہ سب حضرات اس کو جائز سمجھتے ہیں۔ اور بعض اہل حجاز نے مناولۃ کے بارے میں آنحضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک لشکر کے امیر کو ایک خط لکھا اور اس کو فرمایا کہ اس خط کو کھول کر اس وقت تک نہ پڑھنا جب تک فلاں فلاں مقام تک نہ پہنچ جائیں تو جب وہ اس مقام تک پہنچے تو انہوں نے وہ خط لوگوں پر پڑھا اور آنحضرت نبی اکرم صلعم کے حکم کی ان کو خبر دی

حدیث نمبر ۶۴ حَدَّثَنَا إِسْمٰعِيلُ بْنُ عَبْدِ اللهِ الخ أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ عَبَّاسٍ أَخْبَرَهُ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعَثَ بِكِتَابِهِ رَجُلًا وَأَمَرَهُ أَنْ يَدْفَعَهُ إِلَى عَظِيمِ الْبَحْرَيْنِ فَدَفَعَهُ عَظِيمُ الْبَحْرَيْنِ إِلَى كِسْرٰى فَلَمَّا قَرَأَهُ مَزَّقَهُ فَحَسِبْتُ أَنَّ ابْنَ الْمُسَيَّبِ قَالَ فَدَعَا عَلَيْهِمْ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يُمَزَّقُوا كُلَّ مُمَزَّقٍ۔

ترجمہ، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ خبر دیتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلعم نے اپنا والا نامہ دے کر بھیجا اور حکم دیا کہ یہ خط بحرین کے گورنر تک پہنچاؤ تاکہ وہ عظیم البحرین کسریٰ بادشاہ فارس تک پہنچائے پس جب اس خط کو کسریٰ نے پڑھا تو اس کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے پھینک دیا۔ میرا گمان ہے کہ حضرت ابن مسیبؒ نے یہ بھی فرمایا جناب رسول اللہ صلعم نے ان کے بارے میں بد دعا کی کہ خدا کرے وہ بالکل ٹکڑے ٹکڑے

ہو جائیں۔

تشریح از شیخ مدنیؒ وجوہِ تحمل روایت میں جیسے تحدیث و قرأۃ تھی ایسے مناولۃ بھی ہے کہ شیخ ایک کتاب لکھ کر اپنے تلمیذ کو دے۔ کہ کہے کہ تار دبہ عنی تو اس صورت میں متاخرین کا انبأنا کہنا صحیح ہوگا۔ اور ایسے کتاب اہل العلم یعنی پوری احادیث تو نہ ہوں البتہ چند احادیث ایک خط میں لکھ دی جائیں ان دونو کے جواز کو امام بخاریؒ ثابت فرما رہے ہیں۔ کہ اجازت کے وقت اس شیخ سے روایت کی جا سکتی ہے۔ چنانچہ قرآن مجید کا نزول سبع احرف پر ہوا لغات سے محاورات عرب مراد ہیں۔ اور آسانی کی خاطر آپؐ نے دعا فرمائی تھی۔ اجازت تو مل گئی لیکن جب آرمینیہ میں اس پر اختلاف ہوا تو حضرت حذیفہ بن یمان گھبرائے ہوئے آئے اور خلیفہ ثالث حضرت عثمانؓ کو اس کا احساس دلایا۔ تو خلیفہ ثالثؓ نے قرآن مجید کی آیات جمع کر کے اس ترتیب پر لکھوایا کہ آیات کی ترتیب میں تو کوئی تصرف نہ کیا گیا۔ البتہ سورتوں کی ترتیب میں تقدیم و تاخیر سے کام لیا گیا۔ اور قرآن مجید کو لغت قریش پر جمع کر دیا گیا۔ آپؐ کی دعا ایک وقت تک باقی رہی تو جیسے تالیف قلوب کے لئے پہلے سہم تھا۔ لیکن اب انتہا حکو یا انتہاء علت کے مطابق کیا گیا۔ ایسے یہاں بھی بڈھوں کی زبان نہ بدلی جا سکتی تھی۔ بچوں کی زبان بآسانی بدلی جا سکتی ہے۔ عہد نبوی میں اختلاف کا خطرہ نہ تھا۔ بعد میں اس میں اختلاف پیدا ہو گیا تو حضرت عثمانؓ نے پانچ چھ قرآن مجید کے نسخے لکھوا کر آفاق میں بھیج دیئے اگر اس مناولۃ کا اعتبار نہیں ہے تو پھر یہ مناولۃ آفاق میں کیسے جائز ہو گئی۔

روایت میں کسریٰ بادشاہ فارس کا ذکر ہے۔ اگرچہ آپؐ کے عہد میں کسریٰ نوشیرواں نہیں تھا البتہ اس کا پوتا پرویز تھا جس کی طرف آپؐ نے خط تحریر فرمایا۔ ابتداء میں آپؐ نے اپنا نام لکھا اور بعد میں مکتوب الیہ کا۔ جس پر اس کو غصہ آیا۔ اپنی عظمت کے گھمنڈ میں آپؐ کا خط پھاڑ دیا جس پر آپؐ نے بددعا فرمائی۔ ہرقل اور مقوقس نے آپؐ کے والا نامہ کو پھاڑا نہیں تھا۔ اسلام نہیں لائے پھر بھی ان کی سلطنت باقی رہی۔ پرویز نے آپؐ کا خط پھاڑا تو پرویز کو اس کے بیٹے شیرویہ نے پیٹ چاک کر کے مار ڈالا۔ جب پرویز کو اپنے ہلاک ہونے کا احساس ہوا۔ تو اس نے ایک ڈبیہ میں زہر بند کر کے اس پر لکھ دیا کہ یہ قوت باہ کی دوا ہے۔ شیرویہ عیش پرست تھا۔ خزانہ کی تلاش پر اس ڈبیہ کو پایا اور کھاتے ہی مر گیا۔ پھر ایک عورت ملکہ بنی۔ غرضیکہ چودہ بادشاہ یکے بعد دیگرے قتل ہوئے۔ اس طرح یہ ملک فارس عہد فاروقی میں فتح ہو کر سلطنت اسلامی میں شامل ہوا۔ اور شاہانِ فارس کا نام و نشان تک باقی نہ رہا۔ قیصر روم کا اثر باقی رہا۔

از شیخ زکریا مناولۃ کے معنی ہیں کہ استاذ اپنی کتاب شاگرد کو دیدے اور اسے کہہ دے کہ میری اس کتاب سے تجھ کو روایت کرنے کی اجازت ہے۔ یہ صورت جائز ہے۔ چونکہ اس کے قریب قریب کتاب ہل العلو بالعلم الی البلدان ہے۔ اس لئے ایک ہی باب میں دونوں کو جمع کر دیا۔ اور اس کی صورت یہ ہے کہ شیخ کسی کے پاس اپنی روایات لکھ کر بھیجے اس صورت میں روایت کرنا جائز ہے۔ حضرات محدثین کے ہاں ان دونوں میں سہولت ہے۔ لیکن حضرت امام ابوحنیفہ رح کے نزدیک کتاب اہل العلم میں تنگی ہے امام صاحبؒ کا مسلک اس میں وہی ہے جو کتاب القاضی الی القاضی میں ہوتا ہے یعنی دو گواہوں کا ساتھ ہونا ضروری ہے۔ کہ وہ اس بات کی گواہی دیں کہ یہ فلاں قاضی کا خط ہے۔ اور ہمارے سامنے اس نے لکھا ہے۔ اور یہ شرطیں اس وجہ سے ہیں کہ الخط یشبہ الخط انہی شرائط کی بنا پر امام صاحبؒ کی روایات کم ہیں۔ کیونکہ یہ شرطیں اور محدثین کے اعتبار سے سخت ہیں و نسخ عثمان المصاحف قرآن پاک تین مرتبہ جمع کیا گیا۔ اوّلاً حضور اکرم صلعم کے زمانے میں پھر حضرت ابوبکر صدیق رض اور حضرت عمر رض کے دور میں امام بخاریؒ اس سے کتاب اہل العلم بالعلم کے معتبر ہونے پر استدلال کرتے ہیں۔ کیونکہ حضرت عثمان رض نے حضرت حفصہ رض سے قرآن منگوا کر اس کی نقول تمام اطراف میں روانہ کی تھیں اور یہاں اشتراط شاہدین وغیرہ کوئی نہیں تھا۔

حیث کتب لامیر السریۃ امام بخاریؒ پھر کتاب اہل العلم بالعلم کو ثابت فرما رہے ہیں اور اس کا معتبر ہونا بتلاتے ہیں۔ اس سریہ کا واقعہ یہ ہوا تھا کہ ۲ھ میں حضرت عبداللہ بن جحش رض کو حضور پاک صلعم نے ایک سریہ کا امیر بنا کر بھیجا اور ان کو خط دے کر فرمایا کہ جب تم مدینہ سے دو منزل دور ہو جاؤ۔ تو اس خط کو کھول کر سنا دینا اس خط میں یہ تحریر تھا کہ ایک مقام جس کا نام بطن نخلہ ہے۔ وہاں تم لوگ چلے جاؤ اور قریش کی خبر کی تحقیق کر کے لاؤ۔ اس خط کو حضور پاک صلعم نے مدینہ سے باہر کھولنے کا حکم اس لئے دیا تھا کہ مدینہ میں جاسوس اور منافقین کثرت سے تھے۔ اگر خط کا مضمون مدینہ پاک میں معلوم ہو جاتا تو منافقین بطن نخلہ جا کر اس سریہ کی آمد کی اطلاع پہلے ہی کر دیتے کہ تمہاری تلاش میں سریہ آ رہا ہے۔ اور وہ لوگ چوکنا ہو کر مقابلہ کی تیاری شروع کر دیتے۔ حالانکہ ان حضرات کو صرف تحقیق کرنی مقصود تھی لڑنا مقصود نہیں تھا۔ الغرض عبداللہ بن جحش رض نے وہ خط کھول کر سنایا تو ان لوگوں نے اس خط کو مانا اور اس کا اعتبار کیا اس سے پتہ چلا کہ کتاب العلم بالعلم صحیح اور معتبر ہے۔

وامرہ ان یدفعہ الی عظیم البحرین جس طرح حضور اکرم صلعم نے صلح حدیبیہ کے بعد قیصر کے پاس والانامہ ارسال فرمایا تھا اسی طرح اور بادشاہوں کو بھی خطوط لکھے تھے ایک خط کسریٰ کے پاس بھی روانہ کیا گیا

تھا۔ ہر ایک نے حضور اقدس صلعم کے والا نامہ کے ساتھ الگ الگ معاملہ کیا بعض تو فوراً مسلمان ہو گئے بعض نے نہایت احترام کیا جیسے ہرقل نے اس والا نامے کو چاندی کی نلکی میں بند کر کے ہاتھی دانت کے ڈبہ میں رکھا اور پھر اپنے خزانہ میں محفوظ کرا دیا۔ اس کے بالمقابل کسریٰ نے والا نامے کے ساتھ سخت بے ادبی کی۔ اس کو پھاڑ ڈالا تو حضور اقدس صلعم کو جب اس کا علم ہوا۔ تو آپؐ نے بددعا دی اس نے کچھ لوگوں سے مل کر باپ کو زخمی کر دیا۔ خود زہر کی پڑیا سے مارا گیا۔ غرضیکہ یہ سلطنت پارہ پارہ ہو گئی

حدیث نمبر ۶۵ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مُقَاتِلِ الخ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ كَتَبَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كِتَابًا اَوْ اَرَادَ اَنْ يَكْتُبَ فَقِيْلَ لَهٗ اِنَّهُمْ لَا يَقْرَءُوْنَ كِتَابًا اِلَّا مَخْتُوْمًا فَاتَّخَذَ خَاتَمًا مِنْ فِضَّةٍ نَقْشُهٗ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ كَاَنِّيْ اَنْظُرُ اِلٰى بَيَاضِهٖ فِيْ يَدِهٖ فَقُلْتُ لِقَتَادَةَ مَنْ قَالَ نَقْشُهٗ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ قَالَ اَنَسٌ رض (الحدیث)

ترجمہ، حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلعم نے خط لکھا یا خط لکھنے کا ارادہ فرمایا تو آپؐ سے کہا گیا کہ یہ بادشاہ لوگ کسی خط کو اس وقت تک نہیں پڑھتے جب تک اس پر مہر لگی ہوئی نہ ہو تو آنحضرت صلعم نے ایک چاندی کی انگوٹھی بنوائی جس کا نقش محمد رسول اللہ تھا۔ گویا کہ میں ابھی اس کی سفیدی کو آپؐ کے ہاتھ میں دیکھ رہا ہوں۔ میں نے حضرت قتادہ سے کہا کہ آپؒ کو کس نے کہا کہ نقش محمد رسول اللہ تھا کہا انسؓ نے۔

فاتخذ خاتما من فضۃ الخ آنحضرت صلعم نے مہر لگانے کے لئے انگوٹھی بنوائی۔ اب یہ انگشتری چاندی یا سونے یا دونوں کی تھی۔ اس کے بعد سونے کی انگوٹھی پھینکی گئی یا چاندی کی۔ یہ سب باتیں باب الخاتم میں آئیں گی۔ البتہ اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ انگشتری چاندی کی تھی۔ یہی انگشتری حضرت ابوبکر صدیقؓ کے پاس رہی۔ پھر حضرت عمرؓ کے پاس اور پھر حضرت عثمانؓ کے پاس رہی حتیٰ کہ بیر اریس میں گر گئی یہ اتخاذ خاتمہ صلعم کا واقعہ اور انگوٹھی بنوانا بھی اسی وجہ سے تھا۔ تا کہ اس کی وجہ سے آپؐ کے خط کا اعتبار کیا جائے اگر خط کا اعتبار ہی نہ ہوتا تو خاتم بنوانے سے کیا فائدہ ہوتا۔ تو جملہ لا یقرؤن سے معلوم ہوا۔ کہ خطوط کا اعتبار کیا جاتا ہے۔ اگرچہ اس پر مہر نہ ہونے کی وجہ سے اعتماد نہ کیا جاتا ہو۔ اس مسئلہ میں محدثین کے ہاں وسعت ہے کانی وانظر الی بیاضہ قاعدہ یہ ہے کہ جب چاندی کے زیور نئے نئے بنتے ہیں تو ان میں چمک زیادہ ہوتی ہے۔ وہ انگوٹھی بھی بالکل نئی تھی۔ اس کی چمک ان کو اب تک یاد آ رہی ہے۔

باب مَنْ قَعَدَ حَيْثُ يَنْتَهِيْ بِهِ الْمَجْلِسُ وَمَنْ رَاٰى فُرْجَةً فِي الْحَلْقَةِ فَجَلَسَ فِيْهَا۔

باب یہ ہے کہ جہاں مجلس ختم ہو وہاں بیٹھنا چاہیے اور جو شخص حلقہ کے اندر کوئی گنجائش دیکھے تو اس حلقہ میں بیٹھ سکتا ہے۔

حدیث نمبر ۶۵ حَدَّثَنَا اِسْمَاعِیْلُ الخ عَنْ اَبِیْ وَاقِدٍ اللَّیْثِیِّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بَیْنَمَا ھُوَ جَالِسٌ فِی الْمَسْجِدِ وَالنَّاسُ مَعَہٗ اِذْ اَقْبَلَ ثَلٰثَۃُ نَفَرٍ فَاَقْبَلَ اثْنَانِ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَذَھَبَ وَاحِدٌ قَالَ فَوَقَفَا عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَاَمَّا اَحَدُھُمَا فَرَاٰی فُرْجَۃً فِی الْحَلْقَۃِ فَجَلَسَ فِیْھَا وَاَمَّا الْاٰخَرُ فَجَلَسَ خَلْفَھُمْ وَاَمَّا الثَّالِثُ فَاَدْبَرَ ذَاھِبًا فَلَمَّا فَرَغَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اَلَا اُخْبِرُکُمْ عَنِ النَّفَرِ الثَّلٰثَۃِ اَمَّا اَحَدُھُمْ فَاَوٰی اِلَی اللّٰہِ فَاٰوَاہُ اللّٰہُ وَاَمَّا الْاٰخَرُ فَاسْتَحْیٰی فَاسْتَحْیَی اللّٰہُ مِنْہُ وَاَمَّا الْاٰخَرُ فَاَعْرَضَ فَاَعْرَضَ اللّٰہُ عَنْہُ (الحدیث)

ترجمہ۔ حضرت ابو واقد اللیثی رضؓ سے مروی ہے کہ اس اثنا میں آنحضرت رسول اللہ صلعم مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے اور لوگ بھی آپ کے ساتھ تھے کہ اچانک تین آدمی آئے ان میں سے دو تو آنحضرت رسول اللہ صلعم کی خدمت میں چلے آئے ایک ان میں سے چلا گیا اور دو آنحضرت رسول اللہ صلعم کے پاس آکر ٹھہر گئے۔ پس ان میں سے ایک نے حلقہ کے اندر کچھ گنجائش وکشادگی دیکھی تو اس میں بیٹھ گیا۔ دوسرا ان سب کے پیچھے بیٹھ گیا اور تیسرا پیٹھ پھیر کر چلا گیا جب آنحضرت رسول اللہ صلعم فارغ ہوئے تو فرمایا کہ میں تمہیں ان تین آدمیوں کے بارے میں نہ بتلاؤں ان میں سے ایک نے تو اللہ تعالیٰ سے ٹھکانا مانگا اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم صلعم کی مجلس میں اسے ٹھکانا دے دیا دوسرے نے حضور صلعم کی مجلس سے چلے جانے سے شرم محسوس کی تو اللہ تعالیٰ نے بھی اس پر رحم فرمایا کہ اسے کوئی سزا نہ دی۔ تیسرے نے مجلس سے منہ پھیر لیا تو اللہ تعالیٰ نے بھی اس کو ٹھکانا دینے سے منہ پھیر لیا یعنی ناراض ہو گئے۔

تشریح از شیخ مدنیؒ معہ کی ضمیر کا مرجع من قعد ہے۔ اذا قبل الخ میں بعض نے اذ کو مفاجائیہ اور بعض نے اسے زائد کہا ہے۔

تشریح از شیخ زکریاؒ امام بخاریؒ نے اس باب میں طلب علم کے لئے استاذ کی مجلس میں حاضر ہونے کے دو آداب بتلائے ہیں۔ ایک یہ کہ اگر استاذ کی مجلس میں مجمع زیادہ ہو۔ تو جہاں جگہ ملے وہیں بیٹھ جائے اگر قریب بیٹھنے کی خواہش ہو۔ تو پہلے سے آیا کرے۔ اور دوسرا ادب یہ بتلایا ہے کہ اگر پہلے ہی بیٹھنے والے

اس طرح بیٹھے ہوں کہ اگلی صف میں یا بیچ میں جگہ خالی ہو تو پھاند کر آگے جا سکتا ہے۔ اگرچہ تخطی رقاب سے (گردن پھاند کر جانا) منع کیا گیا ہے مگر یہ اس لئے جائز ہے کہ پہلے سے بیٹھنے والوں نے ہی خود بے تمیزی کی، کہ آگے جگہ چھوڑ دی۔ تو معلوم ہوا کہ امام بخاریؒ دو مسئلے بتلا رہے ہیں۔ اگر لوگ بیٹھے ہوں درمیان میں جگہ خالی ہو۔ تو بعد میں آنے والا جہاں مجلس ختم ہوئی ہے وہاں بیٹھ جائے۔ اگر آگے جگہ خالی ہے۔ تو وہاں بیٹھ جاتے دونوں جائز ہیں اور یہی حال صفوف صلوٰۃ کا ہے۔ کہ اگر لوگ اگلی صف میں جگہ چھوڑ کر بیٹھیں تو آنے والے کو جائز ہے کہ ان کو پھاند کر خالی جگہ میں جا کر بیٹھ جائے۔ کہ انہوں نے خود کو ذلیل کیا، کیوں نہیں آگے جا کر بیٹھے اور اس بارے میں جو روایت امام بخاریؒ نے ذکر فرمائی ہے وہ یہ ہے کہ حضور اکرم صلعم ایک بار اپنے اصحاب کے درمیان تشریف فرما تھے اور کچھ گفتگو فرما رہے تھے۔ اس حال میں تین آدمی آئے ایک نے آگے جگہ خالی دیکھی وہاں بڑھ کر بیٹھ گیا، دوسرا وہیں مجلس کے ختم پر بیٹھ گیا۔ اور تیسرا چلا گیا۔ حضور اکرم صلعم جب گفتگو سے فارغ ہوتے۔ تو ہر ایک کے متعلق ایک ایک بات ارشاد فرمائی۔ ان میں سے ایک اللہ کی طرف جھکا اور اس کی طرف مائل ہوا۔ تو اللہ تعالیٰ نے اس کو جگہ دی۔ یعنی اسے ثواب عطا فرمایا دوسرے نے شرم کی اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے شرم کا معاملہ فرمایا اس جملے کے مطلب میں علماء کے دو قول ہیں۔ ایک تو یہ ہے کہ اول نے تو آگے مجلس میں جگہ دیکھی وہ تو وہاں بڑھ کر بیٹھ گیا۔ مگر اس کے دوسرے ساتھی کو اس کی شرم آئی کہ لوگوں کی گردنیں پھاند کر آگے جائے اس بنا پر وہ وہیں بیٹھ گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو بیٹھنے کا بھی ثواب عطا فرمایا کیونکہ اس نے بھی ایواء الی اللہ کیا اور حیا کا ثواب بھی کمایا۔ اس صورت میں یہ دوسرا اول سے بڑھ جائے گا۔ اور دوسرا مطلب یہ ہے کہ جی تو اس کا بھی چاہ رہا تھا کہ چلا جائے جس طرح تیسرا چلا گیا۔ مگر اس کو شرم آئی کہ حضور اکرم صلعم کیا فرمائیں گے۔ اور یہ صحابہ کرام کیا کہیں گے۔ اس لئے شرم کی وجہ سے وہ بھی بیٹھ گیا اس پر اللہ تعالیٰ کو بھی شرم آئی کہ وہ میرا بندہ تو شرم کر کے بیٹھ گیا میں تو اس سے زیادہ کریم ہوں۔ لہٰذا اسے ثواب دوں گا۔ اس صورت میں حدیث لا یشقیٰ جلیسھم کے تحت ہوگی۔ تو اللہ تعالیٰ نے اس کو اس شرم کا بدلہ عطا فرمایا۔ اس صورت میں یہ اول سے درجہ میں گھٹ جائے گا۔ اس لئے کہ پہلا آدمی تو برضا و رغبت خاطر بیٹھا۔ اور دوسرا صرف لوگوں کی شرم سے۔ اب شراح حدیث میں اختلاف ہو رہا ہے کہ ان دونوں آدمیوں میں سے کون سا افضل ہے۔ قاضی عیاض مالکیؒ فرماتے ہیں کہ جو شرما کر پیچھے بیٹھ گیا وہ افضل ہے۔ کیونکہ الحیاء شعبۃ من الایمان تو اس کے تحت آ کر وہ آگے جانے سے شرمایا۔ اور حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں، کہ جو آگے جا کر بیٹھا وہ افضل ہے۔ اس لئے کہ حاکم کی

روایت میں ہے کہ اس دوسرے نے مجلس سے چلنا شروع کر دیا مگر پھر شرما کر آبیٹھا۔ تیسرے نے اعراض کیا تو اللہ تعالیٰ نے بھی اس سے اعراض کیا کہ اپنی رحمت اس سے روک لی۔

بَاب قَوْلِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رُبَّ مُبَلَّغٍ اَوْعٰى مِنْ سَامِعٍ۔

ترجمہ، آنحضرت نبی اکرم کا فرمانا کہ بہت سے پہنچاتے ہوئے سننے والے سے زیادہ محفوظ کرنے والے ہوتے ہیں۔

حدیث نمبر ۶۶ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ الخ عَنْ اَبِيْ بَكْرَةَ ذَكَرَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَعَدَ عَلٰى بَعِيْرِهٖ وَاَمْسَكَ اِنْسَانٌ بِخِطَامِهٖ اَوْ بِزِمَامِهٖ قَالَ اَيُّ يَوْمٍ هٰذَا فَسَكَتْنَا حَتّٰى ظَنَنَّا اَنَّهٗ سَيُسَمِّيْهِ بِغَيْرِ اِسْمِهٖ قَالَ اَلَيْسَ يَوْمُ النَّحْرِ قُلْنَا بَلٰى قَالَ فَاَيُّ شَهْرٍ هٰذَا فَسَكَتْنَا حَتّٰى ظَنَنَّا اَنَّهٗ سَيُسَمِّيْهِ بِغَيْرِ اِسْمِهٖ فَقَالَ اَلَيْسَ بِذِي الْحِجَّةِ قُلْنَا بَلٰى قَالَ فَاِنَّ دِمَآءَكُمْ وَاَمْوَالَكُمْ وَاَعْرَاضَكُمْ بَيْنَكُمْ حَرَامٌ كَحُرْمَةِ يَوْمِكُمْ هٰذَا فِيْ شَهْرِكُمْ هٰذَا فِيْ بَلَدِكُمْ هٰذَا لِيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَآئِبَ فَاِنَّ الشَّاهِدَ عَسٰى اَنْ يُّبَلِّغَ مَنْ هُوَ اَوْعٰى لَهٗ مِنْهُ۔ (الحدیث)

ترجمہ، حضرت ابو بکرہؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے جناب نبی اللہ صلعم کا ذکر کیا کہ آپ آنحضرت صلعم اپنے اونٹ پر بیٹھے ایک آدمی اس کی لگام یا باگ کو روکے ہوا تھا۔ آنحضرت صلعم نے پوچھا یہ کون سا دن ہے ہم خاموش رہے اس گمان پر کہ شاید آپ اس کا نام بدل کر کوئی اور نام رکھنا چاہتے ہوں۔ تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ کیا یہ نحر یعنی قربانی کا دن نہیں ہے ہم نے کہا کیوں نہیں پھر آپ نے فرمایا کہ یہ کون سا مہینہ ہے پھر بھی ہم چپ رہے اس گمان پر شاید آپ اس کا کوئی دوسرا نام بدلنا چاہتے ہیں۔ تو آپ نے فرمایا کہ یہ ذی الحجہ نہیں ہے ہم نے عرض کیا کیوں نہیں ذی الحجہ ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا تو سن لو کہ بے شک تمہارے اموال اور تمہاری آبروئیں ایک دوسرے کے درمیان ایسے ہی حرام ہیں جیسے اس دن کی حرمت اس مہینہ میں اور تمہارے اس شہر میں ہے پس چاہیئے یہ پیغام حاضر غائب کو پہنچا دے۔ اس لئے بسا اوقات حاضر یہ پیغام کسی ایسے شخص کو پہنچا دے گا جو اس پیغام کو اس حاضر سے زیادہ محفوظ کرنے والا ہوگا۔

تشریح از شیخ مدنیؒ اوعٰی بمعنی فہم اور حفظ دو نو معنی آتے ہیں امام ابو یوسفؒ سلمان اعمش کے شاگرد ہیں ان سے ایک مسئلہ پوچھا گیا تو انہوں نے جواب نہ دیا۔ بلکہ اللّاں سے پوچھا۔ امام ابو یوسفؒ نے ٹھیک ٹھیک جواب دے دیا۔ سلمان اعمش نے پوچھا کہ آپ نے اس مسئلہ کو کہاں سے لیا۔ امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ بما حدثتنی۔ تو انہوں نے فرمایا کہ اس حدیث کو میں تب سے محفوظ رکھتا ہوں کہ ابھی تک تیرے باپ نے تیری ماں سے ہمبستری بھی نہ

کی تھی، مگر اُسے میں آج ہی سمجھا ہوں۔ اور فرمایا کہ تم طبیب ہو ہم دوا فروش ہیں۔

تشریح از شیخ زکریاؒ بعض شراح کی رائے یہ ہے کہ امام بخاریؒ کے اصول موضوعہ میں سے یہ ہے کہ جب کسی روایت کے الفاظ ان کی شرط کے مطابق نہیں ہوتے اور اس روایت کا مضمون صحیح ہوتا ہے۔ تو امام بخاریؒ اس روایت کو باب میں ذکر کرکے پھر اپنی روایت کو تائید میں پیش کرتے ہیں یہاں بھی ایسا ہے کہ ترمذی شریف کی روایت امام بخاریؒ نے باب میں ذکر فرمائی ہے یعنی تو اس کے عند الامام بخاریؒ صحیح ہیں لیکن الفاظ شرط کے مطابق نہیں اس لئے امام بخاریؒ نے اپنی روایت فَاِنَّ الشاهد عسى ان يبلغ هو اوعى منه سے تائید فرمادی لیکن حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں یہ قاعدہ تو مسلم ہے۔ لیکن اس مقام پر یہ قاعدہ صحیح نہیں ہے کیونکہ یہ روایت صرف ترمذی ہی میں نہیں بلکہ بخاری میں صفحہ ۲۳۵ پر بھی آرہی ہے۔ البتہ وہاں بجائے فان الشاهد عسى الخ کے رُبَّ مُبَلَّغ اوعى من سامع کے الفاظ ہیں لہٰذا یہ کہا جائے گا کہ چونکہ یہ الفاظ مختصر اور جامع تھے اور جلدی سے یاد ہو جانے والے تھے اوقع فی الفهم تھے اس لئے امام بخاریؒ نے اس کو ترجمہ گردان دیا۔ یہ تو باب کے معنی و مفہوم کے متعلق تھا اب یہ کہ ترجمہ کی غرض کیا ہے۔ بعض کی رائے ہے کہ تبلیغ کی اہمیت بیان کرنا مقصود ہے کہ اگر کوئی شخص معانی حدیث کو نہ سمجھتا ہو۔ تو اس کو چاہیئے کہ وہ ان الفاظ کو محفوظ کرلے پھر دوسروں کو سمجھادے ممکن ہے کہ کوئی اس کے شاگردوں میں اس سے زیادہ سمجھ دار ہو اور ان میں امام ابوحنیفہؒ اور امام شافعیؒ وغیرہ جیسے مجتہدین ہوں اور وہ ان احادیث کو سن کر ان سے مسائل کا استنباط کریں اور بعض کی رائے ہے کہ حضرت امام بخاریؒ اس بات پر تنبیہ کرنا چاہتے ہیں۔ کہ اگر کوئی طالب علم بڑا فہیم و ذکی ہو اور استاذ اس جیسا ہوشیار نہ ہو۔ تو اس کو استاذ سے استنکاف فی طلب العلم نہ کرنا چاہیئے کہ میں تو اتنا فہیم اور یہ ایسا ہو۔ بھلا میں اس سے علم حاصل کرلوں؟ ایسا نہ کرنا چاہیئے کیونکہ حضور اکرم صلعم کا ادھر تو ارشاد ہے کہ رب مبلغ اوعى من سامع کہ بہت سے مبلّغ طالب علم سامع سے اوعیٰ ہوتے ہیں۔ اور ادھر یہ ارشاد ہے کہ شاہد غائب کو تبلیغ کرے تو معلوم ہوا کہ بعض طالب علم فہیم ہوتے ہیں۔ چنانچہ امام بخاریؒ کا مقولہ اوجز میں میں نے نقل کیا ہے کہ اربع فی اربع عن اربع على اربع یہ سولہ اربع یعنی چوکڑے ہیں۔ اور انہیں میں سے ایک یہ ہے کہ آدمی اس وقت تک محدث نہیں ہوسکتا جب تک علم اپنے بڑے اور ساتھی اور چھوٹے اور کتابوں سے حاصل نہ کرے عن عبد الرحمن ابن ابی بکرۃ و مطلب یہ ہے کہ حضرت عبدالرحمن فرماتے ہیں کہ میرے باپ ابوبکرہؓ حضور اکرم صلعم کے حالات بیان کر رہے تھے۔ اس کے درمیان انہوں نے یہ بیان کیا کہ حضور اقدس صلعم اپنی اونٹنی پر بیٹھے تھے یہ واقعہ حجۃ الوداع

کا ہے ای یوم ھذا حضور پاک صلعم نے جب صحابہ کرام سے یہ پوچھا کہ یہ کون سا دن ہے تو صحابہ خاموش ہو گئے۔ اور وجہ یہ ہوئی کہ صحابہ کرام کے ذہن میں یہ آیا کہ حضورؐ کو دن معلوم۔ مکان اور گھڑی سب معلوم پھر بھی دریافت فرما رہے ہیں۔ تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کوئی خاص بات دریافت کرنا چاہتے ہیں۔ اس وجہ سے صحابہ کرام خاموش ہو گئے فان دماءکم و اموالکم الخ چونکہ زمانہ جاہلیت کا طریقہ یہ تھا کہ وہ اجتماعی طور پر اشہر حرم میں تو قتل و قتال نہیں کرتے تھے۔ مگر باقی دنوں میں خوب کرتے تھے۔ اس لئے حضور اکرم صلعم نے فرمایا کہ یہ کوئی اشہر حرم کی خصوصیت نہیں ہے بلکہ تمہارے دماء۔ اموال اور اعراض ایسے ہی حرام ہیں جیسے اس مقام میں اس دن میں حرام ہیں۔

بَابُ اَلْعِلْمُ قَبْلَ الْقَوْلِ وَالْعَمَلِ لِقَوْلِ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ فَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ فَبَدَاَ بِالْعِلْمِ وَاَنَّ الْعُلَمَاءَ هُمْ وَرَثَةُ الْاَنْبِيَاءِ وَرَّثُوا الْعِلْمَ مَنْ اَخَذَهٗ اَخَذَ بِحَظٍّ وَّافِرٍ وَّمَنْ سَلَكَ طَرِيْقًا يَّطْلُبُ بِهٖ عِلْمًا سَهَّلَ اللّٰهُ لَهٗ طَرِيْقًا اِلَى الْجَنَّةِ وَقَالَ اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ وَقَالَ وَمَا يَعْقِلُهَا اِلَّا الْعَالِمُوْنَ وَقَالَ وَقَالُوْا لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ اَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِيْ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ وَقَالَ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ وَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ بِهٖ خَيْرًا يُّفَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ وَاِنَّمَا الْعِلْمُ بِالتَّعَلُّمِ وَقَالَ اَبُوْ ذَرٍّ لَوْ وَضَعْتُمُ الصَّمْصَامَةَ عَلٰى هٰذِهٖ وَاَشَارَ اِلٰى قَفَاهُ ثُمَّ ظَنَنْتُ اَنِّيْ اُنْفِذُ كَلِمَةً سَمِعْتُهَا مِنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَبْلَ اَنْ تُجِيْزُوْا عَلَيَّ لَاَنْفَذْتُهَا وَقَوْلَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ كُوْنُوْا رَبَّانِيِّيْنَ حُلَمَاءَ عُلَمَاءَ فُقَهَاءَ وَيُقَالُ الرَّبَّانِيُّ الَّذِيْ يُرَبِّي النَّاسَ بِصِغَارِ الْعِلْمِ قَبْلَ كِبَارِهٖ

ترجمہ: قول اور عمل سے پہلے علم ہے۔ اللہ تعالیٰ بلند و برتر کے قول کی وجہ سے پس یہ جان لو کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں تو علم سے ابتدائی فرمائی اور آپؐ کا ارشاد ہے کہ علماً انبیاً علیہم السلام کے وارث ہوتے ہیں اور انہوں نے علم کی وراثت چھوڑی ہے۔ جس نے اس علم کو حاصل کیا تو اس نے ایک بڑا حصہ حاصل کر لیا۔ اور جو شخص ایک ایسے راستے پر چلا جس کے ذریعہ وہ علم تلاش کرتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت کا راستہ آسان کر دیں گے اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ سے اس کے بندوں میں سے صرف علما ہی ڈرتے

ہیں۔ اور فرمایا کہ اس حکمت کو صرف عالم لوگ ہی سمجھتے ہیں اور فرمایا کہ جہنمی لوگ کہیں گے کاش ہم لوگ سنتے اور سمجھتے تو آج جہنمیوں میں سے نہ ہوتے اور نیز باری تعالیٰ نے فرمایا کہ کیا وہ لوگ جو جانتے ہیں وہ ان لوگوں کے برابر ہو سکتے ہیں جو نہیں جانتے ۔ اور نبی اکرم صلعم نے فرمایا جس شخص سے اللہ تعالیٰ بھلائی کا ارادہ فرماتے ہیں اسے دین کی سمجھ عطا فرما دیتے ہیں نیز علم سیکھنے سے آتا ہے اور حضرت ابوذر غفاری رض فرماتے ہیں کہ اگر میری گردن پر تلوار رکھ دی جائے اور مجھے اتنی مہلت ملے کہ وہ کلمہ جو میں نے نبی اکرم صلعم سے سنا ہے اسے مجبور ہونے سے پہلے چالو کر سکتا ہوں تو میں اسے ضرور نافذ کروں گا۔ آنحضرت نبی اکرم صلعم کا ارشاد ہے کہ جو شخص حاضر ہے وہ غائب کو ضرور پہنچائے۔ اور حضرت ابن عباس رض کونوا ربانیین کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ربانی ہو جاؤ یعنی دانشمند عالم اور سمجھ دار بن جاؤ۔ اور ربانی اس شخص کو کہا جاتا ہے جو بڑے علم سے پہلے چھوٹے علم سے لوگوں کی تربیت کرے ۔

تشریح از شیخ مدنی رح قبل القول والعمل میں قبلیۃ دو قسم ہے رتبیہ اور زمانیہ اس جگہ قبلیۃ سے قبلیۃ رتبیہ مراد ہے ۔ اگرچہ اس سے قبلیۃ زمانیہ بھی ثابت ہو جاتی ہے ان العلماء ھم ورثۃ الانبیاء انبیاء جمیع صلحاء اور شہداء سے افضل ہیں۔ تو ان کے ورثاء علماء بھی سب سے افضل ہوں گے اور علماء سے بھی وہ لوگ مراد ہیں جو علم نبوی کے حامل ہوں ۔ انما یخشی اللہ الخ اس جگہ حصر ہے تو معلوم ہوا جس میں خشیت نہیں وہ عالم بھی نہیں۔ اور جس میں خشیت ہے اگرچہ وہ لکھنا پڑھنا نہ جانتا ہو تو وہ عالم ہو گا ۔ ما اتخذ اللہ ولیا الا علمہ جسے اللہ تعالیٰ اپنا دوست بناتا ہے اسے علم سکھا دیتا ہے۔ غرضیکہ ان آیات اور روایات سے پتہ چلا کہ علم قول اور عمل سے مقدم ہے ۔ اور دوسرا ترجمہ اِنَّمَا الْعِلْمُ بِالتَّعَلُّمِ سے شروع ہوتا ہے۔ اس ترجمہ سے تعلّم کی اہمیت معلوم ہوئی ۔

تشریح از شیخ زکریا رح یعنی علم قول اور عمل سے پہلے ہے۔ اور علم سیکھنا وعظ اور عمل کرنے سے مقدم ہے ترجمہ تو بالکل ظاہر ہے لیکن امام بخاری رح کی اس سے کیا غرض ہے؟ علامہ عینی رح فرماتے ہیں کہ تعلّم کی ترغیب دے رہے ہیں اور یہ بتلا رہے ہیں کہ اعمال چاہے کتنے ہی اہم ہوں بلکہ ایمان کا جز ہی کیوں نہ ہوں لیکن علم ان سب پر مقدم ہے۔ اور حافظ ابن حجر رح فرماتے ہیں کہ چونکہ ایسے علم پر حدیث پاک میں وعید آئی ہے جس پر عمل نہ کیا جائے اور بنسبت جاہل کے عالم کو دوگنی سزا عمل نہ کرنے پر ملے گی۔ تو اس سے وہم ہوتا تھا کہ علم کو نہ سیکھنا ہی اچھا ہے تو امام بخاری رح اس باب سے یہ وہم دفع فرما رہے ہیں کہ ایسا نہ سوچے بلکہ آدمی علم پہلے حاصل کرے اس کے بعد عمل

کا درجہ ہے کیونکہ زمانہ علم میں علم میں مشغولیت ہوتی ہے۔ عمل نہیں کر سکتا تو یہ عمل نہ کرنا اس وعید میں داخل نہیں تیسری غرض میرے نزدیک یہ ہے کہ اس سے امام بخاریؒ نے اس اختلاف کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ جس کا ذکر شروع باب العلم میں آچکا ہے۔ کہ بقدر ضرورت علم حاصل کرنے کے بعد اس کے لئے کیا چیز مناسب ہے آیا علم یا عبادت؟ آگے فرماتے ہیں لقول اللہ عزوجل فاعلم انہ الخ اس سے بھی یہ بات ثابت ہوئی کہ پہلے علم ہے اس کے بعد قول ہے کیونکہ خود اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ لا الٰہ الا اللہ کو جان لو اور یہ کلمۂ علم ہے۔

اس کے بعد فرماتے ہیں فاستغفر لذنبک یعنی اس علم کے بعد اب یہ عمل ہے کہ استغفار کرو۔ ان العلماء ورثۃ الانبیاء یہ روایت ابوداؤد اور ترمذی کی ہے اس سے بھی علم کی فضیلت ثابت ہوئی۔ اس جملہ سے اگرچہ علامہ عینیؒ کے قول کی تائید ہوتی ہے۔ لیکن حافظؒ کی غرض بھی اس سے ثابت ہو سکتی ہے کہ جیسے مال وراثت میں بغیر عمل کے حاصل ہوتا ہے۔ اسی طرح علم بھی بغیر عمل کے حاصل ہو سکتا ہے۔ انما یخشی اللہ الخ اس سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ علم کو اس وجہ سے نہ چھوڑا جائے کہ عمل نہیں ہوگا۔ بلکہ اگر علم کے بعد خشیۃ کسی وقت حاصل ہو جائے۔ تو یہ بھی فائدہ دے گی۔ لو کنا نسمع او نعقل الخ یہاں پر سمع سے علم مراد ہے۔ کہ وہ لوگ علم نہ ہونے پر تمنا کریں گے کہ کاش ہم بھی عالم ہوتے اس جملہ سے بھی علم کی فضیلت بیان کرنا مقصود ہے۔ انما العلم بالتعلم یوں فرماتے ہیں کہ علم تعلم سے حاصل ہوگا۔ مطالعہ سے حاصل نہیں ہوگا یہ بالکل دھوکہ ہے کہ صرف کتب اور شروح دیکھ کر بغیر استاد کے پڑھے۔

علامہ شامیؒ نے لکھا ہے کہ جو باقاعدہ تعلیم یافتہ نہ ہو۔ وہ صرف کتابیں دیکھ کر فتویٰ نہ دے ملا علی قاریؒ نے ایک واقعہ لکھا ہے کہ حدیث پاک میں آتا ہے کہ نہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن الحلق یوم الجمعۃ قبل الصلوٰۃ لیکن ایک شخص نے اس کو حَلْقٌ پڑھا یعنی استروں سے مونڈنا اور کہنے لگے کہ جمعہ کی نماز سے پہلے سر منڈانا جائز نہیں کیونکہ حضور پاک صلعم نے اس سے منع فرمایا ہے حالانکہ یہاں حدیث میں حَلَق بکسر الحاء وفتح اللام حلقہ کی جمع ہے۔ اگر وہ زانوئے تلمذ تہ کئے ہوتے ہوتے تو ایسی غلطی نہ کرتے۔ قال ابوذر لو وضعتم الخ اس سے بھی حدیث پاک کی اہمیت کو بتلانا ہے۔ کہ ایک حدیث بھی اگر اس وقت یاد آئے گی تو بیان کر دوں گا۔ کیونکہ وہ علم ہے۔ اب یہاں پر وہی اشکال ہے جو کتاب العلم پر ہوا تھا کہ مصنفؒ نے باب میں کوئی حدیث ذکر نہیں فرمائی۔ اس کے تین جواب تو وہاں دیئے گئے تھے وہ سب جوابات یہاں بھی چلیں گے۔ اس کے علاوہ یہاں ایک خاص جواب یہ بھی ہے کہ اس باب

کے ترجمہ میں بہت سی احادیث کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ اور بہت سی قرآنی آیات بھی ذکر فرمائی ہیں اس لئے یہ ساری چیزیں استدلال واستشہاد کے لئے کافی ہوگئیں۔ اور بہت ممکن ہے کہ امام بخاریؒ کو اپنی شرط کے مطابق کوئی حدیث نہ ملی ہو

باب مَا كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَخَوَّلُهُمْ بِالْمَوْعِظَةِ وَالْعِلْمِ كَيْ لَا يَنْفِرُوا۔

ترجمہ، جناب نبی اکرم صلعم وعظ اور علم میں لوگوں کا لحاظ رکھتے تھے تاکہ نفرت نہ کرنے لگیں۔

حدیث نمبر ۶۷ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ الخ عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَخَوَّلُنَا بِالْمَوْعِظَةِ فِي الْأَيَّامِ كَرَاهَةَ السَّآمَةِ عَلَيْنَا۔

ترجمہ، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ جناب نبی اکرم صلعم وعظ کے دنوں میں ہمارا لحاظ رکھتے تھے تاکہ وہ وعظ ہم پر گراں نہ گزرے۔

تشریح از شیخ مدنیؒ تخول بھی خیال رکھنا جس کی وجہ سے فوائد اور ترقی کے سامان پیدا ہو جاتے ہیں تو آپ لوگوں کو نصیحت کرتے تھے لیکن اس درجہ کی جس کا تحمّل کیا جا سکے۔ روایت میں موعظة کا لفظ ہے علم کا لفظ نہیں اور ترجمہ الباب میں بھی ہے۔ تو کہا جائے گا کہ ترجمہ میں لفظ والعلم بطور عطف تفسیری کے ہے جس سے موعظة اور علم کا اتحاد بتلانا ہے۔ کراھیۃ السامۃ علینا سامۃ کے معنی ملال کے ہیں یعنی آپ طبائع کے نشاط کا لحاظ کرتے تھے۔ کیونکہ جب غذا جسمانی من وسلویٰ کے لگاتار آنے سے طبائع گھبرا گئیں۔ ایسے غذا روحانی میں اگر تسلسل جاری رہے تو طبائع منغّض ہو جائیں گی۔ اس لئے جیسے کھانے میں تخمیض کی جاتی ہے ایسے نصیحت میں بھی طبائع کا لحاظ کیا جائے تاکہ نفرت پیدا نہ ہو۔

تشریح از شیخ زکریاؒ، پہلے دو تین بابوں میں تبلیغ اور علم حاصل کرنے کی اہمیت بیان کی گئی۔ تو اس سے وہم ہونے لگا تھا کہ آدمی کو ہر وقت علم ہی میں لگا رہنا چاہیئے۔ تو امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ علم توضرور حاصل کرنا چاہیئے۔ مگر ایسا طریقہ اختیار کرے کہ جو مفضی الی الملال اور موجب نفرت نہ ہو۔ چنانچہ نبی کریم صلعم کے یہاں ہر چیز کے اوقات مقرر تھے۔ اس لئے کہ ہر وقت ایک ہی طرح کا کام کرنے سے دل اکتا جاتا ہے۔ یسروا ولا تعسروا وبشروا ولا تنفروا سے استدلال ہے۔ اور تنفیر عدم تخول میں ہے لہذا تخول ہونا چاہیئے۔

حدیث نمبر ۶۸ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ الخ عَنْ أَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَسِّرُوا وَلَا تُعَسِّرُوا وَبَشِّرُوا وَلَا تُنَفِّرُوا۔

ترجمہ، حضرت انسؓ جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے ارشاد فرمایا۔
آسانی کرو، سختی نہ کرو خوشخبری سناؤ، نفرت نہ دلاؤ۔ اس لا تنفروا سے استدلال کیا ہے۔

باب مَنْ جَعَلَ لِاَهْلِ الْعِلْمِ اَيَّامًا مَّعْلُوْمَةً۔

ترجمہ، کہ علم والوں کے لئے کچھ دن مقرر کر لینے چاہئیں۔

حدیث نمبر ۶۹ حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ اَبِيْ شَيْبَةَ الخ عَنْ اَبِيْ وَائِلٍ قَالَ كَانَ عَبْدُ اللّٰهِ يُذَكِّرُ النَّاسَ فِيْ كُلِّ خَمِيْسٍ فَقَالَ لَهُ رَجُلٌ يَّا اَبَا عَبْدِ الرَّحْمٰنِ لَوَدِدْتُّ اَنَّكَ ذَكَّرْتَنَا كُلَّ يَوْمٍ قَالَ اَمَا اِنَّهُ يَمْنَعُنِيْ مِنْ ذٰلِكَ اَنِّيْ اَكْرَهُ اَنْ اُمِلَّكُمْ وَاِنِّيْ اَتَخَوَّلُكُمْ بِالْمَوْعِظَةِ كَمَا كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَخَوَّلُنَا بِهَا مَخَافَةَ السَّاٰمَةِ عَلَيْنَا

ترجمہ، حضرت ابو وائل تابعی فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ہمیں ہر جمعرات کو نصیحت فرمایا کرتے تھے تو ایک آدمی نے ان سے کہا کہ اے ابو عبدالرحمٰن میں چاہتا ہوں کہ آپ ہمیں ہر روز نصیحت فرمایا کریں۔ تو آپ نے فرمایا کہ اس طرح کرنے سے اس بات نے مجھے روک دیا ہے کہ میں تمہیں اکتا دینا پسند نہیں کرتا اور میں وعظ کہنے میں تمہارا اسی طرح خیال ولحاظ رکھتا ہوں جس طرح آنحضرت نبی اکرم صلعم اس وعظ کہنے میں ہمارا اس لئے لحاظ کرتے ہیں۔ اس ڈر سے کہ کہیں وہ روزانہ کا وعظ ہم پر گراں نہ گذرے

تشریح از شیخ مدنیؒ بعض اوقات شبہ ہوتا ہے کہ مطلق کو مقید کرنا یا مقید کو مطلق کرنا یہ بدعت ہے۔ تو مصنفؒ نے بتلادیا کہ جو طرق تعلیم کے اختیار کئے جائیں وہ بدعت نہیں ہیں۔

تشریح از شیخ زکریاؒ یہ باب سابق کا تکملہ ہے۔ کیونکہ اس کا مقصد بھی یہی ہے کہ ملال پیدا نہ ہو جائے۔ اور اس باب سے امام بخاریؒ اس بات کا جواز ثابت فرما رہے ہیں۔ کہ اگر کوئی شخص وعظ وتبلیغ کے لئے کوئی خاص دن مقرر کرلے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں بلکہ جائز ہے اور اس کو بدعت نہیں کہا جائے گا۔ کیونکہ بدعت میں تعین کے ساتھ ساتھ اس تعین میں ہی ثواب سمجھا جاتا ہے۔ اور یہ کہ اگر اس دن نہ ہو تو پھر کوئی ثواب نہیں ملے گا۔ ایسے ہی چہلم تیجہ وغیرہ بدعت ہے۔ کیونکہ عوام کالانعام اس تعین سے یہ سمجھ لیتے ہیں۔ کہ اس دن یا اس وقت میں کوئی خاص ثواب ہے۔ اسی وجہ سے وہ ان اوقات کو تبدیل نہیں کرتے۔ قاعدہ طبعی یہ ہے کہ ایک چیز سے طبیعت اکتا جاتی ہے اسی لئے مشائخ درس میں مختلف کتابیں ایک ایک دن میں رکھتے ہیں تاکہ تنفر نہ پیدا ہو۔ البتہ میرا تو جی رمضان شریف میں قرآن سے نہیں اکتاتا یہ میرے نزدیک مستثنیٰ ہے اس حدیث

میں ہے کہ حضرت ابن مسعودؓ ہر جمعرات کو وعظ فرمایا کرتے تھے۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ اگر کوئی متعین کر لیا جائے تو درست ہے۔ اب اشکال یہ ہے کہ یہ حدیث موقوف ہے۔ امام بخاریؒ نے اس سے استدلال کیسے کر لیا۔ ان کی تو شرط کے خلاف ہے؟ لیکن چونکہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے حضور اکرم صلعم کے فعل سے استنباط کیا ہے اور پھر مقرر فرمایا ایسے ہم بھی اس سے استنباط کر کے دن کی تعیین اگر کر لیں تو درست ہے اسے بدعت نہیں کہا جائے گا

بَابٌ مَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ بِهٖ خَيْرًا يُّفَقِّهْهُ فِى الدِّيْنِ۔

ترجمہ، جس سے اللہ تعالیٰ بہتری کرنا چاہتے ہیں۔ اس کو دین کی سمجھ دے دیتے ہیں۔

حدیث نمبر ۷، حَدَّثَنَا سَعِيْدُ بْنُ عُفَيْرٍ الخ قَالَ سَمِعْتُ مُعَاوِيَةَ خَطِيْبًا يَّقُوْلُ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ بِهٖ خَيْرًا يُّفَقِّهْهُ فِى الدِّيْنِ وَاِنَّمَا اَنَا قَاسِمٌ وَّاللّٰهُ يُعْطِىْ وَلَنْ تَزَالَ هٰذِهِ الْاُمَّةُ قَائِمَةً عَلٰى اَمْرِ اللّٰهِ لَا يَضُرُّهُمْ مَنْ خَالَفَهُمْ حَتّٰى يَاْتِىَ اَمْرُ اللّٰهِ (الحدیث)

ترجمہ، حضرت حمید بن عبدالرحمٰن فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت امیر معاویہؓ کو خطیب کی حالت میں فرماتے ہوئے سنا کہ آنحضرت نبی اکرم صلعم فرماتے تھے۔ جس شخص سے اللہ تعالیٰ بھلائی کا ارادہ فرماتے ہیں۔ تو اسے دین میں سمجھ دے دیتے ہیں۔ اور میں تو بانٹنے والا ہوں اور دینا اللہ تعالیٰ ہے اور میری یہ امت ہمیشہ اللہ کے حکم پر قائم رہے گی یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کا حکم آپہنچے جو ان کی مخالفت کرے گا وہ ان کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکے گا۔

تشریح از شیخ مدنیؒ، ارادۂ خیر میں ایک بحث ہے۔ کہ جو شخص بچپن میں مرا۔ وہ بہتر ہے یا جو فقیہ بن کر بڑی عمر میں مرے وہ بہتر ہے۔ بظاہر من یرد اللہ الخ سے شبہ ہوتا ہے کہ فقیہ کے سوا اور کسی میں خیر کا ارادہ نہیں کیا جاتا۔ اس کا جواب بعض نے یوں دیا کہ خیر میں نکرہ تعظیم کے لئے ہے ای خیراً عظیماً تو ارادہ خیر کا باری تعالیٰ کی طرف سے بہت سے اشخاص کے لئے ہے۔ مثلاً شہداء اور بچوں کے لئے مگر خیر عظیم کا ارادہ فقہ فی الدین والوں کے لئے ہے۔ یعنی ان کے برابر کوئی اجر عظیم حاصل نہیں کر سکے گا۔ اور بعض نے کہا کہ اس جگہ تفضیل اپنے جنس کے اندر ہے۔ یعنی علم جنس ہے اور اس کے کئی انواع ہیں تجوید، قرأۃ، نحو صرف معانی بیان وغیرہ یہ سب علوم دین سے تعلق رکھتے ہیں۔ مگر ان میں تفقہ نہیں ہے۔ فقہ کے ایک معنی اصطلاحی ہیں یعنی علم بالاحکام المتعلقہ بالمکلفین بالادلۃ التفصیلیۃ اور لغت میں فقہ کے معنی فہم اور

سمجھ کے ہیں. جس میں تعمیم ہے. اس لئے کہ جب حضرت حسن بصریؒ کے سامنے فقہ کا تذکرہ ہوا تو انہوں نے فرمایا۔
اَلْفَقِیْہُ المعرض عن الدّنیا وَالرّاغب الی اللہ وہ فقیہ نہیں ہے جو علوم دینیہ کا علم تو رکھتا ہے. مگر دنیا میں منہمک ہے۔ زمانۂ نبوت میں جو تخاطب واقع ہوا ہے. وہ فقہ بمعنی فہم کے ہے اور فقہ اصطلاحی تو بعد کی چیز ہے۔

وانما انا قاسم واللہ یعطی الخ اس پر شبہ ہوتا ہے کہ اگر فقہ فی الدین عطیہ باری تعالیٰ ہے. تو پھر فقہا میں اختلاف کیوں ہوتا ہے تو آپ نے فرمایا کہ واقعی فقہ اعطا ہے. باری تعالیٰ سے ہوتا ہے. میں ایک واسطہ ہوں. اہلِ تصوف یہی کہتے ہیں کہ جمیع کمالات انسانیہ کے حصول کا واسطہ آنحضرت صلعم ہیں. مگر وہ فیض علی اعطاالٰہی اور علی حسب الاستعداد ہوگا۔

تشریح از شیخ زکریا۔ اس باب کی ایک غرض تو یہ ہو سکتی ہے کہ اس سے علم کی فضیلت بیان کرنا مقصود ہے خاص طور پر فقہ کی، اور اس کے معلّم پر تعریض ہے اور میری رائے یہ ہے کہ یہاں روایت کے الفاظ ہیں۔
انما انا قاسم واللہ یعطی تو امام بخاریؒ تنبیہ فرما رہے ہیں. کہ عطا فرمانا تو اللہ تعالیٰ کا کام ہے تم اپنی کوشش جاری رکھو اور اس کے حاصل کرنے کے لئے دعا کرتے رہو۔ خود حضور صلعم کا اپنے بارے میں ارشاد ہے۔
انما انا قاسم کہ میں تو صرف تقسیم کا حقدار ہوں۔ ورنہ اصل عطا فرمانے والا تو باری تعالیٰ ہے۔ لہٰذا محض اپنی محنت پر اعتماد نہ کرے بہت سے محنتی کچھ نہ کر سکے۔ اور بہت سے محنت نہ کرنے والوں کو بہت کچھ مل گیا۔

بَابُ اَلْفَهْمِ فِي الْعِلْمِ

حدیث نمبر ۱ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ الخ عَنْ مُجَاهِدٍ قَالَ صَحِبْتُ ابْنَ عُمَرَ اِلَى الْمَدِيْنَةِ فَلَمْ اَسْمَعْهُ يُحَدِّثُ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلَّا حَدِيْثًا وَّاحِدًا قَالَ كُنَّا عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاُتِيَ بِجُمَّارٍ فَقَالَ اِنَّ مِنَ الشَّجَرِ شَجَرَةً مَثَلُهَا كَمَثَلِ الْمُسْلِمِ فَاَرَدْتُ اَنْ اَقُوْلَ هِيَ النَّخْلَةُ فَاِذَا اَنَا اَصْغَرُ الْقَوْمِ فَسَكَتُّ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هِيَ النَّخْلَةُ (الحدیث)

ترجمہ، باب علم میں سمجھ کے بارے میں، حضرت مجاہدؒ تابعی فرماتے ہیں کہ مجھے مدینہ منورہ تک حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے ساتھ رہنے کا اتفاق ہوا۔ اس سارے سفر میں میں نے سوائے ایک حدیث کے ان سے جناب رسول اللہ صلعم سے حدیث بیان کرتے نہیں سنا وہ ایک حدیث یہ ہے کہ ہم آنحضرت نبی اکرم صلعم کے پاس

تھے کہ آپؐ کے پاس کھجور کی گری لائی گئی جس پر آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ درختوں میں سے ایک ایسا درخت ہے جس کا حال مسلمان کے حال جیسا ہے۔ میرا ارادہ ہوا کہ میں بتلاؤں کہ وہ کھجور کا درخت ہے، مگر چونکہ میں تمام قوم سے چھوٹا تھا۔ اس لئے میں خاموش رہا۔ پس آپؐ نبی اکرم صلعم نے خود ارشاد فرمایا کہ وہ کھجور کا درخت ہے۔

تشریح از شیخ مدنیؒ پہلے تو فقہ کا ذکر کیا گیا اب فہم کو بیان کیا جاتا ہے ان میں فرق اس طرح ہوگا کہ پہلے تو تفقہ فی الدین کو بیان کیا گیا اور یہاں مطلقاً اشیاء میں فہم مراد ہے۔ کیونکہ طاقتیں مختلف ہوتی ہیں بعض کو دینی علم میں طاقت حاصل ہوتی ہے۔ اور بعض کو علوم دینوی میں فہم ہوتا ہے۔ تفقہ فی الدین ایک خاص چیز ہوئی۔ فھو ف العلوا ی ف المعلوم یہ عام ہے۔ جیسے حضرت ابن عمرؓ نے شجرہ کی پہلی کو سمجھ لیا۔ اگر شبہ ہو کہ مصنفؒ کا مقصد اگر فضیلت ثابت کرنا ہے تو وہ یہاں سے ثابت نہیں ہوتی۔ اگر کوئی اور چیز مقصود ہے، تو وہ کیا ہے تو کہا جائے گا کہ فہم بھی کلی مشکک ہے۔ حداثۃ سن یعنی نوعمری فقہ علم کو مستلزم نہیں، اور کبر سن یعنی عمر رسیدہ ہونا وفورِ علم کو مستلزم نہیں تو یہاں اختلاف فہم کو بیان کرنا ہے۔ مگر صحیح یہ ہے کہ یہاں سے علم کی فضیلت ہی بیان کرنا مقصود ہے۔ لیکن مصنفؒ کے صنائع میں سے اختبار بھی ہوتا ہے۔ اس کتاب میں اس کی تصریح موجود ہے۔ کہ امام بخاریؒ کا مقصد علم کی فضیلت بیان کرنا ہے چنانچہ حدیث طویل سے علم کی فضیلت ثابت ہوتی ہے۔

تشریح از شیخ زکریاؒ حضرت شیخ الہندؒ فرماتے ہیں کہ امام بخاریؒ یہاں سے یہ بیان کرنا چاہتے ہیں کہ اگرچہ عطا فرمانے والے صرف اللہ تعالیٰ ہیں اور کوئی نہیں لیکن صرف اس پر اعتماد کرکے نہ بیٹھو بلکہ اپنی کوشش اور فہم سے کام لینا بھی ضروری ہے تو گویا یہ پہلے باب کا تتمہ اور تکملہ ہے۔ اور شراح کی رائے یہ ہے کہ اس سے فہم علم کی ترغیب بیان کرنی مقصود ہے۔ اور یہ کہ طالب علم کو مطالعہ کرنا چاہیئے۔ اور قوت مطالعہ بڑھانی چاہیئے لیکن میرے رائے کچھ اور ہے۔ وہ یہ کہ مصنفؒ یہاں سے مطالعہ کرنے کا طریقہ بتلاتے ہیں کہ ہر علم کی مناسبات دیکھے اور غور کرے اور مطالعہ کرتے وقت اوپر نیچے سب طرف نظر رکھے۔ چنانچہ اس باب میں جو حدیث مذکور ہے۔ اس سے بھی یہی مستنبط ہوتا ہے۔ کہ جب حضور انور صلعم نے نخلہ کا سوال فرمایا۔ کہ ایسا درخت بتلاؤ جس میں فلاں فلاں خصوصیت ہو۔ اور حضور صلعم اس وقت جمار (گری) کھا رہے تھے۔ تو ابنِ عمرؓ نے جمار کو دیکھ کر نخلہ سمجھ لیا۔ جمار کھجور کے تنے کو کھود کر اس کے اندر سے جو برادہ سفید نکلتا ہے۔ اس کو کہتے ہیں یہ لذیذ بہت ہوتا ہے

باب الاغتباط في العلم والحكمة وقال عمر تفقهوا قبل ان تسودوا وقال ابو عبد الله وبعد ان تسودوا وقد تعلم اصحاب النبي صلى الله عليه وسلم بعد كبر سنهم ۔

ترجمہ، علم اور دانش میں رشک کرنے کے بارے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ سردار بننے سے پہلے دین میں سمجھ پیدا کرو۔ امام بخاریؒ ابو عبداللہ فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب ہے کہ بالوں کی سیاہی کے دور کے بعد بھی علم حاصل کرو۔ چنانچہ نبی اکرم صلعم کے صحابہ کرام اور عمر رسیدہ ہونے کے بعد بھی علم سیکھتے رہے۔

حدیث نمبر ۲۷ حدثنا الحميدي الخ سمعت عبد الله بن مسعود قال قال النبي صلى الله عليه وسلم لا حسد الا في اثنتين رجل آتاه الله مالا فسلطه على هلكته في الحق ورجل آتاه الله الحكمة فهو يقضي بها ويعلمها ۔ (الحدیث)

ترجمہ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ جناب نبی اکرم صلعم نے فرمایا کہ حسد نہیں کرنا چاہیئے مگر دو آدمیوں پر ایک تو وہ جس کو اللہ تعالیٰ نے مال دیا ہو اور اس کو راہ حق میں خرچ کرنے کا غلبہ بھی دیا ہے دوسرا وہ شخص ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے علم و دانش عطا فرمایا وہ اس کے مطابق فیصلے کرتا ہے اور اس کی تعلیم دیتا ہے۔

تشریح از شیخ مدنیؒ، اغتباط غبطہ سے ماخوذ ہے جس کے معنی ہیں کسی نعمت کے حصول کی تمنا کرنا۔ بغیر منعم علیہ سے نعمت کے ازالہ کے۔ اگر ازالہ نعمت کی تمنا ہو۔ تو وہ حسد ہوگا۔ غبطہ جائز ہے، حسد ناجائز ہے۔ لا تحاسدوا ولا تباغضوا ارشاد نبوی ہے لا حسد الا فی اثنتین سے معلوم ہوتا ہے کہ دو چیزوں میں حسد جائز ہے۔ دولت اور علم میں حالانکہ یہ دونوں مہتم بالشان ہیں۔ پھر حسد کی کیسے اجازت دی گئی۔ اس لئے ایک جماعت کہتی ہے کہ حسد کے معنی اس جگہ غبطہ کے ہیں۔ اور بعض حضرات نے کہا کہ لو جاز الحسد لجاز فی اثنین لما لم یجز فیہما فکیف فیما سواھما یعنی اگر حسد جائز ہوتا تو ان دو میں جائز ہوتا جب ان دو چیزوں میں جائز نہیں تو ماسوا میں کیسے جائز ہوگا جیسے لا شؤم الا فی الثلاث وہاں بھی یہی معنی ہیں کہ اگر شؤم ہوتا تو ان تین چیزوں میں ہوتا جب ان میں نہیں ہے تو اور میں کیسے ہوگا۔ تو مصنفؒ پر جو اعتراض ہوتا تھا کہ روایت ترجمۃ الباب کے مطابق نہیں کیونکہ روایت میں حسد کا ذکر ہے تو کہا جائے گا کہ کبھی مصنفؒ کا مقصد ترجمۃ الباب سے حدیث کے معنی کو

واضح کرنا ہوتا ہے۔ لہٰذا یہاں حسد سے غبطہ مراد ہے۔ دوسرا اشکال یہ ہے کہ روایت میں حکمۃ کا تذکرہ ہے علم کا نہیں ہے۔ تو مصنفؒ نے علم کا ذکر کر کے حکمت کا اس پر عطف کر دیا۔ کہ حکمت علم کا ایک نوع ہے۔ عطف الخاص علی العام کے طریقہ پر اس کا ذکر کر دیا۔ اس روایت سے معلوم ہوا۔ کہ علم ایسی مرغوب فیہ چیز ہے۔ کہ اس میں غبطہ کی اجازت دی گئی ہے تو اس کے لئے کوئی وقت متعین نہ ہونا چاہیئے۔ لیکن مصنفؒ حضرت عمرؓ کا قول نقل کر کے فرماتے ہیں کہ تفقھوا قبل ان تسوّدوا یعنی سردار بننے سے پہلے تفقہ پیدا کرو۔ سردار بن جانے کے بعد فراغت نہیں ؎

بھول گئے کھیل کود بھول گئے جھکڑی / تین چیزیں یاد رہیں لون تیل لکڑی

لیکن حضرت عمرؓ کا یہ فرمان حصر کے لئے نہیں ہے۔ بلکہ بعد التسوید بھی تفقہ حاصل کرو۔ کیونکہ سیادت کے لئے علم ضروری ہے۔ جاہل کی سیادت بربادی کا باعث ہوتی ہے۔

تشریح از شیخ زکریاؒ۔ حسد کہتے ہیں دوسرے کی نعمت کے زوال کو چاہنا اور غبطہ کہتے ہیں دوسرے کی نعمت کا مثل طلب کرنے کو بغیر اس کے کہ زوال کی تمنا کرے یہ ترجمہ یا تو شارحہ ہے کیونکہ حدیث میں لا حسد الا فی اثنتین کا لفظ وارد ہے تو امام بخاریؒ نے باب سے تنبیہ فرما دی اور شرح فرما دی کہ حسد سے مراد غبطہ ہے۔ اور دوسری غرض یہ ہے۔ کہ مصنفؒ تنبیہ کرنا چاہتے ہیں کہ علم میں بھی رشک کرنا چاہیئے اپنے سے اونچے والوں پر تو گویا قابل رشک علم و حکمت ہے۔ نہ کہ یہ دنیا کی چیزیں یہ نہیں کہ فلاں کا کرتا اچھا ہے۔ اور میرا نہیں بلکہ علم و حکمت قابل غبطہ و رشک ہیں نیز! حدیث میں چونکہ حکمت کا لفظ آیا ہے تو مصنف رحؒ نے باب میں اغتباط فی العلم بڑھا کر اشارہ فرما دیا کہ حکمت کی تفسیر علم ہے۔ وقال عمرؓ الخ مطلب یہ ہے کہ بڑے اور سردار بننے سے پہلے فقاہت حاصل کر لو۔ اس لئے کہ بڑے ہونے کے بعد علم جلدی حاصل نہیں ہو سکتا۔ اور عوائق و موانع علم حاصل کرنے سے روک دیں گے۔ اب چونکہ اس قول سے بظاہر یہ شبہ ہوتا ہے کہ سیادت کے بعد علم حاصل نہ کرے۔ تو امام بخاریؒ نے بطور دفع مقدر کے فرمایا قال ابو عبد اللہ بعد ان تسودوا یعنی اگر بڑا ہو جائے۔ تو بھی علم و قرآن کو ضرور حاصل کرنا چاہیئے اور دلیل اس کی یہ ہے کہ حضرات صحابہ کرامؓ نے کبر سن میں علم سیکھا جب کہ وہ اپنے گھروں کے مالک ذمہ دار ہو چکے تھے۔ مگر پھر بھی اس کا بہترین اور اعلیٰ وقت سردار بننے سے پہلے ہے۔ اس اثر کی مناسبت ترجمہ سے یہ ہے کہ جو شخص سردار بننے سے تفقہ حاصل کرتا ہے۔ اس میں غبطہ کیا جاتا ہے۔

رجل اتاہ اللہ مالا الخ ایک آدمی ہے اللہ تعالیٰ نے اس کو مال عطا فرمایا ہے۔ پھر اس کو اس کے ہلاک کرنے پر مسلط فرما دیا۔ ہلاک کرنے پر مسلط فرما دینے کا مطلب یہ ہے۔ کہ وہ جمع کر کے نہیں رکھتا بلکہ اس کو طرق خیر میں خرچ کرتا ہے۔ ہمارے مشائخ اور بزرگوں کا یہی رویہ رہا ہے کہ وہ جمع نہیں فرماتے تھے بلکہ جو آیا خرچ کر دیا۔ بڑے حضرت رائے پوریؒ یعنی حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب اور حضرت مولانا شاہ عبدالقادر کی طریقہ یہ رہا کہ جو آتا بس اس کو دے ڈالتے تھے۔ پھر کہیں سے کچھ آجاتا تو فرماتے یہ دوسرا آگیا اس کو بھی خرچ کر دیتے۔ میرے والد صاحب مقروض بہت تھے۔ اگر کہیں سے روپے آجاتے۔ تو اس کو قرض خواہوں کو دے دیتے اگر پیسے وغیرہ ہوتے تو وہ بچوں کو دے دیتے اور فرمایا کرتے تھے جی نہیں چاہتا کہ اس مصیبت کو لے کر سوؤں اور میرے چچا جان نوراللہ مرقدہٗ نے ایک بار فرمایا کہ بکریوں کی تجارت کروں گا سنت ہے، چنانچہ بکریاں خرید کر مضاربۃ پڑے دیں۔ کچھ دنوں بعد جب میں دلی گیا۔ تو فرمایا کہ بکریاں تو مر گئیں، ان لوگوں کے ہاتھ میں روپیہ رکتا ہی نہ تھا۔ یہ قدرت کی طرف سے تھا۔ سلطہ کی ضمیر رجل کی طرف لوٹ رہی ہے۔ اور علے ھلکتہ کی ضمیر مال کی طرف راجع ہے۔

قال سفیان حدثنی اسماعیل الخ سفیان فرماتے ہیں کہ مجھ سے سلمان بن ابی خالد نے زہری کی سند سے بیان نہیں کیا۔ بلکہ دوسری سند سے بیان فرمایا ہے۔ زہری تو روایت کرتے ہیں، عن سالم عن ابن عمر اور زہری کی یہ روایت ص۱۱۱۲ جلد ثانی میں کتاب کے ختم پر آئے گی کیونکہ یہ کتاب ص۱۱۲۵ پر ختم ہے اور اسماعیل بن ابی خالد نقل کرتے ہیں، قیس بن ابی حازم عن عبداللہ بن مسعود کے ساتھ غرض اس سند کے بتلانے سے یہ ہے کہ اسماعیل بن ابی خالد نے ہمیں جس طریقہ سے حدیث سنائی وہ غیر ہے، امام زہری کے طریقہ سے یعنی یہ سند اور ہے۔ زہری والی سند اور ہے۔ اور یہ تنبیہ اس لئے فرمائی تاکہ کوئی مختلف سندیں دیکھ کر اضطراب کا شبہ نہ کرنے لگے۔

بابُ مَا ذُكِرَ فِي ذَهَابِ مُوسٰى فِي الْبَحْرِ إِلَى الْخَضِرِ وَقَوْلِهٖ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى هَلْ أَتَّبِعُكَ عَلٰى أَنْ تُعَلِّمَنِي الْاٰيَةَ۔

ترجمہ، جو ذکر کیا گیا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت خضر علیہ السلام کی طرف بحری سفر اختیار فرمایا اور اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد کہ کیا میں آپ کے ساتھ اس شرط پر چل سکتا ہوں کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے آپ کو سکھایا ہے اس سے مجھے بھی سکھلائیں۔

حدیث نمبر ۲۷ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ غُرَيْرٍ الزُّهْرِيُّ الخ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّهُ تَمَارٰى هُوَ وَالْحُرُّ بْنُ قَيْسِ ابْنِ حِصْنٍ الْفَزَارِيُّ فِيْ صَاحِبِ مُوْسٰى قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ هُوَ خَضِرٌ فَمَرَّ بِهِمَا اُبَيُّ بْنُ كَعْبٍ فَدَعَاهُ ابْنُ عَبَّاسٍ فَقَالَ اِنِّيْ تَمَارَيْتُ اَنَا وَصَاحِبِيْ هٰذَا فِيْ صَاحِبِ مُوْسٰى الَّذِيْ سَاَلَ مُوْسَى السَّبِيْلَ اِلٰى لُقِيِّهٖ هَلْ سَمِعْتَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَذْكُرُ شَاْنَهٗ قَالَ نَعَمْ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ يَقُوْلُ بَيْنَمَا مُوْسٰى فِيْ مَلَاءٍ مِّنْ بَنِيْ اِسْرَآءِيْلَ اِذْ جَاءَهٗ رَجُلٌ فَقَالَ هَلْ تَعْلَمُ اَحَدًا اَعْلَمَ مِنْكَ قَالَ مُوْسٰى لَا فَاَوْحَى اللّٰهُ اِلٰى مُوْسٰى بَلٰى عَبْدُنَا خَضِرٌ فَسَاَلَ مُوْسَى السَّبِيْلَ اِلَيْهِ فَجَعَلَ اللّٰهُ لَهُ الْحُوْتَ اٰيَةً وَقِيْلَ لَهٗ اِذَا فَقَدْتَ الْحُوْتَ فَارْجِعْ فَاِنَّكَ سَتَلْقَاهُ فَكَانَ يَتَّبِعُ اَثَرَ الْحُوْتِ فِي الْبَحْرِ فَقَالَ لِمُوْسٰى فَتَاهُ اَرَءَيْتَ اِذْ اَوَيْنَا اِلَى الصَّخْرَةِ فَاِنِّيْ نَسِيْتُ الْحُوْتَ وَمَا اَنْسَانِيْهُ اِلَّا الشَّيْطٰنُ اَنْ اَذْكُرَهٗ قَالَ ذٰلِكَ مَا كُنَّا نَبْغِ فَارْتَدَّا عَلٰى اٰثَارِهِمَا قَصَصًا فَوَجَدَا خَضِرًا فَكَانَ مِنْ شَاْنِهِمَا مَا قَصَّ اللّٰهُ تَعَالٰى فِيْ كِتَابِهٖ۔

ترجمہ، حضرت عبداللہ بن عباس رض سے مروی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھی کے بارے میں ان کا حر بن حسن فزاری سے جھگڑا ہوا۔ تو حضرت ابن عباس رض نے فرمایا کہ وہ خضر علیہ السلام ہیں پس حضرت ابی بن کعب رض کا ان دونوں کے پاس سے گذر ہوا جن کو حضرت ابن عباس رض نے بلا کر فرمایا کہ میں اور میرے اس ساتھی کا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اس ساتھی کے بارے میں اختلاف ہو گیا جس کی ملاقات کے لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے راستہ دریافت فرمایا۔ تو کیا آپ نے آنحضرت نبی اکرم صلعم سے اس کے بارے میں کوئی حال سنا ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ ہاں میں نے جناب نبی اکرم صلعم سے سنا کہ ایک مرتبہ حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کی ایک جماعت میں وعظ فرما رہے تھے کہ ایک آدمی نے ان سے دریافت کیا کہ آپ کو کسی ایسے آدمی کا علم ہے جو آپ سے زیادہ علم رکھتا ہو انہوں نے فرمایا نہیں اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی کہ ہمارا ایک بندہ خضر علیہ السلام ہے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے ان تک پہنچنے کا طریقہ دریافت کیا جس پر اللہ تعالیٰ نے مچھلی کو ان کے لئے نشانی مقرر فرمایا کہ جب آپ مچھلی کو گم پائیں تو اس کے نشان پر آپ چلے جائیں تو ان سے آپ کی ملاقات ہو جائے گی چنانچہ وہ سمندر میں مچھلی کے نشان پر چل پڑے تو موسیٰ علیہ السلام کے شاگرد نوجوان نے حضرت موسیٰ علیہ السلام

سے عرض کی جب ہم پتھر کے پاس آرام کر رہے تھے تو میں مچھلی کے متعلق بتانا بھول گیا یہ شیطان کی کاروائی ہے کہ اس نے مجھے آپ سے ذکر کرنا بھلوا دیا موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ یہی تو ہمارا مقصود تھا چنانچہ وہ الٹے پاؤں اپنے نشانِ قدم پر واپس لوٹے اور خضر علیہ السلام کو پالیا پھر ان کا حال وہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں بیان فرمایا ہے ۔

تشریح از شیخ مدنیؒ حضرت موسیٰ اور حضرت خضر علیہما السلام کا واقعہ مصنفؒ نے کئی مقامات پر ذکر کیا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک جگہ پر خطبہ دیا جس کا لوگوں پر بہت اثر ہوا۔ لوگ بڑے متاثر ہوئے۔ اس کے بعد کسی نے آپ سے سوال کیا کہ آپ سے زیادہ بھی کوئی عالم موجود ہے۔ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا نہیں ہے چونکہ یہ قول تکبر اور انانیت کی طرف مُشعر تھا اگرچہ واقع میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے زمانہ کے اعتبار سے اعلم الناس تھے۔ مگر بارگاہِ ایزدی میں کسی کی انانیت پسند نہیں چنانچہ عرب کا مشہور مقولہ ہے من قال انا وقع فی العناء جس نے مَیں کہا وہ مشقت میں پڑا۔ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام باوجود کبر السن ہونے کے تسوید کے بعد بھی علم سیکھنے کے لئے حضرت خضر علیہ السلام کے پاس جاتے ہیں۔ جن کو مجمع البحرین کے متعلق حکم کیا گیا تھا۔ جبکہ بحرین کی تعیین میں اختلاف ہے۔ بہرحال حضرت حضرت موسیٰ علیہ السلام نے تعلیم پانے کے لئے بحری سفر اختیار فرمایا۔ ملاقات کے بعد حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا کہ انک لن تستطیع معی صبراً کہ آپ میرے ساتھ صبر نہیں کر سکیں گے جس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ کسی معاملہ میں مَیں آپ کی حکم عدولی اور نافرمانی نہیں کروں گا۔ لا اعصی لک امراً چنانچہ مقولہ ہے کہ شیخ ظاہر کے سامنے چرا نہ کہنا چراگاہ کو جانا ہے اور شیخ باطن کے سامنے چرا کہنا چراگاہ کو جانا ہے ۔

بمے سجادہ رنگین کن گرت پیرِ مغاں گوید کہ سالک بے خبر نبود ز راہ و رسم منزلہا

لیکن پیرِ مغاں وہ ہے جو شریعت اور طریقت کا جامع ہو۔ اگرچہ حضرت خضر علیہ السلام کے تینوں واقعات ظاہر شریعت کے خلاف تھے مگر پیرِ مغاں کراتا تھا جن پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سکوت وصبر نہ فرمایا کیونکہ یہ ظاہر شریعت کے پورے پابند تھے۔ اور حضرت خضر علیہ السلام شریعت اور طریقت دونو جانتے تھے چنانچہ یہ واقعہ ہے کہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے ایک طالب علم کو پانچ روپے دے کر حرام کاری کے لئے بھیجا تھا۔ درحقیقت وہ عورت اس کی زوجہ تھی۔ فی البحر الی الخضر اپنے حقیقی معنی پر نہیں

کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سفر کے شروع میں سمندر کے کنارے پر تھے اور فی البحر اس بنا پر کہا گیا کیونکہ بعض سفر بحر میں ہوا ہے۔ تسمیۃ الجزء باسم الکل کے طور پر تمام سفر کو بحری سفر کہا گیا دوسری توجیہ یہ ہے کہ اطلاق المسبب علی السبب کے طور پر ہے کہ بری سفر بحری سفر کا سبب بنا۔ تیسری توجیہ مجاز بالحذف کی ہے، ای ذھاب موسیٰ فی جانب البحر وجنب البحر چوتھی توجیہ یہ ہے کہ ای بمعنی مع کے ہے کہ ذھاب موسیٰ فی البحر مع الخضر۔ پانچویں توجیہ یہ ہے کہ حرف عطف کو محذوف مانا جائے ذھاب موسیٰ فی البحر الی الخضر اس میں بہت زیادہ کم تکلف ہے تو سفر بحری اور سفر الی الخضر دو چیزیں ثابت ہوئیں۔ علم کی طلب میں سفر کرنا خصوصاً بحری سفر تو نہایت شاق ہوتا ہے۔ ایک بدوی کہتا ہے گوز شتر سمک کی تسبیح سے بہتر ہے۔ اور آنحضرت صلعم فرماتے ہیں کہ لا یرکب البحر الا حاج او معتمر او غازٍ یعنی بحری سفر یا حاجی کرے گا یا عمرہ کرنے والا یا اسلام کا غازی جہاد کرنے والا غرضکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام عمر رسیدہ ہو کر پھر بھی طلب علم کے لئے اولوالعزم بن جاتے ہیں آپ کی عمر مبارک اسّی نوّے کے درمیان تھی۔ ترجمہ میں ھل اتبعک علیٰ ان تعلمنی سے یہ بتلانا ہے کہ ہمیں بحر کے سفر کا جواز یا کسی بڑے کی ملاقات کرنے کے لئے جانے کو ثابت نہیں کرنا بلکہ امم سابقہ کے واقعات سے یہ استدلال کیا ہے کہ طلب علم کے لئے کبر سنی کی حالت میں نکلنا بھی جائز ہے۔ امم سابقہ کے واقعات تب قابلِ استدلال ہیں جب وہ ہمارے شرعی احکام کے معارض نہ ہوں اس وقت ان سے استدلال صحیح ہے۔ مصنفؒ تو اس میں زیادہ توسع کے قائل ہیں۔ تماری ھو والحر بن قیس فوجد عبدا من عبادنا میں ان کا جھگڑا تھا کہ وہ عبد کون تھے۔ حضرت ابن عباسؓ عبد سے حضرت خضر علیہ السلام مراد لیتے ہیں۔ اور اکثر حضرات کا یہی قول ہے کہ وہ نبی ہیں اور حضرت موسیٰ علیہ السلام ان سے قبل بنی اسرائیل کی طرف مبعوث ہو چکے تھے، حضرت خضر علیہ السلام نے آب حیات نوش فرمایا تھا۔ اور آپ کے غسل کے وقت حجرہ سے جو آواز آئی کہ آپ نبی اکرم صلعم کو اپنے کپڑوں میں غسل دو ننگا نہ کرو۔ وہ آواز حضرت خضر علیہ السلام کی تھی۔ بعض حضرات ان کو اولیاء اللہ میں شمار کرتے ہیں۔ آنحضرت صلعم دجال کے ذکر میں فرماتے ہیں کہ دجال جب مدینہ کے قریب جبل عیر کے قریب پہنچے گا تو ایک شخص اس کے کذاب ہونے کی خبر دے گا۔ وہ خضر علیہ السلام ہوں گے چنانچہ ایک جماعت کہتی ہے کہ خضر علیہ السلام آج بھی موجود ہیں اور اس وقت بھی موجود ہوں گے۔ صوفیاء کی کتب میں ہے کہ کئی مرتبہ انہوں نے حضرت خضر علیہ السلام سے ملاقات کی ہے اور بعض کہتے ہیں کہ سمندری مد و جزر کا انتظام

ان کے سپرد ہے۔ اس ضمن میں حضرت الیاس علیہ السلام کا نام بھی لیا جاتا ہے۔ یہ باطنی انتظام ہے۔ الغرض صوفیا کرام تو حضرت خضر علیہ السلام کی حیات کے قائل ہیں۔ اور علماء کی ایک جماعت بھی یہی کہتی ہے، تکوینیات میں ان کا علم حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بڑھا ہوا ہے اور تشریعات میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا علم فائق ہے۔ علما کی ایک جماعت حضرت خضر علیہ السلام کی وفات کی قائل ہے چنانچہ مصنفؒ بھی اس کو کہہ رہے ہیں۔ مگر استدلال میں کوئی صریح بات ذکر نہیں فرمائی۔ کیونکہ بعض راتوں میں آپؐ نے فرمایا کہ سو برس کے بعد وہ عہد فوت ہو جائے گا۔ تو گویا وہ عہد نبوی میں موجود تھے۔ اب نہیں ہیں۔ لیکن قائلین حیات کہتے ہیں کہ ممن ھو علی ظھر الارض سے کون سی ارض مراد ہے۔ ظاہر ہے کہ الارض میں الف لام عہد کا ہے۔ اور اس سے ارضِ عرب مراد ہے اور حضرت خضر علیہ السلام ممکن ہے کہ اس وقت حضرت خضرؑ موجود نہ ہوں۔ اگر عام ارض بھی ہو تو ممکن ہے کہ اس وقت حضرت خضر علیہ السلام بحر میں ہوں۔ تیسری توجیہ یہ ہے کہ ممن ھو الخ میں مَنْ سے وہ نفوس مراد ہوں۔ جن کو لوگ جانتے پہچانتے ہیں۔ اور "ممن ہو" سے حضرت خضرؑ مراد نہ ہوں۔ کیونکہ یہ معروف نہ تھے۔ فی صاحب موسیٰ الخ دوسری روایت میں ہے کہ ابن عباسؓ سے ایک واعظ نوفل کا واقعہ ذکر کیا گیا ہے جس میں فقال موسیٰ سے موسیٰ بنی اسرائیل مراد ہیں یا کوئی اور موسیٰ مراد ہے۔ جس پر انہوں نے فرمایا کہ کذب عدو اللہ سمعت ابی بن کعب الخ اس واقعہ کو امام بخاریؒ نقل فرمائیں گے۔ بنی اسرائیل، اسرائیل یعقوب علیہ السلام کا نام ہے اور یعقوب ان کا لقب ہے۔ ان کے بارہ بیٹے تھے جن کے لئے حضرت اسحاق علیہ السلام نے دعا کی تھی جس کی بدولت ان کے بہت سے اسباط ہوئے جن کی بشارت حضرت اسحاق علیہ السلام کو دی گئی تھی۔

تشریح از شیخ زکریاؒ۔ قرآن پاک کی آیت ہے۔ فانطلقا حتی اذا رکبا الخ اس آیت پاک کا تقاضا ہے۔ حضرت موسیٰؑ اور حضرت خضرؑ دونوں ایک ساتھ سمندر میں سوار ہوئے اور یہی مضمون حدیث سے بھی ثابت ہے کہ جب حضرت موسیٰ، حضرت خضرؑ سے ملے۔ تو ان سے کہا کہ مجھے علم سکھلایئے اس پر حضرت خضرؑ نے فرمایا کہ تم میرے ساتھ صبر نہیں کر سکتے۔ لیکن عہد و پیمان کر کے چلے دریا کے کنارے چلتے رہے۔ ایک کشتی جا رہی تھی، اس کشتی والوں نے حضرت خضرؑ کو پہچان کر بلا کرایہ سوار کر لیا۔ جب کشتی چلنے لگی تو حضرت خضرؑ نے اس کو توڑنا شروع کر دیا۔ الغرض اس حدیث سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ دونو حضرات ساتھ سوار ہو کر سمندر میں چلے۔ لیکن امام بخاریؒ باب باندھ رہے ہیں۔ کہ فی ذھاب موسیٰ الخ اس کا تقاضا یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سمندر میں ہو کر حضرت خضرؑ کی طرف چلے اور پھر ان سے ملاقات کی۔ اس کی توجیہات ذکر ہو چکی ہیں۔ ایک توجیہ یہ بھی ہے۔ کہ حضرت موسیٰ

کے حضرت خضر علیہ السلام کے پاس جانے کے متعلق بعض روایات میں آتاہے کہ جب حضرت موسیٰ اپنے ساتھی کے ساتھ چلے تو چلتے ہوئے ایک جھولا ساتھ لے لیا تھا جس میں ایک بھنی ہوئی مچھلی تھی مچھلی کود کر سمندر میں چلی گئی۔ اور بطور معجزہ وہاں ایک طاقچہ بن گیا۔ بیدار ہونے کے بعد جب پورا واقعہ بیان کیا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا ہم تو یہی تلاش کر رہے تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اس طاقچہ میں داخل ہو کر حضرت خضرؑ کے پاس پہنچے اس تقریر سے ذھاب موسیٰ فی البحر الی الخضر ٹھیک ہوگیا۔ اب ترجمۃ الباب کی غرض کیا ہے حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہٗ فرماتے ہیں۔ کہ چونکہ صحابہ کرام کے دور میں طلب علم کے لئے سفر کی عادت نہ تھی اس لئے اس کا اثبات فرماتے ہیں۔ لیکن اس پر اشکال ہوتا ہے۔ کہ امام بخاریؒ اس کے لئے مستقل باب الخروج فی طلب العلم کا ترجمہ منعقد فرمائیں گے۔ چنانچہ اس اعتراض سے بچنے کے لئے مشائخ فرماتے ہیں کہ غرض ترجمہ خروج فی البحر لطلب العلم کے جواز کو بیان کرنا ہے۔ اور آنے والے باب سے خروج فی البر کو بیان کرنا ہے مگر اس توجیہ پر یہ اشکال ہے۔ کہ سمندر کا سفر مشقت کا سفر ہے۔ بنسبت خشکی کے سفر کے جب سمندری سفر کا جواز ثابت ہوگیا تو خروج فی البر بطریق اولیٰ ثابت ہوگا۔ مولانا کی اپنی توجیہ یہ ہے کہ ابو داؤد کی روایت کے مطابق لا یرکب البحر الا حاج او معتمر او غاز فی سبیل اللہ رکوب بحر کا جواز سوائے حاج معتمر اور غازی کے نہیں معلوم ہوتا اس لئے امام بخاریؒ نے اس کے عموم کو مقید کرنے یا اس سے مستثنیٰ کرنے یا اس پر رد کرنے کو یہ باب باندھا اور میری اس رائے کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ امام بخاریؒ نے کتاب البیوع میں باب باندھا ہے۔ باب التجارۃ فی البحر تو امام بخاریؒ کو جہاں جہاں اس کے خلاف روایات ملیں وہاں وہاں اس کے عموم کو مقید فرمایا۔ یا استثناء فرما دیا۔ اور بعض علماء نے غرض یہ بیان فرمائی کہ علم حاصل کرنے میں جو مشقت اور تکالیف آئیں ان کو برداشت کرنا چاہیئے۔ جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے تکالیف برداشت کیں اور ایک غرض یہ بھی ہوسکتی ہے کہ اس سے قبل مصنفؒ نے قال ابو عبداللہ کہہ کر یہ فرمایا تھا کہ سردار بننے کے بعد بھی بے فکر ہو کر نہ بیٹھنا چاہیئے۔ بلکہ تعلیم حاصل کرے تو اس کی تائید اس باب سے فرماتے ہیں۔ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نبوت یعنی سرداری کے مل جانے کے باوجود کلیم اللہ اور نبی مرسل اور دیگر خصوصیات کے حضرت خضرؑ سے علم حاصل کرنے تشریف لے گئے۔ جن کی نبوت میں بھی اختلاف ہے ھل اتبعک الخ امام بخاریؒ نے ساری سورت میں سے یہ آیت منتخب کی ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سفر صرف علم حاصل کرنے کے لئے تھا۔ ملاقات وغیرہ کے لئے نہیں تھا۔ انہ تماری ھو والحر بن قیس حضرت

عبداللہ بن عباس اور حر بن قیس دونوں صحابی ہیں ان دونوں میں اس بات پر جھگڑا ہوا کہ حضرت موسیٰؑ جن کے پاس گئے تھے وہ کون تھے حضرت خضر تھے یا کوئی اور حافظ ابنِ حجر فرماتے ہیں کہ مجھے اس کا نام معلوم نہ ہو سکا یہاں اس روایت میں تو اس طرح ہے مگر بخاری شریف صہ۲۳ جلد اوّل پر اس طرح ہے ان نوفل البکالی یزعم الخ اس کا مطلب یہ ہے کہ نوفل بکالی اس کا انکار کر رہا تھا کہ اتنا بڑا نبی بھی خضر سے علم حاصل کرنے جائے گا۔ لہٰذا وہ کوئی اور موسیٰ ہو گا۔ لیکن اس روایت کے باب کے آخیر سے یہ معلوم ہوا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں جھگڑا ہوا۔ میں نے تنبیہہ اس لئے کر دی تاکہ خلجان نہ ہو۔ یہ دونوں دو قصے ہیں یہاں ابن عباسؓ سے جھگڑا کرنے والے یہ حر بن قیس ہیں اور وہاں یہ بات کہنے والے نوفل بکالی تھے۔ خلاصہ اس مضمون کا یہ ہوا کہ بعینہٖ یہ حدیث صہ۲۳ پر آرہی ہے۔ وہاں بھی ان دونوں صاحبوں کے درمیان مناظرہ ہے۔ لیکن وہاں مناظرہ حضرت خضرؑ کے ہونے یا نہ ہونے کے متعلق نہیں بلکہ مناظرہ حضرت موسیٰ کے بارے میں ہے کہ یہ کون سے موسیٰ ہیں۔

قال موسیٰ لا الخ جب حضرت موسیٰؑ سے یہ سوال ہوا کہ آپ اپنے سے زیادہ کسی کو عالم جانتے ہیں تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جواب میں فرمایا کہ نہیں۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ حضرت موسیٰ نبی تھے۔ ظاہر ہے کہ نبی کا علم اوروں سے زیادہ ہوا کرتا ہے۔ لیکن چونکہ انانیت اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں بلکہ تواضع پسند ہے اس لئے عتاب ہوا بلی عبدنا خضر الخ ہاں ہمارا بندہ خضر تم سے اعلم ہے۔ اور اس سے مراد خاص جزئیات ہیں۔ اہل علم کو علم کی قدر ہوتی ہے اور پھر انبیاء علیہم السلام کو بہت ہی ہوتی ہے۔ اس لئے حضرت موسیٰؑ نے درخواست کی کہ حضرت خضرؑ سے ملیں گے ان کو طریقہ بتا گیا۔ ابھی بیان ہو چکا کہ انانیت اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں اس پسند نہ ہونے کی وجہ بھی سمجھ میں آتی ہے۔ وہ یہ کہ الکبریاء ردائی کے مطابق کبریائی اللہ تعالیٰ کی ذات میں ہے۔ وہاں پستی نہیں ہے وہاں عظمت ہی عظمت ہے۔ اور قاعدہ ہے کہ جہاں جو چیز نہیں ملتی اس کی بڑی قدر ہوتی ہے اس لئے تواضع کی وہاں بڑی قدر ہے چونکہ وہاں علو ہی علو اور عظمت ہی عظمت ہے اس لئے اس کی کوئی قدر نہیں جو اللہ کے لئے اپنے آپ کو ذلیل سمجھے اس کو اللہ اور بلند فرما دیتے ہیں۔ مَن تواضع للّٰہ رفعہ اللّٰہ کا یہی مطلب ہے۔

فکان موسیٰ علیہ السلام یہ قصہ مختصر ہے دوسری جگہ تفصیل آئے گی۔

باب قولِ النّبیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَللّٰھُمَّ عَلِّمْہُ الْکِتَابَ۔ الخ

حدیث نمبر ۷۳ حَدَّثَنَا اَبُوْ مَعْمَرٍ الخ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضؓ قَالَ ضَمَّنِیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَقَالَ اَللّٰھُمَّ عَلِّمْہُ الْکِتَابَ۔

ترجمہ، حضرت عبداللہ بن عباس رضؓ فرماتے ہیں کہ مجھے جناب رسول اللہ صلعم نے اپنے سینے کے ساتھ لگایا اور دعا فرمائی کہ اے اللہ تعالیٰ اس کو اپنی کتاب قرآن پاک سکھا دے۔

تشریح از شیخ مدنی رح اس باب سے یہ بتلانا ہے کہ علم کے لئے صرف طلب ظاہری کافی نہیں بلکہ اس کے لئے باطنی کوشش بھی کرنی چاہیئے۔ کہ بزرگوں سے دعا بھی کرائی جاتے۔ جیسے آپؐ نے حضرت ابن عباسؓ کے لئے دعا فرمائی جس کی بدولت وہ رئیس المفسرین اور حبر الامۃ بن گئے۔ سچ ہے ؎

نہ کتابوں سے ہے نہ کالج کے دَر سے ہے پیدا
دین ہوتا ہے بزرگوں کی نظر سے پیدا (مرتب)

تشریح از شیخ زکریا شراح کے نزدیک باب کی غرض یہ ہے کہ چونکہ باب سابق کی روایت سے حضرت ابن عباسؓ کا حر بن قیس رح پر غلبہ ہونا معلوم ہوا۔ تو امام بخاریؒ نے یہ باب باندھ کر اس غلبہ کی علت کی طرف اشارہ فرمایا کہ یہ حضور اکرم صلعم کی دعا کی برکت سے ہوا۔ اور مشائخ کی رائے یہ ہے کہ باب سابق کی روایت سے غلبہ ابن عباسؓ معلوم ہوا تو حضرت امام بخاریؒ اس باب سے اشارہ فرماتے ہیں۔ کہ محض ذہانت پر اعتماد نہ کرے اور محنت پر بھروسہ نہ رکھے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہے اور میری رائے ان سب کے ساتھ یہ ہے کہ ہم نے مانا کہ غلبہ ابن عباسؓ کی طرف اشارہ ہے۔ اور دعاؤں کی ترغیب ہے۔ مگر امام بخاریؒ نے یہ باب باندھ کر اشارہ فرما دیا کہ حضور اقدس صلعم نے یہ دعا ابن عباسؓ کے لئے کیوں کی؟ اس کی علت اور سبب کی طرف اشارہ فرمایا وہ یہ کہ ایک بار حضور اکرم صلعم استنجا کرنے کے لئے تشریف لے گئے۔ حضرت ابن عباسؓ نے استنجاء کے لئے لوٹا بھر کے رکھ دیا حضور اکرم صلعم تشریف لائے اور خوش ہوئے اور فرمایا کہ یہ کس نے رکھا ہے۔ بتلایا گیا کہ یہ ابن عباسؓ نے رکھا ہے۔ اس پر حضور انور صلعم نے ان کو دعا دی اللّٰھم فقھہ فی الدین اے اللہ اس کو دین میں سمجھ عطا فرما۔ یہ حدیث ص۲۶ باب وضع الماء عند الخلاء میں آرہی ہے تو امام بخاریؒ نے بتلا دیا کہ یہ دعا خدمت کی وجہ سے تھی۔ لہٰذا مشائخ کی خدمت کرنا چاہیئے۔ اور اگر اولیا اور بزرگوں کی دعا لینا چاہتے ہو تو ان کی خوب خدمت کرو۔ اور یہ اصول موضوعہ میں سے ہے کہ استاد کی خدمت اس کا احترام وغیرہ علم میں برکت کا سبب ہوتا ہے اور نافرمانی وغیرہ علم میں کمی کا باعث ہے۔ اور والدین کا احترام وسعت رزق کا باعث

ہے. اور عدم احترام موجب تنگی رزق ہے ؎

ہر کہ خدمت کرد او مخدوم شد۔

باب مَتٰی یَصِحُّ سِمَاعُ الصَّغِیْرِ۔

حدیث نمبر ۴۷ حَدَّثَنَا اِسْمٰعِیْلُ الخ عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عَبَّاسٍؓ قَالَ اَقْبَلْتُ رَاکِبًا عَلٰی حِمَارٍ اَتَانٍ وَّاَنَا یَوْمَئِذٍ قَدْ نَاھَزْتُ الْاِحْتِلَامَ وَرَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یُصَلِّیْ بِمِنٰی اِلٰی غَیْرِ جِدَارٍ فَمَرَرْتُ بَیْنَ یَدَیْ بَعْضِ الصَّفِّ وَاَرْسَلْتُ الْاَتَانَ تَرْتَعُ وَدَخَلْتُ فِی الصَّفِّ (الحدیث)

ترجمہ، حضرت عبد اللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں گدھیا پر سوار ہو کر آیا جبکہ میں بلوغ کے قریب پہنچ چکا تھا۔ اور آنحضرت صلعم منیٰ کے مقام پر بغیر دیوار کے سترہ کے نماز پڑھا رہے تھے۔ تو میں ایک صف نماز کے سامنے سے گذر گیا۔ اور گدھیا کو چرنے کے لئے چھوڑ دیا اور نماز کی صف میں داخل ہو گیا۔ میرے اس عمل کو آنحضرت صلعم نے برا نہ منایا۔

تشریح از شیخ مدنیؒ اور روایت اور تبلیغ کے وقت بلوغ کا ہونا شرط ہے اس پر سب کا اتفاق ہے البتہ تحمل روایت کی حالت میں اختلاف ہے۔ اکثر حضرات کے نزدیک یہی ہے کہ اگر تمیز اور بلوغ ہے تو نقل روایت صحیح ہے۔ اگر بلوغ نہیں اور تمیز ہے۔ تو بلوغ کے بعد اس کی اس روایت کا اعتبار ہوگا۔ مصنفؒ اس جگہ صاف بات نہیں کہتے ہیں۔ اتان کا لفظ مؤنث کے لئے آتا ہے، حمار کا لفظ عام ہے مذکر و مؤنث دونو کے لئے الی غیر جدار ای الی سترۃ غیر جدار اس سے معلوم ہوا کہ ہر نمازی کے سامنے سترہ کا ہونا ضروری نہیں، سترہ امام سب کے لئے کافی ہے۔ بہرحال یہ حکم اور اس کا تحمل قبل البلوغ ہو رہا ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ سماع صبی معتبر ہے۔

تشریح از شیخ زکریاؒ مسئلہ یہ ہے کہ تعلیم و تدریس تو بعد البلوغ معتبر ہے۔ مگر اس میں اختلاف ہے کہ کس زمانے کی روایات بیان کر سکتے ہے۔ یحیٰی بن معین وغیرہ محدثین کی جماعت کی رائے یہ ہے کہ تحمل کے لئے بلوغ یا مراھقۃ شرط ہے ان کا استدلال قد ناھزت الاحتلام والی روایت سے ہے اور حضرت امام احمدؒ کی رائے ہے کہ جتنی ممیز کا تحمل صحیح ہے اور امام احمدؒ سے اس بارے میں پانچ سال کا بچہ منقول ہے اور ایک تیسری جماعت کی رائے ہے کہ پانچ سال میں تمیز کا ہونا کہیں کہیں ہوتا ہے۔ ورنہ قاعدہ اکثری یہ ہے کہ سات

سال میں تمیز ہوتی ہے۔ اسی لئے امر بالصلوٰۃ سات سال کی عمر میں فرمایا ہے۔ لہذا سات سال والے کا تحمل معتبر ہوگا۔ اور بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ عربی لڑکے کے لئے چار سال اور عجمیوں میں سات سال کیونکہ اہل عرب کا حافظہ قوی ہوتا ہے اور وہ چار سال میں اچھی طرح تحمل کر سکتے ہیں بخلاف اہل عجم کے۔ امام بخاریؒ نے باب باندھ کر کسی ایک قول کو ترجیح نہیں دی ہے بلکہ باب کی پہلی حدیث قد ناھزت الاحتلام یحییٰ بن معین کی تائید میں ذکر فرمائی ہے اور دوسری حدیث وانا ابن خمس سنین امام احمدؒ کی مؤید ہے۔ حضرت مولانا گنگوہیؒ کا ارشاد ہے کہ تحمل کے لئے تو کوئی شرط نہیں۔ لیکن سماع کے لئے ادراک کی شرط ہے۔

حدیث نمبر ۷۵ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ الخ عَنْ مَحْمُودِ بْنِ الرَّبِيعِ قَالَ عَقَلْتُ مِنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَجَّةً مَجَّهَا فِيْ وَجْهِيْ وَاَنَا ابْنُ خَمْسِ سِنِيْنَ مِنْ دَلْوٍ۔

ترجمہ، حضرت محمود بن الربیع رض سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ مجھے جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے وہ کلی کا پانی یاد ہے جو آپ نے ڈول سے لے کر میرے منہ میں مارا تھا جبکہ میں پانچ سال کی عمر کا تھا۔

تشریح از شیخ مدنی رح چونکہ آپ کے اس عمل سے ان کو تکلیف پہنچی تھی۔ اس لئے انہوں نے اسے یاد رکھا۔ اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ بچوں کے ساتھ ہنسی و مذاق جائز ہے۔ دوسرا مسئلہ یہ بھی ثابت ہوا کہ کلی کا پانی ناپاک نہیں بہر حال روایت سے یہ معلوم ہوا کہ تحمل کے لئے بلوغ شرط نہیں۔ البتہ ادائے روایت کے وقت بلوغ شرط ہے۔ امام بخاریؒ نے اس روایت کو متعدد جگہ مثلاً کتاب السنۃ۔ قطع الصلوٰۃ، مرور بین یدی المصف وغیرہ میں ذکر فرما کر مختلف مسائل ثابت فرمائیں گے۔

بَابُ الْخُرُوْجِ فِيْ طَلَبِ الْعِلْمِ وَرَحَلَ جَابِرُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ مَسِيْرَةَ شَهْرٍ اِلَى عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ اُنَيْسٍ فِيْ حَدِيْثٍ وَّاحِدٍ۔

ترجمہ، تلاش علم کے لئے سفر کرنا اور حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے مہینہ بھر کا سفر حضرت عبد اللہ بن انیسؓ کی طرف محض ایک حدیث سننے کے لئے اختیار کیا۔

حدیث نمبر ۷۶ حَدَّثَنَا اَبُو الْقَاسِمِ الخ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّهُ تَمَارٰى هُوَ وَالْحُرُّ بْنُ قَيْسِ بْنِ حِصْنٍ الْفَزَارِيُّ فِيْ صَاحِبِ مُوْسٰى فَمَرَّ بِهِمَا اُبَيُّ بْنُ كَعْبٍ فَدَعَاهُ ابْنُ عَبَّاسٍ فَقَالَ اِنِّيْ تَمَارَيْتُ اَنَا وَصَاحِبِيْ هٰذَا فِيْ صَاحِبِ مُوْسَى الَّذِيْ سَاَلَ السَّبِيْلَ اِلٰى لُقِيِّهٖ هَلْ سَمِعْتَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَذْكُرُ شَاْنَهٗ فَقَالَ اُبَيٌّ نَعَمْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى

اللہ علیہ وسلم یذکر شانہ یقول بینما موسٰی فی ملاء من بنی اسرائیل اذ جاءہ رجل فقال ھل تعلم احدا اعلم منک قال موسٰی لا فاوحی اللہ الی موسٰی بلی عبدنا خضر فسال السبیل الی لقیہ فجعل اللہ لہ الحوت اٰیۃ وقیل لہ اذا فقدت الحوت فارجع فانک ستلقاہ فکان موسٰی یتبع اثر الحوت فی البحر فقال فتی موسٰی لموسٰی ارءیت اذ اوینا الی الصخرۃ فانی نسیت الحوت وما انسٰنیہ الا الشیطٰن ان اذکرہ قال موسٰی ذٰلک ما کنا نبغ فارتدا علی اٰثارھما قصصا فوجدا خضرا فکان من شانھما ما قص اللہ فی کتابہ (الحدیث)

ترجمہ، حضرت عبد اللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ میرا اور حر بن قیس فزاری کا صاحب موسٰی کے بارے میں اختلاف ہوا۔ اچانک حضرت ابی بن کعبؓ کا ہمارے پاس سے گذر ہوا۔ میں نے ان کو بلا کر عرض کیا کہ میرا اور میرے اس ساتھی کا صاحب حضرت موسٰی علیہ السلام کے بارے میں اختلاف ہوا جن سے ملاقات کے لیے حضرت موسٰی علیہ السلام اللہ تعالیٰ راستہ دریافت کیا تھا کیا آپ نے اس بارے میں آنحضرت رسول اللہ صلعم سے کچھ سنا ہے انہوں نے فرمایا کہ ہاں میں نے جناب رسول اللہ صلعم سے ان کے بارے میں سنا کہ آپ فرماتے تھے کہ ایک مرتبہ حضرت موسٰی علیہ السلام بنی اسرائیل کی ایک جماعت میں خطبہ دے رہے تھے کہ ایک آدمی آیا اور اس نے پوچھا کہ کیا آپ اپنے سے زیادہ علم والے کو جانتے ہیں آپ نے فرمایا کہ نہیں میرے سے اعلم کوئی نہیں تو اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف وحی بھیجی کہ کیوں نہیں میرا ایک بندہ خضر علیہ السلام اعلم ہے۔ تو ان سے ملاقات کا راستہ دریافت فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے مچھلی کو نشانی قرار دیا کہ جب مچھلی گم ہو جائے تو آپ واپس لوٹیں عنقریب آپ کی ان سے ملاقات ہو جائے گی۔ تو حضرت موسٰی علیہ السلام سمندر میں مچھلی کا نشان تلاش کرنے لگے جس پر موسٰی علیہ السلام کے شاگرد نوجوان یوشع علیہ السلام نے موسٰی علیہ السلام سے کہا کہ آپ کو معلوم ہونا چاہیئے جب ہم ایک پتھر کے پاس آرام کر رہے تھے، تو مچھلی کو بھول گیا۔ اور یہ مچھلی کا ذکر بھلوا دینا شیطان کی کارگذاری ہے حضرت موسٰی علیہ السلام نے فرمایا کہ یہی تو ہمارا منزلِ مقصود تھا جس کو ہم طلب کر رہے تھے چنانچہ یہ دونوں اپنے نشان قدم پر واپس لوٹے اور خضر علیہ السلام کو پا لیا۔ باقی قصہ ان کا اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں بیان فرمایا ہے۔

تشریح از شیخ مدنیؒ مصنفؒ اس باب سے طلب علم کے لئے سفر کو ثابت کرنا چاہتے ہیں حالانکہ آپ نے

سفر کو فقط نذر النذر فرمایا ہے اور لا تشد الرحال الا الی ثلث اور یہ بھی آپؐ نے فرمایا کہ حاجت پوری ہونے کے بعد فوراً گھر واپس آنا چاہیئے۔ حضرت جابرؓ نے یحشر اللہ العباد والی روایت کو آپؐ سے بلا واسطہ نہیں سنا تھا۔ اور نہ ہی اہل مدینہ کو یاد تھی۔ صرف حضرت عبداللہ بن انیسؓ کو یاد تھی، جس کے لئے شد رحال کر کے انہوں نے دمشق کا سفر اختیار کیا۔

یتبع اثر الحوت الخ اس میں اختلاف ہے کہ اتباع اثر حوت کہاں ہوا ہے۔ آیا صخرہ کے بعد یا ابتداء میں روایت سے آخری صورت معلوم ہوتی ہے تو اس کی توجیہ یہ ہے کہ یتبع اثر الحوت لدی الرجوع الی الصخرۃ یعنی واپسی پر جبکہ صخرہ کے پاس پہنچے۔ دوسری توجیہ یہ ہے کہ اتباع اثر حوت زنبیل میں تھا اور ق البحر کے معنی من جانب البحر کے ہیں۔ تو مطلب یہ ہوا کہ ہر وقت زنبیل میں دیکھتے تھے اور پیچھے لگنے کے معنی خیال کرنے کے ہیں۔

تشریح از شیخ زکریاؒ اس باب میں امام بخاریؒ نے یہ بتلایا ہے کہ صحابہ کرام اعلم الناس تھے، آنحضرت صلعم سے علم حاصل کئے ہوئے تھے۔ اور دیگر صفات کے باوجود ایک ایک حدیث کے لئے لمبے لمبے سفر کرتے تھے الی آخرہٖ۔ تو معلوم ہوا کہ طلب علم کے لئے سفر کرنا مندوب ہے اور حضرت ابن عباسؓ کی روایت جس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے کوچ کرنے کا ذکر ہے۔ تو اس حدیث سے یہ ثابت فرمادیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی تحصیل علم کی خاطر اپنے مقام سے نکلے ہیں۔

بَابُ فَضْلِ مَنْ عَلِمَ وَعَلَّمَ۔

حدیث نمبر ۷۷ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ الخ عَنْ اَبِیْ مُوْسٰی عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ مَثَلُ مَا بَعَثَنِیَ اللّٰہُ بِہٖ مِنَ الْھُدٰی وَالْعِلْمِ کَمَثَلِ الْغَیْثِ الْکَثِیْرِ اَصَابَ اَرْضًا فَکَانَ مِنْھَا نَقِیَّۃٌ قَبِلَتِ الْمَاءَ فَاَنْبَتَتِ الْکَلَاَ وَالْعُشْبَ الْکَثِیْرَ وَکَانَتْ مِنْھَا اَجَادِبُ اَمْسَکَتِ الْمَاءَ فَنَفَعَ اللّٰہُ بِھَا النَّاسَ فَشَرِبُوْا وَسَقَوْا وَزَرَعُوْا وَاَصَابَ مِنْھَا طَائِفَۃً اُخْرٰی اِنَّمَا ھِیَ قِیْعَانٌ لَا تُمْسِکُ مَاءً وَّلَا تُنْبِتُ کَلَاً فَذٰلِکَ مَثَلُ مَنْ فَقُہَ فِیْ دِیْنِ اللّٰہِ وَنَفَعَہٗ بِمَا بَعَثَنِیَ اللّٰہُ بِہٖ فَعَلِمَ وَعَلَّمَ وَمَثَلُ مَنْ لَّمْ یَرْفَعْ بِذٰلِکَ رَاْسًا وَّلَمْ یَقْبَلْ ھُدَی اللّٰہِ الَّذِیْ اُرْسِلْتُ بِہٖ قَالَ اَبُوْ عَبْدِ اللّٰہِ قَالَ اِسْحٰقُ عَنْ اَبِیْ اُسَامَۃَ وَکَانَ مِنْھَا طَائِفَۃٌ قَیَّلَتِ الْمَاءَ قَاعٌ یَعْلُوْہُ الْمَاءُ وَالصَّفْصَفُ الْمُسْتَوِیْ مِنَ الْاَرْضِ (الحدیث)

ترجمہ، حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت نبی اکرم صلعم سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ وہ ہدایت اور علم وحی جو اللہ تعالیٰ نے مجھے دے کر بھیجا ہے اس کی مثال اس کثیر بارش کی طرح ہے۔ جو ایک زمین کو پہنچی جو صاف ستھری ہے کہ اس نے پانی کو قبول کر لیا بہت سی خشک اور تر گھاس کو اگایا۔ اور بعض زمینیں ایسی سخت ہیں کہ اس نے پانی کو تو روک لیا جس سے اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو نفع پہنچایا کہ انہوں نے خود بھی پانی پیا دوسروں کو پلایا اور کھیتی باڑی میں بھی لگایا۔ اور بارش زمین کے ایک دوسرے ایسے حصّہ کو پہنچی جو چٹیل میدان ہے کہ نہ اس نے پانی کو روکا اور نہ ہی گھاس اگائی۔ پس یہ مثال اس شخص کی ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے دین میں سمجھ پیدا کی۔ اور اللہ تعالیٰ نے جو علم و ہدیٰ مجھے دے کر بھیجا ہے اس سے نفع پہنچایا کہ خود علم حاصل کیا اور دوسروں کو سکھایا۔ اور اس شخص کی مثال جس نے اس علم کی طرف سر بھی نہیں اٹھایا۔ اور نہ ہی اس نے اللہ تعالیٰ کی اس ہدایت کو قبول کیا جس کے ساتھ میں بھیجا گیا ہوں۔ امام بخاریؒ ابو عبداللہ فرماتے ہیں کہ میرے استاد حضرت اسحاق نے حضرت ابو اسامۃ سے نقل کیا ہے کہ اس زمین میں سے ایک ٹکڑا ایسا چٹیل بھی ہے جس پر پانی چڑھ گیا۔ اور قرآن میں قاعًا صَفصَفًا کے یہی معنی ہیں صفصف ہموار زمین کو کہتے ہیں۔

تشریح از شیخ مدنیؒ زمین کی تین قسمیں بیان فرمائی ہیں۔ ایک وہ زمین جو کھیتی کے قابل ہو کہ اس سے کھیتی پیدا ہو سکتی ہے۔ اور دوسری وہ جس سے کھیتی پیدا نہیں ہو سکتی۔ بلکہ شور زمین ہے۔ پھر جو زمین کھیتی کے قابل ہے۔ اس کی دو قسمیں ہیں ایک تو سہل اور نرم ہوتی ہے۔ جو پانی کو چوس لیتی ہے۔ پھر اس سے کھیتی باڑی اگتی ہے۔ اور دوسری زمین وہ ہے جو سخت ہے۔ پانی کو چوستی نہیں البتہ پانی کو محفوظ کر لیتی ہے جانور انسان چرند، پرند اس سے پانی پیتے ہیں۔ اور کھیتی بھی سیراب کرتے ہیں۔ اسی طرح اہل علم کی بھی تین حالتیں ہیں۔ بعض وہ لوگ ہیں جنہوں نے احادیث کو سنا اور استخراج مسائل کیا جیسے مجتہدینؒ بظاہر یہ استخراج مشکل معلوم ہوتا ہے۔ مگر ایک ایک روایت سے سینکڑوں مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔ دوسرا اہلِ علم کا وہ طبقہ ہے جو استخراج کی قوت تو نہیں رکھتا مگر احادیث کو محفوظ کر لیا۔ مجتہدین اس سے استخراج کریں گے۔ جیسے محدثین کی جماعت اور تیسرا طبقہ وہ ہے جنہوں نے علم نبوی کو نہ تو جذب کیا اور نہ محفوظ کیا بلکہ علو نبوی کی طرف کوئی توجہ نہیں کرتا۔ جیسے امراء، جہلاء اور کفار یہاں مثال کو ممثل لہ کے ساتھ بالکل مطابقت ہے کہ زمین کی تین قسم ہیں اسی طرح اہل علم کی بھی تین قسم ہیں۔ نقیۃ وہ زمین جو شور نہ ہو بلکہ طیبہ ہو۔ کلاء گھاس کو کہتے ہیں خواہ وہ

تر ہو یا خشک اور عشب تر گھاس کو کہتے ہیں قیعان قاع کی جمع ہے۔ وہ سخت زمین جس پر پانی نہ ٹھہر سکے۔ یہ زمین اپنے اندر گڑھا نہ ہونے کی وجہ سے پانی کو نہیں روک سکتی اور اپنے میں شبر بینی نہ ہونے کی وجہ سے انبات نہیں ہوتا۔ اس پر اشکال ہے کہ ممثل اور ممثل لہ میں تین چیزیں ہونی چاہئیں، جب زمین کی تین قسمیں ہیں اور آپ اپنے لائے ہوئے علم کو زمین سے تشبیہ دیتے ہیں۔ جب ممثل کی تین قسمیں ہیں تو مثل لہ کی دو قسمیں کیوں ذکر کی گئیں۔ تو تطبیق کی صورت یہ ہے کہ درحقیقت ممثل اور ممثل لہ دو ہیں۔ آپ نے کمثل الغیث الکثیر کا مقابل منہا اجادب فرمایا ہے اور غیث کثیر کی دوسری قسم منہا نقیۃ قبلت الماء اور ممثل لہ بھی دو ہیں ایک نفع اللہ بھا اور دوسرا اجادب تو نقیۃ کا مقابل اجادب ہوا۔ اور ممثل لہ بھی دو قسم ہیں غایۃ ما فی الباب ممثل لہ کی دو قسموں کی ایک قسم کر لی گئی یعنی نرم زمین ہے جو پانی چوس لیتی ہے اور دوسری وہ سخت زمین ہے جو پانی کو نہیں چوستی اور اصاب ارضاً کے مقابل اصاب منہا طائفۃ اخریٰ ہے یعنی قیعان ہے۔ لفظ اصاب کا اعادہ اس پر دلالت کر رہا ہے کہ ارض نافعہ کا مقابل قیعان ہے۔ یعنی ایسے لوگ بھی ہیں کہ جنہوں نے ہدایت کو قبول کیا۔ اور بعض نے قبول نہ کیا۔ لفظ اصاب اور مثل کا مکرر لانا تقسیم ثنائی پر دلالت کرتا ہے۔ اور پھر پہلی تقسیم کی تمثیل سے کوئی بحث نہیں، دوسری توجیہ یہ ہے کہ تقسیم ثلاثی ہے۔ کہ غیر قیعان کی دو قسمیں ہیں۔ اور قیعان تیسری قسم ہے۔ اب مثل لہ میں تھوڑی سی تقریر کرنی پڑے گی کہ نفعہ بما بعثنی اللہ الخ میں واؤ وغیرہ کو بعد مثل کے محذوف ماننا جائے گا۔ قاع بعلوہ الماء مصنف کا طریقہ ہے کہ کوئی لفظ قرآنی روایت کے مطابق آجائے۔ تو روایت سے اس کی تفسیر کر دیتے ہیں۔ قاعا صفصفا کی تفسیر اس قیعان سے کر دی۔ کہ دونوں کے معنی ایک ہیں۔

تشریح از شیخ زکریا۔ ترجمۃ الباب کی غرض یہ ہے کہ تعلّم کی فضیلت مسلّم اور علم کے فضائل تسلیم مگر بقائے علم تعلیم سے ہوتا ہے۔ تو گویا اس باب سے تعلیم کی فضیلت کی طرف اشارہ ہے۔ مثل ما بعثنی اللہ الخ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مثال کے ذریعہ عالم اور غیر عالم کے فرق کو سمجھایا ہے کہ جو علم و ہدایت میں لے کر آیا ہوں اس کی مثال کثیر بارش کی سی ہے جب نازل ہوتی ہے۔ تو تین طرح کی زمینوں پر پڑتی ہے ایک تو وہ زمین جس میں نرماہٹ اور نرمی بہت ہے۔ کہ بارش ہوتی۔ اس نے پانی چوس لیا۔ اور پھر گھاس سبزہ پھل پھول اگائے یہ ائمہ مجتہدین امام ابو حنیفہؒ اور امام شافعیؒ کی مثال ہے کہ ان لوگوں نے احادیث کو پی لیا پھر اصول و فروع کے پھل پھول اگائے۔ اور مسائل کے بیل بوٹے لگائے اب ان سے حد ثنا کا سوال ہی نہ کرنا چاہیئے انہوں

توسب کچھ تمہارے سامنے سنوار کر رکھ دیا اور ترتیب دے دی۔ اور دوسری زمین وہ ہے۔ جو نرم تو نہیں بلکہ سخت ہے۔ مگر اس میں نشیب ہے جیسے تالاب وغیرہ کہ اس میں پانی جمع ہو گیا۔ لوگ اس سے منتفع ہوتے۔ یہ مثال محدثین کی ہے۔ کہ وہ احادیث کے ذخائر جمع کر دیتے ہیں۔ اور مجتہدین ان کو لے کر اور پی کر مسائل کا استنباط کرتے ہیں۔ جیسے امام بخاریؒ وغیرہ اور تیسری زمین ایسی ہے کہ نہ تو پانی چوس کر پھل پھول اگاتی ہے اور نہ ہی پانی روکتی ہے۔ بلکہ چٹیل میدان ہے۔ یہ ان دونوں کے علاوہ کی مثال ہے۔ یعنی اس شخص کی جو نہ خود علم حدیث میں مشغول ہوا۔ اور نہ علم کو پھیلایا۔ اب آگے چل کر روایت میں اختصار ہو گیا۔ کہ حدیث میں مشبہ کی صرف دو قسمیں بیان کی ہیں۔ ایک قسم وہ جس کو فکان منها نقیةٌ سے تعبیر کیا ہے۔ اور دوسری قسم وہ جس کو مثل من لم یرفع بذالک رأساً سے تعبیر کیا ہے۔ حالانکہ مشبہ بہ کی طرح یہاں بھی تین انواع کا ذکر ہونا چاہیئے تھا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ حضور اقدس صلعم کے پیش نظر افادہ اور استفادہ تھا۔ اس لئے پہلی دو قسموں کو یعنی جس نے پانی پی لیا اور جس نے جمع کیا دونوں کو ایک شمار کر لیا۔ کیونکہ یہ دونوں قسمیں نافع ہونے میں برابر ہیں اس لئے کہ علمی بارش سے دونوں سیراب ہیں اگرچہ نفع کی نوعیت مختلف ہے۔ اور یہ تیسری زمین نے چونکہ کوئی نفع نہیں دیا اس لئے اس کے ساتھ ان لوگوں کو تشبیہ دی۔ جن سے کوئی افادہ اور استفادہ نہیں اور یہ لوگ کافر و جاہل ہیں لہٰذا اب اعتراض مندفع ہو گیا۔ کہ جانب مشبہ میں تین چیزیں اور جانب مشبہ بہ میں صرف دو ہیں۔

قال ابوعبد الله یہاں سے امام بخاریؒ اختلافِ روایات کی طرف اشارہ فرماتے ہیں کہ ایک روایت میں قَبِلَت بالبأ التحتانیہ ہے اور دوسری روایت میں قیلت بالبأ الموحدۃ ہے دونوں کے ایک معنی ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ قیلت البعیر اما کہ اونٹ نے پانی پیا۔ تو قیلت کے معنی پانی پینے کے ہیں۔ وہی یہاں قبلت سے مراد ہے۔ والصفصف المستوی من الارض امام بخاریؒ جس طرح حافظ حدیث ہیں۔ خوش قسمتی سے اس سے کہیں زیادہ حافظ قرآن ہیں۔ اور آپ کی عادت مستمرہ ہے کہ جب کوئی لفظ حدیث میں آجاتے یا اور کہیں آجاتے اور اسی کے ساتھ وہ لفظ کہیں قرآن شریف میں بھی آیا ہو۔ تو امام بخاریؒ اس کی تفسیر کرتے ہیں اور اس جدید لغت کے معنی اور مفہوم سمجھا دیتے ہیں۔ اور یہ سمجھتے ہوئے کہ جیسے مجھے قرآن پاک حفظ ہے تو دوسرے پڑھنے والے بھی ایسے ہی حافظ ہوں گے اس لئے صرف اس لفظ کو جس کی تفسیر کرنا ہوتی ہے ذکر کر دیتے ہیں۔ چنانچہ حدیث باب میں قیعان کا لفظ آیا ہے۔ اور اس کا واحد قاع

ہے۔ اور قرآن شریف میں آتا ہے و یذرھا قاعا صفصفا اس لئے امام بخاریؒ نے اولاً قاع کی تفسیر یعلوہ الماء سے فرمائی۔ کہ جس پر پانی نہ رکتا ہو بلکہ گذر جاتا ہو۔ چونکہ صفصف بھی آیت میں مذکور ہے اس لئے اس کی تفسیر بھی فرمادی کہ المستوی من الارض ہموار زمین

بَابُ رَفْعِ الْعِلْمِ وَظُهُوْرِ الْجَهْلِ وَقَالَ رَبِيْعَةُ لَا يَنْبَغِيْ لِأَحَدٍ عِنْدَهُ شَيْءٌ مِّنَ الْعِلْمِ اَنْ يُّضَيِّعَ نَفْسَهُ ۔

ترجمہ، علم کے اٹھ جانے اور جہالت کے غلبہ میں اور حضرت ربیعہؒ فرماتے ہیں کہ جس شخص کے پاس علم کا کوئی حصہ ہو تو اسے لائق نہیں کہ اپنے آپ کو ضائع کرے۔

حدیث نمبر ۸۰ حَدَّثَنَا عِمْرَانُ بْنُ مَيْسَرَةَ الخ عَنْ اَنَسٍؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ مِنْ اَشْرَاطِ السَّاعَةِ اَنْ يُّرْفَعَ الْعِلْمُ وَيَثْبُتَ الْجَهْلُ وَتُشْرَبُ الْخَمْرُ وَيَظْهَرَ الزِّنَا

ترجمہ، حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلعم نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ علم دین اٹھ جائے گا اور جہالت قرار پکڑے گی اور شراب پی جائے گی اور زنا کا غلبہ ہو جائے گا۔

تشریح از شیخ مدنیؒ، رفع علم کا ذکر کیا گیا حالانکہ کتاب العلم ہے دوسرے اس کا کوئی حکم بیان نہیں فرمایا تو کہا جائے گا کہ یہاں عبارت محذوف ہے چونکہ آپ کا ارشاد ہے بلغوا عنی ولو آیۃ تو مصنفؒ کا مقصد یہ ہے کہ باب افشاء العلم لئلا یرتفع العلم و یظہر الجہل چونکہ جیسے فشو بھی زنا کا بھی علامات قیامت میں سے ہے ایسے رفع علم اور ظہور جہل بھی علامات ساعۃ میں سے ہے۔ لہذا ارتفاع علم کو روکنا چاہیئے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ جو حضرت ربیعہ نے کہی کہ علم کی تبلیغ کرد۔ اور علم کو ظاہر کرو۔ مصنفؒ کا مقصود خبر دینا نہیں ہے کیونکہ اس کو تو کتاب الفتن میں بیان کیا جائے گا یہاں رغبتہ الی العلم مقصود ہے۔ اور یہ کہنا ہے کہ جہاں تک ہو سکے رفع علم کو روکو۔ اور ان کے نہ ہونے میں کوشش کرو۔ ہماری جد وجہد یہ ہونی چاہیئے کہ زنا ظاہر نہ ہو۔ اگر ظاہر ہو جائے تو ہمارا قلب فارغ ہوگا۔ حضرت انسؓ کے لئے آپؐ نے تین چیزوں کی برکت کی دعا فرمائی تھی کثرتِ مال۔ کثرتِ عمر اور کثرتِ اولاد۔ حضرت انسؓ کو اپنی اولاد اور اولاد کی اولاد کی گنتی معلوم نہ تھی۔ ان کی بیٹی نے ان کی وفات سے چالیس دن پہلے خبر دی کہ ایک سو تیس مر چکے ہیں۔ اور اس سے زائد باقی ہیں۔ الخ

حدیث نمبر ۸۱ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ الخ عَنْ اَنَسٍؓ قَالَ لَاُحَدِّثَنَّكُمْ حَدِيْثًا لَا يُحَدِّثُكُمْ اَحَدٌ بَعْدِيْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مِنْ اَشْرَاطِ السَّاعَةِ اَنْ يَّقِلَّ

الْعِلْمُ وَ يَظْهَرَ الْجَهْلُ وَ يَظْهَرَ الزِّنَا وَ تَكْثُرَ النِّسَاءُ وَ يَقِلَّ الرِّجَالُ حَتّٰى يَكُوْنَ لِخَمْسِيْنَ امْرَأَةً الْقَيِّمُ الْوَاحِدُ۔ (الحدیث)

ترجمہ، حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ کیا میں تمہیں ایک ایسی حدیث نہ بیان کروں جو میرے بعد تمہیں کوئی نہیں بیان کرے گا۔ میں نے جناب رسول اللہ صلعم سے سنا آپؐ فرماتے تھے کہ قیامت کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ علم کم ہو جائے گا اور زنا کا بھی غلبہ ہوگا۔ عورتیں بہت ہو جائیں گی اور مرد تھوڑے ہوں گے یہاں تک کہ پچاس عورتوں کے لئے ایک ہی منتظم ہوگا۔

تشریح از شیخ مدنیؒ "تکثر النساء" کا مطلب بعض حضرات نے یہ بیان کیا ہے کہ قتل و قتال بہت ہوگا مرد لوگ قتل کر دیئے جائیں گے اور عورتیں باقی رہ جائیں گی۔ اور بعض نے کہا تکثر النساء کا مطلب یہ ہے کہ عورتیں کثرت سے ہوں گی یعنی ان کا توالد کثرت سے ہوگا۔ اور رجال کا توالد قلیل ہوگا۔ اس کی وجہ یہ بھی ہے کہ لڑکے اور لڑکی کا نکاح جلدی سے نہ کیا۔ ہر ایک اپنی شہوت کو نہیں روک سکتا۔ جلق کریں گے۔ اغلام بازی ہوگی زنا کی کثرت ہوگی۔ جس سے قوت رجولیت کم ہو جاتی ہے جب بدیر نکاح کیا تو عورت اپنی قوت پر تھی اس کی منی غالب آئے گی تو لڑکی پیدا ہوگی۔ جس سے کثرت نسا ہوگی۔

تشریح از شیخ زکریاؒ، چونکہ امام بخاریؒ نے باب سابق میں یہ بتلایا تھا کہ بقاء علم تعلیم سے ہوتا ہے تو اب یہاں بقاء کو مشہورہ بضدھا تتبین الاشیاء بطور توضیح کے فرماتے ہیں۔ کہ بقاء علم اس وقت ہوگا۔ جبکہ اس کے موانع کو رفع کر دیا جائے۔ اور ظہور جہل اور رفع علم سے بچا جائے۔ لیکن میرا اپنا خیال یہ ہے کہ اگر اس باب کو پہلے باب کا تکملہ بنا دیا جائے تو زیادہ مناسب ہوگا کہ وہاں تو فضیلت علم و تعلیم بیان کی تھی۔ اب یہاں یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ تعلیم نہایت ضروری ہے ورنہ علم اٹھ جائے گا۔ اور قیامت قائم ہو جائے گی۔

قال ربیعۃ لا ینبغی لاحد الخ اضاعت نفس کے بارے میں علماء کے چند اقوال ہیں۔ اوّل یہ کہ تعلیم و تدریس نہ کرے اس سے وہ علم ضائع ہو جائے گا۔ کیونکہ علم تدریس سے باقی رہتا ہے۔ اور اضاعت علم میں اضاعت نفس ہے۔ اور بعض نے اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ اگر صاحب فضل و کمال ہو۔ تو اس کو اپنا فضل ظاہر کرنا چاہیئے۔ یہ نہ چاہیئے کہ غلط تواضع اختیار کرے کہ میں تو حقیر فقیر ہوں مجھے کچھ نہیں آتا اور لوگ اس کے قول پر اعتماد کرکے اس سے تعلیم نہ حاصل کریں۔ بلکہ ان سے کہنا چاہیئے کہ مجھ سے بخاری پڑھو

اور تیسرا قول یہ ہے جو کہ میرے نزدیک زیادہ راجح ہے۔ کہ اہل علم کو چاہیئے کہ وہ اپنے کو زرخرید نہ سمجھیں اور تنخواہوں پر نہ مریں۔ کہ اگر تنخواہ نہ ہو تو تعلیم ہی چھوڑ دیں بلکہ تعلیم و تدریس اللہ کے لئے ہو۔ اور تنخواہ یہ سمجھ کرلے کہ اور کوئی ذریعہ معاش نہیں ہے۔ کفاف کے لئے لیتا ہوں اگر تم دنیا کو ٹھوکر مارو گے تو یہ دنیا خود تمہارے قدموں میں آکر رہے گی۔ اور چوتھا قول یہ ہے کہ ایسوں کے سامنے علوم بیان کرے جو ان کے اہل نہ ہوں اور ان کو نہ سمجھ سکیں۔ تو گویا یہ خود علم کو ضائع کرتا ہے۔ یہ توجیہ اگرچہ اس مقام کے مناسب نہیں لیکن اس عبارت کا یہ اچھا مطلب ہے اور پانچواں قول یہ ہے کہ اپنے علم پر عمل کرے۔ کیونکہ دس بارہ سال میں حاصل ہونے والے علم کو ضائع کر دینا اپنے آپ کو ضائع کر دینا ہے۔ دوسری حدیث میں لا احدثکم الخ یہ جملہ اکثر جگہ آجاتا ہے اس کا مطلب یہ نہیں کہ میں ہی ایک حدیث کو تم سے بیان کردوں گا۔ اور کسی کو یہ حدیث معلوم نہیں تاکہ وہ بیان کرے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ تم سے میرے بعد یہاں بصرہ میں کوئی سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہہ کر حدیث بیان نہیں کرے گا۔ اور اس کے کہنے کی وجہ یہ ہے کہ اس وقت صرف چند صحابہ ادھر ادھر رہ گئے تھے۔ اور بصرہ میں ان کے علاوہ کوئی نہ تھا۔ کیونکہ یہ آخر هم موتا بالبصرہ ہیں یعنی بصرہ میں صحابہ کرام سے آخری فوت ہونے والے صحابی ہیں۔ تکثر النساء کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ آخر زمانہ میں لڑائیاں ہوں گی۔ رجال قتل کئے جائیں گے عورتیں رہ جائیں گی یہاں تک کہ ایک آدمی کے ذمہ بہت سی عورتیں آجائیں گی کیونکہ اعزہ و اقرباء سب قتل ہو جائیں گے۔ ان کے بیوی بچے سب اس کے ذمہ ہوں گے۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ جب تک مردوں میں قوت مردی زیادہ ہوگی۔ تو مردوں کی پیدائش ہوگی لیکن بعد میں لوگوں کی آوارگی کی وجہ سے قوت مردی کمزور ہو جائیں گی۔ تو عورتوں کی پیدائش زیادہ ہوگی۔ تو گویا مردوں کی آوارگی کی طرف اشارہ ہے۔

باب فَضْلِ الْعِلْمِ۔

حدیث نمبر ۸۰ حَدَّثَنَا سَعِيْدُ بْنُ عُفَيْرٍ الخ اَنَّ ابْنَ عُمَرَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ بَيْنَمَا اَنَا نَائِمٌ اُتِيْتُ بِقَدَحِ لَبَنٍ فَشَرِبْتُ حَتّٰى اِنِّيْ لَاَرَى الرِّيَّ يَخْرُجُ فِيْ اَظْفَارِيْ ثُمَّ اَعْطَيْتُ فَضْلِيْ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ قَالُوْا فَمَا اَوَّلْتَهٗ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ الْعِلْمَ۔ (الحدیث)

ترجمہ، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے جناب رسول اللہ صلعم سے سنا کہ آپ فرماتے تھے اس اثنا میں کہ میں سویا ہوا تھا کہ خواب میں مجھے دودھ کا پیالہ دیا گیا جس کو میں نے اس قدر

پیا کہ میں سمجھنے لگا کہ سیرابی میرے ناخنوں سے نکل رہی ہے۔ پھر میں نے اپنا پس خوردہ حضرت عمر بن خطابؓ کو دے دیا صحابہ کرام نے عرض کی یا رسول اللہ صلعم اس کی آپ نے کیا تعبیر دی۔ آپ نے فرمایا اس کی تعبیر علم ہے۔

تشریح از شیخ مدنی" اس جگہ فضیلت علم سے مراد زیادہ علم ہے۔ تو تکرار لازم نہ آئے گا۔ اور بعض نے کہا کہ پہلے ابواب میں علماً کی فضیلت بیان ہوئی اب نفس علم کی فضیلت بیان ہو رہی ہے۔ مگر عمدہ توجیہ وہی ہے کہ زیاتی علم کو بیان کرنا ہے جس کی مختلف صورتیں ہوتی ہیں۔ مثلاً تاجر کو مزارعۃ۔ محاقلات وغیرہ کے مسائل کی ضرورت نہیں جیسے آجکل کتاب العتق وغیرہ کی ضرورت نہیں ایسے ایک کتاب کی کئی جلدیں بھی زیادتی علم ہے اسس کو مصنفؒ بیان فرماتے ہیں یعنی عالم مثال میں علم دودھ صورت اختیار کرتا ہے۔ ثم اعطیت فضلی عمر بن الخطاب اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ زائد علم دوسرے کو دے دو

تشریح از شیخ ذکریا۔ یہاں جو حدیث مذکور ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضور اکرم صلعم نے خواب میں دودھ کا ایک پیالہ دیکھا جسے آپ نوش فرما رہے ہیں اور اتنا نوش فرمایا کہ اس کی تراوٹ انگلیوں تک پہنچ گئی پھر آپ نے بچا ہوا دودھ حضرت عمرؓ کو دے دیا۔ اب باب کے متعلق بعض شراح کی رائے یہ ہے کہ اصل باب تو یہی ہے اور جو کتاب کے شروع میں آیا تھا۔ وہ کاتب کی غلطی سے لکھا گیا۔ اور یہاں روایت بھی ہے۔ لہٰذا تکرار نہیں ہے۔ علامہ عینیؒ فرماتے ہیں کہ دونوں جگہ فضل فضیلت کے معنی میں ہے۔ مگر اول باب میں فضیلت علماً اور اس باب سے فضیلت علم ثابت فرمائی ہے۔ حضرت گنگوہیؒ کا ارشاد یہ ہے کہ وہاں فضیلت کلیہ تھی اور یہاں فضیلت جزئیہ بیان کرنی مقصود ہے۔ ان دونوں میں فرق ہے۔ میں نے بیان کیا تھا کہ وہاں فضل فضیلت کے معنی میں ہے اور یہاں فضلہ اور زائد کے معنی میں ہے۔ اور بعض علماء کی رائے ہے۔ کہ اول کتاب میں جو فضل آیا ہے اس سے فضل بمعنی الفضیلۃ مراد ہے اور یہاں زیادتی اور بہتات کے معنی میں ہے۔ اب جب کہ یہاں فضل سے زیادتی اور بہتات مراد لی گئی ہے۔ تو پھر علماً قائلین بمعنی الزیادۃ کے دو گروہ ہو گئے۔ ایک جماعت کی رائے ہے کہ یہاں فضل کے مصدری معنی مراد ہیں یعنی زیادہ ہونا اس وقت باب فضل العلم کا مطلب یہ ہو گا۔ کہ ہر چیز میں قناعت محمود ہے۔ مگر علم میں محمود نہیں۔ بلکہ اس کو خوب زیادہ حاصل کرنا چاہیئے۔ جیسے حضور پاک صلعم جو تھوڑا سا کھانا تناول فرمانے والے تھے جب دودھ پینا شروع کیا تو اتنا پیا کہ ناخن سے نکلنے لگا۔ اور اس کی چکناتی کا اثر انگلیوں تک میں آگیا اور دودھ کو حضور پاک صلعم نے علم سے تعبیر فرمایا ہے۔ تو معلوم ہوا علم میں زیادتی مطلوب ہے اور دوسری جماعت کی رائے یہ ہے کہ یہ فضل بمعنی زیادہ ہے مگر یہاں مفعول کے معنی میں

ہے۔ اور مطلب یہ ہے کہ اگر کسی کے پاس علم زیادہ ہو۔ تو کسی اور کو دے دے مثلاً حاجت سے زائد کتابیں ہوں تو کسی مدرسے میں دیدے۔ کسی کو پڑھا دے جیسے حضور اقدس صلعم کی حاجت سے دودھ زیادہ ہوا تو حضرت عمرؓ کو دیدیا اور بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ فضل زیادہ کے معنی میں ہے مگر باب کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی ایسا ہو کہ اس کو کسی خاص علم کی ضرورت نہ پڑتی ہو۔ تو وہ اس سے اعراض نہ کرے۔ بلکہ اس کو حاصل کر کے دوسرے کو سکھا دے مثلاً مقعد ہے (لولا) لنگڑا۔ کہ اس کو جہاد کرنے کی تو طاقت نہیں۔ اور یہ سمجھ کر کہ مجھ کو جہاد تو کرنا نہیں تو پھر جہاد کا علم سیکھنے کی کیا ضرورت ہے۔ ایسا نہ کرے بلکہ سیکھے اور دوسروں کو سکھائے۔ اسی طرح عتاق کا مسئلہ ہندوستان و پاکستان میں کہ یہاں تو اس کی ضرورت نہیں کیونکہ ترقیق یعنی غلام بنانا قانوناً بند ہے مگر یہ سوچ کر کہ یہاں کیا ضرورت ہے ایسا نہ کرے۔ بلکہ سیکھے اور دوسروں کو سکھا دے ممکن ہے کہ آئندہ کام آ جائے اس باب کی پانچ وجوہ ہو گئیں۔ ایک تو وہی شراح والی کہ اصلی یہی باب ہے۔ دوسری علامہ عینی کی تیسری حضرت گنگوہی والی چوتھی اور پانچویں کہ فضل زیادت کے معنی میں لیتے ہیں پھر ان میں دو گروہ ہیں۔

بَابُ الْفُتْيَا وَهُوَ وَاقِفٌ عَلَى ظَهْرِ الدَّابَّةِ أَوْ غَيْرِهَا۔

حدیث نمبر ۸۱ حَدَّثَنَا إِسْمٰعِيْلُ الخ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَفَ فِيْ حَجَّةِ الْوَدَاعِ بِمِنًى لِلنَّاسِ يَسْأَلُوْنَهُ فَجَاءَهُ رَجُلٌ فَقَالَ لَمْ أَشْعُرْ فَحَلَقْتُ قَبْلَ أَنْ أَذْبَحَ قَالَ اِذْبَحْ وَلَا حَرَجَ فَجَاءَ آخَرُ فَقَالَ لَمْ أَشْعُرْ فَنَحَرْتُ قَبْلَ أَنْ أَرْمِيَ قَالَ ارْمِ وَلَا حَرَجَ قَالَ فَمَا سُئِلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ شَيْءٍ قُدِّمَ وَلَا أُخِّرَ إِلَّا قَالَ افْعَلْ وَلَا حَرَجَ۔ (الحدیث)

ترجمہ باب، جانور وغیرہ کی پیٹھ پر سوار ہو کر فتویٰ دینا۔

ترجمہ حدیث، حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ بے شک جناب رسول اللہ صلعم حجۃ الوداع کے موقع پر لوگوں کے لئے منیٰ میں ٹھہر گئے کہ آنحضرت صلعم سے سوال کرتے تھے چنانچہ ایک آدمی نے آکر کہا کہ حضرتؐ مجھے علم نہیں تھا۔ کہ میں نے قربانی کا جانور ذبح کرنے سے پہلے سر منڈوا لیا۔ آپؐ نے اس پر فرمایا کہ ذبح کر دو کوئی حرج نہیں ہے۔ دوسرے نے آکر کہا کہ بے علمی میں میں نے کنکریاں مارنے سے پہلے قربانی کو ذبح کر لیا۔ آپؐ نے فرمایا کہ کنکری پھینکو کوئی حرج نہیں۔ غرضیکہ جناب نبی اکرم صلعم سے جس چیز کے متعلق پوچھا گیا کہ وہ آگے پیچھے ہو گئی۔ تو آپؐ نے فرمایا کر گذرو کوئی حرج نہیں۔

تشریح از شیخ مدنی، علوم کے نشر کے وقت اور فتویٰ دینے کے وقت وقار اور عزت سے رہنا چاہیئے یا ہر حالت میں فتویٰ دیا جائے تو مصنف فرماتے ہیں کہ فتویٰ دینے کے لئے کسی مکان، زمان اور ہیئت کی تخصیص نہیں ہے بلکہ ہر حالت میں فتویٰ دیا جاسکتا ہے۔ آنحضرت صلعم سے مناسک حج کی تقدیم و تاخیر کے متعلق پوچھا جاتا ہے آپ ناقہ پر سوار تھے اسی حالت میں جواب دیا

تشریح از شیخ زکریا اس باب کی کیا غرض ہے، بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ امام بخاری تنبیہہ فرما رہے ہیں کہ اگر کوئی ذی علم راستہ میں چلا جا رہا ہے یا سوار ہو تو لوگوں کو اس سے مسئلہ پوچھنا جائز ہے اور بعض کی رائے ہے کہ امام بخاری مفتی کو تنبیہہ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی اس سے اس حال میں مسئلہ پوچھے کہ وہ سوار ہو کر کہیں جا رہا ہو، تو مسئلہ تبلا دینا چاہیئے اور بعض شراح کی رائے ہے کہ امام مالک سے منقول ہے کہ علم کو وقار اور سکینہ کے ساتھ سکھلانا چاہیئے۔ ایسے راستہ چلتے ہوئے فتویٰ نہ دے تو امام بخاری اس پر رد فرماتے ہیں کہ اگر اتنی شروط لگاؤ گے تو بسا اوقات مسئلہ ہی معلوم نہ ہوسکے گا اور میری رائے یہ ہے کہ ابوداؤد کی ایک روایت میں ہے جو مشکوٰۃ شریف میں بھی درج ہے کہ حضور اقدس صلعم نے جانور پر سوار ہونے کی حالت میں بات چیت کرنے سے منع فرمایا ہے۔ بلکہ اگر کسی کو بات کرنی ہو۔ تو اتر کر کرے تاکہ اتنی دیر جانور آرام کرے۔ تو حضرت امام بخاری اس سے اس صورت کو مستثنیٰ فرما رہے ہیں کہ اگر کوئی مسئلہ پوچھے اور اس سوال و جواب میں کچھ دیر لگ جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں اور بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ امام بخاری اس باب سے قضا و افتا میں فرق بیان کرنا چاہتے ہیں۔ کہ قاضی اگر راستے چلتے ہوئے فیصلہ کردے تو وہ معتبر نہ ہوگا بلکہ اس کو دار القضا میں فیصلہ کرنا ضروری ہے بخلاف فتویٰ کے کہ وہ جائز ہے۔ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وقف فی حجۃ الوداع الخ

اب یہاں سوال یہ ہے کہ ترجمہ روایت کے کس جزء سے ثابت ہوا کیونکہ وقوف سے توقوف علی الدابۃ لازم نہیں آتا اور روایت میں وقوف علی الدابہ کا کہیں ذکر نہیں۔ اس لئے بعض علماء کی رائے تو یہ ہے کہ امام بخاری کے ترجمہ کے دو جزء تھے۔ ایک وقوف علی الدابۃ اور دوسرا او غیرھا تو یہاں پر دوسرا جزء او غیرھا ثابت ہو گیا۔ اور جزء اول کو قیاساً ثابت فرما دیا۔ مگر بعض شراح کی رائے یہ ہے جیسا کہ میں نے بیان کیا تھا کہ امام بخاری تشحیذ اذھان بھی کرتے ہیں۔ وہ تمہیں محدث بنانا چاہتے ہیں۔ اور تمہارے اندر قوت مطالعہ بیدار کرنا چاہتے ہیں چنانچہ یہاں بھی ایسا ہی کیا ہے اور تیسرا جواب یہ ہے کہ حدیث کے اندر وقف عام ہے۔ ممکن ہے کہ اس سے وقف علی الدابۃ مراد ہو یا وقف علی غیر الدابۃ تو گویا عموم سے استدلال کیا گیا۔ ان سب جوابوں کے بعد مرا جواب

یہ ہے کہ بخاری میں ص۲۳۴ پر یہی حدیث پھر آرہی ہے۔ اور وہاں وقف علے ناقته پورا جملہ آیا ہے تو امام بخاریؒ نے یہاں روایت مختصر ذکر فرمائی ہے ورنہ وقف سے یہاں بھی وقف علے الناقہ ہے۔

بَابُ مَنْ أَجَابَ الْفُتْيَا بِإِشَارَةِ الْيَدِ وَالرَّأْسِ۔

ترجمہ اس شخص کے بارے میں جو فتویٰ کا جواب ہاتھ یا سر کے اشارہ سے دیتا ہے۔

حدیث نمبر ۸۲ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمٰعِيلَ الخ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُئِلَ فِي حَجَّتِهٖ فَقَالَ ذَبَحْتُ قَبْلَ أَنْ أَرْمِيَ فَأَوْمَأَ بِيَدِهٖ قَالَ وَلَا حَرَجَ وَقَالَ حَلَقْتُ قَبْلَ أَنْ أَذْبَحَ فَأَوْمَأَ بِيَدِهٖ وَلَا حَرَجَ۔ (الحدیث)

ترجمہ، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جناب نبی اکرم صلعم سے آپ کے حج کے دوران پوچھا گیا کہ میں نے کنکریاں پھینکنے سے پہلے قربانی کا جانور ذبح کردیا تو آپ نے اپنے ہاتھ سے اشارہ فرمایا اور فرمایا کہ کوئی حرج نہیں ہے اور کہا کہ میں نے ذبح کرنے سے پہلے سر منڈوا لیا ہے۔ تو آپ نے بھی اپنے ہاتھ سے اشارہ کرکے فرمایا کہ کوئی حرج ہے۔

تشریح از شیخ مدنیؒ جیسے آنحضرت صلعم تاکید کے لئے اپنے ہر فعل کو تین مرتبہ کرتے تھے ایسے آپ کے اشارہ بالید والراس سے اشارہ کرنا زیادہ ایضاح کے لئے تھا تو معلوم ہوا کہ بیان کے وقت ہاتھ اور راس سے اشارہ کرنا بھی جائز ہے۔

تشریح از شیخ زکریاؒ اس باب کے منعقد کرنے کی دو غرضیں ہیں ایک یہ کہ چونکہ آپ کی عادت شریفہ ہمیشہ ایک بات کو تین تین مرتبہ فرمانے کی تھی اشارہ بالیداس کے خلاف ہے تو یہاں سے اس کا اجواز اور ثبوت بیان کرنا مقصود ہے۔ اور دوسری غرض یہ ہے کہ فتویٰ اور قضا کے درمیان فرق کرنا چاہتے ہیں کہ ہاتھ اور سر کے اشارے سے نفیاً و اثباتاً فتویٰ دینا تو جائز ہے۔ مگر قضا میں جائز نہیں روایت وہی ہے جو گذر چکی۔

حدیث نمبر ۸۳ حَدَّثَنَا الْمَكِّيُّ بْنُ إِبْرَاهِيمَ الخ قَالَ سَمِعْتُ أَبَا هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يُقْبَضُ الْعِلْمُ وَيَظْهَرُ الْجَهْلُ وَالْفِتَنُ وَيَكْثُرُ الْهَرْجُ قِيلَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ وَمَا الْهَرْجُ فَقَالَ هٰكَذَا بِيَدِهٖ فَحَرَّفَهَا كَأَنَّهٗ يُرِيدُ الْقَتْلَ۔ (الحدیث)

ترجمہ، سالم تابعی فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے سنا وہ جناب نبی اکرم صلعم سے روایت کرتے تھے کہ آپ نے فرمایا علم اٹھالیا جائے گا جہالت اور فتنوں کا غلبہ ہوگا اور ہرج بہت ہوگا

کہا گیا اے اللہ کے رسول ہرج کیا چیز ہے تو آپؐ نے اپنے ہاتھ کو موڑتے ہوئے یا ہلاتے ہوئے اس طرح اشارہ فرمایا گویا آپؐ اس سے قتل مراد لیتے تھے۔

تشریحات واضح ہیں جو گذر چکی ہیں۔

حدیث نمبر ۸۴ حَدَّثَنَا مُوْسٰى بْنُ اِسْمٰعِيْلَ الخ عَنْ اَسْمَآءَ قَالَتْ اَتَيْتُ عَآئِشَةَ وَهِيَ تُصَلِّيْ فَقُلْتُ مَا شَاْنُ النَّاسِ فَاَشَارَتْ اِلَى السَّمَآءِ فَاِذَا النَّاسُ قِيَامٌ فَقَالَتْ سُبْحَانَ اللّٰهِ قُلْتُ اٰيَةٌ فَاَشَارَتْ بِرَاْسِهَا اَيْ نَعَمْ فَقُمْتُ حَتّٰى عَلَانِيَ الْغَشْيُ فَجَعَلْتُ اَصُبُّ عَلٰى رَاْسِيَ الْمَآءَ فَحَمِدَ اللّٰهَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَثْنٰى عَلَيْهِ ثُمَّ قَالَ مَا مِنْ شَيْءٍ لَمْ اَكُنْ اُرِيْتُهٗ اِلَّا رَاَيْتُهٗ فِيْ مَقَامِيْ هٰذَا حَتَّى الْجَنَّةَ وَالنَّارَ فَاُوْحِيَ اِلَيَّ اَنَّكُمْ تُفْتَنُوْنَ فِيْ قُبُوْرِكُمْ مِثْلَ اَوْ قَرِيْبَ لَا اَدْرِيْ اَيَّ ذٰلِكَ قَالَتْ اَسْمَآءُ مِنْ فِتْنَةِ الْمَسِيْحِ الدَّجَّالِ يُقَالُ مَا عِلْمُكَ بِهٰذَا الرَّجُلِ فَاَمَّا الْمُؤْمِنُ اَوِ الْمُوْقِنُ لَا اَدْرِيْ اَيُّهُمَا قَالَتْ اَسْمَآءُ فَيَقُوْلُ هُوَ مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللّٰهِ جَآءَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَالْهُدٰى فَاَجَبْنَاهُ وَاتَّبَعْنَاهُ هُوَ مُحَمَّدٌ ثَلٰثًا فَيُقَالُ نَمْ صَالِحًا قَدْ عَلِمْنَا اِنْ كُنْتَ لَمُوْقِنًا بِهٖ وَاَمَّا الْمُنَافِقُ اَوِ الْمُرْتَابُ لَا اَدْرِيْ اَيَّ ذٰلِكَ قَالَتْ اَسْمَآءُ فَيَقُوْلُ لَا اَدْرِيْ سَمِعْتُ النَّاسَ يَقُوْلُوْنَ شَيْئًا فَقُلْتُهٗ۔

ترجمہ، حضرت اسماء رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں حضرت عائشہ رضؓ اپنی ہمشیرہ کے پاس اس وقت آئی جبکہ وہ نماز پڑھ رہی تھیں تو میں نے پوچھا لوگ اس حال میں کیوں ہیں تو انہوں نے آسمان کی طرف اشارہ کیا اور لوگ کھڑے ہوئے تھے تو حضرت عائشہ رضؓ نے سبحان اللہ پڑھا تو میں نے کہا قدرتِ الٰہی کی نشانی ہے تو انہوں نے سر سے اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ ہاں نشانی ہے۔ تو میں بھی عورتوں کی صف میں کھڑی ہوگئی۔ یہاں تک کہ گرمی اور لمبے قیام کے سبب مجھ پر بیہوشی طاری ہونے لگی تو میں نے اپنے سر پر پانی پلٹنا شروع کر دیا۔ جناب نبی اکرم صلعم نے اللہ کی حمد اور ثنا بیان فرمائی، پھر فرمایا کہ کوئی چیز ایسی نہیں جو مجھے نہ دکھائی گئی ہو مگر وہ میں نے اس مقام پر دیکھ لی حتی کہ جنت اور دوزخ کو بھی دیکھ لیا۔ بعدازاں اللہ تعالیٰ نے میری طرف اس بات کی وحی فرمائی کہ تم اپنی قبروں میں فتنہ مسیح دجال کے مثل یا اس کے قریب قریب مبتلا کئے جاؤ گے کہا جائے گا۔ کہ اس رجل کے بارے میں تمہارا کیا یقین تھا۔ لیکن مومن یا موقن کا لفظ حضرت اسماؓ نے استعمال فرمایا مجھے اچھی طرح یاد نہیں کہ ان دو میں سے کون لفظ تھا۔ بہر حال وہ مرد

مومن کہے گا وہ محمد اللہ کے رسول ہیں جو ہمارے پاس واضح دلائل اور ہدایت لے کر آئے ہم نے ان کی دعوت کو قبول کیا اور آپؐ کی پیروی کی وہ محمد ہیں تین مرتبہ یہ کہے گا پھر جس پر کہا جائے گا تو ٹھیک ٹھاک سو جا ہمیں علامتوں سے معلوم ہو چکا تھا کہ تو اس پر یقین رکھنے والا ہے۔ لیکن منافق یا شک کرنے والا نامعلوم حضرت اسماء نے ان میں سے کون سا لفظ فرمایا۔ بہر حال وہ منافق کہے گا کہ میں تو نہیں جانتا البتہ لوگوں کو ایک بات کہتے سنا تھا جس کو میں بھی کہتا ہوں۔

تشریح از مدنیؒ فاذا الناس قیام یہ جملہ معترضہ ہے۔ اس کا تعلق اتیت عائشہ سے ہے علاقی الغشی یہ غشی طاری ہونے کے ابتدائی لمحے تھے۔ بالکل غشی طاری نہیں ہوئی تھی۔ جس کی وجہ سے ہوش وحواس نہیں رہتے ورنہ یہ حالت بیان نہ کرتی۔ اور یہ غشی طولِ قیام اور کثرتِ حر کی وجہ سے تھی۔ فجعلت اصب الخ اس وقت تک عمل کثیر ممنوع نہیں تھا یا ایسا طریقہ اختیار کیا کہ جس سے فعل کثیر لازم نہ آئے۔

رأیتہ فی مقامی ھذا اگر شبہ ہو کہ جنت اور دوزخ تو لیلۃ المعراج میں دکھلائی گئیں تھیں تو پھر حتی الجنۃ والنار کے کیا معنی ہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ رأیتہ فی الدنیا دوسری توجیہ یہ ہے کہ جنت اور دوزخ کو آپؐ نے لیلۃ المعراج میں بصفۃ اخرٰی دیکھا تھا یہاں بصفۃ اخرٰی دیکھا ہے اور تیسری توجیہ یہ ہے کہ حتی الجنۃ والنار جملہ محذوفہ کی غایت ہے ای رأیت الامور العظام حتی الجنۃ والنار۔ دوسرا اشکال یہ ہے کہ جتنی چیزیں آپؐ نے نہیں دیکھی تھیں ان سب کو آپؐ نے اس مقام پر دیکھا تو ان لوگوں کا استدلال ہے جو آپؐ کو عالم الغیب کہتے ہیں۔ لیکن ان کا اس سے استدلال صحیح نہیں اس لئے اس سے زیادہ سے زیادہ مرئیات کا علم ہوا مسموعات جیسے اصوات وغیرہ کا علم تو معلوم نہیں ہوتا۔ دوسرے اگر مان بھی لیا جائے کہ آپؐ عالم کل شیئ ہو گئے۔ مگر اس سے دوام اور بقا معلوم نہیں ہوتی لا دائماً کیونکہ واقعہ افک اور ادعیہ مقام محمود اس عموم کی نفی کرتے ہیں چنانچہ شراح فرماتے ہیں بما اراک اللہ الخ

فتنہ دجال یہ فتنہ بطور امتحان کے ہوگا جس میں انسان کا کامیاب ہونا خوش بختی کی بات ہے کیونکہ دجال کے پاس آنے سے منع فرمایا گیا۔ اس لئے کہ وہ چند امور باطنہ کا انکشاف کرے گا جن کی وجہ سے انسان متحیر ہو کر امتحان میں مبتلا ہو جائے گا۔ ھذا الرجل بعض حضرات کہتے ہیں کہ درمیانی حجاب اٹھا کر بعد از سوال ہوگا۔ دوسری جماعت کہتی ہے کہ ہذا کا ارشارہ معہود فی الاذھان کی طرف ہے۔ اور وہ آپؐ کی

بعثت ہے، تیسرا قول یہ ہے کہ ھذا الرجل کا اشارہ ان لوگوں کے لئے ہے جو آپؐ کے زمانہ میں موجود تھے۔ بقیہ لوگوں سے من ربك و من نبيك کہہ کر سوال کیا جائے گا۔ اگر یہ کہا جائے کہ ھذا الرجل کی بجائے ما علمك برسول اللہ کہا جاتا تو مناسب تھا۔ ایسا نہیں کہا گیا تاکہ کہیں اس کو تلقین پر محمول نہ کر دیں کہ یہ آپؐ کی تعظیم کر رہا ہے۔ لہٰذا مجھے بھی رسول اللہ کہنا چاہیئے۔ اما المنافق او المرتاب منافق کا ذکر تو ہوا کافر کا ذکر نہیں کیا گیا جو کہ منکر ہے تو بعض نے اس کا جواب دیا ہے کہ کفار سے سوال نہیں ہوگا کیونکہ وہ تو علانیہ انکار کرتے تھے۔ ان سے اقرار بالرسالۃ پر امتحان کیسے ہوگا۔ منافق چونکہ اقرار کرتے تھے۔ اس لئے ان کا امتحان ہوگا۔ دوسری جماعت کہتی ہے کہ سوال سب سے ہوگا اور کافر لا ادری کہہ کر انکار کرے گا۔ اس سارے واقعہ میں اشارات ثابت ہیں جن سے جواز اشارہ ثابت ہوا۔

تشریح از شیخ زکریاؒ اس حدیث سے امام بخاریؒ جواز اشارہ بالید والرأس پر استدلال فرماتے ہیں حالانکہ یہ حدیث موقوف ہے حضرت عائشہ رضؓ کا فعل اس میں مروی ہے تو گویا یہ حدیث امام بخاریؒ کی شرط کیخلاف ہوگئی اس کا جواب یہ ہے کہ ایک روایت میں آپؐ کا ارشاد ہے۔ انی اراکم من خلفی تو یہاں نماز میں حضور پاک صلعم نے حضرت عائشہ رضؓ کے اس معاملہ کو دیکھ لیا ہے۔ تو تقریر ثابت ہوگئی اور جس فعل پر آپؐ کی تقریر ثابت ہو جائے وہ معتبر اور قابل استدلال ہے۔ قلت آیۃ حضرت اسماءؓ فرماتی ہیں کہ میں نے کہا کہ کوئی علامت حادثہ کی تو پیش نہیں آئی۔ فاشارت برأسها یہ اشارہ بالرأس ہو گیا ما من شیئ الخ یعنی اس وقت مجھ کو عالم ملکوت کی اشیاء نظر آئیں۔ مثل او قریب الخ حضرت اسماءؓ کی شاگرد حضرت فاطمہؓ فرماتی ہیں کہ مجھے یاد نہیں رہا کہ میری استانی حضرت اسماءؓ نے مثل فتنہ الدجال کہا تھا یا قریب من فتنۃ الدجال کہا اور فتنۃ الدجال کے قریب یا مثل ہونے سے اس لئے تشبیہ دی۔ کہ یہ فتنہ مشہور فتنہ ہے حضرت نوحؑ ہی کے زمانے سے انبیاء علیہم السلام اس فتنہ سے ڈراتے رہے ہیں۔

ما علمك بھذا الرجل اس میں اختلاف ہے کہ اس اشارہ کا مشار الیہ کیا ہے۔ بعض کی رائے ہے کہ ھذا الرجل سے مراد محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اور وہ فرشتہ ما علمك بمحمد صلعم کہے گا۔ جیسا کہ بعض روایات کے الفاظ ہیں اور اس ابہام کے ساتھ اس وجہ سے کہے گا کہ وہ مقام بمقام امتحان ہے اور امتحان میں تعمیہ کیا جاتا ہے جس طرح ممتحن اپنے سوالات میں ابہام کیا کرتا ہے۔ اگر وہ فرشتہ یوں ہی کہہ دے کہ محمد صلعم کون ہیں تو وہ جان ہی جائے گا اور آسانی سے جواب دے دیگا۔ اس لئے فرشتہ بات کو چھپائے گا۔ مگر چونکہ مومن جانتا ہوگا کہ یہاں بجز

ربوبیت باری اور رسالت محمدی صلعم کے اور کسی چیز کا سوال نہیں ہوتا۔ اس لئے فوراً سمجھ جائے گا۔ اور جواب دے گا۔ اور بعض کی رائے ہے کہ عالم برزخ میں چونکہ ہر شئی سامنے ہوتی ہے۔ درمیان میں کوئی حائل نہیں ہوتا اور تمام پردے دور کر دیئے جاتے ہیں۔ تو حضور پاک صلعم اپنے روضۂ اقدس سے نظر آئیں گے، جیسے کہ چاند اگرچہ اپنے مستقر پر ہے لیکن اسے ہر ایک دیکھ سکتا ہے۔ اور پھر فرشتہ حضور انور صلعم کی طرف اشارہ کر کے سوال کرے گا کہ یہ کون ہیں مسلمان جواب دے گا کہ یہ محمد صلعم ہیں اور بعض کی رائے یہ ہے کہ شبیہ مبارک یعنی فوٹو سامنے لایا جائے گا۔ اور فرشتہ اس کی طرف اشارہ کر کے سوال کرے گا۔ ایسے تو ہر مومن نے آپؐ کی زیارت نہیں کی۔ لیکن قوت ایمانی کی وجہ سے اس وقت آپؐ کو پہچان لے گا۔ جیسے کہ خواب میں پہچان لیتا ہے، اب ٹیلیویژن نے مسئلہ حل کر دیا ہے۔ اور بعض کی رائے ہے کہ حضور اقدس صلعم خود بنفس نفیس تشریف لائیں گے۔ اور اس میں کوئی تعجب بھی نہیں جس طرح منکر نکیر اور ملک الموت قبر میں آ سکتے ہیں۔ حضور انور صلعم بھی تشریف لا سکتے ہیں اسی حال کے مناسب کسی نے کہا ہے ؎

کشتۂ کہ عشق دارد نگذاردت بایشاں
بجنازہ گر نیائی بمزار خواہی آمد

باب ' تَحْرِيضِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَفْدَ عَبْدِ الْقَيْسِ عَلَى اَنْ يَّحْفَظُوا الْاِيْمَانَ وَالْعِلْمَ وَ يُخْبِرُوْا مَنْ وَّرَآءَ هُمْ وَقَالَ مَالِكُ بْنُ الْحُوَيْرِثِ قَالَ لَنَا النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ارْجِعُوْا اِلٰى اَهْلِيْكُمْ فَعَلِّمُوْهُمْ۔

ترجمہ، یہ باب اس بارے میں ہے کہ جناب نبی اکرم صلعم نے وفد عبد القیس کو اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ ایمان اور علم کی حفاظت کریں۔ اور اپنے پیچھے رہنے والے لوگوں کو جا کر اطلاع کریں۔ اور حضرت مالک بن الحویرثؓ فرماتے ہیں کہ ہمیں نبی اکرم صلعم نے فرمایا کہ تم اپنے گھر والوں کے پاس جا کر انہیں اسلام کی تعلیم دو۔

حدیث نمبر ۸۵ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ الخ عَنْ اَبِيْ جَمْرَةَ قَالَ كُنْتُ اُتَرْجِمُ بَيْنَ ابْنِ عَبَّاسٍ وَّ بَيْنَ النَّاسِ فَقَالَ اِنَّ وَفْدَ عَبْدِ الْقَيْسِ اَتَوُا النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ مَنِ الْوَفْدُ اَوْ مَنِ الْقَوْمُ قَالُوْا رَبِيْعَةُ قَالَ مَرْحَبًا بِالْقَوْمِ اَوْ بِالْوَفْدِ غَيْرَ خَزَايَا وَلَا نَدَامٰى قَالُوْا اِنَّا نَاْتِيْكَ مِنْ شُقَّةٍ بَعِيْدَةٍ وَّ بَيْنَنَا وَ بَيْنَكَ هٰذَا الْحَيُّ مِنْ كُفَّارِ مُضَرَ وَلَا نَسْتَطِيْعُ اَنْ نَّاْتِيَكَ اِلَّا فِيْ شَهْرٍ حَرَامٍ فَمُرْنَا بِاَمْرٍ نُّخْبِرُ بِهٖ مَنْ وَّرَآءَنَا نَدْخُلُ بِهٖ

الْجَنَّةَ فَأَمَرَهُمْ بِأَرْبَعٍ وَّنَهَاهُمْ عَنْ أَرْبَعٍ أَمَرَهُمْ بِالْإِيْمَانِ بِاللّٰهِ وَحْدَهٗ قَالَ هَلْ تَدْرُوْنَ مَا الْإِيْمَانُ بِاللّٰهِ وَحْدَهٗ قَالُوا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ أَعْلَمُ قَالَ شَهَادَةُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَإِقَامُ الصَّلٰوةِ وَإِيْتَاءُ الزَّكٰوةِ وَصَوْمُ رَمَضَانَ وَتُؤْتُوا الْخُمُسَ مِنَ الْمَغْنَمِ وَنَهَاهُمْ عَنِ الدُّبَّاءِ وَالْحَنْتَمِ وَالْمُزَفَّتِ قَالَ شُعْبَةُ وَرُبَّمَا قَالَ النَّقِيْرِ وَرُبَّمَا قَالَ الْمُقَيَّرِ قَالَ احْفَظُوْهُ وَأَخْبِرُوْهُ مَنْ وَّرَآءَ كُمْ ۔ (الحدیث)

ترجمہ :۔ حضرت ابو جمرہ فرماتے ہیں کہ میں لوگوں اور حضرت ابن عباسؓ کے درمیان ترجمانی کرتا تھا حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ عبد القیس کا قبیلہ کا ایک وفد جناب نبی اکرم صلعم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے پوچھا کہ یہ کون سا وفد ہے یا کون سی قوم ہے۔ انہوں نے جواب دیا کہ ہم قبیلہ ربیعہ کے لوگ ہیں۔ آپ نے فرمایا وفد یا قوم کا آنا مبارک ہو جو بغیر رسوائی اور شرمندگی کے حاضر ہوا ہے۔ انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ہم بہت دور سفر سے آپ کے پاس حاضر ہو رہے ہیں۔ ہمارے اور آپ کے درمیان یہ کفار مضر کا قبیلہ حائل ہے۔ بنابریں ہم آپ کے پاس صرف شہر حرام میں ہی آسکتے ہیں۔ تو ہمیں اسلام کا ایک ایسا حکم فرمائیے جس کی اطلاع ہم اپنے پیچھے رہ جانے والے لوگوں کو دیں اور جس کی وجہ سے ہم جنت میں داخل ہوں تو آنحضرت صلعم ان کو چار باتوں کا حکم دیا اور چار باتوں سے روکا جن چار باتوں کا حکم دیا ان میں سے ایک ایمان باللہ بھی ہے۔ فرمایا تمہیں معلوم ہے کہ ایمان باللہ وحدہٗ کیا چیز ہے۔ انہوں نے جواب دیا اللہ اور اس کا رسول بہتر جاننے والا ہے۔ فرمایا اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور محمد اللہ کے رسول ہیں۔ اور نماز کو قائم کرنا زکوٰۃ ادا کرنا رمضان کے روزے رکھنا اور یہ کہ مال غنیمت کا خمس ادا کرو۔ اور ان کو شراب کشید کے چار برتنوں کے استعمال سے منع فرمایا۔ دبا۔ ختم، مزفت شعبہ فرماتے ہیں کہ کبھی۔ مزفت کے بدلہ المنقر فرمادیا۔ آخر میں فرمایا کہ ان احکام کو محفوظ کر لو۔ اور اپنے پیچھے رہ جانے والوں کو ان کی خبر دو۔

تشریح از شیخ مدنیؒ اگرچہ احفظوہ و اخبروہ کے حکم میں وفد عبد القیس کی تخصیص تھی مگر مصنفؒ اس کو ترجمہ میں لاتے ہیں مقصد عموم ہے کہ جو کچھ تم سیکھو اسے خوب یاد کرو۔ پھر اس کی تبلیغ کرو۔ تو اعلام اور حفظ دونوں مطلوب ہوئے۔

تشریح از شیخ زکریاؒ چونکہ نئے نئے مسائل مستنبط کرنا امام بخاریؒ کا مقصد ہے اس لئے احادیث مکرر آتی رہتی ہیں چنانچہ یہ وفد عبد القیس کی روایت پہلے بھی گذر چکی ہے۔ شراح حدیث نے اس باب کی غرض یہ بیان

فرمائی ہے کہ اس سے تبلیغ کی اہمیت کی طرف اشارہ کرنا ہے۔ کیونکہ حضور پاک صلعم نے چند باتوں کی تعلیم دے کے فرمایا احفظوہ واخبروا من ورائکم تو گویا یہ بات بتلا دی کہ علم حاصل کرے تو اس کو یاد رکھے اور دوسروں تک پہنچائے جس طرح حضور اکرم صلعم نے وفد عبد القیس کو دوسروں تک پہنچانے کی ترغیب دی لیکن میرے نزدیک یہ غرض صحیح نہیں کیونکہ یہ غرض تو بخاری میں ص۲۱ پر باب یبلغ الشاھد الغائب کے ذیل میں آرہی ہے بلکہ میرے نزدیک امام بخاری کی اس باب سے غرض یہ معلوم ہوتی ہے کہ اگر کوئی پورا عالم نہ ہو اور وہ تبلیغ کرے تو جائز ہے۔ کیونکہ حضور اکرم صلعم نے جن لوگوں کو یہ فرمایا اَخبِرُوہ من ورائکم وہ لوگ تمام دینی باتوں سے واقف نہ تھے۔ ان کو صرف چار باتوں کا حکم چار سے منع فرما کر اس کی تبلیغ کا حکم فرما دیا۔ لہٰذا آجکل جو لوگ تبلیغی جماعت پر یہ اعتراض کرتے ہیں۔ کہ اس کے اندر اکثر جاہل ہوتے ہیں یہ کیوں تبلیغ کرتے ہیں اور کیسے تبلیغ کرتے ہیں۔ ان لوگوں کے اعتراض کا جواب خود امام بخاریؒ اس باب سے دیئے گئے ہیں، اور بعض نے جو یہ غرض بتائی ہے کہ ایک دوسری حدیث بلّغوا عنّی ولو آیۃً سے ایہام ہوتا تھا کہ صرف آیات قرآنی کی تبلیغ کی جائے۔ تو اس کے ردّ کی طرف اشارہ ہے کہ ہر چیز کی تبلیغ کرو خواہ آیت قرآنی ہو یا حدیث نبوی ہے۔ وہ تو مستقل باب کی غرض ہے جو آگے آرہا ہے۔ اور بعض مشائخ نے یہ باریکی بیان فرمائی ہے کہ امام بخاریؒ کی طرف سے اساتذہ کو تنبیہ ہے کہ طلباء کو حفظ کرنے پر ابھارتے رہیں۔

قال مالک بن الحویرث الخ یہ کتاب الصلوٰۃ کی ایک حدیث کا ٹکڑا ہے جو حصہ یہاں کے مناسب تھا اسی کو ذکر فرما دیا۔ اور مطلب اس حدیث کا یہ ہے کہ حضور اقدس صلعم کے پاس مالک بن الحویرثؓ کے ساتھ ایک وفد آیا۔ جب بیس دن گذر گئے اور حضورؐ نے دیکھا کہ ہم نوجوان ہیں اور ہماری رغبت عورتوں کی طرف ہو گئی ہے۔ تو حضور اقدس صلعم نے ہمیں روانگی کا حکم فرما دیا۔ اور ارشاد فرمایا کہ جب نماز کا وقت آئے تو اذان واقامت کہنا اور جو تم میں بڑا ہو وہ امامت کرے اور یہ باتیں ان لوگوں کو سکھلاؤ جو وہاں ہیں کنت اترجم یہاں سے ابوجمرہؒ نے ابن عباسؓ کے پاس قیام کا سبب بیان کیا ہے۔ کہ مجھے زبانیں آتی تھیں اس لئے میں ضرورت کے لئے ان کے پاس رہا کرتا تھا۔

قال شعبۃ ربما قال النقیر الخ اس کا مطلب یہ ہے کہ میرے استاد ابوجمرہ کبھی کبھی تو صرف تین ہی چیزیں منتم دُبّاء اور مزفت کا ذکر کیا کرتے تھے اور کبھی النقیر بڑھا کر چار چیزیں بیان کیا کرتے تھے۔ یعنی پہلے تین لفظ تو ہمیشہ کیا کرتے تھے اور کبھی کبھی چوتھا لفظ نقیر کبھی ذکر کر دیا کرتے تھے آگے شعبہ فرماتے

ہیں کہ ربما قال المقیّر اس کا یہ مطلب نہیں کہ مقیر کی جگہ کبھی مقیر کہہ دیا کرتے تھے۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ گاہے گاہے مزفّت کے بدلہ مقیر فرمایا کرتے تھے یعنی کبھی مزفّت فرمادیا اور کبھی مقیّر کیونکہ مزفّت اور مقیّر کے ایک ہی معنی ہیں۔

باب الرِّحْلَةِ فِي الْمَسْأَلَةِ النَّازِلَةِ۔

ترجمہ، باب کسی ہنگامی مسئلہ کے لئے کوچ کرنا۔

حدیث نمبر ۸۶ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مُقَاتِلٍ الخ عَنْ عُقْبَةَ بْنِ الْحَارِثِ أَنَّهُ تَزَوَّجَ ابْنَةً لِأَبِي إِهَابِ بْنِ عَزِيزٍ فَأَتَتْهُ امْرَأَةٌ فَقَالَتْ إِنِّي قَدْ أَرْضَعْتُ عُقْبَةَ وَالَّتِي تَزَوَّجَ بِهَا فَقَالَ لَهَا عُقْبَةُ مَا أَعْلَمُ أَنَّكِ أَرْضَعْتِنِي وَلَا أَخْبَرْتِنِي فَرَكِبَ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْمَدِينَةِ فَسَأَلَهُ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَيْفَ وَقَدْ قِيلَ فَفَارَقَهَا عُقْبَةُ وَنَكَحَتْ زَوْجًا غَيْرَهُ۔ (الحدیث)

ترجمہ، حضرت عقبۃ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے ابواھاب بن عزیز کی بیٹی سے نکاح کیا تو ان کے پاس ایک عورت آئی جس نے کہا کہ میں نے عقبہ اور اس کی بیوی کو دودھ پلایا ہے تو حضرت عقبہ رض نے فرمایا کہ نہ تو مجھے اس کا علم ہے کہ تو نے مجھے دودھ پلایا اور نہ ہی تو نے آج تک اس کی مجھے اطلاع دی۔ تو حضرت عقبہ سوار ہو کر مدینہ منورہ میں جناب رسول اللہ صلعم کی خدمت میں پہنچے اور سوال کیا۔ تو آپؐ نے فرمایا تم اس عورت سے کیسے ہمبستری کر سکتے ہو جس کے متعلق کہا جا چکا ہے کہ وہ تمہاری رضاعی بہن ہے۔ چنانچہ انہوں نے اس عورت کو جدا کر دیا۔ جس نے حضرت عقبہ کے علاوہ کسی اور خاوند سے نکاح کر لیا۔

تشریح از شیخ مدنیؒ ابواب سابقہ میں مطلق طلب علم کے لئے سفر کرنا ثابت ہوا تھا۔ اس باب سے محض ایک مسئلہ خاصہ کے لئے سفر کرنا ثابت کیا ہے۔ رضاعت کے تحقق میں امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ حرمت نکاح کے لئے محض ایک عورت کی شہادت کافی ہے لیکن جمہور فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلعم کا یہ حکم قضاءً نہیں بلکہ دفع ادھام کے لئے تھا۔ یہی وجہ ہے کہ مدعیہ کو نہیں بلایا گیا۔ دوسرے شہادۃ میں دو رجل یا ایک رجل کا ہونا ضروری ہے۔ لہٰذا حکم قضائی وہی ہوگا۔ جو شہادتین سے ہو۔ ہماری بحث اسی میں ہے حکم احتیاطی میں نہیں۔

تشریح از شیخ زکریاؒ اب تک تو خروج لطلب العلم کو بیان فرما رہے تھے کہ وہ خروج تو مطلق اور عام علم کے لئے ہوتا تھا۔ اب فرماتے ہیں کہ اگر کوئی مسئلہ وقتی طور پر پیش آجائے۔ اور وہاں کوئی بتلانے والا

نہ ہو۔ تو اس کے واسطے سفر کرنا واجب ہے۔ یہ نہ سوچے کہ ایک ہی مسئلہ تو ہے۔ اس کے لئے سفر کرنے کی کیا ضرورت! انی قد ارضعت عقبۃ یہ مسئلہ کتاب الرضاع اور کتاب الشہادۃ کا ہے۔ یہ روایت امام بخاریؒ وہاں ذکر فرمائیں گے مختصراً یہ کہ یہاں جو ایک عورت کی شہادت سے یہ حکم جاری کرا دیا گیا کہ مفارقۃ ہوگئی۔ تو یہ تقوٰی پر محمول ہے۔ ورنہ حنفیہ کے نزدیک دو عورتیں اور ایک مرد کا شہادت میں ہونا ضروری ہے اور امام شافعیؒ کے نزدیک چار عورتوں کا ہونا کافی ہے۔ امام مالکؒ کے نزدیک دو عورتوں کا ہونا ضروری ہے اسحاق بن راہویہ اور امام احمدؒ کے نزدیک ایک عورت کی شہادت کافی ہے یہ حدیث انکا مستدل ہے

فرکب الی رسول اللہ صلعم یہاں صرف ایک مسئلہ پیش آیا۔ تو حضرت عقبہؓ حضور اکرم صلعم کے پاس اس کو معلوم کرنے کے لئے مدینہ آئے۔

بَابُ التَّنَاوُبِ فِي الْعِلْمِ!

یعنی علم حاصل کرنے کے لئے باری باری جانا۔

حدیث نمبر ۸۷ حَدَّثَنَا اَبُو الْيَمَانِ الخ عَنْ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ كُنْتُ اَنَا وَجَارٌ لِّي مِنَ الْاَنْصَارِ فِي بَنِي اُمَيَّةَ بْنِ زَيْدٍ وَّهِيَ مِنْ عَوَالِي الْمَدِيْنَةِ وَكُنَّا نَتَنَاوَبُ النُّزُوْلَ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْزِلُ يَوْمًا وَّاَنْزِلُ يَوْمًا فَاِذَا نَزَلْتُ جِئْتُهُ بِخَبَرِ ذٰلِكَ الْيَوْمِ مِنَ الْوَحْيِ وَغَيْرِهٖ وَاِذَا نَزَلَ فَعَلَ مِثْلَ ذٰلِكَ فَنَزَلَ صَاحِبِي الْاَنْصَارِيُّ يَوْمَ نَوْبَتِهٖ فَضَرَبَ بَابِي ضَرْبًا شَدِيْدًا فَقَالَ اَثَمَّ هُوَ فَفَزِعْتُ فَخَرَجْتُ اِلَيْهِ فَقَالَ حَدَثَ اَمْرٌ عَظِيْمٌ فَدَخَلْتُ عَلٰى حَفْصَةَ فَاِذَا هِيَ تَبْكِي فَقُلْتُ اَطَلَّقَكُنَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَتْ لَا اَدْرِي ثُمَّ دَخَلْتُ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ وَاَنَا قَائِمٌ اَطَلَّقْتَ نِسَاءَكَ قَالَ لَا فَقُلْتُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ (الحدیث)

ترجمہ، حضرت عمرؓ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں اور میرا ایک انصاری پڑوسی جو قبیلہ بنو امیہ بن زید میں رہتا تھا۔ جو عوالی مدینہ میں سے ہے۔ اور ہم نوبت نوبت جناب رسول اللہ صلعم کے پاس آتے تھے ایک دن وہ آتا تھا اور دوسرے دن میں آتا تھا۔ جب میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا تو میں اس دن کی خبریں وحی وغیرہ کی اس کے پاس لاتا۔ اور جب وہ آتا تو وہ بھی اسی طرح کرتا تھا۔ چنانچہ میرا وہ انصاری ساتھی اپنی باری کے دن آیا اور میرے دروازے کو خوب زور سے بجایا۔ اور پوچھا کہ کیا وہ یہاں ہے چنانچہ

مَیں گھبرا گیا اور جلدی ان کے پاس آیا۔ تو اس نے کہا کہ ایک بہت بڑا حادثہ پیش آیا۔ تو مَیں ام المؤمنین بی بی حفصہؓ اپنی بیٹی کے گھر آیا تو وہ رو رہی تھیں تو مَیں نے کہا آنحضرت رسول اللہ صلعم نے تم کو طلاق دے دی ہے انہوں نے کہا کہ مَیں نہیں جانتی پھر مَیں جناب نبی اکرم صلعم کی خدمت میں حاضر ہوا تو مَیں نے کھڑے کھڑے آنحضرت صلعم سے پوچھا کہ کیا آپؐ نے اپنی بیویوں کو طلاق دے دی ہے، فرمایا نہیں تو مَیں نے نعرۂ تکبیر اللہ اکبر بلند کیا۔

تشریح از شیخ مدنیؒ اس باب سے مقصد یہ ہے کہ اگر ہر روز علمی مراکز میں حاضر ہونے کی نوبت نہیں آتی۔ تو پھر بھی کوئی ایسا طریقہ اختیار کرنا چاہیئے۔ کہ اس سے علم حاصل ہوتا رہے وہ نوبتہ مقرر کر دینا ہے۔ جیسے حضرت عمرؓ نے کیا۔ فحدث امر عظیم ان کو خبر پہنچی تھی۔ غسّان والے گھوڑوں کے نعل لگا رہے ہیں۔ اور مدینہ منورہ پر حملہ کرنا چاہتے ہیں۔ فدخلتُ علی حفصۃ الخ اہلِ مکہ کی عورتیں رجال سے مغلوب رہتی تھیں۔ اور اہل مدینہ کی غالب رہتی تھیں ایک دن حضرت عمرؓ متفکر بیٹھے تھے تو ان کی بیوی نے کہا کہ کیوں متفکر ہو۔ تو انہوں نے کہا کہ تم ہر کام میں دخل دیتی ہو۔ تو اس نے کہا تم تو خواہ مخواہ مجھ سے ناراض ہو رہے ہو۔ دیکھو ازواج مطہرات بھی آنحضرت صلعم کے امور میں مداخلت کرتی ہیں جس سے آپؐ کو تکلیف پہنچتی ہے، روایت مختصر ہے، روایت طویلہ میں اس کا ذکر آجائے گا۔

تشریح از شیخ زکریاؒ چونکہ طلبِ علم فرض ہے لہٰذا امام بخاریؒ اس بات پر تنبیہ فرماتے ہیں، کہ اگر کوئی مشغول ہو تو اس کو روزانہ علم سیکھنا ضروری نہیں بلکہ تناوب کر سکتا ہے۔ تو گویا امام بخاریؒ نے تناوب کا جواز ثابت فرما دیا۔ اور بعض کی رائے یہ ہے کہ اگر کوئی مشغول ہو تو اس کے لئے تناوب فی العلم مستحب ہے حاصل دونوں کا ایک ہی ہے اور حضرت عمرؓ کا واقعہ گذر چکا ہے۔

باب، اَلْغَضَبِ فِی الْمَوْعِظَۃِ وَالتَّعْلِیْمِ اِذَا رَاٰی مَا یَکْرَہُ ۔

ترجمہ، وعظ اور تعلیم کے وقت غضب ناک ہونا جبکہ واعظ معلّم کوئی ناپسند کام دیکھے۔

حدیث نمبر ۸۸ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ کَثِیْرٍ الخ عَنْ اَبِیْ مَسْعُوْدٍ الْاَنْصَارِیِّ قَالَ قَالَ رَجُلٌ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ لَا اَکَادُ اُدْرِکُ الصَّلٰوۃَ مِمَّا یُطَوِّلُ بِنَا فُلَانٌ فَمَا رَاَیْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِیْ مَوْعِظَۃٍ اَشَدَّ غَضَبًا مِّنْ یَوْمَئِذٍ فَقَالَ اَیُّھَا النَّاسُ اِنَّکُمْ مُنَفِّرُوْنَ فَمَنْ صَلّٰی بِالنَّاسِ فَلْیُخَفِّفْ فَاِنَّ فِیْھِمُ الْمَرِیْضَ وَالضَّعِیْفَ وَذَا الْحَاجَۃِ (الحدیث)

ترجمہ، حضرت ابو مسعود انصاری فرماتے ہیں کہ ایک آدمی نے آکر کہا اے اللہ کے رسول میں فلاں آدمی کے نماز کو لمبا کرنے کی وجہ سے نماز کو نہیں پا سکتا۔ پس میں آنجناب نبی اکرم صلعم کو وعظ کے اندر کبھی اس دن سے زیادہ غضب ناک نہیں دیکھا چنانچہ آپؐ نے فرمایا اے لوگو! کیا تم نفرت پیدا کرنے والے ہو پس جو شخص تم سے لوگوں کو نماز پڑھا تو اسے ہلکی نماز پڑھنی چاہیئے کیونکہ ان میں بیمار کمزور اور ضرورت مند لوگ ہوتے ہیں۔

تشریح از شیخ مدنیؒ، آنجناب رسول اکرم صلعم نے جب ابو موسیٰ اشعریؓ اور حضرت معاذ کو یمن کی طرف حاکم بنا کر بھیجا تو ان کو حکم دیا یَسِّرا ولا تُعَسِّرا بشّرا ولا تنفّرا ترجمہ، آسانی کرو سختی نہ کرو، خوشخبری دو نفرت نہ دلاؤ۔ اس طرح ایک اعرابی نے مسجد میں پیشاب کر دیا۔ صحابہ کرام نے مَہ مَہ فرمایا تو اس پر آپؐ نے فرمایا انکم لَم تُبعَثُو معسرین انکم بعثتم میسرین کہ تم تنگی کرنے والے نہیں بھیجے گئے بلکہ تم آسانی کرنے والے بنا کر بھیجے گئے ہو۔ اس طرح ایک مرتبہ آپؐ تشریف لے جا رہے تھے کہ ایک اعرابی نے آپؐ کے اونٹ کی مہار پکڑ کر روک لیا۔ صحابہ کرام جز بز ہونے لگے تو آپؐ نے نرمی کرنے کا حکم فرمایا ان واقعات سے سمجھ میں آتا ہے کہ غصہ نہیں کرنا چاہیئے خصوصاً مواقع وعظ و نصیحت میں تو مصنفؒ بتلانا چاہتے ہیں کہ مواضع مختلف ہیں بعض جگہ غصہ اور بعض جگہ نرمی کرنی چاہیئے۔ چنانچہ آپؐ کے سامنے جب حضرت معاذ بن جبلؓ کا واقعہ پیش ہوا کہ انہوں نے ایک دن نمازِ عشا میں سورۂ بقرہ اور سورۂ آل عمران پڑھی تو ایک محنت کش الگ ہو کر مختصر نماز پڑھ کے چلا جاتا ہے، بعض صحابہ نے حضرت معاذ کو اس کی اطلاع دی تو انہوں نے اسے فعل نفاق سے تعبیر کیا۔ اس محنت کش نے جب سنا تو آنحضرت صلعم کی خدمت میں حاضر ہو کر واقعہ بیان کیا۔ تو آپؐ نے فرمایا افتّانٌ انتَ یا معاذ کہ اے معاذ تم لوگوں کو فتنے میں مبتلا کرنے والے ہو۔ اور نفرت دلانے والے ہو۔ نماز ہلکی پڑھا کرو۔

تشریح از شیخ زکریاؒ یوں فرماتے ہیں کہ استاذ طلبہ سے کوئی ناگوار بات دیکھے تو اس کو تنبیہ کرے ڈانٹ دے۔ اور میری رائے یہ ہے کہ یہاں بھی مصنفؒ کا مقصود یہ ہے کہ قضا اور فتویٰ کے درمیان فرق ہے اگر فتویٰ اور درس حالت غضب میں ہو تو جائز ہے۔ اگر قضا حالتِ غضب میں ہو تو جائز نہیں کیونکہ ابوداؤد کی ایک حدیث میں آتا ہے۔ لا یقضی القاضی وھو غضبان کہ غصہ کی حالت قاضی فیصلہ نہ کرے اس حدیث کی بنا پر حنابلہ کا مسلک ہے کہ قضا بحالت غضب نافذ نہیں ہو سکتی۔ اگر وہ شخص جس کے

خلاف فیصلہ ہو وہ شہود کے ذریعہ ثابت کرے کہ فلاں قاضی یہ فیصلہ حالت غضب کا ہے تو قضا باطل ہو جائے گی۔ تو امام بخاریؒ اس سے استثناً فرماتے ہیں کہ استاذ غصہ کر سکتا ہے۔ اور ڈانٹ بھی سکتا ہے اور بعض کی رائے ہے کہ تنبیہ کرتی ہے کہ استاذ کی ڈانٹ ڈپٹ حدیث یسروا ولا تعسروا بشروا ولا تنفروا کے خلاف نہیں ہے اور اس میں تنفیر نہیں۔ اور بعض کی رائے ہے کہ حضور پاک صلعم کے حالات میں آتا ہے کہ غضب کرنا آپؐ کی شان نہیں ہے۔ تو امام بخاریؒ تنبیہ فرماتے ہیں کہ تعلیم و موعظہ کے وقت غضب کرنا آنحضرت صلعم سے ثابت ہے۔ وہ اس کے خلاف نہیں بلکہ وہ اس خاص مصلحت کی وجہ سے ہوتا تھا۔ لا اکاد ادرک الصلوٰۃ یہ کہ میں جماعت سے نماز نہیں پڑھ سکتا ہوں۔ مما یطول بنا فلان فلاں شخص کے نماز طویل کر دینے کی وجہ سے اس فلاں کے تحت بین السطور لکھا ہے۔ ھو قیل معاذ بن جبل وقیل ابیؓ یہ دونوں احتمال یہاں تو صحیح ہیں۔ کیونکہ یہاں نماز کی تعین نہیں۔ کہ کون سی نماز کا ذکر ہے اور جن احادیث میں نماز کی تعین ہے۔ وہاں دونوں احتمال نہیں ہوں گے۔ بلکہ ایک ہی متعین ہوگا۔ لہٰذا جہاں مغرب و عشاء کی نماز میں اطالت کا ذکر ہو وہاں فلاں سے مراد حضرت معاذ رضی اللہ عنہ ہیں اور جہاں اطالت صلوٰۃ فی الفجر کا ذکر ہو۔ وہاں فلاں کے مصداق حضرت اُبی بن کعب ہیں۔ اور جہاں کہیں بالاجمال اطالت کا ذکر ہو۔ اور کسی خاص نماز کا ذکر نہ ہو۔ وہاں فلاں سے دونوں مراد ہو سکتے ہیں۔ جس کو چاہے لکھ دو اس کے خلاف جو کہے وہ غلط ہے۔ یہاں بعض شراح کو وہم ہو گیا اور کہیں کہیں علامہ قسطلانی سے بھی سبقت قلم ہو گئی کہ اس کا عکس لکھ دیا۔

حدیث نمبر ۸۹ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مُحَمَّدٍ الخ عَنْ زَيْدِ بْنِ خَالِدٍ نِ الْجُهَنِيِّ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَاَلَهُ رَجُلٌ عَنِ اللُّقَطَةِ فَقَالَ اَعْرِفْ وِكَاۤءَهَا اَوْ قَالَ وِعَاۤءَهَا وَعِفَاصَهَا ثُمَّ عَرِّفْهَا سَنَةً ثُمَّ اسْتَمْتِعْ بِهَا فَاِنْ جَاۤءَ رَبُّهَا فَاَدِّهَا اِلَيْهِ قَالَ فَضَالَّةُ الْاِبِلِ فَغَضِبَ حَتّٰى اِحْمَرَّتْ وَجْنَتَاهُ اَوْ قَالَ احْمَرَّ وَجْهُهُ فَقَالَ مَا لَكَ وَلَهَا مَعَهَا سِقَاۤؤُهَا وَحِذَاۤؤُهَا تَرِدُ الْمَاۤءَ وَتَرْعَى الشَّجَرَ فَذَرْهَا حَتّٰى يَلْقَاهَا رَبُّهَا قَالَ فَضَاۤلَّةُ الْغَنَمِ قَالَ لَكَ اَوْ لِاَخِيْكَ اَوْ لِلذِّئْبِ (الحدیث)

ترجمہ، حضرت زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنجناب نبی اکرم صلعم سے ایک آدمی نے گری پڑی چیز کے متعلق سوال کیا تو آپؐ نے فرمایا کہ اس کی تھیلی کے تسمے یا اس کے برتن ہمیانی

کا اعلان کر دیا اس کی زنبیل کے متعلق پوچھو اور سال بھر مجامع میں پوچھتے رہو۔ بعد ازاں اس سے نفع حاصل کرو اگر اس کے بعد اس کا مالک آجائے تو اسے اس کی امانت واپس کر دو اس نے کہا حضرت گمشدہ اونٹ کے متعلق کیا ارشاد ہے۔ اس پر آپ اس قدر غصہ ہوئے کہ آپ کے دونوں رخسار سرخ ہو گئے یا فرمایا کہ آپ کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ فرمایا تجھے اس سے کیا کام! اس کے ساتھ اس کا پانی کا مشکیزہ ہے (پیٹ) اور اس کا کھر جو خف کا کام دیتا ہے وہ پانی کے چشموں پر وارد ہو کر پانی پی لے گا اور درختوں کو چرتا رہے گا پس اس کو چھوڑ دو یہاں تک کہ اس کا مالک اس کو پالے گا عرض کیا گم شدہ بکری کے متعلق کیا حکم ہے فرمایا وہ تیرے لئے ہے یا تیرے بھائی کے لئے یا بھیڑیئے کے لئے ہیں

تشریح از شیخ مدنیؒ ضالہ وہ جانور جو اپنے مالک سے گم ہو جائے۔ لقطہ غیر ذی روح مال جو گم ہو جائے۔ اور لقیطہ جو ذی روح بچہ گم ہو جائے۔ آپ کے اعلان کروانے کا مقصد یہ تھا کہ اپنے مجامع میں اعلان کرو تاکہ مال محفوظ ہو سکے۔ بکری کی حفاظت کے بارے میں فرمایا کہ لک ولاخیک الخ اونٹ کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا اس کو چھوڑ دو۔ چور، ڈاکو باعتبار اکثریت کے اسے نہیں لے جا سکتا۔ یہ اپنی قوت کی وجہ سے دشمن اور حملہ آور کی زد سے بچ سکتا ہے ترد الماء وترعی الشجر ہاں اگر کسی جگہ ان کے گم ہونے کا خطرہ ہو تو اس کا محفوظ کرنا بھی ضروری ہے۔ پھر اس کی بھی تعریف کرنی پڑے گی۔ لقطہ کا حکم عند الامامؒ یہ ہے کہ اپنے اوپر خرچ نہیں کر سکتا۔ اور امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اگر مالک نہ مل سکے تو اپنے اوپر خرچ کر سکتا ہے بشرطیکہ فقیر ہو۔ الا فلا۔

تشریح از شیخ زکریاؒ یہ مسئلہ کتاب اللقطہ کا ہے۔ بحث وہاں آئے گی کہ ایک سال تعریف ضروری ہے یا تین سال ایک ماہ ایک ہفتہ کافی ہے یا دس دن ضروری ہیں لک اولاخیک کے معنی بھی وہیں آئیں گے تعا منتفع ہیں استمتاع ملک نہیں ہے۔ جیسا کہ فاذھا الیہ دلالت کرتا ہے فضالۃ الابل فغضب یہی مقصود باب ہے اور حضور اقدس صلعم کا غصہ اس وجہ سے تھا کہ اونٹ کے ضائع ہونے کا اندیشہ نہیں ہے اور اس کی وجہ کی طرف مالک ولہا معہا سقاؤھا وحذاءھا سے اشارہ فرمایا کہتے ہیں کہ اونٹ کے پیٹ میں ایک مشک ہوتی ہے جس کو وہ پانی سے بھر لیتا ہے۔ جب اس کو پانی نہیں ملتا۔ تو وہ اس مشک سے تھوڑا تھوڑا نکال کر پیتا ہے۔ اور سات دن تک اس کو نئے پانی کی ضرورت پیش نہیں آتی۔ اور سخت گیر جانور ہے جس کو آسانی سے قابو نہیں کیا جا سکتا۔

حدیث نمبر ۹۰ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ الخ عَنْ اَبِیْ مُوْسٰی قَالَ سُئِلَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَنْ اَشْیَاءَ کَرِھَھَا فَلَمَّا اُکْثِرَ عَلَیْہِ غَضِبَ ثُمَّ قَالَ لِلنَّاسِ سَلُوْنِیْ عَمَّا شِئْتُمْ فَقَالَ رَجُلٌ مَنْ اَبِیْ قَالَ اَبُوْكَ حُذَافَۃُ فَقَامَ اٰخَرُ فَقَالَ مَنْ اَبِیْ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ قَالَ اَبُوْكَ سَالِمٌ مَوْلٰی شَیْبَۃَ فَلَمَّا رَاٰی عُمَرُ مَا فِیْ وَجْھِہٖ قَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اِنَّا نَتُوْبُ اِلَی اللّٰہِ عَزَّ وَجَلَّ (الحدیث)

ترجمہ، حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ جناب نبی اکرم صلعم سے چند ایسی چیزوں کے متعلق سوال کیا گیا جن کو آپؐ نے پسند نہ فرمایا جب اس قسم کے سوالوں کی آپؐ پر کثرت ہوئی تو آپؐ ناراض ہوئے پھر لوگوں سے فرمایا جس چیز کے متعلق تم چاہو میرے سے سوال کرو۔ تو ایک آدمی نے کہا حضرت میرا باپ کون ہے آپؐ نے فرمایا حذافہؓ دوسرے نے اٹھ کر یہی کہا کہ یا رسول اللہ میرا باپ کون ہے آپؐ نے فرمایا تیرا باپ شیبہ کا غلام سالم ہے۔ جب حضرت عمرؓ نے آپؐ کے چہرۂ انور پر غضب کے آثار دیکھے تو فرمایا یا رسول اللہ ہم اللہ بلند و برتر کی طرف توبہ کرتے ہیں۔

تشریح از شیخ مدنیؒ حضور انور صلعم سے بعض ایسی اشیاء کے متعلق پوچھا گیا جو ناپسند یدہ تھیں آپؐ کو غصہ آیا خصوصًا ایسی چیز کے متعلق سوال کرنا جو امت پر شاق ہے۔ جیسے آپؐ سے حج اور عمرہ کے متعلق پوچھا گیا کہ کیا حج ہر سال کے لئے ہے۔ تو آپؐ نے فرمایا کہ اگر میں کہہ دیتا کہ ہر سال کے لئے ہے تو مشقت میں پڑ جاتے۔ جب تک میں کسی چیز کو مقید نہ کروں تم اس کے متعلق سوال مت کرو اب حج عمر بھر میں ایک مرتبہ فرض ہے۔ جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں بقرہ کے متعلق سوالات ہوئے۔ تو باری تعالیٰ نے بھی تشدد اختیار فرمایا۔ اگر وہ کوئی سی گائے ذبح کر دیتے تو تعمیل حکم کے لئے کافی تھی۔ آپؐ نے فرمایا بڑا بد بخت ہے وہ شخص جس کی وجہ سے امت تکلیف میں پڑ جائے اس لئے ساعت کے متعلق سوال کرنے سے منع کر دیا گیا حضرت عبد اللہ بن حذافہ کا رنگ والد کے رنگ سے مختلف تھا۔ یہ سانولے تھے باپ گورا تھا۔ لوگوں نے عار دلائی کہ اس کا باپ کوئی اور ہے انہوں نے موقع پاکر حضور انور صلعم سے سوال کر دیا۔ آپؐ نے ابوک حذافہ فرما دیا ان کی والدہ کو جب معلوم ہوا تو وہ سخت ناراض ہوئیں کہ اگر حضور انور صلعم کچھ اور فرما دیتے تو عمر بھر میرے لئے شرمندگی ہوتی۔ تم والدین کے عاق ہو۔ الغرض اس باب سے ثابت ہوا کہ کسی جگہ آپ نے غصہ فرمایا کہیں نرمی برتی۔

تشریح از شیخ زکریاؒ جب حضرت عمرؓ نے حضور پاک صلعم کا غضب دیکھا تو دو زانو ہو کر بیٹھ گئے۔ اور رضینا باللہ ربّا و بالاسلام دینا و بمحمد صلی اللہ علیہ وسلم نبیا پڑھنے لگے یہ جتلانے کے لئے کہ ہم میں سے جو ایک نے یہ سوال کیا ہے۔ وہ آپ پر اعتراض کے واسطے نہیں بلکہ غلطی ہو گئی حضور تو ہمارے سب کچھ ہیں۔ اور حضرت عمرؓ کا گھٹنوں کے بل بیٹھنا طالب علم کی ہئیتہ ہے محدث کے سامنے دو زانو ہو کے بیٹھنا چاہیئے۔

باب مَنْ بَرَكَ رُكْبَتَيْهِ عِنْدَ الْإِمَامِ وَالْمُحَدِّثِ۔

ترجمہ، کہ حاکم اور محدث کے پاس دو زانو ہو کر بیٹھنا چاہیئے۔

حدیث نمبر ۹۱ حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ الخ أَخْبَرَنِي أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ فَقَامَ عَبْدُ اللهِ بْنُ حُذَافَةَ فَقَالَ مَنْ أَبِي قَالَ أَبُوكَ حُذَافَةُ ثُمَّ أَكْثَرَ أَنْ يَقُولَ سَلُونِي فَبَرَكَ عُمَرُ عَلَى رُكْبَتَيْهِ فَقَالَ رَضِينَا بِاللهِ رَبًّا وَبِالْإِسْلَامِ دِينًا وَبِمُحَمَّدٍ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَبِيًّا ثَلَاثًا فَسَكَتَ (الحدیث)

ترجمہ، حضرت انس بن مالکؓ خبر دیتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلعم باہر تشریف لائے تو حضرت عبداللہ بن حذافہ نے اٹھ کر کہا کہ میرا باپ کون ہے۔ آپ نے فرمایا تیرا باپ حذافہ ہے پھر اکثر یہ فرماتے رہے کہ میرے سے پوچھو تو حضرت عمرؓ اپنے گھٹنوں پر بیٹھ گئے اور فرمایا کہ میں اللہ کے رب ہونے پر راضی ہوں۔ اور اسلام کے دین ہونے پر جناب محمد مصطفےٰ کے نبی پر ہونے پر راضی ہوں تین مرتبہ فرمایا تو حضور انور صلعم خاموش ہو گئے۔

تشریح از شیخ مدنیؒ حصول علم کے لئے متعلم کو ادب چاہیئے۔ محدث اور امام کے رو برو بروک علی الرکبتین ہو۔ بروک اونٹ کے بیٹھنے کو کہتے ہیں اور جلوس انسان کے بیٹھنے کو کہا جاتا ہے۔ اس جگہ مطلق جلوس مراد ہے۔

تشریح از شیخ زکریاؒ اس باب کا مقصد وہی ہے جو ابھی بیان ہوا۔ کہ آئمہ مشائخ اور اساتذہ کے سامنے دو زانو ہو کر بیٹھنا چاہیئے یہی اولیٰ اور بہتر ہے۔

باب مَنْ أَعَادَ الْحَدِيثَ ثَلَاثًا لِيُفْهَمَ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَلَا وَقَوْلُ الزُّورِ فَمَا زَالَ يُكَرِّرُهَا وَقَالَ ابْنُ عُمَرَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَلْ بَلَّغْتُ ثَلَاثًا۔

ترجمہ: اس شخص کے بارے میں جو بات کو تین مرتبہ دہرائے تاکہ وہ بات سمجھ سکے تو جناب نبی اکرم صلعم نے فرمایا خبردار! قول الزور یعنی جھوٹی بات اور اس کو بار بار دہراتے رہے۔ اور حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ جناب نبی اکرم صلعم نے فرمایا کیا میں پہنچا چکا یہ تین مرتبہ فرمایا۔

حدیث نمبر ۹۲ حَدَّثَنَا عَبْدَةُ الخ عَنْ اَنَسٍؓ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنَّہٗ کَانَ اِذَا تَکَلَّمَ بِکَلِمَۃٍ اَعَادَھَا ثَلٰثًا حَتّٰی تُفْھَمَ عَنْہُ وَاِذَا اَتٰی عَلٰی قَوْمٍ فَسَلَّمَ عَلَیْھِمْ سَلَّمَ عَلَیْھِمْ ثَلٰثًا (الحدیث)

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے وہ آنحضرت نبی اکرم صلعم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ جب بھی کوئی کلمہ بولتے تھے تو اسے تین مرتبہ دہراتے تھے یہاں تک وہ کلمہ آپ سے سمجھ لیا جاتا تھا اور جب کسی قوم کے پاس تشریف لاکران پر سلام کرتے تو ان پر تین مرتبہ سلام کرتے تھے۔

تشریح از شیخ مدنیؒ یہاں پر ہر کلمہ کو بار بار لوٹانا فرمایا گیا اور آپ سے یہ بھی منقول ہے کہ اشارہ سے جواب دیا۔ اور اشارہ ہر شخص نہیں سمجھ سکتا خصوصاً جو اشارہ کو دیکھتا ہی نہیں تو یہاں بتلانا ہے کہ اگر معلم سے کوئی چیز بوجہ نہ سمجھنے کے پوچھی جائے تو اعادہ کی اجازت ہے مگر ہر کلام میں نہیں حالانکہ روایات سے پتہ چلتا ہے کہ یعید ثلاثا تو صحابہ کرام کا یہ فرمانا کہ آپ نے تین بار لوٹایا تو وہ کوئی اہم چیز ہوگی تو اب روایات کے معنی یہ ہوں گے اذا رای شیئا ھمّا ومھتما بالشان یعید ثلاثا تو مہتم بالشان اور غیر مہتم بالشان میں فرق ہوگا۔ اس طرح سلام تین مرتبہ کرنا اس طرح ہوگا کہ اگر ایک بڑے مجمع میں پہنچے سلام کیا دائیں جانب سلام کیا پھر بائیں جانب علیحدہ سلام کیا۔ اور اسی طرح سلام استیذان کے لئے ہوگا کہ السلام علیکم یا فلان ادخل تین بار سلام کرو اگر جواب نہ ملے تو واپس چلے جاؤ۔ اس طرح اگر میں گھر میں ہونگا تو جواب دوں گا ورنہ سمجھ لو کہ میں گھر میں موجود نہیں ہوں۔ الغرض کلام اور سلام کا تکرار مطلق نہیں بلکہ اس کی تخصیص کی جائے جس کی صورتیں ذکر ہو چکی ہیں۔

تشریح از شیخ زکریاؒ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت مبارکہ یہاں مذکور ہے کہ اذا تکلم بکلمۃ تکلم ثلثا واذا سلم سلم ثلاثا یعنی آپ جب بات کرتے تو تین مرتبہ بیان فرمایا کرتے تھے اور اسی طرح سلام بھی تین مرتبہ کرتے۔ سلام کا مسئلہ کتاب الاستیذان میں آئے گا۔ یہاں تکلم سے بحث ہے کہ تین مرتبہ بات فرمایا کرتے تھے۔ بظاہر بہت مہمل معلوم ہوتا ہے اور سمجھ دار آدمی کی شان کے خلاف ہے کہ ہر بات کو بار بار کہے

اسی وجہ سے بعض شراح نے اس کا یہ مطلب بیان فرمایا کہ یہ تین مرتبہ لوٹانا اس اعتبار سے تھا کہ ایک مرتبہ دائیں جانب اور ایک مرتبہ بائیں جانب منہ فرماکر اور ایک مرتبہ سامنے کی طرف متوجہ ہوکر کلام فرمایا کرتے تھے لیکن یہ صورت بھی ہر کلام میں بعید از عقل معلوم ہوتی ہے۔ اگرچہ پہلی صورت کے اعتبار سے احسن ہے تو امام بخاریؒ نے اس کا اور مطلب بیان کرنے کے لئے یہ باب قائم فرمایا ہے۔ اور بتلایا ہے کہ ہر بات کو نہیں فرماتے تھے بلکہ ہر وہ بات جو اہم اور ضروری ہو اس کو تین مرتبہ فرماتے تھے۔ اسی وجہ سے حدیث میں تفہم کی قید ہے۔ ابن المنیر شارح بخاری فرماتے ہیں کہ اس سے ان لوگوں پر رد کرنا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ استاد کو صرف ایک مرتبہ بات کہنی چاہیئے۔ اس سے زیادہ نہ کہے۔ اگر طالب علم دوبارہ پوچھے تو بلید ہے اس کو نہ بتاوے۔ ابن المنیر نے بات اگرچہ بہت معقول بتلائی۔ لیکن میرے نزدیک یہ اس باب کی غرض نہیں ہے بلکہ اگلے صفحہ پر جو باب من سمع شیئا فلو یفھمہ فراجعہ حتی یعرفہ آرہا ہے۔ اس کے مناسب ہے اعادھا ثلاثا حتی تفھم عنہ یہی مقصود ترجمہ ہے اور مقصود یہ ہے کہ اعادہ وہاں ہوتا تھا۔ جہاں افہام کی ضرورت ہو۔ معلوم ہوا کہ اذا تکلم تکلم ثلاثا عام نہیں بلکہ مواقع ضرورت کے ساتھ خاص ہے۔ ویل للاعقاب من النار مرتین او ثلاثا یہی مقصود باب ہے اور مصنفؒ نے اس کا ذکر فرماکر اس بات پر تنبیہ فرمادی کہ تکرار افہام کی غرض سے ہوتا تھا۔ خواہ دو مرتبہ میں حاصل ہوجائے۔ یا تین میں تین مرتبہ ضروری نہیں۔

حدیث نمبر ۹۳ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ الخ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ تَخَلَّفَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ سَفَرٍ سَافَرْنَاهُ فَأَدْرَكَنَا وَقَدْ أَرْهَقْنَا الصَّلٰوةَ صَلٰوةَ الْعَصْرِ وَنَحْنُ نَتَوَضَّأُ فَجَعَلْنَا نَمْسَحُ عَلٰى أَرْجُلِنَا فَنَادٰى بِأَعْلٰى صَوْتِهِ وَيْلٌ لِلْأَعْقَابِ مِنَ النَّارِ مَرَّتَيْنِ أَوْ ثَلٰثًا۔ (الحدیث)

ترجمہ، حضرت عبداللہ بن عمروؓ فرماتے ہیں کہ ایک سفر میں جو ہم نے آپؐ کے ساتھ کیا تھا جناب رسول اللہ صلعم ہم سے پیچھے رہ گئے تھے آپؐ نے اس حال میں آلیا کہ ہم نے نماز عصر میں دیر کردی تھی۔ اور ہم اس طرح وضو کر رہے تھے کہ اپنے پاؤں کو تھوڑا تھوڑا دھو رہے تھے۔ گویا کہ مسح کر رہے تھے تو آپؐ نے اپنی اونچی آواز سے پکار کر فرمایا کہ ان خشک ایڑیوں کے لئے آگ کی ہلاکت ہے دو مرتبہ فرمایا تین مرتبہ۔ حدیث کی تشریح پہلے گذر چکی ہے۔

باب تَعْلِيْمُ الرَّجُلِ اَمَتَهٗ وَاَهْلَهٗ۔

باب ہے اس بارے میں کہ آدمی اپنی باندی اور بیوی کو تعلیم دے۔

حدیث نمبر ۹۴ حَدَّثَنَا مُحَمَّدٌ الخ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلٰثَةٌ لَهُمْ اَجْرَانِ رَجُلٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتَابِ اٰمَنَ بِنَبِيِّهٖ وَاٰمَنَ بِمُحَمَّدٍ وَّالْعَبْدُ الْمَمْلُوْكُ اِذَا اَدّٰى حَقَّ اللّٰهِ وَحَقَّ مَوَالِيْهِ وَرَجُلٌ كَانَتْ عِنْدَهٗ اَمَةٌ يَطَاُهَا فَاَدَّبَهَا فَاَحْسَنَ تَاْدِيْبَهَا وَعَلَّمَهَا فَاَحْسَنَ تَعْلِيْمَهَا ثُمَّ اَعْتَقَهَا فَتَزَوَّجَهَا فَلَهٗ اَجْرَانِ ثُمَّ قَالَ عَامِرٌ اَعْطَيْنَاكَهَا بِغَيْرِ شَيْءٍ قَدْ كَانَ يُرْكَبُ فِيْمَا دُوْنَهَا اِلَى الْمَدِيْنَةِ۔ (الحدیث)

ترجمہ، حضرت بردہؓ فرماتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلعم نے فرمایا تین آدمی ہیں جن کو دوگنا ثواب ملے گا ایک تو اہل کتاب کا وہ آدمی ہے جو اپنے نبی پر بھی ایمان لایا اور حضرت محمد صلعم پر بھی ایمان لایا۔ دوسرا وہ مملوک غلام ہے جو اللہ تعالیٰ کا حق بھی ادا کرتا ہے اور اپنے آقاؤں کے حقوق بھی پورے کرتا ہے۔ اور تیسرا وہ آدمی جس کے پاس باندی ہو جو اس سے ہمبستری کرتا ہے پھر اس کو اچھی طرح آداب سکھاتا ہے اور تعلیم دیتا ہے اور خوب اچھی طرح تعلیم دیتا ہے۔ پھر اس کو آزاد کر کے اس سے نکاح کر لیتا ہے اس کو بھی دوہرا اجر ملے گا حضرت عامر راوی فرماتے ہیں کہ ہم نے تمہیں یہ حدیث بغیر اجرت کے دے دی۔ حالانکہ لوگ اس سے کم کے لئے مدینہ تک کے سفر کرتے تھے۔

تشریح از شیخ مدنیؒ روایت کے اندر اللہ کا ذکر تو ہے مگر اہل کا ذکر نہیں اہل عموماً حرہ ہوتی ہے امۃ اس کے مساوی نہیں ہو سکتی۔ اس کو دیکھ سکتے ہیں تصرف مملوکیۃ میں لا سکتے ہیں۔ ان کو تعلیم دینے میں بسا اوقات انسان عار محسوس کرتا ہے۔ اس لئے مصنفؒ اہل اور امۃ کو عام کرنا چاہتے ہیں۔ حدیث میں آپؐ نے فرمایا کہ تین اشخاص کے لئے دو اجر ہیں یعنی جو یہ دو عمل کرے اگر معنی یہ لئے جائیں کہ دو عملوں پر دو اجر ہوں گے۔ تو تخصیص کا فائدہ نہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ ہر عمل پر دو اجر ملیں گے۔ اب تخصیص کا فائدہ ہوگا۔ ایک نفع ایمان بالرسول سے ملے گا۔ مقصد باب یہ ہے کہ تعلیم ان دونوں کے لئے ضروری ہے۔ تم اس سے مت ڈرو کہ وہ اپنے حقوق پر مطلع ہو کر کھانا پکانا چھوڑ دے گی بچے کے لئے مرضعہ رکھنی پڑے گی۔ جھاڑو نہ دیگی۔ اپنے استدلال میں نصوص فقہیہ پیش کرے گی۔ جس نے عورت کو مارا تو حضور اقدس صلعم نے اس کے حق میں اولئک العصاۃ فرمایا۔ آجکل ہندوستان و پاکستان میں لوگوں نے بیویوں کو باندیوں سے بھی زیادہ ذلیل کر رکھا ہے

گھر و باہر کے تمام کام مرتے دم تک کرتی ہے۔ اور پھر عدم علم کی وجہ سے یہ سمجھتی ہے کہ میں نے حقوق شوہر ادا نہیں کئے۔ امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ ان کو تعلیم ضرور دینی چاہیئے۔ عورت کے تمام کام تبرع ہوں گے تین شخص یہ ہیں (۱) اہل کتاب عبد مملوک اور رجل کانت عندہ امۃ الخ فادبھا فَاَحْسَنَ تادیبھا یعنی نرمی کے ساتھ تعلیم دے تو متنبی کہتا ہے۔ کہ جب غلام خرید کرو تو ایک عصا بھی خرید لو۔ یہاں یہ معنی مراد نہیں بلکہ تادیب لطف اور نرمی کے ساتھ مراد ہے۔ یہ ایک امر ہوا۔ دوسرا امر آزاد کرکے پھر نکاح کرے کیونکہ قبل از عتاق تو مالک مستحق جماع تھا۔ جیسے یطأھا کا لفظ دال ہے۔ لیکن بعد از عتاق اس نے اس کو اپنے ہاں رکھا اور اس سے شادی کرلی۔ دربدر پھرنے سے بچایا وَقَالَ عامر الخ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ روایات ہم نے تم کو بغیر اجر اور قیمت کے بتلادی ہیں۔ اس سے گھٹیا چیزیں بھی سفر کا باعث بنتی ہیں۔ اور کتنا خرچ ہوتا ہے چنانچہ شاہ ولی اللہؒ نے احادیث کے لئے حجاز کا سفر کیا اور امام بخاریؒ نے مصر کا سفر اختیار کیا۔ قس علی ھذا۔

تشریح از شیخ زکریاؒ امام بخاریؒ نے ترجمہ سے تنبیہ فرمادی کہ آقا کے ذمہ ہے کہ وہ باندیوں کو تعلیم دیں چونکہ ظاہر حدیث سے باندی کی تخصیص معلوم ہوتی تھی اس لئے واھلہ کا لفظ بڑھا کر اشارہ فرمادیا کہ یہ کوئی باندی کے ساتھ خاص نہیں بلکہ اپنی بیوی کو بھی تعلیم دے تو گویا کہ حدیث میں باندی کی قید اتفاقی ہے۔ احترازی نہیں لہٰذا جب باندی کی تعلیم پر اجر ملے گا تو اہل کی تعلیم پر بدرجہ اولیٰ ملے گا۔ باندی کی خصوصیت اس واسطے ہے کہ عام طور پر باندیاں پکڑ کر لائی جاتی تھی۔ ان کو تعلیم و تربیت دینے والا کوئی نہیں تھا۔ بخلاف حرائر کے ان کے لئے تعلیم سے موانع نہیں ہوتے تھے۔ اس پر اشکال ہوتا کہ ان تینوں نے کوئی ایسا بڑا کام نہیں کیا کہ اب اس کے بعد جو کام بھی کریں اس پر دوہرا اجر ہے اس لئے میرے مشائخ کی رائے یہ ہے کہ جن افعال میں تزاحم ہوتا ہو ان میں دوہرا اجر ہے۔ مثلاً جو اپنے نبی پر ایمان لایا پھر حضور پاک صلعم پر ایمان لایا۔ اب یہ شخص پہلے سے اپنے نبی کی شریعت پر عمل کرتا تھا۔ اب جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آیا تو اس کے نفس کے خلاف کرنا پڑا اور پھر نئے سرے سے احکام سیکھنے پڑے تاکہ ان پر عمل کرے تو اب یہاں پر نئے دین کی شرائط اور عبادات کو لازم کرنے میں تزاحم ہے۔ نیز یہ پہلے اپنے مذہب کا عالم تھا اب جو نیا مذہب اختیار کیا ہے۔ اس کے اعتبار سے اب جاہل ہوگیا۔ ایک دوسری مزاحمت یہ ہوگئی۔ اور اسی قسم کی ہر مزاحمت پر اجر ہے اس لئے اس کو دوہرا اجر ملے گا۔ اسی طرح عبد مملوک ہے۔ ادھر وہ نماز پڑھنے جاتا ہے تو حق مولیٰ کا ٹکراؤ ہوتا ہے اب اس کو جہاں جہاں بھی مشقت ہوگی۔ دوہرا اجر ملے گا۔ کیونکہ یہاں بھی اس کو اپنے حقیقی مولیٰ

(اللہ تعالیٰ) اور مجازی مولیٰ آقا کی وجہ سے مزاحمت پیش آرہی ہے۔ لیکن جن افعال میں اس کو مزاحمت نہیں ہوتی مثلاً ایسا وقت ہے کہ مالک کی خدمت سے چھٹی ہے۔ جیسے رات کا وقت ہے اب تہجد پڑھے تو یہاں دوہرا اجر نہیں ملے گا کیونکہ مجازی مولیٰ کا کام اس کے مزاحم نہیں۔ اسی طرح آقا ہے اس نے باندی کو تعلیم و تربیت دی۔ پھر آزاد کر دیا۔ یہ بھی اس نے نیکی کا کام کیا۔ اب مزاحمت یہاں بھی ہوگئی۔ اس نے پہلے آزاد کر کے جو اس سے نکاح کیا تو گویا اس کو برابر کا حق دے دیا اور اس کو مزاحمت کا حق حاصل ہوگیا اس لئے اس کو دوہرا اجر یہاں بھی ملے گا یہ حدیث دوسری مرتبہ ص۶۹ پر بھی آئے گی۔

ثم قال عامر اعطیناکھا الخ یہ خطاب کس کو ہے علامہ کرمانیؒ فرماتے ہیں کہ صالح کو خطاب ہے جو شعبی کے شاگرد ہیں مگر صحیح یہ ہے کہ یہ خطاب ایک خراسانی آدمی کو ہے جس نے سوال کیا تھا جیسا کہ کتاب الانبیاء ص۴۹ پر آرہا ہے۔ فرماتے ہیں کہ بیٹھے بٹھلاتے ہم نے تمہیں اتنی بڑی حدیث بتلا دی۔ ورنہ اس سے چھوٹی حدیث کے لئے مدینے آیا کرتے تھے۔ آجکل یہ مدارس بن گئے پھر ان میں کھانے پینے کی سہولتیں مہیا ہوگئیں یہی وجہ ہے یہ طالب علم قدر نہیں کرتے۔ اگر یہ سہولتیں نہ ہوتیں بلکہ اس میں مشقت اٹھانی پڑتی تو قدر کرتے۔ لیکن اب حال یہ ہے کہ اگر پڑھانے میں ہنسیل ملتے ہیں اور کھیتی میں ٹھو تو کھیتی کو ترجیح دیتے ہیں اور یہ سب اس وجہ سے ہے کہ بغیر مشقت کے حاصل ہوگیا۔ اگر مشقت سے حاصل کرتے تو ہرگز یہ نہ ہوتا۔

بَابُ عِظَةِ الْاِمَامِ النِّسَآءَ وَتَعْلِيْمِهِنَّ۔

ترجمہ، حاکم وقت کا عورتوں کو وعظ کرنا اور انہیں تعلیم دینا۔

حدیث نمبر ۹۵ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ الخ قَالَ سَمِعْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ قَالَ اَشْهَدُ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَوْقَالَ عَطَآءٌ اَشْهَدُ عَلَى ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ وَمَعَهُ بِلَالٌ فَظَنَّ اَنَّهُ لَمْ يُسْمِعِ النِّسَآءَ فَوَعَظَهُنَّ وَاَمَرَهُنَّ بِالصَّدَقَةِ فَجَعَلَتِ الْمَرْاَةُ تُلْقِى الْقُرْطَ وَالْخَاتَمَ وَبِلَالٌ يَاْخُذُ فِىْ طَرَفِ ثَوْبِهٖ وَقَالَ اِسْمٰعِيْلُ عَنْ اَيُّوْبَ عَنْ عَطَآءٍ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ اَشْهَدُ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

ترجمہ، حضرت عطا بن الجارباح رو فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے سنا وہ فرماتے تھے کہ میں جناب نبی اکرم صلعم پر قسم کھا کر گواہی دیتا ہوں یا حضرت عطا فرماتے ہیں کہ میں ابن عباسؓ پر قسم کھا کر کہتا ہوں کہ جناب نبی اکرم صلعم عیدگاہ سے باہر تشریف لائے اور حضرت بلالؓ بھی آپ کے ساتھ تھے

اور آپؐ یہ سمجھے کہ عورتوں کو وعظ نہیں سنا سکے چنانچہ آپؐ نے ان کو نصیحت فرمائی اور ان کو صدقہ کا حکم دیا۔ تو ہر عورت اپنی بالیاں اور انگوٹھیاں ڈالتی تھیں اور حضرت بلالؓ اپنے کپڑے کی جھولی میں ان کو جمع کرتے تھے۔

تشریح از شیخ مدنیؒ: پہلے باب میں ان عورتوں کی تعلیم کا ذکر تھا جن سے پردہ اور محرمیت نہیں ہے۔ مگر جو محارم ہیں اور جو غیر ذات زوج ہیں ان کے لئے بھی حکم دیا گیا۔ کہ ان کو بھی عام طور پر تعلیم دی جائے۔ چنانچہ آپؐ عورتوں کو پردہ کے ساتھ تبلیغ فرماتے تھے۔

تشریح از شیخ زکریاؒ امام بخاریؒ اس باب سے ایک وہم کو دور فرماتے ہیں، وہ یہ کہ پہلے باب سے بظاہر معلوم ہوتا تھا کہ باندی اور بیوی کی تعلیم آقا اور شوہر کے ذمہ ہے اس باب سے امام بخاریؒ تنبیہ فرماتے ہیں۔ امام اور امیر بلدہ بھی ذمہ دار ہے لہٰذا ان کو چاہیئے کہ مدارس کا انتظام کریں۔ اور ان کی تعلیم کا بندوبست کریں گویا کہ ایک قدم آگے بڑھا کر امیر اور امام کے لئے بھی ضروری قرار دیا کہ وہ تعلیم و تربیت کا معقول انتظام کریں۔ کیونکہ ہر شخص کا فریضہ ہے کہ وہ اپنی رعایا اہل و عیال کو تعلیم دے اس تقریر کی بنا پر یہ باب پہلے باب کا تکملہ ہوگا۔ او قال عطأ اشهد علی ابن عباس یہ او شک راوی کے لئے ہے کہ راوی کو شک ہو گیا کہ یہ ابن عباسؓ نے حضور اقدس صلعم پر قسم کھائی کہ حضور صلعم نے یہ فرمایا یا عطاؒ نے ابن عباس پر قسم کھائی کہ ابن عباسؓ نے یہ فرمایا اگر یہ اشهد علی النبی صلعم ہے تو ابن عباس کا مقولہ ہوگا۔ اگر اشهد علی ابن عباس ہے۔ تو پھر حضرت عطاؒ کا مقولہ ہوگا فظن انه لم یسمع کیونکہ اس زمانہ میں لاؤڈ اسپیکر تھے نہیں عورتیں دور تھیں مرد آگے آگے تھے۔ فجعلت المرأۃ الخ چونکہ عورتیں رقیق القلب ہوتی ہیں۔ ذرا سی بات ان پر اثر کر جاتی ہے چنانچہ حضور انور صلعم نے وعظ فرمایا فوراً ہاتھ کے ہاتھ دینے لگیں۔ ایک بار مشرقی پاکستان سے کچھ علماء نے جو یہاں سے پڑھ کر گئے تھے۔ میرے پاس یہ لکھا کہ یہاں انگریزیت کا اتنا غلبہ ہے کہ لوگ زیوروں کو معیوب سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ اضاعتِ مال ہے اگر کہیں حدیث میں زیوروں کا ذکر ہو تو لکھیں میں نے ان کے پاس چند حدیثیں لکھ کر بھیج دیں اور لکھ دیں کہ جہاں جہاں حدیث میں عید کے خطبے ہوں وہاں دیکھ لیں ان میں سے ایک حدیث یہ بھی ہے۔ یہ میں نے اس لئے تنبیہ کر دی کہ کہیں تم کو ضرورت پیش آجائے۔ حدیث میں بالی اور ہاتھوں کے زیور وغیرہ کا ذکر ہے و بلال یاخذ فی طرف ثوبه حضرت بلالؓ اپنے کپڑے کے کونے میں لے رہے تھے۔ اور کہہ رہے تھے اعطین فداکن ابی و امی اس حدیث سے مدارس کے لئے چندہ مانگنے کی اصل معلوم ہوتی ہے۔ مگر اپنے لئے نہیں قال اسماعیل الخ پہلے چونکہ تردد ہو گیا تھا کہ اشهد

کس کا قول ہے۔ اس لئے یہاں سے اس کی تعیین کر رہے ہیں کہ یہ حضرت ابن عباسؓ کا مقولہ ہے۔

باب الحِرْصِ عَلَى الحَدِيْثِ

ترجمہ، حدیث پر حریص ہونے کے بارے میں۔

حدیث نمبر ۹۶ حَدَّثَنَا عَبْدُ العَزِيْزِ الخ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ اَنَّهُ قَالَ قِيْلَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَنْ اَسْعَدُ النَّاسِ بِشَفَاعَتِكَ يَوْمَ القِيٰمَةِ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَقَدْ ظَنَنْتُ يَا اَبَا هُرَيْرَةَ اَنْ لَا يَسْاَلَنِيْ عَنْ هٰذَا الحَدِيْثِ اَحَدٌ اَوَّلُ مِنْكَ لِمَا رَاَيْتُ مِنْ حِرْصِكَ عَلَى الحَدِيْثِ اَسْعَدُ النَّاسِ بِشَفَاعَتِيْ يَوْمَ القِيٰمَةِ مَنْ قَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ خَالِصًا مِّنْ قَلْبِهٖ اَوْ نَفْسِهٖ (الحدیث)

ترجمہ، حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ کہا گیا یا رسول اللہ قیامت کے دن سب سے زیادہ آپ کی شفاعت سے سعادت مند ہونے والا کون ہوگا۔ جناب رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ اے ابو ہریرہ میرا بھی یہی گمان تھا کہ اس حدیث کے بارے میں میرے سے پہلے پہل تمہارے سوا اور کوئی سوال نہیں کرے گا۔ کیونکہ میں نے تجھے حدیث پر زیادہ حریص پایا ہے۔ تمام لوگوں میں سے قیامت کے دن میری شفاعت سے سب سے زیادہ سعادت مند وہ شخص ہوگا جس نے خلوص دل یا خلوص جان سے لا الٰہ الّا اللہ کہا ہوگا۔

تشریح از شیخ مدنیؒ حدیث سے مراد اصطلاحی معنی ہیں اس لئے کہ لغوی معنی تو اس کے گفتگو کے ہیں عرف شرع میں حدیث آپؐ نبی اکرم صلعم کی گفتگو کو کہا جاتا ہے۔ حرص علی الحدیث کو فرمایا گیا۔ دیگر ترغیب ترہیب کا ذکر نہیں مقصود یہ ہے کہ حدیث کا علم حاصل کرنا مقصود اعظم ہے سب سے زیادہ نیک بختی اور سعادت آپؐ کی سفارش سے ہوگی۔ آپؐ نے فرمایا کہ ابو ہریرہؓ میرا خیال تھا کہ ایسا سوال تیرے سوا اور کوئی نہیں کرے گا کیونکہ تم کو حریص علی الحدیث دیکھتا ہوں۔ اور واقعہ بھی یہی ہوا کہ اوّلاً حضرت ابو ہریرہؓ نے سوال کیا۔ اسعد الناس بشفاعتی اگر سوال ہو کہ مومن لا الٰہ الّا اللہ کہنے والے کے لئے شفاعت ہوگی۔ البتہ مومن اسعد تو گا تو کہا جائے گا کہ اسعد معنی السعید من الناس کے ہے جیسے باری تعالیٰ نے فرمایا ھو اھون علیہ اھون سے یہ لازم نہیں آتا کہ آپ پر بعض امور مشکل ہیں۔ بلکہ تمام مساوی ہیں۔ تو اھون بمعنی ھین علیہ کے ہے دوسرا جواب یہ ہے کہ ہم یہ قاعدہ تسلیم ہی نہیں کرتے کہ شفاعت مومن کے ساتھ خاص ہے۔ بلکہ غیر مومن کے لئے بھی شفاعت ہوگی۔ عذاب دوزخ سے شفاعت تو مومن کے لئے ہوگی۔ لیکن تخفیف عذاب کافر کے لئے وقت

اور مقدار میں ہوجائے اس میں کوئی حرج نہیں حضرت ابن عباسؓ سے آنحضرت صلعم سے آپ کے چچا ابوطالب کے لئے پوچھا تو آپ نے فرمایا زخزح عن النّاس ہوگا جہنم کا جوتا پہنایا جائے گا جس سے اس کا دماغ کھولے گا۔ اگر میں نہ ہوتا تو دوزخ کے اسفل طبقہ میں ہوتا۔ تو آپ کی ذات سے مشرکوں کو فائدہ ہوا۔ آپ نے کوشش فرمائی اور ارشاد فرمایا یاعم قل کلمۃ احاج بھا عند اللہ اے چچا کلمہ توحید کا اقرار کرلو تاکہ میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک تمہارے جھگڑ سکوں۔ ادھر ابوجہل کہتا ہے۔ اترغب عن ملۃ عبدالمطلب تو آخر میں ابو طالب نے یہ کہا کہ اگر عرب لڑکیوں کی عار کا خیال نہ ہوتا تو میں آپ کی آنکھوں کو ٹھنڈا کرتا۔ یہ اس کی بیوقوفی کی دلیل ہے۔ اگر لوگ تمہاری تعریف کریں۔ تو کچھ فائدہ نہیں اگر مذمت کی تو کیا ہوا۔ مگر عبادت کی وجہ سے خیال نہیں رکھتے کمال یہ ہے کہ مدح اور ذم برابر ہوجائیں۔ آپ اس کے کلمہ پر غمگین ہوکے چلے آئے حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ ان عمك قد ضلّ آپ کا چچا بھٹک گیا بہرحال آپ کو رنج ضرور ہوا۔ کیونکہ ابوطالب عینی چچا تھا۔ باقی اضیافی چچا تھے۔ اب آپ کی شفاعت سے سعادت پہنچی کہ اسفل طبقہ سے نکال کر اعلیٰ طبقہ دیا گیا۔ اور بڑے عذاب سے نجات پاگیا۔ جو جنت کے مستحق تھے ان پر حساب نہ تھا۔ آپ کی شفاعت سے ان کے لئے اوّلین دخول جنت ہے۔ تو اب سب کے لئے اسعدیت اور دوسروں کے لئے سعادت ہوئی۔ خلوص سے خاص رتبہ مراد ہے۔ آپ کی شفاعت ہر مؤمن کے لئے ہے خواہ مرتکب کبیرہ ہو یا مرتکب صغیرہ ہو مگر اسعدیۃ کسی خاص مرتبہ کے لحاظ سے ہے وہ یہاں بیان نہیں کیا گیا۔

تشریح از شیخ زکریاؒ یہ تخصیص بعد التعمیم ہے۔ اب یہاں سے خاص طور پر علم حدیث کی اہمیت اور فضیلت بیان کرکے یہ تبلانا چاہتے ہیں۔ کہ ان علوم میں علم حدیث سب سے افضل اور اعلیٰ ہے اور بہت ہی مہتم بالشان ہے حدیث باب میں یہ ہے کہ حضرت ابوہریرہؓ نے حضور اکرم صلعم سے پوچھا من اسعد الناس بشفاعتك تو حضور پاک صلعم نے فرمایا کہ ابوہریرہ میں سمجھتا تھا کہ تمہارے سوا اس کے متعلق کوئی بھی سوال نہیں کرے گا کیونکہ میں تمہاری حرص حدیث پر دیکھتا ہوں۔ اس سے حدیث پر حرص کی فضیلت معلوم ہوئی۔ کیونکہ صحابہ میں حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ جیسے موجود تھے۔ اس کے باوجود حضور صلعم کا یہ فرمانا کہ تمہاری حدیث پر حرص دیکھ کر میرا خیال یہ تھا۔ کہ اس کے متعلق اور کوئی سوال نہیں کرے گا۔ صاف تبلا رہا ہے کہ اس کی خاص فضیلت ہے کہ جس کو منہمک دیکھا اسی کے ساتھ خیال فرمایا۔ انہ قال قیل یارسول اللہ یہاں سوال یہ ہے کہ خود حضرت ابوہریرہ سوال کرنے والے تھے پھر مبہم کیوں رکھا۔ جب خود آخر حدیث میں حضور صلعم نے

یہ فرمان آرہا ہے۔ لقد ظننت یا اباھریرۃ الخ یعنی ابوہریرہ میں سمجھتا تھا کہ تمہارے سوا اس بارے میں کوئی اور سوال نہیں کرے گا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جہاں اپنی تعریف ہو وہاں ایک گونہ حیا سی آجاتی ہے۔ اور آدمی خود کہنا نہیں چاہتا اس لئے اوّلاً حضرت ابوہریرہ رض نے غائب سے تعبیر کیا مگر جب آگے کوئی چارہ نہ ملا۔ تو مجبوراً ظاہر کر دیا۔ یہ تو تاویل ہے ورنہ یہی حدیث دوسری جلد میں صـ۹۴۲ پر بھی آرہی ہے۔ وہاں قیل کی بجائے قلت ہے اس سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ قیل کسی راوی کا تصرف ہے۔

باب، كَيْفَ يُقْبَضُ الْعِلْمُ وَكَتَبَ عُمَرُ ابْنُ عَبْدِالْعَزِيْزِ اِلٰى اَبِيْ بَكْرِ بْنِ حَزْمٍ اُنْظُرْ مَا كَانَ مِنْ حَدِيْثِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاكْتُبْهُ فَاِنِّيْ خِفْتُ دُرُوْسَ الْعِلْمِ وَذَهَابَ الْعُلَمَآءِ وَلَا تَقْبَلْ اِلَّا حَدِيْثَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلْيُفْشُوا الْعِلْمَ وَلْيَجْلِسُوْا حَتّٰى يُعَلَّمَ مَنْ لَّا يَعْلَمُ فَاِنَّ الْعِلْمَ لَا يَهْلِكُ حَتّٰى يَكُوْنَ سِرًّا۔

ترجمہ، باب علم کیسے قبض ہوگا۔ حضرت عمر بن عبد العزیز رح خلیفہ نے اپنے گورنر ابو بکر بن حزم کو لکھا کہ جو حدیث رسول اللہ صلعم تجھے نظر آئے اسے لکھ دو کیونکہ مجھے علم کے مٹنے اور علماء کے چلے جانے کا خطرہ ہے۔ اور سوائے حدیث نبی اکرم صلعم کے کوئی چیز قبول نہ کی جائے۔ اور علم کی خوب اشاعت کرو۔ اور اس کے لئے بیٹھ جاؤ تاکہ جو شخص نہیں جانتا اسے سکھلایا جائے۔ کیونکہ علم آہستہ اور خفیہ طور پر ہلاک ہو جائے گا۔

حدیث نمبر ۹۷ حَدَّثَنَا الْعَلَآءُ بْنُ عَبْدِالْجَبَّارِ الخ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ دِيْنَارٍ بِذٰلِكَ يَعْنِيْ حَدِيْثَ عُمَرَ بْنِ عَبْدِ الْعَزِيْزِ اِلٰى قَوْلِهٖ ذَهَابُ الْعُلَمَاءِ (الحدیث)

ترجمہ:۔ عبداللہ بن دینار نے اس کو یعنی حدیث عمر بن عبد العزیز کو ذہاب العلماء تک نقل کیا ہے۔

حدیث نمبر ۹۸ حَدَّثَنَا اِسْمٰعِيْلُ بْنُ اَبِيْ اُوَيْسٍ الخ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَقْبِضُ الْعِلْمَ انْتِزَاعًا يَّنْتَزِعُهٗ مِنَ الْعِبَادِ وَلٰكِنْ يَّقْبِضُ الْعِلْمَ بِقَبْضِ الْعُلَمَآءِ حَتّٰى اِذَا لَمْ يُبْقِ عَالِمًا اتَّخَذَ النَّاسُ رُءُوْسًا جُهَّالًا فَسُئِلُوْا فَاَفْتَوْا بِغَيْرِ عِلْمٍ فَضَلُّوْا وَاَضَلُّوْا۔ (الحدیث)

ترجمہ، حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رض فرماتے ہیں کہ میں نے جناب رسول اللہ صلعم سے سنا آپ فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ علم کو کھینچ کر قبض نہیں کرے گا کہ اسے بندوں سے کھینچ لے لیکن علم کو علماء کے اٹھا لینے کی صورت میں قبض کرے گا۔ یہاں تک کہ جب کوئی عالم باقی نہیں رہیگا۔ تو لوگ اپنے سردار جاہلوں کو بنا لیں گے۔ جن سے دین کے مسائل پوچھے جائیں گے تو وہ بغیر علم کے فتوے دیں گے خود بھی گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو

بھی گمراہ کریں گے۔

تشریح از شیخ مدنی رح، احادیث میں آتا ہے کہ باری تعالیٰ علم کو بقبض العلما کی صورت میں لے لیں گے اگرچہ اللہ تعالیٰ کے لئے یہ ممکن ہے کہ وہ علم کو قلوب سے سلب کرے لیکن اس باب کی روایت سے معلوم ہوا کہ باری تعالیٰ علم کو ارباب علم کے قبض کرنے سے قبض کریں گے۔ اشخاص کے فنا سے تو بالکل فنائیت لازم نہیں آتی کیونکہ دوسرے افراد ان کے قائم مقام ہوجائیں گے۔ البتہ نوع باقی رہ جاتی ہے۔ کارخانۂ قدرت اس عالم میں بذریعہ اسباب کے واقع ہے۔ اسباب کی وجہ سے اشیا کا تحقق اور عدم ہوتا ہے۔ مصنفؒ اس جگہ فرماتے ہیں کہ قبضِ علم بھی بطریق اسباب کے ہے کہ اگر علم سے اشتغال رکھا گیا۔ تو فبھا ورنہ علماؒ کے قبض سے علم کا ارتفاع ہو جائے گا۔ اس کی تائید میں حضرت عمر بن عبد العزیز رح کا خط جو والی مدینہ کی طرف ہے کیونکہ علم حدیث کا لکھا جانا حضرت عمر بن عبد العزیز رح کے عہد سے شروع ہوا ہے اس سے پہلے انفرادی طور پر لکھا جاتا تھا۔ و لیجلسوا جلوس سے اجلاس عام ہے۔ کسی جگہ پر بٹھلانا ہے مقصد یہ ہے کہ تجلسوا یعنی حکام وقت علماء کو دوسرے افکار سے فارغ کر کے بٹھلا دیں اور مستغنی کر دیں اور لیجلسوا بھی صحیح ہے۔ حدیث مرفوع کی تفسیر اسی اثر سے کرتے ہیں۔

تشریح از شیخ زکریاؒ میں نے شروع کتاب میں کہہ دیا تھا کہ امام بخاریؒ نے کیف سے تیس باب شروع فرماتے ہیں بیس جلد اوّل میں اور دس جلد ثانی میں ان میں کا یہ دوسرا ہے۔ اور میں نے وہاں بھی بیان کر دیا تھا کہ میرے نزدیک امام کی غرض کیفیت کا اثبات نہیں ہوتا بلکہ جہاں مسئلہ میں اختلاف یا احادیث میں اختلاف ہوتا ہے تو وہاں اہتمام پر تنبیہ کرنے کے لئے کیف سے باب باندھتے ہیں۔ امام بخاریؒ اس باب میں جو احادیث لاتے ہیں ان سے قبض علم کی کیفیت معلوم ہوتی ہے۔ مثلاً کتابت کے ترک کرنے سے علم کے ختم ہونے کا اندیشہ ہے۔ جیسا کہ حضرت عمر بن عبد العزیز رح کے خط سے ظاہر ہوتا ہے۔ نیز احدیث میں ہے کہ علم کا رفع ایسے ہوگا کہ علماؒ اٹھالئے جائیں گے۔ وکتب عمر بن عبد العزیز رح یہ میں نے شروع میں ہی کہہ دیا تھا کہ حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کے امر سے کتابت حدیث شروع ہوئی۔ اور مدوّن اوّل علی القول المشہور امام زہری ہیں۔ اور محققین کی رائے میں ابوبکر بن حزم ہیں چونکہ یہ بخاری کی روایت ہے نیز امام زہری کی وفات ۱۲۵ھ میں ہے اور ابوبکر بن حزم کی وفات ۱۲۰ھ میں ہے اس سے بظاہر تقدم معلوم ہوتا ہے اور مصنفؒ کا تفنن ہے کہ مسئلہ اس کی مشہور اور مناسب جگہ کی بجائے دوسری جگہ ذکر فرماتے ہیں۔

فَاِنَّ الْعِلْمَ لَا يَهْلِكُ الخ یعنی لوگ علم کی اشاعت نہ کریں اسی وجہ سے میرے یہاں سے جو بھی نقل کرنا چاہے منع نہیں کرتا۔ حدثنا العلاء بن عبد الجبار یہ او پر جو عمر بن عبدالعزیز کا اثر بیان فرمایا ہے۔ تو اس کی سند بیان فرمادی۔ ان اللہ لا یقبض العلم الخ شراح کی رائے یہ ہے کہ امام بخاریؒ نے اس حدیث سے قبض علم کی کیفیت بیان کردی کہ قبض علم اسی طرح نہیں ہوگا۔ کہ قلوب میں قرآن وحدیث موجود ہوں اور پھر قلوب سے اللہ تعالیٰ ایک دم محو فرمادیں۔ بلکہ یہ صورت ہوگی کہ علماء مرتے جاویں گے اور ان کے ساتھ علم بھی ختم ہوتا جائے گا۔ اور میری رائے یہ ہے کہ ایک روایت میں ہے کہ قیامت کے قریب جب آدمی سوئے گا اور صبح کو اٹھے گا تو قرآن اس کے قلب سے صاف ہوگا۔ سب کچھ بھول گیا ہوگا۔ اور اسی طرح رات کو قرآن پاک صحیح وسلامت رکھے گا لیکن جب صبح کو آئے گا تو صرف سادے کاغذ رہ جائیں گے۔ تو مجھے کہنا یہ ہے کہ امام بخاریؒ کے اصول میں سے ہے کہ جو روایت ان کے نزدیک صحیح نہیں ہوتی۔ اس پر رد فرماتے ہیں۔ تو امام بخاریؒ اس روایت پر رد فرماتے ہیں کہ قبض علم اس طرح نہیں ہوگا کہ اچانک قلب سے صاف ہو جائے گا۔ بلکہ قبض علماء سے ہوگا۔ اور محققین کی رائے یہ ہے کہ دونوں روایتوں میں کوئی تعارض نہیں۔ بلکہ یہ قرب قیامت میں ہوگا۔ اور اچانک رفع قرآن قیامت کے قریب ہوگا۔ کیونکہ قیامت تو اس وقت تک قائم ہی نہیں ہوسکتی جب تک کوئی مؤمن باقی ہے۔ قال الفربری میں نے پہلے بیان کیا تھا کہ ہمارا یہ نسخہ فربری کی روایت سے ہے۔ لیکن قال الفربری کا کیا مطلب؟ اس میں بہت سے علماء کو تحیر ہوگیا۔ مگر تحیر کی کوئی بات نہیں فربری اپنی ایک سند ذکر کرتے ہیں کہ جیسے مجھ کو یہ روایت بواسطہ امام بخاریؒ کے پہنچی ہے۔ اسی طرح ان کے علاوہ دوسرے استاد سے بھی پہنچی ہے۔ اس دوسرے واسطے کا ذکر کرنے کا مقصد امام بخاریؒ کی روایت کی تقویت ہے۔ لیکن یہ سند قاعدہ کے اعتبار سے حاشیہ پر ہونی چاہیئے تھی مگر طابعین یہ سوچ کر کہ نسخہ بھی تو فربری کا ہے ان کے اس نوٹ کو اصل کتاب میں ہی طبع کردیا۔

باب هَلْ يُجْعَلُ لِلنِّسَاءِ يَوْمٌ عَلَى حِدَةٍ فِي الْعِلْمِ۔

ترجمہ، کیا عورتوں کے لئے علم کے بارے میں الگ دن مقرر کیا جاسکتا ہے۔

حدیث نمبر ۹۹ حَدَّثَنَا آدَمُ الخ عَنْ اَبِيْ سَعِيْدِنِ الْخُدْرِيِّ قَالَ قَالَ النِّسَاءُ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غَلَبَنَا عَلَيْكَ الرِّجَالُ فَاجْعَلْ لَنَا يَوْمًا مِّنْ نَّفْسِكَ فَوَعَدَهُنَّ فَكَانَ فِيْمَا قَالَ لَهُنَّ مَا مِنْكُنَّ امْرَاَةٌ تُقَدِّمُ ثَلٰثَةً مِّنْ وَلَدِهَا اِلَّا كَانَ لَهَا حِجَابًا مِّنَ

النَّارِ فَقَالَتِ امْرَأَةٌ وَّ اثْنَيْنِ فَقَالَ وَاثْنَيْنِ (الحدیث)

ترجمہ، حضرت ابی سعید خدریؓ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ کچھ عورتوں نے آنحضرت نبی اکرم صلعم سے عرض کی کہ آپ کے پاس آنے ہیں مرد ہم پر غالب آگئے۔ آپ ہمارے لئے اپنی طرف سے کوئی دن ہمارے لئے مقرر فرما دیجئے تو آپؐ نے ان سے ملاقات کے لئے ایک دن کا وعدہ فرمایا۔ پس آپؐ نے ان کو نصیحت فرمائی اور کچھ احکام بھی بتلائے۔ منجملہ ان باتوں کے جو آپؐ نے ان سے فرمائیں یہ بھی تھا کہ تم میں سے جس عورت نے اپنی اولاد میں سے تین بچے آگے بھیجے یعنی جس کے تین بچے مرگئے تو وہ اس کے لئے جہنم سے پردہ بنیں گے جس پر ان میں سے ایک عورت بولی کہ جس کے دو بچے مرگئے ہوں تو آپ نے فرمایا وہ دو بھی اس کے لئے جہنم سے حجاب بنیں گے۔

تشریح از شیخ مدنی "عورتوں کے لئے احکام عموماً تبعاً واقع ہوتے ہیں۔ خصوصی طور پر عورتوں کے احکام بہت کم وارد ہوتے ہیں شبہ ہوتا تھا کہ پھر تو ان کی تعلیم بھی تبعاً ہو خصوصی نہ ہو تو اس باب سے امام بخاریؒ ثابت فرماتے ہیں کہ آنحضرت نبی اکرم صلعم نے ان کی تعلیم کے لئے خصوصی انتظام فرمایا۔ تقدم من ثلثۃ الخ تقدیم کے معنی یہ ہیں کہ اگرچہ باری تعالیٰ موت واقع کرنے والے ہیں جس پر ماں باپ کو صدمہ ہوتا ہے مگر اس پر صبر کرنا ایسا ہے گویا کہ خود اس بچے کو پیش کیا اور عورتوں کو خطاب اس لئے فرمایا گیا۔ کہ ان کو بچوں سے زیادہ محبت ہوتی ہے۔ کیونکہ وہ ان کے لئے بہت مشقتیں برداشت کرتی ہیں حَمَلَتْهُ أُمُّهُ كُرْهًا وَوَضَعَتْهُ كُرْهًا۔ بڑے بچے کی موت پر صدمہ اور بھی زیادہ ہوتا ہے اس وقت ان سے محبت عقلی ہوتی ہے۔ اور چھوٹے بچے سے محبت طبعی ہوتی ہے۔ کیونکہ اس وقت اس سے کوئی غرض مطلوب نہیں ہوتی۔ اس لئے اس پر زیادہ اجر ملے گا۔

اور محبت عقلی کی بنا پر جبکہ کوئی غرض بھی ملحوظ ہوتی ہے اس پر جو صدمہ ہوگا اس پر اجر تھوڑا ملے گا۔ اثنین دوسری روایت میں واحد کے لفظ بھی آتے ہیں۔ حضرت عائشہؓ نے آپؐ سے عرض کی کہ اگر کسی کا کوئی بچہ نہ ہو۔ تو آپؐ نے فرمایا میں خود اس کے لئے حجاب بنوں گا۔ صحابہ کرام نے تو آپؐ کی وفات کو دیکھ لیا۔ اب ہر مومن بھی اس صدمہ کو محسوس کرتا ہے۔

تشریح از شیخ زکریاؒ هل يجعل الخ یہاں سے امام بخاریؒ اس کا جواز ثابت فرماتے ہیں، چنانچہ اس باب میں جو حدیث ذکر فرمائی ہے۔ وہ یہ کہ حضور اکرم صلعم نے عورتوں کے لئے دن متعین فرمایا تھا۔ لیکن اس پر اشکال یہ ہے کہ جب حضور انور صلعم سے تعیین یوم ثابت ہے تو ترجمۃ الباب میں امام بخاریؒ لفظ هل کیوں

لائے اس لئے کہ یہ تو تردد پر دلالت کرتا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں ایک خاص واقعہ کا ذکر ہے۔ گویا یہ واقعہ جز ئیہ ہوا اس سے کلی واقعات پر استدلال کرنے میں تردد تھا کیونکہ یہ واقعات ایسے ہیں ان سے فتنہ وفساد ہوتا ہے۔ تو امام بخاریؒ نے لفظ ھل بڑھا کر متنبہ فرما دیا کہ ذرا دیکھ بھال کرا ور سوچ سمجھ کر عورتوں کو اجازت دینا بلا تردد اجازت نہ دینا۔ غلبنا علیك الرجال یعنی یہ مرد ہر وقت آپ کے پاس لگے رہتے ہیں، ہم کو کوئی وقت ہی نہیں ملتا۔ تاکہ ہم بھی کچھ پوچھ لیں۔ اس لئے آپ ہمارے واسطے کوئی خاص دن مقرر فرما دیں ما منکم امرأة تقدم من ولدھا یہ لڑکے جو حجاب ہوں گے وہ تین ہوں گے۔ دو ہوں گے یا ایک ہی ہوگا۔ جیسا کہ حضرت عائشہؓ کی روایت ہے۔ اور جس کا کوئی بچہ نہ مرا ہو تو اس کا کیا حال ہوگا وغیرہ۔ یہ مسئلہ کتاب الجنائز میں آئے گا بہرحال مرنے والا لڑکا فی نفسہ ماں باپ سب کے لئے آڑ ہوگا۔ لیکن جہاں روایت میں امرأۃ کی تخصیص ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ماں کو بچے سے بہت محبت ہوتی ہے۔ وہ اس کے لئے مشقت اٹھاتی ہے۔ حمل اور ولادت کے وقت بھی۔ اگر ذراسی سمیت اثر کر جائے تو مر جاوے اور کچھ کا کچھ ہو جاوے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے اولاد کی محبت دل میں ڈال دی کہ اگر اولاد نہیں بھی ہوتی۔ تو تعویذ کراتی ہیں الخ

حدیث نمبر ۱۰۰ حَدَّثَنِیْ مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ الخ عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَةَ قَالَ ثَلٰثَةً لَمْ یَبْلُغُوا الْحِنْثَ۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ یہ بھی آپؐ نے فرمایا کہ تین بچے جو گناہ کو نہ پہنچے ہوں۔

تشریح شیخ از زکریاؒ: چونکہ روایت سابقہ میں مطلقاً لڑکے کا حجاب ہونا مذکور تھا خواہ بالغ ہو یا نابالغ ہو تو حضرت امام بخاریؒ نے یہ روایت ذکر فرما کر اشارہ کر دیا۔ کہ یہ ان لڑکوں کے بارے میں ہے جو قبل از بلوغ مر گئے ہوں۔ باب مَنْ سَمِعَ شَیْئًا فَلَمْ یَفْھَمْهُ فَرَاجَعَهٗ حَتّٰی یَعْرِفَهٗ۔

ترجمہ، اس شخص کے بارے میں جس نے کوئی چیز سنی لیکن اس کو سمجھا نہیں۔ تو اسے بار بار پوچھے۔ یہاں تک اسے معلوم ہو جائے۔

حدیث نمبر ۱۰۱ حَدَّثَنَا سَعِیْدُ بْنُ اَبِیْ مَرْیَمَ الخ اَنَّ عَائِشَةَ زَوْجَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ کَانَتْ لَا تَسْمَعُ شَیْئًا لَا تَعْرِفُهٗ اِلَّا رَاجَعَتْ فِیْهِ حَتّٰی تَعْرِفَهٗ وَاَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ حُوْسِبَ عُذِّبَ فَقَالَتْ عَائِشَةُ فَقُلْتُ اَوَلَیْسَ یَقُوْلُ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ فَسَوْفَ یُحَاسَبُ حِسَابًا یَّسِیْرًا قَالَتْ فَقَالَ اِنَّمَا ذٰلِكِ الْعَرْضُ وَلٰکِنْ مَنْ نُوْقِشَ الْحِسَابَ یَهْلِكْ۔

ترجمہ، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نبی اکرم صلعم کی زوجہ محترمہ جب بھی کوئی بات ایسی سنتی تھیں جس کو وہ نہ سمجھ پاتیں تو وہ حضور اکرم صلعم سے بار بار پوچھتی تھیں جب تک کہ معلوم نہ کر لیتیں۔ چنانچہ ایک مرتبہ آنحضرت نبی اکرم صلعم نے فرمایا جس کا محاسبہ ہوا پس وہ عذاب میں مبتلا ہوگا۔ تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرماتی ہیں کہ میں نے عرض کی کیا اللہ تعالیٰ بلند و برتر نے یہ نہیں فرمایا کہ عنقریب ان کا آسان محاسبہ ہوگا۔ تو آپ نے فرمایا کہ وہ تو اعمال کا محض پیش ہونا۔ اور ظاہر کرنا ہے ہاں جس کا پورا پورا حساب لیا جائے گا۔ کہ کچھ بھی نہ چھوڑا جائے تو وہ ہلاک ہوگا۔

تشریح از شیخ مدنی رح قرآن مجید میں ہے لا تسئلوا عن اشیاء إن تبد لکم تسؤکم الخ اس سے سوال کرنے کی علی العموم ممانعت معلوم ہوتی ہے۔ لیکن مصنف رح فرماتے ہیں کہ یہ حکم عام نہیں ہے۔ بلکہ اگر ایضاح کے لئے ہو تو ممنوع نہیں البتہ اگر سوال جواب عاجز کر دینے کے لئے ہو تو وہ ممنوع ہے۔

انما ذلک العرض اس کی تفصیل دوسری روایات میں آتی ہے کہ باری تعالیٰ بعض لوگوں کو کنف میں لیں گے۔ اور ان کے گناہ کو علی رؤس الاشہاد ظاہر نہ کیا جائے گا۔ تو اس طرح تمام گناہوں کا اقرار کرا کے معافی کا حکم صادر فرمائیں گے اس کو عرض کہتے ہیں اور حساب یہ ہے کہ ہر چیز پر مناقشہ ہو۔ یہ کیوں ہوا وہ کیوں ہوا۔ اس پر ایک جماعت کہتی ہے کہ آنحضرت نبی اکرم صلعم اپنے قول کو مقید کرنا چاہتے ہیں کہ جو سب نوقش مراد ہے۔ اور حساب یسیر میں مناقشہ نہیں ہوگا۔ جیسے ظلم کو مقید کیا گیا تھا اور بعض نے کہا کہ حساب یسیر کو حساب کے افراد سے نکالنا مقصود ہے کیونکہ حساب کا اطلاق مناقشہ پر ہی ہوتا ہے۔ جیسے لغت میں لفظ دابہ کل ما یدبُّ علی الارض پر صادق آتا ہے۔ لیکن اصطلاح میں چوپائے پر اطلاق ہوگا۔ ایسے یہاں عرف عام میں حساب سے مناقشہ مراد ہوگا۔ اگر باعتبار لغت کے حساب یسیرا اور عرض پر بھی صادق آتا ہے۔

تشریح از شیخ زکریا رح تمہیں یاد ہوگا کہ میں نے باب من اعاد الحدیث میں ابن منیر کی ایک غرض بیان کی تھی کہ اگر طالب علم ایک مرتبہ میں بات نہ سمجھے تو وہ بلید ہے۔ اس کو دوبارہ مت تبلایئے لیکن میری رائے یہ ہے کہ ابن منیر کی وہ غرض اس باب کے زیادہ موافق ہے اور اس گذشتہ باب کی غرض حضور اقدس صلعم کے تین بار کلام فرمانے کی روایت کے متعلق امام کا تنبیہ فرمانا ہے کہ حضور اکرم صلعم تکرار وہاں فرماتے تھے جہاں یہ خوف ہو کہ مخاطبین سمجھے نہیں۔ اور بعض دوسرے حضرات نے اس باب کی غرض یہ بیان فرمائی کہ

قرآن پاک کی آیت واما الذین فی قلوبھم زیغ فیتبعون ما تشابہ الآیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ متشابہات کی تحقیق نہ کرنی چاہیئے اور اسی قسم کا مضمون حضرت عمرؓ سے منقول ہے اور بعض کا مذہب بھی یہی ہے۔ تو امام بخاریؒ یہاں سے ان لوگوں پر رد فرما رہے ہیں کہ متشابہات قرآنیہ کی تحقیق تو واقعی نہ کرنی چاہیئے۔ لیکن ان کے علاوہ بقیہ چیزیں جو سمجھ نہ آئیں۔ ان کے متعلق سوال کیا جا سکتا ہے

مَن نوقش الحساب یھلک، حضرت عائشہؓ کا قاعدہ تھا۔ اگر کوئی بات سمجھ میں نہ آتی تو ضرور مراجعت کرتیں۔ اب یہیں سے ترجمۃ الباب کا ثبوت ہوگیا کہ جب کوئی بات سمجھ میں نہ آئے تو مراجعت کرے چنانچہ ایک مرتبہ حضور انور صلعم نے فرمایا مَنْ حُوسِبَ عُذِّبَ تو اس پر حضرت عائشہؓ نے فرمایا اولیس یقول اللہ عز وجل: لخ یعنی آپؐ تو فرما رہے ہیں۔ کہ من حوسب عذب اور اللہ تعالیٰ مومنین ناجیین کے بارے میں فرماتا ہے۔ فسوف یحاسب حسابا یسیرا تو آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ ذالک العرض یعنی حساب یسیر سے مراد عرضی ہے نامۂ اعمال کا۔ کہ اوراق گردانی کرکے بلا کچھ پوچھے معاف فرما دیا جاتے کہ بھاگ جا بڑا نالائق تھا معاف کر دیا۔ اور من حوسب سے مراد من نوقش ہے کہ اگر اس نے سوال شروع کر دیا کہ یہ کیوں کیا؟ نماز کیوں نہیں پڑھی سو گیا۔ کیوں سو گیا۔ رات کو دیر میں سویا تو وہاں چھٹکارا ملنا مشکل ہو جائے گا۔

باب لِيُبَلِّغِ الْعِلْمَ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ قَالَهُ ابْنُ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔
ترجمہ، باب ہے کہ حاضر ہونے والا غائب کو علم پہنچائے۔ یہ حضرت ابن عباسؓ نے آنحضرت نبی اکرم صلعم سے روایت کیا ہے۔

حدیث نمبر ۱۰۲ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ الخ عَنْ أَبِي شُرَيْحٍ أَنَّهُ قَالَ لِعَمْرِو بْنِ سَعِيدٍ وَهُوَ يَبْعَثُ الْبُعُوثَ إِلَى مَكَّةَ ائْذَنْ لِي أَيُّهَا الْأَمِيرُ أُحَدِّثْكَ قَوْلًا قَامَ بِهِ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْغَدَ مِنْ يَوْمِ الْفَتْحِ سَمِعَتْهُ أُذُنَايَ وَوَعَاهُ قَلْبِي وَأَبْصَرَتْهُ عَيْنَايَ حِينَ تَكَلَّمَ بِهِ حَمِدَ اللهَ وَأَثْنَى عَلَيْهِ ثُمَّ قَالَ إِنَّ مَكَّةَ حَرَّمَهَا اللهُ وَلَمْ يُحَرِّمْهَا النَّاسُ فَلَا يَحِلُّ لِامْرِئٍ يُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ أَنْ يَسْفِكَ بِهَا دَمًا وَلَا يَعْضِدَ بِهَا شَجَرَةً فَإِنْ أَحَدٌ تَرَخَّصَ لِقِتَالِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيهَا فَقُولُوا إِنَّ اللهَ قَدْ أَذِنَ لِرَسُولِهِ وَلَمْ يَأْذَنْ لَكُمْ وَإِنَّمَا أَذِنَ لِي فِيهَا سَاعَةً مِنْ نَهَارٍ ثُمَّ عَادَتْ حُرْمَتُهَا الْيَوْمَ كَحُرْمَتِهَا بِالْأَمْسِ وَلْيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ فَقِيلَ لِأَبِي شُرَيْحٍ مَا قَالَ عَمْرٌو قَالَ

اَنَا اَعْلَمُ مِنْكَ يَا اَبَا شُرَيْحٍ لَا تُعِيْذُ عَاصِيًا وَّلَا فَارًّا بِدَمٍ وَّلَا فَارًّا بِخَرْبَةٍ ۔

ترجمہ: حضرت ابو شریح رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے والی مدینہ عمرو بن سعد سے اس وقت یہ حدیث بیان کی جبکہ مکہ کی طرف وہ حضرت ابن زبیرؓ کے مقابلہ کے لئے لشکر بھیج رہا تھا۔ کہ اے امیر مجھے آپ اجازت دیں تاکہ میں تجھے آنحضرت صلعم کی وہ بات بتلاؤں جو آپ نے فتح مکہ کے بعد دوسرے دن بیان فرمائی جس کو میرے دونو کانوں نے سنا میرے دل نے اسے محفوظ کیا اور دونو میری آنکھوں نے آنحضرت صلعم کو اس وقت دیکھا جبکہ آپ یہ پیغام فرما رہے تھے۔ آپ نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کرنے کے بعد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مکہ کو حرم قرار دیا ہے لوگوں نے اسے حرم نہیں بنایا جو شخص اللہ تعالیٰ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہے اس کے لئے حلال نہیں ہے کہ وہ مکہ معظمہ میں خون بہائے نہ ہی اس کا کوئی درخت کاٹا جائے اگر کوئی شخص جناب رسول اللہ صلعم کی مکہ معظمہ کی لڑائی سے فتح مکہ کے دن رخصت حاصل کرنا چاہیئے تو اسے کہہ دو کہ اللہ تعالیٰ نے تو اپنے رسول کو قتال کی اجازت دی تھی تمہیں تو نہیں دی اور آنحضرت صلعم کو بھی دن کی ایک گھڑی بھر کے لئے اجازت دی تھی۔ پھر اس کی حرمت آج بھی اسی طرح عود کر آئی ہے جس طرح کل گذشتہ اس کی حرمت تھی رحاضر کو چاہیئے کہ وہ غائب کو یہ پیغام پہنچا دے اس پر حضرت ابو شریح رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ امیر مدینہ عمرو بن سعد نے آپ کے اس پیغام پر کیا کہا کہنے لگا کہ ابو شریح میں تم سے زیادہ اس حدیث کے مطلب کو جاننے والا ہوں۔ یہ حرم مکہ کسی نافرمان کو پناہ نہیں دیتا اور نہ ہی کسی خون بہا کر بھاگ آنے والے کو اور نہ ہی کسی فساد برپا کرنے والے کو پناہ دیتا ہے حالانکہ ابن زبیرؓ ایسے نہ تھے

تشریح از شیخ مدنیؒ: شاہد سے ہر وہ شخص مراد ہے جو مجلس نبوی میں موجود ہے کہ آپ کے کلام کو سنتا ہے۔ اب اس شخص کے لئے اس علم کا پہنچانا ضروری ہوگا۔ کسی قبیلہ کی تخصیص نہیں اور نہ ہی کسی مقدارِ علم کی تعیین ہے۔ اسی کو آپ نے اپنے خطبہ عرفات جبل رحمت پر ارشاد فرمایا اور غائب سے ہر مسلم اور غیر مسلم مراد ہے کیونکہ اگرچہ کفار نے انبیاء علیہم السلام کی تکذیب کی لیکن انبیاء نے ان کے پاس جانے کو نہیں چھوڑا

تشریح از شیخ زکریاؒ: چونکہ حدیث پاک میں آتا ہے بلغوا عنی ولو آیۃ تو اس سے تبلیغ آیت قرآنیہ کی تخصیص معلوم ہوتی ہے اس لئے امام بخاریؒ نے یہ باب باندھ کر اشارہ فرما دیا کہ تبلیغ آیۃ قرآن کے ساتھ خاص نہیں بلکہ مقصود تبلیغ علم ہے۔ خواہ وہ آیت قرآنی ہو یا حدیث پاک ہو۔ عن ابی شریح الخ روایت اتنی ہے کہ عمرو بن سعید یزید بن معاویہ کی طرف سے مدینہ کا حاکم تھا۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی

وفات کے بعد جب یزید خلیفہ بنا تو حضرت امام حسینؓ اور حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے اس کی بیعت سے انکار کر دیا۔ جس کی وجہ سے امام حسینؓ کے ساتھ تو میدان کربلا کا واقعہ پیش آیا۔ البتہ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ مکہ معظمہ میں ٹھہر گئے۔ یہ عمرو بن سعید حضرت عبداللہ بن زبیر کے خلاف ایک لشکر بھیج رہا تھا۔ اس پر حضرت ابو شریح جو صحابی بھی ہیں۔ اس کو نصیحت فرمائی۔ کہ مجھ کو خوب اچھی طرح یاد ہے میرے کانوں نے سنا ہے اور قلب نے محفوظ کر لیا۔ اور بھولا نہیں اور میری آنکھوں نے دیکھا ہے مجھے کوئی اشتباہ نہیں۔ فإن احد ترخص الخ اگر کوئی یہ کہے کہ حضور پاک صلعم نے مکہ میں قتال کیوں فرمایا تو اس کا جواب یہ ہے کہ حضور اکرم صلعم کے لئے تھوڑی سی دیر تک مکہ حلال ہو گیا تھا۔ اب کوئی تبلانے والا نہیں رہا کہ کس وقت اور کس کے لئے حلال ہے اور کب حرام ہے وہ تو نبی تھے ان کو معلوم ہو گیا تھا۔ لیبلغ الشاهد الغائب یعنی حضور اقدس صلعم نے شاہد کو غائب کی تبلیغ کا امر فرمایا تھا۔ اور اے عمرو تو اس وقت غائب تھا۔ اور میں حاضر تھا اس لئے میں نے پیغام پہنچا دیا تاکہ حضور اکرم صلعم مجھ سے سوال نہ کریں۔ فقیل لابی شریح ما قال الخ یعنی جب ابو شریحؓ نے یہ حدیث بیان کی تو ان سے کسی نے پوچھا کہ آپ کے اس کہنے پر عمرو نے کیا کہا اور کیا جواب دیا۔ قال انا اعلم منك ابو شریح رضہ نے فرمایا کہ اس نے یہ کہا کہ مجھے تم مت سمجھاؤ میں تم سے زیادہ جانتا ہوں۔ میں بھی تابعی ہوں۔ لا نعیذ عاصیا الخ یہ مسئلہ کتاب الحج کا ہے اور یہ روایت باب فتح مکہ میں بھی آئے گی۔ شوافع اور مالکیہ کا یہی مذہب ہے۔ کہ اگر کوئی شخص کسی کو قتل کر کے حرم پاک میں پناہ گزیں ہو جائے۔ تو اس کو وہیں قتل کر دیا جائے گا۔ اور حنفیہ رح کے نزدیک اس کو خروج من الحرم پر مجبور کیا جائے گا۔ گویا یہ حدیث جمہور کے مذہب کے موافق اور حضرات حنفیہ کے خلاف ہوئی۔ اس کے علاوہ دو مسئلے اور ہیں۔ ایک یہ کہ قاتل نے قتل حرم ہی میں کیا ہو۔ یا قطع اطراف غیر حرم میں کر کے داخل ہوا ہو تو ان دو نو مسئلوں میں احناف رح جمہور کے ساتھ ہیں کہ قصاص وہیں حرم میں لیا جائے گا۔ رہا عمرو بن سعید کا مقولہ یہ کلمہ حق ارید بہ الباطل کے قبیلہ سے ہے۔

حدیث نمبر ۱۰۳ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عَبْدِ الْوَهَّابِ الخ عَنْ اَبِیْ بَکْرَةَ ذُکِرَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فَاِنَّ دِمَاءَکُمْ وَاَمْوَالَکُمْ قَالَ مُحَمَّدٌ وَاَحْسِبُهٗ قَالَ وَاَعْرَاضَکُمْ عَلَیْکُمْ حَرَامٌ کَحُرْمَةِ یَوْمِکُمْ هٰذَا فِیْ شَهْرِکُمْ هٰذَا اَلَا لِیُبَلِّغِ الشَّاهِدُ مِنْکُمُ الْغَائِبَ وَکَانَ مُحَمَّدٌ یَقُوْلُ صَدَقَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ کَانَ ذٰلِكَ اَلَا هَلْ بَلَّغْتُ مَرَّتَیْنِ۔

ترجمہ، حضرت ابو بکرہؓ جناب نبی اکرم صلعم کا ذکر کر رہے تھے کہ آپؐ نے فرمایا مسلمانو بے شک تمہارے خون

اور تمہارے مال اور محمد راوی فرماتے ہیں میرا گمان ہے کہ آپؐ نے فرمایا کہ تمہاری آبروئیں تم پر ایسے حرام ہیں جیسے تمہارے اس دن کی حرمت تمہارے اس مہینہ کے اندر ہے۔ خبردار! تم سے حاضر ہونے والا اس کو غائب تک پہنچا دے محمد راوی فرماتے تھے کہ جناب رسول اللہ صلعم نے سچ فرمایا۔ اور اس میں یہ بھی تھا کہ خبردار! کیا میں تم تک اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچا چکا یہ بات آپؐ نے دو مرتبہ فرمائی۔

تشریح از شیخ زکریاؒ وکان محمد یقول میں محمد سے محمد ابن سیرینؒ مراد ہیں اب علماء میں اختلاف ہے کہ انہوں نے حضور پاک صلعم کے کس قول اور کس چیز کی تصدیق فرمائی۔ اور بعض کی رائے ہے کہ جملہ الا ھل بلغت کی تصدیق کر رہے ہیں کہ حضور اکرم صلعم نے خوب تبلیغ فرمائی۔ دوسرا قول یہ ہے کہ حضور اکرم صلعم نے صحیح فرمایا لیبلغ الشاھد منکم الغائب چنانچہ انہوں نے خوب تبلیغ کی۔ اور میرے والد صاحب کی رائے ذمع میں یہ ہے کہ اس جملہ کا مطلب یہ ہے کہ حضور اکرم صلعم نے جو سفک دم (خون بہانا) سے منع فرمایا تھا وہ اسی لئے منع فرمایا کہ حضور اکرم صلعم کو خوف تھا کہ یہ چیز کہیں ہو کر رہے گی۔ چنانچہ حضور اکرم صلعم کا خیال پورا ہو کر رہا۔ اور میری رائے یہ ہے کہ یہی روایت دوسری جلد کے آخر میں آئے گی۔ اس میں رب مبلغ ادعیٰ من سامع ہے تو ابن سیرینؒ فرماتے ہیں کہ حضور پاک صلعم نے ٹھیک فرمایا تھا کہ بہت سے مبلغ سامع سے اوعیٰ ہوتے ہیں

باب اِثْمِ مَنْ كَذَبَ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ۔

ترجمہ، باب اس شخص کے گناہ کے بارے میں جو نبی اکرم صلعم پر جھوٹ کہتا ہے۔

حدیث نمبر ۱۰۴ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ الْجَعْدِ الخ سَمِعْتُ عَلِيًّا يَقُولُ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَكْذِبُوا عَلَيَّ فَإِنَّهُ مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ فَلْيَلِجِ النَّارِ (الحدیث)

ترجمہ، حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ جناب نبی اکرم صلعم فرماتے تھے مجھ پر جھوٹ نہ بولو کیونکہ جس نے مجھ پر جھوٹ نہ بولو کیونکہ جس نے مجھ پر جھوٹ بولا وہ ضرور جہنم میں داخل ہوگا۔

تشریح از شیخ مدنیؒ یہ حدیث درجہ تواتر کو پہنچی ہوئی ہے۔ لفظاً کوئی ایسی روایت نہیں ہے کہ اس کے رواۃ ہر طبقہ میں قوم تستحیل الکذب علیھا ہو۔ اگرچہ معنوی تواتر بہت ہے مگر لفظی تواتر صرف اس روایت میں ہے مطلب یہ ہے کہ جو روایت آپؐ کی طرف منسوب کی جائے۔ حالانکہ آپؐ نے وہ الفاظ نہیں فرمائے یہ کذب علی النبی ہے خواہ وہ مفید ملتشر بھا ہو یا نہ ہو۔ کرامیہ وضع حدیث کو ترغیب اور ترہیب کے لئے جائز کہتے ہیں۔ کیونکہ کذب کا صلہ علیٰ ہے۔ جو ضرر کے لئے ہوتا ہے لیکن جمہور فرماتے ہیں کہ مَنْ کذب

میں ہر شخص داخل ہے، خواہ کذب نفع کے لئے ہو یا ضرر کے لئے ہو اور فلیتبوء میں امر بمعنی خبر کے ہے
اور بعض نے اس امر کو بطور تحکم کے کہا ہے بنا بریں صحابہ کرام میں دو فرقے ہوگئے۔ کہ ایک اقلال فی الحدیث
کرتا ہے اور دوسرا اکثار فی الحدیث کا قائل ہے یعنی ایک گروہ کہتا ہے کہ حدیث بیان کرنے میں کمی کی
جائے دوسرا گروہ کثرت حدیث کا قائل ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ ان کو من کذب علی متعمداً
کا خوف نہیں ہے۔ بلکہ وہ آنحضرت صلعم کے ارشادات کا افشاء کرنا چاہتے ہیں۔

تشریح از شیخ زکریاؒ چونکہ اب تک مرض فی الحدیث کی فضیلت تعلیم و تعلم پر تحریص وغیرہ بیان فرمائی
تھی، تو اب یہاں سے امام بخاریؒ بریک لگاتے ہیں کہ یہ سارے فضائل اپنی جگہ پر مگر حضور اکرم صلعم کی احادیث
بیان کرنے میں احتیاط برتنا کہیں ایسا نہ ہو کہ حضور اکرم صلعم پر کذب ہوجائے۔ پھر وعید میں داخل ہو جاؤ۔

لا تکذبوا علی الخ یہ روایت معنیً متواتر ہے اور بعض کے نزدیک الفاظ کے اعتبار سے متواتر ہے
اس باب کی احادیث کے متعلق حافظ ابن حجرؒ نے لکھا جو کہ امام بخاریؒ نے یہاں احادیث کے ذکر میں ایک
خاص ترتیب کا لحاظ فرمایا ہے۔ پہلے تو کذب علی النبی سے منع فرمایا۔ اور دوسری حدیث میں صحابہ کرام
کی توقی فی الحدیث یعنی احتیاط ناقلین کو ذکر فرمایا۔ اور تیسری حدیث میں اس احتیاط کی تشریح فرمادی۔
کہ توقی فی الحدیث اکثار احادیث سے تھی۔ اگرچہ بعض صحابہ کرام بکثرت روایات بیان کرتے تھے۔ جیسے
حضرت ابوہریرہؓ ورنہ عام صحابہ اکثار سے بچتے تھے۔ اگر تمام صحابہ توقی کر لیتے تو ہم تک یہ روایات کیونکر پہنچتیں
اور چوتھی حدیث میں اس طرف اشارہ کر دیا کہ حضور اکرم صلعم کے بارے میں جھوٹا خواب بھی من کذب علیَّ
میں داخل ہے۔

حدیث نمبر ۱۰۵ حَدَّثَنَا اَبُو الْوَلِیْدِ الخ قُلْتُ لِلزُّبَیْرِ اِنِّیْ لَا اَسْمَعُكَ تُحَدِّثُ عَنْ
رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ كَمَا یُحَدِّثُ فُلَانٌ وَّفُلَانٌ قَالَ اَمَا اِنِّیْ لَمْ اُفَارِقْهُ
وَلٰكِنْ سَمِعْتُهٗ یَقُوْلُ مَنْ كَذَبَ عَلَیَّ فَلْیَتَبَوَّاْ مَقْعَدَهٗ مِنَ النَّارِ (الحدیث)

ترجمہ، حضرت عبداللہ بن زبیرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے باپ حضرت زبیرؓ سے عرض کی کہ
میں نے آپ کو جناب رسول اللہ صلعم سے اس طرح احادیث بیان کرتے ہوتے نہیں سنا جس طرح فلاں
فلاں حضرات حدیث بیان کرتے ہیں۔ تو انہوں نے فرمایا کہ میں آپ سے کبھی جدا نہیں رہا۔ لیکن میں نے
آنحضرت صلعم سے سنا تھا وہ فرماتے تھے کہ جس نے مجھ پر جھوٹ کہا وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنالے۔

حدیث نمبر ۱۰۶ حَدَّثَنَا اَبُوْ مَعْمَرٍ الخ قَالَ اَنَسٌ اِنَّهٗ لَيَمْنَعُنِيْ اَنْ اُحَدِّثَكُمْ حَدِيْثًا كَثِيْرًا اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ تَعَمَّدَ عَلَيَّ كَذِبًا فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهٗ مِنَ النَّارِ۔

ترجمہ، حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے آپ لوگوں سے بہت احادیث بیان کرنے سے اس بات نے روکا ہے کہ جناب نبی اکرم صلعم نے فرمایا کہ جس نے مجھ پر جان بوجھ کر جھوٹ کہا تو اسے اپنا ٹھکانا جہنم میں بنانا چاہیئے۔

حدیث نمبر ۱۰۷ حَدَّثَنَا الْمَكِّيُّ بْنُ اِبْرَاهِيْمَ الخ عَنْ سَلَمَةَ هُوَ ابْنُ الْاَكْوَعِ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ يَّقُلْ عَلَيَّ مَا لَمْ اَقُلْ فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهٗ مِنَ النَّارِ۔

ترجمہ، حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے جناب نبی اکرم صلعم سے سنا آپ فرماتے تھے کہ جس شخص نے مجھ پر وہ بات کہی جو میں نے نہیں کہی تو اسے اپنا ٹھکانا جہنم میں بنانا چاہیئے۔

تشریح از شیخ زکریا، میں نے شروع میں بیان کیا تھا کہ بخاری شریف کے خصائص میں سے یہ بھی شمار کرایا جاتا ہے کہ اس میں بائیس ۲۲ احادیث ثلاثیات ہیں۔ اور یہ بھی کہا تھا کہ فقہ حنفی کا مدار ثنائیات پر ہے اب حدیث باب کے متعلق سنو کہ اس حدیث قال سمعت کے تحت بین السطور میں علامہ قسطلانی رح نے لکھا ہے کہ ھذا اوّل الثلاثیات میں نے بہت تتبع اور تلاش کے بعد یہ بات حاصل کی۔ کہ ان بائیس ثلاثیات میں سے بیس احادیث میں سند کے اندر جن کا نام آرہا ہے۔ وہ حضرت امام ابوحنیفہ رح کے شاگرد ہیں یا امام زفر رح کے۔ لامع کے اندر ان کے حالات بھی آگئے ہیں چنانچہ مکی بن ابراہیم بھی امام اعظم رح کے تلامذہ میں سے ہیں اور ثلاثیات بخاری میں سے گیارہ روایات انہی سے مروی ہیں۔ لہٰذا سوائے دو کے تمام حنفی حضرات سے یہ احادیث مروی ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ جب امام بخاری رح کی روایات ثلاثیات ہوسکتی ہیں۔ تو حضرت امام صاحب رح کی احادیث کا ثنائیات ہونا تو یقینی ہے۔ اگر میں یوں کہوں کہ وحدانی ہیں تو مبالغہ نہیں ہوگا۔ اس اعتبار سے فقہ حنفی بہت مضبوط ہے۔ قَالَ الْاِمَامُ اَبُوْحَنِيْفَةَ مَا نُقِلَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى الرَّأْسِ وَالْعَيْنِ وَمَا نُقِلَ عَنِ الصَّحَابَةِ نَخْتَارُ وَنُرَجِّحُ وَمَا نُقِلَ عَنِ التَّابِعِيْنَ هُمْ رِجَالٌ وَنَحْنُ رِجَالٌ۔ یعنی امام ابوحنیفہ رح فرماتے ہیں کہ جو کچھ آنحضرت نبی اکرم صلعم سے منقول ہو وہ سر اور آنکھ پر جو صحابہ کرام سے منقول ہو اس میں سے ہم چھانٹ

کر ترجیح دیں گے۔ اور جو تابعین سے منقول ہو۔ تو وہ بھی آدمی ہیں ہم بھی آدمی ہیں ان کو ہم پر کوئی فوقیت نہیں ہے بہرحال ثلاثی وہ روایت کہلاتی ہے جس میں حضور اکرم صلعم اور محدث کے درمیان تین واسطے ہوں۔ اور ایسی حدیث کی بڑی اجلال شان کی جاتی ہے۔ اور موٹے خط میں اوّل الثلاثیات ثانی الثلاثیات لکھتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ ادھر تو صحابی بیچ میں تابعی وہ خیر القرون سے اور شاگرد اپنے استاذ کے حالات سے خوب واقف!

حدیث نمبر ۱۰۸ حَدَّثَنَا مُوسٰی الخ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ تَسَمُّوْا بِاسْمِیْ وَلَا تَكْتَنُوْا بِكُنْیَتِیْ وَمَنْ رَاٰنِیْ فِی الْمَنَامِ فَقَدْ رَاٰنِیْ فَاِنَّ الشَّیْطٰنَ لَا یَتَمَثَّلُ فِیْ صُوْرَتِیْ وَمَنْ كَذَبَ عَلَیَّ مُتَعَمِّدًا فَلْیَتَبَوَّاْ مَقْعَدَهٗ مِنَ النَّارِ۔

ترجمہ، حضرت ابو ہریرہؓ جناب نبی اکرم صلعم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ میرے نام تو رکھ سکتے ہو۔ لیکن میری کنیت جیسی کنیت نہ رکھو اور جس نے مجھے خواب میں دیکھا تو بے شک اس نے مجھے ہی دیکھا کیونکہ شیطان میری صورت میں نقل نہیں کر سکتا اور جس نے مجھ پر جان بوجھ کر جھوٹ کہا تو وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنالے۔

تشریح از شیخ مدنی، لا تسموا باسمی الخ لقب مشعر الی المدح والذم ہوتا ہے۔ کنیت میں تعظیم ہوتی ہے ورنہ حقیقت میں ابتداء اور علم اس سے منزہ ہوتا ہے۔ آنحضرت صلعم کو کنیت اور لقب سے پکارا جاتا تھا لیکن ایک دن آپ بازار میں جا رہے تھے کہ کسی نے یا ابا القاسم کہہ کر پکارا۔ اور مراد کوئی اور لیا۔ تو اس اشتباہ کی وجہ سے آپ نے کنیت رکھنے سے منع فرمایا۔ کیونکہ صحابہ کرام علم کہہ کر نہیں پکارتے تھے۔ سوائے بدوی کے۔

لا تجعلوا دعاء الرسول بینکم الخ تو علم کی ممانعت تھی۔ ابو القاسم کنیت میں اشتباہ ہو گیا اس کی بھی ممانعت کر دی گئی۔ ایک صورت اس کی یہ ہے کہ کوئی شخص اپنے بیٹے کا نام قاسم نہ رکھے۔ اور دوسری صورت یہ ہے کہ کسی کے چند بیٹے ہوں۔ ان میں ایک قاسم بھی ہو تو اپنی کنیت ابو القاسم نہ رکھے۔ اور ایک جماعت یہ بھی کہتی ہے کہ آپ کے نام پر کسی کا نام نہ رکھا جائے۔ لیکن قول راجح جواز کا ہے چونکہ کنیت کی ممانعت اشتباہ کی وجہ سے تھی۔ اس لئے وہ ممانعت آنجناب صلعم کے عہد تک محدود ہو گی۔ اس کے بعد کنیت اور تسمیہ دونوں جائز ہوں گے۔ وَمَن رانی فی المنام الخ یعنی جس نے آپ کو خواب میں دیکھا تو رؤیا حقہ میں سے ہے لیکن اس پر اشکال ہوتا ہے کہ ہم آپ کو ایک ہی رات میں مختلف صورتوں میں دیکھتے ہیں۔ اور آپ مختلف ہیئات

پر نظر آتے ہیں۔ اس کی کیا وجہ ہے تو ایک جماعت کہتی ہے کہ آپ کی رؤیتہ حقہ وہ ہوگی جو آپؐ کے حلیہ مبارکہ کے مطابق ہو۔ جو کتب سیر میں بیان کیا گیا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ اور حضرت مجدد الف ثانیؒ کی یہی رائے ہے۔ مگر جمہور فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلعم کو جس حالت میں دیکھا جائے۔ وہی صحیح ہے۔ کیونکہ آپؐ کو دیکھنا رائی کے قلب پر منحصر ہے جیسے کوئی چیز سبز، سرخ، سفید وغیرہ آئینوں میں انتزاع ہو۔ درحقیقت وہ چیز رنگدار نہیں ہوتی۔ اس طرح آپؐ کی یہ رؤیتہ منامی اور روحانی ہے۔ اور رائی کی قلبی کیفیت کی بنا پر رؤیتہ ہوتی ہے۔ مرئی اس کیفیت سے مبرا ہوتا ہے۔ اختلاف طرق و ہیئات یہ دیکھنے والوں کی قلبی کیفیات ہیں البتہ آپؐ کو خواب میں دیکھنے والا صحابی نہیں ہو سکتا۔ دوسری چیز یہ ہے کہ اگر خواب میں آپؐ کی زبان سے کوئی ایسا قول سنے جو شریعت کے خلاف ہو۔ تو جمہور فرماتے ہیں کہ اگر وہ قول ظاہر شریعت کے موافق ہو تو قابل قبول ہے۔ اور جو ظاہر شریعت کے خلاف ہو اسے قبول نہ کیا جائے۔ کیونکہ مرئی پہ تو اعتبار ہے ہی۔ لیکن رائی کے قیاس اور اس کے رؤیتہ کا اعتبار نہیں۔ کیونکہ غیر انبیاء کا رؤیا حجۃ نہیں ہوتا اور انبیاء کے قلوب بیدار ہوتے ہیں۔ اس روایت میں فقد رانی ہے۔ دوسری روایات میں ہے فسیرانی لہذا قد رانی کو مستقبل کے معنی پر محمول کیا جائے گا۔ جیسے قد اقتربت الخ۔ تو یہ حکم یا تو آپؐ کے عہد کے ساتھ مختص ہے یا عام بشارت ہے۔ کہ محشر کے میدان میں میری ملاقات ہوگی۔ پہلی تاویل کی مؤید وہ روایت ہے جس میں من رانی فقد رای الحق ہے۔ خلاصہ یہ کہ آپؐ کا دیکھنا رائی کی خوش بختی کی دلیل ہے اور جس کو زیارت نصیب نہ ہو اس کے لئے کوئی تنقیص نہیں۔

تشریح از شیخ زکریاؒ تسموا باسمی الخ یہاں تو اس طرح ہے کہ میرا نام رکھو کنیت نہ رکھو اور بعض روایات میں اس کا عکس وارد ہوا ہے کہ میرا نام نہ رکھو البتہ کنیت رکھ لیا کرو۔ اس وجہ سے علماء میں اختلاف واقع ہو گیا کہ کیا جائز ہے کیا ناجائز ہے۔ امام شافعیؒ سے منقول ہے کہ وہ مطلقاً آپؐ کی کنیت شریف رکھنی ناجائز فرماتے ہیں خواہ آپؐ کی حیات میں ہو یا بعد الممات ہو۔ لیکن جمہور کے نزدیک یہ ممانعت آپؐ کے عہد کے ساتھ مختص تھی اب جائز ہے من رانی فی المنام الخ اس پر علماء امت کا اجماع ہے کہ جس نے حضور اکرم صلعم کو دیکھا اس نے آپؐ ہی کو دیکھا شیطان کے اندر یہ ہمت نہیں ہے کہ وہ آپؐ کی شکل میں آکر یہ کہدے کہ میں محمد صلعم ہوں۔ البتہ وہ خدا کی شکل میں آکر یہ کہہ سکتا ہے کہ میں خدا ہوں۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی دو صفتیں ہیں ہادی اور مضل اللہ تعالیٰ کے اضلال کا مظہر کو شیطان

ہے۔ لہٰذا وہ مظہر ضلالت بن کر سامنے آسکتا ہے۔ بخلاف نبی اکرم صلعم کے کہ آپ ہادی محض ہیں لہٰذا آپ کی شکل میں نہیں آسکتا۔ نیز علماء نے یہ بھی بیان فرمایا ہے کہ اگر حضور پاک خواب میں کوئی خلافِ شرع امر کا جواز بتلائیں تو وہ جائز نہیں ہوگا۔ نیز جو شخص آپ کو آپ کی شایان شان شکل میں نہ دیکھے بلکہ کسی اور شکل میں دیکھے تو اس نے بھی حقیقت میں آپ کو دیکھا اور اس کا یہ خلافِ شان دیکھنا اس کے اپنے نقص کی وجہ سے ہے اور اس شخص کے خیالاتِ اعتقاد کی انعکاسی ہے۔

باب كِتَابَةِ الْعِلْمِ

حدیث نمبر ۱۰۹ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سَلَامٍ الخ عَنْ أَبِي جُحَيْفَةَ قَالَ قُلْتُ لِعَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ هَلْ عِنْدَكُمْ كِتَابٌ قَالَ لَا إِلَّا كِتَابُ اللّٰهِ أَوْ فَهْمٌ أُعْطِيَهُ رَجُلٌ مُسْلِمٌ أَوْ مَا فِي هٰذِهِ الصَّحِيفَةِ قَالَ قُلْتُ وَمَا فِي هٰذِهِ الصَّحِيفَةِ قَالَ الْعَقْلُ وَفَكَاكُ الْأَسِيرِ وَلَا يُقْتَلُ مُسْلِمٌ بِكَافِرٍ (الحدیث)

ترجمہ، حضرت ابو جحیفہؓ جو صغار صحابہ میں سے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت علیؓ سے کہا کہ کیا آپ لوگوں یعنی اہل بیت کے پاس کوئی کتاب ہے۔ فرمایا اور تو کچھ نہیں البتہ یہ اللہ کی کتاب یا وہ دین کی سمجھ جو مسلم مرد کو دی جائے یا جو کچھ اس دستاویز میں ہے۔ میں نے کہا اس دستاویز میں کیا ہے فرمایا دیت کے احکام۔ قیدی کو چھڑانے کی ترغیب اور یہ کہ کسی مسلمان کو کافر کے بدلے قتل نہ کیا جائے۔

تشریح از شیخ مدنیؒ۔ عہد نبویؐ میں کتابت محض کتاب اللہ کی ہوتی تھی۔ تاکہ غیر کتاب اللہ سے خلط ملط نہ ہو جائے۔ چند آدمیوں کو احادیث لکھنے کی اجازت تھی۔ روافض نے یہ خبر مشہور کر دی تھی کہ حضرت علیؓ کے پاس بعض کتاب اللہ ہے۔ اور آپؐ نے ان کو خصوصی وصیت فرمائی ہے۔ اس لئے سوال ہوا کہ هل عندكم كتاب الله ای مخصوص دُوْنَ النَّاس او فهموا لخ اس پر شبہ ہوتا ہے کہ مستثنیٰ منہ تو کتاب اللہ ہے جو مخصوص باھل البیت تھی۔ تو پھر کتاب اللہ اور فہم کا استثناء کیسے صحیح ہوگا۔ تو تقدیر عبارت ہوگی۔ الا کتاب اللہ ا و فهم کتاب الله یا فهم مستثنیٰ منقطع کے طور پر ہے۔ تبلانا یہ ہے کہ ہمارے پاس سوائے ان دو چیزوں کے اور کچھ نہیں جو بنو ہاشم کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ عام الحکم ہیں ہمارے پاس کوئی مخصوص کتاب نہ ہوئی۔ عقل بمعنی دیتہ۔ لا یقتل مسلم بکافر الخ امام صاحبؒ فرماتے ہیں کہ اگر کافر ذمی ہے۔ تو اس کے بدلہ مسلمان قتل کیا جائے گا۔ اس طرح اگر کافر حربی اور امان لے کر ہمارے

پاس آیا ہے۔ یا حربی ہے اور اس سے مصالحت ہے۔ یا اس کی محاربت معروف ہے تو ان تینوں کے بدلہ مسلمان کو قتل کیا جائے گا۔ دیگر آئمہ علی الاطلاق کہتے ہیں کہ مسلمان کو ان کے عوض قتل نہ کیا جائے گا۔ اگر ذمی قتل کر دیا جائے۔ تو اس میں باقی ائمہ فرماتے ہیں کہ قصاص نہیں لیا جائے گا۔ حالانکہ آنحضرت صلعم سے منقول ہے کہ معاہد کے مقابل میں آپؐ نے مسلمان سے قصاص لیا ہے۔ اور فرمایا نحن احق بذمتہ اللہ یعنی ہم اللہ تعالیٰ کی ذمہ داری کے سب سے زیادہ حقدار ہیں۔

تشریح از شیخ زکریاؒ۔ علماء سلف میں ایک مذہب تو کتابت سے بالکل منع کرنے کا ہے حتیٰ کہ جو لکھا ہوا ہو اس کے بھی محو کرنے کا امر ہے اور یہ حضرات یہ بھی کہتے ہیں کہ اگرچہ روایات مجوزہ کثرت سے ہیں۔ اس لئے جب منع وجواز میں تعارض ہوا کرتا ہے تو منع کو ترجیح ہوا کرتی ہے بعض سلف کا مسلک یہ ہے کہ اولاً لکھے جب یاد ہو جائے تو مٹا دے۔ یہ حضرات جمع بین الروایتین کرتے ہیں اور تیسرا مذہب بعض سلف کا ہے جو اب متفق علیہ مذہب ہے کہ کتابت حدیث بالکل جائز ہے اور حفظ کے بعد مٹانے کی بھی ضرورت نہیں۔ یہی غرض امام بخاریؒ کی اس ترجمۃ الباب سے ہے۔ جس کو امام بخاریؒ نے متعدد روایات سے ثابت کیا ہے۔ باب سے تو اختلاف کی طرف اشارہ فرما دیا۔ اور روایات مثبتہ ذکر فرما کر جمہور کے مذہب کو ثابت فرمایا ہے۔

قلت لعلیؓ الخ یہاں روایت کے الفاظ اس طرح ہیں۔ لیکن دوسری جلد ص۱۰۲۵ پر ھل عندکم کتاب من وحی غیر القرآن ہے۔ ان الفاظ کے دیکھنے سے یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ ان لوگوں کے سوال کا مقصد یہ ہے کہ آپ کے پاس قرآن مجید کے علاوہ جو مابین الدفتین ہے اور کوئی حصہ قرآن ہے۔ جو اس قرآن پاک کے علاوہ ہو۔ اس سوال کا منشا یہ تھا کہ اس زمانے سے ہی روافض نے یہ کہنا شروع کر دیا تھا۔ کہ حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ اور ان کے اعوان نے چالبازی کی قرآن پاک کے چالیس پارے تھے دس پارے جو اہل بیت کے فضائل میں تھے اور حضرت علیؓ اور آپ کے متعلقات کی بہت سی قسم کی تعریفیں اور مدحیہ مضامین اس میں تھے۔ اس کو انہوں نے قرآن کے اندر نہیں لکھا۔ نیز! یہ روافض یوں بھی کہا کرتے تھے کہ دراصل نبی حضرت علیؓ ہیں فرشتہ جبرائیل غلطی سے حضور صلعم کے پاس چلا گیا۔ تو ان باتوں کی وجہ سے لوگوں نے حضرت علیؓ سے سوال کیا کہ کیا لوگوں کا یہ خیال صحیح ہے۔ اور کیا آپ کے پاس کوئی خاص احکامات والی وحی ہے۔ یہ حدیث جس میں صراحتہً وحی کے متعلق سوال ہے آگے چل کر بخاری میں ص۴۲۵ پر آوے گی

بہرحال حضرت علیؓ نے فرمایا کہ یہ خیال صحیح نہیں ہے۔ بلکہ کتاب تو صرف کتاب اللہ ہے۔ جو ما بین الدفتین ہے۔
او فہم اعطیہ رجل مسلم یہ فہم فہم استنباط و اجتہاد ہے جو حضرات مجتہدین کو حاصل تھا۔
اور یہی آیۃ کریمہ ومن یؤت الحکمۃ فقد اوتی خیرا کثیرا سے مراد ہے۔ او ما فی ھذہ الصحیفۃ الخ
حضرت علیؓ کے پاس ایک صحیفہ تھا۔ جس کو انہوں نے اپنی تلوار کے نیام میں رکھ لیا تھا۔ اس میں وہ احکام لکھے
ہوئے تھے جو آگے آرہے ہیں۔ امام بخاریؒ نے اپنا ترجمہ اسی جملہ سے ثابت فرمایا ہے کہ کتابۃ علم کا وجود
خود حضور اکرم صلعم کے زمانہ سے ہے۔ قال العقل الخ یعنی اس صحیفہ میں احکام دیات تھے کہ اگر کوئی کسی کو
قتل کردے تو اس کا کیا حکم ہے وفکاک الاسیر اور قیدیوں کے چھڑانے کے احکام تھے کہ اگر مسلمان کو کفار
قید کرلیں تو ان کا کیا کیا جائے۔ آیا روپیہ پیسہ دے کر چھڑا لیا جائے۔ یا اگر ادھر کفار محبوس ہوں۔ تو ان سے
بدلہ کرلیا جائے۔ اور اگر کفار مسلمانوں کے پاس محبوس نہ ہوں۔ تو کیا یونہی چھوڑ دے یا فدیہ لے کر چھوڑ دے
وغیرہ وغیرہ یہ مستقل مسائل ہیں جس کو امام بخاریؒ کتاب الجہاد میں مستقل دو بابوں میں ذکر فرمائیں گے۔ انشاء اللہ
وہاں تفصیل سے کلام ہوگا۔ لا یقتل مسلم بکافر الخ یہ مسئلہ بھی کتاب الجہاد کا ہے۔ یہ بھی ایک اختلافی
مسئلہ ہے۔ آئمہ ثلاثہ کی رائے یہ ہے کہ مسلمان کو کافر کے بدلہ میں قتل نہ کیا جائے گا۔ اور حنفیہ انما بذلوا
لیکون اموالھم کاموالنا ودماھم کدمائنا وغیرہ جیسی روایات کی بنا پر یہ کہتے ہیں۔ کہ یہ روایت
لا یقتل مسلم بکافر کافر حربی کے ساتھ خاص ہے۔ لہٰذا اگر کوئی مسلمان کسی ذمی کو قتل کرے گا تو اس کے
بدلے میں مسلمان قتل کیا جائے گا۔

حدیث نمبر ۱۱۰ حَدَّثَنَا اَبُوْ نُعَیْمٍ الخ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ خُزَاعَةَ قَتَلُوْا رَجُلًا مِّنْ
بَنِیْ لَیْثٍ عَامَ فَتْحِ مَكَّةَ بِقَتِیْلٍ مِّنْهُمْ قَتَلُوْهُ فَاُخْبِرَ بِذٰلِكَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ
وَسَلَّمَ فَرَكِبَ رَاحِلَتَهٗ فَخَطَبَ فَقَالَ اِنَّ اللّٰهَ حَبَسَ عَنْ مَّكَّةَ الْقَتْلَ اَوِ الْفِیْلَ قَالَ مُحَمَّدٌ
وَاجْعَلُوْهُ عَلَی الشَّكِّ كَذَا قَالَ اَبُوْ نُعَیْمٍ الْقَتْلَ اَوِ الْفِیْلَ وَغَیْرُهٗ یَقُوْلُ الْفِیْلَ وَسُلِّطَ
عَلَیْهِمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَالْمُؤْمِنُوْنَ اَلَا وَاِنَّهَا لَمْ تَحِلَّ لِاَحَدٍ قَبْلِیْ وَلَا تَحِلُّ لِاَحَدٍ بَعْدِیْ
اَلَا وَاِنَّهَا حَلَّتْ لِیْ سَاعَةً مِّنْ نَّهَارٍ اَلَا وَاِنَّهَا سَاعَتِیْ هٰذِهٖ حَرَامٌ لَا یُخْتَلٰی شَوْكُهَا وَلَا
یُعْضَدُ شَجَرُهَا وَلَا تُلْتَقَطُ سَاقِطَتُهَا اِلَّا لِمُنْشِدٍ فَمَنْ قُتِلَ فَهُوَ بِخَیْرِ النَّظَرَیْنِ اِمَّا
اَنْ یُّعْقَلَ وَاِمَّا اَنْ یُّقَادَ اَهْلُ الْقَتِیْلِ فَجَاءَ رَجُلٌ مِّنْ اَهْلِ الْیَمَنِ فَقَالَ اكْتُبْ لِیْ

يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَقَالَ اكْتُبُوْا لِاَبِيْ فُلَانٍ فَقَالَ رَجُلٌ مِّنْ قُرَيْشٍ اِلَّا الْاِذْخِرَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَاِنَّا نَجْعَلُهٗ فِيْ بُيُوْتِنَا وَقُبُوْرِنَا فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلَّا الْاِذْخِرَ اِلَّا الْاِذْخِرَ

ترجمہ، حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ قبیلہ بنو خزاعۃ نے قبیلہ بنو لیث کے ایک آدمی کو فتح مکہ کے سال اپنے اس مقتول کے بدلہ میں قتل کر دیا جس کو بنو لیث نے قتل کیا تھا اس کی اطلاع آنحضرت نبی اکرم صلعم کو دی گئی آپؐ نے اپنی اونٹنی پر سوار ہو کر خطبہ دیتے ہوئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مکہ معظمہ سے قتل یا ہاتھی کو روک دیا۔ امام محمد بخاری فرماتے ہیں کہ میرے استاذ ابو نعیم نے اسی طرح شک کے ساتھ قتل یا فیل فرمایا مگر ان کے علاوہ دوسرے استاد نے بغیر شک کے فیل فرمایا۔ بہرحال جناب رسول اللہ صلعم اور مومنوں کو مکہ والوں میں غلبہ دیا گیا۔ خبردار! وہ مکہ نہ تو میرے سے پہلے کسی کے لئے حلال ہوا اور نہ میرے بعد کسی کے لئے حلال ہوگا۔ خبردار! وہ مکہ میرے لئے بھی دن کی صرف ایک گھڑی بھر کے لئے حلال ہوا تھا۔ اب وہ اس گھڑی حرام ہے۔ نہ تو اس مکہ کا کوئی کانٹا کاٹا جائے اور نہ ہی اس کا کوئی درخت قطع کیا جائے۔ اور نہ ہی اس کی گری پڑی چیز کو اٹھایا جائے مگر اس کے اعلان کرنے والے کو اٹھانے کی اجازت ہے۔ پس جو شخص مکہ معظمہ میں قتل کر دیا جائے۔ تو اس کو دو باتوں میں سے ایک کا اختیار ہے یا تو مقتول کا خون بہا لیا جائے یا مقتول کے ورثا کو قصاص لینے کا حق ہے۔ اس پر اہل یمن کا ایک آدمی آیا اور اس نے کہا یارسول اللہ یہ حکم مجھے لکھ دیجئے آپؐ نے حکم دیا کہ ابو فلاں کے لئے یہ حکم لکھ دو قریش کا ایک آدمی کھڑا ہوا اس نے کہا یارسول اللہ اذ خر خوشبو دار بوٹی کو مستثنیٰ فرمائیے۔ کیونکہ اسے ہم اپنے گھروں کی چھتوں اور قبور میں استعمال کرتے ہیں تو نبی اکرم صلعم نے اس کو مستثنیٰ کرتے ہوئے دو مرتبہ فرمایا اِلَّا الاذخر یعنی مگر اذخر۔

تشریح از شیخ مدنی" خزاعہ اور ھذیل میں آپس میں جنگ چلی آرہی تھی۔ فتح مکہ میں یہ لوگ آپؐ کے معاہد تھے۔ انہوں نے اپنے آدمی کا قصاص لے لیا جس پر آپؐ نے یہ خطبہ دیا۔ اِلَّا لمنشد اگر اشکال ہو کہ لقطہ تو بہرحال منشد کے لئے ہوتا ہے ائمہ ثلاثہ کے نزدیک بعد الانشاد لقطہ حلال ہو جاتا ہے۔ اگرچہ وہ صاحب ثروۃ ہی ہو۔ لیکن امام صاحبؒ فرماتے ہیں کہ اگر منشد صاحب حاجۃ ہو تو اس کے لئے خرچ کرنا جائز ہے البتہ منشد ملکہ کے لئے جائز نہیں کیونکہ اس کے لئے انشاد فی مجالس الحرم محال ہے تو احناف کے ہاں الا لمنشد تاکید انشاد کے لئے ہوگا کہ التقاط تو صحیح ہے مگر وہ چیز بالاتفاق حلال

نہیں ہو سکتی. اس سے اشارہ کرنا ہے کہ حرم کا لُقطہ نہیں اٹھانا چاہیئے ۔

از شیخ زکریا بقتیل منهم ای من بنی خزاعة قتلوه ای قتل بنو لیث قتیل بنی خزاعة تو منھم کی ضمیر بنو خزاعۃ کی طرف اور قتلوہ کی ضمیر بنو لیث کی طرف اور مفعول کی ضمیر قتیل کی طرف راجع ہوگی۔ اِنَّ اللہ حبس عن مکۃ القتل ا لخ محمد کا مصداق خود امام بخاریؒ ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ الفتل او الفیل اس کو شک کے ساتھ رہنے دینا اس میں اصلاح نہ کرنا۔ کیونکہ میرے استاد ابونعیم نے اسی طرح شک کے ساتھ بیان کیا تھا۔ اگرچہ صحیح الفیل ہے کیونکہ ان کے علاوہ باقی اساتذہ سب جزم کے ساتھ اسی کو بیان کرتے ہیں۔

اب یہاں پھر وہی مسئلہ آگیا۔ کہ محدثین کا قاعدہ یہ ہے۔ کہ اگر کتاب میں غلطی خود اس لکھنے والے کی طرف سے ہو۔ تو اس میں اصلاح کرنا جائز نہیں۔ لیکن جب محقق طور پر معلوم ہو جائے کہ یہ غلط ہے تو کیا کرے۔ اس میں دو قول ہیں ایک جماعت کی رائے یہ ہے۔ کہ جب غلطی پر پہنچے تو یوں پڑھے الصحیح کذا او فی الکتاب ھکذا تاکہ ابتداءً غلط پڑھ کر من کذب علیّ متعمداً (الحدیث) کا مصداق نہ بن جائے اور دوسری جماعت کی رائے یہ ہے کہ پڑھتا چلا جائے۔ اور جب غلط پڑھ چکے تو اس کے بعد فوراً والصحیح ھکذا پڑھے وسلّط علیھم رسول اللہ الخ مطلب حضور اقدس صلعم کے ارشاد مبارک کا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اتنے بڑے جابر بادشاہ ابرہہ کو جو اپنے ہاتھی لے کر کعبہ کو مسمار کرنے آیا تھا۔ مکہ میں گھسنے نہ دیا۔ بلکہ چھوٹی چھوٹی چڑیوں کو کنکریاں دے کر سب کو ہلاک کرا دیا اس واقعہ کے ہی بیان میں سورۂ فیل نازل ہوئی مگر جناب نبی کریم صلعم اور مسلمانوں کو محض اپنے فضل و کرم سے ان پر مسلط فرما دیا۔ الا انھا لم تحل لاحد قبلی الخ یعنی سن لو۔ یہ کہ نہ مجھ سے پہلے کسی کے لئے حلال تھا اور نہ میرے بعد کسی کے لئے حلال ہے اب ممکن ہے کوئی شخص یوں کہتا کہ پھر حضور اکرم صلعم نے قتال کیوں فرمایا۔ تو حضور اکرم صلعم اس کا جواب ارشاد فرماتے ہیں کہ الا وانھا حلت لی ساعۃ من نھار سن لو جو میں نے قتال کیا تو مکہ میرے واسطے تھوڑی دیر کے لئے حلال کر دیا گیا تھا۔ الا انھا ساعتی ھذہ حرام یہ اس وجہ سے کہا کہ یہ خطبہ فتح مکہ کے دوسرے دن ہوا تھا۔ یہاں یہ بات غور سے سنو کہ اس میں اختلاف ہے کہ فتح مکہ صلحاً ہے یا عنوۃ ہے۔ احناف رح کے نزدیک عنوۃ فتح ہوا ہے اور شوافع رح کے نزدیک صلحاً فتح ہوا۔ ولا تلتقط ساقطھا الخ اگرچہ مکہ میں تعریف لُقطہ مشکل ہے کیونکہ حاجیوں کا مجمع بہت ہوتا ہے۔ اور ان کا کہیں مستقل چند دن تک قیام بھی نہیں ہوتا تو

خاص طور سے انشاد کی اہمیت باقی رکھنے کے لئے ایسا فرمایا۔ فمن قتل فهو بخير النظرين ھو کی ضمیر وارث مقتول کی طرف راجع ہے۔ کیونکہ مقتول تو مرچکا ہے۔ اب اس کے مخیر بین النظرین ہونے کا کیا سوال خیر النظرین ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وارث مقتول کو دو باتوں میں سے ایک کا اختیار ہوگا وہ جس کو چاہے پسند کرے۔ ایک دیتہ دوسرا قتل یعنی چاہے قاتل کو قتل کرڈے یا دیت لے لے۔ یہ مسئلہ بھی اختلافی ہے کہ آیا اختیار صرف وارث قتیل کو ہوگا۔ یا قاتل کو بھی اختیار ہوگا۔ ائمہ ثلاثہ رح کے نزدیک تو صرف وارث قتیل کو اختیار ہے۔ اور حضرت امام ابوحنیفہ رح فرماتے ہیں کہ قاتل کو بھی اختیار ہے اس لئے کہ بہت ممکن ہے کہ اولیاء مقتول دیت مانگیں اور وہ دیت دینے پر قادر نہ ہو۔ بلکہ قتل ہونا پسند کرتا ہے۔ یہ سوچ کر کہ کہاں دیت کے لئے کماتا پھروں گا۔ اما ان یقتل الخ یہ خیر النظرین کی تفصیل ہے۔ فجاء رجل من اهل اليمن الخ یہ آنے والے حضرت ابو شاہ ہیں۔ جیسا کہ ابوداؤد کی روایات ہیں اس کی تصریح ہے۔ ان صحابی کا نام معلوم نہیں ہو سکا البتہ ان کی کنیت ابوشاہ ہے۔ اکتب لی یارسول اللہ یعنی یارسول اللہ صلعم یہ گرانما یہ احکام جو آپ نے بیان فرمائے ہیں اس کو میرے واسطے لکھوا دیجئے کیونکہ خود پڑھے لکھے نہیں تھے۔ اس لئے آپ نے ارشاد فرمایا کہ اکتبوا لابی فلان فلاں سے مراد بھی ابوشاہ ہیں چنانچہ ابوداؤد کی روایت میں اکتبوا لابی شاہ ہے یہاں بخاری کی روایت میں راوی کو نام یاد نہیں رہا۔ اور یہی جملہ اکتبوا لابی فلان امام بخاریؒ کی غرض ہے۔ کہ دیکھو یہ حجۃ الوداع کا واقعہ ہے۔ حضور اکرم صلعم کے امر سے کتابت حدیث ہو رہی ہے۔ فقال رجل من قریش الخ جب حضور اکرم صلعم نے حرمت کے احکام بیان فرمائے تو حضرت عباسؓ کھڑے ہوئے۔ اور فرمایا یا رسول اللہ الا الاذخر یعنی اذخر کا استثناء فرما دیجئے رجل سے مراد حضرت عباسؓ ہیں۔ فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم الا الاذخر کہ حضور اکرم صلعم نے حضرت عباسؓ کے کہنے پر اذخر استثناء فرما دیا۔ اب یہاں علماء کے درمیان ایک مسئلہ اختلافی یہ ہے کہ کیا حضور اکرم صلعم کو احکام کے درمیان اختیار تھا کہ جو چاہے حکم فرما دیں اور جس سے چاہیں منع فرما دیں۔ اور جس کو چاہیں حلال وحرام فرما دیں۔ اس کے متعلق ایک جماعت کی رائے ہے کہ حضور اکرم صلعم کو بالکل بھی اختیار نہ تھا۔ ان کا استدلال ما ینطق عن الهوی (الآیہ) جیسی آیات سے ہے۔ اور اس کے برخلاف ایک دوسری جماعت کی رائے یہ ہے کہ اختیار تھا کیونکہ اگر اختیار کا نہ ہونا تسلیم کرلیں تو پھر حضرت عباس رض کے فرمانے پر استثناء کیوں فرما دیا جب استثناء فرما دیا تو معلوم ہوا کہ اختیار تھا۔ ان حضرات کی دلیل حدیث

پاک لولا اشق علی امتی لامرتہم بالسواک اور باب کی یہ حدیث ہے ۔ رہ گئی ۔ آیت کریمہ تو اس کا جواب یہ ہے کہ ممکن ہے فوراً قلب میں القا ، ہو گیا ہو ۔ کیونکہ وحی کی ایک قسم القا فی الروع بھی تو ہے اور تیسرا مذہب توقف کا ہے ۔ کیونکہ روایات دونوں قسم کی ہیں اور متعارض ہیں اور چوتھا مذہب یہ ہے کہ حروب میں اختیار ہے بقیہ احکام میں اختیار نہیں ۔

حدیث نمبر ۱۱۱ حَدَّثَنَا عَلِیُّ بْنُ عَبْدِ اللّٰہِ الخ سَمِعْتُ اَبَا ھُرَیْرَۃَ یَقُوْلُ مَا مِنْ اَصْحَابِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَحَدٌ اَکْثَرُ حَدِیْثًا عَنْہُ مِنِّیْ اِلَّا مَا کَانَ مِنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عَمْرٍو فَاِنَّہٗ کَانَ یَکْتُبُ وَلَا اَکْتُبُ تَابَعَہٗ مَعْمَرٌ عَنْ ھَمَّامٍ عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ رض (الحدیث)

ترجمہ ، حضرت ابو ہریرہ رض فرماتے تھے کہ جناب اکرم صلعم کے اصحاب کرام میں سے میرے سے زیادہ آپ سے حدیثیں بیان کرنے والا کوئی نہیں مگر وہ جو حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کیونکہ وہ لکھتے تھے اور میں نہیں لکھتا تھا ۔

تشریح از شیخ مدنی رح چونکہ حضرت ابو ہریرہ رض نے مدینہ میں سکونت اختیار کی تھی اور اشتغال بالحدیث کو مشغلہ بنا لیا تھا ۔ اس لئے ان کے پاس بہت روایات تھیں ۔ یعنی پانچ ہزار تین سو سے زائد احادیث تھیں اور آٹھ سو شاگرد تھے ۔ اور حضرت عبد اللہ ابن عمرو بن العاص رض کے پاس لکھی ہوئی احادیث تھیں کیونکہ وہ اشتغال بالعبادۃ رکھتے تھے ۔ ان کی خواہش تھی کہ رات کو عبادت کرتے رہیں اور دن کو روزہ رکھیں ۔ اس لئے بیوی کو طلاق دے دی تھی اور کہا کہ مجھے فرصت نہیں ملتی ۔ لوگوں نے اور خود آنحضرت صلعم نے بہت تنبیہ فرمائی تو سات دن میں ختم قرآن کرتے تھے اور ایک دن چھوڑ کر روزہ رکھتے تھے ۔ بڑھاپا آیا تو پھر کمی کر دی ۔

تشریح از شیخ زکریا ۔ اس سند میں اَخْبَرَنِیْ وھب بن منبہ عن اخیہ اس اخ سے مراد ہمام بن منبہ ہیں جو حضرت ابو ہریرہ رض سے روایات نقل کرنے میں بہت مشہور ہیں ان کی ایک کتاب صحیفہ ہمام بن منبہ کے ساتھ مشہور ہے ۔ اس صحیفہ سے امام مسلم رح روایات نقل کرتے ہیں ۔ اور یہ صحیفہ اب حیدر آباد میں بھی طبع ہو چکا ہے ۔ اور یہ مسند احمد میں بھی یکجائی ہمام عن ابی ہریرہ سے مروی ہے فانہ کان یکتب ولا اکتب اس حدیث میں چند ابحاث ہیں ۔ ایک تو یہی کان یکتب ولا اکتب امام بخاری رح کی غرض بھی اس جملہ سے ثابت ہوتی ہے حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا طریقہ یہ تھا کہ جیسے بعض مریدین مشائخ کے ملفوظات لکھ لیتے ہیں اسی طرح یہ بھی جو کچھ حضور اکرم صلعم سے سنتے اس کو لکھ لیتے ۔ صحابہ نے

ان کو ملامت کی کہ تم سب کچھ کیوں لکھتے ہو۔ کیونکہ حضور اکرم صلعم بشر ہیں غصہ بھی فرماتے ہیں خوش بھی ہوتے ہیں حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے آنحضور نبی اکرم صلعم سے عرض کیا تو آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ اس منہ سے حالت رضاء غضب میں سوائے حق کے اور کوئی بات نکلتی ہی نہیں تم سب کچھ لکھ لیا کرو۔ تو یہاں کتابت حدیث بامر رسول اللہ صلعم ہوگئی۔ دوسری بحث یہ ہے کہ خود حضرت ابوہریرہؓ کا ارشاد ہے کہ مجھ سے زیادہ اور کوئی احادیث بیان کرنے والا نہیں ہے۔ سوائے عبداللہ بن عمرؓ کے حالانکہ واقعہ اس کے خلاف ہے۔ کیونکہ ابن جوزیؒ نے حضرت ابوہریرہؓ کی مرویات پانچ ہزار تین سو چوہتر بتلائی ہیں۔ اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی بعض محدثین کے قول پر پانچسو اور بعض کے قول پر کل سات سو ہیں تو ان کی مرویات زیادہ سے زیادہ سات سو اور حضرت ابوہریرہؓ کی پانچ ہزار تین سو چوہتر تو پھر کس طرح حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایات زیادہ ہوئیں۔ اس کا جواب بعض علماً تو یہ دیتے ہیں کہ لکھنا اور چیز ہے اور اس لکھے ہوئے کا چل پڑنا اور چیز ہے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ حضرت ابوہریرہؓ کثرت سے مدینہ منورہ رہتے تھے اور لوگ کثرت سے مدینہ منورہ ہی تحصیل علم کے لئے رحلت وسفر کرتے تھے اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ طائف میں رہنے لگے تھے اور وہاں اس قدر لوگ جاتے نہیں تھے۔ اس لئے ان سے اخذ کثرت سے نہیں ہوا۔ اور دوسرا جواب یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ چونکہ کتب سماویہ کے عالم تھے اس لئے وہ کبھی کبھی اسرائیلیات بھی بیان کردیا کرتے تھے اس خلط ملط کی وجہ سے عام آدمی ان سے روایات کثرت سے نہیں لیتے تھے۔ بخلاف حضرت ابوہریرہؓ کے وہ صرف احادیث رسول اللہ ہی بیان کرتے تھے۔ تیسرا جواب یہ ہے کہ حضرت ابوہریرہؓ کے لئے آنحضور نبی اکرم صلعم نے حفظ کی دعا فرمائی تھی۔ اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے پاس صرف لکھی ہوتی تھیں تو حضرت ابوہریرہؓ اپنے حفظ سے خوب بیان کرتے تھے۔ دوسرا اشکال یہاں یہ ہے کہ ایک روایت میں ہے کہ حضرت ابوہریرہؓ سے کسی نے حدیث کے بارے میں سوال کیا۔ تو وہ مکان سے ایک صحیفہ نکال کر لائے جس میں احادیث تحریر تھیں۔ اس سے پتہ چلا کہ وہ بھی لکھا کرتے تھے۔ لہٰذا ان ولا اکتب کہنا کیسے صحیح ہوگا۔ اس کا پہلا جواب یہ ہے کہ اس حدیث سے یہ کس طرح پتہ چل گیا کہ وہ صحیفہ خود ان کا لکھا ہوا تھا۔ بہت ممکن ہے۔ کسی اور کا لکھا ہوا ہو۔ اور وہ ان کو مل گیا ہو دوسرا جواب یہ ہے کہ ولا اکتب فرمانا حضور پاک صلعم کے زمانہ کے ساتھ خاص ہے۔ اور آپؐ کے انتقال کے بعد انہوں نے احادیث جمع کرلیں اور ان کو لکھ لیا۔

حدیث نمبر ۱۱۲ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سُلَيْمَانَ الخ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ لَمَّا اشْتَدَّ بِالنَّبِيِّ

صلی اللہ علیہ وسلم وجعہ قال ائتونی بکتاب اکتب لکم کتاباً لا تضلوا بعدہ قال عمر ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم غلبہ الوجع وعندنا کتاب اللہ حسبنا فاختلفوا وکثر اللغط قال قوموا عنی ولا ینبغی عندی التنازع فخرج ابن عباس یقول ان الرزیۃ کل الرزیۃ ما حال بین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وبین کتابہ۔

ترجمہ، حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ جب آنحضرت نبی اکرم صلعم کو اپنے درد کی شدت محسوس ہوئی تو آپؐ نے فرمایا کہ میرے پاس کتاب لے آؤ تاکہ میں تمہیں ایک کتاب لکھ دوں جس کے بعد تم گمراہ نہیں ہوگے تو حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ جناب رسول اللہ صلعم پر درد کا غلبہ ہوگیا ہے اور ہمارے پاس اللہ کی کتاب (قرآن) موجود ہے جو ہمیں ہدایت کے لئے کافی ہے۔ اِس طرح اختلاف پیدا ہوگیا۔ اور شور وشغب بہت ہوا جس پر آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ سب میرے پاس سے اٹھ جاؤ میرے پاس بیٹھ کر جھگڑا کرنا اچھا نہیں ہے۔ تو حضرت ابن عباسؓ یہ کہتے ہوئے باہر نکلے کہ بیشک پوری مصیبت ہے جو جناب رسول اللہ صلعم اور آپؐ کی کتاب کے درمیان حائل ہوگئی۔ ان الرزیۃ کل الرزیۃ یا تو اس اعتبار سے کہ حضرت ابن عباسؓ افقہ تھے۔ یا یہ کہ اس کی وجہ سے روافض کو طعن کا موقعہ ملا۔

تشریح از شیخ زکریاؒ۔ ائتونی بکتاب الخ حضور اقدس صلعم کیا لکھتے اس کی تو کہیں تصریح نہیں ہے ہاں سیاق روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور اقدس صلعم خلافت کے متعلق لکھتے کہ فلاں کو خلیفہ بنایا جائے پھر فلاں فلاں کو یہ واقعہ جمعرات کا ہے۔ اور اس کے بعد دوشنبہ کی صبح کو آپؐ کا انتقال ہوگیا۔ اور امام بخاریؒ کی غرض بھی اس جملہ سے ثابت ہوتی ہے۔ کہ حضور اقدس صلعم نے مرض الوصال میں لکھنے کو قلم دوات طلب فرمایا اور حضور صلعم جو کچھ لکھتے وہ حدیث ہی ہوتا لہٰذا کتابت حدیث ثابت ہوگئی۔

قال عمرؓ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم غلبہ الوجع الخ جب حضور اقدس صلعم نے لکھنے کو قلم دوات طلب فرمایا۔ تو حضرت عمرؓ نے لوگوں کو منع کردیا۔ اور کہنے لگے کہ حضور اقدس صلعم کو تو تکلیف ہے ہمارے لئے کتاب اللہ کافی ہے۔ حضرت عمرؓ کے منع کرنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ دونو حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمرؓ حضور اقدس صلعم کے وزیر اور مشیر تھے خاصۃً اور دیگر امور میں دخیل تھے عموماً اس لئے حضرت عمرؓ نے یہی مناسب سمجھا۔ کہ اس وقت حضور اکرم صلعم کو تکلیف نہ دی جائے۔ یہی وجہ ہے کہ جب حضرت ابوہریرہؓ حضور اکرم صلعم کے جوتے لے کر جنت کی بشارت دینے چلے تو حضرت عمرؓ نے راستے ہی میں ان

کے سینے پر اس زور سے ہاتھ مارا تھا کہ حضرت ابوہریرہؓ سرین کے بل گر پڑے تھے۔ یہ حضور صلعم کے پاس شکایت لے کر چلے پیچھے پیچھے حضرت عمرؓ بھی پہنچ گئے۔ کہ حضور ایسا نہ فرمایئے۔ لہٰذا حضرت عمرؓ کے تو اس قسم کے بہت سے واقعات ہیں کہ حضور اقدس صلعم کی حیات ہی میں حضور کے سامنے ایسے کام کرتے تھے۔ اس طرح ایک مرتبہ ازواج مطہرات نان ونفقہ طلب کر رہی تھیں۔ حضرت عمرؓ آگئے یہ ساری ازواج آڑ میں چلی گئیں۔ حضور پاک صلعم مسکرائے اور فرمایا کہ عمرؓ سے شیطان بھی بھاگتا ہے۔ حضرت عمرؓ نے حضور اقدس صلعم سے واقعہ دریافت کر کے فرمایا۔

یا عدوات انفسھن اتھبننی ولا تھبن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضور اقدس صلعم نے کچھ بھی ارشاد نہیں فرمایا۔ لہٰذا حضرت عمرؓ پر کوئی اعتراض نہیں کہ انہوں نے آنحضرت صلعم کی بے ادبی کی بلکہ ان کو تو دلالۃً اجازت تھی۔ اسی بنا پر انہوں نے منع فرمایا۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ اس دن حضور اقدس صلعم کو بہت تکلیف تھی۔ اور تکلیف کی تیزی کی وجہ سے ڈول کے ڈول پانی کے آپؐ پر ڈالے جا رہے تھے۔ حضرت عمرؓ کو یہ تکلیف برداشت نہ ہوئی۔ اس لئے انہوں نے منع فرمادیا۔ کیونکہ لکھنے سے اور تکلیف ہوتی۔ تیسرا جواب یہ ہے کہ یہ واقعہ پنجشنبہ کی شام کا ہے اور حضور اقدس صلعم کا انتقال دوشنبہ کو ہوا۔ تو اگر حضور اکرم صلعم کو کچھ لکھوانا تھا تو جمعہ یا اتوار کو لکھوا دیتے۔ کیونکہ اس دوران طبیعت ٹھیک ہوگئی تھی۔ چنانچہ آپؐ نے خطبہ بھی دیا۔ اور اس میں مہاجرین کے فضائل بیان فرمائے۔ اور انصار کے متعلق ارشاد فرمایا کہ ان کے محسنین کے ساتھ اچھا معاملہ کریں۔ اور ان کے مسیئن سے تجاوز کریں اور چوتھا جواب یہ ہے کہ اس کے بعد حضرت علیؓ سے خود حضور اکرم صلعم نے ارشاد فرمایا تھا کہ قلم دوات لاؤ کچھ لکھ دوں حضرت علیؓ نے فرمایا کہ حضور پاک صلعم زبان مبارک سے فرما دیں۔ ان کو یاد کرلوں گا۔ لکھنے کی ضرورت نہیں تو اگر حضرت عمرؓ نے بقول روافض بے ادبی کی تو ادھر بھی بے ادبی ہوئی۔ یہ روایت ابن سعد کی ہے صحاح کی نہیں اور پانچواں جواب یہ ہے کہ حضور اکرم صلعم کو حضرت ابوبکر صدیقؓ کی متعلق لکھانا تھا۔ حضرت علیؓ کے متعلق لکھوانے کا خیال ہی نہیں تھا۔ اور اس کی دلیل یہ ہے کہ بخاری جلد ثانی میں ص ۱۰۷۲ پر ایک روایت آرہی ہے کہ آپؐ نے ارشاد فرمایا اردتُّ ان ارسل الی ابی بکر وابنہ فاعھد ان یقول القائلون او یتمنّی المتمنون ثم قلت یابی اللہ ویدفع المؤمنون (الحدیث) اس سے معلوم ہوا کہ ابوبکر صدیقؓ کی خلافت لکھوانی تھی۔ تو حضرت عمرؓ نے تو گویا رافضیوں کا بھلا کیا کہ حضور صلعم کو لکھنے سے منع کر دیا۔ اگر لکھ دیتے تو پھر یہ حکم قطعی ہو جاتا۔ اور رافضیوں کو کوئی چارۂ کار نہ رہتا۔ فخرج ابن عباس الخ ابن عباسؓ کا یہ خروج حضور اقدس صلعم کے پاس سے نہیں تھا بلکہ

مراد وہ جگہ ہے جہاں حدیث بیان کر رہے تھے۔ جب یہاں تک پہنچے تو ان الوزینة کل الوزینة کہہ کر اٹھ کھڑے ہوئے کہ اگر صحابہ لکھنے دیتے ہوتے تو پھر حضور اکرم صلعم ترتیب لکھ دیتے۔ پھر واقعہ عثمان صفین اور جمل ہی پیش نہ آئے ہوتے۔

باب العلم والعظة باللیل۔

باب ہے کہ علم اور نصیحت رات کے وقت بھی کی جاسکتی ہے۔

حدیث نمبر ۱۱۳ حدثنا صدقة الخ عن ام سلمة قالت استیقظ النبی صلی اللہ علیہ وسلم ذات لیلة فقال سبحان اللہ ماذا انزل اللیلة من الفتن وماذا فتح من الخزائن ایقظوا صواحب الحجر فرب کاسیة فی الدنیا عاریة فی الاخرة

ترجمہ، حضرت ام سلمہؓ سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں کہ ایک رات آنحضرت نبی اکرم صلعم خواب سے بیدار ہوئے تو تعجب کرتے ہوئے فرمایا اللہ تعالیٰ پاک ہے آج رات کس قدر فتنے اتارے گئے اور کس قدر خزانے کھول دیئے گئے حجرات والی بی بیوں کو جگا دو کیونکہ بہت سی دنیا میں کپڑے پہننے والی آخرت میں ننگی ہوں گی۔

تشریح از شیخ مدنیؒ رات کو بھی تعلیم دینا ضروری ہے کہ نہیں کیونکہ فرمایا گیا کہ اس قدر تعلیم نہ دو کہ لوگ گھبرا جائیں چنانچہ آپ ہر رات تعلیم نہ دیتے تھے تاکہ نشاطِ طبع باقی رہے۔ ہاں اس قدر تعلیم دینا درست وجائز ہے جو گھبراہٹ کا باعث نہ بنے آپ کو باری تعالیٰ کی طرف سے فتنوں کے متعلق انکشاف ہوا۔ اور اس طرح خزائن کا فتوح ہوا کہ قیصر وکسریٰ کے خزانے ہاتھ آئے فتن سے مراد یا تو کثرت اولاد اور اموال ہے بدلیل انما اموالکم واولادکم فتنة یا آنحضرت صلعم کی وفات کے بعد جو مناقشات اور جھگڑے مسلمانوں میں پیدا ہوئے وہ آپ پر منکشف ہوتے عاریة فی الآخرة سے متنبہ کرنا ہے۔ کہ دنیا پر اعتماد نہیں کرنا چاہیئے بلکہ آخرت کے عذاب سے بچنے کی کوشش ہونی چاہیئے یا بعض نے کہا کہ ایسے پتلے لباس سے احتراز کرنا چاہیئے جس سے بدن کی وضع قطع اور ہیئة معلوم ہوتی ہو۔ ایسا لباس ممنوع ہے۔

تشریح از شیخ زکریاؒ اس علم میں سبق۔ تکرار۔ تقریر۔ مطالعہ سب ہی داخل ہیں اور عظہ کے معنے نصیحت کے ہیں چونکہ ایک حدیث میں عشاء کے بعد نوم سے قبل وبعد بات کرنے کی ممانعت ہے تو یہاں سے ان اشیاء کا استثناء کرتے ہیں کہ ان کی ممانعت نہیں ہے۔ سبحان اللہ الخ حضور اقدس صلعم کو یہ مکشوف ہوا کہ کثرت سے فتن نازل ہوتے اور خزائن کے متعلق بھی کشف ہوا۔ تو آپ نے ارشاد فرمایا

کیونکہ جب فتن ظاہر ہوئے تو اس کے ساتھ خزائن کا ظہور ضرور ہوا ہوگا۔ فان مع العسر یسرًا۔ ایقظوا الخ
صواحب حجرات کو جگا دو۔ کیونکہ یہ وقت قبولیت دعا کا ہے۔ فتن سے بچنے کی دعا کریں۔ یہاں انزل اللیلة
تو علم کے اندر داخل ہے۔ اور ایقظوا الخ اس کی مناسبت عظمة سے ظاہر ہے۔ تو باب کے دونوں جز سے
مناسبت ہوگئی۔ کاسیة فی الدنیا الخ کاسیہ کے معنی کپڑا پہننے والی چونکہ ثوب بول کر بعض مرتبہ
اس سے عمل و تخلق مراد لیا جاتا ہے۔ اور عام طور سے عرب میں بولا جاتا ہے سبعہ معلقہ کا شعر ہے

ان تک قد ساتک منی خلیقة

فسلی ثیابی من ثیابک تنسل

ترجمہ، اگر اے محبوبہ تجھے میری کوئی خصلت بری لگتی ہے تو میرے کپڑے اپنے کپڑے سے الگ کرلے
تو یہاں ثیاب سے مراد تعلق ہے۔ اب اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ بہت سی وہ عورتیں جو دنیا میں
عمل کرنے میں خوب آگے آگے ہوتی ہیں۔ وہ آخرت میں اعمال سے ننگی ہوں گی۔ کیونکہ وہ اپنی عادت کے مطابق
چغل خوری۔ غیبت۔ گالی گلوچ اور جہالت کے سینکڑوں کام کرتی ہیں اور حقیقی معنی بھی مراد ہو سکتے ہیں کہ بہت
سی عورتیں جو دنیا میں لباس پہنتی ہیں وہ شرعًا معتبر نہیں ہوتا۔ مثلاً اندر سے بدن اس میں نظر آتا ہے تو
ایسی عورتوں کو ننگی ہونے کی سزا آخرت میں ملے گی۔ اور بعض کہتے ہیں۔ کہ بہت سے دنیا میں اعمال کرنے
والے آخرت میں اس کے اجر سے خالی ہوں گے اس لئے کہ ان اعمال میں اخلاص نہ ہوگا ریا سے کیا ملے گا۔

بَابُ السَّمَرِ بِالْعِلْمِ۔

رات کے وقت علم کی بات چیت کرنے کے بارے میں۔

حدیث نمبر ۱۱۴ حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ عُفَيْرٍ الخ اَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ قَالَ صَلّٰى لَنَا النَّبِيُّ
صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْعِشَاءَ فِي آخِرِ حَيَاتِهِ فَلَمَّا سَلَّمَ قَامَ فَقَالَ أَرَأَيْتَكُمْ لَيْلَتَكُمْ هٰذِهِ
فَإِنَّ رَأْسَ مِائَةِ سَنَةٍ مِنْهَا لَا يَبْقٰى مِمَّنْ هُوَ عَلٰى ظَهْرِ الْأَرْضِ أَحَدٌ (الحدیث)

ترجمہ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت نبی اکرم صلعم نے اپنی زندگی کے آخری ایام میں ہمیں
ایک رات عشاء کی نماز پڑھائی جب سلام پھیر کر فارغ ہوتے تو کھڑے ہوگئے اور فرمایا کہ کیا تم آج کی اس
رات کو جانتے ہو۔ کیونکہ اس صدی کے آخر پر روئے زمین پر بسنے والا کوئی بھی باقی نہیں رہے گا گویا اپنی امت
کی چھوٹی عمروں کی طرف اشارہ فرمایا۔

۲/۱

تشریح از شیخ مدنیؒ بظاہر روایت ترجمۃ الباب سے مناسبت نہیں رکھتی۔ اس لئے کہ اس میں سمر بالعلم کا تذکرہ نہیں ہے۔ مگر چونکہ مفصل دوسری جگہ روایت آچکی ہے اس پر اعتماد کرتے ہوئے مصنفؒ نے ترجمۃ الباب میں سمر بالعلم کہہ دیا بسا اوقات مصنفؒ ایسا کرتے ہیں۔

تشریح از شیخ زکریاؒ یہ باب اور باب سابق بظاہر ایک معلوم ہوتے ہیں کیونکہ سمر بالعلم بھی عظۃ باللیل ہے اس لئے حافظؒ کی رائے یہ ہے کہ باب اوّل سے عظۃ باللیل بعد الاستیقاظ من النوم ثابت فرمایا ہے۔ اور اس باب سے عظۃ قبل النوم ثابت فرمایا ہے کیونکہ یہ دونو وقت ہو سکتا ہے۔ اور میری رائے یہ ہے کہ ابھی قریب میں حضرت ابن مسعودؓ کی روایت گذری ہے یتخولنا بالموعظۃ کراھیۃ السامۃ علینا اور باب اوّل کی روایت میں عظۃ بعد الاستیقاظ ہے اور جاگنے کے بعد طبیعت کسل مند ہوا ہی کرتی ہے۔ تو باب سابق سے تنبیہ فرمادی کہ اگر گرانی نہ ہو اور طبیعت ہوشیار ہو۔ تو بعد الاستیقاظ عظہ میں کوئی حرج نہیں۔ اور اس دوسرے باب کی غرض یہ ہے کہ حدیث میں حضور اقدس صلعم نے عشاء کے بعد بات چیت اور سمر سے منع فرمایا ہے۔ اور قرآن مجید میں ہے سامرا تھجرون تو اس باب سے اشارہ فرما دیا کہ سمر بالعلم نہی میں داخل نہیں سمر وہ باتیں جو رات میں کی جائیں۔ فان رأس مائۃ سنۃ الخ اس روایت کو جب صحابہ کرامؓ نے سنا تو یہ سمجھے کہ سو سال کے بعد قیامت آجائے گی۔ مگر بعد میں معلوم ہوا کہ انقضائے قرن مراد تھا (صدی کا ختم ہونا) اب اس روایت کی وجہ سے محدثین کی رائے ہے کہ جو شخص ۱۱۰ھ کے بعد صحابی ہونے کا دعویٰ کرے گا وہ کذاب ہے خواہ وہ کتنا ہی بڑا صوفی ہو چاہے خواجہ رتن ہندی ہی کیوں نہ ہوں۔ مگر بڑی مشکل صوفیاء کرام کو ہے کیونکہ ان کے نزدیک حضرت خضرؑ زندہ ہیں۔ اور یہ روایت اس کے خلاف ہے۔ چنانچہ محدثین تو حیات خضر کا انکار کرتے ہیں۔ اور صوفیاء اثبات کرتے ہیں اور اس روایت کا جواب یہ دیتے ہیں کہ اس وقت حضرت خضرؑ وجہ ارض پر تھے ہی نہیں بلکہ سمندر میں تھے۔ اور بڑی مشکل صوفیاء محدثین اور محدثین صوفیا کو ہے وہ کہتے ہیں کہ بخاری کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی زندہ نہیں رہے گا۔ اور علامات قیامت میں سے ہے کہ جب دجّال کا ظہور ہوگا۔ تو ایک آدمی اس وقت حدثنا رسول اللہ کہیگا اور وہ آدمی حضرت خضرؑ ہوں گے لہٰذا ہم حکم قطعی نہیں لگاتے۔

حدیث نمبر ۱۱۵ حَدَّثَنَا آدَمُ الخ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ بِتُّ فِي بَيْتِ خَالَتِي مَيْمُونَةَ

بِنْتِ الْحَارِثِ زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عِنْدَهَا فِي لَيْلَتِهَا فَصَلَّى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْعِشَاءَ ثُمَّ جَاءَ إِلَى مَنْزِلِهِ فَصَلَّى أَرْبَعَ رَكَعَاتٍ ثُمَّ نَامَ ثُمَّ قَامَ ثُمَّ قَالَ نَامَ الْغُلَيِّمُ أَوْ كَلِمَةً تُشْبِهُهَا ثُمَّ قَامَ فَقُمْتُ عَنْ يَسَارِهِ فَجَعَلَنِي عَنْ يَمِينِهِ فَصَلَّى خَمْسَ رَكَعَاتٍ ثُمَّ صَلَّى رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ نَامَ حَتَّى سَمِعْتُ غَطِيطَهُ أَوْ خَطِيطَهُ ثُمَّ خَرَجَ إِلَى الصَّلٰوةِ ۔ (الحدیث)

ترجمہ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک رات اپنی خالہ حضرت میمونہ رضہ جو نبی اکرم صلعم کی زوجہ محترمہ کے گھر میں گذاری اور جناب نبی اکرم صلعم ان کی باری کی رات ان کے پاس تھے جب آنحضرت صلعم عشاء کی نماز پڑھ چکے تو اپنی منزل پر تشریف لائے ہیں چار رکعت نماز پڑھ کر سو گئے پھر رات کو اٹھے پھر فرمایا یا غُلیم یا اس کے مشابہ کلمہ فرمایا کہ یہ لڑکا سو گیا۔ پھر حضور انور صلعم نے قیام فرمایا تو میں بھی اٹھ کر آپ کی بائیں جانب کھڑا ہو گیا آپ نے مجھے اپنی داہنی جانب کھڑا فرمایا۔ پھر آپ نے پانچ رکعت نماز پڑھی اور اس کے بعد دو رکعت سنت فجر ادا فرمائی۔ پھر سو گئے حتیٰ کہ میں نے آپ کے خراٹے کی آواز سنی جسے غطیط یا خطیط کہا جاتا ہے۔ پھر آپ نماز کے لئے تشریف لے گئے

تشریح از شیخ مدنی" نام الغلیم" یہ تصغیر شفقت کے لئے ہے۔ بعض حضرات نے نام الغلیم کے الفاظ کہنے سے سمر بالعلم ثابت کیا ہے۔ مگر یہ روایت مختصر ہے۔ دوسری جگہ روایت میں ہے کہ آپؐ نے اپنے اہل سے گفتگو فرمائی اس کے بعد نماز پڑھی تو مصنفؒ نے اس روایت پر اعتماد کرتے ہوئے اشارہ فرمایا کہ سمر بالعلم ثابت ہے۔

تشریح از شیخ زکریاؒ حضرت میمونہ رضہ حضرت ابن عباسؓ کی خالہ تھیں ان کو شوق پیدا ہوا کہ حضور اکرم صلعم جب حضرت میمونہؓ کی باری میں ان کے یہاں تشریف لائیں گے۔ تو یہ اپنی خالہ کے یہاں سوئیں گے۔ اور دیکھیں گے کہ حضور انور صلعم کیا کرتے ہیں جب حضرت میمونہؓ کی باری آئی تو یہ جاکر سو رہے۔ حضور اقدس صلعم پھر رات گئے اٹھے اور نماز شروع کی حضرت ابن عباسؓ بھی انگڑائیاں لیتے ہوئے اٹھے اور وضو کر کے نماز میں شریک ہو گئے۔ مگر غلطی سے بائیں طرف کھڑے ہو گئے حضور اقدس صلعم نے ان کا کان پکڑ کر پیچھے سے داہنی طرف کھڑا کر دیا ثم قال نام الغلیم۔ غُلَیِّم غلام کی تصغیر ہے یہاں سوال یہ ہے کہ سمر بالعلم کہاں اور کسی لفظ حدیث سے ثابت ہوا بعض حضرات کی رائے ہے کہ نام الغلیم کہنے سے ثابت ہو گیا۔ اور حضور اکرم صلعم کے ارشاد مبارک

سے معلوم ہوا کہ کسی کو تصغیر کے ساتھ پکارنا جائز ہے۔ اور یہ تحقیر پر دال نہیں تاکہ مذموم و ممنوع ہو بعض کی رائے یہ ہے کہ حضور اکرم صلعم کے فعل فصلّی اربع رکعات سے ترجمہ ثابت ہو گیا۔ کیونکہ حضور اکرم صلعم کے اقوال جیسے سمر بالعلم میں داخل ہیں ایسے افعال بھی سمر بالعلم میں داخل ہیں اور میری رائے یہ ہے کہ امام بخاریؒ نے تشحیذ اذہان کے لئے خاص طور سے حدیث میں اختصار فرمایا ہے ورنہ بخاری جلد ثانی صـ۶۵ پر یہی حدیث ہے اس میں تصریح ہے کہ فتحدث مع اهله ساعة اس جملہ سے صاف طور پر ترجمہ سے مناسبت ہو گئی حتی سمعت غطیطه اور خطیطه یہ اونگھ کے لئے ہے۔ غطیطہ اور خطیطہ سونے والے کی آواز کو کہتے ہیں۔

باب حِفْظِ الْعِلْمِ۔

یعنی علم کا یاد کرنا۔!

حدیث نمبر ۱۱۶ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيْزِ بْنُ عَبْدِاللّٰهِ الخ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ اِنَّ النَّاسَ يَقُوْلُوْنَ اَكْثَرَ اَبُوْهُرَيْرَةَ وَلَوْلَا اٰيَتَانِ فِيْ كِتَابِ اللّٰهِ مَا حَدَّثْتُ حَدِيْثًا ثُمَّ يَتْلُوْ اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَا اَنْزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَالْهُدٰى اِلٰى قَوْلِهٖ الرَّحِيْمُ اِنَّ اِخْوَانَنَا مِنَ الْمُهَاجِرِيْنَ كَانَ يَشْغَلُهُمُ الصَّفْقُ بِالْاَسْوَاقِ وَاِنَّ اِخْوَانَنَا مِنَ الْاَنْصَارِ كَانَ يَشْغَلُهُمُ الْعَمَلُ فِيْ اَمْوَالِهِمْ وَاِنَّ اَبَا هُرَيْرَةَ كَانَ يَلْزَمُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِشِبَعِ بَطْنِهٖ وَيَحْضُرُ مَا لَا يَحْضُرُوْنَ وَيَحْفَظُ مَا لَا يَحْفَظُوْنَ۔

ترجمہ، حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ لوگ یہ کہتے ہیں کہ حضرت ابوہریرۃ حدیثیں بہت بیان کرتا ہے اگر کتاب اللہ میں یہ دو آیتیں نہ ہوتیں تو میں کبھی کوئی حدیث بیان نہ کرتا پھر یہ دو آیتیں تلاوت کرتے تھے ان الذین یکتمون الآیۃ اور فرمایا کہ ہمارے مہاجرین بھائی کو بازاروں میں لین دین کے معاملات مشغول رکھتے تھے اور انصار بھائیوں کو اپنے اموال کے لئے زمین کی عملداری مشغول رکھتی تھی۔ اور ابوہریرہؓ تو اپنے پیٹ بھر کے ساتھ روٹی پر آنحضرت صلعم کے لازم ملازم رہتے تھے اور ان اوقات میں حضور انور صلعم کے پاس حاضر ہوتے جن اوقات میں یہ لوگ حاضر نہیں ہوتے تھے اور ابوہریرۃ ان باتوں کو یاد کر لیتے تھے۔ جنہیں یہ لوگ یاد نہیں کرتے تھے۔

تشریح از شیخ زکریا شراح نے اس باب کی غرض یہ بیان فرمائی ہے کہ اب تک علم کی فضیلت و تاکید

مذکور تھی۔ اب اس کے حفظ پر تاکید فرماتے ہیں، لیکن میری رائے یہ ہے کہ یہاں تاکیداً حفظ کے لئے باب نہیں باندھا گیا۔ کیونکہ یہ تاکید تو ما قبل کی احادیث سے بھی مفہوم ہو رہی ہے۔ بلکہ اس باب سے اس حفظ کے اسباب بیان کرتے ہیں اور وہ یہ کہ ہمہ تن علم میں لگ جائے۔ کیونکہ تمام دھندوں کو چھوڑ کر علم میں لگ جانے سے ہی علم آتا ہے۔ جیسے حضرت ابوہریرہؓ کہ حضور اکرم صلعم پر تمام چیزیں قربان کرکے ہمہ تن لگ گئے تھے۔ ان الناس یقولون الخ یعنی لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ ابوہریرہؓ بہت زیادہ روایات بیان کرتے ہیں۔ اس پر آپ نے جواب دیا۔ کہ اگر قرآن کی دو آیتیں جن سے کتمانِ علم کی وعیدیں معلوم ہوتی ہیں نہ ہوتیں تو میں کوئی حدیث بھی بیان نہ کرتا۔ پھر حضرت ابوہریرہؓ نے فرمایا ان اخواننا من المہاجرین یعنی یہ لوگ اعتراض کیوں کرتے ہیں۔ ہم علم میں مشغول رہتے تھے۔ مہاجرین لین دین بازاری میں اور انصار اپنی کنشت (کھیتی) زار میں رہا کرتے تھے۔ پھر وہ حدیثیں کیسے یاد کر لیتے۔ اور یہاں پیٹ بھر روٹی ہی پر پڑے رہتے تھے۔ اور بات بھی یہی تھی۔ کہ حضرت ابوہریرہؓ راتوں کو حدیثیں یاد کرتے تھے حضور اکرم صلعم نے ان سے فرما رکھا تھا کہ وتر پڑھ کر سو جایا کریں۔ وان اباھریرۃ کان یلزم رسول اللہ صلعم الخ عرف عام میں کسی شے کو کثرت سے کرنے کو شبع بطن سے تعبیر کرتے ہیں۔ علماء نے اس کے دو مطلب بیان فرمائے ہیں۔ ایک تو یہ کہ مجھے نہ کسی تنخواہ کی ضرورت تھی اور نہ ہی کسی وظیفہ وغیرہ کی بس روٹی پیٹ بھر کر دوسرے تیسرے دن مل جائے یہ کافی تھی یہ مطلب تو عام ہے۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ میں نے حضور اقدس صلعم کو اس لئے لازم پکڑا تھا۔ کہ پیٹ بھر کر علم حاصل کروں یہ نہیں کہ اس سے غفلت برتوں اور اس کی تائید اس خواب سے ہوتی ہے کہ نبی اکرم صلعم نے خواب دیکھا تھا کہ میں نے پیٹ بھر کر دودھ پیا تو یہاں بھی شبع بطن سے مراد شبع بطن من العلم ہے۔

حدیث نمبر ۱۱۷۔ حَدَّثَنَا اَبُوْمُصْعَبٍ الخ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قُلْتُ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ اِنِّیْ اَسْمَعُ مِنْكَ حَدِیْثًا كَثِیْرًا اَنْسَاهُ قَالَ اُبْسُطْ رِدَاءَكَ فَبَسَطْتُهٗ فَغَرَفَ بِیَدِهٖ ثُمَّ قَالَ ضُمَّ فَضَمَمْتُهٗ فَمَانَسِیْتُ شَیْئًا بَعْدُ حَدَّثَنَا اِبْرَاهِیْمُ ابْنُ الْمُنْذِرِ قَالَ حَدَّثَنَا ابْنُ اَبِیْ فُدَیْكٍ بِهٰذَا اَوْقَالَ فَغَرَفَ بِیَدِهٖ فِیْهِ۔

ترجمہ۔ حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کی یارسول اللہ میں آنجناب سے بہت سی حدیثیں سنتا ہوں جن کو بھول جاتا ہوں آپؐ نے فرمایا اپنی چادر پھیلاؤ میں نے چادر پھیلادی تو آپؐ اپنے دونو ہاتھوں سے چلو بھرا پھر فرمایا کہ اس کو سمیٹ لو میں نے اس چادر کو سینے کے ساتھ لگا لیا اس کے بعد پھر

مجھے کوئی چیز نہیں بھولی۔

تشریح از شیخ زکریاؒ فما نسیت شیئاً بعد الخ یہی روایت کتاب البیوع ص۲۷۵ پر آرہی ہے اور اس میں ہے فمانسیت من مقالۃ رسول اللّٰہ من شیئ روایت الباب کا ظاہر یہ ہے کہ اس دعا کے بعد حضرت ابوہریرہ پھر کچھ نہیں بھولے اور اس کتاب البیوع کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور انور صلعم نے اس وقت جو کچھ ارشاد فرمایا تھا اس میں سے کوئی چیز نہیں بھولے۔ تو دونوں روایتوں میں تعارض ہوگیا تو بعض حضرات نے اسے ایک واقعہ پر محمول کیا ہے۔ لیکن اس پر اشکال ہے کہ دونوں کا سیاق ایک ہے جو توحد واقعہ کو مقتضی ہے لہٰذا میری رائے یہ ہے کہ کتاب البیوع والی روایت من مقالۃ رسول اللّٰہ میں جو من ہے وہ اجلیہ ہے۔ اور مطلب یہ ہے کہ حضور اقدس صلعم کی اس دعا کی برکت کے سبب سے پھر اس کے بعد میں کچھ نہیں بھولا۔ اب جبکہ کتاب البیوع والی روایت کو کتاب العلم والی روایت کی طرف راجع کیا گیا ہے تو اشکال وارد ہوتا ہے کہ حضرت ابوہریرہؓ نے ایک بار حدیث لا یورد ممرض علی مصح بیان کی تو ان کے شاگرد ابو سلمہ نے کہا کہ اب تم یہ کہہ رہے ہو۔ اور اس سے پہلے لا عدوی ولا طیرۃ حدیث بیان فرمائی تھی۔ تو آپ نے فرمایا کہ مجھے یاد نہیں ہے۔ تو یہاں یاد سے نفی کردی۔ محدثین اس روایت کو نسی بعد ما حفظ کی مثال میں پیش فرماتے ہیں۔ اور محدثین یہ بھی فرماتے ہیں کہ حضرت ابوہریرہؓ حضور اقدس صلعم کی دعا کے بعد کوئی روایت نہیں بھولے سوائے اسی حدیث کے بہرحال اس اعتراض کا جواب ان لوگوں کے قول پر جو تعدد واقعہ کے قائل ہیں یہ ہے کہ ممکن ہے یہ روایت حضور اقدس صلعم کے اس مقالہ میں نہ ہو۔ لیکن یہ اس صورت میں ہے۔ جبکہ کتاب العلم کی روایت کو کتاب البیوع کی طرف راجع کیا جائے۔ اور وہ مطلب بیان کیا جائے جو کتاب البیوع کی روایت سے متبادر ہے۔ اور اگر اس کو کتاب العلم کی روایت کی طرف راجع کیا جائے جیسا کہ میرے والد صاحب کی رائے ہے تو اس صورت میں جواب یہ ہوگا کہ یہ کیا ضروری ہے کہ حضرت ابوہریرہؓ ہی بھولے ہوں۔ بلکہ ابو سلمہ جو حضرت ابوہریرہؓ کے شاگرد ہیں۔ خود وہی بھول گئے ہوں کہ انہوں نے یہ حدیث کسی اور سے سنی ہو۔ اور اس کی نسبت حضرت ابوہریرہؓ کی طرف کردی ہو۔ میرے نزدیک زیادہ یہی اقرب ہے۔ اور ایک تیسرا جواب یہ دیا گیا ہے کہ حضرت ابوہریرہؓ روایت بھولے نہیں تھے، بلکہ جب شاگرد کو دیکھا کہ کم فہم ہے اور روایات میں ٹکراؤ کرتا ہے تو انکار کردیا کہ وہ میں نے نہیں بیان کیا تھا۔

حدیث نمبر ۱۱۸ حدثنا ابراہیم ابن المنذر الخ وقال فغرف بیدہ فیہ۔

ترجمہ: کہ آپ نے اپنے ہاتھ سے اس میں چلو بھرا۔ بیدیہ کی بجائے صرف بیدہ کا لفظ ہے اور فیہ کا اضافہ بھی ہے، لیکن مغروف منہ اور مغروف کا ذکر نہیں ہے

حدیث نمبر ۱۱۹ حَدَّثَنَا اِسْمٰعِیْلُ الخ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ حَفِظْتُ مِنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وِعَائَیْنِ فَاَمَّا اَحَدُهُمَا فَبَثَثْتُهٗ وَاَمَّا الْاٰخَرُ فَلَوْ بَثَثْتُهٗ قُطِعَ هٰذَا الْبُلْعُوْمُ۔ قَالَ اَبُوْ عَبْدِ اللّٰهِ اَلْبُلْعُوْمُ مَجْرَی الطَّعَامِ۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے جناب رسول اللہ صلعم سے دو برتن بھر علم کے یاد کئے ہیں ان میں سے ایک کو تو میں نے پھیلا دیا اگر دوسرے قسم کو میں پھیلا دوں تو میرا حلقوم (گلہ) کاٹ دیا جائے۔ امام بخاریؒ فرماتے ہیں بلعوم کا معنی گلہ (حلق) ہے۔

تشریح از شیخ زکریاؒ وعائین میں نے جناب رسول اللہ صلعم سے دو برتن بھر علم یاد کئے اما احدهما فبثثته ان دو برتنوں سے ایک کو میں نے پھیلا دیا۔ یہ علم الحلال والحرام تھا واما الاخر الخ اگر دوسرے برتن کو پھیلا دوں تو یہ بلعوم کاٹ دی جائے۔ قال ابو عبد اللہ الخ ابو عبداللہ سے خود امام بخاریؒ مراد ہیں۔ بلعوم مجری الطعام یعنی حلق کو کہتے ہیں اس کے مصداق میں حضرات محدثین کا اختلاف ہے کہ وہ دوسرا علم کیا ہے؟ علما تصوف کی رائے ہے کہ یہ علم الاسرار وعلم الباطن ہے۔ چونکہ یہ علوم فہم عامہ سے بالاتر ہوتے ہیں اس لئے حضرت ابوہریرہؓ نے انہیں بیان نہیں فرمایا۔ اور علما محدثین کی رائے ہے کہ یہ علم الفتن ہے چنانچہ حضرت ابوہریرہؓ نے اس کی طرف کہیں کہیں اشارہ بھی فرمایا ہے خود بخاری شریف میں حضرت ابوہریرہؓ نے حضور اقدس صلعم کا ارشاد نقل فرمایا هلاک امتی علی یدی غلمة من قریش کہ میری امت کی ہلاکت قریش کے لڑکوں کے ہاتھ پر ہوگی اور فرمایا لو شئت ان اقول بنی فلان وبنی فلان لفعلت۔ اور حضرت ابوہریرہؓ سے بعض روایات میں یہ دعا منقول ہے کہ اے اللہ مجھے ۶۰ھ سے پہلے پہلے اٹھالے اسی ۶۰ھ میں یزید بن معاویہ کی حکومت قائم ہوئی۔ ایک بار کسی صحابی نے حدیث بیان کی کہ ایک بادشاہ سکون ملک من بنی قحطان میں سے ہوگا، تو حضرت معاویہؓ نے منبر پر چڑھ کر فرمایا کہ جو لوگ ایسی ایسی حدیثیں بیان کرتے ہیں وہ سمجھ لیں کہ لوگ ایسی روایات جو الائمة من قریش کے خلاف ہیں اس لئے بیان کرتے ہیں تاکہ امارت میرے ہاتھوں سے چھن جائے۔ حالانکہ روایت صحیح ہے اور قرب قیامت کے متعلق ہے۔

اب یہاں اشکال یہ ہے کہ حضرت ابوہریرہؓ نے جان کے خوف سے کتمان علم کیوں فرمایا اس کا جواب

یہ ہے کہ چونکہ یہ علوم علوم الاحکام. علوم الحلال والحرام نہیں ہیں جس سے غرض عامہ متعلق ہو. لہٰذا یہ اس کے متعلق نہیں ہے بلکہ یہ علم ان کی افہام سے بالاتر ہے. اب مثلاً علم الاسرار ہے. اس کے متعلق ایسے شخص سے بیان کرنا جو اس سے ناواقف ہو ایسا ہی ہے جیسا کہ بچہ باپ سے پوچھے کہ شادی کس لئے کی جاتی ہے اسی لئے علمائے سلوک نے لکھا ہے. کہ عوام کے سامنے تصوف کے حقائق وغیرہ کا افشاء نہ کیا جائے حضرت ابوہریرہؓ کی دعا یہ تھی. اعوذ باللّٰہ من راس الستین وامارۃ الصبیان جس سے امارت یزید بن معاویہ کی طرف اشارہ تھا. چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا قبول فرمائی کہ یزید کی امارت سے ایک سال پہلے ان کا انتقال ہو گیا

بَابُ الْاِنْصَاتِ لِلْعُلَمَاءِ

باب ہے کہ علماء کے سامنے خاموش بیٹھنا چاہیئے۔

حدیث نمبر ۱۲۰ حَدَّثَنَا حَجَّاجٌ الخ عَنْ جَرِيْرٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَهٗ فِيْ حَجَّةِ الْوَدَاعِ اسْتَنْصِتِ النَّاسَ فَقَالَ لَا تَرْجِعُوْا بَعْدِيْ كُفَّارًا يَضْرِبُ بَعْضُكُمْ رِقَابَ بَعْضٍ۔ (الحدیث)

ترجمہ، حضرت جریر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حجۃ الوداع کے موقعہ پر جناب نبی اکرم صلعم نے ان سے فرمایا کہ لوگوں کو چپ کراؤ. پھر فرمایا میرے بعد کفر کی طرف نہ لوٹ جانا کہ ایک دوسرے کی گردنیں کاٹنے لگو

تشریح از شیخ مدنیؒ کتاب الآداب میں ہے کہ آنجناب رسول اللہ صلعم نے حضرت ابن عباسؓ سے فرمایا کہ جب تم کسی قوم پر داخل ہو تو جب تک وہ اپنی گفتگو ختم نہ کرلیں تم ان کی بات کاٹ کر گفتگو نہ شروع کرو. مصنفؒ فرماتے ہیں کہ یہ حکم عام نہیں ہے. بلکہ بعض اوقات جبکہ نفع عمومی ہو. تو قطع کلام کرنا جائز ہے جیسے حجۃ الوداع میں ہوا. یضرب بعضکم الخ کیونکہ اسلام سلم وصلح وآشتی کا نام ہے اس لئے یہاں تشبیہ بلیغ ہوگی کہ لا ترجعوا بعدی مثل الکفار اور دوسری توجیہ یہ ہے کہ آپؐ نے اس کو حقیقت پر محمول کیا ہے. کہ مومن کے قتل کو حلال سمجھنے والا کافر ہو جائے گا. سباب المسلم فسوق وقتالہ کفر

تشریح از شیخ زکریاؒ بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ ترجمۃ الباب سے ادب بیان کرنا ہے کہ متعلم کو چاہیئے کہ استاذ کے سامنے ادب سے خاموش رہے اور بعض علماء کی رائے ہے کہ طریق حفظ بیان کر رہے ہیں کہ علم کس طرح محفوظ کیا جاتا ہے. اور کس طور پر حاصل ہوتا ہے. علم حاصل کرنے کی صورت یہ ہے کہ جب استاذ کچھ بیان کرے تو پوری توجہ کے ساتھ اس کی باتوں کو سنے تاکہ کوئی بات سننے سے باقی نہ رہے. اور بعض کی

رائے ہے کہ بعض روایات میں ہے لا تقطع علی الناس کلامھم تو اس سے انصات کی مخالفت معلوم ہوتی تھی۔ تو امام بخاریؒ نے تنبیہ فرما دی کہ اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ بلا ضرورت کسی کے کلام کو قطع نہ کیا جائے اور کسی علم کے واسطے خاموش کرنا اس کے اندر داخل نہیں اور بشروا و لا تنفروا کے بھی خلاف نہیں بلکہ اگر عالم کوئی بات کہہ رہا ہو۔ تو لوگوں کو اس کے سننے کے لئے خاموش کیا جا سکتا ہے اس سے اجلال العلماء معلوم ہوا اور باب کی غرض تعظیم علماء ہوئی۔ قال له فی حجة الوداع شراح کی رائے یہ ہے کہ یہاں پر حَوْلَهٗ آیا ہے یہ غلط ہے کیونکہ یہ ضمیر حضرت جریرؓ کی طرف راجع ہے۔ اور وہ حضور اقدس صلعم کی دفات کے قریب دو ماہ قبل مسلمان ہوئے لہٰذا حجۃ الوداع میں موجود نہیں ہو سکتے تو حافظؒ فرماتے ہیں کہ یہاں یہ مروی ہے کہ حضرت جریرؓ حضور اکرم صلعم کی وفات سے دو ماہ قبل اسلام لائے ہیں وہاں یہ بھی مروی ہے کہ وہ رمضان سنہ ھ میں اسلام لائے تھے۔ نیز بخاری ہی میں صل ۶۳ پر ایک حدیث آرہی ہے۔ اس میں بجائے له کے لجریر واقع ہوا ہے۔ استنصت الناس لوگوں کو خاموش کردو۔ یہی مقصود بالترجمہ ہے فقال لا ترجعوا بعدی کفارا تو حضور اقدس صلعم نے ارشاد فرمایا کہ میرے بعد کافروں کے مثل مت ہو جانا کہ ایک دوسرے کی گردن کاٹتے پھرو جس طرح وہ آپس میں کرتے ہیں۔ قال محمد صدق رسول اللہ صلعم اس کا ایک مطلب یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ حضور اکرم صلعم نے بالکل درست فرمایا کہ ہم نے خوب خوب خونریزیاں کیں۔ تو اس صورت میں دوسرا جملہ پہلے کے لئے بیان ہوگا۔ وجہ شبہ بیان ہوئی کہ کافروں کی طرح ایک دوسرے کی گردنیں نہ کاٹنا۔

بَاب مَا يُسْتَحَبُّ لِلْعَالِمِ إِذَا سُئِلَ أَيُّ النَّاسِ أَعْلَمُ فَيَكِلُ الْعِلْمَ إِلَى اللهِ تَعَالَى۔

ترجمہ باب۔ عالم کے لئے مستحب ہے کہ جب اس سے پوچھا جائے کہ لوگوں میں سب سے زیادہ علم والا کون ہے۔ تو اس علم کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کرنا چاہیئے۔

حدیث نمبر ۱۲۱ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ الْمُسْنَدِيُّ الخ قُلْتُ لِابْنِ عَبَّاسٍ إِنَّ نَوْفًا الْبَكَالِيَّ يَزْعُمُ أَنَّ مُوسٰى لَيْسَ مُوسٰى بَنِيْ إِسْرَائِيْلَ إِنَّمَا هُوَ مُوسٰى آخَرُ فَقَالَ كَذَبَ عَدُوُّ اللهِ حَدَّثَنَا أُبَيُّ بْنُ كَعْبٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ قَامَ مُوسَى النَّبِيُّ خَطِيْبًا فِيْ بَنِيْ إِسْرَائِيْلَ فَسُئِلَ أَيُّ النَّاسِ أَعْلَمُ فَقَالَ أَنَا أَعْلَمُ فَعَتَبَ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ عَلَيْهِ إِذْ لَمْ يَرُدَّ الْعِلْمَ إِلَيْهِ فَأَوْحَى اللهُ إِلَيْهِ أَنَّ عَبْدًا مِّنْ عِبَادِيْ بِمَجْمَعِ الْبَحْرَيْنِ هُوَ

اَعْلَمُ مِنْكَ قَالَ يَارَبِّ وَكَيْفَ بِهٖ فَقِيْلَ لَهٗ اِحْمِلْ حُوْتًا فِيْ مِكْتَلٍ فَاِذَا فَقَدْتَّهٗ فَهُوَ ثَمَّ
فَانْطَلَقَ وَانْطَلَقَ مَعَهٗ بِفَتَاهُ يُوْشَعَ بْنِ نُوْنٍ وَّحَمَلَا حُوْتًا فِيْ مِكْتَلٍ حَتّٰى كَانَا عِنْدَ الصَّخْرَةِ
وَضَعَا رُءُوْسَهُمَا فَنَامَا فَانْسَلَّ الْحُوْتُ مِنَ الْمِكْتَلِ فَاتَّخَذَ سَبِيْلَهٗ فِي الْبَحْرِ سَرَبًا وَّكَانَ
لِمُوْسٰى وَفَتَاهُ عَجَبًا فَانْطَلَقَا بَقِيَّةَ لَيْلَتِهِمَا وَيَوْمِهِمَا فَلَمَّا اَصْبَحَ قَالَ مُوْسٰى لِفَتَاهُ اٰتِنَا
غَدَآءَنَا لَقَدْ لَقِيْنَا مِنْ سَفَرِنَا هٰذَا نَصَبًا وَّلَمْ يَجِدْ مُوْسٰى مَسًّا مِّنَ النَّصَبِ حَتّٰى جَاوَزَ
الْمَكَانَ الَّذِيْ اُمِرَ بِهٖ فَقَالَ لَهٗ فَتَاهُ اَرَاَيْتَ اِذْ اَوَيْنَا اِلَى الصَّخْرَةِ فَاِنِّيْ نَسِيْتُ
الْحُوْتَ قَالَ مُوْسٰى ذٰلِكَ مَا كُنَّا نَبْغِ فَارْتَدَّا عَلٰى اٰثَارِهِمَا قَصَصًا فَلَمَّا انْتَهَيَا اِلَى الصَّخْرَةِ
اِذَا رَجُلٌ مُّسَجًّى بِثَوْبٍ اَوْ قَالَ تَسَجّٰى بِثَوْبِهٖ فَسَلَّمَ مُوْسٰى فَقَالَ الْخَضِرُ وَاَنّٰى بِاَرْضِكَ
السَّلَامُ فَقَالَ اَنَا مُوْسٰى فَقَالَ مُوْسٰى بَنِيْ اِسْرَآئِيْلَ قَالَ نَعَمْ قَالَ هَلْ اَتَّبِعُكَ عَلٰى اَنْ
تُعَلِّمَنِيْ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا قَالَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا يٰمُوْسٰى اِنِّيْ عَلٰى عِلْمٍ مِّنْ عِلْمِ
اللّٰهِ عَلَّمَنِيْهِ لَا تَعْلَمُهٗ اَنْتَ وَاَنْتَ عَلٰى عِلْمٍ عَلَّمَكَهُ اللّٰهُ لَا اَعْلَمُهٗ قَالَ سَتَجِدُنِيْ اِنْ شَآءَ
اللّٰهُ صَابِرًا وَّلَا اَعْصِيْ لَكَ اَمْرًا فَانْطَلَقَا يَمْشِيَانِ عَلٰى سَاحِلِ الْبَحْرِ لَيْسَ لَهُمَا سَفِيْنَةٌ
فَمَرَّتْ بِهِمَا سَفِيْنَةٌ فَكَلَّمُوْهُمْ اَنْ يَّحْمِلُوْهُمَا فَعُرِفَ الْخَضِرُ فَحَمَلُوْهُمَا بِغَيْرِ نَوْلٍ
فَجَآءَ عُصْفُوْرٌ فَوَقَعَ عَلٰى حَرْفِ السَّفِيْنَةِ فَنَقَرَ نَقْرَةً اَوْ نَقْرَتَيْنِ فِي الْبَحْرِ فَقَالَ
الْخَضِرُ يٰمُوْسٰى مَا نَقَصَ عِلْمِيْ وَعِلْمُكَ مِنْ عِلْمِ اللّٰهِ تَعَالٰى اِلَّا كَنَقْرَةِ هٰذِهِ الْعُصْفُوْرِ
فِي الْبَحْرِ فَعَمَدَ الْخَضِرُ اِلٰى لَوْحٍ مِّنْ اَلْوَاحِ السَّفِيْنَةِ فَنَزَعَهٗ فَقَالَ مُوْسٰى قَوْمٌ حَمَلُوْنَا
بِغَيْرِ نَوْلٍ عَمَدْتَّ اِلٰى سَفِيْنَتِهِمْ فَخَرَقْتَهَا لِتُغْرِقَ اَهْلَهَا قَالَ اَلَمْ اَقُلْ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ
مَعِيَ صَبْرًا قَالَ لَا تُؤَاخِذْنِيْ بِمَا نَسِيْتُ وَلَا تُرْهِقْنِيْ مِنْ اَمْرِيْ عُسْرًا قَالَ فَكَانَتِ الْاُوْلٰى
مِنْ مُّوْسٰى نِسْيَانًا فَانْطَلَقَا فَاِذَا غُلَامٌ يَّلْعَبُ مَعَ الْغِلْمَانِ فَاَخَذَ الْخَضِرُ بِرَاْسِهٖ مِنْ
اَعْلَاهُ فَاقْتَلَعَ رَاْسَهٗ بِيَدِهٖ فَقَالَ مُوْسٰى اَقَتَلْتَ نَفْسًا زَكِيَّةً بِغَيْرِ نَفْسٍ قَالَ اَلَمْ
اَقُلْ لَّكَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا قَالَ ابْنُ عُيَيْنَةَ وَهٰذَا اَوْكَدُ فَانْطَلَقَا حَتّٰى
اِذَا اَتَيَا اَهْلَ قَرْيَةِ ِۨاسْتَطْعَمَا اَهْلَهَا فَاَبَوْا اَنْ يُّضَيِّفُوْهُمَا فَوَجَدَا فِيْهَا جِدَارًا يُّرِيْدُ
اَنْ يَّنْقَضَّ قَالَ الْخَضِرُ بِيَدِهٖ فَاَقَامَهٗ فَقَالَ لَهٗ مُوْسٰى لَوْ شِئْتَ لَاتَّخَذْتَ عَلَيْهِ اَجْرًا

قَالَ هٰذَا فِرَاقُ بَيْنِيْ وَبَيْنِكَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَرْحَمُ اللّٰهُ مُوْسٰى لَوَدِدْنَا لَوْصَبَرَ حَتّٰى يُقَصَّ عَلَيْنَا مِنْ اَمْرِهِمَا قَالَ مُحَمَّدُ بْنُ يُوْسُفَ ثَنَابِهٖ عَلِيُّ بْنُ خَشْرَمٍ قَالَ ثَنَا سُفْيَانُ ابْنُ عُيَيْنَةَ بِطُوْلِهٖ۔ (الحدیث)

ترجمہ، سعید بن جبیرؒ تابعی فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے عرض کی کہ نوف بکالی کہتا ہے کہ موسیٰ موسیٰ بنی اسرائیل نہیں بلکہ وہ دوسرا موسیٰ تھا۔ تو حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ اس اللہ کے دشمن جھوٹ کہا ہمیں حضرت ابی بن کعبؓ نے جناب نبی اکرم صلعم سے حدیث بیان فرمائی۔ کہ ایک دن موسیٰ نبی اللہ بنی اسرائیل میں خطبہ دینے کے لئے کھڑے ہوئے تو ان سے پوچھا گیا کہ لوگوں میں سے زیادہ علم والا کون ہے فرمایا میں زیادہ جاننے والا ہوں۔ اللہ بلند و برتر ناراض ہوئے کہ انہوں نے علم کو اللہ تعالیٰ کی طرف نہیں لوٹایا۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی بھیجی کہ مجمع البحرین میں میرے بندوں میں سے ایک بندہ ایسا ہے جو تم سے زیادہ علم والا ہے۔ تو موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ اے میرے رب! میں اس کی طرف کیسے پہنچ سکتا ہوں۔ تو ان سے کہا گیا کہ آپ زنبیل میں مچھلی اٹھائیں تو جب آپ اس مچھلی کو گم پائیں تو وہاں وہ اللہ کا بندہ ہوگا۔ چنانچہ وہ اپنے خادم یوشع بن نون کو ساتھ لے کر چل پڑے اور زنبیل میں مچھلی بھی اٹھائی۔ یہاں تک جب وہ دونو صخرہ کے پاس پہنچے تو سر رکھتے ہی دونو کو نیند آگئی مچھلی زنبیل سے کھسک کر اس نے سمندر میں راستہ بنا لیا جو موسیٰ علیہ السلام اور ان کے خادم کے لئے تعجب کا باعث بنا چنانچہ یہ دونو حضرات دن رات چلتے رہے۔ جب صبح ہوئی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے خادم سے فرمایا کہ ناشتہ لاؤ ہمیں اس سفر سے بڑی تھکاوٹ محسوس ہوئی ہے۔ حالانکہ موسیٰ علیہ السلام کو اس سے پہلے کبھی ایسی تھکاوٹ لاحق نہیں ہوئی تھی۔ یہاں تک اس مکان سے آگے بڑھ گئے جس کا ان کو حکم دیا گیا تھا۔ تو خادم نے آپ سے عرض کی کہ جب ہم صخرہ کے پاس آرام کر رہے تھے تو مجھے مچھلی کا عجیب واقعہ بھول گیا۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا وہی تو ہمارا مقصود تھا چنانچہ دونوں الٹے پاؤں اپنے نشان قدم پر واپس لوٹے جب صخرہ کے پاس پہنچے تو وہاں ایک کپڑے میں لپٹا ہوا آدمی پایا موسیٰ علیہ السلام نے سلام کہا تو خضر علیہ السلام نے فرمایا کہ اس زمین میں سلام کیسا؟ یہ سلام تو عجیب ہے موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ میں موسیٰ ہوں فرمایا موسیٰ بنی اسرائیل فرمایا ہاں تو موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ کیا میں اس شرط پر آپ کا اتباع کر سکتا ہوں کہ جو علم آپ کو سکھلایا گیا ہے وہ علم آپ مجھے سکھلائیں فرمایا آپ میرے ساتھ صبر نہیں کر سکتے کیونکہ اے موسیٰ! کہ مجھے اللہ تعالیٰ ایک ایسا علم سکھایا ہے جس کو آپ نہیں جانتے

اور آپ کو اللہ تعالیٰ ایسا علم شریعت عطا فرمایا جو میں نہیں جانتا جس پر موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ انشاء اللہ آپ مجھے صابر پائیں گے۔ میں آپ کی کسی معاملہ میں نافرمانی نہیں کروں گا۔ چنانچہ دونو حضرات سمندر کے کنارے کنارے چلے کہ ان کے پاس کشتی نہیں تھی۔ پس ایک کشتی ان کے پاس سے گذری کشتی والوں سے ان حضرات نے اپنے سوار کرنے کے لیے گفتگو کی جنہوں نے خضر علیہ السلام کو پہچان لیا اور بغیر اجرت کے ان دونو کو کشتی میں سوار کر لیا۔ اچانک ایک چڑیا کشتی کے ایک کونے پر آکر بیٹھی اور سمندر سے ایک یا دو چونچ پانی لیا۔ جس پر خضر علیہ السلام نے فرمایا کہ اے موسیٰ علیہ السلام آپ کے اور میرے علم نے اللہ تعالیٰ کے علم میں کوئی کمی نہیں کی مگر جس قدر اس چڑیا نے سمندر سے اپنی چونچ میں پانی لیا ہے۔ خضر علیہ السلام نے کشتی کا ایک تختہ کھینچ لیا جس پر موسیٰ علیہ السلام بول پڑے کہ ان لوگوں نے بغیر کرایہ کے ہمیں کشتی میں سوار کیا۔ آپ ان کی کشتی میں سوراخ کر کے ان کو غرق کرنا چاہتے ہیں۔ کیا یہی احسان کا بدلہ ہے۔ خضر علیہ السلام نے فرمایا کہ کیا میں نے کہا نہیں تھا کہ آپ میرے ساتھ صبر نہیں کر سکیں گے۔ موسیٰ علیہ السلام فرمانے لگے کہ میری بھول چوک پر آپ گرفت نہ فرمائیں اور میرے معاملہ میں تنگی کر کے مجھے تکلیف نہ پہنچائیں۔ راوی فرماتے ہیں کہ یہ پہلی خلاف ورزی حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بھول چوک کی وجہ سے ہوئی تھی۔ پھر دونو چل پڑے دیکھتے کیا ہیں کہ ایک لڑکا لڑکوں کے ساتھ کھیل رہا ہے خضر علیہ السلام نے اوپر سے اس کے سر کو پکڑا اور اپنے ہاتھ سے اس کے سر کو اکھیڑ لیا۔ موسیٰ علیہ السلام بولے آپ نے ایک پاک جی کو بغیر کسی جی کے بدلے قتل کر دیا۔ خضر علیہ السلام بولے کیا میں نے کہا نہیں تھا کہ آپ میرے ساتھ صبر نہیں کر سکتے۔ ابن عیینہ محدث فرماتے ہیں کہ اب کی بار خضر علیہ السلام نے لک کا لفظ بڑھا کر زیادہ تاکید سے فرمایا۔ بہر حال دونو حضرات پھر چل پڑے۔ ایلہ یا انطاکیہ کی بستی میں پہنچے وہاں کے باشندوں سے کھانا طلب کیا۔ جنہوں نے مہمان بنانے سے انکار کر دیا۔ انہوں نے اس بستی میں ایک گرتی ہوئی دیوار کو اپنے ہاتھ سے سیدھا کر دیا تاکہ گرنے سے بچ جائے تو موسیٰ علیہ السلام فرمانے لگے کہ کاش آپ لوگوں سے اجرت لے لیتے تو ہمارا کھانے کا انتظام ہو جاتا خضر علیہ السلام نے فرمایا بس یہی آپ کا اور میری جدائی کا وقت ہے۔ حضرت نبی اکرم صلعم نے فرمایا اللہ تعالےٰ موسیٰ علیہ السلام پر رحم فرمائے ہماری خواہش تھی کہ اگر موسیٰ علیہ السلام تھوڑا اور صبر کر لیتے تو ہمیں ان دونو کے مزید حالات معلوم ہو جاتے

تشریح از شیخ مدنیؒ۔ باری تعالیٰ ارشاد ہے وما اوتیتم من العلم الا قلیلاً جس میں خطاب عام ہے۔ بنابریں کوئی شخص اپنے آپ کو اعلم نہ کہے۔ ہاں عند الضرورت اجازت ہے۔ بلا ضرورت کسی کو یہ لفظ نہ

کہنا چاہیئے۔ باری تعالیٰ کی صفات کمالیہ میں سے صفت علم بالذات ہے۔ جب اس کا پرتو کسی پر پڑتا ہے۔ تو اس میں
بھی علو پیدا ہو جاتا ہے۔ پھر غلطی سے انسان علو کا دعویٰ کر بیٹھتا ہے۔ اگر خود اپنے آپ کو عالی نہ کہے تو دنیا
اسے عالی کہے گی جب کہ اس نے اپنے آپ کو مٹا دیا۔ کیونکہ جب وجود اصلی نہیں تو یہ شعبے کیسے اصلی ہوں گے
الحاصل انسان کو علم پر کبر اور گھمنڈ ہو جاتا ہے۔ یہ غلط چیز ہے مصنفؒ اسی کو رد کر رہے ہیں کہ اگر سوال کیا جائے
کہ اعلم الناس کون ہے۔ تو اپنے آپ کو نہیں کہنا چاہیئے۔ اسی طرح اگر سوال نہ کیا جائے تب بھی اپنے آپ کو
عالی نہ سمجھنا چاہیئے بزرجمہر کے پاس ایک بڑھیا آئی۔ اس نے کوئی سوال پوچھا بزرجمہر نے کہا کہ مجھے معلوم نہیں
تو بڑھیا نے کہا کہ تو کاہے کی تنخواہ لیتا ہے تو اس نے کہا کہ اگر بادشاہ میرے جہل کی تنخواہ دیتا تو اس کے خزانے
ختم ہو جاتے یہ جو تھوڑی بہت تنخواہ ملتی ہے یہ اس تھوڑے سے علم کی وجہ سے ملتی ہے اس سے پہلے جو واقعہ
بیان کیا گیا ہے اس میں موسیٰؑ اور ان کے ساتھی کا تذکرہ تھا۔ یہاں نوف بکالی موسیٰ سے موسیٰ آخر مراد لیتے
ہیں مگر ابن عباسؓ غیظ وغضب کی حالت میں اس سے کہتے ہیں کہ کذب عدو اللہ ۔ فاذا فقدتہ فھو
ثمّ اور پہلے فرمایا گیا فارجع تو تطبیق اس طرح ہوگی کہ فقدان مچھلی کا تو صخرہ پر ہوا اور جب فقدان کا علم
ہوا تو وہاں سے لوٹو اور تلاش کرو وہاں وہ مل جائیں گے۔ اور ممکن ہے کہ دونوں جگہ علم بالفقدان مراد ہو۔
کہ جب علم بالفقدان ہو تو وہاں سے لوٹو اس کے قریب تمہیں خضرؑ مل جائیں گے۔ کان لموسیٰ وفتاہ عجبًا
کہ جب وہ مچھلی زندہ ہو گئی اور زنبیل سے نکل کر دریا میں چلی گئی بقیۃ لیلتھما ویومھما تو تھاہی اور
یومھما کا بعض تھا ان دونوں کو ایک قرار دے کر بقیۃ کی اضافت ان کی طرف کر دی گئی۔ اور بعض نے کہا کہ
یومھما منصوب ہے بقیۃ پر اس کا عطف ہے فقال ان موسیٰ الخ یہ جواب اسلوب حکیم کے طور پر ہے
سوال یہ تھا کہ اس زمین پر سلام کیسا جبکہ یہاں کوئی مسلم نہیں رہتا۔ تو غیر حقیقی جواب دیا۔ بلکہ سوال یوں کرنا
چاہیئے تھا کہ سلام کرنے والا کون ہے قال موسیٰ بنی اسرائیل قال نعم اس سے نوف بکالی کا جواب
ہو گیا فانطلق یمشی اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت یوشعؑ کو رخصت کر دیا گیا لیکن ممکن ہے کہ اصل کا
ذکر کیا ہو تابع کا ذکر تبعًا ہو گیا۔ ما نقص علمی وعلمک الخ حالانکہ علم باری تعالیٰ تو کبھی ناقص نہیں ہوتا
تو تشبیہ پوری نہ ہوئی کیونکہ چڑیا کی چونچ میں دریا سے تو کوئی چیز نکل گئی۔ مگر باری تعالیٰ کے علم سے تو کوئی چیز
ناقص نہیں ہوئی۔ ایسے باطنی امور غیبیہ کا حال ہے۔ اس لئے لیس کمثلہ نتیجہ فرمایا گیا کیونکہ وہاں تشبیہ
پوری نہیں ہوتی ۔

تشریح از شیخ زکریاؒ ۔ باب کی روایت گذر چکی البتہ ترجمۃ الباب پر کلام باقی ہے ۔ باب کا مطلب اور غرض یہ ہے کہ جب کسی سے پوچھا جائے کہ کون اعلم ہے تو اللہ اعلم یا فوق کل ذی علم علیم کہہ دے یہ نہ کہے کہ لوگوں کی نظر مجھ پر پڑتی ہے ۔ جیسے کسی گیدڑی سے اس کے بچے نے پوچھا کہ اماں پری کیسے کہیں ؟ تو اس نے کہا چپ چپ لوگوں کی نگاہ مجھ ہی پر ہے ۔ اور بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ چونکہ علماً میں کبر زیادہ ہوتا ہے اس لئے حضرت امام بخاریؒ متنبہ فرماتے ہیں کہ اپنے آپ کو بڑا علامہ نہ سمجھے جبکہ اللہ تعالیٰ نے اتنے بڑے نبی کے متعلق یہ پسند نہیں فرمایا کہ وہ اپنے آپ کو اعلم کہیں تو اوروں کا کیا منہ ہے ۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دے فوقع علی حرف السفینۃ الخ شراح کی رائے ہے کہ یہاں او شک کے لئے ہے اور میرے والد صاحبؒ فرماتے تھے کہ نقرۃ اور نقرتین میں او تنویع کے لئے ہے ۔ اور نقرتین سے دو علم مراد ہیں ۔ ایک علم موسیٰ علیہ السلام کا دوسرا خضر علیہ السلام کا ۔

باب مَنْ سَأَلَ وَهُوَ قَائِمٌ عَالِمًا جَالِسًا ۔

ترجمہ ۔ باب اس شخص کے بارے میں جو کھڑے ہو کر بیٹھے ہوئے عالم سے سوال کرے ۔

حدیث نمبر ۱۲۲ حَدَّثَنَا عُثْمَانُ الخ عَنْ أَبِي مُوسَى قَالَ جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ مَا الْقِتَالُ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ فَإِنَّ أَحَدَنَا يُقَاتِلُ غَضَبًا وَّ يُقَاتِلُ حَمِيَّةً فَرَفَعَ إِلَيْهِ رَأْسَهُ قَالَ وَمَا رَفَعَ إِلَيْهِ رَأْسَهُ إِلَّا أَنَّهُ كَانَ قَائِمًا فَقَالَ مَنْ قَاتَلَ لِتَكُونَ كَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا فَهُوَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ (الحدیث)

ترجمہ ، حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ فرماتے ہیں کہ ایک آدمی جناب نبی اکرم صلعم کی خدمت میں حاضر ہوا ۔ اور کہنے لگا یا رسول اللہ قتال فی سبیل اللہ کیا ہے کیونکہ ہم میں سے کوئی محض غصہ اور غضب کی وجہ سے لڑتا ہے ۔ کوئی اپنی قومی غیرت کی وجہ سے لڑتا ہے ۔ تو آپؐ نے اس کی طرف سر اٹھایا ۔ راوی فرماتے ہیں کہ سر اس لئے اٹھایا کہ وہ سائل کھڑا ہوا تھا ۔ فرمایا جو شخص صرف اس لئے لڑتا ہے کہ صرف کلمۃ اللہ ہی بلند ہو ۔ تو یہ جہاد فی سبیل اللہ ہے الخ

تشریح از شیخ مدنیؒ اس باب سے مقصد یہ ہے کہ برکت اور ادب سے بیٹھ کر عالم سے سوال کرنا ضروری نہیں بلکہ عالم سے کھڑے ہو کر بھی سوال کیا جا سکتا ہے ۔ حمیۃ کسی چیز پر انسان کو اپنے محرمات کی حفاظت کے لئے غیرت آجانا ۔ قال الخ اس کا فاعل اگر ابو موسیٰ اشعریؓ ہے تو اس حال کا استحضار مقصود ہے ۔ اور

ما رفع رأسه جواب سوال ہے کہ کیوں رفع رأسه۔ اگر یہ قول تلمیذ ابو موسیٰ کا ہے۔ تو پھر ترجمۃ الباب سے مطابقت ضروری معلوم نہیں ہوتی۔ کیونکہ ممکن ہے جس وقت سائل نے سوال کیا ہو تو آپؐ سر نیچے کرکے بیٹھے ہوں۔ غالباً مصنفؒ نے اسے حضرت ابو موسیٰؓ کا مقولہ قرار دیا ہے۔ کلمۃ اللہ ای کلمۃ الاخلاص وھو لا الٰہ الا اللہ۔

تشریح از شیخ زکریاؒ یوں فرماتے ہیں کہ اگر کوئی کھڑے کھڑے کسی بیٹھے ہوئے عالم سے مسئلہ دریافت کرے تو جائز ہے۔ اور بعض علماء کی رائے ہے کہ پہلے باب میں بروک عند المحدث گذرا ہے۔ اور اس میں حضرت عمرؓ کی روایت فبرک عمرؓ علی رکبتیہ بھی گذری ہے۔ تو امام بخاریؒ نے یہاں یہ باب ذکر فرما کر اشارہ کر دیا کہ بروک عند المحدث واجب نہیں بلکہ ادب اور مستحب ہے۔ لہٰذا اگر ضرورت پڑنے پر کھڑے کھڑے مسئلہ پوچھ لیا جائے۔ تو کوئی حرج نہیں۔ اور بعض علماء فرماتے ہیں کہ چونکہ روایات میں اس پر وعید وارد ہے۔ کہ کوئی بیٹھا ہو اور لوگ اس کے پاس کھڑے ہوں چنانچہ ارشاد ہے لا تقوموا کما یقوم الاعاجم یعظم بعضہا بعضًا تو امام بخاریؒ نے اس ممانعت سے اس کو مستثنیٰ فرما دیا۔

بَابُ السُّؤَالِ وَالْفُتْيَا عِنْدَ رَمْيِ الْجِمَارِ

ترجمہ باب کہ عالم سے سوال اور فتویٰ رمی جمار یعنی عبادت کے وقت بھی کیا جا سکتا ہے۔

حدیث نمبر ۱۲۳ حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ الخ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عِنْدَ الْجَمْرَةِ وَهُوَ يُسْأَلُ فَقَالَ رَجُلٌ يَا رَسُولَ اللّٰهِ نَحَرْتُ قَبْلَ أَنْ أَرْمِيَ فَقَالَ ارْمِ وَلَا حَرَجَ قَالَ آخَرُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ حَلَقْتُ قَبْلَ أَنْ أَنْحَرَ قَالَ انْحَرْ وَلَا حَرَجَ فَمَا سُئِلَ عَنْ شَيْءٍ قُدِّمَ وَلَا أُخِّرَ إِلَّا قَالَ افْعَلْ وَلَا حَرَجَ۔ (الحدیث)

ترجمہ۔ حضرت عبداللہ بن عمروؓ فرماتے ہیں کہ میں نے جناب نبی اکرم صلعم کو جمرات کے پاس دیکھا کہ آپؐ سے پوچھا جا رہا تھا چنانچہ ایک آدمی نے کہا یا رسول اللہ میں نے کنکری پھینکنے سے پہلے قربانی کر لی آپؐ نے فرمایا کنکری پھینکو کوئی حرج نہیں ہے دوسرے نے کہا کہ یا رسول اللہ میں نے قربانی کرنے سے پہلے سر منڈوا لیا آپؐ نے فرمایا قربانی کرو کوئی حرج نہیں ہے غرضیکہ جس چیز کے متعلق پوچھا گیا جو آگے پیچھے کی گئی تھی تو آپؐ نے فرمایا کرو کوئی حرج نہیں۔

تشریح از شیخ مدنیؒ یہاں سے یہ ثابت کرنا ہے کہ اگر سائل اور مسئول عنہ دونوں کھڑے ہوں تو بھی

سوال کرنا اور علم حاصل کرنا جائز ہے۔ اور اشتغال خاطر کے وقت جبکہ عبادت ادا کی جارہی ہو اور ازدحام ہو اس وقت بھی سوال کرنا جائز ہے۔

تشریح از شیخ زکریاؒ یعنی رمی جمار کے وقت سوال کرنا اور فتویٰ پوچھنا جائز ہے۔ اور بعض کی رائے ہے کہ چونکہ حدیث میں ہے انما السعی والرمی والطواف لذکر اللہ الحدیث اس سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ رمی کے وقت سوال نہ کرے اور فتویٰ نہ پوچھے کیونکہ یہ مخل بالذکر ہوگا۔ اس لئے امام بخاریؒ نے تنبیہ فرمادی کہ ایسے وقت بھی سوال اور فتیا جائز ہے۔ میری رائے یہ ہے کہ ترجمۃ الباب کی یہ غرض اس باب کے زیادہ مناسب ہے جو صـ۲۳۴ پر آرہا ہے۔ اور وہاں پر امام بخاریؒ نے یہی حدیث دوبارہ ذکر فرمائی ہے اس لئے کہ اگر یہاں کتاب العلم میں یہ غرض مان لی جائے۔ تو اس وقت یہ مسئلہ کتاب الحج کا ہوجائے گا۔ کتاب العلم کا نہ رہے گا۔ چونکہ کتاب الحج میں یہ مسئلہ مستقل آرہا ہے اس لئے پھر وہ مکرر ہوجائے گا۔ اس لئے میری رائے یہ ہے کہ امام بخاریؒ ابوداؤد شریف کی حدیث انما السعی والرمی الخ پر بحیثیت کتاب العلم کے تنبیہ فرمارہے ہیں کہ علم کا مرتبہ ذکر اللہ سے مقدم ہے۔ لہٰذا اگر کوئی رمی جمار وغیرہ کے وقت مسئلہ پوچھے تو ذکر قطع کرکے جواب دیدے بعض جاہل صوفیا کی طرح نہیں کہ سورج تو طلوع ہورہا ہے اور وہ اپنے اوراد میں مشغول ہیں اب اگر ان سے کوئی وقت پوچھتا ہے۔ تو زبان سے بتلاتے نہیں انگلی سے اشارہ کرتے ہیں حالانکہ وظیفہ وغیرہ کے دوران میں مسئلہ وغیرہ بتلانے سے وظیفہ پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

باب قَوْلِ اللّٰهِ تَعَالٰی وَمَا اُوْتِیْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِیْلًا۔

ترجمہ باب ہے اللہ تعالیٰ کے اس قول کے بارے میں کہ جو کچھ تمہیں علم دیا گیا ہے وہ تھوڑا ہے۔

حدیث نمبر ۱۲۴ حَدَّثَنَا قَیْسُ بْنُ حَفْصٍ الخ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ بَیْنَا اَنَا اَمْشِیْ مَعَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فِیْ خَرِبِ الْمَدِیْنَةِ وَهُوَ یَتَوَکَّاُ عَلٰی عَسِیْبٍ مَّعَهٗ فَمَرَّ بِنَفَرٍ مِّنَ الْیَهُوْدِ فَقَالَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ سَلُوْهُ عَنِ الرُّوْحِ وَقَالَ بَعْضُهُمْ لَا تَسْاَلُوْهُ لَا یَجِیْءُ فِیْهِ بِشَیْءٍ تَکْرَهُوْنَهٗ فَقَالَ بَعْضُهُمْ لَنَسْاَلَنَّهٗ فَقَامَ رَجُلٌ مِّنْهُمْ فَقَالَ یَا اَبَا الْقَاسِمِ مَا الرُّوْحُ فَسَکَتَ فَقُلْتُ اِنَّهٗ یُوْحٰی اِلَیْهِ فَقُمْتُ فَلَمَّا انْجَلٰی عَنْهُ فَقَالَ یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الرُّوْحِ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ وَمَا اُوْتُوْا مِنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِیْلًا قَالَ الْاَعْمَشُ هِیَ کَذَا فِیْ قِرَاءَتِنَا وَمَا اُوْتُوْا۔

ترجمہ، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مدینہ کے ایک ویران علاقہ میں جناب

نبی اکرم صلعم کے ساتھ جا رہا تھا اور آنحضرت صلعم کھجور کی ایک لکڑی پر سہارا لئے ہوئے تھے جو آپ کے ساتھ تھی تو آپ کا گذر یہود کی ایک جماعت کے پاس سے ہوا جنہوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ آپ سے روح کے متعلق سوال کیا جائے۔ بعض نے کہا کہ اس کے متعلق آپ سوال نہ کرو کہیں آپ ایسا جواب نہ دیں جو تمہیں ناپسند ہو۔ دوسروں نے کہا نہیں ہم آپ سے اس کے متعلق ضرور سوال کریں گے۔ چنانچہ ایک آدمی ان میں سے اٹھا اور کہنے لگا اے ابوالقاسم روح کیا چیز ہے آپ خاموش ہو گئے ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ مجھے گمان ہوا کہ آپ پر وحی ہو رہی ہے تو میں کھڑا ہو گیا پس جب آپ سے یہ حالت کھل گئی تو آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے یہ لوگ آپ سے روح کے متعلق سوال کرتے ہیں آپ فرما دیں کہ روح میرے رب کا حکم ہے اور ان کو علم میں سے تھوڑا حصہ دیا گیا ہے۔ حضرت اعمش فرماتے ہیں کہ ہماری قرأۃ کے اندر اسی طرح وما اُوتوہ ہے۔

تشریح از شیخ مدنیؒ۔ اگرچہ یہ کتاب التفسیر نہیں ہے مگر غالباً مصنفؒ کا مقصد یہ معلوم ہوتا ہے کہ تمہیں جو کچھ علم ملا ہے اس پر مغرور نہیں ہونا چاہئیے اس لئے کہ اس کا جہل اس کے علم سے زیادہ ہے عسیب کھجور کی شاخ جبکہ پتے اس سے جدا کر لئے جائیں جو کہ لاٹھی کا کام دیتی ہے۔ روح کا استعمال قرآن مجید میں کئی معانی میں آیا ہے۔ جبرائیل کو قرآن مجید کو، حضرت عیسٰی علیہ السلام اور روح انسانی کو بھی روح کہا گیا ہے اکثر حضرات کی یہی رائے ہے کہ اس جگہ روح انسانی مراد ہے جس کا علم امم سابقہ کو نہیں تھا۔ لا یجیئی الخ لا تسئلوہ کا جواب ہے اب گفتگو یہ ہے کہ آپ نے روح کی حقیقت بیان فرمائی یا نہیں۔ مشہور یہی ہے کہ روح کی حقیقت کو بیان نہیں کیا گیا جیسا کہ یہود کہتے تھے کہ نبی اس بارے میں گفتگو نہیں کیا کرتا۔ انسان کی جہالت کے لئے یہی کافی ہے محققین فرماتے ہیں کہ آپ نے جواب دیا کہ روح عالم امر کی چیز ہے۔ عالم خلق کی چیز نہیں جو کہ مادیات میں سے ہوتی ہے۔ روح کو یہاں اجمالی طور پر بیان کیا گیا آریوں نے وید سے روح کی حقیقت بہت کچھ بیان کی اور اعتراض کر دیا کہ مذہب اسلام روح کی حقیقت سے عاری ہے۔ مگر کہا جائے گا کہ روح کی حقیقت معلوم کرنے پر کوئی فائدہ مرتب نہیں ہوتا۔ دوسرے امور تکوینیہ کے متعلق بحث کرنا ہمارا کام نہیں ہے۔ وید میں جو روح کی حقیقت بیان کی گئی ہے وہ اس کی صحیح حقیقت معلوم نہیں ہوتی۔ دوسرے آپ نے یہاں اس کی حقیقت بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ عالم امر کی چیز ہے۔ اس کی مزید تحقیق ابن شہاب سہروردی اور شاہ ولی اللہؒ کی کتابوں میں ملتی ہے۔ وہاں دیکھا جائے۔

آگے تشریح از شیخ زکریاؒ کو دیکھا جائے۔

تشریح از شیخ زکریاؒ۔ ترجمۃ الباب کی غرض یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ تمہیں علم قلیل دیا گیا ہے تو اپنے آپ کو بڑا علامہ مت سمجھو بلکہ علم کو اللہ تعالیٰ کی طرف سپرد کرنا چاہیئے۔ یہ تو شراح کی رائے ہے لیکن میرے نزدیک اس باب کی یہ غرض نہیں ہے۔ کیونکہ یہ غرض تو باب سابق مایستحب للعالم اذا سئل الخ کی ہے اس لئے میرے نزدیک اس باب کی غرض ایک دیوبندی مسئلہ کو ثابت کرنا ہے وہ یہ کہ حضور اقدس صلعم عالم الغیب نہیں تھے کیونکہ ما اوتیتم کے خطاب میں حضور اکرم صلعم بھی داخل ہیں یہاں یہ نہیں فرمایا قل ما اوتیتم کیونکہ حضور اقدس صلعم کا مرتبہ بہر حال اللہ تعالیٰ کے بعد ہے۔ لہٰذا عالم الغیب تو صرف اللہ تعالیٰ ہیں۔ باقی جتنے لوگ ہیں۔ خواہ انبیاء ہوں یا اولیاء ہوں کسی کو بھی علم غیب نہیں ہے۔

وھو یتوکأ علیٰ عسیب لاٹھی لینے کی وجہ یہ ہے کہ مدینہ منورہ میں سانپ بچھو وغیرہ بہت ہوتے تھے، اور ممکن ہے کہ نماز میں سترہ وغیرہ کی ضرورت کے لئے یا استنجا کے لئے ڈھیلا وغیرہ توڑنے کی غرض سے ساتھ لے رکھی ہو فلما انجلیٰ عنہ یعنی جب حضور اقدسؐ سے وحی کے غلبے کی حالت دور ہو گئی قل الروح من امر ربی کہ روح عالم امر کی چیزوں میں سے ہے۔ تم اس پر مطلع نہیں ہو سکتے اور اس کی حقیقت سے تم کو واقفیت نہیں ہو سکتی۔ یہاں ایک بات سنو۔ عالم دو ہیں ایک عالم امر ہے دوسرا عالم خلق۔ امام بخاری کتاب التوحید میں اس پر مستقل باب قائم کریں گے۔ اس میں اختلاف ہے کہ عالم خلق اور عالم امر کیا ہے مختلف اقوال ہیں ایک قول یہ ہے۔ کہ عرش سے اوپر عالم امر ہے۔ اور اس کے نیچے عالم خلق ہے۔ قرأۃ کے بارے میں امام بخاری حضرت اعمش کا قول نقل فرماتے ہیں کہ ان کی قرأۃ میں وما اوتوا ہے جو نہ قرأۃ مشہور ہے اور نہ ہی قرأۃ عشرہ میں ہے۔ البتہ قرأۃ متواترہ وما اوتیتم ہے۔

باب، مَنْ تَرَكَ بَعْضَ الْاِخْتِيَارِ مَخَافَةَ اَنْ يَّقْصُرَ فَهْمُ بَعْضِ النَّاسِ فَيَقَعُوْا فِيْ اَشَدَّ مِنْهُ۔ باب اس عالم کے بارے میں جو بعض پسندیدہ باتیں اس لئے چھوڑ دے کہ لوگوں کی سمجھ کی رسائی وہاں تک نہیں ہو سکتی کہیں اس سے سخت معاملہ میں مبتلا نہ ہو جائیں۔

حدیث نمبر ۱۲۵ حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللّٰهِ بْنُ مُوْسٰى الخ عَنِ الْاَسْوَدِ قَالَ قَالَ لِي ابْنُ الزُّبَيْرِ كَانَتْ عَائِشَةُ تُسِرُّ اِلَيْكَ كَثِيْرًا فَمَا حَدَّثَتْكَ فِي الْكَعْبَةِ قُلْتُ قَالَتْ لِي قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا عَائِشَةُ لَوْلَا اَنَّ قَوْمَكِ حَدِيْثٌ عَهْدِهِمْ قَالَ ابْنُ

الزُّبَیْرِ بِکُفْرٍ لَنَقَضْتُ الْکَعْبَۃَ فَجَعَلْتُ لَھَا بَابَیْنِ بَابًا یَدْخُلُ النَّاسُ وَ بَابًا یَخْرُجُوْنَ مِنْہُ فَفَعَلَہُ ابْنُ الزُّبَیْرِ (الحدیث)

ترجمہ:۔ حضرت اسود تابعی فرماتے ہیں کہ مجھے حضرت عبداللہ بن الزبیرؓ نے فرمایا کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ تجھ کو اکثر اسرار کی باتیں فرمایا کرتی ہیں۔ تو کعبہ کے بارے میں انہوں نے آپ کو کون سی حدیث بیان فرمائی۔ انہوں نے فرمایا کہ حضرت عائشہؓ نے مجھے فرمایا کہ جناب نبی اکرم صلعم نے فرمایا کہ اے عائشہؓ اگر تیری قوم (قریش) کفر کے زمانہ کے قریب کے لوگ نہ ہوتے تو میں اس کعبہ کو توڑ کر اس کے دو دروازے بنا دیتا ایک سے لوگ داخل ہوتے اور دوسرے سے نکل جاتے چنانچہ اپنے عہد خلافت میں حضرت ابن الزبیرؓ نے کعبہ کو ایسے ہی بنا دیا جسے حجاج نے توڑ پھوڑ کر پھر اسی طرح بنا دیا

تشریح از شیخ زکریاؒ۔ اس باب سے یہ بیان کرنا ہے کہ علماء اور اکابر دین بعض مرتبہ پسندیدہ اشیاء کو اس وجہ سے ترک کر دیتے ہیں کہ عوام کے اذہان وہاں تک نہ پہنچ سکیں گے۔ چاہے وہ بات مستحب ہی کیوں نہ ہو۔ کیونکہ ممکن ہے وہ اس کی وجہ سے کسی گمراہ کن عقیدہ میں مبتلا ہو جائیں۔ تو یہ کتمان علم میں داخل نہیں ہوگا۔ عن الاسود الخ اسود حضرت عائشہؓ کے خاص تلامذہ میں سے ہیں۔ اور حضرت عبداللہ بن الزبیرؓ حضرت اسماءؓ کے بیٹے اور حضرت عائشہؓ کے بھانجے ہیں تو دیکھو چونکہ حضرت اسودؒ زیادہ ذہین تھے۔ اس لئے حضرت عائشہؓ ان سے وہ بہت سی باتیں بیان فرمایا کرتی تھیں جو ابن الزبیرؓ سے بیان نہیں فرمائیں حتیٰ کہ ابن الزبیرؓ نے اسودؒ سے پوچھا کہ خالہ جان تم سے کثرت سے چپکے چپکے کچھ فرمایا کرتی تھیں کیا کعبہ کے متعلق بھی کچھ ارشاد فرمایا ہے۔ اور قاعدہ بھی یہی ہے کہ جب کوئی طالب علم لائق فائق ہوتا ہے۔ تو وہاں اولاد وغیرہ کو نہیں دیکھا جاتا۔ یہ ایک ضمنی بات ہے اس کا ترجمہ سے کوئی تعلق نہیں۔ لولا ان قومک حدیث عہدھم یعنی اگر تمہاری قوم کے لوگ حدیث الاسلام نہ ہوتے اور یہ خوف نہ ہوتا کہ وہ کعبہ کو توڑنے پر اعتراض کریں گے۔ کیونکہ ان کے دلوں میں اس کی عظمت بہت زیادہ زیادہ ہے۔ تو میں کعبہ کو توڑ کر از سر نو تعمیر کرتا اور اس کے دو دروازے بناتا ایک داخل ہونے کا اور ایک نکلنے کا۔ اور اس کی چوکھٹ زمین سے ملا دیتا تو حضور اکرم صلعم کو کعبہ اس طرح سے بنانا پسند تھا مگر لوگوں کی نادانی کا لحاظ کر کے حضورؐ نے اس کو ترک کر دیا۔ قال ابن الزبیر بکفر اس عبارت کے دو مطلب ہیں ایک تو یہ کہ اسود نے یہاں تک ہی بیان کیا تھا کہ حدیث عہدھم تو حضرت ابن الزبیرؓ نے لفظ بکفر

فرما دیا یہ تبلانے کے لئے کہ میں بھی اس حدیث کو جانتا ہوں۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ اسود نے صرف یہاں تک حدیث بیان کی اور پھر آخر تک تمام حدیث ابن الزبیرؓ نے پڑھ دی فقعلہ ابن الزبیر الخ چونکہ حضور اکرم صلعم کی یہ تمنا تھی۔ اور ابن الزبیر کو آپ کی تمنا معلوم ہو چکی تھی۔ جب ان کی امارت کا زمانہ آیا تو انہوں نے حضور اکرم صلعم کے منشا کے مطابق اس کو بنا دیا اگرچہ لوگوں نے ان کے زمانے میں بھی چہ میگوئیاں کیں مگر چونکہ اسلام پختہ ہو چکا تھا۔ کچھ نہ ہوا جب ابن الزبیرؓ قتل کر دیئے گئے۔ تو حجاج نے عبدالملک کے زمانے میں یہ سوچ کر کہ ہمیشہ کے لئے یہ بات رہ جائے گی۔ کہ یہ کعبہ ابن الزبیرؓ کا بنایا ہوا ہے۔ اس لئے اس کو یہ کہہ کر توڑ دیا کہ یہ بدعت ہے۔ ہم تو اس کو حضور اکرم صلعم کی بنا پر ہی رکھیں گے۔ یہ سوچ کر حطیم کو توڑ کر نکال دیا۔ اور ایک دروازہ بند کر دیا اور پہلے کی جگہ دوسرا باقی رکھا اور اس کو اوپر کر دیا۔ یہ روایت اور بھی کئی جگہ مفصل آئے گی۔

باب، مَنْ خَصَّ بِالْعِلْمِ قَوْمًا دُوْنَ قَوْمٍ كَرَاهِيَةَ اَنْ لَّا يَفْهَمُوْا وَقَالَ عَلِيٌّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ حَدِّثُوا النَّاسَ بِمَا يَعْرِفُوْنَ تُحِبُّوْنَ اَنْ يُّكَذَّبَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ۔

ترجمہ باب ہے، اس شخص کے بارے میں کہ جو بعض خاص لوگوں کو علم دیتا ہے۔ دوسروں کو نہیں دیتا اس خوف سے کہ وہ اس علم کو نہیں سمجھ سکیں گے۔ اور حضرت علیؓ نے فرمایا لوگوں کو وہ حدیثیں سناؤ جن کو وہ پہنچاتے اور جانتے ہوں۔ کیا تمہیں یہ پسند ہے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کو جھٹلانے لگیں۔

حدیث نمبر ۱۲۶ حَدَّثَنَا بِهٖ عُبَيْدُ اللّٰهِ بْنُ مُوْسٰى الخ عَنْ قَتَادَةَ قَالَ ثَنَا اَنَسُ بْنُ مَالِكٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمُعَاذٌ رَدِيْفُهٗ عَلَى الرَّحْلِ قَالَ يَا مُعَاذُ بْنُ جَبَلٍ قَالَ لَبَّيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَسَعْدَيْكَ قَالَ يَا مُعَاذُ قَالَ لَبَّيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَسَعْدَيْكَ قَالَ يَا مُعَاذُ قَالَ لَبَّيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَسَعْدَيْكَ ثَلٰثًا قَالَ مَا مِنْ اَحَدٍ يَّشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ صِدْقًا مِّنْ قَلْبِهٖ اِلَّا حَرَّمَهُ اللّٰهُ عَلَى النَّارِ قَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَفَلَا اُخْبِرُ بِهِ النَّاسَ فَيَسْتَبْشِرُوْنَ قَالَ اِذًا يَّتَّكِلُوْا وَاَخْبَرَ بِهَا مُعَاذٌ عِنْدَ مَوْتِهٖ

ترجمہ، حضرت قتادہؓ فرماتے ہیں کہ حضرت انس بن مالکؓ نے ہمیں بیان فرمایا کہ جناب نبی اکرم صلعم جن کے ساتھ حضرت معاذؓ سواری پر آپؐ کے ردیف تھے یعنی پیچھے بیٹھے ہوتے تھے کہ اے معاذ بن جبل انہوں نے فرمایا یا رسول اللہ آپ کے لئے میں حاضر ہوں اور آپؐ کی طاعت میں معاون ہوں پھر فرمایا اے معاذ آپ نے اسی طرح لبیک وسعدیک کہا پھر تیسری مرتبہ آپؐ نے فرمایا کہ اے معاذ انہوں نے پھر تیسری مرتبہ

لبیک وسعدیک فرمایا جس پر آپ نے فرمایا کہ جو شخص دل کی صداقت سے اس بات کی گواہی دیتا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور یہ کہ محمد اللہ کے رسول ہیں، مگر اللہ تعالیٰ اسے جہنم کی آگ پر حرام کر دے گا۔ انہوں نے پوچھا یا رسول اللہ کیا میں لوگوں کو یہ خبر نہ سناؤں تاکہ وہ اس سے خوشی حاصل کریں، آپ نے فرمایا وہ اس کلمہ پر بھروسہ کر کے عمل چھوڑ دیں گے۔ تو اس حدیث کو حضرت معاذ بن جبل نے گناہ سے بچنے کے لئے موت کے وقت بیان فرمایا۔

تشریح از شیخ مدنیؒ بما یعرفون ای بما یدرکون بالعقول و یفھمون اس طرح نہ ہو جس طرح ابن جوزی نے کیا تھا ان اللہ ینزل الی السماء الدنیا کے معنی ہیں وہ منبر سے نیچے اترا جس سے نزول مکانی سمجھا جاتا ہے۔ عامی آدمی یہی سمجھیگا کہ نزول مکانی مراد ہے تو پھر لیس کمثلہ شیئ کہنا کیسے صحیح ہوگا۔ صدقا من قلبہ یعنی زبان سے جو کچھ کہہ رہا ہے قلب سے اس کی تصدیق بھی ہو اس روایت سے معلوم ہوا کہ آپ نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو تو بتلایا جو حقیقت کو سمجھتے تھے کہ تحریم نار سے مراد یہ ہے کہ سزا بھگتنے کے لئے نار میں داخل ہوگا۔ بعد ازاں جنت میں داخل ہوگا۔ مگر دوسرے لوگ تحریم ابدی سمجھنے لگیں گے عند موتہ تأثما اگر شبہ ہو کہ اس روایت کی اطلاع دے کر حضرت معاذؓ نے خلاف ورزی کی تو اس کا ایک جواب یہ ہے کہ جب یہ روایت انہوں نے سنی اس وقت ان الذین یکتمون الخ آیت نہیں اتری تھی۔ اور عہد حیات میں ان کو شبہ رہا کہ آیا وہ نہی باقی ہے یا اس آیت سے منسوخ ہو چکی ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ نہی مطلقاً نہیں تھی بلکہ مقید تھی کہ جب اتکال کا خوف نہ ہو تو اطلاع کر دینا جائز ہے۔ اور اخیر عمر میں اتکال نہ رہا۔ اور پہلے جو منع فرمایا اس کی وجہ یہ تھی کہ یہ لوگ حدیث الاسلام ہیں کہیں توکل کر کے اعمال نہ چھوڑ دیں۔ آخر عمر میں جب اسلام اور ایمان راسخ ہو گیا تو پھر توکل کا خیال نہ رہا۔

تشریح از شیخ زکریاؒ من خص تو ما دون قوم یہ باب اور باب سابق من ترك بعض الاختیار الخ ان دونوں میں کوئی فرق نہیں صرف لفظی فرق ہے۔ یہاں کراھیتان لا یفھموہ ہے اور وہاں ان یقصر فھم بعض الناس ہے، حافظ ابن حجر اور بعض دوسرے شراح کی رائے یہ ہے کہ وہ باب افعال کے متعلق ہے۔ اور یہ باب اقوال کے متعلق ہے اور میرے نزدیک پہلے باب کی غرض یہ ہے کہ کوئی چیز خواہ وہ افعال کے قبیلہ سے ہو یا اقوال کے قبیلہ سے اگر لوگوں کے نہ سمجھنے کے خوف سے ترک کر دیا جائے تو جائز ہے

نو باب اوّل قول و فعل دونوں کو شامل ہے اور اس باب کی غرض یہ ہے کہ اگر استاذ کسی ذہین فطین شاگرد کو کوئی خاص وقت دے دے یا کسی خاص جماعت کو کوئی خاص وقت عنایت فرمائے کہ وہ اس وقت استفادہ کر لیا کریں تو یہ جائز ہے۔ اور یہ تخصیص علم اور کتمان علم میں داخل نہیں۔ اور دوسروں کو اس پر اعتراض کا کوئی حق نہیں جیسے امام ابو حنیفہؒ کی دو مجلسیں تھیں۔ ایک عمومی جس میں ہر کوئی بیٹھ سکتا تھا۔ دوسری خصوصی جس میں وہ لوگ شریک ہو سکتے تھے جو حافظ ہوں۔ اور بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ باب اوّل تو ذکی و غبی میں فرق کرنے کے لئے تھا۔ اور یہ باب شریف در ذیل میں تفریق کے لئے منعقد فرمایا ہے مگر میرے نزدیک یہ ضعیف ہے۔ اس لئے کہ اکثر علماء موالی اور عتقاء تھے سارے سادات نہیں تھے یحبون ان یکذب اللہ رسولہ الخ اس لئے کہ جب عوام کے فہم سے اونچی بات ہوگی۔ تو وہ یہ کہیں گے کہ یہ تو اللہ اور اس کے رسول نے نہیں کہی۔ حدثنا عبید اللہ بن موسیٰ یہ حضرت علیؓ کے اثر کی سند بیان فرما رہے ہیں لبیک یا رسول اللہ وسعدیک ثلاثا یہ تین بار تکرار تنبیہ کے واسطے فرمایا کہ بالکلیہ متوجہ ہو جائیں تو یہاں پر حضور اکرم صلعم نے حضرت معاذؓ کو ذہین سمجھا اس لئے ان کو خصوصیت سے فرمایا۔ عام لوگوں سے ارشاد نہیں فرمایا۔ واَخْبَرَ بِهَا معاذ عند موته تاثما یعنی حضرت معاذؓ نے بخوف اثم اور یہ سوچ کر اگر میں نے بیان نہ کیا۔ تو حدیث میرے ساتھ ہی چلی جائے گی بوقت موت بیان فرما دی۔ مَنْ لَقِيَ اللّٰه لا یشرك باللّٰه شیئًا دخل الجنة یہ مرجئہ کا مستدل ہے کہ ایمان کے بعد کسی قول و فعل کی ضرورت نہیں جمہور اس کا جواب دیتے ہیں کہ حرمه اللّٰه على النار میں حرمت مقید خلود کے ساتھ ہے دخول کے ساتھ نہیں لہٰذا ہم پر کوئی اشکال نہیں۔ اور میری رائے ہے کہ اگر کوئی آخر وقت میں خالص دل سے لا الٰہ الا اللہ کہہ لے گا تو اسے جنت ملے گی اور جہنم اس پر حرام ہو جائے گی۔ اور حدیث البطاقہ کا میرے نزدیک یہی محمل ہے۔

حدیث نمبر ۱۲۷ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ الخ سَمِعْتُ اَنَسًا قَالَ ذُكِرَ لِي اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِمُعَاذٍ مَنْ لَقِيَ اللّٰهَ لَا يُشْرِكُ بِهٖ شَيْئًا دَخَلَ الْجَنَّةَ قَالَ اَلَا اُبَشِّرُ بِهِ النَّاسَ قَالَ لَا اِنِّيْ اَخَافُ اَنْ يَّتَّكِلُوْا (الحدیث)

ترجمہ:۔ راوی فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت انس بن مالکؓ سے سنا وہ مجھے ذکر کرتے تھے کہ جناب نبی اکرم صلعم نے حضرت معاذؓ سے فرمایا جو شخص اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملے گا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے

ساتھ کسی چیز کو شریک نہیں ٹھیراتا تھا تو وہ جنّت میں داخل ہو گا انہوں نے فرمایا کہ حضرت کیا میں لوگوں کو اس کی خوشخبری نہ سنا دوں آپ نے فرمایا نہ مجھے خطرہ ہے کہ کہیں لوگ کلمے پر بھروسہ کر کے اعمال نہ چھوڑ دیں۔ حدیث کے آخری حصّے سے مرجیہ کا رد ہے۔ اسلام اور ایمان کے ساتھ اعمال بھی ضروری ہیں۔ ان الذین آمنوا وعملوا الصالحات فرمایا گیا ہے۔

بَابُ الْحَيَاءِ فِي الْعِلْمِ وَقَالَ مُجَاهِدٌ لَا يَتَعَلَّمُ الْعِلْمَ مُسْتَحْيٍ وَلَا مُسْتَكْبِرٌ وَقَالَتْ عَائِشَةُ نِعْمَ النِّسَاءُ نِسَاءُ الْأَنْصَارِ لَمْ يَمْنَعْهُنَّ الْحَيَاءُ أَنْ يَتَفَقَّهْنَ فِي الدِّيْنِ۔

باب، علم کے بارے حیاء کرنا حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ حیا کرنے والا اور مغرور و متکبر علم حاصل نہیں کر سکتا۔ حضرت عائشہ رضہ نے فرمایا کہ انصار کی عورتیں ہیں۔ جن کو دین میں سمجھ پیدا کرنے سے حیا مانع نہیں ہوتی۔

حدیث نمبر ۱۲۸ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سَلَامٍ الخ عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ جَاءَتْ أُمُّ سُلَيْمٍ إِلَى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ اللّٰهَ لَا يَسْتَحْيِيْ مِنَ الْحَقِّ فَهَلْ عَلَى الْمَرْأَةِ مِنْ غُسْلٍ إِذَا احْتَلَمَتْ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا رَأَتِ الْمَاءَ فَغَطَّتْ أُمُّ سَلَمَةَ تَعْنِيْ وَجْهَهَا وَقَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ أَوَ تَحْتَلِمُ الْمَرْأَةُ قَالَ نَعَمْ تَرِبَتْ يَمِيْنُكِ فَبِمَ يُشْبِهُهَا وَلَدُهَا۔

ترجمہ، حضرت ام سلمہ رضہ زوج النبی صلعم فرماتی ہیں کہ حضرت ام سلیم رضہ جناب رسول اللہ صلعم کی خدمت میں حاضر ہو کر کہنے لگیں کہ یا رسول اللہ کہ اللہ تعالیٰ حق بات کے بتلانے سے نہیں رُکتے تو جب عورت کو احتلام ہو جائے تو کیا اس پر غسل واجب ہے نبی اکرم صلعم نے فرمایا ہاں جب وہ پانی دیکھے یعنی جب اس سے منی خارج ہو۔ حضرت ام سلمہ حیا کی وجہ سے اپنا منہ ڈھانپتے ہوئے فرمانے لگیں کہ اے اللہ کے رسول کیا عورت کو بھی احتلام ہوتا ہے۔ آپ نے فرمایا ہاں تیرا دایاں ہاتھ خاک آلودہ ہو۔ جملہ دعائیہ ہے۔ اگر اس کو احتلام نہیں ہوتا تو اس کا بچہ اس کے ہم شکل کیسے ہو جاتا ہے۔

تشریح از شیخ مدنی رح ان اللہ لا یستحی الی لا یامر بالحیاء من السوال یا لا یمتنع من بیان الحق کتاب الایمان گذر چکا ہے کہ الحیاء شعبۃ من الایمان جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حیا ایک مستحسن امر ہے۔ اگرچہ علم یا کسی دوسری چیز میں ہو۔ جس پر مصنف رح فرماتے ہیں کہ حیا فی العلم غیر محمود ہے۔ حیا اگرچہ وصف حسن ہے مگر اگر اس کا تعلق مطلوب چیز سے ہو تو مذموم ہے۔ اس لئے ترجمہ میں

یہاں پر فی العلم کا اضافہ کیا گیا۔ یا مقصد یہ ہے کہ حیا فی العلم یہ حیا نہیں ہے اس لئے کہ حیا تو نام ہے کسی مذموم چیز کے لگ جانے کے خوف سے متاثر ہونے کا علم تو کوئی مذموم چیز نہیں ہے۔ تو حیا فی العلم حیا نہ ہوا بلکہ وصف ہوا۔ بہرحال مقصد یہ ہے۔ کہ علم میں حیا نہ کرنا چاہیئے۔ اَوَتحتلم المرأة یا تو ابھی تک ان کو احتلام نہیں ہوا تھا یا اس لئے کہ ازواج مطہرات کو احتلام ہوتا نہیں تھا یا اس کو چھپانا مقصود ہے اور گمان یہ ہے کہ غالباً آپؐ کو نسائی طبائع کا علم نہ ہو اس لئے آپؐ نے مع دلیل کے جواب دیا۔

تشریح از شیخ زکریاؒ الحیا فی العلم کی توجیہ شراح یہ کرتے ہیں کہ ٹھیک ہے حیا شعب ایمانیہ میں سے ہے مگر علم میں حیا محمود نہیں۔ لیکن میرے مشائخ کی رائے ہے کہ حیا ہر جگہ محمود ہے مگر علم میں اس کو مانع نہیں ہونا چاہیئے جیسے کہ حضرت مجاہد فرما رہے ہیں فغطت ام سلمة یہ وہ حیا جو مشائخ فرماتے ہیں کہ حضرت ام سلمہ نے حیا کی اور منہ چھپا لیا۔ مگر یہ حیا مانع نہ ہوئی۔ علماء نے بیان فرمایا ہے کہ ان کا یہ سوال اس وجہ سے تھا کہ یہ ازواج مطہرات میں سے ہیں اور تمام ازواج مطہرات احتلام سے پاک ہیں لیکن یہ وجہ بیان کرنا صحیح نہیں کیونکہ یہ حضرت ام سلمہؓ تو اس سے قبل ایک اور کے ہاں رہ چکی تھیں لہٰذا یہ کہا جائے گا کہ ان کے سوال کرنے کی وجہ یہ تھی کہ عورتوں میں احتلام کم ہوتا ہے۔ بلکہ بعض فلاسفہ نے تو عورت کی منی کا انکار کیا ہے بلکہ وہ لوگ کہتے ہیں کہ ایک قسم کی لزوجت رحم میں ہوتی ہے۔ جب مرد کی منی رحم میں پہنچتی ہے تو اس لزوجت سے چپک جاتی ہے۔ اور اس سے بچہ پیدا ہوتا ہے۔ اور بعض فلاسفہ کی رائے ہے کہ منی تو ہوتی ہے مگر احتلام نہیں ہوتا لیکن اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ عورتوں کو احتلام ہوتا ہے۔ البتہ ان میں مردوں کی بنسبت کم ہے۔ وجہ یہ ہے کہ ان میں برودت زیادہ ہوتی ہے۔ اور مردوں میں حرارت زیادہ ہوتی ہے نیز اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ فم رحم منکوس ہوتا ہے بخلاف مرد کے کہ اس کا آلہ سیدھا ہوتا ہے چونکہ اس کا فم رحم منکوس ہوتا ہے اس لئے وطی عورت کی ٹانگ اٹھا کر کرنی چاہیئے اس سے عورت کو بھی لذت خوب آئے گی اور یہ بچہ پیدا کرنے میں بھی معین ہے۔ اس لئے کہ جب ٹانگیں اٹھائے گا تو رحم کا منہ پیشاب گاہ کے قریب آجائے گا۔ حضور اقدس صلعم نے چھوٹے چھوٹے جملوں میں بڑے مسائل کو حل کر دیا۔

فبم یشبھھا ولدھا یعنی اگر اس کو منی نہیں ہوتی تو پھر لڑکا کبھی ماں کے اور کبھی باپ کے کیوں مشابہ ہوتا ہے کیونکہ اگر منی صرف باپ کے ہوتی ہے تو اولاد باپ کے مشابہ ہونی چاہیئے۔ ایک روایت میں ہے کہ حضور اقدس صلعم سے پوچھا گیا کہ لڑکا کبھی باپ اور کبھی ماں کے مشابہ کیوں ہوتا ہے تو حضور انور صلعم

نے فرمایا جس کی منی سابق ہو جائے اسی کے مشابہ ہوتا ہے یہ ابو داؤد کی روایت ہے اور مسلم کی روایت میں غلبہ کا ذکر ہے۔ اطبا نے ایک اصول لکھا ہے کہ عورت صحبت کے وقت جس کا خیال کرے بچہ اسی کے مشابہ ہوگا۔

حدیث نمبر ۱۲۹ حَدَّثَنَا اِسْمٰعِیْلُ الخ عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ مِنَ الشَّجَرِ شَجَرَۃً لَا یَسْقُطُ وَرَقُھَا وَھِیَ مَثَلُ الْمُسْلِمِ حَدِّثُوْنِیْ مَا ھِیَ فَوَقَعَ النَّاسُ فِیْ شَجَرِ الْبَادِیَۃِ وَوَقَعَ فِیْ نَفْسِیْ اَنَّھَا النَّخْلَۃُ قَالَ عَبْدُ اللّٰہِ فَاسْتَحْیَیْتُ قَالُوْا یَارَسُوْلَ اللّٰہِ اَخْبِرْنَا بِھَا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ھِیَ النَّخْلَۃُ قَالَ عَبْدُ اللّٰہِ فَحَدَّثْتُ اَبِیْ بِمَا وَقَعَ فِیْ نَفْسِیْ فَقَالَ لَاَنْ تَکُوْنَ قُلْتَھَا اَحَبُّ اِلَیَّ مِنْ اَنْ یَّکُوْنَ لِیْ کَذَا وَکَذَا (الحدیث)

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عمر رضی سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ درختوں میں سے ایک درخت ایسا ہے جس کے پتے نہیں گرتے اس کا حال مسلمان جیسا ہے مجھے بتلاؤ کہ وہ کون سا درخت ہے۔ لوگوں نے جنگل کے درختوں کی طرف خیال دوڑائے لیکن میرے دل میں آیا کہ وہ کھجور کا درخت ہے لیکن مجھے شرم وحیا آگئی۔ صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ ہی بتائیں کہ وہ کون سا درخت ہے آپ نے فرمایا وہ کھجور کا درخت ہے۔ حضرت عبد اللہ فرماتے ہیں کہ جو کچھ میرے جی میں آیا تھا۔ اس کو میں نے اپنے باپ سے بیان کیا۔ تو وہ فرمانے لگے کہ اگر تو یہ کلمہ کہہ دیتا تو میرے لئے سرخ اونٹوں سے بہتر ہوتا

تشریح از شیخ مدنیؒ و شیخ زکریاؒ۔ یہ روایت مع تشریحات پہلے گذر چکی ہے۔

بَابُ مَنِ اسْتَحْیٰ فَاَمَرَ غَیْرَہٗ بِالسُّؤَالِ۔

باب ہے جو خود حیا کرے دوسرے کو سوال کرنے کا حکم دے۔

حدیث نمبر ۱۳۰ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ الخ عَنْ عَلِیِّ ابْنِ اَبِیْ طَالِبٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ کُنْتُ رَجُلًا مَذَّاءً فَاَمَرْتُ الْمِقْدَادَ اَنْ یَّسْاَلَ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَسَاَلَہٗ فَقَالَ فِیْہِ الْوُضُوْءُ۔ (الحدیث)

ترجمہ: حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے مروی ہیں وہ فرماتے ہیں کہ میں کثیر المذی آدمی تھا میں نے حضرت مقدادؓ کو حکم دیا کہ وہ جناب نبی اکرم صلعم سے اس کے متعلق دریافت کریں

چنانچہ انہوں نے دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ مذی کی وجہ سے وضو کرنا واجب ہے۔

تشریح از شیخ مدنیؒ۔ پہلے باب سے معلوم ہوا کہ علم میں حیا نہیں کرنا چاہیئے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ علم میں بے حیائی کی باتیں کی جائیں۔ بلکہ آداب کا لحاظ کرتے ہوئے پھر بھی حیا فی العلم سے رکنا چاہیئے۔ جیسے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کا واقعہ اس پر دلالت کرتا ہے کہ انہوں نے حیا کی وجہ سے خود سوال نہیں کیا۔ بلکہ دوسرے شخص حضرت مقدادؓ کے ذریعہ علم حاصل کر لیا تو خلاصہ یہ ہوا کہ کوئی ایسا طریقہ اختیار کرنا چاہیئے۔ کہ حیا کے خلاف بھی نہ ہو اور علم بھی حاصل ہو جائے۔

تشریح از شیخ زکریاؒ۔ یہاں امام بخاریؒ ایک درجہ اور نیچے اتر گئے کہ آدمی کو بعض مرتبہ کوئی حیا کسی خاص عذر کی بنا پر اگر لاحق ہو۔ تو پھر اس کی صورت یہ ہے کہ کسی غیر سے اس کے متعلق سوال کرائے اس صورت میں باب سابق کی جو غرض میں نے بتائی تھی اس پر یہ باب بطور تکملہ کے ہوگا۔ کنت رجلا مذاءً جب آدمی میں قوت شہوت زیادہ ہوتی ہے اور حرارت بھی ہو۔ تو ذراسی حرکت سے مذی خارج ہو جاتی ہے۔ حضرت علیؓ کی قوت مشہور ہے۔ یہ کثیر المذی تھے۔ جب بھی گھر میں جاتے کوئی صورت پیش آتی تو مذی خارج ہو جاتی اور یہ اس کو منی کی طرح موجب غسل کرتے انہوں نے یہاں تک غسل کیا مروی ہے کہ ٹھنڈے پانی سے غسل کرنے کے سبب ان کی پیٹھ پھٹ گئی تھی تو انہوں نے اس کے متعلق دریافت کیا ہو اس کے متعلق صحیحین اور سنن وغیرہ میں تین طرح کے الفاظ ملتے ہیں۔ امرت المقداد۔ امرت عمار۔ سألت اس اختلاف روایات کی توجیہ میں حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ حضرت علیؓ نے ان دونوں کو حکم دیا کہ تم حضور اقدس صلعم سے پوچھ لو۔ اس لئے کہ ایسے مسائل میں خسر سے سوال کرنے میں داماد کو حجاب ہوتا ہے۔ ان حضرات نے ایسی مجلس میں پوچھا جس میں حضرت علیؓ بھی موجود تھے اس لئے وہ کبھی سوال کرنے کی نسبت اپنی طرف کرتے ہیں کیونکہ آمر تھے۔ اور کبھی ان دونوں حضرات کی طرف کر دی کہ انہوں نے سوال کیا تھا۔ میری اپنی رائے ہے کہ انہوں نے پہلے حضرت مقداد سے کہا۔ لیکن انہوں نے دریافت کرنے میں جلدی نہ کی۔ پھر حضرت عمارؓ سے کہا۔ لیکن بعد میں اس خیال سے کہ میرے ساتھ بعض احکام خاص ہیں جیسے کہ جنابت کی حالت میں انہیں مسجد سے گذرنے کی اجازت بھی تھی۔ بنا بریں از خود سوال کیا۔

باب ذِكْرِ الْعِلْمِ وَالْفُتْيَا فِي الْمَسْجِدِ۔

ترجمہ، باب مسجد میں علم اور فتیا کے ذکر کے بارے میں ہے۔

حدیث نمبر ۱۳۱ حَدَّثَنَا قُتَیْبَۃُ بْنُ سَعِیْدٍ الخ عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عُمَرَ اَنَّ رَجُلًا قَامَ فِی الْمَسْجِدِ فَقَالَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ مِنْ اَیْنَ تَاْمُرُنَا اَنْ نُّھِلَّ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یُھِلُّ اَھْلُ الْمَدِیْنَۃِ مِنْ ذِی الْحُلَیْفَۃِ وَیُھِلُّ اَھْلُ الشَّامِ مِنَ الْجُحْفَۃِ وَیُھِلُّ اَھْلُ نَجْدٍ مِّنْ قَرْنٍ قَالَ ابْنُ عُمَرَ وَیَزْعُمُوْنَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ وَّیُھِلُّ اَھْلُ الْیَمَنِ مِنْ یَّلَمْلَمَ وَکَانَ ابْنُ عُمَرَ یَقُوْلُ لَمْ اَفْقَہْ ھٰذِہٖ مِنْ رَّسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ (الحدیث)

ترجمہ:۔ حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ ایک آدمی مسجد میں کھڑا ہوا اور کہنے لگا یا رسول اللہ آپؐ ہمیں کن مقامات سے احرام باندھنے کا حکم دیتے ہیں۔ تو آپؐ نے فرمایا کہ مدینہ والے تو ذی الحلیفہ سے احرام باندھیں اور شام والے جحفہ اور نجد والے قرن سے احرام باندھیں۔ ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ لوگ کہتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ یمن والے یلملم سے احرام باندھیں ابن عمرؓ فرماتے کہ مجھے یہ جملہ رسول اللہ سے معلوم نہیں ہے۔

تشریح از شیخ مدنیؒ:۔ بہت سی چیزوں کو آنحضرت صلعم نے مساجد میں کرنے سے منع فرمایا مصنفؒ ثابت کرتے ہیں کہ علم اور فتویٰ مساجد میں جائز ہیں۔ امام صاحبؒ نے جو قاضی کے لئے رفع اصوات وغیرہ کو جائز رکھا ہے۔ کیونکہ اس سے علم کی اشاعت ہوتی ہے۔

تشریح از شیخ زکریاؒ: چونکہ مسجد میں شور کرنے کی ممانعت ہے۔ اور رفع صوت سے منع کیا گیا ہے۔ اور فتویٰ دینے اور درس دینے میں شور ہوتا ہے اس لئے امام بخاریؒ افتاء وتعلیم فی المسجد کو اس نہی سے مستثنیٰ فرما رہے ہیں، اور بتلا رہے ہیں کہ اگر مسجد میں علمی مباحث میں رفع صوت ہو تو جائز ہے۔ کوئی حرج نہیں، قال ابن عمر یزعمون الخ یعنی مجھے تو یاد نہیں کہ حضور اکرم صلعم نے ویھل اھل الیمن من یلملم فرمایا مگر لوگ کہتے ہیں۔ یلملم ہم ہندوستانیوں کا میقات ہے۔ جہاز یمن کی سرحد کو گذرتا ہے، جب وہ موقع قریب آتا ہے تو جہاز ایک لمبی سیٹی دیتا ہے۔

باب مَنْ اَجَابَ السَّائِلَ بِاَکْثَرَ مِمَّا سَاَلَ۔

ترجمہ، باب اس شخص کے بارے میں جس نے سائل کو اس کے سوال سے زیادہ جواب دیا۔

حدیث نمبر ۱۳۲ حَدَّثَنَا اٰدَمُ الخ عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

اَنَّ رَجُلاً سَأَلَهٗ مَا يَلْبَسُ الْمُحْرِمُ فَقَالَ لَا يَلْبَسِ الْقَمِيْصَ وَلَا الْعِمَامَةَ وَلَا السَّرَاوِيْلَ وَلَا الْبُرْنُسَ وَلَا ثَوْبًا مَسَّهُ الْوَرْسُ اَوِ الزَّعْفَرَانُ فَاِنْ لَّمْ يَجِدِ النَّعْلَيْنِ فَلْيَلْبَسِ الْخُفَّيْنِ وَلْيَقْطَعْهُمَا حَتّٰى يَكُوْنَا تَحْتَ الْكَعْبَيْنِ (الحدیث)

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ جناب نبی اکرم صلعم سے روایت کرتے ہیں کہ ایک آدمی نے جناب رسول اللہ صلعم سے سوال کیا احرام باندھنے والا کیا کیا کپڑے پہن سکتا ہے۔ فرمایا کہ محرم قمیص نہ پہنے نہ ہی پگڑی اور نہ ہی شلوار اور نہ ہی جُبّہ اور نہ ایسا کپڑا جس کو ورس اور زعفران سے رنگا گیا ہو۔ اگر جوتا نہ پائے تو موزے پہن سکتا ہے۔ جبکہ اس کا نچلہ حصہ اس طرح کاٹ دے کہ دونوں موزے ٹخنوں کے نیچے تک رہ جائیں۔

تشریح از شیخ مدنیؒ حدیث شریف میں ہے من حسن اسلام المرء ترکہ مالا یعنیہ کہ آدمی کا اسلام اچھا حسن والا تب ہوتا ہے جبکہ وہ لایعنی باتوں کو ترک کر دے جس سے معلوم ہوا کہ جواب سوال سے اکثر نہ ہونا چاہیئے۔ تو مصنفؒ فرماتے ہیں کہ ہر جگہ یہ ممنوع نہیں بلکہ مقتضاء حال کے مطابق اگر جواب اکثر ہو جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں جائز ہے جیسا کہ آپؐ نے کیا۔

تشریح از شیخ زکریاؒ چونکہ فصاحت اور بلاغت کی خوبی یہ شمار کی جاتی ہے کہ جواب سوال کے مطابق ہو۔ اور قاعدہ بھی یہی ہے کہ جواب علے وفق السوال ہونا چاہیئے۔ اور زیادتی جواب خلاف قاعدہ ہے۔ تو امام بخاریؒ نے یہ باب قائم فرما کر اشارہ فرما دیا کہ اگر ضرورت کی بنا پر زیادتی ہو جائے تو جائز ہے۔ اور قاعدہ بلاغت کا مطلب یہ ہے کہ بلاضرورت بات نہ ہو۔ اور بعض شراح فرماتے ہیں کہ حضرت امام بخاریؒ نے اس کتاب کو کتاب العلم کے آخر میں ذکر فرما کر اشارہ فرما دیا ہے کہ کتاب العلم جتنی ضرورت تھی اس سے زیادہ میں نے بیان کر دیا۔

مایلبس المحرم یہاں سوال ملبوسات مباحہ کے متعلق تھا اور جواب ملبوسات محذورہ سے دیا جا رہا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ ملبوسات محذورہ معدود تھے بخلاف ملبوسات مباحہ کے لہٰذا یہ طریقہ آسان تھا بنسبۃ اس کے سارے ملبوسات کو شمار کراتے اور محذورات کے ذکر کے ساتھ ساتھ جن کا سوال نہیں تھا ان کو ذکر کر دیا لیقطعھما حافظ ابن حجرؒ نے لفظ لیقطع سے اپنی عادت کے مطابق براعۃ اختتام کے طور پر اشارہ فرما دیا کہ اب کتاب العلم قطع یعنی ختم ہو گئی۔ اور میری رائے تم کو معلوم ہی ہے کہ ہر باب کے آخر میں

حافظ کی رائے کے ساتھ ساتھ میری اپنی رائے الگ ہوا کرتی ہے۔ وہ یہ کہ کتاب کے ختم کی طرف نہیں بلکہ تیرے ختم (موت) کی طرف اشارہ ہے کہ احرام کی طرح کفن کے بھی ایسے دو کپڑے ہوتے ہیں۔ ایک چادر اوپر اور ایک نیچے اس کا دھیان رکھیو۔ تمّت بالخیر

کِتَابُ الْوُضُوْءِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

باب، مَاجَآءَ فِی قَوْلِ اللّٰہِ تَعَالٰی اِذَا قُمْتُمْ اِلَی الصَّلٰوۃِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْھَکُمْ وَ اَیْدِیَکُمْ اِلَی الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِکُمْ وَاَرْجُلَکُمْ اِلَی الْکَعْبَیْنِ قَالَ اَبُوْعَبْدِاللّٰہِ وَبَیَّنَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنَّ فَرْضَ الْوُضُوْءِ مَرَّۃً مَرَّۃً وَّ تَوَضَّاَ اَیْضًا مَرَّتَیْنِ وَثَلٰثًا ثَلٰثًا وَّلَمْ یَزِدْ عَلٰی ثَلَاثٍ وَکَرِہَ اَھْلُ الْعِلْمِ الْاِسْرَافَ فِیْہِ وَاَنْ یُّجَاوِزُوْا فِعْلَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ۔

ترجمہ، باب وضوء کے بارے میں جو اللہ تعالیٰ کے قول کے بارے میں آیا ہے کہ جب تم نماز کے لئے کھڑے ہو تو چہروں کو دھوؤ اور ہاتھوں کو کہنیوں تک دھوؤ۔ اور اپنے سروں کا مسح کرو اور اپنے پاؤں کو ٹخنوں تک دھوؤ۔ ابو عبداللہ امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ جناب نبی اکرم صلعم نے فرض وضوء ایک ایک مرتبہ ادا کیا اور نیز آپؐ نے دو دو مرتبہ اور تین تین مرتبہ بھی ہر ہر عضو کو دھویا ہے۔ اور تین سے اوپر زیادتی نہیں فرمائی۔ بنا بریں اہل علم نے وضو میں فضول خرچی کو مکروہ سمجھا ہے اور اس طرح جناب نبی اکرم صلعم کے فعل سے آگے بڑھنے کو مکروہ قرار دیا ہے۔

باب لَا یُقْبَلُ صَلٰوۃٌ بِغَیْرِ طُھُوْرٍ

ترجمہ، کوئی نماز بغیر وضو کے قبول نہیں ہوگی

حدیث نمبر ۱۳۳ حَدَّثَنَا اِسْحٰقُ بْنُ اِبْرَاھِیْمَ الْحَنْظَلِیُّ الخ عَنْ ھَمَّامِ بْنِ مُنَبِّہٍ اَنَّہٗ سَمِعَ اَبَا ھُرَیْرَۃَ یَقُوْلُ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا تُقْبَلُ صَلٰوۃُ مَنْ اَحْدَثَ حَتّٰی یَتَوَضَّاَ قَالَ رَجُلٌ مِّنْ حَضْرَمَوْتَ مَا الْحَدَثُ یَا اَبَا ھُرَیْرَۃَ قَالَ فُسَآءٌ اَوْضُرَاطٌ (الحدیث)

ترجمہ، حضرت ابوہریرہؓ فرماتے تھے کہ جناب رسول اللہ صلعم نے فرمایا اس شخص کی نماز قبول نہیں ہوگی جو بے وضو ہو گیا جب تک وضو نہ کرلے حضرموت کے ایک آدمی نے کہا اے ابوہریرۃ بے وضوئی کیا چیز ہے۔ کہا پُسکی یا پاد یعنی جو ہوا دبر سے خارج ہو بلا آواز فساء ہے اور آواز والی ضراط ہے۔

تشریح از شیخ مدنیؒ۔ مصنفؒ کی عادت ہے کہ ہر کتاب کے اوّل میں ایک آیت پیش کرتے ہیں جس سے مقصد یہ ہوتا ہے کہ جو روایات اس کتاب میں ذکر کی جائیں گی وہ اس آیت کی شرح ہوں گی۔ ایسے یہاں بھی جو روایات وضو کی آرہی ہیں وہ سب اس آیت وضو کی تفسیر ہیں۔ فاغسلوا وجوھکم امام بخاریؒ کا مقصد یہ ہے کہ آیت کریمہ میں جو امر ہے وہ موجب تکرار نہیں تو فرضیت تو ایک مرتبہ دھونے سے ادا ہوگی زیادتی احادیث سے ثابت ہے اور آپ سے لاتسرف کے الفاظ ثابت ہیں لہٰذا تین پر زیادتی مکروہ ہوگی وہ روایت اگرچہ منقول ہے۔ مگر مصنفؒ کی شرط کے مطابق نہیں اس لئے اس کو ذکر نہیں کیا پھر آیا زیادتی کمیّت میں مکروہ ہے یا کیفیت میں اس بارے میں اختلاف ہے حتّٰی یتوضأ قابل بحث یہ ہے کہ آیا حتی صلوٰۃ کی غایت ہے یا لا تقبل کی غایت ہے۔ اگر لا تقبل الی الوضوء کے معنی ہوں تو یہ صحیح نہیں کیونکہ صلوٰۃ کیف ما کان جو قبل الوضوء ہو وہ مقبول نہیں یہ تو صحیح ہے مگر لا تقبل کی غایت کی صورت میں کہ کسی نماز کی قبولیت اس غایت سے قبل نہیں ہوتی جب تک یہ غایت نہ پائی جائے یعنی وضو کرلیا۔ تو اس سے پہلے جو نماز پڑھی تھی وہ بھی مقبول ہو جائے گی۔ لہٰذا حتّٰی کو صلوٰۃ کی غایت قرار دینا پڑے گا۔

تشریح از شیخ زکریاؒ۔ امام بخاریؒ کو چاہیئے تھا کہ کتاب الایمان کے بعد صلوٰۃ کا ذکر فرماتے کیونکہ ایمان کے بعد اہم العبادات نماز ہی ہے۔ مگر ایک عارض کی بناء پر کتاب العلم کو مقدم فرمادیا جس کی وجہ بیان ہو چکی ہے۔ اس طرح کتاب العلم کے بعد کتاب الصلوٰۃ شروع کرنا چاہیئے تھا۔ مگر سارے فقہاء اور محدثین کا طریقہ ہے کہ وہ کتاب الصلوٰۃ سے قبل کتاب الطہارت ذکر فرماتے ہیں۔ کیونکہ طہارت شرائط صلوٰۃ میں سے ہے اور شرائط ہمیشہ مشروط پر مقدم ہوا کرتی ہیں۔ اس وجہ سے مقدم فرمادیا اس جگہ دو نسخے ہیں ایک نسخہ کتاب الوضوء کا ہے اور دوسرا کتاب الطہارت کا۔ اگر کتاب الطہارت ہو پھر تو واضح ہے اور اگر کتاب الوضوء ہو۔ جیسا کہ ہمارے نسخوں میں ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ جس طرح صلوٰۃ کو اہم العبادات ہونے کے سبب بقیہ عبادات پر مقدم کرتے ہیں۔ اس طرح وضو کے اہم ہونے کی وجہ سے کتاب الوضوء کو مقدم فرمادیا

اور بقیہ طہارات۔ تیمم۔ غسل۔ جنابت وغیرہ اطلاق بعض الافراد ارادۃ الکل کے طور پر داخل ہو گئے۔
چونکہ کتاب الوضوء اگرچہ لفظ خاص ہے مگر مراد اس کی عام ہے۔ اسی لئے اس کے بعد خاص طور سے باب
ما جاء فی الوضوء باندھا اور اس کے بعد آیت کریمہ اذا قمتم الی الصلوٰۃ وقول اللہ کے عنوان
سے ذکر فرمائی یہ آیت آیت الوضو۔ کہلاتی ہے۔ امام بخاریؒ کی غرض اس آیت سے کیا ہے۔ اس میں تین
قول ہیں۔ ایک یہ کہ اس آیت کی تفسیر میں اختلاف تھا اس لئے امام بخاریؒ نے اس اختلاف کی طرف
اشارہ کرنے کے لئے یہ آیت ذکر فرمادی۔ اور وہ اختلاف یہ ہے کہ آیت قرآنی میں فاغسلوا کا امر کس لئے
ہے۔ ایک جماعت کی رائے ہے کہ وجوب کے لئے ہے۔ لیکن یہ حکم اس وقت ہے جبکہ حدث لاحق ہو جائے
اور تقدیری عبادت اس طرح ہے۔ واذا قمتم الی الصلوٰۃ وانتم محدثون۔ دوسری جماعت کی رائے
یہ ہے کہ یہ امر تو اپنے عموم پر ہے۔ محدث اور طاہر دونوں کے لئے ہے لیکن مُحدِث کے لئے بطریق الایجاب
ہے اور طاہر کے لئے بطریق الاستحباب ہے اور ایک تیسرے فریق کی رائے یہ ہے کہ یہ ابتداء کا حکم ہے
حضور اقدس صلعم کو ابتداءً ہر نماز میں وضو کرنے کا حکم تھا۔ جب حضور اقدس صلعم پر یہ شاق ہونے لگا
تو پھر مسواک کو وضو کے قائم مقام کر دیا گیا جیسا کہ ابوداؤد کی روایت میں ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ وجوب
وضو کی علت میں اختلاف ہے حضرت امام بخاریؒ نے اس اختلاف کی طرف اشارہ فرمایا ہے کیونکہ ایک
جماعت کی رائے ہے۔ کہ وجوب کی علت قیام الی الصلوٰۃ ہے اس قول کا حاصل یہ ہوگا کہ جب بھی نماز
پڑھنے کا ارادہ ہو۔ اس وقت وضو کرنا فرض ہے تو یہ قول ثالث کی طرف راجع ہوا کہ یہ حکم ابتداً تھا
پھر منسوخ ہو گیا۔ اور دوسرا قول یہ ہے کہ علت قیام الی الصلوٰۃ مع الحدث ہے اور تیسرا قول یہ ہے
کہ علت حدث ہے مگر موسّعًا موسّعًا کا مطلب یہ ہے کہ فی الفور وضو کرنا واجب نہیں بلکہ عبادت
کے وقت جس میں وضو شرط ہے وضو کرنا فرض ہوگا۔ تیسرا قول یہ ہے اور یہی میرے نزدیک راجح بھی ہے۔
وہ یہ کہ حضرت امام بخاریؒ کے اصول موضوعہ اور ان کی باریکیوں اور لطائف میں سے یہ ہے کہ وہ حکم کی
ابتدا کی طرف کسی آیت یا روایت سے اشارہ فرماتے ہیں۔ چنانچہ اس میں اختلاف ہے کہ وضو کی فرضیت
کب ہوئی۔ اس میں تو اتفاق ہے کہ وضو مکہ میں تھی۔ اور اس میں بھی کوئی اختلاف نہیں کہ یہ آیت مدنی
ہے۔ مگر اختلاف مبدٔ فرضیت میں ہے۔ چنانچہ ایک جماعت کی رائے ہے کہ فرضیت مکہ میں ہوئی اور آیت
بعد میں نازل ہوئی۔ اور اس میں کوئی استبعاد نہیں۔ کیونکہ بہت سے احکام ایسے ہیں جو فرض پہلے ہوئے اور

آیت بعد میں نازل ہوئی ۔ یہ بھی اسی قبیل سے ہوگی۔ تو امام بخاریؒ آیت ذکر فرما کر اس اختلاف کی طرف اشارہ کیا اور اپنے نزدیک جو راجح تھا اس کو ذکر فرما دیا ۔ وبیّن النبی صلعم الخ امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ آیت کریمہ مجمل ہے کیونکہ اس میں عدد وغیرہ کا کوئی ذکر نہیں چونکہ احادیث قرآن پاک کی تفسیر ہیں اس لئے حضور اقدس صلعم نے اس کی تفصیل اپنی سنت سے فرما دی۔ کہ فرض تو ایک مرتبہ ہے۔ اور اس کے بعد مرتین کا مرتبہ ہے۔ پھر ثلٰثاً کا درجہ ہے یہ امام بخاریؒ نے بیّن النبی صلعم سے آیۃ الوضوء کی اجمالی تشریح فرما دی۔

یہاں بعض شراح کی رائے یہ ہے کہ یہ جملہ جزء ترجمہ ہے۔ مگر یہ صحیح نہیں اس لئے کہ اس کی کوئی روایت ذکر نہیں فرمائی۔ حالانکہ اگر جزء ترجمہ تھا تو تین روایات ہونی چاہیئے تھیں ایک مرۃ مرۃ کی دوسری مرتین کی تیسری ثلٰثاً کی ۔ اور پھر امام بخاریؒ ان پر مستقل باب باندھیں گے۔ وکرہ اھل العلم الاسراف الخ چونکہ حضور اقدس صلعم سے تین بار سے زائد ثابت نہیں ہے۔ اس لئے علماء نے مکروہ سمجھا ہے چنانچہ آپ کا ارشاد ہے من زاد او نقص فقد اساء وظلم شراح بخاریؒ نے قاطبۃ اس جگہ آکر اپنے اپنے ہتھیار ڈال دیئے اور کہہ دیا کہ امام نے اس کتاب میں ابواب کی کوئی ترتیب قائم نہیں کی۔ کتاب الوضوء کی فہرست سے صاف طور پر معلوم ہوگا کہ بے جوڑ ابواب قائم کئے ہیں، مثال کے طور پر بجائے سب سے پہلے باب المضمضہ قائم کرنے کے باب غسل الوجہ بالیدین قائم کیا۔ اور اس کے بعد دوسرا باب قائم کیا باب التسمیۃ علی کل حال وعند الوقاع بھلا اس کا وضو اور غسل الوجہ سے کیا جوڑ اس کے تقریباً دس پندرہ ابواب کے بعد باب الاستنثار قائم کیا اس کے بعد باب الاستجمار وترا قائم کیا۔ بھلا ناک میں پانی دینے اور نکالنے کو استنجاء وترا سے کیا مناسبت پھر باب المسح قائم فرمایا غرض کہ وضو میں جو ترتیب تھی اس میں سے کسی کا بھی لحاظ نہیں فرمایا۔ اس لئے شراح فرماتے ہیں کہ یہ سب بے جوڑ ہیں علامہ عینیؒ فرماتے ہیں کہ کچھ نہ کچھ مناسبت ہر باب میں موجود ہے لیکن مناسبت وہ خود بھی نہ بتلا سکے البتہ ایک کلیہ ضرور ہے جس کا لحاظ امام بخاریؒ نے فرمایا کہ کسی مناسبت سے باب قائم کر دیا لیکن اس کے بعد وہ باب دوسری مناسبت کے باوجود ذکر نہیں کریں گے تاکہ تکرار فی الابواب نہ ہو جائے۔

باب لا تقبل صلوٰۃ سے امام بخاریؒ نے اشارہ فرما دیا کہ وضو نماز کے لئے فرض ہے حتی یتوضاء چونکہ یہ غایت ہے۔ لہٰذا مطلب یہ ہوا کہ اگر کسی نے بہت سی نمازیں کئی دن تک بغیر وضو کے پڑھیں اور پھر آخر میں سب کی وضو اکٹھی ہی کر لی تو وہ تمام نمازیں درست اور مقبول ہو گئیں تو اس کا جواب دیا

کہ لاتقبل کی غایت حتی یتوضا نہیں ہے بلکہ یہ صلوٰۃ کی غایت ہے۔ ای لا یصلی حتی یتوضا الخ اس ترجمہ کی غرض یا تو ایجاب وضو کو ثابت کرنا ہے۔ جیسا کہ بعض کی رائے ہے یا شرطیۃ وضوء ثابت فرمائی ہے لاتقبل صلوٰۃ من احدث حتی یتوضأ یہ اجماعی مسئلہ ہے اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ بلا وضو نماز صحیح نہیں ہوگی۔ اسی طرح وجوب اور شرطیۃ ثابت ہوگئی ما الحدث سوال کی وجہ یہ ہے کہ کلام عرب میں حدث کا اطلاق جیسے فساء ضراط پر آتا ہے۔ اسی طرح کلام قبیح پر بھی ہوتا ہے۔ خود ہمارے ہاں اگر کوئی شخص کوئی بیہودہ بات کہے تو کہتے ہیں کیا گوز مار دیا! تو چونکہ یہ لفظ مشترک تھا اس لئے مخاطب نہ سمجھا سوال کیا تو حضرت ابوہریرہؓ نے فرمایا فساء او ضراط یہاں ایک قاعدہ ہے جو بہت جگہ کام دے گا وہ یہ کہ کبھی کوئی لفظ اعم اغلب ہونے کے سبب سے بول دیا جاتا ہے مگر مقصود خاص لفظ نہیں ہوتا بلکہ بطور تمثیل اس کو ذکر کر دیتے ہیں اسی طرح یہاں حضرت ابوہریرہؓ نے فساءٌ وضراط کے اعم اغلب ہونے کے سبب سے ذکر فرما دیا یہ نہیں کہ نقض وضو کی صفت انہی دونوں میں منحصر ہے لہٰذا اگر پیشاب پاخانہ کرے جب بھی وضو واجب ہوگا مگر چونکہ کثیر الوقوع یہی دو چیزیں تھیں اس لئے انہیں کا ذکر کر دیا۔ اب میں یہاں کہتا ہوں کہ احناف اگر تحریمہا التکبیر وتحلیلہا التسلیم میں کثیر الوقوع کی تاویل کریں تو ان پر کیا عتاب ہے۔

باب فَضْلِ الْوُضُوْءِ وَالْغُرُّ الْمُحَجَّلُوْنَ مِنْ اٰثَارِ الْوُضُوْءِ۔

ترجمہ باب ہے وضو کی فضیلت اور وضو کے آثار کی وجہ سے منہ اور ہاتھ پاؤں کا روشن ہونا۔

حدیث نمبر ۱۳۴ حَدَّثَنَا یَحْیَی بْنُ بُکَیْرٍ الخ عَنْ نُعَیْمِ الْمُجْمِرِ قَالَ رَقِیْتُ مَعَ اَبِیْ هُرَیْرَةَ عَلٰی ظَهْرِ الْمَسْجِدِ فَتَوَضَّأَ فَقَالَ اِنِّیْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اِنَّ اُمَّتِیْ یُدْعَوْنَ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ غُرًّا مُّحَجَّلِیْنَ مِنْ اٰثَارِ الْوُضُوْءِ فَمَنِ اسْتَطَاعَ مِنْكُمْ اَنْ یُّطِیْلَ غُرَّتَهٗ فَلْیَفْعَلْ۔ (الحدیث)

ترجمہ، حضرت نعیم المجمر فرماتے ہیں کہ میں حضرت ابو ہریرہؓ کے ہمراہ مسجد کی چھت پر چڑھ گیا تو انہیں وضو کیا پھر فرمایا کہ میں نے جناب رسول اللہ صلعم سے سنا فرماتے ہیں کہ میری امت کو قیامت کے دن آثار وضو کی وجہ سے غر محجل پکارا جائے گا پس تم میں سے جو شخص اپنی سفیدی کو لمبا کرنا چاہے وہ کرلے۔

تشریح از شیخ زکریاؒ۔ اس باب سے امام بخاریؒ وضو کی فضیلت ثابت فرما رہے ہیں لفظ الغر محجلون

بعض نسخوں میں رفع کے ساتھ ہے۔ اور بعض میں جر کے ساتھ ہے۔ اب اگر جر کے ساتھ ہو تب تو واضح ہے کہ باب کے تحت میں داخل ہوگا۔ اور اگر رفع ہو۔ تو اعراب حکائی ہوگا۔ اور یہ فضائل وضو میں سے ایک فضیلت ہے غرّ جمع اغرّ کی اغر اس گھوڑی کو کہتے ہیں۔ جس کی پیشانی پر سفیدی ہو۔ اور محجل اس گھوڑے کو کہتے ہیں جس کے تین پاؤں پر سفیدی ہو۔ اس قسم کا گھوڑا عرب میں بیش قیمت سمجھا جاتا ہے۔ اور اس غرہ وتحجیل میں اختلاف ہے کہ یہ امت محمدیہ کے خصائص میں سے ہے یا اور انبیا کے ہاں بھی ہے۔ راجح یہ ہے کہ حضور اقدس صلعم کی امت کے خصائص میں سے ہے اس لئے کہ حضور اقدس صلعم کا ارشاد ہے۔ کہ قیامت کے دن میں اپنی امت کو آثار وضو سے پہچان لوں گا نیز روایت باب سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ حضور اکرم صلعم اِنَّ اُمَّتِی فرمارہے ہیں۔ وضو خصائص اس امت میں سے نہیں اس لئے کہ بی بی سارہ زوجۂ ابراہیم علیہما السلام اور جریج الراہب سے وضو ثابت ہے کلاھما فی البخاری۔

فمن استطاع منکم الخ اطالۃ غرہ کی تین صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ مواقع وضو پر کثرت سے پانی گرائے دوسرے یہ کہ خوب بڑھا کر دھوئے۔ جیسا کہ حضرت ابوہریرہؓ نے کیا۔ تیسرے یہ کہ خوب رگڑ رگڑ کر مواقع وضو کو دھوئے اور انقا کرے اور پانی تین بار بہادے۔ پہلی دونو صورتیں مراد نہیں بلکہ تیسری شکل یہاں مراد ہے پہلی دو اس لئے مراد نہیں کہ حضور اقدس صلعم نے تین بار وضو فرما کر ارشاد فرمایا فمن زاد علی ھذا او نقص فقد اساء وتعدی وظلم۔ اگر شبہ ہو کہ جب اطالۃ غرہ سے مراد دونو صورتوں میں سے کوئی صورت نہیں تو پھر حضرت ابوہریرہؓ نے دوسری صورت کیوں اختیار فرمائی۔ میرے نزدیک اس کا صحیح جواب یہ ہے کہ یہ ادا عشق کے قبیلے سے ہے کہ اگر انہیں معشوق کا کوئی لفظ مل جائے تو بس پھر کیا پوچھنا چونکہ صحابہ کرام حضور اکرم صلعم کے عشاق میں سے تھے۔ حضورؐ کی ہر بات پر مر مٹنے والے تھے۔ اس لئے وہ بعض اوقات صرف ظاہری الفاظ پر نظر کرتے تھے اور معانی پر غور نہیں کرتے تھے چنانچہ ابوداؤد کی کتاب الجنائز میں حضرت ابو سعید خدریؓ کی ایک روایت ہے کہ جب ان کی وفات قریب ہوئی تو نئے کپڑے منگائے اور انہیں پہنا پھر فرمایا کہ حضور اکرم صلعم نے ارشاد فرمایا تھا کہ میت قیامت کے دن ان کپڑوں میں مبعوث ہوگی جس میں اس کا انتقال ہوا ہے تو انہوں نے یہاں پر کپڑوں سے ظاہری کپڑے مراد لئے۔ حالانکہ کلام عرب میں ثیاب کا لفظ اعمال پر بولا جاتا ہے۔ جیسے کہ سلی ثیابی عن ثیابک میں ہے۔ نیز اس حدیث ابو سعید کو اپنے ظاہر پر رکھنا قرآن واحادیث اُخر کے خلاف ہے

کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کما بدأنا اوّل خلق نعیدہٗ اسی طرح حدیث میں ہے کہ مبّت حفاۃ وعراۃ غُرلاً ننگے پاؤں ننگے بدن اٹھیں گے
۔ چہ جائیکہ ان کپڑوں میں حشر ہو۔ شاید کہیں قبر ہی میں نہ چھن جائیں۔ بہرحال حضرت ابوسعیدؓ
نے اس آیت کے مطلب کو جانتے ہوئے بھی ظاہری الفاظ کا اتباع کیا۔ جیسا کہ میرے حضرت نور اللہ مرقدہٗ
جب بذل لکھواتے ہوئے اس روایت پر پہنچے جس میں ہے کہ حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں انی اعرف
النظائر التی کان رسول اللہ صلعم یقرن بینھن اوران سورتوں کی ترتیب مصحف موجودہ
کی ترتیب کے خلاف ہے۔ تو حضرتؒ نے فرمایا آج مجھے ان سورتوں کو ایک پرچہ پر ترتیب ابن مسعودؓ
کے موافق لکھ دو آج تہجد میں اس ترتیب سے پڑھوں گا یہ کیا تھا؟ عشق تھا کہ حضور اکرم صلعم نے
اس طرح کیا ہے حالانکہ ایسا کرنا کم از کم خلافِ اولیٰ ورنہ مکروہ تنزیہی یا اس سے بھی آگے ہے کیونکہ اجماع
کے خلاف ہے۔ اسی طرح حدیث میں ہے کہ نماز بیٹھ کر پڑھنے کا ثواب کھڑے ہو کر پڑھنے سے نصف
ہے۔ پھر بھی میرے مشائخ کی رائے ہے کہ وتر کے بعد کی دو سنتیں بیٹھ کر ہی پڑھنا اچھا معلوم ہوتا ہے۔
بڑا ثواب نصف ہو مگر حضور اکرم صلعم کا اتباع تو حاصل ہو ہی جائے گا۔ بس اسی قبیل سے حضرت ابوہریرہؓ
کا واقعہ ہے کہ انہوں نے حضور اکرم صلعم کے ظاہر الفاظ پر نظر فرما کر خوب اوپر تک بڑھا کر دھویا۔ یہی وجہ
ہے کہ جب کسی نے ان پر اعتراض کیا تو ارشاد فرمایا کہ اے بنی فروخ! اگر میں یہ جانتا کہ تم یہیں ہو تو ایسا
نہ کرتا۔ یہ حضرت ابوہریرہؓ ایسے تھے۔ کہ اگر حضور اکرم صلعم سے سنی ہوئی کوئی بات ہوتی اور اس پر کوئی اعتراض
کر دیتا تو ڈانٹ کر فرما دیتے کہ میں نے حضور اکرم صلعم کو اس طرح کہتے ہوئے سنا ہے

باب، لَا يَتَوَضَّأُ مِنَ الشَّكِّ حَتّٰى يَسْتَيْقِنَ۔

ترجمہ، شک کی وجہ سے وضو نہ کرے جب تک کہ یقین نہ ہو جائے۔

حدیث نمبر ۱۳۵ حَدَّثَنَا عَلِيٌّ الخ وَعَنْ عَبَّادِ بْنِ تَمِيْمٍ عَنْ عَمِّهٖ اَنَّهٗ شَكَا اِلٰى رَسُوْلِ
اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الرَّجُلُ الَّذِيْ يُخَيَّلُ اِلَيْهِ اَنَّهٗ يَجِدُ الشَّيْءَ فِي الصَّلٰوةِ فَقَالَ
لَا يَنْفَتِلْ اَوْ لَا يَنْصَرِفْ حَتّٰى يَسْمَعَ صَوْتًا اَوْ يَجِدَ رِيْحًا (الحدیث)

ترجمہ، حضرت عباد کے چچا نے جناب رسول اللہ صلعم کی خدمت میں ایسے شخص کی شکایت کی جس
کو نماز میں یہ خیال رہتا ہے کہ کوئی چیز پیٹ سے خارج ہوئی تو آپؐ نے فرمایا اس وقت تک نماز کو نہ چھوڑے
جب تک آواز نہ سنے یا بو نہ پائے۔

تشریح از شیخ مدنی۔ حتی یستیقن مصنف جو ترجمۃ الباب میں رکھا ہے اس سے تبلانا ہے کہ حتی یسمع صوتا الخ سے مراد استیقان ہے اگر سوال ہو کہ جس شخص کو ظن غالب ہے یا اس قدر یقین نہیں کہ اس پر قسم کھا سکے تو اس کا کیا حکم ہے تو جواب یہ ہے کہ یہاں بھی ظن استیقان کے ساتھ لاحق ہے البتہ اگر کسی نے شک کی بنا پر احتیاطاً وضو کر لیا تو جائز ہے۔

تشریح از شیخ زکریا۔ حضرت امام بخاریؒ نے اسباغ الوضوء تک ان ابواب میں ایک بڑی عمدہ ترتیب اختیار فرمائی ہے جو ایک بڑے ماہر کے لئے ہونی بھی چاہیئے چنانچہ ابتدا میں ایجاب بعد ازاں فضیلت بیان فرمائی۔ اور اب یہ فرماتے ہیں کہ شک سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ جب تک یقین نہ ہو جائے۔ ممکن ہے کہ امام بخاریؒ نے اس سے ایک اختلافی مسئلہ کی طرف اشارہ فرما دیا ہو جس کو میں روایت بیان کرنے کے بعد بیان کروں گا۔ انہ شکی یہ علی بناء الفاعل اور علی بناء المفعول دونوں طرح سے پڑھا گیا ہے۔ اگر علی بناء الفاعل ہو تو الرجل منصوب اگر علی بناء المفعول ہو تو الرجل مرفوع ہوگا۔

فقال لا ینفتل الخ یہ بھی اسی قبیل سے ہے۔ چونکہ عام طور پر نماز میں جو نقض ہوتا ہے وہ ریح کی وجہ سے ہوتا ہے۔ اور اس کے معلوم ہونے کا عام ذریعہ سماع صوت و وجدانِ ریح ہے اس لئے اس کو خاص طور سے بیان فرما دیا۔ ورنہ اگر بہرے کو زکام ہو جائے تو پھر اس پر وضو واجب نہ ہو۔ ولو یقل بہ احد اس کا تو کوئی قائل نہیں ہے۔ اسی طرح حنفیہ وہاں کہہ سکتے ہیں۔ اب یہاں یہ مسئلہ اختلافی ہے کہ حضرت امام مالکؒ سے نقل کیا گیا ہے کہ یہ ارشاد رسول اللہ صلعم کا حالتِ نماز کے متعلق ہے لہٰذا اگر نماز میں یہ صورت پیش آجائے تو نماز پوری کرے اور نماز سے نہ نکلے۔ لیکن اگر خارج صلوٰۃ یہ صورت ہو تو جدید وضو کرے اور شک کے ساتھ نماز میں داخل نہ ہو۔ حضرت حسن بصریؒ سے بھی یہی تفصیل منقول ہے۔ البتہ ائمہ ثلاثہ اس روایت باب کی وجہ سے فرماتے ہیں کہ خارج صلوٰۃ داخل صلوٰۃ سب کو عام ہے کسی صورت میں نئے سرے سے وضو کرنا بدون تیقن کے واجب نہ ہوگا۔

باب، التَّخْفِيْفِ فِي الْوُضُوْءِ۔ باب وضو میں تخفیف کرنی چاہیئے۔

حدیث نمبر ۱۳۶ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ الخ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَامَ حَتّٰى نَفَخَ ثُمَّ صَلّٰى وَرُبَّمَا قَالَ اضْطَجَعَ حَتّٰى نَفَخَ ثُمَّ صَلّٰى وَرُبَّمَا قَالَ اضْطَجَعَ حَتّٰى نَفَخَ ثُمَّ قَامَ فَصَلّٰى ثُمَّ حَدَّثَنَا بِهٖ سُفْيَانُ مَرَّةً بَعْدَ مَرَّةٍ عَنْ عَمْرٍو

عَنْ كُرَيْبٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ بِتُّ عِنْدَ خَالَتِيْ مَيْمُوْنَةَ لَيْلَةً نَامَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ اللَّيْلِ فَلَمَّا كَانَ فِيْ بَعْضِ اللَّيْلِ قَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَتَوَضَّأَ مِنْ شَنٍّ مُعَلَّقٍ وُضُوْءً خَفِيْفًا يُخَفِّفُهُ عَمْرٌو وَيُقَلِّلُهُ وَقَامَ يُصَلِّيْ فَتَوَضَّأْتُ نَحْوًا مِمَّا تَوَضَّأَ ثُمَّ جِئْتُ فَقُمْتُ عَنْ يَسَارِهِ وَرُبَّمَا قَالَ سُفْيَانُ عَنْ شِمَالِهِ فَحَوَّلَنِيْ فَجَعَلَنِيْ عَنْ يَمِيْنِهِ ثُمَّ صَلّٰى مَا شَاءَ اللّٰهُ ثُمَّ اضْطَجَعَ فَنَامَ حَتّٰى نَفَخَ ثُمَّ أَتَاهُ الْمُنَادِيْ فَآذَنَهُ بِالصَّلٰوةِ فَقَامَ مَعَهُ إِلَى الصَّلٰوةِ فَصَلّٰى وَلَمْ يَتَوَضَّأْ قُلْنَا لِعَمْرٍو إِنَّ نَاسًا يَقُوْلُوْنَ إِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَنَامُ عَيْنُهُ وَلَا يَنَامُ قَلْبُهُ قَالَ عَمْرٌو سَمِعْتُ عُبَيْدَ بْنَ عُمَيْرٍ يَقُوْلُ رُؤْيَا الْأَنْبِيَاءِ وَحْيٌ ثُمَّ قَرَأَ إِنِّيْ أَرٰى فِي الْمَنَامِ أَنِّيْ أَذْبَحُكَ

ترجمہ، حضرت عبداللہ بن عباس رضؓ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ جناب رسول اللہ صلعم سو گئے یہاں تک خراٹے مارنے لگے پھر نماز پڑھی اور کبھی یوں فرمایا کہ آپؐ لیٹ گئے یہاں تک کہ خراٹے مارنے لگے پھر کھڑے ہو کر نماز پڑھی دوسری سند کے ساتھ حضرت ابن عباسؓ سے یوں مروی ہے کہ مَیں نے ایک رات اپنی خالہ حضرت میمونہؓ کے پاس بسر کی تو جناب نبی اکرم صلعم رات کو اٹھے چنانچہ رات کچھ حصہ گذر گیا، تو آپؐ اٹھے اور ایک پرانے لٹکے ہوئے مشکیزہ سے ہلکا سا وضو کیا۔ عمرو راوی اس کو بہت ہلکا اور تھوڑا کر کے بیان کرتے تھے۔ اور اٹھ کر نماز ادا کی مَیں نے بھی جناب نبی اکرم صلعم کے وضو کی طرح خفیف سا وضو کیا اور آپؐ کے بائیں طرف کھڑا ہو گیا۔ سفیان راوی کبھی یسار کی بجائے شمال کا لفظ بولتے تھے۔ جن کا مطلب ایک ہے۔ بہر حال آپؐ نے مجھے بائیں طرف سے گھما کر دائیں طرف کھڑا کر دیا۔ پھر جس قدر اللہ تعالیٰ نے چاہا۔ آپؐ نے نماز پڑھی پھر لیٹ گئے۔ اور یہاں تک نیند فرمائی کہ خراٹے لینے لگے۔ پھر منادی نے آکر آپؐ کو نماز کی اطلاع دی تو ابن عباسؓ بھی آپؐ کے ساتھ نماز کی طرف کھڑے ہو گئے آپؐ نے نماز پڑھی وضو نہ فرمایا۔ ہم لوگوں نے عمرو راوی سے کہا کہ لوگ کہتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلعم کی آنکھ سوتی تھی دل نہیں سوتا تھا۔ عمرو نے فرمایا کہ مَیں نے بھی عبید بن عمیر اپنے استاد سے سنا تھا وہ فرماتے تھے انبیاء کا خواب وحی ہوتا ہے اور اس کی تائید میں یہ آیت پڑھی کہ ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ اے پیارے بیٹے مَیں نے خواب میں دیکھا کہ مَیں تجھے ذبح کر رہا ہوں۔

تشریح از شیخ مدنیؒ۔ چونکہ وضو عبادت کے لئے ذریعہ اور واسطہ ہے جس میں غیر مجمل بھی ہوتا ہے

اس لئے زیادتی حرص کے لئے اسراف کیا جاتا تو آپؐ نے اس سے منع فرما دیا کہ فقط تعامل کافی ہے رؤیا الانبیاء وحی اور وحی نائم پر نہیں ہوتی بلکہ بیدار پر ہوتی ہے اس کی دلیل انی اریٰ فی المقام ہے کیونکہ اگر رؤیا الانبیاء وحی نہ ہوتے تو بیٹے کو ذبح کرنے کا اقدام جائز صحیح نہ ہوتا۔ کیونکہ ناحق بیٹے کو ذبح کرنا حرام ہے۔

تشریح از شیخ زکریاؒ، امام بخاریؒ نے دو باب باندھے ہیں ایک باب التخفیف دوسرا اسباغ الوضوء یہاں تک تو امام بخاریؒ نے کوئی جدت اختیار نہیں فرمائی بلکہ بہت حسن ترتیب سے کام لیا ہے۔ چنانچہ جب فوجوب فصل اور یہ کہ شک سے وضو نہیں ٹوٹتا بیان فرما چکے تو اب یہ بیان فرماتے ہیں کہ اس کے دو درجے ہیں ایک ادنیٰ دوسرا اعلیٰ درجہ، دوسرا باب اسباغ الوضوء کا باندھ کر مبدأ اور منتہیٰ کی طرف اشارہ فرمایا۔ کہ اول درجہ یہ ہے اور دوسرا باب اعلیٰ درجہ کو بیان کر رہا ہے۔ بت عند خالتی میمونۃ روایۃ من حیث الروایۃ باب السمر میں گذر چکی ہے۔ اور اس پر کلام بھی گذر چکا۔ یہاں مقصود بالذکر وضوءً خفیفاً ہے۔ یخففہ ویقللہ کا مطلب یہ ہے کہ عمرو کماً وکیفاً ہر اعتبار سے تخفیف بتلا رہے ہیں۔ تخفیف تثقیل کا مقابل ہے جو کیف میں استعمال ہوتا ہے۔ اور تقلیل تکثیر کا مقابل ہے جو کم میں استعمال ہوتا ہے یعنی کیف تخفیف اور کماً تقلیل فرمائی۔ ثم جئت فقمت عن یسارہ یہ اصطفاف کی بحث ہے امام بخاریؒ وہاں بھی یہ روایت ذکر فرمائیں گے فصلی ولم یتوضأ الخ جب حضرت عمرو نے یہ بیان کیا کہ حضور اکرم نے بدون وضو کئے ہوئے نماز پڑھی۔ تو شاگردوں نے اس کی تائید میں حضرت عمرو سے کہا کہ کچھ لوگ یہ کہتے ہیں کہ جناب نبی کریم صلعم کی چشم مبارک تو سوتی ہے۔ اور قلب مبارک بیدار رہتا ہے تو جن اشیاء کا ادراک قلب سے ہوتا ہے۔ اس کا وہ ادراک کرتا رہے گا۔ جیسے قلب خروج ریح وعدم خروج پر مطلع ہو جائے گا اور جس چیز کا ادراک چشم سے متعلق ہو اس کو وہ نہ دیکھ سکے گی یہی وجہ ہے کہ لیلۃ التعریس میں حضور اکرم صلعم نے سورج نکلنے اور طلوع صبح کو نہ دیکھا۔

رؤیا الانبیاء وحی الخ اس پر عمرو نے ان لوگوں کی مزید تائید کر دی کہ انبیاء علیہم السلام کا خواب وحی ہوتا ہے اس کی وجہ بھی یہی ہے کہ قلب بیدار ہوتا ہے۔ جو کچھ دیکھتے ہیں صحیح دیکھتے ہیں پھر اس کی تائید میں یہ آیت پڑھی انی اریٰ فی المنام الخ حضرت ابراہیمؑ نے حضرت اسماعیلؑ کو کہا کہ میں خواب میں تمہیں ذبح کر رہا ہوں چنانچہ ان کو ذبح کرنے کے لئے لے گئے تو اگر انبیاء کا خواب وحی نہ ہو تو پھر قتل نفس

کیسے جائز ہوتا اور پھر قطع رحمی اور سب سے بڑھ کر بیٹے کا قتل۔

باب اِسْبَاغِ الْوُضُوْءِ باب وضو کے مکمل اور پورا کرنے کے بارے میں۔

وَقَدْ قَالَ ابْنُ عُمَرَ اِسْبَاغُ الْوُضُوْءِ الْاِنْقَاءُ۔

ترجمہ، حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا کہ اسباغ الوضو کا معنی پورا صاف کرنا۔

حدیث نمبر ۱۳۷ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْلَمَةَ الخ عَنْ اُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ اَنَّهٗ سَمِعَهٗ يَقُوْلُ دَفَعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ عَرَفَةَ حَتّٰى اِذَا كَانَ بِالشِّعْبِ نَزَلَ فَبَالَ ثُمَّ تَوَضَّأَ وَلَمْ يُسْبِغِ الْوُضُوْءَ فَقُلْتُ الصَّلٰوةَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ الصَّلٰوةُ اَمَامَكَ فَرَكِبَ فَلَمَّا جَاءَ الْمُزْدَلِفَةَ نَزَلَ فَتَوَضَّأَ فَاَسْبَغَ الْوُضُوْءَ ثُمَّ اُقِيْمَتِ الصَّلٰوةُ فَصَلَّى الْمَغْرِبَ ثُمَّ اَنَاخَ كُلُّ اِنْسَانٍ بَعِيْرَهٗ فِىْ مَنْزِلِهٖ ثُمَّ اُقِيْمَتِ الْعِشَاءُ فَصَلّٰى وَلَمْ يُصَلِّ بَيْنَهُمَا۔ (الحدیث)

ترجمہ، حضرت اسامہ بن زید سے انہوں نے سنا وہ فرما رہے تھے کہ جناب رسول اللہ صلعم عرفات سے جب واپس ہوئے یہاں تک کہ گھاٹی میں اترے پیشاب کیا پھر وضو فرمایا لیکن پورا وضو نہیں فرمایا میں نے عرض کی یا رسول اللہ نماز کا وقت ہو گیا ہے آپؐ نے فرمایا۔ نماز آگے پڑھیں گے پھر حضور اقدس صلعم اپنی سواری پر سوار ہوئے جب مزدلفہ میں پہنچے تو سواری سے اترے وضو فرمایا بلکہ پورا وضو فرمایا پھر نماز کے لئے تکبیر کہی گئی تو آپؐ نے مغرب کی نماز پڑھی پھر ہر انسان نے اپنی سواری کو اپنی اپنی رہائش گاہ میں بٹھایا پھر عشاء کی نماز کے لئے تکبیر کہی گئی تو آپؐ نے نماز پڑھی لیکن ان دونو نمازوں مغرب اور عشاء کے درمیان اور کوئی نماز نفل وسنت نہیں پڑھی۔

تشریح از شیخ مدنیؒ وضو دو قسم ہے ایک تو دوام طہارت کے لئے چنانچہ آپؐ دائماً طہارت سے رہتے تھے۔ اور یہ سالک کے لئے ضروری ہے اس میں آپؐ تخفیف کیا کرتے تھے۔ اور دوسرا وضو جو نماز کے لئے ہوتا تھا اس میں اسباغ ہوتا تھا۔ جیسے روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ وضو ضعیف اور کامل دونو جائز ہیں۔

تشریح از شیخ زکریاؒ، چونکہ اسباغ الوضو کی دو صورتیں ہیں ایک انقا اور دوسری یہ کہ خوب درازی کی جائے جیسے حضرت ابوہریرہؓ نے کیا اور امام بخاریؒ کا قاعدہ یہ ہے کہ کہیں کہیں مقصود کو کسی آیت یا روایت سے واضح فرماتے ہیں۔ اس طرح ترجمہ میں اسباغ کا لفظ آیا تھا۔ تو امام بخاریؒ نے حضرت ابن عمرؓ

کا اثر نقل کر کے اس کے معنی متعین فرما دیئے کہ یہاں اسباغ سے انقا مراد ہے (خوب اچھی طرح ملنا) ثم نزل ولم یسبغ الوضوء الخ اس سے امام بخاریؒ نے تخفیف پر استدلال نہیں فرمایا اس لئے کہ اس میں نماز پڑھنے کا ذکر نہیں ہے بخلاف پہلی روایت کے۔ الصلوٰۃ امامک یہ اجماعی مسئلہ ہے کہ شب مزدلفہ میں مغرب اور عشا دونو جمع کی جاتی ہیں۔ ولم یصل بینہما اس کی بحث بعد میں آئے گی۔ الحاصل اسباغ کے ایک معنی سخت قسم کے رگڑنے کے ہیں اور دوسرے معنی خوب پانی ڈالنے کے ہیں۔ ابن عمرؓ کے اثر سے پہلی معنی کی تعین کر دی یعنی دلک شدید سخت ملنا

باب، غَسْلِ الْوَجْهِ بِالْيَدَيْنِ مِنْ غَرْفَةٍ وَّاحِدَةٍ۔

ترجمہ، یعنی چہرے کو ایک چلو پانی سے دونو ہاتھوں سے دھونا۔

حدیث نمبر ۱۳۸ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحِیْمِ الخ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّهٗ تَوَضَّأَ فَغَسَلَ وَجْهَهٗ اَخَذَ غَرْفَةً مِّنْ مَّآءٍ فَتَمَضْمَضَ بِهَا وَاسْتَنْشَقَ ثُمَّ اَخَذَ غَرْفَةً مِّنْ مَّآءٍ فَجَعَلَ بِهَا هٰكَذَا اَضَافَهَا اِلٰى يَدِهِ الْاُخْرٰى فَغَسَلَ بِهَا وَجْهَهٗ ثُمَّ اَخَذَ غَرْفَةً مِّنْ مَّآءٍ فَغَسَلَ بِهَا يَدَهُ الْيُمْنٰى ثُمَّ اَخَذَ غَرْفَةً مِّنْ مَّآءٍ فَغَسَلَ بِهَا يَدَهُ الْيُسْرٰى ثُمَّ مَسَحَ بِرَاْسِهٖ ثُمَّ اَخَذَ غَرْفَةً مِّنْ مَّآءٍ فَرَشَّ عَلٰى رِجْلِهِ الْيُمْنٰى حَتّٰى غَسَلَهَا ثُمَّ اَخَذَ غَرْفَةً اُخْرٰى فَغَسَلَ بِهَا يَعْنِيْ رِجْلَهُ الْيُسْرٰى ثُمَّ قَالَ هٰكَذَا رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَوَضَّأُ (الحدیث)

ترجمہ، حضرت ابن عباسؓ نے جب وضو فرمایا تو اپنے چہرے کو دھویا اس طرح کہ چلو بھر پانی لیا جس سے کلی فرمائی اور پھر ناک میں پانی دیا۔ پھر ایک چلو پانی لے کر اسی طرح کیا کہ اس ہاتھ کو دوسرے ہاتھ سے ملا دیا۔ پھر ان دونو ہاتھوں سے اپنے چہرے کو دھویا۔ پھر ایک چلو پانی لے کر اپنے دائیں ہاتھ کو دھویا پھر پانی لے کر اس سے اپنے بائیں ہاتھ کو دھویا پھر سر کا مسح فرمایا پھر ایک چلو پانی لے کر اس سے دائیں پاؤں پر ڈالا یہاں تک کہ اسے دھو دیا۔ پھر دوسرا چلو لے کر اس سے بائیں پاؤں کو دھویا پھر فرمایا میں نے اسی طرح آنحضرت رسول اللہ صلعم کو وضو کرتے دیکھا۔

تشریح از شیخ مدنیؒ فرش علی رجلہ الیمنی جمہور فرماتے ہیں کہ پاؤں پر رش اور نضح کافی نہیں، بلکہ غسل ضروری ہے چنانچہ جب آپؐ نے جلدی کرنے والوں کو وضو میں کوتاہی کرتے دیکھا تو فرمایا

ویل لاعقاب تو رشّ اور نضح کیسے صحیح ہوگا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جس طرح رشّ کے معنی چھڑکنے کے آتے ہیں ایسے صَبّ یعنی پلٹنے کے معنی بھی آتے ہیں۔ تو یہاں رشّ یعنی صَبّ کے ہے صاحب قاموس نے اس کی تصریح کی ہے جس کو ہم بالاتفاق کہتے ہیں کہ بعض میں رشّ کے معنی صَبّ کے ہیں۔ حتی غسلھا اس پر قرینہ ہے۔ دوسری توجیہ یہ ہے کہ رشّ یعنی ای بقطرات عظیمۃ اس میں اسالۃ ہوجائے گی یعنی پانی بہانا۔ تیسری توجیہ یہ ہے کہ رشّ کے معنی چھوٹے چھوٹے قطرے چھڑکنا اور جب وہ برابر دیر تک چھڑکے جائیں تو اسالہ ہوجائے گی۔ رشّ ای یدیم الرشّ حتی صار غسلھا کہ اس وقت تک چھڑکتے رہے یہاں تک کہ ان کو دھو لیا۔

تشریح از شیخ زکریا۔ یہاں تک تو امام بخاریؒ نے بڑی ترتیب سے ابواب ذکر فرمائے اور کوئی جدت اختیار نہیں کی۔ کیونکہ تراجم میں امام بخاریؒ نے ایسی باریکی اور جدت سے کام لیا ہے۔ کہ یہ مشہور ہوگیا کہ فقہ البخاری فی تراجمہ لیکن ساری کتاب کے مقابلہ میں جتنی جدت کتاب الوضوء میں اختیار فرمائی اور کہیں نہیں کی۔ اگرچہ میں اس کے ساتھ یہ بھی کہتا ہوں۔ کہ امام بخاریؒ کے تراجم میں جو باریکیاں شراح نے نکالی ہیں شاید خود امام کا دھیان بھی ان کی طرف نہ گیا ہو۔ بہرحال یہاں سے ابواب میں بظاہر بڑی بے ترتیبی چلے گی کیونکہ ادھر تو علی الوجہ کا ذکر ہے اور اس کے فوراً بعد جماع میں پہنچ گئے التسمیۃ علی کل حال وعند الوقاع باب باندھ دیا اور ابھی جماع سے فارغ بھی نہ ہوئے تھے کہ خلاء کا ذکر شروع کر دیا۔ پھر ایک ڈیڑھ صفحہ ترتیب سے خلاء کے ابواب۔ کا ذکر فرما کر استنشاق کا ذکر فرمایا۔ اور درمیان میں استجمار وغیرہ کو داخل کر دیا۔ حالانکہ پہلے مضمضہ و استنشاق اور پھر غسل وجہ کو ذکر فرماتے اسی وجہ سے علامہ کرمانی جو بخاری کے قدیم شارح ہیں نے کہہ دیا کہ امام بخاریؒ نے ابواب الوضوء اور ابواب الخلاء وغیرہ میں ترتیب ملحوظ نہیں رکھی اور علامہ عینیؒ فرماتے ہیں کہ بالکلیہ تو مناسبت کا انکار نہیں کیا جا سکتا ہاں کہیں خفیف اور قلیل مناسبت ہے۔ اور حافظ ابن حجرؒ نے ان دونوں سے زیادہ باریکیاں پیدا کی ہیں۔ مگر میری رائے یہ ہے کہ امام بخاریؒ نے ان ابواب کو نہایت حسن ترتیب سے منعقد فرمایا ہے اور اس میں کوئی خلجان نہیں اور ان شاء اللہ میں اس کو اپنے اپنے مواقع پر بیان کروں گا۔ مگر یہ دو قاعدوں پر مبنی ہے۔ ایک یہ کہ امام بخاریؒ نے بڑی باریکیوں سے کام لیا ہے۔ جہاں تک افہام عامہ نہیں پہنچیں دوسرے یہ کہ بعض جگہ بعض ابواب تکمیلاً و استطراداً ذکر فرماتے ہیں۔ مگر جب اس کی اصل

جگہ آتی ہے تو امام بخاریؒ اسے دوبارہ ذکر نہیں کرتے تاکہ تکرار نہ ہو۔ اب سنو یہاں کیا مناسبت ہے۔ اس سے قبل باب الاسباغ ذکر فرمایا تھا۔ اب اس کے بعد باب غسل الوجہ بالیدین ذکر فرما کر اس بات کی طرف اشارہ فرمایا کہ اگر اسباغ میں دونوں ہاتھوں سے کام لینے کی ضرورت ہو۔ تو وہاں دونوں ہاتھوں سے کام لیا جا سکتا ہے۔ مثلاً چہرہ ہے یہاں ایک ہاتھ سے اسباغ مشکل ہے اور دو ہاتھوں سے آسان لیکن اب سوال یہ ہے کہ من غرفة واحدة کی قید کیوں لگادی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ چونکہ بعض روایات میں بالیمین وغیرہ مذکور ہے۔ اس لئے امام بخاریؒ نے اس کی شرح فرمادی۔

اور اس کی مراد متعین فرمادی۔ اور حافظؒ کی رائے ہے کہ ان پر رد فرمایا ہے۔ مگر میرے نزدیک یہ رد نہیں ہے فجعل بها هكذا الخ یعنی دونوں ہاتھ لگائے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ دونوں ہاتھ سے اسباغ کامل ہوتا ہے۔ وہ اس طرح کہ ایک چلو سے پانی لیا اور دوسرا ہاتھ لگایا تاکہ پانی نہ گرے بعض شراح فرماتے ہیں کہ امام بخاریؒ نے یہاں سے وضو غسل الوجہ سے شروع فرمادی کیونکہ قرآن مجید کے اندر بھی وضو کی ابتدار چہرے کے غسل سے ہے امام بخاریؒ نے اس کا اتباع کیا بعض شراح فرماتے ہیں کہ وضو میں ابتدا غسل الوجہ سے ہے۔ اور اس سے پہلے کی چیزیں وضو کے اجزار نہیں بلکہ اس کے مقدمات ہیں اس لئے کہ وضو کا پانی پاک ہونا ضروری ہے اور اس کی طہارت معلوم کرنے کے لئے پانی کے تین اوصاف معلوم کئے جائیں گے۔ یعنی ہاتھ دھو کر اس کا رنگ کلی سے اس کا طعم اور ناک کے ذریعہ اس کی بو معلوم ہو جائے گی طہارت معلوم ہو جانے کے بعد منہ دھو کر غسل کی ابتدا کی جائے گی۔

باب، التَّسْمِيَةِ عَلٰى كُلِّ حَالٍ وَّ عِنْدَ الْوِقَاعِ ۔ الخ

ترجمہ، یعنی ہر حال میں بسم اللہ پڑھنی چاہیئے حتیٰ کہ جماع کے وقت بھی بسم اللہ پڑھی جائے۔

حدیث نمبر ۱۳۹ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ الخ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ يَبْلُغُ بِهِ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَوْ اَنَّ اَحَدَكُمْ اِذَا اَتٰى اَهْلَهٗ قَالَ بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُمَّ جَنِّبْنَا الشَّيْطٰنَ وَجَنِّبِ الشَّيْطٰنَ مَا رَزَقْتَنَا فَقُضِيَ بَيْنَهُمَا وَلَدٌ لَمْ يَضُرَّهٗ (الحديث)

ترجمہ، حضرت ابن عباسؓ اس روایت کو نبی اکرم صلعم تک پہنچاتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا کہ اگر تم میں سے کوئی ایک جب اپنی اہلیہ سے ہمبستر ہو تو بسم اللہ کہتے ہوئے دعا کرے کہ اے اللہ شیطان کو ہم سے اور اولاد سے دور رکھنا جو تو ہمیں عطا فرمائے۔ پس اگر ان دونوں میں ولد کا فیصلہ ہو گیا تو شیطان اس کو نقصان نہیں

پہنچائے گا۔

تشریح از شیخ مدنیؒ۔ مصنفؒ تسمیۃ عندالوضوء ثابت کرتے ہیں امام ترمذیؒ نے تو روایت ذکر کر دی اس کو امام بخاریؒ نہیں لا سکتے کیونکہ وہ ان کی شرط کے مطابق نہیں البتہ ایک دُور سے روایت لا کر ترجمہ ثابت کرتے ہیں کہ جب ننگے ہو کر عندالوقاع تسمیہ جائز ہے تو اس سے جو بہتر حالتیں ہیں۔ ان میں تسمیہ بطریق اولیٰ ہوگا۔ ان میں سے وضو بھی ہے۔ لم یضرہ بعض نے کہا وہ ضرر یہ ہے کہ عندالولادت اس کو چونکا نہیں مارے گا کہ جس سے شیطان کا اثر پہنچ جائے کیونکہ بچہ سہل الوصول ہوتا ہے کہ جب کوئی اثر ڈالا جائے تو وہ اس اثر کو جلد قبول کرتا ہے۔ چنانچہ اسی وجہ سے بچے کے گلے میں تعویذات ڈالے جاتے ہیں۔ تاکہ جنات و آسیب کا اثر نہ پڑے اور آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ شیطان کے اس چونکے سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ مریمؓ محفوظ رہیں۔ اور دوسرا قول یہ ہے کہ جو تکالیف بچے میں شیطان کی طرف سے ہوتی ہیں جیسے ام الصبیان وغیرہ ان سے بچہ محفوظ رہتا ہے۔ تیسرا قول یہ ہے کہ الاغوینھم اجمعین شیطان کا مقولہ ہے۔ اس ضرر سے محفوظ رہے گا اور حکیم جمیل صاحب نے کہا تھا۔ کہ بچہ کامل تب پیدا ہوتا ہے جب زوجین میں کمال شہوت اور کمال درجہ کی رغبت ہو اور اعضاً بھی کامل ہوں۔ تب ہر ہر جزو سے منی کھچ کر آئے گی جس سے اولاد قوی پیدا ہوگی۔ چنانچہ جوانی کی اولاد کامل ہوتی ہے اور بڑھاپے کی ضعیف ہوتی ہے۔ مولوی اگر خدا رسیدہ ہو تو بیوی سے کمال رغبت سے جماع نہیں کرتا۔ چنانچہ ایک بزرگ کا واقعہ اس قسم کا ہے کہ جب بیوی کھانا دینے کے لئے گئی درمیان میں دریا حائل تھا۔ وہ پھٹ گیا تو زوج نے کہا کہ میں نے تیرے سے جماع اس وجہ سے کیا کہ ولزوجک علیک حق کے طور پر کمال شھوۃ اور رغبۃ کی بنا پر جماع نہیں کیا۔ بنا بریں عالم کا بچہ جاہل رہ جاتا ہے اور جاہل کا عالم بن جاتا ہے۔

تشریح از شیخ زکریاؒ۔ باب سابق میں میں نے بیان کیا تھا کہ شراح کے نزدیک باب غسل الوجہ سے وضو شروع ہو گیا ہے۔ لیکن یہ غلط ہے۔ اور یہی خلجان میں پڑنے کی وجہ ہے۔ اور علامہ کرمانی کو یہ لکھنے کی جرأت ہوئی کہ حضرت امام بخاریؒ نے ترتیب وضو کا لحاظ نہیں فرمایا۔ اور علامہ عینیؒ نے لکھ دیا کہ مناسبات بعیدہ ہیں۔ بلکہ میری رائے یہ ہے کہ ابھی ابواب الوضوء شروع نہیں ہوتے ابتداء میں اجمالی طور سے وضو کو بیان کر کے استنجا کا ذکر فرما رہے ہیں۔ لہٰذا باب التسمیۃ علی کل حال ذکر فرمایا۔ چونکہ ترمذی کی روایت

میں ہے کہ حضور اقدس صلعم نے ارشاد فرمایا۔ ستر ما بین اعین الجن و عورات بنی آدم اذا دخل الکنیف ان یقول بسم اللہ ترجمہ، کہ جنات اور بنو آدم کے ننگ کے درمیان پردہ جبکہ وہ بیت الخلاء میں داخل ہو یہ ہے کہ وہ بسم اللہ کہے۔ اور اس باب کے بعد امام بخاریؒ دعا خلاء ذکر فرمائیں گے۔

چونکہ امام ترمذیؒ کی روایت امام بخاریؒ کی شرط کے مطابق تو تھی نہیں اس لئے اس کو کیا ذکر کرتے ہاں اپنی ایک روایت سے استدلال فرمایا۔ جس میں بسم اللہ عند الوقاع کا ذکر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ باب میں اصل الفاظ روایت کا اتباع کرتے ہوئے وقاع کا لفظ زیادہ کر دیا۔ ورنہ مقصود وہ نہیں ہے۔ اور استدلال اس طرح فرمایا۔ کہ جب جماع کے وقت بسم اللہ پڑھتا ہے۔ تو خلاء اور علی کل حال تو بدرجہ اولی پڑھی جائے گی۔

لو ان احدکم اذا اتی اھلہ ایک روایت میں اَتَی اھلہ کی بجائے انزل ہے بعض حضرات کی رائے کی بنا پر یہ ہے کہ یہ دعا بوقت انزال پڑھے کیونکہ حضور اقدس صلعم سے یہی مروی ہے۔ اور جمہور فرماتے ہیں کہ اس وقت کشفِ عورت ہوتا ہے۔ اور کشف عورت کے وقت اللہ کا ذکر خلاف ادب ہے لیکن اس میں اشکال یہ ہے کہ ادب وہی ہے جو شریعت سے ثابت ہو۔ اور روایت میں اتی اھلہ اور بعض میں جامع اہلہ وارد ہے۔ جس سے بوقت جماع دا نزال ہی کی تائید ہوتی ہے۔ لیکن جمہور کی طرف سے اس کا جواب یہ ہے کہ آداب بھی شریعت ہی سے ثابت ہیں، چنانچہ حضور اقدس صلعم نے ابوالجہیم کو سلام کا جواب نہیں دیا۔ جبکہ پیشاب کرنے کی حالت میں انہوں نے آپؐ پر سلام کیا تھا۔ رہی روایات تو ان کی تاویل اذا اراد الجماع والاتیان ہے۔ اور اذا انزل کی روایت اگر ثابت ہو۔ تو اس کی تاویل اذا وجد سبب الانزال کی جائے گی۔ اور میری رائے یہ ہے کہ بوقت ارادہ زبان سے اور بوقت انزال قلب سے پڑھے۔

لم یضرہ الخ حضور اقدس صلعم نے چھوٹے چھوٹے الفاظ میں معاشرت کے بڑے بڑے مسائل حل فرما دیئے۔ لوگ بچوں کے نافرمان ہونے کی شکایات کرتے رہتے ہیں۔ اگر یہ چند الفاظ کہہ لیں تو سارا مرخشہ پاک ہو جائے۔ یاد رکھو۔ علماء نے لکھا ہے کہ نماز کے وقت وطی کرنے سے اگر حمل ٹھہر گیا تو لڑکا عاق الوالدین ہو گا۔ اگرچہ میری اس توجیہ پر اشکال ہو سکتا ہے۔ بیت الخلاء سے نکلتے وقت غفرانک کی ایک وجہ یہ بھی کہ وہاں ذکر قلبی ہوتا ہے۔ اس سے معافی طلب کی جاتی ہے لیکن اس کا جواب یہ ہو سکتا ہے کہ وہاں معافی قلب کے ذکر پر نہیں بلکہ آدمی جب پاس انفاس کا عادی ہوتا ہے۔ تو زبان سے بھی نکل پڑتا ہے اس لئے

اس پر غفرانک پڑھنے کا حکم ہے نہ کہ محض قلب کے ذکر پر واللہ اعلم

بَابُ مَا يَقُوْلُ عِنْدَ الْخَلَاءِ ترجمہ، قضا حاجت کے وقت کیا دعاء پڑھے۔

حدیث نمبر ۱۴۰ حَدَّثَنَا اٰدَمُ الخ سَمِعْتُ اَنَسًا يَقُوْلُ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا دَخَلَ الْخَلَاءَ قَالَ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُبِكَ مِنَ الْخُبُثِ وَالْخَبَآئِثِ تَابَعَهُ اَبُوْ عَرْعَرَةَ عَنْ شُعْبَةَ وَقَالَ غُنْدُرٌ عَنْ شُعْبَةَ اِذَا اَتَى الْخَلَاءَ وَقَالَ مُوْسٰى عَنْ حَمَّادٍ اِذَا دَخَلَ وَقَالَ سَعِيْدُ بْنُ زَيْدٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيْزِ اِذَا اَرَادَ اَنْ يَّدْخُلَ۔ (الحدیث)

ترجمہ، حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ جناب نبی اکرم صلعم جب بیت الخلاء میں داخل ہوتے تھے تو فرماتے تھے۔ اللہ میں تیرے ساتھ پناہ پکڑتا ہوں نر اور مادہ شیاطین سے شعبہ نے اذا اتی الخلاءَ فرمایا حماد نے اذا دخل اور عبد العزیز نے اِذا اراد اَن ید خل کہ جب داخل ہونے کا ارادہ کرے تو تب دعا مانگے۔

تشریح از شیخ زکریاؒ چونکہ تسمیۃ عند الخلاء عموم سے ثابت فرما چکے تو اب خلاء کے وقت کی دعا کو ذکر فرمایا۔ اور اس دعا کے پڑھنے کی وجہ ابو داؤد کی روایت میں مذکور ہے فان الحشوش محتضرة یعنی شیاطین وجنات وہاں موجود رہتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ الجنس یمیل الی الجنس چونکہ پاخانے پیشاب کے مقامات گندے ہوتے ہیں اور یہ شیاطین بھی گندے ہیں اس لئے وہ اس کو پسند کرتے ہیں۔ لہذا ان کے شر سے بچنے کے لئے یہ دعا پڑھے جس طرح فرشتے پاک ہیں تو وہ پاک جگہ کو پسند کرتے ہیں اور بدبودار چیزوں سے کراہت کرتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ مسجد میں لہسن۔ پیاز اور بدبودار چیز کھا کر جانا منع ہے۔ کیونکہ وہ فرشتوں کے حاضر ہونے کی جگہ ہے۔ اور یہ شیاطین چونکہ نجاسات سے محبت کرتے ہیں۔ اس لئے انہیں لوگوں پر اثر ڈالتے ہیں۔ جو طہارت کا اہتمام نہیں کرتے۔ اگر عاملین طہارت کا اہتمام نہ کریں تو مصیبت میں پڑ جائیں۔ یہ حدیث کی ساری کتابوں میں پائی جاتی ہے کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا دخل الخلاءؑ یہاں مالکیہ اور ائمہ ثلاثہ کا اختلاف ہے۔ مالکیہؒ فرماتے ہیں کہ جب داخل ہو جائے تو اس وقت یہ دعا پڑھے۔ اور ائمہ ثلاثہ رحمہ یہ فرماتے ہیں کہ جب داخل ہونے کا ارادہ کرے اس وقت پڑھے۔ تاہم اذا دخل کا لفظ مالکیہ کی تائید کرتا ہے۔ لیکن جمہور کے نزدیک اذا اراد الخلاءؑ کے معنی ہیں۔ اَللّٰهُمَّ اِنِّی اعوذبک من الخبثِ وَالخبائث الخ خُبث کتب احادیث میں دو طرح

سے ضبط کیا گیا ہے۔ بضم الباء اور دوسرے بسکون الباء اگر بضم الباء ہو تو اس صورت میں یہ خبیث کی جمع ہوگی۔ اور اس سے ذکور شیاطین مراد ہوں گے۔ اور خبائث خبیثہ کی جمع ہے۔ اور وہ اناث خبیث ہیں اور مطلب یہ ہے کہ ذکور و اناث دونوں سے پناہ چاہتا ہوں اگر بالسکون ہو تو اس صورت میں یہ مصدر ہوگا اور ہر نوع خبث کو شامل ہوگا۔ اور خبائث صفت ہوگی اور اس کا موصوف الاشیاء محذوف ہوگا اور اس صورت میں ذکور و اناث دونوں آجائیں گے۔ میرے والد صاحب کے نزدیک یہ احتمال ثانی زیادہ بہتر ہے کہ ہر شے خبیث اور ذکور و اناث پناہ ہوگی۔ اذا اتی الخلاء۔ یہ مالکیہ اور غیر مالکیہ دونوں کا محتمل ہے اذا دخل یہ مالکیہ کے موافق ہے۔ اذا اراد ان یدخل حضرت امام بخاریؒ نے اس کو ذکر کر کے جمہور کی تائید فرما کر اذا دخل کے معنی بتلا دیئے۔

بابُ وَضْعِ الْمَآءِ عِنْدَ الْخَلَآءِ۔ ترجمہ: قضاء حاجت کے وقت پانی رکھنا چاہیئے۔

حدیث نمبر ۱۴۱۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰہِ بْنُ مُحَمَّدٍ الخ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ دَخَلَ الْخَلَاءَ فَوَضَعْتُ لَہٗ وُضُوْءً اقَالَ مَنْ وَضَعَ ھٰذَا فَاُخْبِرَ فَقَالَ اللّٰھُمَّ فَقِّھْہُ فِی الدِّیْنِ۔ الخ

ترجمہ:۔ حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ جناب نبی اکرم صلعم جب بیت الخلاء میں داخل ہوئے تو میں نے آپؐ کے لئے پانی رکھ دیا۔ آپؐ نے پوچھا کس نے رکھا آپؐ کو میرے متعلق بتلا دیا گیا تو آپؐ نے دعا فرمائی کہ اے اللہ اس کو دین میں سمجھ عطا فرما۔

تشریح از شیخ زکریا۔ اس سے امام بخاریؒ ایک اور ادب کی طرف اشارہ فرما رہے ہیں کہ جب کوئی بزرگ استاد خلاء کے واسطے جائے۔ تو شاگردوں کو چاہیئے کہ وہ پانی لاکر رکھ دیں تاکہ اس کو آکر پانی طلب کرنے کی حاجت نہ ہو۔ اور وہ اتنی دیر نجاست میں ملوث نہ رہے۔ جیسا کہ ابن عباسؓ نے کیا بعض فرماتے ہیں کہ امام بخاریؒ کی غرض اس باب سے یہ بیان کرنا ہے کہ حدیث باب میں جو وضعت لہ وضوءً ہے اس سے شبہ ہوتا تھا کہ شاید یہ وضو کا پانی تھا۔ یہ غلط ہے بلکہ اس سے ماء الاستنجا مراد ہے یہاں تک تو میں بھی ان سے متفق ہوں۔ آگے وہ فرماتے ہیں کہ اس روایت کے لفظ فوضعت لہ وضوءً کو دیکھ کر بعض حضرات نے یہ کہہ دیا کہ حضور اقدس صلعم نے کبھی بھی پانی سے استنجا نہیں فرمایا۔ ان پر امام بخاریؒ اس باب سے رد فرما رہے ہیں۔ کہ یہ ماء الوضوء نہیں بلکہ ماء الاستنجا ہے۔ میں اس مضمون سے

متفق نہیں اس لئے کہ اس کا مستقل باب الاستنجاء بالماء آرہا ہے۔ اگر یہ مطلب یہاں لیا جائے تو آئندہ باب مکرر ہو جائے گا۔

وضع الماء عند الخلاء عند الخلاء کی قید اس لئے لگائی ہے کہ پانی کے رکھنے کے تین مواقع ہیں۔ ایک یہ کہ اندر بیت الخلاء میں رکھ کر آئے چونکہ وہاں پردہ ہے۔ اور وہ قضائے حاجت کر رہا ہے لہٰذا اندر تو رکھ نہیں سکتا۔ دوسرا موقعہ یہ ہے کسی اور دوسری جگہ رکھ دے اس صورت میں وہ نکل کر تلاش کریگا۔ کہ پانی کہاں رکھ دیا۔ اور تیسرا موقعہ یہ ہے کہ بیت الخلاء کے پاس رکھ دے تاکہ نکلنے کے بعد تلاش کرنے کی ضرورت نہ پڑے۔ اس تیسرے موقعہ کے انسب ہونے کے لئے عند الخلاء کی قید لگائی ہے۔ اللھم فقھہ فی الدین کی دعا اس لئے فرمائی کہ انہوں نے فقاہت کا کام کیا کہ ان تین مواقع میں سے موقع انسب کو اختیار فرمایا۔ اس دعا کی برکت سے حبر الامۃ قرار پائے۔

باب لَا يَسْتَقْبِلُ الْقِبْلَةَ بِغَائِطٍ اَوْ بَوْلٍ اِلَّا عِنْدَ الْبِنَاءِ جِدَارٍ اَوْ نَحْوِهٖ

ترجمہ، پیشاب اور پاخانہ کرتے وقت قبلہ کی طرف منہ نہ کرے مگر عمارت کے پاس خواہ دیوار ہو یا کوئی اور چیز۔

حدیث نمبر ۱۴۲ حَدَّثَنَا اٰدَمُ الخ عَنْ اَبِیْ اَیُّوْبَ الْاَنْصَارِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا اَتٰی اَحَدُکُمُ الْغَائِطَ فَلَا یَسْتَقْبِلِ الْقِبْلَةَ وَلَا یُوَلِّھَا ظَھْرَہٗ شَرِّقُوْا اَوْ غَرِّبُوْا (الحدیث)

ترجمہ، حضرت ابو ایوب انصاریؓ فرماتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلعم نے فرمایا جب تم میں کوئی ایک بیت الخلاء کو آئے تو قبلہ کی طرف منہ بھی نہ کرے اور نہ ہی اپنی بیٹھ اس کی طرف پھیرے بلکہ مشرق کی طرف منہ کرے یا مغرب کی طرف۔

تشریح از شیخ مدنیؒ مصنفؒ نے ترجمہ الا عند البناء کہہ کر غالباً استقبال اور استدبار کی ممانعت صحراء میں ثابت کرنا چاہتے ہیں بنیان میں اجازت ہے۔ مگر یہ چیز روایت ثابت نہیں ہوتی اگر اگلی روایت ابن عمرؓ سے قید لگانا چاہتے ہیں۔ وہ تخصیص کا احتمال رکھتی ہے۔ معلوم یہ ہوتا ہے کہ امام بخاریؒ اپنا مدعا لفظ الغائط سے ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ لغت میں الغائط اس جگہ کو کہتے ہیں جو قضائے حاجت کے لئے مختص ہو تو الغائط کا لفظ اس خصوصیت کے لئے لائے۔ دوسرے لفظ اتی جو ابتیان

(لغتا مجھولی ہوئی)

سے ہے وہ بھی اس معنی کو حقیقی معنوی کے لئے لایا گیا ہے، حالانکہ حقیقت لغویہ مہجور ہے، دوسرے معنی نجاست کے ہیں جو حقیقت عرفی ہے اور تیسرے معنی ہیں المکان الذی یعد للغائط مطلقاً سواء فی الصحراء او البنیان یہ مجاز عرفی ہے۔

تشریح از شیخ زکریاؒ غور سے سنو! قبلہ کی طرف استقبال استدبار بالغائط البول میں علماء کے آٹھ مذہب کتب حدیث میں مذکور ہیں جن میں سے تین زیادہ مشہور ہیں۔ ایک مذہب ظاہریہ کا ہے کہ نہی کی ساری روایتیں ابن ماجہ اور ابوداؤد کی دو ضعیف روایتوں سے منسوخ ہیں۔ اور دوسرا مذہب اس کے مقابل حنفیہ کا ہے کہ استقبال استدبار مطلق خواہ بنیان میں ہو یا صحاری میں بالکل ناجائز ہے اور کسی حال میں جائز نہیں اور تیسرا مذہب ائمہ ثلاثہ کا ہے۔ کہ فضا میں صحرا کے اندر استقبال واستدبار ناجائز ہے اور بنیان میں جائز ہے۔ ظاہریہ یہ کہتے ہیں کہ ابن ماجہ میں حضور اقدس صلعم کا ارشاد ہے حَوِّلُوا مقعدتی نحو القبلۃ کہ میرا مقعدؐ قبلہ کی طرف پھیر دو۔ اسی طرح ابوداؤد کی روایت ہے کہ میں نے حضور اقدس صلعم کو وفات سے ایک سال پہلے دیکھا کہ استقبال قبلہ کر رہے ہیں۔ لہٰذا روایات نہی منسوخ ہیں۔ اور ائمہ ثلاثہ رح حضرت ابن عمرؓ کی روایت کے عموم سے استدلال کرتے ہیں کہ انہوں نے سرکار دوعالم صلعم کو بیت المقدس کا استقبال کرتے ہوئے استنجا کرتے دیکھا لہٰذا جمعاً بین الروایتین یہ کہنا چاہیئے کہ حضرت ابوایوب انصاریؓ جن کے گھر میں حضور اکرم صلعم ابتداً مہمان ہوئے تھے اور ان کو اپنی ابتدائی مہمانی سے نوازا وہ فرماتے ہیں کہ جب ہم شام گئے۔ فوجدنا مراحیض قد بنیت قبل الکعبۃ فکنا ننحرف عنہا ونستغفر اللہ ترجمہ، جب ہم شام گئے تو بیت الخلاء کو ہم نے دیکھا کہ وہ قبلہ کی طرف بنائے گئے ہیں تو ہم ان سے پھرتے تھے اور استغفار اور توبہ کرتے تھے۔ وہاں صرف ابن عمرؓ کی نظر تھی۔ اور یہاں سارے صحابہ کا فعل کنا ننحرف ذکر فرما رہے ہیں۔ اگر یہ حکم خاص بالبنیان تھا تو انحراف کی کیا ضرورت تھی۔ تین مذہب تو یہ ہو گئے۔ چوتھا مذہب حضرت امام ابوحنیفہؒ اور امام احمدؒ کی ایک روایت ہے کہ استدبار تو جائز ہے۔ اور استقبال مطلقاً جائز نہیں۔ یہ مذہب حضرت ابن عمرؓ کی روایت کی بنا پر ہوگا کیونکہ جب حضور انور صلعم بیت المقدس کی طرف منہ کئے ہوئے تھے تو بیت اللہ کی طرف پشت ہوگی کیونکہ مدینہ طیبہ مکہ معظمہ اور بیت المقدس کے درمیان ہے اور مکہ معظمہ مدینہ منورہ کے جنوب میں ہے اور بیت المقدس شمال میں ہے۔ اور پانچواں مذہب امام ابویوسفؒ سے مروی ہے کہ استدبار

فی البنیات تو جائز ہے لیکن استقبال مطلقاً اور استدبار فی الصحراء ناجائز ہے کیونکہ استدبار بنیان ہی کے اندر تھا۔ اس لئے جواز بنیان کے ساتھ خاص ہو گیا۔ اور چھٹا مذہب یہ ہے کہ نہی تنزیہی ہے اور استقبال بیت المقدس وغیرہ روایات جواز بیان جواز کے لئے ہیں اور ساتواں مذہب یہ ہے کہ نہی بالکل عام ہے حتی فی القبلۃ المنسوخۃ اور آٹھواں مذہب یہ ہے کہ نہی اہل مدینہ کے ساتھ خاص ہے اور غیر اہل مدینہ کے لئے جائز ہے۔ مگر یہ مذہب ظاہر البطلان ہے کیونکہ انہوں نے شرقوا وغربوا کے لفظ سے استدلال کیا ہے کہ ان کو تشریق اور تغریب کا حکم فرمایا اور قبلہ جو جانب جنوب میں ہے تو یہ اس وجہ سے ہے کہ اہل مدینہ کا قبلہ جانب جنوب میں تھا۔ اگر اس کی طرف استقبال نہ کریں گے تو استدبار ہو گا اگر استدبار کریں گے تو استقبال ہو گا۔ لہٰذا جملہ حدیث سے یہ سمجھ لینا کہ اہل مدینہ کے ساتھ کوئی تخصیص کی گئی یہ غلط ہے۔ ان مذاہب میں سے امام بخاریؒ نے آئمہ ثلاثہ رح کا قول اختیار فرمایا ہے۔ جیساکہ مصنفؒ کا قول الا عند البناء اس پر دلالت کرتا ہے لیکن امام بخاریؒ نے ترجمہ میں جو یہ استثناء ذکر کیا ہے، وہ حدیث الباب یعنی حضرت ابو ایوب انصاریؓ کی روایت سے ثابت نہیں ہوتا۔ اس کی توجیہ یہ ہے کہ غائط کہتے ہیں مکان منسع فی الفضاء کو تو اس سے معلوم ہو گیا کہ نہی فضا کے ساتھ خاص ہے اور ابنیہ وغیرہ میں نہیں ہے۔ دوسری توجیہ یہ ہے کہ امام بخاریؒ کی عادت مضردہ یہ ہے کہ وہ روایات متعارضہ میں جمع فرمایا کرتے ہیں اس مسئلہ میں بھی دو متعارض روایات تھیں ایک روایت الباب اور دوسری ابن عمرؓ کی روایت جو اگلے باب میں آرہی ہے تو امام بخاریؒ نے اپنے ترجمہ سے دونوں کے تعارض کو رفع فرما دیا کہ ابو ایوب انصاری کی روایت فضا کے ساتھ خاص ہے بناء وغیرہ میں استقبال و استدبار ابن عمرؓ کی روایت کی وجہ سے جائز ہے اور تیسری توجیہ یہ ہے جو میرے نزدیک زیادہ اقرب ہے کہ امام بخاریؒ بعض تراجم باب فی الباب کے طور پر ذکر کرتے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ امام بخاریؒ کوئی باب منعقد فرماتے ہیں اور اس کی روایتیں ذکر فرماتے ہیں اور انہیں میں سے بعض روایات کسی فائدہ جدیدہ پر دلالت کرتی ہیں تو امام بخاریؒ ایک دوسرا ترجمہ اس فائدہ پر متنبہ کرنے کے لئے باندھ دیتے ہیں۔ یہاں اگلا ترجمہ باب فی الباب ہے۔ مستقل نہیں تو اس صورت میں ابن عمرؓ کی روایت اس باب کی روایت ہے۔ لہٰذا استثناء، اس ابن عمرؓ کی روایت سے ثابت ہو گیا۔ در اصل آئمہ کے درمیان اختلاف مناط میں ہوا کرتا ہے کہ آیا اس حکم کا مدار اور علت کیا ہے اس لحاظ سے حکم کا ترتب

ہوتاہے۔ نبی اکرم صلعم سے مسائل کے سلسلہ میں قواعد یا کلی احکام صادر نہیں ہوتے بلکہ تمام آپ کے ارشادات واقعات ہیں اسی طرح حضور اکرم صلعم کے افعال ہیں کہ بعض نے ایک فعل کرتے دیکھا اب یہ مجتہد کا کام ہے کہ وہ یہ غور کرے کہ ان مختلف اقوال اور افعال میں کون سا فعل اور قول اصل ہے اور کون سا عارض کی وجہ سے ہے۔ یہ اجتہادی چیز ہے اسی بنا پر ائمہ میں اختلافات ہوتے ہیں مثلاً رفع یدین اور عدم رفع آپ سے دونوں ثابت ہیں اس طرح جلسہ استراحت ہے بہرحال سارا فقہ اسی پر مرتب ہے۔

دوسری بات یہ بھی قابل توجہ ہے کہ حنفیہؒ اور شافعیہؒ کا مناط میں بہت زیادہ اختلاف ہے حنفیہؒ اور مالکیہؒ میں بہت کم اختلاف ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اگر فقہ حنفی میں کوئی جزیہ نہیں ملتا تو فقہ مالکیہ کو اختیار کیا جاتا ہے۔ اور امام احمدؒ کے ہاں مناط پر دار و مدار کم ہے اور ظاہریہ کے ہاں بہت زیادہ یہی وجہ ہے کہ اگر کسی فعل کو وہ اصل قرار دیتے ہیں تو اس کے خلاف کو بھی جائز قرار دیتے ہیں۔ بہرحال چونکہ حنفیہؒ کے نزدیک اس نہی کی علت احترام کعبہ ہے۔ وہ ہر جگہ متحقق ہے اس لئے ہر جگہ ممانعت ہے اور ائمہ ثلاثہؒ کے ہاں مدار حکم احترام مصلیین ہے یعنی جنات اور ملائکہ میں سے کوئی نہ کوئی اس فضا کے اندر نماز میں مشغول ہوگا اب اگر تم ان کے سامنے استنجا کرنے لگو گے تو ان کو دقت ہوگی۔ اور یہ علت صرف صحرا میں ہوسکتی ہے۔ بنیان کے اندر نہیں ہوگی کیونکہ بیت الخلاء میں کوئی جن فرشتہ نماز نہیں پڑھتا اس لئے وہاں ممانعت نہیں۔

باب مَنْ تَبَرَّزَ عَلٰى لَبِنَتَيْنِ ترجمہ باب اس شخص کے بارے میں جو دو کچی اینٹوں پر قضاءِ حاجت کرتا ہے۔

حدیث نمبر ۱۴۳ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوْسُفَ ا ۔ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ اَنَّهٗ كَانَ يَقُوْلُ اِنَّ نَاسًا يَقُوْلُوْنَ اِذَا قَعَدْتَ عَلٰى حَاجَتِكَ فَلَا تَسْتَقْبِلِ الْقِبْلَةَ وَ لَا بَيْتَ الْمَقْدِسِ فَقَالَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ لَقَدِ ارْتَقَيْتُ يَوْمًا عَلٰى ظَهْرِ بَيْتٍ لَنَا فَرَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى لَبِنَتَيْنِ مُسْتَقْبِلًا بَيْتَ الْمَقْدِسِ لِحَاجَتِهٖ وَقَالَ لَعَلَّكَ مِنَ الَّذِيْنَ يُصَلُّوْنَ عَلٰى اَوْرَاكِهِمْ فَقُلْتُ لَا اَدْرِيْ وَاللّٰهِ قَالَ مَالِكٌ يَعْنِي الَّذِيْ يُصَلِّيْ وَلَا يَرْتَفِعُ عَنِ الْاَرْضِ يَسْجُدُ وَهُوَ لَاصِقٌ بِالْاَرْضِ، (الحديث)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے وہ فرماتے تھے کہ لوگ کہتے ہیں جب آپ قضاءِ حاجت

کے لئے بیٹھیں تو نہ تو قبلہ کی طرف منہ کریں اور نہ ہی بیت المقدس کی طرف حالانکہ عبد اللہ بن عمرؓ نے فرماتے ہیں کہ میں ایک دن اپنے گھر کی چھت پر چڑھا تو آنحضرت رسول اللہ صلعم کو دیکھا کہ دو کچی اینٹوں پر بیت المقدس کی طرف منہ کر کے قضاء حاجت فرما رہے ہیں اور ساتھ یہ بھی فرمایا کہ شاید تو ان لوگوں میں سے ہے جو اپنے سرین پر نماز پڑھتے ہیں یعنی وہ سنتہ نماز سے جاہل ہیں۔ میں نے عرض کی کہ واللہ میں نہیں جانتا کہ ان میں سے ہوں یا نہیں امام مالکؒ نے صلوٰۃ علی الورک کی تفسیر میں فرمایا کہ جو نمازی سجدہ کرتے وقت اپنے پاؤں کو زمین سے نہ اٹھائے بلکہ زمین کے ساتھ چمٹائے رکھے حالانکہ سنت طریقہ یہ ہے کہ سجدہ کی حالت میں پاؤں کھڑے رکھے۔ عورتوں کی طرح زمین سے نہ چپٹ جائے۔

تشریح از شیخ مدنیؒ واسع بن حبان نے حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کو بتلایا تھا کہ فلاں فلاں صاحب استقبال بیت المقدس سے منع کرتے ہیں جس پر حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا کہ میں نے آپ کو کچی اینٹوں پر بیٹھے مستقبل بیت المقدس ہو کر قضاء حاجت کرتے دیکھا ہے تو اس سے استقبال بیت المقدس اور استدبار قبلہ کا جواز ثابت ہوا دوسرے وہ تارک سنتہ صلوٰۃ ہے جسے مصلی علی الورک کہا گیا ہے۔

تشریح از شیخ زکریاؒ شراح اور ہمارے شاہ ولی اللہ صاحب نور اللہ مرقدہ کے نزدیک امام بخاریؒ کی غرض اس باب سے جواز التبرز علی لبنتین کو بیان کرنا ہے اور میرے نزدیک استحباب ثابت کرنا ہے کیونکہ اگر ذرا سا پاخانہ زیادہ ہوا تو کولہے (مقعد) کے بھر جانے کا اندیشہ ہے تو امام بخاریؒ نے تنبیہ فرما دی کہ لبنتین پر تبرز کرے تاکہ تلوث کا خوف نہ رہے۔ فرأیت رسول اللہ صلعم الخ اس روایت سے ائمہ ثلاثہؒ نے استدلال فرمایا ہے کہ جب حضور اقدس صلعم بیت المقدس کا استقبال کئے ہوئے تھے تو گویا کعبہ کا استدبار ہو رہا تھا کیونکہ مدینہ منورہ، مکہ معظمہ اور بیت المقدس کے درمیان واقع ہے۔ اور امام ابو حنیفہؒ اور امام احمدؒ نے اپنی اپنی ایک روایت میں استدبار کو مطلقاً جائز کہا ہے کیونکہ یہاں استدبار الی البیت پایا گیا۔ اور امام ابو یوسفؒ نے استدبار فی البنیان ملحوظ رکھا۔ اور امام ابو حنیفہؒ اور امام احمدؒ ایک روایت میں فرماتے ہیں کہ نہی تنزیہی ہے۔ جمہور نے اس روایت کے آٹھ جواب دیئے ہیں۔ ایک یہ کہ قاعدہ یہ ہے کہ جب محرم اور مبیح میں تعارض ہو جائے تو محرم کو ترجیح ہوا کرتی ہے چنانچہ ابو ایوب انصاریؓ کی روایت محرم ہے۔ لہٰذا ابن عمرؓ کی روایت کے بالمقابل راجح ہوگی دوسرا جواب یہ ہے کہ اصولِ محدثین میں سے ہے کہ جب قول اور فعل میں تعارض ہو جائے تو قول کو ترجیح

دی جاتی ہیں، چنانچہ حضرت ابوایوب انصاریؓ کی روایت قولی ہے جو مقدم ہوگی تیسرے یہ کہ امام شوکانیؒ
فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلعم کا فعل خصوصی ہے۔ اور قول عام ہوتا ہے نیز فعل کے اندر احتمال بھی ہے۔ لہٰذا وہ
قول عام کے مقابل حجت نہ ہوگا۔ اور میرے حضرتؒ کا بذل میں ارشاد یہ ہے کہ حجت افعال تشریعیہ ہوا کرتے ہیں
اور امور تشریعیہ پوشیدہ ہو کر نہیں کئے جاتے۔ لہٰذا جب حضور اکرم صلعم نے یہ کام پوشیدہ ہو کر کیا تو معلوم
ہوا کہ تشریع کے لئے نہ تھا۔ چوتھا جواب یہ ہے کہ یہ صرف ابن عمرؓ کی روایت ہے اور ادھر دوسری جانب سارے
صحابہ ہیں، پانچواں جواب یہ ہے کہ ممکن ہے اس وقت حضور اکرم صلعم کے سامنے عین کعبہ ہو اور حجابات اور
پردے ہٹ گئے ہوں۔ اور جہۃ قبلہ کی طرف استقبال و استدبار کی ممانعت اس وقت ہے جبکہ عین قبلہ
سامنے نہ ہو۔ ورنہ عین سے ممانعت ہوگی۔ تو ممکن ہے حضور صلعم عین کعبہ سے الگ ہوں، چھٹا جواب یہ ہے
کہ یہ حضور انور صلعم کے خصائص میں سے ہے۔ ساتواں جواب یہ ہے کہ حضور اقدس صلعم کے فضلات طاہر ہیں۔
آٹھواں جواب میرے والد صاحب نوراللہ مرقدہٗ کا ہے۔ فرماتے ہیں کہ قاعدہ یہ ہے کہ جب کوئی ایسی حالت
میں ہو اور کسی کے آنے کی اطلاع پائے۔ تو وہ اپنی اصلی حالت پر نہیں رہ سکتا اور خود دیکھنے والا بھی صحیح
طور سے نہیں دیکھ سکتا اس لئے جونہی نظر پڑی یہ وہاں سے بھاگ گئے لہٰذا یہ نظر اچانک تھی اس لئے
اس فجاۃً کی نظر میں غلطی کا احتمال بھی ہے جبکہ یہ بھی احتمال ہو کہ متخلی اپنی حالت پر نہ رہا ہو۔

لعلک من الذین یصلون علی اوراکھم حضرات شراح فرماتے ہیں کہ بظاہر اس جملہ کا کوئی جوڑ
نہیں معلوم ہوتا ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ جب شاگرد نے بیان کیا کہ یہ لوگ یہ کہتے ہیں کہ استقبال و استدبار
ناجائز ہے۔ تو حضرت ابن عمرؓ نے بطور توبیخ کے فرمایا کہ تو بھی عورتوں میں سے معلوم ہوتا ہے کہ مسائل
سے بالکل ہی ناواقف ہے اس لئے کہ عورتیں نماز میں پڑھتے وقت اپنے سرین زمین سے متصل رکھتی ہیں
بخلاف مردوں کے اس لئے من الذین الخ سے عورتیں مراد نہیں فقلت لا ادری شاگرد کہتے ہیں کہ میں
نے عرض کیا کہ مجھے تو معلوم نہیں کہ میں ان میں سے ہوں یا نہیں۔

بَابُ خُرُوْجِ النِّسَاءِ اِلَى الْبَرَازِ۔ ترجمہ عورتیں قضائے حاجت کیلئے گھروں سے باہر نکلنے کے بارے میں۔

حدیث نمبر ۱۴۴ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ الخ عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ اَزْوَاجَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُنَّ يَخْرُجْنَ بِاللَّيْلِ اِذَا تَبَرَّزْنَ اِلَى الْمَنَاصِعِ وَهِيَ صَعِيْدٌ اَفْيَحُ وَكَانَ
عُمَرُ يَقُوْلُ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اُحْجُبْ نِسَاءَكَ فَلَمْ يَكُنْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى

اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَفْعَلُ فَخَرَجَتْ سَوْدَۃُ بِنْتُ زَمْعَۃَ زَوْجُ النَّبِیِّ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَیْلَۃً مِّنَ اللَّیَالِی عِشَاءً وَّکَانَتِ امْرَأَۃً طَوِیْلَۃً فَنَادَاھَا عُمَرُ اَلَا قَدْ عَرَفْنَاکِ یَاسَوْدَۃُ حِرْصًا عَلٰی اَنْ یُّنْزَلَ الْحِجَابُ فَاَنْزَلَ اللہُ الْحِجَابَ ۔ (الحدیث)

ترجمہ، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ جناب نبی اکرم صلعم کی بیویاں رات کے وقت جب قضائے حاجت کے لئے وسیع کھلے میدان میں نکلتیں تو حضرت عمرؓ حضرت نبی اکرم صلعم سے عرض کرتے کہ آپ اپنی بیویوں کو پردہ کرائیں جناب رسول اللہ صلعم بغیر وحی کے ایسا نہیں کرتے تھے۔ خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ ایک رات عشا کے وقت حضرت سودہ بنت زمعہ جناب نبی اکرم صلعم کی بیوی قضا حاجت کے لئے نکلی وہ ایک لمبے قد والی عورت تھی تو حضرت عمرؓ نے اسے پکار کر کہا کہ اے سودہ ہم نے آپ کو پہچان لیا ہے اس حرص کی بنا پر کہ حجاب کا حکم نازل ہوجائے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آیت حجاب نازل فرمائی۔

تشریح از شیخ مدنیؒ مناصع کھلی جگہ ابتدا میں عرب کی عورتیں رات کے وقت کھلی جگہ قضا حاجت کے لئے جاتی تھیں حضرت عمرؓ چاہتے تھے کہ کوئی حجاب کا حکم اتر جائے تاکہ ازواج مطہرات باہر نہ جانے پائیں۔ حجاب دو قسم ہے حجاب شخص اور حجاب مکانی۔ حجاب شخصی تو تھا حجاب مکانی نہیں تھا حضرت سودہؓ قضا حاجت کے لئے باہر نکلیں تو حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اے سودہ ہم نے تم کو پہچان لیا۔ حضرت عمرؓ کے کہنے کا مقصد یہ تھا کہ حجاب شخصی کافی نہیں۔ اس پر یہ جاکر آنحضرت صلعم سے کہیں گی کہ لوگوں نے اسی طرح کیا ہے۔ تو پردہ کا حکم دیں گے۔ دوسری روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آیت پردہ اتری ہوئی تھی۔ کہ موضع زینت کو چھپانے کا حکم تھا۔ یدنین علیہن من جلابیبھن سے حجاب شخص کا حکم نازل ہوا۔ تیسری مرتبہ فاسئلوھن من وراء حجاب نازل ہوئی اس وقت عام لوگوں سے کلام وغیرہ سے منع کردیا گیا۔ پردے کے اندر رہ کر کلام کرسکتی ہیں۔ وقرن فی بیوتکن ولا تبرجن تبرج الجاھلیۃ الاولی کہ اپنے گھروں میں ٹھہری رہیں اور جاہلیۃ اولی کی طرح بن ٹھن کر نہ نکلیں۔ یہ آیت حجاب مکانی کے لئے ہے۔ یہ آیات بالا یکے بعد دیگرے اتری ہیں۔ حضرت عمرؓ کی استدعا پر جو آیت اتری وہ حجاب شخصی کے لئے ہے مگر حضرت عمرؓ حجاب مکانی چاہتے تھے۔ اوّلاً آیت جس میں کہا گیا کہ نزلت آیۃ الحجاب ای حجاب الشخص یہ باب حکم آخری ہے۔ کہا گیا کہ کنیف گھروں کے نزدیک بنائے جائیں۔

تشریح از شیخ زکریاؒ۔ حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ یہ ابتدائی معمول تھا جب گھروں میں بیت الخلاء

بننے لگے تبرز یعنی باہر نکلنے کی ضرورت نہ رہی لیکن میری رائے یہ ہے کہ اس باب سے جواز کو بیان فرما رہے ہیں کہ اگر باہر جانے کی ضرورت ہو تو جائز ہے۔ اور التبرز فی البیوت سے یہ بیان فرما دیا کہ اولیٰ یہ ہے کہ تبرز فی البیوت ہو۔ کن یخرجن باللیل الخ چونکہ اس وقت گھروں میں پاخانے بنے ہوئے نہیں تھے۔ اس لئے عورتیں قضائے حاجت کے لئے راتوں کو باہر جایا کرتی تھیں وھی صعید افیح یہ مناصع کی تفسیر ہے۔ مناصع کھلے وسیع میدان کو کہتے ہیں۔ فکان عمر یقول الخ حضرت عمرؓ کے سولہ سترہ موافقات میں سے ایک یہ بھی ہے۔ موافقات عمری کا مطلب یہ ہے کہ ایک چیز حضرت عمرؓ چاہتے تھے تو اس کے مطابق قرآن پاک کی آیت نازل ہو گئی۔ چنانچہ حضرت عمرؓ حضور اکرم صلعم سے کہتے تھے احجب نسائک حضور انور صلعم اپنی ازواج کو پردے میں رکھیں۔ اور ان کو باہر نہ جانے دیں کہ دشمن منافقین ہر وقت دشمنی میں پھرتے ہیں۔ ان کا کیا اعتبار نہ معلوم کس وقت کیا کر بیٹھیں۔ لیکن حضور اکرم صلعم منع نہیں فرماتے تھے کیونکہ عرب میں پردہ کا رواج نہیں تھا۔ ایک مرتبہ حضرت سودہ رات کے وقت نکلیں تو حضرت عمرؓ نے دیکھ لیا اور فرمانے لگے۔ ادھو یہ تو سودہ ہیں ہم نے پہچان لیا۔ حضرت عمرؓ نے یہ جملہ اس واسطے فرمایا۔ کہ ان کو غصہ آئے گا۔ پھر حضور اکرم صلعم سے عرض کریں گی۔ نتیجہ یہ ہو گا کہ حضور انور صلعم منع فرما دیں گے۔ مگر حضورؐ نے منع نہ فرمایا اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی حکم نہیں آیا تھا آخرکار آیت حجاب نازل ہوئی۔ بس پھر کیا تھا حضور انور صلعم نے فوراً منع فرما دیا۔

حدیث نمبر ۱۴۵ حَدَّثَنَا زَكَرِيَّاءُ الخ عَنْ عَائِشَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ قَدْ أُذِنَ لَكُنَّ أَنْ تَخْرُجْنَ فِيْ حَاجَتِكُنَّ قَالَ هِشَامٌ يَعْنِي الْبَرَازَ۔ (الحدیث)

ترجمہ، حضرت عائشہؓ جناب نبی اکرم صلعم سے روایت کرتی ہیں کہ آنجناب نے فرمایا کہ تمہیں قضائے حاجت کے لئے کھلے میدان میں جانے کی اجازت دی گئی ہے۔

تشریح از شیخ زکریاؒ میں نے اس جملہ قد اذن لکنّ الخ کی بنا پر کہا تھا۔ کہ حضرت امام بخاریؒ اس باب سے بیان جواز اور آنے والے باب سے استحباب ثابت فرما رہے ہیں اس لئے کہ قد اذن اس بات کو چاہتا ہے کہ پہلے خروج سے ممانعت ہو گئی تھی۔ اور پھر اجازت ہو گئی ورنہ اجازت نزول حجاب سے پہلے بھی تو تھی پھر قد اذن کا کیا مطلب معلوم ہوا کہ یہ حکم نزول حجاب کے بعد کا ہے

باب التَّبَرُّزِ فِي الْبُيُوتِ ترجمہ، گھروں کے اندر قضائے حاجت کرنے کے بارے میں۔

حدیث نمبر ۱۴۶ حَدَّثَنَا اِبْرَاهِیمُ بْنُ الْمُنْذِرِ الخ عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عُمَرَ قَالَ اِرْتَقَیْتُ عَلٰی ظَھْرِ بَیْتِ حَفْصَۃَ لِبَعْضِ حَاجَتِیْ فَرَاَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقْضِیْ حَاجَتَہٗ مُسْتَدْبِرَ الْقِبْلَۃِ مُسْتَقْبِلَ الشَّامِ (الحدیث)

ترجمہ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ میں اپنی کسی ضرورت کے لئے اپنی بہن حفصہؓ کے گھر کی چھت پر چڑھا تو میں نے دیکھا جناب رسول اللہ صلعم قبلہ کی طرف پیٹھ اور شام کی طرف منہ کر کے قضاحاجت کر رہے تھے۔

حدیث نمبر ۱۴۷ حَدَّثَنَا یَعْقُوْبُ بْنُ اِبْرَاھِیْمَ الخ اَنَّ عَبْدَ اللّٰہِ بْنَ عُمَرَ اَخْبَرَہٗ قَالَ لَقَدْ ظَھَرْتُ ذَاتَ یَوْمٍ عَلٰی ظَھْرِ بَیْتِنَا فَرَاَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَاعِدًا عَلٰی لَبِنَتَیْنِ مُسْتَقْبِلَ بَیْتِ الْمَقْدِسِ۔ (الحدیث)

ترجمہ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ ایک دن میں اپنے گھر کی چھت پر چڑھا تو حضور اکرم صلعم کو میں نے دو کچی اینٹوں پر بیت المقدس کی طرف منہ کئے ہوئے بیٹھے دیکھا۔

ظھر بیتنا بیت حفصہ اور بیت رسول اللہ صلعم کا کہنا ہر ایک صحیح ہے جیسا کہ روایات مختلف ہیں ہے ظھر بیتنا اس لئے صحیح ہے کہ بہن کا گھر اپنا ہی گھر ہے۔ اور بیت حفصہ اس لئے درست ہے کہ دراصل وہ مکان ان ہی کا تھا۔ اور بیت الرسول اس لئے کہنا درست ہے کہ ازواج مطہرات کے سارے مکانات رسول اللہ صلعم کے تھے۔ باب خروج النساء الخ امام بخاریؒ اس باب میں دو قسم کی حدیثیں ذکر کر دی ہیں پہلی حدیث اگرچہ ترجمۃ الباب کے مناسب نہیں لیکن درحقیقت اگلی حدیث کے لئے تمہید ہے اور مقدمہ ہے کہ نزول حجاب کے بعد امہات المؤمنین نے اپنی تکلیف کی شکایت عدم خروج کی صورت میں ظاہر کی تو پھر آپ نے اجازت دے دی۔

باب الْاِسْتِنْجَاءِ بِالْمَاءِ، ترجمہ یہ باب پانی کے ساتھ استنجا کرنے کے بارے میں ہے۔

حدیث نمبر ۱۴۸ حَدَّثَنَا اَبُو الْوَلِیْدِ الخ سَمِعْتُ اَنَسَ بْنَ مَالِکٍ یَقُوْلُ کَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا خَرَجَ لِحَاجَتِہٖ اَجِیْءُ اَنَا وَغُلَامٌ مَعَنَا اِدَاوَۃٌ مِنْ مَاءٍ یَعْنِیْ یَسْتَنْجِیْ بِہٖ (الحدیث)

ترجمہ، حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب قضاحاجت کے لئے

باہر تشریف لے جاتے تو میں اور ایک اور لڑکا بھی حضور اکرم صلعم کے ساتھ آتے ہمارے ساتھ پانی کا لوٹا چھاگل ہوتا تھا جس سے آپ استنجا کرتے تھے

تشریح از شیخ زکریا۔ یہ وہ باب ہے جس کے متعلق میں نے کہا تھا کہ منکرین استنجا بالماء پر آگے رد آرہا ہے۔ امام بخاریؒ اس باب سے استنجا بالما کا جواز ثابت فرما رہے ہیں۔ ایک جماعت کی رائے کراہتہ استنجا بالماء کی ہے۔ بلکہ بعض صحابہ کرامؓ سے نقل کیا گیا ہے۔ اگر میں پانی سے استنجا کر لوں تو بدبو میرے ہاتھ میں باقی رہتی ہے اور واقعی بدبو رہتی ہے۔ اور بعض نے کہا پانی مطعوم ہے جیسے روٹی سے استنجا جائز نہیں ایسے پانی سے ناجائز ہے مگر یہ صحیح نہیں کیونکہ جیسے پانی کی غرض شرب ہے۔ اسی طرح اس سے اور اغراض بھی وابستہ ہیں۔ توضی۔ اغتسال وغیرہ تو امام بخاریؒ نے ان لوگوں پر رد فرمایا

باب مَنْ حُمِلَ مَعَهُ الْمَاءُ لِطُهُوْرِهِ۔ وَقَالَ اَبُو الدَّرْدَاءِ اَلَيْسَ فِيْكُمْ صَاحِبُ النَّعْلَيْنِ وَالطَّهُوْرِ وَالْوِسَادِ۔

ترجمہ: باب اس شخص کے بارے میں جو اپنے وضو کے لئے اپنے ساتھ اٹھا لے اور حضرت ابوالدرداءؓ نے فرمایا کہ اے اہل عراق کیا تمہارے اندر حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نہیں ہے جو حضور اکرم صلعم کے جوتے مبارک اور وضو کا پانی اور تکیہ والے تھے یعنی ان کے ہوتے ہوئے میرے پاس مسائل پوچھنے کی کیا ضرورت ہے

حدیث نمبر ۱۴۹ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ الخ۔ سَمِعْتُ اَنَسًا يَقُوْلُ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا خَرَجَ لِحَاجَتِهِ تَبِعْتُهُ اَنَا وَغُلَامٌ مِّنَّا مَعَنَا اِدَاوَةٌ مِّنْ مَّاءٍ۔

ترجمہ: حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ جناب نبی اکرم صلعم جب قضا حاجت کے لئے باہر نکلتے تو میں اور ہم انصار میں سے ایک لڑکا آپؐ کے پیچھے چلتے تھے اور ہمارے ساتھ پانی کا ایک چھاگل ہوتا تھا (چمڑے کا برتن)

تشریح از شیخ مدنیؒ: حضرت ابوالدرداءؓ دمشق کے قاضی ہیں۔ اہل کوفہ کی ایک جماعت ان کے پاس حاضر ہو کر مسائل پوچھنے لگی۔ ان میں حضرت علقمہ بھی تھے انہوں نے دعا مانگی تھی کہ ہمیں جلیس صالح مل جاتے تو حضرت ابوالدرداءؓ نے فرمایا تمہارے یہ دعا کرنا اور میرے پاس آنا عبث ہے۔ کوفہ میں صاحب النعلین والطہور والوسادہ یعنی حضرت عبداللہ بن مسعودؓ جو حضور صلعم کے صاحب السر بھی ہیں ان کی موجودگی میں میرے پاس آنے کی کیا ضرورت تھی مسائل ان سے پوچھے۔

تشریح از شیخ زکریاؒ۔ اس سے قبل یہ بیان فرمایا تھا۔ کہ جب شیخ استنجا کرنے جائے تو شاگرد وغیرہ کو چاہیئے کہ پانی لاکر رکھ دے تاکہ استنجا سے جلدی ہو جائے اب یہاں سے یہ بیان فرماتے ہیں کہ اولیٰ یہ ہے کہ پانی ساتھ ہی لے جائے تاکہ پاکی جلدی حاصل ہو جائے۔ صاحب النعلین سے حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ مراد ہیں اور صاحب النعلین کا مطلب یہ ہے کہ جب کسی مجلس میں جوتا اتار کر تشریف لے جاتے تو حضرت ابن مسعودؓ جلدی سے نعلین شریف اٹھا لیتے ہیں تو یہ کہہ دینا کہ سر پر رکھ لیتے تھے مگر روایت میں نہیں ہے اور صاحب الطہور کا مطلب یہ ہے کہ جب حضور اقدس صلعم کہیں استنجاء وغیرہ کے لئے تشریف لے جاتے تو حضرت ابن مسعودؓ پانی ساتھ لے جاتے اور صاحب الوسادۃ کا مطلب یہ ہے کہ حضور اکرم صلعم جب کہیں سفر میں ہوتے تو حضور اکرم صلعم کا تکیہ ابن مسعودؓ ساتھ رکھتے۔ اداوۃ من لماء میں یہ ذکر نہیں فرمایا کہ اس ماء سے استنجا کا پانی مراد ہے یا کوئی دوسرا پانی اگرچہ یہاں استنجا والا پانی مراد ہے مگر تشحید اذھان کے لئے آخری جملہ کو حذف کر دیا۔ ما یستنجی بہ کہا۔

باب حَمْلُ الْعَنَزَةِ مَعَ الْمَاءِ فِي الْاِسْتِنْجَاءِ

ترجمہ، پانی کے ساتھ استنجاء کے لئے چھوٹا نیزہ اٹھانے کے بارے ہیں۔

حدیث نمبر ۱۵۰ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ الخ سَمِعَ اَنَسَ بْنَ مَالِكٍ يَقُولُ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدْخُلُ الْخَلَاءَ فَاَحْمِلُ اَنَا وَغُلَامٌ اِدَاوَةً مِّنْ مَّاءٍ وَّعَنَزَةً يَّسْتَنْجِيْ بِالْمَاءِ تَابَعَهُ النَّضْرُ وَشَاذَانُ عَنْ شُعْبَةَ الْعَنَزَةُ عَصًا عَلَيْهِ زُجٌّ ۔

ترجمہ، حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلعم قضاء حاجت کے لئے کھلے میدان میں داخل ہوتے تو میں اور ایک لڑکا پانی کا چھاگل اور چھوٹا نیزہ اٹھاتے تھے پانی کے ساتھ آپ استنجا کرتے تھے شعبہ فرماتے ہیں کہ عنزہ وہ لاٹھی ہے جس کے نیچے لوہا لگا ہو۔

تشریح از شیخ زکریاؒ بعض علماء کی رائے ہے کہ حمل العنزہ سترہ کے واسطے ہوتا تھا۔ کہ اگر کہیں استنجا کے بعد نماز وغیرہ کی ضرورت پیش آجائے اور کوئی آڑ نہ ہو تو اس کو سترہ بنالیں مگر یہ مطلب غلط ہے کیونکہ سترہ کا مسئلہ تو ابواب سترہ صلاۃ پر آرہا ہے حضور اکرم صلعم اسے کس لیے اٹھاتے تھے۔ اسی واسطے کہ اگر کہیں تستر کی ضرورت ہو اور کہیں آڑ نہ ہو تو اس کو گاڑ کر کپڑا وغیرہ ڈال کر اس کے ذریعہ سے اپنا پردہ کرلیں۔ یا اس لئے کہ مدینہ پاک کی زمین مٹی سخت ہے۔ تو اگر ڈھیلے نہ ملیں تو اس کی مدد سے توڑلیں

اور اس لئے کہ ابوداؤد کی روایت میں ہے کہ جو کوئی پیشاب کرنا چاہے۔ فلیرتد لبولہ یعنی پیشاب کرنے کے لئے زمین کو نرم کرے تو زمین نرم کرنے کے لئے ساتھ ہوتا تھا۔ تاکہ پیشاب کے چھینٹیں نہ آئیں اور اس لئے کہ مدینہ کثیر الھوام ہے تو ان موذی جانوروں سے تحفظ ہو جائے اور اس لئے کہ کوئی دوست دشمن آجائے تو اس سے تحفظ ہو۔ یہ حدیث ۲۷ پر مفصل آرہی ہے یہاں مجمل ہے اور بھی کئی جگہ آئے گی لیکن ہر جگہ سند مختلف ہے کیونکہ امام بخاریؒ کا مقصد احادیث کو جمع کرنا نہیں ہے بلکہ متن حدیث سے مختلف مسائل کو مستنبط کرتا ہے۔

باب النَّهْيِ عَنِ الِاسْتِنْجَاءِ بِالْيَمِيْنِ، ترجمہ، دائیں ہاتھ سے استنجا سے منع کرنے کے بارے میں۔

حدیث نمبر ۱۵۱ حَدَّثَنَا مُعَاذُ بْنُ فَضَالَةَ الخ عَنْ اَبِيْ قَتَادَةَ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا شَرِبَ اَحَدُكُمْ فَلَا يَتَنَفَّسْ فِي الْإِنَاءِ وَاِذَا اَتَى الْخَلَاءَ فَلَا يَمَسَّ ذَكَرَهُ بِيَمِيْنِهِ وَلَا يَتَمَسَّحْ بِيَمِيْنِهِ (الحدیث)

ترجمہ، حضرت ابو قتادہؓ فرماتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب ایک تمہارا پانی پئے تو برتن میں سانس نہ لے اور جب بیت الخلاء میں آئے تو دائیں ہاتھ سے آلہ تناسل کو نہ چھوئے اور نہ ہی دائیں ہاتھ سے استنجا کرے۔

تشریح از شیخ زکریاؒ - یہ نہی ظاہریہ کے نزدیک تحریم کے لئے ہے۔ اس لئے ان کے نزدیک استنجاء بالیمین حرام ہے۔ اور جمہور کے نزدیک مکروہ تنزیہی ہے۔ اذا شرب احدکم الخ اس حدیث میں دو بحثیں ہیں۔ ایک یہ کہ بخاری کی روایت میں تو اذا شرب احدکم فلا یتنفس فی الاناء ہے جس کا تقاضا ہے کہ برتن میں سانس نہ لے۔ اور ایک سانس میں نہ پیئے۔ بلکہ مختلف سانس میں پیئے چاہے وہ سانس برتن ہی میں لے لے۔ بظاہر دونوں میں تعارض ہے۔ بعض حضرات نے بخاری کی روایت کو بخاری کی ہونے کی حیثیت سے ترجیح دی ہے۔ اور میرے حضرتؒ فرماتے ہیں کہ بخاری اور ابوداؤد کی دونوں روایتوں میں چار آداب بیان کئے گئے ہیں۔ دو شرب کے اور دو استنجا کے۔ استنجا کے دونوں آداب ابوداؤد اور بخاری میں مشترک ہیں کہ دونوں ادب دونوں کتابوں میں ہیں اور شرب کا ایک ادب ابوداؤد کی روایت میں مذکور ہے اور دوسرا بخاری میں ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ایک سانس میں نہ پیئے اور نہ ہی برتن میں سانس لے بلکہ مختلف سانسوں میں، برتن کو منہ سے الگ کرکے پیوے اور دوسری بحث فلا یمس ذکرہ بیمینہ

ولا یتمسح بیمینہ میں ہے علامہ خطابی فرماتے ہیں کہ حدیث کے دونوں جملوں میں تعارض ہے اس لئے کہ حدیث کے جملہ اولیٰ کا تقاضا یہ ہے کہ مس ذکر بالیمین نہ ہو اور جب مس بالیمین نہ ہوگا تو بائیں سے استنجا کیونکر کرے گا اس لئے کہ بائیں سے تو ذکر کو پکڑے گا۔ اور دوسرے جملہ کا تقاضا یہ ہے کہ دائیں سے استنجا نہ کرے۔ تو اگر بائیں سے استنجا کرے گا تو ذکر دائیں سے پکڑنا ہوگا۔ اس لئے وہ فرماتے ہیں کہ اس کی صورت یہ ہے کہ اگر کوئی دیوار ہو تو بائیں ہاتھ سے پکڑ کر دیوار سے خشک کرے ورنہ ڈھیلا دونوں ایڑیوں میں لے کر سرین کے بل بیٹھ کر بائیں ہاتھ سے ذکر پکڑ کر اس ڈھیلے سے رگڑے علامہ عینی نے بھی اس بحث کو ذکر فرمایا ہے۔ میرے حضرت تعجب سے فرماتے ہیں کہ مجھے یہ معلوم نہ ہوسکا کہ خطابی کو کیا خلجان پیش آگیا۔ یہ تو بالکل ظاہر ہے بچے تک بھی جانتے ہیں کہ اسی بائیں ہاتھ سے ڈھیلا پکڑے اور اسے ذکر کے منہ پر لگا کر انگوٹھے سے ذکر کو دبا دے مگر میری رائے یہ ہے کہ اتنے بڑے علامہ کا اشکال اپنے اندر کوئی نہ کوئی وجہ ضرور رکھتا ہے پھر علامہ عینیؒ نے اسے نقل بھی فرمایا ہے لہٰذا اس کی وجہ مجھے یہ معلوم ہوتی ہے کہ ان کے سامنے پیشاب خشک کرنے کا وہ طریقہ نہیں ہے جو ہمارے یہاں رائج ہے کہ ڈھیلے کو ذکر کے سوراخ پر رکھ کر اسے بائیں ہاتھ کے انگوٹھے سے دبا دے بلکہ اس صورت میں اور تلوث ہوگا۔ اور پیشاب پھیل جائے گا۔ لہٰذا اپنے اختیار سے تلویث بالبول لازم آتی ہے۔ اور وہ ممنوع ہے۔ لہٰذا ان کی نظر میں یہ ہے کہ ایک طرف سے دوسری طرف گذارتے ہوئے خشک کرے اور وہ اسی وقت ہوسکتا ہے جبکہ کسی چیز سے پکڑے واللہ اعلم حضور اکرم صلعم نے تنفس فی الماء سے اس لئے منع فرمایا کہ سانس کے ذریعہ جو جراثیم باہر آتے ہیں وہ پانی میں گر جائیں گے اور آکسیجن سے پانی کی برودت مٹ جائے گی پھر ان کے پینے سے بیماری کا اندیشہ ہے نیز اگر کچھ ناک سے نکل کر گر پڑے تو طبیعت کو کراہت بھی ہوتی ہی ہوگی۔

باب لَا یُمْسِكُ ذَكَرَهُ بِيَمِيْنِهٖ اِذَا بَالَ۔

ترجمہ، پیشاب کرتے وقت اپنے آلۂ تناسل کو دائیں ہاتھ سے نہ روکے۔

حدیث نمبر ۱۵۲ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ یُوْسُفَ الخ عَنْ اَبِیْ قَتَادَةَ عَنْ اَبِیْهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا بَالَ اَحَدُكُمْ فَلَا يَأْخُذَنَّ ذَكَرَهُ بِيَمِيْنِهٖ وَلَا يَسْتَنْجِيْ بِيَمِيْنِهٖ وَلَا يَتَنَفَّسُ فِي الْاِنَاءِ (الحدیث)

ترجمہ: حضرت ابو قتادہؓ جناب نبی اکرم صلعم سے روایت کرتے ہیں آپؐ نے فرمایا جب ایک تمہارا پیشاب کرنے لگے تو اپنے ذکر کو دائیں ہاتھ سے نہ پکڑے اور نہ ہی دائیں ہاتھ سے استنجا کرے اور نہ ہی برتن میں سانس لے۔

تشریح از شیخ مدنیؒ بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں جملے جزا پر معطوف ہیں تو پھر تینوں مقید نہیں ہیں۔ صرف جملہ اولیٰ مقید ہے۔ اس لئے کہنا پڑے گا کہ دونوں جملے مجموعہ شرط اور جزا پر معطوف ہیں۔ اشکال تب ہوگا جب شرط پر عطف ہو۔ یہ ایسے ہے جیسے لا یستقدمون کا عطف لا یستاخرون پر ہے۔ معطوف علیہ مقید ہے اور لا یستقدمون کا عطف صرف جزم پر نہیں بلکہ مجموعہ شرط و جزا پر ہے

تشریح از شیخ زکریاؒ روایت سابقہ میں مطلقاً مس ذکر بالیمین سے ممانعت ہے اور اس میں علماء کا اختلاف ہے کہ یہ ممانعت عام ہے یا استنجا کے ساتھ خاص ہے تو حضرت امام بخاریؒ نے ان لوگوں کی تائید کی جو کہتے ہیں کہ استنجا کے وقت کے ساتھ خاص ہے۔ کیونکہ اس وقت ذکر نجس ہوتا ہے۔ اور یمین شریف اعمال کے لئے ہے قاذورات کے لئے یسار ہے۔ لہٰذا دائیں ہاتھ سے نہ پکڑے۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ یہ بیان اولویت کے لئے ہے۔ یعنی آدمی کو استنجا کے وقت ذکر کو پکڑنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ لیکن جب اس وقت ہی منع کر دیا گیا تو بلا ضرورت پکڑنا بطریق اولیٰ ممنوع ہوگا۔ واللہ اعلم بالصواب

باب الْاِسْتِنْجَاءِ بِالْحِجَارَةِ ترجمہ، پتھر کے ساتھ استنجا کرنے کے بارے میں۔

حدیث نمبر ۱۵۲ حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ مُحَمَّدِ نِ الْمَكِّيُّ الخ عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ اتَّبَعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَخَرَجَ لِحَاجَتِهٖ وَكَانَ لَا يَلْتَفِتُ فَدَنَوْتُ مِنْهُ فَقَالَ ابْغِنِىْ اَحْجَارًا اَسْتَنْفِضُ بِهَا اَوْ نَحْوَهٗ وَلَا تَاْتِنِىْ بِعَظْمٍ وَّلَا رَوْثٍ فَاَتَيْتُهٗ بِاَحْجَارٍ بِطَرَفِ ثِيَابِىْ فَوَضَعْتُهَا اِلٰى جَنْبِهٖ وَاَعْرَضْتُ عَنْهُ فَلَمَّا قَضٰى اَتْبَعَهٗ بِهِنَّ (الحديث)

ترجمہ، حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ میں جناب نبی اکرم صلعم کے پیچھے چلا جبکہ آپؐ قضائے حاجت کے لئے باہر نکلے اور آپؐ کی عادت تھی کہ ادھر اُدھر نہیں دیکھا کرتے تھے۔ پس میں آپؐ کے قریب ہوا تو آپؐ نے فرمایا کہ کچھ پتھر تلاش کرو جن سے میں استنجا کروں یا اس جیسا لفظ فرمایا لیکن ہاں! ہڈی اور لید نہ لانا تو میں نے اپنے کپڑوں کے کنارے میں پتھر لا کر آپؐ کے پہلو میں رکھ دیئے اور خود آپؐ سے الگ ہو گیا۔ جب آپ قضا حاجت کر چکے تو ان پتھروں کو استعمال فرمایا۔

تشریح از شیخ زکریاؒ بعض علماء فرماتے ہیں کہ استنجا بالاحجار منسوخ ہوگیا۔ لہٰذا امام بخاریؒ اس پر رد فرما رہے ہیں۔ میری رائے یہ ہے کہ امام بخاریؒ نے یہاں ایک مسئلہ خلافیہ کی طرف اشارہ فرمایا وہ یہ کہ استنجا بالاحجار کی حقیقت کیا ہے تطہیر یا تقلیل نجاستہ۔ تو سمجھ لو کہ احکام کے اندر جو اختلاف ہوتا ہے۔ اکثر اختلاف مناط کی بنا پر ہوتا ہے اور مناط کا مطلب علتہ اور وجہ حکم ہے۔ تو یہاں استنجاء بالاحجار میں شافعیہؒ اور حنابلہؒ کی رائے تو یہ ہے کہ وہ مطہر ہے اور یہ حکم تعبدی ہے اور حکم تعبدی کا مطلب یہ ہے کہ قیاس کو اس میں دخل نہیں اور مدرک بالرائے نہیں (عقل سے معلوم نہیں)۔ جیسا کہ تیمم میں طہارت کا حصول تعبدی ہے۔ کوئی امر معقول نہیں ہے اس لئے کہ پانی سے تو ازالہ ہوتا ہے۔ اور مٹی سے بجائے ازالہ کے اور تلویث ہوتی ہے اور پھر مٹی کو مرض اور عدم ما کی صورت میں پانی کے قائم مقام کر دیا گیا۔ یہ بیرون از ادراک عقل ہے اسی طرح حجارہ سے استنجا کوئی امر معقول نہیں بلکہ امر تعبدی ہے اور قاعدہ یہ ہے کہ جب کوئی امر تعبدی ہوا کرتا ہے۔ تو اپنے مورد پر مقتصر (بند) ہوا کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اگر حدیث میں ثلثۃ احجار آ گیا ہے تو بدون اس عدد کے استیفا کئے ہوئے استنجا ہی حاصل نہ ہوگا۔ اسی طرح احجار ہونا چاہئیے اگر روث (گوبر) خشک سے کسی نے کر لیا، ہڈی استعمال کر لی تو استنجا حاصل نہ ہوگا۔ اور مالکیہؒ اور حنفیہؒ کے نزدیک مناط استنجا بالاحجار کا تقلیل نجاست ہے اور یہ حکم مدرک بالقیاس وامر معقول ہے۔ تعبدی نہیں ہے۔ لہٰذا اگر کسی ایسی چیز سے استنجا کرے گا جس سے تقلیل ہو جائے تو استنجا ہو جائے گا۔ مثلاً کپڑے سے یا کوئلہ یا روث خشک سے یا ہڈی سے ہاں خلاف سنت ہوگا۔ اسی طرح تین مرتبہ ضروری نہیں ابغنی احجارا استنفض بہا یہ حنفیہ اور مالکیہ کی تائید کرتا ہے۔ کہ مقصود صاف کرنا ہے۔ حضور اکرم صلعم نے استنقاض فرمایا لہٰذا جس سے بھی استنقاض حاصل ہوگا اس کا استعمال جائز ہوگا۔ اونحوہ ای قولہ قریبا من ھذا اللفظ۔

باب لَا يَسْتَنْجِيْ بِرَوْثٍ، ترجمہ باب کہ اوپلے سے استنجا نہ کرے۔

حدیث نمبر ۱۵۴ حَدَّثَنَا اَبُوْ نُعَيْمٍ الخ اَنَّهٗ سَمِعَ عَبْدَ اللّٰهِ يَقُوْلُ اَتَى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْغَائِطَ فَاَمَرَنِيْ اَنْ اٰتِيَهٗ بِثَلَاثَةِ اَحْجَارٍ فَوَجَدْتُّ حَجَرَيْنِ وَالْتَمَسْتُ الثَّالِثَ فَلَمْ اَجِدْ فَاَخَذْتُ رَوْثَةً فَاَتَيْتُهٗ بِهَا فَاَخَذَ الْحَجَرَيْنِ وَاَلْقَى الرَّوْثَةَ وَقَالَ هٰذَا رِكْسٌ الخ

ترجمہ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ جناب نبی اکرم صلعم کھلی جگہ تشریف لائے اور مجھے

حکم دیا کہ میں آپؐ کے لئے تین پتھر لاؤں (توجیہ دو پتھرلے) اور تیسرے کو میں نے تلاش کیا لیکن نہ پایا تو میں اوپلا لے آیا اور ان سب کو آپؐ کی خدمت میں لے آیا آپؐ نے دونو پتھر تو لے لئے اور اوپلے کو پھینک دیا اور فرمایا کہ یہ نجس ہے

تشریح از شیخ مدنیؒ امام ترمذیؒ نے امام زہری کی روایت کو مجروح کیا تھا۔ حالانکہ یہ روایت اور دوسری روایات زہری کی قبول کی ہیں۔ لیکن مصنفؒ نے اسے ترک کردیا۔ یعنی اسرائیل کی روایت ابوعبیدہ عن ابیہ ہے کیونکہ ابوعبیدہ کا سماع اپنے باپ سے نہیں ہے۔ لہٰذا اسرائیل کی روایت منقطع ہوگی لیکن اس جگہ ابوعبیدہ کی بجائے عبدالرحمٰن بن الاسود عن ابیہ انہ سمع عبداللہ تو اس طرح یہ روایت متصل ہوگی

تشریح از شیخ زکریاؒ یہ باب سابقہ کا تکملہ ہے۔ اس سے پہلے بیان کیا تھا کہ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ یہ امر تعبدی ہے۔ ان کے نزدیک روث اور عظم سے استنجا حاصل نہ ہوگا۔ اور جو امر معقول مانتے ہیں۔ ان کے نزدیک حاصل ہو جائے گا۔ اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ روث (گوبر) اور عظم (ہڈی) سے استنجا کرنے کی ممانعت ان کی ذات میں کسی امر کی بنا پر نہیں بلکہ وہ ایک عارض کی بنا پر ہے جو مسلم اور ترمذی کی روایت میں مذکور ہے کہ جنات نے حضور اکرم صلعم سے توشہ مانگا تھا تو حضور پاک صلعم نے ان کو توشہ میں ہڈی اور روث عنایت فرمائی تھی۔ ہڈی خود ان کے استعمال کے واسطے اور روث ان کے دواب کے واسطے تو ان کے لئے کارآمد ہونے کی بنا پر اس سے استنجا سے منع فرمادیا۔ لیس ابوعبیدہ ذکرہ اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ زہیر ابواسحاق سے نقل کرتے ہیں کہ ابواسحاق نے کہا کہ یہ روایت دو طرح سے مروی ہے۔ ایک ابوعبیدہ بن مسعود اور ایک عبدالرحمٰن بن الاسود عن ابیہ عن ابن مسعود تو میں نے جو روایت بیان کی ہے۔ وہ عبدالرحمٰن بن الاسود عن ابیہ عن ابن مسعود ہے کیونکہ یہ اگرچہ نازل بدرجہ ہے۔ عن ابی عبیدہ عن ابن مسعود سے مگر اس کا اتصال یقینی ہے۔ اور ابوعبیدہ کی روایت اگرچہ بیک درجہ عالی ہے مگر اس میں اختلاف ہے کہ ابوعبیدہ کا سماع (سننا) اپنے باپ سے ہے یا نہیں تو چونکہ اس میں احتمال ہوگیا اس لئے اس کو میں نے ذکر نہیں کیا۔ حاصل یہ ہے کہ ابواسحاق دو اساتذہ سے روایت کرتے ہیں اول ہیں ابوعبیدہ عن ابیہ عبداللہ اور دوسرے عبدالرحمٰن بن الاسود عن ابیہ عن ابن مسعود تو ابواسحاق کہتے ہیں کہ یہ روایت مجھ سے عبدالرحمٰن بن الاسود نے بیان کی نہ کہ ابوعبیدہ نے یعنی میں اس وقت ابوعبیدہ کی روایت نہیں بیان کر رہا ہوں بلکہ عبدالرحمٰن بن الاسود سے نقل کر رہا ہوں شراح فرماتے ہیں کہ اس کے ذکر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ ابوعبیدہ کا سماع اپنے باپ سے ثابت نہیں ہے لہٰذا یہ

روایت منقطع ہے۔ اور اس کے رد کی طرف اشارہ کیا۔ اور دوسرا طریق متصل ہے اس کو ذکر فرما دیا۔
لیکن اس مقام میں امام ترمذیؒ نے امام بخاریؒ کی مخالفت کی ہے۔ فرماتے ہیں کہ ابو عبیدہ والا طریق ارجح
ہے اس لئے کہ اس کو ابو اسحاق سے اسرائیل نقل کرتے ہیں اور ان کی روایت دوسرے تلامذہ ابی اسحٰق
سے ارجح ہے اسی طرح ائمہ میں تصحیح روایات کے باب میں اختلاف ہوتا رہا ہے۔ لہٰذا نہ تو امام بخاریؒ
پر کوئی اعتراض ہے۔ اور نہ امام ترمذی پر اسی طرح امام ابو حنیفہؒ پر بھی کوئی اعتراض نہیں ہے اس لئے
کہ ممکن ہے ان کی روایات ان کے نزدیک صحیح ہوں۔ اگرچہ دوسروں کے نزدیک ان میں کلام ہو واللہ اعلم
والتمست الثالث فلم اجدہ۔ بظاہر بخاری کی روایت حنفیہ کی تائید کرتی ہے اس لئے کہ نبی کریم
صلعم نے تیسرا پتھر تلاش کرنے کا حکم نہیں فرمایا۔

باب الْوُضُوْءِ مَرَّةً مَرَّةً۔ ترجمہ، وضو ایک ایک مرتبہ۔

حدیث نمبر ۱۵۵ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوْسُفَ الخ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضہ قَالَ تَوَضَّأَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّةً مَرَّةً۔

ترجمہ، حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ جناب نبی اکرم صلعم نے ایک ایک مرتبہ وضو فرمایا۔

باب الْوُضُوْءِ مَرَّتَيْنِ مَرَّتَيْنِ، ترجمہ، دو دو مرتبہ وضو کرنا۔

حدیث نمبر ۱۵۶ حَدَّثَنَا الْحُسَيْنُ بْنُ عِيْسٰى الخ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ زَيْدٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَوَضَّأَ مَرَّتَيْنِ مَرَّتَيْنِ۔

ترجمہ، حضرت عبداللہ بن زید فرماتے ہیں کہ جناب نبی اکرم صلعم نے دو دو مرتبہ وضو فرمایا۔

باب الْوُضُوْءِ ثَلٰثًا ثَلٰثًا۔ وضو تین تین مرتبہ۔

حدیث نمبر ۱۵۷ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيْزِ الخ اَنَّ حُمْرَانَ مَوْلٰى عُثْمَانَ اَخْبَرَهٗ اَنَّهٗ رَاٰى عُثْمَانَ بْنَ عَفَّانَ دَعَا بِاِنَاءٍ فَاَفْرَغَ عَلٰى كَفَّيْهِ ثَلٰثَ مِرَارٍ فَغَسَلَهُمَا ثُمَّ اَدْخَلَ يَمِيْنَهٗ فِي الْاِنَاءِ فَمَضْمَضَ وَاسْتَنْشَقَ ثُمَّ غَسَلَ وَجْهَهٗ ثَلٰثًا وَّيَدَيْهِ اِلَى الْمِرْفَقَيْنِ ثَلٰثَ مِرَارٍ ثُمَّ مَسَحَ بِرَاْسِهٖ ثُمَّ غَسَلَ رِجْلَيْهِ ثَلٰثَ مِرَارٍ اِلَى الْكَعْبَيْنِ ثُمَّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَوَضَّأَ نَحْوَ وُضُوْئِيْ هٰذَا ثُمَّ صَلّٰى رَكْعَتَيْنِ لَا يُحَدِّثُ فِيْهِمَا نَفْسَهٗ غُفِرَ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ وَعَنْ اِبْرَاهِيْمَ قَالَ صَالِحُ بْنُ كَيْسَانَ

قَالَ ابْنُ شِہَابٍ وَّلٰكِنْ عُرْوَةُ يُحَدِّثُ عَنْ حُمْرَانَ فَلَمَّا تَوَضَّأَ عُثْمَانُ قَالَ لَأُحَدِّثَنَّكُمْ حَدِيثًا لَوْلَا آيَةٌ مَّا حَدَّثْتُكُمُوهُ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ لَا يَتَوَضَّأُ رَجُلٌ فَيُحْسِنُ وُضُوءَهُ وَيُصَلِّي الصَّلٰوةَ إِلَّا غُفِرَ لَهُ مَا بَيْنَهُ وَبَيْنَ الصَّلٰوةِ حَتّٰى يُصَلِّيَهَا قَالَ عُرْوَةُ الْآيَةُ إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنْزَلْنَا۔ الآیۃ

ترجمہ، حضرت حمران مولا عثمانؓ فرماتے ہیں کہ انھوں نے حضرت عثمانؓ کو دیکھا کہ انھوں نے برتن منگایا اور اس سے اپنی ہتھیلیوں پر تین مرتبہ پانی ڈال کر ان کو دھویا پھر دایاں ہاتھ برتن میں داخل کر کے کلی فرمائی اور ناک کو صاف کیا۔ پھر تین مرتبہ چہرہ کو دھویا اور دونو ہاتھوں کو تین مرتبہ کہنیوں تک دھویا پھر سر کا مسح کیا اور تین ٹخنوں تک پاؤں دھوئے۔ پھر فرمایا کہ جناب رسول اللہ صلعم کا ارشاد ہے جس شخص نے میرے اس وضو جیسا وضو کیا پھر دو رکعت نفل ایسی حالت میں پڑھی کہ اپنے نفس سے باتیں نہیں کیں تو اس کے سب پچھلے گناہ بخش دیئے جائیں گے۔ ابن شہاب زہریؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عروہؓ نے حمران سے یوں حدیث بیان کی ہے۔ کہ جب حضرت عثمانؓ وضو سے فارغ ہوئے تو فرمایا کہ اگر ایک آیت نہ ہوتی تو میں تمھیں ایک حدیث سناتا جو آج تک میں نے تمھیں بیان نہیں کی میں نے جناب نبی اکرم صلعم سے سنا فرماتے ہیں کہ جس شخص نے وضوء کیا اور اچھی طرح وضو بنایا پھر نماز پڑھی تو اس کے درمیان اور اس کی اس نماز کے درمیان جو اس نے ادا کی جتنے گناہ ہوں گے وہ سب بخش دیئے جائیں گے۔

تشریح از شیخ زکریاؒ میں نے یہ کہا تھا کہ جن لوگوں نے بَیْنَ النَّبِیِّ صلعم کو جزو ترجمہ قرار دیا ہے یہ غلط ہے اس لئے کہ اس کا مستقل باب آرہا ہے۔ اور وہ یہی ہے وہاں اجمالاً آیت کی تفسیر فرما دی۔ اور یہاں مستقل ابواب میں ہر ایک کو ذکر کر دیا۔ باب الوضوء ثلاثا ثلاثا مرۃ مرۃ اور مرتین مرتین کے ابواب گذر چکے یہاں تفصیلاً ثلاثا ثلاثا کو بھی ذکر فرمایا۔ دعایا تاً فا فرغ الخ حضرات صحابہ کرام کا طریقہ تھا کہ جس طرح حضور اکرم صلعم نے کوئی کام کیا ہے۔ اسی طرح یہ حضرات اپنے شاگردوں کے سامنے کر کے دکھلاتے تھے۔ اس لئے تعلیم فعلی بنسبت تعلیم قولی کے اوقع فی النفس ہوا کرتی ہے من توضأ وضوئی ھٰذا یہاں دو بحثیں ہیں۔ اول یہ کہ اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ مغفرت کا ترتب دو چیزوں پر ہو رہا ہے۔ ایک وضو کرنے پر دوسرے اس وضو کے بعد دو رکعت پڑھنے پر اور سنن کی روایات میں ہے کہ جو شخص وضو کرتا ہے اس کے کلی کرنے سے وہ گناہ نکل جاتے ہیں جو اس نے منہ سے کئے اور

جب ناک میں پانی ڈالتا ہے تو ناک کے گناہ اور منہ کے ساتھ ساتھ منہ کے گناہ اور ہاتھ کے ساتھ ہاتھ کے گناہ اور پاؤں دھوتے وقت پاؤں کے گناہ غرضیکہ ہر عضو کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں تو سنن کی روایت کا تقاضا یہ ہے کہ مغفرت کا ترتب صرف ہر وضوء ہوتا ہے لہٰذا روایات میں تعارض ہو گیا اس کے دو جواب ہیں۔ اوّل یہ کہ یہ قاعدہ کلیہ ہے اور یہ بہت سی جگہوں پر چلے گا وہ یہ کہ علما نے بیان فرمایا ہے کہ جب روایات میں تعارض ہو۔ تو اس بارے میں ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ثواب کسی فعل قلیل پر مرتب ہو گا۔ اور دوسری روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ امر زائد پر مرتب ہو گا۔ تو امر زائد والی روایت مقدم ہوا کرتی ہے۔ اور قلیل والی مؤخر۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ حضور اکرم صلعم کی شفقت اور اپنی امت کے واسطے دعاؤں اور حضور اکرم صلعم کی ریاضات کی بنا پر امتِ محمدؐیہ پر اپنے انعامات روز افزوں فرماتے رہتے ہیں۔ یہ جواب تو قاعدہ کلیہ کے طور پر ہے۔ اور بہت سے مقامات پر جہاں اس قسم کا تعارض ہو تو قاعدہ جاری ہو گا۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ ثواب دو الگ الگ چیزوں پر مرتب ہو رہا ہے۔ ایک وضو کرنے پر اور دوسرا دو رکعت نماز باوصافہا پڑھنے پر اور یہ امر اتفاقی ہے۔ کہ یہاں وضو اور نماز دونوں کا ذکر آ گیا۔ ورنہ پہلے سے کوئی متوضی ہو اور اس نے پھر دو رکعت اس صفت کے ساتھ پڑھی جو مذکور فی الحدیث ہے تو اس کو بھی مغفرت حاصل ہو گی۔ اب یہاں اشکال یہ ہے کہ جب وضو کرنے سے مغفرت ہو گئی جیسا کہ آپؐ نے فرمایا کہ ہر ہر فعل پر مغفرت کا ترتب ہو رہا ہے تو اگر وضو کرنے کے بعد دو رکعت نماز پڑھے تو یہ دو رکعتیں کیا کریں گی۔ اس کا جواب قاعدہ کلیہ کے طور پر یہ ہے کہ مغفرت محل مغفور کے ساتھ مصادف (اِل جائے) ہو تو رفع درجات کا سبب ہوتی ہے۔ تو اس نے جب وضو کر لی۔ اور گناہ معاف ہو گئے تو اب جو وہ دو رکعت پڑھے گا۔ اس سے اس کی ترقی درجات ہو گی۔ یہی جواب وہاں بھی چلے گا کہ جب دو رکعت سے مغفرت ہو جاتی ہے اور وضو سے بھی ہوتی رہتی ہے۔ تو روزانہ کے گناہ معاف ہو گئے پھر الجمعۃ الی الجمعۃ کفارۃ لما بینھما کا کیا مطلب ہوا۔ اور اگر ایک جمعہ سے دوسرے جمعہ تک کے گناہ معاف ہو گئے تو پھر محرم کے روزے سال بھر کے کون سے گناہ معاف کرائیں گے اگر یہاں بھی معاف ہو گئے تو پھر ذی الحجہ کا روزہ دو سال کے گناہ کیا معاف کرائے گا۔ ان سب کا جواب یہی ہے کہ اولاً وضو کرنے سے مغفرت ہو گئی اور اگر کچھ رہ گیا تو دو رکعت سے ہو جائے گا۔ اور باقی ترقی درجات ورنہ پھر ذی الحجہ کے روزے سے معاف ہوں گے اور باقی رفع درجات کا باعث بن جائیں گے اگر کچھ رہ گیا کا مطلب یہ ہے کہ ہر شخص کی نماز ایسی

نہیں ہوتی جس سے سارے گناہ معاف ہوجائیں اور پھر اس کے ضمن میں یہ بات ہے کہ مغفرت کن معاصی کی ہوئی ہے۔ آیا صرف صغائر کی یا صغائر اور کبائر سب کی۔ عام علماء کی رائے یہ ہے کہ اگرچہ ایسے مواقع پر جہاں مغفرت کا تذکرہ ہے الفاظ عام ہیں۔ مگر مراد خاص ہے۔ یعنی صغائر ان آیات کی بنا پر جن میں الا من تاب کا استثنا موجود ہے اور مطلب یہ ہے کہ جب ان افعال سے سب گناہ معاف ہوچکے تھے۔ تو پھر استثناء الا من تاب کی کیا ضرورت؟ معلوم ہوا کہ کچھ گناہ باقی رہ گئے اور وہ کبائر ہی ہیں۔ لہٰذا ہم کہ محتاج توبہ ہیں اور میرے والد صاحب کی رائے یہ ہے کہ کبائر صغائر سب ہی مراد ہیں کیونکہ روایت کے الفاظ عام ہیں۔ باقی رہی توبہ تو وہ خود حاصل ہوجائے گی اس لئے کہ توبہ کہتے ہیں ندامت کو، اور جب کوئی اس طرح وضو کرے گا اور نماز پڑھے گا تو اس کو خود بخود ندامت حاصل ہوگی۔ اور نماز میں خود الفاظ استثناً موجود ہیں اور دوسرا جواب میرے والد صاحبؒ یہ دیتے ہیں کہ مؤمن کی شان سے یہ بات بعید ہے کہ وہ کبائر کا ارتکاب کرے اور اگر کبھی صدور ہوجائے تو اس کو چین ہی نہ آئے تاآنکہ توبہ کر کے اپنے گنا معاف نہ کرالے۔ اب صغائر ہی رہ گئے وہ ان افعال سے معاف ہو جائیں گے۔

دوسری بحث لا یحدث فیہما نفسہ میں ہے۔ قاضی عیاض اور علامہ نوویؒ مسلم شریف کے بہت قدیم شارح ہیں، قاضی عیاض مالکی ہیں اور امام نووی شافعی اور بہت ہی متعصب۔ مسائل میں شافعیہ کے یہاں عامۃً دو قول ہیں قدیم اور جدید اور بعض میں تین تین اور چار چار قول ہیں۔ ان کی عادت ترجیح میں یہ ہے کہ کبھی قول قدیم کو ترجیح دیتے ہیں اور کبھی جدید کو۔ امام نوویؒ کی عادت شرح مسلم میں یہ ہے کہ جب کوئی حدیث مسلم میں آئے گی اور امام شافعیؒ کے کسی قول کے مطابق ہو۔ تو کہتے ہیں یہ قال الشافعی اور شرح مہذب میں اس کے خلاف جو قول امام شافعیؒ سے مشہور ہوتا ہے اس کو ترجیح دیتے ہیں۔ اور امام نووی اور قاضی عیاض میں کہیں کہیں اختلاف بھی ہے اور جہاں کہیں اختلاف ہو گیا ہے۔ تو وہ پھر آخر تک چلا آیا ہے۔ خواہ حافظ ابن حجر ہوں یا علامہ عینیؒ یا علامہ قاری یا حافظ سیوطی اور ہر ایک کے متبعین موجود ہیں۔ تو قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ کسی قسم کی بات نہ کرے۔ مطلقاً خواہ دنیا کی ہو یا آخرت کی۔ اختیار سے ہو یا بلا اختیار کے اور نوویؒ فرماتے ہیں کہ امور غیر اختیاریہ اس سے خارج ہیں، اس لئے کہ حدیث میں ہے ان اللہ تجاوز عن امتی ما۔ سوف بہ نفسہا قاضی عیاض کے متبعین کہتے ہیں کہ امور غیر اختیاریہ میں تجاوز کا وعدہ ہے۔ باقی اس پر انعام بھی ہوگا اس کا کوئی وعدہ نہیں ابن ارسلان

حافظ ابن حجر کے شاگرد اور ابو داؤد کے شارح ہیں انہوں نے ایک قدم اور آگے بڑھایا کہ دنیا کے امور غیر اختیاریہ اور آخرت امور اختیاریہ ہوں یا غیر اختیاری مضر نہیں ہیں، ولکن عروۃ یحدث عن حمران اس کا مطلب یہ ہے کہ ابن شہاب کے دو استاذ ہیں ایک عطا بن یزید ان سے تو روایت متقدمہ لی گئی ہے۔ دوسرے عروہ ان سے یہ روایت ہے۔ ان دونوں میں کوئی اختلاف نہیں ہے اس لئے کہ یہ دونوں الگ الگ حدیثیں ہیں لولا آیۃ ما حدثتکم۔ اس لئے نہ بیان کرتے تھے کہ تم اتکال کرلوگے الا غفر لہ الخ مصنفؒ نے اس جملہ کی وجہ سے حضرت عروہ کی روایت ذکر کی ہے۔ کیونکہ پہلی روایت میں غفر لہ ما تقدم وارد ہے۔ اس روایت سے ما تقدم کی تحدید معلوم ہوگئی۔ الغرض امام بخاریؒ نے یہ تین باب قریب قریب ذکر فرمائے ہیں۔ ان سے مقصود ہر ایک کا جواز ثابت کرنا ہے۔ ہر طریق حضور اکرم صلعم سے ثابت ہے۔ البتہ تیسرا طریق استحباب و مسنون کا درجہ رکھتا ہے، لا یحدث فیہما نفسہ ابن ارسلان جو ابن حجر کے تلمیذ ہیں۔ انہوں نے اس جملہ کی تفسیر لا یحدث نفسہ فی امور الدنیا سے کی ہے۔ یعنی اگر کوئی شخص دینی اور اخروی بات کرے تو کوئی مضائقہ نہیں۔ ممانعت صرف دنیا کی بات کی ہے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ سے منقول ہے انی اجھز جیشی فی الصلوٰۃ غفر لہ ما تقدم یہ اور اس قسم کی روایات کثرت سے آئی ہیں۔ حضرت گنگوہیؒ کا ارشاد ہے کہ اگر قرآن دیکھو تو معلوم ہوگا کہ کوئی شخص بھی جہنم میں نہ جائے گا۔ اور امام غزالیؒ کی احیاء العلوم دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جنت کا دروازہ بالکل بند ہے۔ یہاں حدیث میں ما تقدم ہے لہٰذا جمیع ذنوب کو شامل ہوگا لیکن اس کے باوجود اس عموم سے اجماعاً صغائر مراد ہیں۔ کیونکہ کبائر بغیر توبہ کے معاف نہیں ہونے الا ما شاء اللہ۔ علامہ جزری نے لکھا ہے کہ توبہ کی حقیقت فقط زبان سے کہنا نہیں۔ ورنہ ہماری یہ توبہ خود گناہ ہوگی۔ انہوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ ہمیں اغفرلی کہنا چاہیئے۔ استغفر اللہ نہیں کہنا چاہیئے۔

باب الاِسْتِنْثَارِ فِي الْوُضُوْءِ ذَكَرَهُ عُثْمَانُ وَعَبْدُ اللهِ بْنُ زَيْدٍ وَّابْنُ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

ترجمہ، وضو میں ناک صاف کرنا۔ اس کو عثمانؓ عبد اللہ بن زید اور ابن عباسؓ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کیا ہے۔

حدیث نمبر ۱۵۸ حَدَّثَنَا عَبْدَانُ الخ سَمِعَ اَبَا هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

اَنَّہٗ قَالَ مَنْ تَوَضَّأَ فَلْيَسْتَنْثِرْ وَمَنِ اسْتَجْمَرَ فَلْيُوْتِرْ (الحدیث)

ترجمہ، حضرت ابوہریرہؓ جناب نبی اکرم صلعم سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا جو شخص وضو کرے اس کو ناک صاف کرنی چاہیئے اور جو ڈھیلے استعمال کرے تو طاق استعمال کرے۔

تشریح از شیخ ذکریاؒ۔ استنثار کہتے ہیں ناک جھاڑنے کو۔ امام بخاریؒ نے یہاں کیا باریکی فرمائی کہ استنثار کو مضمضہ پر مقدم کر دیا۔ حالانکہ مضمضہ پہلے ہونا چاہیئے تھا۔ حافظ بن حجرؒ فرماتے ہیں کہ منہ کی بنسبت ناک میں زیادہ تستر (پردہ) ہے۔ تو انف (ناک) باعتبار فم (منہ) کے باطن ہے اور فم ظاہر (منہ ظاہر ہے)۔ امام بخاریؒ نے استنثار کو مقدم فرما کر اشارہ کر دیا کہ تطہیر باطن تطہیر ظاہر سے مقدم ہے۔ اور میرے نزدیک اس کی وجہ یہ ہے کہ استنثار کے مسئلہ میں بہ نسبت مضمضہ کے ائمہ کے یہاں زیادہ اہمیت ہے۔ شافعیہ اور مالکیہ کے یہاں تو دونوں غسل اور وضو کے اندر مسنون ہیں۔ اور حنفیہؒ کے ہاں غسل میں دونوں واجب دوسرے یہ کہ دونوں دونوں کے اندر سنت ہیں۔ اور تیسرے یہ کہ استنثار دونوں کے اندر واجب ہے اور مضمضہ دونوں میں سنت ہے تو استنثار میں اہمیت زیادہ ہوگئی۔ حالانکہ امام احمدؒ کی روایت میں استنثار دونوں واجب اور مضمضہ سنت ہے۔ لہٰذا اس کو مقدم فرما دیا۔ اور ساتھ ہی ایک اور مسئلہ کی طرف اشارہ فرمایا وہ یہ کہ ترتیب وضو شافعیہ کے یہاں واجب ہے۔ حنفیہؒ اور مالکیہؒ کے ہاں سنت ہے۔ امام بخاریؒ نے ترتیب بدل کر اشارہ فرما دیا کہ ترتیب واجب نہیں۔ امام بخاریؒ کی عادت یہ ہے کہ جو باب ایک مرتبہ گذر گیا کسی بھی مناسبت سے اس کو دوبارہ ذکر نہیں فرمائیں گے۔ تو اب یہاں سے جو تفصیل ذکر فرما رہے ہیں تو ترتیب کے اعتبار سے پہلے مضمضہ پھر استنثار اور پھر غسل وجہ کا ذکر ہونا چاہیئے لیکن غسل وجہ کا ذکر آچکا ہے اور جس مناسبت سے بھی آیا ہے، وہاں بیان ہو چکی۔ اب یہ کہ مضمضہ کو پہلے بیان کرنا چاہیئے تھا اس کا جواب یہ ہے کہ اس کو مؤخر کر کے اشارہ فرما دیا کہ وضو کے اندر ترتیب نہیں ہے۔ اور یہ توجیہہ تمام ابواب میں چل سکتی ہے کہ ابواب الوضوء کے اندر مصنفؒ نے جو ترتیب قائم نہیں فرمائی تو اس سے تنبیہہ کرنا ہے کہ ترتیب فی الاعضاء وضو میں نہیں ہے یہ مسئلہ ترتیب میں اختلاف ہے۔ احناف کے نزدیک ترتیب واجب نہیں البتہ امام شافعیؒ کے یہاں واجب ہے۔

باب الْاِسْتِجْمَارِ وِتْرًا۔ ترجمہ، کہ استنجا میں طاق ڈھیلے استعمال کرنے چاہئیں

حدیث نمبر ۱۵۹ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوْسُفَ الخ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا تَوَضَّأَ اَحَدُكُمْ فَلْيَجْعَلْ فِيْ اَنْفِهٖ مَاءً ثُمَّ لِيَنْتَثِرْ وَمَنِ

اذا استجمر فليوتر و اذا استيقظ احدكم من نومه فليغسل يده قبل ان يدخلها في وضوئه فان احدكم لا يدري اين باتت يده (الحديث)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ بیشک جناب رسول اللہ صلعم نے فرمایا جب ایک تمہارا وضو کرے تو اپنے ناک میں پانی کرے پھر ناک جھاڑے اور جو استنجا کرے تو طاق ڈھیلے استعمال کرے اور جب ایک تمہارا اپنی نیند سے بیدار ہو۔ تو اپنا ہاتھ پانی میں داخل کرنے سے پہلے دھوئے کیونکہ ایک تمہارا نہیں جانتا کہ اس کے ہاتھ نے رات کہاں بسر کی ۔

تشریح از شیخ زکریاؒ۔ کہاں استنثار کا ذکر کر رہے تھے اور کہاں استجمار میں پہنچ گئے، علامہ کرمانیؒ کو تو کوئی اشکال نہیں کیونکہ انہوں نے تو پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ امام بخاریؒ نے ابواب کے درمیان کوئی ترتیب نہیں رکھی لیکن میرے نزدیک امام بخاریؒ نے بڑی اچھی ترتیب رکھی ہے۔ یہ باب بھی بے ترتیب اور بے محل نہیں ہے۔ بلکہ یہ باب در باب ہے اور باب در باب کا مطلب یہ ہے کہ امام بخاریؒ کوئی باب منعقد فرماتے ہیں اور اس کی روایات کے درمیان کوئی لفظ اہم ہوا کرتا ہے۔ یا کوئی خصوصیت ہوتی ہے ۔ تو اس پر تنبیہ فرمانے کے لئے باب باندھ دیتے ہیں ۔ ورنہ وہ کوئی مستقل باب نہیں ہوتا کیونکہ باب سابق کی روایت میں استجمار کا ذکر بضمن ومن استجمر فلیوتر تھا اس لئے اس پر باب باندھ لیا اور اس باب کو باب سابق سے یہ مناسبت ہے کہ جب استجمار کے اندر ایتار ہے تو استنثار کے اندر بطریق اولیٰ ہوگا۔ اذا استیقظ احدکم من نومہ یہاں اشکال یہ ہے کہ من نومہ کی قید کیوں لگائی ۔ کیونکہ ہر شخص اپنی ہی نوم سے بیدار ہوتا ہے دوسرے کی نوم سے بیدار نہیں ہوتا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بتلانا مقصود ہے کہ اس سے صرف مخاطبین مراد ہیں انبیاء علیہم السلام اس سے مستثنیٰ ہیں اس لئے کہ ان کی نوم ناقض للوضوء نہیں ہے۔ ظاہریہ کی رائے یہ ہے کہ پانی میں بغیر ہاتھ دھوئے ہاتھ ڈالنا جائز نہیں اگر ڈال دیا تو پانی ناپاک ہوگا ایسی ظاہریہ کی یہ رائے ہے کہ اگر پیشاب ماء راکد (کھڑے پانی) میں ڈال دے تو پاک رہے گا اگر اس میں کوزے تو ناپاک ہوگا اور یہاں یہ ہے کہ اگر ہاتھ نہ دھویا تو ناپاک ہو جائے گا۔ جمہور کے نزدیک ہاتھ دھونا مستحب ہے واجب نہیں، اس لئے کہ ہاتھ سوتے وقت بالیقین پاک تھا اور سونے کے بعد اس کے دھونے کے امر کو ایک امر موہوم پر معلق فرمادیا۔ جو کسی شیٔ موہوم پر معلق ہو وہ واجب نہیں ہوتا۔ فان الیقین لا یزول بالشک ظاہریہ کی طرف سے اعتراض کیا گیا۔ کہ تم یہ کہتے ہو کہ سونے سے وضو ٹوٹ

جائے گا اس لئے کہ خروج ریح کا احتمال ہے۔ تو یہاں ایک امر محتمل پر وضو کو واجب کرتے ہو۔ اس کا جواب یہ ہے کہ وضو من النوم کی وجہ خود حضور پاک کی حدیث میں مذکور ہے۔ آپ کا ارشاد ہے کہ العینان وکاء استہ (آنکھیں سرین کا بندھن ہیں) اور جب آدمی سو جاتا ہے تو وہ بندھن کھل جاتا ہے اور جب بندھن کھل گیا تو احتمال خروج نہیں بلکہ مظنۂ خروج ہے۔ لہٰذا یہاں ظن غالب یہ ہے کہ وضو ٹوٹ گیا اس لئے ہم نے وضو من النوم کو واجب قرار دیا۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ دونو جگہ فرق ہے اس لئے ایک کو دوسرے پر قیاس کرنا غلط ہے۔ کیونکہ حضور اکرم صلعم نے جو غسل یدین کا امر بعد الاستیقاظ فرمایا ہے وہ اس وجہ سے ہے کہ سونے کے وقت یہ احتمال ہے کہ انتشار ذکر ہو۔ پھر دوسرا احتمال یہ ہے کہ اس کا ہاتھ وہاں تک پہنچ جائے۔ تیسرا احتمال یہ ہے کہ ان دونو کی وجہ سے خروج مذی ہو جائے اور وہ اس کے ہاتھ پر لگ جائے۔ تو یہاں ہاتھ کا ناپاک ہونا تین امور کے احتمال پر موقوف ہے۔ ایک انتشار ایک ہاتھ کا وہاں تک پہنچنا۔ اور ایک مذی کا خروج تب کہیں جا کر ہاتھ ناپاک ہوگا۔ تو جب یہاں درمیان میں تو تین احتمال پیدا ہو گئے تو اس احتمال کا درجہ بہت اھون ہو گیا بخلاف نوم کی حالت کے کہ وہاں خروج ریح کا احتمال کسی اور امر کے پیدا ہونے پر موقوف نہیں ہے۔ تو وہ احتمال اقویٰ ہے جس کو غلبہ وظن سے تعبیر کیا جاتا ہے اس وجہ سے وہاں وضو واجب ہے اور یہاں وضو واجب نہیں۔ اب یہاں ایک مسئلہ اور ہے کہ غسل الیدین یہ جزو وضو ہے جس کا حکم آیت کے اندر ہے یا نہیں۔ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ جزء وضو نہیں ان کے نزدیک اس کے موافق احکام ہوں گے۔ وہ یہ کہ بسملہ اس غسل کے بعد ہوگا۔ اور وضو کی نیت بھی بعد میں ہوگی۔ اور اگر غسل الوجہ کے بعد یہ سوچ کر کہ اپنا ہاتھ تو دھو چکا ہوں۔ لہٰذا باقی پر اکتفا کر لیں تو یہ کافی نہ ہوگا۔ اور جو لوگ اسے جزء وضو کہتے ہیں۔ ان کے نزدیک بسملہ اس غسل کے قبل اور نیت بھی جن کے یہاں نیت ضروری ہے۔ جو لوگ اسے جزو نہیں مانتے وہ حدیث باب میں ورود کی بنا۔ پر کہتے ہیں اور جو جزو قرار دیتے ہیں۔ وہ احتمال نجاست کے عارض کی وجہ سے تقدم مانتے ہیں جیسے غسل وجہ فرض ہے اور مضمضہ۔ استنشاق مکملات میں سے ہونے کی وجہ سے سنت ہیں لہٰذا اس کو بعد ہونا چاہیئے لیکن چونکہ وضو اس پانی سے ہوتا ہے۔ جو پاک ہے اور اس کی پاکی یہ ہے کہ اس کے رنگ و بو اور مزہ میں فرق نہ آئے۔ تو رنگ آنکھ سے معلوم ہوگا اور اس کا مزہ مضمضہ سے اور بو استنشاق سے معلوم ہوگی۔ پھر اس کے بعد فرض الوضو شروع ہو گا۔ فانہ لایدری این باتت یدہ آئمہ ثلاثہ کے نزدیک اس کا مطلب یہ ہے کہ چونکہ اہل عرب کا دستور

لنگی باندھنے کا تھا۔ اور ذکر انسان قائم اللیل مشہور ہے۔ رات کو اس میں انتشار ہو کر استادگی ہو جاتی ہے۔ اور بسا اوقات بحالت استادگی وہاں ہاتھ پہنچ جاتا ہے اور اس وقت میں منی نکل جانے کا احتمال ہے اس لئے دھونے کا حکم فرمایا کیونکہ اگر ہاتھ پر کچھ لگا ہوا ہوگا تو پانی اگر قلیل ہوا تو ناپاک ہو جائے گا اور مالکیہ کے ہاں چونکہ ماء قلیل اس وقت تک ناپاک نہیں ہوتا جب تک اس کا رنگ، بُو اور مزہ نہ بدل جائے۔ اس لئے وہ کہتے ہیں کہ یہ علت نہیں ہے۔ بلکہ یہ امر نظافت پر مبنی ہے کیونکہ بہت ممکن ہے کہ رات کو ہاتھ کہیں گیا ہو اور کھجلایا ہو اور اس پر کچھ میل (بفتح ذکر) لگا ہو۔ اور وہ ہاتھ پانی میں پڑ جائے تو نظافت نہیں رہے گی۔ غور سے سنو! رسول اللہ صلعم نے جب کہ الفاظ میں تصریح فرما دی۔ اور ذرا بھی شرم نہیں فرمائی اور میں سمجھتا ہوں کہ حضور انور صلعم سے بڑھ کر کوئی حیادار نہیں ہو سکتا۔ تو میں کون ہوتا ہوں جو شرماؤں لہٰذا میں بھی تصریح کئے دیتا ہوں کہ یہاں جمہور نے جو وجہ بیان فرمائی کہ غسل الیدین کا حکم احتمال تلوث بالمذی کی وجہ سے ہے اس پر میرے حضرتؒ جب مدینہ منورہ میں حضرت شاہ عبدالغنیؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اوائل نسائی میں یہ روایت ہے اس کو پڑھا۔ اور کتب حدیث کی اوائل پڑھ کر اجازت لی تو اس وقت حضرت شاہ عبدالغنی صاحبؒ سے اشکال کیا۔ کہ ہاتھ کو محض تلوث کی بنا پر دھونے کا حکم ہے تو پاجامہ کی میانی ہر وقت پاس رہتی ہے وہاں نجاست کا زیادہ احتمال ہے تو پھر اس کے دھونے کا حکم کیوں نہیں فرمایا تو حضرت شاہ صاحبؒ نے ارشاد فرمایا کہ پاجامہ کی نجاست لازم ہے۔ اگر متحقق ہو جائے کہ لگی ہے تو ایک دو وقت کی نماز لوٹا لے بخلاف نجاست ید کے کہ وہ متعدی ہے کیونکہ اگر ہاتھ ناپاک ہونے کی صورت میں پانی میں پڑ گیا۔ تو جتنے لوگوں نے اس سے وضو کی ہوگی۔ سب کی نماز باطل ہوگی۔ اور جہاں جہاں اس پانی کی چھینٹیں گئیں وہ بھی ناپاک ہوگا لہٰذا اس سبب سے ہاتھ کے دھونے کا حکم فرمایا۔

باب غَسْلِ الرِّجْلَيْنِ وَلَا يَمْسَحُ عَلَى الْقَدَمَيْنِ۔

ترجمہ، باب دونوں پاؤں کے دھونے کے بارے میں اور یہ کہ قدمین پر مسح نہ کیا جائے۔

حدیث نمبر ۱۶۰ حَدَّثَنَا مُوسٰی الخ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ تَخَلَّفَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنَّا فِي سَفْرَةٍ فَأَدْرَكَنَا وَقَدْ أَرْهَقْنَا الْعَصْرَ فَجَعَلْنَا نَتَوَضَّأُ وَنَمْسَحُ عَلٰى أَرْجُلِنَا فَنَادٰى بِأَعْلٰى صَوْتِهٖ وَيْلٌ لِّلْأَعْقَابِ مِنَ النَّارِ مَرَّتَيْنِ أَوْ ثَلٰثًا۔

ترجمہ، حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ فرماتے ہیں کہ ایک سفر میں جناب نبی اکرم صلعم ہم سے

پیچھے رہ گئے۔ پھر آپ نے ہمیں اس حال میں آکر پالیا کہ ہم میں عصر کی نماز نے مشقت میں ڈال دیا تھا یعنی اس میں تاخیر ہو رہی تھی۔ چنانچہ ہم اس طرح وضو کر رہے تھے کہ اپنے پاؤں پر ہلکا پانی بہا رہے تھے۔ تو آپ نے اونچی آواز سے پکار کر فرمایا کہ ان ایڑیوں کے لئے جہنم کی ہلاکت ہے دو مرتبہ یا تین مرتبہ فرمایا۔

تشریح از شیخ زکریاؒ۔ یہ باب بھی بظاہر بے جوڑ ہے اس لئے کہ استنثار کے بعد تو استجمار کرنے چلے گئے تھے اور پھر غسل رجلین شروع کر دیا۔ مگر اس میں کوئی تنافر نہیں بلکہ بہت عمدہ مناسبت ہے وہ یہ کہ امام بخاریؒ نے تنبیہ فرمادی کہ اگر کوئی ناک میں پانی نہ ڈالے بلکہ یوں ہی ہاتھ تر کر کے ناک صاف کرے تو سنت حاصل نہ ہوگی جس طرح کہ غسل رجلین ضروری ہے۔ مسح کافی نہیں ہوگا۔ روایۃ الباب باب رفع الصوت بالعلم میں گذر چکی ہے اور یہ ترجمہ شارحہ ہے۔ ترجمہ شارحہ کہتے ہیں کہ جس جگہ روایت کسی جملہ کے معنی میں اجمال ہو تو ترجمہ اس کو واضح کر دے۔ تو یہاں روایت کے اندر آیا کہ نمسح علی ارجلنا اس کے معنی میں اجمال ہے تو ترجمہ شارحہ نے بتلا دیا کہ یہاں مسح کے حقیقی مراد نہیں بلکہ مسح سے مراد غسل ہے اور اس سے روافض پر رد ہو گیا۔ کیونکہ ان کے نزدیک رجلین کا وظیفہ غسل نہیں بلکہ مسح ہے۔ اب یہ کہ اس ترجمہ سے کیا مناسبت ہے اس کا جواب یہ ہے کہ چونکہ شریعت کے احکام میں اپنی طرف سے کوئی ترمیم نہیں ہو سکتی بلکہ جیسے ہم ان کے مامور ہیں۔ اسی طرح ہم کو کرنا ہے۔ لہٰذا اگر شریعت نے کسی کا وظیفہ غسل بالماء رکھا ہے۔ تو ہمارے لئے یہ جائز نہیں کہ ہم یہ سوچ کر کہ مقصود انقاء اور صفائی ہے لہٰذا کپڑے سے ہی انقاء کرلیں جب یہ امر اپنی جگہ پر ہے تو اب پہلے باب کے اندر استنثار کا ذکر تھا اس پر مصنفؒ نے اس باب سے تنبیہ کر دی کہ اس ناک میں پانی پہنچانا ضروری ہے صرف کپڑے سے ناک پونچھ لینا استنثار نہیں ہے جیسے رجلین کا وظیفہ شریعت نے غسل بتلایا ہے۔ لہٰذا اس کا پانی سے پونچھ لینا کافی نہیں اور علامہ عینیؒ نے یہ توجیہ کی ہے۔ کہ ناک بدن میں ایک جانب ہے اور پیر بدن میں دوسری جانب ہیں اس لئے ناک کے بعد قدم کا وظیفہ بتلا دیا۔

باب، الْمَضْمَضَةِ فِي الْوُضُوْءِ قَالَهُ ابْنُ عَبَّاسٍ وَعَبْدُ اللّٰهِ بْنُ زَيْدٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ ترجمہ، وضو میں کلی کرنا اس کو ابن عباس اور عبداللہ بن زیدؓ نے جناب نبی اکرم صلعم سے روایت کیا ہے۔

حدیث نمبر ۱۶۱ حَدَّثَنَا اَبُو الْيَمَانِ الخ عَنْ حُمْرَانَ مَوْلٰى عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ اَنَّهُ رَاٰى عُثْمَانَ دَعَا بِوَضُوْءٍ فَاَفْرَغَ عَلٰى يَدَيْهِ مِنْ اِنَائِهٖ فَغَسَلَهُمَا ثَلٰثَ مَرَّاتٍ ثُمَّ اَدْخَلَ

يَمِيْنَهٗ فِي الْوَضُوْءِ ثُمَّ تَمَضْمَضَ وَاسْتَنْشَقَ وَاسْتَنْثَرَ ثُمَّ مَسَحَ بِرَاْسِهٖ ثُمَّ غَسَلَ كُلَّ رِجْلٍ ثَلٰثًا ثُمَّ قَالَ رَاَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَوَضَّأُ نَحْوَ وُضُوْئِيْ هٰذَا وَقَالَ مَنْ تَوَضَّأَ نَحْوَ وُضُوْئِيْ هٰذَا ثُمَّ صَلّٰى رَكْعَتَيْنِ لَا يُحَدِّثُ فِيْهِمَا نَفْسَهٗ غَفَرَ اللّٰهُ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ (الحديث)

ترجمہ، حضرت حمران مولا عثمان رضؓ نے حضرت عثمانؓ کو دیکھا کہ انہوں نے پانی منگایا پھر اس کے برتن سے اپنے دونو ہاتھوں پر پانی انڈیلا اور دونو ہاتھوں کے تین مرتبہ دھویا پھر اپنا دایاں ہاتھ پانی میں داخل کیا۔ کلی کی۔ ناک میں پانی دیا پھر ناک کو جھاڑا پھر اپنے چہرہ کو تین مرتبہ دھویا اس طرح دونو ہاتھوں کو کہنیوں تک تین مرتبہ دھویا۔ پھر اپنے سر کا مسح کیا پھر ہر پاؤں کو تین مرتبہ دھویا۔ پھر فرمایا کہ میں نے جناب نبی اکرم صلعم کو اپنے اس وضو کی طرح وضو کرتے دیکھا اور فرمایا کہ جس نے میرے اس جیسے وضو جیسا وضو کیا پھر دو رکعتیں تحیۃ الوضوء ادا کی کہ اس میں اپنے نفس سے کوئی بات چیت نہ کی تو اس کے سب پچھلے گناہ اللہ تعالیٰ معاف کر دے گا۔

تشریح از شیخ زکریاؒ میں نے بیان کیا تھا کہ مضمضہ میں نسبۃ استنشاق تاکید تھا اس لئے اس کو مؤخر فرما دیا۔

باب غَسْلِ الْاَعْقَابِ وَكَانَ ابْنُ سِيْرِيْنَ يَغْسِلُ مَوْضِعَ الْخَاتَمِ اِذَا تَوَضَّأَ۔

ترجمہ، جوتوں کے اندر بھی پاؤں کو دھونا چاہیئے۔ جوتوں پر مسح نہ کرے۔

حدیث نمبر ۱۶۳ حَدَّثَنَا اٰدَمُ بْنُ اَبِيْ اِيَاسٍ الخ قَالَ سَمِعْتُ اَبَا هُرَيْرَةَ وَكَانَ يَمُرُّ بِنَا وَالنَّاسُ يَتَوَضَّئُوْنَ مِنَ الْمِطْهَرَةِ فَقَالَ اَسْبِغُوا الْوُضُوْءَ فَاِنَّ اَبَا الْقَاسِمِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ وَيْلٌ لِلْاَعْقَابِ مِنَ النَّارِ (الحديث)

ترجمہ، حضرت محمد بن زیاد فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابو ہریرۃ رضؓ سے اس وقت سنا جب وہ ہمارے پاس سے گذر رہے تھے اور لوگ لوٹے سے وضو کر رہے تھے۔ فرمایا وضو مکمل کرو۔ کیونکہ جناب ابو القاسم محمد صلعم فرماتے تھے۔ ایڑیوں کے لئے جہنم سے ہلاکت ہے۔

تشریح از شیخ زکریاؒ یہاں بھی اشکال ہے کہ مضمضہ کے بعد غسل الاعقاب میں کہاں پہنچ گئے علامہ عینیؒ فرماتے ہیں دونو میں مناسبت یہ ہے کہ غسل الاعقاب اور مضمضہ دونو وضو کے احکام میں سے

ہیں۔ کرمانیؒ نے تو کہہ دیا کہ امام بخاریؒ نے ترتیب ملحوظ نہیں رکھی میری رائے یہ ہے کہ امام بخاریؒ نے غرغرہ کے استحباب پر اس باب سے متنبہ فرمایا ہے۔ لیکن غرغرہ کے باب میں روایت امام بخاریؒ کی شرط کے موافق نہیں تھی۔ تو اسے اپنی دقیق نظری سے ایک دوسری طرح ثابت فرمادیا۔ وہ یہ کہ غسل الرجلین فرض ہے اور اعقاب مؤخر رجلین ہیں۔ اور حضور اقدس صلعم نے اعقاب کے دھونے میں بڑی تاکید فرمائی ہے ویل للاعقاب من النار فرمایا۔ اسی طرح مضمضہ سنت ہے اور غرغرہ مؤخر فم میں ہوتا ہے۔ تو امام بخاریؒ تنبیہ فرماتے ہیں کہ جب استیعاب فرض میں فرض ہوا۔ تو سنت کے اندر استیعاب سنت کیوں نہ ہوگا۔ وکان ابن سیرین الخ اس سے بھی میرے قول کی تائید ہوتی ہے کہ اعضاء وضو کو اچھی طرح پانی پہنچانا چاہیے

بَاب غَسْلِ الرِّجْلَيْنِ فِي النَّعْلَيْنِ وَلَا يَمْسَحُ عَلَى النَّعْلَيْنِ۔

ترجمہ، جوتوں کے اندر بھی پاؤں کو دھونا چاہیے جوتوں پر مسح نہ کرے۔

حدیث نمبر ۱۶۳ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوسُفَ الخ عَنْ عُبَيْدِ بْنِ جُرَيْجٍ اَنَّهُ قَالَ لِعَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ يَا اَبَا عَبْدِ الرَّحْمٰنِ رَاَيْتُكَ تَصْنَعُ اَرْبَعًا لَمْ اَرَ اَحَدًا مِّنْ اَصْحَابِكَ يَصْنَعُهَا قَالَ وَمَا هِيَ يَا ابْنَ جُرَيْجٍ قَالَ رَاَيْتُكَ لَا تَمَسُّ مِنَ الْاَرْكَانِ اِلَّا الْيَمَانِيَيْنِ وَرَاَيْتُكَ تَلْبَسُ النِّعَالَ السِّبْتِيَّةَ وَرَاَيْتُكَ تَصْبُغُ بِالصُّفْرَةِ وَرَاَيْتُكَ اِذَا كُنْتَ بِمَكَّةَ اَهَلَّ النَّاسُ اِذَا رَاَوُا الْهِلَالَ وَلَمْ تُهِلَّ اَنْتَ حَتّٰى كَانَ يَوْمُ التَّرْوِيَةِ قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ اَمَّا الْاَرْكَانُ فَاِنِّي لَمْ اَرَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَمَسُّ اِلَّا الْيَمَانِيَيْنِ وَاَمَّا النِّعَالُ السِّبْتِيَّةُ فَاِنِّي رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَلْبَسُ النِّعَالَ الَّتِي لَيْسَ فِيهَا شَعْرٌ وَيَتَوَضَّاُ فِيهَا فَاَنَا اُحِبُّ اَنْ اَلْبَسَهَا وَاَمَّا الصُّفْرَةُ فَاِنِّي رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَصْبُغُ بِهَا فَاِنِّي اُحِبُّ اَنْ اَصْبُغَ بِهَا وَاَمَّا الْاِهْلَالُ فَاِنِّي لَمْ اَرَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُهِلُّ حَتّٰى تَنْبَعِثَ بِهٖ رَاحِلَتُهٗ۔ (الحدیث)

ترجمہ، حضرت عبید بن جریج تابعیؒ فرماتے ہیں کہ انہوں نے حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے کہا کہ اے ابوعبد الرحمن میں نے آپ کو چار ایسے کام کرتے دیکھا ہے۔ جو آپ کے دوسرے ساتھیوں میں سے

کسی کو ایسے کرتا نہیں دیکھا۔ انہوں نے پوچھا اے ابن جریج وہ کون سی باتیں ہیں میں نے عرض کی کہ میں نے آپؓ کو سوائے رکن یمانین کے کسی رکن کو ہاتھ لگاتے نہیں دیکھا اور آپ کو میں نے دیکھا کہ آپ بال اترے ہوئے جوتے پہنتے ہیں۔ اور اپنی بالوں کو زردی سے رنگتے ہیں اور آپ کو میں نے دیکھا آپ جب مکۂ معظمہ میں ہوتے تو لوگوں کو دیکھا کہ وہ ہلال ذی الحجہ دیکھتے ہی احرام باندھ لیتے ہیں۔ اور آپ اس وقت تک احرام نہیں باندھتے جب تک یوم ترویہ یعنی ذی الحجہ کی آٹھ تاریخ نہ ہو جائے تو حضرت عبداللہؓ فرماتے ہیں کہ ارکان کا چھونا ہے سو میں نے جناب رسول اللہ صلعم کو سوائے ان دو رکن یمانی کے کسی کو ہاتھ لگاتے نہیں دیکھا۔ رہ گئی نعال سبتیہ تو میں نے آنحضرت رسول اللہ صلعم کو ایسے جوتے پہنتے دیکھا ہے جس میں بال نہیں ہوتے تھے۔ اور مجھے بھی یہ پسند ہے کہ میں بھی ایسے جوتے پہنوں لیکن زردی رنگ سو میں نے جناب رسول اللہ صلعم کو اپنی زرد رنگ کے کپڑے پہنے ہوئے دیکھا تو مجھے یہ اسی سے کپڑا رنگنا پسند ہے جہاں تک احرام باندھنے کا تعلق ہے سو میں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو احرام باندھتے نہیں دیکھا یہاں تک کہ آپؐ کی اونٹنی آپ کو اٹھا کر چلتی ۔

تشریح از شیخ زکریاؒ علماء کے نزدیک اس غسل رجلین فی النعلین کا مطلب یہ ہے کہ رجلین کو نعلین سے نکال کر دھوئے یہ باب بھی بظاہر بے جوڑ ہے۔ مگر میرے نزدیک مناسبت یوں ہے۔ کہ یہ بھی مضمضہ کے باب کا تکملہ ہے اگر کوئی منہ میں پان لئے ہوئے ہو اور اس کو منہ میں ایک طرف کرکے کلی کرے تو یہ کافی نہ ہو گا جیسے کہ نعلین کے اندر غسل کافی نہیں بلکہ نکالنا ضروری ہے۔ رأیتک لا تمسّ من الارکان الخ کعبہ کی چار جانب ہیں جو مشرق اور شمال میں ہے اس میں حجر اسود ہے اور مشرق اور جنوب کی جانب ہے۔ اسے رکن یمانی کہتے ہیں جو مغرب اور جنوب کی جانب ہے اسے رکن عراقی کہتے ہیں اور جو مغرب اور شمال کی جانب ہے اسے رکن شامی کہتے ہیں اس کی شکل اس طرح ہے۔

شامی — مغرب — حطیم — عراقی
شمال — جنوب
حجر اسود — مشرق — رکن یمانی

حجر اسود اور رکن یمانی دونو رکنین یمانین کہتے ہیں۔ جمہور کے نزدیک حجر اسود کی تقبیل اور رکن یمانی کا استلام ہو گا۔ اور بعض صحابہ جیسے حضرات امیر معاویہؓ اور عبداللہ بن زبیرؓ کی رائے ہے کہ استلام رکن یمانی کی کوئی خصوصیت نہیں ہے۔ بلکہ ہر رکن کا استلام ہو گا مگر جمہور کا مذہب وہی اوّل ہے اور وہی ائمہ اربعہ کا بھی ہے۔ یہ اختلاف سلف میں تھا۔ اب کوئی اختلاف نہیں ہے۔ تو ابن جریج نے یہ

اعتراض کیا کہ میں تم کو دیکھتا ہوں کہ تم صرف رکنین یمانیین کا استلام کرتے ہو۔ انہوں نے جواب دیا کہ میں نے رسول اللہ صلعم کو انہی دو کا استلام کرتے دیکھا ہے۔ درحقیقت رکن شامی اور رکن عراقی کوئی مستقل رکن نہیں ہیں۔ بلکہ وہ ایک دیوار ہے۔ رکن کہیں حطیم میں ہوگا چونکہ حطیم باقی ہے اس لئے بظاہر یہی رکن ہے حقیقتاً نہیں تلبس النعال السبتیۃ الخ عرب میں تمدن تو تھا نہیں وہاں اونٹ کو ذبح کیا اور اس کی تھوڑی سی کھال لے کر اسی میں رسی ڈال دی اور یہی ان کا جوتا ہوگیا۔ ہاں بال وغیرہ نہیں اتارتے تھے۔ اور حضور اقدس صلعم کے پاس بادشاہوں کے یہاں سے جو تحائف آتے تھے۔ ان میں عمدہ بلا بال کے جوتے آتے تھے۔ حضور انور صلعم ان کو پہنتے تھے۔ اور حضرت ابن عمرؓ آپؐ کے کثیر الاتباع تھے تو جب شاگرد نے اعتراض کیا تو اس کا جواب دیا کہ میں نے رسول اللہ صلعم کو نعال سبتیہ پہنے دیکھا ہے نعال سبتیہ ان جوتوں کو کہتے ہیں جن پر بال نہ ہوں۔ ورأیتك اذا کنت بمکۃ الخ یہ مسئلہ کتاب الحج کا ہے ابن جریج نے اعتراض کیا کہ لوگ جب ذی الحجہ کا چاند دیکھتے ہیں تو احرام باندھ لیتے ہیں اور تم احرام نہیں باندھتے ابن عمرؓ نے فرمایا فانی لم ار رسول اللہ الخ یعنی میں اس لئے احرام نہیں باندھتا ہوں کہ میں نے رسول اللہ صلعم کو ذی الحلیفہ میں دیکھا کہ جب آپ اونٹنی پر سوار ہو رہے تھے تو اس وقت احرام باندھا تھا۔ لہٰذا میں بھی جب اونٹنی پر سوار ہوتا ہوں۔ تو اس وقت احرام باندھتا ہوں۔ اس میں اختلاف ہے کہ حضور اکرم صلعم نے ذی الحلیفہ میں کب احرام باندھا تھا۔ حنفیہؒ وحنابلہؒ کے نزدیک مسجد میں نماز کے بعد اور شوافعؒ و مالکیہؒ کے نزدیک جب اونٹنی پر سوار ہوگئے۔ ان چاروں اشکالوں کو اور ذرا تفصیل سے سنو! ابن عمرؓ سے معترض نے چار اعتراض کئے۔ اوّل یہ کہ میں تم کو دیکھتا ہوں کہ تم صرف رکنین یمانیین کا استلام کرتے ہو۔ بخلاف اور صحابہ کے صحابہ کرام میں کچھ لوگ ایسے بھی تھے جیسے حضرت امیر معاویہؓ اور عبداللہ بن زبیرؓ وغیرہ ارکان اربعہ بیت اللہ کا استلام کرتے تھے۔ اور بہت سے صحابہ صرف رکنین یمانیین کا کرتے تھے جن میں حضرت ابن عمرؓ بھی تھے۔ اب یہی ائمہ اربعہ کا مذہب ہے۔ اس میں اب کوئی اختلاف نہیں ہے کہ صرف رکنین یمانیین کا استلام کیا جائے گا یعنی حجر اسود کی تقبیل اور رکن یمانی کا استلام کیا جائے گا۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ جو صحابہ ارکان اربعہ کے استلام کے قائل ہیں۔ وہ بطور قیاس کے کہتے ہیں کہ لیس شیئ من البیت مھجوراً یہ حضرت امیر معاویہؓ کی طرف سے مشہور ہے۔ اور جو صرف رکنین یمانیین کے علاوہ دوسرے دو ارکان فی الواقع ارکان ہی نہیں ہیں۔ بلکہ وہ ارکان تو کہیں حطیم میں ہوں گے۔ اگر

حطیم کعبہ میں داخل ہوتا پھر وہ ارکان فی الواقع ہوتے ورنہ وہ تو مجبوری کی بنا پر ارکان ہیں۔ کیونکہ ان کے درے حطیم واقع ہے۔ جو جزو کعبہ ہے۔ دوسرا اعتراض اس نے یہ کیا کہ میں آپ کو دیکھتا ہوں کہ آپ سبتی جوتے پہنتے ہیں سبتی وہ جوتا کہلاتا ہے جس پر سے بال اترے ہوئے ہوں۔ چونکہ عرب میں تمدن نہ تھا اس لئے اونٹ بکری ذبح کی اور اس کی کھال کو خشک کیا اور کاٹ کر اس میں تسمے لگا لئے بس یہی ان کے جوتے ہوتے تھے اور حضور اقدس صلعم کے پاس بادشاہوں کے پاس سے عمدہ عمدہ سبتی جوتے بطور ہدایا آتے تھے حضور اقدس صلعم ان کو پہنتے تھے، اور پہننا بھی چاہیئے کہ اللہ کی نعمت تھی۔ صحابہ کرام حضور اقدس صلعم کی ان چیزوں میں ایسی (دیکھا دیکھی) نہیں کرتے تھے۔ وہ اپنا ویسے ہی پہنتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ چونکہ بڑے شدید الاتباع تھے اس لئے وہ جہاں سے بھی ملتا اس کو منگواتے اور پہنتے بہرحال معترض کے جواب میں یہی کہا کہ میں نے رسول اللہ صلعم کو سبتی جوتے پہنے دیکھا ہے۔ تیسرا اعتراض یہ کیا گیا کہ میں دیکھتا ہوں آپ زرد رنگ کے کپڑے پہنتے ہیں۔ انہوں نے جواب میں فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلعم کو زرد رنگ کا کپڑا پہنتے دیکھا ہے۔ علماء نے لکھا ہے کہ حضور اقدس صلعم کا عمومی لباس زرد رنگ کا نہیں تھا بلکہ کبھی پہن لیا ہوگا حضرت ابن عمرؓ نے دیکھ لیا اور اسی کو اختیار فرما لیا۔ اور بعض نے کہا ہے کہ حضور اقدس صلعم زرد رنگ میں اپنے کپڑوں کو رنگا نہیں کرتے تھے۔ بلکہ چونکہ حضور اقدس صلعم مہندی کا خضاب کرتے تھے اس کا زرد رنگ لگ جاتا تھا اس کو ابن عمرؓ نے دیکھ لیا چوتھا اعتراض یہ کیا کہ لوگ تو اول ذی الحجہ سے احرام باندھ لیتے ہیں۔ اور آپ نہیں باندھتے۔ جب تک یوم الترویہ نہ ہو یہ اعتراض اس لئے کیا گیا کہ حضرت عمرؓ نے اپنے زمانۂ خلافت میں مکے والوں کو حکم دے دیا تھا کہ یکم ذی الحجہ کو احرام باندھ لیا کریں کہ یہ اچھا نہیں معلوم ہوتا کہ لوگ باہر سے تو احرام باندھ کر آئیں۔ اور اہل مکہ مخیط (سلے ہوئے) کپڑے پہنے پھرتے رہیں تو لوگ حضرت عمرؓ کے امتثال امر میں اول ذی الحجہ کو احرام باندھ لیتے تھے۔ اور حضرت ابن عمرؓ آٹھ ذی الحجہ یوم الترویہ میں جب منیٰ کے لئے اونٹنی پر سوار ہو کر جانے لگتے ہیں اس وقت باندھتے تھے حضرت ابن عمرؓ نے اس کا جواب دیا کہ میں نے جناب نبی کریم صلعم کو دیکھا ہے حضور صلعم نے اس وقت احرام باندھا ہے۔ جبکہ اونٹنی پر سوار ہو گئے۔ حضور اقدس صلعم جب مدینہ سے حج کو تشریف لے چلے تو ذوالحلیفہ میں قیام فرمایا۔ اور مسجد ذوالحلیفہ میں دو رکعت نماز پڑھی حنفیہؒ اور حنابلہؒ کے نزدیک تو حضور اکرم صلعم نے ان دو رکعتوں کے بعد احرام مسجد ہی میں باندھ لیا تھا

اور حضرت ابن عمرؓ کی تحقیق یہ ہے کہ جب اونٹنی پر سوار ہوگئے تو اس وقت باندھا جیسا کہ شوافع اور مالکیہ کہتے ہیں۔ اور بعض کے نزدیک جب میدان بیداء پر چڑھے اس وقت باندھا یہ تینوں قول صحابہؓ کے ہیں اور حضور اکرم صلعم کے احرام باندھنے میں تینوں طرح کی روایات ہیں جن میں ایک رائے ابن عمرؓ کی یہ ہے کہ آپ نے اس وقت احرام باندھا جبکہ اونٹنی پر سوار ہوگئے اور کہتے ہیں اونٹنی پر اس وقت سوار ہوتے ہیں جبکہ منیٰ کو جانے لگتے ہیں اور یہ ذہاب یوم الترویہ میں ہوتا ہے۔ یہ چاروں رکن حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بنائے ہوئے تھے لیکن جب دوبارہ قریش نے بیت اللہ کی بناء قائم کی تو مالِ حلال کے کم ہونے کی وجہ سے بیت اللہ کو اس کی قدیمی بنیاد پر نہ بنا سکے بلکہ ایک حصہ چھوڑ کر کے اس کو بنا دیا اور باقی حصے کے اردگرد ایک دیوار علامت کے طور پر کھینچ دی۔ جس کو حطیم کہتے ہیں۔ حضور اقدس صلعم کے زمانے میں چونکہ قریش والی بنا تھی۔ تو اس کے دو رکن تو قدیم تھے ایک حجر اسود والا اور ایک رکن یمانی اور باقی دو رکن قدیم بناء والے نہیں رہے تھے تو حضور اکرم صلعم کے زمانہ میں طواف کے وقت صرف دو رکنین یمانیین حجر اسود اور ایک رکن یمانی کا استلام فرماتے تھے۔ اب یہ اجماعی مسئلہ بن گیا کہ شامی اور عراقی میں استلام وغیرہ کچھ نہیں اس لئے کہ وہ حقیقۃً اس کے کونے نہیں ہیں۔

باب التَّيَمُّنِ فِي الْوُضُوْءِ وَالْغُسْلِ ترجمہ غسل اور وضو میں داہنی طرف کو اختیار کرنا۔

حدیث نمبر ۱۶۴۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ الخ عَنْ اُمِّ عَطِيَّةَ قَالَتْ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَهُنَّ فِيْ غُسْلِ ابْنَتِهِ ابْدَأْنَ بِمَيَامِنِهَا وَمَوَاضِعِ الْوُضُوْءِ مِنْهَا۔

ترجمہ، حضرت ام عطیہؓ فرماتی ہیں کہ جناب نبی اکرم صلعم نے ان کی بیٹی کے غسل کے وقت ان سے فرمایا کہ اس کی داہنی اطراف اور وضو کی جگہوں سے شروع کریں۔

تشریح از شیخ زکریا۔ روافض کہتے ہیں کہ وضو میں داہنی طرف سے شروع کرنا واجب ہے اور ائمہ اربعہ فرماتے ہیں کہ مستحب ہے اور بعض حضرات نے امام شافعیؒ و احمد سے وجوب نقل کر دیا یہ غلط ہے اب یہاں اشکال ہے کہ یہ باب بالکل شروع میں ہونا چاہیئے تھا۔ اب جبکہ استنشاق مضمضہ غسل الوجہ والمرفقین سب کچھ ہوگیا تو ان کو تیمن کی سوجھی مگر میرے نزدیک یہ باب بالکل برمحل ہے وہ اس طرح کہ وضو میں تیامن ہاتھ اور پاؤں دونوں میں ہوتا ہے۔ لیکن ہاتھ کے تیامن کے متعلق انہوں نے کوئی باب نہیں باندھا اس وجہ سے نہیں کہ ان کے پاس کوئی روایت نہیں تھی۔ بلکہ اس وجہ سے

کہ ہاتھوں کے مناسب ان کی شان کے مطابق کوئی ترجمہ نہ مل سکا۔ لیکن رجلین کا باب ذکر کرکے اس کے بعد تیامن کا ذکر شروع فرمادیا کہ اس میں تیامن کرنا چاہیئے۔ اور غسل کو تبعاً ذکر فرمادیا۔ ابدا ٔت بمیامنہا یہ اگرچہ غسل میں ہے مگر چونکہ غسل اور وضو میں کوئی فرق نہیں اس لئے دونوں کا تیامن ثابت ہوگیا۔

حدیث نمبر ۱۶۵ حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ الخ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُعْجِبُهُ التَّيَمُّنُ فِي تَنَعُّلِهِ وَتَرَجُّلِهِ وَطُهُوْرِهٖ فِي شَأْنِهٖ كُلِّهٖ۔

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رض فرماتے ہیں کہ جناب نبی اکرم صلعم کو دائیں طرف سے شروع کرنا جوتا پہننے میں اور کنگھا کرنے میں اور وضو میں بلکہ تمام حالتوں میں پسند تھا۔

تشریح از شیخ مدنی رح شان کے معنی خطب اے امر عظیم کے آتے ہیں۔ اور حال کو بھی شان کہتے ہیں مطلق امر وحال کے معنی بھی آتے ہیں۔ اس جگہ شان کے معنی امور مقصودہ بالذات ہیں اور دوسرے وہ ہوتے ہیں۔ مسجد میں داخل ہونا مقصود بالذات نہیں وضو کرنا مقصود بالذات ہے۔ استنجا کرنا مجبوری کی وجہ سے ہے تو جو امور مہمہ تھے ان میں آپ تیمن کو محبوب سمجھتے تھے۔ دوسری توجیہ یہ ہے کہ کبھی اضافۃ کی وجہ سے اس کی اہمیت اعتبار کی جاتی ہے جیسے غلام سلطان حاضر تو ایسے جس امر کا انتساب آپ کی طرف ہوگا۔ ان سب میں تیمن پسندیدہ ہوگا۔ اور جو کسی ضرورت کی بنا پر ہیں ان میں تیمن ضروری نہ ہوگا اور ایک حقیر انسان کی طرف نسبۃ کرنے میں حقارت پیدا ہوتی ہے تو جن امور کی نسبت آپ کی طرف کر دی گئی۔ ان کے اندر عظمت ہوگی۔

باب اِلْتِمَاسِ الْوُضُوْءِ اِذَا حَانَتِ الصَّلٰوةُ وَقَالَتْ عَائِشَةُ حَضَرَتِ الصُّبْحُ فَالْتُمِسَ الْمَاءُ فَلَمْ يُوْجَدْ فَنَزَلَ التَّيَمُّمُ۔

ترجمہ، باب ہے اس بارے میں کہ جب نماز کا وقت ہوجائے تو پانی تلاش کرنا اور عائشہ رض فرماتی ہیں کہ صبح کی نماز کا وقت ہوگیا۔ پانی تلاش کیا گیا تو نہ ملا بس تیمم کا حکم نازل ہوا۔

حدیث نمبر ۱۶۶ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوْسُفَ الخ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ اَنَّهٗ قَالَ رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَحَانَتْ صَلٰوةُ الْعَصْرِ فَالْتَمَسَ النَّاسُ الْوُضُوْءَ فَلَمْ يَجِدُوْا فَاُتِيَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِوَضُوْءٍ فَوَضَعَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي ذٰلِكَ الْاِنَاءِ يَدَهٗ وَاَمَرَ النَّاسَ اَنْ يَتَوَضَّئُوْا مِنْهُ قَالَ فَرَاَيْتُ

اَلْمَآءَ يَنْبَعُ مِنْ تَحْتِ اَصَابِعِهٖ حَتّٰى تَوَضَّؤُا مِنْ عِنْدِ اٰخِرِهِمْ ۔

ترجمہ، حضرت انس بن مالک رضؓ فرماتے ہیں کہ میں نے جناب رسول اللہ صلعم کو دیکھا جبکہ عصر کی نماز کا وقت ہو گیا۔ لوگوں نے پانی ڈھونڈھا جو نہ ملا۔ تو حضور رسول اکرم صلعم کی خدمت میں کہیں سے تھوڑا سا پانی لایا گیا۔ آپؐ رسول اللہ صلعم نے اپنا ہاتھ مبارک اس برتن میں رکھ دیا اور لوگوں کو حکم دیا کہ اس سے وضو کریں تو حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ میں نے پانی کو دیکھا کہ وہ آپؐ کی انگلیوں کے نیچے سے اُبل رہا ہے یہاں تک کہ سب نے وضو کر لیا

تشریح از شیخ زکریاؒ ہمارے نزدیک اس کی مناسبت یہ ہے کہ حضرت امام بخاریؒ نے مغسولات کو یکجا کر دیا۔ چنانچہ غسل الوجہ، غسل الرجلین سب بیان کر چکے۔ کیونکہ ان میں پانی کی ضرورت زیادہ پڑتی ہے بخلاف مسح کے کہ اس میں تھوڑا سا پانی کافی ہے۔ کیونکہ غسل اسالۃ الماء کو کہتے ہیں اور مسح اصابۃ الماءؔ کو اور اصابتہ چند قطروں سے بھی حاصل ہو جائے گی۔ اس لئے التماس الماءؔ کو مغسولات کے بعد ذکر فرمایا۔ ممسوحات کے بعد نہیں رکھا کیونکہ وہاں اتنی ضرورت نہیں۔ التماس ماءؔ کا مسئلہ یہ ہے کہ اگر کہیں کسی جگہ کے متعلق معلوم ہے کہ وہاں پانی نہیں ملتا۔ تو حنفیہؒ کے نزدیک التماس الماء ضروری نہیں۔ اور حضرت امام شافعیؒ کے یہاں وقت نماز داخل ہونے کے بعد تلاش کرنا ضروری ہے۔ کیونکہ ممکن ہے کہیں سے مل جائے اور یہی امام بخاریؒ کا مذہب ہے۔ حنفیہؒ فرماتے ہیں کہ جب ہمیں پہلے سے معلوم ہے کہ یہاں پانی نہیں ہے تو پھر کیا ضرورت ہے۔ تلاش میں وقت ضائع ہوگا۔ وَقَالَتْ عَائِشَةُ حضرت البحر یہ ہار کھو جانے والا واقعہ ہے۔ اس سے امام بخاریؒ نے استدلال کیا کہ دیکھو وقت صلوٰۃ صبح کے بعد التماس ماء کیا۔ حنفیہؒ کہتے ہیں کہ اس سے یہ کہاں معلوم ہوا کہ حضور اقدس صلعم کو پہلے سے اس کا بھی علم تھا کہ یہاں پانی نہیں ہے۔ فَوَضَعَ رسول اللہ صلعم یہ پانی کا معجزہ حضور اقدس صلعم سے متعدد مرتبہ پیش آیا لیکن یہ واقعہ غزوہ حدیبیہ کا ہے۔ حضور اقدس صلعم کو اطلاع کی گئی کہ ایک کنویں سے پانی لیا کرتے تھے۔ وہ بھی خشک ہو گیا۔ اس پر حضور اقدس صلعم نے پانی تلاش کروایا۔ تھوڑا سا کہیں سے مل گیا۔ حضور اقدس صلعم نے اس میں ید مبارک ڈال دیا۔ اور انگشتان مبارک سے پانی کا فوارہ اُبلنے لگا۔ صحابہ کرامؓ نے خود سیر ہو کر پیا۔ جانوروں کو پلایا اور مشکیزے وغیرہ بھر لئے۔ علماؔ نے لکھا ہے کہ حضور اکرم صلعم کا یہ معجزہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزہ سے افضل ہے انہوں نے پتھر پر لکڑی ماری۔ اور اس سے بارہ چشمے اُبل پڑے

اور پتھر سے پانی نکلنا زیادہ عجیب نہیں کیونکہ پہاڑوں سے پانی نکلتا رہتا ہے۔ اور چشمے ابلتے رہتے ہیں۔ البتہ گوشت سے پانی نکلنا زیادہ تعجب کی بات ہے۔ نوٹ: التماس ماء کے مسئلہ میں امام بخاریؒ کا میلان امام شافعیؒ کے مذہب کی طرف ہے اس لئے ترجمۃ الباب میں اذا حانت الصلوٰۃ کی قید لگائی ہے۔

باب الْمَاءِ الَّذِيْ يُغْسَلُ بِهٖ شَعَرُ الْاِنْسَانِ وَكَانَ عَطَآءٌ لَّا يَرٰى بِهٖ بَاْسًا اَنْ يُّتَّخَذَ مِنْهَا الْخُيُوْطُ وَالْحِبَالُ وَسُؤْرِ الْكِلَابِ وَمَمَرِّهَا فِي الْمَسْجِدِ وَقَالَ الزُّهْرِيُّ اِذَا وَلَغَ فِيْ اِنَآءٍ لَيْسَ لَهٗ وُضُوْءٌ غَيْرُهٗ يَتَوَضَّاُ بِهٖ وَقَالَ سُفْيَانُ هٰذَا الْفِقْهُ بِعَيْنِهٖ لِقَوْلِ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا وَهٰذَا مَآءٌ وَّ فِي النَّفْسِ مِنْهُ شَيْءٌ يَتَوَضَّاُ بِهٖ وَ يَتَيَمَّمُ۔

ترجمہ: باب ہے اس پانی کے بارے میں جس سے انسان کے بال دھوئے جائیں حضرت عطا ابن انسانی بالوں سے تاگے اور رسیاں بنانے میں کچھ حرج نہیں سمجھتے تھے۔ اور کتوں کا جھوٹا اور ان کا مسجد سے گذرنا سب جائز ہیں۔ حضرت امام زہریؒ فرماتے ہیں۔ کہ جب کتا کسی برتن سے پانی پی جائے اور اس پانی کے علاوہ اور کوئی پانی نہ ہو تو اس سے وضو کر سکتا ہے۔ حضرت سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں کہ فقہ تو یہی ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے جب تم پانی نہ پاؤ تو تیمم کرو۔ یہ کتے کا جھوٹا پانی تو ہے لیکن دل میں اس کے بارے میں شک ہے۔ لہٰذا اس پانی سے وضو بھی کرے اور تیمم بھی کرے جیسا کہ ماء مشکوک کا حکم ہے۔

حدیث نمبر ۱۶۷ حَدَّثَنَا مَالِكُ بْنُ اِسْمٰعِيْلَ الخ عَنِ ابْنِ سِيْرِيْنَ قَالَ قُلْتُ لِعَبِيْدَةَ عِنْدَنَا مِنْ شَعَرِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَصَبْنَاهُ مِنْ قِبَلِ اَنَسٍ اَوْ مِنْ قِبَلِ اَهْلِ اَنَسٍ فَقَالَ لَاَنْ تَكُوْنَ عِنْدِيْ شَعَرَةٌ مِّنْهُ اَحَبُّ اِلَيَّ مِنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيْهَا۔

ترجمہ:۔ حضرت ابن سیرینؒ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عبیدہؒ سے کہا کہ ہمارے پاس جناب نبی اکرم صلعم کے بال مبارک ہیں جو ہمیں حضرت انسؓ خادم رسول اللہ یا اس کے خاندان کی طرف سے پہنچے ہیں۔ انہوں نے فرمایا کہ میرے پاس حضور اکرمؐ کے بالوں میں سے ایک بال کا موجود ہونا یہ دنیا اور ما فیہا سے زیادہ پسندیدہ ہے۔

تشریح از شیخ مدنیؒ: مصنفؒ مسئلہ میاہ میں امام مالکؒ کے ساتھ ہیں کہ الماء طھور لا ینجسہ شیئ الا ما غیر ریحہ ولونہ و طعمہ او قال کسی باب میں آگے صراحتہً کہے گا۔ مگر یہاں سے اس کی تمہید ڈالنا چاہتے ہیں۔ میت کا بال خواہ وہ میت شہید ہو یا اپنی موت مرا ہو۔ بحث اس میں ہے

کہ آیا میت کے اجزاء پاک ہیں یا نہیں۔ احناف فرماتے ہیں کہ ایسے اجزاء جن میں حیات حلول نہیں کرتی۔ مثلاً بال۔ سینگ، ہڈی، ناخن وغیرہ یہ سب پاک ہیں امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اگر انسانی بال کسی پانی میں پڑ جائے تو وہ پانی ناپاک ہو گا۔ اور ظاہر ہے کہ وہ بال میت کا ہو گا۔ مصنفؒ کوئی صریح بات نہیں کہتے عطا بن رباح کا قول نقل کرتے ہیں۔ کہ ان بالوں سے تاگے اور رسیاں بانٹنا جائز ہے۔ جس سے اس کی طہارۃ معلوم ہوتی ہے۔ احنافؒ فرماتے ہیں کہ جس میں دم (خون) حلول نہیں کرتا۔ وہ پاک ہے لیکن شعر انسان احترام کی وجہ سے ان سے کسی قسم کا نفع حاصل نہیں کرنا چاہیئے۔ مصنفؒ امام بخاریؒ سور کلب کو بھی پاک کہہ رہے ہیں۔ کہ اگر کتا برتن سے پانی پی جائے اور کوئی پانی نہیں ملتا۔ تو اس سور کلب سے وضو کیا جا سکتا ہے اس طرح کتوں کا مسجد سے گذرنا جائز ہے یہ سب مسائل مصنفؒ ثابت کرنا چاہتے ہیں جیسے کہ امام مالکؒ کا مسلک ہے اور اس کے بعد امام زہری کا فتویٰ نقل کیا۔ جس کی تائید سفیان ثوریؒ نے کی۔ وفی النفس منہ شیئ یعنی اس کو مائینہ سے تو نہیں نکالا جا سکتا۔ مگر بعض احادیث سے ہمارے قلب میں شبہ پیدا ہوتا ہے۔ تو یہ مشکوک کے حکم میں ہوا۔ ایسے پانی سے وضو بھی کرے اور تیمم بھی کرے اس کے بعد دو حدیثیں ذکر کرتے ہیں پہلی حدیث میں ہے کہ آنحضرت نبی اکرم صلعم کے بال کی قدر و شرف اس قدر ہے کہ دنیا اور ما فیہا سے بڑھی ہوئی ہے۔ اگر پانی ناپاک ہوتا تو اس قدر قدر و منزلت کیسے ہوتی

تشریح از شیخ زکریاؒ ترجمۃ الباب کا مطلب یہ ہے کہ جس پانی سے بال دھوئے گئے ہوں۔ وہ پاک رہتا ہے یا نہیں۔ یہاں اس باب کے اندر بھی اشکال ہے کہ التماس الماء کے بعد کیا مسئلہ شروع کر دیا۔ شراح نے فرمایا ہے کہ چونکہ التماس الماء ذکر فرمایا تھا۔ اس لئے پانی کے اور مسائل بھی ذکر کر دیئے مگر میرے نزدیک یہ وجہ نہیں ہے بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ التماس الماء کی روایت میں گذرا ہے کہ حضور اکرم صلعم نے برتن میں ید مبارک ڈالا تھا۔ اور اس سے پانی اُبلتا تھا۔ اور انگلیوں میں بال ہوتے ہیں۔ تو حضرت امام بخاریؒ نے اس پر تنبیہ فرمانے کے واسطے کہ جس پانی میں بال پڑ جاوے وہ پاک ہے یا نہیں۔ یہ باب باندھ دیا۔ اس میں ائمہ ثلاثہ اور امام بخاریؒ کا مذہب یہ ہے کہ پاک ہے اور حضرت امام شافعیؒ کی رائے یہ ہے کہ وہ پانی ناپاک ہے۔ وکان عطاء لا یری بہ بأسًا معلوم ہوا کہ وہ پانی جس میں بال ہو اگر نجس ہوتا تو اس سے انتفاع کیوں حاصل کرتے۔ امام زہریؒ کے نزدیک اگر اس کے علاوہ دوسرا پانی موجود ہے تو یہ پانی ناپاک ہے اس سے وضو جائز نہیں۔ اگر دوسرا پانی موجود نہیں تو وہ پاک ہے اس سے وضو

کرنا جائز ہے۔ اور سفیان ثوریؒ کے نزدیک یہ پانی مشکوک ہے۔ لہٰذا تیمم اور وضو دونو کرے۔ لان تکون عندی شعرۃ الخ ترجمہ الباب کا ثبوت اس جملہ سے ہوتا ہے۔ اس لئے کہ ایک ناپاک چیز دینا و آخرت سے زیادہ محبوب کس طرح بن سکتی ہے۔

وسور الکلاب ممرھا فی المسجد یہ کوئی مستقل باب نہیں بلکہ چونکہ امام بخاریؒ کے نزدیک سب کا ایک حکم ہے۔ لہٰذا جب بال کی طہارت کا حکم بیان کیا تو سور الکلب کی طہارت کو ذکر فرما دیا۔ کیونکہ امام بخاریؒ کے نزدیک پانی کی نجاست کا مدار تغیر اور عدم تغیر پر ہے جیسا کہ امام مالکؒ کا مذہب ہے۔ اگر تغیر ہو تو ناپاک ورنہ پاک ہے۔ اور شعور کے گرنے سے تغیر نہیں ہوتا اسی طرح ولوغ کلب سے بھی تغیر نہیں ہوتا۔ لہٰذا جب وقوع شعور سے ناپاک نہیں ہوتا تو ولوغ کلب سے بھی ناپاک نہیں ہوگا۔ اسی مناسبت سے شعور کے بعد ولوغ کلب کا ذکر فرما دیا سنو! سور کلب میں علماؑ کے چار مذہب ہیں۔ ایک ائمہ ثلاثہ جمہور کا کہ برتن اور پانی دونو ناپاک ہیں۔ اور دوسرا مالکیہ اور ظاہریہ اور امام بخاری کا کہ پانی پاک ہے۔ اور برتن کے دھونے کا حکم تعبدی ہے۔ اور تیسرا مذہب امام زہریؒ کا ہے۔ کہ پاک ہے بوقت الضرورۃ اور چوتھا سفیان ثوریؒ کا مذہب ہے کہ پانی مشکوک ہے۔ لہٰذا وضو بھی کرے اور تیمم بھی کرے۔ وقال سفیان ھذا الفقہ بعینہ یعنی امام زہریؒ نے جو فرمایا وہ عین فقہ کی بات ہے۔ کیونکہ تیمم کا حکم عدم وجدان ما کی صورت میں ہے۔ مگر چونکہ سور کلاب کی روایات اس کے معارض ہو رہی ہیں۔ لہٰذا طبیعت میں اس کی جانب سے تنگ ہو رہا ہے۔ لہٰذا تیمم اور وضو دونو کرے۔ لان تکون عندی شعرۃ منہ الخ اس سے امام بخاریؒ نے طہارت شعر پر استدلال کیا ہے کہ کیا ناپاک چیز بھی قابل تمنا ہوتی ہے۔ ہرگز نہیں

حدیث نمبر ۱۶۸ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحِيْمِ الخ عَنْ اَنَسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا حَلَقَ رَأْسَهٗ كَانَ اَبُوْطَلْحَةَ اَوَّلَ مَنْ اَخَذَ مِنْ شَعْرِهٖ۔

ترجمہ، حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ بے شک جناب رسول اللہ صلعم جب کبھی اپنے سر کے بال منڈواتے تھے تو حضرت ابو طلحہؓ پہلے شخص ہوتے تھے جو آنحضرت صلعم کے بال لے لیتے تھے۔

تشریح از شیخ مدنیؒ دوسری روایت میں ہے کہ آپ نے تحلیق فرمائی اور ان بالوں کو تقسیم فرمایا۔ تو اگر بال ناپاک ہوتے تو آپ تقسیم کیوں کرتے۔ اگر شبہ ہو کہ شوافعؒ کے ہاں آنحضرت صلعم اس سے مستثنیٰ ہیں نجاسۃ کا فتویٰ دوسرے لوگوں کے لیے ہے۔ لیکن اشکال یہ ہے کہ آیا شوافعؒ آپ کا استثنا کرتے ہیں یا نہیں

چنانچہ علامہ عینیؒ کو اس بات پر بہت غصہ آیا کہ شوافعؒ اتنے گستاخ ہیں کہ آپؐ کے بال مبارک کو نجس کہتے ہیں۔ جس پر شوافعؒ علامہ عینیؒ کی قبر پر جاکر پیشاب کرتے تھے۔ اور علامہ عینیؒ کے جوتے ہیں شیخین کا نام لکھ کر رکھ دیا اور ان کو رافضی کہا کرتے تھے۔ اور کرازی کہتا ہے کہ شافعیہ لڑکی سے نکاح ناجائز ہے کیونکہ یہ لوگ مرتد ہیں۔ الحاصل مصنفؒ فرماتے ہیں کہ جو حکم بقیۃ الناس کے بالوں کا ہے وہی حکم آپؐ کے بالوں کا بھی ہے۔ جیسے اور لوگوں کا بول و براز ناقض وضو ہے ایسے آپؐ کا بول و براز بھی ناقض ہے۔ ابھی تک مصنفؒ نے باب کو ختم نہیں کیا۔ لیکن کبھی مصنفؒ باب کے بعض اجزاء کو ثابت کرنے کے لئے مستقل باب درمیان میں لایا کرتے ہیں۔ تو یہاں بھی مصنفؒ فرماتے ہیں کہ ہم سور کلب کی طہارت کے قائل ہونے کے ساتھ ساتھ برتن کو سات مرتبہ دھونے کا حکم بھی دیتے ہیں۔ کیونکہ یہ امر تعبدی ہے تو اذا شرب الکلب فی الاناء کا باب تبعاً آگیا۔ اس کے بعد تین اشیاء کو احادیث سے ثابت کرتے ہیں

تشریح از شیخ زکریاؒ کان ابوطلحہ اول من اخذ من شعرہ حضور اکرم صلعم نے حجۃ الوداع میں جب سر منڈوایا تو سب سے پہلے موئے مبارک حضرت ابو طلحہ کو دیئے۔ انہوں نے بطور تبرک کے صحابہؓ کے درمیان تقسیم کئے۔

باب اِذَا شَرِبَ الْكَلْبُ فِى الْإِنَاءِ۔

ترجمہ باب ہے کہ جب کتا برتن سے پانی پی جائے تو اس کا کیا حکم ہے۔

حدیث نمبر ۱۶۹ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوْسُفَ الخ عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا شَرِبَ الْكَلْبُ فِىْ اِنَاءِ اَحَدِكُمْ فَلْيَغْسِلْهُ سَبْعًا۔

ترجمہ، حضرت ابو ہریرۃؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلعم نے فرمایا جب تم میں سے کسی کے برتن میں کتا پانی پی جائے تو اسے سات مرتبہ دھونا چاہیئے۔

تشریح از شیخ زکریاؒ۔ یہ باب امام بخاریؒ نے بطور باب فی الباب کے یہاں ذکر فرمادیا اور بالاستقلال اہمیت کی وجہ سے ذکر فرمادیا۔ فی حد ذاتہ یہ کوئی مستقل باب نہیں ہے۔ باب سابق میں گذر چکا ہے اذا شرب الکلب فی اناء احدکم الخ روایات اس بارے میں مختلف ہیں۔ کسی میں سات مرتبہ کسی میں عفروا فی الثامنۃ بالتراب کہ آٹھویں دفعہ مٹی سے مانجو۔ اور کسی میں تین مرتبہ۔ اسی اعتبار سے مذاہب آئمہ بھی مختلف ہوگئے۔ حنفیہؒ کے نزدیک جس طرح اور نجاستیں تین بار دھونے سے طاہر ہو جاتی ہیں اسی طرح

ولوغ کلب بھی تین مرتبہ دھونے سے پاک ہوجاتا ہے۔ رہ گئیں سات اور آٹھ مرتبہ والی روایات تو احناف ؒ اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ کلب کے بارے میں حضور اکرم صلعم کے احکام مختلف ہیں۔ ایک زمانہ وہ تھا جبکہ جبرائیلؑ کا واقعہ پیش آیا تو آپؐ نے سارے کتوں کے قتل کرنے کا حکم دے دیا تھا۔ یہاں تک کہ صحابہ کرامؓ فرماتے ہیں کہ اگر باہر سے کوئی کتا آجاتا۔ تو ہم اسے بھی قتل کر دیتے تھے۔ پھر تخفیف ہوئی اور حضور انور صلعم نے ارشاد اقتلوا الأسود البهيم کالے بھجنگے کو قتل کرو۔ اور تخفیف ہوئی تو فرمایا ومالی وللکلاب یعنی مجھے کتوں سے کیا غرض ہے اسی طرح ان کے سور کا حکم ہے۔ بالکل ابتداء میں جبکہ کتوں کے قتل کرنے کا حکم تھا۔ تو یہ بھی حکم تھا کہ ان کا جھوٹا آٹھ مرتبہ دھویا جائے اس کے بعد اقتلوا الاسود البهيم کے زمانے میں سات مرتبہ دھونے کا حکم ہوا۔ اور پھر مالی وللکلاب کے بعد تعفیر فی الثامنہ کا حکم ہے کہ آٹھویں مرتبہ مٹی سے مانجنا چاہیئے کیونکہ بہت ممکن ہے راوی نے دو الگ الگ زمانے کے احکام کو یکجا کر دیا ہو نیز حضرت ابوہریرہؓ جو سات مرتبہ دھونے کے راوی ہیں خود ان کا فتویٰ اس کے خلاف تین مرتبہ دھونے کا ہے

حدیث نمبر ۱۷۰ حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ الخ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّ رَجُلًا رَأَى كَلْبًا يَأْكُلُ الثَّرَى مِنَ الْعَطَشِ فَأَخَذَ الرَّجُلُ خُفَّهُ فَجَعَلَ يَغْرِفُ لَهُ بِهِ حَتَّى أَرْوَاهُ فَشَكَرَ اللهُ لَهُ فَأَدْخَلَهُ الْجَنَّةَ وَقَالَ أَحْمَدُ بْنُ شَبِيبٍ ثنا أَبِي عَنْ يُونُسَ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ حَدَّثَنِي حَمْزَةُ بْنُ عَبْدِ اللهِ عَنْ أَبِيهِ قَالَ كَانَتِ الْكِلَابُ تُقْبِلُ وَتُدْبِرُ فِي الْمَسْجِدِ فِي زَمَانِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمْ يَكُونُوا يَرُشُّونَ شَيْئًا مِنْ ذٰلِكَ (الحديث)

ترجمہ، حضرت ابوہریرہؓ حضرت نبی اکرم صلعم سے روایت کرتے ہیں کہ ایک آدمی نے ایک ایسے کتے کو دیکھا جو پیاس کی وجہ سے تر مٹی کو کھا رہا تھا۔ تو اس آدمی نے اپنا موزہ اتارا اور اس کے ذریعہ تھوڑا تھوڑا پانی نکال کر اسے سیر کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے اسے جزا دی کہ اسے جنت میں داخل فرما دیا اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلعم کے زمانہ میں کتے مسجد نبوی کے اندر آتے جاتے تھے لیکن لوگ ان میں سے کسی چیز کو نہیں دھوتے تھے۔

تشریح از شیخ مدنیؒ فاخذ الرجل خفه اس سے مصنفؒ استدلال علی طہارۃ سور کلب کرتے ہیں کہ اگر سور کلب نجس ہوتا تو یہ شخص اپنے موزے میں پانی نہ پلاتا ورنہ خف بھی نجس ہوتا۔ حالانکہ

باری تعالیٰ اس کو جزا دے رہے ہیں۔ کہ اسے جنت میں داخل کریں گے۔ اگر شبہ ہو کہ یہ تو شرائع من قبلنا میں سے ہے تو کہا جائے گا کہ شرائع من قبلنا قابلِ احتجاج ہوتے ہیں جبکہ ان کی مخالفت نہ ہو اگر یہ احتمال پیدا کیا جائے کہ ممکن ہے بے نمازی ہو یا کوئی برتن پاک نہ ہو۔ اس لئے ایسا کیا گیا تو یہ احتمالات بعیدہ ہیں جنہیں مصنفؒ نہیں مانتے اس کے بعد ابن عمرؓ کی روایت ہے کہ مسجد نبوی میں کتے آتے جاتے تھے۔ اگر ان کا عرق و بدن نجس ہوتا تو پھر مسجد نجس کیوں نہ ہوئی اور اسے کیوں نہ دھویا گیا۔

تشریح از شیخ زکریاؒ فَاَخَذَ الرجل خفعہ سے امام بخاریؒ طہارت سور الکلب پر استدلال فرماتے ہیں کہ بھلا کوئی اپنے خف کو ناپاک کرے گا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ بھلا کوئی اپنے خف کی نجاست کے خوف سے یوں ہی اس کو مرنے دے گا۔ کانت الکلاب تقبل وتدبر الخ میں نے کہا کہ یہ مستقل باب نہیں ہے۔ بلکہ باب فی الباب ہے اس لئے اب دو خلجانوں سے نجات مل گئی۔ ایک تو یہ کہ باب سابق میں سور الکلاب اور ممرہا فی المسجد ذکر فرما دیا اور اس کی کوئی روایت ذکر نہیں کی اور دوسرے یہ کہ اس روایت میں شرب کلب کا کوئی ذکر نہیں اور ممکن ہے کہ امام بخاریؒ نے اس سے سور کلب کی طہارت پر اس طرح استدلال کیا ہو۔ کہ اگر یہ سور کلب ناپاک ہوتا تو مسجد کو ضرور دھویا جاتا اور جب نہیں دھوتے تھے تو معلوم ہوا کہ طاہر ہے اس کا جواب یہ ہے کہ یہ اجماعی مسئلہ ہے کہ کتوں کے آنے جانے سے مسجد ناپاک نہیں ہوتی بلکہ اس کا لباب ناپاک ہے۔ آنے جانے سے اس کا کیا تعلق؟ اور اس روایت کے اندر بتول کا ذکر نہیں ہے کہ کتے پیشاب کرتے تھے۔ اور جہاں بتول کا لفظ ہے وہاں اس کا جواب بھی آ جائے گا اور یہ لفظ ابوداؤد کی روایت میں آتا ہے مجھ کو تو کوئی اشکال نہیں بلکہ یہ تو میرا استدلال ہے اس بات کے اندر کہ پیشاب خشک ہو جانے کے بعد زمین طاہر ہو جاتی ہے زکاۃ الارض یبسہا زمین کا سوکھ جانا اس کی طہارت کا باعث ہے

حدیث نمبر ۱۷۱ حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ الخ عَنْ عَدِيِّ بْنِ حَاتِمٍ قَالَ سَأَلْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا اَرْسَلْتَ كَلْبَكَ الْمُعَلَّمَ فَقَتَلَ فَكُلْ وَاِذَا اَكَلَ فَلَا تَاْكُلْ فَاِنَّمَا اَمْسَكَ عَلٰى نَفْسِهٖ قُلْتُ اُرْسِلُ كَلْبِيْ فَاَجِدُ مَعَهٗ كَلْبًا اٰخَرَ قَالَ فَلَا تَاْكُلْ فَاِنَّمَا سَمَّيْتَ عَلٰى كَلْبِكَ وَلَمْ تُسَمِّ عَلٰى كَلْبٍ اٰخَرَ۔

ترجمہ، حضرت عدی بن حاتمؓ فرماتے ہیں کہ میں جناب نبی اکرم صلعم سے شکاری کتے کے متعلق پوچھا تو آپؐ نے فرمایا کہ جب تو اپنا سدھایا ہوا کتا چھوڑے اور وہ شکار کو مار ڈالے تو تم اس شکار کو کھا سکتے

ہو اگر وہ خود کھالے تو تم نہ کھاؤ۔ کیونکہ اسے اس نے اپنے لئے روکا ہے۔ میں نے دوبارہ عرض کی میں اپنا کتا چھوڑتا ہوں تو اس کے ساتھ دوسرا کتا مل جاتا ہے۔ تو آپ نے فرمایا نہ کھاؤ اس لئے کہ تم نے تو اپنے سدھائے ہوئے کتے پر بسم اللہ پڑھی ہے اس دوسرے کتے پر تو نہیں پڑھی۔

تشریح از شیخ مدنیؒ کہ کتے کے شکار کئے ہوئے کے کھانے کی اجازت دی گئی جس سے معلوم ہوتا ہے کہ کتے کا سور۔ عرق وغیرہ سب پاک ہیں اس لئے امام مالکؒ اس کے کھانے کی اجازت دیتے ہیں اور مالکیہ خوب دعوئیں کرتے ہیں مگر یہ دلائل کافی نہیں کیونکہ عدم ذکر سے ذکر عدم لازم نہیں آتا۔

تشریح از شیخ زکریاؒ اذا ارسلت کلبک المعلم الخ یہ مسئلہ کتاب الصید والذبائح کا ہے اجمالی صورت مسئلہ کی یہ ہے کہ کلب معلّم کو بسم اللہ پڑھ کر چھوڑا اس نے جاکر شکار مار لیا۔ تو اس کا کھانا جائز ہے۔ بشرطیکہ خود کتے نے اس شکار میں سے نہ کھایا ہو۔ اگر کھا لیا تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ کلب معلّم نہیں ہے اس سے امام بخاریؒ نے استدلال فرمایا کہ جب کتے کا شکار جائز ہے تو معلوم ہوا اس کا (جھوٹا) سور بھی طاہر ہے ورنہ کھانا کیونکر جائز ہوتا اس کا جواب یہ ہے کہ کھانا جو جائز قرار دیا گیا ہے۔ وہ گوشت کا ہے نہ کہ اس جگہ کا جہاں سے کتے نے دانت لگایا۔ اگر دانت لگے گوشت کا کھانا بھی جائز ہو۔ تو روایت پیش کریں قلت ارسلت کلبی الخ یہ اور مسئلہ ہے اس کی تفصیل تو کتاب الصید میں آئے گی۔ اجمالاً مسئلہ یہ ہے کہ کلب معلّم بسم اللہ پڑھ کر چھوڑا اور اس کے ساتھ کوئی اور کتا لگ گیا تو اس کا کھانا جائز نہیں اس لئے کہ بسم اللہ تو صرف اپنے کتے پر پڑھی گئی ہے اور یہ پتہ نہیں کہ کس کتے نے قتل کیا لہٰذا حلت و حرمت کا اجتماع ہو گیا پس حرمت راجح ہوگی۔ مغفرت والی روایت کا جواب ہماری طرف سے یہ دیا جاتا ہے کہ کسی شئے کا موجب ثواب ہونا امر آخر ہے۔ اور اس کا حکم دوسری حیثیت سے دوسرا ہو سکتا ہے مثلاً حرق اور غرق کو حضور اکرم صلعم نے شہادت قرار دیا ہے تو یہ دونو موجب ثواب ہیں لیکن دوسری حیثیت سے ان کا حکم دوسرا ہے۔ وہ یہ کہ حضور اکرم صلعم نے ان دونو سے پناہ مانگی ہے تو معلوم ہوا ان کی دو حیثیتیں ہیں۔ اور ہر حیثیت کا حکم الگ الگ ہوگا۔ ایسے ہی اگر کوئی شخص نماز پڑھ رہا ہو اور اس کے والدین اس کو اثنا کے لئے آواز دیں تو اس پر نماز کے اندر ہی اجابت واجب ہے لیکن اس کی نماز اجابت سے فاسد ہو جائے گی۔ یہاں بھی دو حیثیتیں ہیں ایسے ہی سور کلب کی دو حیثیتیں ہیں اور ہر حیثیت کا حکم الگ الگ ہوگا۔ ایک حیثیت سے اگر وہ موجب مغفرت بن جائے تو دوسری حیثیت سے وہ ناپاک بھی ہو سکتا ہے۔ اور ایک جواب اس کا یہ بھی دیا گیا ہے کہ اس حدیث

سے یہ کہاں ثابت ہوا کہ اس رجل نے اس موزے سے پانی پلایا ممکن ہے کو کوئی گڑھا وغیرہ ہو اور اس کے اندر پانی جمع کیا ہو اور اگر موزے سے پلایا بھی ہو تو یہ کہاں ہے کہ پھر اس کو اس نے پاک نہیں کیا۔ اگر پاک نہیں بھی کیا ہو تو یہ حدیث میں کہاں ہے کہ اس موزے سے اس نے نماز پڑھی تو جب اسقدر احتمالات ہیں۔ تو عدم نجاست پر استدلال کیسے صحیح ہوگا۔

باب مَنْ لَمْ یَرَ الْوُضُوْءَ اِلَّا مِنَ الْمَخْرَجَیْنِ الْقُبُلِ وَالدُّبُرِ الخ ترجمہ باب اس شخص کے بارے ہیں جو مخرجین یعنی قبل اور دبر سے نکلنے کے علاوہ اور کسی چیز سے وضو کو ناقض نہیں سمجھتے۔ لِقَوْلِہٖ تَعَالٰی اَوْجَآءَ اَحَدٌ مِّنْکُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ۔ اللہ تعالی کا ارشاد ہے جو تم ہیں سے جو شخص پاخانہ کرے۔ وَقَالَ عَطَاءٌ فِیْمَنْ یَخْرُجُ مِنْ دُبُرِہِ الدُّوْدُ اَوْ مِنْ ذَکَرِہٖ نَحْوُ الْقَمْلَۃِ یُعِیْدُ الْوُضُوْءَ حضرت عطا تابعی اس شخص کے بارے ہیں فرماتے ہیں کہ جس کی دبر سے کیڑا نکلے یا اس کے آلہ تناسل سے کوئی جوں نکلے تو وضو کو نہ لوٹائے۔ وَقَالَ جَابِرُ بْنُ عَبْدِ اللہِ اِذَا ضَحِکَ فِی الصَّلٰوۃِ اَعَادَ الصَّلٰوۃَ وَلَمْ یُعِدِ الْوُضُوْءَ حضرت جابر عبداللہ رض فرماتے ہیں جب کوئی شخص نماز میں ہنس پڑے تو وہ نماز کو لوٹائے وضو کو نہ لوٹائے۔ وَقَالَ الْحَسَنُ اِنْ اَخَذَ مِنْ شَعَرِہٖ اَوْ اَظْفَارِہٖ اَوْخَلَعَ خُفَّیْہِ فَلَا وُضُوْءَ عَلَیْہِ حضرت حسن بصری فرماتے ہیں کہ وضو کرنے کے بعد اگر کسی شخص نے بال یا ناخن کاٹ لئے یا موزے اتار لئے تو اس پر دوبارہ وضو نہیں ہے وَقَالَ اَبُوْھُرَیْرَۃَ لَا وُضُوْءَ اِلَّا مِنْ حَدَثٍ اور حضرت ابو ہریرہ رض فرماتے ہیں کہ وضو حدث سے ہوتا ہے یعنی سبیلین سے خارج ہو۔ وَیُذْکَرُ عَنْ جَابِرٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ فِیْ غَزْوَۃِ ذَاتِ الرِّقَاعِ فَرُمِیَ رَجُلٌ بِسَھْمٍ فَنَزَفَہُ الدَّمُ فَرَکَعَ وَسَجَدَ وَمَضٰی فِیْ صَلٰوتِہٖ۔ حضرت جابر رض سے ذکر کیا جاتا ہے کہ جناب نبی اکرم صلعم غزوہ ذات الرقاع میں تھے ایک آدمی کو تیر لگا جس سے بہت خون بہا تو اس نے رکوع کیا۔ اور سجدہ کیا اور اپنی نماز میں چالو رہا۔ وَقَالَ الْحَسَنُ مَا زَالَ الْمُسْلِمُوْنَ یُصَلُّوْنَ فِیْ جِرَاحَاتِھِمْ۔ حضرت حسن بصری فرماتے ہیں کہ ہمیشہ سے مسلمان زخموں میں نماز پڑھتے رہے ہیں۔ وَقَالَ طَاؤُسٌ وَّمُحَمَّدُ بْنُ عَلِیٍّ وَّعَطَآءٌ وَاَھْلُ الْحِجَازِ لَیْسَ فِی الدَّمِ وُضُوْءٌ حضرت طاؤس محمد بن علی عطا اور اہل الحجاز فرماتے ہیں کہ خون نکلنے کی وجہ سے وضو نہیں ہے۔ وَعَصَرَ ابْنُ عُمَرَ بَثْرَۃً فَخَرَجَ مِنْھَا دَمٌ فَلَمْ یَتَوَضَّأْ حضرت عبداللہ

بن عمرؓ اپنی پھنسی کو نچوڑا تو اس سے خون نکلا جس پر انہوں نے وضو نہیں کیا وَ بَزَقَ ابْنُ اَبِیْ اَوْفٰی دَمًا فَمَضٰی فِیْ صَلَاتِہٖ ۔ حضرت ابن ابی اوفیٰ نے خون تھوکا پس اپنی نماز میں چالو رہے وَقَالَ ابْنُ عُمَرَ وَالْحَسَنُ فِیْمَنِ احْتَجَمَ لَیْسَ عَلَیْہِ اِلَّا غَسْلُ مَحَاجِمِہٖ ۔ حضرت ابن عمر اور حسن بصری فرماتے ہیں جس نے پچھنے لگوائے تو اس پر سوائے پچھنے کی جگہ دھونے کے اور کچھ نہیں ۔

حدیث نمبر ۱۷۲ حَدَّثَنَا اٰدَمُ بْنُ اَبِیْ اِیَاسٍ الخ عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا یَزَالُ الْعَبْدُ فِیْ صَلٰوۃٍ مَا کَانَ فِی الْمَسْجِدِ یَنْتَظِرُ الصَّلٰوۃَ مَا لَمْ یُحْدِثْ فَقَالَ رَجُلٌ اَعْجَمِیٌّ مَا الْحَدَثُ یَا اَبَا ھُرَیْرَۃَ قَالَ الصَّوْتُ یَعْنِی الضَّرْطَۃَ

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلعم نے فرمایا۔ بندہ نماز میں رہتا ہے جب تک کہ وہ مسجد میں نماز کی انتظار کرتا رہتا ہے۔ جب تک بے وضو نہ ہو ایک عجمی آدمی نے کہا اے ابوہریرہ حدث کیا چیز ہے فرمایا آواز والی ریح یعنی گوز (پاد)

تشریح از شیخ مدنیؒ نواقض وضو کے متعلق امام مالکؒ اور اہل ظواہر کا مسلک یہ ہے کہ سبیلین (قبل۔ دبر) کے علاوہ کسی جگہ سے نکلنے والی چیز ناقض وضو نہیں ہے۔ حضرت امام ابو حنیفہؒ امام شافعیؒ ماخرج من السبیلین کو ناقض وضو قرار دیتے ہیں اور غیر ماخرج من السبیلین کو بھی ناقض کہتے ہیں۔ امام صاحبؒ دم سائل اور قئ ملاء الفم کو ناقض قرار دیتے ہیں۔ اور امام شافعیؒ مس مرأۃ اور مس ذکر کو بھی ناقض کہتے ہیں۔ امام مالکؒ ان میں سے کسی کو ناقض نہیں کہتے امام بخاریؒ کا مسلک بھی امام مالکؒ کے مسلک کی طرح ہے۔ جیسے سور کلب میں انہوں نے امام مالکؒ کے مسلک کو اختیار کیا۔ اور استدلالات پیش کئے ہیں۔ مخرجین سے کسی چیز کا خارج ہونا حکماً یا حقیقۃً اس طرح نوم طویل بھی امام مالکؒ کے نزدیک ناقض وضو ہے اور مس مرأۃ بالشہوۃ اور مس ذکر بالشہوۃ کے بھی ناقض ہونے کے قائل ہیں۔ کیونکہ مظنہ خروج من احد السبیلین ہے۔ استدلال قول باری تعالیٰ سے ہے کہ مجئی من الغائط حدث ہے۔ اور لامستم النساء میں لمس حدث اکبر سے کنایہ ہے۔ شراح فرماتے ہیں۔ کہ قول باری تعالیٰ سے مصنفؒ کا استدلال صحیح نہیں اس لئے کہ اس میں کوئی حصہ نہیں اور ترجمۃ الباب میں حصہ ہے۔ لیکن کہا جائے گا کہ جب دو چیزوں میں تلازم پایا جائے۔ تو ایک کا ذکر کر کے دوسرے کا ارادہ کیا جا سکتا ہے۔ یہاں پر دو چیزوں میں تلازم نہیں بلکہ ماخرج من السبیلین مراد ہے۔ کیونکہ مجئی من الغائط کے حقیقی اور مطابقی معنی مراد

نہیں بلکہ التزامی معنی مراد ہیں اور معنی التزامی ماخوذ من السبیلین کے بغیر محقق نہیں ہو سکتے تو معنی ہوئے
اذا حدثتم حدث الاصغر اور لا مستم النساء کنایہ ہے۔ حدثتم حدث الاکبر اور کنایہ کے
لئے تلازم ضروری ہے۔ خواہ حقیقی ہے یا حکمی۔ اور معنی التزامی تب لئے جا سکتے ہیں جبکہ شیئین میں وجوداً یا
عدماً کوئی تعلق ہو۔ لہٰذا نظر شرع کے اعتبار سے ان میں تلازم ہوا جس سے معلوم ہوا کہ غیر ماخوذ من
السبیلین ناقض نہیں ہے۔ امام بخاریؒ کا مسلک قال عطاء الخ کہنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ ماخوذ
من السبیلین میں معتاد کی قید نہیں لگاتے یعنی ماخوذ من السبیلین ناقض ہے خواہ معتاد ہو
یا غیر معتاد۔ اس میں مصنفؒ امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے موافق معلوم ہوتے ہیں۔ ضحک دندان سفید
نکالنے کو کہتے ہیں۔ یہاں پر حضرت جابرؓ کا فتویٰ کہ ضحک ناقض وضو نہیں ہے۔ مگر متفق علیہ مسئلہ یہ ہے
کہ قہقہہ مفسد صلوٰۃ ہے۔ اور ناقض وضو بھی ہے۔ حضرت جابرؓ کا فتویٰ احناف کے مخالف نہیں اس
لئے کہ احناف بھی ضحک کو ناقض نہیں کہتے۔ اگر یہاں حدیث میں قہقہہ کا لفظ ہوتا تو پھر احنافؒ کے خلاف
تھا اور قہقہہ بھی وہ ناقض ہے جو بالغ کا ہو صبی کا قہقہہ نہ ناقض وضو ہے اور نہ ناقض صلوٰۃ ہے قال
الحسن الخ اخذ شعر اخذ اظفار میں وضو نہیں ٹوٹتا۔ لیکن خلع خفین میں امام صاحبؒ کے نزدیک وضو منتقض
ہو جاتا ہے حسن بصریؒ اس کو ناقض نہیں کہتے اور امام صاحبؒ یہ بھی فرماتے ہیں کہ وضو کرنے کے بعد اگر خلع
خفین ہو۔ تو ناقض نہیں البتہ اگر حدث کے بعد خلع ہو تو ناقض ہوگا۔ امام حسن بصریؒ نے مطلقاً خلع خفین کو ناقض
نہیں کہا۔ اگر یہ ان کا مذہب ہو تو امام صاحبؒ پر حجۃ نہیں اس لئے کہ وہ تابعی ہیں اور امام صاحب فرماتے
ہیں ہم رجال ونحن رجال۔

ویذکر عن جابرؓ اس اثر سے امام بخاریؒ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ دم ناقض وضو نہیں ہے
یہ امام صاحبؒ اور ان کے موافقین پر حجۃ ہے۔ لیکن مصنفؒ کو اس روایت کی صحت پر اعتماد نہیں اس لئے
یذکر کے الفاظ ضعف سے بیان کرتے ہیں۔ یہ روایت ابوداؤد میں ہے اور شراح ابی داؤد خود اس سے
استدلال کرنے میں متعجب ہیں۔ خطابی اور نوویؒ وغیرہ نے ایسے کہا ہے۔ کیونکہ امام شافعیؒ دم مفسوح کو ناقض
وضو نہیں کہتے۔ ادھر دم مفسوح کو نجس کہا خطابیؒ فرماتے ہیں کہ اگر زخم سے خون ایسے نکلا کہ اس سے
بدن اور کپڑا ملوث نہیں ہوا۔ پھر تو استدلال ہو سکتا ہے۔ مگر یہ عادت کے خلاف ہے۔ نیز اس میں آپ نبی
اکرم صلعم کا مطلع ہونا معلوم نہیں ہوتا۔ اگر اطلاع ہوئی تو آیا آپؐ نے ایسی نماز کو جائز رکھا یا نہیں یہ سب

احتمال ہیں۔ قال الحسن ما زال المسلمون اس فتویٰ سے استدلال کیا کہ دم ناقض وضو نہیں تو کہا جائے گا
کہ اولاً یہ لازم نہیں کہ جرح سے جو خون نکلے بلکہ پٹی باندھی جاتی ہے جس سے خون جم جاتا ہے۔ اگر دم نکلے
بھی تو صاحب جرح صاحب اعذار میں سے ہوگا۔ اور اعذار بالاتفاق ناقض وضو نہیں ہیں تو استدلال تام
نہ ہوا۔ اور قال طاؤس الخ سے مقام استدلال میں اقوال ائمہ کو پیش کرتے ہیں۔ مگر کہا جائے گا کہ آیا اس
دم سے دم سائل مراد ہے۔ یا غیر سائل اگر دم سائل مراد ہو تو یہ ان کا اپنا مذہب ہوگا جو احناف پر حجت
نہیں ہو سکتا۔ اگر غیر سائل ہو تو کوئی خلاف نہیں۔ احناف ابن ماجہ کی روایت کو استدلال میں پیش کرتے ہیں
کہ دم سائل اور قیئ وغیرہ ناقض وضو ہیں۔ بثرۃ یعنی پھنسی فخنج منہادم مگر دیکھنا یہ ہے کہ آیا وہ
دم خود نکلا ہے یا نکالا گیا ہے۔ اگر نکالا گیا ہے تو وہ بالاتفاق ناقض نہیں۔ یہی قول عندالاحناف مختار ہے
کہ اگر نکالا نہ جاتا تو موضع جرح سے وہ خون تجاوز نہ کرتا۔ ابزق ابن ابی اوفی احناف تھوک کے ساتھ
خون نکلنے کو مطلقاً ناقض نہیں کہتے۔ بلکہ جب خون تھوک پر غالب ہو۔ اور ابن عمرؓ اور حسن بصری کا فتویٰ
کہ لیس علیہ الا غسل محاجمہ اس سے استدلال تام نہیں اس لئے کہ اگر اس کا یہ مطلب لیا جائے
تو وہی جگہ دھوئی جائے تو کوئی خلاف نہیں۔ حدثنا آدم بن ابی ایاس یعنی الضراط چونکہ حالتِ صلوٰۃ پر عموماً
یہی پیش آتا ہے۔ اس لئے خصوصیت سے اس کا ذکر کیا گیا۔

تشریح از شیخ زکریاؒ چونکہ وضو کا ذکر فرما رہے تھے اس لئے تبعاً نواقض کا ذکر بھی کر دیا۔ کیونکہ
معظم وضو ہو چکا۔ صرف مسح رہ گیا ہے۔ جیسا کہ گزر چکا کہ مسائل میں اصل اختلاف المناط ہوا کرتا ہے یہاں
بھی مناط میں اختلاف ہے۔ حنفیہ اور حنابلہ کے نزدیک نقض وضو میں مناط خروج نجس ہے۔ کہیں سے بھی ہو۔
لہٰذا پیشاب پاخانہ کی طرح اگر خون بدن کے کسی حصہ سے نکل آوے تو وہ بھی ناقض ہوگا۔ اور شوافعؒ کے
نزدیک مخرجین ہیں اگر ان سے کوئی چیز نکل آئے تو وہ ناقض ہوگی۔ اگر سنگریزہ نکل جائے تو وہ بھی
ناقض وضو ہوگا۔ اگرچہ اس پر نجاست نہ ہو۔ حضرات مالکیہ کے ہاں خروج معتاد بھی مخرجین کے ساتھ شرط
ہے۔ لہٰذا اگر کسی کو سلس البول ہو تو ان کے یہاں وضو نہیں ٹوٹے گا۔ کیونکہ خروج معتاد نہیں اور شوافع کے
ہاں ٹوٹ جائے گا۔ کیونکہ مخرج معتاد پایا گیا۔ امام بخاریؒ کا مذہب مناط میں شافعیہ کے قریب معلوم
ہوتا ہے۔ لیکن امام بخاریؒ کے نزدیک مس ذکر اور مس مرأۃ اور قہقہہ وغیرہ ناقض نہیں ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا
ہے کہ ان کا مذہب سب مذاہب سے الگ ہے وقال عطاءؒ الخ اس مسئلہ میں امام احمد خاص طور پر شوافعؒ

کے ساتھ ہیں اور ہمارے ہاں تفصیل ہے۔ اگر اس پر تری ہو تو ناقض اگر خشک ہو تو ناقض نہیں اور مالکیہ کے یہاں خروج معتاد نہ ہونے کے سبب ناقض نہیں ہے۔ چونکہ تابعی کا قول ہے۔ اور امام صاحب تابعین کے مقابلہ میں ارشاد فرماتے ہیں ھو رجال ونحن رجال کیونکہ امام صاحبؒ خود تابعی ہیں۔ وقال جابر بن عبد اللہ اذا ضحک الخ یوں کہا گیا ہے کہ یہ احناف پر رد ہے۔ مگر میں کہتا ہوں کہ یہ ہم پر رد نہیں ہے کیونکہ ہم بھی کہتے ہیں کہ ناقض قہقہہ ہے نہ کہ ضحک یہاں ضحک ہے۔ وقال الحسن ان اخذ من شعرہ الخ ائمہ اربعہ کا مذہب بھی ہے کہ وضو ضروری نہیں لیکن بعض سلف حماد وغیرہ کی رائے یہ ہے کہ اگر کوئی بال منڈائے یا ناخن تراشے تو اس پر وضو ضروری ہے۔ خلع خفیہ پر مستقل کلام آئے گا۔ حاصل اس کا یہ ہے کہ ہمارے نزدیک اگر خلع خفین کیا جائے تو وضو نہیں ٹوٹے گا۔ جب بھی جی چاہے۔ پیر دھولے یہی امام احمدؒ کی ایک روایت ہے دوسری یہ ہے کہ وضو ٹوٹ جائے گا۔ اور امام مالکؒ کے نزدیک اگر فوراً دھولیا تو نہ ٹوٹے گا ورنہ ٹوٹ جائے گا کیونکہ ان کے یہاں موالات شرط ہے۔ رُمی رجل بسھم یہ ایک غزوہ کا واقعہ ہے۔

حضور اکرم صلعم نے دو آدمیوں کو پہرے کے واسطے مقرر فرمایا جن میں ایک انصاری تھے دوسرے مہاجری دونوں نے آپس میں صلاح کی۔ کہ آدھی رات ایک سوتے اور آدھی رات دوسرا جاگتا۔ مہاجری سو گئے انصاری نے نماز کی نیت باندھ لی۔ دشمن کا آدمی آیا اس نے ان کو کھڑا دیکھ کر تیر مارا انہوں نے نکال کر پھینک دیا اور نماز میں مشغول رہے۔ اس نے دوسرا مارا اس کو بھی نکال دیا۔ اس نے پھر تیسرا مارا اس پر انہوں نے مہاجری کو جگا دیا۔ فلما رأی ما بالانصار من الدما اس سے امام بخاریؒ نے استدلال کیا کہ وہ انصاری خون نکلنے کے باوجود نماز پڑھتے رہے۔ اس کا جواب یہ ہے جب خون نکلا تو ان کا بدن ناپاک ہو گیا پھر ناپاکی کے ساتھ کیا نماز ہوئی۔ لہٰذا یہ کہا جائے گا۔ کہ ان کو مسئلہ معلوم نہیں تھا۔ یا غایت استغراق میں پڑھتے گئے امام نوویؒ نے فرمایا ہے کہ وہ خون دھار باندھ کر نکلا تھا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اگر خون شروع میں دھارے سے نکل کر بدن سے الگ ہو کر گرتا ہے۔ تو آخر میں جب اس کا زور ختم ہوتا ہے تو وہ بدن پر بہنا شروع ہو جاتا ہے۔ اور ما بہ من الدماء تو خود امام نوویؒ کی تاویل کے خلاف ہے۔ وقال الحسن ما زال المسلمون الخ ہم بھی یہی کہتے ہیں۔ کہ زخموں کے ساتھ بھی نماز پڑھتا ہے۔ چھوڑ نہ بیٹھے اور جراحت کے ساتھ نماز پڑھنے سے یہ کہاں لازم آگیا کہ خون مفسوح سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ مسلمان پٹی باندھ کر وضو کر کے نماز پڑھتے تھے اس میں کیا استبعاد ہے۔ وقال طاؤس الخ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ سب حضرات تابعی

ہیں۔ اور یہ ان کا مذہب ہے۔ اور ہمارے امام صاحبؒ بھی تابعی ہیں۔ عصر ابن عمر اس کا جواب یہ ہے کہ کہ یہ اخراج ہے خروج نہیں۔ قال الصوت یعنی الضراط یہاں اختصار ہے اور روایت سابقہ کے اندر فسا۔ اور ضراط دونو ہیں اس لئے میں نے کہا تھا کہ خصوص الفاظ کا اعتبار نہیں۔ نواقض کا ذکر اس مناسبت سے ہے کہ چونکہ اس سے قبل کے ابواب میں نجاسات ظاہر یہ کا ذکر فرمایا تھا۔ سور کلب وغیرہ اس کی مناسبت سے اب نجاسات باطنیہ کا ذکر فرماتے ہیں۔

حدیث نمبر ۱۷۳ حَدَّثَنَا اَبُو الْوَلِيْدِ الخ عَنْ عَمِّهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَنْصَرِفْ حَتّٰى يَسْمَعَ صَوْتًا اَوْ يَجِدَ رِيْحًا۔

ترجمہ، جناب نبی اکرم صلعم نے فرمایا نماز سے نہ پھرے جب تک آواز نہ سنے یا بو کو نہ پائے اس روایت سے ماخرج من السبیلین ثابت ہوا۔

حدیث نمبر ۱۷۴ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ الخ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْحَنَفِيَّةِ قَالَ قَالَ عَلِيٌّ رض كُنْتُ رَجُلًا مَذَّاءً فَاسْتَحْيَيْتُ اَنْ اَسْاَلَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَمَرْتُ الْمِقْدَادَ بْنَ الْاَسْوَدِ فَسَاَلَهُ فَقَالَ فِيْهِ الْوُضُوْءُ الخ

ترجمہ، حضرت محمد بن حنفیہؒ فرماتے ہیں کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ میں کثیر المذی شخص تھا۔ مجھے اس کے متعلق جناب رسول اللہ صلعم سے پوچھنے میں شرم محسوس ہوئی تو میں نے حضرت مقداد بن الاسود کو حکم دیا جنہوں نے حضور اکرم صلعم سے پوچھا آپؐ نے فرمایا اس میں وضو ہے۔ یہ بھی ماخرج من السبیلین ہے

حدیث نمبر ۱۷۵ حَدَّثَنَا سَعِيْدُ بْنُ حَفْصٍ الخ اَنَّهُ سَاَلَ عُثْمَانَ بْنَ عَفَّانَ قُلْتُ اَرَاَيْتَ اِذَا جَامَعَ وَلَمْ يُمْنِ قَالَ عُثْمَانُ يَتَوَضَّاُ كَمَا يَتَوَضَّاُ لِلصَّلٰوةِ وَيَغْسِلُ ذَكَرَهُ قَالَ عُثْمَانُ سَمِعْتُهُ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَاَلْتُ عَنْ ذٰلِكَ عَلِيًّا وَالزُّبَيْرَ وَطَلْحَةَ وَاُبَيَّ بْنَ كَعْبٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ فَاَمَرُوْهُ بِذٰلِكَ۔

ترجمہ، زید بن خالدؓ نے حضرت عثمان بن عفانؓ سے پوچھا کہ مجھے بتلایئے کہ کوئی جماع کرے اور اسے انزال نہ ہو تو حضرت عثمانؓ نے فرمایا وہ ایسے وضو کرے جیسے نماز کے لئے وضو کرتا ہے۔ اور آلۂ تناسل کو دھوئے۔ اور حضرت عثمانؓ نے فرمایا یہی میں نے جناب رسول اللہ صلعم سے سنا پھر زید بن خالد فرماتے ہیں کہ میں نے یہ مسئلہ حضرت علیؓ حضرت زبیرؓ حضرت طلحہؓ اور حضرت ابی بن کعب سے پوچھا تو ان سب سے

اسی وضو کا حکم دیا۔

تشریح از شیخ مدنیؒ اکسال کے اندر وضوہی واجب ہوگا۔ کیونکہ یہ منی کا مظنہ ہے اور بعض وجوب غسل کے قائل نہ ہوئے۔ مگر بعد اطلاع انہوں نے رجوع کر لیا اور بعض وجوب کے قائل ہیں۔

تشریح از شیخ زکریاؒ صحابہ کرام کا اس میں اختلاف تھا۔ کہ اگر جماع کے بعد منی خارج نہ ہو۔ تو غسل واجب ہوگا یا نہیں ایک جماعت وجوب غسل کی قائل ہے۔ دوسری منکر۔ مگر اب وجوب اغتسال پر اجماع ہے۔ قال عثمان یتوضاء یہ ان کا مذہب ہے اسی طرح دوسرے بعض صحابہ کا یہ مذہب ہوگا بہر حال بعد میں سب کا اتفاق ہوگیا۔

حدیث نمبر ۱۷۶ حَدَّثَنَا إِسْحٰقُ بْنُ مَنْصُوْرٍ الخ عَنْ أَبِيْ سَعِيْدِ نِ الْخُدْرِيِّ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَرْسَلَ رَجُلًا مِّنَ الْأَنْصَارِ فَجَآءَ وَرَأْسُهٗ يَقْطُرُ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَعَلَّنَا أَعْجَلْنٰكَ فَقَالَ نَعَمْ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أُعْجِلْتَ أَوْ قُحِطْتَ فَعَلَيْكَ الْوُضُوْءُ تَابَعَهٗ وَهْبٌ قَالَ ثَنَا شُعْبَةُ وَلَمْ يَقُلْ غُنْدَرٌ وَّ يَحْيٰى عَنْ شُعْبَةَ الْوُضُوْءَ۔

ترجمہ، حضرت ابو سعید خدریؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلعم نے انصار کے ایک آدمی کو بلوا بھیجا۔ پس وہ اس حال میں آئے کہ ان کا سر غسل کی وجہ سے قطرے بہا رہا تھا۔ نبی اکرم صلعم نے فرمایا کہ شاید ہم نے تجھ سے جلدی کرالی۔ اس نے ہاں کے ساتھ جواب دیا۔ اس پر جناب رسول اللہ صلعم نے فرمایا جب تجھ سے جلدی کرائی جائے یا تمہیں انزال نہ ہو تو تجھ پر وضو ہے۔ غندر اور یحییٰ نے شعبہ سے وضو نقل نہیں کیا۔

تشریح از شیخ مدنیؒ او قحطتؓ میں او تنویع کے لئے ہو سکتا ہے کہ خود بخود منی نہ آئے یہ داخلی حدث ہے۔ اور اعجلت خارجی حادثہ ہے اور او شک راوی کے لئے بھی ہو سکتا ہے۔ یہ روایت ان دیگر روایات سے منسوخ ہے جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اکسال پر غسل واجب ہے۔

تشریح از شیخ زکریاؒ اذا اعجلت او قحطت فعلیک الوضوء داؤد ظاہری کی یہی رائے ہے اور بخاری سے بھی نقل کیا گیا ہے۔ اور ان حضرات کا استدلال الماء من الماء والی روایت سے ہے۔ مگر جمہور کے نزدیک وہ منسوخ ہے اور ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ وہ احتلام پر محمول ہے یا ابتدا پر محمول ہے اب

منسوخ ہے۔ لم یقل غند روحیٰ عن شعبہ الوضوء اس کے مطلب میں اختلاف ہے۔ علامہ کرمانی اور ان کے اتباع کرتے ہوئے قسطلانی کی رائے یہ ہے کہ حضور اکرم نے حدیث میں صرف فعلیک فرمایا۔ اور الوضو کا لفظ چھوڑ دیا۔ قرینہ کی وجہ سے اور حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ دونوں نے وضو کا ذکر مطلقاً نہیں کیا۔ یعنی پورا جملہ فعلیک الوضوء ذکر نہیں کیا۔ بلکہ جب طبرانی کی روایت میں ہے اس کی بجائے فلاغسل علیک وارد ہے۔

حدیث نمبر ۷۷ اباب الرَّجُلُ يُوَضِّئُ صَاحِبَهٗ ۔

ترجمہ باب ۔ اس آدمی کے بارے میں جو اپنے ساتھی کو وضو کرائے ۔

حدیث نمبر ۷۷ حَدَّثَنَا ابْنُ سَلَامٍ الخ عَنْ اُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا اَفَاضَ مِنْ عَرَفَةَ عَدَلَ اِلَى الشِّعْبِ فَقَضٰى حَاجَتَهٗ قَالَ اُسَامَةُ فَجَعَلْتُ اَصُبُّ عَلَيْهِ وَيَتَوَضَّأُ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَتُصَلِّيْ فَقَالَ الْمُصَلّٰى اَمَامَكَ ۔

ترجمہ، حضرت اسامہ بن زیدرضؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلعم جب عرفات سے واپس لوٹے تو ایک گھاٹی کی طرف پھر گئے قضاء حاجت فرمائی حضرت اسامہؓ نے فرمایا کہ میں آپؐ پر پانی ڈالتا تھا اور آپؐ وضو کرتے تھے میں نے کہا یا رسول اللہ آپؐ نماز پڑھیں گے۔ آپؐ نے فرمایا جائے نماز آپ کے آگے ہے یعنی مزدلفہ چل کر جمع بین الصلوتین کریں گے ۔

تشریح از شیخ مدنیؒ چونکہ وضو امور عبادت میں سے ہے۔ شاید اس میں استعانت بالغیر جائز نہ ہو۔ تو مصنفؒ اس کی تفصیل کرتے ہیں کہ آلاتِ وضو میں اعانت کرنا۔ بالاتفاق جائز ہے جیسے ڈول رسی۔ لوٹا وغیرہ دے دینا۔ دوسرے یہ کہ نفس وضو میں بلا ضرورت بلا عذر اعانت ناجائز ہے اور تیسری صورت یہ ہے کہ وضو کے اعمال خارجیہ میں اعانت ہو یعنی عندا یا غیر آلات میں اعانت ہو تو یہ جائز ہے جسے مصنفؒ ثابت کر رہے ہیں۔

تشریح از شیخ زکریاؒ صاحبِ درمختار نے کہہ دیا کہ یہ حدیث بیانِ جواز کے لئے ہے جس پر علامہ شامی نے اشکال کیا اور واقعہ بھی یہی ہے کہ صاحب درمختار کا قول صحیح نہیں بلکہ استعانت کی تین قسمیں ہیں ایک یہ کہ کسی سے لوٹا مانگ لے یہ جائز ہے۔ بلکہ بعض اوقات اولیٰ ہے جیسے کہ ابن عباسؓ نے کیا دوسرے یہ کہ پانی کوئی ڈالے اور متوضی خود اپنے ہاتھ سے اپنے اعضا دھوئے یہ بھی جائز ہے تیسری صورت یہ ہے

۲۷/۲

کہ کوئی دوسرا پانی ڈالے اور وہی دھوئے یہ بلا ضرورت مکروہ ہے یہ بھی باب در باب ہے چونکہ پہلے باب تھا کہ ما خرج من المخرجین سے وضو کا نقض ہوتا ہے۔ تو وہی مسئلہ اس حدیث سے بھی ثابت ہوا جو اس باب میں ہے وہ اس طرح کہ حضور اکرم صلعم استنجاء سے تشریف لائے اور وضو فرمائی۔ لیکن چونکہ اس حدیث سے ایک جدید فائدہ معلوم ہو رہا تھا۔ استعانت علی الوضوء کا اس فائدہ پر تنبیہ کے لئے باب باندھ دیا۔

حدیث حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عَلِيٍّ الخ عَنِ الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ أَنَّهُ كَانَ مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي سَفَرٍ وَّأَنَّهُ ذَهَبَ لِحَاجَةٍ لَّهُ وَأَنَّ الْمُغِيرَةَ جَعَلَ يَصُبُّ الْمَاءَ عَلَيْهِ وَهُوَ يَتَوَضَّأُ فَغَسَلَ وَجْهَهُ وَيَدَيْهِ وَمَسَحَ بِرَأْسِهِ وَمَسَحَ عَلَى الْخُفَّيْنِ۔

ترجمہ، حضرت مغیرہ بن شعبہؓ سے روایت ہے کہ وہ ایک سفر میں جناب رسول اللہ صلعم کے ہمراہ تھے آپؐ قضا حاجت کے لئے تشریف لے گئے اور حضرت مغیرہ بن شعبہ آپؐ پر پانی ڈالنے گئے اور آپؐ پر پانی ڈالنے لگے اور آپؐ وضو کر رہے تھے کہ اپنے چہرہ کو دھویا اور دونو ہاتھوں کو دھویا اپنے سر کا مسح کیا اور دونو موزوں پر مسح فرمایا۔

باب قِرَاءَةِ الْقُرْاٰنِ بَعْدَ الْحَدَثِ وَغَيْرِهٖ وَقَالَ مَنْصُوْرٌ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ لَا بَأْسَ بِالْقِرَاءَةِ فِي الْحَمَّامِ وَبِكَتْبِ الرِّسَالَةِ عَلٰى غَيْرِ وُضُوْءٍ وَقَالَ حَمَّادٌ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ اِنْ كَانَ عَلَيْهِمْ اِزَارٌ فَسَلِّمْ وَاِلَّا فَلَا تُسَلِّمْ۔

ترجمہ باب ہے کہ بغیر وضو کے قرآن مجید وغیرہ کا پڑھنا، منصور حضرت ابراہیم سے نقل کرتے ہیں کہ حمام میں قرآن پڑھنے میں کوئی حرج نہیں اور اس طرح بغیر وضو کے خط لکھنے میں بھی کوئی حرج نہیں حضرت حماد ابراہیم سے روایت کرتے ہیں اگر حمام والوں نے چادریں لے رکھی ہوں تو ان پر سلام کرنا جائز ہے ورنہ ان پر سلام نہ کرو۔

حدیث نمبر ۱۷۹ حَدَّثَنَا اِسْمٰعِيْلُ الخ اَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عَبَّاسٍ اَخْبَرَهٗ اَنَّهٗ بَاتَ لَيْلَةً عِنْدَ مَيْمُوْنَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهِيَ خَالَتُهٗ فَاضْطَجَعْتُ فِيْ عَرْضِ الْوِسَادَةِ وَاضْطَجَعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَهْلُهٗ فِيْ طُوْلِهَا فَنَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰى اِذَا انْتَصَفَ اللَّيْلُ اَوْ قَبْلَهٗ بِقَلِيْلٍ

أو بعده بقليل استيقظ رسول الله صلى الله عليه وسلم فجلس يمسح النوم عن وجهه بيده ثم قرأ العشر الآيات الخواتم من سورة آل عمران ثم قام إلى شن معلقة فتوضأ منها فأحسن وضوءه ثم قام يصلي قال ابن عباس فقمت فصنعت مثل ما صنع ثم ذهبت فقمت إلى جنبه فوضع يده اليمنى على رأسي وأخذ بأذني اليمنى على رأسي وأخذ بأذني اليمنى يفتلها فصلى ركعتين ثم ركعتين ثم ركعتين ثم ركعتين ثم ركعتين ثم ركعتين ثم أوتر ثم اضطجع حتى أتاه المؤذن فقام فصلى ركعتين خفيفتين ثم خرج فصلى الصبح ۔

ترجمہ، حضرت ابن عباس رض نے اپنی خالہ میمونہ رض زوجہ نبی اکرم صلعم کے ہاں رات گذاری وہ فرماتے ہیں کہ میں سرہانے کی چوڑائی کی طرف سو گیا۔ اور جناب رسول اللہ صلعم اور آپ کی اہلیہ محترمہ سرہانے کی لمبائی کی طرف لیٹ گئے۔ جناب رسول اللہ صلعم سوتے رہے یہاں تک جب آدھی رات ہو گئی۔ یا اس سے پہلے تھوڑی دیر یا اس کے تھوڑی دیر بعد آنحضرت صلعم بیدار ہوئے اور اپنے ہاتھ مبارک سے اپنے چہرے سے نیند کے آثار دور کرنے لگے۔ پھر آپ نے سورۃ آل عمران کی آخری دس آیتیں تلاوت فرمائیں پھر ایک پرانے لٹکے ہوئے مشکیزہ کی طرف اٹھے اس سے وضو کیا اور اچھی طرح وضو فرمایا۔ پھر کھڑے ہو کر نماز شروع فرمائی۔ حضرت ابن عباس رض فرماتے ہیں کہ میں بھی اٹھا۔ اور جس طرح حضور اکرم صلعم نے کیا تھا میں نے بھی اسی طرح کیا۔ پھر میں چلا اور آپ کے پہلو میں کھڑا ہو گیا۔ آپ نے اپنا دایاں ہاتھ میرے سر پر رکھا اور اسے گھمایا دائیں جانب کھڑا کیا۔ پھر ایک دوگانہ۔ دوسرا تیسرا۔ چوتھا۔ پانچواں اور چھٹا دوگانہ پڑھ کر وتر ادا کئے پھر لیٹ گئے یہاں تک کہ مؤذن نے اطلاع دی۔ تو آپ نے دو ہلکی سی رکعتیں پڑھیں پھر تشریف لے گئے اور صبح کی نماز پڑھائی۔

تشریح از شیخ مدنی رح وغیرہ کا عطف مشہور یہ ہے کہ القرآن پر ہے۔ کہ قرآن اور غیر القرآن کا بعد الحدث پڑھنا جائز ہے یا نہیں اور بعض نے کہا کہ الحدث پر عطف ہے۔ مگر ظاہر قول اول ہے۔ اس پر مصنف رح نے منصور کا قول نقل کیا ہے۔ کام میں داخل ہونے والا بحالت حدث ہی ہوتا ہے۔ اور کتب رسالہ میں چونکہ بسم اللہ وغیرہ لکھی جاتی ہے جو غیر وضو کی حالت میں ہو گی۔ اس پر تو اتفاق ہے کہ بغیر وضو کے حفظ سے قرآن پڑھنا جائز ہے۔ البتہ اگر جنبی یا حدث اکبر لاحق ہو۔ تو امام بخاری رح کا مذہب

یہ ہے کہ وہ بھی جائز ہے۔ لیکن جمہور بوجہ حدیث ترمذی ناجائز کہتے ہیں اور قرأۃ قرآن جو کہ بصورت مسّ قرآن مجید ہو وہ بوجہ لا یمسہ الا المطہرون کے ناجائز ہے۔ اور اہلِ حمام کے بارے میں حماد نے تفصیل کردی ہے

تشریح از شیخ زکریاؒ حافظ ابن حجرؒ دغیرہ کے متعلق فرماتے ہیں ای غیر الحدث من مظان الحدث علامہ عینیؒ نے اس پر اعتراض کیا کہ اگر مظان حدث حدث ہیں تو پھر دغیرہ کہنے کی کیا ضرورت ہے۔ اگر نہیں ہیں تو وہ ناقض وضو نہیں ہیں۔ تو پھر اس کے ذکر کی کیا ضرورت پھر خود ہی فرماتے ہیں کہ دغیرہ کی ضمیر قرأۃ کی طرف راجع ہے۔ یعنی غیر قرأۃ قرآن مثلاً کتابت قرآن اور میرے نزدیک ضمیر حدث کی طرف راجع ہے اور اس سے مراد حدث اکبر ہے۔ حافظ ابن حجرؒ اور علامہ عینیؒ نے یہ صورت اس لئے اختیار نہیں کی۔ کہ امام بخاریؒ اس صورت میں جمہور کے خلاف ہو جائیں گے۔ لیکن میرے نزدیک کوئی اشکال نہیں اس لئے کہ امام بخاریؒ مجتہد ہیں اب جبکہ دغیرہ کی ضمیر حدث کی طرف راجع ہے اور اس سے مراد حدث اکبر ہے تو مطلب یہ ہوا۔ کہ یہ باب ہے قرأۃ القرآن کا بحالت حدث اور بحالت جنابۃ اس صورت میں دو مسئلے ہو گئے۔ ایک اجماعی دوسرا اختلافی۔ اجماعی یہ ہے کہ قرآن پاک کا بلا وضو پڑھنا بالاجماع جائز ہے۔ اور دوسرا مسئلہ اختلافی ہے۔ وہ یہ کہ حالت جنابۃ میں قرآن پڑھنا جائز ہے یا نہیں ظاہریہ کے نزدیک مطلقاً جائز ہے۔ اور یہی امام بخاریؒ نے اختیار کیا ہے اور شافعیہؒ و حنابلہؒ کے نزدیک مطلقاً جائز نہیں اور حنفیہ کے نزدیک مادون الآیۃ تو جائز ہے۔ کیونکہ یہ قرآن نہیں ہے اور اس سے زیادہ جائز نہیں فانہ قرآن اور مالکیہ کے نزدیک ایک آیت جائز ہے کیونکہ یہ قرآن نہیں ہے۔ حضرت عمرؓ نے فتبارک اللہ احسن الخالقین کہہ دیا جو ایک آیۃ ہے تو معلوم ہوا کہ آیت کی تحدی نہیں ہے۔ اور قرآن پاک کی تحدی ہے ہاں مثل اقصر سورۃ جائز نہیں ہے اور اگر دغیرہ کی ضمیر قرآن کی طرف راجع کریں۔ تو اس صورت میں مسئلہ میں کوئی اختلاف نہیں۔ کیونکہ غیر القرآن سے مراد اذکار ہوں گے اور جب قرآن بحالت حدث جائز ہے تو اذکار بدرجہ اولیٰ جائز ہوں گے۔ قال منصور عن ابراھیم الخ چونکہ حمام میل کچیل اور نجاسات دغیرہ زائل کرنے کی جگہ ہے۔ لیکن وہاں بھی قرآن پاک پڑھ سکتا ہے۔ تو اسی طرح حالتِ حدث میں بھی پڑھ سکتا ہے و یکتب الرسالۃ الخ اور لکھنے پڑھنے میں کوئی فرق نہیں۔ لہٰذا پڑھنا بھی جائز ہوگا۔ وقال حماد عن ابراھیم معلوم ہوا کہ حدث کا اعتبار نہیں بلکہ ستر اور عدم ستر کا اعتبار ہے۔ فاضطجعتُ فی عرض الوسادۃ الخ یہ روایت کتاب العلم میں

گذر چکی۔ مگر وہاں یہ جملہ نہیں آیا تھا۔ وسادۃ لغت میں تکیہ کو کہتے ہیں شراح فرماتے ہیں کہ چونکہ تکیہ کے عرض و طول میں سونا کچھ سمجھ نہیں آتا۔ اس لئے یہاں تکیہ بول کر مجازاً گدا مراد لیا گیا ہے۔ اور مطلب یہ ہے کہ حضور اکرم صلعم اور زوجہ مطہرہ تو طول میں لیٹ گئیں۔ اور حضرت ابن عباسؓ پائتین میں لیٹ گئے۔ جیسے عورتیں کرتی ہیں۔ کہ جب بچے زیادہ ہوتے ہیں۔ تو ایک دو کو پہلو میں اور ایک دو کو پیروں کی طرف لٹا دیتی ہیں میرے والد صاحب فرماتے ہیں کہ یہاں معنی مجازی مراد لینے کی کیا ضرورت ہے۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ تکیہ تھا اس کے طول میں سر رکھ کر حضور اکرم صلعم اور زوجہ مطہرہ سو گئیں۔ اور عرض میں سر رکھ کر ابن عباس سو گئے۔ اگر یہاں وسادہ سے مراد گدا لیا جائے۔ ایک تو معنی مجازی مراد لینے پڑتے ہیں دوسرے یہ کہ جب حضرت ابن عباسؓ پیروں کی طرف لیٹیں گے تو اگر انہوں نے کروٹ لی تو ادھر حضور اکرم صلعم کے پاؤں میں آجائیں گے۔ اور اگر ادھر حضور اکرم صلعم نے پیر مبارک پھیلائے تو انہد پر پڑ جائیں گے۔ لہٰذا یہاں اولیٰ یہی ہے کہ معنی حقیقی مراد لئے جائیں۔ کیونکہ شراح کے قول میں تو دو اشکال پیش آجاتے ہیں۔ فجعل یمسح النوم یہاں مقصود یہ ہے کہ اس جملہ سے یہ ثابت ہو گیا کہ قرآن بحالت حدث پڑھنا جائز ہے۔ اس لئے حضور انور صلعم نے بیدار ہونے کے بعد بلا وضو کئے قرآن مجید پڑھا ہے۔ اگر تم یہ کہو کہ حضور اکرم صلعم کا قلب اطہر بیدار رہتا تھا اس لئے آپؐ کا وضو نہ ٹوٹا ہوگا۔ تو ہم ابن عباسؓ کے قول سے استدلال کریں گے وہ فرماتے ہیں صنعت مثل ما صنع یہ اپنے عموم کی وجہ سے قرأۃ آیات کو بھی شامل ہو گیا۔ فوضع یدہ الیمنیٰ یہ تنبیہ کرنے کے لئے اور نیند زائل کرنے کے واسطے تھا۔ ثم رکعتین ثم اوتر اس پر کلام باب الوتر میں آئے گا۔ کہ حضور اکرم صلعم نے رکعتین کتنی مرتبہ پڑھیں اور پھر اس سے ایتار بر کعۃ لازم آتا ہے۔ یا ایتار بثلث رکعات الخ یعنی ایک رکعت کے ساتھ وتر بنائے یا تین رکعات کے ساتھ بنائے۔

باب مَنْ لَمْ يَتَوَضَّأْ اِلَّا مِنَ الْغَشْيِ الْمُثْقَلِ۔

ترجمہ، باب اس شخص کے بارے میں جو صرف غشی مثقل سے ہی وضو کرتا ہے۔

حدیث نمبر ۱۸۰ حَدَّثَنَا اِسْمٰعِيْلُ الخ عَنْ جَدَّتِهَا اَسْمَاءَ بِنْتِ اَبِيْ بَكْرٍ اَنَّهَا قَالَتْ اَتَيْتُ عَائِشَةَ زَوْجَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِيْنَ خَسَفَتِ الشَّمْسُ فَاِذَا النَّاسُ قِيَامٌ يُصَلُّوْنَ فَاِذَا هِيَ قَائِمَةٌ تُصَلِّيْ فَقُلْتُ مَا لِلنَّاسِ فَاَشَارَتْ بِيَدِهَا نَحْوَ السَّمَاءِ وَقَالَتْ سُبْحَانَ اللّٰهِ فَقُلْتُ اٰيَةٌ فَاَشَارَتْ اَنْ نَعَمْ فَقُمْتُ حَتّٰى تَجَلَّانِي الْغَشْيُ وَجَعَلْتُ اَصُبُّ

فَوْقَ رَأْسِي مَاءً فَلَمَّا انْصَرَفَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَحَمِدَ اللّٰهَ وَاَثْنٰى عَلَيْهِ ثُمَّ قَالَ مَا مِنْ شَيْءٍ كُنْتُ لَمْ اَرَهُ اِلَّا قَدْ رَأَيْتُهُ فِي مَقَامِي هٰذَا حَتَّى الْجَنَّةَ وَالنَّارَ وَلَقَدْ اُوْحِيَ اِلَيَّ اَنَّكُمْ تُفْتَنُوْنَ فِي الْقُبُوْرِ مِثْلَ اَوْ قَرِيْبًا مِّنْ فِتْنَةِ الدَّجَّالِ لَا اَدْرِيْ اَيَّ ذٰلِكَ قَالَتْ اَسْمَاءُ يُؤْتٰى اَحَدُكُمْ فَيُقَالُ لَهٗ مَا عِلْمُكَ بِهٰذَا الرَّجُلِ فَاَمَّا الْمُؤْمِنُ اَوِ الْمُوْقِنُ لَا اَدْرِيْ اَيَّ ذٰلِكَ قَالَتْ اَسْمَاءُ فَيَقُوْلُ هُوَ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ جَاءَنَا بِالْبَيِّنَاتِ وَالْهُدٰى فَاَجَبْنَا وَاٰمَنَّا وَاتَّبَعْنَا فَيُقَالُ نَمْ صَالِحًا فَقَدْ عَلِمْنَا اِنْ كُنْتَ لَمُؤْمِنًا وَاَمَّا الْمُنَافِقُ اَوِ الْمُرْتَابُ لَا اَدْرِيْ اَيَّ ذٰلِكَ قَالَتْ اَسْمَاءُ فَيَقُوْلُ لَا اَدْرِيْ سَمِعْتُ النَّاسَ يَقُوْلُوْنَ شَيْئًا فَقُلْتُهٗ۔

ترجمہ، حضرت اسما بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا سے مروی ہے وہ فرماتی ہیں کہ میں اپنی بہن حضرت عائشہ صدیقہ زوجہ محترمہ نبی اکرم صلعم کے پاس اس وقت آئی جبکہ سورج گرہن لگ چکا تھا۔ پس دیکھتی کیا ہوں کہ لوگ کھڑے نماز پڑھ رہے ہیں اور وہ حضرت عائشہ بھی کھڑی نماز پڑھ رہی ہے تو میں نے پوچھا کہ لوگوں کو کیا ہوگیا تو اس نے اپنے ہاتھ سے آسمان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا سبحان اللہ، اللہ کی قدرت ہے میں نے کہا یہ اللہ کی قدرت کی نشانی ہے تو اس نے سر سے اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ہاں! پس میں بھی نماز میں کھڑی ہوگئی۔ تو مجھے بے ہوشی نے ڈھانپ لیا جس کی وجہ سے میں نے اپنے سر کے اوپر پانی ڈالنے لگی۔ پس جب رسول اللہ صلعم نماز سے فارغ ہوئے تو اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنار بیان کی پھر فرمایا کہ جو جو چیزیں میں نے نہیں دیکھی تھیں اس مقام پر ان کو دیکھ لیا ہے حتیٰ کہ بہشت اور دوزخ کو بھی دیکھا اور مجھے وحی کی گئی کہ تم لوگ قبروں اس طرح یا قریب فتنہ دجال کے مبتلا کئے جاؤ گے مجھے یاد نہیں کہ حضرت اسما نے مثل کا لفظ کہا تھا یا قریب کا۔ بہرحال تم میں سے ایک کو لایا جائے گا اور اس سے پوچھا جائے گا۔ کہ اس آدمی کے بارے میں تمہارا کیا علم ہے۔ پس مومن یا موقن یاد نہیں حضرت اسما نے کون سا لفظ بولا تھا۔ وہ تو کہے گا کہ وہ محمد اللہ کے رسول ہیں جو ہمارے پاس واضح دلائل اور ہدایت لائے ہم نے آپؐ کی دعوت کو قبول کیا، ایمان لائے اور آپؐ کی پیروی کی تو کہا جائے گا کہ تو ٹھیک ٹھاک سو جا۔ ہم نے علامتوں سے جان لیا تھا کہ تو مومن ہوگا۔ لیکن منافق یا شک کرنے والا نہیں معلوم حضرت اسما نے کون سا لفظ کہا تھا وہ کہے گا کہ میں تو نہیں جانتا لوگوں سے سنا تھا وہ ایک

بات کہتے تھے مَیں نے بھی اسے کہہ دیا۔

تشریح از شیخ مدنیؒ مصنفؒ کا مسلک نوم کے بارے میں بھی وہی ہے جو امام مالکؒ کا ہے کہ نوم کثیر ناقض وضو ہے خواہ وہ کسی حالت میں ہو اور نوم قلیل ناقض نہیں ہے۔ اس کو غشی مثقل سے تعبیر کیا گیا۔ جب غشی غیر مثقل ناقض نہیں جیسے حضرت اسماؓ بیان کرتی ہیں کیونکہ وہ اپنے اوپر پانی ڈالتی تھیں ہوش وحواس باختہ نہیں ہوئے تھے تو معلوم ہوا کہ مطلق نوم ناقض نہیں ہے۔

تشریح از شیخ زکریاؒ غشی دو قسم ہوتی ہے۔ ایک مثقل دوسری مخفف۔ مخفف یہ ہے کہ حواس پورے طور پر زائل نہ ہوں۔ بلکہ کچھ باقی رہیں۔ اور مثقل یہ ہے کہ حواس پورے زائل ہو جائیں اور کچھ خبر نہ رہے مثقل تو سب کے نزدیک ناقض وضو ہے البتہ مخفف کے اندر بعض علماً کا قول یہ ہے کہ وہ بھی ناقض ہے یہاں سے امام بخاریؒ ان لوگوں پر رد فرماتے ہیں جو مطلق غشی کو ناقض قرار دیتے ہیں۔ فقلت تجلانی الغشی حضرت امام بخاریؒ نے استدلال فرمایا ہے کہ دیکھو نماز بھی پڑھ رہی تھیں وغشی مخفف بھی تھی جب ہی تو سر پر پانی ڈال رہی تھیں۔ فیقال لہٗ ماعلمک بھذا الرجل اس میں بحث گذر چکی ہے پانچ وجوہ بیان ہوئی تھیں اوّل یہ کہ اصل میں محمد ہے جیسا کہ دوسری روایت میں ہے راوی نے بھذا الرجل بنا دیا۔ دوسرے یہ کہ فرشتہ ھٰذا الرجل کے ساتھ دریافت کرے گا۔ کیونکہ مقصود امتحان ہے اور امتحان میں اخفا ہوتا ہے اور تیسرے یہ کہ حضور اقدس صلعم کی شبیہ مبارک سامنے لائی جائے گی۔ اور چوتھے یہ کہ وہ عالم برزخ ہے اس لئے وہاں پردے حائل نہ ہوں گے اس وجہ سے حضور اقدس صلعم اپنی قبر اطہر ہی سے لوگوں کو نظر آئیں گے اور فرشتہ آپؐ کی طرف اشارہ کر کے سوال کرے گا۔ اور پانچویں کہ حضور کریم صلعم بنفس نفیس تشریف لائیں گے۔ فقد علمنا ان کنت مؤمنا یعنی ہم تجھ کو تیرے چہرے سے ہی پہچان گئے تھے کہ تو مسلمان ہے۔ اور بھائی بات بھی یہی ہے کہ اچھا اور برا آدمی چہرے سے ہی پہچان لیا جاتا ہے شیعوں کو دیکھو ان کے چہروں پر لعنت برستی ہے۔

باب مَسْحِ الرَّأْسِ كُلِّهٖ لِقَوْلِهٖ تَعَالٰى وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَقَالَ ابْنُ الْمُسَيَّبِ الْمَرْأَةُ بِمَنْزِلَةِ الرَّجُلِ تَمْسَحُ عَلٰى رَأْسِهَا وَسُئِلَ مَالِكٌ اَيُجْزِئُ اَنْ يَّمْسَحَ بَعْضَ رَأْسِهٖ فَاحْتَجَّ بِحَدِيْثِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ زَيْدٍ۔

ترجمہ باب سارے سر کا مسح کرنا بوجہ اللہ تعالیٰ کے قول فامسحوا برؤسکم اور حضرت سعید بن

المسیبؒ فرماتے ہیں کہ عورت بھی مرد کی طرح سارے سر کا مسح کرے اور حضرت مالکؒ سے پوچھا گیا کہ کیا سر کے بعض حصہ کا مسح کرنا جائز ہے یا کافی ہوگا۔ تو انہوں نے حضرت عبداللہ بن زید کی حدیث سے دلیل قائم کی

حدیث نمبر ۱۸۱ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوْسُفَ الخ اَنَّ رَجُلًا قَالَ لِعَبْدِ اللّٰهِ بْنِ زَيْدٍ وَهُوَ جَدُّ عَمْرِو بْنِ يَحْيٰى اَتَسْتَطِيْعُ اَنْ تُرِيَنِيْ كَيْفَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَوَضَّأُ فَقَالَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ زَيْدٍ نَعَمْ فَدَعَا بِمَاءٍ فَاَفْرَغَ عَلٰى يَدِهٖ فَغَسَلَ يَدَهٗ مَرَّتَيْنِ ثُمَّ مَضْمَضَ وَاسْتَنْثَرَ ثَلٰثًا ثُمَّ غَسَلَ وَجْهَهٗ ثَلٰثًا ثُمَّ غَسَلَ يَدَيْهِ مَرَّتَيْنِ مَرَّتَيْنِ اِلَى الْمِرْفَقَيْنِ ثُمَّ مَسَحَ رَأْسَهٗ بِيَدَيْهِ فَاَقْبَلَ بِهِمَا وَاَدْبَرَ بَدَاَ بِمُقَدَّمِ رَأْسِهٖ حَتّٰى ذَهَبَ بِهِمَا اِلٰى قَفَاهُ ثُمَّ رَدَّهُمَا اِلَى الْمَكَانِ الَّذِیْ بَدَاَ مِنْهُ ثُمَّ غَسَلَ رِجْلَيْهِ (الحدیث)

ترجمہ، ایک آدمی جو عمرو بن یحییٰ کے دادا تھے انہوں نے حضرت عبداللہ بن زیدؓ سے کہا کہ آپ ہمیں جناب رسول اکرم صلعم کے وضو کرنے کا طریقہ دکھا سکتے ہیں انہوں نے فرمایا ہاں بیشک تو انہوں نے پانی منگایا اور اپنے ہاتھ پر ڈالا پھر ہاتھ تو دو مرتبہ دھویا۔ پھر کلی کو تین مرتبہ اور تین مرتبہ ناک کو جھاڑا پھر تین مرتبہ اپنے چہرے کو دھویا۔ پھر اپنے دونو ہاتھوں کو کہنیوں تک دو دو مرتبہ دھویا پھر دونوں ہاتھوں سے اپنے سر کا اس طرح مسح کیا کہ دونو ہاتھوں آگے لے آئے اور پھر پیچھے لے گئے اور ابتدا سر کے اگلے حصہ سے کی پھر ان دونو ہاتھوں کو گدی تک لے گئے۔ پھر ان دونو ہاتھوں کو اس جگہ تک لوٹایا جہاں سے شروع کیا تھا۔ پھر اپنے دونو پاؤں دھوئے۔

تشریح از شیخ مدنیؒ، مصنفؒ بھی امام مالکؒ اور امام احمدؒ کے قول کے مطابق جمیع راس کے مسح کو فرض کہتے ہیں استدلال آیت کریمہ وامسحوا برؤسکم سے ہے اور راس منبت شعر سے لے کر قفا (یعنی گدی) تک کو کہتے ہیں مگر جمہور راس کو اسم جنس قرار دیتے ہیں۔ اس لئے امام شافعیؒ شعرۃ واحدۃ (ایک بال) کے مسح کی فرضیت کے قائل ہیں۔ اور امام صاحبؒ آیت کو مجمل قرار دیتے ہیں اور بعض روایات سے جو استیعاب معلوم ہوتا ہے۔ اور بعض سے مسح علی الناصیتہ تو وہ مسح علی الناصیتہ تو وہ مسح علی الناصیتہ کو فرض اور استیعاب کو مستحب کہتے ہیں۔

تشریح از شیخ زکریاؒ حضرت امام بخاریؒ معمولات کے بیان سے فارغ ہو گئے اور اس کے

متعلقات بھی بیان کر چکے تو اب ممسوحات کا ذکر فرماتے ہیں یہاں مسح الرأس کا ذکر ہے اس کے بعد مسح الخفین کا ذکر فرمائیں گے۔ مسح الرأس میں ائمہ کے مذاہب یہ ہیں۔ مالکیہؒ اور حنابلہؒ کے نزدیک استیعاب فرض ہے۔ اور یہی امام بخاریؒ کا مذہب ہے اور حنفیہؒ کے یہاں ناصیۃ والی روایت کی بنا پر چار انگلی کے بقدر فرض ہے اور شوافعؒ کے ہاں ادنیٰ کا یطلق علیہ اسم المسح ولو کان بقدر ثلاث شعرات مگر بھائی پورے سر کا مسح کر لیا کرو۔ کیونکہ اس میں اپنے امام کی مخالفت لازم نہیں آتی۔ اور حق ان چاروں مذاہب کے اندر دائر ہے۔ اگر پورے سر کا مسح نہ کیا تو دو اماموں کے مذہب کی بنا پر نماز نہ ہوگی۔ اس لئے بہت خیال رکھو۔ وقال ابن المسیب المرأۃ بمنزلۃ الرجل الخ یعنی عورت کے لئے بھی مرد کی طرح مسح راس کا حکم ہے اور یہاں بھی مقدار فرض کے اندر وہی اختلاف ہے جو مرد کے لئے مسح راس میں ہے۔ البتہ امام احمدؒ کے نزدیک عورت کے لئے استیعاب شرط نہیں ہے وسئل مالکؒ یعنی حضرت امام مالکؒ سے سوال کیا گیا کہ بعض راس کا مسح کرنا کافی ہے تو انھوں نے عدم جواز مسح بعض الراس پر عبداللہ بن زید کی روایت سے استدلال کیا۔ کیونکہ اس میں بدء بمقدم راس الخ سے استیعاب معلوم ہوتا ہے۔ ان رجلاً قال بخاری کی روایت بالکل صاف ہے اور ھو کی ضمیر رجلا کی طرف راجع ہے کہ ایک آدمی نے عبداللہ بن زید سے یہ کہا۔ اور وہ رجل عمرو بن یحیٰی کے دادا ہیں یہاں ایک بات سنو! چونکہ دادا کے بھائی اور باپ کے چچا بھی دادا ہی ہوا کرتے ہیں اس لئے یہاں پر جد سے تعبیر کر دیا ورنہ حقیقتاً وہ رجل عمرو بن یحیٰی کے حقیقی دادا نہیں ہیں بلکہ حقیقی دادا تو عمارہ بن ابی حسن ہیں اور سلسلۂ نسب یوں ہے۔ عمرو بن یحیٰی بن بن عمارۃ بن ابی الحسن اور وہ رجل عمرو بن ابی حسن ہیں جو عمارہ بن ابی الحسن کے بھائی ہیں۔ بہرحال بخاری کی روایت میں تو کوئی اشکال نہیں لیکن ابوداؤد شریف اور موطا امام مالکؒ کی روایات میں کسی راوی سے اختصار واقع ہوگیا۔ اور اس نے ان رجلاً کو حذف کر دیا۔ اب وہاں عبارت یہ رہ گئی عن ابیہ انہ قال لعبداللہ بن زید وھو جد عمرو بن یحیٰی اس صورت میں ضمیر عبداللہ بن زید کی طرف لوٹتی ہے۔ مگر یہ عبداللہ بن زید عمرو بن یحیٰی کے اجداد میں سے نہیں ہیں۔ اس لئے شراح اس کی توجیہ یہ کرتے ہیں کہ وہ من قبل الام رضاعی ہوں گے مگر یہ سب غلط ہے صحیح وہی ہے جو بخاری کی روایت میں ہے فاقبل بھما وادبر اقبال کے معنی ہیں پیچھے سے آگے کی طرف آنا۔ اور ادبار کے معنی ہیں آگے سے پیچھے کو جانا اس سے

معلوم ہوتاہے کہ ابتدا پیچھے کی جانب سے کی۔ اور آگے جو جملہ مفسراً آرہا ہے یعنی بدء بمقدم رأسہ اس کا تقاضا یہ ہے کہ ابتدا آگے کی جانب سے فرمائی لہٰذا جملتین میں تعارض ہو گیا بعض حضرات نے جملہ اولیٰ یعنی فاقبل بھما وادبر کو دیکھ کر یہ کہہ دیا کہ وہ کسی راوی کی تفسیر ہے اور مدرج ہے۔ اسی لئے وکیع وغیرہ کہتے ہیں کہ مؤخر راس سے ابتدا کرنی چاہیئے۔ مگر ادراج کا دعویٰ صحیح نہیں ہے اور جمہور یہ کہتے ہیں کہ بدایتہ من مقدم الرأس سنت ہے اور بدء بمقدم راسہ سے استدلال کرتے ہیں اس کے مفسر ہونے کی وجہ سے اب فاقبل بھی وادبر ان کے خلاف پڑتا ہے۔ تو جمہور اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ اقبال باب افعال سے ہے جس کا خاصہ صاحب الماخذ ہونا بھی ہے۔ تو یہاں مطلب یہ ہے کہ صاحب القبل ہو گئے اس صورت میں تخالف نہ رہا۔ کیونکہ مطلب یہ ہوا کہ بدء بقبل الرأس اور دوسرا جواب اس سے اولیٰ یہ دیا گیا ہے کہ فاقبل بھی وادبر میں واؤ ترتیب کے لئے نہیں ہے بلکہ مطلق جمع کے لئے ہے۔ اور اس پر دلیل باب الوضوء من التور میں فادبر بہ واقبل ہے وہاں ادبار کو مقدم کر دیا الغرض امام بخاریؒ نے کلہ کی قید لگا کر مسح راس میں استیعاب کی طرف اشارہ فرما دیا فاقبل بھما وادبر الخ میرے والد صاحبؒ کہ روایت جس سے مؤخر راس سے ابتدا کرنا معلوم ہوتا ہے۔ اور ایسے ہی ربیع بنت معوذ والی روایت جس کے اندر کل جھۃ لمنصب شعرہ وکما قال کے الفاظ وارد ہیں کہ سر کے مسح کے لئے ماء جدید لیتے۔ اور سر کا مسح کرتے تھے جس طرف بالوں کا رخ ہوتا تھا یہ دونوں روایتیں عارضی اور ایک خاص وقت کے لئے ہیں اور وہ یہ کہ حضور اقدس صلعم بال رکھتے تھے۔ اور حضرت عائشہؓ بالوں میں کبھی کبھی مانگ بھی نکال لیا کرتی تھیں۔ تو اس وقت حضور انور صلعم پہلے سر کے پچھلے حصہ کا مسح فرمایا کرتے تھے اور اس کے بعد آگے کے حصہ کا مسح فرماتے تھے۔ اس طرح پر کہ مانگ خراب نہ ہو۔ اور ابتدا مؤخر راس سے اس لئے کرتے تھے۔ کہ اگر مقدم راس پر پہلے مسح کریں گے تو سر کے پیچھے بال کھڑے ہو جائیں گے اور جب مؤخر کا مسح کریں گے تو ان کے دبنے سے آگے کے بال کھڑے ہو جائیں گے۔ اس صورت میں مانگ خراب ہو جائے گی۔ اس لئے ابتدا مؤخر راس سے کرتے تھے۔ اور عام حالات کے اندر ابتدا مقدم راس سے فرماتے ہیں اور دو یا تین مرتبہ پانی لینے کی ضرورت جدید پانی کے لئے ضرورت نہیں پڑتی تھی۔ اس جواب پر تمام احادیث میں جمع ہو جائے گا۔

باب غَسْلِ الرِّجْلَيْنِ إِلَى الْكَعْبَيْنِ، ترجمہ، پاؤں کو ٹخنوں تک دھونا۔

حدیث نمبر ۱۸۲ حَدَّثَنَا مُوسیٰ الخ شَهِدْتُ عَمْرَو بْنَ اَبِیْ حَسَنٍ سَاَلَ عَبْدَاللّٰهِ بْنَ زَیْدٍ عَنْ وُضُوْءِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَدَعَا بِتَوْرٍ مِّنْ مَّاءٍ فَتَوَضَّاَ لَهُمْ وُضُوْءَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَاَكْفَاَ عَلٰی یَدَیْهِ مِنَ التَّوْرِ فَغَسَلَ یَدَیْهِ ثَلٰثًا ثُمَّ اَدْخَلَ یَدَهٗ فِی التَّوْرِ فَمَضْمَضَ وَاسْتَنْشَقَ وَاسْتَنْثَرَ ثَلٰثَ غَرَفَاتٍ ثُمَّ اَدْخَلَ یَدَهٗ فَغَسَلَ وَجْهَهٗ ثَلٰثًا ثُمَّ اَدْخَلَ یَدَهٗ فَغَسَلَ یَدَیْهِ مَرَّتَیْنِ اِلَی الْمِرْفَقَیْنِ ثُمَّ اَدْخَلَ یَدَهٗ فَمَسَحَ رَاْسَهٗ فَاَقْبَلَ بِهِمَا وَاَدْبَرَ مَرَّةً وَّاحِدَةً ثُمَّ غَسَلَ رِجْلَیْهِ اِلَی الْكَعْبَیْنِ۔

ترجمہ، حضرت عبداللہ بن زیدؓ سے جناب نبی اکرم صلعم کے وضوء کے متعلق پوچھا تو انہوں نے پانی کا ایک تھال (پیتل کا یا پتھر کی ٹھلیا) منگوائی اور ان کے لیے حضور نبی اکرم صلعم جیسا وضو کر کے دکھایا چنانچہ اس تھال سے اپنے دونو ہاتھوں پر پانی انڈیلا دونو ہاتھ تین مرتبہ دھونے پھر تھال میں ہاتھ داخل کر کے پانی لیا تو کلی کی۔ ناک میں پانی دیا اور ناک کو جھاڑا یہ سب تین چلو پانی سے کیا پھر ہاتھ داخل کر کے پانی لیا اور تین مرتبہ اپنے چہرہ کو دھویا پھر ہاتھ داخل کر کے پانی لیا۔ تو دونو ہاتھوں کو کہنیوں تک دو مرتبہ دھویا۔ پھر ہاتھ داخل کر کے پانی لیا اور اپنے سر کا مسح کیا ایک ہی مرتبہ دونو ہاتھوں کو آگے بھی لے گئے اور پیچھے بھی لاتے پھر ٹخنوں تک دونو پاؤں کو دھویا۔

تشریح از شیخ زکریا مشائخ درس کی رائے یہ ہے کہ امام بخاریؒ نے یہ باب ذکر کر کے رجل کا محل غسل بتادیا کہ مسح راس کے بعد ہے۔ مگر یہ صحیح نہیں۔ کیونکہ اب تک تو امام بخاریؒ کو ترتیب اعضاء وضو کا خیال نہ آیا۔ اور اب ترتیب شروع کردی۔ لیکن یہاں بات یہ ہے کہ یہ باب سابق کا تکملہ ہے اور امام بخاریؒ اس سے بھی استیعاب راس ثابت فرما رہے ہیں کہ جب رجلین جو کہ اعضائے وضو میں سے ہے اس کو کامل دھویا جاتا ہے۔ تو مسح بھی سارے سر کا ہوگا۔ اور دوسرا یہ کہ سنن کی روایات میں الاذنان من الراس آیا ہے۔ وہ تو امام بخاریؒ کی شرط کے مطابق نہیں ہے لہٰذا اس کو تو ذکر نہیں فرمایا۔ البتہ اس کی طرف ایک لطیف اشارہ فرمایا۔ کہ جیسے رجلین کعبین تک دھوتے جاتے ہیں اسی طرح اذنان سر کے لیے کعبین ہیں لہٰذا ان کا بھی مسح ہونا چاہیے۔

باب اسْتِعْمَالِ فَضْلِ وَضُوْءِ النَّاسِ وَاَمَرَ جَرِیْرُ بْنُ عَبْدِاللّٰهِ اَهْلَهٗ اَنْ یَّتَوَضَّؤُا بِفَضْلِ سِوَاكِهٖ۔

ترجمہ، لوگوں کے وضو کے بچے ہوئے پانی کو استعمال کرنا حضرت جریر بن عبداللہ رضہ نے اپنے گھروالوں کو حکم دیا کہ وہ ان کے مسواک کے بچے ہوئے پانی سے وضو کریں۔

حدیث نمبر ۱۸۳ حدثنا آدم الخ سمعت ابا جحیفۃ یقول خرج علینا النبی صلی اللہ علیہ وسلم بالھاجرۃ فاتی بوضوء فتوضأ فجعل الناس یأخذون من فضل وضوئہ فیتمسحون بہ فصلی النبی صلی اللہ علیہ وسلم الظہر رکعتین والعصر رکعتین وبین یدیہ عنزۃ وقال ابو موسی دعا النبی صلی اللہ علیہ وسلم بقدح فیہ ماء فغسل یدیہ ووجہہ فیہ ومج فیہ ثم قال لھما اشربا منہ وافرغا علی وجوھکما ونحورکما (الحدیث)

ترجمہ، حضرت حکم فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوجحیفہ رضہ کو کہتے ہوئے سنا کہ جناب نبی اکرم صلعم ایک دن دوپہر کے وقت ہمارے پاس تشریف لائے۔ آپؐ کے پاس پانی لایا گیا جس سے آپؐ نے وضو فرمایا تو آپؐ کے وضو سے بچے ہوئے پانی کو لے کر لوگ وہ پانی اپنے کو ملنے لگے۔ پھر حضور نبی اکرم صلعم نے ظہر کی دو اور عصر کی دو رکعتیں اسی حال میں پڑھیں کہ آپؐ کے سامنے چھوٹے نیزے کا سترہ تھا۔ اور ابوموسیٰ اشعری رضہ فرماتے ہیں کہ جناب نبی اکرم صلعم نے ایک پیالہ منگایا جس میں پانی تھا۔ آپؐ نے اپنے دونو ہاتھ اور چہرہ کو اس پیالے میں دھویا اور اسی میں کلی بھی کی پھر فرمایا کہ تم دونو اس کو پیو اور اپنے چہرے اور سینے پر ڈالو۔

تشریح از شیخ مدنیؒ فضل وضوء الناس الخ اس میں دو احتمال ہیں ایک تو وہ غیر مستعمل پانی جو برتن میں رہ گیا ہے۔ دوسرا وہ جو مستعمل ہے ایسے پانی کے بارے میں ائمہ کا اختلاف ہے، امام صاحبؒ اس ماء مستعمل کو نجس کہتے ہیں امام مالکؒ اور امام بخاریؒ اس کو طاہر مطہر کہتے ہیں۔ اس ماء مستعمل پر روایات اس پر منطبق نہیں ہوں گی۔ آپؐ کے تھوکنے اور صحابی کے افتخار سے پانی کا طاہر اور مطہر ہونا مفہوم ہوتا ہے۔ جو لوگ اسے نجس کہتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ یہ آپؐ کی خصوصیت تھی ہر ایک ماء مستعمل ایسا نہیں ہوتا یا یہ ماء مستعمل ہی نہیں تھا۔ اس لئے کہ ماء مستعمل تو وہ ہوتا ہے جو تقرب کے طور پر استعمال کیا جائے اور یہ پانی مج کے لئے استعمال کیا گیا تو پھر نجاست کا ثبوت کیسے ہوگا۔ اور شراح ماء باقی بعد الاستعمال پر محمول کرتے ہیں۔ اگرچہ اس میں قطرات پڑ جاتے ہیں۔ مگر چونکہ ماء مستعمل کا غلبہ نہیں اس لئے اس کی

طہارت کا ازالہ نہ ہوگا۔ اکثر شراح کا یہی بیان ہے۔

حدیث نمبر ۱۸۴ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ الخ قَالَ اَخْبَرَنِي مَحْمُوْدُ بْنُ الرَّبِيْعِ قَالَ وَهُوَ الَّذِي مَجَّ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ وَجْهِهِ وَهُوَ غُلَامٌ مِّنْ بِئْرِهِمْ وَقَالَ عُرْوَةُ عَنِ الْمِسْوَرِ وَغَيْرِهِ يُصَدِّقُ كُلُّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا صَاحِبَهُ وَاِذَا تَوَضَّاَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَادُوْا يَقْتَتِلُوْنَ عَلٰى وَضُوْئِهِ (الحدیث)

ترجمہ: ابن شہاب زہریؒ فرماتے ہیں کہ محمود بن الربیع نے خبر دی یہ وہ صحابی ہیں کہ جب وہ بچے تھے تو ان کے کنوئیں کے پانی سے آپ نبی اکرم صلعم نے ان کے چہرے پر تھوکا تھا۔ عروۃ مسور اور دوسرے سے روایت کرتے ہیں کہ ان میں سے ہر ایک دوسرے کی تصدیق کرتا تھا کہ جب نبی اکرم صلعم وضو کرتے تھے تو لوگ آپؐ کے وضو کے پانی پر لڑتے تھے۔

تشریح از شیخ زکریاؒ فضل کے معنی بچے ہوئے کے ہیں اور اس پانی میں دو احتمال ہیں ایک وہ پانی جو وضو کرنے کے بعد لوٹے میں بچ جاتے اور دوسرا وہ جو اعضا وضو پر بہا دیا جائے جس کو ماء مستعمل کہتے ہیں یہاں پر علماء کے دو نو قول ہیں۔ مگر میری رائے یہ ہے کہ اس کے بعد باب بلا ترجمہ آرہا ہے اور باب بلا ترجمہ باب سابق کا جزو ہوا کرتا ہے۔ تو امام بخاریؒ نے اس باب میں تو فضل یعنی ماء مستعمل مراد لیا۔ اور دوسرے میں فضل یعنی باقی فی الاناء بعد الوضوء کو ذکر فرمایا ہے۔ بظاہر باب کی مناسبت معلوم نہیں ہوتی۔ لیکن میری رائے یہ ہے کہ چونکہ مسح راس کا ذکر فرمایا تھا۔ اور روایۃ میں بدّ بمقدم رأسہ الخ ہے تو جب سر پر ہاتھ رکھ کر پھیریں گے تو ماء مستعمل کا استعمال لازم آتا ہے۔ کیونکہ جو پانی ہاتھوں میں لگا ہوا ہے وہ سر کے کچھ حصے سے الگ ہو چکا ہے۔ تو اس سے امام بخاریؒ نے ماء مستعمل کی طہارت ثابت فرمائی۔ علماء کے مذاہب اس میں یہ ہیں کہ مالکیہؒ کے یہاں طہور ہے اور شوافعؒ اور حنابلہؒ کے یہاں طاہر ہے۔ حنفیہؒ کے یہاں دو روایتیں ہیں ایک طہارت ایک نجاست کی ہم یہ جواب دیتے ہیں کہ ابھی وہ مستعمل کہاں ہوا ہے۔ ابھی تو وہ ہاتھ ہی کو لگ رہا ہے امام بخاریؒ کا رجحان مالکیہؒ کی طرف ہے۔

ان یتوضوا بفضل سواکہ یعنی حضرت جریر بن عبداللہؓ اپنی مسواک پانی میں ڈال ڈال کر مسواک کرتے تھے۔ اور اپنے گھر والوں کو اس سے وضو کرنے کا حکم دیتے تھے تو یہاں ماء مستعمل کا استعمال لازم آیا۔ کیونکہ اسی پانی میں استعمال کی ہوئی۔ مسواک ڈالی جاتی تھی۔ لہٰذا اگر ماء مستعمل طاہر نہیں تھا تو حضرت

جریرؓ نے ایسا کیوں کیا؟ فجعل الناس یاخذون بہ ماٌ مستعمل ہوا کیونکہ اگر لوٹے کا بچا ہوا ہوتا تو کوئی ایک لے لیتا بین یدیہ عنزۃ اس کا ترجمہ سے کوئی تعلق نہیں فغسل یدیہ و وجہہ فیہ یہ ماٌ مستعمل ہوگیا ثم قال لھما اشربا الخ یہ کتاب المغازی کی روایت ہے ان میں ایک حضرت بلال تھے اور دوسرے ان کے کوئی اور ساتھی تھے۔ اس سے بھی ماٌ مستعمل کی طہارت معلوم ہوئی جب ہی تو پینے کا امر فرمایا و افرغا علی وجوھکما و نحور کما یہ تبرک کے لئے فرمایا و ھو الذی مج رسول اللہ صلعم فی وجہہ یہ روایت متی یصح سماع الصغیر میں کتاب العلم کے اندر گذر چکی ہے۔ یہ بھی ماٌ مستعمل بن گیا کہ حضور اقدس صلعم نے اس میں کلی فرمادی وقال عروۃ الخ یہ صلح حدیبیہ کی ایک طویل روایت کا ٹکڑا ہے جو کتاب الشروط میں آرہی ہے۔ اس میں یہ ہے کہ عروہ نے جاکر دیکھا کہ حضور اکرم صلعم وضو فرمارہے تھے اور صحابہ کرام اس پانی پر جو گر رہا تھا۔ ٹوٹے پڑتے تھے وہ جب قریش کے پاس گئے تو کہنے لگے کہ میں بڑے بڑے بادشاہوں کے یہاں گیا ہوں۔ کسی کے مصاحبین اس طرح اس کی عزت نہیں کرتے جس طرح کہ محمد صلعم کے اصحاب کرتے ہیں۔ کہ ایک قطرہ پانی کا زمین پر نہیں گرنے دیتے اور اپنے چہرے اور سینے پر ملتے ہیں۔ اگر کسی کو وہ پانی نہیں ملتا تو وہ اپنے دوسرے ساتھی سے لے کر اپنے چہرے اور سینے پر مل لیتا ہے۔ یہ روایت میرے لئے اس بات پر دلیل ہے کہ امام بخاریؒ نے اس باب میں فضل سے مستعمل مراد لیا ہے۔ کیونکہ یہاں جو واقعہ ہے۔ وہ حدیبیہ کا ہے۔ یصدق کل واحد منھما صاحبہ اس کا مطلب یہ ہے کہ عروہ نے مسور کے علاوہ ایک دوسرے سے بھی یہ روایت نقل کی ہے۔ سب کے مضمون ایک ہیں اور ایک دوسرے کی تصدیق کرتے ہیں۔ استعمال فضل وضو میں حضرت امام ابوحنیفہؒ کا مرجوع عنہ قول یہ ہے کہ وہ نجس ہے چونکہ امام صاحبؒ پر ایک دور ایسا گذرا ہے۔ کہ ان پر اس چیز کا انکشاف ہوجاتا تھا کہ پانی سے کون کون سے گناہ معاف ہوئے۔ تو اس لحاظ سے پہلے وہ اس کی نجاست کا حکم لگاتے تھے لیکن بعد میں انہوں نے بہت دعائیں کیں۔ کہ اے اللہ مجھ سے لوگوں کے عیوب چھپا لیجئے۔ چنانچہ دعا قبول ہوئی۔ اس کے بعد پہلے قول سے رجوع فرمالیا۔ ان یتوضأ بفضل سواکہ الخ شراح کو یہاں یہ اعتراض ہے کہ یہ جملہ ترجمۃ الباب کے بالکل مناسب نہیں مگر میری رائے یہ ہے کہ للغم مسواک کے متعلق فرمایا گیا ہے۔ السواک مطھرۃ للفم اور وضو بھی مطھرۃ للبدن ہے چونکہ دونوں میں مطہرۃ ہونے کی صفت مشترک ہے اس لئے اس جملہ کو ذکر فرمایا قال ابوموسیٰ الخ سے بھی امام بخاریؒ نے استدلال کیا ہے۔ کہ فضل ماٌ طاہر ہے۔

حدیث نمبر ۱۸۵ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ يُونُسَ الخ سَمِعْتُ السَّائِبَ بْنَ يَزِيْدَ يَقُوْلُ ذَهَبَتْ بِيْ خَالَتِيْ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ ابْنَ اُخْتِيْ وَقِعٌ فَمَسَحَ رَأْسِيْ وَدَعَالِيْ بِالْبَرَكَةِ ثُمَّ تَوَضَّأَ فَشَرِبْتُ مِنْ وَضُوْئِهٖ ثُمَّ قُمْتُ خَلْفَ ظَهْرِهٖ فَنَظَرْتُ اِلٰى خَاتَمِ النُّبُوَّةِ بَيْنَ كَتِفَيْهِ مِثْلَ زِرِّ الْحَجَلَةِ۔

ترجمہ، حضرت سائب بن یزید سے میں نے سنا وہ فرماتے تھے مجھے میری خالہ جناب نبی اکرم صلعم کی خدمت میں لی گئیں اور کہنے لگیں یا رسول اللہ میرے بھانجے کو مرض لاحق ہو گیا ہے۔ تو آپ نے میرے سر پر ہاتھ پھیرا اور میرے لئے برکت کی دعا فرمائی پھر وضو فرمایا تو میں نے آپ کے بچے ہوتے پانی سے پیا، اور آپ کی پیٹھ کی طرف کھڑا ہو گیا۔ تو آپ کے دونو کندھوں کے درمیان چھپر کھٹ کی گھنڈی کی طرح مہر نبوت دیکھی۔

تشریح از شیخ مدنیؒ بظاہر باب سابق سے مناسبت معلوم نہیں ہوتی مگر یوں مناسبت ہو سکتی ہے کہ جب ما مستعمل سے شفا طلب کی جا سکتی ہے وہ طاہر ہو گا نجس سے شفا کیسے طلب کی جاتی ہے وَقِعٌ مرض لاحق ہو گیا۔ زر الحجلہ حجلہ یعنی چھپر کھٹ جو عروس (دلہن) کے لئے تیار کیا جاتا ہے اور ممکن ہے کہ حجلہ سے کبک اور کبوتری مراد ہو زر (گھنڈی) کو کہتے ہیں جو کہ کبوتری کے انڈے کے برابر ہوتی ہے اگر کبک مراد ہو تو پھر اس کا انڈا مراد ہو گا۔ چنانچہ بعض نسخوں میں رزّ بھی ہے۔ رز کے معنی بیضہ یعنی انڈے کے ہیں۔

تشریح از شیخ زکریاؒ باب یہ باب بلا ترجمہ ہے حضرت مولانا گنگوہیؒ کی رائے یہ ہے کہ چونکہ آنے والی روایت میں احتمال یہ ہے کہ ما باقی فی الاناء مراد ہو تو باب اول کے مغائر ہے یا ما مستعمل فی الاعضاء ہو تو موافق ہوگی اور اس میں خاتم کا ذکر بھی تھا۔ اس لئے تنبیہ کے واسطے باب باندھ دیا۔ میری رائے یہ ہے کہ اول سے ما مستعمل اور دوسرے ما بقی فی الاناء کے متعلق کلام فرما رہے ہیں چونکہ امام بخاریؒ نے فضل یعنی المستعمل کا حکم بیان کیا تھا اس لئے تبعاً فضل یعنی الباقی کو بھی ذکر فرما دیا وَقِعٌ یعنی وجع یعنی درد ہے۔ فمسح راسی بعض علماء کہتے ہیں کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بیماری سر میں تھی۔ اور میں کہتا ہوں کہ سر میں ہونا کوئی ضروری نہیں۔ بلکہ بچوں کے سر پر تو ہاتھ پھیرا ہی کرتے ہیں فشربت من وضوئہ یہاں میرے نزدیک وضو سے ما بقی فی الاناء مراد ہے۔ کیونکہ فضل یعنی المستعمل تو گذر چکا۔

مثل قدالحجلۃ یہ لفظ دوطرح سے پڑھا گیا ہے۔ ایک بتقدیم الزا علی الرا اس وقت اس کے معنی گھنڈی کے ہوں گے اور حجلہ کے معنی مسہری کے ہیں بڑے اور امیر لوگوں کے یہاں شادیوں میں مسہری کے اندر گھنڈیاں استعمال کرنے کا رواج ہے اور دوسرے رز بتقدیم الرا علی الزا اس وقت اس کے معنی انڈے کے ہوں گے اور حجلہ کے معنی اس وقت میں ایک پرندہ ہوگا۔ جو کبوتر کے برابر ہوتا ہے۔ یہ روایت کتاب الشمائل کی ہے۔ یہاں الفاظ کی حیثیت سے کلام کر دیا۔

باب مَنْ مَضْمَضَ وَاسْتَنْشَقَ مِنْ غَرْفَةٍ وَّاحِدَةٍ۔

ترجمہ۔ باب اس شخص کے بارے میں جو ایک چلو سے کلی اور ناک میں پانی دیتا ہے۔

حدیث نمبر ۱۸۶ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ الخ عَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ زَیْدٍ اَنَّہٗ اَفْرَغَ مِنَ الْاِنَاءِ عَلٰی یَدَیْہِ فَغَسَلَھُمَا ثُمَّ غَسَلَ اَوْ مَضْمَضَ وَاسْتَنْشَقَ مِنْ کَفَّۃٍ وَّاحِدَۃٍ فَفَعَلَ ذٰلِکَ ثَلٰثًا فَغَسَلَ یَدَیْہِ اِلَی الْمِرْفَقَیْنِ مَرَّتَیْنِ مَرَّتَیْنِ وَمَسَحَ بِرَاْسِہٖ مَا اَقْبَلَ وَمَا اَدْبَرَ وَغَسَلَ رِجْلَیْہِ اِلَی الْکَعْبَیْنِ ثُمَّ قَالَ ھٰکَذَا وُضُوْءُ رَسُوْلِ اللّٰہِ صلعم

ترجمہ۔ حضرت عبداللہ بن زیدؓ نے برتن سے اپنے دونوں ہاتھوں پر پانی ڈالا اور ان کو دھویا۔ پھر منہ کو دھویا یا کلی فرمائی اور ناک میں پانی ایک ہی ہتھیلی سے دیا۔ اور اس کو انہوں نے تین مرتبہ کیا پھر کہنیوں تک دونوں ہاتھ دھوئے دو دو مرتبہ سر کا مسح کیا اگلے حصّہ کا اور پچھلے حصّہ کا۔ پھر ٹخنوں تک پاؤں دھوئے پھر فرمایا اسی طرح جناب رسول اللہ صلعم کا وضوء تھا۔

تشریح از شیخ زکریا میرے نزدیک امام بخاریؒ اس باب سے بھی ماء مستعمل کی طہارت ثابت فرما رہے ہیں اس طرح کہ کلی اور ناک میں پانی ڈالنے میں امام شافعیؒ کے پانچ قول ہیں ایک یہ کہ تین بار مضمضہ ثلث غرفات اور تین بار استنشاق بثلاث غرفات گویا ہر ایک کے لئے الگ الگ غرفہ۔ یہ امام شافعیؒ کا ضعیف قول ہے جس کو امام ترمذیؒ نے نقل کیا ہے لیکن یہی جمہور کا مذہب ہے دوسرے یہ کہ ایک غرفہ سے دونوں تین بار پھر اس کے اندر دو قول ہیں ایک یہ کہ ایک ہی غرفہ سے اوّلاً تین بار مضمضہ اور اسی غرفہ سے پھر تین بار استنشاق دوسرے یہ کہ ایک ہی غرفہ میں ایک بار کلی پھر استنشاق پھر کلی پھر استنشاق پھر کلی پھر استنشاق یہ سب ایک ہی غرفہ سے ہوگا۔ اور چوتھا قول یہ ہے کہ دونوں غرفوں سے ہوں۔ پہلے غرفہ سے تین بار مضمضہ اور پھر دوسرے غرفہ میں تین بار استنشاق اور پانچواں یہ کہ تین غرفوں سے۔ پہلے غرفہ

سے مضمضہ پھر استنشاق اسی طرح دوسرے غرفہ سے دوسرا مضمضہ اور دوسرا استنشاق اور تیسرے غرفہ سے تیسرا مضمضہ اور تیسرا استنشاق تو ان پانچوں صورتوں میں صرف اوّل صورت میں تو نئے پانی کا استعمال ہوگا۔ ورنہ اس کے بعد کی چار صورتوں میں ماءِ مستعمل کا استعمال ہے اس لئے کہ جب ایک بار کلی کر لی پھر مستعمل ہوگیا۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ ظاہر ہے وصل پر من کف واحد سے استدلال کیا ہے اس کے تین جواب ہیں۔ ایک یہ کہ اس کے معنی ہیں من کف واحد لا من کفین یعنی ایک ہاتھ استعمال کیا دونوں ہاتھ استعمال نہیں کئے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ مضمضہ اور استنشاق ایک ہی کف سے ہوا یہ نہیں کہ مضمضہ کے لئے یمین کا استعمال کیا ہو اور استنشاق کے لئے یسار کا۔ اور مقصود اس توہم کا دفعیہ ہے کہ یسار قاذورات کے لئے ہے۔ تو ممکن ہے کوئی خیال کرے کہ پھر استنشاق یسار سے ہونا چاہیئے اس کا دفع کیا کہ دونوں کف یمین سے کیا۔ تیسرا جواب یہ ہے کہ یہ بیان جواز کے لئے فرمایا تھا اور میرے خیال میں اپنے مسلک کی تائید اور شوافع کی تردید کی ہے۔

باب مَسْحِ الرَّأْسِ مَرَّةً ترجمہ، سر کا صرف ایک مرتبہ مسح کرنا۔

حدیث نمبر ۱۸۷ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ الخ شَهِدْتُ عَمْرَو بْنَ أَبِي حَسَنٍ سَأَلَ عَبْدَ اللهِ بْنَ زَيْدٍ عَنْ وُضُوْءِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَدَعَا بِتَوْرٍ مِنْ مَاءٍ فَتَوَضَّأَ لَهُمْ فَكَفَأَهُ عَلَى يَدَيْهِ فَغَسَلَهُمَا ثَلَاثًا ثُمَّ أَدْخَلَ يَدَهُ فِي الْإِنَاءِ فَمَضْمَضَ وَاسْتَنْشَقَ وَاسْتَنْثَرَ ثَلَاثًا بِثَلَاثِ غَرَفَاتٍ مِنْ مَاءٍ ثُمَّ أَدْخَلَ يَدَهُ فِي الْإِنَاءِ فَغَسَلَ وَجْهَهُ ثَلَاثًا ثُمَّ أَدْخَلَ يَدَهُ فِي الْإِنَاءِ فَغَسَلَ يَدَيْهِ إِلَى الْمِرْفَقَيْنِ مَرَّتَيْنِ مَرَّتَيْنِ ثُمَّ أَدْخَلَ يَدَهُ فِي الْإِنَاءِ فَمَسَحَ بِرَأْسِهِ فَأَقْبَلَ بِيَدَيْهِ وَأَدْبَرَ بِهِمَا ثُمَّ أَدْخَلَ يَدَهُ فِي الْإِنَاءِ فَغَسَلَ رِجْلَيْهِ حَدَّثَنَا مُوْسَى قَالَ حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ وَقَالَ مَسَحَ بِرَأْسِهِ مَرَّةً۔

ترجمہ، حضرت عمر ابن ابی الحسن نے حضرت عبداللہ بن زیدؓ سے جناب نبی اکرم صلعم کے وضو کے متعلق پوچھا تو انھوں نے ایک تھال برتن پانی کا منگایا پھر ان کے لئے وضو کیا چنانچہ اپنے دونوں ہاتھوں پر پانی انڈیلا تو ان دونوں ہاتھوں کو تین مرتبہ دھویا پھر اپنے دونوں ہاتھوں کو برتن میں داخل کیا تین مرتبہ تین چلو پانی سے کلی کی۔ ناک میں پانی دیا اور ناک کو جھاڑا۔ پھر اپنا ہاتھ برتن میں ڈالا اور تین مرتبہ اپنے چہرہ کو دھویا پھر ہاتھ برتن میں ڈالا اور اپنے دونوں ہاتھ کہنیوں تک دو دو مرتبہ دھوئے پھر برتن میں ہاتھ ڈالا اور اپنے

سر کا مسح کیا کہ اپنے ہاتھ کو آگے لے گئے اور پیچھے لے آئے۔ پھر اپنے دونوں پاؤں کو دھویا وھیب فرماتے ہیں کہ سر کا ایک مرتبہ مسح کیا۔

تشریح از شیخ زکریا۔ درمیان میں ایک عارض کی وجہ سے فصل کا ذکر آ گیا تھا۔ اب پھر مسح کا ذکر شروع کر دیا۔ اس باب کی غرض امام شافعیؒ پر رد کرنا ہے ان کے نزدیک مسح راس میں مسنون تثلیث ہے اور جمہور کے نزدیک صرف ایک بار ہے۔

باب وُضُوْءِ الرَّجُلِ مَعَ امْرَأَتِهٖ وَفَضْلِ وُضُوْءِ الْمَرْأَةِ وَتَوَضَّأَ عُمَرُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ بِالْحَمِيْمِ وَمِنْ بَيْتِ نَصْرَانِيَّةٍ۔

ترجمہ، آدمی کا اپنی بیوی کے ساتھ وضو کرنا اور عورت کے وضو کے بچے ہوئے پانی کا حکم اور حضرت عمرؓ نے گرم پانی کے ساتھ وضو کیا اور نصرانی عورت کے گھر سے لے کر کیا۔

حدیث نمبر ۱۸۸ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوْسُفَ الخ عَنْ ابْنِ عُمَرَ أَنَّهُ قَالَ كَانَ الرِّجَالُ وَالنِّسَاءُ يَتَوَضَّأُوْنَ فِيْ زَمَانِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَمِيْعًا۔

ترجمہ، حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلعم کے زمانہ میں مرد اور عورتیں اکٹھے وضو کرتے تھے۔

تشریح از مدنیؒ اگر عورت پانی کو استعمال کرے اور جو پانی بچ جائے۔ تو جمہور فرماتے ہیں کہ فضل رجل و مرأۃ دونوں پاک ہیں۔ اور امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ اگر عورت نے تنہائی میں پانی استعمال کیا ہے تو پھر فضل مرأۃ سے وضو کرنا جائز نہ ہو گا۔ کیونکہ عورتوں کی طبیعت میں نظافت نہیں ہے۔ اگر عورت مرد کے ساتھ پانی استعمال کرے تو پھر بالاتفاق اس پانی سے وضو کرنا جائز ہے۔ و توضأ عمرؓ یہ اثر مصنفؒ نے ذکر فرمایا۔ مگر شراح فرماتے ہیں کہ ان دونوں کی مناسبت ترجمۃ الباب سے نہیں ہے اس لئے کہ وضو بالحمیم کی عدم مناسبت تو ظاہر ہے اور وضو من بیت نصرانیۃ اس سے فضل مرأۃ نہیں سمجھا جاتا۔ تو بعض نے کہا کہ مصنفؒ نے ان تعلیقات کو بطور زوائد کے پیش کیا ہے مگر صحیح یہ ہے کہ اثر ثانی کو ترجمۃ الباب سے مناسبت ہے اس لئے کہ عموماً پانی کو عورتیں ہی گرم کیا کرتی ہیں۔ من بیت نصرانیۃ سے معلوم ہوا کہ عورت نے تنہائی میں پانی کو استعمال کیا۔ مسلمہ عورت تو خیر کچھ احتیاط کرتی ہے لیکن نصرانیۃ جو خنزیر وغیرہ کھاتے ہیں۔ اور اسے مس کرتے ہیں تو جب یہ عورت مختلی بالماء ہوئی۔ تو ممکن ہے اس نے استعمال کیا ہو۔ اور

عدم نظافۃ فی طبائعہا کے علاوہ خمر اور خنزیر کو استعمال کرنے سے اس کی عدم نظافۃ کی اور تائید ہوتی ہے
مگر ایسے پانی کو منگا کر حضرت فاروق اعظم رضؓ نے وضو فرمایا۔ تو معلوم ہوا کہ فضلِ مرأۃ نجس نہیں ہوتا۔ گرم
پانی میں شبہ یہ تھا کہ مس نار کی وجہ سے عدم طہارت معلوم ہوتی ہے کہ نار مظہر غضب الٰہی ہے تو ایسے ماءِ حمیم
سے وضو جائز نہ ہوگا۔ اور نصرانیہ کے ہاں پانی کا ہونا اس کی عدم طہارت کا شبہ ہونا تھا تو فعل عمرؓ سے
ان کا جواز ثابت ہوا۔ اور یہ تکثیر الفائدہ ہے۔ تیسرا جواب یہ ہے کہ جو علۃ امام احمدؒ نے ذکر فرمائی ہے اس
پر مصنفؒ نے بحث کی۔

تشریح از شیخ زکریاؒ۔ روایت باب ہے کہ کان الرجال والنساء یتوضؤن الخ اگر شبہ ہو
کہ یہ لوگ ایک دوسرے کے سامنے بے پردہ کیسے ہوتے تھے تو بعض نے جواب دیا کہ یہ نزول حجاب سے پہلے
کا واقعہ ہے۔ اور بعض نے جواب دیا کہ برتن بڑا ہوا کرتا تھا اور وہ پردہ کا کام دیتا تھا حضرت امام بخاریؒ نے
باب وضوء الرجال مع المرأۃ باندھ کر تنبیہ فرمائی۔ کہ روایت میں جو کان الرجال والنساء کا ذکر ہے
اس سے مراد یہ ہے کہ ہر آدمی اپنی بیوی کے ساتھ وضو کرتا تھا۔ اور اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ تو
اس صورت میں یہ ترجمہ شارحہ ہوگا اور فضل وضوء المرأۃ ترجمہ کے دو جزو ہیں اوّل تو شارحہ ہے
جیسا کہ گذر چکا۔ اور اس دوسرے ترجمہ سے حنابلہ اور ظاہریہ پر ردّ کرنا مقصود ہے جو کہتے ہیں کہ اگر
عورت نے خلوت میں پانی استعمال کیا ہو، تو اس کا فضل استعمال کرنا جائز نہیں اور جمہور کے نزدیک جائز
ہے۔ امام بخاریؒ نے جمہور کی تائید فرمائی ہے۔ کہ جب لوگ اپنی بیویوں کے ساتھ غسل کرتے تھے تو جب
ایک نے پانی لیا تو اس کے بعد جو دوسرا پانی لے گا تو استعمال ما فضل من المرأۃ لازم آگیا توضأ
عمرؓ الخ علامہ عینیؒ اور کرمانیؒ نے یہ کہہ دیا کہ دونوں اثر ترجمہ کے مناسب نہیں لیکن وجہ مناسبت کا
انکار صحیح نہیں بلکہ امام بخاریؒ اس سے طہارۃ فضل المرأۃ ثابت فرماتے ہیں۔ وہ اس طرح پر ثابت
ہوتی کہ پانی عام طور پر گھر میں عورتیں گرم کرتی ہیں۔ اور اسی طرح گرمی دیکھنے کے لئے ہاتھ ڈالتی ہیں لہٰذا
فضل المرأۃ ہو گیا اور من بیت نصرانیۃ یہاں حضرت عمرؓ نے سوال نہیں کیا کہ عورت نے استعمال
کیا ہے یا نہیں تو بہت ممکن ہے کہ استعمال کیا ہو اور حضرت عمرؓ نے بلا سوال کئے استعمال کر لیا اس
سے معلوم ہوا کہ یہ پانی طاہر ہے اور بعض علماء حنابلہ اور ظاہریہ کی رائے یہ ہے کہ غیر مسلمہ کا پانی استعمال
کرنا جائز نہیں۔ امام بخاریؒ ان پر رد فرماتے ہیں۔ اس کے بعد یہ سنو کہ یہاں نسخ میں یہ اختلاف ہے

کہ یہ دونوں یعنی توضأ عمر اور من بیت نصرانیۃ دو الگ الگ اثر ہیں یا ایک ہی ہے اور واؤ عطف نہیں ہے۔ حافظ کی رائے یہ ہے کہ دونوں الگ الگ ہیں اور واؤ عطف ہونا چاہیئے۔

باب صَبِّ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَضُوْءَهُ عَلَى الْمُغْمٰى عَلَيْهِ۔

ترجمہ، کہ کسی بیہوش آدمی پر آپ کے وضو کا پانی ڈالنا۔

حدیث نمبر ۱۸۹ حَدَّثَنَا اَبُو الْوَلِيْدِ الخ قَالَ سَمِعْتُ جَابِرًا يَقُوْلُ جَاءَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعُوْدُنِيْ وَاَنَا مَرِيْضٌ لَا اَعْقِلُ فَتَوَضَّأَ فَصَبَّ عَلَيَّ مِنْ وَّضُوْئِهٖ فَعَقَلْتُ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ لِمَنِ الْمِيْرَاثُ اِنَّمَا يَرِثُنِيْ كَلَالَةٌ فَنَزَلَتْ اٰيَةُ الْفَرَائِضِ

ترجمہ، حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ میں ایسا بیمار تھا کہ کچھ نہیں سمجھتا تھا کہ جناب رسول اللہ صلعم میرے بیمار پرسی کے لیے تشریف لائے پس آپؐ نے وضو کیا اور اپنے وضو کے بچے ہوئے پانی کو میرے اوپر ڈالا تو مجھے ہوش آ گئی سمجھنے لگا میں نے کہا یا رسول اللہؐ میری میراث کس کے لیے ہوگی کیونکہ میری وارث تو کلالۃ ہے یعنی ولد اور والد کوئی نہیں جس پر آیت الفرائض نازل ہوئی

تشریح از شیخ زکریا صب النبی صلعم الخ باب کی غرض ماء مستعمل کی طہارت کو بیان کرنا ہے یہاں وضو سے وہ پانی مراد ہے جو اعضا سے گرا ہو۔ اور وہ جو برتن کے اندر باقی رہ گیا دونوں مراد ہو سکتے ہیں۔ انما یرثنی کلالۃ۔ کلالہ کی تعریف میں علما کا اختلاف ہے بعض نے کہا کہ کلالہ اس مورث کو کہتے ہیں جس کے نہ اصول ہوں اور نہ فروع اور بعض نے کہا کہ اس وارث کو کہتے ہیں جس کے نہ اصول ہوں نہ فروع اور بعض نے کہا کہ کلالہ اس مال کو کہتے ہیں جس کے لیے نہ اصول ہوں نہ فروع یہاں دوسرے معنی مراد ہیں

باب الْغُسْلِ وَالْوُضُوْءِ فِي الْمِخْضَبِ وَالْقَدَحِ وَالْخَشَبِ وَالْحِجَارَةِ۔

ترجمہ باب ہے غسل اور وضو بڑے ٹب میں اور پیالے میں اور لکڑی اور پتھر کے برتن میں

حدیث نمبر ۱۹۰ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مُنِيْرٍ الخ عَنْ اَنَسٍ قَالَ حَضَرَتِ الصَّلٰوةُ فَقَامَ مَنْ كَانَ قَرِيْبَ الدَّارِ اِلٰى اَهْلِهٖ وَبَقِيَ قَوْمٌ فَاُتِيَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمِخْضَبٍ مِّنْ حِجَارَةٍ فِيْهِ مَاءٌ فَصَغُرَ الْمِخْضَبُ اَنْ يَّبْسُطَ فِيْهِ كَفَّهٗ فَتَوَضَّأَ الْقَوْمُ كُلُّهُمْ قُلْنَا كَمْ كُنْتُمْ قَالَ ثَمَانِيْنَ وَزِيَادَةً۔

ترجمہ، حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ نماز کا وقت ہوگیا تو جن لوگوں کا گھر قریب تھا وہ تو اپنے گھر وضو کے لئے چلے گئے۔ کچھ لوگ باقی رہ گئے تو جناب رسول اللہ صلعم کے پاس پتھر کا ایک ایسا برتن لایا گیا جس میں پانی تھا وہ اس قدر چھوٹا تھا کہ جناب کی ہتھیلی اس میں نہیں سما سکتی تھی۔ تو سب لوگوں نے وضو کر لیا۔ ہم نے پوچھا تم کتنے لوگ تھے فرمایا کہ اسی ۸۰ اور اس سے زیادہ

تشریح از شیخ مدنیؒ اس میں شبہ تھا کہ مخضب وغیرہ برتن کھلے ہوئے ہوتے ہیں جن میں قطرات الوضوء پڑتے ہیں تو فرمایا گیا کہ ان میں وضو کرنے میں کوئی حرج نہیں مخضب بمعنی کٹھڑا۔ پھیلا ہوا برتن قدح بمعنی پیالہ جو کہ مٹی اور پیتل وغیرہ کا ہوتا ہے۔

تشریح از شیخ زکریاؒ مخضب ایک برتن ہوتا ہے جس میں کپڑے وغیرہ دھوئے جاتے ہیں چھوٹا بڑا دونوں طرح کا ہوتا ہے۔ امام بخاریؒ کا مقصود یہ ہے کہ ان برتنوں کا استعمال جائز ہے اور ابن عمرؓ پر رد کرنا ہے جو بعض انواع ظروف مثلاً پیتل کے برتنوں کو مکروہ کہتے ہیں اس کے بعد سنو! کہ میرے نزدیک چھوٹے برتن سے وضو کرنے کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ اس میں ہاتھ ڈال کر وضو کرے دوسرے یہ کہ اس برتن کو جھکا کر اس سے پانی لے اس باب سے امام بخاریؒ نے پہلی صورت ثابت فرمائی ہے اور دوسرے باب الوضوء من التور سے دوسری صورت ثابت فرمائی ہے۔

حدیث نمبر ۱۹۱ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ الخ عَنْ أَبِي مُوسَى أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَعَا بِقَدَحٍ فِيهِ مَاءٌ فَغَسَلَ يَدَيْهِ وَوَجْهَهُ فِيهِ وَمَجَّ فِيهِ۔

ترجمہ، حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ سے مروی ہے کہ جناب نبی اکرم صلعم نے ایک پیالہ منگایا جس میں پانی تھا اس کے اندر جناب رسول اکرم صلعم نے اپنے دونوں ہاتھ اور چہرہ کو دھویا اور اس کے اندر تھوکا۔

حدیث نمبر ۱۹۲ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ يُونُسَ الخ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ زَيْدٍ قَالَ أَتَى رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَخْرَجْنَا لَهُ مَاءً فِي تَوْرٍ مِنْ صُفْرٍ فَتَوَضَّأَ فَغَسَلَ وَجْهَهُ ثَلٰثًا وَيَدَيْهِ مَرَّتَيْنِ مَرَّتَيْنِ وَمَسَحَ بِرَأْسِهِ فَأَقْبَلَ بِهِ وَأَدْبَرَ وَغَسَلَ رِجْلَيْهِ۔

ترجمہ، حضرت عبداللہ بن زیدؓ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں جناب رسول اللہ صلعم ہمارے پاس تشریف لائے تو ہم نے آپ کے لئے پیتل کے برتن میں پانی نکالا جس سے آپ نے وضو فرمایا کہ اپنے چہرہ مبارک کو دو مرتبہ دھویا اور اپنے ہاتھوں کو دو دو مرتبہ دھویا پھر سر کا مسح فرمایا کہ آگے لے گئے اور پیچھے لائے

اور دونوں پاؤں دھوئے۔

تشریح از شیخ زکریا اس روایت سے ابن عمرؓ کا ذکر کرنا ہے جو پیتل کے برتن کے استعمال کو مکروہ سمجھتے ہیں۔

حدیث نمبر ۱۹۳ حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ الخ أَنَّ عَائِشَةَ قَالَتْ لَمَّا ثَقُلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاشْتَدَّ بِهِ وَجَعُهُ اسْتَأْذَنَ أَزْوَاجَهُ فِي أَنْ يُمَرَّضَ فِي بَيْتِي فَأَذِنَّ لَهُ فَخَرَجَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَ رَجُلَيْنِ تَخُطُّ رِجْلَاهُ فِي الْأَرْضِ بَيْنَ عَبَّاسٍ وَرَجُلٍ آخَرَ قَالَ عُبَيْدُ اللهِ فَأَخْبَرْتُ عَبْدَ اللهِ بْنَ عَبَّاسٍ فَقَالَ أَتَدْرِي مَنِ الرَّجُلُ الْآخَرُ قُلْتُ لَا قَالَ هُوَ عَلِيٌّ بْنُ أَبِي طَالِبٍ وَكَانَتْ عَائِشَةُ تُحَدِّثُ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ بَعْدَ مَا دَخَلَ بَيْتَهُ وَاشْتَدَّ وَجَعُهُ هَرِيقُوا عَلَيَّ مِنْ سَبْعِ قِرَبٍ لَمْ تُحْلَلْ أَوْكِيَتُهُنَّ لَعَلِّي أَعْهَدُ إِلَى النَّاسِ وَأُجْلِسَ فِي مِخْضَبٍ لِحَفْصَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ طَفِقْنَا نَصُبُّ عَلَيْهِ تِلْكَ حَتَّى طَفِقَ يُشِيرُ إِلَيْنَا أَنْ قَدْ فَعَلْتُنَّ ثُمَّ خَرَجَ إِلَى النَّاسِ

ترجمہ، حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ جب نبی اکرم صلعم بیمار ہوئے اور آپؐ کا درد سخت ہوا۔ تو آپؐ نے اپنی بیویوں سے اس بات کی اجازت مانگی کہ آپؐ بیماری کے ایام میرے گھر میں گذاریں گے تو سب بیویوں نے اجازت دے دی۔ تو جناب دو آدمیوں کے سہارے اس طرح تشریف لائے کہ آپؐ دونوں پاؤں زمین پر خط کھینچ رہے تھے۔ ایک ان دو میں سے حضرت عباسؓ تھے اور ایک دوسرا آدمی تھا حضرت عبید اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے جب حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو اس واقعہ کی خبر دی تو انہوں نے پوچھا کہ تمہیں معلوم ہے کہ وہ دوسرا آدمی کون تھا۔ میں نے کہا نہیں تو انہوں نے فرمایا کہ وہ حضرت علی بن ابی طالب تھے اور حضرت عائشہؓ یہ بھی بیان فرماتی تھیں کہ میرے گھر میں داخل ہونے کے بعد جب آپؐ کا مرض اور شدید ہو گیا تو آپؐ نے فرمایا کہ میرے اوپر سات مشکیزے پانی ڈالو جن کے تسمے نہ کھولے گئے ہوں۔ شاید میں لوگوں کو وصیت کر سکوں چنانچہ آپؐ کو حضرت حفصہؓ زوج النبی صلعم کے ٹب میں بٹھایا گیا۔ پھر ہم لوگ سات مشکیزوں کا پانی آپؐ پر ڈالنے لگے یہاں تک کہ آپؐ نے اشارہ فرمایا کہ بس تم لوگ اپنا کام کر چکے پھر آپؐ باہر لوگوں کے پاس تشریف لائے نماز پڑھائی اور خطبہ دیا۔

تشریح از شیخ مدنیؒ أجلس فی مخضب ای من مخضب جیسے دوسری روایات سے ثابت ہے۔ چنانچہ باب الوضوء من التور کی روایات اس کی تفسیر کرتی ہیں فی بمعنی من کے ہے کہ بذریعہ اغتراف کے وضو فرماتے تھے اغتراف کا معنی چلو بھرنا۔

تشریح از شیخ زکریاؒ قال ھو علیؓ بعض نے کہا کہ چونکہ حضرت عائشہ رضہ حضرت علیؓ سے ناراض ہوگئی تھیں جس کے نتیجہ میں جنگ جمل ہوئی۔ اس لئے ان کا نام نہیں لیا مگر میرے والد صاحبؒ فرماتے ہیں کہ یہ وجہ نہیں ہے بلکہ اصل وجہ یہ ہے کہ حضرت عباسؓ تو ایک جانب کے لئے متعین تھے بخلاف حضرت علیؓ کیونکہ ابتداً حضرت ام ایمنؓ تھیں پھر حضرت اسامہ اور علی ہوئے اس لئے تعین نہیں فرمائی اھ یفوا علی الخ یہ طریقہ عرب کے اندر بخار زائل کرنے کے لئے مجرب سمجھا جاتا تھا۔

باب الوُضُوْءِ مِنَ التَّوْرِ۔ ترجمہ، لوٹے یا تھال سے وضو کرنا۔

حدیث نمبر ۱۹۴ حَدَّثَنَا خَالِدُ بْنُ مَخْلَدٍ الخ قَالَ كَانَ عَمِّيْ يُكْثِرُ مِنَ الْوُضُوْءِ فَقَالَ لِعَبْدِ اللّٰهِ بْنِ زَيْدٍ اَخْبِرْنِيْ كَيْفَ رَاَيْتَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَوَضَّأُ فَدَعَا بِتَوْرٍ مِّنْ مَّاءٍ فَكَفَأَ عَلٰى يَدَيْهِ فَغَسَلَهُمَا ثَلٰثَ مَرَّاتٍ ثُمَّ اَدْخَلَ يَدَهٗ فِى التَّوْرِ فَمَضْمَضَ وَاسْتَنْثَرَ ثَلٰثَ مَرَّاتٍ مِّنْ غَرْفَةٍ وَّاحِدَةٍ ثُمَّ اَدْخَلَ يَدَيْهِ فَاغْتَرَفَ بِهِمَا فَغَسَلَ وَجْهَهٗ ثَلٰثَ مَرَّاتٍ ثُمَّ غَسَلَ يَدَيْهِ اِلَى الْمِرْفَقَيْنِ مَرَّتَيْنِ مَرَّتَيْنِ ثُمَّ اَخَذَ بِيَدَيْهِ مَاءً فَمَسَحَ رَاْسَهٗ فَاَدْبَرَ بِيَدَيْهِ وَاَقْبَلَ ثُمَّ غَسَلَ رِجْلَيْهِ فَقَالَ هٰكَذَا رَاَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَوَضَّأُ۔ (الحدیث)

ترجمہ، حضرت فرماتے ہیں کہ میرے چچا وضو بہت کرتے تھے۔ تو انہوں نے حضرت عبداللہ بن زیدؓ سے کہا کہ مجھے بتلاؤ کہ تم نے جناب نبی اکرم صلعم کو کس طرح وضو کرتے دیکھا تو انہوں نے پانی کا لوٹا منگایا تو اس کو دونوں ہاتھوں پر جھکایا اور ان کو تین مرتبہ دھویا۔ پھر اس برتن میں ہاتھ کو ڈالا اس سے کلی فرمائی اور تین مرتبہ ناک کو جھاڑا یہ سب ایک ہی چلو سے تھا۔ پھر ہاتھ ڈال کر ان دونوں ہاتھوں سے چلو کو بھرا تو تین مرتبہ چہرہ کو دھویا پھر دونوں ہاتھوں کو کہنیوں تک دو دو مرتبہ دھویا۔ پھر دونوں سے پانی لے کر اپنے سر کا مسح کیا اس طرح کہ دونوں ہاتھوں کو پیچھے لے گئے اور آگے لے آئے پھر دونوں پاؤں کو دھویا اور فرمایا کہ میں نے اسی طرح جناب نبی اکرم صلعم کو وضو کرتے دیکھا

تشریح از شیخ زکریا۔ اس باب سے وضو من الاناء کو ثابت کرنا ہے یعنی پانی لے کر چنانچہ جب حضور اکرم صلعم نے برتن میں اپنا ہاتھ ڈال دیا تو یہ فی التور ہو گیا۔ اور لوگوں نے اس پانی سے وضو کیا تو یہ من التور ہو گیا۔ اعتراض یہ ہے کہ تور بنفسہ کے پیالہ کو کہتے ہیں پہلے باب میں حجارہ سے وضو کرنے کو بیان کر دیا ہے تو اسے دوبارہ کیوں لائے شراح کے نزدیک یہ تخصیص بعد التعمیم ہے میری رائے یہ ہے کہ اس باب سے محض تور کو بیان کرنا نہیں وہ تو بیان ہو چکا۔ بلکہ یہاں اور بات تبلائی ہے۔ وہ یہ کہ پہلی حدیث میں تو فی التور ہے۔ اس باب میں من التور ہے تو اوّل کا مطلب یہ ہوا کہ اس برتن کے اندر وضو کیا جائے۔ اور من التور کا مطلب یہ ہے کہ برتن سے پانی لے کر وضو کی جائے تو دونوں صورتوں کا جواز تبلانا مقصود ہے

حدیث نمبر ۱۹۵ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ الخ عَنْ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ دَعَا بِاِنَاءٍ مِّنْ مَّاءٍ فَاُتِیَ بِقَدَحٍ رَّحْرَاحٍ فِیْہِ شَیْءٌ مِّنْ مَّاءٍ فَوَضَعَ اَصَابِعَہٗ فِیْہِ قَالَ اَنَسٌ فَجَعَلْتُ اَنْظُرُ اِلَی الْمَاءِ یَنْبُعُ مِنْ بَیْنِ اَصَابِعِہٖ قَالَ اَنَسٌ فَحَزَرْتُ مَنْ تَوَضَّاَ مِنَ السَّبْعِیْنَ اِلَی الثَّمَانِیْنَ (الحدیث)

ترجمہ، حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ جناب نبی اکرم صلعم نے پانی کا برتن منگوایا تو آپؐ کے پاس ایک وسیع پیالہ لایا گیا جس میں تھوڑا سا پانی تھا جس میں آپؐ نے اپنی انگلیاں مبارک رکھ دیں حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ میں پانی کو دیکھنے لگا جو آپ کی انگلیوں کے درمیان سے ابل رہا تھا حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ جن لوگوں نے وضو کیا تھا ان کا میں نے ۷۰ سے ۸۰ تک کا اندازہ کیا۔

باب الْوُضُوْءِ بِالْمُدِّ ترجمہ، ایک سیر پانی سے وضو کرنا۔

حدیث نمبر ۱۹۶ حَدَّثَنَا اَبُوْ نُعَیْمٍ الخ سَمِعْتُ اَنَسًا یَّقُوْلُ کَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَغْسِلُ اَوْ کَانَ یَغْتَسِلُ بِالصَّاعِ اِلٰی خَمْسَۃِ اَمْدَادٍ وَّیَتَوَضَّاُ بِالْمُدِّ۔

ترجمہ، راوی فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت انسؓ سے سنا فرماتے تھے کہ جناب نبی اکرم صلعم چار سیر سے لے کر پانچ سیر پانی تک سے غسل کرتے تھے اور ایک سیر سے وضو فرماتے تھے۔

تشریح از شیخ زکریا۔ امام بخاریؒ نے اس باب کو ذکر فرما کر اشارہ کر دیا کہ یہ ٹھیک ہے کہ خوب پانی نکلا اور لوگوں نے اسے استعمال کیا جیسے کہ آخری روایت سے معلوم ہوا مگر بھائی! اسراف نہ کرے

بلکہ ایک مد استعمال کرے کہ یہی مقدار مسنون ہے۔ بعض شراح مسلم نے یہ لکھ دیا ہے کہ ایک مد سے زائد سے وضو کرنا۔ احناف رح کے نزدیک ناجائز ہے یہ بالکل غلط ہے۔ البتہ یہ ضروری ہے کہ نہ اسراف کرے اور نہ کمی کرے بہرحال احناف رح کے نزدیک کوئی حد متعین نہیں ہے۔

باب اَلْمَسْحِ عَلَى الْخُفَّيْنِ ، ترجمہ، موزوں پر مسح کرنا۔

حدیث نمبر ۱۹ حَدَّثَنَا اَصْبَغُ بْنُ الْفَرَجِ الخ عَنْ سَعْدِ بْنِ اَبِيْ وَقَّاصٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهُ مَسَحَ عَلَى الْخُفَّيْنِ وَاَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ سَاَلَ عُمَرَ عَنْ ذٰلِكَ فَقَالَ نَعَمْ اِذَا حَدَّثَكَ شَيْئًا سَعْدٌ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَا تَسْئَلْ عَنْهُ غَيْرَهُ (الحديث)

ترجمہ، حضرت سعد بن ابی وقاص رض جناب نبی اکرم صلعم سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے دونوں موزوں پر مسح کیا اور حضرت عبداللہ بن عمر رض اس کے بارے میں اپنے باپ حضرت عمر رض سے پوچھا تو آپؐ نے ہاں کہہ کہ ہمیں جواب دیا۔ اور فرمایا کہ جب حضرت سعد رض جناب نبی اکرم صلعم سے کوئی حدیث تمہیں بیان کریں تو پھر اس کے بارے میں اور کسی سے نہ پوچھو۔

تشریح از شیخ زکریا مسح علی الخفین قیاس کے بھی خلاف ہے۔ اور نص قرآنی کے بھی کیونکہ قرآن پاک میں پاؤں کے دھونے کا حکم ہے چونکہ مسح علی الخفین ستر یا اَسی صحابہ کرام سے منقول ہے اور یہ روایات حد شہرت کو پہنچی ہوئی ہیں۔ بلکہ اگر میں یہ کہہ دوں کہ حد تواتر کو پہنچی ہوئی ہیں تو یہ بھی صحیح ہے اس سے زیادہ علی الکتاب جائز ہے۔ مسح علی الخفین کا ائمہ میں سے کوئی منکر نہیں ہاں خوارج اور روافض مسح علی الخفین کے قائل نہیں، روافض اور خوارج باہم ضد ہیں۔ مگر یہاں دونوں ایک ساتھ ہیں۔ روافض تو یہ کہتے ہیں کہ چونکہ اہل بیت سے مسح علی الرجلین کی روایات مروی ہیں اس لئے مسح علی الخفین کچھ نہیں۔ حالانکہ خفین سردی کی وجہ سے پہنے جاتے ہیں۔ مسح علی الرجلین اور ہے مسح علی الخفین اور ہے اور خوارج کہتے ہیں کہ یہ نص قرآنی کے خلاف ہے۔ لیکن جب ۷۰ یا ۸۰ صحابہ کرام سے مروی ہے۔ اور روایات شہرت کو پہنچی ہوئی ہیں اس لئے ان سے زیادہ علی الکتاب جائز ہے۔ یہی وجہ ہے کہ فرق باطلہ مسح علی الخفین کا انکار کرتے ہیں کیونکہ ان کو تو صحابہ سے بغض ہے۔ حضرت امام مالک رح اور امام ابو حنیفہ رح نے اہلسنت والجماعۃ کی پہچان مسح علی الخفین کا جائز قرار دینے والا لکھی گئی ہے فرماتے ہیں من علامات

اهل السنة والجماعة ان تفضل الشیخین وتحب الختنین وان تری المسح علی الخفین
یعنی روافض کی طرح خلفائے ثلاثہ کو برا بھلا نہ کہے اور خوارج کی طرح حضرت علیؓ کو اور ان دونو فرقوں کی
طرح المسح علی الخفین کا انکار نہ کرے۔ ان عبد اللہ بن عمرؓ اس روایت میں اختصار ہے واقعہ
یہ ہوا کہ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کوفہ میں تھے۔ اور حضرت عمرؓ وہاں گئے ہوئے تھے حضرت سعدؓ نے
خفین پر مسح فرمایا حضرت ابن عمرؓ نے اس پر انکار کیا حضرت سعدؓ نے فرمایا کہ جناب رسول اکرم صلعم
نے خفین پر مسح فرمایا ہے اور جب مدینے جانا تو اپنے باپ عمرؓ سے پوچھ لینا۔ حضرت ابن عمرؓ جب
آئے تو حضرت عمرؓ سے اس کے متعلق سوال کیا تو حضرت عمرؓ نے دو باتیں ارشاد فرمائیں۔ اولاً نونعم
فرمایا یعنی حضرت سعدؓ نے جو کہ کہا کہ رسول اللہ صلعم نے مسح علی الخفین فرمایا ہے۔ تو یہ درست ہے۔
اور دوسری بات بطور قاعدہ کلیہ کے ارشاد فرمائی۔ کہ حضرت سعدؓ جو کچھ بیان کریں گے صحیح کہیں گے لہٰذا کسی
دوسرے سے پوچھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اگر اشکال ہو کہ خود حضرت عبد اللہ بن عمر سے مرفوعاً مسح علی الخفین
کی روایت منقول ہے تو پھر ابن عمرؓ نے حضرت سعدؓ پر نکیر کیوں فرمائی تو اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت
ابن عمرؓ سے جن روایات میں مرفوعاً مسح علی الخفین کا ذکر ہے اس میں یہ نہیں ہے۔ کہ حضرت ابن عمرؓ
یہ فرماتے ہیں رأیت رسول اللہ صلعم بلکہ عن ابن عمرؓ عن النبی صلعم یا عن ابن عمر
ان رسول اللہ صلعم اور اس میں احتمال ہے کہ حضرت ابن عمرؓ اور رسول اللہ صلعم کے درمیان کوئی
واسطہ ہو۔ وہ حضرت سعدؓ کی اس روایت سے معلوم ہو گیا۔ تو معلوم ہوا کہ ابن عمرؓ کی روایت مراسیل صحابہ
کے قبیل سے ہے اور مراسیل صحابہ بالاتفاق مقبول ہیں ان سعداً فقال عمر لعبد اللہ الخ یہاں ان
کا اسم ذکر کر دیا اور خبر محذوف ہے اور مطلب یہ ہے کہ حضرت سعد نے ابن عمرؓ کے انکار پر مسح کیا۔
حضرت سعدؓ نے حدیث بیان کی اور ابن عمرؓ سے فرمایا کہ اپنے باپ سے دریافت کر لینا۔ تو اس قدر
ذکر فرما کر پوری حدیث کی طرف اشارہ فرمایا

حدیث نمبر ۱۹۸ حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ خَالِدِ الْحَرَّانِیُّ الخ عَنْ اَبِیْہِ الْمُغِیْرَۃِ بْنِ شُعْبَۃَ
عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنَّہٗ خَرَجَ لِحَاجَتِہٖ فَاتَّبَعَہُ الْمُغِیْرَۃُ بِاِدَاوَۃٍ
فِیْھَا مَآءٌ فَصَبَّ عَلَیْہِ حِیْنَ فَرَغَ مِنْ حَاجَتِہٖ فَتَوَضَّاَ وَمَسَحَ عَلَی الْخُفَّیْنِ۔
ترجمہ، حضرت مغیرہ بن شعبہؓ جناب رسول اللہ صلعم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ قضائے حاجت

کے لئے باہر تشریف لے گئے۔ حضرت مغیرہ بن شعبہؓ ایک چھاگلی لوٹا جس میں پانی تھا لے کر آپؐ کے پیچھے چلے جب آپؐ قضاءِ حاجت سے فارغ ہوئے تو انہوں نے آپؐ پر پانی ڈالا حضور اکرم صلعم نے وضو فرمایا اور دونو موزوں پر مسح کیا۔

حدیث نمبر ۱۹۹ حَدَّثَنَا اَبُوْ نُعَیْمٍ الخ اَخْبَرَہٗ اَنَّہٗ رَاٰی رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَمْسَحُ عَلَی الْخُفَّیْنِ

ترجمہ، حضرت عمرو بن امیۃ الضمریؓ نے خبر دی ہے کہ انہوں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو موزوں پر مسح کرتے دیکھا۔

حدیث نمبر ۲۰۰ حَدَّثَنَا عَبْدَانُ الخ عَنْ اَبِیْہِ قَالَ رَاَیْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَمْسَحُ عَلٰی عِمَامَتِہٖ وَخُفَّیْہِ۔

ترجمہ، حضرت عمر ضمری فرماتے ہیں کہ میں نے آپؐ کو دیکھا کہ آپ اپنی پگڑی اور موزوں پر مسح کر رہے تھے۔

تشریح از شیخ زکریاؒ، مسح علی العمامۃ، ظاہریہ اور حنابلہ کے یہاں تو جائز ہے مگر ائمہ ثلاثہ ابوحنیفہ، شافعی اور مالکؒ کے یہاں جائز نہیں ہے۔ یہاں مالکیہؒ اور شوافع نے بخاری کی حدیث چھوڑ دی۔ اگر حنفیہ چھوڑ دیں تو آسمان سر پر اٹھا لیا جاتا ہے۔ بہر صورت یہ حدیث حنابلہ اور ظاہریہ کے موافق اور ائمہ ثلاثہ کے مخالف ہے۔ ظاہریہ تو یہ کہتے ہیں کہ بلا توقیت جائز ہے اور حنابلہ کا مذہب یہ ہے کہ مسح علی العمامۃ ان شروط کے ساتھ جائز ہے جن شروط کے ساتھ مسح علی الخفین کا جواز ہے یعنی طہارت پر پہنا گیا ہو اور مقیم کے لئے یوم و لیلۃ اور مسافر کے لئے ثلاثۃ ایام ولیالیھا یعنی تین دن تین راتیں اسی کے ساتھ ان کی کتابوں میں ایک شرط اور بھی لکھی ہوتی ہے وہ یہ کہ عمامہ علی ہیئۃ المسلمین ہو۔ کفار اور اہلِ ذمہ کی طرح نہ ہو۔ اور اس کی صورت یہ ہے کہ ایک شملہ لٹکا کر داڑھی کے نیچے سے لا کر دوسری طرف کو باندھ دیتے ہیں۔ چونکہ اس طرح نکالنے میں مشقت ہوتی ہے جیسے خفین میں اس لئے یہاں بھی مسح جائز ہے۔ مگر چونکہ یہ روایت ائمہ ثلاثہ کے خلاف پڑتی تھی۔ اس لئے اس کے مختلف جوابات دیئے گئے ہیں ایک تو سب سے قوی ہے جس کو امام محمدؒ نے مؤطا میں ذکر کیا ہے۔ فرماتے ہیں بلغنا انہ کان فترک اور بلاغات امام محمد معتبر ہیں لہٰذا مسح علی العمامہ منسوخ ہو گیا۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ کسی خاص

سفر کا واقعہ ہے جیسا کہ ابوداؤد میں ہے اَمَرَنَا ان نمسح علی العصائب والتساخین یعنی حضور اکرم نے عذر کی بنا پر جبائر پر مسح کا حکم فرمایا اسی طرح کسی وجہ سے مسح علی العمامہ بھی ہوا ہوگا۔ اور تیسرا جواب حنفیہؒ اور شافعیہؒ کے اصول پر چلتا ہے وہ یہ ہے کہ فرض مسح علی الرأس مطلق المسح ہے۔ عند الشوافع اور عند الاحناف ربع رأس ہے تو ممکن ہے فرض کی ادائیگی مسح رأس سے کرلی ہو اور تکمیل سنت کے لئے عمامہ پر مسح کیا ہو۔ اور اس میں کوئی حرج بھی نہیں مگر مالکیہ کے یہاں یہ جواب درست نہیں کیونکہ ان کے ہاں تو استیعاب رأس بالمسح فرض ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ مسح علی الرأس قرآن پاک سے ثابت ہے۔ اور مسح علی العمامہ کا ذکر اخبار احادیں ہے جو محتمل ہیں۔ لہٰذا قطعی کو ظنی کی وجہ سے ترک نہیں کیا جائے گا۔ اور حنفیہؒ کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ ابوداؤد وغیرہ میں مسح علی ناصیتہ وعمامتہ وارد ہے معلوم ہوا کہ اصل فرض تو مسح علی الناصیتہ سے جو ادا ہو گیا۔ اور باقی تکمیل سنت کے لئے تھا ان جوابات ثلاثہ کے ہوتے ہوئے یہ توجیہ کرنا کہ حضور اکرم صلعم عمامہ درست فرما رہے تھے۔ دیکھنے والے نے یہ سمجھا کہ اس پر مسح فرما رہے ہیں یا اس کے علاوہ دوسرے جوابات کی اس وقت ضرورت ہوتی جب یہ مذکورہ جوابات نہ ہوتے۔

باب اِذَا اَدْخَلَ رِجْلَيْهِ وَهُمَا طَاهِرَتَانِ۔

ترجمہ باب جبکہ ماسح اپنے دونوں موزے میں اس وقت داخل کرے جب کہ وہ دونوں پاک ہوں۔

حدیث نمبر ۲۰۱ حَدَّثَنَا اَبُوْ نُعَيْمٍ الخ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ كُنْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ سَفَرٍ فَاَهْوَيْتُ لِاَنْزِعَ خُفَّيْهِ فَقَالَ دَعْهُمَا فَاِنِّيْ اَدْخَلْتُهُمَا طَاهِرَتَيْنِ فَمَسَحَ عَلَيْهِمَا (الحدیث)

ترجمہ، حضرت مغیرہؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں ایک سفر میں جناب نبی اکرم صلعم کے ساتھ تھا۔ میں آپ کے موزے اتارنے کے لئے جھکا تو آپ نے فرمایا ان کو چھوڑ دو کیونکہ میں نے ان کو اس وقت داخل کیا تھا جب وہ دونوں پاک تھے۔ پھر ان پر مسح فرمایا۔

تشریح از شیخ زکریاؒ یہاں اس باب میں ایک اور مسئلہ بیان فرما دیا کہ مسح علی الخفین کے لئے ضروری ہے کہ رجلین کو پاک کر کے موزوں میں داخل کیا ہو اس طہارت سے مراد ائمہ اربعہ کے نزدیک تو طہارت من الانجاس والاحداث جمیعاً ہے۔ اور ظاہریہ کے نزدیک طہارت من الانجاس شرط ہے طہارت

من الاحداث شرط نہیں، جمہور کی طرف سے یہ کہا جاتا ہے کہ جب طہارت مطلق بولی گئی تو اس سے طہارت کاملہ مراد ہوگی خواہ وہ ارجاس ہو یا احداث دعھما الخ یہاں حضور اقدس صلعم نے چھوڑنے کے امر کو معلل فرمایا کہ رجلین مبارکین بحالت طہارت داخل فرماتے ہیں لہٰذا ترجمہ ثابت ہوا۔

باب مَنْ لَمْ يَتَوَضَّأْ مِنْ لَحْمِ الشَّاةِ وَالسَّوِيقِ وَأَكَلَ أَبُو بَكْرٍ وَعُمَرُ وَعُثْمَانُ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمْ لَحْمًا فَلَمْ يَتَوَضَّؤُوا۔

ترجمہ، باب اس شخص کے بارے میں جو بکری کے گوشت اور ستو کے استعمال سے وضو نہیں کرتا حضرت ابو بکرؓ حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ نے گوشت کھایا لیکن وضو نہیں کیا۔

حدیث نمبر ۲۰۲ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ الخ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَكَلَ كَتِفَ شَاةٍ ثُمَّ صَلَّى وَلَمْ يَتَوَضَّأْ۔

ترجمہ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلعم نے بکری کے کندھے کا گوشت کھایا نماز پڑھی اور وضو نہیں کیا۔

تشریح از شیخ مدنیؒ اس باب کے تحت روایت میں سویق کا تذکرہ نہیں البتہ دوسرے باب کی پہلی روایت میں سویق کا ذکر ہے اور دوسری روایت میں لحم کا ذکر ہے سویق اور مضمض عنہ کا ذکر نہیں اس کا جواب یہ ہے کہ باب اصلی من لم یتوضأ من لحم الشاۃ الخ ہے۔ درمیان میں جو باب آیا ہے وہ مستقل نہیں ہے بلکہ باب اول کے تحت میں ہے جس کو بطور فصل کے لایا گیا ہے۔ کیونکہ اس میں لم یتوضأ کے ساتھ مضمض کی زیادتی ہے اس لئے روایت ثانیہ بھی باب اول میں داخل ہوگی۔ مقصد یہ ہے کہ مامستہ النار سے وضو نہیں ہے۔

تشریح از شیخ زکریاؒ امام بخاریؒ نے مولم یتوضأ مما مستہ النار جیسی مختصر عبارت کو چھوڑ کر یہ طویل عبارت اختیار فرمائی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ظاہر باب سے ہی یہ معلوم ہوگیا کہ امام بخاریؒ کا میلان حنابلہؒ کے مذہب کی طرف ہے کیونکہ حنابلہؒ کے یہاں لحم ابل کے استعمال سے وضو ضروری ہے اور جمہورؒ کے نزدیک کسی بھی مما مستہ النار سے وضو واجب نہیں ہوتی۔ اس لئے کہ ابو داؤد میں حضرت جابرؓ کی روایت ہے۔

كان آخر الامرين من رسول الله صلى الله عليه وسلم ترك الوضوء مما غيرته النار

لیکن خود امام ابو داؤدؒ وضو مستہ النار کے قائل ہیں جیسا کہ ان کے ابواب سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلے تو

فی ک الوضوء مما مستہ النار کا باب قائم فرمایا اور پھر باب التشدید فی ذالک منعقد فرما دیا۔ وہ فرماتے ہیں کہ جابرؓ کی روایت ایک مخصوص واقعہ کے ساتھ خاص ہے۔ واکل ابو مجاہدؒ چونکہ امام بخاریؒ لحم الابل سے وضو کے قائل ہیں اس لئے یہاں مطلقاً اکل لحم وعدم توضی کا ذکر ہو۔ تو وہ امام بخاریؒ کے نزدیک لحم شاۃ پر محمول ہوگا۔

حدیث نمبر ۲۰۳ حَدَّثَنَا يَحْيٰى بْنُ بُكَيْرٍ الخ اَنَّهٗ رَاَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَحْتَزُّ مِنْ كَتِفِ شَاةٍ فَدُعِيَ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاَلْقَى السِّكِّيْنَ فَصَلّٰى وَلَمْ يَتَوَضَّأْ۔

ترجمہ: حضرت عمرو بن امیہؓ نے جناب نبی اکرم صلعم کو دیکھا کہ آپؐ بکری کے کندھے کا گوشت کاٹ رہے تھے کہ آپؐ کو نماز کی طرف بلایا گیا۔ تو آپؐ نے چھری پھینک دی نماز پڑھی اور وضو نہ فرمایا۔

تشریح از شیخ زکریاؒ یحتز من کتف شاۃ یعنی کتف شاۃ چھری سے کاٹ کر کھا رہے تھے اس پر اشکال ہے کہ چھری سے کاٹ کر کھانے کی ممانعت ابوداؤد کی روایت سے معلوم ہوتی ہے۔ شراحؒ نے اس کا جواب یہ دیا کہ وہاں بیان اولیت ہے۔ اور یہاں بیان جواز ہے مگر میرے نزدیک اس کا جواب یہ ہے کہ ممانعت اس بات پر محمول ہے کہ چھری ہی سے کھاتے اور بخاریؒ کی روایت اس پر محمول ہے کہ چھری سے کاٹ کر ہاتھ سے کھائے جیسا کہ قربانی کا گوشت کچھ کچا ہو تو کاٹ کر اور پھر ہاتھ سے کھایا جائے

فصلّی ولم یتوضأ یہ عدم توضی اکل لحم شاۃ سے ہوگئی۔ مگر اشکال یہ ہے کہ امام بخاریؒ نے باب میں دو چیزیں ذکر فرمائی ہیں ایک سویق اور دوسرے لحم شاۃ تو حضرت امام بخاریؒ نے لحم شاۃ سے عدم توضی کی روایات تو باب میں ذکر فرما دی۔ مگر سویق کی کوئی روایت ذکر نہ فرمائی۔ شراحؒ نے جواب دیا کہ قیاس سے ثابت فرما دیا۔ کہ جب لحم شاۃ جس میں چکناہٹ ہو تو جب اس سے وضو نہیں فرمائی تو سویق کے اندر بطریق اولیٰ وضو نہ ہوگی۔ کیونکہ اس میں دسومت ہوتی ہی نہیں یہاں امام بخاریؒ کا مقصود عدم وضو مما مستہ النار ثابت کرنا ہے مگر معلوم نہیں کیا بات ہے کہ شراح نے یہاں ترجمہ قیاس سے ثابت فرما دیا۔ حالانکہ امام بخاریؒ کے اصول موضوعہ میں سے یہ بھی تو ہے کہ جب کسی باب کی روایت میں کوئی فائدہ جدیدہ ہوتا ہے تو اس پر تنبیہ کرنے کے لئے نیا باب یا باب در باب باندھ دیتے ہیں یہاں جو روایت آنے والے باب میں آ رہی ہے اس کے اندر سویق کا ذکر ہے۔ اور ترجمہ میرے نزدیک اس سے ثابت ہو رہا ہے۔ مگر چونکہ روایت میں مضمضہ کا لفظ تھا اس لئے امام بخاریؒ نے اس پر تنبیہ کرنے کے لئے بطور فائدہ

جدیدہ ایک نیا باب باندھ دیا۔ اور تنبیہ فرمائی کہ وضو سویق کے کھانے سے تو نہ کی جائے۔ لیکن چونکہ اس سے منہ بھر جاتا ہے۔ اس لئے کلی کر لینی چاہیئے۔

باب مَنْ مَضْمَضَ مِنَ السَّوِيْقِ وَلَمْ يَتَوَضَّأْ۔

ترجمہ، باب اس شخص کے بارے میں کہ ستو کھانے سے کلی تو کی جائے اور وضو نہ کی جائے۔

حدیث نمبر ۲۰۴ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوْسُفَ الخ اَنَّ سُوَيْدَ بْنَ النُّعْمَانِ اَخْبَرَهُ اَنَّهُ خَرَجَ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَامَ خَيْبَرَ حَتّٰى اِذَا كَانُوْا بِالصَّهْبَاءِ وَهِيَ اَدْنٰى خَيْبَرَ فَصَلَّى الْعَصْرَ ثُمَّ دَعَا بِالْاَزْوَادِ فَلَمْ يُؤْتَ اِلَّا بِالسَّوِيْقِ فَاَمَرَبِهٖ فَثُرِّيَ فَاَكَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَكَلْنَا ثُمَّ قَامَ اِلَى الْمَغْرِبِ فَمَضْمَضَ وَمَضْمَضْنَا ثُمَّ صَلّٰى وَلَمْ يَتَوَضَّأْ۔ (الحدیث)

ترجمہ، حضرت سوید بن نعمانؓ خبر دیتے ہیں۔ کہ وہ جناب رسول اللہ صلعم کے ہمراہ خیبر والے سال باہر نکلے یہاں تک کہ جب وہ صہبا مقام پر پہنچے جو کہ خیبر کے نزدیک ہے تو آپؐ نے عصر کی نماز پڑھی پھر توشہ منگوایا تو ستو کے سوا اور کچھ نہ لایا گیا جس کو پانی میں بھگونے کا آپؐ نے حکم دیا۔ جناب رسول اللہ صلعم نے بھی کھایا اور ہم سب نے کھایا پھر آپؐ مغرب کی نماز کے لئے کھڑے ہوئے تو آپؐ نے بھی کلی فرمائی اور ہم سب نے کلی کی پھر آپؐ نے نماز پڑھی اور وضو نہ فرمایا۔

تشریح از شیخ زکریا، ترجمۃ الباب کی غرض سابق باب سے معلوم ہو چکی اونی خیبر یہ خیبر کے قریب تر جگہ ہے۔ ثم دعا بالازواد چونکہ حضور اقدس صلعم ساتھ کھانے کے عادی تھے۔ اکیلے نہ کھاتے تھے۔ اس لئے سب کو بلایا۔ تاکہ ساتھ نوش فرمائیں اور اگر کسی کے پاس کچھ نہ ہو تو دوسرے بھی اسے کھلائیں۔

حدیث نمبر ۲۰۵ حَدَّثَنَا اَصْبَغُ الخ عَنْ مَيْمُوْنَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَكَلَ عِنْدَهَا كَتِفًا ثُمَّ صَلّٰى وَلَمْ يَتَوَضَّأْ۔

ترجمہ، حضرت میمونہ رضہ جناب نبی اکرم صلعم سے روایت کرتی ہیں کہ جناب نبی اکرم صلعم نے ان کے پاس کتیف کا گوشت کھایا پھر نماز پڑھی وضو نہ فرمایا۔

تشریح از شیخ زکریاؒ اس روایت پر علامہ عینیؒ اور کرمانیؒ کو اشکال پیش آ رہا ہے کہ یہ

بے جوڑ عبارت کہاں سے آگئی۔ کیونکہ باب تو مضمض من السویق کا ہے۔ علامہ کرمانیؒ فرماتے ہیں کہ نساخ کا تصوف ہے۔ علامہ عینیؒ کی بھی یہی رائے ہے۔ دراصل سب کو اشکال اس لئے پیش آرہا ہے کہ اس کو مستقل باب سمجھا جارہا ہے لیکن اس کو باب در باب مان لیں تو کوئی اشکال نہیں رہتا۔ اس صورت میں نہ تو باب سابق کے ترجمہ کو قیاس سے ثابت کرنا پڑتا ہے اور نہ ہی اس روایت کو بے موقعہ ماننا پڑے گا۔ بلکہ یہ کہا جائے گا کہ یہ پہلا ہی باب ہے فائدہ جدیدہ کے طور پر درمیان میں باب در باب منعقد کردیا

باب هَلْ يُمَضْمِضُ مِنَ اللَّبَنِ۔ ترجمہ، کیا دودھ پینے سے کلی کرنی چاہیئے۔

حدیث نمبر ۲۰۶ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ الخ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍؓ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَرِبَ لَبَنًا فَمَضْمَضَ وَقَالَ إِنَّ لَهُ دَسَمًا الخ

ترجمہ، حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلعم نے دودھ پیا تو حضور صلعم نے کلی فرمائی اور فرمایا کہ اس میں چکناہٹ ہوتی ہے

تشریح از شیخ زکریاؒ چونکہ بعض علماً کا مذہب یہ ہے کہ دودھ پینے کے بعد کلی کرنی چاہیئے اس پر تنبیہ کرنے کے لئے باب باندھ دیا۔ شرب لبنا یہاں اشکال یہ ہے کہ روایت میں ہے کہ حضور اکرم نے دودھ پیا۔ اور کلی فرمائی پھر ترجمہ میں لفظ ہل لانے کی کیا ضرورت رہی۔ شراح جواب دیتے ہیں، ابو داؤد کی روایت میں ولم یمضمض ہے اس لئے اس پر تنبیہ کرنے کے لئے ترجمہ میں لفظ ھل لے آئے تاکہ غور کرو کہ جس طرح یہاں مضمض کا ذکر ہے۔ دوسری جگہ عدم مضمضہ کا ذکر بھی ہے اور میری رائے یہ ہے کہ حضور اکرم صلعم نے مضمضہ باللبن کو معلل فرما دیا۔ کہ اس کے اندر دسومت ہوتی ہے تو امام بخاریؒ نے لفظ ھل سے اس طرف اشارہ فرما دیا کہ اس میں دسومت نہ ہو۔ تو پھر کوئی ضرورت نہیں اور بعض نے کہا ھل کا لفظ لبا اوقات اختلاف کی طرف اشارہ کرنے کے لئے ہوتا ہے

باب الْوُضُوْءِ مِنَ النَّوْمِ وَمَنْ لَمْ يَرَ مِنَ النَّعْسَةِ وَالنَّعْسَتَيْنِ أَوِ الْخَفْقَةِ وُضُوْءًا۔ ترجمہ، باب نیند سے وضو کرنے کا حکم۔ اور اس شخص کے بارے میں جو ایک دفعہ اونگھنے یا دو دفعہ اونگھنے اور سر کے ہلنے سے وضوء کے روادار نہیں۔

حدیث نمبر ۲۰۷ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوْسُفَ الخ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا نَعَسَ أَحَدُكُمْ وَهُوَ يُصَلِّيْ فَلْيَرْقُدْ حَتّٰى يَذْهَبَ عَنْهُ النَّوْمُ فَإِنَّ

اَحَدُکُمْ اِذَا صَلّٰی وَھُوَ نَاعِسٌ لَا یَدْرِیْ لَعَلَّہٗ یَسْتَغْفِرُ فَیَسُبُّ نَفْسَہٗ ۔

ترجمہ، حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلعم نے فرمایا جبکہ کسی ایک کو نماز کی حالت میں اونگھ آئے تو وہ سوجائے تاکہ اس کی نینداس سے زائل ہوجائے۔ کیونکہ جب کسی نے اونگھنے کی حالت میں نماز پڑھی تو غیر شعوری طور پر شاید وہ مغفرت طلب کرنے کی بجائے اپنے آپ کو گالی دے رہا ہو۔

تشریح از شیخ مدنیؒ حضرت امام مالکؒ اور ان کے موافقین کا مسلک یہ ہے کہ نوم کثیر تو ناقض ہے نوم قلیل ناقض نہیں مگر ائمہ ثلاثہؒ کے یہاں خواہ نوم کثیر ہو یا قلیل بشرطیکہ وہ استرخاء مفاصل کا سبب بنے وہ ناقض وضو ہے ۔ ہر ایک کے پاس اس کی تفصیل ہے۔ نعسۃ اور سنۃ میں چونکہ اثر نوم کم ہوتا ہے اس میں نقض کی کوئی وجہ نہیں پائی جاتی اس لئے ناقض نہ ہوگی۔ دلیل یہ ہے کہ آنجناب نبی اکرم صلعم نے جو علّۃ بیان فرمائی ہے وہ لعلہ یستغفر یسب نفسہ ہے فینقض وضوءہٗ نہیں فرمایا۔ اگر اس پر شبہ ہو کہ ظاہر حدیث کا تقاضا ہے کہ اگر غلبۂ نوم ہو تو نماز چھوڑ دینی چاہیئے۔ تو کہا جائے گا کہ یہ حکم صلوات نافلہ کے بارے میں ہے۔ عادت یہی ہے کہ صلوات فرضیہ عشاء وصبح وغیرہ میں یہ حکم نہیں ہے۔ دوسرا اشکال یہ ہے کہ احادیث میں ہے کہ قلب لاھیہ کی دعا قبول نہیں ہوتی۔ پھر لا یدری لعلہ یستغفر کے کیا معنی ؟ تو کہا جائے گا کہ واقعی دعا وہی مقبول ہوتی ہے جو خلوص دل سے ہو۔ مگر بعض اوقات دعا کے قبولیت کے ایسے ہوتے ہیں کہ جو لفظ زبان سے نکلا وہ قبول ہوگیا۔ اس لئے منع کیا گیا کہ ایسی حالت سے گریز کرنا چاہیئے۔

تشریح از شیخ زکریاؒ، نعسہ کے معنے اونگھنے کے ہیں اور خفقہ اونگھ کی وجہ سے سر کا ہلنا یہاں باب میں اشکال یہ ہے کہ امام بخاریؒ نے ترجمہ کے دو جزء قرار دیئے ہیں۔ ایک وضوء من النوم دوسرا من لم یرا الوضوء روایت جو ذکر فرمائی ہے وہ نعسہ کی ہے نوم کی کوئی روایت ذکر نہیں فرمائی۔ اس کا جواب بعض لوگوں نے یہ دیا۔ کہ نوم اور نعسہ سے مراد ایک ہی ہے تو گویا ترجمہ میں بس ایک ہی چیز ہے اور من لم یر من النعسہ وضوء من النوم کی تفصیل ہے اور بعض نے کہا کہ نوم سے چونکہ نقض مشہور تھا اس لئے اس کی روایت ذکر نہیں فرمائی۔ اب نوم ناقض وضو ہے یا نہیں اس کے اندر تین مذہب ہیں۔ سلف کی ایک جماعت کی رائے ہے کہ نوم مطلقاً ناقض ہے اور سلف ہی میں دوسری جماعت

9/2

کی رائے اس کے بالکل خلاف ہے کہ نوم کی کوئی قسم ناقض وضو نہیں ہے۔ اور ائمہ اربعہ جمع بین الروایات
فرماتے ہیں کہ نوم کی بعض انواع ناقض ہیں اور بعض ناقض نہیں جمع بین الروایات کا مطلب یہ ہے کہ
نقض وضو بالنوم کی روایات مختلف ہیں اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ناقض ہے۔ دوسری روایت
میں ہے کہ صحابہ کرام نماز کی انتظار میں بیٹھے بیٹھے سونے لگتے حتیٰ تخفق رؤسہم تو اس سے معلوم
ہوتا ہے کہ نیند ناقض نہیں۔ اب پھر انواع ناقضہ اور غیر ناقضہ میں اختلاف ہے حضرت امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک
النوم متکیًا علی شیئ لو ازیل لسقط کہ اگر کسی چیز کا سہارا لے کر نیند کر رہا تھا اگر وہ سہارا زائل ہو
جائے تو گر پڑے امام شافعیؒ کے نزدیک النوم قاعدا ممکنا مقعدہ من الارض کہ نیند بیٹھے بیٹھے زمین
پر سرین جمائے ہونے کی نیند ناقض نہیں باقی انواع ناقض ہیں تو معلوم ہوا کہ نوم فی نفسہ تو ناقض نہیں ہے
بلکہ چونکہ نوم مظنہ خروج ریح ہے اس لئے ناقض ہے۔ اور جب یہ صورت بالا ہو تو پھر خروج ریح کا
مظنہ نہیں رہتا ہے۔ اور مالکیہؒ کے نزدیک نوم ثقیل ناقض ہے اور نوم خفیف ناقض نہیں ہے۔ مثلاً
اس طرح سو رہا ہو کہ ذرا سی حرکت ہو تو جاگ جائے اور حنابلہؒ کے نزدیک نوم یسیر ناقض نہیں ہے۔
بلکہ نوم کثیر ناقض ہے۔ یسیر کا مطلب ہے۔ ایک آدھ منٹ سو جانا اور اس میں ایک قید یہ بھی ہے کہ
وہ نوم قاعدًا ہو قائمًا ہو۔ کیونکہ روایات میں صحابہ کرامؓ کا سونا انہیں دو صورتوں میں منقول ہے تو مالکیہ
اور حنابلہ میں فرق یہ ہو گا کہ ان کے نزدیک لیٹا ہوا آدمی اگر ہلکی نیند سو رہا ہے تو اس کی وضو نہیں ٹوٹے
گی اور حنابلہ کے یہاں حالتین قیام وقعود میں ہو۔ اگر لیٹ کر ہو گی تو وضو ختم ہو جائے گی فان احدکم
اذا صلی وھو ناعس اس سے ترجمہ لطیف ثابت فرمایا کہ جناب رسول اللہ صلعم صلوٰۃ بحالت نعسہ سے
منع فرما رہے ہیں، اگر نعس سے وضو ٹوٹ جاتا تو صلوٰۃ بحالت نعسہ لکھنا کیسے صحیح ہوتا کیونکہ جب وضو
ٹوٹ گئی تو نماز کہاں رہی۔ لعلہ یستغفر الخ سونے میں آدمی کو پتہ نہیں چلتا۔ وہ کہنا چاہے گا اللھم
اغفر اور زبان سے نکلے گا۔ اللھم لا تغفر دعا کرے گا اللھم ارزقنی کی اور زبان سے نکل جائے
اللھم لا ترزقنی اور یہ سن لو کہ اللہ تعالیٰ کی خاص ساعات اجابت ہیں اس میں جو بھی منہ سے نکل
جائے گا وہ قبول ہو گا۔ اس لئے آدمی کو چاہیئے کہ اپنے لئے بددعا نہ کرے ایک ڈوم کہیں جا رہا تھا نیند
آ رہی تھی چلتے چلتے کہنے لگا کہ اے اللہ ایک گھوڑی دے دے راستے میں گاؤں کا سردار کھڑا تھا اتفاق سے
اس کی گھوڑی نے بچہ دیا۔ اب وہ لے کیسے جاتا اس نے ڈوم کو جو دیکھا تو بلا یا اوڈوم یہاں آ۔ اور

اس کے کندھے پر بچہ لاد دیا، ڈوم نے کہا کہ اے اللہ بانگی تھی بیچے کو مل گئی ادھر کو اس لیے چاہیئے کہ آدمی حدیث کی دعاؤں سے دعا کرے کیونکہ وہ بالکل جامع مانع ہوتی ہیں

حدیث نمبر ۲۰۸ حَدَّثَنَا اَبُوْ مَعْمَرٍ الخ عَنْ اَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا نَعَسَ فِي الصَّلٰوةِ فَلْيَنَمْ حَتّٰى يَعْلَمَ مَا يَقْرَأُ۔

ترجمہ، حضرت انسؓ جناب نبی اکرم صلعم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا جب کوئی نماز میں اونگھنے لگے تو اسے سو جانا چاہیئے یہاں تک کہ جان لے کیا پڑھ رہا ہے

باب الْوُضُوْءِ مِنْ غَيْرِ حَدَثٍ ، ترجمہ، بغیر حدث کے وضو کرنے کا حکم۔

حدیث نمبر ۲۰۹ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوْسُفَ الخ عَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَوَضَّأُ عِنْدَ كُلِّ صَلٰوةٍ قُلْتُ كَيْفَ كُنْتُمْ تَصْنَعُوْنَ قَالَ يُجْزِئُ اَحَدَنَا الْوُضُوْءُ مَا لَمْ يُحْدِثْ۔

ترجمہ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ جناب نبی اکرم صلعم ہر نماز کے وقت وضو فرماتے تھے میں نے پوچھا آپ لوگ کیسے کرتے تھے فرمایا ہمیں وہی وضو کافی ہو جاتا تھا جب تک کہ بے وضو نہ ہوں

حدیث نمبر ۲۱۰ حَدَّثَنَا خَالِدُ بْنُ مَخْلَدٍ الخ اَخْبَرَنِيْ سُوَيْدُ بْنُ النُّعْمَانِ قَالَ خَرَجْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَامَ خَيْبَرَ حَتّٰى اِذَا كُنَّا بِالصَّهْبَاءِ صَلّٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْعَصْرَ فَلَمَّا صَلّٰى دَعَا بِالْاَطْعِمَةِ فَلَمْ يُؤْتَ اِلَّا بِالسَّوِيْقِ فَاَكَلْنَا وَشَرِبْنَا ثُمَّ قَامَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلَى الْمَغْرِبِ فَمَضْمَضَ ثُمَّ صَلّٰى لَنَا الْمَغْرِبَ وَلَمْ يَتَوَضَّأْ ۔ (الحديث)

ترجمہ، حضرت سوید بن نعمان خبر دیتے ہیں کہ ہم خیبر والے سال جناب رسول اللہ صلعم کے ہمراہ نکلے یہاں تک جب ہم لوگ صہبا مقام پر پہنچے تو آپ نے ہمیں عصر کی نماز پڑھائی۔ پھر جب نماز سے فارغ ہوئے تو کھانے کی چیزیں منگوائیں تو ستو کے سوا کوئی چیز نہ لائی گئی۔ ہم نے کھایا پیا پھر آپ مغرب کی نماز کے لئے کھڑے ہوئے آپ نے کلی فرمائی ہمیں مغرب کی نماز پڑھائی اور وضو نہ فرمائی۔

تشریح از شیخ مدنیؒ بعض روایات سے ثابت ہے کہ آپ نے بغیر بے وضوئی کے وضو فرمائی اور بعض سے عدم وضو معلوم ہوتا ہے۔ اس سے امام بخاریؒ کا مقصد یہ ہے کہ بعض لوگ کہتے تھے کہ خصوصیت

کے ساتھ ہر نماز کے لئے آپ پر وضو فرض تھا امت پر نہیں تھا۔ واقعۂ خیبر سے معلوم ہوا کہ وضو عند کل صلوٰۃ نہ آپ پر فرض تھا اور نہ امت پر۔ دوسری بات یہ ہے کہ دو حالتوں کو بیان کرنا ہے کہ پہلے وضو عند کل صلوٰۃ خاص کر آپ پر فرض تھا۔ مگر جب شاق ہوا۔ تو اسے اٹھا لیا گیا۔ آج نہ آپ پر فرض ہے نہ امت پر اگرچہ ظاہر آیت اس کی مقتضی ہے۔

تشریح از شیخ زکریاؒ اس ترجمہ کی دو غرضیں بیان کی جاتی ہیں۔ ایک تو ان لوگوں پر رد کرنا جو ہر وقت کی نماز میں مستقل وضو کے قائل ہیں گو حدث نہ ہو۔ اور دوسرے وضو من غیر حدث کا استحباب بیان کرنا ہوا استحباب تو حضور اقدس صلعم کے فعل سے ثابت ہو جائے گا اور ان لوگوں پر صحابہ کرام کے فعل سے رد ہو گا حضور اکرم صلعم کے متعلق تو فرماتے ہیں کہ کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یتوضأ عند کل صلوٰۃ اور صحابہ کرام کے بارے فرماتے ہیں یجزی احدنا الوضوء مالم یحدث ۔

باب مِنَ الْکَبَائِرِ اَنْ لَّا یَسْتَتِرَ مِنْ بَوْلِهٖ ۔

ترجمہ، کبیرہ گناہوں میں سے جو شخص اپنے پیشاب سے پردہ نہیں کرتا ۔

حدیث نمبر ۲۱۱ حَدَّثَنَا عُثْمَانُ الخ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ مَرَّ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِحَائِطٍ مِنْ حِیْطَانِ الْمَدِیْنَةِ اَوْ مَکَّةَ فَسَمِعَ صَوْتَ اِنْسَانَیْنِ یُعَذَّبَانِ فِی قُبُوْرِهِمَا فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یُعَذَّبَانِ وَمَا یُعَذَّبَانِ فِی کَبِیْرٍ ثُمَّ قَالَ بَلٰی کَانَ اَحَدُهُمَا لَا یَسْتَتِرُ مِنْ بَوْلِهٖ وَکَانَ الْاٰخَرُ یَمْشِیْ بِالنَّمِیْمَةِ ثُمَّ دَعَا بِجَرِیْدَةٍ فَکَسَرَهَا کِسْرَتَیْنِ فَوَضَعَ عَلٰی کُلِّ قَبْرٍ مِّنْهُمَا کِسْرَةً فَقِیْلَ لَهٗ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ لِمَ فَعَلْتَ هٰذَا قَالَ لَعَلَّهٗ اَنْ یُّخَفَّفَ عَنْهُمَا مَالَمْ یَیْبَسَا

ترجمہ، حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ جناب نبی اکرم صلعم کا مدینہ یا مکہ کے باغوں میں سے ایک باغ کے پاس سے گذر ہوا۔ تو آپ نے دو انسانوں کی آواز سنی جن کو اپنی قبروں میں عذاب ہو رہا تھا آنجناب نبی اکرم صلعم نے فرمایا۔ ان دونوں کو عذاب ہو رہا ہے لیکن کسی بڑے گناہ میں نہیں پھر فرمایا کیوں نہیں بلکہ بڑے گناہ میں عذاب ہو رہا ہے۔ ایک ان میں سے اپنے پیشاب سے پرواہ نہیں کرتا تھا اور دوسرا چغل خوری چلاتا تھا۔ آپ نے کھجور کی ٹہنی منگوائی اس سے دو ٹکڑے فرمائے ان میں ہر ایک قبر پر ایک ایک ٹکڑا رکھ دیا جس پر آپ سے کہا گیا کہ آپ نے ایسے کیوں کیا آپ نے فرمایا کہ شاید اللہ تعالیٰ ان

دونوں سے عذاب کو ہلکا کر دے جب تک یہ ٹکڑے خشک نہ ہو جائیں۔

تشریح از شیخ مدنیؒ یہاں مصنفؒ اپنا مسلک امام مالکؒ کے مسلک کے مطابق تبلانا چاہتے ہیں امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ بول انسان نجس ہے لیکن بول مایؤکل لحمہ یعنی بول ابل بقر و غنم وغیرہ اس حکم میں داخل نہیں۔ جیسے من بولہ کے الفاظ اس پر دلالت کرتے ہیں۔ مگر جمہور فرماتے ہیں کہ ہر بول کا یہی حکم ہے کیونکہ مستدرک حاکم کی روایت میں ہے استنزھوا من البول فان عامۃ عذاب القبر منہ اور یہاں بول مطلق ہے۔ لا یستتر من بولہ سے استدلال صحیح نہیں اس لئے کہ بولہ میں اضافۃ الی الضمیر ادنی ملابسۃ کی وجہ سے ہے۔ روایات میں آتا ہے کہ جب آپؐ سے اس شخص کے متعلق پوچھا گیا تو آپؐ نے فرمایا کہ یہ شخص بول ابل سے نہیں بچتا تھا۔ تو بول انسان کی خصوصیت نہ ہوئی۔

تشریح از شیخ زکریاؒ صغائر تو حسنات سے معاف ہو جاتے ہیں اور کبائر کے لئے توبہ کی ضرورت ہے۔ یہ تو قاعدہ ہے ویسے اللہ تعالیٰ کو اختیار ہے کہ کبائر کو بغیر توبہ کے معاف کر دے اور صغائر پر عذاب دیدے۔ ترجمۃ الباب کی غرض ان لوگوں پر رد کرنا ہے۔ جو یہ کہتے ہیں کہ عدم استتار من البول کبیرہ نہیں ہے۔ بلکہ صغیرہ ہے جیسا کہ ابن بطال کا قول ہے کیونکہ روایت میں وما یعذبان فی کبیر آیا ہے تو امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ عدم تنزہ عن البول کبائر میں سے ہے وما یعذبان فی کبیر کا مطلب یہ ہے کہ جس امر کے اندر وہ معذب ہو رہے ہیں وہ ان معذبین کی نظر میں کوئی اہم چیز نہیں تھی۔ یا یہ کہ اس سے بچنا کوئی بڑی بات نہیں تھی۔ نیز! خود حدیث کے الفاظ بلیٰ انہ لکبیر ہے پھر کبیرہ کی نفی کہاں ہوئی۔ دوسری بات یہ ہے کہ امام بخاریؒ نے من بولہ فرما کر ایک مسئلہ کی طرف اشارہ فرما دیا۔ وہ یہ کہ تعذیب اپنے بول پر ہو رہی تھی اور اس سے نہ بچنا گناہ کبیرہ ہے کیونکہ بول انسان ناپاک ہے بخلاف بول حیوان کے کہ وہ طاہر ہے اس میں دو قول مشہور ہیں۔ ایک تو یہ کہ ماکول اللحم حیوانات کا بول پاک ہے۔ مالکیہ اور حنابلہ کی یہی رائے ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ سارے حیوانات کے ابوال ناپاک ہیں۔ یہی حنفیہؒ اور شافعیہؒ کا مذہب ہے۔ اور امام بخاریؒ اس مسئلہ میں مالکیہ اور حنابلہ کے ساتھ ہیں۔ اسی لئے من بولہ فرمایا۔

بحائط من حیطان المدینۃ او مکۃ یہ او شک کے لئے ہے صحیح یہ ہے کہ یہ واقعہ مدینہ کا ہے فسمع صوت انسانین الخ یہ دونوں معذب کون تھے مسلمان تھے یا کافر اس میں دونوں قول ہیں

اور روایت سے دونوں کی تائید ہوتی ہے۔ فرماتے ہیں وما یعذبان فی کبیر تو اگر کافر ہوتے
تو وہاں تو اکبر الکبائر ہوتا۔ اور آخر میں فرما رہے ہیں کہ لعلہ یخفف عنہما حضور اقدس صلعم تو دعا فرمائیں
اور پھر اس میں تعلق کے ساتھ تخفیف کو فرمائیں اور وہ بھی ایک زمان محدود تک۔ تو معلوم ہوا کہ
کافر تھے اور مستقل روایات دونوں فریق کی الگ الگ مؤید موجود ہیں۔ ثم قال بلیٰ یعنی فی نفسہ کوئی
امر عظیم نہیں تھا جس سے بچنا دشوار ہوتا لہٰذا اس سے تعارض نہیں رہتا۔ کہ جس کی نفی اسی کا اثبات ہو
رہا ہے۔ کیونکہ یہاں اثبات نفس کبیرہ کا ہے فوضع الخ یہ وضع حضور اکرم صلعم کے ساتھ خاص ہے یا
عام یہ مسئلہ کتاب الجنائز میں آئے گا۔ اور میرے نزدیک اقرب یہی ہے کہ یہ دونوں مسلمان تھے۔ چنانچہ
ایک روایت میں من دفنتم الیوم کے الفاظ وارد ہیں۔ اسی طرح یہ واقعہ مدینہ کا ہے کیونکہ ایک
روایت میں بقیع کا لفظ آیا ہے۔

باب مَاجَاءَ فِيْ غَسْلِ الْبَوْلِ وَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِصَاحِبِ الْقَبْرِ كَانَ لَا يَسْتَتِرُ مِنْ بَوْلِهٖ وَلَمْ يَذْكُرْ سِوٰى بَوْلِ النَّاسِ۔

ترجمہ، باب پیشاب کے دھونے کے بارے میں جو کچھ حکم آیا ہے جناب نبی اکرم صلعم نے قبر والے
کے بارے میں فرمایا کہ وہ اپنے پیشاب کی پرواہ نہیں کرتا تھا انسان کے بول کے علاوہ کسی کا ذکر نہیں۔

حدیث نمبر ۲۱۲ حَدَّثَنَا يَعْقُوْبُ بْنُ إِبْرَاهِيْمَ الخ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا تَبَرَّزَ لِحَاجَتِهٖ أَتَيْتُهٗ بِمَاءٍ فَيَغْسِلُ بِهٖ۔

ترجمہ، حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلعم جب قضائے حاجت کے لئے
باہر جاتے تھے۔ تو آپ کے لئے پانی لاتا تھا جس سے آپ دھوتے تھے۔

تشریح از شیخ زکریاؒ انسان کا بول تو سب کے نزدیک ناپاک ہے مگر بول ما یؤکل لحمہ
میں اختلاف ہے۔ حنفیہؒ کا قول واحد اور امام شافعیؒ کا راجح قول یہ ہے کہ ناپاک ہے۔ اور مالکیہؒ کا قول واحد
اور حنابلہؒ کی راجح روایت یہ ہے کہ طاہر ہے امام بخاریؒ اس مسئلہ میں مالکیہ کے ساتھ ہیں اس لئے وہ
فرما رہے ہیں کہ حضور اقدس صلعم نے لا یستتر من بولہ فرمایا سوائے اذا تبرز لحاجتہ الخ
چونکہ بول و براز کے لئے تلازم ہے۔ اس لئے جب براز فرمایا ہوگا اور پھر پانی سے طہارت فرمائی
لہٰذا طہارۃ من البول ثابت ہوگی۔ دوسرا یہ کہ دراصل براز جنگل کو کہتے ہیں اور جنگل عام ہے۔ خواہ بول کے

لئے اس میں جاتے یا براز کے لئے تو امام بخاریؒ نے اس کے عموم سے استدلال فرمایا۔

باب حدیث نمبر ۲۱۳ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى الخ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ مَرَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِقَبْرَيْنِ فَقَالَ إِنَّهُمَا لَيُعَذَّبَانِ وَمَا يُعَذَّبَانِ فِي كَبِيرٍ أَمَّا أَحَدُهُمَا فَكَانَ لَا يَسْتَتِرُ مِنَ الْبَوْلِ وَأَمَّا الْآخَرُ فَكَانَ يَمْشِي بِالنَّمِيمَةِ ثُمَّ أَخَذَ جَرِيدَةً رَطْبَةً فَشَقَّهَا بِنِصْفَيْنِ فَغَرَزَ فِي كُلِّ قَبْرٍ وَاحِدَةً قَالُوا يَا رَسُولَ اللّٰهِ لِمَ فَعَلْتَ هٰذَا قَالَ لَعَلَّهُ يُخَفَّفُ عَنْهُمَا مَا لَمْ يَيْبَسَا قَالَ ابْنُ الْمُثَنَّى وَحَدَّثَنَا وَكِيعٌ قَالَ حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ سَمِعْتُ مُجَاهِدًا مِثْلَهُ (الحدیث)

ترجمہ، حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ جناب نبی اکرم صلعم کا گذر ایسی دو قبروں کے پاس سے ہوا جس میں عذاب ہو رہا تھا آپؐ نے فرمایا کہ یہ دو نو کسی بڑے گناہ میں عذاب نہیں دیئے جا رہے لیکن ایک تو ان میں سے پیشاب سے پردہ نہیں کرتا تھا۔ اور دوسرا چغل خوری کرتا تھا۔ تو آپؐ نے کھجور کی ایک تر ٹہنی لی اور اس کے دو ٹکڑے فرمائے پھر ان میں سے ہر ایک ٹکڑے کو ہر قبر میں گاڑ دیا۔ صحابہ کرام نے پوچھا حضرت آپؐ نے ایسا کیوں کیا تو آپؐ نے فرمایا شاید ان دو نو سے عذاب میں تخفیف ہو جائے جب تک ٹہنیاں خشک نہ ہو جائیں۔ حضرت اعمش فرماتے ہیں میں نے حضرت مجاہد سے ایسا سنا۔

تشریح از شیخ مدنیؒ یہاں باب کو بلا ترجمہ لایا گیا۔ غالباً اس سے وجوب غسل ثابت کرنا مقصود ہے کہ اس شخص نے غسل نہیں کیا تھا اس لئے معذّب ہوا اور عذاب سے بچنا طبعی تقاضا ہے۔ لہٰذا غسل بول کا وجوب ثابت ہوا۔ ان تینوں بابوں میں سختی سے استنزاہ بول کا حکم بیان کیا گیا اور باب ترک النبی صلعم الخ سے بیان کرنا ہے کہ اگرچہ بول کے بارے میں اتنا سخت حکم ہے۔ مگر تلویث مسجد کے خوف سے پیشاب کرنے والے کو نہ روکا جائے۔

تشریح از شیخ زکریاؒ یہ باب حضرت شاہ صاحب کے نزدیک یہاں بے محل اور بے موقع ہے اور بعض نسخوں میں یہاں باب کا لفظ نہیں ہے۔ وہی صحیح ہے۔ اور حضرت شیخ الہندؒ فرماتے ہیں کہ یہ باب کالفصل من الباب السابق نہیں ہو سکتا بلکہ بظاہر یہ تشحید اذہان کے لئے ہے۔ اور باب کون البول موجبا لعذاب القبر مناسب ترجمہ ہو سکتا ہے۔ ترجمہ کہ پیشاب کا عذاب قبر کے لئے موجب ہونا۔ اور حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ اس کا مقصد فرضیت غسل ما وقع من البول علی المحل ثابت کرنا ہے۔ یعنی کسی جگہ پر پیشاب

قطرے پھیل جائیں تو ان کا دھونا فرض ہے۔ اور میرے نزدیک وجوب استنجا من البول کا ثابت کرنا ہے کہ پیشاب سے استنجا کرنا واجب ہے، چونکہ باب سابق سے وجوب غسل بول کا شبہ ہوتا تھا۔ اس لئے امام بخاریؒ نے اشارہ فرمادیا کہ مقصود تنزہ اور تستر ہے۔ بول سے بچنا چاہیئے جس طرح ہو پانی ضروری نہیں۔ تو میرے نزدیک حضرت امام بخاریؒ نے ان لوگوں پر ردّ فرما دیا جو یہ کہتے ہیں کہ استجمار بدعت ہے۔ اور پیشاب کے لئے ڈھیلا استعمال کرنا کہیں ثابت نہیں۔ عن مجاھد عن طاؤس عن ابن عباس اس سند میں مجاہد ابن عباس سے بواسطہ طاؤس نقل کرتے ہیں اور اس سے قبل جو سند گذری ہے۔ اس میں عن مجاھد عن ابن عباسؓ گویا طاؤس کا واسطہ مذکور نہیں، دارقطنی نے بلا واسطہ والی سند کو منتقدات میں شمار کیا ہے اور کہا ہے کہ امام بخاریؒ نے ایک منقطع روایت ذکر کی ہے۔ امام بخاریؒ کی طرف سے حافظ ابن حجرؒ نے جواب دیا کہ اس میں کیا استحالہ (مشکل) ہے کہ ایک بار تو مجاہد نے طاؤس کے واسطہ سے اور پھر براہ راست ابن عباس سے سن لی ہو۔ حافظ ابن حجرؒ باب پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس سے پہلے باب میں جو حدیث تھی اس میں تو پیشاب کے دھونے کا ذکر تھا۔ جو ذکر وغیرہ پر لگ جائے یا بدن کے کسی حصہ پر لگ جائے۔ اور یہ الگ باب اس لئے باندھا۔ کہ اس کے اندر اس بول کے غسل کا ذکر ہے جو کپڑوں وغیرہ پر لگ جائے۔

باب تَرْكِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالنَّاسِ الْأَعْرَابِيَّ حَتّٰى فَرَغَ مِنْ بَوْلِهٖ فِي الْمَسْجِدِ۔ ترجمہ، جناب نبی اکرم صلعم اور لوگوں نے اس دیہاتی کو چھوڑ دیا۔ یہاں تک کہ وہ مسجد میں پیشاب کرنے سے فارغ ہو گیا۔

تشریح از شیخ زکریاؒ، چونکہ مساجد کے پاک صاف رکھنے کا حکم روایات میں وارد ہوا ہے۔ اس کا تقاضا یہ ہے کہ اگر کوئی مسجد میں بیٹھ کر پیشاب کرنے لگے تو اس کو روک دینا چاہیئے ورنہ ان اوامر کا خلاف لازم آئے گا۔ تو حضرت امام بخاریؒ نے تنبیہ فرما دی کہ جب کوئی شخص مسجد پیشاب کرنے لگے تو اس کو چھوڑ دینا چاہیئے تاکہ پیشاب سے فارغ ہو جائے کیونکہ جب پیشاب چل پڑتا ہے تو رکتا نہیں۔ لہٰذا اگر روکا تو اور تلویث کا خوف ہے لہٰذا مسجد کا تطہر اس میں ہے کہ اسے فارغ ہونے دے۔

حدیث نمبر ۲۱۴ حَدَّثَنَا مُوْسٰى بْنُ اِسْمٰعِيْلَ الخ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَاٰى اَعْرَابِيًّا يَبُوْلُ فِي الْمَسْجِدِ فَقَالَ دَعُوْهُ حَتّٰى اِذَا فَرَغَ دَعَا

بِمَآءٍ فَصَبَّهٗ عَلَيْهِ۔ (الحدیث)

ترجمہ، حضرت انس بن مالکؓ سے مروی ہے کہ جناب نبی اکرم صلعم نے ایک دیہاتی کو مسجد میں پیشاب کرتے دیکھا تو فرمایا کہ اس کو چھوڑ دو تاکہ وہ فارغ ہولے پھر آپؐ نے پانی منگایا اور اس کو پیشاب پر پلٹ دیا۔

تشریح از شیخ زکریاؒ چونکہ روایت سابقہ میں یہ مذکور تھا کہ جب وہ آدمی پیشاب سے فارغ ہوگیا تو پانی کا ڈول اس کے پیشاب پر ڈال دیا گیا۔ اس پر اشکال بظاہر یہ ہوتا ہے کہ پانی سے تو وہ اور پھیل جائے گا لہٰذا اور ناپاکی پھیلے گی تو حضرت امام بخاریؒ نے فرمادیا کہ اگر پانی پلٹا جائے گا اور خوب پانی ڈالا جائے گا کہ جس سے پانی بہنے لگے۔ مغلوب ہوجائے تو وہ جاری پانی کے طور پر ہو جائے گا۔ اور پاک ہو جائے گا۔ یہ راجح ہے۔ اور بعض علماؒ کی رائے ہے کہ باب کی غرض حنفیہؒ پر رد کرنا ہے۔ اس لئے کہ وہ کہتے ہیں کہ زمین کو کھودا جائے تو امام بخاریؒ نے فرمادیا کہ کھودنے کی ضرورت نہیں ہے بلکہ پانی ڈال دو۔ احناف کہتے ہیں کہ پانی ڈالنے سے یہ کہاں لازم آگیا کہ کھودنے سے طہارت حاصل نہ ہوگی کیونکہ جب ناپاک مٹی دور کردی گئی تو نجاست بھی ختم ہوگئی۔ اب باقی طاہر ہے پانی ڈالنا بھی ایک طریقہ ہے۔ لہٰذا اس طریقہ سے کسی اور طریقہ کی نفی لازم نہیں آتی۔

باب صَبِّ الْمَآءِ عَلَى الْبَوْلِ فِى الْمَسْجِدِ۔

ترجمہ، مسجد میں پیشاب کرنے کی صورت میں اس پر پانی ڈالنا۔

حدیث نمبر ۲۱۵ حَدَّثَنَا اَبُوالْيَمَانِ الخ اَنَّ اَبَا هُرَيْرَةَ قَالَ قَامَ اَعْرَابِيٌّ فَبَالَ فِى الْمَسْجِدِ فَتَنَاوَلَهُ النَّاسُ فَقَالَ لَهُمُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَعُوْهُ وَهَرِيْقُوْا عَلٰى بَوْلِهٖ سَجْلًا مِّنْ مَّآءٍ اَوْ ذَنُوْبًا مِّنْ مَّآءٍ فَاِنَّمَا بُعِثْتُمْ مُيَسِّرِيْنَ وَلَمْ تُبْعَثُوْا مُعَسِّرِيْنَ۔

ترجمہ، حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ ایک دیہاتی نے کھڑے ہوکر مسجد میں پیشاب کرنا شروع کیا تو لوگوں نے اس کو دھر لیا۔ تو جناب نبی اکرم صلعم نے ان سے فرمایا کہ تم اس کو چھوڑ دو اور اس کے پیشاب پانی کا ڈول دو تم آسانی کرنے والے بھیجے گئے تنگی کرنے والے بنا کر نہیں بھیجے گئے۔

حدیث نمبر ۲۱۶ حَدَّثَنَا عَبْدَانُ الخ سَمِعْتُ اَنَسَ بْنَ مَالِكٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دوسری سند میں ہے سَمِعْتُ اَنَسَ بْنَ مَالِكٍ قَالَ جَآءَ اَعْرَابِيٌّ فَبَالَ

فِیْ طَآئِفَۃِ الْمَسْجِدِ فَزَجَرَہُ النَّاسُ فَنَھَاھُمُ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا قَضٰی بَوْلَہٗ اَمَرَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِذَنُوْبٍ مِّنْ مَّآءٍ فَاُھْرِیْقَ عَلَیْہِ۔

ترجمہ، حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ ایک دیہاتی آیا اس نے مسجد کے ایک کنارے میں پیشاب کرنا شروع کر دیا تو لوگوں نے اسے ڈانٹا جناب نبی اکرم صلعم نے ان کو روکا جب وہ پیشاب سے فارغ ہو گیا تو آپ نبی اکرم نے پانی کے ڈول لانے کا حکم دیا تو اس پر بہا دیا گیا

باب بَوْلِ الصِّبْیَانِ ۔ ترجمہ، بچوں کا پیشاب کرنا۔

حدیث نمبر ۲۱۷ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰہِ بْنُ یُوْسُفَ الخ عَنْ عَآئِشَۃَ اُمِّ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنَّھَا قَالَتْ اُتِیَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِصَبِیٍّ فَبَالَ عَلٰی ثَوْبِہٖ فَدَعَا بِمَآءٍ فَاَتْبَعَہٗ اِیَّاہُ (الحدیث)

ترجمہ، حضرت عائشہ صدیقہ ام المومنینؓ وضو فرماتی ہیں کہ جناب نبی اکرم صلعم کے پاس ایک بچہ لایا گیا جس نے آپؐ کے کپڑے پر پیشاب کر دیا تو آپؐ نے پانی منگا کر اس کے پیچھے بہا دیا۔

تشریح از شیخ مدنیؒ۔ اس باب میں دو روایتیں ذکر کی گئیں ہیں اس مسئلہ میں غالباً امام بخاریؒ۔ حضرت امام ابو حنیفہؒ کے ساتھ معلوم ہوتے ہیں کہ بول صبی میں نضح کافی نہیں بلکہ اتباع کیا جائے گا جیسے اتبعہ ایاہ کے الفاظ اس پر دال ہیں۔

تشریح از شیخ زکریاؒ۔ بعض علماء نے کہا ہے کہ بول صبی امام شافعیؒ کے نزدیک طاہر ہے۔ مگر یہ نقل غلط ہے۔ ائمہ اربعہؒ کا اس پر اتفاق ہے کہ بول صبیان ناپاک ہے۔ البتہ ظاہر یہ سے طہارت منقول ہے اور امام شافعیؒ کے نزدیک مسئلہ یہ ہے کہ بول صبی کا غسل ضروری نہیں بس رش ہی کافی ہے تو اس سے طہارت بول صبی کہاں لازم آتی ہے اس کی مثال تو ایسی ہے جیسے کہ احنافؒ کے یہاں تلوار اور جوتا وغیرہ مسح سے پاک ہو جاتا ہے۔ تو اس سے نجاست کا طاہر ہونا کہاں لازم آ گیا۔ بلکہ بول تو سب کے نزدیک ناپاک ہے ہاں اس کی تطہیر کے طریقہ میں اختلاف ہے۔ شوافعؒ اور حنابلہؒ کے نزدیک لی رش فی بول الغلام اغسل فی بول الجاریۃ ہوگا۔ اور حضرت امام شافعیؒ کی دو روایتیں اور ہیں۔ مگر وہ دونو مرجوع ہیں ایک یہ کہ دونو میں غسل ضروری ہے جیسے کہ مالکیہؒ اور احنافؒ کہتے ہیں اور دوسرا قول یہ ہے کہ دونو میں رش کافی ہے۔ امام بخاریؒ نے ترجمہ میں تو بول الصبیان ذکر فرمایا ہے اب احتمال یہ ہے کہ بچیوں کا امام بخاریؒ کے

نزدیک وہی حکم ہے جو بچوں کا ہے۔ تب تو امام بخاریؒ اس قول ثالث کے قائل ہوں گے لیکن صبیان کا اطلاق صرف ذکور پر ہوتا ہے۔ اور حدیث بھی بچے کی ذکر فرمائی ہے۔ اس سے بظاہر یہ احتمال ہوتا ہے کہ امام بخاریؒ امام شافعی رحؒ کے ساتھ ہیں کہ بول صبیان میں رش ہوگا۔ فاتبعہ ایاہ حنفیہؒ اور مالکیہؒ کہتے ہیں کہ یہ کہا ہے۔ یہ اتباع غسل ہی تو ہے اور جو بعض روایات میں بول صبی وصبیہ میں تفریق وارد ہے تو اس کا محل یہ ہے کہ چونکہ بول صبیہ میں عفونت اور لزوجت (چکناہٹ) ہوتی ہے تو اس میں کثیر علاج کی ضرورت ہوتی ہے اس لئے غسل سے تعبیر فرمادیا۔ اور بول صبی میں عفونت اور لزوجت اتنے درجہ کی نہیں ہوتی اس لئے اتنے علاج کی بھی ضرورت نہیں ہے اس لئے اس کے غسل کو رش سے تعبیر کردیا۔ نیز! اس حدیث میں جس بچے کو حضور اکرم صلعم کے پاس لانے کا ذکر ہے۔ اظہر یہ ہے کہ وہ عبداللہ ابن الزبیرؓ ہیں اور ممکن ہے بنت محصن کے بیٹے ہوں جیسا کہ بعض شراح کی رائے ہے۔ حضور صلعم کی گود میں جن بچوں نے پیشاب کیا ان کے نام کسی شاعر نے جمع کئے ہیں

قد بال فی حجر النبی اطفال ۔ حسن حسین ابن الزبیر بالوا

وکذا سلیمان بنی ھشام وابن ام قیس جاء فی الختام

ترجمہ، جناب نبی اکرم صلعم کی گود میں جن بچوں نے پیشاب کیا وہ حسن حسین اور ابن الزبیر ہیں اسی طرح سلیمان بن ہشام اور ام قیس کا بیٹا آخر میں ہے۔

حدیث نمبر ۲۱۸ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوسُفَ الخ عَنْ اُمِّ قَيْسٍ بِنْتِ مِحْصَنٍ اَنَّهَا اَتَتْ بِابْنٍ لَّهَا صَغِيْرٍ لَمْ يَاْكُلِ الطَّعَامَ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَجْلَسَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِیْ حَجْرِهٖ فَبَالَ عَلٰی ثَوْبِهٖ فَدَعَا بِمَاءٍ فَنَضَحَهٗ وَلَمْ يَغْسِلْهُ (الحديث)

ترجمہ، حضرت ام قیس بنت محصنؓ سے مروی ہے کہ وہ اپنا ایک چھوٹا بیٹا جو کھانا نہیں کھاتا تھا۔ جناب رسول اللہ صلعم کی خدمت لائیں تو آپؐ نے اسے اپنی گود میں بٹھلا دیا جس نے آپؐ کے کپڑے پر پیشاب کر دیا آپؐ نے پانی منگایا آپؐ نے اس کو چھینٹا دیا اور دھویا نہیں۔

باب اَلْبَوْلِ قَائِمًا وَّقَاعِدًا۔ ترجمہ، کھڑے اور بیٹھے ہوئے پیشاب کرنا۔

حدیث نمبر ۲۱۹ حَدَّثَنَا اٰدَمُ الخ عَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ اَتَی النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ

وَسَلَّمَ سُبَاطَةَ قَوْمٍ فَبَالَ قَائِمًا ثُمَّ دَعَا بِمَاءٍ فَجِئْتُهُ بِمَاءٍ فَتَوَضَّأَ (الحدیث)

ترجمہ، حضرت حذیفہ رضہ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ جناب نبی اکرم صلعم ایک قوم کی کوڑی پر تشریف لائے اور کھڑے ہو کر پیشاب کیا پھر پانی منگایا جس سے وضو فرمائی۔

تشریح از شیخ مدنی رح اس پر اشکال یہ کہ بول قائما کی روایت تو لائی گئی مگر بول قاعداً کی روایت نہیں لائی گئی تو اس کا جواب یہ ہے کہ بول قائما جس میں رشاش چھینٹے بدن اور کپڑے پر پڑتے ہیں اور بھی وجوہ خوف پائی جاتی ہیں۔ بخلاف بول قاعداً کے اس میں یہ خطرات نہیں ہیں جب بول قائماً جائز ہے تو بول قاعداً بطریق اولیٰ جائز ہوگا۔ گویا کہ اس کو قیاس سے ثابت فرمایا

تشریح از شیخ زکریا۔ امام بخاریؒ نے بول قائماً کی روایت تو ذکر فرمائی لیکن بول قاعداً کی روایت نہیں لائے۔ اور یہ قاعدہ یہاں چل نہیں سکتا کہ جب امام بخاریؒ ترجمہ میں چند اجزاء ذکر فرمائیں اور روایت کسی کی ذکر نہ کریں۔ تو امام بخاریؒ اس کو رد فرماتے ہیں جیسا کہ امام بخاریؒ کے اصول موضوعہ میں سے ہے ایک بات بطور جملہ معترضہ کے طور پر سنو کہ امام بخاریؒ نے باب الصلوٰۃ قبل الجمعہ اور بعدہا میں بھی بعد والی روایت ذکر نہیں فرمائی۔ تو ابن قیم اس کی وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ امام بخاریؒ کے نزدیک جمعہ سے پہلے سنن ہیں اس لئے وہ روایت ذکر نہیں کی۔ ابن قیم کا یہی مذہب تھا اس لئے امام بخاریؒ کے باب کو اس پر حمل فرمایا۔ اور اس باب میں اس لئے نہیں چل سکتا۔ کہ بول قاعداً تو عین سنت ہے۔ پھر اس کو کیسے رد فرمائیں گے۔ اب اس کے بعد علماء نے مختلف توجیہات کی ہیں۔ ایک یہ کہ امام بخاریؒ کے اصول میں سے ہے کہ جب کوئی روایت ان کی شرط کے موافق نہ ہو تو امام بخاریؒ اس کی طرف ترجمہ میں اشارہ فرما دیتے ہیں۔ چنانچہ ابوداؤد شریف میں ہے کہ حضور اقدس صلعم نے بیٹھ کر پیشاب فرمایا۔ ایک آدمی نے دیکھ کر کہا۔ اُنظروا الیہ یبول کما تبول المرأۃ یعنی تستر پردہ کے ساتھ پیشاب کرتے ہیں۔ یہ حافظ ابن حجر کی توجیہ ہے۔ دوسری توجیہ یہ کی جاتی ہے کہ چونکہ بول قاعداً مشہور تھا اس شہرت کی بناء پر اس کو ذکر نہیں فرمایا۔ شہرت پر اکتفا کیا گیا۔ اور جیسا کہ میں نے باب الوضوء من النوم میں یہ کہا تھا کہ امام بخاریؒ نے یہاں نوم کی روایت ذکر نہیں فرمائی۔ تو بعض نے اس کا جواب دیا تھا کہ شہرت کی بناء پر اکتفا کر لیا۔ اس کے علاوہ اور جوابات بھی دیئے گئے۔ اب بول قائماً کا کیا حکم ہے۔ اس میں ائمہ کا اختلاف ہے حنفیہ رح اور شوافع رح کے نزدیک سنت بول قاعداً ہے۔ اور قائماً خلاف اولیٰ بلکہ مکروہ ہے اور حنابلہ

کے ہاں مطلقاً جائز ہے۔ اور مالکیہ کے یہاں اگر تطائر بول کا احتمال نہ ہو تو جائز ہے
مثلاً چھت پر بیٹھ کر پیشاب کرے بشرطیکہ نیچے
کوئی نہ ہو۔ فبال قائماً یہ روایت ترمذی کی روایت کے خلاف ہے کیونکہ ترمذی کی روایۃ میں حضرت
عائشہؓ فرماتی ہیں کہ من حدثکم ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یبول قائماً فلا تصدقوہ
اس کا جواب یہ ہے کہ یہ ان کے علم کے اعتبار سے ہے یا یہ کہ عادت کی نفی فرما رہی ہیں۔ دوسری بات یہ
ہے کہ یہ روایت حنفیہؒ اور شافعیہؒ کے خلاف ہے۔ کیونکہ ان کے نزدیک خلاف اولیٰ بلکہ مکروہ ہے۔ ان کی طرف
سے اس روایت کے متعدد جوابات دیئے گئے ہیں۔ ایک یہ کہ وہاں بیٹھنے کی جگہ نہ تھی۔ پیشاب جس طرف کو
فرما رہے تھے وہ اونچی جگہ تھی اگر بیٹھ کر فرماتے تو پیشاب کے اپنے اوپر آنے کا احتمال تھا۔ دوسرا جواب
یہ دیا گیا جیسا کہ بعض آثار میں ہے کہ حضور اقدس صلعم کے گھٹنے مبارک میں زخم تھا جس کی وجہ سے بیٹھنے
میں تکلیف ہوتی تھی۔ اگر یہ ثابت ہو جائے تو سب سے اولیٰ جواب ہے۔ تیسرا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ
بیان جواز کے لئے کھڑے ہو کر پیشاب فرمایا چوتھا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ دیر تک بیٹھنے کے بعد اگر کھڑا ہو
جائے تو پھر جلدی سے بیٹھا نہیں جاتا۔ اور آپؐ کو اس وقت پیشاب کا تقاضا شدید تھا۔ اور بہت دیر تک
بیٹھے بھی رہے تھے لہٰذا کھڑے ہونے کے بعد کھڑے کھڑے پیشاب فرما لیا۔ اس کے علاوہ اور بھی جوابات ہیں۔
ہیں۔ **باب** اَلْبَوْلِ عِنْدَ صَاحِبِهٖ وَالتَّسَتُّرُ بِالْحَائِطِ۔

ترجمہ، اپنے ساتھی کے پاس پیشاب کرنا اور دیوار کے ساتھ پردہ کر لینا۔

حدیث نمبر ۲۲۰ حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ اَبِیْ شَیْبَةَ الخ عَنْ حُذَیْفَةَ قَالَ رَاَیْتُنِیْ اَنَا وَالنَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ نَتَمَاشٰی فَاَتٰی سُبَاطَةَ قَوْمٍ خَلْفَ حَائِطٍ فَقَامَ كَمَا یَقُوْمُ اَحَدُكُمْ فَبَالَ فَانْتَبَذْتُ مِنْهُ فَاَشَارَ اِلَیَّ فَجِئْتُهٗ فَقُمْتُ عِنْدَ عَقِبِهٖ حَتّٰی فَرَغَ۔

ترجمہ، حضرت حذیفہؓ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں اور جناب نبی اکرم صلعم اکٹھے چل رہے
تھے کہ ایک دیوار کے پیچھے قوم کی کوڑی پر آپؐ تشریف لائے اور ایسے کھڑے ہو گئے جیسے تم میں کا ایک
کھڑا ہوتا ہے۔ تو آپؐ نے پیشاب کرنا شروع کیا تو میں آپؐ سے الگ ہو گیا۔ آپؐ نے میری طرف اشارہ
فرمایا میں آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور اس وقت تک آپؐ کے پیچھے کھڑا رہا یہاں تک کہ آپؐ پیشاب
سے فارغ ہو گئے۔

تشریح از شیخ زکریا جیسا کہ میں بیان کر چکا ہوں کہ امام بخاریؒ کا قاعدہ ہے کہ جب روایت سے متعدد مسائل ثابت ہوتے ہوں۔ تو ان پر متعدد ابواب باندھ کر ان مسائل کو ثابت فرماتے ہیں چونکہ اس روایت سے ایک اور مسئلہ ثابت ہو رہا تھا۔ اس لئے ایک جدید باب باندھ کر روایت کو دوبارہ ذکر کر کے اس مسئلہ کو بھی ثابت فرما دیا۔ کہ کسی آدمی کے قریب پیشاب کرنا دیوار وغیرہ کی آڑ میں جائز ہے بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ چونکہ دوسری روایت میں ہے اذا ذهب المذهب ابعد یعنی حضور اکرم صلعم قضائے حاجت کے لئے تشریف لے جاتے تو بہت دور تشریف لے جاتے تو اس سے چونکہ دور جانے کی عادت معلوم ہوتی تھی تو اس ترجمہ سے اشارہ فرما دیا کہ قریب میں کسی چیز کی آڑ لے کر بھی استنجا کر لینا کافی ہے اور جائز ہے۔ اور دور جانا صرف مستحب ہے۔ اور میرے نزدیک ترجمہ کی غرض بول و براز میں فرق کرنا ہے کہ اذا ذهب المذهب پاخانے پر محمول ہے۔ یعنی براز کے وقت دور تشریف لے جاتے تھے اس کی وجہ یہ ہے کہ براز میں تعفن اور خروج ریح بالصوت ہوتا ہے جس سے حیا لاحق ہوتی ہے اور پیشاب میں یہ بات نہیں ہوتی تو اشارہ فرما دیا کہ پیشاب کے لئے دور جانے کی ضرورت نہیں بلکہ قریب ہی تستر (پردہ) کے ساتھ فارغ ہو جائے فانتبذت منه الخ انتباذ کی وجہ یہ ہے چونکہ روایت ہے اذا ذهب المذهب ابعد اس لئے انہوں نے سوچا کہ جب حضور اقدس صلعم کسی عذر کی وجہ سے دور تشریف نہ لے جا سکے۔ تو لاؤ میں ہی دور ہو جاؤں فاشار الیّ فجئته آپ نے ان کو اشارہ فرمایا کہ قریب آجاؤ۔ اور قریب کرنے کی وجہ یہ ہے کہ آپ کھڑے ہو کر پیشاب فرما رہے تھے ممکن تھا کہ کوئی کھڑا ہوا سمجھ کر سامنے آجائے لہٰذا ان کو قریب کر لیا تاکہ آنے والے کو روک لیں فقمت عند عقبه یعنی میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب ایڑیوں کے پاس پردہ کر کے کھڑا ہو گیا۔ خلاصہ یہ ہے کہ دور جانا ضروری نہیں البتہ تستر (پردہ) ضروری ہے۔

باب البَوْلِ عِنْدَ سُبَاطَةِ قَوْمٍ، ترجمہ، کسی قوم کی کوڑی کے پاس پیشاب کرنا۔

حدیث نمبر ۲۲۱ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَرْعَرَةَ الخ عَنْ أَبِي وَائِلٍ قَالَ كَانَ أَبُو مُوسَى الْأَشْعَرِيُّ يُشَدِّدُ فِي الْبَوْلِ وَيَقُولُ اِنَّ بَنِي اِسْرَائِيلَ كَانَ اِذَا اَصَابَ ثَوْبَ اَحَدِهِمْ قَرَضَهُ فَقَالَ حُذَيْفَةُ لَيْتَهُ اَمْسَكَ اَتَى رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُبَاطَةَ قَوْمٍ فَبَالَ قَائِمًا (الحدیث)

ترجمہ ، حضرت ابووائل فرماتے ہیں کہ صحابی رسول حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ پیشاب کے بارے میں بہت سختی برتتے تھے اور فرماتے تھے کہ بنو اسرائیل میں سے کسی ایک کے کپڑے کو پیشاب لگ جاتا تو وہ اسے کاٹ دیتے تھے حضرت حذیفہؓ نے فرمایا کاش حضرت ابوموسیٰ اس تشدد سے رک جاتے کیونکہ جناب رسول اللہ صلعم ایک قوم کی کوڑی پر آئے تو کھڑے ہو کر پیشاب فرمایا۔

تشریح از شیخ زکریاؒ روایت وہی قدیم ہے ترجمہ جدید باندھ دیا چونکہ بظاہر روایت سے اشکال ہوتا تھا کہ حضور اکرم صلعم نے دوسری کی کوڑی پر بلا اجازت کیسے پیشاب فرمالیا۔ کیونکہ اجازت کا کوئی لفظ یہاں نہیں ہے اور سباطہ دوسرے آدمی کی ملکیت ہے۔ لہٰذا تصرف فی ملک الغیر بدون اذنہ لازم آیا اس کا ایک جواب تو یہ دیا گیا کہ حضور اکرم صلعم کو دلالۃً اجازت تھی۔ دوسرا جواب یہ دیا گیا کہ حضور پاک صلعم کے بول وبراز پاک تھے۔ لہٰذا اس سے کوئی نجس نہیں ہوا۔ لہٰذا اجازت کی کیا ضرورت۔ ہے اور میرے نزدیک وہ جواب ہے جو امام بخاریؒ اپنے ترجمے سے دے رہے ہیں کہ حضور اکرم صلعم نے سباط قوم پر پیشاب فرمایا اور سباطہ اس جگہ کو کہتے ہیں جہاں کوڑی ڈالی جاتی ہے۔ تو امام بخاریؒ نے اشارہ فرمادیا کہ سباطہ تو پیشاب پاخانے کے واسطے ہوتا ہی ہے وہاں اجازت کی کیا ضرورت ہے چنانچہ اب بھی اگر کوئی کسی کی کوڑی پر پیشاب پاخانہ ڈال دے تو وہ اس سے ناراض نہیں ہوتا۔ کان ابوموسیٰ الخ تشدید کی وجہ وہ روایت ہے جو پہلے گذرچکی ہے جس میں وارد ہے۔ استنزھوا من البول الخ اور اس تشدید کی صورت یہ تھی جیسا کہ نقل کیا جاتا ہے کہ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نے ایک بوتل بنا رکھی تھی اس کے اندر احتیاط سے پیشاب کرتے تھے تاکہ پیشاب کے رشاش (چھینٹے) اوپر نہ پڑیں اور پتھر ڈھیلے سے صاف کرتے اور اس بوتل کو دور لے جا کر آہستہ سے اس کا پیشاب پھینک دیا کرتے ان بنی اسرائیل الخ کہ جب بنی اسرائیل میں سے کسی کے کپڑے پر پیشاب لگ جاتا تو وہ اس جگہ کو کاٹ دیا کرتے تھے، مطلب کہنے کا یہ ہے کہ جب وہ اتنا تشدد کرتے تھے تو ہمیں بھی احتیاط برتنی چاہیے۔ اس روایت میں تو اتنا ہے۔ ابوداؤد کی روایت میں جلد احدھم اور دوسری روایت میں جسد احدھم ہے بخاری کی روایت میں تو اس کا جھگڑا نہیں ہے صرف تنبیہ کردی بعض علماء کا کہنا ہے کہ بنی اسرائیل کے تمرد اور سرکشی کی بنا پر اللہ تعالیٰ نے ان پر احکامات میں کچھ تشدد فرمادیا تھا۔ انہیں تشددات میں سے یہ بھی ہے کہ اگر بدن کو کوئی نجاست لگ جائے تو چمڑا کاٹ ڈالیں۔ مگر میرے حضرت نوراللہ مرقدہٗ بذل المجہود میں جسد والی روایت میں جو

جلدا حدھم ہے تو اس سے ان کی جلد مراد نہیں بلکہ چمڑہ (جلد کرکے) پوستین وغیرہ مراد ہے۔ جو وہ لوگ بطور لباس استعمال کرتے تھے کسی راوی نے جلد سے مراد ان لوگوں کی جلد کے کر روایۃ بالمعنی کے طور پر اسی کو جسد سے تعبیر کردیا۔
فقال حذیفۃ لیتہ امسک جب حضرت حذیفہؓ نے حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کی تشدیدات سنیں تو فرمانے لگے اگر ابو موسیٰ اپنی تشدیدات سے رک جاتے تو اچھا ہوتا اور پھر اس کی وجہ بیان فرمائی کہ جناب رسول اللہ صلعم قوم کی کوڑی پر تشریف لائے اور کھڑے ہو کر پیشاب فرمایا۔ اگر اتنا تشدد ہوتا تو آپ کھڑے ہو کر کیوں پیشاب فرماتے۔ کیونکہ رشاش اٹھتے تھے۔

باب غَسْلِ الدَّمِ۔ ترجمہ، خون کے دھونے کے بارے میں۔

حدیث نمبر ۲۲۲ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنّٰی الخ عَنْ اَسْمَاءَ قَالَتْ جَاءَتِ امْرَأَةٌ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ اَرَءَیْتَ اِحْدَانَا تَحِیْضُ فِی الثَّوْبِ کَیْفَ تَصْنَعُ قَالَ تَحُتُّہٗ ثُمَّ تَقْرُصُہٗ بِالْمَاءِ وَتَنْضَحُہٗ بِالْمَاءِ وَتُصَلِّیْ فِیْہِ۔

ترجمہ، حضرت اسماء رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک عورت جناب نبی اکرم صلعم کی خدمت میں حاضر ہو کر کہنے لگی۔ کہ حضرت بتلائیے جب ہم سے کوئی ایک کپڑے میں حیض کرے تو کیسے کرے کہ پہلے اس خشک خون کو لکڑی سے چھیل ڈالو پھر ناخن یا انگلی سے پانی ڈال کر رگڑو پھر اس کو پانی سے دھو ڈالو اور اس میں نماز پڑھو۔

تشریح از شیخ زکریاؒ، دم حیض۔ دم استحاضہ۔ دم نفاس۔ دم مسفوح (بہا ہوا) بالاتفاق سب ناپاک ہیں۔ پھر حضرت امام بخاریؒ نے باوجود مسئلے کے اسقدر واضح ہونے کے اس پر باب کیوں باندھ دیا اس کی وجہ میرے نزدیک یہ ہے کہ روایت میں "نضحہ" کا لفظ موجود ہے یعنی نضح کا حکم ہے اور بول صبیان میں گذر چکا ہے کہ نضح سے مراد چھڑکنا ہے۔ تو امام بخاریؒ تنبیہ فرما رہے ہیں کہ یہاں نضح سے مراد چھڑکنا نہیں بلکہ غسل مراد ہے۔ اسی طرح حنفیہؒ فرماتے ہیں کہ بول صبیان میں بھی نضح سے مراد چھڑکنا نہیں بلکہ غسل خفیف مراد ہے۔ قال تحتہ وتنضحہ الخ حضور اکرم صلعم نے اس عورت سے فرمایا کہ پہلے اس کو کھرچ دے پھر رگڑ دے پھر اس کو ذرا سے پانی سے دھو دے اس کی وجہ یہ ہے کہ خون جامد ہوتا ہے کپڑے سے چپک جاتا ہے اگر یونہی پانی ڈالا جائے تو بہت سا پانی خرچ ہوگا اس لئے آپؐ نے اس کی ترکیب بتلادی کہ اوّلاً اس کو کھرچ دے پھر اس کو رگڑ دے تاکہ نرم ہو جائے

اور پھر ذرا سے پانی سے دھوڈالے یہاں نضح سے بالاتفاق غسل مراد ہے۔ کیونکہ خون بالاتفاق ناپاک ہے۔ اسی طرح احناف بول صبیان میں کہتے ہیں کہ نضح سے مراد غسل ہے۔

حدیث نمبر ۲۲۳ حَدَّثَنَا مُحَمَّدٌ الخ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ جَاءَتْ فَاطِمَةُ بِنْتُ أَبِي حُبَيْشٍ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ يَا رَسُولَ اللّٰهِ إِنِّي امْرَأَةٌ أُسْتَحَاضُ فَلَا أَطْهُرُ أَفَأَدَعُ الصَّلٰوةَ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا إِنَّمَا ذٰلِكِ عِرْقٌ وَلَيْسَ بِحَيْضٍ فَإِذَا أَقْبَلَتْ حَيْضَتُكِ فَدَعِي الصَّلٰوةَ وَإِذَا أَدْبَرَتْ فَاغْسِلِي عَنْكِ الدَّمَ ثُمَّ صَلِّي قَالَ وَقَالَ أَبِي ثُمَّ تَوَضَّئِي لِكُلِّ صَلٰوةٍ حَتّٰى يَجِيءَ ذٰلِكَ الْوَقْتُ

ترجمہ، حضرت عائشہ رض فرماتی ہیں کہ حضرت فاطمہ بنت ابو حبیش رض حضور اقدس نبی اکرم صلعم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور کہا یا رسول اللہ میں ایک ایسی عورت ہوں جو استحاضہ میں مبتلا ہوں اور کبھی پاک نہیں ہوسکتی تو کیا میں نماز چھوڑ دوں آپ نے فرمایا نہیں یہ تو رگ کا خون ہے حیض کا خون نہیں ہے پس جب تیرا حیض اپنی مدت میں آجائے۔ تو نماز چھوڑ دے اور جب اپنی مدت عادت پر چلا جائے تو اپنے سے خون دھو کر نماز پڑھو۔ اور حضرت ہشام فرماتے ہیں کہ میرے باپ عروہ نے کہا کہ پھر ہر نماز کے لئے وضو کرو۔ یہاں تک کہ وہ حیض کا وقت آجائے۔

تشریح از شیخ زکریا انی امرأۃ استحاض فلا اطھر یعنی جب مجھے خون آنا شروع ہوتا ہے تو بس رکنا جانتا ہی نہیں مسلسل چلتا رہتا ہے تو کیا میں نماز چھوڑ دوں حضرت فاطمہ رض نے یہ سوچا کہ جیسے حیض کے زمانے میں نماز نہیں پڑھی جاتی۔ اسی طرح استحاضہ کے اندر بھی شاید نماز نہ پڑھی جاتی ہو اس لئے حضور پاک صلعم سے دریافت فرمایا اس لئے آپ نے ارشاد فرمایا۔ لا انما ذٰلک عرق یعنی نماز مت چھوڑو۔ بلکہ پڑھتی رہو۔ یہ کوئی حیض کا خون نہیں ہے بلکہ یہ تو ایک رگ کا خون ہے جو کسی مرض یا رکضہ شیطان کی وجہ سے کھل جاتی ہے۔ اور اس سے خون آنا شروع ہوجاتا ہے۔

اذا اقبلت الخ اقبال حیض اور ادبار حیض سے کیا مراد ہے۔ اقبال بالمدۃ یا اقبال بالتمیز یہ مسئلہ باب الاستحاضہ میں آئے گا۔ توضئ لکل صلوٰۃ اس میں اختلاف ہو رہا ہے کہ مستحاضہ جو وضو کرے گی وہ ہر نماز کے لئے کرے گی۔ یا ہر وقت صلوٰۃ کے لئے ہوگی۔ حنفیہ رح اور حنابلہ رح کے یہاں تو ہر وقت صلوٰۃ کے لئے اور شوافع رح کے یہاں ہر نماز کے لئے اور مالکیہ رح کے نزدیک اس دم استحاضہ پر وضو واجب ہی نہیں اس کی

وجہ اختلاف مناط ہے۔ مالکیہؒ کے نزدیک مناط نقض وضو مخرج معتاد اور خارج معتاد ہے، یہاں خارج معتاد نہیں گو مخرج معتاد ہے۔

باب غَسْلِ الْمَنِيِّ وَفَرْكِهٖ وَغَسْلِ مَا يُصِيْبُ مِنَ الْمَرْأَةِ۔

ترجمہ، باب ہے منی کا دھونا اور اس کا چھیلنا اور جو عورت کی طرف سے لگ جائے تو اس کا دھونا۔

حدیث نمبر ۲۲۴ حَدَّثَنَا عَبْدَانُ الخ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كُنْتُ اَغْسِلُ الْجَنَابَةَ مِنْ ثَوْبِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَيَخْرُجُ اِلَى الصَّلٰوةِ وَاِنَّ بُقَعَ الْمَاءِ فِيْ ثَوْبِهٖ

ترجمہ۔ حضرت عائشہ رضؓ فرماتی ہیں کہ میں جناب نبی اکرم صلعم کے کپڑے سے جنابت کو دھوتی تھی آپؐ نماز کی طرف تشریف لے جاتے کہ پانی کے نشانات کے آپؐ کے کپڑے میں ہوتے تھے۔

تشریح از شیخ مدنیؒ روایت سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ اگر اثر باقی رہ جائے تو کوئی قباحت نہیں۔ روایت سے ترجمۃ الباب والا فرق ثابت نہیں ہوتا۔ چونکہ فرک میں بالکلیہ ازالہ نہیں ہوتا اس لئے بقع الما کی طرح یہ بھی جائز ہوگا۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ امام بخاریؒ منی کو نجس کہتے ہیں مگر جیسے امام مالکؒ اس کے ازالہ کے لئے فرک کو کافی نہیں سمجھتے ایسے یہ بھی کافی نہیں سمجھتے تو مصنفؒ کا مقصد یہ ہوا کہ فرک جب روایۃ سے ثابت نہیں تو جائز کیسے ہوگا۔ تو روایت کے نہ لانے سے اس کا عدم جواز ثابت کر دیا۔

تشریح از شیخ زکریاؒ غسل المنی وفرکہ الخ امام بخاریؒ نے ترجمہ میں تین چیزیں ذکر فرمائی ہیں۔ ایک غسل المنی دوسرے فرک المنی اور تیسرے غسل بالصیب من المرأۃ مگر روایت صرف غسل منی کی ذکر فرمائی اور کوئی روایت ذکر نہیں فرمائی۔ سب سے پہلے مسئلہ سنو! منی کے اندر شافعیہ کے مختلف اقوال ہیں ان کا اور حنابلہؒ کا راجح قول یہ ہے کہ منی طاہر ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ ناپاک ہے جیسا کہ حنفیہ اور مالکیہ کہتے ہیں اور تیسرا قول شافعیہ کے یہاں یہ ہے کہ مرد کی منی پاک ہوتی ہے اور عورت کی ناپاک۔ اب حضرت امام بخاریؒ صرف غسل المنی کی روایت ذکر فرمائی ہے۔ شراح بالخصوص مالکی شراح کی رائے یہ ہے کہ غسل المنی میں امام بخاریؒ ہمارے ساتھ ہیں ہمارے ساتھ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ حنفیہ اور مالکیہ نجاست منی پر تو متفق ہیں مگر اس کی طہارت کا کیا طریقہ ہے۔ مالکیہؒ تو فرماتے ہیں کہ لا بد من غسل الرطب والیابس اور حنفیہؒ فرماتے ہیں کہ رطب میں غسل ضروری ہے اور یابس میں فرک بھی کافی ہے۔ مالکیہؒ کہتے ہیں کہ امام بخاری نے صرف غسل منی کی روایت ذکر فرمائی ہے اور فرک کو باب کا جزو قرار دیتے ہوئے بھی فرک کو باب

کا جز و قرار دیتے ہوئے بھی فرک کی روایت ذکر نہیں فرمائی اور امام بخاریؒ کے اصول میں سے یہ بات گذر چکی ہے کہ جب ترجمہ میں چند چیزیں ذکر فرمائیں۔ اور روایت کسی ایک کی بھی ذکر نہ فرمائیں تو امام بخاریؒ کے نزدیک وہ مقبول نہیں ہیں لہٰذا معلوم ہوا کہ امام بخاریؒ فرک کے قائل ہی نہیں۔ حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ امام بخاریؒ کے امام بخاریؒ کے قواعد میں سے یہ بھی ہے کہ جب ترجمہ میں کوئی چیز فرمائیں۔ اور اس کی روایت ذکر نہ فرمائیں۔ تو وہاں کسی روایت کی طرف اشارہ فرما دیا کرتے ہیں۔ چنانچہ یہاں بھی اشارہ فرما دیا۔ اس صورت میں امام بخاریؒ حنفیہؒ کے ساتھ ہوں گے۔ کہ غسل کی روایت تو ذکر فرما دی۔ اور فرک کی روایت کی طرف اشارہ فرما دیا۔ اب رہا تیسرا جزو غسل ما یصیب من المرأۃ اس کی کوئی روایت ذکر نہیں فرمائی۔ اس لئے بعض شراح کی رائے یہ ہے کہ یہ غلط ہے کسی کاتب کی غلطی سے یہاں لکھا گیا۔ کیونکہ اس کا مستقل باب غسل ما یصیب من فرج المرأۃ آرہا ہے وہاں روایت بھی ہے۔ یہاں تو روایت بھی نہیں۔ اب اگر اس قول کو صحیح مان لیا جائے۔ تو تکرار لازم آئے گا۔ یہی باب بخاری شریف میں ص۴۳ پر آرہا ہے۔ لیکن اس سے تکرار نہیں ہوا اس لئے وہاں دوسری جگہ اصالتًا ہے۔ اور یہاں تبعًا ہے۔ اور بعض شراح نے جواب دیا کہ امام بخاریؒ کا ارادہ روایت لکھنے کا تھا۔ مگر اعجلتہ المنیتہ کہ موت نے جلدی کرلی۔ لیکن میرے نزدیک یہ صحیح نہیں کیونکہ میری تحقیق کے مطابق بخاری شریف ۲۳۳ھ میں مکمل ہو چکی تھی اور ۲۵۶ھ میں امام بخاریؒ کا انتقال ہوا ہے۔ تو کیا اتنی بڑی مدت میں ان کو روایت نہ مل سکی۔ ایک جواب یہ دیا گیا کہ امام بخاریؒ کو نظر ثانی کی نوبت نہیں آئی۔ یہ بھی غلط ہے۔ کیا وہ تیئس سال کی مدت میں نظر ثانی بھی نہ کر سکے۔ اور بعض شراح کا یہ کہنا ہے کہ ان کی شرط کے مطابق روایت نہیں ملی۔ ایک جواب یہ بھی دیا گیا کہ یہاں بیاض تھی۔ جس کو بعد میں آنے والوں نے ختم کردی۔ اس کے علاوہ اور بھی بہت سے جوابات دیئے گئے ہیں مگر میرے نزدیک ان میں سے کوئی بھی پسندیدہ نہیں اور میری رائے ان سب کے مقابلہ میں یہ ہے کہ امام بخاری صاحبؒ نے اس جزو کی روایت ذکر فرمائی ہے۔ ایسے ہی آنے والے باب بھی مکرر نہیں ہیں۔ بلکہ دونوں بابوں کی غرض الگ الگ ہے جس کی وضاحت اس طرح ہے کہ میرے نزدیک یہاں دو مسئلے ہیں۔ ایک تو یہ کہ اگر منی مرأۃ لگ جائے تو اس کے دھونے کا حکم کیا ہے دوسرے اگر عورت کے فرج کی رطوبت لگ جائے۔ تو اس کے دھونے کا کیا حکم ہے۔ تو امام بخاریؒ نے یہاں منی مرأۃ کے دھونے کا حکم بیان فرمایا ہے اور اس کی نجاست احنافؒ اور مالکیہؒ کے درمیان متفق علیہ ہے۔ اور رطوبت فرج مرأۃ کی طہارت اور نجاست میں اختلاف ہے جو اپنی

جگہ آئے گا۔ کنت اغسل الجنابۃ میں جو یہ کہہ رہا ہوں۔ کہ دونو دو الگ الگ مسئلے ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ یہاں حدیث میں یہ جملہ آیا ہے کنت اغسل الخ اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ غسل احتلام نہ تھا بلکہ غسل جنابۃ تھا۔ اور جنابۃ میں یہ ہوتا ہے کہ مرد کو جو منی لگتی ہے وہ عورت کی منی لگتی ہے خود مرد کو اس کی منی نہیں لگا کرتی۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ مرد کی منی تو رحم میں پہنچ جاتی ہے۔ اور اگر عورت کا رحم اس منی کو قبول نہیں کرتا۔ تو اس صورت میں عورت کی منی پہلے باہر نکلتی ہے۔ اور پھر مرد کی منی نکلتی ہے، بہر حال کہنا یہ ہے کہ جو منی حضور اکرم صلعم کے کپڑے کو لگی تھی۔ وہ حضرت عائشہ کی ہوگی۔ نہ کہ جناب نبی کریم صلعم کی۔ لہٰذا غسل منی المرأۃ ثابت ہوگیا۔ اور باب مایصیب من فرج المرأۃ میں ہے کہ زید بن خالد جہنی نے حضرت عثمانؓ سے کہا ارأیت اذا جامع الرجل امرأتہ فلم یمن یعنی اگر کوئی اپنی بیوی سے جماع کرے اور منی نہ نکلے تو منی نہ نکلنے کے باوجود مایصیب من فرج المرأۃ کا باب باندھا ہے تو معلوم ہوا کہ وہ رطوبت فرج کے متعلق ہوگا۔ اور قاعدہ یہ ہے کہ عورتوں کے ساتھ جب کھیل کود کیا جائے تو فرج سے رطوبت نکل آتی ہے۔ لہٰذا وہاں اس کا حکم بیان فرمایا اور یہاں اس کا ذکر فرمایا لہٰذا دونو مسئلے الگ الگ ہوگئے۔

حدیث نمبر ۲۲۵ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ الخ عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ يَسَارٍ قَالَ سَأَلْتُ عَائِشَةَ عَنِ الْمَنِيِّ يُصِيبُ الثَّوْبَ فَقَالَتْ كُنْتُ أَغْسِلُهُ مِنْ ثَوْبِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَيَخْرُجُ إِلَى الصَّلٰوةِ وَأَثَرُ الْغَسْلِ فِي ثَوْبِهِ بُقَعُ الْمَاءِ۔

ترجمہ، حضرت سلیمان بن یسارؒ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ صدیقہؓ سے منی کے متعلق پوچھا جو کپڑے کو لگ جائے تو انہوں نے فرمایا کہ میں جناب رسول اللہ صلعم کے کپڑے سے منی کو دھوتی تھی اور آپؐ نماز کی طرف تشریف لے جاتے تو آپؐ کے کپڑے میں دھونے کا اثر یعنی پانی کا نشان دھبہ ہوتا تھا۔

باب اِذَا غَسَلَ الْجَنَابَةَ اَوْ غَيْرَهَا فَلَمْ يَذْهَبْ اَثَرُهٗ۔

ترجمہ، جب جنابۃ وغیرہ کو دھویا جائے اور اس کا اثر نہ جائے اس کا حکم کیا ہے۔

تشریح از شیخ زکریاؒ ان ابواب کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ امام بخاریؒ منی کے حکم میں یا تو مالکیہ کے ساتھ ہیں یا احناف کے ساتھ۔ اگر فرک کی روایت اس لئے ذکر نہیں فرمائی کہ وہ ان کا مذہب

نہ تھا. تو وہ مالکیہؒ کے ساتھ ہیں اگر فرک کی طرف اشارہ فرما دیا تو حنفیہؒ کے ساتھ ہیں کیونکہ غسل جنابت اور دوسری نجاست میں مساوات کر دی۔ اور جب دوسری نجاستوں کا حکم ان کے نجس ہونے کی بنا پر ہوتا ہے تو منی کا غسل بھی نجاست کی بنا پر ہو گا۔ اور امام بخاریؒ فلم یذھب اثرہ سے یہ تبلا رہے ہیں اگر کسی نجاست کو رگڑ رگڑ کر دھو دیا جائے، اور پھر بھی اس کا دھبہ رہ جائے تو یہ مضر نہیں ہے۔ مگر باب میں جو روایت ذکر فرمائی۔ تو اس کی پہلی روایت سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ وہ اثرات جو کپڑے میں رہ گئے وہ غسل کے تھے نہ کہ منی کے۔

حدیث نمبر ۲۲۶ حَدَّثَنَا مُوْسَى بْنُ اِسْمَاعِيْلَ الخ سَمِعْتُ سُلَيْمَانَ ابْنَ يَسَارٍ فِي الثَّوْبِ تُصِيْبُهُ الْجَنَابَةُ قَالَ قَالَتْ عَائِشَةُ كُنْتُ اَغْسِلُهُ مِنْ ثَوْبِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ يَخْرُجُ اِلَى الصَّلٰوةِ وَاَثَرُ الْغَسْلِ فِيْهِ بُقَعُ الْمَاءِ۔

ترجمہ، حضرت سلیمان بن یسار سے اس کپڑے کے متعلق پوچھا جس کو جنابت لگ گئی تو انہوں نے کہا کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ فرماتی تھیں کہ میں جناب رسول اللہ صلعم کے کپڑے سے اس منی کو دھویا کرتی تھی۔ پھر آپؐ نماز کے لئے تشریف لے جاتے تو دھونے کا اثر یعنی پانی کے دھبے اس میں ہوتے تھے۔

حدیث نمبر ۲۲۷ حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ خَالِدٍ الخ عَنْ عَائِشَةَ اَنَّهَا كَانَتْ تَغْسِلُ الْمَنِيَّ مِنْ ثَوْبِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ اَرَاهُ فِيْهِ بُقْعَةً اَوْ بُقَعًا۔

ترجمہ، حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلعم کے کپڑے منی کو دھویا کرتی تھیں پھر میں اس منی کو دیکھتی تھی کہ اس کا دھبہ یا کئی دھبے اس کپڑے میں ہوتے تھے۔

تشریح از شیخ زکریاؒ اراہ کی ضمیر بظاہر منی کی طرف راجع ہے۔ اس لئے کہ وہی اقرب ہے اور یہ بھی احتمال ہے کہ تغسل سے جو غسل سمجھ میں آتا ہے اس کی طرف ہو۔ اب ترجمہ کیونکر ثابت ہوا۔ امام بخاریؒ کے اصول موضوعہ میں سے یہ بھی ہے کہ وہ استدلال بکل محتمل فرماتے ہیں اور اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر روایت کے اندر مختلف احتمالات ہوں۔ تو امام بخاریؒ ہر احتمال سے استدلال فرماتے ہیں یہاں بھی اسی قبیل سے ہے۔ ابوداؤد شریف کی ایک روایت میں ہے کہ عورتوں نے ایک مرتبہ حضور اکرم صلعم سے حیض کے نشانات کے متعلق سوال کیا کہ وہ باقی رہ جاتی ہیں ان کا کیا کریں۔ آپؐ نے فرمایا کہ حیض کے دھبوں پر کچھ زردی پھیر دیا کرو۔ اس سے معلوم ہوا۔ کہ دھبہ کا زائل کرنا ضروری ہے۔ حالانکہ جمہور کا یہ مذہب نہیں ہے

بلکہ جمہور کے نزدیک کپڑا اس وقت پاک ہوگا جب پانی میں نجاست کے رنگ کا اثر ختم ہو جائے۔ خواہ نشانات باقی رہیں یا نہ رہیں تو اس باب سے امام بخاریؒ نے جمہور کے مسلک کی تائید فرمائی۔

باب، اَبْوَالِ الْاِبِلِ وَالدَّوَآبِّ وَالْغَنَمِ وَمَرَابِضِهَا وَصَلَّى اَبُوْ مُوْسٰى فِىْ دَارِ الْبَرِيْدِ وَالسِّرْقِيْنِ وَالْبَرِّيَّةُ اِلٰى جَنْبِهٖ فَقَالَ هٰهُنَا وَثَمَّ سَوَآءٌ۔

ترجمہ، اونٹ اور دیگر جانوروں کے پیشاب کا حکم بکریاں اور ان کے بارے کا حکم۔ اور حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ دار البرید میں نماز پڑھتے تھے۔ حالانکہ گوبر اور جنگلات ان کے پہلو میں ہوتے تھے وہ فرماتے تھے کہ اس جگہ اور اس جگہ نماز پڑھنا برابر ہے۔

تشریح از شیخ مدنیؒ ما کول اللحم کے ابوال کے بارے میں امام بخاریؒ امام مالکؒ کے مسلک کو اختیار کئے ہوتے ہیں اگرچہ ترجمۃ الباب میں طہارت کے الفاظ نہیں مگر جو آثار بیان کئے ہیں ان سے طہارت بول ما یؤکل لحمہ معلوم ہوتی ہے برید بریدہ سے ہے۔ ڈاک پہنچانے کے لئے حضرت فاروق اعظمؓ نے بریدہ کا انتظام کیا تھا۔ ہر بارہ میل پر دم بریدہ گھوڑے رہتے تھے۔ ڈاک کی چوکی کو دار البرید کہا جاتا ہے۔ سرقین کلمہ معربہ ہے۔ چرقین فارسی لفظ ہے۔ بمعنی نجاستہ۔ کبھی جرقین کہا جاتا ہے اور کبھی سرقین، سرقین کا عطف برید پر ہے۔ تو مجرد ہوگا۔ اور ممکن ہے۔ السرقین مرفوع ہو۔ والبریۃ الی جنبہ جملہ حالیہ ہے۔ الغرض اس اثر سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ بول دواب پاک ہے شوافعؒ واحنافؒ اس کا جواب دیتے ہیں کہ دار البرید میں جمیع قطعات ارض کا ملوث بالنجاستہ ہونا ضروری نہیں بلکہ جس جگہ سائیس رہتا ہے۔ وہ جگہ ابوال سے خالی ہو، تو اس سے استدلال تام نہ ہوا۔ اور اسی طرح سرقین پر جو نماز پڑھی اگر یہ ثابت بھی ہو جائے تو ممکن ہے کہ مع حائل ہو یعنی سرقین پر چارپائی بچھا کر اس پر نماز پڑھی ہو۔ اور اس کے نیچے سرقین پڑے تھے۔ اگر یہ احتمالات نہ بھی ہوں۔ تو یہ محض حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کی رائے ہوگی۔ ہم اس کے مقابل مرفوع حدیث استنزھوا من البول الخ اور ابن عمرؓ اور دیگر صحابہ کرام سے روایات کثیرہ پیش کرتے ہیں جو نجاست بول و سرقین پر دلالت کرتی ہیں۔

حدیث نمبر ۲۲۸ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ الخ عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَدِمَ اُنَاسٌ مِّنْ عُكْلٍ اَوْ عُرَيْنَةَ فَاجْتَوَوُا الْمَدِيْنَةَ فَاَمَرَهُمُ النَّبِىُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِلِقَاحٍ وَّاَنْ يَّشْرَبُوْا مِنْ اَبْوَالِهَا وَاَلْبَانِهَا فَانْطَلَقُوْا فَلَمَّا صَحُّوْا قَتَلُوْا رَاعِىَ النَّبِىِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

وَاسْتَاقُوا النَّعَمَ فَجَاءَ الْخَبَرُ فِي أَوَّلِ النَّهَارِ فَبَعَثَ فِي آثَارِهِمْ فَلَمَّا ارْتَفَعَ النَّهَارُ جِيءَ بِهِمْ فَأَمَرَ فَقَطَعَ أَيْدِيَهُمْ وَأَرْجُلَهُمْ وَسُمِرَتْ أَعْيُنُهُمْ وَأُلْقُوا فِي الْحَرَّةِ يَسْتَسْقُونَ فَلَا يُسْقَوْنَ قَالَ أَبُو قِلَابَةَ فَهٰؤُلَاءِ سَرَقُوا وَقَتَلُوا وَكَفَرُوا بَعْدَ إِيمَانِهِمْ وَحَارَبُوا اللّٰهَ وَرَسُولَهُ ۔ (الحدیث)

ترجمہ، حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ عکل یا عرینہ قبیلہ کے کچھ لوگ حضور اکرم صلعم کے پاس آئے مدینہ کی آب وہوا ان کے موافق نہ آئی تو حضور اکرم صلعم نے ان کے لئے دودھ دینے والی اونٹنیوں کے متعلق حکم دیا کہ ان کا پیشاب اور دودھ پئیں چنانچہ وہ چلے گئے اور جب تندرست ہوگئے تو جناب نبی اکرم صلعم کے چرواہے کو قتل کردیا اور اونٹ ہنکا کر لے گئے۔ پس یہ خبر دن کے پہلے حصہ میں آنحضرت صلعم کو پہنچی تو آپ نے ان کے نشانات قدم پر ایک فوجی دستہ بھیجا جب دن اچھی طرح چڑھ آیا تو وہ لوگ لائے گئے ان کے ہاتھ پاؤں کاٹے گئے۔ اوران کی آنکھوں میں گرم سلائیاں پھیری گئیں اور انہیں حرّہ میں پھینک دیا گیا وہ پانی مانگتے تھے لیکن ان کو پانی نہیں دیا گیا۔ حضرت ابو قلابہؒ اس سزا پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ ان لوگوں نے سرقہ بالجبر بھی کیا۔ قتل کے مرتکب بھی ہوئے اور ایمان لانے کے بعد کفر اختیار کیا اللہ اور اس کے رسول سے لڑائی مول لی۔

تشریح از شیخ مدنیؒ مصنفؒ نے عرنیین کی روایت سے استدلال کیا ہے۔ مگر اس میں کئی احتمالات ہیں کہ آپؐ کو بذریعہ وحی اطلاع ہوئی کہ ان کی شفا ابوال ابل میں ہے۔ تو اضطراری حالت میں انہیں بول پلایا گیا۔ اور یہ بھی احتمال ہے کہ آپؐ کو بذریعہ وحی ان کا کفر معلوم ہوگیا۔ جس کی بنا پر آپؐ نے یہ حکم فرمایا۔ نیز ۳؎ ابوالھا کے یہ ضروری نہیں کہ ان یشربوا کا مفعول بہ ہو۔ ممکن ہے۔ لیطلون ابوالہا کی تقدیر ہو طلاء کریں۔

تشریح از شیخ زکریاؒ میں ما کول اللحم کے حکم قبل ازیں بیان کرچکا ہوں۔ کہ حنفیہؒ اور شافعیہؒ کے نزدیک بالکل نجس ہے۔ اور حنابلہ کی دونوں روایتیں ہیں۔ مالکیہؒ کے نزدیک طاہر ہے اور یہی امام بخاریؒ کا مذہب ہے یہاں امام بخاریؒ نے بالتصریح فرمادیا وصلّی ابو موسیٰ فی دار البرید دار البرید کا مطلب یہ ہے کہ پہلے زمانہ میں یہ ریل گاڑیاں تو تھی نہیں سب سے پہلے حضرت عمرؓ نے ڈاک بھجوانے کا انتظام فرمایا۔ دار البرید ڈاک گھر کو کہتے ہیں جس کی صورت یہ ہوتی تھی کہ دس دس بارہ بارہ میل پر چوکیاں

مقرر کی گئیں تھیں وہاں چند آدمی اور چند گھوڑے رکھ دیتے تھے تاکہ بالفرض مدینہ کی ڈاک پہنچانی ہوتی تو ایک آدمی مدینہ کی ڈاک لے کر گھوڑے پر چلایا اور دار لبرید پہنچ کر اس گھوڑے کو چھوڑ دیتا۔ اور دوسرا گھوڑا لے کر اور وہاں آئی ہوئی ڈاک اٹھا کر مدینے آجاتا۔ اور وہاں مدینے میں اگر دوسری جگہ کا آدمی آیا ہوتا تو وہ اس ڈاک کو لے جاتا تھا۔ ورنہ اس کی چوکی سے ایک آدمی جہاں کی ڈاک ہوتی دوسرا گھوڑا لے کر دوسرے دارالبرید میں پہنچا دیتا تھا علم جرا حضرت امام بخاریؒ حضرت ابو موسیٰؓ کے اثر سے استدلال فرمارہے ہیں کہ ابو موسیٰؓ نے دار لبرید اور گوبر پڑنے کی جگہ پر نماز پڑھی باوجودیکہ جنگل پاس تھا اگر چاہتے تو وہاں جاکر نماز پڑھ لیتے۔ تو معلوم ہوا کہ بول الماکول لحم طاہر ہے۔ حنفیہؒ یہ کہتے ہیں کہ اس سے یہ کہاں معلوم ہوا۔ کہ خاص گوبر کے اوپر انہوں نے نماز پڑھی بلکہ کوئی کپڑا بچھا کر پھر نماز پڑھی ہوگی۔ اور طبیعت بھی اس سے ابا کرتی ہے کہ صاف جگہ کو چھوڑ کر گوبر پر نماز پڑھی جائے جس سے اس کے کپڑے اور بدن وغیرہ ملوث ہوں۔ اور اگر ایسا ہوا بھی ہو۔ تو یہ صرف حضرت ابو موسیٰؓ کا مذہب ہوگا کیونکہ صحابہ کرام خود اس بارے میں مختلف رہے ہیں۔ قدم اناس من عکل الخ عکل اور عرینہ کے کچھ لوگ آئے اور اپنے کو مسلمان ظاہر کیا۔ اور کچھ دن مدینہ میں رہنے کے بعد انہوں نے حضور پاک صلعم سے کہا کہ مدینہ کی آب وہوا ہمارے موافق نہیں ہے۔ ہم جنگل کے رہنے والے ہیں لہٰذا ہمیں جنگل میں جانے کی اجازت فرما دیں حضور اکرم صلعم نے غایت شفقت سے ان کو اجازت دے دی کہ ابل صدقہ میں جاکر رہیں اور ان کے ابوال اور البان پی لیا کریں۔ وہ گئے اور صحت مند ہو گئے لیکن اس کے بعد انہوں نے یہ کیا کہ حضور پاک صلعم کے راعی کو قتل کر دیا اور اونٹ وغیرہ بھگا کر لے گئے۔ حضور پاک صلعم نے ان کے پیچھے آدمی دوڑائے وہ پکڑے گئے۔

فأمرهم النبي صلعم بلقاح الخ اس سے مالکیہؒ نے استدلال کیا۔ کہ اگر پیشاب ناپاک ہوتا۔ تو حضور اقدس صلعم اس کے شرب کا کیوں حکم دیتے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اگر کوئی علاج نہ ہو اور کوئی طبیب حاذق کہہ دے تو جائز ہے۔ اور حضور اقدس صلعم جو سب سے بڑے طبیب ہیں آپؐ نے اس کے شرب کی اجازت دی تو پھر کیا اشکال ہے۔ فقطع ايديهم یہ حضور پاک صلعم نے جزا بالمثل دی، چونکہ انہوں نے نبی کریم صلعم کے راعی کے ساتھ ایسا ہی سلوک کیا تھا۔ اب یہ کہ جزاء بالمثل جائز ہے یا نہیں یہ مسئلہ کتاب القصاص میں آئے گا۔

قال ابو قلابة یہ روایت بالتفصیل باب القسامۃ میں پونے دو صفحات میں آرہی ہے قسامۃ

ہیں اختلاف ہے کہ یمین صرف مدعا علیہم سے لے جائے گی۔ یا مدعی اور مدعا علیہم دونوں پر ہے۔ حنفیہؒ فرماتے ہیں کہ صرف مدعا علیہم سے قسم لی جائے گی۔ اور ائمہ ثلاثہؒ فرماتے ہیں کہ اولاً مدعی سے لے جائے گی اگر اس نے کسی شخص پر دعوای کیا اور بینہ قائم کر دیا تو پھر اس میں اختلاف ہے کہ مدعا علیہ سے قصاص لیا جائے گا۔ یا نہیں۔ مالکیہؒ فرماتے ہیں کہ لیا جائے گا۔ اور ائمہ فرماتے ہیں کہ قصاص نہیں لیا جائے گا۔ ابو قلابہ مالکیہؒ کے خلاف ہیں۔ مالکیہ اس حدیث سے قصاص پر استدلال کرتے ہیں۔ ابو قلابہ جواب دیتے ہیں کہ حضور اقدس صلعم نے ان کو قتل۔ سرقہ۔ کفر بعد الایمان اور محاربہ مع اللہ والرسول کی وجہ سے قتل فرمایا۔ نہ کہ قصاصاً ایک مرتبہ حضرت عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ نے اپنے زمانے میں اکابر اور علماً حضرات کو جمع کیا۔ اور قسامۃ کے متعلق مشورہ فرمایا۔ سب نے یہی فیصلہ فرمایا کہ قصاص لیا جائے گا۔ اس مجمع میں ابو قلابۃ بھی تھے۔ ان سے حضرت عمر بن عبد العزیز نے سوال کیا کہ آپ کی کیا رائے ہے۔ تو انہوں نے فرمایا کہ اگر کسی شخص پر زنا کی تہمت لگادی جائے اور پچاس آدمی اس کے زنا کرنے پر قسمیں کھالیں تو بتلاؤ حد لگائی جائے گی یا نہیں۔ سب نے انکار فرمادیا۔ پھر ایسے ہی چوری کے متعلق انہوں نے سوال کیا کہ قسامت کی صورت میں اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا۔ سب نے انکار کر دیا تو انہوں نے فرمایا جب قسامت سے حد واجب نہیں ہوتی تو قصاص میں اس کا قتل کیسے جائز ہوگا۔ اس پر کسی دوسرے شخص نے ابو قلابہ سے کہا کہ حضورؐ اکرم صلعم کے زمانہ میں عکل اور عرینہ والوں سے قسامۃ کے بعد قصاص لیا گیا تھا۔ لہٰذا جائز ہونا چاہیئے اس پر حضرت ابو قلابۃ سے یہ جملہ ارشاد فرمایا۔ جو یہاں امام بخاریؒ نے ذکر فرمایا ہے۔ خلاصہ اس کا یہ ہے کہ ان لوگوں کو قسامۃ کے بعد قتل کے قصاص میں قتل نہیں کیا گیا۔ اور وہاں قسامت نہیں بلکہ ان لوگوں نے حضور اکرم صلعم کے راعی کو قتل کر دیا تھا۔ اور یہ لوگ مرتد ہو گئے تھے۔ اور مرتد کی سزا قتل ہے اس جملہ کی بنا پر اور اس واقعہ کی بنا پر مشہور یہ ہے کہ حضرت عمر بن عبد العزیزؒ اور حضرت امام بخاریؒ قسامۃ کے قائل نہیں ہیں یہ غلط ہے بلکہ یہ دونوں حضرات قسامۃ کو تو مانتے ہیں۔ لیکن اس کے اندر قتل کرنے کا قصاصاً انکار کرتے ہیں۔

حدیث نمبر ۲۲۹ حَدَّثَنَا اٰدَمُ الخ عَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْ قَبْلَ اَنْ يُّبْنَى الْمَسْجِدُ فِيْ مَرَابِضِ الْغَنَمِ۔

ترجمہ، حضرت انس رضہ فرماتے ہیں کہ جناب نبی اکرم صلعم مسجد بنائے جانے سے پہلے بکریوں کے

باڑے میں نماز پڑھا کرتے تھے۔

تشریح از شیخ مدنیؒ: مرابض جمع مربض کی اور مربض بمعنی بیٹھنا تو مطلب یہ ہوا کہ آپؐ بنا رمسجد سے پہلے غنم کے بیٹھنے کی جگہوں میں نماز پڑھا کرتے تھے۔ اور یہ ضروری بات ہے کہ بکریاں اپنے بیٹھنے کی جگہ پر پیشاب کرتی ہیں۔ تو یہ اس صورت میں ہے جبکہ بول کو نجس نہ کہا جائے۔ مگر کہا جائے گا کہ مرابض غنم میں سے ہر جگہ کا بول سے ملوث ہونا ضروری نہیں نیز ممکن ہے کہ وہ جگہ خشک ہوگئی ہو۔ کیونکہ ذکاۃ الارض یبسہا فرمایا گیا۔ کہ زمین کی پاکیزگی اس کا خشک ہوجانا ہے۔ دوسرے یہ عادت نہیں ہے کہ سلیم الفطرت انسان ایسی جگہ نماز پڑھے جہاں پیشاب ہو۔ تیسرا جواب یہ ہے کہ ممکن ہے کہ حائل کے ساتھ نماز پڑھی ہو۔ اور چوتھا جواب یہ ہے کہ یہ ابتدا اسلام کا واقعہ ہے جبکہ حلت و حرمت کے احکام نازل نہیں ہوتے تھے۔

تشریح از شیخ زکریاؒ: فی مرابض الغنم ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ کوئی حرج نہیں اور مرابض غنم نہیں بلکہ مبارک الابل میں پڑھ سکتا ہے مگر کپڑا اچھالے تاکہ نجاست نہ لگے۔ اور مرابض میں نماز پڑھنے سے یہاں کہاں لازم آگیا۔ کہ پیشاب وغیرہ پر نماز پڑھی ہے۔ اب یہ کہ آپؐ نے وہاں نماز کیوں پڑھی اس کا جواب یہ ہے کہ غنم کے اندر مسکنت ہوتی ہے۔ تو آپؐ کو ان سے ایک قسم کی مناسبت تھی اس لئے آپؐ وہاں کبھی کبھی تشریف لے جاتے تھے۔

باب مَا يَقَعُ مِنَ النَّجَاسَاتِ فِي السَّمْنِ وَالْمَآءِ وَقَالَ الزُّهْرِيُّ لَا بَأْسَ بِالْمَآءِ مَا لَمْ يُغَيِّرْهُ طَعْمٌ اَوْ رِيْحٌ اَوْ لَوْنٌ وَقَالَ حَمَّادٌ لَا بَأْسَ بِرِيْشِ الْمَيْتَةِ وَقَالَ الزُّهْرِيُّ فِي عِظَامِ الْمَوْتٰى نَحْوَ الْفِيْلِ وَغَيْرِهٖ اَدْرَكْتُ نَاسًا مِّنْ سَلَفِ الْعُلَمَآءِ يَمْتَشِطُوْنَ بِهَا وَيَدَّهِنُوْنَ فِيْهَا لَا يَرَوْنَ بِهٖ بَأْسًا وَقَالَ ابْنُ سِيْرِيْنَ وَاِبْرَاهِيْمُ لَا بَأْسَ بِتِجَارَةِ الْعَاجِ۔

ترجمہ: باب ان نجاستوں کے بارے میں جو گھی اور پانی میں گر پڑیں (نجس نہیں) اور امام زہریؒ نے فرمایا اس پانی میں کوئی حرج نہیں جب تک اس کا ذائقہ یا بو یا رنگ نہ بدلے اور حضرت حمادؒ فرماتے ہیں کہ مردہ پرندہ کے پر میں کوئی حرج نہیں اور امام زہریؒ نے مردہ جانوروں کی ہڈیاں جیسے ہاتھی یا اور جانور جو ماکول اللحم نہیں ہیں۔ سلف علماء میں سے بہت سوں کو پایا کہ وہ ان کی ہڈیوں سے کنگھی کرتے تھے اور ان میں

تیل رکھنے میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے۔ اور ابن سیرین اور ابراہیم نخعی فرماتے ہیں کہ ہاتھی دانت کی تجارت میں کوئی حرج نہیں ہے۔

تشریح از شیخ مدنیؒ میاہ کے بارے میں بھی مصنفؒ کا مذہب وہی ہے جو امام مالکؒ اور اہل ظواہر کا ہے۔ اس باب میں حدیث بئر بضاعہ کو لانا تھا۔ مگر چونکہ وہ روایت مصنفؒ کی شرط کے موافق نہیں اس لئے دوسری روایات کو لانا چاہتے ہیں۔ استدلال اس سے کرتے ہیں۔ کہ گھی کے اندر جب نجاست اثر نہیں کرتی۔ تو ماء جو کثیر النفوذ ہے۔ اس میں بھی اثر نہ کرے گی۔ مردہ پرندے کے پر کے پڑنے سے امام شافعیؒ پانی کو نجس کہتے ہیں اگرچہ پانی تھوڑا سا کیوں نہ ہو۔ مگر مالکیہؒ اور احنافؒ پر سینگ بال وغیرہ پاک کہتے ہیں اس لئے کہ میتہ کا پر اگرچہ ناقلیل ہو پانی میں تغیر پیدا نہیں کرتا۔ الغرض مصنفؒ کا مسلک یہ ہے کہ وقوع نجاسات سے اگر تغیر احد اوصاف ثلاثہ نہ ہو۔ تو پانی نجس نہیں ہوتا۔ لیکن یہ استدلال مالکیہ اور شوافع کے مسلک پر تو صحیح ہوگا احنافؒ تو ریش عظم کو طاہر کہتے ہیں۔ ان کے پانی میں گرنے سے پانی نجس نہ ہوگا کیونکہ یہ اشیاء پاک ہیں لا بأس بالماء سے میاہ کا مسئلہ معلوم ہوا لیکن سمن کی باب سے کوئی مطابقت نہیں۔

حدیث نمبر ۲۳۰ حَدَّثَنَا اِسْمٰعِیْلُ الخ عَنْ مَیْمُوْنَۃَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ سُئِلَ عَنْ فَارَۃٍ سَقَطَتْ فِیْ سَمْنٍ فَقَالَ اَلْقُوْھَا وَمَا حَوْلَھَا وَکُلُوْا سَمْنَکُمْ۔

ترجمہ: حضرت میمونہ رضہ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلعم سے اس چوہے کے بارے میں پوچھا جو گھی میں گر جاتے تو آپ نے فرمایا کہ اس چوہے کو اور اس کے ارد گرد کے گھی کو پھینک دو کیونکہ ناپاک ہے اور باقی کو کھاؤ وہ ناپاک نہیں ہے

تشریح از شیخ مدنیؒ محل استدلال کلوا سمنکم ہے کہ اگر گھی سارا نجس ہوتا۔ تو آپ کھانے کا حکم کیوں دیتے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ابو داؤد میں مذا یہ ہے کہ یہ واقعہ جزئیہ ہے اب بحث یہ ہے کہ یہ سمن جامد تھا یا مائع تو ابو داؤد میں اس کی تفصیل آ گئی۔ کہ اگر سمن جامد ہو۔ تو ماحول کو پھینک دیا جائے اور ماتبقی کو استعمال کیا جائے۔ اگر مائع ہو تو اس کے قریب بھی نہ جاؤ۔ یہ روایت حضرت ابوہریرہؓ کی ہے حضرت ابن عباسؓ اور حضرت میمونہ کی روایت میں تعین نہیں ہوئی کہ سمن کیسا تھا۔ البتہ ہم کہہ سکتے ہیں۔ کہ آپ کا یہ ارشاد سمن جامد میں تھا۔ دلیل یہ ہے کہ القاء ماحول سمن جامد میں ہوتا ہے مائع میں نہیں ہو سکتا۔ اس سے زیادہ وضاحت نسائی کی روایات کرتی ہیں مثلاً نسائی پر ہے۔ سئل عن فارۃ وقعت فی سمن جامد

اور دوسری روایت میں ہے سئل عن فارۃ تقع فی سمن قال ان کان مائعًا فلا تقربوہ الخ
یہ وہی ابن شہاب کی روایت ہے تو مصنف رح کا استدلال روایات کی حیثیت سے تام نہ ہوا۔

حدیث نمبر ۲۳۱ حدثنا علی بن عبد اللّٰہ الخ عن میمونۃ ان النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم سئل عن فارۃ سقطت فی سمن فقال خذوھا وما حولھا فاطرحوہ الخ

ترجمہ: حضرت میمونہ رض روایت کرتی ہیں کہ جناب نبی اکرم صلعم سے اس چوہے کے بارے میں پوچھا جو گھی میں گر جائے تو آپ نے فرمایا اس کو پکڑو اور اس کے ارد گرد کے گھی کو پھینک دو۔

تشریح از شیخ زکریا۔ امام بخاری رح طہارت ماء میں ظاہر یہ اور مالکیہ کے ساتھی ہیں۔ کہ پانی اس وقت تک ناپاک نہ ہوگا جب تک کہ اس کے تین اوصاف میں سے کسی میں تبدیلی نہ آئے یہاں امام بخاری رح فرماتے ہیں کہ جیسے پانی کا حکم ہے گھی کا بھی وہی حکم ہے کہ جب تک اس کی بو۔ مزہ اور رنگ میں فرق نہ آئے اس وقت تک وہ مضر نہیں۔ قال الزھری لا بأس بالماء۔ یہی مذہب امام مالک رح اور امام بخاری رح کا بھی ہے لا بأس بریش المیتۃ یعنی ریش میتہ کا جزء ہے اگر پانی میں گر جائے تو اس کو ناپاک نہیں کرے گا مگر یہ ریش ہما کی نجاست ان کے یہاں ہے ہمارے یہاں تو طاہر ہے لہٰذا اگر پانی میں مردہ پرندہ کا پر پانی میں پڑ جائے اور اس پر نجاست وغیرہ لگی ہوئی نہ ہو تو پانی ناپاک نہ ہوگا۔ وقال الزھری فی عظام الموتی۔ ہڈیاں ہمارے نزدیک مطلقًا طاہر ہیں مالکیہ رح کے نزدیک مذبوح کی پاک ہیں شوافع کے نزدیک عظام موتی مطلقًا ناپاک ہیں حنفیہ کے ہاں مطلق طاہر بشرطیکہ ان پر رطوبت نہ ہو۔ ان اقوال کے نقل کرنے کی غرض یہ ہے کہ یہ سب اشیاء پاک ہیں لہٰذا ان میں سے کوئی اگر دود، گھی اور پانی وغیرہ میں گر جائے گا تو وہ ناپاک نہیں ہوں گے۔ الفوھا وما حولھا الخ امام بخاری رح نے اس روایت کے اطلاق سے استدلال فرمایا ہے کہ رسول اللّٰہ صلعم نے مطلقًا یہ فرمایا کہ فارہ اور ماحول کو نکال کر باقی کھالو۔ مائع اور جامد میں فرق نہیں فرمایا۔ لہٰذا خواہ جامد ہو یا مائع وہ نجس نہیں ہے اور جمہور یہ کہتے ہیں کہ بخاری رح کی روایت عام نہیں بلکہ جامد پر محمول ہے۔ کیونکہ ابوداؤد کی روایت میں خود حضرت میمونہ رض سے روایت ہے ان کان جامدًا فالقوھا وما حولھا وان کان مائعًا فلا تقربوہ لہٰذا جمعًا بین الروایات یہ کہا جائے گا کہ بخاری کی روایت جامد پر محمول ہے نیز اگر مائع پر مانا جائے تو حدیث کے معنی صحیح نہ ہوں گے کیونکہ مائع کے اندر ماحول ہوتا ہی نہیں وہ تو سب ایک ہی ہے۔ دوسرے الفاظ ماحول جامد کا ہوتا ہے

مائع کا نہیں۔ قال معن حدثنا مالک الخ اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ اس میں اختلاف ہے کہ یہ روایت مسانید ابن عباس میں سے ہے یا مسانید میمونہ سے تو حضرت امام بخاریؒ نے معن کا قول نقل کرکے اشارہ فرمایا کہ صحیح یہ ہے کہ یہ روایت مسانید میمونہ رضؓ سے ہے

حدیث نمبر ۲۳۲ حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ مُحَمَّدٍ الخ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ كُلُّ كَلْمٍ یُكْلَمُهُ الْمُسْلِمُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ یَكُوْنُ یَوْمَ الْقِیَامَةِ كَهَیْئَتِهَا اِذَا طُعِنَتْ تَفَجَّرُ دَمًا اللَّوْنُ لَوْنُ الدَّمِ وَالْعَرْفُ عَرْفُ الْمِسْكِ۔

ترجمہ، حضرت ابوہریرہؓ جناب نبی اکرم صلعم سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا ہر وہ زخم جو مسلمان کو اللہ تعالیٰ کے راستے میں پہنچتا ہے وہ قیامت کے دن وہ اسی صورت اور شکل پر ہوگا جبکہ وہ زخمی ہوا تھا کہ وہ زخم خون بہاتا ہوگا۔ اس کا رنگ تو خون کا ہوگا لیکن اس کی خوشبو کستوری کی ہوگی۔

تشریح از شیخ مدنیؒ مصنفؒ کی دلیل دم شہید سے ہے کہ قیامت کے دن اس کا زخم بالکل تروتازہ ہوجائے گا۔ کہ جس سے حجۃ قائم کی جائے گی مگر اس میں بدبو نہ ہوگی۔ بلکہ مشک جیسی خوشبو ہوگی اور مشک ہر ایک کے نزدیک پاک ہے۔ اور وہ یقیناً تغیر لون وطعم کی بنا پر پاک ہے۔ تو دم شہید بھی پاک ہوگا۔ جیسے کھاد نے ترابی صورت اختیار کرلی۔ تو تحول کی وجہ سے طہارت کا حکم کیا جائے گا۔ غرضیکہ مصنفؒ کا کہنا یہ ہے کہ تغیر مادہ کی ضرورت نہیں بلکہ تغیر صورت سے بھی طہارت کا حکم دیا جاتا ہے احنافؒ اور شوافعؒ تغیر احکام کا فی الجملہ باعث کہتے ہیں ہماری بحث تو تغیر ماء سے ہے۔ شوافعؒ اور احنافؒ فرماتے ہیں کہ اگر ماء قلیل ہو تو وہ وقوع نجاست سے نجس ہوجائے گا۔ خواہ تغیر اوصاف ہو یا نہ ہو۔ اور ماء کثیر نجس نہ ہوگا اور روایت سے تغیر ماء کے بارے میں کوئی چیز ثابت نہیں ہوتی اور ماء قلیل کی نجاست لا یبولن احدکم فی الماء الراکد اور لا یغمسن احدکم یدہ فی الاناء الخ سے معلوم ہوتا ہے۔

تشریح از شیخ زکریاؒ اللون لون الدم الخ امام بخاریؒ کا استدلال اس سے اس طرح ہے کہ اس روایت سے معلوم ہوا کہ تغیر اوصاف کو طہارت اور نجاست میں دخل ہے پہلے خون ناپاک تھا اب خوشبودار بن کر پاک ہوگیا اسی طرح اگر نجاست پڑ جائے اور وہ اوصاف کے اندر کوئی تغیر پیدا کردے تو پھر وہ ناپاک ہوگا۔ ورنہ نہیں اور بعض لوگوں نے کہا ہے کہ امام بخاریؒ نے اس حدیث سے ان لوگوں پر رد فرمایا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ اگر اوصاف ثلاثہ میں سے دو وصف بدل جائیں گے جب حکم بدلتا ہے

کیونکہ یہاں صرف ایک وصف (ریح) بدلا ہے جس کی بنا پر حکم بدل گیا۔

باب اَلْبَوْلِ فِی الْمَآءِ الدَّآئِمِ۔

ترجمہ، کھڑے پانی میں پیشاب کرنے کا حکم۔

حدیث نمبر ۲۳۳ حَدَّثَنَا اَبُوالْیَمَانِ الخ اَنَّهٗ سَمِعَ اَبَاهُرَیْرَةَ اَنَّهٗ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ نَحْنُ الْاٰخِرُوْنَ السَّابِقُوْنَ وَ بِاِسْنَادِهٖ قَالَ لَا یَبُوْلَنَّ اَحَدُکُمْ فِی الْمَآءِ الدَّآئِمِ الَّذِیْ لَا یَجْرِیْ ثُمَّ یَغْتَسِلُ فِیْهِ

ترجمہ، حضرت ابوہریرہؓ نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا وہ فرماتے تھے کہ ہم آخر میں آنے والے ہیں لیکن جنت میں سب سے پہلے داخل ہونے والے ہوں گے اور اسی اسناد کے ساتھ یہ بھی فرمایا کہ تم میں سے کوئی شخص مادائم میں پیشاب نہ کرے جو چالو نہیں پھر اس میں غسل کرے گا۔

تشریح از شیخ مدنی رو مصنفؒ نے ترجمہ میں کوئی ذکر نہیں فرمایا کہ اس باب سے کیا مقصد ہے مگر روایت سے کچھ پتہ چلتا ہے، نحن الاخرون فی الدنیا السابقون المتقدمون یوم القیامۃ کیونکہ پہلے فیصلہ ان کا ہوگا وجہ یہ ہے کہ پہلے چھوٹی عدالتوں کے ہاں فیصلے ہوتے ہیں آخر میں بڑی عدالتوں میں جانا پڑتا ہے۔ اخیر میں فیصلہ بادشاہ کے یہاں ہوتا ہے۔ جناب باری تعالیٰ نے انبیا علیہم السلام کو اس عالم کی اصلاح اور فیصلے کے لئے مقرر فرمایا انبیا حضرت نوح علیہ السلام پہلے آئے۔ اور آخر میں جناب خاتم الانبیا تشریف لائے اور ان کے درمیان غیر اولوالعزم تشریف لائے محققین یہی کہتے ہیں کہ سب سے اشرف آپ ہیں پھر حضرت عیسیٰؑ۔ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام پھر حضرت ابراہیمؑ الخ تو مقدمہ کی ترتیب چھوٹے حاکموں سے ہوگی مگر بادشاہ جو نظر کرے گا وہ وزیر اعظم کے فیصلہ کی طرف نگاہ کرے گا۔ اس کے بعد وزیر خاص کے فیصلہ کو دیکھا جائے گا تو ایسے قیامت میں امت محمدیہ کے فیصلہ پر جلد نظر کی جائے گی۔ امت محمدیہ کو نہ برزخ میں انتظار کرنی پڑے گی۔ اور نہ محشر میں فیصلہ کا انتظار کرنا پڑے گا تو آپ کا آخر میں بھیجا جانا یہ بھی باری تعالیٰ کی نعمت عظمیٰ ہے۔ اس لئے اگر ہم پہلے آتے تو ہمارے عیوب دنیا پر ظاہر ہوتے۔ مگر بفضلہ تعالیٰ ہمارے عیوب و قبائح دوسروں کو معلوم نہیں ہوئے بلکہ دوسروں کے قبائح ہمیں معلوم ہوتے ہیں۔ دیگر انبیا کے زمانہ میں عمریں لمبی لمبی ہوتی تھیں۔ تو ان کو تکلیفات شاقہ کا سامنا کرنا پڑا ہماری عمریں تھوڑی ہیں۔ تھوڑے سے عمل پر بڑے اجر کے مستحق قرار پائے - الدائم اس پانی کو بھی کہا جاسکتا تھا جو ہمیشہ جاری ہو۔ اور

ٹھہرے ہوئے پانی کو بھی دائم کہہ سکتے ہیں اس لئے الذی لا یجری سے اس کی تفسیر کر دی ثم یغتسل فیہ یہاں فیہ فرمایا گیا۔ اور قلتین یعنی پانچ سیر پانی میں کوئی غسل نہیں کر سکتا۔ تو وہ قلتین سے زائد ہوگا۔ غسل کرنے کی عادت یہی ہے کہ قلتین جتنے پانی میں بیٹھ کر غسل نہیں کیا جاتا۔ یہی حدیث امام صاحب کی دلیل ہے۔

تشریح از شیخ زکریا۔ امام بخاریؒ کا مسلک مسئلہ المیاہ میں امام مالکؒ کے موافق ہے اس کے موافق نہی عن البول فی الماء الراکد تعبدی ہوگی۔ اور بعض علماء فرماتے ہیں کہ نہی سدًا للباب فرمائی گئی ہے اس لئے کہ ایک کو دیکھ کر دوسرا آدمی بھی پیشاب کرے گا۔ اور انجام کار پانی ناپاک ہو جائے گا۔ نحن الآخرون السابقون اس کا کیا مطلب ہے۔ شراح فرماتے ہیں کہ مطلب یہ ہے کہ ماء دائم میں پیشاب کرنے کی ممانعت اس بنا پر ہے کہ جب پانی میں پیشاب کرے گا۔ تو وہ پانی سے آخر ہوگا اور جب کوئی اس سے وضو یا غسل کرے گا۔ تو اول ہوگا۔ للہذا نجاست کا استعمال ہو گیا اس لئے پانی میں پیشاب نہ کرے یہ وجہ یہاں اچھی ہے۔ یہ جملہ نحن الآخرون السابقون جہاں کہیں آتا ہے شراح اس کی مناسب توجیہ فرماتے ہیں۔ مگر حقیقی وجہ اس کی یہ ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ کے متعدد شاگرد ہیں۔ ان میں سے ایک عبد الرحمٰن بن ہرمز الاعرج ہیں۔ دوسرے ہمام بن منبہ ان دونوں کے پاس حضرت ابو ہریرہؓ کی روایات کے صحیفے ہیں۔ ہمام بن منبہ کا صحیفہ تو حضرت امام مسلم کے پاس ہے۔ اور ابن ہرمز کا صحیفہ حضرت امام بخاریؒ کے پاس ہے۔ اور دونوں اپنے صحیفوں سے روایت لیتے ہیں۔ مگر ہر ایک ادا اور انداز روایات لینے میں جدا جدا ہے۔ حضرت امام مسلم جہاں کہیں روایت لیتے ہیں وہاں یوں کہتے ہیں۔ حدثنا همام بن منبه قال هذا ما حدثنا به ابو هريرة عن رسول الله صلى الله عليه وسلم اور حضرت امام بخاریؒ جب ابن ہرمز کے صحیفے سے روایت لیتے ہیں۔ تو سب سے پہلے نحن الآخرون السابقون ذکر کرتے ہیں پھر اصل روایت جو مقصود ہوتی ہے اس کو ذکر فرماتے ہیں اور یہ جملہ نحن الآخرون الخ ابن ہرمز کے صحیفے کی پہلی حدیث ہے تو اس کی طرف اشارہ فرمانے کے لئے اس روایت کو پہلے ذکر فرما دیتے ہیں۔ لا یبولن احدکم الخ ظاہر یہ کے نزدیک یہ نہی تعبدی ہے اور جمہور کے نزدیک پانی ناپاک ہو جائے گا۔

باب إِذَا أُلْقِيَ عَلَى ظَهْرِ الْمُصَلِّي قَذَرٌ أَوْ جِيفَةٌ لَمْ تَفْسُدْ عَلَيْهِ صَلَاتُهُ

وکان ابن عمر اذا رای فی ثوبہ دما و ھو یصلی وضعہ و مضی فی صلاتہ وقال ابن المسیب والشعبی اذا صلی وفی ثوبہ دم او جنابۃ او لغیر القبلۃ او تیمم فصلی ثم ادرک الماء فی وقتہ لا یعید۔

ترجمہ، جب نمازی کی پیٹھ پر گندگی یا مردار کا جثہ پھینکا جائے تو اس کی نماز فاسد نہ ہوگی اور حضرت ابن عمرؓ نماز پڑھتی حالت میں جب اپنے کپڑے پر خون دیکھتے تھے تو کپڑے کو اتار کر رکھ دیتے اور اپنی نماز چالو رکھتے۔ ابن المسیب اور شعبیؒ فرماتے ہیں کہ جب کوئی آدمی ایسی حالت میں نماز پڑھ رہا ہو کہ اس کے کپڑے میں خون ہے یا منی ہے یا اس نے غیر قبلہ کی طرف منہ کرکے نماز پڑھی یا تیمم کرکے نماز پڑھی اور اسے نماز کے اوقات میں پانی مل گیا تو نماز کا اعادہ نہ کرے

تشریح از شیخ مدنیؒ۔ ایسی نجاستیں جن کے رہتے ہوئے ثوب۔ مکان وغیرہ میں نماز نہیں پڑھ سکتا۔ اگر اثنا صلوٰۃ میں یہ چیزیں نمازی کی پیٹھ پر ڈال دی جائیں۔ تو حضرت امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ ایک رکن کے ادا کرنے تک برابر اسی حالت پر رہا۔ تو نماز فاسد ہوجائے گی۔ اگر اسے پہلے زائل کر دیا۔ تو نماز فاسد نہ ہوگی۔ حضرت امام بخاریؒ کا مسلک یہ ہے کہ اگر اثناء صلوٰۃ میں بغیر قصد مصلی کے کوئی نجاست آپڑے تو آخر صلوٰۃ تک اس حالت پر رہنا مفسد صلوٰۃ نہیں ہے چنانچہ ابن المسیب اور شعبیؒ کا یہی مذہب ہے۔ مگر اور ائمہ کے ہاں بعض صورتوں میں اعادہ ہے مثلاً کپڑے میں خون تھا۔ اور نماز کے اوقات میں علم ہوگیا تو اعادہ کرے اسی طرح قبلہ کا استقبال تحری یعنی کوشش سے کیا۔ اگر وقت میں علم ہوجاتے تو اعادہ کرے۔ تیمم کرکے نماز پڑھی وقت میں پانی مل گیا تو نماز کا اعادہ کرنا مستحب ہے۔ امام بخاریؒ ان سب صورتوں میں اعادہ کے قائل نہیں ہیں۔

حدیث نمبر ۲۳۴ حدثنا عبدان الخ ان عبد اللہ بن مسعود حدثہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یصلی عند البیت و ابو جہل و اصحاب لہ جلوس اذ قال بعضھم لبعض ایکم یجیئ بسلا جزور بنی فلان فیضعہ علی ظہر محمد اذا سجد فانبعث اشقی القوم فجاء بہ فنظر حتی اذا سجد النبی صلی اللہ علیہ وسلم وضعہ علی ظہرہ بین کتفیہ وانا انظر لا اغنی شیئا لو کانت لی منعۃ قال فجعلوا یضحکون و یحیل بعضھم علی بعض و رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ساجد

لَا يَرْفَعُ رَأْسَهُ حَتّٰى جَآءَتْهُ فَاطِمَةُ فَطَرَحَتْهُ عَنْ ظَهْرِهٖ فَرَفَعَ رَأْسَهُ ثُمَّ قَالَ اَللّٰهُمَّ عَلَيْكَ بِقُرَيْشٍ ثَلٰثَ مَرَّاتٍ فَشَقَّ ذٰلِكَ عَلَيْهِمْ اِذْ دَعَا عَلَيْهِمْ قَالَ وَكَانُوْا يَرَوْنَ اَنَّ الدَّعْوَةَ فِيْ ذٰلِكَ الْبَلَدِ مُسْتَجَابَةٌ ثُمَّ سَمّٰى اَللّٰهُمَّ عَلَيْكَ بِاَبِيْ جَهْلٍ وَعَلَيْكَ بِعُتْبَةَ بْنِ رَبِيْعَةَ وَشَيْبَةَ بْنِ رَبِيْعَةَ وَالْوَلِيْدِ بْنِ عُتْبَةَ وَاُمَيَّةَ بْنِ خَلَفٍ وَعُقْبَةَ بْنِ اَبِيْ مُعَيْطٍ وَعَدَّ السَّابِعَ فَلَمْ نَحْفَظْهُ فَوَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ لَقَدْ رَاَيْتُ الَّذِيْنَ عَدَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَرْعٰى فِي الْقَلِيْبِ قَلِيْبِ بَدْرٍ۔

ترجمہ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ حدیث بیان فرماتے ہیں کہ جناب نبی اکرم صلعم بیت اللہ کے پاس نماز پڑھ رہے تھے۔ ابوجہل اور اس کے ساتھی بیٹھے ہوئے تھے کہ آپس میں انہوں نے مشورہ کیا کہ کوئی فلاں قبیلے کے ذبح شدہ اونٹ کی اوجھڑی گندگی سمیت لے آئے۔ اور جب محمد مصطفےٰ صلعم سجدے میں جائیں تو وہ گندگی آپؐ کی پیٹھ پر رکھ دے چنانچہ قوم میں سے سب سے بڑا بدبخت (عقبہ ابن ابی معیط) اٹھا اور وہ گندگی لے آکر منتظر رہا یہاں تک کہ جب نبی اکرم صلعم سجدے میں چلے گئے۔ تو اس نے یہ اوجھڑی آپؐ کے کندھوں کے درمیان پیٹھ پر رکھ دی۔ اور حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ یہ سارا منظر میں دیکھ رہا تھا۔ لیکن میں آپؐ کے کوئی کام نہ آسکتا تھا۔ کاش مجھے قوت ہوتی وہ فرماتے ہیں کہ قریش کے یہ لوگ ہنستے تھے اور ایک دوسرے پر لوٹ پوٹ ہوتے تھے۔ اور جناب رسول اللہ صلعم سجدہ میں سر نہیں اٹھاتے تھے۔ یہاں تک حضرت فاطمہؓ تشریف لائیں اور اس اوجھڑی کو آپؐ کی پیٹھ سے نیچے پھینکا تو آپؐ نے کہیں جاکر سر اٹھایا پھر بددعا فرمائی اے اللہ قریش کو پکڑلے تین مرتبہ فرمایا۔ تو یہ بات ان قریش کو گراں گزری جبکہ آپؐ نے ان کے خلاف بددعا فرمائی کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ اس شہر مکہ میں دعا مقبول ہوتی ہے۔ پھر آپؐ نے نام لے لے کر بددعا فرمائی اے اللہ ابوجہل کو پکڑلے۔ عتبہ بن ربیعہ۔ شیبہ بن ربیعہ ولید بن عتبہ اور امیہ بن خلف اور عقبہ بن ابی معیط ان سب کو پکڑلے ساتویں کا نام بھی شمار کیا مگر انہیں یاد نہیں رہا۔ حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے۔ جن لوگوں کا نام رسول اللہ صلعم نے شمار کیا تھا وہ سب بدر کے اندھے کنویں میں گرے پڑے تھے

تشریح از شیخ مدنیؒ سلا بچہ دان۔ دوسری روایات میں فرث وغیرہ کا ذکر بھی ہے اور ان میں یہ بھی ہے کہ افلا ینظرون الی ھذا المرائی کیا اس ریاکار کو نہیں دیکھتے۔ لا اغنی شیئا اس لئے کہ

صنادید قریش کا مقابلہ نہیں کر سکتے تھے۔ کیونکہ یہ قبیلہ ہذیل کے آدمی تھے اور دیہات میں رہتے تھے ان شہر والوں کا مقابلہ نہیں کر سکتے تھے۔ لو کانت لفظ لو تعجب اور شرط کے لیئے ہو سکتا ہے بمعنی قوت یا جماعت روایت باب سے مصنفؒ کا استدلال اس طرح ہے کہ آپؐ پر نجاست ڈالی گئی لیکن آپؐ نے نماز کو نہیں چھوڑا۔ تو شوافعؒ اور احنافؒ کی طرف سے جواب دیا جاتا ہے کہ یہاں سلٰی بچہ دان کا ذکر ہے جو نجس نہیں تو نماز کیسے فاسد ہو گی۔ لیکن یہ جواب قابلِ اعتنا نہیں کیونکہ سلٰی کے ساتھ فرث ودم کا ذکر بھی ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ ابتداء اسلام کا واقعہ ہے اس وقت نجاسات کی تفصیل نہیں آئی تھی۔ مگر اس پر یہ اشکال ہے کہ سورۃ مدثر میں ثیابک فطہر کا حکم ہے اور سورۃ مدثر بعد فترۃ الوحی کے نازل ہوئی ہے۔ اور فترہ وحی کے تین سال ہیں۔ اور ظاہر یہ ہے کہ سورۃ مدثر کے اترنے تک لوگوں کو آپؐ سے عداوت نہیں اس کے بعد آپؐ نے تبلیغ شروع فرمائی۔ کیونکہ اس میں وانذر عشیرتک الاقربین کا حکم موجود ہے۔ تیسری وجہ یہ ذکر کی جاتی ہے۔ کہ آپؐ حالتِ استغراق میں تھے۔ آپؐ کو علم ہی نہیں ہو سکا کہ میری پیٹھ پر کیا چیز رکھی ہے۔ ظاہر ہے یا نجس ہے مگر یہ امر بھی بعید ہے کہ ایک شخص کی پیٹھ پر بدبودار چیز رکھی ہو۔ اور اس کو اس کا علم نہ ہو سکے۔ البتہ حالتِ استغراق میں ایسا ہو سکتا ہے۔ چوتھا جواب یہ ہے کہ ہمارے پاس کوئی ایسا صریح ثبوت نہیں جس سے معلوم ہو کہ آپؐ نے نماز کو پورا کرنے کے بعد بددعا فرمائی ہو۔ ددنہ خوط قتاد ظاہر یہ ہے کہ آپؐ نے نماز پورا کرنے سے پہلے بددعا کی۔ پانچواں جواب یہ ہے کہ اگر بالفرض آپؐ اپنی نماز پر قائم رہے ہوں۔ پھر ایسی کوئی دلیل نہیں کہ آپؐ نے اس نماز کا اعادہ نہ کیا ہو۔ احتمال ہمارے لئے کافی ہے کہ آپؐ نے نماز کا اعادہ کیا۔

تشریح از شیخ زکریاؒ چونکہ نجاسات کا ذکر فرما رہے تھے۔ اس لئے ایک مسئلہ جو اس کے متعلق تھا اسے بھی ذکر کر دیا۔ کہ اگر کسی پر حالت نماز میں نجاست پڑ جائے تو اس کا کیا حکم ہے حنفیہؒ شافعیہؒ اور حنابلہؒ کے نزدیک نماز ٹوٹ جائے گی۔ اور مالکیہؒ کے نزدیک فاسد نہیں ہو گی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ طہارت اثواب ان کے نزدیک شرائط صلوٰۃ میں سے نہیں ہے۔ ہاں اگر چاہے تو وقت کے اندر اعادہ کرے اوزاعیؒ کے نزدیک طہارت ابتداء صلوٰۃ کے لئے شرط ہے۔ لہٰذا اگر کوئی وسط صلوٰۃ میں نجاست ڈال دیئے تو کوئی حرج نہیں۔ شراح فرماتے ہیں کہ امام بخاریؒ اس مسئلہ میں امام اوزاعیؒ کے ساتھ ہیں۔

دکان ابن عمرؓ اس دوسرے استدلال پر ہم یہ کہتے ہیں کہ پہلے یہ ثابت ہو جائے کہ وہ خون جو ابن عمرؓ کے کپڑے پر تھا وہ قدر درہم سے زائد تھا۔ ثم ادرك الماء ہم بھی تیمم کے اندر یہی کہتے ہیں کہ اعادہ نہ کرے اس لئے تیمم طہارت کاملہ ہے فانبعث اشقی القوم یہ عقبہ بن ابی معیط تھا۔ وضعه علی ظهره امام بخاریؒ نے اس سے استدلال فرمایا ہے۔ امام مالکؒ کے مسلک پر تو جواب کی ضرورت نہیں اس لئے کہ ان کے نزدیک طہارت صلوٰۃ میں سنت ہے لیکن یہ حدیث جمہور کے خلاف ہے امام نوویؒ نے جواب دیا کہ حضور اکرم صلعم کو استغراق کی وجہ سے پتہ ہی نہ چل سکا بعض نے جواب دیا۔ سلا جزور خشک تھی اور اس میں نجاست وغیرہ بھر کر پھر ڈلوایا گیا اور نجاست اپنے ملان میں مضر نہیں ہے۔ اور اصل بات یہ ہے کہ یہ واقعہ نیابک قطعی سے پہلے کا ہے۔ جیسا کہ حافظ نے کتاب التفسیر میں لکھا ہے وانا انظر اس لئے کہ اگر میں کچھ کرتا تو وہ مجھے مارتے۔ ویحیل بعضهم علی بعض ایک دوسرے کو مذاق میں کہہ رہے تھے۔ ذرا دیکھو یہ کیا ہو رہا ہے۔ حتی جاءت فاطمہ تعالیٰ وہ بچی اسی خاندان کی تھی ان سے کیا بولتے۔ وعد السابع یہ سابع عمارہ بن ولید ہے۔ اللهم علیك بقریش یہ نبی اکرم صلعم کی بددعا ہے حالانکہ حضور اکرم صلعم کی عادت شریفہ بددعا کرنے کی نہیں تھی تو اس حدیث اور جہاں جہاں بددعا وارد ہوتی ہے۔ اس پر اعتراض ہوگا جس کا جواب یہ ہے کہ نبی اکرم صلعم تعلیم فعلی کے لئے تشریف لائے تھے تو جو جو چیزیں شانِ نبوت کے خلاف نہیں ان کو آپ نے خود کر کے دکھلا دیا۔ ان ہی میں سے یہ بددعا بھی ہے۔ یہاں ایک بات قابل غور ہے کہ نبی اکرم صلعم کی یہ دعا بدر کے موقعہ پر تقریباً پندرہ سال بعد پوری ہوئی۔ اس سے معلوم ہو گیا کہ دعا کا فوراً قبول ہونا ضروری نہیں کبھی کبھی تاخیر بھی ہو جاتی ہے

باب اَلْبُزَاقِ وَالْمُخَاطِ وَنَحْوِهٖ فِي الثَّوْبِ وَقَالَ عُرْوَةُ عَنِ الْمِسْوَرِ وَمَرْوَانَ خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ زَمَنَ الْحُدَيْبِيَةِ فَذَكَرَ الْحَدِيْثَ وَمَا تَنَخَّمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نُخَامَةً اِلَّا وَقَعَتْ فِيْ كَفِّ رَجُلٍ مِّنْهُمْ فَدَلَكَ بِهَا وَجْهَهٗ وَجِلْدَهٗ ۔

ترجمہ، کھنگار اور سنک یا اسی طرح کی اور چیز جو کپڑے کو لگ جائے تو اس کا کیا حکم ہے۔ حضرت عروہ مسور اور مروان سے روایت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلعم حدیبیہ والے سال تشریف لائے پھر حدیث کو بیان کیا جس میں یہ بھی تھا۔ کہ جناب رسول اللہ صلعم ناک سے جو سنک بھی

نکلتی وہ کسی نہ کسی صحابی کی ہتھیلی ہیں جا پڑتی تھی وہ اس کو اپنے چہرے اور بدن پر مل لیتے تھے۔

حدیث نمبر ۲۳۵ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ الخ عَنْ أَنَسٍ قَالَ بَزَقَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي ثَوْبِهِ الخ۔

ترجمہ، حضرت انسؓ سے مروی کہ جناب رسول اللہ صلعم نے اپنے کپڑے میں تھوکا۔

تشریح از شیخ مدنیؒ ان روایات سے معلوم ہوا کہ یہ چیزیں طاہر ہیں کپڑا۔ بدن۔ مکان وغیرہ ان سے نہیں ہوتے۔

تشریح از شیخ زکریاؒ نجاسات کا ذکر چل رہا تھا تو مصنفؒ نے تھوک کا حکم بیان فرما دیا وجہ یہ ہے کہ حضرت سلمان اور بعض تابعین سے نقل کیا گیا ہے کہ بزاق نخامہ وغیرہ نجس ہیں اور بعض کا مذہب ہے کہ ہر ایک کا بزاق اس کے حق میں پاک اور دوسرے کے حق میں ناپاک ہے امام بخاریؒ اس باب سے ان پر رد کرنا چاہتے ہیں۔ فدلک بها وجهه وجلده اس سے امام بخاریؒ نے طہارۃ ریق پر استدلال کیا ہے اور یہ جو سب کچھ صحابہ کرام نے کیا وہ عشق ومحبت کی باتیں ہیں ؎

عناب لب لباب دہن شربت وصال
یہ نسخہ چاہیئے ترے بیمار کے لئے

باب لَا يَجُوزُ الْوُضُوءُ بِالنَّبِيذِ وَلَا بِالْمُسْكِرِ وَكَرِهَهُ الْحَسَنُ وَأَبُو الْعَالِيَةِ وَقَالَ عَطَاءٌ التَّيَمُّمُ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنَ الْوُضُوءِ بِالنَّبِيذِ وَاللَّبَنِ۔

ترجمہ، کھجور کے نچوڑ اور نشہ دار چیز سے وضو جائز نہیں ہے۔ حضرت حسن بصری اور ابو العالیۃ نے اسے مکروہ کہا ہے اور حضرت عطاؒ فرماتے ہیں کہ وضو بالنبیذ اور لبن سے وضو کرنے سے تیمم بہتر ہے

حدیث نمبر ۲۳۶ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ الخ عَنْ عَائِشَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ كُلُّ شَرَابٍ أَسْكَرَ فَهُوَ حَرَامٌ۔

ترجمہ، حضرت عائشہ صدیقہؓ جناب نبی اکرم صلعم سے روایت کرتی ہیں کہ ہر وہ مشروب جو نشہ پیدا کرے وہ حرام ہے اور حرام سے وضو بالاتفاق جائز نہیں۔

تشریح از شیخ مدنیؒ اگر نبیذ سے غیر مسکر مراد ہے۔ تو یہ روایات اس کی ممانعت پر دلالت نہیں کرتی۔ اور لا بالمسکر سے عطف الخاص علی العام ہوگا۔ ابو العالیہ اور حسن بصری حضرت امام

ابو حنیفہ رح پر حجۃ نہیں ہو سکتے اس لئے کہ وہ دونوں تابعی ہیں امام صاحب بھی تابعی ہیں ھو رجال ونحن رجال

تشریح از شیخ زکریاؒ۔ مسکر سے بالاتفاق وضو کرنا ناجائز ہے۔ پھر امام بخاریؒ نے اس کو کیوں ذکر کیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ امام بخاریؒ وضو بالنبیذ کو ناجائز ثابت فرما رہے ہیں اور نبیذ کی روایت ملی نہیں اس لئے مسکر کی روایت سے استدلال فرمایا چونکہ مسکر کی روایت سے استدلال تھا۔ اسی کو ترجمہ میں بھی ذکر فرما دیا۔ اب رہا یہ سوال کہ امام بخاریؒ نے مسکر کی روایت سے نبیذ کے مسئلے کو کس طرح ثابت فرمایا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ امام بخاریؒ کا استدلال اس طرح ہے کہ نبیذ مقدمۃ مسکر ہے۔ اور مقدمہ شیئ خود شیئ کے حکم میں ہوا کرتا ہے۔ لہٰذا جس طرح مسکر سے وضو ناجائز ہے اسی طرح نبیذ سے بھی ناجائز ہوگا۔ لیکن اس کا جواب ہو سکتا ہے کہ پھر تو پانی بھی مقدمہ نبیذ ہونے کے سبب ممنوع ہونا چاہیئے۔ نبیذ اصل میں منبوذ یعنی پھینکے ہوئے کو کہتے ہیں۔ اور اصطلاح میں وہ پانی کہلاتا ہے جس میں کھجور وغیرہ ڈال دی گئی ہو جس کی تین صورتیں ہیں اول یہ کہ پانی میں کھجور وغیرہ ڈال دیا اور وہ شیریں ہو گیا۔ اس میں وضو کرنے میں ہمارے ائمہ کے درمیان کوئی اختلاف نہیں۔ اور ائمہ ثلاثہ کے ہاں کسی قسم کے نبیذ سے وضو جائز نہیں حتیٰ کہ اس قسم سے بھی جائز نہیں حالانکہ یہ مسکر نہیں ہے۔ مگر اس صورت میں اختلاف ایک اور اصل کلی مختلف فیہ پر مبنی ہے۔ وہ یہ کہ حنفیہ رح کے اصول میں ہے اگر پانی شیئ جامد طاہر میں مل جائے۔ اور اس کی مائیت میں فرق نہ آئے۔ تو اس سے وضو جائز ہے۔ اور شوافع وغیرہم کے نزدیک جب پانی کے اندر کوئی شیئ مل گئی تو وہ اپنے اطلاق سے نکل گیا۔ لہٰذا اس سے وضو جائز نہیں۔ حنفیہ رح کا مذہب اقرب ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ میت کے غسل کے بارے میں روایات میں آتا ہے۔ کہ اس کو بیری کے پتوں سے غسل دیا جائے۔ شوافع رح کہتے ہیں کہ یہ غسل تعبدی ہے غسل نجاست نہیں ہے۔ حنفیہ رح کہتے ہیں کہ ابو داؤد شریف کی روایت ہے کان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یغسل رأسہ بالخطمی کہ آپ گل خیرہ سے اپنے سر مبارک کو دھوتے تھے شوافع رح فرماتے ہیں کہ اس کے بعد ماء قراح سے دھو لیتے ہوں گے۔ حنفیہ رح جواب دیتے ہیں کہ خود ابوداؤد میں ہے وکان یجتزی بہ یعنی آپ اسی پر اکتفا فرماتے تھے اسی طرح حدیث میں ہے کہ حضرت ام سلمہ رضہ فرماتی ہیں کہ مجھ کو حضور پاک صلعم کے اونٹ پر حیض آ گیا۔ حضور صلعم نے فرمایا انفست اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ جب تو فارغ ہو۔ تو پانی میں نمک ڈال کر غسل کر لینا۔ اور اس کا حضرت ام سلمہ رضہ نے

اتنا اہتمام فرمایا کہ مرتے وقت وصیت کی کہ میرے غسل کے پانی میں نمک ڈالا جائے۔ حنابلہ نے یہ روایت دیکھ کر یہ کہہ دیا کہ نمک مستثنیٰ ہے۔ حنفیہ رح کہتے ہیں کہ اگر تم پہلے ہی ایک اصل اور قاعدہ نہ مقرر کر لیتے تو تمہیں اتنے استثناآت اور تاویلات کی ضرورت نہ پیش آتی۔ دوسری قسم نبیذ کی اس قسم کے بالکل مقابل ہے کہ اس میں اسکار پیدا ہو جائے اس میں ائمہ کے درمیان کوئی اختلاف نہیں کہ اس قسم سے وضو کرنا جائز نہیں۔ اور تیسری قسم یہ ہے کہ پانی میں چھوارے وغیرہ ڈال کر پکا لیا جائے۔ اس قسم میں ہمارے ائمہ کے درمیان اختلاف ہے۔ بعض جائز کہتے ہیں بعض منع کرتے ہیں۔ پھر بعض حضرات نے امام صاحب رح سے نقل کیا ہے۔ کہ انہوں نے جواز التوضی بالنبیذ کے قول سے رجوع کر لیا ہے۔ اگر رجوع نہ بھی ثابت ہو۔ تو بھی کوئی اشکال نہیں اس لئے کہ اگر کسی شیئ طاہر کے ملنے سے مائیت میں فرق نہ پڑے تو اس سے وضو جائز ہے اور یہاں فرق نہیں پڑتا۔ اور علامہ عینی رح نے نقل کیا ہے کہ ابن مسعود رض سے چودہ راویوں نے وضو بالنبیذ کی حدیث نقل کی ہے۔ کہ ھو الحسن وابو العالیۃ یہ حضرت حسن کا مذہب ہوگا اور ان کی کراہت امام صاحب رح پر حجۃ نہیں کیونکہ امام صاحب خود تابعی ہیں۔ اور ابو العالیہ سے امام بخاری رح نے یہاں اجمالاً نقل کیا ہے۔ ان کا اثر تفصیل کے ساتھ دار قطنی میں مذکور ہے۔ بذل کے اندر میرے حضرت رح نے اسے نقل کیا ہے۔ انہوں نے جب وضو بالنبیذ سے منع کیا۔ تو کسی نے کہا حضور انور صلعم کے زمانہ میں تو کرتے تھے تو ابو لعالیہ نے فرمایا کہ وہ تمہاری نجس انبذہ نہیں تھیں معلوم ہوا کہ ابو العالیۃ کی کراہت شدت اور غلیان کی وجہ سے تھی اور ممکن ہے حضرت حسن بصری رح نے بھی اسی قسم کو مکروہ سمجھا ہو وقال عطاء یہ ان کا مذہب ہے کل شراب اسکر فھو حرام اور نبیذ مقدمہ شراب ہے اور مقدمۃ الشیئ شیئ کے حکم میں ہوتا ہے۔ لہٰذا وہ بھی حرام اور حرام سے وضو جائز نہیں۔ مثبت الترجمہ تو ترجمہ ثابت ہوا

باب غَسْلِ الْمَرْأَةِ أَبَاهَا الدَّمَ عَنْ وَجْهِهٖ وَقَالَ أَبُو الْعَالِيَةِ امْسَحُوا عَلٰى رِجْلِيْ فَإِنَّهَا مَرِيْضَةٌ۔

ترجمہ، عورت کا اپنے باپ کے چہرہ سے خون کا دھونا اور ابو العالیہ نے فرمایا کہ میرے پاؤں پر مسح کر لو اس لئے کہ وہ مریض ہے۔

حدیث نمبر ۲۳۷ حَدَّثَنَا مُحَمَّدٌ الخ عَنْ أَبِيْ حَازِمٍ سَمِعَ سَهْلَ بْنَ سَعْدٍ السَّاعِدِيَّ وَسَأَلَهُ النَّاسُ وَمَا بَيْنِيْ وَبَيْنَهٗ أَحَدٌ بِأَيِّ شَيْءٍ دُوِيَ جُرْحُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ

وَسَلَّمَ فَقَالَ مَا بَقِيَ اَحَدٌ اَعْلَمُ بِهٖ مِنِّیْ كَانَ عَلِیٌّ یَجِیْئُ بِتُرْسِهٖ فِیْهِ مَآءٌ وَفَاطِمَةُ تَغْسِلُ عَنْ وَّجْهِهِ الدَّمَ فَاُخِذَ حَصِیْرٌ فَاُحْرِقَ فَحُشِیَ بِهٖ جُرْحُهٗ ۔

ترجمہ، حضرت ابو حازم سے مروی ہے کہ انہوں نے حضرت سہل بن سعد ساعدیؓ سے اس وقت سنا جبکہ لوگوں نے اس سے سوال کیا تھا میرے اور اس کے درمیان اور کوئی نہیں تھا ان سے پوچھا گیا تھا جناب نبی اکرم صلعم کے زخم کا علاج کسی چیز سے کیا گیا۔ تو انہوں نے فرمایا کہ میرے سے زیادہ اس کو جاننے والا کوئی باقی نہیں رہا حضرت علیؓ اپنی ڈھال لاتے تھے جس میں پانی ہوتا تھا۔ اور حضرت فاطمۃ الزہراءؓ آپؐ کے چہرے سے خون دھوتی تھیں۔ پھر چٹائی لے کر اسے جلایا گیا اور اس کی خاکستر سے حضورؐ کا زخم بھر دیا گیا۔

تشریح از شیخ مدنیؒ اگر اس باب کا مقصد استعانۃ علی الوضوء ہے۔ تو روایت سے ثابت ہے مگر یہ مبحوث عنہ نہیں ظاہر ہے یہ کہ مصنفؒ اس جگہ تطہیر کے اندر استعانۃ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ ازالہ نجاستہ میں اس قسم کی استعانۃ جائز ہے۔ وضوء کے اندر تو مکروہ ہے لیکن غیر وضو میں جائز ہے چنانچہ ابو العالیہ کے قول سے اس کی تائید ہوتی ہے۔ تو جب مسح میں استعانۃ جائز ہے تو ازالہ نجاستہ میں بطریق اولیٰ جائز ہوگی۔

تشریح از شیخ زکریاؒ شراح فرماتے ہیں کہ استعانۃ فی ازالہ النجاسۃ کو بیان فرمایا اور میرے نزدیک باب کی غرض یہ ہے کہ استعانۃ فی الوضوء کی تین صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ دوسرا پانی لاوے اور دوسری صورت یہ ہے کہ دوسرا پانی ڈالے اور متوضی خود اپنے اعضاء دھوئے اور تیسری صورت یہ ہے کہ متوضی خود کچھ نہ کرے۔ دوسرا شخص پانی بھی ڈالے۔ اور دھوئے بھی۔ تو امام بخاریؒ نے اس کی طرف اشارہ فرما دیا کہ اگر مجبوری کی بناء پر ایسا کر لیا جائے تو کوئی مضائقہ نہیں۔ حضور اقدس صلعم کے چہرہ انور کو حضرت فاطمہؓ دھوتی تھیں وقال ابو العالیہ الخ نیز ابو العالیہ کے اس قول سے بھی میری تائید ہوتی ہے کہ انہوں نے دوسرے پیر کے مسح کا امر فرمایا۔ اور اس کی علت یہ بیان فرمائی کہ وہ مریضہ ہے اس کو تکلیف ہوگی۔ بای شیئ دوی جرح النبی صلعم حضور اکرم صلعم کو غزدۂ احد میں چہرۂ انور پر چوٹ آئی تھی۔ اس کے متعلق پوچھ رہے ہیں۔ کہ کیا دوا حضور کو لگائی گئی تھی فاخذ حصیر فاحرق جب پانی ڈالنے سے خون بند نہ ہوا تو ایک بوریا جلا کر اس کی راکھ زخم میں بھر دی۔ راکھ کو خون رکنے

میں ایک خاصہ ہے۔ اسی وجہ سے بچوں کی ختنہ کے بعد اس مقام پر راکھ لگادیتے ہیں۔

باب السِّوَاكِ وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ بِتُّ عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاسْتَنَّ۔

ترجمہ: مسواک کرنے کے بارے میں حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ میں نے جناب نبی اکرم صلعم کے پاس رات بسر کی تو آپ نے مسواک کیا۔

حدیث نمبر ۲۳۸ حَدَّثَنَا أَبُو النُّعْمَانِ الخ عَنْ أَبِيهِ قَالَ أَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَوَجَدْتُهُ يَسْتَنُّ بِسِوَاكٍ بِيَدِهِ يَقُولُ أُعْ أُعْ وَالسِّوَاكُ فِي فِيهِ كَأَنَّهُ يَتَهَوَّعُ۔

ترجمہ، حضرت بردہ فرماتے ہیں کہ میں نبی اکرم صلعم کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپؐ اپنے مسواک سے جو آپؐ کے ہاتھ میں تھا مسواک کر رہے تھے اور اع اع کہتے تھے جبکہ مسواک آپؐ کے منہ میں تھا۔ گویا کہ قے کر رہے ہیں۔

تشریح از شیخ زکریاؒ۔ اشکال یہ ہے کہ نجاسات وغیرہ کا ذکر چل رہا تھا تو مسئلہ سواک کیسے آگیا اس کو تو سنن وضو کے ساتھ ذکر کرتے اس کی وجہ میرے نزدیک یہ ہے۔ کہ امام بخاریؒ نے اس باب کو مسئلہ وضو سے الگ ذکر کر کے اشارہ کردیا کہ مسواک وضو کے ساتھ خاص نہیں بلکہ جب بھی ضرورت ہو کرے۔ جیسا کہ فقہا حنفیہؒ کہتے ہیں۔ مسئلہ یہ ہے کہ مسواک جمہور کے نزدیک سنت ہے اور بعض ظاہریہ کہتے ہیں کہ واجب ہے اور ابن حزم جمعہ کے دن واجب کہتے ہیں۔ اور باقی ایام میں سنت ہے اع اع حاشیہ میں اہ اہ اور نسائی میں عاعا ہے۔ یہ سب اس آواز کی تعبیرات ہیں جو مسواک اندر کی جانب کرتے ہوئے پیدا ہوتی تھی۔ کسی نے کچھ تعبیر کیا اور کسی نے کچھ۔ اختلاف کچھ نہیں سب کا مآل ایک ہے۔

حدیث نمبر ۲۳۹ حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ الخ عَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا قَامَ مِنَ اللَّيْلِ يَشُوصُ فَاهُ بِالسِّوَاكِ۔

ترجمہ، حضرت حذیفہ رضہ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ جناب نبی اکرم صلعم جب رات کو اٹھتے تھے تو اپنے منہ کو مسواک ملتے تھے۔

باب دَفْعِ السِّوَاكِ إِلَى الْأَكْبَرِ وَقَالَ عَفَّانُ حَدَّثَنَا صَخْرُ بْنُ جُوَيْرِيَةَ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أَرَانِي أَتَسَوَّكُ بِسِوَاكٍ فَجَاءَنِي رَجُلَانِ أَحَدُهُمَا أَكْبَرُ مِنَ الْآخَرِ فَنَاوَلْتُ السِّوَاكَ الْأَصْغَرَ مِنْهُمَا فَقِيلَ لِي كَبِّرْ

فَدَ فَعْتُهُ اِلَى الْاَكْبَرِ مِنْهُمَا۔

ترجمہ، باب مسواک بڑے کو دینی چاہیئے اور حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ جناب نبی اکرم صلعم نے فرمایا کہ میں خواب میں اپنے کو دیکھتا ہوں کہ میں مسواک استعمال کر رہا ہوں اچانک میرے پاس دو آدمی آئے جن میں سے ایک دوسرے سے بڑا تھا میں نے مسواک ان میں سے چھوٹے کو دے دیا تو مجھے کہا گیا کہ بڑے کو دیجئے۔ چنانچہ وہ مسواک میں نے ان میں سے بڑے کو دے دی۔

تشریح از شیخ زکریاؒ چونکہ مسواک بظاہر اشیا مستقذرہ میں سے ہے کیونکہ اس سے منہ صاف کیا جاتا ہے اس لئے اس سے ایہام ہوتا تھا کہ بڑے کو دینا کہیں ادب کے خلاف نہ ہو۔ تو امام بخاریؒ نے تنبیہ فرمادی کہ نہیں بلکہ مسواک ایک بڑی چیز ہے مطہرہ فم ہے۔ لہٰذا بڑے ہی کو دینی چاہیئے۔

باب فَضْلِ مَنْ بَاتَ عَلَى الْوُضُوْءِ۔

ترجمہ باب اس شخص کی فضیلت کے بارے میں جو وضو پر رات بسر کرتا ہے۔

حدیث ۲۴۱ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مُقَاتِلٍ الخ عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍؓ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَتَيْتَ مَضْجَعَكَ فَتَوَضَّأْ وُضُوْءَكَ لِلصَّلٰوةِ ثُمَّ اضْطَجِعْ عَلٰى شِقِّكَ الْاَيْمَنِ ثُمَّ قُلِ اللّٰهُمَّ اَسْلَمْتُ وَجْهِيْ اِلَيْكَ وَفَوَّضْتُ اَمْرِيْ اِلَيْكَ وَاَلْجَاْتُ ظَهْرِيْ اِلَيْكَ رَغْبَةً وَّرَهْبَةً اِلَيْكَ لَا مَلْجَاَ وَلَا مَنْجَا مِنْكَ اِلَّا اِلَيْكَ اللّٰهُمَّ اٰمَنْتُ بِكِتَابِكَ الَّذِيْ اَنْزَلْتَ وَبِنَبِيِّكَ الَّذِيْ اَرْسَلْتَ فَاِنْ مُّتَّ مِنْ لَيْلَتِكَ فَاَنْتَ عَلَى الْفِطْرَةِ وَاجْعَلْهُنَّ اٰخِرَ مَا تَتَكَلَّمُ بِهٖ قَالَ فَرَدَّدْتُّهَا عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا بَلَغْتُ اللّٰهُمَّ اٰمَنْتُ بِكِتَابِكَ الَّذِيْ اَنْزَلْتَ قُلْتُ وَرَسُوْلِكَ قَالَ لَا وَنَبِيِّكَ الَّذِيْ اَرْسَلْتَ (الحدیث)

ترجمہ، حضرت براء بن عازبؓ فرماتے ہیں کہ جناب نبی اکرم صلعم نے فرمایا کہ جب آپ بستر پر لیٹنے کے لئے آئیں۔ تو نماز کی طرح وضو کریں پھر دائیں پہلو پر لیٹ جائیں۔ اور پھر یہ دعا کریں کہ اے اللہ میں اپنے چہرے کو آپ کے سپرد فرمانبردار کرتا ہوں۔ اور اپنا معاملہ آپ کے سپرد کرتا ہوں۔ اور اپنی پیٹھ کو آپ کی طرف سے سہارا دیتا ہوں۔ آپ کی طرف رغبت کرتے ہوئے اور آپ سے ڈرتے ہوئے میری جائے پناہ اور جائے نجات تیری گرفت سے تیری ہی طرف ہے۔ اور اللہ میں تیری اس کتاب پر ایمان

ے آیا جس کو تو نے اپنے اس نبی پر اتارا جس کو آپ نے بھیجا۔ اگر اس رات تیری وفات ہو گئی تو تُو فطرت
اسلام پر ہوگا۔ ان کو اپنے آخری کلمات بنانا حضرت فرماتے ہیں کہ یہ کلمات میں نے حضور نبی اکرم صلعم
پر دوبارہ لوٹاتے جب مَیں ان الفاظ پر پہنچا کہ آمنت بکتابك الذی انزلت تو مَیں نے کہا
رسولک تو آپ نے فرمایا ۔ بنبیك الذی ارسلت کہو۔ فنبیك الذی ارسلت یا تو اس لئے
فرمایا کہ اس طرح تکرار لازم نہیں آئے گا۔ حالانکہ رسول نبی سے اخص ہے اسلئے اعم کو لانا چاہیئے۔

تشریح از شیخ زکریاؒ یہ ترجمہ میرے نزدیک شارحہ ہے اور اس سے امام بخاریؒ روایت کی
شرح دو طرح فرمارہے ہیں۔ ایک تو یہ کہ روایت میں ہے اذا اتیت مضجعك فتوضا الخ تو اس لفظ
اذا سے ایہام ہوتا تھا۔ کہ جب سونا چاہے تو اس وقت وضو کرے چاہے پہلے سے وضو ہو یا نہ ہو۔ تو
امام بخاریؒ نے تبلا دیا۔ کہ مقصود نوم علی الوضوء ہے۔ اب چاہے پہلے سے ہو یا اسی وقت وضو کرے اور
دوسرے یہ کہ فتوضا ء کے امر سے بظاہر ایجاب کا شبہ ہوتا ہے۔ کیونکہ مطلق امر وجوب کے لئے آتا ہے
تو امام بخاری نے تنبیہہ فرمادی کہ یہ امر وجوب کے لئے نہیں بلکہ استحباب و فضل کے لئے ہے۔ (فائدہ) اگر
کوئی شخص باوضو سوئے تو برے خوابوں سے اور شیطان کے وساوس سے محفوظ رہتا ہے۔ اگر آیۃ الکرسی
پڑھ لے تو نور علیٰ نور ہے۔ ثم اضطجع علی شقك الایمن یہ ہمارے نزدیک بہت معمولی بات
ہوگی۔ اور اگر کوئی طبیب کہدے تو اس کا بہت اہتمام کیا جاتا ہے۔ اطبا کے نزدیک بائیں پہلو پر سونا
بہتر ہے اس لئے کہ اسی طرح نیند اچھی طرح آتی ہے۔ مگر اس میں مضرت یہ ہے کہ بائیں طرف قلب ہے
تو بائیں کروٹ سونے میں سارا دباؤ اور بوجھ دل پر ہوگا۔ اور ممکن ہے بخارات دل پر چھا جائیں اور
ضعفِ قلب لاحق ہو جاتے۔ لیکن کسی کو اہتمام نہیں ہے لیکن اگر کوئی جدید تحقیق کا آدمی کچھ کہدے تو اس
کو نا معلوم کیا سے کیا سمجھ لیا جاتا ہے۔ حالانکہ یہ نبی اکرم صلعم کا ارشاد ہے۔ اور جدید سائنس والوں کی تحقیق
ہے۔ کہ جب شہوت سے منی خارج ہوتی ہے تو بدن کے سارے مسامات سے جراثیم باہر نکل آتے ہیں اگر
فوراً غسل کرے تو وہ جراثیم ڈھل جائیں گے۔ اور صحت خوب اچھی رہے گی۔ ورنہ پھر وہی جراثیم بدن
میں داخل ہو جائیں گے اور صحت پر بُرا اثر پڑے گا۔ اور اسی طرح ان کی تحقیق یہ ہے کہ مردوں کے
لئے داڑھی کے بال اور عورتوں کے لئے سر کے بال بابَرَہا کے لئے جاذب ہیں۔ حضرت اقدس صلعم بہت
اس کا امر فرما چکے ہیں۔ صلی اللہ علیہ وسلم کثیراً کثیرا۔ رغبۃ ای فی احسانك راھبۃ من

معا ئنتك فانت على الفطرة فطرة الاسلام التى فطر الناس عليها الخ فرد وتھا یعنی میں نے ان کلمات کو یاد کرنے کے لئے حضور اکرم صلعم کے سامنے دہرایا تو جب میں اللھم آمنت بکتابك الذی انزلت پر پہنچا تو اس کے بعد میں نے بنبیك کی بجائے وبرسولك کہہ دیا۔ کیونکہ رسول کا مرتبہ بڑا ہوتا ہے۔ تو اس پر حضور اقدس صلعم نے ارشاد فرمایا لا ونبیك الخ یعنی رسولك مت کہو بلکہ ونبیك الذی ارسلت کہو اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ ادعیہ میں ماثورہ کا اتباع کرنا چاہیئے اگرچہ ان صحابی نے ایک اعلیٰ لفظ کہا۔ کیونکہ رسول کا درجہ نبی سے بڑھ کر ہے مگر وہ لفظ کہاں سے آتا جو زبان مبارک سے نکلا تھا۔ باب فضل من بات الخ حافظ بن حجرؒ کے نزدیک اس آخر سے کتاب الوضوٓ کے اختتام کی طرف اشارہ ہے اور حافظ کی رائے کے ساتھ میری اپنی ایک رائے چل رہی ہے وہ یہ کہ کتاب کے ختم کی طرف اشارہ نہیں بلکہ خود تیرے ختم ہونے کی طرف اشارہ ہے۔

تمّت بالخیر

(پارہ اوّل ختم)

ہر سبق سے پہلے کا خطبہ

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی سیدنا ومولٰنا محمد وآلہ وصحبہ اجمعین۔ اما بعد فان اصدق الحدیث کتاب اللہ وخیر الھدی ھدی سیدنا ومولانا محمد صلی اللہ علیہ وسلم وشر الامور محدثاتھا وکل محدثۃ بدعۃ وکلّ بدعۃٍ ضلالۃ وکل ضلالۃ فی النار وبالسند المتصل الی الامام الحافظ الحجۃ امیر المؤمنین فی الحدیث ابی عبداللہ محمد بن اسماعیل بن ابراھیم بن مغیرۃ بن بردزبہ الجعفی البخاری نفعنا اللہ بعلومہ آمین۔

دوسرا پارہ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط

کِتَابُ الْغُسْلِ

کتاب غسل کے بیان میں،

وَقَوْلِ اللّٰہِ تَعَالٰی وَاِنْ کُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّھَّرُوْا اِلٰی قَوْلِہٖ لَعَلَّکُمْ تَشْکُرُوْنَ وَقَوْلِہٖ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِلٰی قَوْلِہٖ عَفُوًّا غَفُوْرًا ۔

باب الْوُضُوْءِ قَبْلَ الْغُسْلِ۔

ترجمہ، غسل سے پہلے وضو کرنا۔

حدیث نمبر ۲۴۲ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰہِ بْنُ یُوْسُفَ الخ عَنْ عَائِشَۃَ زَوْجِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ اِذَا اغْتَسَلَ مِنَ الْجَنَابَۃِ بَدَاَ فَغَسَلَ یَدَیْہِ ثُمَّ یَتَوَضَّأُ کَمَا یَتَوَضَّأُ لِلصَّلٰوۃِ ثُمَّ یُدْخِلُ اَصَابِعَہٗ فِی الْمَاءِ فَیُخَلِّلُ بِھَا اُصُوْلَ الشَّعْرِ ثُمَّ یَصُبُّ عَلٰی رَاْسِہٖ ثَلٰثَ غُرَفٍ بِیَدَیْہِ ثُمَّ یُفِیْضُ الْمَاءَ عَلٰی جِلْدِہٖ کُلِّہٖ ۔

ترجمہ، حضرت عائشہ رضؓ زوجہ نبی اکرم صلعم سے مروی ہے کہ جناب نبی اکرم صلعم جب جنابتہ سے غسل شروع کرتے تو سب سے پہلے دونو ہاتھوں کو دھوتے پھر جیسے نماز کے لئے وضو کیا جاتا ہے ایسے وضو فرماتے پھر اپنی انگلیاں پانی میں ڈال کران سے بالوں کی جڑوں کا خلال کرتے پھر اپنے ہاتھوں تین چلو پانی اپنے سر پر ڈالتے۔ پھر باقی سارے بدن پر پانی بہاتے ۔

تشریح از شیخ زکریاؒ، امام بخاریؒ نے وضو سے فراغت کے بعد غسل کو شروع فرما دیا۔ اور دو آیتیں استنبٰکا واستدلالًا علی وجوب الغسل کے ذکر فرمائیں ایک سورۂ مائدہ کی دوسری سورۂ نساکی، مگر یہاں امام بخاریؒ نے ترتیب قرآنی کا خلاف کر دیا۔ کیونکہ سورۂ نسا سورۂ مائدہ پر مقدم ہے اس کی وجہ

یہ ہے کہ آیتہ مائدہ مجمل ہے۔ اور آیتہ نسا مفصل ہے۔ اور قاعدہ یہ ہے کہ اجمال کے بعد تفصیل ہوا کرتی ہے اس لیے آیتہ مجملہ کو اوّلاً اور آیتہ مفصلہ کو ثانیاً ذکر فرمایا۔

باب الوضوء قبل الغسل اس باب سے امام بخاریؒ کی کیا غرض ہے۔ شراح فرماتے ہیں کہ ظاہر یہ کے نزدیک وضو فی الغسل واجب ہے۔ باقی حضرات کے نزدیک واجب نہیں ہے۔ تو امام بخاریؒ اس باب سے اسی اختلاف کو بتلا رہے ہیں۔ اور دوسرا قول یہ ہے کہ اس میں علما کا اختلاف ہو رہا ہے کہ وضو قبل الغسل کوئی مستقل سنت ہے یا غسل کا جزو ہے اور تشریفاً و تکریماً مقدم کیا گیا ہے اس میں ثمرہ اختلاف یہ ظاہر ہو گا کہ اگر کوئی شخص قبل الغسل وضو کرے تو جو لوگ مستقل سنت نہیں مانتے۔ بلکہ غسل کا جزو قرار دیتے ہیں۔ ان کے نزدیک یہی دھونا غسل مفروض کی جانب سے کافی ہو جائے گا اور جو اس کو جزو نہیں مانتے ان کے نزدیک دوبارہ دھونا ضروری ہو گا لاداء فرض الغسل مگر یہ صحیح نہیں اس لئے کہ اس کا باب ص۱۴ پر مستقلاً آ رہا ہے۔ اس لئے میرے نزدیک یہ مسئلہ وہاں کا ہے۔ اگر وہاں کا نہ ہو تو ہم وہاں یہ توجیہ کریں گے کہ امام بخاریؒ وہاں یہ بیان فرما رہے ہیں کہ مس ذکر سے وضو نہیں ٹوٹتا کیونکہ جب وضو کرنے کے بعد غسل کرے گا تو ہاتھ ادھر ادھر جائے گا۔ اور امام بخاریؒ نے وضو من مس الذکر کا کوئی باب نہیں باندھا تو معلوم ہوا کہ (امام بخاری) وضو من مس الذکر کے قائل نہیں ہیں اور شوافعؒ کے ہاں اگر ہاتھ پہنچ جائے تو دوبارہ وضو کرنا ہو گا۔ تیسری غرض باب کی جو میرے نزدیک زیادہ صحیح ہے وہ یہ ہے کہ امام بخاریؒ یہ بیان فرما رہے ہیں کہ وضو قبل الغسل کی کیا صورت ہو گی۔ آیا پاؤں پہلے دھویا جائے گا۔ جیسا کہ حضرت عائشہ کی روایت سے ظاہر ہے یا بعد میں دھوئے گا جیسا کہ حضرت میمونہؓ کی روایت میں مصرح ہے۔ یہاں امام بخاریؒ نے الوضو قبل الغسل باب باندھ کر دونوں طرح کی روایات ذکر کر دی ہیں۔ حضرت عائشہؓ کی بھی اور حضرت میمونہؓ کی بھی۔ اس مسئلہ میں امام شافعیؒ کا مذہب یہ ہے کہ پوری وضو کرے اور پیر بھی دھوئے ان کا استدلال حضرت عائشہؓ کی روایت سے ہے۔ احناف کی بھی ایک روایت یہ ہے اور مالکیہ کے نزدیک اگر مستنقع الما (جمع ہونے کی جگہ) میں ہو۔ تو بعد میں دھوئے ورنہ پہلے دھوئے یہی حنفیہ کا قول ہے۔ اور حدیث عائشہؓ و حدیث میمونہ کے اختلاف کو اسی احوال پر محمول کیا جاتا ہے۔ تو اس صورت میں جمع بین الاخبار ہے۔ اور بعض نے جمع اس طرح کیا ہے اور بعض نے جمع اس طرح کیا ہے۔ کہ وضو کرتے وقت اوّلاً بھی دھوئے عملاً علی حدیث عائشہؓ اور پھر بعد میں بھی دھوئے۔ عملاً علی

حدیث میمونہ واللہ اعلم۔

حدیث نمبر ۲۴۳ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ یُوْسُفَ الخ عَنْ مَیْمُوْنَةَ زَوْجِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَتْ تَوَضَّأَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وُضُوْءَہٗ لِلصَّلٰوۃِ غَیْرَ رِجْلَیْہِ وَغَسَلَ فَرْجَہٗ وَمَا اَصَابَہٗ مِنَ الْاَذٰی ثُمَّ اَفَاضَ عَلَیْہِ الْمَآءَ ثُمَّ نَحّٰی رِجْلَیْہِ فَغَسَلَہُمَا ھٰذِہٖ غُسْلُہٗ مِنَ الْجَنَابَۃِ۔

ترجمہ، حضرت میمونہؓ زوجۂ نبی اکرم صلعم سے مروی ہے۔ وہ فرماتی ہیں کہ جناب رسول اللہ صلعم نے ایسا وضو کیا جیسے نماز کے لئے کرتے تھے سوائے دونو پاؤں کے اور شرمگاہ کو دھویا۔ اور جہاں جہاں جنابت پہنچی تھی پھر بدن پر پانی ڈالا پھر پاؤں کو الگ کر کے دھویا فرمایا یہی آپؐ کا غسل جنابت ہے۔

باب غُسْلِ الرَّجُلِ مَعَ امْرَاَتِہٖ۔

ترجمہ، آدمی کا اپنی بیوی کے ساتھ غسل کرنا۔

حدیث نمبر ۲۴۴ حَدَّثَنَا اٰدَمُ بْنُ اَبِیْ اِیَاسٍ الخ عَنْ عَائِشَۃَ قَالَتْ کُنْتُ اَغْتَسِلُ اَنَا وَالنَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مِنْ اِنَآءٍ وَّاحِدٍ مِّنْ قَدَحٍ یُقَالُ لَہُ الْفَرَقُ۔

ترجمہ، حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ میں اور جناب نبی اکرم صلعم ایک ہی برتن سے غسل کرتے تھے۔ وہ پیالہ جس کو فرق کہا جاتا ہے جو تین صاع یعنی بارہ سیر حجازی کا ہوتا تھا۔

تشریح از شیخ زکریاؒ حضرت شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں کہ بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ آدمی کو اپنی بیوی کے ساتھ غسل کرنا جائز ہے تو امام بخاریؒ اس پر رد فرماتے ہیں اور بعض علماء یہ فرماتے ہیں کہ اس باب سے امام بخاریؒ ایک دوسرے کے عضو مستور کے دیکھنے کا جواز ثابت فرما رہے ہیں۔ کیونکہ جب ایک دوسرے کے ساتھ غسل کریں گے تو یقیناً ایک دوسرے کے عضو پر نظر پڑے گی اور میرے نزدیک ترجمۃ الباب کی غرض یہ ہے کہ جیسا کہ امام بخاریؒ نے ماقبل میں وضو من فضل المرأۃ کو ثابت فرمایا تھا۔ یہاں سے غسل من فضل المرأۃ کا اثبات فرما رہے ہیں۔ کیونکہ جب ایک ساتھ غسل کریں گے تو جس وقت ایک پانی لے گا تو وہ پانی اب اس کے لئے فضل بن جائے گا۔

باب الْغُسْلِ بِالصَّاعِ وَنَحْوِہٖ

ترجمہ، چار سیر یا اس کے برابر پانی سے غسل کرنا۔

حدیث نمبر ۲۴۵ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰہِ بْنُ مُحَمَّدٍ الخ سَمِعْتُ اَبَا سَلَمَۃَ یَقُوْلُ دَخَلْتُ اَنَا وَاَخُوْ عَائِشَۃَ عَلٰی عَائِشَۃَ فَسَاَلَہَا اَخُوْہَا عَنْ غُسْلِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَدَعَتْ بِاِنَاءٍ نَحْوٍ مِنْ صَاعٍ فَاغْتَسَلَتْ وَاَفَاضَتْ عَلٰی رَأْسِہَا وَبَیْنَنَا وَبَیْنَہَا حِجَابٌ قَالَ اَبُوْ عَبْدِ اللّٰہِ وَقَالَ یَزِیْدُ بْنُ ھٰرُوْنَ وَ بَہْزٌ وَّالْجُدِّیُّ عَنْ شُعْبَۃَ قَدْرِ صَاعٍ۔

ترجمہ: حضرت ابو سلمہ فرماتے ہیں کہ میں اور حضرت عائشہ کا رضاعی بھائی حضرت عائشہ رض کے یہاں حاضر ہوئے تو ان کے رضاعی بھائی نے ان سے جناب رسول اللہ صلعم کے غسل کے بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے صاع کے برابر ایک برتن منگوایا اور اس سے غسل فرمایا اور اپنے سر پر ڈالا ہمارے اور ان کے درمیان پردہ تھا۔ شعبہ نے نحو صاع کی بجائے قدر صاع کا لفظ نقل کیا ہے۔

تشریح از شیخ زکریا۔ امام بخاری رح نے ونحوہ کا لفظ بڑھا کر اشارہ فرما دیا کہ روایات میں جو صاع کا لفظ غسل النبی صلعم میں آتا ہے۔ وہ تحدید کے لئے نہیں بلکہ مراد اس کے قریب قریب ہے۔ واخو عائشہ حضرت عائشہ رض کے رضاعی بھائی تھے۔ ان کا نام عبد اللہ بن یزید بتلایا جاتا ہے۔ باناء نحو من صاع یہ ترجمہ کا ثبوت ہو گیا۔ اور لفظ کی تصریح یہاں آ گئی۔ وافاضت علی رأسہا حضرت عائشہ رض نے پردہ کر لیا اور سر کھول لیا کیونکہ وہ محرم تھے۔ اور اگر سر نہ کھولتیں تو غسل کی کیفیت کیسے معلوم ہوتی۔

حدیث نمبر ۲۴۶ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰہِ بْنُ مُحَمَّدٍ الخ اَبُوْ جَعْفَرٍ اَنَّہٗ کَانَ عِنْدَ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰہِ ھُوَ وَاَبُوْہُ وَعِنْدَہٗ قَوْمٌ فَسَاَلُوْہُ عَنِ الْغُسْلِ فَقَالَ یَکْفِیْکَ صَاعٌ فَقَالَ رَجُلٌ مَا یَکْفِیْنِیْ فَقَالَ جَابِرٌ کَانَ یَکْفِیْ مَنْ ھُوَ اَوْفٰی مِنْکَ شَعْرًا وَخَیْرًا مِنْکَ ثُمَّ اَمَّنَا فِیْ ثَوْبٍ۔

ترجمہ: حضرت ابو جعفر محمد الباقر رح اور ان کے باپ امام زین العابدین علی بن الحسین حضرت جابر بن عبد اللہ رض کے پاس موجود تھے جبکہ ان کے پاس اور لوگ بھی تھے۔ تو انہوں نے غسل کے متعلق دریافت کیا تو حضرت جابر رض نے فرمایا کہ تجھے ایک صاع کافی ہو گا۔ ایک آدمی کہنے لگا کہ مجھے تو کافی نہیں ہو گا۔ حضرت جابر رض نے فرمایا کہ وہ ذات (رسول اللہ صلعم) جو تجھ سے زیادہ بالوں والے اور تجھ سے بہتر تھے ان کو تو کافی تھا پھر ایک

کپڑا پہن کر ہماری امامت کرائی۔

تشریح از شیخ زکریاؒ فقال رجل الخ یہ رجل حسن بن محمد بن حنفیہ ہیں انہوں نے کہا کہ میں کثیر الشعر ہوں میرے لئے کافی نہیں ہے حضرت جابرؓ نے فرمایا کہ آنجناب رسول اللہ صلعم تم سے زیادہ بالوں والے تھے اور تجھ سے بہتر تھے ان کو تو کافی تھا تعجب ہے تمہیں کافی نہیں۔ امّنا فی ثوب ایک کپڑے میں نماز پڑھنے کا حکم تو ابواب ستر عورت میں آئے گا۔ البتہ یہاں اس میں اختلاف ہے کہ امامت کس نے کرائی۔ حافظ ابن حجرؒ کی رائے ہے کہ حضرت جابرؓ نے کرائی۔ اور فرماتے ہیں جس نے حضور اقدس صلعم کی طرف نسبت کی اس کو وہم ہو گیا اور علامہ عینیؒ کی رائے ہے کہ حضور پاک صلعم نے کرائی۔

حدیث نمبر ۲۴۷ حَدَّثَنَا اَبُوْ نُعَيْمٍ الخ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَيْمُوْنَةَ كَانَا يَغْتَسِلَانِ مِنْ اِنَاءٍ وَّاحِدٍ قَالَ اَبُوْ عَبْدِ اللّٰهِ كَانَ ابْنُ عُيَيْنَةَ يَقُوْلُ اَخِيْرًا عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنْ مَيْمُوْنَةَ وَالصَّحِيْحُ مَا رَوَى اَبُوْ نُعَيْمٍ۔

ترجمہ، حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ جناب نبی اکرم صلعم اور حضرت میمونہؓ ایک ہی برتن سے غسل کرتے تھے ابن عینیہ اخیر میں فرماتے تھے۔ عن ابن عباس عن میمونہ لیکن صحیح وہ ہے جو ابو نعیم نے روایت کیا۔ اس جملہ کا مطلب یہ ہے کہ اس میں اختلاف ہو رہا ہے۔ کہ یہ روایت مسانید ابن عباس میں سے ہے یا مسانید میمونہ میں سے ہے۔ جواب ہے کہ مسانید میمونہ میں سے ہے

باب مَنْ اَفَاضَ عَلٰى رَاْسِهٖ ثَلَاثًا

ترجمہ، باب اس شخص کے بارے میں جو سر پر تین مرتبہ پانی ڈالے۔

حدیث نمبر ۲۴۸ حَدَّثَنَا اَبُوْ نُعَيْمٍ الخ قَالَ حَدَّثَنِيْ جُبَيْرُ بْنُ مُطْعِمٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَمَّا اَنَا فَاُفِيْضُ عَلٰى رَاْسِيْ ثَلَاثًا وَاَشَارَ بِيَدَيْهِ كِلْتَيْهِمَا (الحدیث)

ترجمہ، حضرت جبیر بن مطعمؓ فرماتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلعم نے فرمایا لیکن میں تو اپنے سر پر تین مرتبہ پانی ڈالتا ہوں اور اپنے دونوں ہاتھوں سے اشارہ فرمایا۔

تشریح از شیخ زکریاؒ۔ شراحؒ نے اس باب کی کوئی غرض بیان نہیں فرمائی۔ مگر میری ذاتی رائے ہے یہاں ایک اہم اختلافی مسئلہ کی طرف اشارہ فرما دیا وہ اختلافی مسئلہ یہ ہے کہ غسل میں دلک ہے

یا نہیں مالکیہ کے یہاں فرض ہے۔ اور جمہور کے یہاں فرض نہیں امام بخاریؒ نے ترجمہ میں لفظ افاض بڑھا کر جمہور کی تائید فرمائی ہے۔ یہ روایت ابوداؤد اور بخاری میں اسی طرح مختصر ہے۔ مسلم شریف میں تفصیل سے مذکور ہے کہ ایک بار صحابہ کرام حضور اقدس صلعم کے پاس ذکر فرما رہے تھے کہ کوئی کہتا تھا میں تو اتنی بار پانی ڈالتا ہوں۔ اور کوئی کچھ کہتا تھا حضور اقدس صلعم نے ارشاد فرمایا کہ بھائی میں تو تین بار سر پر پانی ڈالتا ہوں۔ اب جس کو صرف مسئلہ سے کام ہے وہ تو حضور پاک صلعم کا صرف قول مبارک ذکر کر دیتا ہے اور جس کو واقعہ بیان کرنا مقصود ہے۔ وہ سارا واقعہ بیان کرتا ہے۔

حدیث ۲۴۹ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ الخ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُفْرِغُ عَلَى رَأْسِهِ ثَلَاثًا۔

ترجمہ، حضرت جابر بن عبداللہ رضؓ فرماتے ہیں کہ جناب اکرم صلعم اپنے سر مبارک پر تین مرتبہ پانی ڈالتے تھے۔

حدیث نمبر ۲۵۰ حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ الخ قَالَ لِي جَابِرٌ أَتَانِي ابْنُ عَمِّكَ يُعَرِّضُ بِالْحَسَنِ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ الْحَنَفِيَّةِ قَالَ كَيْفَ الْغُسْلُ مِنَ الْجَنَابَةِ فَقُلْتُ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْخُذُ ثَلَاثَ أَكُفٍّ فَيُفِيضُهَا عَلَى رَأْسِهِ ثُمَّ يُفِيضُ عَلَى سَائِرِ جَسَدِهِ فَقَالَ لِي الْحَسَنُ إِنِّي رَجُلٌ كَثِيرُ الشَّعْرِ فَقُلْتُ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَكْثَرَ مِنْكَ شَعْرًا۔ (الحدیث)

ترجمہ، حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ میرے پاس تیرے چچازاد بھائی آئے تھے جن کا اشارہ حضرت حسن بن محمد بن حنفیہ کی طرف تھا۔ پوچھا کہ جنابت سے غسل کیسے کرنا چاہیئے میں نے کہا جناب نبی اکرم صلعم تین چلو پانی لے کر اپنے سر پر ڈالتے تھے پھر پانی بدن پر ڈالتے۔ حسن بن محمد نے کہا کہ میں بہت بالوں والا آدمی ہوں تو میں نے کہا جناب رسول اللہ صلعم تجھ سے زیادہ بالوں والے تھے۔

اتانی ابن عمك یہ مجاز ہے اور ابن عم سے مراد ابن عم والدک ہے یعرض بالحسن الخ یہ وہی حسن ہیں جن کا ذکر پہلے گذر چکا ہے۔ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ یہ دو واقعے ہیں، روایت سابقہ میں تو مقدار ما کا ذکر تھا یہاں کیفیۃ غسل کا ذکر ہے لیکن میرے نزدیک دو واقعے کہنے کی کچھ وجہ ظاہر نہیں ہوئی۔ جبکہ وہی حسن بن محمد بن حنفیہ ہیں اور وہی حضرت جابرؓ ہیں لہذا صرف اتنی سی بات

ہے کہ وہاں مقدار بیان کرنی تھی اور یہاں کیفیت مقصود تھی اس کو ذکر کر دیا۔

باب اَلْغُسْلِ مَرَّةً وَّاحِدَةً

ترجمہ، ایک مرتبہ نہانا

حدیث نمبر ۲۵۱ حَدَّثَنَا مُوْسَى بْنُ اِسْمَاعِيْلَ الخ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَتْ مَيْمُوْنَةُ وَضَعْتُ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَآءً لِلْغُسْلِ فَغَسَلَ يَدَهُ مَرَّتَيْنِ اَوْ ثَلَاثًا ثُمَّ اَفْرَغَ عَلٰى شِمَالِهٖ فَغَسَلَ مَذَاكِيْرَهُ ثُمَّ مَسَحَ يَدَهُ بِالْاَرْضِ ثُمَّ مَضْمَضَ وَاسْتَنْشَقَ وَغَسَلَ وَجْهَهُ وَيَدَيْهِ ثُمَّ اَفَاضَ عَلٰى جَسَدِهٖ ثُمَّ تَحَوَّلَ مِنْ مَّكَانِهٖ فَغَسَلَ قَدَمَيْهِ۔

ترجمہ، حضرت میمونہ رض فرماتی ہیں کہ میں نے آنجناب نبی اکرم صلعم کے غسل کے لئے پانی رکھا تو آپ نے سب سے پہلے اپنے ہاتھ کو دو مرتبہ یا تین مرتبہ دھویا پھر اپنے بائیں ہاتھ پر پانی ڈال کر اپنی شرمگاہ کو دھویا، پھر اپنا ہاتھ زمین پر رگڑا پھر کلی فرمائی۔ ناک میں پانی دیا۔ چہرہ مبارک اور اپنے دونو ہاتھوں کو دھویا پھر اپنے سارے بدن پر پانی بہایا پھر وہاں سے ہٹ کر اپنے دونو پاؤں کو دھویا۔

تشریح از شیخ زکریا اقرب یہ ہے کہ امام بخاریؒ کو اس بات پر تنبیہ کرنی ہے کہ جس طرح وضو میں درجۂ فرض مرۃ مرۃ ہے۔ اسی طرح غسل میں بھی فرض ایک بار دھونا ہے اور بعض علماء مثلاً ماوردی وغیرہ فرماتے ہیں کہ وضو میں تو ثلاثاً ثلاثاً وارد ہے۔ مگر غسل میں یہ قید نہیں ہے۔ اس لئے اس میں تثلیث کچھ نہیں لیکن جمہور اس کے خلاف ہیں۔ ان کے نزدیک غسل میں بھی تثلیث مستحب ہے۔ مذاکیر یہ جمع باعتبار انثیین اور قضیب کے ہے۔ اور اس باب کو منعقد کرنے کی ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ ابوداؤد شریف میں ایک روایت ہے کہ سور کلب کا دھونا سات مرتبہ تھا اور غسل بھی سات مرتبہ تو اب امام بخاریؒ یہاں سے یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ یہ ابتداء اسلام کا حکم تھا۔ اب ایک مرتبہ کا غسل بھی کافی ہے۔

باب مَنْ بَدَاَ بِالْحِلَابِ اَوِ الطِّيْبِ عِنْدَ الْغُسْلِ۔

ترجمہ، غسل کے وقت حلاب اور خوشبو کا استعمال کرنا۔

حدیث نمبر ۲۵۲ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنّٰى الخ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اغْتَسَلَ مِنَ الْجَنَابَةِ دَعَا بِشَيْءٍ نَحْوَ الْحِلَابِ فَاَخَذَ بِكَفِّهٖ فَبَدَاَ بِشِقِّ رَاْسِهِ الْاَيْمَنِ ثُمَّ الْاَيْسَرِ فَقَالَ بِهِمَا عَلٰى وَسَطِ رَاْسِهٖ۔

ترجمہ، حضرت عائشہ رضہ فرماتی ہیں کہ جناب نبی اکرم صلعم جب جنابت سے غسل فرماتے تھے تو حلاب ایک ایسا برتن جس میں اونٹنی کا دودھ سما سکے منگاتے تھے۔ ہتھیلی سے اس کو پکڑتے پہلے اپنے سر کی داہنی جانب سے شروع کرتے پھر بائیں جانب سے پھر درمیان سر پر ڈالتے تھے۔

تشریح از شیخ مدنی رح اس ترجمہ میں شراح کے ہاں بحث ہے۔ ایک جماعت کہتی ہے کہ حلاب ایک قسم کی خوشبو کا نام ہے۔ آپ اس کو بعد الغسل منگایا کرتے تھے۔ اور استعمال فرماتے تو اس کا اثبات مقصود ہوا۔ بعض نے کہا کہ حلاب وہ برتن ہے جس میں اونٹنی کا دودھ سما سکے۔ تو مطلب یہ ہوگا کہ غسل سے پہلے اتنی مقدار کا برتن منگاتے تھے جس میں اس قدر پانی ہوتا تھا۔ غرضیکہ لفظ حلاب دو نو معنی میں مستعمل ہے لیکن مصنف رح طیب کا عطف حلاب پر کرکے پر ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ حلاب غیر طیب ہے اس میں قول راجح یہ ہے کہ مصنف رح کے نزدیک جب کبھی معنیین (دو معانی) میں کوئی معنی راجح نہیں ہوتے تو وہ دونو کو ذکر کر دیا کرتے ہیں تعیین کسی معنی کی نہیں کی جا سکتی تو او الطیب بیان احتمالین کے ہوا اس لئے معنیین کے لئے مشکل پیش آگئی۔

تشریح از شیخ زکریا اول تو حضرت امام بخاری رح کے سارے ابواب معرکۃ الآراء ہیں مگر یہ باب ان سب ابواب سے زیادہ معرکۃ الآراء ہے جس میں شراح نے بڑی کوشش کی مگر یہ معلوم نہ ہو سکا کہ امام بخاری رح کی غرض کیا ہے۔ ایک جماعت تو پکار اٹھی کہ غلطی سے کوئی مبرا نہیں۔ امام بخاری رح غلطی میں پڑ گئے۔ کہ حلاب کو طیب سمجھ لیا غسل سے پہلے طیب کا کیا کام۔ جو لوگ امام بخاری رح کے ہمنوا ہیں وہ کہتے ہیں کہ حدیث میں حلاب بائی نہیں ہے۔ بلکہ بالجیم ہے۔ کاتب کی غلطی سے نقطہ نہیں لگا۔ اس لئے وہ بالحلاب رہ گیا۔ ان لوگوں نے امام بخاری رح کے ترجمۃ الباب کی خاطر حدیث میں تصرف کر دیا۔ یہ بڑی جسارت ہے ایسا ہرگز نہیں کرنا چاہئے تھا۔ مگر محققین ان دونو صورتوں سے الگ ہیں اور مختلف توجیہات فرماتے ہیں حضرت شاہ ولی اللہ رح فرماتے ہیں کہ حلاب کے مشہور معنی دودھ کا برتن مراد نہیں۔ بلکہ یہ محلوب کے معنی میں ہے اور اس سے مراد وہ چیز ہے۔ جو کسی چیز سے کھینچی گئی ہو۔ یعنی عصارۃ المیذ ون عرب کا دستور یہ تھا کہ نہانے سے قبل خاص بذور کا عصارہ (نچوڑ) اپنے ابدان پر ملا کرتے تھے جیسا کہ قبل الغسل خوشبو استعمال کرتے تھے۔ لہذا اب حلاب اور طیب میں تنافر نہ رہا۔ اور بعض علما کی رائے یہ ہے کہ حلاب اس برتن کو کہتے ہیں جس میں دودھ دوہا جائے۔ اور ایسے برتن میں چکنائی وغیرہ لگی ہوتی ہے اور وہ چکنائی ساری خوشبو

کی اصل ہوتی ہے تو امام بخاریؒ کا ذہن ابتدا، جلاب سے اس چکنائی کی طرف گیا۔ چونکہ وہ ساری معطرات کی اصل ہے۔ اس لئے اس سے طیب کی طرف گئے۔ اس لئے لفظ طیب بڑھا دیا۔ اور حافظ ابن حجرؒ کی رائے یہ ہے کہ امام بخاریؒ نے الطیب سے ایک دوسری روایت کی طرف اشارہ فرمایا جو باب من تطیب ثم اغتسل و بقی اثر الطیب میں حضرت عائشہ سے مروی ہے۔ کہ میں نے جناب رسول اللہ صلعم کو خوشبو لگائی۔ اور حضور اکرم صلعم اس وقت اپنی ازواج پر دور فرما رہے تھے اور ظاہر ہے کہ اس کے بعد آپ نے غسل فرمایا ہے۔ تو یہاں پر خوشبو لگانے کے بعد غسل کرنا ثابت ہو گیا۔ اور بدا بالحلاب روایتہ الباب سے ثابت ہو گیا۔ لہٰذا ترجمہ کے دونوں جزو ثابت ہو گئے اور مقصد یہ ہے کہ دونوں ہی جائز ہیں۔ اور بعض حضرات کی رائے ہے کہ حدیث میں آتا ہے کان یغسل راسہٗ بالخطمی جس سے معلوم ہوتا ہے کہ غسل سے قبل بعض چیزیں تطییب و تنظیف بدن کے لئے استعمال فرماتے تھے امام بخاریؒ نے ترجمہ بدأ بالحلاب او الطیب میں تردد ذکر فرما کر اشارہ فرما دیا کہ پانی کے علاوہ اور کوئی چیز استعمال کرنا ثابت نہیں ہے، علامہ قسطلانیؒ فرماتے ہیں کہ امام بخاریؒ نے ترجمہ دو چیزیں حلاب اور طیب ذکر فرمائی تھیں لیکن روایت صرف ایک کی یعنی حلاب کی ذکر فرمائی۔ دوسرے کی ذکر نہیں کی دعا بشئ نحو الحلاب روایتہ بالکل واضح ہے۔ حلاب اس برتن کو کہتے ہیں جس میں اونٹنی کا دودھ دوہا جائے چونکہ اس وقت متعدد برتن ہر کام کے لئے مستقلاً نہیں ہوا کرتے تھے۔ اس لئے اسی برتن میں دودھ نکال لیا اور اسی میں دوسرے وقت پانی لے کر غسل کر لیا۔ فقال بھما علی راسہ قال افعال عامہ میں سے ہے جہاں جیسا موقع ہو ویسے ہی معنی کر لئے جاتے ہیں۔ یہاں اس کے معنی اشارہ کے ہیں اور بعض لوگوں نے ترجمہ الباب کے لئے یہ توجیہ بھی کی ہے کہ آدمی میں فی حد ذاتہ خوشبو ہوتی ہے، مگر پسینہ اور میل کی وجہ سے بدبو پیدا ہو جاتی ہے۔ تو جب آدمی رگڑ رگڑ کر اور مل کر نہائے گا تو میل اور پسینہ کی بدبو ختم ہو جائے گی۔ اور ذاتی خوشبو پیدا ہو جائے گی۔ اب ظاہر ہے کہ بعد حلاب سے غسل کرے گا۔ تو حلاب اور طیب دونوں پائے گئے اور ایک توجیہ یہ بھی ہے کہ بعض روایات میں ہے کہ آپ خطمی کے ذریعہ غسل فرمایا کرتے تھے اور اس میں طیب ہوتی ہے تو اس روایت کی طرف اشارہ ہوا۔

باب اَلْمَضْمَضَةِ وَالْاِسْتِنْشَاقِ فِی الْجَنَابَةِ۔

ترجمہ، جنابت میں کلی کرنا اور ناک میں پانی دینے کے بیان میں۔

حدیث نمبر ۲۵۳ حَدَّثَنَا عُمَرُ الخ حَدَّثَتْنَا مَيْمُونَةُ قَالَتْ صَبَبْتُ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غُسْلًا فَأَفْرَغَ بِيَمِينِهِ عَلَى يَسَارِهِ فَغَسَلَهُمَا ثُمَّ غَسَلَ فَرْجَهُ ثُمَّ قَالَ بِيَدِهِ عَلَى الْأَرْضِ فَمَسَحَهَا بِالتُّرَابِ ثُمَّ غَسَلَهَا ثُمَّ مَضْمَضَ وَاسْتَنْشَقَ ثُمَّ غَسَلَ وَجْهَهُ وَأَفَاضَ عَلَى رَأْسِهِ ثُمَّ تَنَحَّى فَغَسَلَ قَدَمَيْهِ ثُمَّ أُتِيَ بِمِنْدِيلٍ فَلَمْ يَنْفُضْ بِهَا۔

ترجمہ، حضرت میمونہ رض فرماتی ہیں کہ میں جناب نبی اکرم صلعم کے لئے پانی ڈالتی تھی چنانچہ آپ نے اپنے دائیں ہاتھ سے بائیں ہاتھ پر پانی ڈالا پھر شرمگاہ کو دھویا پھر اپنے ہاتھ کو زمین کی طرف لے گئے اس کو مٹی کے ساتھ رگڑا اور اسے دھویا ثم کلی فرمائی ناک میں پانی دیا۔ پھر چہرہ انور دھویا اور اپنے سر پر پانی ڈالا۔ پھر اس جگہ سے الگ ہوکر اپنے دونو پاؤں دھوتے پھر آپ کے پاس رومال لایا گیا جس سے آپ نے بدن کو نہ پونچھا یا نہ جھاڑا۔

تشریح از شیخ زکریا چونکہ مسئلہ مختلف فیہا تھا۔ اور اہم تھا اس لئے مستقل باب باندھا حنفیہ رح کے نزدیک غسل میں دونو واجب اور وضو میں دونو سنت ہیں اور حنابلہ رح کے یہاں تین روایتیں ہیں ایک یہ کہ دونو دونوں واجب ہیں دوسرے یہ کہ دونو دونوں سنت ہیں اور تیسرا قول یہ ہے کہ استنشاق تو دونوں میں واجب ہے اور مضمضہ میں دونوں میں سنت شوافع اور مالکیہ کے یہاں دونو دونوں میں سنت ہیں۔ تو اتی بمندیل رومال استعمال نہ کرنے کی وجہ یہ ہے کہ حضور اکرم صلعم اس قسم کے تکلفات سے دور تھے۔

باب مَسْحِ الْيَدِ بِالتُّرَابِ لِتَكُونَ أَنْقَى

ترجمہ، ہاتھ کو زمین پر رگڑنا تاکہ ہاتھ زیادہ پاک صاف ہو جائے۔

حدیث نمبر ۲۵۴ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ الزُّبَيْرِ الْحُمَيْدِيُّ الخ عَنْ مَيْمُونَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اغْتَسَلَ مِنَ الْجَنَابَةِ فَغَسَلَ فَرْجَهُ بِيَدِهِ ثُمَّ دَلَكَ بِهَا الْحَائِطَ ثُمَّ غَسَلَهَا ثُمَّ تَوَضَّأَ وُضُوءَهُ لِلصَّلٰوةِ فَلَمَّا فَرَغَ مِنْ غُسْلِهِ غَسَلَ رِجْلَيْهِ۔

ترجمہ، حضرت میمونہ رض سے مروی ہے جناب نبی اکرم صلعم نے جنابت سے غسل کرنا اس طرح شروع فرمایا کہ پہلے پہل اپنے ہاتھ سے اپنی شرمگاہ کو دھویا۔ پھر وہ ہاتھ دیوار پر رگڑا پھر اس کو دھویا پھر ایسا وضو کیا۔ جیسے نماز کے لئے کیا جاتا ہے پس جب غسل سے فارغ ہوتے تو اپنے پاؤں کو دھویا۔

تشریح از شیخ زکریا روایت سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ جب حضور اکرم صلعم دست مبارک سے

منی وغیرہ دھوتے تھے۔ تو ہاتھوں کو دیوار پر یا زمین پر رگڑا کرتے تھے اس کی وجہ یہ ہے کہ آبدست وغیرہ لینے کے بعد ہاتھ میں بدبو پیدا ہو جاتی ہے۔ اس بدبو کو زائل کرنے کے لئے مٹی کا استعمال فرماتے تھے۔ اب اللہ تعالیٰ کے فضل سے صابون کی کثرت ہو گئی۔ اب اس میں اختلاف ہے کہ وہ بدبو جو ہاتھوں میں باقی رہ جاتی ہے۔ وہ کیا ہے اس میں ہمارے یہاں دو قول ہیں۔ ایک یہ کہ یہ بدبو نجاست کے اجزاء لطیفہ غیر مرئیہ ہیں، جو لوگ بدبو کی اصل اجزاء غیر مرئیہ نجاست قرار دیتے ہیں۔ ان کے نزدیک مٹی سے دھونا ضروری ہے۔ اس لئے کہ یہ ازالہ نجاست کے قبیل سے ہے۔ اور اس کا زائل کرنا ضروری ہے۔ اور ایک جماعت کی رائے یہ ہے کہ یہ بدبو وہ ہوا ہے جو ہاتھ کے پانی اور نجاست کے اتصال کے وقت ہاتھ سے لگی ہوئی تھی۔ اور نجاست کے اتصال سے مکیف بکیفیۃ النجاستہ ہو گئی۔ جو لوگ یہ کہتے ہیں ان کے نزدیک اس کا ازالہ ضروری نہیں۔ اگر اشکال ہو کہ ہوا تو ایک ایسا جسم ہے جو حرکت کرنے سے ہٹ جاتی ہے۔ تو جب فراغت ہو گئی تو ہاتھ وہاں سے ہٹ گئے لہٰذا وہاں کی ہوا وہاں رہ گئی۔ اور ہاتھ دوسری ہوا میں داخل ہو گیا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ استنجا کرتے وقت جب ہوا اور پانی کی ملاقات ہو گئی تو وہ ہوا پانی بن کر ہاتھوں کو لگ گئی یہی وجہ ہے کہ خشکی کے بعد بدبو جاتی رہتی ہے یہ بحث اصل میں حضرت گنگوہیؒ کی ہے۔ جو انہوں نے ابوداؤد کی تقریر میں فرمائی ہے۔ یہ تقریر بذل میں بھی نقل کی گئی ہے۔ اب میں کہتا ہوں کہ جب اس بدبو میں اختلاف ہے۔ تو کیا عجب ہے کہ امام بخاریؒ نے انقٰی کے لفظ سے ان لوگوں کی تائید فرمائی ہو۔ جن کے نزدیک اس بدبو کا ازالہ واجب نہیں بلکہ صرف اولیٰ ہے۔

باب هَلْ يُدْخِلُ الْجُنُبُ يَدَهُ فِي الْإِنَاءِ قَبْلَ أَنْ يَغْسِلَهَا إِذَا لَمْ يَكُنْ عَلَى يَدِهِ قَذَرٌ غَيْرُ الْجَنَابَةِ وَأَدْخَلَ ابْنُ عُمَرَ وَالْبَرَاءُ بْنُ عَازِبٍ يَدَهُ فِي الطَّهُورِ وَلَمْ يَغْسِلْهَا ثُمَّ تَوَضَّأَ وَلَمْ يَرَ ابْنُ عُمَرَ وَابْنُ عَبَّاسٍ بَأْسًا بِمَا يَنْتَضِحُ مِنْ غُسْلِ الْجَنَابَةِ۔

ترجمہ۔ کیا جنبی آدمی ہاتھ دھونے سے پہلے اپنے ہاتھ کو برتن میں داخل کر سکتا ہے جبکہ سوائے جنابت کے اس کے ہاتھ پر اور کوئی گندگی نہ ہو۔ حضرت ابن عمرؓ و براء بن عازبؓ اپنا اپنا ہاتھ پانی میں داخل کرتے تھے حالانکہ اس کو دھویا نہیں تھا پھر وضو فرماتے اور ابن عمرؓ اور ابن عباسؓ ان

چھینٹوں کی بھی کوئی پرواہ نہیں کرتے تھے جو غسل جنابت سے اڑتے تھے۔

حدیث نمبر ۲۵۵ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللہِ بْنُ مَسْلَمَۃَ الخ عَنْ عَائِشَۃَ قَالَتْ کُنْتُ اَغْتَسِلُ وَالنَّبِیُّ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مِنْ اِنَاءٍ وَّاحِدٍ تَخْتَلِفُ اَیْدِیْنَا فِیْہِ۔

ترجمہ، حضرت عائشہ رضہ فرماتی ہیں کہ میں اور جناب نبی اکرم صلعم ایک ہی برتن سے غسل کرتے تھے جبکہ ہمارے ہاتھ اس میں ایک دوسرے کے بعد آتے جاتے تھے۔

تشریح از شیخ زکریا اگر ہاتھ پر کوئی نجاست لظاہر لگی ہوئی ہو۔ تو پھر سب کے نزدیک بالاتفاق پانی ناپاک ہوجائے گا۔ اگر نجاست نہ لگی ہو۔ تو ظاہریہ کے نزدیک ناپاک ہو جائے گا لیکن جمہور کے نزدیک نہ ہوگا۔ دخل ابن عمر الخ حضرت ابن عمر رضہ سے مصنف ابن ابی شیبہ میں نقل کیا گیا ہے کہ اگر جنبی پانی میں ہاتھ ڈال دے تو وہ ناپاک ہو جائے گا۔ شراح نے اس کو بخاری کی روایت سے روک دیا مگر میرے نزدیک رد کرنے کی کوئی ضرورت نہیں بلکہ بخاری کی روایت محدث (بے وضو) پر محمول کرلو۔ اور ابن ابی شیبہ کی روایت جنب پر محمول ہے بلکہ اس میں تو جنابت کی تصریح ہے۔ مما ینتضح من غسل الجنابۃ یہ ترجمہ الباب کی دلیل ہے۔ اس ترجمۃ الباب سے امام بخاریؒ کا مقصد بھی یہ بتلانا ہے کہ ادخال ید سے پہلے ید کا دھونا ایجابی نہیں بلکہ استحبابی ہے۔ اور نجاستہ حکمیہ میں اختلاف کی وجہ سے لفظ حل سے بڑھا کر اشارہ فرمادیا۔

حدیث نمبر ۲۵۶ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ الخ عَنْ عَائِشَۃَ قَالَتْ کَانَ رَسُوْلُ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا اغْتَسَلَ مِنَ الْجَنَابَۃِ غَسَلَ یَدَہٗ۔

ترجمہ، حضرت عائشہ رضہ فرماتی ہیں کہ جناب رسول اللہ صلعم جب جنابتہ سے غسل شروع کرتے تو پہلے اپنے ہاتھ دھویا کرتے تھے۔

حدیث نمبر ۲۵۷ حَدَّثَنَا اَبُوالْوَلِیْدِ الخ عَنْ عَائِشَۃَ قَالَتْ کُنْتُ اَغْتَسِلُ اَنَا وَالنَّبِیُّ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مِنْ اِنَاءٍ وَّاحِدٍ مِّنْ جَنَابَۃٍ الخ

ترجمہ، حضرت عائشہ رضہ فرماتی ہیں کہ میں اور جناب نبی اکرم صلعم ایک ہی برتن سے غسل جنابت کیا کرتے تھے۔

حدیث نمبر ۲۵۸ حَدَّثَنَا اَبُوالْوَلِیْدِ الخ سَمِعْتُ اَنَسَ بْنَ مَالِکٍ یَقُوْلُ کَانَ

النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالْمَرْأَةُ مِنْ نِّسَآئِهٖ يَغْتَسِلَانِ مِنْ اِنَآءٍ وَّاحِدٍ زَادَ مُسْلِمٌ وَوَهْبُ ابْنُ جَرِيْرٍ عَنْ شُعْبَةَ مِنَ الْجَنَابَةِ۔

ترجمہ حضرت انس بن مالک رضؓ فرماتے ہیں کہ جناب نبی اکرم صلعم اور آپ کی بیویوں میں سے ایک عورت ایک ہی برتن سے اکٹھے ہی غسل جنابت کرتے تھے۔

باب مَنْ اَفْرَغَ بِيَمِيْنِهٖ عَلٰى شِمَالِهٖ فِى الْغُسْلِ۔

ترجمہ، باب اس شخص کے بارے میں جو غسل کے اندر دائیں ہاتھ سے بائیں ہاتھ پر پانی ڈالے۔

حدیث نمبر ۲۵۹ حَدَّثَنَا مُوْسٰى ابْنُ اِسْمَاعِيْلَ الخ عَنْ مَيْمُوْنَةَ بِنْتِ الْحَارِثِ قَالَتْ وَضَعْتُ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غُسْلًا وَّسَتَرْتُهٗ فَصَبَّ عَلٰى يَدِهٖ فَغَسَلَهَا مَرَّةً اَوْ مَرَّتَيْنِ قَالَ سُلَيْمَانُ لَا اَدْرِىْ اَذَكَرَ الثَّالِثَةَ اَمْ لَا ثُمَّ اَفْرَغَ بِيَمِيْنِهٖ عَلٰى شِمَالِهٖ فَغَسَلَ فَرْجَهٗ ثُمَّ تَمَضْمَضَ وَاسْتَنْشَقَ وَغَسَلَ وَجْهَهٗ وَيَدَيْهِ وَغَسَلَ رَاْسَهٗ ثُمَّ صَبَّ عَلٰى جَسَدِهٖ ثُمَّ تَنَحّٰى فَغَسَلَ قَدَمَيْهِ فَنَاوَلْتُهٗ خِرْقَةً فَقَالَ بِيَدِهٖ هٰكَذَا وَلَمْ يُرِدْهَا۔

ترجمہ، حضرت میمونہ بنت الحارث رضؓ فرماتی ہیں کہ میں نے جناب رسول اللہ صلعم کے لئے پانی رکھا اور آپ کے لئے پردہ کر دیا۔ تو آپ نے اپنے ہاتھ پر پانی ڈالا۔ پھر اس کو ایک مرتبہ یا دو مرتبہ دھویا سلمان راوی کہتے ہیں مجھے معلوم نہیں کہ میرے استاد سالم نے تیسری مرتبہ کا ذکر کیا یا نہیں، بہرحال آپ نے اپنے دائیں ہاتھ سے بائیں ہاتھ پر پانی ڈالا جس سے اپنی شرمگاہ کو دھویا۔ پھر اپنا ہاتھ زمین پر یا دیوار پر رگڑا پھر کلی فرمائی ناک میں پانی دیا اپنا چہرہ اور دونو ہاتھ دھوئے اور سر کو دھویا۔ پھر باقی بدن پر پانی بہایا۔ پھر اس جگہ سے الگ ہو گئے اور اپنے دونو پاؤں کو دھویا۔ پھر میں آپ کو ایک کپڑے کا ایک ٹکڑا دیا۔ آپ نے اپنے ہاتھ سے اس طرح بدن کو جھاڑ دیا اس کپڑے کا ارادہ نہ فرمایا۔

تشریح از شیخ زکریا میرے والد صاحبؒ کی رائے یہ ہے کہ بعض جگہ یہ بات مشہور ہے کہ دائیں ہاتھ سے بائیں ہاتھ پر پانی ڈالنا۔ یہ عورتوں کا کام ہے۔ تو امام بخاریؒ نے اس پر رد فرمایا اور میری رائے یہ ہے کہ غسل میں دو چیزیں ہوا کرتی ہیں۔ ایک پانی ڈالنا۔ اور دوسرے ملنا۔ تو اب امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ ان میں جو افضل ہو گا۔ وہ داہنے ہاتھ سے کیا جائے گا۔ اور چونکہ پانی ڈالنا ملنے سے افضل ہے اس لئے

دائیں سے پانی ڈالا جائے گا۔ اور بائیں سے رگڑا جائے گا۔ ثم افرغ بیمینہ الخ یہاں پر شراح یہ اشکال کرتے ہیں کہ ترجمہ ہیں افراغ الیمین علی الشمال فی الغسل ہے۔ اور روایت میں افراغ بالیمین علی الشمال فی غسل الفرج ہے۔ تو ترجمہ عام ہے۔ اور روایۃ خاص ہے۔ تو بعض شراح نے یہ جواب دیا ہے کہ چونکہ غسل فرج غسل ہیں ہی ہوتا ہے۔ لہٰذا باقی قیاس سے ثابت فرما لیا۔ مگر میری رائے ہے کہ امام بخاریؒ نے دوسری روایت کی طرف جو ابھی گذری ہے جس ہیں ہے فافرغ بیمینہ علی یسارہ فغسلہا اس کی طرف اشارہ فرمایا۔

باب تَفْرِيْقِ الْغُسْلِ وَالْوُضُوْءِ وَيُذْكَرُ عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّهُ غَسَلَ قَدَمَيْهِ بَعْدَ مَا جَفَّ وُضُوْءُهٗ۔

ترجمہ باب غسل اور وضو ہیں فاصلہ کرنا کیسا ہے حضرت ابن عمرؓ سے ذکر کیا جاتا ہے کہ وہ اپنے دونو پاؤں کو اس کے بعد دھوتے تھے جبکہ اس کا پانی خشک ہوجاتا تھا۔

حدیث نمبر ۲۶۰ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مَحْبُوْبٍ الخ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَتْ مَيْمُوْنَةُ وَضَعْتُ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَاءً يَغْتَسِلُ بِهٖ فَاَفْرَغَ عَلٰى يَدَيْهِ فَغَسَلَهُمَا مَرَّتَيْنِ مَرَّتَيْنِ اَوْ ثَلَاثًا ثُمَّ اَفْرَغَ بِيَمِيْنِهٖ عَلٰى شِمَالِهٖ فَغَسَلَ مَذَاكِيْرَهٗ ثُمَّ دَلَكَ يَدَهٗ بِالْاَرْضِ ثُمَّ تَمَضْمَضَ وَاسْتَنْشَقَ ثُمَّ غَسَلَ وَجْهَهٗ وَيَدَيْهِ ثُمَّ غَسَلَ رَاْسَهٗ ثَلَاثًا ثُمَّ صَبَّ عَلٰى جَسَدِهٖ ثُمَّ تَنَحّٰى مِنْ مَقَامِهٖ فَغَسَلَ قَدَمَيْهِ۔

ترجمہ، حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ حضرت میمونہ رضی نے فرمایا کہ انہوں نے جناب نبی اکرم صلعم کے لئے غسل کرنے کے لئے پانی رکھا۔ تو آپ نے اپنے دونو ہاتھ پر پانی ڈال کر ان کو دھویا۔ دو دو مرتبہ یا تین مرتبہ پھر دائیں ہاتھ سے بائیں ہاتھ پر پانی ڈال کر شرمگاہ کو دھویا۔ پھر ہاتھ کو زمین پر رگڑا۔ پھر کلی فرمائی ناک ہیں پانی دیا۔ پھر چہرا اور دونو ہاتھ دھوئے پھر تین مرتبہ اپنے سر کو دھویا پھر سارے جسم پر پانی بہایا پھر اس مکان سے الگ ہو کر اپنے دونو پاؤں کو دھویا۔

تشریح از شیخ زکریاؒ میری رائے ہے کہ امام بخاریؒ اس باب سے موالاۃ پر رد کرنا چاہتے ہیں چونکہ مالکیہؒ موالاۃ فی الغسل والوضوء کے قائل ہیں اس لئے ان کا رد اور جمہور کی تائید فرماتے ہیں اور یہ تائید غسل ہیں تو بالذات ہے۔ اور وضو ہیں بالتبع ہے انہ غسل قدمیہ الخ یہ عدم موالاۃ

فی الوضوء ہوگئی ثم تنحی من مقامہ بہ عدم موالاۃ فی الغسل ہوگئی ۔ پاؤں باہر جاکر دھوئے تو موالاۃ کہاں رہی ۔

باب إِذَا جَامَعَ ثُمَّ عَادَ وَمَنْ دَارَ عَلَى نِسَآئِهٖ فِي غُسْلٍ وَّاحِدٍ ۔

ترجمہ ، جب ایک مرتبہ جماع کرے پھر دوبارہ جانا چاہے اور اس شخص کا حکم جو ایک ہی غسل میں تمام بیویوں سے ہم بستر ہو ۔

حدیث نمبر ۲۶۱ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ ذَكَرْتُهُ لِعَائِشَةَ فَقَالَتْ يَرْحَمُ اللّٰهُ أَبَا عَبْدِ الرَّحْمٰنِ كُنْتُ أُطَيِّبُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَيَطُوْفُ عَلٰى نِسَآئِهٖ ثُمَّ يُصْبِحُ مُحْرِمًا يَنْضَخُ طِيْبًا ۔

ترجمہ ، حضرت عائشہ صدیقہ رضہ کے سامنے جب حضرت عبد اللہ بن عمر رضہ کا ذکر کیا تو انہوں نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ابو عبد الرحمٰن پر رحم فرمائے ۔ ان کا خیال صحیح نہیں ہے ۔ میں جناب رسول اللہ صلعم کو خوشبو لگاتی تھی ۔ رات کو آپؐ اپنی بیویوں سے ہم بستر ہوتے پھر صبح کو اس حال میں محرم ہوتے تھے کہ ان سے خوشبو مہکتی تھی ۔

تشریح از شیخ زکریا اس باب کی دو غرضیں ہوسکتی ہیں ۔ ایک یہ کہ ابوداؤد شریف میں ہے کہ حضور اکرم صلعم نے ہر ایک بیوی سے جماع فرمایا ۔ ویغسل عند ھذہ وھذہ اور اس کے بعد ارشاد فرمایا ۔ ھذا انکی واطیب واطہر اور دوسری روایت میں ہے کہ حضور اکرم صلعم نے ایک ہی غسل میں سب کو نمٹا دیا ۔ امام ابوداؤد نے اسی دوسری روایت کو ترجیح دی ہے ۔ تو بہت ممکن ہے کہ امام بخاریؒ کی غرض ترجمۃ الباب فی غسل واحد کی قید بڑھا کر اسی کی طرف اشارہ کرنا ہو اور اسی کو راجح تبلانا ہو ۔ اور دوسری غرض یہ ہے کہ اس میں اختلاف ہے کہ معاد (دوبارہ آنے والے) پر وضو واجب ہے یا نہیں ظاہریہ کے نزدیک غسل مذاکیر د وضو واجب ہے ۔ اور جمہور کے نزدیک واجب نہیں تو امام بخاریؒ نے فی غسل واحد فرما کر ظاہریہ پر رد فرمایا ۔ اور تبلایا کہ ایک ہی غسل کافی ہے اس لئے کہ وضو کا ذکر ہی نہیں فرمایا ۔ یرحم اللہ ابا عبد الرحمٰن الخ حضرت ابن عمر رضہ فرمایا کرتے تھے کہ ما احب ان اصبح محرمًا انضح طیبا حضرت عائشہ رضہ ان کے اس قول کی تردید کرتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ ابو عبد الرحمٰن پر رحم فرمائے ابو عبد الرحمٰن حضرت عبد اللہ بن عمر رضہ کی کنیت ہے کنت اطیب رسول اللہ صلعم

یہ ترجمۃ الباب کی غرض ہے۔ کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یدور علی نسائہ اس روایت پر دو اشکال ہیں ایک فقہی دوسرا تاریخی فقہی اشکال یہ ہے کہ ایک ساعت میں دور کیونکہ فرمایا کرتے تھے اور اس کی کیا صورت ہوتی تھی۔ جبکہ قسمت واجب ہے تو دوسری کی نوبت کے درمیان کیونکر دور فرماتے تھے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ممکن ہے صاحب النوبت سے اجازت لے کر دور فرمایا ہو اور حنفیہ رح کے مسلک پر تو کوئی اشکال نہیں۔ کیونکہ آنحضرت صلعم پر قسم (باری مقرر کرنا) واجب نہیں تھی۔ دوسرا تاریخی اشکال یہ ہے کہ حضور اکرم صلعم کی تمام بیویاں گیارہ تھیں۔ مگر ان کا اجتماع نہیں ہوا۔ اس لئے کہ سب سے پہلی اہلیہ محترمہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ ہیں۔ ان کا انتقال ہجرت سے پہلے ہو چکا تھا۔ دوسری بیوی حضرت زینب بنت خزیمہ ہیں۔ ان کا وصال حضور اکرم صلعم کی زندگی میں ہو گیا تھا۔ اور سب سے آخری نکاح حضرت میمونہ سے عمرۃ القضاء ۷ھ میں ہوا تو اب صرف نو بیویوں کا اجتماع ہوا اور یہ واقعہ ۷ھ کے بعد سے لے کر وفات کے درمیان کا ہے۔ تو گیارہ بیویوں پر دور کرنا کیسے صحیح ہوا۔

حدیث نمبر ۲۶۲ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ الخ حَدَّثَنَا اَنَسُ بْنُ مَالِكٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدُوْرُ عَلٰى نِسَآئِهٖ فِي السَّاعَةِ الْوَاحِدَةِ مِنَ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَهُنَّ اِحْدٰى عَشْرَةَ قَالَ قُلْتُ لِاَنَسٍ اَوَكَانَ يُطِيْقُهٗ قَالَ كُنَّا نَتَحَدَّثُ اَنَّهٗ اُعْطِيَ قُوَّةَ ثَلَاثِيْنَ وَقَالَ سَعِيْدٌ عَنْ قَتَادَةَ اِنَّا نَتَحَدَّثُ اَنَّ اَنَسًا حَدَّثَهُمْ تِسْعُ نِسْوَةٍ۔

ترجمہ، حضرت انس بن مالک رض فرماتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلعم دن اور رات کی ایک گھڑی میں اپنی بیوی سے جماع فرماتے تھے۔ جبکہ وہ گیارہ عدد تھیں میں نے حضرت انس رض سے پوچھا کہ کیا حضور انور صلعم اس کی طاقت رکھتے تھے کہ انہوں نے فرمایا کہ ہم آپس میں باتیں کرتے تھے کہ آپ کو تیس آدمیوں کی طاقت دی گئی تھی اور حضرت قتادہ سے مروی ہیں کہ ہم آپس میں باتیں کرتے تھے کہ آپ کی نو بیویاں تھیں۔

تشریح از شیخ زکریا رح اب اشکال یہ ہے کہ جب گیارہ کا اجتماع نہیں ہوا تھا۔ تو پھر یہ کہنا کہ حضور اکرم صلعم گیارہ ازواج پر ایک ساتھ دور فرمایا کرتے تھے۔ کیسے صحیح ہوگا۔ جبکہ ازواج کی تعداد صرف نو ہے۔ اس کا ایک جواب تو امام بخاری رح دے رہے ہیں کہ تعداد ازواج موطوۃ فی الساعۃ الواحدۃ میں روایات مختلف ہیں۔ ایک روایت میں گیارہ اور دوسری روایت میں نو ہیں یہی نو والی روایت راجح ہے۔ اور دوسرا جواب یہ ہے کہ راوی کا مقصود یہ بیان کرنا ہے کہ حضور اکرم صلعم بیک ساعۃ گیارہ عورتوں

سے وطی فرماتے تھے۔ اب یہ ضروری نہیں کہ وہ منکوحہ ہوتی تھیں یا ملک یمین لہٰذا جب اعم ہے تو روایت صحیح ہو جاتی ہے۔ اس لئے کہ نو ازواج مطہرات ہوگئیں اور دو باندیاں جن میں ایک حضرت ماریہ قبطیہ ہیں جن سے حضرت ابراہیمؓ پیدا ہوئے تھے اور دوسری حضرت ریحانہ تھیں۔

قال قلت لانس او کان یطیقه الخ حضرت قتادہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت انسؓ سے پوچھا کہ یہ جو آپ بیان کرتے ہیں۔ کہ آپؐ گیارہ عورتوں سے وطی فرماتے تھے۔ تو کیا حضور اکرم صلعم میں اتنی طاقت تھی۔ اس سوال کی وجہ یہ ہے کہ جب انسان ایک بار وطی کر لیتا ہے۔ تو قوت سست پڑ جاتی ہے۔ اگر بہت زیادہ قوی ہو تو ایک بار اور کرے گا۔ تو انہوں نے اپنے اوپر قیاس کرتے ہوئے یہ سوال کیا اس پر حضرت انسؓ نے فرمایا کہ کیوں نہیں کر سکتے تھے۔ جبکہ حضور اکرم کو تیس۳۰ مردوں کی طاقت دی گئی تھی اس روایت میں تو تیس کا ذکر ہے۔ دوسری روایت میں سو۱۰۰ مردوں کے بقدر قوت کا ہونا مذکور ہے ظاہر ہے کہ جب حضرت سلیمان علیہ السلام سو۱۰۰ عورتوں سے وطی کر سکتے تھے تو حضور اکرم صلعم ان سے بھی زیادہ قوی تھے حدثهم تسع نسوة یہ امام بخاریؒ کا جواب ہے۔ قسمت کے بارے میں ایک جواب یہ بھی دیا جاتا ہے کہ آپؐ نے دوسری کی رضامندی سے ایسا کیا ہو۔ اور یہ جواب بھی ہے کہ ممکن ہے کوئی دن ایسا آیا ہو جس میں باری سب کی پوری ہو چکی ہو۔ اور پھر ابتدا کا وقت ہو۔ تو ایک رات ایسی نکالی۔ کہ جس میں باری کی ابتدا نہیں فرمائی۔ بلکہ بعد میں فرمائی۔ تیسرے یہ کہ باری رات میں ہوا کرتی تھی ممکن ہے یہ دن کا واقعہ ہو لیکن الفاظ حدیث یصبح محرماً اس کی تائید نہیں کرتے

باب غَسْلِ الْمَذْيِ وَالْوُضُوْءُ مِنْهُ۔

ترجمہ۔ مذی کو دھونا اور اس سے وضو کرنا ہے۔

حدیث نمبر ۲۶۳ حَدَّثَنَا اَبُوالْوَلِیْدِ الخ عَنْ عَلِیٍّ قَالَ کُنْتُ رَجُلًا مَذَّاءً فَاَمَرْتُ رَجُلًا یَّسْأَلُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لِمَکَانِ ابْنَتِہٖ فَسَاَلَ فَقَالَ تَوَضَّأْ وَاغْسِلْ ذَکَرَکَ۔ (الحدیث)

ترجمہ، حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے مروی ہے کہ میں کثیر المذی آدمی تھا۔ میں نے ایک آدمی کو حکم دیا کہ جناب نبی اکرم صلعم سے اس کے بارے میں سوال کریں آپ کی بیٹی میرے پاس ہونے کی وجہ سے میں سوال نہیں کر سکتا تھا۔ چنانچہ اس نے پوچھا تو آپؐ نے فرمایا کہ استنجا کر کے وضو کر لو۔

تشریح از شیخ زکریاؒ۔ میرے نزدیک اس باب کی مختلف غرضیں ہوسکتی ہیں۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ مذی کے بارے میں ائمہ کرام کے مختلف اختلافات ہیں ایک غرض یہ ہوسکتی ہے کہ طحاوی شریف میں ایک جماعت کا مذہب نقل کیا ہے کہ مذاکیر کا غسل واجب ہے اس جماعت میں حنابلہ بھی شامل ہیں کیونکہ ان کے نزدیک ذکر (قضیب) کا دھونا واجب ہے۔ اور ظاہر یہ کے نزدیک قضیب کے ساتھ انثیین کا دھونا بھی ضروری ہے۔ تو ممکن ہے امام بخاریؒ نے غسل المذی فرما کر جمہور کی تائید اس اختلاف کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمائی ہو۔ اور دوسری غرض یہ ہوسکتی ہے کہ اس میں اختلاف ہے کہ مذی میں کلوخ کافی ہے یا نہیں۔ حنابلہ کے ہاں پانی کا ہونا ضروری ہے۔ ہمارے یہاں دو روایات ہیں راجح یہ ہے کہ کافی ہے اور اسی طرح شوافعؒ کے یہاں بھی دو روایات ہیں تو ممکن ہے امام بخاریؒ نے غسل کے لفظ سے حنابلہ کی تائید کی ہو۔ اور تیسری غرض یہ ہوسکتی ہے۔ کہ امام طحاویؒ نے ایک جماعت سے نقل کیا ہے کہ خروج مذی کے بعد وضو کرنا فی الفور ضروری ہے۔ ائمہ میں سے یہ کسی کا مذہب نہیں بلکہ تاخیر بھی جائز ہے تو ممکن ہے امام بخاریؒ نے والوضوء منہ بڑھا کر اشارہ فرما دیا کہ موجب وضو تو ہے مگر فی الفور نہیں اس لئے کہ کوئی لفظ جو فور (جلدی) پر دلالت کرتا ہو۔ یہاں ذکر نہیں فرمایا۔ اور ممکن ہے کہ غسل کے لفظ سے امام بخاریؒ کا مقصود حنابلہ کی ایک جماعت پر رد کرنا ہو۔ کیونکہ اُن کے نزدیک منی میں رش کرنا کافی ہے فامرت رجلاً یہ یا تو حضرت مقداد ہیں یا حضرت عمار ہیں واغسل ذکرک جن روایات سے پورے ذکر کا دھونا۔ اور جن روایات سے مع الانثیین دھونا ثابت ہوتا ہے۔ اس کے متعلق جمہور فرماتے ہیں کہ وہ نظافت اور علاج پر محمول ہے

باب مَنْ تَطَيَّبَ ثُمَّ اغْتَسَلَ وَ بَقِيَ اَثَرُ الطِّيْبِ

ترجمہ، باب جس نے خوشبو لگائی غسل کیا اور خوشبو کا اثر باقی رہ گیا۔

حدیث نمبر ۲۶۴ حَدَّثَنَا اَبُو النُّعْمَانِ الخ قَالَ سَاَلْتُ عَائِشَةَ وَ ذَكَرْتُ لَهَا قَوْلَ ابْنِ عُمَرَ مَا اُحِبُّ اَنْ اُصْبِحَ مُحْرِمًا اَنْضَخُ طِيْبًا فَقَالَتْ عَائِشَةُ اَنَا طَيَّبْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ ثُمَّ طَافَ فِيْ نِسَآءِهٖ ثُمَّ اَصْبَحَ مُحْرِمًا۔

ترجمہ، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے میں نے پوچھا جبکہ میں نے ان کے سامنے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا یہ قول پیش کیا۔ کہ میں تو پسند نہیں کرتا۔ کہ میں محرم ہوں کہ خوشبو مہکاتا ہوں۔ تو حضرت عائشہؓ نے فرمایا میں نے آنحضرت رسول اللہ صلعم کو خوشبو لگائی تھی پھر وہ اپنی بیویوں کے پاس جاتے پھر محرم ہوجاتے تھے۔

تشریح از شیخ زکریاؒ. شاہ صاحبؒ کی رائے یوں ہے کہ اگر کوئی غسل میں دلک ان نہ کرے حتیٰ کہ جو خوشبو غسل سے قبل لگائی تھی اس کا اثر غسل کے بعد بھی باقی رہا تو کوئی حرج نہیں اور میری رائے یہ ہے کہ امام بخاریؒ نے جو اس ریح کے ازالہ کا عدم وجوب پہلے بیان فرمایا ہے تو اسی کو یہاں بھی بیان فرما رہے ہیں۔ کہ خوشبو مضر نہیں تو بدبو بھی مضر نہ ہوگی۔ کیونکہ دونوں از قسم ریح ہیں۔ صاحب الخ یہ وہی روایت ہے جس کو وہاں بالاختصار بیان فرمایا۔

حدیث نمبر ۲۶۵ حَدَّثَنَا آدَمُ بْنُ أَبِي إِيَاسٍ الخ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَأَنِّي أَنْظُرُ إِلَى وَبِيصِ الطِّيبِ فِي مَفْرِقِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ مُحْرِمٌ۔

ترجمہ، حضرت عائشہ رضہ سے مروی ہے۔ وہ فرماتی ہیں گویا کہ میں جناب نبی اکرم صلعم کی چوٹی مبارک میں خوشبو کی چمک کو دیکھ رہی ہوں جبکہ آپ محرم تھے

تشریح از شیخ زکریاؒ۔ اس باب سے قبل ابواب میں غسل سے قبل نجاست کے زائل کرنے کا ذکر تھا اب یہاں غسل سے قبل خوشبو لگانے کا ذکر فرما رہے ہیں کہ اگر طہارت و غسل سے قبل خوشبو لگالے تو اس سے غسل میں فرق نہیں پڑتا۔ حضرت ابن عمر رضہ کے نزدیک غسل سے قبل خوشبو لگانا جائز نہیں اس پر حضرت عائشہ رضہ رد فرما رہی ہیں

باب تَخْلِيلِ الشَّعْرِ حَتَّى إِذَا ظَنَّ أَنَّهُ قَدْ أَرْوَى بَشَرَتَهُ أَفَاضَ عَلَيْهِ۔

ترجمہ، بالوں کو خلال کرنا۔ یہاں تک کہ جب یقین ہو جائے کہ تمام چمڑا سیراب ہو چکا ہو گا تو پھر اس پر پانی بہائے۔

حدیث نمبر ۲۶۶ حَدَّثَنَا عَبْدَانُ الخ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا اغْتَسَلَ مِنَ الْجَنَابَةِ غَسَلَ يَدَيْهِ وَتَوَضَّأَ وُضُوءَهُ لِلصَّلٰوةِ ثُمَّ اغْتَسَلَ ثُمَّ تَخَلَّلَ بِيَدِهِ شَعَرَهُ حَتَّى إِذَا ظَنَّ أَنَّهُ قَدْ أَرْوَى بَشَرَتَهُ أَفَاضَ عَلَيْهِ الْمَاءَ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ ثُمَّ غَسَلَ سَائِرَ جَسَدِهِ وَقَالَتْ كُنْتُ أَغْتَسِلُ أَنَا وَرَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ إِنَاءٍ وَاحِدٍ نَغْرِفُ مِنْهُ جَمِيعًا۔

ترجمہ، حضرت عائشہ رضہ سے مروی ہے۔ وہ فرماتی ہیں کہ جناب رسول اللہ صلعم جب جنابت سے غسل کرنے کا ارادہ فرماتے تو پہلے پہل اپنے دونوں ہاتھوں کو دھوتے پھر نماز والا وضو فرماتے۔ پھر

غسل فرماتے اور اپنے ہاتھ مبارک سے اپنے بالوں کا خلال کرتے یہاں تک کہ آپ کو یقین ہو جاتا کہ انہوں نے اپنے سر کے چمڑے کو سیراب کر دیا۔ پھر اس پر تین مرتبہ پانی بہاتے تھے۔ پھر باقی بدن کو دھوتے تھے۔ اور یہ بھی فرماتی تھیں کہ میں اور جناب رسول اللہ صلعم ایک ہی برتن سے غسل کرتے کہ ہم اس سے اکٹھے چلو میں پانی لیتے تھے۔

تشریح از شیخ زکریا شراح کی رائے یہ ہے کہ امام بخاریؒ کی غرض اس باب سے بیان کرتا ہے کہ بالوں کا خلال کرنا ضروری نہیں ہے۔ بلکہ پانی کا بالوں کی جڑوں میں پہنچا لینا کافی ہے۔ میری رائے یہ ہے کہ امام بخاریؒ کی غرض ایک اور اختلافی مسئلہ کو بیان کرنا ہے وہ یہ ہے کہ ائمہ میں اختلاف ہو رہا ہے کہ غسل جنابۃ اور غسل حیض میں کچھ فرق ہے یا نہیں۔ حنفیہ، مالکیہ، شافعیہؒ کے نزدیک کوئی فرق نہیں اور حنابلہ کے نزدیک فرق ہے۔ کہ حالت جنابۃ میں مینڈھیوں کا کھولنا ضروری نہیں ہے صرف بالوں کی جڑوں تک پانی پہنچا لینا کافی ہے۔ اور غسل حیض میں نقض ضفائر (مینڈھیوں کا کھولنا) ضروری ہے۔ چنانچہ امام بخاریؒ نے ابواب الحیض میں ایک باب ذکر کیا ہے۔ باب نقض المرأۃ شعرھا عند غسل المحیض تو میرے نزدیک امام بخاریؒ نے حنابلہ کی تائید فرمائی ہے۔ یہاں تو صرف بلوغ الماء الی اصول الشعر پر اکتفا کیا و غسل الحیض میں نقض الشعر کا ذکر فرمایا۔

باب مَنْ تَوَضَّأَ فِي الْجَنَابَةِ ثُمَّ غَسَلَ سَائِرَ جَسَدِهِ وَلَمْ يُعِدْ غَسْلَ مَوَاضِعِ الْوُضُوْءِ مِنْهُ مَرَّةً أُخْرٰى

ترجمہ باب۔ اس شخص کے بارے میں جس نے جنابت میں وضو کیا پھر باقی حصہ بدن کو دھویا اور وضو کی جگہوں کو دوسری مرتبہ نہیں دھویا۔ اس کا کیا حکم ہے۔

حدیث نمبر ۲۶۷ حَدَّثَنَا يُوْسُفُ بْنُ عِيْسٰى الخ عَنْ مَيْمُوْنَةَ قَالَتْ وَضَعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَضُوْءَ الْجَنَابَةِ فَأَكْفَأَ بِيَمِيْنِهٖ عَلٰى يَسَارِهٖ مَرَّتَيْنِ أَوْ ثَلَاثًا ثُمَّ غَسَلَ فَرْجَهٗ ثُمَّ ضَرَبَ يَدَهٗ بِالْأَرْضِ أَوِ الْحَائِطِ مَرَّتَيْنِ أَوْ ثَلَاثًا ثُمَّ تَمَضْمَضَ وَاسْتَنْشَقَ وَغَسَلَ وَجْهَهٗ وَذِرَاعَيْهِ ثُمَّ أَفَاضَ عَلٰى رَأْسِهِ الْمَاءَ ثُمَّ غَسَلَ جَسَدَهٗ ثُمَّ تَنَحّٰى فَغَسَلَ رِجْلَيْهِ قَالَتْ فَأَتَيْتُهٗ بِخِرْقَةٍ فَلَمْ يُرِدْهَا فَجَعَلَ يَنْفُضُ بِيَدِهٖ۔

ترجمہ، حضرت میمونہ رضہ فرماتی ہیں کہ جناب رسول اللہ صلعم نے غسل جنابۃ کا پانی رکھا اور دائیں ہاتھ

سے بائیں ہاتھ پر دو مرتبہ یا تین مرتبہ پانی انڈیلا جس سے شرمگاہ کو دھویا پھر اپنا ہاتھ زمین پر یا دیوار پر دو تین مرتبہ پر رگڑا۔ پھر کلی کی ناک میں پانی دیا اپنے چہرہ اور اپنے بازوؤں کو دھویا۔ پھر اپنے سر پر پانی بہایا اور سارے جسم کو دھویا۔ پھر اس مقام سے الگ ہو کر دونو پاؤں کو دھویا۔ وہ فرماتی ہیں کہ میں آپؐ کے پاس پونچھنے کے لئے کپڑے کا ٹکڑا لائی جس کا آپؐ نے ارادہ نہ فرمایا بلکہ اپنے ہاتھ سے جھاڑ دیا۔

تشریح از شیخ زکریاؒ۔ میں نے باب الوضوء فی الغسل میں ایک قول یہ بھی نقل کیا ہے کہ بعض علماء کی رائے ہے کہ اس میں اختلاف ہے۔ کہ غسل میں وضو کرنا کوئی مستقل سنت ہے یا مستقل سنت نہیں ہے بلکہ جزو غسل ہے۔ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ یہ جزء ہے ان کے نزدیک اگر وضو کرنے کے بعد ان اعضائ کو پانی نہ پہنچائے تو کوئی حرج نہیں۔ اور جو لوگ اس کو مستقل مانتے ہیں ان کے نزدیک دوبارہ غسل کے اندر پانی پہنچانا ضروری ہے۔ اگر نہ پہنچایا تو غسل متحقق نہ ہوگا۔ یہ باب اس مضمون کے اندر بالکل نص ہے وہاں میں نے یہ بھی بیان کیا تھا کہ اگر اس باب کی غرض یہ نہ ہو۔ تو پھر توجیہ یہ ہے کہ اس میں اختلاف ہے کہ مس ذکر سے وضو واجب ہوتا ہے یا نہیں امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک واجب نہیں ہوتا اور ائمہ ثلاثہ کے ہاں واجب ہے تو امام بخاریؒ نے اس باب سے وضو من مس الذکر کے قائلین پر رد فرمایا اس لئے کہ جب کوئی پہلے وضو کرے گا اور پھر غسل کرے گا۔ تو اس کی وجہ سے ہاتھ اِدھر اُدھر پہنچے گا۔ ذکر کو بھی پہنچے گا۔ اور اس کے بعد وضو کرنے کو لکھا نہیں۔ معلوم ہوا کہ یہ قائل نہیں اور اس کا کوئی باب بھی ذکر نہیں فرمایا۔ میرے نزدیک تو امام بخاریؒ نہ مس ذکر سے وضو کے قائل ہیں اور نہ مس مرأۃ سے ان دونوں میں سے کسی باب کا بھی ذکر نہیں فرمایا۔ اس باب کی روایت ثم غسل جسدہٗ سے بظاہر ترجمہ باب ثابت کرنا چاہتے ہیں مگر وہ ثابت نہیں ہوتا۔ اس لئے کہ مقصود بقیہ جسد کے غسل کو ثابت کرنا ہے۔ اور یہ جسد عام ہے۔ لہٰذا یہاں سے حضرت عائشہؓ کی اس حدیث کی طرف اشارہ ہے جس میں فغسل سائر جسدہ صراحۃً مذکور ہے۔

باب اِذَا ذَكَرَ فِي الْمَسْجِدِ اَنَّهٗ جُنُبٌ خَرَجَ كَمَا هُوَ وَلَا يَتَيَمَّمُ۔

ترجمہ: جب کوئی شخص مسجد میں یاد کرتا ہے کہ وہ جنبی ہے تو اسی حالت میں مسجد سے نکل جاتے تیمم نہ کرے۔

حدیث نمبر ۲۶۸ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مُحَمَّدٍ الخ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ اُقِیْمَتِ الصَّلٰوةُ وَ عُدِّلَتِ الصُّفُوْفُ قِیَامًا فَخَرَجَ اِلَیْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا قَامَ فِیْ مُصَلَّاهُ ذَکَرَ اَنَّهٗ جُنُبٌ فَقَالَ لَنَا مَکَانَکُمْ ثُمَّ رَجَعَ فَاغْتَسَلَ ثُمَّ خَرَجَ اِلَیْنَا وَرَاْسُهٗ یَقْطُرُ فَکَبَّرَ فَصَلَّیْنَا مَعَهٗ الخ

ترجمہ، حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ نماز کی تکبیر کہی گئی کھڑے کھڑے صفیں ٹھیک کی گئی تو آنحضرت رسول اللہ صلعم ہمارے پاس تشریف لائے۔ جب اپنی جائے نماز میں کھڑے ہوئے تو آپؐ کو یاد آیا کہ آپؐ تو جنبی ہیں۔ تو ہم سے فرمایا کہ تم اپنی اپنی جگہ پر ٹھہرو واپس آکر غسل فرمایا۔ پھر اس حال میں ہمارے پاس تشریف لائے کہ آپؐ کا سر مبارک قطرے ٹپکاتا تھا، تکبیر کہی اور ہم نے آپؐ کے ساتھ نماز ادا کی۔

تشریح از شیخ زکریاؒ۔ امام بخاریؒ اس باب سے سفیان ثوری اور اسحاق بن راہو یہ پر رد فرماتے ہیں ان کا مذہب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص بھول کر مسجد میں چلا گیا اور جانے کے بعد اسے یاد آیا۔ کہ وہ جنبی ہے تو اب اس کو مسجد سے نکلنا جائز نہیں۔ بلکہ فوراً تیمم کرے اور پھر نکلے۔ کیونکہ اولاً وہ ناسی ہونے کی وجہ سے معذور تھا۔ اب ذاکر ہونے کی وجہ سے اس پر ذاکر کے احکام جاری ہونگے چونکہ وہاں سے نکلنے پر مجبور ہونے کی وجہ سے عادم الماء ہے۔ لہٰذا تیمم کرے اور جمہور کا مذہب یہ ہے کہ فوراً نکل جائے۔ امام بخاریؒ جمہور کی تائید فرما رہے ہیں کہ نبی اکرم صلعم بحالت جنابت مسجد کے اندر تشریف لے گئے اور یاد آنے کے بعد بلا تیمم کئے واپس تشریف لے آئے۔ نیز اتنی دیر بحالت جنابت مسجد میں مکث ہوگا۔ اس لئے جلدی ہی نکل جائے۔ ثم خرج الینا وراسه یقطر یہ روایت بڑی معرکۃ الاراء ہے۔ بالخصوص سنن کے اندر۔ اس میں تو صرف آتا ہے کہ نماز شروع کرنے سے پہلے آپؐ کو یاد آگیا۔ کہ آپؐ جنب ہیں تو صحابہ کرام کو ٹھہرنے کو فرمایا۔ اور تشریف لے گئے۔ پھر غسل فرما کر آئے اور تکبیر پڑھ کر نماز شروع فرمائی۔ مگر ابو داؤد میں ہے کہ تکبیر کہنے کے بعد یاد آیا۔ اور باہر تشریف لے گئے اس وقت ان لوگوں پر بڑا اشکال ہے جو یہ کہتے ہیں کہ تکبیر تحریمہ رکن صلوٰۃ ہے اس لئے کہ رکن بحالت جنابت شروع ہوا تو کیسے ہوا۔ اس پر مستقل کلام تو ابواب الامامۃ میں آئے گا۔ ہاں ایک اشکال یہاں یہ ہوگا کہ اس موقعہ پر تکبیر اور اقامت صلوٰۃ کے اندر فصل طویل پایا گیا علی تعریف الفقہاء۔ لہٰذا اعادہ

اقامت کیوں نہ ہوا اس کا جواب یہ ہے کہ اعادہ واجب نہیں ہے حضور اکرم صلعم نے بیان جواز کے لئے ایسا فرمایا۔ اور حضور پاک صلعم بیان جواز کے واسطے کوئی خلاف اولیٰ کام بھی کریں تو اس پر آپ کو واجب کا ثواب ملتا ہے۔ اس لئے کہ حضور اکرم صلعم تشریع کے لئے تشریف لائے تھے۔ اس باب میں امام بخاریؒ نے جو روایت ذکر فرمائی ہے اس پر تو کوئی اشکال نہیں لیکن ابوداؤد کی روایت میں ہے کہ آپؐ نے تکبیر تحریمہ کے ذریعے نماز شروع کرادی۔ اس کے بعد جنابت یاد آگئی اور ایک روایۃ میں ہے فانتظرنا التکبیر اس صورت میں بھی کوئی اشکال نہیں اشکال ابوداؤد کی اس روایت پر ہے جبکہ آپؐ نے نماز کی ابتدار جنابت کی حالت میں کی تو نماز شروع ہی نہیں اس کے بعد تو آپؐ کو استیناف کرنا چاہیئے تھا۔ چونکہ شراح ان دونوں روایتوں کو ایک ہی واقعہ پر محمول کرتے ہیں اس وجہ سے اشکال ہوتا ہے ورنہ میرے نزدیک دونوں کا محمل الگ الگ ہے اور دونوں واقعے متعدد ہیں جس حدیث میں فانتظرنا التکبیر ہے یہ تو جنابۃ والا قصہ ہے اور جس کے اندر فکبر وار دہوا ہے۔ یہ باب الحدث فی الصلوٰۃ کا قصہ ہے چنانچہ موطا امام محمد میں اس حدیث پر یہی باب منعقد فرمایا ہے۔ اب اشکال مرتفع ہوگیا۔

باب نَفْضِ الْيَدَيْنِ مِنْ غُسْلِ الْجَنَابَةِ۔

ترجمہ باب، جنابت کے غسل کرنے کے بعد دونوں ہاتھوں سے بدن جھاڑنا۔

حدیث نمبر ۲۶۹ حَدَّثَنَا عَبْدَانُ الخ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَتْ مَيْمُونَةُ وَضَعْتُ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غُسْلًا فَسَتَرْتُهُ بِثَوْبٍ وَّصَبَّ عَلٰى يَدَيْهِ فَغَسَلَهُمَا ثُمَّ صَبَّ بِيَمِيْنِهِ عَلٰى شِمَالِهِ فَغَسَلَ فَرْجَهُ فَضَرَبَ بِيَدِهِ الْاَرْضَ فَمَسَحَهَا ثُمَّ غَسَلَهَا فَمَضْمَضَ وَاسْتَنْشَقَ وَغَسَلَ وَجْهَهُ وَذِرَاعَيْهِ ثُمَّ صَبَّ عَلٰى رَأْسِهِ وَاَفَاضَ عَلٰى جَسَدِهِ ثُمَّ تَنَحّٰى فَغَسَلَ قَدَمَيْهِ فَنَاوَلْتُهُ ثَوْبًا فَلَمْ يَأْخُذْهُ فَانْطَلَقَ وَهُوَ يَنْفُضُ يَدَيْهِ (الحديث)

ترجمہ، حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ حضرت میمونہؓ نے فرمایا کہ میں نے جناب نبی اکرم صلعم کے لئے پانی رکھا اور کپڑے سے آپ کے لئے پردہ کردیا۔ آپؐ نے دونوں ہاتھوں پر پانی ڈال کر ان کو دھویا پھر داہنی ہاتھ سے بائیں ہاتھ پر پانی ڈال کر شرمگاہ کو دھویا پھر اپنا ہاتھ زمین پر مارا اور اس کو رگڑا پھر ہاتھ کو دھو کر کلی کی ناک میں پانی ڈالا چہرہ مبارک اور دونوں بازو دھوتے پھر سر

پر پانی ڈالا اور اپنے بدن پر پانی بہایا الگ ہو گئے۔ تو دونو پاؤں کو دھویا۔ پھر میں نے آپ کو کپڑا دیا جو آپ نے نہیں لیا اور دونو ہاتھ سے جھاڑنے لگے

تشریح از شیخ زکریاؒ ہمارے حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی رائے ہے کہ امام بخاریؒ کی غرض ما مستعمل کی طہارت ثابت کرنی ہے۔ اس لئے کہ جب نفض (جھاڑے گا) کرے گا تو کپڑے وغیرہ پر چھینٹیں پڑیں گی اور اس کا دھونا کہیں منقول نہیں۔ اور میرے نزدیک اس باب کی غرض یہ ہے کہ ایک ضعیف حدیث میں آیا ہے۔ لا تنفضوا ایدیکم فی الوضوء فانھا مراوح الشیطان کہ وضو میں اپنے ہاتھوں کو نہ جھاڑو کیونکہ یہ تو شیطان کے پنکھے ہیں تو امام بخاریؒ نے اس پر رد فرمایا ہے۔

باب مَنْ بَدَأَ بِشِقِّ رَأْسِهِ الْأَيْمَنِ فِي الْغُسْلِ

ترجمہ، باب اس شخص کے بارے میں جو غسل میں اپنے سر کی دائیں جانب سے شروع کرتا ہے۔

حدیث نمبر ۲۷۰ حَدَّثَنَا خَلَّادُ بْنُ يَحْيَى الخ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كُنَّا إِذَا أَصَابَ إِحْدَانَا جَنَابَةٌ أَخَذَتْ بِيَدَيْهَا ثَلَاثًا فَوْقَ رَأْسِهَا ثُمَّ تَأْخُذُ بِيَدِهَا عَلَى شِقِّهَا الْأَيْمَنِ وَبِيَدِهَا الْأُخْرَى عَلَى شِقِّهَا الْأَيْسَرِ۔

ترجمہ، حضرت عائشہ رضؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ ہم سے کسی ایک کو جب جنابت لگتی تھی تو اپنے دونو ہاتھوں سے تین مرتبہ اپنے سر کے اوپر اور پھر دائیں جانب اور دوسرے ہاتھ سے بائیں جانب لیتی تھی۔

تشریح از شیخ مدنیؒ روایت ترجمۃ الباب کے موافق نہیں اس لئے کہ روایت میں شق راس کا ذکر نہیں اس کا جواب یہ ہے کہ شقھا الایمن سے شق راس مراد ہے کیونکہ ایک ہاتھ سے تمام بدن کی شق ایمن و شق ایسر نہیں دھوئی جاتی۔ البتہ سر کی شق ایمن ہو یا ایسر وہ ایک ہاتھ سے دھوئی جاسکتی ہے۔ لہٰذا یہاں بلفظ راس نکالنا ضروری ہوگا۔ تو اب روایت ترجمۃ الباب کے مطابق ہو جائے گی۔ دوسرا اشکال یہ ہے کہ ترجمۃ الباب میں تو من بدأ بشق رأسہ الایمن اور روایت میں ابتداء کا ذکر نہیں البتہ اخذت بیدیھا ثلاثا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ ثم تاخذ بیدیھا اخذت بیدیھا کی تفسیر اور تفصیل ہے۔ سر تک پانی پہنچانے کے لئے لیا اور شق ایمن و ایسر کو ملا۔ تو بدایتہ فی العمل شق ایمن سے ہوئی۔ تو شق ایسر پر تقدیم نہ ہوتی۔ تیسرا اشکال یہ ہے کہ روایات سابقہ

سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ سب سے پہلے ہاتھوں کو دھوتے تھے پھر ازالہ نجاست فرماتے تھے۔ آخر میں جا کر سر پر پانی ڈالتے تھے تو بدایۃ شق راس سے کیسے ہوئی۔ تو جواب یہ ہے کہ آپ غسل کے مبادی میں بدایتہ بالید کرتے تھے لیکن نفس غسل میں کس سے بدایۃ ہوتی تھی تو مصنفؒ فرماتے ہیں کہ حقیقت غسل کے تحقق کے وقت ابتداء سے سر پر پانی ڈالا جاتا تھا اور وہ بھی اس طرح کہ سر کی جانب ایمن سے بدایتہ ہوتی تھی۔

تشریح از شیخ زکریاؒ اس میں اختلاف ہے کہ غسل کے اندر بدایۃ کہاں سے کی جائے۔ ہمارے یہاں بھی اقوال مختلف ہیں۔ ایک جماعت کی رائے ہے کہ اولاً دائیں مونڈھے پر پھر بائیں اور پھر سر پر ڈالے۔ اور بعض علماً کی رائے ہے کہ سر کے دائیں حصے پر پہلے ڈالے۔ پھر بائیں پر یہی امام بخاریؒ کی غرض ہے۔ اور بعض علماً کی رائے ہے کہ امام بخاریؒ اس باب سے ظاہریہ پر رد فرما رہے ہیں اس لئے کہ ان کے نزدیک بالوضوء واجب ہے۔ تو امام بخاریؒ نے بدایۃ بشق راسہ الایمن کہہ کر ان پر رد فرمایا۔

باب مَنِ اغْتَسَلَ عُرْيَانًا وَحْدَهُ فِي الْخَلْوَةِ وَمَنْ تَسَتَّرَ وَالتَّسَتُّرُ أَفْضَلُ وَقَالَ بَهْزٌ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اللّٰهُ أَحَقُّ أَنْ يُسْتَحْيَا مِنْهُ مِنَ النَّاسِ۔

ترجمہ باب اس شخص کے بارے میں جو تنہائی میں اکیلا ننگا نہائے اور وہ جو پردہ کرے اور پردہ کرنا افضل ہے۔ اور جناب نبی اکرم صلعم سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ زیادہ حق دار ہیں لوگوں سے کہ ان سے حیا کی جائے۔

حدیث نمبر ۲۷۱ حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ نَصْرٍ الخ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ كَانَتْ بَنُو إِسْرَائِيلَ يَغْتَسِلُونَ عُرَاةً يَنْظُرُ بَعْضُهُمْ إِلَى بَعْضٍ وَكَانَ مُوسَى صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَغْتَسِلُ وَحْدَهُ فَقَالُوا وَاللّٰهِ مَا يَمْنَعُ مُوسَى أَنْ يَغْتَسِلَ مَعَنَا إِلَّا أَنَّهُ آدَرُ فَذَهَبَ مَرَّةً يَغْتَسِلُ فَوَضَعَ ثَوْبَهُ عَلَى حَجَرٍ فَفَرَّ الْحَجَرُ بِثَوْبِهِ فَجَمَعَ مُوسَى فِي إِثْرِهِ يَقُولُ ثَوْبِي يَا حَجَرُ ثَوْبِي يَا حَجَرُ حَتَّى نَظَرَتْ بَنُو إِسْرَائِيلَ إِلَى مُوسَى وَقَالُوا وَاللّٰهِ مَا بِمُوسَى مِنْ بَأْسٍ وَأَخَذَ ثَوْبَهُ وَطَفِقَ بِالْحَجَرِ ضَرْبًا قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ وَاللّٰهِ إِنَّهُ لَنَدَبٌ بِالْحَجَرِ سِتَّةٌ أَوْ سَبْعَةٌ ضَرْبًا بِالْحَجَرِ

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَۃَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ بَیْنَا اَیُّوْبُ یَغْتَسِلُ عُرْیَانًا فَخَرَّ عَلَیْهِ جَرَادٌ مِنْ ذَهَبٍ فَجَعَلَ اَیُّوْبُ یَحْتَثِیْ فِیْ ثَوْبِهٖ فَنَادَاهُ رَبُّهٗ یَا اَیُّوْبُ اَلَمْ اَکُنْ اَغْنَیْتُكَ عَمَّا تَرٰی قَالَ بَلٰی وَعِزَّتِكَ وَلٰکِنْ لَا غِنٰی بِیْ عَنْ بَرَکَتِكَ ۔ الخ

ترجمہ، حضرت ابوہریرۃؓ جناب نبی اکرم صلعم سے روایت کرتے ہیں۔ کہ آپؐ نے فرمایا کہ بنی اسرائیل ننگے غسل کرتے تھے کہ ایک دوسرے کو دیکھتے رہتے تھے۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اکیلے نہاتے تھے۔ تو وہ لوگ کہنے لگے کہ اللہ کی قسم موسیٰ علیہ السلام کو ہمارے ساتھ غسل کرنے میں اس چیز نے روکا ہے کہ وہ پھار والے ہیں یعنی آپ کے خصیتین پھولے ہوتے ہیں تو ایک مرتبہ حضرت موسیٰ علیہ السلام غسل کرنے کے لئے باہر چلے گئے اپنے کپڑے اتار کر ایک پتھر پر رکھ دیئے وہ پتھر آپ کے کپڑے لے کر بھاگ کھڑا ہوا حضرت موسیٰ علیہ السلام اس کے نقش قدم پر سرپٹ دوڑے فرماتے ہیں اے پتھر میرے کپڑے اور پتھر میرے کپڑے یہاں تک کہ بنو اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیکھ لیا کہ ان میں کوئی مرض نہیں ہے۔ اپنے کپڑے لے کر پتھر کو مارنے لگے۔ حضرت ابوہریرۃؓ فرماتے ہیں کہ ان کے مارنے کی وجہ سے پتھر میں چھ یا سات نشان مارنے کے تھے نیز حضرت ابوہریرہؓ جناب نبی اکرم صلعم سے روایت کرتے ہیں۔ کہ حضرت ایوب علیہ السلام ایک مرتبہ ننگے غسل کر رہے تھے۔ کہ ان پر سونے کی ٹڈیاں گرنے لگی۔ حضرت ایوب صاحب اپنے کپڑے میں لپک بھر بھر کے جمع کرنے لگے۔ تو ان کے رب نے ان کو پکار کے فرمایا۔ کہ کیا ہم نے قسم قسم کا مال دے کر تمہیں غنی نہیں بنایا۔ فرمانے لگے کیوں نہیں تیری عزت کی قسم مگر مجھے تو آپ کی برکت سے بے پرواہی نہیں ہے۔ بلکہ اس کا محتاج ہوں۔

تشریح از شیخ مدنیؒ۔ تنہائی میں ننگا نہانا جائز ہے مگر تستر یعنی پردہ کرنا افضل ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ لوگوں کی بنسبت اس کے زیادہ حقدار ہیں کہ ان سے حیا کی جائے اگر اشکال ہو کہ اللہ تعالیٰ سے شرم کر کے انسان بچ کیسے سکتا ہے۔ کپڑے پہنے تو بھی اس سے کوئی چیز مخفی نہیں ہم تو اللہ تعالیٰ سے کسی طرح چھپ نہیں سکتے تو اس کا جواب یہ ہے کہ حیا سے مراد بھی یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی حاصل کی جائے اس کے منشا کے خلاف نہ کیا جائے کسی چیز کا چھپنا تو اللہ تعالیٰ سے ممکن نہیں لیکن اس کی رضا جوئی کا خلاف ممکن ہے۔ تو یہاں فرمایا گیا کہ باری تعالیٰ کی رضا اسی میں ہے کہ تم خلوت میں بھی ننگے نہ ہو۔ ہر حال میں تستر کرنا چاہیئے۔ ان اللہ حیی ستیر آپ سے کہا گیا کہ

اگر کوئی شخص نہ ہو تو بھی ننگا نہ ہونا چاہیئے۔ تو اس پر آپ نے فرمایا والستر افضل یغتسلون عراۃ
اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی شریعت میں ننگا نہانا ممنوع نہیں تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اکمل کو
اختیار کرتے تھے یا یہ کہ حضرت موسیٰ شریعت محمدیہ کو اختیار کرتے تھے۔ کیونکہ آپؐ جمیع انبیاء کے رسول ہیں
آدر بمعنی نفخ خصیتین چونکہ بعض بیماریاں ایسی ہیں کہ ان سے نفرت پیدا ہوتی ہے اس کے ظاہر
کرنے سے مبتلیٰ بالمرض کو شرم محسوس ہوتی ہے۔ اس لئے لوگوں نے اس کا اظہار کیا جس سے موسیٰ علیہ
السلام کو اذیت پہنچی کیونکہ یہ مرض ایسا ہے کہ اس میں انسان کی ذلت ہوتی ہے جمح بمعنی جلدی سے
بھاگنا۔ فعل ایوب مجتثی حضرت ایوبؑ پر بہت سے انعامات کئے گئے تھے جس کی وجہ سے وہ
شیطان کے بھی محسود بن گئے۔ تو قسم قسم کی بیماریوں میں مبتلا ہوئے۔ سوائے ایک عورت کے سب اہل و
عیال فنا ہو گئے۔ پھر نجات ملی۔ اور ان جیسے کئی انعامات ملے مگر پھر بھی سونے کی ٹڈی کو پکڑتے ہیں
اس پر عتاب ہوا۔ مگر چونکہ فعل ایک ہوتا ہے نیات کے اختلاف کی وجہ سے حسن و قبح میں فرق آجاتا
ہے۔ ایک مسجد کو بنانے کے لئے گراتا ہے۔ یہ فعل حسن ہے۔ دوسرا بے حرمتی کے لئے گراتا ہے یہ فعل حرام ہے
ایسے حضرت ایوبؑ نے مال کی حرص کی وجہ سے جمع نہیں کیا۔ بلکہ برکت ایزدی کو احاطہ کرنے کے لئے
جمع کیا۔ بہر حال ان دونو پیغمبروں کا خلوۃ میں عریاناً غسل کرنا ثابت ہوا۔ والتستر افضل کے لئے آپؐ کا
ارشاد اللہ احق ان یستحیٰ الخ

تشریح از شیخ زکریاؒ مقصود عریاناً غسل کا جواز بیان کرنا ہے اور تستر کے ساتھ غسل کرنا
افضل ہے۔ مگر یہ دونو صورتیں اس وقت ہیں جب کہ غسل خانہ میں ہو اور تستر اس لئے افضل ہے
کہ ابوداؤد کی روایت میں ہے۔ قلت یا رسول اللہ ارأیت ان کان احد خالی الخلوۃ تو اس
پر آپؐ نے فرمایا فاللہ احق ان یستحیٰ منہ اور بعض حضرات فرماتے ہیں کہ خلوت میں بھی عریاناً غسل
کرنا جائز نہیں ہے۔ امام بخاریؒ اس پر رد فرما رہے ہیں۔ وکان موسیٰؑ یغتسل وحدہٗ چونکہ موسیٰ علیہ السلام
بڑے حیادار تھے۔ اس لئے وہ بنی اسرائیل کی طرح ایک دوسرے کے سامنے غسل نہ فرماتے تھے، بلکہ تستر
کے ساتھ فرماتے۔ آدر منورم الخصیۃ فذھب یغتسل مرۃ ای فی خفاء من الناس یقول ثوبی
یا حجر الخ اس پر اشکال نہیں ہو سکتا۔ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک جماد کو کیسے خطاب فرمایا
اس لئے کہ اس جماد سے ذوی العقول کا سا فعل صادر ہوا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کو ندا فرمائی

فقالوا واللہ ما بموسیٰ من بأس چونکہ عادت الٰہی جاری ہے کہ وہ اپنے اولیاء کی حمایت فرماتے ہیں اور بنی اسرائیل ان پر اعتراض کرتے تھے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے اعتراضات کو دفع کرنے کے واسطے پتھر کے اندر حرکت عطا فرمادی۔ اور وہ ان کے کپڑے لے کر روانہ ہو گیا۔ اور بنی اسرائیل کے مجمع کے پاس آکر کھڑا ہوا حضرت موسیٰؑ اس کے پیچھے پیچھے تشریف لائے۔ ان کی قوم نے جب دیکھا کہ حضرت موسیٰؑ تو خوبصورت اور تندرست ہیں۔ تو کہنے لگے ما بموسیٰ من بأس کہ موسیٰؑ میں تو کوئی عیب نہیں ہے فطفق بالحجر ضربًا یہاں بھی کوئی اشکال نہیں اس لئے کہ اس سے ایسا فعل سرزد ہوا جو ذوالعقول سے صادر ہوتا ہے۔ چونکہ حضرت موسیٰؑ کو غصہ آرہا تھا۔ اس لئے انہوں نے اس کے ساتھ ذوی العقول والا معاملہ کیا۔ لکن لا غنی من برکتک یعنی میں نے حرصًا جمع نہیں کیا۔ بلکہ چونکہ یہ آپ کی برکت تھی۔ اور میں آپ کی برکت سے کسی حال مستغنی نہیں ہو سکتا۔ اس لئے میں اسے جمع کر رہا ہوں یہاں یہ بات یاد رکھو۔ صوفیہ کا قاعدہ ہے وہ فرماتے ہیں کہ اولاً تو کسی سے طمع نہ رکھو اور اگر کوئی شیئ بلا اشراف نفس آجائے تو اس کو قبول کرلے ورنہ وہ پھر کبھی نہیں آئے گی۔ اگر کوئی معترض ہو کر پتھر بے جان کو مارنا بیکار ہے تو کہا جائے گا۔ من تشبہ بقوم فهو منهم یعنی جب کوئی شیئ دوسرے کا لباس اور شباہت اختیار کرلیتی ہے۔ تو اس کا اثر بھی اس میں آجاتا ہے۔ تو پتھر نے کپڑے اٹھا کر بنو اسرائیل میں لاڈالے تو وہ مثل دابہ کے ہو گیا تو جیسے دابہ کو مارا جاتا ہے۔ اسی طرح اس کو بھی مارا گیا

باب التستر في الغسل عند الناس

ترجمہ، لوگوں کی موجودگی میں غسل میں پردہ کرنا چاہیئے۔

حدیث نمبر ۲۷۲ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْلَمَةَ الخ اَنَّهٗ سَمِعَ اُمَّ هَانِئٍ بِنْتَ اَبِيْ طَالِبٍ تَقُوْلُ ذَهَبْتُ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَامَ الْفَتْحِ فَوَجَدْتُهٗ يَغْتَسِلُ وَفَاطِمَةُ تَسْتُرُهٗ فَقَالَ مَنْ هٰذِهٖ فَقُلْتُ اَنَا اُمُّ هَانِئٍ ۔

ترجمہ، حضرت ام ہانی بنت ابی طالبؓ فرماتی ہیں کہ فتح مکہ کے سال میں جناب رسول اللہ صلعم کی خدمت میں حاضر ہوئی تو آپؐ غسل فرما رہے تھے۔ تو حضرت فاطمہؓ آپ کو پردہ کر رہی تھیں۔ آپؐ نے پوچھا یہ کون ہے میں نے عرض کی کہ میں ام ہانیؓ ہوں۔

تشریح از شیخ زکریا، حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ امام بخاریؒ نے باب سابق میں غسل خانہ میں رہ

کے ساتھ غسل کرنے کی فضیلت بیان کی تھی اور یہاں مجمع میں غسل کرنے میں تستر کا وجوب ثابت فرما رہے ہیں اور علامہ عینیؒ اور قسطلانیؒ نے حافظ کا اتباع کیا ہے۔ اور باب کی یہی غرض بیان کی ہے۔ میرے نزدیک یہ غرض نہیں اس لیے کہ جب تنہا غسل کرنے کے اندر تستر افضل ہے تو مجمع میں غسل کرنے میں تو تستر بدرجہ اولیٰ واجب ہوگا۔ لہٰذا میرے نزدیک باب کی غرض یہ ہے کہ اگر مجمع کے سامنے لنگی پہن کر غسل کرے تو صرف لنگی پہننے پر اکتفا نہ کرے بلکہ کچھ آڑ کرے دلیل یہ ہے کہ حضرت فاطمہؓ آڑ کئے ہوئے تھیں اور حضور اکرم صلعم غسل فرما رہے تھے ظاہر ہے کہ حضور اکرم صلعم لنگی ضرور باندھے ہوئے ہوں گے اور آڑ جو کی جا رہی تھی۔ وہ بقیہ بدن کی ہوگی۔ اگرچہ اس کا تستر ضروری نہیں۔

حدیث نمبر ۲۷۳ حَدَّثَنَا عَبْدَانُ الخ عَنْ مَيْمُوْنَةَ قَالَتْ سَتَرْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ يَغْتَسِلُ مِنَ الْجَنَابَةِ فَغَسَلَ يَدَيْهِ ثُمَّ صَبَّ بِيَمِيْنِهٖ عَلٰى شِمَالِهٖ فَغَسَلَ فَرْجَهٗ وَمَا اَصَابَهٗ ثُمَّ مَسَحَ بِيَدِهٖ عَلَى الْحَائِطِ اَوِ الْاَرْضِ ثُمَّ تَوَضَّأَ وُضُوْءَهٗ لِلصَّلٰوةِ غَيْرَ رِجْلَيْهِ ثُمَّ اَفَاضَ عَلٰى جَسَدِهِ الْمَاءَ ثُمَّ تَنَحّٰى فَغَسَلَ قَدَمَيْهِ الخ

ترجمہ، حضرت میمونہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے جناب رسول اللہ صلعم کو پردہ کیا جبکہ آپ جنابت سے غسل فرما رہے تھے۔ تو آپ نے سب سے پہلے دونوں ہاتھوں کو دھویا پھر اپنے دائیں ہاتھ سے بائیں ہاتھ پر پانی ڈالا جس سے شرمگاہ اور ہر اس جگہ کو دھویا جہاں منی پہنچی تھی۔ پھر اپنا ہاتھ دیوار یا زمین پر رگڑا بعدازاں نماز جیسا وضو فرمایا سوائے دونوں پاؤں کے پھر اپنے جسم پر پانی بہایا پھر الگ ہو کر دونوں پاؤں دھوئے۔

باب اِذَا احْتَلَمَتِ الْمَرْاَةُ۔

ترجمہ، جب عورت کو احتلام ہو جائے تو اس کا کیا حکم ہے۔

حدیث نمبر ۲۷۴ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوْسُفَ الخ عَنْ اُمِّ سَلَمَةَ اُمِّ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنَّهَا قَالَتْ جَاءَتْ اُمُّ سُلَيْمٍ امْرَاَةُ اَبِيْ طَلْحَةَ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَسْتَحْيِيْ مِنَ الْحَقِّ هَلْ عَلَى الْمَرْاَةِ مِنْ غُسْلٍ اِذَا هِيَ احْتَلَمَتْ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَعَمْ اِذَا رَاَتِ الْمَاءَ

ترجمہ، حضرت ام سلمہؓ ام المؤمنین فرماتی ہیں کہ حضرت ابو طلحہؓ صحابی کی بیوی حضرت ام سلیمہؓ جناب رسول اللہ صلعم کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ اور کہنے لگیں یا رسول اللہ اللہ تعالیٰ حق بات بیان کرنے سے نہیں رکتے کیا عورت کو جب احتلام آئے تو اس پر غسل واجب ہے۔ آنجناب رسول اللہ صلعم نے فرمایا ہاں جب کہ وہ پانی کو دیکھے۔

تشریح از شیخ زکریاؒ۔ فلاسفہ کی ایک جماعت تو انکار کرتی ہے کہ عورتوں کے اندر منی نہیں ہوتی اور فقہاء کی ایک جماعت کی رائے ہے کہ منی تو ہوتی ہے۔ مگر چونکہ رحم کا منہ اٹھا ہوا ہوتا ہے۔ اس لئے اس کو احتلام نہیں ہوتا اسی لئے میں نے کہا تھا کہ استقرار حمل اور شہوت پوری ہونے کے لئے ٹانگ اٹھا کر وطی کرنا بہتر ہے امام بخاریؒ نے اس باب سے یہ ثابت فرمایا کہ عورت کے بھی منی ہوتی ہے۔ اور اس کو احتلام بھی ہوتا ہے

باب عَرَقِ الْجُنُبِ وَاَنَّ الْمُسْلِمَ لَا يَنْجُسُ

ترجمہ، جنبی کے پسینے کا کیا حکم ہے اور مسلم نجس نہیں ہوتا کا کیا مطلب ہے۔

حدیث نمبر ۲۷۵ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ الخ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَقِيَهُ فِيْ بَعْضِ طَرِيْقِ الْمَدِيْنَةِ وَهُوَ جُنُبٌ فَانْخَنَسْتُ مِنْهُ فَذَهَبْتُ فَاغْتَسَلْتُ ثُمَّ جَاءَ فَقَالَ اَيْنَ كُنْتَ يَا اَبَا هُرَيْرَةَ قَالَ كُنْتُ جُنُبًا فَكَرِهْتُ اَنْ اُجَالِسَكَ وَاَنَا عَلٰى غَيْرِ طَهَارَةٍ قَالَ سُبْحَانَ اللّٰهِ اِنَّ الْمُؤْمِنَ لَا يَنْجُسُ۔

ترجمہ، حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ جناب نبی اکرم صلعم نے مدینہ کے بعض راستوں میں ان سے ملاقی ہوئے۔ جبکہ ابو ہریرہ جنبی تھے فرماتے ہیں کہ میں آپؐ سے کھسک گیا اور جا کر غسل کر لیا پھر آئے تو آپؐ نے پوچھا اے ابو ہریرہ تم کہاں چلے گئے تھے۔ کہا کہ میں جنبی تھا اور آپؐ کی خدمت میں بغیر طہارۃ کے بیٹھنے کو مکروہ سمجھا آپؐ تعجب کرتے ہوئے فرمایا سبحان اللہ مومن نجس نہیں ہوتا۔

تشریح از شیخ مدنیؒ اگر شبہ ہو کہ ترجمۃ الباب میں عرق الجنب کا لفظ ہے جو روایت میں نہیں ہے۔ تو کہا جائے گا کہ اس لئے تو مصنفؒ نے دوسرا ترجمہ رکھا اس کے رکھنے سے اس کا بھی اثبات ہو جاتا ہے کہ جنبی میں ایسی نجاست نہیں کہ جس کی وجہ سے مجالستہ اور معانقہ وغیرہ ممنوع ہو۔ تو اگر مصافحہ میں عرق لگ جائے تو پھر اس سے بھی نجس نہیں ہوتا۔ بلکہ مصافحہ بھی کر لینا چاہیئے۔ تو اب روایت

ترجمۃ الباب کے مطابق ہو جائے گی۔

تشریح از شیخ زکریاؒ۔ مقصد یہ ہے کہ عرق جنب طاہر ہے اس لئے کہ حضور اقدس صلعم نے جنبی ہونے کی حالت میں فرمایا تھا۔ ان المؤمن لا ینجس اس سے معلوم ہوا کہ کافر کا پسینہ ناپاک ہے۔ یہی بعض علماء کا مذہب ہے۔ لیکن جمہور طہارت کے قائل ہیں۔ اس لئے کہ کتابیہ سے نکاح کرنا جائز ہے جب نکاح ہوگا تو وطی میں پسینہ وغیرہ لگے گا۔ حالانکہ اس کے دھونے کا کہیں حکم نہیں فرمایا۔ تو یہاں سے امام بخاریؒ نے جمہور کی تائید کی ہے کہ جنبی نجاست حکمیہ کی وجہ سے ناپاک ہے۔ اگر اس کا پسینہ کپڑے کو لگ جائے تو جمہور کے نزدیک وہ پاک ہے۔ بعض ظاہریہ اور شوافع ناپاک کہتے ہیں۔

باب۔ اَلْجُنُبُ يَخْرُجُ وَ يَمْشِي فِي السُّوْقِ وَ غَيْرِهٖ وَ قَالَ عَطَاءٌ يَحْتَجِمُ الْجُنُبُ وَ يُقَلِّمُ اَظْفَارَهٗ وَ يَحْلِقُ رَاسَهٗ وَ اِنْ لَّمْ يَتَوَضَّأْ۔

ترجمہ، جنبی آدمی بازار وغیرہ میں نکلے چلے پھرے۔ اس کے لئے جائز ہے حضرت عطاؒ فرماتے ہیں کہ اگر جنبی پچھنے لگوائے، اپنے ناخن کٹوائے اور سر منڈوائے سب جائز ہے اگرچہ وضو نہ کرے۔

حدیث نمبر ۲۷۶ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْاَعْلٰى بْنُ حَمَّادٍ الخ عَنْ قَتَادَةَ اَنَّ اَنَسَ بْنَ مَالِكٍ حَدَّثَهُمْ اَنَّ نَبِيَّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَطُوْفُ عَلٰى نِسَائِهٖ فِي اللَّيْلَةِ الْوَاحِدَةِ وَ لَهٗ يَوْمَئِذٍ تِسْعُ نِسْوَةٍ۔

ترجمہ، حضرت قتادہؓ فرماتے ہیں کہ انہیں حضرت انس بن مالکؓ نے حدیث بیان کی کہ جناب نبی اکرم صلعم اپنی بیویوں سے ایک ہی رات میں ہم بستر ہوتے تھے، ان ایام میں آپ کی نو بیویاں تھیں۔

تشریح از شیخ مدنیؒ۔ فی السوق وغیرہ۔ غیرہ کا عطف السوق پر ہے تو مجرور ہوگا اور اگر مرفوع ہو تو فی غیر الخروج والمشی کے معنی ہوں گے۔ دو نو چیزیں حدیث سے ثابت ہوتی ہیں آپؐ کا طواف علی النسا کرنا بغسل واحد ثابت ہوا۔ اگرچہ یہاں بغسل واحد کی زیادتی نہیں ہے۔ مگر پہلی روایات سے معلوم ہو چکا ہے کہ بغسل واحد طواف ہوتا تھا۔ اور آپؐ سے حضرت ابوہریرہؓ کا راستے میں ملنا یہ مشی فی السوق ثابت کرتا ہے۔ کیونکہ یہ احتمال ہے کہ یہ طریق مدینہ سوق میں ہو جیساکہ بعض روایات میں ہے کہ آپؐ ان سے سوق میں ملے۔

تشریح از شیخ زکریاؒ۔ چونکہ بعض سلف میں اختلاف رہ چکا ہے۔ بعض صحابہ جب تک

غسل نہ کر لیتے گھر سے باہر نہیں نکلتے تھے۔ اس لئے اس پر امام بخاریؒ رد فرما رہے ہیں۔ وقال عطاء یحتجم الجنب چونکہ حضرت حسن بصریؒ سے نقل ہے کہ جنبی بحالت جنابت نہ تو حجامت کرائے اور نہ ناخن کترواتے اور نہ حلق راس کرے۔ بلکہ اگر کرنا ہو تو وضو کرے۔ اس لئے کہ اگر بحالت جنابت حلق راس کیا۔ تو یہ بال و ناخن وغیرہ جنبی ہوں گے۔ ان پر امام بخاری رح حضرت عطاء کے قول سے رد فرما رہے ہیں۔ کان یطوف علی نسائہ جب حضور اکرم صلعم ہر ایک سے ایک رات میں وطی کرتے تھے اور غسل بھی آخر میں ایک ہوتا۔ تو ظاہر ہے۔ کہ سب ایک جگہ تو ہوں گی نہیں بلکہ اپنے اپنے مکانوں میں ہوں گی۔ لہٰذا حضور اقدس صلعم کا بحالت جنابت گھر سے نکلنا اور چلنا ثابت ہو گیا۔

باب كَيْنُوْنَةِ الْجُنُبِ فِى الْبَيْتِ إِذَا تَوَضَّأَ قَبْلَ أَنْ يَغْتَسِلَ۔

ترجمہ۔ جنبی کا گھر میں ہونا جبکہ غسل کرنے سے پہلے وضو کرے۔

حدیث نمبر ۲۷۷ حَدَّثَنَا أَبُوْ نُعَيْمٍ الخ عَنْ أَبِىْ سَلَمَةَ قَالَ سَأَلْتُ عَائِشَةَ أَكَانَ النَّبِىُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَرْقُدُ وَهُوَ جُنُبٌ قَالَتْ نَعَمْ وَيَتَوَضَّأُ۔

ترجمہ۔ حضرت ابو سلمہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ رضؓ ام المومنین سے پوچھا کہ کیا جناب نبی اکرم صلعم جنابت کی حالت میں سویا کرتے تھے۔ انہوں نے جواب دیا کہ ہاں اور وضو فرما لیا کرتے تھے

تشریح از شیخ زکریاؒ چونکہ بعض روایات میں ہے ان الملائکۃ لا تدخل بیتا فیہ کلب ولا صورۃ ولا جنب یعنی اس گھر میں اللہ کی رحمت کے فرشتے نہیں آتے جس میں کتا۔ فوٹو اور جنبی ہو۔ اس لئے امام بخاریؒ نے رد فرمایا کہ جنبی کو کلب اور صورت کے مساوی کرنا صحیح نہیں۔ کیونکہ حضور اکرم صلعم کبھی اول شب میں قضاءً وطی فرماتے تھے۔ اور استراحت فرما کر غسل فرمایا کرتے تھے۔ اور کبھی اخیر شب میں اور وجہ تاویل یہ ہے کہ جنبی والی روایت اس صورت پر محمول ہے۔ جبکہ وہ اس حالت میں رہنے کا عادی ہو گیا ہو۔ یا اس وقت اسی حال میں نماز کا وقت گذر گیا ہو۔

باب نَوْمِ الْجُنُبِ۔

ترجمہ، جنبی کا نیند کرنا کیسا ہے۔

حدیث نمبر ۲۷۸ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيْدٍ الخ عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُ سَأَلَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَيَرْقُدُ أَحَدُنَا

هُوَ جُنُبٌ قَالَ نَعَمْ اِذَا تَوَضَّأَ اَحَدُكُمْ فَلْيَرْقُدْ وَ هُوَ جُنُبٌ۔

ترجمہ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ جناب حضرت عمر بن الخطابؓ نے آنحضرت رسول اللہ صلعم سے پوچھا کہ کیا ہم میں سے کوئی شخص جنابت کی حالت میں سو سکتا ہے آپؐ نے جواباً فرمایا کہ ہاں جبکہ ایک تمہارا وضو کرلے تو جنابت کی حالت میں نیند کر سکتا ہے۔

تشریح از شیخ زکریاؒ۔ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں۔ کہ بعض نسخ میں یہ ترجمہ ملتا ہے۔ لیکن اس کی ضرورت نہیں ہے۔ اس لئے کہ اس مسئلہ کے متعلق آگے ترجمہ آرہا ہے۔ اور اگر یہاں ثابت مان لیا جائے تو پھر کہا جائے گا کہ یہ ترجمہ مطلق ہے۔ اور اگلا ترجمہ مقید ہے۔ لہٰذا تکرار لازم نہ آیا۔ اور یہ ترجمہ بے محل بھی نہیں اس لئے کہ امام بخاریؒ اس باب سے ظاہر یہ پر رد فرما رہے ہیں جن کے نزدیک نوم سے پہلے توضی ضروری ہے۔ امام بخاریؒ جمہور کی تائید کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ توضی افضل ہے واجب نہیں اور اگر جنبی بغیر وضو کے سو جائے تو جائز ہے۔ اور نوم کا خاص طور سے ترجمہ اس لئے باندھا کہ بعض آیات و احادیث میں نوم کو اخوالموت قرار دیا گیا ہے تو یہ مناسب ہے کہ موت اچھی حالت میں آئے اسی طرح اولیٰ یہ ہے کہ نوم بھی اچھی حالت (باوضو) آئے لیکن اگر وضو نہ کرے تو بھی جائز ہے۔

باب اَلْجُنُبِ يَتَوَضَّأُ ثُمَّ يَنَامُ

ترجمہ۔ جنبی وضو کر کے پھر سوئے۔

حدیث نمبر ۲۷۹ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ الخ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَرَادَ اَنْ يَّنَامَ وَهُوَ جُنُبٌ غَسَلَ فَرْجَهٗ وَ تَوَضَّأَ لِلصَّلٰوةِ

ترجمہ، حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ وہ فرماتی ہیں کہ جناب نبی اکرم صلعم جب جنابت کی حالت میں سونے کا ارادہ کرتے تو شرمگاہ کو دھو کر نماز والا وضو فرماتے تھے۔ بحث گذر چکی ہے۔

حدیث نمبر ۲۸۰ حَدَّثَنَا مُوْسَى ابْنُ اِسْمَاعِيْلَ الخ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ اسْتَفْتٰى عُمَرُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَيَنَامُ اَحَدُنَا وَ هُوَ جُنُبٌ قَالَ نَعَمْ اِذَا تَوَضَّأَ

ترجمہ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے جناب نبی اکرم صلعم سے فتویٰ پوچھا کہ کیا کوئی شخص جنابت کی حالت میں نیند کر سکتا ہے۔ فرمایا ہاں سو سکتا ہے جبکہ وضو کرے۔

حدیث نمبر ۲۸۱ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوْسُفَ الخ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ اَنَّهٗ قَالَ

ذَكَرَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ تُصِيْبُهُ الْجَنَابَةُ مِنَ اللَّيْلِ فَقَالَ لَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَوَضَّأْ وَاغْسِلْ ذَكَرَكَ ثُمَّ نَمْ ۔

ترجمہ، حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ جناب میرے والد عمر بن خطابؓ نے جناب رسول اللہ صلعم سے ذکر کیا کہ رات کے وقت ان کو جنابت لاحق ہوئی۔ تو حضور اکرم رسول اللہ صلعم نے ان سے فرمایا وضو کرو، شرمگاہ کو دھوؤ پھر سو جاؤ۔ بحث گذر چکی کہ اہل ظواہر کے نزدیک وضو واجب ہے جمہور کے نزدیک مستحب ہے

باب اِذَا الْتَقَى الْخِتَانَانِ ۔

ترجمہ، جب دونوں شرمگاہیں مل جائیں تو کیا حکم ہے۔

حدیث نمبر ۲۸۲ حَدَّثَنَا مُعَاذُ بْنُ فُضَالَةَ الخ عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِىِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا جَلَسَ بَيْنَ شُعَبِهَا الْاَرْبَعِ ثُمَّ جَهَدَهَا فَقَدْ وَجَبَ الْغُسْلُ الخ قَالَ اَبُوْعَبْدِ اللّٰهِ هٰذَا اَجْوَدُ وَاَوْكَدُ وَاِنَّمَا بَيَّنَّا الْحَدِيْثَ الْاٰخَرَ لِاخْتِلَافِهِمْ وَالْغُسْلُ اَحْوَطُ (الحدیث)

ترجمہ، حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ جب کوئی شخص اپنی بیوی کی چار شاخوں کے درمیان بیٹھے پھر ایلاج میں پوری کوشش کرے تو اس پر غسل واجب ہے امام بخاریؒ فرماتے ہیں یہ حکم بہت اچھا اور پکا ہے کہ غسل میں زیادہ احتیاط ہے۔

تشریح از شیخ زکریا۔ ختان کا اطلاق تغلیباً ہے۔ چونکہ عرب میں عورتوں کے ختنہ کا بھی دستور تھا اس لئے ختان سے تعبیر کیا التقاء ختانین کنایہ ہے۔ دخول حشفہ اور ایلاج سے سلف صحابہ میں اختلاف رہا ہے۔ انصار کی ایک بڑی جماعت الماء من الماء کہتی تھی کہ غسل منی کے نکلنے سے ہے اور یہی ظاہر یہ کی رائے ہے اور بعض نے اس کو بخاری کی طرف منسوب کر دیا ہے۔ اور اکثر مہاجرین اکسال بدون الانزال سے بھی وجوب غسل کے قائل تھے اور اب یہی ائمہ اربعہ کا مذہب ہے اور یہی حدیث باب ان کا مستدل ہے اور الماء من الماء کا جواب امام نسائیؒ نے یہ دیا کہ وہ احتلام پر محمول ہے اور ابوداؤد کی روایت میں یہ ہے کہ الماء من الماء۔ اوّل اسلام تھا اب منسوخ ہو گیا ہے۔ اب اسی پر اجماع ہے

اذا جلس بین شعبہا الاربع اس سے کیا مراد ہے ایک یہ کہ فرج کے شعب اربع مراد ہیں حقیقتاً تو وہاں شعب اربعہ نہیں ہیں کیونکہ وہ تو ایک لمبوتری شکل ہے بلکہ مجازاً شعب اربعہ کہہ دیا۔ گویا کہ

جانبین میں شعب مان لئے گئے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ دونو ہاتھ اور دونو پیر مراد ہیں اور تیسرا قول یہ ہے کہ دونو ٹانگیں اور دونو سرین مراد ہیں۔ اس لئے کہ جب وطی کرے گا تو ان دونوں کے درمیان ہوگا۔ اور میرے والد صاحب کی بھی یہی رائے ہے۔ مگر وہ فرماتے ہیں کہ جب ٹانگیں اٹھا کر وطی کرے گا۔ تو اس وقت دونو سرین نیچے اور دونو پیر اوپر ہوں گے اور وہ ان کے درمیان ہوگا۔ یہاں یہ بات سمجھو کہ حضور اقدس صلعم نے چھوٹے چھوٹے فقروں میں بہت بڑے بڑے دنیا و آخرت کے مسائل حل فرما دیئے۔ خود دیکھ لو اس حدیث سے جہاں حکم شرعی معلوم ہوگیا تھا وہیں یہ بھی معلوم ہوگیا کہ وطی کا کیا طریقہ ہے۔ اور یہ طریقہ طبی طور سے بھی اولیٰ ہے۔ اور معاشرتی طور سے بھی۔ طبی طور سے تو اس طرح کہ وطی کرنے میں جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ رحم کا منہ منکوس ہوتا ہے یعنی الٹا ہوتا ہے۔ تو منہ شرمگاہ کے سامنے آجاتا ہے۔ اور پوری منی اندر چلی جاتی ہے۔ اضاعت منی نہیں ہوتی اور استقرار حمل کے اندر معین ہوگی اور معاشرتی یہ کہ لذت زیادہ آئے گی

باب غَسْلِ مَا يُصِيبُ مِنْ فَرْجِ الْمَرْأَةِ۔

ترجمہ، عورت کی شرمگاہ سے جو رطوبت مرد کو لگ جائے اس کا کیا حکم ہے۔

حدیث نمبر ۲۸۳ حَدَّثَنَا أَبُو مَعْمَرٍ الخ أَنَّهُ سَأَلَ عُثْمَانَ بْنَ عَفَّانَ فَقَالَ أَرَأَيْتَ إِذَا جَامَعَ الرَّجُلُ امْرَأَتَهُ فَلَمْ يُمْنِ قَالَ عُثْمَانُ يَتَوَضَّأُ لِلصَّلٰوةِ وَيَغْسِلُ ذَكَرَهُ وَقَالَ عُثْمَانُ سَمِعْتُهُ مِنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَأَلْتُ عَنْ ذٰلِكَ عَلِيَّ ابْنَ أَبِي طَالِبٍ وَّالزُّبَيْرَ بْنَ الْعَوَّامِ وَطَلْحَةَ بْنَ عُبَيْدِ اللّٰهِ وَأُبَيَّ بْنَ كَعْبٍ فَأَمَرُوْهُ بِذٰلِكَ۔

ترجمہ، حضرت زید بن خالد جہنی رضؓ نے حضرت عثمان بن عفان سے پوچھا کہ فرمایئے جب آدمی اپنی بیوی سے جماع کرے اور اُسے منی نہ آئے۔ تو حضرت عثمان رضؓ نے فرمایا کہ نماز جیسا وضو کرے۔ اور اپنی شرمگاہ کو دھولے حضرت عثمان رضؓ فرماتے ہیں کہ یہ حکم میں نے جناب رسول اللہ صلعم سے سنا تھا۔ حضرت زیدؓ فرماتے ہیں کہ یہ مسئلہ میں نے حضرت علی بن ابی طالبؓ اور زبیر بن العوام طلحہ بن عبیداللہ اور ابی بن کعب رضؓ سے پوچھا تو انھوں نے بھی اسی کا حکم دیا۔ اور ابو ایوب سے بھی یہی مروی ہے۔

تشریح از شیخ زکریاؒ میں باب غسل المنی دفرکہ میں بیان کرچکا ہوں کہ وہاں میرے نزدیک غسل مایصیب من فرج المرأۃ سے اس منی کا غسل مراد ہے جو عورت سے مرد کو لگ جائے۔ اور یہاں پر غسل رطوبت فرج المرأۃ مراد ہے۔ رطوبت فرج میں حنفیہ حنابلہ اور شافعیہ کے دو قول ہیں ایک

طہارت کا دوسرا نجاست کا۔ اور مالکیہ کا قول واحد ہے کہ نجس ہے۔

حدیث نمبر ۲۸۴ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ الخ اَخْبَرَنِیْ اُبَیُّ بْنُ کَعْبٍ اَنَّہٗ قَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اِذَا جَامَعَ الرَّجُلُ الْمَرْاَۃَ فَلَمْ یُنْزِلْ قَالَ یَغْسِلُ مَا مَسَّ الْمَرْاَۃَ مِنْہُ ثُمَّ یَتَوَضَّاُ وَیُصَلِّیْ قَالَ اَبُوْ عَبْدِ اللّٰہِ اَلْغُسْلُ اَحْوَطُ وَ ذٰلِکَ الْاٰخِرُ اِنَّمَا بَیَّنَّاہُ لِاخْتِلَافِہِمْ وَالْمَآءُ اَنْقٰی (الحدیث)

ترجمہ، حضرت ابی بن کعبؓ نے فرمایا یا رسول اللہ جب آدمی اپنی بیوی سے جماع کرے مگر انزال نہیں ہوا۔ تو آپؐ نے فرمایا کہ عورت کو مرد کی طرف سے جو کچھ لگ جائے اسے دھو دے پھر وضو کرے اور نماز پڑھے۔ امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ غسل میں زیادہ احتیاط ہے۔ اور یہ آخری قول ہے ہم نے اس کو اس لئے بیان کیا کہ اس میں اختلاف ہے۔ بہرحال پانی زیادہ صاف کرنے والا ہے۔

الغسل احوط اس میں اختلاف ہے کہ امام بخاریؒ موجبین غسل یا لاکسال بدون الانزال میں ہیں۔ یا الماء من الماء کے قائل ہیں بعض کہتے ہیں کہ الغسل احوط سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ امام بخاری وجوب غسل کے قائل نہیں ہیں بلکہ ظاہریہ کے ساتھ ہیں اور بعض کہتے ہیں الغسل احوط کہنے کا مطلب یہ ہے کہ روایات مختلف ہیں۔ لہٰذا احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ غسل فرض اور ضروری ہے۔ اور یہی میری رائے ہے۔ اس روایت میں ایک لفظ ہے یغسل ذکرہ اس سے معلوم ہوا مایصیب من فرج المرأۃ ناپاک ہے۔ جبھی تو غسل کا حکم دیا جا رہا ہے۔ لہٰذا اس سے شوافع پر رد ہوگیا۔ وذالک الآخر اس لفظ سے میرے نزدیک موت کی طرف اشارہ ہے اور حافظ ابن حجرؒ کے نزدیک اختتام باب کی طرف اشارہ ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کتاب الحیض

وَقَوْلِ اللّٰہِ تَعَالیٰ وَیَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الْمَحِیْضِ قُلْ ھُوَ اَذًی فَاعْتَزِلُوْا النِّسَآءَ فِی الْمَحِیْضِ وَلَا تَقْرَبُوْھُنَّ حَتّٰی یَطْھُرْنَ فَاِذَا تَطَھَّرْنَ فَاْتُوْھُنَّ مِنْ حَیْثُ اَمَرَکُمُ اللّٰہُ اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ التَّوَّابِیْنَ وَیُحِبُّ الْمُتَطَھِّرِیْنَ ۔

ترجمہ، یہ کتاب حیض کے مسائل کے بارے میں ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وہ آپ سے حیض کے متعلق پوچھتے ہیں آپ فرما دیں وہ "تکلیف دہ چیز ہے۔ اس لئے ایامِ حیض میں عورتوں سے الگ تھلگ رہو اور جب تک پاک نہ ہو جائیں ان کے قریب نہ جاؤ۔ پھر جب وہ خوب پاک ہو جائیں تو اس مقام سے ہمبستری کرو جہاں سے اللہ تعالیٰ نے تمہیں حکم دیا ہے اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والے اور طہارت والوں کو پسند کرتا ہے

باب کَیْفَ کَانَ بَدْءُ الْحَیْضِ وَقَوْلِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ھٰذَا شَیْءٌ کَتَبَہُ اللّٰہُ عَلٰی بَنَاتِ اٰدَمَ وَقَالَ بَعْضُھُمْ کَانَ اَوَّلُ مَا اُرْسِلَ الْحَیْضُ عَلٰی بَنِیْ اِسْرَآئِیْلَ قَالَ اَبُوْ عَبْدِ اللّٰہِ وَحَدِیْثُ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَکْثَرُ ۔

ترجمہ، حیض کی ابتداء کیسے ہوئی۔ جناب نبی اکرم صلعم کا فرمان تو یہ ہے کہ یہ وہ چیز ہے جو اللہ تعالیٰ نے بنو آدم پر لکھ دی ہے اور بعض نے کہا کہ پہلے پہل حیض بنی اسرائیل پر بھیجا گیا۔ امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ حدیث النبی صلعم اکبر ہے۔

حدیث نمبر ۲۸۵ حَدَّثَنَا عَلِیُّ بْنُ عَبْدِ اللّٰہِ الخ یَقُوْلُ سَمِعْتُ عَآئِشَۃَ تَقُوْلُ خَرَجْنَا لَا نَرٰی اِلَّا الْحَجَّ فَلَمَّا کُنَّا بِسَرِفَ حِضْتُ فَدَخَلَ عَلَیَّ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَاَنَا اَبْکِیْ فَقَالَ مَا لَکِ اَنُفِسْتِ قُلْتُ نَعَمْ قَالَ اِنَّ ھٰذَا اَمْرٌ کَتَبَہُ اللّٰہُ عَلٰی بَنَاتِ اٰدَمَ فَاقْضِیْ مَا یَقْضِی الْحَاجُّ غَیْرَ اَنْ لَّا تَطُوْفِیْ بِالْبَیْتِ قَالَتْ وَضَحّٰی رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَنْ نِّسَآئِہٖ بِالْبَقَرِ (الحدیث)

ترجمہ، حضرت قاسم فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی فرماتی ہیں کہ ہم مدینہ سے نکلے تو حج کے سوا ہم اور کچھ نہیں سمجھتے تھے۔ پس جب ہم مقام سرف تک پہنچے تو میں حائضہ ہو گئی۔ جناب رسول اللہ صلعم میرے

پاس تشریف لائے تو میں رو رہی تھی۔ آپ نے پوچھا تجھے کیا ہو گیا کیا حیض آ گیا۔ میں نے کہا ہاں! آپ نے فرمایا یہ وہ حکم ہے جو اللہ تعالیٰ نے آدم کی بیٹیوں پر لکھ دیا ہے۔ یعنی جو کچھ مناسک حاجی ادا کرتا ہے آپ بھی وہی سرانجام دیں مگر بیت اللہ کا طواف نہ کریں۔ حضرت عائشہ رضہ فرماتی ہیں کہ جناب رسول اللہ صلعم نے گائے کی اپنی بیویوں کی طرف سے قربانی کی۔

تشریح از شیخ مدنیؒ۔ وما قال ما ارسل الحیض علی بنی اسرائیل یہ روایت مصنف عبدالرزاق میں ہے کہ اولاً عورتیں مردوں کے ساتھ مساجد میں آیا کرتی تھیں مرد جب سجدے میں جاتے تو یہ بیٹھ کر ان کی شرمگاہوں کو دیکھتی تھیں۔ اس تعدی کی وجہ سے ان پر حیض بھیجا گیا۔ اس لئے حضرت عائشہ رض فرماتی ہیں کہ اگر آپ کو عورتوں کا فتنہ معلوم ہو جاتا تو بنی اسرائیل کی طرح مساجد سے روک دی جاتیں۔ اور آپ کے قول ھذا شیئ کتبہ اللہ علی بنات آدم سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بنو اسرائیل کی عورتوں کی خصوصیت نہیں تھی۔ بلکہ عام بنات آدم کا ابتلا ہے تو امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ آپ کا قول اکبر ہے یا اکثر ہے مقصد یہ ہے کہ یہ چیز اکثر عورتوں کو پیش آیا کرتی ہے۔ بنو اسرائیل کی عورتوں اور ان کی غیر کو قول نبی کریم شامل ہے تو دونوں روایات میں مطابقت ہو گئی اور دوسری توجیہ ہے کہ کلام رسول قبولیت اور قوت کے اعتبار سے غیر رسول کے کلام سے اکبر ہے یعنی اجل و اعظم ثبوتاً ہے اس لئے اس کا اعتبار ہو گا۔

تشریح از شیخ زکریاؒ۔ حیض کے معنی تو جمع اور سیلان کے ہیں۔ خذ ھوا ذی ای الدم الخارج فی الحیض لا تقربوھن یہ لفظ ہر قسم کے قربان کی نہی کو شامل ہے۔ اپنے عموم کی وجہ سے اس لئے امام بخاریؒ کو جہاں جہاں استثنا ملے گا۔ وہاں وہاں ان مقامات کو اس عموم سے خاص کرتے رہیں گے۔ اور ان پر ابواب باندھتے رہیں گے۔ امام بخاریؒ نے کتاب الحیض کو اس آیت سے اس لئے شروع فرمایا کہ یہ آیت احکام حیض کو جامع ہے اور نیز ابتدا حکم حیض کی آیت ہے۔ اس لئے امام بخاریؒ نے اس کو شمول اور دلالۃ علی الابتداء کی بنا پر اس آیت سے باب کو شروع فرمایا۔ اور کتاب منعقد کرنے کے اندر صرف حیض کی کتاب باندھی۔ استحاضہ اور نفاس کو بھی اس کے اندر ذکر فرمایا۔ شراح کی رائے یہ ہے کہ چونکہ ابواب حیض ہی اکثر تھے۔ اس اکثریت کی بنا پر حیض کو ذکر فرمایا۔ اور باقی تابع ہو گئے اور میرے نزدیک اس کی وجہ یہ ہے کہ اصل تو حیض ہی ہے۔ استحاضہ اور نفاس کوئی مستقل نہیں استحاضہ کیا ہے بگڑا ہوا حیض اسی لئے لفظ استحاضہ میں اختلاف ہے کہ اس میں معنی انقلاب پائے جاتے ہیں

کہ حیض سے استحاضہ ہو گیا۔ یا کثرت کی رعایت ہے کہ مدت حیض سے زائد ہو گیا۔ اور نفاس کیا ہے وہ بھی حیض ہی کا خون ہے جو ایام حمل میں رحم میں جمع ہوتا رہا۔ چونکہ ایام حمل میں حیض نہیں آتا اس لئے کہ وہ خون بچے کی غذا بنتا ہے۔ اور جو بچ جاتا ہے وہ جمع ہوتا رہتا ہے۔ اور ولادت کے بعد نکلتا ہے چونکہ وہ خون بچے کی غذا بنتا ہے۔ اسی لئے صوفیا فرماتے ہیں کہ انسان کیا تکبر کرے اور کیا نخوت کرے باپ کی میانی سے نکل کر ماں کی میانی میں آگیا۔ اور خون کھاتا رہا۔ اور پھر بعد میں میانی ہی سے نکلا تو وہ کس بات پر تکبر کرتا ہے۔

باب کیف بدءُ لہٗ یہ تیسرا باب ہے جو کیف کان سے شروع ہوا ہے۔ امام بخاریؒ کا مقصد اس باب سے کیا ہے۔ وہ ان کے ترجمہ سے ظاہر ہے کہ بدایۃ حیض کی کیفیت بیان کرنا چاہتے ہیں کہ کب ابتدا ہوئی اور میں یہ بھی کہہ سکتا ہوں کہ چونکہ اس میں اختلاف ہے کہ بدؤ الحیض کا کیا سبب ہوا۔ تو ممکن ہے امام بخاریؒ نے اس اختلاف کی طرف اشارہ فرما دیا۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ بداۃ حیض کی وجہ یہ ہے کہ وہ بچہ کی غذا بنتا ہے۔ اس لئے اس کی ابتدا ہوئی۔ تاکہ وہ ایام حمل میں اس کو کھائے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ بنو اسرائیل کے زمانہ سے ابتدا ہوئی۔ ان کے زمانے میں دستور تھا کہ مرد و عورت ساتھ ساتھ نماز پڑھا کرتے تھے۔ عورتیں پیچھے کھڑی ہوا کرتی تھیں اور مرد جب سجدے میں چلے جاتے تھے تو یہ بیٹھی رہتی تھیں۔ اور ان کو جھانک جھانک کر دیکھا کرتی تھیں۔ اس لئے اس کی سزا میں ان پر یہ حیض مسلط کر دی گئی۔ تیسرا قول یہ ہے کہ حضرت حوا علیہا السلام سے ہی اس کی ابتدا ہوئی۔ چونکہ حضور اکرم صلعم فرماتے ہیں کہ ھذا شیءٌ کتبہ اللہ علی بنات آدم اور امام بخاریؒ نے بنو اسرائیل والا قول نقل کر کے اس پر قول النبی کو ترجیح دی۔ اور فرمایا کہ قول النبی اکثرا و اکبر مطلب یہ ہے حدیث النبی اکبر قوۃً یا مطلب یہ ہے کہ حدیث النبی اکثر شمولاً اور علماء موجہین فرماتے ہیں کہ دونوں میں کوئی تعارض نہیں۔ ابتداء تو حضرت حوا سے ہے اور شدت بنو اسرائیل کے زمانہ میں ہوئی۔ ان کی شرارتوں کی بنا پر امام بخاریؒ نے خدائی امر کی شرح فرما دی غیر ان لا تطوفی بالبیت اس لئے کہ طواف مسجد حرام میں ہوتا ہے اور حائض کا مسجد جانا جائز نہیں۔ وان الطواف بالبیت صلوٰۃ والحائض ممنوعۃ عن الصلوٰۃ فکذا عن الطواف۔ وضحیٰ رسول اللہ صلعم چونکہ ازواج مطہرات احرام کھول کر متمتع ہو گئی تھیں اس لئے دم تمتع ایک گائے ذبح فرمائی۔

باب غَسْلِ الْحَائِضِ رَأْسَ زَوْجِهَا وَ تَرْجِيْلِهٖ ۔

ترجمہ، حائضہ عورت کا اپنے شوہر کے سر کو دھونا اور اس کا کنگھا کرنا۔

حدیث نمبر ۲۸۶ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوْسُفَ الخ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كُنْتُ اُرَجِّلُ رَأْسَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَنَا حَائِضٌ ۔

ترجمہ، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے وہ فرماتی ہیں کہ میں حیض کی حالت میں جناب رسول اللہ صلعم کے سر مبارک کو کنگھا کیا کرتی تھی۔

تشریح از شیخ زکریاؒ۔ لا تقربوھن سے ہر قسم کے قربان کی ممانعت معلوم ہوتی تھی تو جو جو استثنارت احادیث میں وارد ہوئے ہیں امام بخاریؒ ان کو ذکر فرمائیں گے جن میں قربان ثابت ہے ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ عورت شوہر کے سر کو بحالت حیض دھو سکتی ہے اور کنگھی کر سکتی ہے اشکال یہ ہے کہ روایت میں صرف ترجیل کا ذکر ہے غسل الراس کا کہیں ذکر نہیں۔ تو عامہ شراح حدیث فرماتے ہیں کہ عموماً غسل راس کے بعد ہی ترجیل ہوا کرتی ہے اس لئے اس کو قیاساً ثابت کیا۔ مگر میری رائے یہ ہے کہ آگے روایت آرہی ہے اس کے اندر غسل سر کا ذکر بھی ہے۔ تو دوسرے جزء سے اس کی طرف اشارہ فرما دیا، ترجیل اور دوسرے خدمات میں کوئی فرق نہیں۔

حدیث نمبر ۲۸۷ حَدَّثَنَا اِبْرَاهِيْمُ بْنُ مُوْسٰى الخ عَنْ عُرْوَةَ اَنَّهٗ سُئِلَ اَتَخْدُمُنِي الْحَائِضُ اَوْ تَدْنُوْا مِنِّي الْمَرْاَةُ وَهِيَ جُنُبٌ فَقَالَ عُرْوَةُ كُلُّ ذٰلِكَ عَلَيَّ هَيِّنٌ وَكُلُّ ذٰلِكَ تَخْدُمُنِي وَلَيْسَ عَلٰى اَحَدٍ فِيْ ذٰلِكَ بَاْسٌ اَخْبَرَتْنِيْ عَائِشَةُ اَنَّهَا كَانَتْ تُرَجِّلُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهِيَ حَائِضٌ وَّرَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِيْنَئِذٍ مُجَاوِرٌ فِي الْمَسْجِدِ يُدْنِيْ لَهَا رَاْسَهٗ وَهِيَ فِيْ حُجْرَتِهَا فَتُرَجِّلُهٗ وَهِيَ حَائِضٌ ۔

ترجمہ، حضرت عروۃ بن مسعود سے پوچھا گیا کہ کیا حائضہ عورت میری خدمت کر سکتی ہے یا جنابت کی حالت میں میرے قریب ہو سکتی ہے تو حضرت عروۃؓ نے فرمایا کہ ان میں ہر ایک چیز میرے اوپر آسان ہے اور ہر ایک میری خدمت کر سکتی ہے۔ ان میں سے کسی پر کوئی تنگی نہیں ہے۔ کیونکہ میری خالہ حضرت عائشہ رضہ نے مجھے خبر دی کہ وہ جناب رسول اللہ صلعم کو کنگھا کیا کرتی تھیں جبکہ وہ حائضہ ہوتی تھیں۔ اور جناب رسول اللہ صلعم اس وقت مسجد میں معتکف ہوتے تھے تو اپنا سر مبارک حضرت عائشہ رضہ کے قریب کر دیتے تھے جبکہ حضرت

عائشہ رض اپنے حجرہ میں ہوا کرتی تھیں تو حضور اقدس صلعم کو حالت حیض میں کنگھا کرتی تھیں۔

باب قِرَاءَةِ الرَّجُلِ فِي حَجْرِ امْرَأَتِهِ وَهِيَ حَائِضٌ وَكَانَ أَبُو وَائِلٍ يُرْسِلُ خَادِمَهُ وَهِيَ حَائِضٌ إِلَى أَبِي رَزِينٍ فَتَأْتِيهِ بِالْمُصْحَفِ فَتُمْسِكُهُ بِعِلَاقَتِهِ۔

ترجمہ، آدمی کا اپنی بیوی کی گود میں قرآن پڑھنا جبکہ وہ حالتِ حیض میں ہو حضرت ابووائل تابعی اپنی خادمہ جو حائضہ ہوتی تھی اس کو حضرت ابی رزین کے پاس بھیجتے تھے تاکہ وہ ان سے قرآن مجید لاوے چنانچہ وہ اس کو غلاف سے پکڑتی تھی۔

حدیث نمبر ۲۸۸ حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ الخ أَنَّ عَائِشَةَ حَدَّثَتْهَا أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَتَّكِئُ فِي حَجْرِي وَأَنَا حَائِضٌ ثُمَّ يَقْرَأُ الْقُرْآنَ۔ (الحدیث)

ترجمہ، حضرت عائشہ رض حدیث بیان کرتی ہیں کہ جناب نبی اکرم صلعم ان کی گود میں سہارا لیتے تھے جبکہ وہ حائضہ ہوتی تھی اور قرآن پڑھتے تھے۔

تشریح ازشیخ مدنی رح: وکان ابو وائل الخ اس اثر سے قرأۃ قرآن کے ساتھ مناسبت معلوم نہیں ہوتی۔ غالباً مصنف رح کا مقصد یہ ہے کہ جیسے حائضہ کے لئے مس قرآن بعلاقۃ جائز ہے ایسے اس کے لئے قرأۃ قرآن بھی جائز ہے۔ مگر یہ جمہور یہ کے مسلک کے خلاف ہے۔ کیونکہ وہ حائضہ اور جنبی دونوں کو قرأۃ قرآن کی اجازت نہیں دیتے۔ اور ابورزین کا فعل جمہور پر حجۃ نہیں اس لئے کہ وہ تابعی ہیں جبکہ وہ کوئی مرفوع حدیث بیان نہیں کرتے۔ مصنف رح کے نزدیک حائضہ کے لئے مس مصحف بعلاقۃ جائز ہے۔ جمہور حمل کو بھی ناجائز کہتے ہیں کیونکہ وہ مخل بالتعظیم ہے ہمارا الیٰ انکار حمل نہیں ہے

تشریح ازشیخ زکریا رح: شراح کی رائے یہ ہے کہ مسئلہ یہ بتلانا ہے کہ حائض خود تو قرآن نہیں پڑھ سکتی۔ اب اگر کوئی اس کی گود میں بیٹھ کر پڑھے تو جائز ہے یا نہیں امام بخاری رح نے بتلا دیا کہ جائز ہے اور میرے نزدیک ایک اور اختلافی مسئلہ کی طرف اشارہ فرمایا ہے وہ یہ ہے کہ حائض جزدان کے ساتھ قرآن اٹھا سکتی ہے یا نہیں حنفیہ اور حنابلہ کے نزدیک اٹھا سکتی ہے۔ اور مالکیہ اور شافعیہ کے نزدیک نہیں اٹھا سکتی تو امام بخاری رح نے اس مسئلہ کو ثابت کر دیا اور احناف کے مسلک کی تائید کی۔ نیز رسل خادمہ الخ سے بھی میری بات کی تائید ہوتی ہے۔

باب مَنْ سَمَّى النِّفَاسَ حَيْضًا۔

ترجمہ، اس شخص کے بارے میں جو نفاس کو حیض نام دیتا ہے۔

حدیث نمبر ۲۸۹ حَدَّثَنَا الْمَكِّيُّ بْنُ إِبْرَاهِيمَ الخ اَنَّ اُمَّ سَلَمَةَ حَدَّثَتْهَا قَالَتْ بَيْنَا اَنَا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُضْطَجِعَةٌ فِيْ خَمِيْصَةٍ اِذْ حِضْتُ فَانْسَلَلْتُ فَاَخَذْتُ ثِيَابَ حِيْضَتِيْ فَقَالَ اَنُفِسْتِ قُلْتُ نَعَمْ فَدَعَانِيْ فَاضْطَجَعْتُ مَعَهُ فِي الْخَمِيْلَةِ

ترجمہ، حضرت ام سلمہؓ بیان فرماتی ہیں کہ میں جناب نبی اکرم صلعم کے ساتھ ایک گرم منقش چادر کے اندر لیٹی ہوئی تھی کہ مجھے حیض آگیا۔ میں جلدی کھسک گئی اور اپنے حیض کے کپڑے لے کر پہن لئے آپؐ نے فرمایا کہ تجھے حیض آگیا۔ میں نے ہاں میں جواب دیا۔ آپؐ نے مجھے بلایا تو میں آپؐ کے ساتھ اس منقش چادر کے اندر لیٹ گئی۔

تشریح از شیخ مدنیؒ۔ سمی کا تعدیہ دو مفعولوں کی طرف ہوتا ہے۔ مفعول ثانی عارضی ہوتا ہے اور مفعول اوّل اصل ہوتا ہے۔ مگر روایت میں اس کے برعکس ہے کہ وہاں حیض کا نام نفاس رکھا گیا ہے۔ کیونکہ سمّی النفاس حیض کی بجائے سمّی الحیض نفاسًا کہنا چاہیئے تھا۔ اصل مسئلہ تو یہاں یہی ہے کہ حالتِ حیض میں جیسے دخول مسجد۔ مس مصحف وغیرہ ممنوع ہیں ایسے نفاس کی حالت میں بھی۔ مگر چونکہ وہ روایات جو نفاس کا حکم تبلاتی ہیں، وہ مصنفؒ کی شرط کے مطابق نہیں تھیں۔ اس لئے اس کو نہیں لیا۔ تو من سمی النفاس حیضًا۔ بعض نے کہا کہ کاتب کی غلطی ہے کہ اس نے قلب کر دیا۔ دوسری توجیہ یہ ہے کہ سمی بمعنی اطلق کے ہے۔ تیسری توجیہ یہ ہے کہ مصنفؒ نے صفتِ قلب کو اختیار کیا ہے جو کہ بلاغت کی صنائع میں سے ہے کما طینت بالفدن (محل) الصیاع (گارا) یہ صفت قلب کسی خاص فائدہ کی غرض سے اختیار کی جاتی ہے۔ مثلاً جس شخص کی آستین یا جیب لمبی ہو تو کہا جاتا ہے کہ جیب اور آستین میں کرتہ سیا ہے۔ یہ قلب اس امر کو تبلانے کے لئے ہے کہ جیب تمہاری بہت بڑی ہے اور کرتہ چھوٹا ہے۔ ایسے یہاں شعر میں بھی کیا کہ گارا اتنا زیادہ لگایا گیا۔ کہ کہا جا سکتا ہے کہ گارے میں قصر لگا دیا اسی کو اپنی اونٹنی کے لئے کہنا چاہتا ہے۔ تو یہاں بھی تبلانا ہے کہ اگرچہ عرف عام میں اس حالت کو حیض کہا جاتا ہے۔ مگر اس کے اصل قرار نہیں دیا گیا۔ بلکہ آپؐ کا تسمیہ اصل ہے۔ اس لئے اس نکتہ لطیفہ کی وجہ سے یہاں قلب واقع ہوا۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ انبیاء لغات کو بتلانے کے لئے مبعوث نہیں ہوتے

بلکہ الا بلسان قومہ مبعوث ہوتے ہیں تو مصنفؒ کا مقصد یہ ہے۔ کہ آپؐ کے اطلاق کو مجاز پر محمول کر کے ٹالا نہ جائے۔

تشریح از شیخ زکریاؒ یہاں اشکال یہ ہے کہ روایت سے تو تسمیۃ النفاس با لحیض ثابت نہیں ہو رہا۔ بلکہ روایت سے تو تسمیۃ الحیض بالنفاس ثابت ہوتا ہے۔ بعض علماء نے اس کا جواب دیا ہے کہ ترجمہ مقلوب ہے اصل میں من سمّی الحیض نفاسًا اور بعض علماء نے جواب دیا کہ سمّی اطلق کے معنی میں ہے اور مطلب یہ ہے کہ من اطلق النفاس علی الحیض اور میرے نزدیک راجح یہ ہے کہ امام بخاریؒ نے روایت کے الفاظ کو باب میں الٹ دیا۔ دونوں کو احکام میں تلازم ثابت کرنے کے لئے کہ دونوں کے احکام ایک ہیں۔ الا ما خص مثلاً مدت حیض دس دن تک ہے اور مدتِ نفاس چالیس دن اب امام بخاریؒ کی اس ترجمہ سے کیا غرض ہے بعض کی رائے ہے کہ محض اطلاق النفاس علی الحیض کو ثابت کرنا ہے۔ اور میرے نزدیک تلازم فی الاحکام بیان کرنا ہے کیونکہ آنحضور صلعم لغت بتلانے آئے اور نہ امام بخاری کی کتاب لغت میں ہے

باب مُبَاشَرَةِ الْحَائِضِ۔

ترجمہ، حائضہ کے بشرہ (جسم) سے بشرہ (جسم) ملانا

حدیث نمبر ۲۹۰ حَدَّثَنَا قَبِيصَةُ الخ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كُنْتُ أَغْتَسِلُ أَنَا وَالنَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ إِنَاءٍ وَاحِدٍ كِلَانَا جُنُبٌ وَّكَانَ يَأْمُرُنِي فَأَتَّزِرُ فَيُبَاشِرُنِي وَأَنَا حَائِضٌ وَّكَانَ يُخْرِجُ رَأْسَهُ إِلَيَّ وَهُوَ مُعْتَكِفٌ فَأَغْسِلُهُ وَأَنَا حَائِضٌ۔

ترجمہ، حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں اور جناب نبی اکرم صلعم ایک ہی برتن سے غسل کرتے تھے جبکہ ہم دونوں جنبی ہوتے تھے۔ اور آپؐ مجھے حکم دیتے تو میں چادر لنگی باندھ لیتی تھی تو آپؐ اپنا جسم میرے جسم سے ملاتے تھے جبکہ میں حائضہ ہوتی تھی۔ اسی طرح آپؐ اعتکاف کی حالت میں اپنا سر مبارک میری طرف نکالتے جس کو میں دھو دیتی تھی جبکہ میں حائضہ ہوتی تھی۔

تشریح از شیخ زکریاؒ۔ حائض سے مباشرت کرنے میں اختلاف ہے۔ امام مالکؒ۔ امام ابو حنیفہؒ امام شافعیؒ اور امام ابو یوسفؒ تو فرماتے ہیں کہ ما دون السرۃ یعنی ناف سے نیچے اور ما فوق الرکبۃ یعنی گھٹنے سے اوپر جائز نہیں ہے۔ اور اس کے علاوہ بعد چادر لنگی باندھنے کے جائز ہے۔ اور امام احمد بن حنبلؒ

اور امام محمد فرماتے ہیں کہ صرف مقام خاص کے اندر تو مباشرت جائز نہیں باقی سب جگہ جائز ہے۔ ان حضرات ائمہ اربعہ نے احتیاط برتی۔ ان لوگوں نے یہ دیکھا کہ جوان کو زیادہ جوش ہوتا ہے۔ اس لئے اس حد تک اجازت دے دی۔ امام بخاریؒ اس مسئلہ میں اگلوں کے ساتھ ہیں۔

حدیث نمبر ۲۹۱ حَدَّثَنَا اِسْمَاعِیْلُ بْنُ خَلِیْلٍ الخ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ کَانَتْ اِحْدَانَا اِذَا کَانَتْ حَائِضًا فَاَرَادَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنْ یُّبَاشِرَھَا اَمَرَھَا اَنْ تَتَّزِرَ فِیْ فَوْرِ حَیْضَتِہَا ثُمَّ یُبَاشِرُھَا قَالَتْ وَاَیُّکُمْ یَمْلِکُ اِرْبَہٗ (الخ)

ترجمہ، حضرت عائشہ صدیقہ رضی فرماتی ہیں کہ جب ہم میں سے کوئی ایک حائضہ ہوتی تھی اور جناب رسول اللہ صلعم کو عین حیض کے جوش کے وقت اس سے مباشرت کا ارادہ ہوتا تو اسے چادر لنگی باندھنے کا حکم دیتے اور پھر اس سے مباشرت فرماتے۔ لیکن ساتھ ساتھ یہ بھی فرماتی کہ جیسے آنحضرت نبی اکرم اپنی حاجت کے مالک تھے تم میں سے کون ان جیسا مالک حاجت ہے فی فور حیضتھا۔ یباشرھا کے متعلق ہے۔ وایکم یملک اربہ۔ یہ لفظ دو طرح سے ضبط کیا گیا ہے۔ ایک ا ر ب دوسرا اِرْبٌ اوّل حاجت اور وطر کے معنی میں ہے۔ اور ثانی عضو مخصوص کے معنی میں ہے۔ اس جملہ کے دو مطلب ہیں ایک یہ کہ حضور اکرم صلعم باوجود اتنی قوت اور جوش کے اپنی حاجت پر قابو اور قدرت رکھتے تھے یہ نہیں ہو سکتا تھا کہ کوئی امر خلاف ہو جائے۔ اور تم کو اتنی طاقت نہیں ہے۔ لہٰذا اپنے آپ کو حضور پاک صلعم پر قیاس مت کرو۔ بلکہ اس معاملہ میں احتیاط کرو۔ ایسا نہ ہو کہ من یرتع الحمٰی یقع فیہ یعنی جو چراگاہ کے ارد گرد چرتا ہے وہ اس کے اندر گھس جائے گا کے مطابق کہیں کسی خلاف امر کا ارتکاب ہو جائے۔ اور دوسرا مطلب یہ ہے کہ حضور اکرم صلعم اپنے عضو اور اپنی حاجت پر قابو یافتہ تھے۔ اور باوجود اس کے پھر بھی مباشرت فرماتے تھے تو پھر تم تو اتنے قابو یافتہ نہیں ہو۔ لہٰذا تم کو تو بدرجہ اولیٰ جائز ہوگا۔ یہ دو تو متضاد توجیہیں ہو گئیں۔ الغرض لا تقربوھن سے مباشرۃ کی نفی ہو رہی تھی۔ امام بخاریؒ یہاں سے اس کا استثناء ثابت فرما رہے ہیں۔ مباشرۃ کے معنی ہیں کھال کو کھال سے ملانا۔ امام بخاریؒ اس مسئلہ میں امام مالکؒ کے ساتھ ہیں اسی وجہ سے انہوں نے اس باب میں تین حدیثیں وہ ذکر فرمائی ہیں جو سب اتزار کی ہیں۔ (یعنی چادر باندھنے کی ہیں)

حدیث نمبر ۲۹۲ حَدَّثَنَا اَبُو النُّعْمَانِ الخ سَمِعْتُ مَيْمُوْنَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَرَادَ اَنْ يُّبَاشِرَ امْرَاَةً مِّنْ نِّسَائِهٖ اَمَرَهَا فَاتَّزَرَتْ وَهِيَ حَائِضٌ الخ ۔

ترجمہ، حضرت میمونہ رضہ فرماتی ہیں کہ جب آنحضرت رسول اللہ صلعم اپنی کسی بیوی سے مباشرت کاارادہ فرمانے تو اسے حکم دیتے وہ چادر لنگی باندھ لیتی۔ جبکہ وہ حائضہ ہوتی تھی ۔

باب تَرْكِ الْحَائِضِ الصَّوْمَ ۔

ترجمہ۔ حائض کا روزے کو چھوڑ دینا۔

حدیث نمبر ۲۹۳ حَدَّثَنَا سَعِيْدُ بْنُ اَبِيْ مَرْيَمَ الخ عَنْ اَبِيْ سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ قَالَ خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ اَضْحٰى اَوْ فِطْرٍ اِلَى الْمُصَلّٰى فَمَرَّ عَلَى النِّسَاءِ فَقَالَ يَا مَعْشَرَ النِّسَاءِ تَصَدَّقْنَ فَاِنِّيْ اُرِيْتُكُنَّ اَكْثَرَ اَهْلِ النَّارِ فَقُلْنَ وَبِمَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ تُكْثِرْنَ اللَّعْنَ وَتَكْفُرْنَ الْعَشِيْرَ مَا رَاَيْتُ مِنْ نَاقِصَاتِ عَقْلٍ وَدِيْنٍ اَذْهَبَ لِلُبِّ الرَّجُلِ الْحَازِمِ مِنْ اِحْدٰكُنَّ قُلْنَ وَمَا نُقْصَانُ دِيْنِنَا وَعَقْلِنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ اَلَيْسَ شَهَادَةُ الْمَرْاَةِ مِثْلَ نِصْفِ شَهَادَةِ الرَّجُلِ قُلْنَ بَلٰى قَالَ فَذٰلِكَ مِنْ نُقْصَانِ عَقْلِهَا اَلَيْسَ اِذَا حَاضَتْ لَمْ تُصَلِّ وَلَمْ تَصُمْ قُلْنَ بَلٰى قَالَ فَذٰلِكَ مِنْ نُقْصَانِ دِيْنِهَا (الحدیث)

ترجمہ، حضرت ابوسعید خدری رضہ فرماتے ہیں کہ قربانی کی عید یا عیدالفطر میں آپ رسول اللہ صلعم عیدگاہ کی طرف تشریف لائے تو عورتوں پر آپ کا گذر ہوا۔ فرمایا اے عورتوں کی جماعت صدقہ خیرات کرو اس لئے مجھے تم اکثر جہنم والی دکھائی گئی ہو۔ انہوں نے کہا کس وجہ سے یارسول اللہ فرمایا ایک تم لعنت بہت کرتی ہو۔ دوسرے شوہر کی ناشکری کرتی ہو۔ اور میں نے تم میں سے زیادہ کسی کو ناقص عقل اور ناقص دین نہیں دیکھا جو پختہ کار آدمی کی عقل کو لے جانے والی ہو۔ عورتوں نے کہا اے رسول اللہ ہمارے دین اور عقل کا کیا نقصان ہے فرمایا کیا ایک عورت کی گواہی مرد کی گواہی کے نصف کے برابر ہے انہوں نے کہا کیوں نہیں، فرمایا بس یہ ان کے عقل کا نقصان ہے۔ کیا جب وہ حائضہ ہوتی ہے تو نہ نماز پڑھتی ہے اور نہ روزہ رکھتی ہے۔ بس یہ اس کے دین کا نقصان ہے ۔

تشریح از شیخ زکریاؒ۔ شراح کہتے ہیں کہ چونکہ نماز کا ترک ظاہر تھا اور اس کے ترک میں قضا نہیں ہے۔ اس لئے ترک الصلوٰۃ کا باب نہیں باندھا۔ میں کہتا ہوں کہ ترک الصلوٰۃ کا باب آگے آرہا ہے۔ یہ وجہ نہیں بلکہ چونکہ ترک صوم میں قضا ہوتی ہے اور ترک الصلوٰۃ میں قضا نہیں ہوتی۔ تو گویا دونو کا ترک الگ الگ ہوا۔ اس لئے الگ الگ باب باندھا چونکہ صوم کے اندر قضا بھی ہے اس لئے اس کو مقدم کر دیا۔

فذلک من نقصان دینھا۔ لیکن یہاں اشکال ہے کہ مسلم کی روایت میں ہے فقامت امرأۃ جزلۃ جس کا ترجمہ علامہ قاری نے ذکیہ فطینہ سے کیا ہے۔ لہٰذا دونوں روایتوں میں تعارض معلوم ہوتا ہے جواب یہ ہے کہ آنحضرت صلعم کا فرمانا عام طور پر ہے اس سے دو چار افراد مستثنیٰ ہو سکتے ہیں دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ حکم مجموعہ نسا کے لئے مجموعہ رجال کے مقابل ہے۔ حائضہ نماز قضا نہ کرے اس کی حکمت بعض حضرات نے یہ فرمائی ہے کہ صلوٰۃ باللزوم طہارت کو مقتضی ہے۔ لہٰذا حائضہ نماز کی اہل نہیں اور صوم میں طہارۃ باللزوم لازم نہیں جیسے صائم سو جائے۔ یا احتلام ہو جائے یا اور کوئی نجاست نکل آئے تو روزہ نہیں ٹوٹتا۔ اگر نماز میں پیشاب کا قطرہ نکل آئے یا منی نکل آئے تو نماز ٹوٹ جاتی ہے۔ چونکہ حائضہ نماز کی اہل نہیں تھی اس لئے نماز کی قضا نہیں ہاں روزہ کی اہل ہے اس لئے اس کی قضا ہے۔

باب تَقْضِی الْحَائِضُ الْمَنَاسِكَ كُلَّهَا اِلَّا الطَّوَافَ بِالْبَيْتِ وَقَالَ اِبْرَاهِيْمُ لَا بَأْسَ اَنْ تَقْرَأَ الْاٰيَةَ وَلَمْ يَرَ ابْنُ عَبَّاسٍ بِالْقِرَاءَةِ لِلْجُنُبِ بَأْسًا وَّ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَذْكُرُ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ اَحْيَانِهٖ وَقَالَتْ اُمُّ عَطِيَّةَ كُنَّا نُؤْمَرُ اَنْ نُّخْرِجَ الْحُيَّضَ فَيُكَبِّرْنَ بِتَكْبِيْرِهِمْ وَ يَدْعُوْنَ وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ اَخْبَرَنِیْ اَبُوْ سُفْيَانَ اَنَّ هِرَقْلَ دَعَا بِكِتَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَرَاَهٗ فَاِذَا فِيْهِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ وَ يَا اَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍ بَيْنَنَا وَ بَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْئًا اِلٰى قَوْلِهٖ مُسْلِمُوْنَ وَقَالَ عَطَآءٌ عَنْ جَابِرٍ حَاضَتْ عَآئِشَةُ فَنَسَكَتِ الْمَنَاسِكَ كُلَّهَا غَيْرَ الطَّوَافِ بِالْبَيْتِ وَلَا تُصَلِّیْ وَقَالَ الْحَكَمُ اِنِّیْ لَاَذْبَحُ وَاَنَا جُنُبٌ وَقَالَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ وَلَا تَأْكُلُوْا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ۔

ترجمہ، باب حائضہ حج کے سارے احکام ادا کر سکتی ہے۔ سوائے بیت اللہ کے طواف کے کیونکہ وہ

مسجد میں ہوتا ہے) ابراہیم نخعیؒ فرماتے ہیں کہ اگر حائضہ ایک آیت قرآن مجید کی پڑھ لے تو کوئی حرج نہیں ہے اور حضرت ابن عباسؓ جنبی کے لئے قرآن مجید پڑھنے میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے اور جنابؐ نبی اکرم صلعم ہر حال میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے تھے۔ اور حضرت ام عطیہؓ فرماتی ہیں کہ ہمیں حکم دیا جاتا تھا کہ ہم حیض والی عورتوں کو نماز عید کے لئے نکالیں وہ مردوں کی طرح تکبیر کہتی تھی اور دعا کرتی تھیں اور حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ مجھے حضرت ابو سفیانؓ نے خبر دی۔ کہ ہرقل عیسائی بادشاہ نے جناب نبی اکرم صلعم کا خط منگایا اس میں بسم اللہ اور قل تعالوا الی کلمۃ سواء الآیۃ لکھا ہوا تھا جس کو اس کافر نے پڑھا اور حضرت عطاؒ تابعی جناب حضرت جابرؓ صحابی سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عائشہؓ جب حیض والی ہوتی تھیں تو حج کے تمام اعمال ادا کرتی تھیں سوائے بیت اللہ کے طواف کے اور نماز بھی نہیں پڑھتی تھیں اور حضرت حکمؒ فرماتے ہیں کہ بے شک میں ذبح کرتا ہوں جبکہ میں جنبی ہوں۔ حالانکہ ارشاد ربانی ہے کہ اس جانور کا گوشت نہ کھاؤ جس پر اللہ کا نام ذکر نہ کیا گیا ہو۔

تشریح از شیخ مدنیؒ۔ جنبی اور حائض کے بارے میں مصنفؒ کا مسلک امام مالکؒ کا سا ہے کہ ان کے لئے قراۃ قرآن جائز ہے۔ مگر جمہور ان کو قرآن پڑھنے کی اجازت نہیں دیتے۔ چنانچہ ترمذی شریف کی روایت اس کی ممانعت پر دلالت کرتی ہے۔ مصنفؒ حضرت ابن عباسؓ کا قول پیش کرتے ہیں اور اسی قسم کے چھ اثر پیش کئے ہیں مگر ان سب میں مناقشہ ہے۔ جمہور ان کو اپنے مخالف نہیں سمجھتے۔

تشریح از شیخ زکریاؒ علامہ عینیؒ فرماتے ہیں کہ باب کی غرض یہ ہے کہ حائض طواف بالبیت نہیں کر سکتی مگر میرے نزدیک یہ غرض صحیح نہیں ہے اس لئے کہ اس صورت میں یہ مسئلہ کتاب الحج کا ہو جائے گا۔ اس لئے بعض علماء کی رائے ہے کہ حائض عبادات بدنیہ کر سکتی ہے۔ الا ما استثنیٰ اور یہ قریب ہے اور میرے والد صاحب فرماتے ہیں کہ غرض یہ ہے۔ کہ حائض سارے مناسک حج ادا کر سکتی ہے۔ سوائے طواف کے۔ اور میری رائے یہ ہے کہ امام بخاریؒ قراۃ القرآن للجنب کا مسئلہ بیان فرما رہے ہیں۔ امام بخاریؒ کی رائے یہ ہے کہ جنب اور حائض میں کوئی فرق نہیں۔ دونو قرآن پاک پڑھ سکتے ہیں۔ اور حنابلہؒ و شوافعؒ کے نزدیک مطلقاً نہیں پڑھ سکتے۔ اور حنفیہؒ کے نزدیک مادون آیۃ یعنی آیت سے کم اور مالکیہ کے نزدیک آیۃ اور آیتیں پڑھ سکتے ہیں۔ وقال ابراھیم امام بخاریؒ یہ ثابت فرما رہے ہیں کہ جب وہ سارے مناسک حج ادا کر سکتی ہے تو قرآن مجید کیوں نہیں پڑھ سکتی۔ ضرور پڑھ سکتی ہے۔ ولم یر ابن عباس

بالقرآءۃ للجنب باسًا جنب اور حائض میں کیا فرق ہے۔ دونوں پڑھ سکتے ہیں۔ وکان النبی صلعم الخ
جب آنحضرت صلعم ہر وقت ذکر الٰہی کرتے تھے۔ اور ذکر کے اندر قرآن بھی داخل ہے وما ھو الا ذکر
للعالمین اور حضور نبی اکرم صلعم جنبی بھی ہوتے تھے۔ اور جنبی اور حائض میں کوئی فرق نہیں لہٰذا حائض
بھی پڑھ سکتی ہے۔ فیکبّرن بتکبیرھم الخ دعا اور تکبیر جو ذکر الٰہی ہے۔ جب وہ حائض کے لئے جائز ہے
تو قرآن بھی تو ذکر الٰہی ہے۔ وہ بھی جائز ہوگا۔ تعالوا الی کلمۃ سواء یہاں یہ بات یاد رکھو کہ تعالوا کے
بعد الآیۃ کہہ رہے ہیں اور اس کے بعد پھر آیۃ بھی ذکر فرما دی۔ یہ اختلافِ نسخ کی وجہ سے ہے۔ ایک
نسخے میں اوّل آیۃ کے بعد الآیۃ کا لفظ تھا۔ اور دوسرے نسخے میں پوری آیت تھی ناسخین نے دونو کو جمع کر
دیا۔ قال الحکم انی لا ذبح مطلب یہ ہے کہ میں بحالت جنابت ذبح کرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ ذبح
باسم اللہ کا حکم فرماتا ہے جس پر اس کا نام نہ ہو۔ اس سے منع فرماتا ہے۔ تو اگر مراد ذکر اللہ کرنا بسبب میری
جنابت کے معتبر نہ ہوتا تو ذبیحہ حلال نہ ہوتا حالانکہ حلال ہے معلوم ہوا ذکر اللہ جائز ہے

حدیث نمبر ۲۹۴ حَدَّثَنَا اَبُوْ نُعَیْمٍ الخ عَنْ عَآئِشَۃَ قَالَتْ خَرَجْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰہِ
صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا نَذْکُرُ اِلَّا الْحَجَّ فَلَمَّا جِئْنَا سَرِفَ طَمِثْتُ فَدَخَلَ عَلَیَّ النَّبِیُّ
صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَاَنَا اَبْکِیْ فَقَالَ مَا یُبْکِیْکِ قُلْتُ لَوَدِدْتُّ وَاللّٰہِ اِنِّیْ لَمْ اَحُجَّ
الْعَامَ قَالَ لَعَلَّکِ نُفِسْتِ قُلْتُ نَعَمْ قَالَ فَاِنَّ ذٰلِکَ شَیْءٌ کَتَبَہُ اللّٰہُ عَلٰی بَنَاتِ
اٰدَمَ فَافْعَلِیْ مَا یَفْعَلُ الْحَاجُّ غَیْرَ اَنْ لَّا تَطُوْفِیْ بِالْبَیْتِ حَتّٰی تَطْھُرِیْ

ترجمہ، حضرت عائشہ فرماتی ہیں ہم جناب رسول اللہ صلعم کے ساتھ مدینہ سے چلے ہم حج کے علاوہ
کچھ ذکر نہیں کرتے تھے۔ جب ہم مقام سرف تک پہنچے تو میں حائضہ ہو گئی پس میرے پاس جناب
نبی اکرم صلعم تشریف لائے اور میں رو رہی تھی تو آپؐ نے فرمایا تمہیں کس چیز نے رلایا۔ میں نے کہا واللہ
میں شاید اس سال حج نہیں کر سکوں گی۔ آپؐ نے فرمایا شاید تجھے حیض آ گیا۔ میں نے ہاں کہہ کر جواب دیا
تو آپؐ نے فرمایا کہ یہ وہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے آدم کی بیٹیوں پر لکھ دیا تم ہر وہ عبادت کرو جو حاجی سرانجام
دیتا ہے۔ سوائے اس کے کہ بیت اللہ کا طواف نہ کرو جب تک پاک نہ ہو جاؤ۔

تشریح از شیخ زکریا۔ یہ بڑا مشکل باب ہے میرے حضرت نور اللہ مرقدہ فرماتے تھے کہ چالیس

سال تک بخاری شریف پڑھائی اور اب تک یہ باب سمجھ میں نہیں آیا۔ سمجھتا تھا کہ بذل لکھوانے کے وقت سمجھ میں آجائے گا۔ مگر پھر بھی سمجھ نہ آیا۔ مطلب یہ ہے کہ مستحاضہ عورتیں جن کا ذکر ابواب الاستحاضہ میں آتا ہے ان میں اس قدر اختلاف ہے کہ کوئی تعیین نہیں ہو سکتی۔ کہ ہم ایک کے متعلق کوئی حکم مثلاً معتادہ یا ممیزہ ہونے کا قطعاً لگا دیں اور جس نے اس کے خلاف لکھا اس کی تردید کریں اس باب پر جس قدر بسط سے کلام ابو داؤدؒ نے فرمایا ہے۔ اور کسی نے نہیں کیا حتیٰ کہ امام بخاریؒ نے صرف ایک باب کا ذکر فرما دیا۔ اور کوئی اختلاف روایۃ بھی ذکر نہیں فرمایا۔

باب الِاسْتِحَاضَةِ ترجمہ۔ استحاضہ کے بارے میں باب ہے

حدیث نمبر ۲۹۵ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوسُفَ الخ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّهَا قَالَتْ فَاطِمَةُ بِنْتُ أَبِي حُبَيْشٍ لِرَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنِّي لَا أَطْهُرُ أَفَأَدَعُ الصَّلٰوةَ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّمَا ذٰلِكِ عِرْقٌ وَلَيْسَ بِالْحَيْضَةِ فَإِذَا أَقْبَلَتِ الْحَيْضَةُ فَاتْرُكِي الصَّلٰوةَ فَإِذَا ذَهَبَ قَدْرُهَا فَاغْسِلِي عَنْكِ الدَّمَ وَصَلِّي۔

ترجمہ: حضرت عائشہ رضؓ فرماتی ہیں کہ حضرت فاطمہ بنت ابی حبیش رضؓ نے جناب رسول اللہ صلعم سے عرض کی یا رسول اللہ میں پاک نہیں رہتی کیا نماز کو چھوڑ دوں جناب رسول اللہ صلعم نے فرمایا یہ تو رگ کا خون ہے حیض نہیں ہے۔ پس جب حیض آجائے تو نماز کو چھوڑ دو۔ اور جب حیض کی مدت چلی جائے تو ان کے خون کو دھو ڈالو اور نماز پڑھو۔

تشریح از شیخ زکریاؒ۔ ابو داؤد میں چونکہ اس کے متعلق بہت سے ابواب ہیں۔ جس کی بنا پر وہاں بہت جھگڑا کرنا پڑتا تھا امام بخاریؒ نے نہایت سہولت دے دی ہے۔ کہ صرف ایک ہی باب ذکر فرمایا ہے اور مسئلہ بتلا دیا کہ استحاضہ کا حکم یہ ہے کہ جب مدت حیض ختم ہو جائے تو ایک مرتبہ غسل کر لو بس یہی کافی ہے۔ اور اب یہ کہ مدت حیض کتنی ہے اس کے متعلق ایک الگ باب اور باندھا ہے امام بخاریؒ نے استحاضہ کو تفصیل سے بیان نہیں فرمایا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس باب میں جو احادیث ہیں ان کے اندر تعارض ہے۔ نیز وہ احکامات نہیں بلکہ علاجات ہیں اور میرے نزدیک چونکہ وہ انواع مختلفہ پر محمول ہیں اسی وجہ سے جھگڑا نہیں فرمایا۔

باب غَسْلِ دَمِ الْحَيْضِ ترجمہ حیض کے خون کا دھونا۔

حدیث نمبر ۲۹۶ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰہِ بْنُ یُوْسُفَ الخ عَنْ اَسْمَاءَ بِنْتِ اَبِیْ بَکْرِ الصِّدِّیْقِ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمَا اَنَّہَا قَالَتْ سَاَلَتِ امْرَأَۃٌ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ اَرَاَیْتَ اِحْدٰنَا اِذَا اَصَابَ ثَوْبَہَا الدَّمُ مِنَ الْحَیْضَۃِ کَیْفَ تَصْنَعُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا اَصَابَ ثَوْبَ اِحْدٰکُنَّ الدَّمُ مِنَ الْحَیْضَۃِ فَلْتَقْرُصْہُ ثُمَّ لِتَنْضَحْہُ بِمَاءٍ ثُمَّ لِتُصَلِّ فِیْہِ ۔

ترجمہ، حضرت اسماء بنت ابی بکر صدیق رضہ فرماتی ہیں کہ ایک عورت نے جناب رسول اللہ صلعم سے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ بتلایئے کہ جب ہم میں سے کسی ایک کے کپڑے کو حیض کا خون لگ جائے تو وہ کیا کرے۔ تو جناب رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ جب تم میں سے کسی ایک کو کپڑے کو حیض کا خون لگ جائے تو پہلے وہ اسے ناخن اور انگلیوں سے رگڑے بعد ازاں اسے پانی سے دھو ڈالے پھر اس میں نماز پڑھے۔

تشریح از شیخ زکریاؒ میرے نزدیک یہ ترجمہ شارحہ ہے چونکہ حدیث میں نضح کا لفظ ہے جس کے معنی چھڑکنے کے ہیں اس لئے امام بخاریؒ نے تبلا دیا کہ نضح سے مراد غسل ہے۔ جیسا کہ غسل مذی میں فرمایا تھا حنفیہؒ فرماتے ہیں کہ اس طرح بول صبیان میں بھی نضح غسل کے معنی میں ہے۔ فاذا اقبلت الحیضہ آئمہ ثلاثہ کے نزدیک اقبال کے معنی ہیں جب کالا خون آنے لگے۔ اور ادبار کے معنی ہیں جب کالا خون ختم ہو جائے۔ تو یہ دو اصطلاحیں اہلحدیث کی ہیں۔ اور ائمہ ثلاثہ اسی سے استدلال کرتے ہیں۔ حنفیہؒ فرماتے ہیں کہ یہ جو تم نے اقبال ادبار کے معنی بیان فرماتے ہیں یہ حدیث سے ثابت نہیں بلکہ تمہارے خود ساختہ ہیں لہٰذا یہ ہم پر حجت نہیں کیونکہ ہمارے نزدیک اقبال کے معنی آگے کی طرف آنا اور ادبار کے معنی پیچھے کی طرف جانا لہٰذا اقبال کے معنی ہوئے حیض کا آنا عادت کے ساتھ اور ادبار کے معنی حیض کا چلا جانا عادت کے ساتھ اسی وجہ سے ہمارے نزدیک تمیز کا اعتبار نہیں ہماری دلیل یہی حدیث ہے کہ یہاں اقبلت کے معنی وہی ہیں جو ہم نے بیان کئے۔ کیونکہ اس کا مقابل ادبرت نہیں آرہا ہے بلکہ اذا ذھب قدرھا ہے جس سے معلوم ہوا کہ ادبار کے معنی حیض کا وقت سے ختم ہوتا ہے اس سے تمیز پر استدلال نہیں ہوسکتا

حدیث نمبر ۲۹۷ حَدَّثَنَا اَصْبَغُ الخ عَنْ عَائِشَۃَ قَالَتْ کَانَتْ اِحْدٰنَا تَحِیْضُ ثُمَّ تَقْتَرِصُ الدَّمَ مِنْ ثَوْبِہَا عِنْدَ طُہْرِہَا فَتَغْسِلُہُ وَتَنْضَحُ عَلٰی سَائِرِہٖ ثُمَّ تُصَلِّیْ فِیْہِ ۔

ترجمہ، حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں جب ہم میں سے کوئی ایک حیض والی ہو جاتی تھی تو اپنے کپڑے

سے خون کو رگڑ دیتی تھی۔ پھر دھوڈالتی اور باقی پر پانی بہادیتی پھر اس میں نماز پڑھ لیتی۔ اس حدیث میں نضح کے معنی غسل کے ہیں۔

باب اِعْتِكَافُ الْمُسْتَحَاضَةِ

ترجمہ:۔ مستحاضہ کا اعتکاف بیٹھنا۔

حدیث نمبر ۲۹۸ حَدَّثَنَا إِسْحٰقُ بْنُ شَاهِينَ الخ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اعْتَكَفَ مَعَهُ بَعْضُ نِسَائِهِ وَهِيَ مُسْتَحَاضَةٌ تَرَى الدَّمَ فَرُبَّمَا وَضَعَتِ الطَّسْتَ تَحْتَهَا مِنَ الدَّمِ وَزَعَمَ أَنَّ عَائِشَةَ رَأَتْ مَاءَ الْعُصْفُرِ فَقَالَتْ كَانَ هٰذَا شَيْءٌ كَانَتْ فُلَانَةُ تَجِدُهُ۔

ترجمہ، حضرت عائشہ رضہ سے مروی ہے کہ جناب نبی اکرم صلعم کے ساتھ آپ کی ایک زوجہ محترمہ اعتکاف بیٹھیں جبکہ وہ مستحاضہ تھیں خون دیکھتی تھیں تو اپنے نیچے خون کی وجہ سے تھال رکھ دیتی تھیں۔ اور راوی عکرمہ کا کہنا ہے کہ حضرت عائشہ رضہ فرماتی تھیں کہ انہوں نے عصفر یعنی سُرخ پانی دیکھا اور فرماتی تھیں کہ یہ ایک چیز تھی جو زوجہ محترمہ پاتی تھیں۔

تشریح از شیخ مدنی رہ۔ اگر اشکال ہو کہ ازواج مطہرات رضہ میں سے کوئی بی بی مستحاضہ نہیں ہوئیں تو بعض نے کہا کہ حضرت سودہؓ زینب بنت جحش اور ام حبیبہ مستحاضہ ہوئی تھیں۔ مگر روایات اس کی مساعدت نہیں کرتیں تو بعض نسائہ کی تاویل یہ کی جائے گی کہ بعض نسائہ من المتعلقین اور ان میں سے حضرت حمنہ بنت جحشؓ کا نام مشہور ہے۔ مگر حافظ ابن حجر رہ کا اصرار ہے کہ جب بعض نسائہ کے الفاظ موجود ہیں۔ اگرچہ ہمارے پاس دلیل نہ ہو۔ مگر اس کا انکار نہیں کر سکتے دوسرے اس روایت میں اعتکف معہ کے الفاظ بھی اسی پر دال ہیں۔ مگر اس پر خدشہ ہے کہ معتکف کے معنی یہ ضروری نہیں کہ اسی حجرہ میں اعتکاف کیا ہو۔ بلکہ اس کے قریب یا کچھ فاصلہ پر معتکف ہوئی ہوں۔ اس لئے ابن جوزیؒ کا قول صحیح معلوم ہوتا ہے کہ ازواج مطہرات میں سے کوئی بی بی بھی استحاضہ میں مبتلا نہیں تھیں

تشریح از شیخ زکریاؒ۔ غور سے سنو! اعتکاف مساجد میں ہوتا ہے اور مستقذرات اور نجاسات سے مساجد کی تطہیر کا حکم وارد ہوا ہے اور مستحاضہ کو خون آتا رہتا ہے جو نجس اور قذر ہے اس سے بظاہر وہم ہوتا تھا کہ مستحاضہ اعتکاف نہ کر سکے گی۔ تو امام بخاریؒ نے تنبیہ فرمادی کہ مستحاضہ کا اعتکاف کرنا جائز

ہے بعض علماء نے کہا ہے کہ حضور اقدس صلعم کی ازواج مطہرات میں سے کسی کو بھی دم استحاضہ نہیں آتا تھا اور اس حدیث کا وہ یہ جواب دیتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ بعض نساء امتہ مراد ہے مگر یہ صحیح نہیں اس لئے کہ حضرت ام حبیبہؓ۔ ام سلمہؓ اور حضرت زینب رضؓ کو استحاضہ آیا ہے اور خود دوسری روایت میں امرأۃ من ازواجہ وارد ہے اور اس سے اگلی روایت میں بعض امہات المومنین کے لفظ مذکور ہے جو ان کے اس قول کی تردید کرتا ہے اور جو حضرات انکار کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ استحاضہ نزغہ شیطان کی وجہ سے ہوتا ہے اور ازواج مطہرات نزغہ شیطان سے محفوظ ہیں۔ ائمہ اربعہ کے نزدیک اعتکاف مستحاضہ جائز ہے۔

حدیث نمبر ۲۹۹ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ الخ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتِ اعْتَكَفَتْ مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ امْرَأَةٌ مِّنْ اَزْوَاجِهٖ فَكَانَتْ تَرَى الدَّمَ وَالصُّفْرَةَ وَالطَّسْتُ تَحْتَهَا وَهِيَ تُصَلِّي (الحدیث)

ترجمہ، حضرت عائشہ رضؓ سے مروی ہے وہ فرماتی ہیں کہ جناب رسول اللہ صلعم کے ساتھ آپؐ کی ازواج مطہراتؓ میں سے ایک بی بی نے اعتکاف کیا۔ وہ خون اور زردی دیکھتی تھیں اور تھال ان کے نیچے ہوتا تھا اور وہ نماز پڑھتی تھیں۔

حدیث نمبر ۳۰۰ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ الخ عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ بَعْضَ اُمَّهَاتِ الْمُؤْمِنِيْنَ اعْتَكَفَتْ وَهِيَ مُسْتَحَاضَةٌ (الحدیث)

ترجمہ، حضرت عائشہ رضؓ سے مروی ہے کہ بعض امہات المومنین نے استحاضہ کی حالت میں اعتکاف کیا

باب هَلْ تُصَلِّي الْمَرْأَةُ فِيْ ثَوْبٍ حَاضَتْ فِيْهِ۔

ترجمہ، کیا عورت اپنے اس کپڑے میں نماز پڑھ سکتی ہے جس میں اسے حیض آیا۔

حدیث نمبر ۳۰۱ حَدَّثَنَا اَبُوْ نُعَيْمٍ الخ قَالَتْ عَائِشَةُ مَا كَانَ لِاِحْدَانَا اِلَّا ثَوْبٌ وَّاحِدٌ تَحِيْضُ فِيْهِ فَاِذَا اَصَابَهٗ شَيْءٌ مِّنْ دَمٍ قَالَتْ بِرِيْقِهَا فَمَصَعَتْهُ بِظُفْرِهَا۔

ترجمہ، حضرت عائشہ رضؓ فرماتی ہیں کہ ہم میں سے کسی ایک کے پاس سوا ایک کپڑے کے کچھ نہیں ہوتا تھا اسی میں وہ حیض کرتی تھی جب اس کپڑے کو کچھ خون لگ جاتا تو اس کو اپنی تھوک سے تر کر لیتی اور پھر اپنے ناخن سے چھیل ڈالتی۔

تشریح از شیخ زکریا ۔ روایت سے صاف ظاہر ہے کہ جس کپڑے کو پہن کر عورت نے اپنا زمانہ حیض گذارا ہو ۔ تو زمانہ طہر میں اس کو پاک کر کے اس میں نماز پڑھ سکتی ہے ۔ اب جبکہ روایت صاف ہے تو پھر ھل سے ترجمہ کیوں باندھا ۔ تو اس کے متعلق بیان کر چکا ہوں کہ امام بخاریؒ کی نظر میں مختلف روایات ہیں ۔ چنانچہ ام سلمہ رضؓ کی روایت ہے ۔ فانسللت فاخذت ثیاب حیضتی اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حیض کا کپڑا دوسرا ہوتا ہے اس لئے امام بخاریؒ نے اس کی طرف متوجہ کرنے کے لئے ترجمہ میں ھل ذکر فرمادیا قالت بریقھا جیسا کہ میں نے غسل الدم میں بیان کیا تھا کہ چونکہ اس خون میں لزوجت ہوتی ہے اس لئے رگڑ کر پھر دھوئے ورنہ پانی بہت بہانا پڑے گا تو یہاں پہلے نرم کرنے کے لئے تھوک کا استعمال ہوا ۔ پھر اس کو رگڑ دیا ۔ احناف کے یہاں ایک مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص کی انگلی ناپاک ہو ۔ اور وہ اس کو چاٹ لے ۔ تو وہ پاک ہو جائے گی ۔ تو اس مسئلہ پر اس حدیث سے استدلال ہو سکتا ہے ۔ اور امام بخاریؒ کے اصول موضوعہ میں سے ہے کہ اگر روایت میں کسی بھی احتمال کی بنا پر غور و فکر کیا جا سکے تو تشحیذاً للاذھان ھل لے آتے ہیں ۔ اور یہاں بھی احتمال ہے ۔ وہ یہ کہ اس میں نماز کی تصریح نہیں اور حضرت ام سلمہ رضؓ کی حدیث متقدم سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے حیض و طہارت کے کپڑے الگ الگ تھے ۔ تو ان دونوں روایتوں کی وجہ سے احتمال پیدا ہو گیا کہ نماز کے لئے کوئی اور کپڑا ہوتا تھا یا ایک ہی کپڑا تھا جسے پاک کر کے نماز پڑھ لیتی تھیں

باب الطِّيْبِ لِلْمَرْأَةِ عِنْدَ غُسْلِهَا مِنَ الْحَيْضِ ۔

ترجمہ ، حیض سے غسل کرنے وقت کیا عورت خوشبو استعمال کر سکتی ہے ۔

حدیث نمبر ۳۰۲ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عَبْدِ الْوَهَّابِ الخ عَنْ اُمِّ عَطِيَّةَ قَالَتْ كُنَّا نُنْهٰى اَنْ نُحِدَّ عَلٰى مَيِّتٍ فَوْقَ ثَلَاثٍ اِلَّا عَلٰى زَوْجٍ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا وَّلَا نَكْتَحِلُ وَلَا نَتَطَيَّبُ وَلَا نَلْبَسُ ثَوْبًا مَّصْبُوْغًا اِلَّا ثَوْبَ عَصْبٍ وَّقَدْ رُخِّصَ لَنَا عِنْدَ الطُّهْرِ اِذَا اغْتَسَلَتْ اِحْدَانَا مِنْ مَّحِيْضِهَا فِيْ نُبْذَةٍ مِّنْ كُسْتِ اَظْفَارٍ وَّكُنَّا نُنْهٰى عَنِ اتِّبَاعِ الْجَنَائِزِ (الخ) الحدیث

ترجمہ ، حضرت ام عطیہ رضؓ سے مروی ہے وہ فرماتی ہیں کہ ہمیں میت پر سوگ منانے سے تین دن کے اوپر سے روکا جاتا تھا مگر خاوند پر چار ماہ اور دس دن سوگ منا سکتی ہے وہ یہ کہ نہ ہم سرمہ لگائیں

اور نہ خوشبو استعمال کریں اور نہ رنگا ہوا کپڑا پہنیں مگر عصب کا کپڑا کہ وہ یمنی رنگی ہوئی چادر ہوتی تھی اور ہمیں طہارت حاصل کرتے وقت اجازت دی گئی تھی کہ جب ہم میں سے کوئی ایک اپنے حیض سے غسل کرے تو وہ کست اظفار کا خوشبو دار ٹکڑا استعمال کر سکتی ہے۔ اور ہمیں جنازے کے ساتھ جانے سے منع کیا گیا تھا۔

تشریح از شیخ مدنی رح کست چند لکڑیاں ہیں جن کو جلانے سے خوشبو حاصل ہوتی ہے، جیسے اگربتی۔ اظفار یمن کے ساحل پر ایک بندرگاہ کا نام ہے اور کست اولاً یہاں پہنچتا تھا۔ اس لئے اُسے کست اظفار وقسط اظفار کہتے تھے اور بعض نے کہا کہ اظفار ظفر بمعنی ناخن کی جمع ہے یہ عطر کی ایک قسم تھی جو کہ ظفر انسان کی شکل پر تھی۔ جسے بخور پر رکھا جاتا تھا۔

تشریح از شیخ زکریا شراح کے نزدیک تاکد الطیب للحائض عند الفراغ من الحیض کو بیان کیا ہے کہ حیض سے فراغت کے وقت حائضہ کو تاکیداً خوشبو استعمال کرنی چاہئیے اور میرے نزدیک ترجمہ شارحہ ہے۔ چونکہ مسک کا لفظ آیا تھا اس لئے اس کی شرح فرما دی کہ اس سے خوشبو مراد ہے کسی خاص مسک کی تعیین نہیں البتہ بعض شوافع رح سے نقل کیا گیا ہے کہ مسک (کستوری) لگانا متعین ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ خوشبو استقرار حمل میں معین ہے ممکن ہے امام بخاری رح کا مقصود شوافع پر رد کرنا ہو۔

کنا ننھی ان نحد علی میت الخ اس پر علما کا اتفاق ہے کہ غیر زوج پر تین دن سے زیادہ احداد اور سوگ کرنا جائز نہیں ہے رخص لنا الخ اس سے شراح کا قول ثابت ہوتا ہے۔ کست اظفار۔ کست خوشبو کو کہتے ہیں۔ اب رہ گیا اظفار تو یہ لفظ دو طرح سے ضبط کیا گیا ہے۔ اگر اظفار ہو تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک خوشبو تک کہلاتی ہے۔ وہ ناخن کی شکل کی ہوتی ہے۔ اس لئے اس کو اظفار کہتے ہیں دوسرے ظفار اگر ظفار مراد لیں تو یہ ملک یمن میں ایک بندرگاہ کا نام ہے

باب دَلْكِ الْمَرْأَةِ نَفْسَهَا اِذَا تَطَهَّرَتْ مِنَ الْحَيْضِ وَكَيْفَ تَغْتَسِلُ وَتَأْخُذُ فِرْصَةً مُمَسَّكَةً فَتَتَّبِعُ بِهَا أَثَرَ الدَّمِ۔

ترجمہ، عورت جب اپنے حیض سے طہارت حاصل کرے تو اسے اپنا بدن ملنا چاہیئے اور غسل کیسے کرے کہ ایک ٹکڑا پنبہ خوشبو والا لے کر اس سے خون کے نشانات زائل کرے۔

حدیث نمبر ۳۰۲ حَدَّثَنَا يَحْيٰى الخ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا اَنَّ امْرَاَةً سَاَلَتْ

النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ غُسْلِهَا مِنَ الْحَيْضِ فَأَمَرَهَا كَيْفَ تَغْتَسِلُ قَالَ خُذِي فِرْصَةً مِنْ مِسْكٍ فَتَطَهَّرِي بِهَا قَالَتْ كَيْفَ أَتَطَهَّرُ بِهَا قَالَ تَطَهَّرِي بِهَا قَالَتْ كَيْفَ قَالَ سُبْحَانَ اللّٰهِ تَطَهَّرِي فَاجْتَذَبْتُهَا إِلَيَّ فَقُلْتُ تَتَبَّعِي بِهَا أَثَرَ الدَّمِ۔

ترجمہ: حضرت عائشہ رضؓ سے مروی ہے کہ ایک عورت نے جناب نبی اکرم صلعم سے حیض سے غسل کرنے کے بارے میں دریافت کیا تو آپ نے اسے حکم دیا کہ کیسے غسل کرے کہ کستوری کا ایک پنبہ لے اور پہلے اس سے طہارت حاصل کرے اس عورت نے کہا میں کیسے طہارت حاصل کروں آپ نے فرمایا کہ اس پنبہ سے طہارت حاصل کرو اس نے پھر عرض کی کیسے؟ آپ نے تعجب کرتے ہوئے سبحان اللہ فرمایا طہارت حاصل کرو۔ تو حضرت عائشہ رضؓ فرماتی ہیں کہ میں نے اس کو اپنی طرف کھینچتے ہوئے کہا کہ اس پنبہ خوشبو سے خون کے نشانات زائل کرو۔

تشریح از شیخ مدنیؒ من مسک۔ مسک بفتح المیم کے معنی چمڑے کے ہیں جو مشک کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ اور مسک بکسر المیم کے معنی کستوری کے ہیں اس پر اگر شبہ ہو کہ عرب کے لوگ تنگی کی حالت میں ایسی قیمتی خوشبو لیتے تھے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ مسک سوڈان سے آتا تھا اور عرب کے قریب واقع ہے۔ ان دنوں ذرائع نقل وحمل قلیل تھے۔ اس لئے قرب کی وجہ سے یہ کستوری عرب میں کثرت سے پائی جاتی تھی۔ اس لئے یہ باعث تعجب نہیں ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ مسک کے معنی مطلق طیب اور خوشبو کے ہیں تیسرا جواب یہ ہے کہ اگرچہ اہل عرب تنگی کی حالت میں تھے۔ مگر جب امرء القیس اپنی محبوبہ کی تعریف میں کہتا ہے کہ اس کے بستر پر فتیت مسک یعنی کستوری کے ٹکڑے پائے جاتے ہیں۔ یا اس کے فرش سے ایسی خوشبو آتی ہے جیسے مسک کے ٹکڑوں سے خوشبو آتی ہے اس سے معلوم ہوا کہ مشک عرب میں کثیر الاستعمال تھی فتطہری بہا اگر شبہ ہو کہ تطہر مائع چیز سے حاصل ہوتا ہے خشک چیز سے تطہر کیسے آسکتا ہے تو آپ نے حیا کی وجہ سے صراحت نہیں فرمائی سبحان اللہ کہا۔ مقصود یہ تھا کہ خوشبو کے ذریعہ بد بو کو زائل کرو

تشریح از شیخ زکریاؒ امام بخاریؒ نے تتبعی بہا اثر الدم کی شرح فرمادی کہ اس سے دلک مراد ہے تاخذ فرصۃ ممسکہ یہ لفظ دو طرح سے پڑھا گیا ہے۔ ممسکہ باب افعال سے اور ممسّکہ باب تفعیل سے ممسکہ کے معنی۔ بعض لوگوں نے پکڑے ہوئے کے بتلائے ہیں۔ مگر یہ بالکل مہمل ہے۔ کیونکہ

ہر کپڑا پکڑا جا سکتا ہے۔ اور بعض نے کہا مستکہ کے معنی متبذ لۃ کے ہیں یعنی پرانا کپڑا کیونکہ نئے میں ضاعت ہے اور خشونت کی وجہ سے محل مخصوص کے نرم ہونے کی بنا پر خراش کا خوف ہے۔ اور بعض نے کہا کہ یہ مسک سے ہے جس کے معنی چمڑے کے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ چمڑے کا کوئی ٹکڑا ہو۔ مطلب یہ ہوگا کہ چمڑے کا ٹکڑا لے کر اس سے خون صاف کرے کیونکہ وہ خون بہت دن سے لگا ہوا ہونے کی وجہ سے نہایت سخت ہو جاتا ہے جس کے ازالہ کے لئے سخت شیئ کی ضرورت ہے تاکہ وہ اسے زائل کرے۔ کیف تغتسل اس جملہ سے مقصود یہ بتلانا ہے کہ یہاں دلک مراد ہے۔ یہ کیف ان تیس ابواب میں سے نہیں ہے، جس میں مستقل کیفیت کو بتلانا ہوتا ہے۔ اور جن میں کسی تاریخی اختلاف کی طرف اشارہ ہوتا ہے بلکہ یہ تبعاً آ گیا۔ امام نووی، قسطلانی شیخ الاسلام زکریا انصاری رح نے ممسکۃ بضم المیم الاولی و فتح الثانیہ۔ فتح السین المشددۃ جزم کیا ہے۔

باب غُسْلِ الْمَحِيضِ۔

ترجمہ، حیض کا دھونا یا اس سے نہانا۔

حدیث نمبر ۳۰۴ حَدَّثَنَا مُسْلِمٌ الخ عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ امْرَاَةً مِّنَ الْاَنْصَارِ قَالَتْ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَيْفَ اَغْتَسِلُ مِنَ الْمَحِيضِ قَالَ خُذِيْ فِرْصَةً مُّمَسَّكَةً وَتَوَضَّئِيْ ثَلَاثًا ثُمَّ اِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِسْتَحْيٰى فَاَعْرَضَ بِوَجْهِهٖ اَوْ قَالَ تَوَضَّئِيْ بِهَا فَاَخَذْتُهَا فَجَذَبْتُهَا فَاَخْبَرْتُهَا بِمَا يُرِيْدُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

ترجمہ، حضرت عائشہ صدیقہ رض سے مروی ہے کہ انصار مدینہ کی ایک عورت نے جناب نبی اکرم صلعم سے کہا کہ میں حیض سے غسل کیسے کروں آپ نے فرمایا کہ ایک روئی کا پھیہ جسے خوشبو لگی ہوئی ہو وہ لے کر اسی سے تین مرتبہ وضو کرو۔ پھر آنجناب نبی اکرم صلعم کو شرم آ گئی تو اس سے منہ پھیر لیا یا فرمایا کہ اس سے وضو کرو۔ میں نے اس عورت کو پکڑ کر اپنی طرف کھینچا اور جو جناب نبی اکرم صلعم چاہتے تھے اس سے اس کو باخبر کیا۔

تشریح از شیخ زکریا۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ اس باب میں اور باب غسل دم الحیض دونوں میں غسل بفتح الغین مصدر ہے۔ وہاں غسل ثیاب، مراد ہے۔ اور یہاں غسل بدن۔ اور بعض کہتے ہیں کہ غسل بضم الغین۔ اور دم الحیض کے غسل یا لفتح ہے۔ اور یہی میرے نزدیک راجح ہے وہاں

غسل الدم کا ذکر تھا اور یہاں نفس غسل کا بیان ہے۔ اور میں نے کہا تھا کہ امام بخاریؒ کے نزدیک غسل الجنابۃ اور غسل الحیض میں فرق ہے جیسا کہ حنابلہ اور مالکیہ کا مذہب ہے کہ جنابت میں نقض ضفیرہ مینڈھیوں کا کھولنا ضروری نہیں۔ اور حیض میں ضروری ہے۔ امام بخاریؒ اسی کو ثابت فرما رہے ہیں اور حنفیہؒ اور شوافعؒ کے نزدیک دونوں برابر ہیں۔

باب اِمْتِشَاطِ الْمَرْاَۃِ عِنْدَ غُسْلِھَا مِنَ الْحَیْضِ۔

ترجمہ۔ حیض سے غسل کرنے کے وقت عورت کا کنگھا کرنا۔

حدیث نمبر ۳۰۵ حَدَّثَنَا مُوْسیٰ بْنُ اِسْمَاعِیْلَ الخ عَنْ عُرْوَۃَ اَنَّ عَائِشَۃَ قَالَتْ اَھْلَلْتُ مَعَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِیْ حَجَّۃِ الْوَدَاعِ فَکُنْتُ مِمَّنْ تَمَتَّعَ وَلَمْ یَسُقِ الْھَدْیَ فَزَعَمَتْ اَنَّھَا حَاضَتْ وَلَمْ تَطْھُرْ حَتّٰی دَخَلَتْ لَیْلَۃُ عَرَفَۃَ قَالَتْ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ ھٰذِہٖ لَیْلَۃُ یَوْمِ عَرَفَۃَ وَاِنَّمَا کُنْتُ تَمَتَّعْتُ بِعُمْرَۃٍ فَقَالَ لَھَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اُنْقُضِیْ رَاْسَکِ وَامْتَشِطِیْ وَاَمْسِکِیْ عَنْ عُمْرَتِکِ فَفَعَلْتُ فَلَمَّا قَضَیْتُ الْحَجَّ اَمَرَ عَبْدَ الرَّحْمٰنِ لَیْلَۃَ الْحَصْبَۃِ فَاَعْمَرَنِیْ مِنَ التَّنْعِیْمِ مَکَانَ عُمْرَتِی الَّتِیْ نَسَکْتُ۔

ترجمہ، حضرت عروہؓ سے مروی ہے کہ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں۔ میں نے حجۃ الوداع کے موقعہ پر جناب رسول اللہ صلعم کے ساتھ احرام باندھا۔ میں ان لوگوں میں تھی جنہوں نے تمتع کیا لیکن ھدی نہیں چلائی تھی۔ وہ فرماتی ہیں کہ مجھے حیض آگیا اور میں اس وقت تک پاک نہ ہو سکی یہاں تک عرفہ کی رات آگئی۔ انہوں نے عرض کی یارسول اللہ یہ عرفہ کے دن کی رات ہے اور میں نے عمرہ سے تمتع کر لیا تھا۔ تو آپؐ نے ان سے فرمایا کہ سر کے بال کھول دو کنگھی کرو۔ اور اپنے افعال عمرہ سے رک جاؤ۔ چنانچہ میں نے ایسا ہی کیا جب میں حج سے فارغ ہو گئی تو آپؐ نے میرے بھائی حضرت عبدالرحمن بن ابی بکرؓ کو محصبۃ والی رات حکم دیا کہ وہ مجھے اس عمرہ کی بجائے جس کا میں نے احرام باندھا تھا تنعیم سے عمرہ کرائے۔ حصبہ جگہ کا نام ہے۔ اور قضا ایام منی کے بعد ہوئی۔ لیلۃ الحصبۃ چودھویں ذوالحجہ کی رات کہلاتی ہے۔ اسی میں وادی محصب میں قیام ہوتا تھا۔

باب نَقْضِ الْمَرْاَۃِ شَعْرَھَا عِنْدَ غُسْلِ الْمَحِیْضِ۔

ترجمہ، حیض سے غسل کرنے وقت عورت کا اپنے بالوں کو کھولنا۔

حدیث نمبر ۳۰۶ حَدَّثَنَا عُبَیْدُ بْنُ اِسْمَاعِیْلَ الخ عَنْ عَائِشَۃَ قَالَتْ خَرَجْنَا مُوَافِیْنَ

لِهِلَالِ ذِي الْحِجَّةِ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اَحَبَّ اَنْ يُّهِلَّ بِعُمْرَةٍ فَلْيُهِلَّ فَاِنِّي لَوْ لَا اَنِّي اَهْدَيْتُ لَاَهْلَلْتُ بِعُمْرَةٍ فَاَهَلَّ بَعْضُهُمْ بِعُمْرَةٍ وَ اَهَلَّ بَعْضُهُمْ بِحَجٍّ وَكُنْتُ اَنَا مِمَّنْ اَهَلَّ بِعُمْرَةٍ فَاَدْرَكَنِيْ يَوْمُ عَرَفَةَ وَ اَنَا حَائِضٌ فَشَكَوْتُ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ دَعِيْ عُمْرَتَكِ وَانْقُضِيْ رَاْسَكِ وَامْتَشِطِيْ وَاَهِلِّيْ بِحَجٍّ فَفَعَلْتُ حَتّٰى اِذَا كَانَ لَيْلَةُ الْحَصْبَةِ اَرْسَلَ مَعِيْ اَخِيْ عَبْدَ الرَّحْمٰنِ بْنَ اَبِيْ بَكْرٍ فَخَرَجْتُ اِلَى التَّنْعِيْمِ فَاَهْلَلْتُ بِعُمْرَةٍ مَكَانَ عُمْرَتِيْ قَالَ هِشَامٌ وَّ لَمْ يَكُنْ فِيْ شَيْءٍ مِّنْ ذٰلِكَ هَدْيٌ وَّلَا صَوْمٌ وَّ لَا صَدَقَةٌ ۔

ترجمہ، حضرت عائشہ رض فرماتی ہیں کہ ذوالحجہ کا چاند نظر آ چکا تھا کہ ہمیں مدینہ سے نکلنے کا اتفاق ہوا تو جناب رسول اللہ صلعم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص عمرہ کے احرام باندھنے کو پسند کرے وہ عمرہ کا احرام باندھے۔ اگر میں نے ھدی ساتھ نہ لی ہوتی تو میں بھی عمرہ کا احرام باندھتا۔ پس بعض نے عمرہ کا احرام باندھا اور بعض نے حج کا۔ میں ان لوگوں میں تھی جنہوں نے عمرہ کا احرام باندھا تھا پس مجھے یوم عرفہ نے اس حالت میں آلیا کہ میں حائضہ تھی جس کی شکایت میں نے جناب نبی اکرم صلعم سے کی آپ نے ارشاد فرمایا تو اپنا عمرہ چھوڑ دے۔ سر کے بال کھول کر کنگھی کر اور حج کا احرام باندھ چنانچہ میں نے ایسا ہی کیا یہاں تک کہ جب لیلۃ الحصبۃ ہوئی تو آپ نے میرے ساتھ میرے بھائی عبدالرحمن کو بھیجا تو میں نے تنعیم کے مقام پر پہنچ کر اپنے قضا عمرے کی جگہ عمرے کا احرام باندھا۔ ہشام فرماتے ہیں کہ اس میں نہ ھدی اور نہ روزہ اور نہ ہی صدقہ تھا۔

تشریح از شیخ مدنیؒ لم یکن فی شیئ من ذلک ھدی الخ لیکن یہ بہت مشکل ہے۔ اس لئے کہ اگر حضرت عائشہ رض قارنہ تھیں جیسے کہ شوافع رح کہتے ہیں تو پھر ھدی کا ہونا ضروری ہے اگر مفردہ ہوں۔ جیسے کہ احناف رح فرماتے ہیں تو فسخ الحج الی العمرۃ کے لئے ایک ھدی ضروری ہے تو پھر ہشام کا لم یکن فی شیئ من ذلک الخ کہنا کیسے صحیح ہوگا۔ قارن اور متمتع پر ھدی بہرحال لازم ہے۔ اگرچہ اس میں اختلاف ہے کہ وہ دم شکر ہے یا دم جبر ہے۔ تو اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ صحاح ہی میں یہ روایت موجود ہے کہ حضرت عائشہ رض فرماتی ہیں کہ منیٰ میں ہمارے پاس لحم بقر لایا گیا۔ ہم نے پوچھا یہ گوشت کیسا ہے تبلایا گیا۔ ضحیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن ازواجہ یہ روایت

بخاری کی ہے اور صحیح ہے۔ تو پھر لم یکن من شیئ الخ کا مطلب یہ ہوگا کہ ہشام کو علم نہیں ہوگا امام نووی
اسے پسند کرتے ہیں۔ کیونکہ روایت صحیحہ سے ثابت ہے دوسرا جواب یہ ہے کہ یوم خروج الی مکہ
میں طواف نہیں کیا۔ غسل کیا۔ نقض راس اور امتشاط ہوا۔ ان تینوں چیزوں میں کوئی دم جنایۃ واجب
نہیں ہوا۔ آپ نے اس سال اس قسم کی جنایات کرائیں۔ مگر کوئی دم واجب نہیں فرمایا چنانچہ فسخ
الحج الی العمرۃ ہوا اس پر بھی کوئی دم واجب نہیں ہوا۔ اسی طرح تقدیم و تاخیر مناسک پر بھی دم
واجب نہیں اس پر فقہا کا اتفاق ہے۔ اسی طرح حضرت عائشہ رض کی اس جنابت پر کوئی دم واجب نہیں
ہوا۔ عدم علم کی وجہ سے وہ لوگ معذور تھے۔ مگر آج عدم علم کی وجہ سے کسی کو معذور قرار نہ دیا جائے گا
کیونکہ من کان منکم مریضاً فعلیہ فدیہ اور صدقۃ فرمایا گیا۔ خواہ علم ہو یا نہ ہو۔ سر کھجلا رہا تھا۔ جوں گر گئی تو بھی مٹھی
بھر اناج دینا پڑے گا۔ الغرض حج میں قصداً و بلا قصد جو بھی جنایت ہو جائے۔ تو اس پر صدقہ ہوگا
قصد کے ساتھ تو گناہ بھی ہوگا۔ یہ عبادت عشق کے باب سے ہے۔ جس میں عاشق کو خوب تکلیف دی
جاتی ہے۔ تو اب لم یکن فی شیئ من ذلك الخ کہ فی تلك السنۃ اس سال کوئی جزاء اور صدقہ
نہیں تھا۔ اور لفظ صدقہ دلالت کرتا ہے کہ جہۃ ارتکاب محظورات میں سے کوئی چیز نہ تھی۔ اس لئے
قرآن مجید میں صرف ھدی یا صوم کا ذکر ہے۔ یا مراد یہ ہے کہ کوئی چیز حد ھدی کو نہیں پہنچی تھی۔
فی القرآن لیس الا الھدی او الصوم۔

باب قَوْلِ اللهِ عَزَّوَجَلَّ مُخَلَّقَةٍ وَغَيْرِ مُخَلَّقَةٍ۔

ترجمہ، یعنی خلق تام اور ناقص کے بارے میں۔

حدیث نمبر ۳۰۷ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ الخ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ اللهَ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى وَكَّلَ بِالرَّحِمِ مَلَكًا
يَقُوْلُ يَا رَبِّ نُطْفَةٌ يَا رَبِّ عَلَقَةٌ يَا رَبِّ مُضْغَةٌ فَاِذَا اَرَادَ اللهُ اَنْ يَقْضِيَ خَلْقَهٗ
قَالَ اَذَكَرٌ اَمْ اُنْثٰى شَقِيٌّ اَمْ سَعِيْدٌ فَمَا الرِّزْقُ وَمَا الْاَجَلُ قَالَ فَيُكْتَبُ فِيْ بَطْنِ اُمِّهٖ۔

ترجمہ، حضرت انس جناب نبی اکرم صلعم سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ تبارک و تعالیٰ رحم (بچہ دانی)
پر ایک فرشتہ مقرر کرتے ہیں جو کہتا ہے اے رب اب یہ نطفہ ہے۔ پھر کہتا ہے یا رب یہ علقہ ہے۔ گوشت کا
ٹکڑا ہے پھر کہتے ہیں مضغہ ہے پھر اللہ تعالیٰ جب اس کی پیدائش کا فیصلہ فرما دیتے ہیں تو پھر فرشتہ کہتا ہے

نر ہو یا مادہ۔ بدبخت ہو یا نیک بخت پھر اس کی روزی اور اجل (عمر) کیا ہو گا۔ تو یہ سب چیزیں فرشتہ اسے
ماں کے پیٹ میں لکھ دیتا ہے۔

تشریح از شیخ مدنیؒ۔ یہ ترجمہ ایسا ہے کہ اس کو کتاب الحیض سے بظاہر کوئی مناسبت نہیں چاہیئے
تھا کہ اسے کتاب التفسیر میں ذکر کیا جاتا۔ پہلے پہل ماں باپ کی منی نطفہ کی صورت میں رحم میں پڑتی ہے وہ
رحم کی حرارت کی وجہ سے متغیر ہونے لگتا ہے۔ اور دم حیض جو غذا کے لئے ہے اس سے بھی متغیر ہوتا
ہے۔ تو پہلے خون منجمد ہو جاتا ہے۔ اعصاب، ہڈیاں وغیرہ کی بنا ابتدا سے ہی ہوتی ہے۔ بڑھتے بڑھتے
تین ماہ تک تام الخلقۃ ہو جاتا ہے۔ پھر روح حیوانی پیدا ہوتی ہے۔ اس کے درمیان فرشتہ ہر چلّے پر اجازت
طلب کرتا ہے۔ یا رب ھذہ علقۃ اگر حکم ہوا تو فبہا ورنہ اسقاط کر دیتا ہے۔ جب تین چلّے پورے ہو
گئے تو پھر پوچھتا ہے یارب یہ تام الخلقۃ ہو گا یا نہ پھر تام الخلقۃ کے مراتب مختلف ہیں اس کے بعد روح ڈالی
جاتی ہے جس سے بہت تکلیف ہوتی ہے۔ چنانچہ شیخ عبدالعزیز صاحبؒ فرماتے ہیں کہ روح کے جسد
میں ڈالنے سے ایسی تکلیف ہوتی ہے۔ جیسے وزیر کو قید خانہ میں ڈالنے سے تکلیف ہوتی ہے مگر حکم ایزدی
ملنے سے کوئی چارہ کار نہیں ماں کے پیٹ میں بچے کی یہ حالت ہوتی ہے۔ کہ سر گھٹنوں کے درمیان ہے
ہاتھ پیر جکڑے ہوئے جس حالت پر انسان آج چار منٹ نہیں بیٹھ سکتا۔ ماں کے پیٹ میں اس حالت پر
راضی ہے۔ دنیا میں آنے پر روتا ہے۔ پھر بھی بول نہیں سکتا۔ مرنے پر تو ہمیں تکلیف محسوس ہوتی ہے
حالانکہ صوفیاء فرماتے ہیں، کہ موت کے بعد روح کو زیادہ وسعت ملتی ہے۔ اس وقت سے کہ جو جنین
کو پیدائش کے بعد ہوتی ہے۔ الحاصل جو مخلقہ ہو گا اس کی تتمیم کے لئے حیض کی ضرورت ہے اس حالت
میں حیض نہیں آتا۔ ایسی حالت میں جو خون نکلے وہ امام صاحبؒ کے نزدیک استحاضہ ہے اس مسئلہ میں
امام بخاریؒ بھی امام اعظمؒ اور امام احمدؒ کے ساتھ ہیں۔ امام شافعیؒ اسے حیض کہتے ہیں امام مالکؒ سے دو
روایتیں ہیں۔ تو امام بخاریؒ اس ترجمہ سے بتلانا چاہتے ہیں کہ جب مخلقہ کی تتمیم کی ضرورت ہے دم حیض
اس پر صرف ہو گا۔ خون آنا بند ہو جائے گا۔ جو خون آئے وہ استحاضہ ہو گا مصنفؒ اس پر متنبہ کرنے کے
لئے یہ ترجمہ قائم فرماتے ہیں جس سے امام صاحبؒ کے مسلک کی تائید ہوتی ہے۔

تشریح از شیخ زکریاؒ اس باب کی غرض شراح کے نزدیک آیت کی تفسیر کرنا ہے۔ مگر اس وقت
یہ مسئلہ کتب التفسیر کا بن جائے گا جس پر شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ادنیٰ مناسبت کی وجہ سے

بیان فرمادیا۔ اور ابن بطال رح کی رائے ہے کہ اس میں اختلاف ہے کہ حاملہ کو حیض آتا ہے یا نہیں حنفیہ رح اور حنابلہ رح کہتے ہیں کہ نہیں آتا ہے۔ مالکیہ رح اور شافعیہ رح فرماتے ہیں کہ آسکتا ہے۔ امام بخاری رح نے قول اول کی تائید فرمائی ہے کہ حاملہ کو حیض نہیں آتا۔ مگر اشکال یہ ہے کہ روایت میں حیض کے آنے یا نہ آنے کا کوئی ذکر نہیں ہے اور میری رائے یہ ہے کہ امام بخاری رح یہ بیان فرمارہے ہیں کہ بچہ خواہ وہ تام الخلق ہو جو مخلقہ کے معنی ہیں یا ناقص الخلق ہو جو غیر مخلقہ کے معنی ہیں۔ تو اب جب پیدا ہوگا تو اس موقعہ پر جو خون آئے گا وہ دم نفاس ہوگا۔ اس لئے کہ بعد ولادتِ ولد جو خون آتا ہے وہ نفاس کا ہوتا ہے اور یہاں ایسا ہی ہے کیوں کہ ناقص بھی ولد کہلاتا ہے یا رب نطفۃ یہ چالیس دن تک کہتا ہے پھر یارب علقۃ بھی چالیس دن تک کہتا ہے جب نطفہ علقہ بن جاتا ہے اور جب علقہ مضغہ بن جاتا ہے۔ تو اسی طرح چالیس دن تک یا رب مضغۃ کہتا رہتا ہے۔ صوفیاء کرام نے چلہ کشی کو اسی سے مستنبط کیا ہے۔ کیونکہ ایک چلہ کے اندر تغیر ہو جاتا ہے اور تین چلے میں تکمیل خلقت ہو کر جان پڑ جاتی ہے اسی لئے تبلیغ والے بھی تین تین چلے لوگوں سے مانگتے ہیں کہ اس سے دین کی جان پڑ جائے گی اور علماء سے سات چلے کہ اس سے چلنے پھرنے کے قابل ہو جائے گا۔ فیکتب فی بطن امہ آدمی کی سعادت اور شقاوت ایک ورق یا تختی پر لکھ کر اس کے گلے میں ڈال دی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ وکل انسان الزمناہ طائرہ فی عنقہ الآیۃ ؎

پڑا سوتا تھا ملکِ عدم میں ؛ نہ پڑوں تھا دنیا کے غم میں، قالہ الشیخ مدنی

باب كَيْفَ تُهِلُّ الْحَائِضُ بِالْحَجِّ وَالْعُمْرَةِ۔

ترجمہ، حائضہ حج اور عمرہ کا احرام کیسے باندھے۔

حدیث نمبر ۳۰۸ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ الخ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ خَرَجْنَا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ حَجَّةِ الْوَدَاعِ فَمِنَّا مَنْ أَهَلَّ بِعُمْرَةٍ وَمِنَّا مَنْ أَهَلَّ بِحَجٍّ فَقَدِمْنَا مَكَّةَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ أَحْرَمَ بِعُمْرَةٍ وَلَمْ يُهْدِ فَلْيُحْلِلْ وَمَنْ أَحْرَمَ بِعُمْرَةٍ وَأَهْدٰى فَلَا يَحِلُّ حَتّٰى يَحِلَّ نَحْرُ هَدْيِهٖ وَمَنْ أَهَلَّ بِحَجٍّ فَلْيُتِمَّ حَجَّهٗ قَالَتْ فَحِضْتُ فَلَمْ أَزَلْ حَائِضًا حَتّٰى كَانَ يَوْمُ عَرَفَةَ وَلَمْ أُهْلِلْ إِلَّا بِعُمْرَةٍ فَأَمَرَنِي النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ أَنْقُضَ رَأْسِيْ وَأَمْتَشِطَ وَأُهِلَّ بِالْحَجِّ وَأَتْرُكَ الْعُمْرَةَ فَفَعَلْتُ ذٰلِكَ حَتّٰى قَضَيْتُ حَجَّتِيْ فَبَعَثَ مَعِيَ عَبْدَ الرَّحْمٰنِ بْنَ أَبِيْ بَكْرٍ

فَاَمَرَنِیْ اَنْ اَعْتَمِرَ مَکَانَ عُمْرَتِیْ مِنَ التَّنْعِیْمِ ۔

ترجمہ، حضرت عائشہ رضؓ سے روایت ہے کہ وہ فرماتی ہیں کہ حجۃ الوداع میں ہمیں جناب نبی اکرم صلعم کے ہمراہ جانے کا اتفاق ہوا۔ ہم میں سے بعض وہ تھے جنہوں نے صرف عمرہ کا احرام باندھا تھا۔ اور بعض وہ تھے جنہوں نے صرف حج کا احرام باندھا۔ جب ہم مکہ معظمہ میں پہنچے تو جناب رسول اللہ صلعم نے ارشاد فرمایا۔ کہ جس نے عمرہ کا احرام باندھا تھا۔ اور ھدی نہیں چلائی تھی وہ تو حلال ہو جائے اور جس نے عمرہ کا احرام باندھ کر ھدی بھی چلائی تھی۔ وہ اس وقت تک حلال نہیں ہو سکتا۔ جب تک کہ قربانی کا جانور ذبح کر کے حلال نہ ہو جائے۔ اور جس نے صرف حج کا احرام باندھا تھا۔ وہ اپنے حج کو پورا کرے۔ راوی کہتا ہے کہ حضرت عائشہ رضؓ فرماتی ہیں کہ میں حائضہ ہو گئی اور اس وقت تک حیض سے رہی یہاں تک کہ یوم عرفہ آگیا اور میں نے تو صرف عمرہ کا احرام باندھا تھا تو مجھے جناب نبی اکرم صلعم نے حکم دیا کہ میں سر کے بال کھول کے کنگھی کروں اور حج کا احرام باندھوں عمرہ چھوڑ دوں۔ چنانچہ میں نے ایسا کیا یہاں تک کہ میں حج سے فارغ ہو گئی۔ تو آپ نے میرے ساتھ حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضؓ کو بھیجا اور مجھے حکم دیا کہ میں اپنے عمرہ کی بجائے مقام تنعیم سے عمرہ کا احرام باندھوں۔

تشریح از شیخ زکریاؒ۔ روایت نے بتلا دیا کہ غسل کر کے احرام باندھے اس سے امام بخاری رحؒ نے ایک اختلافی مسئلہ کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ حائض کے لئے ظاہر یہ کے نزدیک احرام کے واسطے غسل کرنا واجب ہے اور ائمہ اربعہ کے نزدیک تنظیف کے لئے ہے۔ ظاہر یہ کہتے ہیں کہ چونکہ اس غسل سے پاکی تو حاصل نہیں ہوتی۔ لہٰذا جو امر فرمایا ہے وہ تعبدی ہوگا۔ لہٰذا غسل واجب ہے اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جب غیر حائض کے لئے مستحب ہے تو حائض کے لئے بدرجہ اولیٰ مستحب ہوگا۔ یہ چوتھا باب ہے۔ جو کیف کے ساتھ شروع ہوا۔ اھلّی بالحج واترکی العمرۃ اس جملہ کو ذہن نشین کر لو کتاب الحج میں کام دے گا کیونکہ اس سے حنفیہ کی تائید ہوتی ہے۔

باب اِقْبَالِ الْمَحِیْضِ وَاِدْبَارِہٖ وَکُنَّ نِسَاءٌ یَبْعَثْنَ اِلٰی عَائِشَۃَ بِالدُّرْجَۃِ فِیْهَا الْکُرْسُفُ فِیْهِ الصُّفْرَۃُ فَتَقُوْلُ لَا تَعْجَلْنَ حَتّٰی تَرَیْنَ الْقَصَّۃَ الْبَیْضَاءَ تُرِیْدُ بِذٰلِکَ الطُّهْرَ مِنَ الْحَیْضَۃِ وَبَلَغَ بِنْتَ زَیْدِ بْنِ ثَابِتٍ اَنَّ نِسَاءً یَدْعُوْنَ بِالْمَصَابِیْحِ مِنْ جَوْفِ اللَّیْلِ یَنْظُرْنَ اِلَی الطُّهْرِ فَقَالَتْ مَا کَانَ النِّسَاءُ یَصْنَعْنَ هٰذَا وَعَابَتْ عَلَیْهِنَّ ۔

ترجمہ، حیض کا آنا اور جانا۔ مدینہ کی عورتیں حضرت عائشہ رضہ کے پاس وہ ڈبیہ بھیجا کرتی تھیں جس میں کپاس کا پنبہ ہوتا تھا جس میں خون کی زردی لگی ہوتی تھی۔ تو حضرت عائشہ رضہ فرماتی ہیں کہ جلدی نہ کرو جب تک چونے کی طرح سفید پانی نہ دیکھ لو۔ مقصد یہ تھا کہ جب تک حیض سے پاک نہ ہو جاؤ۔ اور حضرت زید بن ثابت رضہ کی بیٹی کو یہ خبر پہنچی کہ عورتیں آدھی رات کو چراغ منگا کر اپنے طہر کو دیکھتی تھیں تو انہوں نے فرمایا کہ عورتوں کو ایسا نہیں کرنا چاہیئے گویا کہ ان کے اس فعل کو معیوب سمجھا۔

حدیث نمبر ۳۰۹ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ الخ عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ فَاطِمَةَ بِنْتَ اَبِیْ حُبَیْشٍ کَانَتْ تُسْتَحَاضُ فَسَاَلَتِ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ ذٰلِكِ عِرْقٌ وَلَیْسَتْ بِالْحَیْضَةِ فَاِذَا اَقْبَلَتِ الْحَیْضَةُ فَدَعِی الصَّلٰوۃَ وَاِذَا اَدْبَرَتْ فَاغْتَسِلِیْ وَصَلِّیْ۔

ترجمہ، حضرت عائشہ رضہ سے مروی ہے کہ حضرت فاطمہ بنت ابی جیش رضہ استحاضہ میں مبتلا ہو گئیں تو اس کے بارے میں انہوں نے جناب نبی اکرم صلعم سے دریافت فرمایا جس پر آپ نے فرمایا کہ یہ رگ کا خون ہے حیض نہیں ہے۔ جب حیض آجائے تو نماز چھوڑ دو اور جب چلا جائے تو غسل کرو اور نماز پڑھو

تشریح از شیخ زکریا۔ اقبال کے معنی لغت میں آگے آنا۔ اور ادبار کے معنے پیچھے جانا جیسا کہ خاقبل بھما وادبر میں معلوم ہو چکا۔ اس میں اختلاف یہ ہے کہ اس کی حقیقت شرعیہ کیا ہے۔ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک اقبال حیض کے معنی ایک خاص قسم کے خون مثلاً دم اسود کا آجانا۔ اور ادبار کے معنی اس دم اسود کا چلا جانا ہے اور وہ حضرات اسی اقبال وادبار کی روایات سے استدلال کرتے ہیں اور سنن کی روایات میں وھو دم اسود یعرف وارد ہے اس سے بھی استدلال کرتے ہیں۔ مگر وہ روایت ضعیف ہے۔ حنفیہ رح فرماتے ہیں کہ روایات اسی معنی میں نص نہیں ہیں۔ لہٰذا اس معنی پر اس کو حمل نہ کیا جائے اور جہاں وہ روایت آئے گی۔ وہاں تم کو اس کی توجیہ بھی معلوم ہو جائے گی حنفیہ رح فرماتے ہیں کہ لون کا حیض کے اندر کوئی اعتبار نہیں۔ مدار ایام پر ہے۔ ان روایات کی بنا پر جن میں فاذا ذھب قدرھا ہے جیسے ابوداؤد اور نسائی میں ہے اور مالکیہ رح کے نزدیک حنفیہ رح کے بالمقابل صرف تمییز اور لون کا اعتبار ہے ایام کوئی چیز نہیں۔ ان روایات کی بنا پر جن میں لون کا ذکر ہے۔ اور شافعیہ و حنابلہ کے نزدیک جمعاً بین الروایات دونوں کا اعتبار ہے اس کے بعد جہاں کہیں لون اور ایام کے اندر اتفاق ہو جائے۔ وہاں ائمہ کے نزدیک مدت حیض میں کوئی اختلاف نہیں ہوگا۔ حنفیہ کے نزدیک ایام کی بنا پر مالکیہ رح کے نزدیک لون کی بنا پر اور

شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک دونوں کی بنا پر لیکن جہاں کہیں اختلاف ہو جائے۔ تو حنابلہ ہمارے ساتھ ہیں شافعیہ مالکیہ کے ساتھ ہیں۔ لا تعجلن الخ اس سے بھی حنفیہؒ کی تائید اس پر ہوتی ہے کہ لون کا کوئی اعتبار نہیں قصہ بیضا اس سفید پانی کو کہتے ہیں جو اختتام حیض کے بعد نکلتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ روئی وغیرہ سے تری کو پاک کرے۔

باب لَا تَقْضِي الْحَائِضُ الصَّلٰوةَ وَقَالَ جَابِرُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ وَ اَبُوْ سَعِيْدٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَدَعُ الصَّلٰوةَ ترجمہ، حائضہ نماز کو قضا نہ کرے۔ حضرت جابر بن عبداللہ اور ابوسعید رضی اللہ عنہما جناب نبی اکرم صلعم سے روایت کرتے ہیں کہ حائضہ نماز کو چھوڑ دے

حدیث نمبر ۳۱۰ حَدَّثَنَا مُوْسٰى بْنُ اِسْمَاعِيْلَ الخ حَدَّثَتْنِيْ مُعَاذَةُ اَنَّ امْرَاَةً قَالَتْ لِعَائِشَةَ اَتَجْزِيْ اِحْدَانَا صَلٰوتَهَا اِذَا طَهُرَتْ فَقَالَتْ اَحَرُوْرِيَّةٌ اَنْتِ قَدْ كُنَّا نَحِيْضُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَا يَاْمُرُنَا بِهٖ اَوْ قَالَتْ فَلَا نَفْعَلُهٗ۔

ترجمہ، حضرت معاذہ بیان کرتی ہیں کہ ایک عورت نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہا کہ ہم میں سے کسی ایک کو اس کی وہ نماز کافی ہو جائے گی جبکہ وہ پاک ہو جائے یعنی اسے قضا کرے تو حضرت عائشہ نے فرمایا کہ کیا تو حرور یہ ہے یعنی خارجیہ ہے۔ جن کے نزدیک حائضہ کو نماز بھی قضا کرنی چاہیے۔ ہمیں حضرت نبی اکرم صلعم کے زمانہ میں حیض آتا تھا۔ لیکن آپ ہمیں قضا کا حکم نہیں دیتے تھے۔ یا انھوں نے فرمایا کہ ہم نماز قضا نہیں کیا کرتی تھیں۔ حرورا کوفہ کے قریب ایک مقام کا نام ہے جہاں پر خارجیوں کا پہلا اجتماع ہوا تھا

تشریح از شیخ زکریا۔ باب ترک الحائض الصوم میں شراح کا قول نقل کر چکا ہوں اور اپنی رائے بھی وہاں بیان کر دی ہے کہ چونکہ صلوٰۃ اور صوم احکام میں مختلف ہیں۔ اس لئے مصنفؒ نے الگ الگ باب باندھا۔ اور قضا صلوٰۃ نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس میں حرج ہے اور صوم میں حرج نہیں ہے اور میری رائے یہ ہے کہ حیض صوم کے منافی نہیں ہے۔ بخلاف صلوٰۃ کے کہ وہ حیض کے منافی ہے اس لئے کہ صوم میں طہارت شرط نہیں ہے اور صلوٰۃ میں شرط ہے احروایۃ انت حضرت عائشہؓ نے احروریۃ انت کہہ کر اخارجیۃ انت مراد لیا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ خوارج نئے نئے مسائل بتلاتے تھے اور یہ بھی کہا کرتے تھے کہ یہ چیز قرآن میں نہیں یہ نہیں وہ نہیں اس لئے انہوں نے پوچھا کہ یہ جو نیا مسئلہ تو بتلا رہی ہے کیا تو خارجیہ ہے جن کے نزدیک حائضہ پر نماز کی قضا واجب ہے۔

باب النَّوْمِ مَعَ الْحَائِضِ وَهِيَ فِيْ ثِيَابِهَا۔

ترجمہ، حائضہ کے ساتھ سونا کیسا ہے جبکہ وہ اپنے حیض کے کپڑوں میں ہو۔

حدیث نمبر ۳۱۱ حَدَّثَنَا سَعْدُ بْنُ حَفْصٍ الخ عَنْ زَيْنَبَ بِنْتِ أَبِيْ سَلَمَةَ حَدَّثَتْهُ أَنَّ أُمَّ سَلَمَةَ قَالَتْ حِضْتُ وَأَنَا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْخَمِيْلَةِ فَانْسَلَلْتُ فَخَرَجْتُ مِنْهَا فَأَخَذْتُ ثِيَابَ حِيْضَتِيْ فَلَبِسْتُهَا فَقَالَ لِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنُفِسْتِ قُلْتُ نَعَمْ فَدَعَانِيْ فَأَدْخَلَنِيْ مَعَهُ فِي الْخَمِيْلَةِ قَالَتْ وَحَدَّثَتْنِيْ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُقَبِّلُهَا وَهُوَ صَائِمٌ وَكُنْتُ أَغْتَسِلُ أَنَا وَالنَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ إِنَاءٍ وَاحِدٍ مِنَ الْجَنَابَةِ۔

ترجمہ، حضرت زینب بنت ابی سلمہ سے روایت ہے۔ وہ بیان کرتی ہیں کہ حضرت ام سلمہؓ نے فرمایا کہ میں جناب نبی اکرم صلعم کے ساتھ ایک منقش چادر میں تھی کہ مجھے حیض آ گیا۔ تو میں آہستہ سے کھسکی اور اس چادر سے نکل گئی اور اپنے حیض والے کپڑے لے کر پہن لئے تو جناب رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ تجھے حیض آ گیا۔ میں نے ہاں میں جواب دیا۔ آپؐ نے مجھے بلا کر پھر اسی چادر میں اپنے ساتھ داخل کر دیا۔ نیز حضرت ام سلمہؓ یہ بھی بیان فرماتی ہیں کہ جناب نبی اکرم صلعم روزے کی حالت میں ان کو بوسہ دیا کرتے تھے اور یہ کہ میں اور جناب نبی اکرم صلعم جنابت سے ایک ہی برتن میں سے غسل کرتے تھے۔

تشریح از شیخ زکریاؒ چونکہ ابوداؤد شریف میں لم نقدن یعنی ازواج مطہرات فرماتی ہیں کہ زمانہ حیض میں ہم حضور اکرم صلعم کے قریب نہیں جاتی تھیں۔ تو امام بخاریؒ نے ان پر رد فرمادیا۔ اور میرے نزدیک یہ ہے کہ وہاں عدم دنو (قرب) ازواج مطہرات کی طرف سے تھا۔ اور حضور اکرم صلعم خود قریب کر لیتے تھے اور قاعدہ یہ ہے کہ جب عورت کو حیض آتا تھا تو اس کا مزاج چڑچڑا ہو جاتا ہے اور شوہر کا قرب نہیں چاہتی۔

باب مَنِ اتَّخَذَ ثِيَابَ الْحَيْضِ سِوَى ثِيَابِ الطُّهْرِ۔

ترجمہ، باب اس عورت کے بارے میں جو طہر والے کپڑوں کے علاوہ حیض کے کپڑے بنائے۔

حدیث نمبر ۳۱۲ حَدَّثَنَا مُعَاذُ بْنُ فَضَالَةَ الخ عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ بَيْنَا أَنَا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُضْطَجِعَةٌ فِي الْخَمِيْلَةِ حِضْتُ فَانْسَلَلْتُ فَأَخَذْتُ ثِيَابَ حِيْضَتِيْ فَقَالَ أَنُفِسْتِ فَقُلْتُ نَعَمْ فَدَعَانِيْ فَاضْطَجَعْتُ مَعَهُ فِي الْخَمِيْلَةِ۔

ترجمہ، حضرت ام سلمہ رض سے مروی ہے وہ فرماتی ہیں کہ اس اثنا میں کہ میں جناب نبی اکرم صلعم کے ساتھ چادر میں لیٹی ہوئی تھی کہ مجھے حیض آگیا۔ تو میں نے وہاں سے کھسک کر اپنے حیض کے کپڑے لے کر پہنے آپ نے فرمایا کیا تجھے حیض آگیا میں نے کہا ہاں تو آپ نے مجھے بلا کر اپنے ساتھ چادر میں لٹا لیا۔

تشریح از شیخ زکریا اگر کوئی عورت حیض کے لئے دوسرا کپڑا بنالے تو کیا حکم ہے۔ امام بخاری اس کا جواز ثابت فرماتے ہیں کہ یہ اسراف میں داخل نہیں۔ فاخذت ثیاب حیضتی اس روایت کی وجہ سے میں نے باب ھل تصلی المرأة میں لکھا تھا کہ چونکہ یہاں دو کپڑوں کی روایت ہے اور وہاں ایک کی ہے اس لئے امام بخاری نے ھل کے ساتھ ترجمہ باندھ دیا۔ اور اسی سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ اگر کوئی رات کے لئے دوسرے کپڑے لے لے تو جائز ہے

باب شُهُوْدِ الْحَائِضِ الْعِيْدَيْنِ وَدَعْوَةَ الْمُسْلِمِيْنَ وَيَعْتَزِلْنَ الْمُصَلّٰى۔

ترجمہ، حائضہ کا عیدین کی نماز اور مسلمانوں کی دعوت میں حاضر ہونا اور عیدگاہ سے الگ رہنا۔

حدیث نمبر ۳۱۳ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سَلَامٍ الخ عَنْ حَفْصَةَ قَالَتْ كُنَّا نَمْنَعُ عَوَاتِقَنَا أَنْ يَخْرُجْنَ فِي الْعِيْدَيْنِ فَقَدِمَتِ امْرَأَةٌ فَنَزَلَتْ قَصْرَ بَنِيْ خَلَفٍ فَحَدَّثَتْ عَنْ أُخْتِهَا وَكَانَ زَوْجُ أُخْتِهَا غَزَا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثِنْتَيْ عَشَرَةَ غَزْوَةً وَقَالَتْ أُخْتِيْ مَعَهٗ فِيْ سِتٍّ قَالَتْ فَكُنَّا نُدَاوِي الْكَلْمٰى وَنَقُوْمُ عَلَى الْمَرْضٰى فَسَأَلَتْ أُخْتِي النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَعَلٰى إِحْدَانَا بَأْسٌ إِذَا لَمْ يَكُنْ لَّهَا جِلْبَابٌ أَنْ لَا تَخْرُجَ قَالَ لِتُلْبِسْهَا صَاحِبَتُهَا مِنْ جِلْبَابِهَا وَلْتَشْهَدِ الْخَيْرَ وَدَعْوَةَ الْمُؤْمِنِيْنَ فَلَمَّا قَدِمَتْ أُمُّ عَطِيَّةَ سَأَلْتُهَا أَسَمِعْتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَتْ بِأَبِيْ نَعَمْ وَكَانَتْ لَا تَذْكُرُهٗ إِلَّا قَالَتْ بِأَبِيْ سَمِعْتُهٗ يَقُوْلُ تَخْرُجُ الْعَوَاتِقُ وَذَوَاتُ الْخُدُوْرِ وَالْحُيَّضُ وَلْيَشْهَدْنَ الْخَيْرَ وَدَعْوَةَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَتَعْتَزِلُ الْحُيَّضُ الْمُصَلّٰى قَالَتْ حَفْصَةُ فَقُلْتُ الْحُيَّضُ فَقَالَتْ أَلَيْسَتْ تَشْهَدُ عَرَفَةَ وَكَذَا وَكَذَا۔

ترجمہ، حضرت حفصہ رض سے مروی ہے وہ فرماتی ہیں کہ ہم نوجوان عورتوں کو عیدین میں حاضر ہونے سے روکا کرتی تھیں چنانچہ ایک عورت بصرہ کے قصر بنی خلف میں مقیم ہوئی۔ اور اپنی بہن کی طرف سے حدیث بیان کی اور ان کی بہن کا خاوند جناب رسول اللہ صلعم کے ساتھ بارہ جنگوں میں شامل

ہوچکا تھا۔ اور میری بہن اس کے ساتھ چھ جنگوں میں شمولیت کی تھی کہ وہ خود فرماتی ہیں۔ کہ ہم زخمیوں کی مرہم پٹی اور مریضوں کی خبرگیری کرتی تھیں تو میری بہن نے جناب نبی اکرم صلعم سے دریافت کیا کہ ہم میں سے کسی پر گناہ ہے جبکہ اس کے پاس لمبی چادر نہ ہو تو وہ باہر نہ نکلے۔ تو آپ نے فرمایا اس کی سہیلی اپنی چادر کا کچھ حصہ اسے پہنادے اور امور خیر اور دعوت مؤمنین میں ضرور حاضر ہو۔ جب حضرت ام عطیہؓ تشریف لائیں تو میں نے ان سے پوچھا کیا آپ نے یہ جناب نبی اکرم صلعم سے سنا تھا۔ انہوں نے کہا میرا باپ آپ پر قربان ہوں ہاں میں نے سنا تھا۔ اور جب وہ حضور انور صلعم کا تذکرہ کرتی تھیں تو بابی کے الفاظ کہا کرتی تھی۔ راوی کہتے ہیں کہ میں نے ان سے سنا وہ کہتے تھے کہ نوجوان اور پردہ دار اور حیض والی عورتیں بھی نکل کر امورِ خیر اور دعوت مؤمنین میں حاضر ہوں۔ البتہ حیض والی عورتیں عیدگاہ سے الگ رہیں حضرت حفصہؓ فرماتی ہیں میں نے کہا کہ حیض والی عورتیں بھی تو انہوں نے فرمایا کہ کیا وہ عرفات و دیگر مقامات پر حاضر نہیں ہوتیں۔

تشریح از شیخ زکریاؒ اس اعتزال من المصلیٰ کی وجہ کیا ہے۔ حنفیہؒ فرماتے ہیں کہ مصلی (عیدگاہ) مساجد کے حکم میں تو ہے نہیں مگر چونکہ حائضہ اور نفسا نماز نہیں پڑھیں گی اس لئے انہیں اندر جا کر قطع صفوف کی کیا ضرورت ہے۔ ہاں دعوت المسلمین اور عیدین میں تکثیر سواد مسلمین و شرکت فی الدعوات کے لئے حاضر ہونا جائز ہے۔ اور دوسرے علماٗ کی رائے ہے کہ مصلیٰ چونکہ مساجد کے حکم میں ہے۔ اور حائضہ اور نفسا کے لئے مساجد میں جانا ممنوع ہے۔ اس لئے یہ اندر نہیں جاسکتیں عن اقتنا ای شوابنا وعلی الحدا نا باس الخ یعنی اگر ناداری کی وجہ سے کسی کے پاس جلباب نہ ہو۔ اور وہ پردہ کی وجہ سے حاضر نہ ہوسکے تو کیا اس میں کوئی حرج ہے۔ حضور اکرم صلعم نے ارشاد فرمایا لتلبسها یعنی اس کی سہیلی اس کو چادر اڑھادے۔ اس سے بدرجہ اولیٰ معلوم ہوگیا۔ کہ حضور اقدس صلعم دوسرے کی چادر اوڑھ کر جانے کو فرمارہے ہیں۔ من جلبابھا اس کے دو معنی ہیں۔ ایک یہ کہ اس کو اپنے کپڑوں میں سے کوئی کپڑا دیدے اور دوسرا مطلب یہ ہے کہ اسی اپنے کپڑے میں شریک کرلے جو خود اوڑھے ہوئے ہے۔ الا قالت بابی یہ لفظ چار طرح سے پڑھا گیا ہے۔ بابی الف کے ساتھ بیبی۔ ابدال الالف بالیا کے ساتھ۔ اور دو تو صورتوں میں ابدال یا آمزہ کے الف کے ساتھ یعنی بابا۔ بیبی۔ بابا۔ بیبا۔ فقلت الحیض۔ حیض حائض کی جمع ہے۔ اور اس سے پہلے

ہمزہ استفہام ہے۔ الف تعریف کے ساتھ مل کر بالمد ہو گیا۔ البتہ تشہد عرفۃ یعنی عرفہ وغیرہ میں حاضر ہو سکتی ہے۔ تو مصلی کی حاضری میں کیا اشکال ہے

باب اِذَا حَاضَتْ فِیْ شَھْرٍ ثَلَاثَ حِیَضٍ وَّمَا یُصَدَّقُ النِّسَآءُ فِی الْحَیْضِ وَالْحَمْلِ فِیْمَا یُمْکِنُ مِنَ الْحَیْضِ یَقُوْلِ اللّٰہِ تَعَالٰی وَلَا یَحِلُّ لَھُنَّ اَنْ یَّکْتُمْنَ مَاخَلَقَ اللّٰہُ فِیْ اَرْحَامِھِنَّ وَیُذْکَرُ عَنْ عَلِیٍّ وَّشُرَیْحٍ اِنْ جَآءَتْ بِبَیِّنَۃٍ مِنْ بِطَانَۃِ اَھْلِھَا مِمَّنْ یُرْضٰی دِیْنُہٗ اَنَّھَا حَاضَتْ ثَلَاثًا فِیْ شَھْرٍ صُدِّقَتْ وَقَالَ عَطَآءٌ اَقْرَاءُ ھَا مَا کَانَتْ وَبِہٖ قَالَ اِبْرَاھِیْمُ وَقَالَ عَطَآءٌ اَلْحَیْضُ یَوْمٌ اِلٰی خَمْسَۃَ عَشَرَ وَقَالَ مُعْتَمِرٌ عَنْ اَبِیْہِ قَالَ سَاَلْتُ ابْنَ سِیْرِیْنَ عَنِ الْمَرْاَۃِ تَرَی الدَّمَ بَعْدَ قُرْئِھَا بِخَمْسَۃِ اَیَّامٍ قَالَ النِّسَآءُ اَعْلَمُ بِذٰلِکَ۔

ترجمہ: باب اس عورت کے بارے میں جس کو ایک مہینہ میں تین حیض آئیں۔ اور ان امور کے بارے میں جن میں عورتوں کی بات کو سچا سمجھا جائے گا یعنی حیض اور حمل میں لیکن جہاں حیض ممکن ہو۔ بوجہ اللہ تعالیٰ کے اس قول کے ترجمہ کہ عورتوں کے لئے حلال نہیں ہے کہ وہ اس کو چھپائیں جو اللہ تعالیٰ نے ان کے رحموں میں پیدا کیا ہے۔ اور حضرت علیؓ اور شریح سے ذکر کیا جاتا ہے کہ اگر کوئی عورت اپنے خاندان کے اُن خواص میں سے جن کا دین پسندیدہ ہے اس بات کے گواہ پیش کردے کہ ایک مہینہ میں اسے تین حیض آئے ہیں تو اس کی بات کو سچا سمجھا جائے گا۔ اس طرح حضرت عطاؒ فرماتے ہیں کہ حیض جیسا بھی ہو۔ اس کی مدت مقرر نہیں ہے اور ابراہیم نخعی بھی اسی کے قائل ہیں اور عطاؒ یہ بھی فرماتے ہیں کہ حیض کی مدت ایک دن سے لے کر پندرہ دن تک ہے اور معتمر اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے ابن سیرین سے اس عورت کے بارے میں پوچھا کہ جو عورت اپنے حیض کے پانچ دن بعد خون دیکھے تو اس کا کیا حکم ہے انہوں نے فرمایا کہ عورتیں ان معاملات کو ہم سے زیادہ جاننے والی ہیں۔

تشریح از شیخ مدنیؒ۔ قلت اور کثرت ایام حیض میں امام بخاریؒ۔ امام مالکؒ کے ساتھ ہیں کہ اس کی کوئی تحدید نہیں کبھی کبھی تعیین ہو جاتی ہے۔ امام شافعیؒ اقل حیض یوم و لیلۃ اور اکثر خمسہ عشر کو قرار دیتے ہیں۔ امام اعظمؒ کے نزدیک اقل مدت حیض تین دن تین رات ہے۔ اور اکثر مدت دس دن ہے۔ اور صاحبین کے نزدیک اقل مدت یومین وشیئی من یوم ثالث۔ ثلثۃ قروء میں قرء کے معنی اگر حیض کے

ہوں جیسے امام اعظمؒ اور امام احمدؒ لیتے ہیں۔ تو تین حیض ساٹھ دن سے کم میں نہیں ہو گا۔ اور اگر قرء کے معنی طہر کے ہوں جیسے امام شافعیؒ لیتے ہیں۔ تو ۳۳ دن ہوں گے اور صاحبین کے نزدیک ۳۹ دن سے کم میں ثلثۃ قروء پورے نہ ہوں گے۔ دونوں جمع ہو سکتے ہیں۔ امام بخاریؒ کے نزدیک چونکہ اقل حیض ایک ساعۃ بھی ہے۔ تو ثلاث ساعات میں اس کی تصدیق کی جائے گی۔ مگر جبکہ اس کا دعوای ممکن بھی ہو۔ یعنی حمل اور حیض میں جو اس کی عادت ہو۔ اس پر محمول کیا جائے گا اگر ممکن الوقوع نہ ہو۔ تو پھر اس کی تصدیق نہ کی جائے گی۔ مگر جبکہ اس کا دعوای ممکن بھی ہو۔ یعنی حمل اور حیض میں جو اس کی عادت ہو۔ اس پر محمول کیا جائے گا اگر ممکن الوقوع نہ ہو۔ تو پھر اس کی تصدیق نہ کی جائے گی۔ حضرت شریحؒ کوفہ کے قاضی تھے۔ بہت سمجھدار شخص ہیں حضرت عمرؓ کے عہد سے لے کر حجاج بن یوسف کے زمانہ تک قاضی کے عہدے پر فائز رہے ہیں اور اہلِ فارس کی ایک زمانہ میں یمن پر حکومت رہی ہے۔ جبکہ چند قیدیوں نے جا کر حبشیوں پر حملہ کیا تھا اور فتح پائی تھی۔ قاضی بھی ان میں سے ہیں بطانۃ اندر کے کپڑے کو کہتے ہیں چونکہ اس اثر کے ثبوت میں کمزوری ہے اس لئے بذکر کہا گیا۔ اور قاضی شریحؒ کے فیصلے نہایت حیرت انگیز ہوتے تھے۔ خال عطاء اقراؤها ما كانت یہ اقوال تابعین امام اعظمؒ پر حجۃ نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ امام صاحبؒ کے پاس روایات ہیں جن کو دارقطنیؒ اور بیہقیؒ نے نقل کیا ہے۔ اگرچہ وہ ضعف سے خالی نہیں۔ مگر تعدد طرق سے درجہ حسن کو پہنچ جاتی ہیں۔ اس لئے امام صاحب اقل حیض ثلثۃ ایام واکثرها عشرۃ ایام کے قائل ہیں۔

تشریح از شیخ زکریاؒ۔ اس باب میں اصل جملہ وما یصدق النساء ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ اس چیز کا باب ہے جس کے اندر عورتوں کی بات کی تصدیق کی جاتی ہے۔ حیض اور حمل کے بارے میں مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی عورت کسی ایسی بات کا دعوای کرے جو اس سے معلوم ہو سکتی ہے۔ مثلاً حیض یا حمل اور اس کا دعوای اس کی تکذیب نہ کرتا ہو۔ تو اس کا قول اس میں معتبر ہو گا لیکن اس سے پہلے اذا حاضت فی شہر ثلث حیض ذکر فرما دیا۔ اس کے مہتم بالشان اور کثیر الاختلاف ہونے کی بنا پر چونکہ اس میں اختلاف ہے کہ اگر کوئی عورت یہ کہے کہ مجھ کو ایک ہی ماہ میں تین حیض آ گئے تو اب اس کا قول معتبر ہو گا یا نہیں امام بخاریؒ کی رائے ہے کہ معتبر ہو گا اس لئے اس کو ذکر فرما دیا۔ اب ائمہ اربعہ کا اس مسئلے میں اختلاف ہے کہ وہ اقل مدت کون سی ہے جس کے اندر اگر عورت انقضاء مدت کا دعوای کرے تو اس کا قول معتبر ہو گا۔ امام احمدؒ سے مشہور یہ ہے کہ ۲۸ دن اور دو لحظے ہیں اور امام مالکؒ کے نزدیک تیس دن اور چار لحظات ہیں اور امام شافعیؒ

کے نزدیک ۳۲ دن اور لحظتیں ہیں اور امام اعظمؒ کے نزدیک ۶۰ دن ہیں۔ اور صاحبین کے نزدیک ۳۹ دن ہیں اور یہ اختلاف ایک اور اختلاف پر مبنی ہے۔ وہ یہ کہ اقل مدت حیض اور اکثر مدت حیض کیا ہے۔ اور اقل مدت طہر کیا ہے۔ امام احمدؒ کے نزدیک اقل مدت حیض ایک دن ہے۔ اور اکثر پندرہ دن ہے۔ اور یہی امام شافعیؒ کا مذہب ہے۔ اور مالکیہ کے نزدیک اقل مدت حیض کچھ نہیں ایک لحظہ بھی ہو سکتا ہے اور اقل مدت طہر امام احمدؒ کے نزدیک تیرہ دن ہے۔ اور ائمہ ثلاثہؒ کے نزدیک پندرہ دن ہیں تو جب امام احمدؒ کے نزدیک اقل مدت حیض ایک دن ہے۔ اور اقل مدت طہر تیرہ دن ہے تو اب انقضائے عدت کی اٹھائیس دن اور لحظتین کے اندر یہ صورت ہوگی کہ ایک لحظہ وہ طہر جس کے اندر طلاق دی۔ اور پھر ایک دن اقل مدت حیض اور پھر تیرہ دن اقل مدت طہر مجموعہ چودہ دن اور ایک لحظہ ہو گیا۔ پھر ایک دن اقل حیض اور تیرہ دن اقل طہر اور ایک لحظہ حیض کا جس کے اندر وہ طہر ختم ہوا۔ یہ بھی چودہ دن اور ایک لحظہ ہو گیا۔ مجموعہ اٹھائیس دن اور دو لحظات ہو گئے۔ اور چونکہ ان کے نزدیک عدت بالاطہار ہوگی۔ لہٰذا ایک لحظہ طہر جس کے اندر طلاق دی۔ اور اس کے بعد تیرہ دن ایک دن کا فاصلہ دے کر اور پھر تیرہ دن درمیان میں ایک دن کا فاصلہ دے کر مجموعہ تین طہر ہو گیا۔ اور مالکیہؒ کے نزدیک تیس دن اور اربع لحظات اس طرح ہوں گے کہ ایک لحظہ طہر جس میں طلاق دی۔ پھر ایک لحظہ حیض ایک دن کی بجائے جو حنابلہ کے یہاں ہے۔ اور پھر پندرہ دن اقل طہر اور پھر ایک لحظہ حیض پھر پندرہ دن طہر پھر ایک لحظہ حیض جس کے اندر طہر ثالث ختم ہوا۔ پندرہ پندرہ مل کر تیس ہو گئے جو اقل طہر ہیں اور ایک لحظہ اقل طہر کا جس کے اندر طلاق دی ہے اور تین لحظات حیض کے مجموعہ تیس دن اربع لحظات ہو گیا اور شوافعؒ چونکہ اقل طہر میں مالکیہؒ کے ساتھ ہیں۔ اور اقل حیض میں حنابلہ کے ساتھ اس لئے پندرہ و پندرہ دو طہر ہو کر تیس یوم ہو گئے؛ اور دو دن درمیان میں حیض کے اب سب مجموعہ ۳۲ ہو گیا۔ اور ایک لحظہ طہر جس کے اندر طلاق دی۔ اور ایک لحظہ حیض جس کے اندر طہر ثالث ختم ہوا۔ اب مجموعہ ۳۲ دن اور دو لحظات ہو گئے اور صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ چونکہ عدت بالحیض ہوگی۔ اور اقل مدت حیض تین دن اور اقل مدت طہر پندرہ دن ہیں لہٰذا تین حیض کے مجموعہ ایام نو دن ہو گئے۔ اور درمیان میں دو طہر پندرہ پندرہ دن کے یہ تیس ہو گئے اس طرح اب مجموعہ ۳۹ دن ہو گئے۔ امام صاحبؒ فرماتے ہیں کہ یہ نہیں ہو سکتا۔ کہ دونوں جانب اقل ہی مراد لیا جائے طہر کے اندر بھی اور حیض کے اندر بھی۔ بلکہ ایک طرف اگر اقل ہوگا تو دوسری طرف اکثر چونکہ اکثر طہر کی کوئی حد نہیں اس لئے اکثر حیض لیں گے۔ چونکہ عدت بالحیض ہے لہٰذا تین حیض اکثر مدت کے اعتبار سے ۳۰ دن ہو گئے

کیونکہ اکثر مدت حیض دس دن ہے۔ اور درمیان میں دو اقل طہر کے تیس دن ہو گئے۔ اب کل مجموعہ ساٹھ ہو گیا۔ اس تفصیل سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ امام بخاریؒ نے جو ایک ماہ کے اندر انقضائے عدت کو بیان فرمایا ہے۔ وہ حنابلہ اور مالکیہ کے مذہب پر تو صادق آئے گا۔ لیکن حنفیہ اور شافعیہ کے مذہب پر ایک ماہ کے اندر انقضاء عدت نہیں ہو سکتا۔ بقول اللہ تعالیٰ ولا یحل لھن ان یکتمن ما خلق اللہ فی ارحامھنّ آیت شریفہ سے ان عورتوں کے قول کے معتبر ہونے پر استدلال اس طرح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر ما فی الارحام کے کتمان کو حرام قرار دے دیا ہے۔ اگر ان کے قول کا اعتبار ہی نہ ہوتا۔ تو اس کے کتمان کی تحریم کا کیا فائدہ خواہ وہ کتمان کریں یا ظاہر کریں۔ قال عطاء اقراءھا ما کانت یعنی ہم کوئی مدت مقرر نہیں کر سکتے جو اس کو آتا ہو وہی اس کا حیض ہے۔ چاہے جتنے دن بھی آتے۔ الحیض یوم الی خمسۃ عشر یعنی اقل ایک دن ہے، اور اکثر پندرہ دن ہیں۔ قال النساء اعلم بذالک یعنی پانچ دن بھی ہو سکتے ہیں۔

حدیث نمبر ۳۱۴ حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ اَبِیْ رَجَاءٍ الخ عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ فَاطِمَةَ بِنْتَ اَبِیْ حُبَیْشٍ سَاَلَتِ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ اِنِّیْ اُسْتَحَاضُ فَلَا اَطْهُرُ اَفَاَدَعُ الصَّلٰوةَ فَقَالَ لَا اِنَّ ذٰلِكِ عِرْقٌ وَّلٰكِنْ دَعِیْ الصَّلٰوةَ قَدْرَ الْاَیَّامِ الَّتِیْ كُنْتِ تَحِیْضِیْنَ فِیْهَا ثُمَّ اغْتَسِلِیْ وَصَلِّیْ۔ (الحدیث)

ترجمہ، حضرت عائشہ رضؓ سے مروی ہے کہ حضرت فاطمہ بنت ابی حبیشؓ نے جناب نبی اکرم صلعم سے دریافت کیا کہ میں مستحاضہ ہوں پاک نہیں رہ سکتی کیا میں نماز چھوڑ دوں آپؐ نے فرمایا نہیں یہ تو رگ کا خون ہے لیکن تو اتنے دنوں کی مقدار نماز کو چھوڑ دے جتنے دن تجھے حیض آیا کرتا تھا پھر غسل کر کے نماز پڑھ لے۔

تشریح از شیخ زکریاؒ، دعی الصلوٰۃ قدر الایام الخ یہ جملہ حنفیہ کی تائید ہے اس لئے کہ ان کے نزدیک عادت معتبر ہے، رنگ اور تمیز کا کوئی اعتبار نہیں یہ روایت ان کے خلاف ہے۔ جس روایت میں اقبال و ادبار آتا ہے اس سے تمیز کے قائلین استدلال کرتے ہیں کہ اقبال سے مراد یہ ہے کہ رنگ ممتاز ہو جائے ہم اس کا جواب دیتے ہیں کہ نسائی میں کثرت سے روایات ہیں جو عادت کے اعتبار پر دلالت کرتی ہیں۔

باب الصُّفْرَةِ وَالْكُدْرَةِ فِیْ غَیْرِ اَیَّامِ الْحَیْضِ

ترجمہ، ایام حیض نہ ہوں اس میں خون میں زردی اور مٹیالے پن کا کیا حکم ہے۔

حدیث نمبر ۳۱۵ حَدَّثَنَا قُتَیْبَةُ بْنُ سَعِیْدٍ الخ عَنْ اُمِّ عَطِیَّةَ قَالَتْ كُنَّا لَا نَعُدُّ

اَلْكُدْرَةَ وَالصُّفْرَةَ شَيْئًا (الحديث)

ترجمہ، حضرت ام عطیہ رضؓ فرماتی ہیں کہ ہم میلا پن اور زردی کو کچھ بھی اعتبار نہیں کرتے تھے۔

تشریح از شیخ زکریاؒ، چونکہ ماسبق میں حضرت عائشہ رضؓ کا قول حتی ترین القصۃ البیضا گذر چکا ہے اس کا تقاضا یہ ہے کہ ہر رنگ لون حیض ہو۔ وکنا لا نعدّ الکدرۃ الخ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حیض کا لون نہیں ہے لہٰذا امام بخاریؒ نے دونوں کی جمع کی طرف اشارہ فرمادیا۔ جیسا کہ ان کا طریقہ ہے کہ روایات مختلفہ کو ترجمہ سے جمع فرماتے ہیں، تو یوں جمع فرمایا کہ کدرۃ اور صفرۃ کا اعتبار نہ کرنا یہ غیر ایام حیض کے اندر تھا۔ اور حتی ترین القصۃ الخ یہ ایام حیض کے اندر ہے تو حدیث باب سے یہ بات معلوم ہوئی کہ تمیز لون وغیرہ کا کوئی اعتبار نہیں جیسا کہ ائمہ ثلاثہ کا مذہب ہے۔ بلکہ عادت کا اعتبار ہوگا جیسا کہ ہمارا مذہب ہے۔

باب عِرْقِ الْاِسْتِحَاضَةِ۔

ترجمہ، استحاضہ رگ کا خون ہے۔

حدیث نمبر ۳۱۶ حَدَّثَنَا اِبْرَاهِيْمُ ابْنُ الْمُنْذِرِ الخ عَنْ عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّ اُمَّ حَبِيْبَةَ اُسْتُحِيْضَتْ سَبْعَ سِنِيْنَ فَسَاَلَتْ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ ذٰلِكَ فَاَمَرَهَا اَنْ تَغْتَسِلَ فَقَالَ هٰذَا عِرْقٌ فَكَانَتْ تَغْتَسِلُ لِكُلِّ صَلٰوةٍ۔

ترجمہ، حضرت عائشہ رضؓ حضور اقدس صلعم کی زوجہ محترمہ سے مروی ہے کہ حضرت ام حبیبہ رضؓ سات سال تک استحاضہ میں مبتلا رہیں۔ تو انہوں نے اس کے بارے میں جناب رسول اللہ صلعم سے دریافت کیا تو آپؐ نے ان کو حکم دیا کہ وہ غسل کرتی رہے اور فرمایا کہ یہ رگ کا خون ہے پس وہ نماز کے لئے غسل کرتی تھیں۔

تشریح از شیخ زکریاؒ، چونکہ پہلے معلوم ہو چکا ہے کہ استحاضہ بگڑا ہوا حیض ہے۔ اس روایت سے معلوم ہوا کہ وہ رگ کا خون ہے تو امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ دونوں کے اندر کوئی تعارض نہیں بلکہ استحاضہ اس رگ سے متعلق ہے جو رحم کے اندر لگی ہوئی ہوتی ہے

باب الْمَرْاَةِ تَحِيْضُ بَعْدَ الْاِفَاضَةِ۔

ترجمہ، طواف افاضہ کے بعد عورت کو حیض آجائے تو اس کا کیا حکم ہے

حدیث نمبر ۳۱۷ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوْسُفَ الخ عَنْ عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهَا قَالَتْ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ صَفِيَّةَ

بِنْتَ حُيَيٍّ قَدْ حَاضَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَعَلَّهَا تَحْبِسُنَا أَلَمْ تَكُنْ طَافَتْ مَعَكُنَّ فَقَالُوْا بَلٰى قَالَ فَاخْرُجِيْ ۔ (الحدیث)

ترجمہ، حضرت عائشہؓ زوج النبی صلعم سے مروی ہے انہوں نے جناب رسول اللہ صلعم سے عرض کی کہ یا رسول اللہ حضرت صفیہ بنت حیی رضؓ کو حیض آچکا ہے جس پر آپؐ نے فرمایا کہ شاید وہ ہمیں واپس جانے سے روک دے گی۔ کیا اس نے تمہارے ساتھ طواف زیارت نہیں کیا تھا۔ انہوں نے کہا کیوں نہیں یعنی وہ طواف زیارت کرچکی ہے۔ آپؐ نے فرمایا اب سفر کے لئے نکلو۔

حدیث نمبر ۳۱۸ حَدَّثَنَا مُعَلَّى بْنُ أَسَدٍ الخ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ قَالَ رُخِّصَ لِلْحَائِضِ أَنْ تَنْفِرَ إِذَا حَاضَتْ وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ يَقُوْلُ فِيْ أَوَّلِ أَمْرِهٖ إِنَّهَا لَا تَنْفِرُ ثُمَّ سَمِعْتُهُ يَقُوْلُ تَنْفِرُ إِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَخَّصَ لَهُنَّ ۔

حضرت ترجمہ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ حائضہ کو طواف زیارت کے بعد جب وہ حائضہ ہوجائے تو اس کو مکہ سے کوچ کرنے کی رخصت دی گئی ہے، حضرت ابن عمرؓ پہلے یہ فرماتے تھے کہ اسے کوچ کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ پھر میں نے ان سے سنا وہ فرماتے تھے کہ وہ کوچ کرسکتی ہے کیونکہ جناب رسول اللہ صلعم نے ان کو اجازت دی ہے

تشریح از شیخ مدنیؒ۔ طواف افاضہ اور طوافِ وداع الگ الگ طواف ہیں، طوافِ قدوم تو تحیۃ المسجد کے درجہ میں ہے اور طوافِ وداع آفاقی کے لئے گھر لوٹتے ہوئے واجب ہے اور طواف قدوم سنت ہے۔ اور طوافِ زیارت جو دسویں ذوالحجہ سے بارھویں تک ہوتا ہے۔ یہ آفاقی اور غیر آفاقی دونو کے لئے فرض ہے۔ اگر یہ طواف افاضہ کسی نے نہیں کیا۔ تو بالاتفاق طوافِ افاضہ کے لئے ٹھیرنا پڑے گا۔ غیر حائضہ کے لئے بارھویں تک تاریخ مقرر ہے اور حائضہ اس کے بعد طہر میں ادا کرسکتی ہے۔ اگر کسی نے طوافِ وداع نہیں کیا۔ تو جمہور فرماتے ہیں کہ اس کے لئے انتظار ضروری نہیں بعض صحابہؓ کو اس کا علم نہیں تھا۔ جیسے ابن عمرؓ وہ طوافِ زیارت کی طرح اس کے لئے طہر کے انتظار کا حکم دیتے تھے جب علم ہوگیا تو اس کے قائل نہ رہے۔

تشریح از شیخ زکریاؒ، یہ مسئلہ کتاب الحج کا ہے یہاں بحیثیت حیض کے ذکر فرما دیا۔ یہ مسئلہ صحابہ کے درمیان مختلف رہ چکا ہے۔ ایک جماعت جن میں ابن عمرؓ وغیرہ ہیں کی رائے یہ تھی کہ اگر عورت کو طوافِ

افاضہ کے بعد حیض آجائے۔ تو اس کو طواف صدر جو کہ واجب ہے۔ اس کے لئے ٹھیرنا ہوگا۔ اور جمہور کا مذہب حضرت صفیہؓ والی روایت کی بنا پر یہ ہے کہ اس کو بلا طواف صدر کئے رجوع جائز ہے۔ یہی ائمہ اربعہ کا مذہب ہے۔ لعلہا تحبسنا اس لئے کہ اس کی وجہ سے مجھے رکنا پڑے گا۔ اور میری وجہ سے سارے لوگ رک جائیں گے۔

باب اِذَا رَاَتِ الْمُسْتَحَاضَةُ الطُّهْرَ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ تَغْتَسِلُ وَتُصَلِّيْ وَلَوْ سَاعَةً مِّنْ نَّهَارٍ وَّ يَاْتِيْهَا زَوْجُهَا اِذَا صَلَّتْ اَلصَّلٰوةُ اَعْظَمُ۔

ترجمہ، باب ہے کہ جب مستحاضہ انقطاع حیض کے بعد طہر دیکھے تو اس کا کیا حکم ہے، حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں وہ غسل کرے اور نماز پڑھے اگرچہ دن کی ایک گھڑی میں بھی طہر دیکھے اور جب وہ نماز پڑھ لے تو اس کا خاوند اس سے ہمبستری کر سکتا ہے۔ کیونکہ نماز تو اعظم ہے۔ وطی اس سے کم درجہ ہے وہ بطریق اولیٰ جائز ہوگی۔

حدیث نمبر ۳۱۹ حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ يُوْنُسَ الخ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَقْبَلَتِ الْحَيْضَةُ فَدَعِي الصَّلٰوةَ وَاِذَا اَدْبَرَتْ فَاغْسِلِيْ عَنْكِ الدَّمَ وَصَلِّيْ (الحدیث)

ترجمہ، حضرت عائشہ صدیقہؓ سے مروی ہے وہ فرماتی ہیں جناب نبی اکرم صلعم نے فرمایا، جب حیض آجائے تو نماز چھوڑ دو۔ اور جب چلا جائے تو اپنے سے خون دھو کر نماز ادا کرو۔

تشریح از شیخ زکریاؒ امام بخاریؒ نے صرف اتنا ذکر فرما دیا آگے حکم کوئی نہیں لگایا۔ اب یا تو اس سے رد کرنا ہے ان لوگوں پر جو طہر کی کوئی حد مقرر کرتے ہیں۔ اور مطلب یہ ہے کہ مستحاضہ جب طہر دیکھ لے تو وہ پاک ہے چاہے کتنی قلیل مدت کیوں نہ ہو۔ اور اس کے لئے طاہرات کے احکام ہوں گے۔ لیکن اس صورت میں امام بخاریؒ ائمہ اربعہؒ سے الگ ہو جائیں گے۔ لہٰذا میری رائے ہے کہ امام بخاریؒ مالکیہؒ پر رد فرما رہے ہیں۔ کیونکہ مالکیہؒ کے یہاں مسئلہ استظہار (طہارت حاصل کرنا) ہیں تین دن یا پانچ دن یا سات دن عادت پر زیادہ لگاتے ہیں۔ امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ یہ کچھ نہیں جب طہر دیکھ لیا تو بس وہی طہر ہے۔ قال ابن عباسؓ تغتسل وتصلی ولو ساعۃ الخ قول اوّل پر اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اگرچہ ایک ساعۃ طہر ہو۔ وہ طہر ہے اس کے اندر نماز پڑھے اور غسل کرے اور میرے قول پر مطلب یہ ہے کہ اگر ایک ساعۃ طہر دیکھے تو وہ طہر (طہارت حاصل کرنا) استظہار کچھ نہیں دیا تیہا زوجہا۔ یہ دوسرا مسئلہ ہے حنابلہ کے نزدیک مستحاضہ سے وطی جائز نہیں گو وہ نماز پڑھ سکتی ہے کیونکہ نماز اہم ہے

اور جمہور کے نزدیک جب نماز پڑھ سکتی ہے. تو اس کے ساتھ وطی بھی کی جا سکتی ہے. کیونکہ نماز تو اعظم ہے تو جب اعظم جائز ہے تو وطی جو ادنیٰ ہے وہ بھی جائز ہو گی۔

باب الصلوٰۃ علی النفساء و سنتہا۔

ترجمہ، نفاس والی عورت کا جنازہ کیسے پڑھا جائے اور اس کا سنت طریقہ کیا ہے۔

حدیث نمبر ۳۲۰ حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ اَبِیْ سُرَیْجٍ الخ عَنْ سَمُرَۃَ بْنِ جُنْدُبٍ اَنَّ امْرَاَۃً مَاتَتْ فِیْ بَطْنٍ فَصَلّٰی عَلَیْہَا النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَامَ اَوْسَطَہَا۔

ترجمہ، حضرت سمرۃ بن جندبؓ سے مروی ہے کہ ایک عورت وضع حمل میں مر گئی تو جناب نبی اکرم صلعم نے اس کا جنازہ اس طرح پڑھا کہ اس کے درمیان قیام فرمایا۔

تشریح از شیخ مدنی رح حائضہ اور نفساء اگر مر جائیں. تو چونکہ وہ پاک نہیں تھیں خدشہ تھا کہ ان پر نماز جنازہ نہ پڑھی جائے. مگر آپؐ نے نماز جنازہ پڑھی جس سے معلوم ہوا کہ ان کی یہ نجاست نجاستہ حکمیہ ہے ماتت فی بطن یہ محاورہ ہے جو ماتت فی الولادت کی جگہ بولا جاتا ہے۔

باب حدیث نمبر ۳۲۱ حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ مُدْرِكٍ الخ عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ شَدَّادٍ قَالَ سَمِعْتُ خَالَتِیْ مَیْمُوْنَۃَ زَوْجَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنَّہَا کَانَتْ تَکُوْنُ حَائِضًا لَا تُصَلِّیْ وَہِیَ مُفْتَرِشَۃٌ بِحِذَاءِ مَسْجِدِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَہُوَ یُصَلِّیْ عَلٰی خُمْرَتِہٖ اِذَا سَجَدَ اَصَابَنِیْ بَعْضُ ثَوْبِہٖ

ترجمہ، حضرت عبداللہ بن شداد سے مروی ہے. کہ میں نے اپنی خالہ حضرت میمونہ رضی سے سنا کہ وہ حائضہ ہونے کی وجہ سے نماز نہیں پڑھتی تھیں وہ حضور اکرم صلعم کی سجدہ گاہ کے بالمقابل فرش پر لیٹی ہوئی تھیں جبکہ جناب نبی اکرم صلعم اپنی چٹائی پر نماز پڑھ رہے تھے، جب آپؐ سجدہ کرتے تو آپؐ کے کپڑے کا حصہ مجھے لگتا تھا۔

تشریح از شیخ مدنی رح اس باب کو بلا ترجمہ لائے، جس سے یہ ثابت کرنا مقصود ہے کہ جیسے نفساء کی نجاست حکمیہ ہوتی ہے. ایسے حائضہ کی نجاستہ بھی حکمیہ ہوتی ہے. یہی وجہ ہے کہ حائضہ کے قریب ہونے کے باوجود آپؐ کی نماز پر کوئی اثر نہیں پڑا تو معلوم ہوا کہ حائضہ پر بھی نفساء کی طرح نماز جنازہ پڑھی جا سکتی ہے

تشریح از شیخ زکریاؒ، امام بخاریؒ کی غرض یہ ہے کہ چونکہ نفسا خود نماز نہیں پڑھتی اس سے شبہ ہوتا ہے کہ اگر وہ مرجائے تو اس پر نماز جنازہ نہ پڑھی جائے۔ تو امام بخاریؒ تنبیہ فرماتے ہیں کہ اگرچہ وہ اپنے ناپاک ہونے کی وجہ سے نماز نہیں پڑھتی۔ لیکن اس پر نماز جنازہ پڑھی جائے گی، رفقام وسطھا یہ مسئلہ کہ امام میت کے کس حصہ کے مقابل کھڑا ہو، سر کے مقابل۔ یا سینے کے یا وسطہا عجز (سرین) کے مقابل اس پر امام بخاریؒ مستقل کتاب الجنائز میں ص ۱۷۷ پر باب این یقوم من المرأۃ والرجل منعقد فرمائیں گے بہرحال یہاں وسط میں کھڑے ہونے کو ثابت فرمایا۔

باب یہ باب بلا ترجمہ ہے شراحؒ کی رائے یہ ہے کہ سنن کی روایت ہے تقطع الصلوٰۃ المرأۃ والکلب والحمار و الحائض لہٰذا امام بخاریؒ اس پر رد فرماتے ہیں کہ حائض قطع صلوٰۃ نہیں کرتی اس لئے کہ اس کا لیٹا رہنا اور گزر جانا برابر ہے۔ مگر میرے نزدیک یہ غرض نہیں کیونکہ اس صورت میں یہ مسئلہ ابواب السترہ کا بن جائے گا۔ مگر میری رائے یہ ہے کہ امام بخاریؒ اس باب سے صلوٰۃ الجنازہ علی الحائض ثابت فرمارہے ہیں کہ چونکہ نفسا اور حائض کے احکام یکساں ہیں اس لئے جیسے نفسا پر صلوٰۃ الجنازہ جائز ہے اسی طرح حائضہ پر بھی کیونکہ بحالت نجاستہ مصلی کے سامنے پڑے رہنا اور میت حائض کا پڑا رہنا برابر ہے بعض نے تو یہ اس جملہ سے غایت قرب بیان کر رہی ہیں۔ اس باب کی آخری حدیث پر ہے کہ حضرت میمونہؓ سامنے لیٹی رہتی تھیں تو اس سے موت کی طرف اشارہ ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط

كِتَابُ التَّيَمُّمِ

وَقَوْلِ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا (الآیۃ)

اگر پانی نہ پاؤ تو تیمم کرو۔

حدیث نمبر ۳۲۲ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوْسُفَ الخ عَنْ عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَتْ خَرَجْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ بَعْضِ أَسْفَارِهٖ حَتّٰى إِذَا كُنَّا بِالْبَيْدَآءِ أَوْ بِذَاتِ الْجَيْشِ انْقَطَعَ عِقْدٌ لِّيْ فَأَقَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ

وَسَلَّمَ عَلَى الْتِمَاسِهِ وَاَقَامَ النَّاسُ مَعَهُ وَلَيْسُوْا عَلٰى مَآءٍ فَاَتَى النَّاسُ اِلٰى اَبِىْ بَكْرٍ
الصِّدِّيْقِ فَقَالُوْا اَلَا تَرٰى مَا صَنَعَتْ عَآئِشَةُ اَقَامَتْ بِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ وَالنَّاسِ وَلَيْسُوْا عَلٰى مَآءٍ وَلَيْسَ مَعَهُمْ مَآءٌ فَجَآءَ اَبُوْبَكْرٍ وَّرَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاضِعٌ رَّاْسَهُ عَلٰى فَخِذِىْ قَدْ نَامَ فَقَالَ حَبَسْتِ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ وَالنَّاسَ وَلَيْسُوْا عَلٰى مَآءٍ وَّلَيْسَ مَعَهُمْ مَآءٌ فَقَالَتْ عَآئِشَةُ فَعَاتَبَنِىْ اَبُوْبَكْرٍ وَّقَالَ
مَا شَآءَ اللّٰهُ اَنْ يَّقُوْلَ وَجَعَلَ يَطْعَنُنِىْ بِيَدِهٖ فِىْ خَاصِرَتِىْ فَلَا يَمْنَعُنِىْ مِنَ التَّحَرُّكِ اِلَّا
مَكَانُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى فَخِذِىْ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ حِيْنَ اَصْبَحَ عَلٰى غَيْرِ مَآءٍ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ اٰيَةَ التَّيَمُّمِ فَتَيَمَّمُوْا فَقَالَ
اُسَيْدُ بْنُ الْحُضَيْرِ مَا هِىَ بِاَوَّلِ بَرَكَتِكُمْ يَآ اٰلَ اَبِىْ بَكْرٍ قَالَتْ فَبَعَثْنَا الْبَعِيْرَ الَّذِىْ
كُنْتُ عَلَيْهِ فَاَصَبْنَا الْعِقْدَ تَحْتَهٗ۔

ترجمہ، حضرت عائشہ رض زوج النبی صلعم فرماتی ہیں ہم لوگ جناب رسول اللہ صلعم کے ساتھ کسی سفر میں نکلے جب ہم بیدار یا ذات الجیش تک پہنچے تو میرا ہار ٹوٹ گیا تو جناب رسول اللہ صلعم اور دوسرے لوگ آپ کے ساتھ اس کی تلاش کے لئے رُک گئے جبکہ وہ کسی پانی کے چشمے پر نہیں تھے۔ پس لوگ حضرت ابوبکر صدیق رض کے پاس پہنچے اور انہیں کہا کہ کیا آپ نے حضرت عائشہ رض کی کارستانی نہیں دیکھی کہ انہوں نے جناب رسول اللہ صلعم کو اور دوسرے لوگوں کو ایسی جگہ رکنے پر مجبور کر دیا ہے کہ جہاں نہ تو کوئی پانی کا چشمہ ہے اور نہ ہی خود ان کے پاس کچھ پانی ہے۔ تو حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رض نے مجھ پر ناراضگی کا اظہار کیا۔ اور وہ وہ کلمات کہے جو اللہ تعالیٰ نے چاہے اور وہ مجھے اپنے ہاتھ کے ساتھ میری کوکھ میں چوک دیتے تھے۔ اور مجھے حرکت کرنے سے اور کوئی چیز نہیں روکتی تھی۔ سوائے اس کے جناب رسول اللہ صلعم میری ران پر آرام فرما تھے۔ تو جب حضور رسول اکرم صلعم صبح کو اٹھے تو پانی موجود نہیں تھا پس اللہ تعالیٰ بلند و برتر نے آیت تیمم نازل فرمائی۔ جس پر لوگوں نے تیمم کر کے صبح کی نماز ادا کی اس پر حضرت اسید بن حضیر رض بول پڑے کہ اے خاندان ابوبکر رض یہ آپ کی کوئی پہلی برکت نہیں ہے۔ حضرت عائشہ رض فرماتی ہیں جس اونٹ پر میں سوار تھی جب ہم نے اس کو کھڑا کیا تو ہمیں وہ ہار مل گیا جو اس اونٹ کے نیچے تھا۔

تشریح از شیخ زکریاؒ۔ یمّ کے معنی لغت میں قصد کرنے کے آتے ہیں۔ اور حجّ کے معنی بھی قصد کے ہیں لیکن اس حج سے مراد قصدالی معظم الشئی ہے۔ چونکہ تیمم کے لغوی معنی کے اندر نیت و قصد داخل ہے اس لئے اگرچہ حنفیہ وضو میں نیت کو شرط نہیں مانتے مگر تیمم میں نیت ضروری مانتے ہیں۔ کیونکہ معنی شرعی کے اندر معنی لغوی ملحوظ ہوا کرتے ہیں، یا اس وجہ سے کہ پانی ذات طہارت کے لئے موضوع ہے بخلاف مٹی کے کہ اس سے بجائے طہارت کے اور تلویث ہوتی ہے۔ لہٰذا مٹی سے طہارت حاصل کرنے کے لئے نیت شرط ہے۔ تیمم نیت تمام ائمہ کے یہاں شرط ہے۔ البتہ امام اوزاعیؒ سے عدم اشتراط منقول ہے۔ قول اللہ فلم تجدوا ماءً فتیمموا الخ امام بخاریؒ آیت کریمہ سے کیا ثابت کرنا چاہتے ہیں حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ حدیث الباب میں فنزلت آیۃ التیمم مذکور ہے اور آیت کی کوئی تعیین وارد نہیں ہے امام بخاریؒ نے ترجمہ میں یہ آیت ذکر فرماکر تنبیہ فرمادی۔ کہ آیت التیمم کا مصداق یہ آیت المائدہ ہے۔ اور وجہ اس تفسیر کی یہ ہے کہ دو آیتوں میں تیمم کا ذکر ہے۔ ایک سورۃ نسا میں دوسرے سورۃ مائدہ میں اور دونوں آیتوں کو آیت التیمم کہتے ہیں۔ مگر میرے نزدیک یہ صحیح نہیں اس لئے کہ پھر مسئلہ کتاب التفسیر کا ہو جائے گا۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ آیت میں صعید طیب جو مذکور ہے۔ حدیث الباب سے اس کی تفسیر فرمانا مقصود ہو۔ مگر یہ بھی درست نہیں اس لئے کہ صعید طیب کا باب ص۴۹ پر آرہا ہے اب میری رائے یہ ہے کہ امام بخاریؒ ابتداء کتاب میں مبدء حکم کی طرف اشارہ فرمایا کرتے ہیں یہاں بھی تیمم کی ابتداء کی طرف اشارہ فرما دیا کہ تیمم کی ابتداء اس وقت ہوئی جبکہ یہ آیت نازل ہوئی۔ تیمم کی ابتداء یا تو ۵ھ یا ۶ھ میں غزوہ بنو المصطلق میں ہوئی۔ اور بعض علماء کی رائے ہے۔ کہ چونکہ حدیث کے اندر فنزلت آیۃ التیمم ہے تو امام بخاریؒ نے آیت ذکر فرماکر اشارہ کر دیا کہ آیۃ التیمم سے مراد یہ آیت شریفہ ہے، یہاں فتیمموا کے بعد الآیۃ لکھ دیا اور پھر صعیدا طیبا ذکر فرمایا حالانکہ وہ خود ہی آیت میں داخل ہے۔ اس کی وجہ اختلاف نسخ ہے۔ اس وجہ سے ن کی علامت بھی بنی ہوتی ہے۔ ف بعض اسفارہ یہ غزوہ بنو المصطلق ہے یا لبیدا او بذات الجیش یہاں شک کے ساتھ ہے۔ اور بعض روایات میں صرف بیداء کا ذکر ہے۔ اور بعض میں صرف ذات الجیش کا اور بعض روایات میں اولات الجیش ہے اب یہاں اشکال یہ ہے کہ یہ آبادیوں یا پانی کے نام ہیں کیونکہ جس جگہ پانی ہوتا ہے۔ آبادی وہیں ہوتی ہے پھر لیسوا علی ماء کا کیا مطلب اس کا جواب یہ ہے کہ مقام نزول یہ آبادیاں نہیں تھیں بلکہ کہیں راستے میں وقتی طور پر نزول ہو گیا تھا۔ اور یہ اگلہ کے قریب تھے

کسی نے ایک جگہ کا ذکر کر دیا کسی نے دوسری جگہ کا ذکر کر دیا۔ اختلاف ذکر المکنہ کی وجہ بھی معلوم ہو گئی۔
فقال ماشاء اللہ ان یقول اوّلاً تو قولاً عتاب کیا۔ اور جو کچھ منہ میں آگیا کہنے گئے۔ اسی پر اکتفا نہیں فرمایا
بلکہ ہاتھ سے بھی عتاب کیا۔ اور کمر میں ٹوک مارا۔ فلا یمنعنی من التحرک یعنی میں حضور اکرم صلعم کی وجہ سے
حرکت بھی نہیں کر سکتی تھی، اس ڈر سے کہ کہیں بیدار نہ ہو جائیں اور ابو بکرؓ کو غصہ میں دیکھ کر خود بھی غصہ فرمانے
لگیں، ماھی باوّل برکتکم آل کہاں تو شکایت کرتے پھرتے تھے۔ اور جب ایسی آسانی دیکھی تو تعریف
کرنے لگے۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ سہولت کی یہ صورت اس واقعہ کے ساتھ تو کوئی خاص نہ تھی، بلکہ اس
کے علاوہ بھی اور کوئی صورت پیش آسکتی تھی۔ لیکن انہوں نے جب یہ آسانی دیکھی تو خوش ہوئے اور تعریف کی۔

حدیث نمبر ۳۲۳ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سِنَانٍ الخ اَخْبَرَنَا جَابِرُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اُعْطِيْتُ خَمْسًا لَمْ يُعْطَهُنَّ اَحَدٌ قَبْلِيْ نُصِرْتُ بِالرُّعْبِ مَسِيْرَةَ شَهْرٍ وَجُعِلَتْ لِيَ الْاَرْضُ مَسْجِدًا وَّطَهُوْرًا فَاَيُّمَا رَجُلٍ مِّنْ اُمَّتِيْ اَدْرَكَتْهُ الصَّلٰوةُ فَلْيُصَلِّ وَاُحِلَّتْ لِيَ الْمَغَانِمُ وَلَمْ تَحِلَّ لِاَحَدٍ قَبْلِيْ وَاُعْطِيْتُ الشَّفَاعَةَ وَكَانَ النَّبِيُّ يُبْعَثُ اِلٰى قَوْمِهٖ خَاصَّةً وَّبُعِثْتُ اِلَى النَّاسِ عَامَّةً۔

ترجمہ، حضرت جابر بن عبداللہ رضہ خبر دیتے ہیں کہ جناب نبی اکرم صلعم نے فرمایا کہ مجھے ایسی پانچ
چیزیں دی گئی ہیں جو میرے سے پہلے کسی کو نہیں دی گئی ایک تو یہ ہے کہ میری مہینہ بھر کی مسافت کے
رعب سے مدد کی گئی۔ اور تمام روئے زمین کو میرے لئے سجدہ گاہ اور طہارت قرار دیا گیا۔ پس میری امت
کے جس آدمی کو جہاں نماز پڑھنے کی جگہ مل جائے وہاں پر پڑھ لے اور میرے لئے غنیمت کا مال حلال کیا گیا جو
میرے سے پہلے کسی کے لئے حلال نہیں ہوا۔ اور مجھے شفاعت کبریٰ کا اعزاز بخشا گیا۔ اور پہلے نبی کسی خاص
قوم کی طرف بھیجے جاتے تھے اور مجھے عام لوگوں کی طرف نبی بنا کر بھیجا گیا ہے۔

تشریح از شیخ زکریاؒ۔ لم یعطھن احد قبلی یہ پانچ اشیاء میرے خصائص میں سے ہیں۔
نصرت بالرعب یہاں اشکال یہ ہے کہ جب ایک ماہ کی مسافت سے رعب چھا جاتا تھا تو کفار قتال
کرنے کے لئے کیوں چلے آتے تھے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ قلبی تاثر اور چیز ہے۔ جوش اور جذبہ اور چیز ہے
یہی وجہ ہے کہ بہت سے کفار قتال کرنا نہیں چاہتے تھے۔ مگر ان کو ان کی عورتیں عار دلاتی تھیں اس لئے
وہ لوگ مجبور ہو کر میدان میں اترتے تھے جعلت لی الارض مسجدا و طھورا بخلاف امم سابقہ کے کہ

ان کے واسطے صرف ان کے معابد میں ہی عبادت جائز تھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق منقول ہے کہ ان کے واسطے ساری زمین مسجد و طہور تھی۔ اس صورت میں یہ حضرت عیسیٰؑ کے خصائص میں سے ہوگا نہ کہ ان کی امت کا خصیصہ ہوگا واحلت لی المغانم امم سابقہ کے اندر یہ قاعدہ تھا۔ کہ مال غنیمت کو جمع کیا جاتا تھا۔ اور آگ آکر اس کو کھا لیا کرتی تھی یہی دلیل قبولیت کی تھی و بعثت الی الناس عامہ اور حضرت نوح کی بعثت عام تھی اس حیثیت سے کہ ایک ہی امت وہاں تھی۔

نوٹ:۔ اس حدیث میں خمسا کی قید احترازی نہیں علامہ سیوطیؒ نے خصائص کبریٰ میں نبی اکرم صلعم کی تمام خصوصیات جمع کر دی ہیں جو اب طبع بھی ہو گئی ہے۔ اعطیت الشفاعۃ یہاں شفاعت سے شفاعت کبریٰ مراد ہے کیونکہ اور انبیاً علیہم السلام بھی شفاعت کریں گے۔ انقطع عقد لی حضرت عائشہ رضہ نے اپنی بہن اسماء رضہ سے ہار مستعار لیا تھا۔ اور یہ دو مرتبہ مستعار لیا گیا جو دونو مرتبہ سفر میں گم ہو گیا۔ ایک مرتبہ غزوہ بنی المصطلق میں اور دوسری مرتبہ قصہ افک میں۔

باب اِذَا لَمْ یَجِدْ مَآءً وَّ لَا تُرَابًا۔

ترجمہ، جبکہ سفر میں نہ تو پانی ملے اور نہ ہی مٹی دستیاب ہو تو پھر کیا کرنا چاہیئے اس کا کیا حکم ہے۔

حدیث نمبر ۳۳۴ حَدَّثَنَا زَکَرِیَّا بْنُ یَحْیٰی الخ عَنْ عَائِشَۃَ اَنَّھَا اسْتَعَارَتْ مِنْ اَسْمَآءَ قِلَادَۃً فَھَلَکَتْ فَبَعَثَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ رَجُلًا فَوَجَدَھَا فَاَدْرَکَتْھُمُ الصَّلٰوۃُ وَلَیْسَ مَعَھُمْ مَآءٌ فَصَلَّوْا فَشَکَوْا ذٰلِکَ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَاَنْزَلَ اللّٰہُ اٰیَۃَ التَّیَمُّمِ فَقَالَ اُسَیْدُ بْنُ حُضَیْرٍ لِعَائِشَۃَ جَزَاکِ اللّٰہُ خَیْرًا فَوَاللّٰہِ مَا نَزَلَ بِکِ اَمْرٌ تَکْرَھِیْنَہٗ اِلَّا جَعَلَ اللّٰہُ ذٰلِکِ لَکِ وَلِلْمُسْلِمِیْنَ فِیْہِ خَیْرًا۔

ترجمہ، حضرت عائشہ رضہ سے مروی ہے کہ انہوں نے اپنی بہن حضرت اسماء بنت ابی بکر رضہ سے ہار مستعار لیا جو گم ہو گیا۔ جناب رسول اللہ صلعم نے ایک آدمی تلاش کے لیے بھیجا جسے اس حال میں وہ ڈھونڈھ لایا کہ مسلمانوں کو نماز کے وقت نے پا لیا۔ جبکہ ان کے پاس پانی نہیں تھا۔ لوگوں نے بغیر وضو کے نماز پڑھ لی۔ پھر اس بات کا شکوہ جناب رسول اللہ صلعم کی خدمت میں کیا جس پر اللہ تعالیٰ نے آیت تیمم نازل فرمائی۔ تو حضرت اسید بن الحضیر رضہ نے حضرت عائشہ رضہ سے کہا کہ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر دے۔ اللہ کی قسم جب بھی آپ پر کوئی مصیبت پڑی جس کو آپ ناپسند کرتی تھیں مگر اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے اور مسلمانوں کے لیے اس میں بھلائی پیدا کر دی

تشریح از شیخ مدنیؒ یہ فاقد الطہورین کا مسئلہ ہے جس کے بارے میں امام شافعیؒ کی چار روایتیں ہیں (۱) کہ وہ نماز کو مؤخر کرے جس وقت طہور ملے اس وقت نماز پڑھے امام اعظمؒ بھی یہی فرماتے ہیں دوسرا قول یہ ہے کہ اس وقت بلا وضو نماز پڑھ لے جب احد الطہورین دستیاب ہو تو پھر اعادہ کرے۔ یہی قول امام ابو یوسفؒ کا بھی ہے۔ تیسرا قول یہ ہے کہ اس وقت واجب ہے کہ بلا وضو نماز پڑھے اور پھر قضا کرے۔ چوتھا قول یہ ہے کہ اس وقت بلا وضو پڑھنا واجب ہے قضا واجب نہیں یہی قول امام مزنیؒ کا ہے اور بھی اسے لیتے ہیں حضرت امام صاحبؒ فرماتے ہیں کہ طہارت شرط صلوٰۃ ہے۔ بغیر شرط کے مشروط کا تحقق کیسے ہوگا۔ امام محمدؒ سے تین روایتیں ہیں، ایک امام صاحبؒ کی طرح۔ دوسری امام ابو یوسف کی طرح اور تیسری امام مزنی اور نوویؒ کی طرح مصنفؒ بھی امام مزنیؒ کے مسلک کو ترجیح دیتے ہیں۔ اب اشکال یہ ہے کہ یہاں تو تراب (مٹی) موجود ہے تو پھر فاقد الطہورین کا حکم کیسے معلوم ہوا اس کا جواب یہ ہے کہ ابھی تک تیمم کا حکم نازل نہیں ہوا تھا اس لئے جب پانی نہ ہوا تو گویا کہ تراب بھی نہیں ہے۔ اور صلوٰۃ کے لفظ سے استدلال کیا ہے۔ کہ ان لوگوں نے جب بلا وضو نماز پڑھ لی تو آپؐ نے ان پر کوئی نکیر نہ فرمائی۔ بلکہ اسی پر اکتفا کر لیا گیا۔ اگر اشکال ہو کہ پہلی روایت میں تھا کہ ہار اونٹ کے نیچے سے ملا۔ اور یہاں فوجدھا ہے تو جواب یہ ہوگا کہ وجدھا تحت بعیر یا وجدھا بعد ما رجع تحت البعیر۔ اونٹ کے نیچے ہار کو پا لیا یا لوٹنے کے بعد اسے اونٹ کے نیچے پا لیا۔

تشریح از شیخ زکریاؒ یہ فاقد الطہورین کا مسئلہ ہے۔ اس کے اندر ائمہ کے مذاہب یہ ہیں۔ کہ امام احمدؒ کے نزدیک اس پر ادا ضروری پھر بعد میں قضا ضروری نہیں۔ احناف کے نزدیک اس پر قضا ضروری ہے ادا ضروری نہیں۔ امام شافعیؒ کے نزدیک ادا اور قضا دونوں ضروری ہیں۔ اور مالکیہ کے نزدیک نہ ادا ضروری نہ قضا ضروری۔ خلاصہ یہ کہ حنفیہ اور حنابلہ ایک دوسرے کے مقابل ہیں۔ اور مالکیہ اور شافعیہ ایک دوسرے کے مقابل اور صاحبین تشبہ بالمصلین کا حکم فرماتے ہیں مع وجوب القضاء امام بخاریؒ اس مسئلہ میں حنابلہ کے ساتھ ہیں فاقد الطہورین کی صورت یہ ہے کہ اگر کسی شخص کو ایسی جگہ بند کر دیا جائے کہ وہ کمرہ کسی ناپاک چیز گوبر وغیرہ سے ملوث ہو اور پانی اس کے پاس نہ ہو آجکل تو ہوائی جہاز میں ایسی صورت پیش آسکتی ہے تو وہ کیا کرے کیسے نماز پڑھے۔ امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ وہ بلا وضو پڑھے اور وہ باب کی روایت سے استدلال کرتے ہیں، کہ ان لوگوں کے پاس پانی نہیں تھا۔ تو انہوں نے بغیر وضو نماز پڑھ لی بخاری جلد ثانی ص۶۵۹ پر بھی یہی ہے تو جیسے ماء ایک مطہر ہے ایسی ہی مٹی بھی لہٰذا جس طرح اس کے نہ ہونے کے وقت بلا طہارت

نماز کا حکم ہے ایسے ہی تراب میں بھی ہوگا۔

باب التیمم فی الحضر اذا لم یجد الماء وخاف فوت الصلوٰۃ و بہ قال عطاء وقال الحسن فی المریض عندہ الماء ولا یجد من یناولہ یتیمم و اقبل ابن عمر من ارضہ بالجرف فحضرت العصر بمربد النعم فصلی ثم دخل المدینۃ والشمس مرتفعۃ فلم یعد۔

ترجمہ، شہر میں یا آبادی میں آدمی پانی نہ پائے تو تیمم کرے اسی طرح جب نماز کے فوت ہونے کا ڈر ہو تو بھی تیمم کرے۔ یہی حضرت عطا تابعی کا قول ہے۔ اور حضرت حسن بصریؒ اس مریض کے بارے میں فتویٰ دیا جس کے پاس پانی تو موجود ہے مگر اسے اٹھا کر دینے والا کوئی نہیں تو وہ بھی تیمم کرے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ جرف کے مقام پر جو ان کی زمین میں داخل ہوئے تو سورج بہت اونچا تھا۔ انہوں نے نماز نہیں لوٹائی۔

حدیث نمبر ۳۲۵ حدثنا یحیی بن بکیر الخ قال اقبلت انا و عبد اللہ بن یسار مولی میمونۃ زوج النبی صلی اللہ علیہ وسلم حتی دخلنا علی ابی جہیم بن الحارث ابن الصمۃ الانصاری فقال ابو جہیم اقبل النبی صلی اللہ علیہ وسلم من نحو بئر جمل فلقیہ رجل فسلم علیہ فلم یرد علیہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم حتی اقبل علی الجدار فمسح بوجہہ ویدیہ ثم رد علیہ السلام۔

ترجمہ، حضرت عمر مولی ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ میں اور حضرت عبداللہ بن یسار مولی حضرت میمونہ زوج النبی صلعم حضرت ابوجہیم بن الصمہ انصاری کے یہاں حاضر ہوئے تو حضرت ابوجہیمؓ نے فرمایا کہ جناب نبی اکرم صلعم بیر جمل کی طرف سے تشریف لا رہے تھے کہ راستہ میں ایک آدمی آپؐ کو مل گیا جس نے آپؐ پر سلام کہا۔ آنجناب نبی اکرم صلعم اس وقت تک سلام کا جواب نہ دیا یہاں تک ایک دیوار کے پاس تشریف لائے تیمم کے لئے اپنے چہرہ اور دونو ہاتھوں کا مسح کیا۔ پھر سلام کا جواب دیا۔

تشریح از شیخ مدنیؒ قرآن مجید میں ہے فان لم تجدوا ماءً فتیمموا صعیدا طیبا۔ آیت دلالت کرتی ہے کہ آبادی میں تیمم نہ ہونا چاہیے۔ ورنہ تقیید بالسفر نہ ہوتی۔ چنانچہ امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ اگر حالتِ حضر میں پانی نہ ملے اور نماز کے فوت ہونے کا خوف ہو تو تیمم کر کے نماز پڑھ لے اعادہ نہیں ہے۔ امام شافعیؒ اعادہ کو واجب کہتے ہیں۔ اور امام اعظمؒ تین جگہ اجازت دیتے ہیں۔ نماز جنازہ

فوت ہونے کے وقت (۲) صلوٰۃ عیدین کے فوت ہونے کے وقت تیسرا پانی موجود ہے۔ مگر برد کے خوف سے کہ کہیں مضر رساں نہ ہو۔ وہ ان مقامات پر حضر میں تیمم کی اجازت دیتے ہیں۔ مصنف رحمہ اللہ مطلقاً اجازت کے قائل ہیں، اور امام مالکؒ کے مسلک کو اختیار فرماتے ہیں۔ جرف مدینہ کے قریب تین چار میل جبل احد کی طرف ایک جگہ ہے۔ اور مربد النعم مدینہ اور جرف کے درمیان ایک جگہ ہے۔ جرف میں حضرت ابن عمرؓ کی زمین تھی۔ ابن عمرؓ کے اس فعل سے امام مالکؒ تیمم ثابت کرتے ہیں، امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ چونکہ پانی میں انسان کے تعیش کا مدار ہے۔ ایسے مواقع پر پانی کا نہ ملنا نادر ہے۔ لہٰذا تیمم جائز نہیں ہوگا۔ امام اعظمؒ فرماتے ہیں کہ اگر پانی موجود نہ ہو تو دو میل تک اس کی تلاش کرے یا ایک تیر پھینکنے کی مسافت تک تلاش کرے۔ امام بخاریؒ کے دلائل پر علماء احنافؒ فرماتے ہیں کہ آیت تیمم میں حالت سفر کو تیمم کا سبب قرار دیا گیا ہے۔ اس کے مقابل ابن عمرؓ کا فعل کیسے معتبر ہوگا۔ مالکیہ آیت میں اس قید سفر کو اتفاقی کہتے ہیں۔ مگر یہ محل بحث ہے اس لئے اگر یہ قید اتفاقی ہو تو فلم تجدوا ماءً کی قید بھی ہے اور ان کو ممکن تھا کہ مدینہ پہنچ کر پانی حاصل کر سکتے تھے۔ لہٰذا یا تو ان کا اپنا اجتہاد ہے۔ یا آیت کریمہ کے مقابل میں ان کے فعل کی کیا حیثیت ہے۔ اور روایت میں ہے کہ آپؐ نے تیمم کر کے سلام کا جواب دیا۔ امام بخاریؒ اس سے یوں استدلال کرتے ہیں کہ جب حضر میں رد سلام کے لئے تیمم جائز ہے تو صلوٰۃ کے لئے بطریق اولیٰ جائز ہوگا۔ لیکن علماء احنافؒ جواب دیتے ہیں ایک تو رد سلام کے لئے طہارت شرط نہیں نماز کے لئے شرط ہے اس کو سلام پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے۔ دوسرے عدم وجدان ماء کی وجہ سے تیمم نہیں تھا بلکہ یہاں اس بات کا خوف تھا کہ کہیں وہ سلام کرنے والا آدمی چلا نہ جائے۔ پھر رد سلام بے فائدہ ہوگا۔ صلوٰۃ جنازہ اور صلوٰۃ عیدین میں، جو امام اعظمؒ تیمم کی اجازت دیتے ہیں، اولاً تو صلوٰۃ جنازہ کو صلوٰۃ کہنا مجازاً ہے اور صلوٰۃ عیدین واجب ہے۔ دوسرے ان کا فوت لا الیٰ خلف ہے کہ ان کی قضا نہیں اس لئے ان کے لئے حضر میں تیمم کی اجازت دی گئی۔ کیونکہ صلوٰۃ جنازہ میں ارکانِ صلوٰۃ کم ہیں، رکوع و سجود نہیں اس کی وجہ سے شرطیت میں بھی تخفیف آجائے گی۔

تشریح از شیخ زکریاؒ، اگر شہر یا آبادی میں پانی نہ ملے۔ تو تیمم کرنے میں ائمہ اربعہ کے یہاں دو قول ہیں، بعض جواز کے قائل ہیں اور بعض منع کرتے ہیں جو حضرات یہ کہتے ہیں کہ تیمم کرے وہ کہتے ہیں کہ پانی کا ملنا ممکن نہیں ہے اس لئے تیمم کرے۔ اور جو لوگ منع کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ بھلا ایسا بھی ہو سکتا

ہے۔ کہ آبادی میں پانی نہ ملے۔ ہم لوگ پہلے خود بھی اس چیز کو بعید سمجھتے تھے کہ شہر میں پانی نہیں مل سکتا لیکن جب سے یہ ٹینکیاں چلی ہیں کہ جب چاہیں بند کر دیں اور جب چاہیں کھول دیں چاہے سارا شہر پیاس سے مر جائے اس وقت سے سمجھ میں آ گیا۔ امام بخاریؒ کی رائے یہ ہے کہ حضر میں تیمم جائز ہے۔ بشرطیکہ وہاں پانی موجود نہ ہو۔ ولا یجد من یناولہ تیمم کیونکہ فاقد الماء کے مثل علی عدم قدرت علی استعمال الماء میں ہوگیا۔ بمربد النعم یہ ایک مقام کا نام ہے اور آثار نقل کرنے کا حاصل یہ ہے کہ اگر پانی نہ ملے تو تیمم جائز ہے۔ حتی دخلنا علی ابی جہیم الخ یہاں غور سے سن لو کہ ابوجہیم تین جگہ آئے ہیں۔ ایک اسی کتاب التیمم میں دوسرے ابواب السترہ میں اور تیسرے ابواب اللباس میں تو ابوجہم مکبرًا ہے اور ابواب السترہ اور ابواب التیمم میں ابوجہیم مصغرًا ہے۔ جو اس کے خلاف کہے وہ غلط ہے۔ اب اس میں اختلاف ہے کہ ابواب السترہ اور ابواب التیمم میں جو ابوجہیم ہیں وہ ایک ہیں یا دونو الگ ہیں اس میں اصحاب رجال کے دونو قول ہیں اسی طرح اس میں اختلاف ہے کہ یہ الحارث ہیں یا ابن الحارث اس میں بھی دونو قول ہیں فمسح بوجھہ ویدیہ اس سے تیمم فی الحضر کے قائلین استدلال کرتے ہیں اور جو لوگ اس کا انکار کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ چونکہ سلام کے جواب کے فوت ہونے کا اندیشہ تھا اس لیے حضور پاک صلعم نے تیمم فرمایا اور نماز میں فوات نہیں اگر ادا نہ ہو تو قضا پڑھی جا سکتی ہے۔ بخلاف سلام کے، کہ اگر اپنے وقت پر جواب نہ دیا تو بے کار ہے ہیں سے احناف نے ایک قاعدہ مستنبط کیا، کہ جو عبادت فوت لا الی خلف ہو اس کے واسطے تیمم جائز ہے جیسے صلوٰۃ جنازہ وصلوٰۃ عیدین اور جو فوت الی خلف ہو اس کے لئے تیمم ناجائز ہے۔ بہرحال امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ اگر کسی شخص کو شہر میں پانی نہ ملے اور نماز کے فوت ہونے کا خوف ہو۔ تو تیمم کر کے نماز پڑھے امام بخاریؒ کا اپنا مسلک ہے امام شافعیؒ ادا مع التیمم اور پھر قضا واجب کہتے ہیں مالکیہ کے نزدیک صرف قضا ہے حنفیہ اور حنابلہ دونو قول ہیں قضا کرے اور ایک یہ کہ تیمم کر کے ادا پڑھے پھر قضا کرے۔

باب هَلْ يَنْفُخُ فِيْ يَدَيْهِ بَعْدَ مَا يَضْرِبُ بِهِمَا الصَّعِيْدَ لِلتَّيَمُّمِ۔

ترجمہ، تیمم کے لئے دونو ہاتھوں کو مٹی پر مارنے کے بعد کیا ہاتھوں میں پھونک مار سکتا ہے۔

حدیث نمبر ۳۲۶ حَدَّثَنَا اٰدَمُ الخ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ اِلٰى عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ فَقَالَ اِنِّيْ اَجْنَبْتُ فَلَمْ اُصِبِ الْمَاءَ فَقَالَ عَمَّارُ بْنُ يَاسِرٍ لِعُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ اَمَا تَذْكُرُ اَنَّا كُنَّا فِيْ سَفَرٍ اَنَا وَاَنْتَ فَاَجْنَبْنَا فَاَمَّا اَنْتَ فَلَمْ تُصَلِّ وَاَمَّا اَنَا فَتَمَعَّكْتُ فَذَكَرْتُ

ذٰلِكَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّمَا كَانَ يَكْفِيْكَ هٰكَذَا فَضَرَبَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِكَفَّيْهِ الْاَرْضَ وَنَفَخَ فِيْهِمَا ثُمَّ مَسَحَ بِهِمَا وَجْهَهٗ وَكَفَّيْهِ

ترجمہ، حضرت ابزیؓ فرماتے ہیں کہ ایک آدمی حضرت عمر بن الخطابؓ کی خدمت حاضر ہوا۔ کہ میں جنبی ہو گیا۔ تو مجھے پانی نہیں ملا۔ میں کیا کروں حضرت عمار بن یاسر جو اس مجلس میں موجود تھے انہوں نے حضرت عمر بن الخطابؓ کو یاد دلایا کہ میں اور آپ ایک سفر میں جنبی ہو گئے۔ آپ نے تو نماز نہ پڑھی لیکن میں زمین پر لیٹ کر سارے بدن کو مٹی سے لبڑ لیا۔ اور نماز پڑھ لی۔ جب اس کا تذکرہ میں نے جناب نبی اکرم صلعم سے کیا تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ تجھے اس قدر کافی تھا تو آپ نے دونو ہتھیلیوں کو زمین پر مارا۔ ان میں پھونک ماری پھر ان سے چہرہ اور دونو ہتھیلیوں کا مسح کیا۔

تشریح از شیخ زکریاؒ۔ یہاں اشکال یہ ہے کہ جب روایت میں موجود ہے کہ جناب حضور اکرم صلعم نے نفخ فرمایا تو پھر لفظ ھل کا کیا مطلب ہے حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ چونکہ احتمال تھا کہ یہ نفخ مٹی کی وجہ سے ہو۔ یا کسی تنکے وغیرہ کے لگ جانے کی وجہ سے ہو۔ اس احتمال کی بنا پر ترجمہ میں لفظ ھل کا اضافہ فرمایا جیسا کہ امام بخاریؒ کے اصول موضوعہ میں سے ہے کہ جہاں احتمال ہو ترجمہ کو ھل کے ساتھ مقید کر دیتے ہیں اور میرے نزدیک باب کی غرض یہ ہے کہ ایک روایت میں ہے کہ جو غبار فی سبیل اللہ ناک میں داخل ہو۔ وہاں جہنم کی آگ داخل نہ ہوگی۔ اسی طرح ایک روایت میں ہے من اغبرت قدماہ فی سبیل اللہ لم تمسہ النار کہ جس شخص کے دونو قدم اللہ کی راہ میں غبار آلودہ ہو گئے اس کو جہنم کی آگ مس نہیں کرے گی۔ ان جیسی روایات سے اس گرد کی اہمیت معلوم ہوتی ہے۔ جو اللہ کے راستہ میں جسم کو لگا ہو۔ اور تیمم کا گرد بھی اللہ ہی کے واسطے لگتا ہے۔ لہٰذا اس کا تقاضا ہے کہ اس کو پھونک نہ ماری جائے بلکہ ایک روایت میں تو ترّب وجھك مصرح ہے جس سے چہرہ کو غبار آلودہ کرنے کا حکم معلوم ہوتا ہے۔ لہٰذا امام بخاریؒ نے ان روایات کی طرف اشارہ کرنے کے واسطے لفظ ھل کا ذکر کر دیا۔ فقال عمار بن یاسر الخ چونکہ حضرت عمرؓ تیمم جنب سے منع کرتے تھے۔ اس لئے حضرت عمارؓ نے حضور اقدس صلعم کے زمانہ کا ایک واقعہ ذکر فرمایا جس میں یہ تھا کہ حضرت عمرؓ و حضرت عمارؓ دونو کو غسل کی ضرورت پیش آئی۔ تو حضرت عمرؓ نے تو اس وقت نماز نہ پڑھی۔ اور حضرت عمار نے دابہ (چوپایہ) کی طرح تمرغ (زمین پر لیٹ گئے) کیا۔ جب حضور اکرم صلعم کو اطلاع دی تو آپ نے ارشاد فرمایا انما یکفیك ھکذا الخ حضرت عمرؓ یا جنبی کے لئے تیمم کے قائل ہی نہ تھے یا سیاستہً منع کرتے

اب اس قصہ پر اشکال ہے کہ آیا اس واقعہ سے پہلے آیت تیمم نازل ہو چکی تھی یا نہیں۔ اگر نازل ہو چکی تھی تو اس سے تیمم کا طریقہ معلوم ہو چکا تھا۔ کیونکہ اس میں فامسحوا بوجوھکم وایدیکم منہ وارد ہے تو پھر تمرغ کیوں کیا۔ یا نازل نہیں ہوتی تھی تو یہ کہاں سے معلوم ہوا کہ تراب مطہر ہے۔ بعض شراح نے جواب دیا ہے کہ ممکن ہے فتیمموا صعیدا طیبا تو نازل ہوا ہو اور فامسحوا بوجوھکم وایدیکم منہ نازل نہ ہوا ہو۔ میری رائے یہ ہے کہ آیت تیمم میں اولا مستم النساء کی تفسیر میں اختلاف ہے کہ ملامستہ سے کیا مراد ہے۔ بعض حضرات جیسے شوافع تو اس سے مس بالید مراد لیتے ہیں اور یہ حدث اصغر کی صورت میں ہے اور احناف جماع مراد لیتے ہیں۔ اور یہ حدیث اکبر ہے۔ اگر جماع مراد لیا جائے تو آیت سے تیمم جنب کا مسئلہ معلوم ہوتا ہے۔ اگر مس بالید مراد لیا جائے تو تیمم جنب کا مسئلہ معلوم نہیں ہوتا۔ بلکہ حدث اصغر کا حکم معلوم ہوتا ہے تو ممکن ہے کہ حضرت عمار رضہ نے ملامستہ سے لمس بالید مراد لیا ہے اس لئے صرف ہاتھ منہ پر تیمم کا حکم فرمانا اس پر دلالت کرتا ہے۔ کیونکہ جنابت میں تو غسل واجب ہوتا ہے تو وہاں سارے بدن پر مٹی لگانی چاہیئے جس کو جنابت کا تیمم سمجھ لیا۔

باب التَّيَمُّمُ لِلْوَجْهِ وَالْكَفَّيْنِ۔

ترجمہ:۔ چہرے اور دونو ہتھیلیوں کا تیمم کے بارے میں۔

حدیث نمبر ۳۲۷ حَدَّثَنَا حَجَّاجٌ الخ عَنْ اَبْزٰی قَالَ قَالَ عَمَّارٌ بِهٰذَا وَضَرَبَ شُعْبَةُ بِيَدَيْهِ الْاَرْضَ ثُمَّ اَدْنَاهُمَا مِنْ فِيْهِ ثُمَّ مَسَحَ بِهِمَا وَجْهَهٗ وَكَفَّيْهِ الخ

ترجمہ، حضرت ابزیؓ سے روایت ہے کہ حضرت عمار رضہ نے اس سارے قصہ کو بیان کیا حجاج کہتے ہیں کہ حضرت شعبہ نے اپنے دونو ہاتھ زمین پر مارے پھر ان دونو کو منہ کے قریب لے گئے یعنی پھونک ماری پھر ان دونو ہاتھوں سے اپنے چہرے اور ہتھیلیوں کا مسح کیا۔

تشریح از شیخ زکریاؒ اس مسئلہ میں دو اختلاف ہیں ایک مقدار ضربات کے اندر اور دوسرے مکان مسح کے اندر اول اختلاف یہ ہے کہ امام احمدؒ کے نزدیک ضربۃ الوجہ والکفین ہے اور امام ابوحنیفہ اور امام شافعیؒ کے نزدیک ضربۃ للوجہ اور ضربۃ للکفین الی المرفقین ہے اور امام مالکؒ کے نزدیک ایک ضربہ فرض اور ضربہ ثانیہ سنت ہے اور بعض تابعین کے نزدیک ثلث ضربات ہیں ضربۃ للکفین و ضربۃ للوجہ وضربۃ للذراعین دوسرا اختلاف مکان تیمم میں ہے حنابلہ کے نزدیک

صرف کفین کا مسح فرض ہے۔ اور مالکیہ کے نزدیک کفین کا مسح فرض اور الی المرفقین سنت ہے اور حنفیہؒ اور شوافع کے نزدیک الی المرفقین فرض ہے۔ پھر امام زہری اور بعض تابعین کے یہاں الی الآباط (بغلوں تک) ہے۔ اور مسح وجہ میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔ امام بخاریؒ حنابلہ کے ساتھ ہیں۔ تو مسح بھما وجھہ و کفیہ چونکہ اس میں صرف کفین کا ذکر ہے۔ اس لئے امام بخاریؒ نے اس پر ترجمہ باندھ دیا۔ اور حنابلہؒ کی تائید فرمادی۔ جمہور جواب دیتے ہیں کہ یہ حصر اضافی ہے۔ یعنی سارے بدن کے تلوث کی بجائے اسی کفین والے تیمم کی طرف اشارہ فرمایا کہ یہاں کیفیت اور نوعیت کو بیان کرنا مقصود ہے جمیع تیمم کی صورت بیان نہیں کی۔ کیونکہ ان کی تفصیلی صورت پہلے سے معلوم تھی۔

حدیث نمبر ۳۲۸ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ الخ عَنْ اَبْزٰى اَنَّهٗ شَهِدَ عُمَرَ وَقَالَ لَهٗ عَمَّارٌ كُنَّا فِىْ سَرِيَّةٍ فَاَجْنَبْنَا وَقَالَ تَفَلَ فِيْهِمَا۔ (الحديث)

ترجمہ، حضرت ابزیؓ سے مروی ہے کہ وہ حضرت عمرؓ کے پاس حاضر تھے کہ حضرت عمارؓ نے ان سے فرمایا ہم ایک جنگ میں تھے کہ ہم جنبی ہوگئے اور تفل فیھما ای نفخ فیھما۔

حدیث نمبر ۳۲۹ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيْرٍ الخ عَنْ اَبِيْهِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ قَالَ قَالَ عَمَّارٌ لِعُمَرَ تَمَعَّكْتُ فَاَتَيْتُ النَّبِىَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَكْفِيْكَ الْوَجْهُ وَالْكَفَّيْنِ۔

ترجمہ، ذر راوی فرماتے ہیں کہ میں نے یہ روایت عبدالرحمن ابن ابزی سے بھی سنی اور ان کے باپ ابزی سے بھی سنی ہے۔ عبدالرحمن فرماتے ہیں کہ حضرت عمارؓ نے حضرت عمرؓ سے کہا کہ میں زمین پر لیٹ گیا بعد ازاں حضور نبی اکرم صلعم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ تو آپؐ نے فرمایا تجھے چہرے اور کفین کا مسح کفایت کرجاتا۔

حدیث نمبر ۳۳۰ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ الخ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ عَمَّارٌ فَضَرَبَ النَّبِىُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِيَدِهٖ الْاَرْضَ فَمَسَحَ وَجْهَهٗ وَكَفَّيْهِ۔

ترجمہ:۔ حضرت ابزیؓ سے روایت ہے کہ حضرت عمارؓ نے فرمایا کہ جناب نبی اکرم صلعم نے اپنا ہاتھ زمین پر مارا چہرے اور ہتھیلیوں کا مسح کیا۔

باب الصَّعِيْدُ الطَّيِّبُ وَضُوْءُ الْمُسْلِمِ يَكْفِيْهِ مِنَ الْمَاءِ وَقَالَ الْحَسَنُ يُجْزِيْهِ التَّيَمُّمُ مَا لَمْ يُحْدِثْ وَاَمَّ ابْنُ عَبَّاسٍ وَهُوَ مُتَيَمِّمٌ وَقَالَ يَحْيٰى ابْنُ سَعِيْدٍ لَا بَاْسَ بِالصَّلٰوةِ عَلَى السَّبْخَةِ وَالتَّيَمُّمِ بِهَا۔

ترجمہ، پاک مٹی مسلمان کا وضو ہے۔ جو اسے پانی سے کفایت کرے گی حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ
اسے اس وقت تک تیمم کافی ہوگا جب تک بے وضو نہ ہو۔ اور حضرت ابن عباسؓ نے تیمم کرنے والے کی
حیثیت سے امامت کرائی۔ یحییٰ بن سعید فرماتے ہیں کہ شور زمین پر نماز پڑھنا اور اس سے تیمم کرنے میں
کوئی حرج نہیں۔ اس سے بتانا ہے کہ طیب کے معنی طاہر کے ہیں۔

حدیث نمبر ۳۳۱ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ الخ عَنْ عِمْرَانَ قَالَ كُنَّا فِي سَفَرٍ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَإِنَّا أَسْرَيْنَا حَتَّى كُنَّا فِي آخِرِ اللَّيْلِ وَقَعْنَا وَقْعَةً وَلَا وَقْعَةَ أَحْلَى عِنْدَ
الْمُسَافِرِ مِنْهَا فَمَا أَيْقَظَنَا إِلَّا حَرُّ الشَّمْسِ فَكَانَ أَوَّلَ مَنِ اسْتَيْقَظَ فُلَانٌ ثُمَّ فُلَانٌ ثُمَّ
فُلَانٌ يُسَمِّيهِمْ أَبُو رَجَاءٍ فَنَسِيَ عَوْفٌ ثُمَّ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ الرَّابِعُ وَكَانَ النَّبِيُّ صَلَّى
اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا نَامَ لَمْ نُوقِظْهُ حَتَّى يَكُونَ هُوَ يَسْتَيْقِظُ لِأَنَّا لَا نَدْرِي مَا
يَحْدُثُ لَهُ فِي نَوْمِهِ فَلَمَّا اسْتَيْقَظَ عُمَرُ وَرَأَى مَا أَصَابَ النَّاسَ وَكَانَ رَجُلًا جَلِيدًا
فَكَبَّرَ وَرَفَعَ صَوْتَهُ بِالتَّكْبِيرِ فَمَا زَالَ يُكَبِّرُ وَيَرْفَعُ صَوْتَهُ بِالتَّكْبِيرِ حَتَّى اسْتَيْقَظَ لِصَوْتِهِ
النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا اسْتَيْقَظَ شَكَوْا إِلَيْهِ الَّذِي أَصَابَهُمْ فَقَالَ لَا ضَيْرَ
وَلَا يَضِيرُ ارْتَحِلُوا فَارْتَحَلَ فَسَارَ غَيْرَ بَعِيدٍ ثُمَّ نَزَلَ فَدَعَا بِالْوَضُوءِ فَتَوَضَّأَ وَنُودِيَ
بِالصَّلَاةِ فَصَلَّى بِالنَّاسِ فَلَمَّا انْفَتَلَ مِنْ صَلَاتِهِ إِذَا هُوَ بِرَجُلٍ مُعْتَزِلٍ لَمْ يُصَلِّ مَعَ
الْقَوْمِ قَالَ مَا مَنَعَكَ يَا فُلَانُ أَنْ تُصَلِّيَ مَعَ الْقَوْمِ قَالَ أَصَابَتْنِي جَنَابَةٌ وَلَا مَاءَ قَالَ
عَلَيْكَ بِالصَّعِيدِ فَإِنَّهُ يَكْفِيكَ ثُمَّ سَارَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاشْتَكَى إِلَيْهِ النَّاسُ مِنَ
الْعَطَشِ فَنَزَلَ فَدَعَا فُلَانًا كَانَ يُسَمِّيهِ أَبُو رَجَاءٍ نَسِيَهُ عَوْفٌ وَدَعَا عَلِيًّا فَقَالَ اذْهَبَا
فَابْتَغِيَا الْمَاءَ فَانْطَلَقَا فَتَلَقَّيَا امْرَأَةً بَيْنَ مَزَادَتَيْنِ أَوْ سَطِيحَتَيْنِ مِنْ مَاءٍ عَلَى بَعِيرٍ لَهَا
فَقَالَا لَهَا أَيْنَ الْمَاءُ قَالَتْ عَهْدِي بِالْمَاءِ أَمْسِ هَذِهِ السَّاعَةَ وَنَفَرُنَا خُلُوفًا قَالَا لَهَا
انْطَلِقِي إِذًا قَالَتْ إِلَى أَيْنَ قَالَا إِلَى رَسُولِ اللهِ لَهُ الصَّابِئُ قَالَا هُوَ الَّذِي تَعْنِينَ فَانْطَلِقِي
فَجَاءَا بِهَا إِلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَحَدَّثَاهُ الْحَدِيثَ قَالَ فَاسْتَنْزَلُوهَا عَنْ
بَعِيرِهَا وَدَعَا النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِإِنَاءٍ فَفَرَّغَ فِيهِ مِنْ أَفْوَاهِ الْمَزَادَتَيْنِ أَوِ
السَّطِيحَتَيْنِ وَأَوْكَأَ أَفْوَاهَهُمَا وَأَطْلَقَ الْعَزَالِيَ وَنُودِيَ فِي النَّاسِ اسْقُوا وَاسْتَقُوا

صلی اللہ علیہ وسلم قالت الذی یقال

مَنْ سَقَى وَاسْتَقَى مَنْ شَاءَ وَكَانَ آخِرُ ذَاكَ أَنْ أَعْطَى الَّذِي أَصَابَتْهُ الْجَنَابَةُ إِنَاءً
مِنْ مَاءٍ قَالَ اذْهَبْ فَأَفْرِغْهُ عَلَيْكَ وَهِيَ قَائِمَةٌ تَنْظُرُ إِلَى مَا يُفْعَلُ بِمَائِهَا وَايْمُ
اللهِ لَقَدْ أُقْلِعَ عَنْهَا وَإِنَّهُ لَيُخَيَّلُ إِلَيْنَا أَنَّهَا أَشَدُّ مِلْأَةً مِنْهَا حِينَ ابْتَدَأَ فِيهَا فَقَالَ النَّبِيُّ
صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اجْمَعُوا لَهَا فَجَمَعُوا لَهَا مِنْ بَيْنِ عَجْوَةٍ وَدَقِيقَةٍ وَسَوِيقَةٍ حَتَّى
جَمَعُوا لَهَا طَعَامًا فَجَعَلُوهُ فِي ثَوْبٍ وَحَمَلُوهَا عَلَى بَعِيرِهَا وَوَضَعُوا الثَّوْبَ بَيْنَ يَدَيْهَا
فَقَالَ لَهَا تَعْلَمِينَ مَا رَزِئْنَا مِنْ مَائِكِ شَيْئًا وَلَكِنَّ اللهَ هُوَ الَّذِي أَسْقَانَا فَأَتَتْ أَهْلَهَا
وَقَدِ احْتَبَسَتْ عَنْهُمْ قَالُوا مَا حَبَسَكِ يَا فُلَانَةُ قَالَتِ الْعَجَبُ لَقِيَنِي رَجُلَانِ فَذَهَبَا بِي
إِلَى هَذَا الرَّجُلِ الَّذِي يُقَالُ لَهُ الصَّابِئُ فَفَعَلَ كَذَا وَكَذَا فَوَاللهِ إِنَّهُ لَأَسْحَرُ النَّاسِ
مِنْ بَيْنِ هَذِهِ وَهَذِهِ وَقَالَتْ بِإِصْبَعَيْهَا الْوُسْطَى وَالسَّبَّابَةِ فَرَفَعَتْهُمَا إِلَى السَّمَاءِ تَعْنِي
السَّمَاءَ وَالْأَرْضَ أَوْ إِنَّهُ لَرَسُولُ اللهِ حَقًّا فَكَانَ الْمُسْلِمُونَ بَعْدُ يُغِيرُونَ عَلَى مَنْ حَوْلَهَا
مِنَ الْمُشْرِكِينَ وَلَا يُصِيبُونَ الصِّرْمَ الَّذِي هِيَ مِنْهُ فَقَالَتْ يَوْمًا لِقَوْمِهَا مَا أُرَى أَنَّ
هَؤُلَاءِ الْقَوْمَ يَدَعُونَكُمْ عَمْدًا فَهَلْ لَكُمْ فِي الْإِسْلَامِ فَأَطَاعُوهَا فَدَخَلُوا فِي
الْإِسْلَامِ قَالَ أَبُو عَبْدِ اللهِ صَبَا خَرَجَ مِنْ دِينٍ إِلَى غَيْرِهِ وَقَالَ أَبُو الْعَالِيَةِ الصَّابِئِينَ
فِرْقَةٌ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ يَقْرَءُونَ الزَّبُورَ أَصْبُ أَمِلْ۔

ترجمہ:۔ حضرت عمران سے روایت ہے کہ ہم جناب نبی اکرم صلعم کے ساتھ ایک سفر میں تھے ہم رات بھر
چلتے رہے یہاں تک کہ ہم لوگ جب آخر لیل میں داخل ہوتے تو ہم پر سخت نیند کا غلبہ ہوا۔ اور آخر رات کی نیند
سے مسافر کے نزدیک کوئی نیند میٹھی نہیں ہوتی۔ یہاں تک سوئے کہ ہمیں دھوپ کی گرمی نے ہی بیدار کیا پہلے
پہل جو شخص بیدار ہوا وہ فلاں پھر فلاں پھر فلاں جن کے ابو رجاء نے تو نام لئے تھے مگر عوف بھول گئے بہرحال
حضرت عمر بن الخطاب چوتھے بیدار ہونے والے تھے اور جناب نبی اکرم صلعم جب سو جاتے تھے تو ہم لوگ
آپ کو نہیں جگایا کرتے تھے۔ جب تک حضور اکرم صلعم خود بیدار نہ ہوتے۔ اس لئے کہ ہم لوگ نہیں جانتے
تھے کہ نیند میں کیا کیا چیز آپ کو پیش آتی ہے (شاید وحی آ رہی ہو) چنانچہ جب عمرؓ بیدار ہوئے اور وہ
مصیبت جس میں لوگ مبتلا تھے اس کو دیکھا تھے بڑے زبردست سخت آدمی تکبیر یعنی اللہ اکبر کہنا شروع کیا اور
تکبیر کو اونچی آواز سے کہتے تھے چنانچہ تکبیر کہتے رہے اور آواز کو اونچا کرتے رہے یہاں تک کہ ان کی آواز کی

وجہ سے جناب نبی اکرم صلعم بیدار ہو گئے۔ جب آپؐ پوری طرح بیدار ہو چکے تو لوگوں کو جو مصیبت آئی تھی حضور انور کو اس کی شکایت کی (کہ نیند کی وجہ سے نماز فوت ہو گئی) تو جناب رسول اللہ صلعم نے فرمایا چونکہ تم نے جان بوجھ کر ایسا نہیں کیا اس لئے نہ کوئی نقصان ہوا اور نہ نقصان ہو گا۔ یہاں سے کوچ کرو چنانچہ آپؐ نے بھی کوچ کیا تھوڑی دور چلے ہوں گے کہ سواری سے اتر پڑے پانی منگایا وضو کیا۔ نماز کے لئے تکبیر ہوئی آپؐ نے لوگوں کو نماز پڑھائی جب نماز سے فارغ ہوئے۔ تو دیکھا ایک آدمی الگ تھلگ بیٹھا ہے جس نے لوگوں کے ساتھ نماز نہیں پڑھی۔ آپؐ نے فرمایا اے فلاں لوگوں کے ساتھ نماز پڑھنے سے تجھے کس چیز نے روکا۔ اس نے کہا جناب مجھے جنابت لاحق ہو گئی اور پانی نہیں ہے۔ آپؐ نے فرمایا مٹی کو لازم پکڑ (یعنی تیمم کر دیہی موضع ترجمہ ہے) کیونکہ یہی مٹی تمہیں پانی سے کفایت کرے گی۔ پھر حضور اکرم صلعم چلنے لگے تو لوگوں نے پیاس کی شکایت کی۔ آپؐ سواری سے اتر پڑے فلاں (عمران) کو بلایا جس کا نام ابو رجاء نے تو لیا تھا۔ مگر اسے عوف بھول گئے اور دوسرے حضرت علیؓ کو بلایا جب دونو حاضر ہوئے تو آپؐ نے ان سے فرمایا جاؤ اور پانی تلاش کر کے لاؤ۔ دونو چلے تو ان کی ایسی عورت سے ملاقات ہوئی جو پانی سے بھرے ہوئے دوہرے چمڑے کے دو مشکیزوں کے درمیان اپنے اونٹ پر بیٹھی تھی۔ ان دونو حضرات نے ان سے پوچھا کہ پانی کتنی دور ہے اس عورت نے کہا کہ کل گذشتہ اس وقت میں وہاں اس چشمہ پر تھی۔ اور ہمارے گھر کے لوگ کسی کام کے لئے گھر سے غائب ہیں ہم صرف عورتیں باقی رہ گئی ہیں تو ان دونو حضرات نے اس سے کہا اب چلو۔ اس نے پوچھا کہاں چلوں انہوں نے کہا کہ جناب رسول اللہ صلعم کی طرف اس عورت نے کہا وہی جس کو صابی کہا جاتا ہے اپنے دین سے پھر جانے والا۔ ان حضرات نے جواب دیا ہاں وہی جو تیری مراد ہے پس تو چل چنانچہ یہ دونو اس عورت کو جناب رسول اللہ صلعم کی خدمت میں لائے۔ اور آپؐ کو سارا واقعہ سنایا۔ آپؐ نے حکم دیا اس عورت کو اونٹ سے نیچے اتارو چنانچہ انہوں نے ایسا کیا۔ راوی کہتا ہے کہ ان لوگوں نے اس عورت کو اونٹ سے اترنے کے لئے کہا۔ چنانچہ وہ اتری۔ اور نبی اکرم صلعم نے ایک برتن منگایا جس میں ان دونو مشکیزوں کے منہ کھول دیئے گئے اور پھر ان دونوں کے منہ تسموں سے باندھ دیئے گئے (کیونکہ آپؐ نے کلی کر کے اس میں ڈالی تو آپؐ کی کلی کی برکت سے پانی زیادہ ہو گیا) اور مشکیزے کا نچلا منہ کھول دیا گیا۔ اور لوگوں کو آواز دی گئی کہ آؤ خود بھی پیو اور جانوروں وغیرہ کو بھی پلاؤ۔ پس جس نے پینا تھا پیا جس نے کسی کو پلانا تھا اسے پلا دیا۔ اور آخری شخص جس کو پانی دیا گیا وہی شخص تھا جس کو جنابت لاحق ہوئی تھی اس

کو پانی کا برتن دیا گیا اور آپ نے فرمایا جاؤ اور اس کو اپنے اوپر پلٹ دو۔ وہ عورت کھڑی یہ سارا تماشا دیکھ رہی تھی جو اس کے پانی کے ساتھ ہو رہا تھا اور اللہ تعالیٰ کی قسم حالانکہ پانی اس مشکیزے سے انڈیلا جا رہا تھا۔ مگر ہمیں خیال یہ گذرتا تھا کہ جب سے اس سے پانی نکالنا شروع ہوا اب وہ اس سے زیادہ سخت بھرا ہوا تھا۔ آنجناب نبی اکرم صلعم نے حکم دیا کہ اس عورت کے لئے کچھ نہ کچھ جمع کر دو۔ چنانچہ صحابہ کرام نے اس عورت کے لئے کچھ عجوہ کھجور۔ کچھ تھوڑا آٹا اور تھوڑا ستو جمع کیا یہاں تک اس کے کھانے کا انتظام ہو گیا تو صحابہ کرام اس کھانے کو ایک کپڑے میں جمع کر کے اس عورت کو اونٹ پر سوار کیا وہ کھانے کی گٹھڑی اس کے آگے رکھ دی جس پر آنحضرت صلعم نے اس سے فرمایا کہ دیکھو ہم نے تمہارے پانی سے کچھ بھی کمی نہیں کی لیکن اللہ تعالیٰ نے ہمیں اپنی قدرت سے سیراب کر دیا۔ پس وہ عورت کافی دیر کے بعد اپنے گھر والوں کے پاس پہنچی جنہوں نے اس تاخیر کا سبب پوچھا اس نے کہا کہ ایک عجیب واقعہ پیش آیا جس کی وجہ سے دیر ہو گئی چنانچہ مجھے دو آدمی ملے جو مجھے اس شخص کی طرف لے گئے جس کو صابی کہا جاتا ہے جس نے ایسے ایسے کیا اللہ تعالیٰ کی قسم یا تو وہ اس آسمان اور زمین کے درمیان سب سے بڑا جادوگر ہے اس نے اپنی انگلیوں درمیانی اور شہادت والی کو آسمان کی طرف اٹھا کر اشارہ کیا۔ مراد اس کی اس سے آسمان اور زمین کے درمیان تھا۔ یا وہ اللہ تعالیٰ کا سچا رسول ہے۔ اس واقعہ کے بعد جب بھی مسلمان ارد گرد کے مشرکوں پر لوٹ مار کرتے تھے۔ تو ان گھروں کو جن میں یہ عورت رہتی تھی کوئی چھیڑ چھاڑ نہیں کرتے تھے۔ ایک دن اس عورت نے اپنی قوم سے کہا کہ میں سمجھتی ہوں کہ یہ مسلمان لوگ تمہیں جان بوجھ کر چھوڑ جاتے ہیں۔ کیا تمہیں اسلام کی رغبت ہے جبکہ اس کا کہنا مان کر اسلام قبول کر لیا۔ صابی کے لفظ کی تفسیر کرتے ہوئے امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ صبا کے معنی لغت میں ایک دین سے نکل کر دوسرے دین میں داخل ہونے کے ہیں۔ ابو العالیہ فرماتے ہیں کہ صابئون اہل کتاب کا ایک فرقہ تھا جو زبور کو پڑھتے تھے۔ اور سورہ یوسف میں جو اَصْبُ اِلَیْھِنَّ ہے اس کے معنی ہیں کہ میں ان کی طرف جھک جاتا۔

تشریح از شیخ مدنیؒ ائمہ کے درمیان اس میں اختلاف ہے کہ آیا تیمم طہارت کاملہ ہے یا طہارت ضروریہ ہے۔ اگر طہارت ضروریہ ہے تو پھر ہر نماز کے لئے وضو کرنا پڑے گا جیسے صاحب عذر ہر نماز کے لئے وضو کرتا ہے یہ امام شافعیؒ کا مسلک ہے حضرت امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ اگرچہ تیمم عند الضرورت مشروع ہوا ہے۔ مگر اس کو آپ طہور المسلم فرما رہے ہیں۔ تو جس طرح ایک وضو سے متعدد نمازیں پڑھی جا سکتی ہیں ایسے تیمم سے بھی پڑھی جا سکتی ہیں کیونکہ یہ بھی وضو کی طرح طہارت کاملہ ہے اس مسئلہ میں امام بخاریؒ امام اعظمؒ کے ساتھ ہیں

(کہ ابن عباس نے تیمم کی حالت میں امامت کرائی)

چنانچہ امام ابن عباس و ھو متیمم سے استدلال کیاہے۔ اور صاحب عذر امامت نہیں کراسکتا۔ سبخۃ شور زمین کو کہتے ہیں ایک جماعت اس سے تیمم کرنے کی اجازت نہیں دیتی کیونکہ صعید طیب سے تیمم کا حکم دیا گیا ہے یہ حضرات طیب کے معنی حُلو میٹھے کے لیتے ہیں جنہوں نے طیب کے معنی طاہر کے کئے وہ شور زمین سے تیمم کو جائز کہتے ہیں اور قرآن مجید میں طیب کے دونو معنی طاہر اور حلو مستعمل ہیں جمہور طیب کے معنی طاہر کے لیتے ہیں۔ اوّل من استیقظ فلان بعض روایات میں حضرت ابوبکر صدیق رضہ کا نام آتاہے۔ ان تحلوا یہ جملہ احناف کا مستدل ہے کیونکہ شوافع" فرماتے ہیں کہ نائم جس وقت بھی بیدار ہو۔ وہ نماز پڑھ سکتاہے خواہ وقت مکروہ ہی کیوں نہ ہو۔ احناف" فرماتے ہیں کہ ذالک و قتھا سے مراد یہ کہ جلدی کرنا چاہیئے۔ موانع دور کرو مگر مکروہ وقت میں نماز نہ پڑھی جائے۔ چنانچہ اس جگہ سے آپؐ نے کوچ کا حکم دیا یہ تاخیر یا تو اس وجہ سے تھی کہ ابھی آفتاب نیزے برابر نہیں آیا تھا۔ یا اس جگہ کوئی شیطانی اثر تھا جس کو جنابؐ نے محسوس فرماکر کوچ کا حکم دیا بہرحال آپؐ وہاں سے چل دیئے۔ ما منعک یا فلان کہا جاتاہے کہ وہ حضرت خلّاد بن رافع تھے علیک بالصعید یہ موضع ترجمۃ الباب ہے کہ جنابت کے لئے بھی تیمم ہوا کرتاہے۔ مزادہ اور سطیحہ دوہرے چمڑے کی مشک مزادہ اس کو اس لئے کہتے ہیں کہ ایک پر دوسرا چمڑا چڑھایا جاتاہے اور سطیحہ اس لئے کہا جاتاہے کہ ایک چمڑے کی سطح دوسرے چمڑے سے ملی ہوتی ہوتی ہے۔ ایسے مشکیزوں کو اونٹوں پر لادتے تھے اور اس کے دو منہ ہوتے تھے۔ عزالی جمع عزلاءً کی مزادہ کے نچلے منہ کو کہتے ہیں۔ اوپر والے منہ سے پانی بھرا جاتاہے چونکہ یہ مشک مثلث ہوتی ہے اس لئے نیچے بھی دو منہ ہوتے ہیں۔ تو چار منہ ہوگئے اس لئے جمع لایا گیا۔ عجوہ کھجور کی تعریف آپؐ نے بہت بیان فرمائی ہے۔ یہاں تک کہ صبح کو روزانہ اس کے دو تین دانے کھانے والا شخص زہر اور سحر سے محفوظ رہتاہے۔ آجکل یہ جنس مفقود ہے۔ یہ بعض لوگوں کا دعویٰ ہے علامہ زمخشری" فرماتے ہیں۔ کہ لوگوں نے عجوہ لگانا بند کردیاہے اس لئے کہ اس کا پھل بہت دیر سے آتاہے اوانہ رسول اللّٰہ یا تو وہ مسلمہ نہ تھی یا مصلحتاً اس نے اپنی قوم پر اپنے اسلام کا اظہار نہ کیا۔

تشریح از شیخ زکریا" یہاں امام بخاری" نے دو مسئلوں کی طرف اشارہ فرمایا۔ اوّل یہ کہ آیت پاک کے اندر ہے فتیمموا صعیدا طیبًا اس لفظ صعید کی تفسیر میں اختلاف ہے بعض سے منقول ہے کہ صعید کے معنی تراب (مٹی) کے ہیں۔ یہ قول امام شافعی" کی طرف منسوب ہے اس لئے وہ فرماتے ہیں کہ تراب کے علاوہ اور کسی چیز سے مسح کرنا جائز نہیں ہے۔ اور جمہور کی رائے ہے کہ صعید سے مطلق وجہ ارض مراد ہے اسی طرح

ہر جزو ارضی سے تیمم کرنا جائز ہے۔ کوئی تراب کی خصوصیت نہیں۔ امام بخاریؒ نے جمہور کی تائید فرمائی ہے کہ صعید سے ساری زمین مراد ہے۔ کیونکہ روایت میں علیک بالصعید فرمایا گیا ہے۔ اس سے کسی چیز یا کسی زمین کی تخصیص سمجھ میں نہیں آتی۔ دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں، کہ تیمم طہارت ضروریہ ہے لہٰذا ایک تیمم سے ایک فرض پڑھ سکتا ہے۔ دوسرے فرض کے لئے دوسرے تیمم کی ضرورت ہوگی، اور جمہور فرماتے ہیں کہ تیمم طہارت کاملہ ہے، ایک تیمم سے متعدد فرض پڑھ سکتا ہے۔ امام بخاریؒ جمہور کی تائید فرماتے ہیں یکفیہ من الماء اور ارض طیب وضوء المسلم ہے۔ پانی کی طرف سے اس کی کفایت کرے گی۔ لہٰذا تیمم جب وضو مسلم ہے اور پانی کے قائم مقام ہے۔ تو جیسے وضو سے متعدد فرض پڑھے جا سکتے ہیں، اسی طرح تیمم سے بھی پڑھے جا سکتے ہیں۔

قال الحسن یجزیہ التیمم مالم یحدث اس سے بھی جمہور کی تائید ہوتی ہے۔ کہ جب تک حدث نہ ہو تیمم کافی ہے۔ کسی فرض کی قید نہیں ہے۔ وامّ ابن عباس وھو تیمم اس سے امام محمدؒ کے قول پر رد فرماتے ہیں جن کی رائے ہے کہ متیمم متوضی کی امامت نہیں کر سکتا۔ ائمہ اربعہ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک کر سکتا ہے۔ لا بأس بالصلوٰۃ علی السبخۃ اس سے بھی جمہور کے مسلک کی تائید ہوتی ہے کہ زمین شور پر نماز پڑھنے اور اس سے تیمم کرنے کے اندر کوئی حرج نہیں۔ یہ بتا رہے ہیں کہ ارض سبخہ عام ہے وقعنا وقعۃً چونکہ ساری رات چلے تھے تو تھکان ہو گیا تھا۔ اس لئے آخری رات کے اندر ایک جگہ پڑاؤ کیا۔ اور ایسے پڑ کر سوئے کہ اس پڑنے سے زیادہ مسافر کے نزدیک اور کوئی چیز میٹھی نہیں ہو سکتی۔ فما ایقظنا الاحر الشمس گہرے نیند سوئے اور پھر جب صبح کو گرمی پہنچی اس وقت آنکھ کھلی۔ کان النبی صلعم اذا نام لم نوقظہ حضور اکرم صلعم کو سوتے ہوتے نہ جگانے کی وجہ یہ تھی کہ انبیاء علیہم السلام کا خواب وحی ہوا کرتا ہے، اور یہ کسی کو خبر نہیں کہ کس وقت خواب کا سلسلہ شروع ہو جائے۔ ممکن ہے اس وقت خواب میں وحی ہو رہی ہو۔ فکبّر ورفع صوتہ احتمال وحی کی وجہ سے جگانا تو غیر مناسب تھا۔ اس لئے حضرت عمرؓ نے اس کی یہ تدبیر کی، کہ زور زور سے تکبیر کہنے لگے تاکہ حضور اکرم صلعم کے کان میں آواز چلی جائے۔ پھر حضورؐ بیدار ہو جائیں لا ضیر او لا یضیر یہ اونٹ کے لئے ہے۔ معنی دونوں کے ایک ہیں۔ وہ یہ کہ یہ تکوینی طور پر کرایا گیا۔ اس میں کوئی حرج نہیں۔ اس روایت پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ ہم دیکھتے ہیں کسی پیر کا مرید ہوتا ہے۔ گو وہ عامی ہو۔ تو اس کی یہ حالت ہوتی ہے کہ وہ یوں کہتا ہے کہ جب سے حضرت سے مرید ہوا بس تہجد کے وقت نیند اڑ جاتی ہے۔ اور یہاں اجلّہ صحابہ اور خود سب کے آقا حضور اکرم صلعم باوجود اتنی صفائی قلب کے فجر کی نماز میں کیوں سو گئے اس قسم کے واقعات کا

جواب یہ ہے کہ نبی تعلیم فعلی کے واسطے آتا ہے۔ لہٰذا جو افعال شانِ نبوت کے خلاف نہ ہوں، گو وہ ہماری نظر میں چھوٹے معلوم ہوتے ہوں۔ مثلاً نماز میں سہو ہو جانا۔ یا سو جانا وہ نبی سے جان بوجھ کر کرائے جاتے ہیں، خود آنحضور صلعم فرماتے ہیں انی لا انسیٰ ولکن انسّٰی اور جو کام شانِ نبوت کے خلاف ہوتے تھے وہ صحابہ کرام سے کرائے گئے۔ چونکہ تعلیم فعلی مقصود تھی۔ اس لئے حضرت ماعز اسلمی سے زنا صادر ہوا۔ اور اسی طرح بعض دوسروں سے چوری کا صدور ہوا تاکہ حدود جاری کی جاسکیں۔ اب خدانخواستہ نبی کے ہاتھ تو نہیں کاٹے جاسکتے۔ اسی طرح نبی سے زنا کبھی بھی صادر نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ وہ شانِ نبوت کے خلاف ہے۔ لہٰذا اس کے واسطے صحابہ کرام نے اپنے آپ کو پیش کیا اور اس کی وجہ سے صحابہ میں نہ کوئی خرابی آئی اور نہ ہی کوئی نقص آیا۔ اسی طرح تعلیم فعلی کی تیسری سیڑھی مشاجرات صحابہ ہیں۔ اس کو بھی دنیا میں کرانا تھا۔ اور وہ خلافتِ راشدہ میں ہوا حضور اکرم صلعم کے زمانہ میں تو ہو نہیں سکتی تھی کیونکہ حضور اکرم موجود ہوں گے تو آپ ہی بادشاہ ہوں گے آپ کے ہوتے ہوئے جو ملک طلب کرے گا وہ باغی ہوگا۔ اور کافر اور خلفاً ثلاثہ کے زمانے میں بھی نہیں ہو سکتی تھی۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے زمانہ میں ارتداد پھیل رہا تھا اس کے قلع قمع کی ضرورت تھی۔ اگر باہم اختلاف ہو جاتا تو نامعلوم معاملہ کہاں کا کہاں پہنچ جاتا۔ اور حضرت عمرؓ کے زمانے میں اس لئے کہ اسلامی شوکت کی ضرورت تھی۔ اور وہ حضرت عمرؓ کے زمانے میں پایۂ تکمیل کو پہنچ گئی۔ اب حضرت عثمانؓ کے زمانے میں ہونی چاہیئے تھی اور بنیاد بھی پڑ گئی تھی۔ مگر چونکہ ثروت کی بنا پر اختلافات ہوا کرتے ہیں۔ اس لئے ان کے زمانے میں کثرت ثروت ہوئی۔ اب حضرت علیؓ کا زمانہ رہ گیا تھا۔ اور انہی تک خلافت راشدہ تھی۔ اس لئے کہ حضور اکرم صلعم کا ارشاد ہے۔ الخلافۃ بعدی ثلثون سنۃ لہٰذا مشاجراتِ صحابہ ان کے زمانہ میں رونما ہوئے اور جنگ جمل اور جنگ صفین کی صورت میں ظاہر ہوئے۔ یہ مشاجرات صحابہ کرام کی شان میں کسی قسم کا نقص پیدا نہیں کرتے۔ بلکہ اس سے تعلیم فعلی اور مسئلہ خلافت کی تکمیل ہوئی۔ اب یہاں ایک دوسری بات یہ ہے کہ یہ واقعہ جس شب میں پیش آیا۔ اس کو لیلۃ التعریس کہتے ہیں۔ اور اس حدیث کو لیلۃ التعریس والی حدیث کہتے ہیں۔ تعریس کے معنی آخری شب کو نزول کرنے کے ہیں۔ اس میں اختلاف ہے کہ لیلۃ التعریس ایک ہے یا متعدد جمہور کی رائے ایک کے بارے میں ہے۔ مگر واقعات اور روایات میں اس قدر اختلاف ہے کہ ایک مرتبہ کا ہونا کسی طرح نہیں بنتا۔ اس لئے محققین کی رائے ہے کہ لیلۃ التعریس کم از کم دو مرتبہ ہوئی اور بعض کی رائے ہے کہ تین مرتبہ ہوئی۔ اور مجھے بھی کوئی اشکال نہیں نہ سہی دو۔ تین بھی ہو سکتی ہیں، چونکہ اس روایت

کے الفاظ مختلف ہیں اور مختلف طور سے مروی ہیں اس لئے امام بخاریؒ اس سے مختلف جگہوں میں مختلف مسائل
ثابت کریں گے جس کو میں بھی اپنی جگہ پر بیان کردوں گا۔ صوفیہ فرماتے ہیں اس شب کے اندر بیدار نہ ہونا
بہت عجیب ہے اور اس شب کو حضرت بلالؓ کی انا دیں) نے کھو دیا۔ چنانچہ ابوداؤد کی روایت ہے کہ
جب حضور اکرم صلعم نے دریافت فرمایا من یکلؤنا اس پر حضرت بلالؓ نے عرض کیا انا اذا نام لو تحفظہ
لاحتمال انہ یؤلی الیہ فی ذالک النوم۔ ارتحلوا یہ ارتحال کا امر کیوں فرمایا۔ حنفیہؒ فرماتے ہیں کہ
اس وجہ سے فرمایا کہ وہ وقت وقت مکروہ تھا۔ اور اس کی تائید اس سے ہوتی ہے۔ کہ روایت میں ہے۔
حتی اذا ارتفع الشمس نزل یعنی جبکہ ارتفاع شمس ہو گیا۔ اور وقت کراہت جاتا رہا۔ تو اس وقت نزول
فرمایا ہے۔ فما ایقظنا الا حر الشمس اس کے خلاف نہیں ہو سکتا اس لئے کہ اگر گرمی کا زمانہ ہو، تو دھوپ
کی گرمی تو جلد ہی پڑنے لگتی ہے۔ بالخصوص جبکہ میدان میں ہوں۔ اور خصوصاً عرب کی گرمی کہ دن سخت گرم اور
راتیں سخت سرد۔ لہٰذا اس سے کوئی اشکال نہیں پڑتا۔ اس کے بالمقابل شوافعؒ وغیرہ کی رائے اس بارے
میں یہ ہے کہ اس وادی میں حضور اکرم صلعم کو نیند آئی۔ اور نماز قضا ہوئی۔ اس لئے اس وادی میں ایک قسم
کی نحوست ہوئی اس لئے ارتحال کا حکم فرمایا۔ چنانچہ ایک روایت میں بھی ہے فان فیھا شیطانا اس
وادی میں شیطان ہے۔ حنفیہؒ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلعم کا یہ ارشاد ہمارے خلاف نہیں۔ کیونکہ سورج
تو خود بین قرنی الشیطان طلوع ہوتا ہے۔ فان علیک بالصعید اس جملہ کے واسطے پوری روایت
کو ذکر فرمایا فیممیہ ابورجاء ان کا نام عمران تھا۔ بین مزادتین دو بہت بڑے مشکیزے او سطیحتین
او شک راوی کے لئے ہے۔ اور دونوں کے ایک ہی معنی ہیں۔ دوہرے چمڑے کا مشکیزہ عھدی بالماء امس
یعنی اتنی دوری پر ہے کہ کل میں اسی وقت پانی پر سے چلی ہوں۔ اور مطلب یہ ہے کہ ایک منزل ہے۔
ونفرنا خلوفا جب اس عورت نے دیکھا کہ یہ دو مرد ہیں تو وہ ڈری۔ کہ یہ لوگ پانی کی تلاش میں ہیں
کہیں مجھ سے پانی نہ چھین لیں تو اس نے بطور معذرت کے کہا کہ ہمارے مرد گھر خالی چھوڑ کر باہر گئے
ہوئے ہیں۔ لہٰذا میں بچوں وغیرہ کے پاس جا رہی ہوں۔ خلوف کے معنی پیچھے چھوڑنے والے اور خلوفا
یا تو خبر ہے کان محذوف کی یا حال قائم مقام خبر ہے واوکا افواھھما مشکیزہ میں دو منہ ہوتے
ہیں۔ ایک اوپر کا جو بڑا ہوتا ہے۔ اور نیچے کا چھوٹا ہوتا ہے۔ افواہ اوپر کے منہ کو کہتے ہیں عزالی نیچے
کے منہ کو کہتے ہیں۔ افواہ کو اس لئے بند فرما دیا کہ سارا پانی گر جانے کا اندیشہ تھا۔ اگر اس کو کھول دیتے

اور عزلا، چونکہ چھوٹا ہوتا ہے اس لئے اس سے تھوڑا تھوڑا پانی آتا رہا ضائع بھی نہیں ہوا وھی تا بمہ تنظر وہ عورت کھڑی یہ منظر دیکھتی رہی۔ کہ اس ذرا سے پانی میں کیا کیا ہوگیا۔ سب نے پانی پی بھی لیا برتن بھی بھر لئے اور ایک نے غسل بھی کر لیا۔ یہاں اشکال ہے کہ یہ تصرف فی ملک الغیر کیوں ہوا۔ اصحاب علوم ظاہر یہ کہتے ہیں کہ ایسا اس لئے فرمایا۔ تاکہ سب کو معلوم ہو جائے کہ مضطر ایسے وقت میں بے اجازت لے سکتا ہے۔ اور حقیقی جواب یہ ہے کہ حضور اکرم صلعم نے اس میں سے کچھ کم نہیں کیا۔ بلکہ وہ تو پہلے سے بھی کہیں زائد بھرا ہوا تھا۔ اجمعوا لھا یعنی ہم نے اس کے پانی سے انتفاع حاصل کیا ہے۔ لہٰذا اس کے بدلے میں اس کے واسطے کچھ جمع کر کے لاؤ۔ ماحبسک یا فلانۃ چونکہ یہاں دیر ہو گئی تھی۔ اس لئے وہ ای قدر تاخیر سے اپنے گھر پہنچی تو گھر والوں نے دریافت کیا۔ کہ کیا بات تھی۔ جو اتنی دیر لگ گئی اما نہ لرسول اللہ حقا یعنی اگر وہ ساحر نہیں ہیں تو بلاشبہ اللہ کے رسول ہیں۔ ولا یصیبون الصرم صرم کہتے ہیں گاؤں کو اور یہاں مراد قبیلہ ہے قال ابو عبد اللہ صبا خرج چونکہ حدیث شریف میں صابی کا لفظ آگیا تھا اس لئے اس کی تفسیر فرما دی۔ اور اس سے ان کا ذہن قرآن پاک میں لفظ صابئین کی طرف منتقل ہو گیا تو ساتھ ہی ساتھ اس کی شرح بھی فرما دی۔ پھر آیت کریمہ الا تصرف عنی کید ھن اصب الیھن کی طرف ذہن گیا تو اس کی تفسیر فرما دی۔

باب اِذَا خَافَ الْجُنُبُ عَلٰى نَفْسِهِ الْمَرَضَ اَوِ الْمَوْتَ اَوْ خَافَ الْعَطَشَ تَيَمَّمَ وَيُذْكَرُ اَنَّ عَمْرَو بْنَ الْعَاصِ اَجْنَبَ فِيْ لَيْلَةٍ بَارِدَةٍ فَتَيَمَّمَ وَتَلَا وَلَا تَقْتُلُوْا اَنْفُسَكُمْ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا فَذُكِرَ ذٰلِكَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمْ يُعَنِّفْ۔

ترجمہ:- جب جنبی کو اپنے نفس پر مرض کا یا موت کا ڈر ہو۔ یا پیاس کا خطرہ ہو تو تیمم کرے اور ذکر کیا گیا ہے کہ حضرت عمرو بن العاصؓ سخت ٹھنڈی رات میں جنبی ہو گئے۔ تو تیمم کر کے یہ آیت تلاوت کی۔ کہ اپنے آپ کو قتل نہ کرو اللہ تعالیٰ تم پر بہت رحم کرنے والا ہے۔ چنانچہ جب اس کا تذکرہ جناب نبی اکرم صلعم کے پاس ہوا تو آپ نے کوئی ملامت نہ فرمائی۔

حدیث نمبر ۳۳۲ حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ خَالِدٍ الخ عَنْ اَبِيْ وَائِلٍ قَالَ اَبُوْ مُوْسٰى لِعَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ اِذَا لَمْ يَجِدِ الْمَاءَ لَا يُصَلِّيْ قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ نَعَمْ اِنْ لَمْ اَجِدِ الْمَاءَ شَهْرًا لَمْ اُصَلِّ لَوْ رَخَّصْتُ لَهُمْ فِيْ هٰذَا كَانَ اِذَا وَجَدَ اَحَدُهُمُ الْبَرْدَ قَالَ هٰكَذَا يَعْنِيْ تَيَمَّمَ

وَحَلْقَ قَالَ قُلْتُ فَأَيْنَ قَوْلُ عَمَّارٍ لِعُمَرَ قَالَ إِنِّي لَمْ أَرَ عُمَرَ قَنِعَ بِقَوْلِ عَمَّارٍ ۔

ترجمہ، حضرت ابو وائل سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے کہا کہ کیا جب تک کوئی پانی نہ پائے نماز نہ پڑھے۔ حضرت عبداللہ رضؓ نے فرمایا ہاں اگر میں ایک مہینہ تک پانی نہ پاؤں تو نماز نہیں پڑھوں گا۔ اگر میں ان کو اس بارے میں رخصت دے دوں تو جب بھی کسی کو ٹھنڈک پہنچے گی تو اسی طرح کرے گا یعنی تیمم کرے گا۔ اور نماز ادا کرے گا۔ تو ابو موسیٰ فرماتے ہیں کہ میں نے کہا پھر عمارؓ نے جو حضرت عمرؓ کو تیمم کے بارے میں فرمایا تھا وہ کہاں جائے گا حضرت عبداللہؓ نے فرمایا کہ میں نہیں سمجھتا کہ حضرت عمرؓ نے حضرت عمار کے قول کو پسند کیا ہو۔

تشریح از شیخ مدنی رہ، حضرت عمرؓ اور حضرت عبداللہؓ جنبی کو تیمم کی اجازت نہیں دیتے تھے۔ ممکن ہے یہ ان کا مذہب ہو۔ جو کہ جمہور کے خلاف ہے۔ اس باب میں دو روایتیں بیان کی گئی مگر ان میں ترتیب بدلی ہوئی ہے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے جب مصلحت بیان کی۔ تو معلوم ہوا کہ وہ نفس مسئلہ کے مخالف نہیں لیکن پھر حضرت عمارؓ کے واقعہ پر رد کرنے کے کیا معنی؟ تو دوسری روایت نے بتلا دیا۔ کہ حضرت ابو موسیٰؓ نے اولاً قول عمارؓ پیش کیا۔ پھر آیت کو پیش کیا جب ان سے کوئی جواب نہ بن پڑا تو حقیقت بیان کر دی کہ میں نفس مسئلہ کے خلاف نہیں ہوں تو دوسری روایت نے اسے صاف کر دیا پہلی روایت میں راوی نے تقدیم و تاخیر کر دی۔

حدیث نمبر ۳۳۳ حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ حَفْصٍ الخ قَالَ سَمِعْتُ شَقِيقَ بْنَ سَلَمَةَ قَالَ كُنْتُ عِنْدَ عَبْدِ اللهِ وَ أَبِي مُوسَى فَقَالَ لَهُ أَبُو مُوسَى أَرَأَيْتَ يَا أَبَا عَبْدِ الرَّحْمٰنِ إِذَا أَجْنَبَ فَلَمْ يَجِدْ مَاءً كَيْفَ يَصْنَعُ فَقَالَ عَبْدُ اللهِ لَا يُصَلِّي حَتَّى يَجِدَ الْمَاءَ فَقَالَ أَبُو مُوسَى فَكَيْفَ تَصْنَعُ بِقَوْلِ عَمَّارٍ حِينَ قَالَ لَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَكْفِيكَ قَالَ أَلَمْ تَرَ عُمَرَ لَمْ يَقْنَعْ بِذٰلِكَ مِنْهُ فَقَالَ أَبُو مُوسَى فَدَعْنَا مِنْ قَوْلِ عَمَّارٍ كَيْفَ تَصْنَعُ بِهٰذِهِ الْآيَةِ فَمَا دَرَى عَبْدُ اللهِ مَا يَقُولُ فَقَالَ إِنَّا لَوْ رَخَّصْنَا لَهُمْ فِي هٰذَا لَأَوْشَكَ إِذَا بَرَدَ عَلَى أَحَدِهِمُ الْمَاءُ أَنْ يَدَعَهُ وَ يَتَيَمَّمَ فَقُلْتُ لِشَقِيقٍ فَإِنَّمَا كَرِهَ عَبْدُ اللهِ لِهٰذَا فَقَالَ نَعَمْ

ترجمہ، حضرت اعمشؒ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت شقیق بن سلمہ سے سنا وہ فرماتے تھے کہ میں حضرت عبداللہ اور ابو موسیٰ رضؓ کے پاس بیٹھا تھا کہ حضرت ابو موسیٰ رضؓ نے حضرت عبداللہ رضؓ سے کہا کہ اے ابو عبدالرحمٰن

کہ جب کوئی شخص جنبی ہو جائے اور اسے پانی نہ ملے تو وہ کیا کرے حضرت عبداللہؓ نے فرمایا کہ جب تک اسے پانی نہ ملے نماز نہ پڑھے۔ حضرت ابو موسیٰؓ نے فرمایا کہ حضرت عمارؓ کے اس قول کو کیا کرو گے جبکہ جناب نبی اکرم صلعم نے ان سے فرمایا کہ یہ تیمم ہی تمہیں کافی تھا جس پر حضرت عبداللہؓ نے فرمایا کہ کیا تم نے دیکھا نہیں کہ حضرت عمرؓ نے اس کے اس قول پر قناعت اور رضامندی ظاہر نہیں کی۔ تو حضرت ابو موسیٰ نے فرمایا کہ چلو ہم حضرت عمارؓ کے قول کو چھوڑتے ہیں۔ اس آیت تیمم کا کیا جواب ہوگا۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے کوئی جواب نہ بن پڑا صرف اتنا کہا کہ اگر ہم ان لوگوں کو ایسی صورت میں تیمم کرنے کی اجازت دے دیں تو قریب ہے کہ جس کو پانی ٹھنڈا لگا۔ وہ پانی کو چھوڑ کر تیمم کرنے لگے گا۔ حضرت اعمشؒ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت شقیق سے کہا کہ اچھا اس وجہ سے حضرت عبداللہ تیمم للجنبی کو مکروہ سمجھتے تھے۔ تو انہوں نے جواب دیا کہ ہاں۔

تشریح از شیخ مدنیؒ فما درلی عبداللہ ما یقول اگر حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا وہ مذہب ہوتا جو لامستم کے بارے میں شوافع کا ہے۔ کہ اس آیت سے مس مرأۃ کا ناقض وضو ہونا معلوم ہوتا ہے۔ حالانکہ حضرت ابن عباسؓ لامستم کے معنی جامعتم کے لیتے ہیں تو یہاں پر ان کو جواب دینا آسان تھا کیونکہ اختلاف حدث اکبر میں ہو رہا ہے۔ وہ آسانی سے کہہ دیتے کہ لامستم سے مراد مس مرأۃ ہے یعنی حدث اصغر ہے۔ حدث اکبر مراد نہیں ہے۔ کیونکہ جب وہ عاجز ہو گئے اور کوئی جواب نہ بن پڑا تو معلوم ہوا کہ وہ لامستم کے معنی مستم کے نہیں لیتے۔ اب اشکال یہ ہے کہ آیت کریمہ سے استدلال کیونکر ہوا کیونکہ تیمم کا حکم تو عدم وجدان ماء کی صورت میں ہے۔ یہاں مریض کے لئے عدم وجدان ماء نہیں ہے۔ تو کہا جائے گا کہ عدم وجدان ماء سے مراد عدم القدرۃ علی استعمال الماء مراد ہے۔ اور وہ کبھی عدم وجدان ماء کی وجہ سے ہوتا ہے۔ اور کبھی کسی مانع کی وجہ سے مثلاً برد کا خوف ہے۔ یا کسی مرض کے زیادہ ہونے کا خطرہ ہے۔

تشریح از شیخ زکریاؒ مرض کا مسئلہ تو صحابہؓ کے مابین مختلف فیہ رہ چکا ہے۔ مگر موت کے خوف اور پیاس کے خوف سے تیمم کرنا سب کے نزدیک جائز ہے۔ البتہ اگر حدوث مرض کا خوف ہو تو اس میں اختلاف ہے۔ امام بخاریؒ نے متفق علیہ پر مختلف فیہ کو قیاس فرما کر بتلایا ہے کہ تیمم جائز ہے۔ اور اب ائمہ کا بھی مذہب ہے کہ خوف مرض کی صورت میں تیمم کرنا جائز ہے ویذکر ان عمرو بن العاص اجنب فی لیلۃ باردۃ یہ واقعہ غزوہ ذات السلاسل میں پیش آیا۔ ابو داؤد میں یہ پوری روایت مذکور

ہے مختصر قصہ یہ ہے کہ حضرت عمرو بن العاصؓ امیر تھے غسل کی حاجت ہوگئی۔ سردی زیادہ تھی۔ تیمم کرکے نماز پڑھادی۔ لوگوں نے حضور اکرم صلعم سے شکایت کی۔ حضور اکرم صلعم نے وجہ دریافت فرمائی انہوں نے عرض کیا کہ حضور صلعم سردی زیادہ تھی۔ اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے لا تقتلوا انفسکم اپنے آپ کو قتل نہ کرو۔ اس پر حضور انور صلعم نے کچھ نہیں فرمایا۔ لہٰذا اس پر آپ کی تقریر ثابت ہوگئی۔ قال عبداللہ لا یصلی الخ حضرت عمرؓ امیر المؤمنین اور حضرت ابن مسعود فقیہ الامت جنبی کے تیمم کے بارے میں بڑے سخت تھے کہ اس کو تیمم کی اجازت نہیں دیتے تھے۔ اب اس میں اختلاف ہے کہ یہ ان حضرات کا مذہب تھا یا سداً للباب ایسا کرتے تھے۔ علماء دونوں طرف گئے ہیں۔ حضرت عمرؓ کے آثار سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ان کا مذہب تھا۔ پھر رجوع کرلیا۔ اور حضرت ابن مسعودؓ کے واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ سداً للباب منع کرتے تھے اسی ممانعت میں حضرت ابو موسیٰ اور ابن مسعودؓ کا مناظرہ پیش آیا۔ جو عمر بن حفص کی روایت میں ہے اور وہی مرتب ہے۔ اور بقیہ روایات میں جو آتا ہے وہ غیر مرتب ہے کہیں اس میں تقدیم ہے کہیں تاخیر ہے۔

باب اَلتَّيَمُّمُ ضَرْبَةٌ

ترجمہ۔ کہ تیمم ایک مرتبہ زمین پر ہاتھ مارنا ہے۔

حدیث نمبر ۳۳۴ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سَلَامٍ الخ عَنْ شَقِيقٍ قَالَ كُنْتُ جَالِسًا مَعَ عَبْدِ اللّٰهِ وَاَبِيْ مُوْسَى الْاَشْعَرِيِّ فَقَالَ لَهٗ اَبُوْ مُوْسٰى لَوْ اَنَّ رَجُلًا اَجْنَبَ فَلَمْ يَجِدِ الْمَاءَ شَهْرًا اَمَا كَانَ يَتَيَمَّمُ وَيُصَلِّيْ قَالَ فَقَالَ عَبْدُ اللّٰهِ لَا يَتَيَمَّمُ وَاِنْ كَانَ لَمْ يَجِدْ شَهْرًا فَقَالَ لَهٗ اَبُوْ مُوْسٰى فَكَيْفَ تَصْنَعُوْنَ بِهٰذِهِ الْاٰيَةِ فِيْ سُوْرَةِ الْمَائِدَةِ فَلَمْ تَجِدُوْا مَاءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا فَقَالَ عَبْدُ اللّٰهِ لَوْ رُخِّصَ فِيْ هٰذَا لَهُمْ لَاَوْشَكُوْا اِذَا بَرَدَ عَلَيْهِمُ الْمَاءُ اَنْ يَتَيَمَّمُوا الصَّعِيْدَ قُلْتُ وَاِنَّمَا كَرِهْتُمْ هٰذَا لِذَا قَالَ نَعَمْ فَقَالَ اَبُوْ مُوْسٰى اَلَمْ تَسْمَعْ قَوْلَ عَمَّارٍ لِعُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ بَعَثَنِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ حَاجَةٍ فَاَجْنَبْتُ فَلَمْ اَجِدِ الْمَاءَ فَتَمَرَّغْتُ فِي الصَّعِيْدِ كَمَا تَمَرَّغُ الدَّابَّةُ فَذَكَرْتُ ذٰلِكَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنَّمَا كَانَ يَكْفِيْكَ اَنْ تَصْنَعَ هٰكَذَا وَضَرَبَ بِكَفِّهٖ ضَرْبَةً عَلَى الْاَرْضِ ثُمَّ نَفَضَهَا ثُمَّ مَسَحَ بِهِمَا ظَهْرَ كَفِّهٖ بِشِمَالِهٖ اَوْ ظَهْرَ شِمَالِهٖ بِكَفِّهٖ ثُمَّ مَسَحَ بِهِمَا وَجْهَهٗ فَقَالَ عَبْدُ اللّٰهِ اَفَلَمْ تَرَ عُمَرَ لَمْ يَقْنَعْ بِقَوْلِ عَمَّارٍ

وَزَادَ يَعْلَى عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ شَقِيقٍ قَالَ كُنْتُ مَعَ عَبْدِ اللّٰهِ وَأَبِي مُوسٰى فَقَالَ أَبُو مُوسٰى أَلَمْ تَسْمَعْ قَوْلَ عَمَّارٍ لِعُمَرَ إِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعَثَنِي أَنَا وَأَنْتَ فَأَجْنَبْتُ فَتَمَعَّكْتُ بِالصَّعِيْدِ فَأَتَيْنَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَخْبَرْنَاهُ فَقَالَ إِنَّمَا كَانَ يَكْفِيْكَ هٰكَذَا وَمَسَحَ وَجْهَهُ وَكَفَّيْهِ وَاحِدَةً ۔

ترجمہ، حضرت شقیقؓ سے روایت ہے کہ میں حضرت عبداللہ اور ابوموسیٰؓ کے پاس تھا تو حضرت ابوموسیٰؓ نے حضرت عبداللہؓ سے کہا کہ اگر ایک آدمی جنبی ہو جائے اور اسے مہینہ بھر پانی نہ ملے۔ تو کیا وہ تیمم کرکے نماز نہ پڑھے جس پر حضرت عبداللہؓ نے فرمایا کہ تیمم نہ کرے اگرچہ اسے ایک مہینہ بھر تک پانی نہ ملے تو حضرت ابوموسیٰؓ نے فرمایا کہ پھر وہ آیت تیمم جو سورۂ مائدہ میں ہے اس کو کیا کرو گے۔ آیت کا ترجمہ یہ ہے۔ کہ جب تمہیں پانی نہ ملے تو پاک مٹی سے تیمم کرو۔ جس پر حضرت عبداللہ نے فرمایا کہ اگر اس بارے میں ان کو تیمم کی اجازت دی گئی۔ تو قریب ہے کہ جب بھی کسی کو پانی ٹھنڈا لگا۔ تو وہ مٹی سے تیمم کرنے لگے گا۔ تو میں نے کہا اچھا تم اس وجہ سے مکروہ سمجھتے ہو۔ انہوں نے فرمایا ہاں تو حضرت ابوموسیٰؓ نے فرمایا کہ کیا تم نے حضرت عمار کی وہ بات نہیں سنی جو انہوں نے حضرت عمرؓ سے کہی تھی۔ کہ مجھے جناب رسول اللہ صلعم نے کسی ضرورت کے لئے بھیجا مجھے جنابت لاحق ہو گئی پانی ملا نہیں تو میں زمین پر ایسے لیٹنے لگا جیسے جانور لیٹتا ہے تو میں نے اس کا ذکر جناب نبی اکرم صلعم سے کیا۔ آپ نے فرمایا تجھے اتنا ہی کافی تھا۔ اور ہتھیلی زمین پر ماری۔ پھر اس مٹی کو جھاڑا پھر اسی مٹی سے اپنے بائیں ہاتھ کی ہتھیلی کے ظاہر کا مسح کیا یا اپنی ہتھیلی سے بائیں ہاتھ کی پشت کا مسح کیا پھر ان دونوں سے چہرہ کا مسح کیا۔ تو حضرت عبداللہؓ نے فرمایا کہ تم نے دیکھا نہیں کہ حضرت عمرؓ نے حضرت عمارؓ کے قول کو پسند نہیں کیا۔ یعلی نے اعمش سے اور اس نے شقیق سے یہ زائد الفاظ روایت کئے ہیں کہ میں حضرت عبداللہ اور ابوموسیٰؓ کے پاس تھا حضرت ابوموسیٰؓ نے فرمایا کہ کیا تو نے حضرت عمار کا وہ قول نہیں سنا جو انہوں نے حضرت عمرؓ سے کہا کہ جناب رسول اللہ صلعم نے مجھے اور آپ کو کسی ضرورت کے لئے روانہ کیا میں جنبی ہو گیا اور مٹی پر لیٹ گیا۔ پھر ہم نے جناب رسول اللہ صلعم کے پاس حاضر ہو کر اس واقعہ کی خبر دی۔ تو آپ نے فرمایا بس تمہیں اس قدر کافی تھا کہ چہرے اور ہتھیلیوں کا ایک ہی ضربہ سے مسح کرتے۔

تشریح از شیخ مدنیؒ یہاں ضربۃ واحدۃ ہے اور کہیں ضرب بکفہ ضربۃ ہے۔ حالانکہ اس کا کوئی بھی قائل نہیں ہے جو ضربۃ واحدہ کے قائل ہیں وہ بکفین کہتے ہیں اور یہاں مسح بھا ظہر کفہ ہے۔ حالانکہ یہ لوگ

باطن کف کے مسح کے بھی قائل ہیں۔ اور دوسری روایت میں کفین کا ذکر ہے۔ ان اضطرابات کی وجہ سے روایت عمار صحیح ہونے کے باوجود قابل استدلال نہیں ہوسکتی۔

تشریح از شیخ زکریاؒ۔ یہ مسئلہ گذر چکا ہے۔ حنابلہ کا مذہب یہ ہے کہ التیمم ضربۃ واحدۃ للوجہ والیدین اور حنفیہؒ وشافعیہؒ کے نزدیک ضربتان ضربۃ للوجہ وضربۃ للیدین اور مالکیہ کے نزدیک ضربۃ واحدۃ فرض ہے اور ضربۃ ثانیہ سنت ہے اور بعض تابعین کا مذہب یہ ہے کہ التیمم ثلث ضربات ضربۃ للوجہ وضربۃ للکفین وضربۃ للذراعین امام بخاریؒ حنابلہ کے ساتھ ہیں۔ اور ان کا مستدل انما یکفیک ان تصنع ھکذا ہے جمہور اس استدلال کا جواب یہ دیتے ہیں کہ حضور اقدس صلعم کیفیت مسح بیان نہیں فرمارہے تھے بلکہ اس کی کیفیت کی طرف اشارہ کیا تھا۔

باب حدیث نمبر ۳۲۵ حَدَّثَنَا عَبْدَانُ الخ ثَنَا عِمْرَانُ بْنُ حُصَيْنٍ الْخُزَاعِيُّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَاٰى رَجُلًا مُعْتَزِلًا لَمْ يُصَلِّ فِي الْقَوْمِ فَقَالَ يَا فُلَانُ مَا مَنَعَكَ اَنْ تُصَلِّيَ فِي الْقَوْمِ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَصَابَتْنِيْ جَنَابَةٌ وَّلَا مَاءَ قَالَ عَلَيْكَ بِالصَّعِيْدِ فَاِنَّهٗ يَكْفِيْكَ۔

ترجمہ، حضرت عمران بن حصین خزاعی بیان فرماتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلعم نے ایک آدمی کو الگ تھلگ دیکھا جس نے قوم کے ساتھ نماز نہیں پڑھی تھی۔ آپ نے فرمایا اے فلاں تجھے قوم کے ساتھ نماز پڑھنے سے کس چیز نے روکا جواب دیا۔ یارسول اللہ مجھے جنابت لاحق ہوئی اور پانی نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا مٹی کو اختیار کرو وہ تمہیں کافی ہوگی۔ یعنی تیمم کرلو۔

تشریح از شیخ مدنیؒ بعض نسخوں میں لفظ باب نہیں ہے۔ تو باب اوّل میں داخل ہوگا کہ جنبی کے لئے تیمم ہے اگرچہ التیمم ضربۃ کے مناسب نہیں۔ تو کیوں نہ دونو کو پہلے باب میں داخل کر دیا جائے اور ہو سکتا ہے کہ بوجہ افادہ زائدہ کے بطور فصل کے ہوں۔ اور داخل بھی ہوسکتا ہے کیونکہ علیک بالصعید فانہ یکفیک الخ یہ مطلق ہے۔ اس کا ادنیٰ فرد ضربۃ واحدۃ ہے۔ پھر بھی مناسبت ہو جائے گی اس اضطراب کی وجہ سے حضرت عمارؓ کی روایت قابل استدلال نہیں رہتی۔ اس کے علاوہ حقیقت یہ ہے کہ آپؐ کا فرمان تعلیم کے موقعہ پر نہیں ہے۔ بلکہ ایک شبہ کا ازالہ ہے اس لئے حصر لبسا اوقات لنفی مخاطب ہوا کرتا ہے۔ حضرت عمارؓ یہ سمجھے ہوئے تھے۔ کہ جنابت کے لئے جو تیمم ہو اس کے لئے تمام بدن کو مٹی پہنچانی چاہیئے

آپ نے اسی شبہ کے ازالہ کے لئے اشارہ فرمادیا اور اسی پر اکتفا کیا۔ کہ تیمم کی تعلیم تمہیں پہلے دی جا چکی ہے وہاں جنابت کا تذکرہ نہیں تھا۔ اس جملہ سے بتلایا گیا۔ کہ وہی تیمم اس کے لئے کافی ہے۔

تشریح از شیخ زکریاؒ: یہ باب بلا ترجمہ ہے۔ شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں کہ یہ باب غلط ہے اس لئے کہ یہ روایت پہلے باب کی ہے اور دیگر شراح کی رائے یہ ہے کہ روایت آیۃ سے ضربۃ واحدۃ بالتصریح ثابت نہیں ہوتا تھا۔ اس لئے باب باندھ دیا۔ اور مقصود وہی ضربۃ واحدہ ہے۔ اور میرے نزدیک اس کی یہ غرض نہیں بلکہ اس باب سے ایک اشکال کا جواب دینا چاہتے ہیں۔ اشکال یہ ہے کہ اگر حضرت عمارؓ کو آیت تیمم معلوم تھی تو تمرغ کیوں کیا۔ اور اگر معلوم نہ تھی تو ان کو یہ کہاں سے معلوم ہوا کہ مٹی پانی کے قائم مقام ہو جائے گی۔ حالانکہ اس کے اندر تو اور تلوث ہوتا ہے۔ شراح اس کا جواب دیتے ہیں کہ آیت صرف فتیمموا صعیدا طیبًا نازل ہوئی تھی۔ اگلا حصہ نازل نہیں ہوا تھا۔ لہٰذا انہوں نے جیسے غسل کرتے وقت سارے جسم پر پانی بہانے کا مسئلہ سن رکھا تھا۔ اسے ہی مٹی میں تمرغ کر لیا۔ مگر مجھے اشکال یہ ہے کہ یہ محتاج دلیل ہے۔ اور کسی روایت میں یہ نہیں ہے کہ قرآن پاک کی اس آیت تیمم کا نزول الگ الگ ہوا ہو کسی مفسر نے یہ بات نہیں لکھی۔ بلکہ میرے نزدیک اس کا جواب یہ ہے جو امام بخاریؒ دے رہے ہیں کہ حضرت عمارؓ نے صرف علیک بالصعید سن رکھا تھا۔ اور سارے صحابہ کا آیت سن لینا ضروری نہیں ہے۔ لہٰذا علیک بالصعید کے عموم کو دیکھتے ہوئے تیمم کو غسل پر قیاس کر کے تمرغ کر لیا۔ علیک بالصعید سے خاتمہ کی طرف اشارہ ہے۔ وہ مٹی میں مٹی مل گئی انجام دنیا دیکھ لے۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط

کِتَابُ الصَّلٰوۃِ

باب کَیْفَ فُرِضَتِ الصَّلٰوۃُ فِی الْاِسْرَاءِ وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍؓ حَدَّثَنِیْ اَبُوْسُفْیَانَ ابْنُ حَرْبٍ فِیْ حَدِیْثِ ھِرَقْلَ فَقَالَ یَاْمُرُنَا یَعْنِی النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِالصَّلٰوۃِ وَالصِّدْقِ وَالْعَفَافِ۔

ترجمہ، لیلۃ اسراء میں نماز کیسے فرض ہوئی حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ مجھے حضرت ابوسفیان بن حرب نے ہرقل والی حدیث میں بیان کیا کہ انہوں نے جناب نبی اکرم صلعم ہمیں نماز پڑھنے۔ سچ بولنے اور

پاکدامن رہنے کا حکم دیتے ہیں۔

حدیث نمبر ۳۳۶ حَدَّثَنَا یَحْیَی بْنُ بُکَیْرٍ الخ کَانَ اَبُوْ ذَرٍّ یُحَدِّثُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ فُرِجَ عَنْ سَقْفِ بَیْتِیْ وَ اَنَا بِمَکَّۃَ فَنَزَلَ جِبْرِیْلُ عَلَیْہِ السَّلَامُ فَفَرَجَ صَدْرِیْ ثُمَّ غَسَلَہٗ بِمَاءِ زَمْزَمَ ثُمَّ جَآءَ بِطَسْتٍ مِّنْ ذَھَبٍ مُّمْتَلِیٍٔ حِکْمَۃً وَّ اِیْمَانًا فَاَفْرَغَہٗ فِیْ صَدْرِیْ ثُمَّ اَطْبَقَہٗ ثُمَّ اَخَذَ بِیَدِیْ فَعَرَجَ بِیْ اِلَی السَّمَآءِ فَلَمَّا جِئْتُ اِلَی السَّمَآءِ الدُّنْیَا قَالَ جِبْرِیْلُ عَلَیْہِ السَّلَامُ لِخَازِنِ السَّمَآءِ افْتَحْ قَالَ مَنْ ھٰذَا قَالَ ھٰذَا جِبْرِیْلُ قَالَ ھَلْ مَعَکَ اَحَدٌ قَالَ نَعَمْ مَّعِیْ مُحَمَّدٌ فَقَالَ اُرْسِلَ اِلَیْہِ قَالَ نَعَمْ فَلَمَّا فَتَحَ عَلَوْنَا السَّمَآءَ الدُّنْیَا فَاِذَا رَجُلٌ قَاعِدٌ عَلٰی یَمِیْنِہٖ اَسْوِدَۃٌ وَّ عَلٰی یَسَارِہٖ اَسْوِدَۃٌ اِذَا نَظَرَ قِبَلَ یَمِیْنِہٖ ضَحِکَ وَ اِذَا نَظَرَ قِبَلَ شِمَالِہٖ بَکٰی فَقَالَ مَرْحَبًا بِالنَّبِیِّ الصَّالِحِ وَالْاِبْنِ الصَّالِحِ قُلْتُ لِجِبْرِیْلَ مَنْ ھٰذَا قَالَ ھٰذَا اٰدَمُ وَھٰذِہِ الْاَسْوِدَۃُ عَنْ یَّمِیْنِہٖ وَشِمَالِہٖ نَسَمُ بَنِیْہِ فَاَھْلُ الْیَمِیْنِ مِنْھُمْ اَھْلُ الْجَنَّۃِ وَالْاَسْوِدَۃُ الَّتِیْ عَنْ شِمَالِہٖ اَھْلُ النَّارِ فَاِذَا نَظَرَ عَنْ یَّمِیْنِہٖ ضَحِکَ وَ اِذَا نَظَرَ قِبَلَ شِمَالِہٖ بَکٰی حَتّٰی عَرَجَ بِیْ اِلَی السَّمَآءِ الثَّانِیَۃِ فَقَالَ لِخَازِنِھَا افْتَحْ فَقَالَ لَہٗ خَازِنُھَا مِثْلَ مَا قَالَ الْاَوَّلُ فَفَتَحَ قَالَ اَنَسٌ فَذَکَرَ اَنَّہٗ وَجَدَ فِی السَّمٰوٰتِ اٰدَمَ وَاِدْرِیْسَ وَ مُوْسٰی وَ عِیْسٰی وَ اِبْرٰھِیْمَ وَ لَمْ یُثْبِتْ کَیْفَ مَنَازِلُھُمْ غَیْرَ اَنَّہٗ ذَکَرَ اَنَّہٗ وَجَدَ اٰدَمَ فِی السَّمَآءِ الدُّنْیَا وَ اِبْرَاھِیْمَ فِی السَّمَآءِ السَّادِسَۃِ وَقَالَ اَنَسٌ فَلَمَّا مَرَّ جِبْرِیْلُ عَلَیْہِ السَّلَامُ بِالنَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ سَلَّمَ بِاِدْرِیْسَ قَالَ مَرْحَبًا بِالنَّبِیِّ الصَّالِحِ وَ الْاَخِ الصَّالِحِ فَقُلْتُ مَنْ ھٰذَا قَالَ ھٰذَا اِدْرِیْسُ ثُمَّ مَرَرْتُ بِمُوْسٰی فَقَالَ مَرْحَبًا بِالنَّبِیِّ الصَّالِحِ وَالْاَخِ الصَّالِحِ قُلْتُ مَنْ ھٰذَا قَالَ ھٰذَا عِیْسٰی ثُمَّ مَرَرْتُ بِاِبْرَاھِیْمَ فَقَالَ مَرْحَبًا بِالنَّبِیِّ الصَّالِحِ وَالْاِبْنِ الصَّالِحِ قُلْتُ مَنْ ھٰذَا قَالَ ھٰذَا اِبْرَاھِیْمُ قَالَ ابْنُ شِھَابٍ فَاَخْبَرَنِیْ ابْنُ حَزْمٍ اَنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ وَ اَبَا حَبَّۃَ الْاَنْصَارِیَّ کَانَا یَقُوْلَانِ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ثُمَّ عُرِجَ بِیْ حَتّٰی ظَھَرْتُ لِمُسْتَوًی اَسْمَعُ فِیْہِ صَرِیْفَ الْاَقْلَامِ قَالَ ابْنُ حَزْمٍ وَّ اَنَسُ بْنُ مَالِکٍ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَفَرَضَ اللّٰہُ عَزَّ وَجَلَّ عَلٰی اُمَّتِیْ خَمْسِیْنَ صَلٰوۃً فَرَجَعْتُ بِذٰلِکَ حَتّٰی مَرَرْتُ عَلٰی

مُوسٰی فَقَالَ مَا فَرَضَ اللّٰہُ لَکَ عَلٰی اُمَّتِکَ قُلْتُ خَمْسِیْنَ صَلٰوۃً قَالَ فَارْجِعْ اِلٰی رَبِّکَ
فَاِنَّ اُمَّتَکَ لَا تُطِیْقُ فَرَاجَعْتُ فَوَضَعَ شَطْرَھَا فَرَجَعْتُ اِلٰی مُوسٰی قُلْتُ وَضَعَ
شَطْرَھَا فَقَالَ رَاجِعْ رَبَّکَ فَاِنَّ اُمَّتَکَ لَا تُطِیْقُ ذٰلِکَ فَرَاجَعْتُ فَوَضَعَ شَطْرَھَا
فَرَجَعْتُ اِلَیْہِ فَقَالَ ارْجِعْ اِلٰی رَبِّکَ فَاِنَّ اُمَّتَکَ لَا تُطِیْقُ ذٰلِکَ فَرَاجَعْتُہٗ فَقَالَ
ھِیَ خَمْسٌ وَّھِیَ خَمْسُوْنَ لَا یُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَیَّ فَرَجَعْتُ اِلٰی مُوسٰی فَقَالَ رَاجِعْ
رَبَّکَ فَقُلْتُ اِسْتَحْیَیْتُ مِنْ رَّبِّیْ ثُمَّ انْطَلَقَ بِیْ حَتّٰی انْتَھٰی بِیْ اِلَی السِّدْرَۃِ الْمُنْتَھٰی
وَغَشِیَھَا اَلْوَانٌ لَّا اَدْرِیْ مَا ھِیَ ثُمَّ اُدْخِلْتُ الْجَنَّۃَ فَاِذَا فِیْھَا حَبَآئِلُ اللُّؤْلُؤِ وَاِذَا
تُرَابُھَا الْمِسْکُ (الحدیث)

ترجمہ، حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ حضرت ابو ذر غفاریؓ بیان کیا کرتے تھے کہ جناب رسول اللہ
صلعم نے فرمایا جبکہ میں مکہ میں تھا تو میرے گھر کی چھت کھولی گئی۔ جبرائیلؑ اترے اور میرے سینے کو کھول کر
اسے زمزم کے پانی سے دھویا پھر ایک سونے کا تھال لائے جو حکمت اور ایمان سے پُر تھا۔ جس کو میرے
سینے میں انڈیلا۔ پھر اسے سی کر جمع کر دیا۔ پھر میرے ہاتھ پکڑ کر مجھے آسمان کی طرف چڑھا کر لے گئے جب میں
آسمان دنیا تک پہنچا تو جبرائیلؑ نے آسمان کے نگران سے کہا دروازہ کھولو خازن نے پوچھا یہ کون ہے کہا
جبرائیل ہوں۔ کیا آپ کے ساتھ کوئی اور بھی ہے۔ فرمایا ہاں میرے ساتھ محمد صلعم ہیں۔ فرمایا کیا آپ کی طرف معراج
کا پیغام بھیجا گیا ہے۔ فرمایا ہاں پس جب دروازہ کھلا تو ہم آسمانِ دنیا پر چڑھے اچانک دیکھتا ہوں کہ ایک
آدمی بیٹھا ہوا ہے اس کے دائیں جانب بھی کچھ لوگ ہیں۔ اور بائیں جانب بھی جب وہ دائیں طرف نظر آتا ہے
تو ہنس دیتا ہے اور جب بائیں طرف دیکھتا ہے تو رونے لگتا ہے۔ اس نے کہا نبی صالح اور ابن صالح کا آنا
مبارک ہو۔ میں نے جبرائیلؑ سے پوچھا یہ کون بزرگ ہیں۔ فرمایا یہ آدمؑ ہیں۔ ان کے دائیں اور بائیں جانب
جو مجسمے نظر آتے ہیں وہ ان کی اولاد کے مجسمے ہیں۔ ان میں سے دائیں طرف والے اہل جنت ہیں اور
بائیں طرف والے اہل جہنم ہیں جب وہ دائیں طرف نگاہ کرتے ہیں تو ہنس دیتے ہیں۔ اور جب بائیں طرف
دیکھتے ہیں تو رونے لگتے ہیں۔ یہاں تک کہ مجھے دوسرے آسمان تک پہنچایا گیا تو نگران سے دروازے کھولنے
کو کہا اس آسمان کے نگران نے بھی وہی گفتگو کی جو پہلے آسمان والے نے کی تھی۔ بہرحال دروازہ کھلا تو حضرت
انسؓ فرماتے ہیں کہ حضرت ابوذرؓ نے ذکر فرمایا کہ آپؐ نے آسمانوں میں حضرت آدمؑ۔ ادریسؑ، موسیٰؑ، عیسیٰؑ اور

ابراہیمؑ کو موجود فرمایا لیکن ان کے مقامات اچھی طرح محفوظ نہیں کئے۔ سوائے اس کے کہ پہلے آسمان پر آدمؑ اور چھٹے آسمان پر ابراہیمؑ تھے۔ حضرت انسؓ نے فرمایا جب جبرائیلؑ جناب نبی اکرم صلعم کو لے کر ادریسؑ کے پاس سے گذرے تو انہوں نے کہا نبی صالح اور اخ صالح کا آنا مبارک ہو میں نے پوچھا یہ کون صاحب ہیں فرمایا کہ حضرت ادریسؑ ہیں پھر میرا گذر موسیٰؑ کے پاس سے ہوا تو انہوں نے بھی کہا کہ نبی صالح اور اخ صالح کا آنا مبارک ہو۔ میں نے پوچھا کون صاحب ہیں فرمایا حضرت موسیٰ علیہ السلام ہیں پھر میرا گذر حضرت عیسیٰؑ کے پاس سے ہوا انہوں نے بھی مرحبا نبی صالح اور اخ صالح فرمایا۔ میں نے ان کے متعلق پوچھا تو بتایا گیا کہ یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں پھر میرا گذر حضرت ابراہیمؑ کے پاس سے ہوا۔ تو انہوں نے نبی صالح اور ابن صالح کہہ کر خیر مقدم کیا۔ میرے پوچھنے پر بتایا گیا کہ یہ حضرت ابراہیمؑ ہیں۔ ابن شہابؒ زہری فرماتے ہیں کہ مجھے ابن حزمؒ نے بتلایا کہ حضرت ابن عباسؓ اور ابو حبہ انصاریؓ فرماتے تھے۔ کہ جناب نبی اکرم صلعم نے فرمایا کہ مجھے اور اوپر لے جایا گیا تو میرے سامنے ایک ہموار میدان ظاہر ہوا جس میں میں نے قلموں کے چلنے کی آواز سنی۔ ابن حزمؒ اور انس بن مالکؓ دونوں فرماتے ہیں کہ جناب نبی اکرم صلعم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ بلند و برتر نے میری امت پر پچاس نمازیں فرض فرمائیں۔ میں اس حکم کو لے کر واپس آیا تو میرا گذر حضرت موسیٰؑ کے پاس سے ہوا۔ جنہوں نے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کی امت پر آپؐ کی وساطت سے کیا فرض کیا ہے۔ میں نے کہا پچاس نمازیں فرض فرمائی ہیں آپؐ نے فرمایا کہ اپنے رب کے پاس واپس جا کر تخفیف کی درخواست کرو۔ کیونکہ آپؐ کی امت پچاس نماز ادا کرنے کی طاقت نہیں رکھتی۔ چنانچہ میں نظر ثانی کے لئے واپس گیا۔ تو اللہ تعالیٰ نے کچھ حصہ نماز کا معاف کر دیا چنانچہ موسیٰ علیہ السلام کے پاس آ کر ان کو بتلایا کہ کچھ حصہ نماز کا ساقط ہو گیا ہے جس پر موسیٰؑ نے فرمایا کہ پھر واپس جا کر سوال کرو۔ آپؐ کی امت اس کی بھی طاقت نہیں رکھتی۔ میں نے نظر ثانی کی درخواست گذاری تو کچھ اور حصہ ساقط ہو گیا۔ حضرت موسیٰؑ نے پھر بھی رب کی طرف جا کر تخفیف صلوٰۃ کا مشورہ دیا۔ میں نے درخواست گذاری تو حکم ہوا کہ یہ نمازیں ہیں تو پانچ لیکن ثواب میں پچاس ہیں۔ ہمارے پاس بات نہیں بدلا کرتی۔ حضرت موسیٰؑ کے پاس آیا تو انہوں نے پھر بھی واپس جا کر سوال کرنے کا مشورہ دیا۔ میں نے کہا اب مجھے اپنے رب سے شرم آتی ہے۔ بعد ازاں مجھے سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچایا گیا جس کو مختلف رنگوں نے ڈھانپ لیا تھا میں نہیں جانتا وہ کیا تھے۔ پھر مجھے جنت میں داخل کیا گیا جس میں موتیوں کے گنبد تھے اور اس کی مٹی کستوری تھی۔

تشریح از شیخ مدنیؒ۔ خرج عن سقف بیتی اور بعض روایات میں ہے۔ سقف بیت ام ہانیؓ تو اس

میں تعارض نہیں کیونکہ وہ گھر حضرت ام ہانی رض کا تھا جس میں آپ قیام فرماتھے۔ فشرح صدری اگر شبہ ہو کہ شق صدر سے تو آدمی مرجاتا ہے۔ لہٰذا شق صدر ہوا ہی نہیں۔ حالانکہ شق صدر چار مرتبہ کی روایات ملتی ہیں شق صدر کی سب سے پہلی قوی روایت لیلۃ المعراج والی ہے۔ اس سے دوسرے درجہ کی بچپن کے شق صدر والی ہے۔ یہ دونو صحاح کی روایات ہیں اور تیسرے درجہ میں بلوغ کے وقت شق صدر کی ہے۔ اور چوتھی روایت میں شق صدر بوقت بعثت ثابت ہے۔ منکرین شق صدر نے کہا تھا کہ اس سے انسان زندہ نہیں رہ سکتا حالانکہ آج سائنس نے ثابت کر دیا ہے کہ اپریشن سے شق اعضا ہوتا ہے لیکن پھر بھی انسان زندہ رہتا ہے۔ تو قدرت باری تعالیٰ سے کیا محال ہے۔ دوسرا شبہ یہ ہے کہ شق صدر کے ذریعہ جو چیزیں نکالی گئیں ان کے پیدا کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ جس طرح روحانی حیثیت سے آپ کمال رکھتے ہیں۔ ایسے جسمانی حیثیت سے بھی آپ کو کامل پیدا کیا گیا۔ مگر پھر حلقہ سودا جو لہو و لعب کا باعث ہے اسے نکال دیا گیا۔ اور پھر بلوغ کے وقت ایک ایسا مادہ ہوتا ہے۔ جو جنون شباب کا باعث بنتا ہے اس کو بھی شق صدر کے ذریعہ سے زائل کیا گیا۔ وحی الٰہی کے تحمل کے لئے قلب مبارک میں حکمت بھر دی گئی جس سے قوت پیدا ہوئی اور چوتھا موقع ہے کہ عالم علوی کی سیر کرانی ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اس تجلی کا اس دنیا میں تحمل نہیں کر سکے تھے۔ تو اب شق صدر کر کے قوت بھر دی گئی۔ تاکہ آپ عالم علوی کی اشیائ کو برداشت کر سکیں من ذھب الخ ذھب کا استعمال اگرچہ دنیا میں ممنوع ہے۔ مگر چونکہ تحلیل و تحریم کے احکام مدینہ منورہ میں آئے لیلۃ المعراج میں حرمت نہیں آئی تھی۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ ملائکہ استعمال کر رہے ہیں (۳) یہ فعل بحکم اللہ تعالیٰ ہے۔ جب حکم الٰہی کی وجہ سے ثلث وحرمت ہوتی ہے تو پھر بحث ہی نہیں رہتی۔ ممتلئاً حکمۃً اگر شبہ ہو کہ ان اعراض کو مادیات میں کیسے رکھا گیا۔ جواب یہ ہے کہ حکمت اور ایمان کا مادہ ان مادیات میں بھرا گیا۔ یا بطور تشبیہ کے امتلاٗ (بھرنا) ہے یا اصابۃ حق فی العمل والقول کو حکمت و ایمان سے تعبیر کیا گیا۔ اور حکمت و ایمان کو بصورت مادہ بنا کر پھر بھر دیا گیا۔ ارسل الیہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عالم ملکوت میں آپ کے عروج کی اطلاع ہو چکی تھی۔ مگر وقت کی تعیین نہیں تھی اس لئے سوال کیا گیا اسودہ جمع سواد کی بمعنی شخص کیونکہ اس کا سایہ سیاہ پڑتا ہے۔ کتنا ہی گورے سے گورا انسان کیوں نہ ہو دور سے سیاہ ہی نظر آتا ہے، یہ ارواح بعض کہتے ہیں کہ وہ ہیں جو دنیا سے آئی ہیں۔ ظاہر یہی ہے اور ہو سکتا ہے کہ دوسری روحیں ہوں اہل تصوف فرماتے ہیں کہ علیین اور سجین دو نو حضرت آدم علیہ السلام کے قریب

ہیں ان کو یمین و شمال سے تعبیر کیا گیا یا اصل علیین اور سجین آپ کو نظر آئے نسم جمع نسمہ کی بمعنی روح اگر شبہ
ہو کہ آپ نے جمیع انبیاء علیہم السلام کی بیت المقدس میں امامت فرمائی۔ ان کے پاس براق وغیرہ کا انتظام نہیں تھا
تو پھر یہ حضرات سموات پر کیسے پہنچ گئے۔ بعض نے کہا کہ وہ بیت المقدس میں انبیاء نہیں تھے اور بعض نے
کہا کہ بیت المقدس میں روحیں تھیں اور سموات پر ان کے اجساد تھے۔ اور بعض نے اس کے برعکس کہا کہ تجرد روح
کی وجہ سے انسان اپنے جسم کو مختلف مقامات پر ظاہر کر سکتا ہے ثم مررت ہو علی یہ ثم ترتیب ذکری کے
لئے ہے۔ صریف اقلام بمعنی چرچراہٹ اگر شبہ ہو کہ آپ نے فرمایا جف القلم پھر صریف اقلام
سننے کے کیا معنی؟ اور اختصام ملأ اعلیٰ کے اندر مختلف اعمال کو ذکر کیا گیا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اعمال
کا اجرا ابھی مل رہا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ قلم دو قسم ہے۔ قلم تشریعی وہ تو ہر نبی کے زمانہ کے مطابق تیار
ہوتی ہے۔ اور قلم تکوینی پہلے سے ہے۔ اس میں ہر چیز ازلی مقرر ہوتی ہے۔ جیسے ہر بادشاہ کے ہاں اس کا
اہتمام ہوتا ہے۔ پھر قلم تشریعی اور تکوینی کا اصل اور فرع ہے۔ قلم تشریعی کے اصل میں کلیات وغیرہ متعین ہوتے
ہیں۔ اور قلم فرعی میں ہر سال شب برأت میں متعین ہوتے ہیں۔ یہاں قلم تکوینی نہیں ہے۔ بلکہ قلم تشریعی کے
متعلق ارشاد ہو رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نساد القلم و مایسطرون فرمایا گیا۔ ماسطر نہیں فرمایا گیا۔ یہاں وہی
قلم تشریعی مراد ہے۔ لا یبدل القول لدی الخ کا یہ مطلب نہیں کہ اب صلوٰۃ میں بالکل تغیر نہیں ہوگا بلکہ
باری تعالیٰ نے جو اپنی طرف سے ثواب مقرر کر رکھا ہے۔ اس میں کوئی تغیر نہیں آئے گا۔ لدی کا تعلق قول اور
یبدل دونوں سے ہو سکتا ہے۔ حبائل اور بعض نسخوں میں جنابذ کا لفظ ہے جو کہ صحیح ہے۔ جنابذ جنبذ کی جمع ہے
جس کے معنے گنبد کے ہیں۔ اور حبائل جمع حبل کی مراد لڑیاں ہوں گی۔

تشریح از شیخ زکریاؒ۔ باب کیف فرضت الصلوٰۃ الخ یہ کیف سے پانچواں باب شروع ہو رہا ہے۔
اس باب سے کیفیت فرضیۃ صلوٰۃ بیان فرما رہے ہیں کہ اولاً پچاس نمازیں فرض ہوئیں اور انتہا پانچ رہ گئیں۔
حضرت موسیٰ علیہ السلام کے کہنے سے حضور اکرم صلعم بار بار تشریف لے گئے۔ اور تشریف لائے۔ جیسا کہ روایات میں
آ رہا ہے۔ اس میں اختلاف ہے کہ اسراء اور معراج ایک رات میں ہوئی ہیں یا دو راتوں میں۔ اسراء تو بیت اللہ سے
بیت المقدس کی سیر کہلاتی ہے اور بیت المقدس سے آسمانوں تک معراج ہے۔ اکثر علماء فرماتے ہیں کہ دونوں ایک
ہی رات میں ہوئیں۔ امام بخاریؒ کی بھی یہی رائے ہے اس لئے فرضت الصلوٰۃ فی الاسراء فرمایا۔ حالانکہ فرضیت
آسمان پر ہوئی۔ اور وہ معراج ہے پھر بھی فی الاسراء فرما رہے ہیں۔ معلوم ہوا کہ دونوں ایک ہی رات میں ہیں

اور کتاب الانبیاء میں مستقل دو باب آئیں گے ۔ ایک باب اسراء کا دوسرا باب معراج کا ۔ اس لئے کہ وہاں مقصود قصہ کو بیان کرنا ہے ۔ ف حدیث هرقل میں نے کہا تھا ۔ امام بخاریؒ حدیث ہرقل تیرہ جگہ ذکر فرمائیں گے انہی میں ایک مقام یہ بھی ہے ۔ اور یہاں یہ ٹکڑا اس لئے ذکر فرمایا کہ ہرقل نے حضرت ابوسفیان سے پوچھا کہ وہ نبی تم کو کیا حکم دیتے ہیں ۔ ابوسفیان نے کہا یا مرنا بالصلوٰة والصدق والعفاف تو چونکہ اس میں صلوٰة کا ذکر ہے اس لئے یہ جملہ ذکر فرما دیا ۔ نیز امام بخاریؒ نے اس جملہ سے اس طرف بھی اشارہ کیا ہے کہ فرضیۃ صلوٰة مکہ میں ہوئی ۔ کیونکہ ابوسفیان سے حضور اکرم صلعم کی ملاقات بعد الہجرة ہرقل سے گفتگو تک ثابت نہیں فرج عن سقف بیتی دروازہ چھوڑ کر چھت سے آنا ۔ دو باتوں کی طرف اشارہ کرنے کے لئے تھا ایک تو یہ کہ جو امور آج کی رات میں پیش آئیں گے وہ خارق عادت اور خلاف معہود ہوں گے ۔ اور دوسرے یہ کہ شق صدر کا واقعہ پیش آنے والا تھا ۔ بہت ممکن تھا کہ شق صدر کے وقت حضور اکرم صلعم کو یہ خیال گزرتا کہ میرا سینہ شق ہونے کے بعد اب کیسے درست ہوگا تو چھت پھاڑ کر اشارہ کر دیا کہ جیسے یہ باوجود اپنی غلاظت کے درست ہو گیا ۔ اسی طرح آپ کا صدر اطہر بھی درست ہو جائے گا ۔ ففرج صدری یہ شق صدر کہلاتا ہے یہ کتنی مرتبہ پیش آیا ایک تو یہ ہے اور دوسرا مشہور یہ ہے کہ حضرت حلیمہؓ کے یہاں جب حضور اکرم صلعم تھے اسی وقت پیش آیا ۔ یہ دو تو شق صدر عند المحدثین مشہور ہیں حافظ فرماتے ہیں کہ ایک تیسرا اس وقت ہوا جب کہ عمر مبارک دس سال کی تھی اور چوتھا بیان کیا جاتا ہے کہ غار حراء میں نزول وحی کے وقت پیش آیا ۔ پانچویں مرتبہ بھی لوگوں نے بیان کیا ہے ۔ مگر حافظؒ فرماتے ہیں کہ وہ کچھ نہیں ثم غسله بماء زمزم اس سے زمزم کے پانی کے جنت کے پانی سے افضل ہونے پر استدلال کیا گیا ہے ۔ اس لئے کہ جب جنت سے طشت آ سکتا تھا تو کیا پانی نہیں آ سکتا تھا ۔ معلوم ہوا کہ زمزم افضل ہے ۔ ثم جئت بطست ممتلی حکمۃ و ایمانا اب سے پچاس سال قبل لوگوں کو اس روایت پر بڑا اشکال تھا کہ ایمان بھی کوئی ایسی محسوس چیز ہے ۔ جسے طشت میں رکھ دیا جائے مگر جب سے بجلی کے ذریعہ علاج ہونا شروع ہوا ۔ کہ بوتل میں طاقت بھری ہوئی ہے ۔ جسے بجلی کے ذریعہ بدن میں پہنچا دیتے ہیں ۔ نہ وہ نظر آتی ہے اور نہ وہ محسوس ہوتی ہے ۔ اس وقت سے سب خاموش ہیں اب اگر کوئی کہے کہ ایمان بھی کوئی جسم ہے جو نظر آ جاوے اس کا جواب بس یہی ہے کہ یہ برقی طاقت جو بوتل میں ہوتی ہے وہ کیسے نظر آتی ہے ثم عرج الی السماء اس روایت پر قدیم اشکال تھا کہ آسمان پر حضور اکرم صلعم کیسے تشریف لے گئے اس لئے کہ بین السماء والارض کرۂ ناراور کرۂ زمہریر حائل ہیں ان کو کس

طرح پار کیا گیا۔ لیکن راکٹ وغیرہ کی سائنسی تحقیقات نے ان سب شبہات کا ازالہ کر دیا۔ فقال او سل الیہ شراح اس کا مطلب یہ قرار دیتے ہیں کہ کیا ان کو نبوت عطا کی گئی ہے۔ رسالت دی گئی ہے لیکن میرے والد صاحبؒ فرماتے ہیں کہ یہ تو مشہور تھا۔ بلکہ اس جملہ کا مطلب یہ ہے کہ کیا ان کو یہ مرتبہ عطا ہوا کہ فرشتے کو ان کے لینے کے لئے بھیجا گیا۔ فاذا رجل قاعدٌ یہ رجل حضرت آدم علیہ السلام ہیں۔ کما یأتی وعن یمینہ اسودۃ وعن یسارہ اسودۃ۔ اسودہ سواد کی جمع ہے۔ یعنی شخص یہاں اشکال یہ ہے کہ یہ سارے ان کے پاس کیونکر جمع ہو گئے، حالانکہ ارواح صالحین علیین میں ہوں گی اور ارواح غیر صالحین سجین میں ہوں گی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس وقت وقتی طور پر حضور اقدس صلعم کی آمد کے اہتمام میں تھا سب کو جمع کیا گیا تھا۔ دوسرا جواب میرے نزدیک یہ ہے کہ یہ عالم برزخ ہے۔ اس میں پردہ وغیرہ کوئی نہیں ہوتا ممکن ہے کہ وہ اپنی جگہ رہتے ہوئے حضور اکرم صلعم کو وہاں سے نظر آ رہے ہوں۔ جیسا کہ ایک قول کے مطابق مردہ کو جناب نبی اکرم صلعم اپنی قبر میں ہوتے ہوئے نظر آ دیں گے۔ تیسرا جواب یہ ہے کہ یہ عالم مثالی کی چیزیں ہیں۔ وہاں پر ان کی صور مثالیہ موجود تھیں۔ اذا نظر قبل یمینہ ضحک الخ وجہ اس کی یہ ہے کہ یہ نسمات حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں۔ اور قاعدہ ہے کہ اولاد کے اچھے کاموں پر خوشی اور برے کاموں پر رنج ہوتا ہے۔ مرحبا بالنبی الصالح والابن الصالح۔ ابن صالح اس لئے فرمایا کہ حضور اکرم صلعم حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں ۔ قال انسؓ حضور اکرم صلعم نے ان انبیاء مذکورین کا ذکر فرمایا اور ان کے مراتب سماویہ بھی ذکر فرمائے مگر مجھے یاد نہیں رہا۔ ہاں یہ یاد ہے کہ آدم علیہ السلام سما اول پر اور حضرت ابراہیمؑ سماء سادس پر تھے۔ فلما مر جبرائیل علیہ السلام بالنبی صلی اللہ علیہ وسلم بادریسؑ الخ حضرت ادریسؑ کو مؤخر ذکر فرمایا ہے۔ حالانکہ حضرت ادریسؑ سارے مؤرخین کے نزدیک حضرت نوح علیہ السلام کے اجداد میں سے ہیں۔ مگر چونکہ امام بخاریؒ اس کے قائل نہیں اس لئے مؤخر ذکر فرما دیا۔ ان کا استدلال یہ ہے کہ حضرت ادریسؑ نے الاخ الصالح کہا۔ اگر حضرت نوحؑ کے دادا ہوتے تو الابن الصالح فرماتے۔ اس لئے کہ حضرت نوح علیہ السلام کی اولاد ہی سے ساری دنیا ہے۔ ثم مررت بموسیٰ، ثم محض ترتیب ذکر کے لئے ہے نہ کہ ترتیب سماوی کے لئے۔ کیونکہ معلوم ہو چکا کہ ترتیب سماوی یاد نہیں رہی تھی قال ابن شہاب الخ یہاں سے امام زہریؒ آگے کا واقعہ جو دوسری سند سے سنا ہے۔ اس کو ذکر فرماتے ہیں۔ ففرض اللہ علی امتی خمسین صلوٰۃ چونکہ حضور اکرم صلعم اللہ تعالیٰ کے مہمان تھے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ

نے حضور علیہ السلام کو تحفہ نماز عطا فرمایا۔ اور ہر جگہ کا تحفہ اس مقام کے مناسب ہوتاہے۔ وہاں کا تحفہ یہ تھا۔ ہمارے یہاں کا تحفہ کھانے پینے کی چیزیں بن گئیں فان امتک لا تطیق ذلک کیونکہ میں بنی اسرائیل کا امتحان کر چکا وہ دو وقت کی نماز بھی نہ نباہ سکے۔ فقال ھی خمس وھی خمسون یہ تو تکوینی طور پر طے تھا۔ کہ پانچ وقت کی نماز فرض ہوگی۔ مگر چونکہ ثواب پچاس نمازوں کا دینا تھا۔ اس لئے پہلے پچاس اور پھر اس کے اندر تخفیف فرمائی۔ فرض اللہ الصلوٰۃ الخ اس حدیث سے ترجمہ تو بالکل واضح طور پر ثابت ہے۔ کہ ابتداءً دو دو رکعتیں تھیں اور انتہاءً صلوٰۃ الحضر میں اضافہ ہوا۔ اور صلوٰۃ سفر وہی دو رکعت رہی مگر اس روایت پر دو اشکال ہیں۔ ایک تو اقرت صلوٰۃ السفر نص قرآنی کے خلاف ہے۔ قرآن مجید میں لا جناح علیکم ان تقصروا من الصلوٰۃ اس آیت کریمہ کا مقتضیٰ یہ ہے کہ قصر فی صلوٰۃ السفر ہوا ہے۔ اور روایت کا تقاضا یہ ہے کہ جیسے تھی ویسے ہی رہی۔ اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ خود آیت ہی کے اندر اختلاف ہے کہ آیا یہ صلوٰۃ السفر کے بارے میں ہے یا صلوٰۃ الخوف کے بارے میں خود امام بخاریؒ صلوٰۃ الخوف میں ذکر کریں گے۔ اگر صلوٰۃ الخوف کے بارے میں ہے تو قصر سے وہ قصر مراد ہوگا جو صلوٰۃ الخوف میں ہوتا ہے۔ اس صورت میں اشکال ہی نہیں رہتا۔ اور دوسرا جواب یہ ہے کہ قصر مجازاً فرما دیا باعتبار صلوٰۃ الحضر کے چونکہ صلوٰۃ الحضر اربع رکعات ہے اس لئے اس کے اعتبار سے صلوٰۃ السفر کو قصر کہہ دیا۔ اور حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ ہجرت سے پہلے تو سفر و حضر دونوں کی دو دو ہی رکعات تھیں۔ مگر جب حضور انور صلعم ہجرت کر کے مدینہ طیبہ تشریف لے گئے تو دو نو میں ایک دم اضافہ ہوگیا اور دو کی بجائے چار ہو گئیں اور پھر ۴ھ میں صلوٰۃ السفر میں قصر واقع ہوا۔ اور صلوٰۃ الحضر ویسی ہی رہی۔ اس صورت میں حضرت عائشہؓ کے قول فاقرت صلوٰۃ السفر کے اندر توجیہ کرنی ہوگی کہ فاقرت باعتبار حال کے فرما دیا۔ اور دوسرا اشکال یہ ہے کہ جب حضرت عائشہؓ کی روایت کی رو سے صلوٰۃ السفر میں قصر ہے۔ اور وہ دو رکعتیں ہیں۔ تو پھر حضرت عائشہؓ اتمام کیوں کرتی تھیں جیسا کہ روایات میں آتا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ جہاں روایات میں آتا ہے کہ وہ اتمام کیا کرتی تھیں وہیں یہ بھی آتا ہے کہ تاولت کما تاول عثمان یعنی ان کا اتمام ایک تأویل اور ایک عارض کی وجہ سے تھا۔ وہ فرمایا کرتی تھیں کہ میں ام المؤمنین ہوں اور یہ سارے میرے بچے ہیں لہٰذا میں جہاں جاؤں گی وہیں میرا گھر ہے اور اپنے گھر میں قصر کیسے جملہ کما تاول عثمان کا یہ مطلب نہیں کہ حضرت عثمانؓ نے بھی یہی تاویل کی تھی کہ میں سب کا باپ ہوں۔ بلکہ تمثیل نوع تاویل کے

اندر ہے حضرت عثمانؓ کی یہ تاویل ابواب السفر میں آئے گی

حدیث نمبر ۳۴۷ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰہِ بْنُ یُوْسُفَ الخ عَنْ عَائِشَۃَ اُمِّ الْمُؤْمِنِیْنَ قَالَتْ فَرَضَ اللّٰہُ الصَّلٰوۃَ حِیْنَ فَرَضَھَا رَکْعَتَیْنِ رَکْعَتَیْنِ فِی الْحَضَرِ وَالسَّفَرِ فَاُقِرَّتْ صَلٰوۃُ السَّفَرِ وَزِیْدَ فِیْ صَلٰوۃِ الْحَضَرِ (الحدیث)

ترجمہ، حضرت عائشہ ام المومنینؓ سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب نماز فرض فرمائی تو حضر اور سفر دونوں میں دو دو رکعات تھیں، پھر صلوٰۃ سفر کو برقرار رکھا گیا اور صلوٰۃ حضر میں اضافہ کیا گیا۔

تشریح از شیخ مدنیؒ، ان دونوں روایتوں سے یہ بیان کرنا مقصود ہے کہ نماز کی فرضیت بہت عظیم الشان طرح سے ہوئی۔ کہ اپنے ہاں بلا کر حکم سنایا گیا۔ اس سے مصنفؒ بتلانا چاہتے ہیں کہ نماز کی فرضیت بہت سخت اور اہم ہے۔ اہم حکم سنانے کے لئے بادشاہ وزیر اعظم کو خود بلاتا ہے چنانچہ آپؐ کو آسمانوں پر بلوا کر نماز کا حکم سنایا گیا۔ اقرت صلوٰۃ السفر اگر شبہ ہو کہ صلوٰۃ سفر میں قصر واقع نہیں ہوا۔ حالانکہ قرآن مجید سے قصر معلوم ہوتا ہے۔ چنانچہ شوافعؒ اس کے قائل ہیں اقوت بمعنی ارجعت اور احنافؒ فرماتے ہیں کہ صلوٰۃ سفر اسی حالت پر رکھی گئی، چنانچہ حضرت عمرؓ کا قول ہے، صلوٰۃ السفر رکعتان وصلوٰۃ الخوف رکعۃ تمام غیر قصر الخ حضرت عائشہؓ اور ابن مسعودؓ کی روایات بھی ایسی ہی ہیں، چنانچہ امام ابو حنیفہؒ بنا بریں فرماتے ہیں۔ کہ مسافر کے لئے دو رکعت پڑھنا عزیمت ہے اگر کوئی اتمام کرے تو اس سے مؤاخذہ ہوگا۔ احنافؒ ان روایات کو ظاہر پر محمول کرتے ہیں کہ صلوٰۃ حضر میں زیادتی کی گئی۔ سفر کی نماز میں نہیں کی گئی۔ اور آیت کریمہ میں جو لا جناح علیکم ان تقصروا ہے وہاں صلوٰۃ خوف کا تذکرہ ہے۔ صلوٰۃ سفر کے بارے میں کچھ نہیں فرمایا گیا۔ یہی وجہ ہے کہ آگے صلوٰۃ خوف کی ترتیب بتلائی گئی۔ اور صلوٰۃ الخوف رکعۃ مع الامام ہے۔ یا ایک جواب یہ ہے کہ قصر کیا گیا مگر جیسے ضیق فم الجبۃ میں ہے مطلب یہ ہے کہ ابتداء ہی سے جبہ تنگ بنایا اور ضیق فم الرکیۃ میں یہی مطلب ہے۔ کہ کنویں کا منہ ابتداء ہی سے تنگ بنانا تو یہاں بھی یہ مطلب ہوگا کہ ابتداء ہی سے قصر کرنا۔

باب وُجُوْبِ الصَّلٰوۃِ فِی الثِّیَابِ وَقَوْلُ اللّٰہِ عَزَّوَجَلَّ خُذُوْا زِیْنَتَکُمْ عِنْدَ کُلِّ مَسْجِدٍ وَمَنْ صَلّٰی مُلْتَحِفًا فِیْ ثَوْبٍ وَاحِدٍ وَیُذْکَرُ عَنْ سَلَمَۃَ بْنِ الْاَکْوَعِ اَنَّ

النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ تَزُرُّهُ وَلَوْ بِشَوْكَةٍ وَّفِيْ اِسْنَادِهٖ نَظْرٌ وَّمَنْ صَلَّى فِي الثَّوْبِ الَّذِيْ يُجَامِعُ فِيْهِ مَا لَمْ يَرَ فِيْهِ اَذًى وَّ اَمَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ لَّا يَطُوْفَ بِالْبَيْتِ عُرْيَانٌ ۔

ترجمہ، کپڑے پہن کر نماز پڑھنا واجب ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ بزرگ و برتر فرماتے ہیں کہ ہر نماز کے وقت زینت اختیار کرو۔ اور جس شخص نے ایک کپڑے میں لپٹے ہوئے نماز پڑھی۔ اس کا کیا حکم ہے اسی طرح حضرت سلمہ بن الاکوع ؓ سے مروی ہے کہ جناب نبی اکرم صلعم نے فرمایا کہ اس کپڑے کو بٹن لگا لو اگرچہ کانٹے کا ہی کیوں نہ ہو۔ بہرحال اس کی سند پر اعتراض ہے اور جس نے اس کپڑے میں نماز پڑھی جس میں اس نے جماع کیا تھا۔ بشرطیکہ اس میں گندگی نہ ہو۔ اور آنحضرت صلعم نے حکم دیا کہ کوئی ننگا آدمی بیت اللہ کا طواف نہ کرے

حدیث نمبر ۳۳۸ حَدَّثَنَا مُوْسَى بْنُ اِسْمَاعِيْلَ الخ عَنْ اُمِّ عَطِيَّةَ قَالَتْ اُمِرْنَا اَنْ نُّخْرِجَ الْحُيَّضَ يَوْمَ الْعِيْدَيْنِ وَذَوَاتِ الْخُدُوْرِ فَيَشْهَدُوْنَ جَمَاعَةَ الْمُسْلِمِيْنَ وَدَعْوَتَهُمْ وَتَعْتَزِلُ الْحُيَّضُ عَنْ مُصَلَّاهُنَّ قَالَتِ امْرَاَةٌ يَّا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِحْدٰنَا لَيْسَ لَهَا جِلْبَابٌ قَالَ لِتُلْبِسْهَا صَاحِبَتُهَا مِنْ جِلْبَابِهَا وَقَالَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ رَجَاءٍ حَدَّثَنَا عِمْرَانُ قَالَ ثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سِيْرِيْنَ قَالَ حَدَّثَتْنَا اُمُّ عَطِيَّةَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِهٰذَا ۔

ترجمہ :- حضرت ام عطیہؓ سے مروی ہے کہ ہمیں آپؐ نے یہ حکم دیا تھا کہ ہم عیدین کے موقعہ پر حیض والی پردہ نشین کو بھی باہر نکالیں تاکہ وہ مسلمانوں کی جماعت اور دعوت میں حاضر ہوں البتہ حیض والی اپنی عیدگاہ سے الگ رہیں (کیونکہ وہ مسجد کے حکم میں ہے) ایک عورت نے آنحضرت صلعم سے سوال کیا کہ یا رسول اللہ ہم میں سے کسی ایک کے پاس لمبی چادر نہیں ہوتی تو وہ کیا کرے۔ آپؐ نے فرمایا اس کی سہیلی اسے اپنی چادر پہنا دے۔ ابو رجا کی سند میں ہے کہ حضرت ام عطیہؓ فرماتی ہیں کہ یہ الفاظ میں نے خود نبی اکرم صلعم سے سنے تھے ۔

تشریح از شیخ مدنی رح ثیاب جمع کا لفظ لایا گیا۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر ایک میں کم از کم تین کپڑے ضرور ہونے چاہئیں مگر بوجہ مقابلۃ الجمع بالجمع توزیع کے لئے ہوگا۔ تقدیر عبادت ہوگی۔ وجوب الصلوٰۃ للناس فی الثیاب مصنفؒ کا مقصد صلوٰۃ کے لئے وجوب ستر ثابت کرنا ہے جمہور کا

بھی یہی مسلک ہے بعض لوگ وجوب کے قائل نہیں۔ دوسرا ترجمہ بطور دلیل کے ہے۔ آیت کریمہ میں جو زینت ذکر کی گئی ہے۔ اس سے اس جگہ ثیاب مراد ہیں۔ اگرچہ دوسری جگہ ثیاب مراد نہ ہوں۔ مگر اس جگہ بالاتفاق ثیاب مراد ہیں۔ مسجد سے مراد نماز ہے۔ تسمیۃ الحال باسم المحل کے طور پر وَمَنْ صَلّی یہ دوسرا ترجمہ ہے جس میں حکم کو بیان نہیں کیا گیا۔ مگر یذکر عن سلمہ ابن الاکوع سے اس کا حکم معلوم ہو جاتا ہے کہ ایک کپڑے میں نماز جائز ہے۔ اور تیسرا ترجمہ ومَن صَلّی فی الثوب الخ سے ثابت کیا ہے کہ جو ثوب نماز کے لئے استعمال کیا جائے اس کے لئے طہارت شرط ہے۔ اگرچہ وہ طہارت غلبۂ ظن کے اعتبار سے ہو۔ ان تینوں تراجم کے لئے ایک روایت پیش کرتے ہیں، روایت سے ثابت ہے کہ طواف بالبیت کے لئے ستر عورت شرط ہے حالانکہ طواف اس قدر موسع ہے۔ کہ اس میں اتنی تنگیاں نہیں ہیں جس قدر نماز میں ہیں۔ تکلم اس میں ممنوع نہیں جبکہ نماز میں مفسد ہے۔ تو جب طواف میں ستر عورت شرط ہے۔ تو صلوٰۃ جس میں زیادہ تنگیاں ہیں اس میں بطریق اولیٰ ستر عورت شرط ہو گا۔ اور ایسے نماز عید جو صلوات خمسہ سے کم درجہ کی ہے جب اس میں ستر ضروری ہے۔ جو زیادہ مؤکد ہے۔ اس میں ستر عورت بطریق اولیٰ شرط ہو گا۔ اور ایک جلباب کے اوڑھنے سے یہ بھی معلوم ہوا۔ کہ نماز میں ثوب واحد کافی ہو جاتا ہے۔ تستر عن الناس شوافع کے ہاں ضروری نہیں۔ امام بخاریؒ کا رجحان بھی یہی ہے۔ مگر علماء احنافؒ فرماتے ہیں کہ تستر عن الناس وعن نفسہٖ دونوں ضروری ہیں۔ ان کا استدلال تزرہ ولو بشوکۃ سے ہے اور موسیٰ بن محمد اتنے ضعیف نہیں کہ ان کی روایت درجۂ حسن سے بھی نکل جاتے۔ تو تستر عن الناس وعن نفسہٖ دونوں ضروری ہوئے۔ یعنی لوگوں سے اور اپنی ذات سے بھی پردہ کرے۔

تشریح از شیخ ذکریاؒ۔ حضرت امام بخاریؒ کے اصول موضوعہ میں سے ہے کہ جہاں آئمہ کا اختلاف قوی ہوتا ہے وہاں کوئی حکم نہیں لگاتے۔ اور جہاں کوئی قوی اختلاف نہیں ہوتا وہاں ان کے نزدیک جو راجح ہوتا ہے۔ اس پر پکا حکم فرما دیتے ہیں۔ یہاں پر اختلاف یہ ہے کہ آیا صلوٰۃ کے لئے ثیاب شرط ہے یا نہیں امام مالکؒ کے نزدیک ثیاب للصلوٰۃ شرط نہیں ہے۔ اگر کوئی بلا ثیاب نماز پڑھ لے تو نماز ہو جائے گی۔ بقیہ ائمہ کے نزدیک ثیاب نماز کے لئے شرط ہے۔ اور یہی امام بخاریؒ کے نزدیک راجح ہے۔ اور امام مالکؒ کا قول ان کے نزدیک صحیح نہیں ہے۔ اس لئے وجوب الصلوٰۃ فی الثیاب کا باب منعقد کیا۔ اور وجوب ثیاب کے لئے خذوا زینتکم سے استدلال کیا۔ آیت چونکہ لباس کے بارے میں

نازل ہوئی ہے۔ اس لئے امام بخاریؒ کا استدلال صحیح ہے۔ اور زینۃ سے مراد کپڑے ہیں چونکہ تعری کے مقابلہ میں یہ زینت ہیں لباس کے لفظ سے زینت کے لفظ کے طرف عدول کرکے اشارہ فرما دیا کہ نماز کے وقت اچھے کپڑے پہن کر نماز پڑھنی چاہیئے۔ اور میرے نزدیک اگر کوئی شخص بازو میں بلا شیروانی کے نہ جا سکتا ہو تو ایسے کو نماز بھی بلا شیروانی پہنے نہ پڑھنی چاہیئے۔ بصورت دیگر نماز بلا شیروانی پڑھ سکتا ہے اور دوسری غرض یہ بھی ہو سکتی ہے کہ آیت کریمہ خذوا زینتکم میں اختلاف ہے۔ کہ یہ امر ایجابی ہے یا استحبابی امام بخاریؒ نے باب وجوب الصلوٰۃ فی الثیاب ذکر فرما کر اشارہ کر دیا۔ کہ یہ امر ایجابی ہے۔ اس کے بعد امام بخاریؒ نے چار جملے اور ذکر فرمائے ہیں۔ ایک من صلی ملتحفا الخ دوسرا یذکر عن سلمۃ تیسرا من صلی فی الثوب الخ اور چوتھا مر النبی صلی اللہ علیہ وسلم الخ ان چاروں جملوں کو شراح جزو ترجمہ قرار دیتے ہیں۔ اور ہر ایک کو روایت سے ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں جملہ اولیٰ من صلی ملتحفا الخ سے شراح پر ایک اشکال ہوتا ہے۔ کہ اگر اس کو جزو ترجمہ قرار دیا جائے تو تکرار ترجمہ لازم آتا ہے کیونکہ اس سے آگے مستقل باب الصلوٰۃ فی الثوب الواحد ملتحفاً آرہا ہے۔ اس کا جواب شراح یہ دیتے ہیں کہ یہاں تبعاً ذکر فرما دیا۔ اور مستقل باب سے اصالۃً ذکر فرما دیا۔ مگر میرے نزدیک ان میں سے کوئی بھی جزو ترجمہ نہیں ہے بلکہ ایسے جملے کبھی مثبت بفتح الباء ہوتے ہیں اور کبھی مثبت بکسر الباء تو میرے نزدیک یہ مثبت بالفتح نہیں بلکہ مثبت بالکسر ہے۔ مثبت بالفتح کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ وہ جزو ترجمہ ہوتا ہے۔ اور اس کا اثبات روایت وغیرہ سے مقصود ہوتا ہے۔ اور مثبت بالکسر کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ وہ ترجمہ کو ثابت کرتے ہیں اب یہ مثبت بالکسر اس طور ہوا کہ امام بخاریؒ نے وجوب ثیاب کا باب کا منعقد کیا۔ اب اس کے بعد من صلی ملتحفاً ذکر فرما کر بتلاتے ہیں کہ جب حضور اقدس صلعم نے فرمایا ہے کہ اگر ایک کپڑا ہو تو التحاف کرے یعنی لپیٹ لے تو اگر کپڑا شرط فی الصلوٰۃ نہ ہوتا۔ تو التحاف وغیرہ کی کیا ضرورت تھی۔ اسی طرح سلمہ بن الاکوعؓ کی روایت نقل فرمائی ہے۔ جو ابو داؤد میں مفصل مذکور ہے کہ حضرت سلمہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ میں شکار کرتا ہوں۔ اور ایک ہی قمیص ہوتی ہے۔ نماز کے وقت کیا کروں۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا ازررہ ولو بشوکۃ یعنی گھنڈی لگا لیا کرو اگر اور کچھ نہ ملے تو کانٹے سے بند کر لیا کرو۔ یہ روایت امام بخاریؒ کے نزدیک صحیح نہیں اس لئے یذکر سے بیان کیا۔ مگر اس سے استدلال اس طرح پر ہے کہ اگر ثیاب شرط نہ ہوتے تو ازررہ کو کہنے کی کیا ضرورت تھی۔ اور من صلی فی الثوب الذی یجامع فیہ الخ سے استدلال

اس طرح ہے کہ اگر ایک ہی کپڑا ہو۔ اور اسی کو پہن کر جماع بھی کرتا ہو۔ تو پھر بھی اس کو پہن کر نماز پڑھنے کو فرما رہے ہیں اس سے معلوم ہوا ثیاب شرط ہے اور ان لا یطوف با بیت عریان سے استدلال بالکل واضح ہے۔ کہ آپ نے عریانًا طواف سے منع فرمایا۔ اور خود ہی فرمایا الطواف با بیت صلوٰۃ تو جبکہ جو چیز صلوٰۃ حقیقی بھی نہیں بلکہ اس کے حکم میں ہے۔ اور اس کو ننگے ہو کر ادا کرنے سے منع فرمایا جا رہا ہے تو اصل چیز یعنی نماز وہ کیسے عریاں ہو کر پڑھی جا سکتی ہے۔ تلبسها صاحبتها من جلبابها اس روایت سے استدلال اس طرح ہے کہ نماز پڑھنے کے لئے سوال کو جائز قرار دے دیا۔ حالانکہ السؤال ذل اس سے بھی یہی معلوم ہوا کہ ثیاب فی الصلوٰۃ شرط ہے۔ یہ روایت کتاب الحیض میں گذر چکی ہے یہ روایت ترجمہ کے لئے تائید کرنے والی ہے۔

باب عَقْدِ الْإِزَارِ عَلَى الْقَفَا فِي الصَّلٰوةِ وَقَالَ اَبُوْ حَازِمٍ عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ صَلَّوْا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَاقِدِيْ اُزُرِهِمْ عَلٰى عَوَاتِقِهِمْ۔

ترجمہ، باب ہے کہ نماز میں اپنی گدّی پر چادر کو باندھنا حضرت سہل بن سعدؓ سے ابو حازم روایت کرتے ہیں کہ صحابہ کرامؓ نے جناب نبی اکرم صلعم کے ساتھ اس حال میں نماز پڑھی کہ وہ اپنی چادروں کو اپنی گردنوں پر باندھنے والے تھے۔

حدیث نمبر ۳۳۹ حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ يُوْنُسَ الخ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ قَالَ صَلّٰى جَابِرٌ فِيْ اِزَارٍ قَدْ عَقَدَهُ مِنْ قِبَلِ قَفَاهُ وَثِيَابُهُ مَوْضُوْعَةٌ عَلَى الْمِشْجَبِ فَقَالَ لَهُ قَائِلٌ تُصَلِّيْ فِيْ اِزَارٍ وَاحِدٍ فَقَالَ اِنَّمَا صَنَعْتُ ذٰلِكَ لِيَرَانِيْ اَحْمَقُ مِثْلُكَ وَاَيُّنَا كَانَ لَهُ ثَوْبَانِ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

ترجمہ:۔ حضرت محمد بن المنکدر تابعیؒ فرماتے ہیں کہ حضرت جابر انصاریؓ نے ایک چادر میں نماز پڑھی جس کو گدّی کی طرف سے گرہ لگائی ہوئی تھی اور ان کے کپڑے کھونٹی پر رکھے ہوئے تھے تو کسی کہنے والے نے کہا کہ حضرت کیا آپ ایک ہی چادر میں نماز پڑھ رہے ہیں۔ فرمایا یہ میں نے اس لئے کیا ہے تا کہ تجھ جیسا احمق مجھے دیکھ سکے۔ جناب رسول اللہ صلعم کے زمانہ میں ہم میں سے کس کے پاس دو کپڑے ہوتے تھے۔

تشریح از شیخ مدنیؒ اگر ایک کپڑے میں نماز پڑھی جائے تو اس کی دو حالتیں ہیں کہ وہ کپڑا وسیع ہو گا یا تنگ اگر چھوٹی چادر ہو۔ تو اسے قفا پر باندھ لیا جائے۔ ورنہ کشف عورت ہو گا۔ بخلاف وسیع ثوب

کے کہ اس سے کہ اس کا التحاف کافی ہے۔ تخفا پر باندھنا ضروری نہیں مشجب لکڑی کے تین کونے ملا کر اس پر کپڑے رکھے جائیں۔ ایسی لکڑی کو مشجب کہتے ہیں۔ اس روایت سے ثابت ہوا کہ دوسرے کپڑے موجود ہونے کے باوجود ثوب واحد میں نماز پڑھی جا سکتی ہے۔ یہ عمل صحابی کا بیان جواز کے لئے تھا۔ جمہور دوسرے کپڑوں کی موجودگی میں ثوب واحد کے اندر نماز پڑھنے کو مکروہ قرار دیتے ہیں جبکہ بیان جواز مقصود نہ ہو۔

حدیث نمبر ۳۴۰ حَدَّثَنَا مُطَرِّفٌ اَبُوْ مُصْعَبٍ الخ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ قَالَ رَاَيْتُ جَابِرًا يُصَلِّىْ فِىْ ثَوْبٍ وَّاحِدٍ وَّقَالَ رَاَيْتُ النَّبِىَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّىْ فِىْ ثَوْبٍ۔

ترجمہ، حضرت محمد بن المنکدر تابعی فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت جابرؓ انصاری صحابی کو ایک کپڑے میں نماز پڑھتے دیکھا اور انہوں نے فرمایا کہ میں نے جناب نبی اکرم صلعم کو ایک کپڑے میں نماز پڑھتے دیکھا ہے۔

تشریح از شیخ زکریاؒ۔ امام بخاریؒ نے جملہ ومن صلی ملتحفا فی ثوب واحد سے ایک کپڑے میں نماز پڑھنے کی طرف اشارہ کر دیا تھا۔ اب یہاں سے تین باب باندھیں گے۔ کیونکہ کپڑے تین قسم کے ہو سکتے ہیں۔ یا تو خوب بڑا ہوگا یا متوسط ہوگا یا چھوٹا تو امام بخاریؒ نے بڑے کپڑے کے لئے التحاف کا باب باندھ کر بتلا دیا کہ اگر کپڑا بڑا ہو تو اس کو التحاف کرنا چاہیئے۔ اور التحاف کا مطلب یہ ہے کہ اس کے دونو جانب کو اِدھر اُدھر ڈال لے اور اگر متوسط ہو تو کندھے پر ڈال لے۔ اگر قصیر ہو تو اس کو حقوہ پر باندھ لے۔ یہ باب متوسط کپڑے کے بارے میں ہے۔ مشجب کی بناوٹ اس طرح ہوتی ہے کہ تین لکڑیاں نیچے سے چوڑی رکھ دی جاتی ہیں۔ اور ان کے اوپر کے سرے باندھ دیئے جاتے ہیں اس پر بیچ میں تو گھڑا وغیرہ رکھ لیتے ہیں۔ اور چاروں کونوں پر کپڑے وغیرہ ٹانگ دیتے ہیں صورت اس کی یہ ہے ✱ ۶ بیتا کان لہ ثوبان یعنی ہم میں سے کسی کے پاس دو دو کپڑے ہوتے تھے میرے والد صاحب ایک مرتبہ موچیوں کی مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے۔ اور شاگرد ڈول بھر بھر کر پانی کے ڈالتے جا رہے تھے۔ ایک آدمی جو میرے والد صاحب کے ملنے والوں میں سے تھے۔ انہوں نے کہا حضرت جی یہ کیا کر رہے ہو یہ تو اسراف ہے۔ میرے والد صاحب نے فرمایا میرے لئے اسراف نہیں تمہارے لئے اسراف ہے۔ انہوں نے کہا کیوں؟ فرمایا اس لئے کہ میں مولوی ہوں اور تم نہیں۔ وہ کہنے لگے جب ہی تو لوگ الزام دیتے ہیں۔ کہ یہ مولوی اپنے لئے جو چاہے حلال کر لیں، اور دوسروں کے واسطے جو چاہیں حرام! میرے والد صاحب نے فرمایا کہ بات یہی ہے کہ ہمارے واسطے حلال ہے اور تمہارے واسطے حرام۔ انہوں نے وجہ دریافت کی۔

فرمایا پہلے ہم سے پڑھو۔ پھر معلوم ہو جاتے گا۔ میرا خیال یہ ہے کہ والد صاحب کی نیت تبرید کی تھی جب تک تبرید نہ ہو۔ پانی ڈالتے جاؤ۔ بخلاف غسل طہارت کے کہ جس وقت وہ حاصل ہو گئی تو اس سے زیادہ مکروہ ہو گی

باب الصَّلٰوةِ فِي الثَّوْبِ الْوَاحِدِ مُلْتَحِفًا بِهٖ وَقَالَ الزُّهْرِيُّ فِي حَدِيْثِهٖ الْمُلْتَحِفُ الْمُتَوَشِّحُ وَهُوَ الْمُخَالِفُ بَيْنَ طَرَفَيْهِ عَلٰى عَاتِقَيْهِ وَهُوَ الْاِشْتِمَالُ عَلٰى مَنْكِبَيْهِ وَقَالَتْ اُمُّ هَانِئٍ اِلْتَحَفَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِثَوْبٍ لَّهٗ وَخَالَفَ بَيْنَ طَرَفَيْهِ عَلٰى عَاتِقَيْهِ۔

ترجمہ باب، ایک کپڑے کو لپیٹ کو نماز پڑھنا حضرت امام زہریؒ نے اپنی حدیث میں فرمایا کہ ملتحف کے معنی متوشح کے ہیں کہ کپڑے کے دو کنارے مخالف کر کے کندھوں پر ڈالنے والا اسی کو اشتمال علی المنکب کہتے ہیں اور حضرت ام ہانیؓ نے فرمایا کہ جناب نبی اکرم صلعم نے اپنے کپڑے کو اس طرح لپیٹا کہ اس کے دونو کنارے مخالف کر کے کندھوں پر ڈال دیا۔

حدیث نمبر ۳۴۱ حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللّٰهِ بْنُ مُوْسٰى الخ عَنْ عُمَرَ بْنِ اَبِيْ سَلَمَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلّٰى فِيْ ثَوْبٍ وَّاحِدٍ قَدْ خَالَفَ بَيْنَ طَرَفَيْهِ۔ (الحدیث)

ترجمہ:۔ حضرت عمر بن ابی سلمہؓ سے مروی ہے کہ جناب نبی اکرم صلعم نے ایک کپڑے میں اس طرح نماز پڑھی کہ اس کے دونو کناروں میں مخالفت کر دی۔

تشریح از شیخ مدنیؒ۔ ملتحف متوشح کو کہتے ہیں کہ جس میں کپڑے کے دونوں کونوں کو کندھوں پر ڈالا جائے۔ اس باب میں تو تستر کو ضروری تبلایا گیا ہے۔ خواہ وہ ثوب واحد ہی کیوں نہ ہو۔ یا اس سے زائد ہی ہو اور دوسرے باب میں التحاف کے بیان کرنا ہے۔

تشریح از شیخ زکریاؒ۔ یہ دوسری صورت ہے کہ جب کپڑا بہت بڑا ہو تو التحاف کرے بعض شراح فرماتے ہیں کہ اس ترجمہ سے ایک اور مسئلہ ثابت فرماتے ہیں وہ یہ کہ بعض صحابہ سے منقول ہے کہ ایک کپڑے میں نماز جائز نہیں۔ وان کان اوسع من السماء اس لئے امام بخاریؒ جواز الصلوٰۃ فی الثوب الواحد ثابت فرما رہے ہیں اور ملتحفاً قید احترازی نہیں ہے۔ بلکہ یہ تبلانا ہے کہ یہ صورت ہونی چاہیئے قال الزھری فی حدیثہ امام زہریؒ نے ملتحف کی تفسیر المتوشح سے فرمائی ہے۔ المتوشح وشاح سے ماخوذ ہے۔ ہار کو کہتے ہیں۔

حدیث نمبر ۳۴۲ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى الخ عَنْ عُمَرَ بْنِ اَبِیْ سَلَمَةَ اَنَّهُ رَاَى النَّبِیَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّیْ فِیْ ثَوْبٍ وَّاحِدٍ فِیْ بَيْتِ اُمِّ سَلَمَةَ قَدْ اَلْقٰى طَرَفَيْهِ عَلٰى عَاتِقَيْهِ (الحدیث)

ترجمہ، حضرت عمر بن ابی سلمہؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے جناب نبی اکرم صلعم کو حضرت ام المؤمنین ام سلمہؓ کے گھر میں ایک کپڑے میں نماز پڑھتے دیکھا جبکہ اس کپڑے کے دونو کونے آپؐ نے اپنے دونو کندھوں پر ڈال رکھے تھے۔

حدیث نمبر ۳۴۳ حَدَّثَنَا عُبَيْدُ بْنُ اِسْمَاعِيْلَ الخ عَنْ عُمَرَ بْنِ اَبِیْ سَلَمَةَ اَخْبَرَهُ قَالَ رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّیْ فِیْ ثَوْبٍ وَّاحِدٍ مُشْتَمِلًا بِهٖ فِیْ بَيْتِ اُمِّ سَلَمَةَ وَاضِعًا طَرَفَيْهِ عَلٰى عَاتِقَيْهِ۔

ترجمہ:۔ حضرت عمر بن ابی سلمہؓ فرماتے کہ میں نے جناب رسول اللہ صلعم کو ایک کپڑا لپیٹے ہوئے تھے حضرت ام سلمہؓ کے گھر میں نماز پڑھتے دیکھا اس حال میں کہ آپؐ نے اس کپڑے کے دو کونے اپنے دونو کندھوں پر ڈالنے والے تھے

حدیث نمبر ۳۴۴ حَدَّثَنَا اِسْمَاعِيْلُ ابْنُ اَبِیْ اُوَيْسٍ الخ اَنَّهُ سَمِعَ اُمَّ هَانِئٍ بِنْتِ اَبِیْ طَالِبٍ تَقُوْلُ ذَهَبْتُ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَامَ الْفَتْحِ فَوَجَدْتُهُ يَغْتَسِلُ وَفَاطِمَةُ ابْنَتُهُ تَسْتُرُهُ قَالَتْ فَسَلَّمْتُ عَلَيْهِ فَقَالَ مَنْ هٰذِهٖ فَقُلْتُ اَنَا اُمُّ هَانِئٍ بِنْتُ اَبِیْ طَالِبٍ فَقَالَ مَرْحَبًا بِاُمِّ هَانِئٍ فَلَمَّا فَرَغَ مِنْ غُسْلِهٖ قَامَ فَصَلّٰى ثَمَانَ رَكَعَاتٍ مُلْتَحِفًا فِیْ ثَوْبٍ وَّاحِدٍ فَلَمَّا انْصَرَفَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ زَعَمَ ابْنُ اُمِّیْ اَنَّهُ قَاتِلٌ رَجُلًا قَدْ اَجَرْتُهُ فُلَانُ بْنُ هُبَيْرَةَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ اَجَرْنَا مَنْ اَجَرْتِ يَا اُمَّ هَانِئٍ قَالَتْ اُمُّ هَانِئٍ وَذٰلِكَ ضُحًى۔

ترجمہ:۔ حضرت ام ہانی بنت ابی طالبؓ فرماتی ہیں کہ فتح مکہ والے سال میں جناب رسول اللہ صلعم کی طرف گئی۔ جبکہ آپؐ غسل فرما رہے تھے اور آپؐ کی بیٹی حضرت فاطمۃ الزہراؓ آپؐ کے لئے پردہ کر رہی تھیں میں نے آنحضرت صلعم پر سلام کہا۔ آپؐ نے پوچھا یہ کون عورت ہے۔ میں نے عرض کی کہ میں ام ہانی بنت ابی طالب ہوں۔ آپؐ نے ام ہانی کا آنا مبارک ہو۔ جب آپؐ غسل سے فارغ ہوئے تو کھڑے ہو کر آٹھ رکعات

نماز ایک کپڑے میں لپٹے ہوئے ادا فرمائی۔ جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو میں نے کہا یا رسول اللہ میرا ماں جایا بھائی (علی بن ابی طالب) کہتا ہے کہ وہ اس آدمی کو جس کو میں نے پناہ دی ہے وہ فلاں ہبیرہ کا بیٹا ہے وہ اس کو قتل کرنے والا ہے۔ اس پر جناب رسول اللہ صلعم نے فرمایا ام ھانی؟ جس کو تم نے پناہ دی ہے ہم نے بھی اس کو پناہ دے دی اور یہ واقعہ اشراق کے وقت کا ہے۔

تشریح از شیخ زکریا فصلّی ثمانِ رکعات الخ یہ رکعات ثمانیہ کیسی تھیں اکثر علماء کے نزدیک چاشت کی تھیں اور جو چاشت کے منکر ہیں ان کے نزدیک فتح مکہ کے شکریہ میں تھیں صلوٰۃ الضحٰی کے متعلق امام بخاری مستقل باب قائم فرمائیں گے وہاں اس کی تفصیل آجائیں گی۔ زعم ابن امی ابن امی کہہ کر انہوں نے اشارہ کیا کہ دونو ایک ہی شکم سے پیدا ہوئے اور پھر حضرت علیؓ میری مخالفت کرتا ہے۔ اور فلاں بن ہبیرہ کو قتل کرنا چاہتا ہے۔ حالانکہ حضرت علیؓ میرے قریب تھا میری بات مانتا۔ فلان بن ہبیرہ اس فلاں کے متعلق حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ نام معلوم نہ ہوسکا۔ اور ہبیرہ ام ہانی کے شوہر کا نام ہے۔ یہ ابن ہبیرہ کون تھا یا تو انہی کا لڑکا تھا۔ یا ہبیرہ کا بیٹا دوسری بیوی سے اور ان کا ربیب تھا قد اجرنا من اجرت یہ مسئلہ کتاب الجہاد کا ہے۔ کہ اگر عورت امان دے دے تو وہ معتبر ہوگی یا نہیں جمہور کے نزدیک معتبر ہوگی۔ اگر اس سے خوف ہو تو صرف قید کیا جائے قتل نہ کیا جائے۔ ذھبت الخ مغازی کی روایت میں ہے کہ آپ فتح مکہ کے دن ام ھانی کے گھر میں داخل ہوئے اور وہاں نماز پڑھی اور یہاں حدیث میں لفظ ذھبت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کسی اور کا گھر تھا۔ ام ھانی کا نہیں تھا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ واقعہ انہی کے گھر کا ہے۔ لیکن ام ھانی تشویشناک حالات کی وجہ سے اپنے خاوند ہبیرہ کی تلاش میں گئی تھیں۔ وہاں انہوں نے دیکھا کہ حضرت علیؓ ان کے سگے بھائی ان کے خاوند کے لڑکے کو پکڑے ہوئے ہیں اس لئے وہ جلدی سے حضور اکرم صلعم کے پاس گئیں جو کہ ان کے گھر میں قیام پذیر تھے۔ اس لحاظ سے ذھبت کہہ دیا۔ اور چونکہ نبی اکرم صلعم خود بھی داخل ہوتے تھے اس لئے دخل النبی کہہ دیا

حدیث نمبر ۳۴۵ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰہِ بْنُ یُوْسُفَ الخ عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ اَنَّ سَائِلًا سَاَلَ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَنِ الصَّلٰوۃِ فِیْ ثَوْبٍ وَّاحِدٍ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَوَ لِکُلِّکُمْ ثَوْبَانِ (الحدیث)

ترجمہ، حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ ایک پوچھنے والے نے آنحضرت رسول اللہ صلعم سے ایک

کپڑے میں نماز پڑھنے کے متعلق دریافت کیا، تو جناب رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ کیا تم میں سے ہر ایک کے لئے دو کپڑے تھے۔

باب اِذَا صَلّٰی فِی الثَّوْبِ الْوَاحِدِ فَلْیَجْعَلْ عَلٰی عَاتِقَیْہِ۔

ترجمہ، جب کوئی آدمی ایک کپڑے میں نماز پڑھے تو اس کو اپنے دونوں کندھوں پر ڈال لے۔

حدیث نمبر ۳۴۶ حَدَّثَنَا اَبُوْعَاصِمٍ الخ عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا یُصَلِّیْ اَحَدُکُمْ فِی الثَّوْبِ الْوَاحِدِ لَیْسَ عَلٰی عَاتِقِہٖ شَیْءٌ۔

ترجمہ، حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ کوئی تمہارا ایک کپڑے کے اندر نماز نہ پڑھے جبکہ اس کے کاندھے پر کوئی چیز نہ ہو

حدیث نمبر ۳۴۷ حَدَّثَنَا اَبُوْ نُعَیْمٍ الخ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ مَنْ صَلّٰی فِیْ ثَوْبٍ وَّاحِدٍ فَلْیُخَالِفْ بَیْنَ طَرَفَیْہِ۔

ترجمہ، حضرت ابوہریرہؓ فرماتے تھے کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے جناب رسول اللہ صلعم سے سنا آپؐ فرماتے تھے جو شخص ایک کپڑے میں نماز پڑھے تو اس کے دونوں کونوں کے درمیان مخالفت کر دے

تشریح از شیخ زکریاؒ۔ یہ ایک اختلافی مسئلہ ہے وہ یہ کہ حنابلہ کے نزدیک اگر ایک کپڑے میں نماز پڑھے اور وہ اتنا بڑا ہو کہ تخالف بین الطرفین کیا جا سکتا ہے۔ تو تخالف بین الطرفین واجب ہے۔ اگر ایسا نہ کیا تو ایک قول کے مطابق نماز نہیں ہوتی۔ اور ایک قول کی بنا پر ترک واجب کا گناہ ہوگا۔ اور جمہور کے نزدیک یہ واجب نہیں۔ اور چونکہ یہ مخالفت دو ہی صورتوں میں ہو سکتی ہے۔ ایک تو یہ کہ کپڑا خوب بڑا ہو یا متوسط ہو۔ اسی لئے امام بخاریؒ نے ان دونوں بابوں کے ذکر کرنے کے بعد اس کو بیان فرمایا اور ان کا رجحان اس مسئلہ میں حنابلہ کی طرف معلوم ہوتا ہے کہ جعل علی العاتق یعنی کندھے پر ڈالنا واجب ہے اور ثوب قصیر کو اس کے بعد ذکر فرما رہے ہیں۔ خلاصہ یہ کہ فلیجعل اگر اس لفظ کو ایجاب کے لئے مانا جائے۔ تب تو امام بخاریؒ۔ امام احمدؒ کے شریک ہو جائیں گے اگر استحباب کے لئے ہو تو جمہور کے ساتھ ہوں گے امام احمدؒ پر رد نہ ہوگا

باب اِذَا کَانَ الثَّوْبُ ضَیِّقًا۔

ترجمہ، جب کہ کپڑا تنگ ہو۔

۵۹/۱

حدیث نمبر ۳۴۸ حَدَّثَنَا یَحْیَی بْنُ صَالِحٍ الخ قَالَ سَأَلْنَا جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللّٰہِ عَنِ الصَّلٰوۃِ فِی الثَّوْبِ الْوَاحِدِ فَقَالَ خَرَجْتُ مَعَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِی بَعْضِ اَسْفَارِہٖ فَجِئْتُ لَیْلَۃً لِبَعْضِ اَمْرِیْ فَوَجَدْتُہٗ یُصَلِّیْ وَعَلَیَّ ثَوْبٌ وَاحِدٌ فَاشْتَمَلْتُ بِہٖ وَصَلَّیْتُ اِلٰی جَانِبِہٖ فَلَمَّا انْصَرَفَ قَالَ مَا السُّرٰی یَا جَابِرُ فَاَخْبَرْتُہٗ بِحَاجَتِیْ فَلَمَّا فَرَغْتُ قَالَ مَا ھٰذَا الْاِشْتِمَالُ الَّذِیْ رَاَیْتُ قُلْتُ کَانَ ثَوْبًا قَالَ فَاِنْ کَانَ وَاسِعًا فَالْتَحِفْ بِہٖ وَاِنْ کَانَ ضَیِّقًا فَاتَّزِرْ بِہٖ (الحدیث)

ترجمہ :۔ حضرت سعید بن الحارث فرماتے ہیں کہ ہم نے حضرت جابر بن عبداللہ انصاریؓ سے ایک کپڑے میں نماز پڑھنے کے متعلق دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا کہ میں ایک سفر میں حضور اکرم صلعم کے ساتھ نکلا ایک رات میں اپنی کسی ضرورت کے لئے آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو میں نے آپ کو نماز پڑھتے ہوئے پایا جبکہ میرے اوپر صرف ایک کپڑا تھا جس کو میں نے لپیٹ لیا اور حضور اکرم صلعم کے ایک طرف کھڑے ہو کر نماز ادا کی جب آپ نماز سے فارغ ہوتے تو آپ نے پوچھا جابر! رات کو کیسے آنا ہوا۔ میں نے اپنی ضرورت بیان کی جب میں اپنے بیان سے فارغ ہوا تو آپ نے فرمایا یہ اشتمال (کپڑے کا لپیٹ لینا) کیسا ہے۔ جو میں دیکھ رہا ہوں میں نے کہا حضرت! کپڑا ہی اتنا تھا۔ فرمایا اگر کپڑا وسیع اور بڑا ہو۔ تو اسے سارے بدن پر لپیٹ لینا چاہیئے۔ اگر تنگ ہو تو اس کی چادر باندھ لینی چاہیئے۔

تشریح از شیخ زکریاؒ۔ اس باب سے تیسری صورت بیان فرمارہے ہیں صلیت الی جانبہ یہ اس لئے کیا تاکہ حضور اکرم صلعم کے ساتھ نماز پڑھنے کی فضیلت حاصل ہو جائے ما السری یا جابر بولے جابر یہ رات کا آنا کیسے ہوا۔ فاخبرتہ بحاجتی وہ حاجت یہ تھی کہ دشمنوں کی خبر کرنے گئے تھے۔

حدیث نمبر ۳۴۹ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ الخ عَنْ سَھْلٍ قَالَ کَانَ رِجَالٌ یُصَلُّوْنَ مَعَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَاقِدِیْ اُزُرِھِمْ عَلٰی اَعْنَاقِھِمْ کَھَیْئَۃِ الصِّبْیَانِ وَیُقَالُ لِلنِّسَآءِ لَا تَرْفَعْنَ رُءُوْسَکُنَّ حَتّٰی یَسْتَوِیَ الرِّجَالُ جُلُوْسًا (الحدیث)

ترجمہ، حضرت سہلؓ فرماتے ہیں کہ جناب نبی اکرم صلعم کے ساتھ صحابہ کرام اس حالت میں نماز پڑھتے تھے کہ اپنی چادروں کو اپنی گردنوں پر ایسے باندھنے والے تھے جیسے بچے گلازی باندھتے ہیں۔ اور عورتوں سے کہا جاتا تھا کہ تم اس وقت سجدے سے اپنے سروں کو نہ اٹھاؤ جب تک مرد ٹھیک ہو کر نہ بیٹھ جائیں۔

تشریح از شیخ زکریاؒ، کھیأۃ الصبیان یعنی بچوں کی طرح مطلب یہ ہے کہ جب بچے ناسمجھ ہوتے ہیں تو ان کے گلے میں کپڑے کو باندھ دیتے ہیں تاکہ کہیں گر نہ جائے، ہمارے ہاں بھی یہ طریقہ ہے لا ترفعن رؤسکن الخ حضور اکرم صلعم نے عورتوں کو مردوں کے پورے طریقے سے بیٹھنے کے بعد سجدہ سے سر اٹھانے کا حکم دیا ہے، یہ اس لئے کہ جب کپڑے چھوٹے ہوں گے، اور مرد سجدہ کرتے ہوئے ہوں گے تو اگر عورتوں نے پہلے اپنا سر اٹھایا تو ممکن ہے کہ مرد کے کسی نامناسب جگہ پر نظر پڑ جائے اس لئے احتیاطاً یہ حکم فرمایا۔

باب الصَّلٰوۃُ فِی الْجُبَّۃِ الشَّامِیَّۃِ وَقَالَ الْحَسَنُ فِی الثِّیَابِ یَنْسُجُهَا الْمَجُوْسُ لَمْ یَرَ بِهَا بَأْسًا وَقَالَ مَعْمَرٌ رَأَیْتُ الزُّهْرِیَّ یَلْبَسُ مِنْ ثِیَابِ الْیَمَنِ مَا صُبِغَ بِالْبَوْلِ وَصَلّٰی عَلِیُّ بْنُ اَبِیْ طَالِبٍ فِیْ ثَوْبٍ غَیْرِ مَقْصُوْرٍ۔ (الحدیث)

ترجمہ:۔ شامی جبہ میں نماز پڑھنے کے بارے میں حضرت حسن بصریؒ مجوس کے بُنے ہوئے کپڑوں کے بارے میں حرج نہیں سمجھتے تھے اور حضرت معمرؒ فرماتے ہیں کہ میں نے امام زہریؒ کو یمن کے وہ کپڑے پہنے ہوئے دیکھا جن کو رنگنے میں پیشاب استعمال ہوتا تھا۔ شاید وہ دھونے کے بعد استعمال کرتے ہوں۔ یا بول ماکول اللحم کو وہ طاہر سمجھتے ہوں۔ اور حضرت علی بن ابی طالبؓ غیر نچوڑے ہوئے کپڑے میں نماز پڑھتے تھے یعنی نیا کپڑا جس کو دھویا نہ گیا ہو۔

حدیث نمبر ۳۵۰ حَدَّثَنَا یَحْیٰی الخ عَنْ مُغِیْرَۃَ بْنِ شُعْبَۃَ قَالَ کُنْتُ مَعَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فِیْ سَفَرٍ فَقَالَ یَا مُغِیْرَۃُ خُذِ الْاِدَاوَۃَ فَاَخَذْتُهَا فَانْطَلَقَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰی تَوَارٰی عَنِّیْ فَقَضٰی حَاجَتَهٗ وَعَلَیْهِ جُبَّۃٌ شَامِیَّۃٌ فَذَهَبَ لِیُخْرِجَ یَدَهٗ مِنْ کُمِّهَا فَضَاقَتْ فَاَخْرَجَ یَدَهٗ مِنْ اَسْفَلِهَا فَصَبَبْتُ عَلَیْهِ فَتَوَضَّأَ وُضُوْءَهٗ لِلصَّلٰوۃِ وَمَسَحَ عَلٰی خُفَّیْهِ ثُمَّ صَلّٰی (الحدیث)

ترجمہ:۔ حضرت مغیرہ بن شعبہؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ سفر میں جناب نبی اکرم صلعم کے ساتھ تھا آپ نے فرمایا اے مغیرہ لوٹا پانی کا لے لو، میں نے لوٹا لے لیا۔ آپ قضائے حاجت کے لئے اتنی دور چلے گئے کہ میری آنکھوں سے چھپ کر اوجھل ہوگئے۔ جب حاجت سے فارغ ہوئے اور آپ پر ایک شامی جبہ تھا جس کی آستین سے آپ اپنا ہاتھ نکالنے لگے چونکہ جبہ تنگ تھا اس لئے اس کے نیچے سے اپنا ہاتھ نکالا۔ میں آپ پر پانی ڈال رہا تھا۔ آپ نماز کے وضو کی طرح وضو فرمایا۔ دونوں موزوں پر مسح کیا پھر نماز ادا فرمائی۔

تشریح از شیخ مدنی رح۔ شام کا علاقہ آپؐ کے عہد میں بلاد حرب میں سے تھا یقینی بات ہے جو کپڑا وہاں سے آئے گا وہ مظن نجاستہ ہوگا اس لئے کفار نجاسات سے نہیں بچتے۔ تو مصنفؒ فرماتے ہیں کہ ایسے کپڑوں کو بغیر دھوئے استعمال کیا جاسکتا ہے اگرچہ ابن سیرینؒ اس کو مکروہ سمجھتے ہیں مگر جمہور اس کے استعمال کی اجازت دیتے ہیں امام زہریؒ کا مسلک لبول مایؤکل لحمہ کے بارے میں امام مالکؒ کا سا مسلک ہے۔ آج ہم بدیشی کپڑے کے استعمال کی ممانعت کرتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان میں بالیقین نجاستہ ہوتی ہے۔ کیونکہ یورپ میں یا ہندوستان میں جتنی ملیں ہیں۔ ان میں جو کپڑا تیار ہوتا ہے۔ ان کو مادا لگا ہوا ہوتا ہے۔ اس میں چربی یا تیل جزو ضروری ہے۔ تیل مہنگا ہے۔ غیر ذبیحہ جانوروں کی چربی سے یہ مل والے مادا دیتے ہیں انگلستان میں یہودی تو ذبیحہ استعمال کرتے ہیں۔ لیکن عیسائی جو سرد ملک کے رہنے والے ہیں ان کی بسر اوقات گوشت پر ہے ذبح ہو نہیں سکتی۔ اس لئے وہ ہمیشہ غیر ذبیحہ کا گوشت کھاتے ہیں۔ اس کا مشاہدہ بھی ہے اور خود ان کے اعلانات بھی ہیں۔ بخلاف ہندوستان کے کاری گروں کے خواہ وہ مسلم ہوں یا غیر مسلم وہ سب چاول کا مادا دیا کرتے ہیں۔ اس میں کوئی قباحت نہیں اسکے علاوہ مسلمان کے لئے تو طہارت و نجاستہ کا مسئلہ بھی ہے اس کے علاوہ مشرکین کی اعانت بھی ہے۔ چنانچہ ۱۹۲۸ء میں ۸۰ کروڑ روپے اسی کپڑے سے ان کو حاصل ہوئے تیسرے ہم اپنے ہم وطن بھائیوں کو جن کی بسر اوقات اسی صنعت کپڑا پر ہے۔ سستے اور خوبصورت کپڑے خرید کر ان کو نقصان پہنچاتے ہیں آنحضرت صلعم کے زمانہ میں یہ چیزیں موجود نہ تھیں اور نہ ہی آپؐ کے شہر میں کپڑے بننے کا اہتمام تھا۔

تشریح از شیخ زکریا۔ میری اور شراح کی رائے یہ ہے کہ کفار کے ہاتھوں کے بُنے ہوئے کپڑوں کے پہننے کا جواز ثابت کرنا ہے۔ چونکہ اہل کفر نجاست اور پاکی کی کوئی پروا نہیں کرتے۔ قیاس کا تقاضا تھا کہ ان کے کپڑوں کا استعمال ممنوع ہوتا۔ امام بخاریؒ اس کا جواز ثابت فرما رہے ہیں۔ امام ابوحنیفہؒ سے صرف کراہت منقول ہے۔ اور امام مالکؒ کے نزدیک دفت کے اندر اعادہ کرے۔ جمہور کی رائے یہ ہے کہ اصل طہارت ہے اس لئے ایسے کپڑوں کا پہننا جائز ہے۔ امام بخاریؒ بھی جمہور کے ساتھ ہیں۔ بعض مشائخ درس کی رائے یہ ہے کہ اس ترجمہ سے ان کپڑوں کے پہننے کا جواز ثابت کرنا ہے جو علی ھیئۃ الکفار بنے ہوتے ہوں جیسے پتلون کوٹ، چسٹر وغیرہ مگر میرے نزدیک یہ صحیح نہیں۔ اس لئے کہ روایت اور آثار میں سے کوئی چیز اس کی مساعدت نہیں کرتی۔ فی ثیاب المجوس اس جملہ سے کفار کے منسوج (بنے ہوئے) کپڑے پہننے کا جواز ثابت ہوتا ہے۔

رأیت الزھری الخ یمن میں کفار وغیرہ رہا کرتے تھے مسلمان اس وقت عام نساجی یعنی کپڑے بننے کا کام نہیں کرتے تھے۔ اس لئے کفار کے بنے ہوئے کپڑوں کے استعمال کا جواز ثابت ہوا۔ اب رہا ان کا مصبوغ بالبول کپڑا پہننا یا تو وہ دھو کر پہنتے تھے یا وہ بول ما یؤکل لحمہ ہوتا تھا جس کو وہ پاک سمجھتے تھے وصلی علی الخ چونکہ مسلمان عام طور پر اس وقت نساجی نہیں کرتے تھے ظاہر ہے کہ وہ کفار ہی کے بنے ہوئے ہوں گے۔ جن کے پہننے کا جواز معلوم ہوا۔ بعد جبۃ شامیہ یہ مقصود ہے حضرت علامہ کشمیریؒ فرماتے تھے کہ چونکہ وہ کپڑے ان کی صنعت پر بُنے ہوئے ہوتے تھے۔ وہم ہوتا تھا کہ شاید کفار کی مصنوعات ہمارے لئے جائز نہ ہوں۔ تو امام بخاریؒ نے جواز بتلا دیا۔ گویا کہ علامہ کشمیریؒ کے نزدیک دار ومدار نجاستہ عدم نجاستہ پر نہیں بلکہ صفت اور عدم صفت پر ہے۔ مگر میرے نزدیک حضرت علامہ کشمیریؒ سے زیادہ راجح شراح والی توجیہ ہے۔ کیونکہ امام بخاریؒ نے تائید میں جو اقوال نقل کئے ہیں۔ ان میں سے یہ بھی ہے کہ امام زہری مصبوغ بالبول کپڑے پہنتے تھے تو معلوم ہوا کہ یہاں نجاستہ اور عدم نجاستہ کے وہم کو دفع کرنا مقصود ہے جمہور کا راجح مذہب یہ ہے کہ کفار کے بُنے ہوئے کپڑے بغیر پاک کئے ہوئے اگر نماز پڑھ لے تو نماز مکروہ ہے۔ مالکیہ کے نزدیک اعادہ فی الوقت ضروری ہے۔ اور بعد الوقت ضروری نہیں حضرات صاحبین کے نزدیک جب تک نجاستہ متحقق نہ ہو اس سے نماز وغیرہ سب جائز ہے اسی پر ہمارے ہاں فتویٰ ہے۔ ملک شام آپ کے زمانہ میں فتح ہوا۔

باب كَرَاهِيَةِ التَّعَرِّي فِي الصَّلٰوةِ وَغَيْرِهَا۔

ترجمہ:۔ نماز اور غیر نماز میں ننگا ہونا مکروہ ہے۔

حدیث نمبر ۳۵۱ حَدَّثَنَا مَطَرُ بْنُ الْفَضْلِ الخ سَمِعْتُ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ يُحَدِّثُ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَنْقُلُ مَعَهُمُ الْحِجَارَةَ لِلْكَعْبَةِ وَعَلَيْهِ إِزَارُهُ فَقَالَ لَهُ الْعَبَّاسُ عَمُّهُ يَا ابْنَ أَخِي لَوْ حَلَلْتَ إِزَارَكَ فَجَعَلْتَ عَلٰى مَنْكِبَيْكَ دُوْنَ الْحِجَارَةِ قَالَ فَحَلَّهُ فَجَعَلَهُ عَلٰى مَنْكِبَيْهِ فَسَقَطَ مَغْشِيًّا عَلَيْهِ فَمَا رُئِيَ بَعْدَ ذٰلِكَ عُرْيَانًا۔

ترجمہ:۔ حضرت جابر بن عبداللہ بیان فرماتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلعم خانہ کعبہ کے لئے لوگوں کے ہمراہ پتھر اٹھا رہے تھے جبکہ آپ کے اوپر لنگی تھی۔ آپ کے چچا حضرت عباسؓ نے فرمایا کہ بھتیجے اگر لنگی کو کھول کر پتھروں سے بچاؤ کے لئے اپنے کندھوں پر ڈال لیتے تو بہتر ہوتا۔ چنانچہ آپ نے لنگی کو

کھول کر اپنے کندھوں پر ڈالنا تھا کہ بیہوش ہو کر گر پڑے اس واقعہ کے بعد پھر کبھی آپؐ کو ننگا نہیں دیکھا گیا۔

تشریح از شیخ مدنیؒ: اس جگہ آپؐ کا باوجود ضرورت کے ننگا ہونا بیہوشی کا باعث ہوا جس سے معلوم ہوا کہ بغیر ضرورت شدیدہ کے ننگا ہونا جائز نہیں۔ نہانے میں بھی ایسی احتیاط برتنی چاہیئے۔ اور نماز میں بھی ایسا کرنا چاہیئے۔ دغیرھا۔ یہ لفظ مطابقۃً دلالت کرتا ہے کہ صلوٰۃ اور غیر صلوٰۃ میں تعرّی ننگا ہونے سے احتراز واجب ہے۔ اور بعض نسخوں میں وغیرھا کا لفظ نہیں ہے۔ تو وہاں بطریق اقتضاء النص نکالا جائے گا۔

تشریح از شیخ زکریا۔ شراح کی رائے ہے کہ اوّلاً لباس فی الصلوٰۃ ثابت فرمایا ہے۔ اب عموم ثابت فرماتے ہیں۔ خواہ فی الصلوٰۃ ہو یا فی غیر الصلوٰۃ مگر میرے نزدیک یہ درست نہیں ہے۔ کیونکہ اس صورت میں اس کو ابواب اللباس میں ذکر کرنا چاہیئے تھا۔ بلکہ میرے نزدیک غرض یہ ہے کہ سابق کے اندر تو لباس بقدر فرض ثابت فرمایا ہے۔ کہ ستر عورت ضروری ہے۔ اور یہاں بقیہ بدن کے تستر کو ثابت فرمارہے ہیں۔ کہ اگر کسی کے پاس کپڑے ہوں۔ تو اس کو ستر کے علاوہ دوسرے جسم کو بھی ڈھانکنا چاہیئے۔

فجعلت علی منکبیك چونکہ پتھر کی رگڑ سے بدن چھل جانے کا خطرہ تھا۔ اس لئے ایسا فرمایا فسقط مغشیا علیہ چونکہ نبی ہونے والے تھے۔ اس لئے جو کام بھی حیا کے خلاف ہوتا۔ اسی کا اثر ہونا تھا چنانچہ وہ اثر یہاں بھی ہوا فما رآی بعد ذالك عریانا اس پر اشکال یہ ہے کہ یہ واقعہ نبوت سے پہلے کا ہے تو امام بخاریؒ نے اس سے کیسے استدلال کر لیا۔ جواب یہ ہے کہ جملہ فما رُآی بعد ذالك اپنے عموم کی وجہ سے زمانہ نبوت وغیر نبوت سب کو شامل ہے اس شمول سے امام بخاریؒ کا استدلال ہے واقعہ یوں ہے کہ کعبہ کی جب تعمیر ہو رہی تھی۔ تو آنحضرت صلعم کی عمر شریف علی اختلاف الاقوال ۱۵۔ ۲۵۔ ۳۵ کے درمیان تھی۔ بہرحال اس وقت وہ لوگ تعمیر میں مشغول تھے۔ اور ان لوگوں کے نزدیک کلھم سوی سوی لا نخف کہ سب کے سب برابر ہیں کوئی خوف نہ کرو کے تحت ننگے پھرنے میں اشکال نہیں تھا اس لئے حضرت عباسؓ نے فرمایا کہ تم بھی اپنے ازار کو اتار دو تاکہ پتھر لانے وقت دِقت نہ ہو۔ مگر چونکہ آپؐ کو نبوت والی دولت ملنے والی تھی۔ اس لئے آپؐ پر فوراً غشی طاری ہو گئی۔

باب الصَّلٰوۃِ فِی الْقَمِیْصِ وَالسَّرَاوِیْلِ وَالتُّبَّانِ وَالْقَبَاءِ۔

ترجمہ:۔ قمیص۔ شلوار۔ جانگیہ۔ اور جبہ میں نماز ادا کرنا۔

حدیث نمبر ۳۵۲ حَدَّثَنَا سُلَیْمَانُ بْنُ حَرْبٍ الخ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَامَ رَجُلٌ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَسَاَلَهٗ عَنِ الصَّلٰوةِ فِی الثَّوْبِ الْوَاحِدِ فَقَالَ اَوَ کُلُّکُمْ یَجِدُ ثَوْبَیْنِ ثُمَّ سَاَلَ رَجُلٌ عُمَرَ فَقَالَ اِذَا وَسَّعَ اللّٰهُ فَاَوْسِعُوْا جَمَعَ رَجُلٌ عَلَیْهِ ثِیَابَهٗ صَلّٰی رَجُلٌ فِیْ اِزَارٍ وَّرِدَآءٍ فِیْ اِزَارٍ وَّقَمِیْصٍ فِیْ اِزَارٍ وَّقَبَآءٍ فِیْ سَرَاوِیْلَ وَقَبَآءٍ فِیْ تُبَّانٍ وَّقَبَآءٍ فِیْ تُبَّانٍ وَّقَمِیْصٍ قَالَ وَاَحْسِبُهٗ قَالَ فِیْ تُبَّانٍ وَّرِدَآءٍ ۔

ترجمہ :۔ حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ ایک آدمی جناب نبی اکرم صلعم کی طرف اُٹھا اور اس نے آپؐ سے ایک کپڑے میں نماز پڑھنے کے متعلق پوچھا آپؐ نے فرمایا کیا تم میں سے ہر ایک دو کپڑے حاصل کر لیتا ہے۔ پھر ایک دوسرے آدمی حضرت عمرؓ سے پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ فراخی دے تو تم وسعت کرو۔ کہ آدمی اپنے اوپر ایک سے زائد کپڑے جمع کر سکتا ہے۔ چنانچہ آدمی ایک تہ بند اور چادر میں نماز ادا کر سکتا ہے۔ تہ بند اور قمیص میں اس طرح تہ بند اور چغے میں شلوار اور چادر میں شلوار اور قمیص میں شلوار اور چغے میں جانگیہ اور چغے میں جانگیہ اور قمیص میں۔ راوی کہتا ہے میرا گمان ہے کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ جانگیہ اور چادر میں نماز پڑھ سکتا ہے۔

تشریح از شیخ مدنیؒ تبان وہ چھوٹا پاجامہ جو نصف فخذین (رانوں) تک ہوتا ہے۔ یہاں مکمل لباس کو بتلانا ہے۔ جَمَعَ ماضی کا صیغہ ہے مراد انشاء ہے ای فَیَجْمَعُ یعنی جمع کرنا چاہیئے۔ حضرت عمرؓ نے نو صورتیں ذکر فرمائی ہیں۔ اس لئے کہ خذوا زینتکم کے تحت باری تعالیٰ ستر عورت کے علاوہ زینت بھی چاہتے ہیں۔

تشریح از زکریاؒ۔ ان چاروں میں سے اگر ہر ایک الگ الگ ہو اور چادر نہ ہو تو ان میں انفراداً جواز ثابت فرما رہے ہیں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ان کپڑوں کے ساتھ ایک اور کپڑا ہونے کی اولویت بیان کر رہے ہوں۔ مثلاً چادر، قمیص اذا وسع اللہ او سعوا یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اولویت تو بہن (دو کپڑے) ثابت فرما رہے ہیں۔ تبان جانگیہ کو کہتے ہیں اور جانگیہ وہ کہلاتا ہے جس کو پہلوان کشتی کے وقت پہن لیتے ہیں۔

شراح فرماتے ہیں کہ مختلف انواع ثیاب میں الگ الگ جواز صلوٰۃ ثابت کر رہے ہیں۔ اور میرے نزدیک امام بخاریؒ تنبیہ فرماتے ہیں کہ دو کپڑے اولیٰ ہیں شراح کا استدلال او کلکم یجد ثوبین

سے ہے اور میرا استدلال اذا وسّع اللہ اوسعوا سے ہے کیونکہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر کوئی دو کپڑے پر قادر ہو تو اس کے لئے ان کو پہننا افضل ہے۔

حدیث نمبر ۳۵۳ حَدَّثَنَا عَاصِمُ بْنُ عَلِيٍّ الخ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ سَأَلَ رَجُلٌ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ مَا يَلْبَسُ الْمُحْرِمُ فَقَالَ لَا يَلْبِسُ الْقَمِيْصَ وَلَا السَّرَاوِيْلَ وَلَا الْبُرْنُسَ وَلَا ثَوْبًا مَسَّهُ زَعْفَرَانٌ وَّلَا وَرْسٌ فَمَنْ لَّمْ يَجِدِ النَّعْلَيْنِ فَلْيَلْبِسِ الْخُفَّيْنِ وَلْيَقْطَعْهُمَا حَتّٰى يَكُوْنَا أَسْفَلَ مِنَ الْكَعْبَيْنِ وَعَنْ نَّافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِثْلَهٗ (الحدیث)

ترجمہ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلعم سے ایک آدمی نے سوال کیا کہ احرام باندھنے والا کیا کیا کپڑے پہن سکتا ہے۔ فرمایا قمیص نہ پہنے شلوار نہ پہنے اور لمبا کوٹ نہ پہنے اور نہ وہ کپڑا پہنے جس کو زعفران اور ورس (خوشبودار بوٹی) نے رنگ دیا ہو۔ اور جس کو جوتے نہ ملے وہ موزوں کو پہن لے بشرطیکہ اس کا نچلا حصہ کاٹ دے یہاں تک کہ یہ موزے ٹخنوں کے نیچے تک پہنچ جائیں حضرت نافع نے ابن عمرؓ سے اور انہوں نے جناب نبی اکرم صلعم سے اسی طرح نقل کیا ہے۔

تشریح از شیخ مدنیؒ۔ یہ دوسری روایت جو ممانعت پر دلالت کرتی ہے یہ محرم کے لئے ہے حالانکہ باب کا انعقاد اس بارے میں نہیں ہے۔ غالباً مصنفؒ اس حدیث سے یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ نماز میں قمیص کے نہ ہونے سے کوئی حرج نہیں جبکہ محرم کے لئے قمیص نہیں ہوتی اور وہ نماز پڑھتا ہے۔ تو پہلی روایت سے لباس مصلی کو وجوداً ثابت کیا اور دوسری روایت سے عدماً ثابت کیا۔

باب مَا يَسْتُرُ مِنَ الْعَوْرَةِ۔

ترجمہ:۔ ننگ کا کتنا حصہ ڈھانپنا چاہیے!

حدیث نمبر ۳۵۴ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيْدٍ الخ عَنْ أَبِيْ سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ أَنَّهٗ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ اشْتِمَالِ الصَّمَّاءِ وَأَنْ يَّحْتَبِيَ الرَّجُلُ فِيْ ثَوْبٍ وَّاحِدٍ لَّيْسَ عَلٰى فَرْجِهٖ مِنْهُ شَيْءٌ۔

ترجمہ:۔ حضرت ابوسعید خدریؓ فرماتے ہیں کہ جناب رسول اللہ علیہ وسلم نے اشتمال صمّا یعنی صرف ایک کپڑے کو لپیٹ لے جس سے کشف عورت کا اندیشہ ہو۔ منع فرمایا اور اس سے بھی منع فرمایا کہ آدمی ایک

کپڑے سے احتبا کرے جبکہ اس کے ننگ پر کپڑے کا کوئی حصہ نہ ہو۔ احتبا کر اور ٹانگوں کو کپڑے سے روکنا

تشریح از شیخ مدنیؒ۔ احتباء کی ممانعت اس وقت ہے جبکہ اوپر کا حصہ کھلا ہوا ہو۔ اگر اوپر کا حصہ مستور ہے تو پھر احتباء سے کوئی ممانعت نہیں ہے۔

تشریح از شیخ زکریاؒ۔ یہاں سے ستر کی مقدار مفروض تبلاتے ہیں۔ امام مالکؒ کا مشہور قول بلکہ مذہب اور امام احمدؒ کی ایک روایت یہ ہے کہ صرف سوئتین یعنی قبل اور دبر کا ستر ضروری ہے۔ امام احمدؒ کا راجح قول اور امام شافعیؒ کا مذہب یہ ہے کہ ران بھی عورت میں شامل ہے۔ اور احنافؒ کے نزدیک ران کے ساتھ رکبۃ یعنی گھٹنا بھی ستر کے اندر داخل ہے۔ امام بخاریؒ مالکیہؒ کے ساتھ ہیں۔ ہمارے حضرت شاہ ولی اللہ رح جیسے مقلد ہیں ویسے وہ آدھے مجتہد بھی ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ مجھے خلافِ طبیعت تین چیزوں پر مجبور کیا گیا۔ ایک تو تقلید مگر یہ اختیار دیا گیا کہ جس کی چاہے تقلید کرو۔ ایک مرتبہ نبی اکرم صلعم سے روحانی سوال کیا کہ ان مذاہب اربعہ میں سے کون سا افضل ہے۔ ارشاد فرمایا کہ سب برابر ہیں شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ ہندوستان میں مذہب حنفی کے ساتھ تدلی الٰہی کو دیکھتا ہوں۔ اس کے خلاف میں خطرات ہیں اور میری رائے یہ ہے کہ تدلی الٰہی جماعت تبلیغی کے ساتھ بھی وابستہ ہے۔ تدلی سے مراد رحمت خاصہ ہے۔ کہ اس کی مخالفت کرنا سخت مہلک ہے۔ ایک مرتبہ حضرت پیران پیر شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے فرمایا کہ قدمی علی رقبۃ کل ولی کرام قدم ہر ولی کی گردن پر ہے۔ ایک بزرگ نے فرمایا الا انا حضرت پیران پیر نے فرمایا کہ جس کے کندھے پر میرا قدم نہیں اس کے کندھے پر سور کا قدم ہے۔ چنانچہ وہ اپنے شاگردوں کے ساتھ حج کو جارہے تھے راستہ میں ایک نصرانیہ پر نظر پڑگئی۔ جس پر آپ فریفتہ ہوگئے۔ اور شاگردوں کو رخصت کر دیا۔ پھر کچھ دنوں بعد اللہ تعالیٰ نے ان کو ان کے مرید اور شاگرد ان کی دعاؤں سے ہدایت دی۔ شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں دوسری چیز جس پر مجھے مجبور کیا گیا۔ وہ تفضیل شیخین ہے۔ میرا دل چاہتا تھا کہ حضرت علی رضہ افضل ہوں اس لئے کہ وہ حضور اقدس صلعم کے داماد اور تمام سلاسل سے اولیاء کے مرجع ہیں۔ مگر مجھے فرمایا گیا کہ شیخین سے تو ظاہر دین کا تحفظ اور بقا ہے۔ اور حضرت علیؓ باطن شریعت علوم اور اسرار کا اور یہ سب ظاہر شریعت کے تابع ہیں اور تیسری چیز جس پر مجھے مجبور کیا گیا۔ وہ اختیار اسباب ہے میرا جی چاہتا تھا کہ اسباب کو ترک کر دوں۔ مگر مجھے اس سے روکا گیا۔ ان حضرت شاہ ولی اللہ رح کی رائے بھی یہ ہے کہ صرف سوئتین یعنی قبل اور دبر منزودول کے لئے عورت ہیں متمدن حضرات کے لئے ران بھی عورت ہے نھی رسول اللہ صلعم عن اشتمال الصماء

حضور اقدس صلعم سے ملتحفا اور مشتملاً نماز پڑھنا روایات میں وارد ہے۔ مگر وہ اس نہی کے خلاف نہیں ہے۔ اس لئے کہ محض اشتمال اور التحاف میں تو ہاتھ کھلے ہوتے ہیں۔ اور اشتمال صما میں ہاتھ اندر بند ہوتے ہیں۔ اس میں گرنے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ لیس علی فرجه منه شیئ امام بخاریؒ نے اس جملہ سے استدلال کیا ہے۔ کہ صرف سوئتین عورت ہیں جمہور کی طرف سے جواب یہ ہے کہ وہ حضرات لنگی تو پہنتے تھے مگر چھوٹی ہونے کی وجہ سے احتباء کی صورت میں کشف عورت کا اندیشہ تھا۔ اس لئے منع فرمایا۔ لیس علی فرجه منه شیئ اس سے امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلعم نے صرف فرج کا لحاظ فرمایا اور ایسے احتباء سے منع فرمایا جو کشف فرج کا باعث ہو۔ تو معلوم ہوا کہ صرف اتنا ہی ستر ہے۔

حدیث نمبر ۳۵۵ حَدَّثَنَا قَبِيصَةُ بْنُ عُقْبَةَ الخ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ نَهَى النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ بَيْعَتَيْنِ عَنِ اللِّمَاسِ وَالنِّبَاذِ وَاَنْ يَّشْتَمِلَ الصَّمَّاءَ وَاَنْ يَّحْتَبِيَ الرَّجُلُ فِيْ ثَوْبٍ وَّاحِدٍ (الحدیث)

ترجمہ:۔ حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ جناب نبی اکرم صلعم نے دو قسم کی بیع لماس اور نباذ سے منع فرمایا اور یہ کہ اشتمال صما نہ ہو اور آدمی ایک کپڑے میں احتباء نہ کرے۔

تشریح از شیخ زکریاؒ۔ لماس اور نباذ زمانہ جاہلیت کی بیعیں تھیں جن کا بیان کتاب البیوع میں آئے گا۔ لماس کا مطلب یہ ہے کہ آدمی مبیع کو چھوئے خواہ دوسرا آدمی راضی ہو یا نہ ہو یہ بیع ہو جایا کرتی تھی۔ اور نباذ کا مطلب یہ ہے کہ کنکری پھینک دیا کرتے تھے جس چیز پر وہ کنکری گر جاتی تھی وہ بیع شمار ہوتی۔ ان دونوں قسم کی بیع سے منع فرمایا۔ کیونکہ یہ لاٹری جوئے کی قسم ہے۔

حدیث نمبر ۳۵۶ حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ الخ أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ قَالَ بَعَثَنِيْ اَبُوْ بَكْرٍ فِيْ تِلْكَ الْحَجَّةِ فِيْ مُؤَذِّنِيْنَ يَوْمَ النَّحْرِ نُؤَذِّنُ بِمِنًى اَنْ لَّا يَحُجَّ بَعْدَ الْعَامِ مُشْرِكٌ وَّلَا يَطُوْفَ بِالْبَيْتِ عُرْيَانٌ الخ

ترجمہ:۔ حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں مجھے حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ان اطلاع کنندگان میں بھیجا جنھوں نے اس حج کے موقعہ پر دس ذی الحجہ یوم النحر میں یہ اعلان کیا کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہیں کر سکے گا۔ اور نہ ہی کوئی ننگا بیت اللہ کا طواف کرے گا۔ فی تلك الحجة حضور اقدس صلعم نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کو اولاً اور حضرت علیؓ کو ثانیاً ۹ھ میں حج کے لئے بھیجا اور بہت سے اعلانات

کرنے کے لئے بھیجا ایک یہ بھی تھا براۃ من اللہ و رسولہ الخ اور ایک اعلان یہ تھا کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہیں کرے گا۔ چونکہ حضرت ابوبکرؓ خود اپنی آواز اتنے کثیر مجمع میں نہیں پہنچا سکتے تھے۔ اس لئے انہوں نے اعلان کرنے والوں کو مقرر کیا تھا۔ ان میں سے ایک حضرت ابوہریرہ بھی تھے۔ زمانہ جاہلیت میں مادرزاد ننگے ہو کر طواف کرنا اچھا سمجھا جاتا تھا۔ اور قریش کے لباس کے علاوہ کسی دوسرے لباس میں طواف کرنے کی اجازت نہ تھی۔ اس لئے جس کے پاس ان قریش کے کپڑے نہ ہوتے تھے اس کو ننگے ہی طواف کرنا پڑتا تھا۔

قَالَ حُمَيْدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ ثُمَّ اَرْدَفَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلِيًّا فَاَمَرَهٗ اَنْ يُّؤَذِّنَ بِبَرَآءَةٍ قَالَ اَبُوْهُرَيْرَةَ فَاَذَّنَ مَعَنَا عَلِيٌّ فِيْ اَهْلِ مِنًى يَوْمَ النَّحْرِ لَا يَحُجُّ بَعْدَ الْعَامِ مُشْرِكٌ وَّلَا يَطُوْفُ بِالْبَيْتِ عُرْيَانٌ۔

حضرت حمید بن عبد الرحمٰن فرماتے ہیں کہ بعد میں جناب رسول اللہ صلعم نے حضرت علیؓ کو بھیج کر حکم دیا کہ وہ برات کا اعلان کریں چنانچہ حضرت ابوہریرہ فرماتے ہیں کہ حضرت علیؓ بھی منیٰ والوں میں قربانی کے دن ہمارے ساتھ اعلان کرتے تھے۔ کہ آئندہ سال کوئی مشرک حج نہیں کرے گا اور نہ کوئی ننگا بیت اللہ کا طواف کرے گا۔

باب الصَّلٰوةِ بِغَيْرِ رِدَآءٍ

ترجمہ:۔ بغیر چادر کے نماز پڑھنا۔

حدیث نمبر ۳۵ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيْزِ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ الخ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ قَالَ دَخَلْتُ عَلٰى جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ وَهُوَ يُصَلِّيْ فِيْ ثَوْبٍ وَّاحِدٍ مُّلْتَحِفًا بِهٖ وَرِدَآءُهٗ مَوْضُوْعٌ فَلَمَّا انْصَرَفَ قُلْنَا يَا اَبَا عَبْدِ اللّٰهِ تُصَلِّيْ وَرِدَآءُكَ مَوْضُوْعٌ قَالَ نَعَمْ اَحْبَبْتُ اَنْ يَّرَانِي الْجُهَّالُ مِثْلُكُمْ رَاَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْ كَذَا۔

ترجمہ:۔ حضرت محمد بن المنکدرؒ فرماتے ہیں کہ میں حضرت جابر بن عبد اللہؓ کے پاس اس وقت پہنچا جبکہ آپ ایک کپڑے کو لپیٹے ہوئے نماز پڑھ رہے تھے۔ اور ان کی چادر رکھی ہوئی تھی۔ جب نماز سے فارغ ہوئے تو ہم نے کہا کہ اے ابو عبد اللہ آپ ایک کپڑے میں نماز پڑھ رہے تھے۔ حالانکہ آپ کی چادر رکھی ہوئی تھی فرمایا ہاں مجھے یہ بات پسند آئی کہ آپ جیسے جاہل لوگ مجھے دیکھ لیں میں نے تو جناب رسول اللہ صلعم کو اسی طرح نماز پڑھتے دیکھا۔

تشریح از شیخ زکریا۔ امام بخاریؒ کا مقصد اس باب سے یہ ثابت کرنا ہے کہ اگر کسی کے پاس دو کپڑے ہوں لیکن پھر بھی وہ ایک کپڑے میں نماز پڑھے تو جائز ہے۔ قبل ازیں ایک باب الصلوٰۃ فی السراویل میں حضرت عمرؓ کا ایک مقولہ اذا وسع اللہ فاوسعوا گذرا تھا جس سے وہم ہوتا تھا کہ شاید وسعت کی صورت میں ایک کپڑے سے نماز جائز نہ ہو۔ تو اس وہم کو دفع کرنے کے لئے اس باب کا انعقاد کیا۔ یہ میری اپنی رائے ہے اور دلیل حضرت جابرؓ کی وہ روایت ہے جس میں یہ نقل ہوا کہ حضرت جابرؓ نماز ایک کپڑے میں پڑھ رہے تھے۔ اور ان کے دوسرے کپڑے مشجب پر رکھے ہوتے تھے۔ معلوم ہوا کہ وسعت کے باوجود ایسا کرنا جائز ہے عام شراح کی رائے یہ ہے کہ اس باب سے منبر دار کے نماز پڑھنے کا جواز بتلا رہے ہیں۔

باب، مَا یُذْکَرُ فِی الْفَخِذِ۔

قَالَ اَبُوْ عَبْدِ اللّٰہِ وَ یُرْوٰی عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَّ جَرْھَدٍ وَّ مُحَمَّدِ بْنِ جَحْشٍ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلْفَخِذُ عَوْرَۃٌ وَ قَالَ اَنَسٌ حَسَرَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَنْ فَخِذِہٖ قَالَ اَبُوْ عَبْدِ اللّٰہِ وَحَدِیْثُ اَنَسٍ اَسْنَدُ وَحَدِیْثُ جَرْھَدٍ اَحْوَطُ حَتّٰی نَخْرُجَ مِنِ اخْتِلَافِھِمْ وَ قَالَ اَبُوْ مُوْسٰی غَطَّی النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ رُکْبَتَیْہِ حِیْنَ دَخَلَ عُثْمَانُ وَقَالَ زَیْدُ بْنُ ثَابِتٍ اَنْزَلَ اللّٰہُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَفَخِذُہٗ عَلٰی فَخِذِیْ فَثَقُلَتْ عَلَیَّ حَتّٰی خِفْتُ اَنْ تُرَضَّ فَخِذِیْ۔

ترجمہ باب، ران کے بارے میں جو کچھ ذکر کیا جاتا ہے امام بخاری ابوعبداللہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عباسؓ، جرھدؓ اور محمد بن جحش رضی اللہ عنہم جناب نبی اکرم صلعم سے روایت کرتے ہیں کہ ران ننگ ہے۔ اور حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ جناب نبی اکرم صلعم نے اپنی ران کو کھول دیا۔ امام بخاریؒ کا فیصلہ یہ ہے کہ حضرت انس کی روایت سند کے اعتبار سے قوی ہے۔ لیکن حضرت جرھد کی روایت میں زیادہ احتیاط کو ملحوظ رکھا گیا ہے تاکہ صحابہ کرام کے اختلاف سے ہم لوگ نکل جائیں چنانچہ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ فرماتے ہیں کہ جب حضرت عثمانؓ آنحضرت صلعم کے پاس تشریف لائے تو آپ نے اپنے گھٹنوں کو ڈھانک لیا اور حضرت زید بن ثابت فرماتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلعم پہ اللہ تعالیٰ نے ایسی حالت میں وحی نازل فرمائی کہ آپ کی ران میری ران پر تھی۔ وحی کا بوجھ مجھ پہ اتنا پڑا کہ مجھے ران کے ٹوٹ جانے کا خدشہ لاحق ہو گیا۔

حدیث نمبر ۳۵۸ حَدَّثَنَا یَعْقُوْبُ بْنُ اِبْرَاھِیْمَ الخ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِکٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غَزَا خَيْبَرَ فَصَلَّيْنَا عِنْدَهَا صَلٰوةَ الْغَدَاةِ بِغَلَسٍ فَرَكِبَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَرَكِبَ اَبُوْ طَلْحَةَ وَاَنَا رَدِيْفُ اَبِيْ طَلْحَةَ فَاَجْرٰى نَبِيُّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ زُقَاقِ خَيْبَرَ وَاِنَّ رُكْبَتِيْ لَتَمَسُّ فَخِذَ نَبِيِّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ حَسَرَ الْاِزَارَ عَنْ فَخِذِهٖ حَتّٰى اِنِّيْ اَنْظُرُ اِلٰى بَيَاضِ فَخِذِ نَبِيِّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا دَخَلَ الْقَرْيَةَ قَالَ اللّٰهُ اَكْبَرُ خَرِبَتْ خَيْبَرُ اِنَّا اِذَا نَزَلْنَا بِسَاحَةِ قَوْمٍ فَسَاءَ صَبَاحُ الْمُنْذَرِيْنَ قَالَهَا ثَلَاثًا قَالَ وَخَرَجَ الْقَوْمُ اِلٰى اَعْمَالِهِمْ فَقَالُوْا مُحَمَّدٌ قَالَ عَبْدُ الْعَزِيْزِ وَقَالَ بَعْضُ اَصْحَابِنَا وَالْخَمِيْسُ يَعْنِي الْجَيْشَ قَالَ فَاَصَبْنَاهَا عَنْوَةً فَجُمِعَ السَّبْيُ فَجَاءَ دِحْيَةُ فَقَالَ يَا نَبِيَّ اللّٰهِ اَعْطِنِيْ جَارِيَةً مِنَ السَّبْيِ فَقَالَ اذْهَبْ فَخُذْ جَارِيَةً فَاَخَذَ صَفِيَّةَ بِنْتَ حُيَيٍّ فَجَاءَ رَجُلٌ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا نَبِيَّ اللّٰهِ اَعْطَيْتَ دِحْيَةَ صَفِيَّةَ بِنْتَ حُيَيٍّ سَيِّدَةَ قُرَيْظَةَ وَالنَّضِيْرِ لَا تَصْلُحُ اِلَّا لَكَ قَالَ ادْعُوْهُ بِهَا فَجَاءَ بِهَا فَلَمَّا نَظَرَ اِلَيْهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ خُذْ جَارِيَةً مِنَ السَّبْيِ غَيْرَهَا قَالَ فَاَعْتَقَهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَتَزَوَّجَهَا فَقَالَ لَهٗ ثَابِتٌ يَا اَبَا حَمْزَةَ مَا اَصْدَقَهَا قَالَ نَفْسَهَا اَعْتَقَهَا وَتَزَوَّجَهَا حَتّٰى اِذَا كَانَ بِالطَّرِيْقِ جَهَّزَتْهَا لَهٗ اُمُّ سُلَيْمٍ فَاَهْدَتْهَا لَهٗ مِنَ اللَّيْلِ فَاَصْبَحَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَرُوْسًا فَقَالَ مَنْ كَانَ عِنْدَهٗ شَيْءٌ فَلْيَجِئْ بِهٖ وَبَسَطَ نِطَعًا فَجَعَلَ الرَّجُلُ يَجِيْءُ بِالتَّمْرِ وَجَعَلَ الرَّجُلُ يَجِيْءُ بِالسَّمْنِ قَالَ وَاَحْسِبُهٗ قَدْ ذَكَرَ السَّوِيْقَ قَالَ فَحَاسُوْا حَيْسًا فَكَانَتْ وَلِيْمَةَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ۔

ترجمہ، حضرت انس بن مالکؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلعم نے خیبر پر چڑھائی کی تو ہم نے خیبر کے پاس اندھیرے میں صبح کی نماز ادا کی۔ آپ نبی اکرم صلعم سوار ہوئے حضرت ابو طلحہ بھی سوار ہوئے جن کا میں ردیف تھا۔ تو جناب نبی اکرم صلعم خیبر کی گلیوں میں چلنے پھرنے لگے جبکہ میرے گھٹنے نبی اللہ صلعم کی ران کو چھو رہے تھے۔ پھر آپ نے اپنی ران سے تہ بند کو کھول دیا۔ یہاں تک کہ میں جناب نبی اکرم صلعم کی ران کی سفیدی کو دیکھ رہا تھا جب آپ بستی میں داخل ہوئے تو نعرہ تکبیر اللہ اکبر بلند کیا اور فرمایا کہ خیبر ویران ہو گیا پھر آیت پڑھی کہ جب ہم کسی قوم کے میدان میں اترتے ہیں تو ان ڈرائے ہوئے لوگوں کی صبح بری ہوتی ہے ان کلمات کو آپ نے تین مرتبہ دہرایا۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ قوم یہود اپنے اپنے کاموں کو نکل کر جاتے

تھے آپ کو دیکھ کر کہنے لگے محمد (صلعم) حضرت عبدالعزیز استاذ بخاریؒ فرماتے ہیں کہ ہمارے بعض ساتھیوں نے کہا الخمیس یعنی لشکر بھی ہے۔ الغرض ہم نے یہ شہر طاقت کے زور پر فتح کر لیا۔ قیدی عورتیں جمع کی گئی حضرت وحیۃؓ کلبیؓ تشریف لاکر فرمانے لگے یا نبی اللہ ان قیدی عورتوں میں سے ایک باندی مجھے عنایت فرمایئے۔ آپؐ نے فرمایا جا کر لے لو تو انہوں نے حضرت صفیہ بنت حُییّؓ کو لے لیا تو ایک آدمی جناب نبی اکرم صلعم کی خدمت میں حاضر ہو کر کہنے لگا اے اللہ کے نبی! آپؐ نے حضرت وحیۃ کلبیؓ کو صفیہؓ بنت حیی عطا کر دی جو قبیلہ بنو قریظہ اور بنو نضیر کی ملکہ ہے وہ تو آپؐ کے سوا اور کسی کے لائق نہیں ہے۔ چنانچہ آنحضرت صلعم نے بمعہ باندی کے حضرت وحیہؓ کو بلوا لیا۔ چنانچہ جب حضرت دحیہؓ اس کو لے کر حاضر ہوئے تو آپؐ نے منجور حضرت صفیہ کو دیکھا اور حضرت دحیہؓ سے فرمایا آپ ان کے علاوہ کوئی اور باندی لے لیں۔ حضرت بی بی صفیہؓ کو آپؐ نے آزاد فرما دیا اور اس سے نکاح کر لیا۔ حضرت ثابتؓ نے حضرت انسؓ سے پوچھا اے ابوحمزہ! ان کا حق مہر کیا مقرر فرمایا۔ فرمایا ان کی ذات ہی حق مہر ہوا کہ اس کو آزاد کر کے آپؐ نے اس سے نکاح کر لیا۔ یہاں تک واپسی میں راستہ میں حضرت ام سلیمؓ نے ان کو بنا سنوار کر رات کو حضور اکرم صلعم کے پاس بھیج دیا جب صبح کو حضور اکرم صلعم شب زفاف گذار چکے تو حکم دیا جس کے پاس جو کچھ ہو وہ لے آئے اور ایک چمڑے کا دسترخوان بچھا دیا۔ تو کوئی کھجور لا رہا تھا کسی نے گھی پیش کیا۔ راوی فرماتے ہیں میرا گمان ہے کہ ستو کا ذکر بھی ہوا۔ پھر انہوں نے ان سب کو رلا ملا کر خلط ملط کر کے ایک قسم کا حلوہ بنا لیا۔ پس یہی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ولیمہ تھا۔

تشریح از شیخ مدنیؒ۔ فخذ کے عورت ہونے میں اختلاف ہے۔ امام ابوحنیفہؒ، امام شافعیؒ اور امام مالک کا قول راجح اور امام احمدؒ کا راجح قول یہی ہے کہ فخذ عورت ہے۔ دوسرا قول ان حضرات کا یہ بھی ہے کہ فخذ عورت نہیں مالکیہؒ کا عمل اسی پر ہے۔ جمہور ران کو ننگ شمار کرتے ہیں مصنفؒ کا میلان بھی اسی طرف معلوم ہوتا ہے۔ مگر کوئی قطعی فیصلہ نہیں کیا۔ ویروی عن ابن عباس الخ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مصنفؒ کو اس کی سند میں کچھ کلام ہے مگر دیگر روایات اس کا اثبات کرتی ہیں اور بعض روایات دلالت کرتی ہیں کہ فخذ عورت نہیں ہے۔ مصنفؒ تطبیق بین الروایات کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ حدیث انسؓ سند کے اعتبار سے نہایت صحیح ہے اور اختلاف کو دور کرنے کی وجہ سے حدیث جرھد احوط ہے۔ وفخذہ علی فخذی اس پر اشکال ہوتا ہے کہ مصنفؒ کا استدلال تام تب ہوتا۔ جبکہ فخذ مکشوف

ہو وہ روایات سے ثابت نہیں تو کہا جائے گا کہ ایک شخص کی عورت کو دوسرے کی عورت پر رکھنا عادۃً منکر ہے اور
طبعی طور پر ناز یبا ہے بالخصوص آنجناب نبی اکرم صلعم کی طبیعت میں حیا بہت زیادہ تھا۔ جس کی آپ نے بہت زیادہ
تاکید بھی فرمائی تو اگر فخذ عورت ہوتی تو باوجود منکر ہونے کے ایک دوسرے پر رکھنے کی نوبت نہ آتی حسر
الازار عن فخذہ سے بھی مصنفؒ استدلال کر رہے ہیں۔ مگر جمہور فرماتے ہیں کہ الفخذ عورۃ اور فریابی وغیرہ
کی روایت میں ہے یا علی لا تنظر فخذ حیّ و میّتٍ کہ علی زندہ اور مردہ کسی کی ران کو نہ دیکھو ان قولی
روایات کی وجہ سے جمہور فخذ کو عورت کہتے ہیں اور یہ تین وجوہ جو مصنفؒ نے ذکر فرمائے ہیں۔ ان میں سے
رکبہ کے عورت ہونے میں خود ما بین الائمہ اختلاف ہے۔ رکبہ کی تین ہڈیاں ہیں۔ اس میں فخذ کا بھی کچھ حصہ آتا
ہے جب رکبہ کے ستر کا حکم دیا گیا تو فخذ کے ستر کا حکم بطریق اولی ہوگا۔ مگر کہا جائے گا کہ پہلے تو اجزاء فخذ
کو ثابت کیا جائے کہ ان میں رکبہ (گھٹنا) داخل ہے، دوسرے یہ ثابت کیا جائے کہ آپ کا فخذ کا ننگا رکھنا اختیاری
ہو ممکن ہے بے خیالی میں کشفِ فخذ ہو گیا ہو۔ حضرت عثمانؓ جب تشریف لائے تو ان کے غلبۂ حیا کی
وجہ سے آپ کو خیال آیا کہ جھٹ پٹ رکبہ کو ڈھانک لیا۔ دوسرا استدلال فخذہ علی فخذی سے تھا۔
اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ یہاں کشف کا ذکر نہیں، دوسرے یہ کہ نزول وحی کی حالت بے اختیاری کی ہے
جس میں آپ نے عملاً قصداً کشف فخذ نہیں بلکہ بغیر قصد کے ہو گیا۔ اور حسر الازار عن فخذہ یہاں سے
بھی قصداً کشف فخذ معلوم نہیں ہوتا۔ بلکہ مسلم جلد ثانی ص۱۱۱ پر ہے انحسر الازار عن فخذہ اس سے بھی قصداً
کشف فخذ معلوم نہیں ہوتا۔ بلکہ خود بخود ازار کھل گئی۔ اور گھوڑ دوڑ میں عموماً ایسا ہوتا ہی ہے۔ بہر حال ان تینوں
سے استدلال کرنا صحیح نہیں، کیونکہ یہ واقعات جزئیہ ہیں، احادیث قولیہ قواعد کلیہ ہوتے ہیں۔ نیز اس واقعہ
میں یہ نہیں کہا جا سکتا۔ کہ آیا یہ نہی سے پہلے کا واقعہ ہے یا بعد کا۔ لہٰذا احادیث قولیہ قابل عمل ہوں گی

تشریح از شیخ زکریاؒ۔ چونکہ فخذ کے اندر اختلاف تھا۔ اس لئے امام بخاریؒ نے یہ باب منعقد فرمایا، چونکہ
امام بخاریؒ خود ران کے عورت ہونے کے متعلق رائے نہیں رکھتے۔ اس لئے یذکر بصیغۂ مجہول ذکر فرمایا۔ مگر
چونکہ حضرت جرہدؓ کی روایت بھی غطّ فخذ کا حکم وارد ہوا ہے وہ روایت اگرچہ روایت انسؓ کے بالمقابل
قوی نہیں ہے۔ مگر پھر بھی احوط یہی ہے۔ اس لئے اس کی طرف بھی متوجہ فرمادیا۔ کہ اصل تو عورت سوئتین یعنی
قبل اور دبر ہیں۔ لیکن ستر فخذ بھی احتیاطاً کرنا چاہیئے جیسا کہ حدیث جرہدؓ کا مقتضٰی ہے۔ غطی النبی صلی اللہ
علیہ وسلم رکبتیہ یہ اس وقت کا واقعہ ہے جبکہ حضور اقدس صلعم کنویں کی من پر تشریف فرما تھے ملتے ہیں

حضرت ابوبکرؓ نے داخل ہونے کی اجازت چاہی تو اجازت مل گئی۔ حضرت عمرؓ نے اجازت چاہی تو اُن کو بھی مل گئی۔ مگر جب حضرت عثمانؓ آئے تو آپؐ نے اپنی ران ڈھانک لی۔ تو امام بخاریؒ کا اس سے استدلال یہ ہے کہ اگر رکبہ عورت ہوتا تو اس کو نبی اکرم صلعم پہلے ہی ڈھانک لیتے جو لوگ اس کے عورت ہونے کے قائل ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ کھلے ہونے کا مطلب یہ ہے کہ کرتہ ہٹا ہوا تھا اور تہبند نیچے کو تھا۔ اس کو درست فرمایا نہ یہ کہ بالکل ران کھلی ہوئی تھی اس کو ڈھکا۔ حضور اکرم صلعم کا یہ فعل اس لئے تھا کہ جب کوئی ایسا ویسا آدمی آئے تو کرتہ درست کرتے ہیں۔ و فخذہ علی فخذی۔ امام بخاریؒ پر یہاں اشکال کیا جاتا ہے کہ فخذ پر فخذ ہونے سے اس کا مکشوف ہونا کہاں سے لازم آگیا۔ علامہ سندھیؒ نے امام بخاریؒ کی طرف سے توجیہ فرمائی ہے کہ اگر فخذ عورت ہوتا تو اس کا حائل سے چھونا بھی جائز نہ ہوتا۔ جیسے سوئتین کا چھونا جائز نہیں۔ علامہ سندھیؒ نے توجیہ اچھی کی۔ مگر یہ کہنا کہ اگر ستر ہوتا تو سوئتین کی طرح اس کا بھی چھونا جائز نہ ہوتا۔ یہ کچھ نہیں اس لئے کہ سوئتین چونکہ محل شہوت ہیں اس لئے ان کا چھونا ممنوع ہے۔ بخلاف فخذ کے وہ محل شہوت نہیں ہے۔ فثقلت علیّ حتی خفت الخ یہ وحی کا بوجھ تھا۔ جو بوقت نزول وحی حضور اکرم صلعم پر ہوا کرتا تھا حتیٰ کہ اونٹنی بھی بیٹھ جایا کرتی تھی۔ وان رکبتی لتمس فخذ نبی اللہ صلعم یہ اس واسطے کہ اونٹ کے چلنے سے جنبش بہت ہوتی ہے۔ بالخصوص جبکہ وہ تیز بھی چل رہا ہو۔ ثم حسر الازار اس سے امام بخاریؒ نے استدلال فرمایا ہے کہ فخذین عورت نہیں ہیں۔ جمہور کی طرف سے اس کا جواب یہ ہے کہ مسلم شریف کی روایت میں انحسر کا لفظ ہے۔ تو گویا یہاں حسر سے انحسر مراد ہے یعنی وہ خود بخود کھل گئی نہ کہ نبی کریم صلعم نے اسے خود کھول دیا ہو۔ والخمیس یعنی الجیش جیش کو خمیس اس لئے کہتے ہیں کہ وہ پانچ طبقوں پر منقسم ہوتا ہے۔ مقدمۃ الجیش۔ مؤخرہ، میمنہ۔ میسرہ۔ قلب۔ قلب کے اندر امیر ہوتا ہے۔ مشہور اور چیدہ چیدہ لوگ ہوتے ہیں۔ کیونکہ فتح و ہزیمت سردار کے اوپر موقوف ہوتی ہے۔ وہ قتل ہو جائے تو گویا لشکر شکست کھا گیا۔ فاخذ صفیۃ بنت حیی الخ حضرت صفیہؓ بڑی خوبصورت اور سردار قوم کی لڑکی تھیں جب حضرت دحیہ کلبیؓ نے انہیں لے لیا۔ تو ایک آدمی نے حضور اکرم صلعم سے آکر کہا۔ کہ یا رسول اللہ حضرت صفیہؓ آپؐ کے لئے مناسب ہے۔ کیونکہ وہ قبیلہ کے سردار کی لڑکی ہے۔ اگر آپؐ اس سے نکاح کرلیں گے تو بہت لوگ مسلمان ہو جائیں گے۔ چنانچہ حضور اکرم صلعم نے ان کو لے لیا آزاد کرکے نکاح فرمادیا۔ نبی اکرم صلعم نے جتنے نکاح فرمائے ان میں دینی مصلحتیں تھیں۔ وہ کسی شہوت اور تعیش کی بنا پر

العیاذ باللہ نہیں تھے۔ اس لئے کہ جب شباب کا زمانہ تھا۔ تو ایک چالیس سالہ عورت سے نکاح کیا جو پہلے دو خاوند کر چکی تھی اور تریپن ۵۳ سال کی عمر تک دوسری شادی نہ کی۔ گو حضرت عائشہ رضؓ کی شادی قبل از ہجرت ہو گئی تھی۔ مگر زفاف بعد از ہجرت ہوا۔ اگر کہیں موقعہ ہوا تو اس کو پھر بیان کروں گا یا ابا حمزہ یہ حضرت انس رضؓ کی کنیت ہے۔ قال نفسھا یہ مسئلہ کتاب النکاح ہے تفصیل تو وہاں آئے گی مختصر یہ ہے کہ اس کے قائل صرف امام احمدؒ ہیں۔ اور ائمہ ثلاثہ میں سے کوئی بھی اس کا قائل نہیں ہے۔ فلیجئ بہ یہ اس وجہ سے تھا تاکہ حضور اکرم صلعم دعوت ولیمہ فرمائیں۔ کیونکہ گھر تو تھا نہیں کہ اپنے گھر لے جا کر ولیمہ فرماتے ادعوہا حضرت دحیہ کلبیؓ سے حضرت صفیہ رضؓ کو اس لئے واپس لے لیا۔ کیونکہ خود آپؐ کے ان سے نکاح کرنے میں ساری قوم کی دلداری تھی اور عوام کے فائدہ کی وجہ سے خواص کے نقصان کا لحاظ نہیں کیا جاتا۔ قال نفسہا اعتقھا اس سے امام احمدؒ نے استدلال کیا ہے کہ بغیر مہر کے محض اعتاق پر اگر نکاح ہو جائے تو جائز ہے اور وہ اعتاق ہی اس کا مہر ہے ائمہ ثلاثہ کے نزدیک یہ جائز نہیں اور اس حدیث کا پہلا جواب امام طحاویؒ نے دیا ہے کہ اگر اعتاق نکاح سے پہلے تھا۔ تو اب نکاح کے وقت وہ اعتاق مہر نہیں ہو گا۔ اگر نکاح کے بعد آزاد فرمایا۔ تو یہاں نکاح کے وقت مہر کا ذکر نہیں تھا۔ تو یہاں یہی کہا جائے گا۔ کہ اعتاق پر نکاح نہیں ہوا۔ بلکہ مہر پر ہوا ہے۔ اگرچہ اس وقت مہر مسمی نہ ہو۔ اور دوسرا جواب یہ ہے کہ روایات میں تصریح ہے کہ حضور اکرم صلعم نے نکاح میں زرینہ نامی ایک باندی مہر میں دی تھی۔ اور یہاں حضرت انس رضؓ کا فرمانا ان کے علم پر موقوف ہے

باب فِیْ کَمْ تُصَلِّی الْمَرْاَۃُ مِنَ الثِّیَابِ وَقَالَ عِکْرِمَۃُ لَوْ وَارَتْ جَسَدَھَا فِیْ ثَوْبٍ جَازَ۔

ترجمہ:۔ عورت کتنے کپڑوں میں نماز پڑھے۔ حضرت عکرمہ نے فرمایا اگر عورت ایک کپڑے میں اپنے سارے بدن کو چھپا لے تو جائز ہے۔

حدیث نمبر ۳۵۹ حَدَّثَنَا اَبُوْالْیَمَانِ الخ اَنَّ عَآئِشَۃَ قَالَتْ لَقَدْ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یُصَلِّی الْفَجْرَ فَتَشْہَدُ مَعَہٗ نِسَآءٌ مِّنَ الْمُؤْمِنَاتِ مُتَلَفِّعَاتٍ فِیْ مُرُوْطِہِنَّ ثُمَّ یَرْجِعْنَ اِلٰی بُیُوْتِہِنَّ مَا یَعْرِفُہُنَّ اَحَدٌ (الحدیث)

ترجمہ:۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ فرماتی ہیں کہ جناب رسول اللہ صلعم صبح کی نماز پڑھتے تھے تو مومن عورتیں

بھی آپؐ کے ساتھ اس حال میں حاضر ہوتیں کہ وہ اپنی اپنی کمبلوں میں لپٹی ہوئی ہوتی تھیں جب وہ اپنے گھروں کو واپس لوٹتیں تو انہیں کوئی پہچان نہیں سکتا تھا۔

تشریح از شیخ مدنی رر مصنفؒ نے کوئی عدد تو ذکر نہیں کیا۔ مگر جو اثر نقل کیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک کپڑا بھی نماز کے لئے کافی ہوتا ہے۔ اب اشکال یہ ہے کہ حدیث سے ترجمۃ الباب کیسے ثابت ہوا، کیونکہ روایت میں کیفیت کا کوئی پتہ نہیں، مگر چونکہ اس زمانہ میں کپڑے بہت کم تھے جب مرد دو کپڑے نہیں رکھتا تھا تو عورتیں کیسے پہن سکتی ہیں۔ اب جو عورتیں متلفعات یعنی لپٹی ہوئی آتی ہیں۔ ان میں بھی احتمال ہے کہ صرف یہی ایک کمبلی ہو۔ بقیہ بدن ننگا ہو۔ تو اس سے جواز فی ثوب ثابت ہوا۔ اثر عکرمہ بھی اسی پر دلالت کرتا ہے۔

تشریح از شیخ زکریاؒ۔ اس سلسلہ میں جمہور کا مذہب یہ ہے کہ عورت کے ستر کے لئے جس قدر کپڑا کافی ہو اسے استعمال کرے۔ بعض کی رائے ہے کہ دو کپڑے لے۔ اور بعض کی رائے ہے کہ تین لے۔ اس طرح ایک قول چار کا بھی ہے۔ عورت کا تمام بدن ستر ہے الا الوجہ والکفین واختلف فی القدمین یعنی چہرہ اور ہتھیلیاں ستر نہیں پاؤں کے ستر ہونے میں اختلاف ہے۔ متلفعات بمروطھن اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صرف تلفع (التباس) ضروری ہے۔ ظاہر ہے کہ وہ ایک ہی کپڑا تھا۔ امام بخاریؒ کے استدلال پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ وہ گرم چادر برقعہ کے طور پر ہوتی تھی۔ یہ نہیں کہ اس کے علاوہ جسم پر کوئی کپڑا نہیں ہوتا تھا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں استدلال بطریق احتمال ہے کیونکہ احتمال ہے کہ کوئی اور کپڑا نہ ہو۔ اور یہ بھی توجیہ ہو سکتی ہے کہ چونکہ صحابہ کرام کے زمانہ میں کپڑوں کی تنگی تھی اس لئے ہو سکتا ہے کہ عورتوں کے پاس صرف ایک چادر ہو۔

باب اِذَا صَلّٰی فِیْ ثَوْبٍ لَّهٗ اَعْلَامٌ وَّ نَظَرَ اِلٰی عَلَمِهَا۔

ترجمہ:۔ جب آدمی ایسے کپڑے میں نماز پڑھے کہ جس میں نقش و نگار ہوں اور وہ ان کی طرف نماز میں دیکھ رہا ہو اس کا کیا حکم ہے۔

حدیث نمبر ۳۶۰ حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ یُوْنُسَ الخ عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ صَلّٰی فِیْ خَمِیْصَةٍ لَّهَا اَعْلَامٌ فَنَظَرَ اِلٰی اَعْلَامِهَا نَظْرَةً فَلَمَّا انْصَرَفَ قَالَ اذْهَبُوْا بِخَمِیْصَتِیْ هٰذِهٖ اِلٰی اَبِیْ جَهْمٍ وَّاْتُوْنِیْ بِاَنْبِجَانِیَّةِ اَبِیْ جَهْمٍ فَاِنَّهَا اَلْهَتْنِیْ اٰنِفًا عَنْ

صَلوٰتِی وَقَالَ ہِشَامُ بْنُ عُرْوَۃَ عَنْ اَبِیْہِ عَنْ عَائِشَۃَ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کُنْتُ اَنْظُرُ اِلٰی عَلَمِہَا وَاَنَا فِی الصَّلٰوۃِ فَاَخَافُ اَنْ یَّفْتِنَنِیْ (الحدیث)

ترجمہ:۔ حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ جناب نبی اکرم صلعم نے ایک ایسی سیاہ چادر میں نماز پڑھی جس کے کناروں پر بیل بوٹے بنے ہوئے تھے۔ آپؐ نے ایک نگاہ بھر کر ان نقوش کو دیکھا جب نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا کہ میری یہ چادر ابوجہم کی طرف لے جاؤ اور ابوجہم سے انبجانیہ والی چادر میرے پاس لے آؤ کیونکہ اس نے تو ابھی مجھے میری نماز سے غافل کر دیا تھا۔ حضرت ہشام کی روایت میں ہے کہ جناب نبی اکرم صلعم نے فرمایا کہ میں اس چادر کے نقش و نگار کو نماز میں دیکھتا رہا۔ مجھے اندیشہ ہوا کہ کہیں مجھے فتنہ میں مبتلا نہ کر دے۔

تشریح از شیخ مدنیؒ۔ روایت باب سے معلوم ہوا کہ ایسا کپڑا جس سے نماز میں خیال بٹ جائے اس میں نماز ادا کرنا مکروہ ہے۔ اگر ایسا کپڑا پہن کر نماز پڑھ لی تو نماز ہو جائے گی۔

تشریح از شیخ زکریاؒ۔ اس روایت سے معلوم ہوا کہ پھولدار کپڑوں کو پہن کر نماز پڑھنا جائز ہے۔ یہی امام بخاریؒ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ اگر نماز میں ادھر ادھر کا خیال آجاوے تو نماز ہو جائے۔ اگرچہ پھولدار کپڑے پہننے کی وجہ سے خیال دل میں آجاوے صلّی فی خمیصۃ الخ یعنی ایک کملی میں نماز پڑھی جو ابوجہم نے خدمتِ اقدس میں ہدیہ کی تھی۔ حضور اقدس صلعم نے اس کملی کو واپس کرنے اور ابوجہم کی موٹی چادر لانے کا حکم اس لئے دیا کہ کہیں ابوجہم میں ہدیہ واپس کرنے کا خیال نہ گزرے لہٰذا آپؐ نے انبجانیہ چادر منگوائی تاکہ ان کی دل جوئی ہو۔ اور کملی اس لئے واپس فرما دی کہ اس کی وجہ سے پھولوں کی خوشنمائی کا خیال آگیا تھا۔ فانّھا الھتنی آنفا شراح بخاری کی قاطبۃً رائے یہ ہے کہ کادت ان تلھتنی یعنی الھاء (مشغول ہونا) واقع نہیں ہوا تھا۔ بلکہ واقع ہونے کے قریب تھا۔ اس کی دلیل اخاف ان تفتننی ہے جس کو امام بخاریؒ نے تعلیقاً ذکر فرمایا ہے۔ اور اس کو امام بخاریؒ نے ذکر فرما کر الھتنی کی تفسیر فرما دی کہ الھتنی واقع نہیں ہوا بلکہ قریب تھا کہ واقع ہو جائے۔ تو گویا شراح کے نزدیک روایت ثانیہ معلقہ کی بنا پر روایت اولیٰ مؤول ہے۔ مگر میرے نزدیک تاویل کی ضرورت نہیں چونکہ یہ دونوں لفظ حدیث پاک میں آگئے ہیں۔ اس لئے جب تک ان کے معنی بلا تاویل کے بن سکتے ہیں۔ بنا لئے جائیں۔ چنانچہ یہاں معنی بن سکتے ہیں اور وہ یہ کہ الھاء سے مراد الھاء خفیف یعنی ادھر اُدھر کا تھوڑا سا خیال آجانا اور افتتان یہ ہے کہ ان خیالات اور تفکرات کی شدت

جائے۔ تو العتنی کا مطلب یہ ہوا کہ کچھ خیال آیا۔ اور احناف ان یفتننی کا مطلب یہ ہے کہ ان کی بھرمار نہیں ہوئی۔ اور میرے قول کی تائید اس سے ہوتی ہے۔ کہ فقہا نے ایک مسئلہ بیان کیا ہے کہ اگر ادھر ادھر کا خیال آجائے۔ تو نماز صحیح ہو جائے گی۔ مگر یہ خیالات بہتر نہیں ہیں اور فقہا دلیل میں اسی حدیث کو پیش کرتے ہیں، تو اگر الھا واقع نہ ہوا تو فقہا کا استدلال کیسے صحیح ہو گا۔ لیکن خیالات وغیرہ لانا مکروہ ہو گا۔ اور جس درجہ کا الھا ہو گا۔ اسی درجہ کی کراہت ہو گی، حتیٰ کہ کبھی تنزیہی اور کبھی تحریمی تک نوبت پہنچ جائے گی، اور اس واقعہ کے بعد جناب نبی اکرم صلعم نے نماز پڑھی اور اعادہ نہیں فرمایا۔ تو اس سے نماز کی صحت معلوم ہو گئی اور چونکہ حضور اقدس صلعم نے وہ کپڑا واپس کر دیا۔ اس سے کراہت معلوم ہوئی۔ لیکن یہ یاد رہے کہ اس سے جناب رسول اکرم صلعم کی شان مبارک میں کسی قسم کا برا خیال نہ لایا جائے کیونکہ آپ تعلیم فعلی کے لئے تشریف لائے تھے۔ اس لئے حضور صلعم نے ایسے کر کے دکھلا دیا۔ کہ اگر ایسا واقعہ پیش آجائے تو نماز ہو جائے گی۔ یہی وجہ ہے کہ جو کام ہمارے لئے خلاف اولیٰ ہیں۔ ان کے کرنے پر آپ کو واجب پر عمل کرنے کا ثواب ملے گا۔ اسی واسطے آپ کو بیٹھ کر نماز پڑھنے پر بھی پورا ثواب ملتا ہے۔ اسی طرح صحابہ کرام سے گناہ سرزد ہوئے جیسے چوری زنا وغیرہ یہ سب امت کی تعلیم کے لئے تھے۔ کیونکہ ان کی تعلیم امت کے لئے ضروری تھی۔ چونکہ یہ سب نبی کی شان کے خلاف تھے اس لئے نبی کے اصحاب سے کرائے گئے

باب اِنْ صَلّٰى فِىْ ثَوْبٍ مُّصَلَّبٍ اَوْ تَصَاوِيْرَ هَلْ تَفْسُدُ صَلٰوتُهٗ وَمَا يُنْهٰى عَنْ ذٰلِكَ۔

ترجمہ:۔ جب صلیب اور تصویروں والے کپڑے میں نماز پڑھے تو کیا اس کی نماز فاسد ہو جائے گی۔ اور جن چیزوں سے منع کیا گیا ہے۔

حدیث نمبر ۳۶۱ حَدَّثَنَا اَبُوْ مَعْمَرٍ الخ عَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ قِرَامٌ لِّعَائِشَةَ سَتَرَتْ بِهٖ جَانِبَ بَيْتِهَا فَقَالَ النَّبِىُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَمِيْطِىْ عَنَّا قِرَامَكِ هٰذَا فَاِنَّهٗ لَا تَزَالُ تَصَاوِيْرُهٗ تَعْرِضُ فِىْ صَلٰوتِىْ (الحدیث)

ترجمہ:۔ حضرت انس رض فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہ رض کا ایک تصویروں والا پردہ تھا جس سے وہ اپنے گھر کے کنارے کو چھپا لیتی تھیں یا پردہ کر لیتی تھیں۔ جس پر جناب نبی اکرم صلعم نے فرمایا کہ اپنا یہ پردہ ہم سے ہٹا دو کیونکہ اس کی تصویریں میری نماز میں پیش آتی ہیں یا سامنے آتی رہیں۔

تشریح از شیخ مدنیؒ۔ قرام ایک باتصویر پردہ تھا جس کو حضرت عائشہؓ نے الماری پر لگا رکھا تھا آپؐ کے جسم پر یہ کپڑا نہیں تھا۔ دوسرے اس پر صلیب کی تصویر بھی نہ تھی۔ تو مطابقت کیسے ہوئی۔ پہلے اشکال کا جواب یہ ہے کہ جب کپڑا اپنے بدن پر نہ ہو جب تصاویر کی وجہ سے اس میں نماز پڑھنا ناجائز ہے۔ تو جب اپنے بدن پر ہو پھر تو بطریق اولیٰ ناجائز ہوگی۔ دوسرے اشکال کا جواب یہ ہے کہ مصلَّب کے معنی ہیں وہ نقش جو صلیب کی مانند ہو۔ اور آپؐ جہاں تصویر کو دیکھتے تھے اسے مٹا دینے کا حکم دیتے تھے۔ لہٰذا جب تصویر سے ممانعت آئی تو صلیب کی تصویر سے بھی ممانعت ہو جائے گی۔ اور بعض نے مصلب کے معنی مصوّر کے لئے ہیں۔

تشریح از شیخ زکریاؒ۔ روایت سے معلوم ہوا کہ نماز فاسد نہ ہوگی۔ صلیب اس صورت کو کہتے ہیں جس پر یہودیوں کے زعم فاسد کے مطابق انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سولی دی تھی جس کی صورت + اس قسم کی ہوتی ہے اور یہ نصرانیوں کے پاس ہوتی ہے۔ وہ اسے بابرکت سمجھتے ہیں۔ اب یہاں اشکال یہ ہے کہ ترجمہ میں دو جزء ذکر فرمائے گئے۔ ایک تصاویر کے متعلق اور دوسرا صلیب والے کپڑے کے متعلق اول جزء تو روایت سے ثابت ہوتا ہے۔ مگر دوسرا جزء ثوب مصلب وہ روایت سے ثابت نہیں ہوتا۔ شراح کی رائے یہ ہے کہ امام بخاریؒ بہت سی جگہ ترجمہ کو قیاس سے ثابت فرماتے ہیں یہاں بھی قیاس سے اس طرح ثابت فرما دیا کہ جب تصویر والے کپڑے میں نماز ہو جاتی ہے تو مصلب میں بطریق اولیٰ ہو جائے گی۔ کیونکہ وہ بھی تصویر ہوتی ہے۔ میرے نزدیک قیاس سے ثابت کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ خود یہی روایت جلد ثانی صر۔۸۸ پر آرہی ہے۔ اس میں صلیب کا لفظ موجود ہے۔ تو امام بخاریؒ نے یہاں پر اس آنے والی روایت سے استدلال کر لیا۔ اب یہ مصوّر کپڑا پہن کر کوئی نماز پڑھے تو مذہب کیا ہے حنفیہؒ اور شافعیہؒ کے نزدیک نماز ہو جائے گی۔ اور یہ فعل مکروہ ہوگا۔ یہی رائے جمہور کی ہے۔ اور امام بخاریؒ اس کی تائید فرما رہے ہیں۔ اور مالکیہؒ کے نزدیک وقت کے اندر اندر اعادہ کرے۔ اگر وقت میں اعادہ نہ کیا تو پھر اعادہ واجب نہیں ہوگا۔ حنابلہ کے نزدیک مشہور قول یہ ہے کہ نماز نہ ہوگی۔ امام بخاریؒ اسی پر رد فرما رہے ہیں قرام باریک پردہ کو قرام کہتے ہیں۔ لا تزال تصاویرہ الخ جب حضور اکرم صلعم کی نماز میں وہ تصاویر معارضہ کر سکتی ہیں۔ اس پر بھی آپؐ نے نماز پوری فرمائی اعادہ نہیں کیا تو معلوم ہوا نماز ہو گئی اور چونکہ مٹا دینے کا حکم فرمایا۔ اس سے اس کی کراہت معلوم ہوئی۔

باب مَنْ صَلّٰى فِيْ فَرُّوْجِ حَرِيْرٍ ثُمَّ نَزَعَهٗ۔

ترجمہ:۔ جس شخص نے ریشم کے چسٹر میں نماز پڑھی پھر اسے کھینچ ڈالا۔

حدیث نمبر ۳۶۲ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰہِ بْنُ یُوْسُفَ الخ عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ اُهْدِیَ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَرُّوْجُ حَرِیْرٍ فَلَبِسَہٗ فَصَلّٰی فِیْہِ ثُمَّ انْصَرَفَ فَنَزَعَہٗ نَزْعًا شَدِیْدًا کَالْکَارِہِ لَہٗ وَقَالَ لَا یَنْبَغِیْ هٰذَا لِلْمُتَّقِیْنَ۔

ترجمہ:۔ حضرت عقبہ بن عامرؓ فرماتے ہیں کہ ریشم کا ایک چسٹر جناب نبی اکرم صلعم کو ہدیہ میں دیا گیا آپ نے اسے پہن کر نماز پڑھی پھر اس کو اتنا سخت کھینچ کر پھینکا گویا کہ آپ اس سے نفرت کرنے والے ہیں، فرمایا یہ پرہیزگاروں کے لائق نہیں ہے۔

تشریح از شیخ زکریاؒ۔ فروج حریر پہن کر نماز پڑھنا جائز ہے۔ اس لئے کہ حضور اکرم صلعم نے اس میں نماز پڑھی۔ نفرت کا اظہار کیا اعادہ نہیں فرمایا۔ لیکن مکروہ ضرور ہے اس لئے آپ نے اس کو نکال پھینکا اور مالکیہ کی رائے یہ ہے کہ وقت کے اندر اندر اعادہ کرے۔ فروج ریشم کا وہ چوغہ ہے جس میں چاک کھلے ہوتے ہوں جیسے آجکل چسٹر کہتے ہیں اس کو پہن کر نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے۔ لیکن جمہور کے نزدیک صرف مکروہ ہے۔ آپ نے کیوں پڑھی۔ علامہ عینیؒ اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ حضور صلعم کا یہ فعل تحریم حریر سے پہلے کا ہے۔ ایسی صورت میں حضور اکرم صلعم کا اس کو کالکارہ (ناپسند کرنا) نکالنا قلب اطہر کی صفائی اور آئندہ جو حرام ہونے والی ہے اس سے نفرت کا اظہار کرنا ہے۔ اور میری رائے یہ ہے کہ اسے قبل از تحریم پر محمول کرنے کی ضرورت نہیں بلکہ اس میں آپ نے بیان جواز اور تعلیم کے لئے پڑھی ہے اور یہ بتلا دیا کہ نماز تو ہو جائے گی مگر مکروہ ہوگی اور ساتھ ہی ساتھ ریشم کے استعمال کا گناہ بھی ہوگا۔

باب الصَّلٰوةِ فِی الثَّوْبِ الْاَحْمَرِ

ترجمہ:۔ سرخ کپڑے میں نماز پڑھنا کیسا ہے۔

حدیث نمبر ۳۶۳ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَرْعَرَةَ الخ عَنْ اَبِیْ جُحَیْفَةَ قَالَ رَاَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِیْ قُبَّةٍ حَمْرَاءَ مِنْ اَدَمٍ وَرَاَیْتُ بِلَالًا اَخَذَ وَضُوْءَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَرَاَیْتُ النَّاسَ .... یَبْتَدِرُوْنَ ذٰلِكَ الْوَضُوْءَ فَمَنْ اَصَابَ مِنْہُ شَیْئًا تَمَسَّحَ بِہٖ وَمَنْ لَّمْ یُصِبْ مِنْہُ شَیْئًا اَخَذَ مِنْ بَلَلِ یَدِ صَاحِبِہٖ ثُمَّ رَاَیْتُ بِلَالًا

اَخَذَ عَنَزَةً لَہٗ فَرَکَزَھَا فَخَرَجَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِیْ حُلَّۃٍ حَمْرَآءَ مُشَمِّرًا صَلّٰی اِلَی الْعَنَزَۃِ بِالنَّاسِ رَکْعَتَیْنِ وَرَاَیْتُ النَّاسَ وَالدَّوَآبَّ یَمُرُّوْنَ مِنْ بَیْنِ یَدَیِ الْعَنَزَۃِ (الحدیث)

ترجمہ، حضرت ابو جحیفہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے جناب رسول اللہ صلعم کو چمڑے کے ایک سُرخ خیمے میں دیکھا اور حضرت بلالؓ کو دیکھا کہ انھوں نے جناب رسول اللہ صلعم کے وضو سے بچے ہوئے پانی کو لے رکھا ہے اور لوگوں کو دیکھا کہ وہ اس پانی کی طرف لپک رہے ہیں۔ جس کو اس پانی میں سے کچھ مل جاتا ہے وہ اپنے بدن کو مل لیتا ہے۔ جس کو کچھ نہیں ملتا وہ اپنے ساتھی کے ہاتھ کی تری سے لے لیتا ہے۔ پھر حضرت بلالؓ کو دیکھا کہ وہ ایک چھوٹا نیزہ لے آئے جسے لاکر گاڑ دیا۔ اور جناب نبی اکرم صلعم چادر اٹھائے ہوئے سُرخ جوڑے میں باہر تشریف لائے چھوٹے نیزہ کی طرف منہ کرکے لوگوں کو دو رکعت نماز پڑھائی۔ لوگوں اور جانوروں کو میں نے اس عنزہ کے آگے سے گذرتے دیکھا۔

تشریح از شیخ مدنیؒ۔ ثوب احمر کے بارے میں امام صاحبؒ سے آٹھ روایات ہیں۔ مشہور یہ ہے کہ وہ کراہت تحریمی کے قائل ہیں۔ حلّہ حمراء سے مراد امام صاحبؒ حلۃ حمراء لیتے ہیں، جس میں دھاریاں ہوں۔ لہٰذا حنفیہ کے خلاف استدلال نہیں ہو سکے گا۔

تشریح از شیخ زکریاؒ۔ ثوب احمر کے بارے میں روایات بہت مختلف ہیں۔ بعض سے جواز اور بعض سے ممانعت معلوم ہوتی ہے اس بارے میں شراح نے سات اقوال نقل کئے ہیں اور خود احناف کے یہاں باوجود قلت روایات کے اس مسئلہ میں آٹھ روایات ہیں جن کو میں نے حاشیہ کوکب میں لکھ دیا ہے۔ منجملہ ان کے تحریم۔ استحباب اور کراہت بھی ہے حضرت گنگوہیؒ نے اپنی تقریرات اور فتاویٰ میں جو قول اختیار فرمایا ہے وہ یہ کہ جن روایات سے پہن لینا ثابت ہے۔ وہ بیان جواز پر محمول ہیں اور جن روایات سے ممانعت معلوم ہوتی ہے۔ وہ خلافِ اولیٰ ہونے پر محمول ہیں یعنی فی نفسہ جائز مگر خلاف اولیٰ ہے۔ اور میرے نزدیک اختلافِ روایات اور اختلافِ مذاہب کا سبب رنگ کی حقیقت میں اختلاف اور تشبہ بالنساء ہوتا معلوم ہوتا ہے۔ لہٰذا جن روایات سے ممانعت معلوم ہوتی ہے۔ وہ ان رنگوں پر محمول ہیں جن کے اندر ناپاک چیز کی ملاوٹ کا احتمال ہو مثلاً اب سے چالیس سال پہلے یہ مشہور تھا کہ سُرخ رنگ میں خون پڑتا ہے۔ لہٰذا جس رنگ میں خون ہو گا روایات منع اس پر محمول ہوں گی۔ پھر بعد میں معلوم ہوا کہ

ن میں خون نہیں پڑتا۔ تو روایات جواز اس پر محمول ہوں گی۔ پھر چونکہ سرخ رنگ میں تشبہ بالنسا ہے۔ تو جہاں جیسا تشبہ ہوگا۔ وہاں ایسی ہی کراہت ہوگی۔ مثلاً کوئی سرخ قمیص پہنے اس کے اندر کراہت ہے کیونکہ یہ تشبہ بالنسا ہے۔ اگر یہ رنگ کوئی چادر کو دے پھر کوئی مرد اس کو پہنے تو اس میں مزید تشبہ بالنسا ہے لیکن رضائی اور لحاف کا استر اگر سرخ رنگ کا ہو تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔ اور نہ ہی کوئی کراہت ہے۔ کیونکہ یہ خاص نوع عورتوں کے ساتھ خاص نہیں لہٰذا تشبہ بھی نہ ہوگا۔ ایسے ہی اگر سرخ دھاریاں ہوں تو اس میں تشبہ نہیں۔ لہٰذا یہ بھی جائز ہے۔ خرج النبی صلعم الخ حلۃ حمراء جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ وہ دھاریوں والا حلہ (پوشاک) تھا۔ ان پر کوئی اشکال نہیں ایسے ہی اس میں تشبہ بالنسا بھی نہ ہوا۔ رأیت الناس والدواب الخ یہ جملہ حدیث مرور بین یدی المصلی سے متعلق ہے جس سے معلوم ہوا کہ عنزہ سے آگے گذرنا قاطع صلوٰۃ ہے اور نہ ہی سبب گناہ ہے۔

باب الصَّلٰوۃِ فِی السُّطُوحِ وَ الْمِنْبَرِ وَ الْخَشَبِ قَالَ اَبُوْعَبْدِ اللّٰهِ وَلَمْ يَرَ الْحَسَنُ بَاْسًا اَنْ يُّصَلّٰى عَلَى الْجُمْدِ وَ الْقَنَاطِيْرِ وَ اِنْ جَرٰى تَحْتَهَا بَوْلٌ اَوْ فَوْقَهَا اَوْ اَمَامَهَا اِذَا كَانَ بَيْنَهُمَا سُتْرَةٌ وَ صَلّٰى اَبُوْهُرَيْرَةَ عَلٰى ظَهْرِ الْمَسْجِدِ بِصَلٰوةِ الْاِمَامِ وَ صَلّٰى ابْنُ عُمَرَ عَلَى الثَّلْجِ۔

ترجمہ:۔ چھتوں پر، منبر پر اور لکڑیوں پر نماز پڑھنا کیسا ہے۔ امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ حضرت حسن بصریؒ اس میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے۔ اگر کوئی شخص جمے ہوئے پانی پر نماز پڑھے اسی طرح پل پر نماز پڑھنے میں کوئی مضائقہ نہیں اگرچہ ان کے نیچے یا اوپر یا آگے پیشاب ہو جبکہ ان دونوں کے درمیان کوئی رکاوٹ ہو۔ حضرت ابوہریرہؓ مسجد کی چھت پر امام کی نماز کے ساتھ نماز پڑھتے تھے۔ اور حضرت ابن عمرؓ نے برف پر نماز پڑھی۔

حدیث نمبر ۳۶۴ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ الخ قَالَ اَبُوْحَازِمٍ سَاَلُوْا سَهْلَ ابْنَ سَعْدٍ مِّنْ اَيِّ شَيْءٍ الْمِنْبَرُ فَقَالَ مَا بَقِيَ فِي النَّاسِ اَعْلَمُ بِهٖ مِنِّيْ هُوَ مِنْ اَثْلِ الْغَابَةِ عَمِلَهٗ فُلَانٌ مَوْلٰى فُلَانَةَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَامَ عَلَيْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِيْنَ عُمِلَ وَوُضِعَ فَاسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ كَبَّرَ وَقَامَ النَّاسُ خَلْفَهٗ فَقَرَاَ وَرَكَعَ النَّاسُ خَلْفَهٗ ثُمَّ رَفَعَ رَاْسَهٗ ثُمَّ رَجَعَ الْقَهْقَرٰى فَسَجَدَ عَلَى الْاَرْضِ ثُمَّ عَادَ

عَلَى الْمِنْبَرِ ثُمَّ قَرَأَ ثُمَّ رَكَعَ ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهُ ثُمَّ رَجَعَ قَهْقَرٰى حَتّٰى سَجَدَ بِالْاَرْضِ فَهٰذَا
شَأْنُهُ قَالَ اَبُوْعَبْدِ اللّٰهِ قَالَ عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ سَأَلَنِيْ اَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ عَنْ هٰذَا الْحَدِيْثِ
قَالَ وَ اِنَّمَا اَرَدْتُ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ اَعْلٰى مِنَ النَّاسِ فَلَا بَأْسَ
اَنْ يَّكُوْنَ الْاِمَامُ اَعْلٰى مِنَ النَّاسِ بِهٰذَا الْحَدِيْثِ قَالَ فَقُلْتُ فَاِنَّ سُفْيَانَ بْنَ عُيَيْنَةَ كَانَ
يُسْئَلُ عَنْ هٰذَا كَثِيْرًا فَلَمْ تَسْمَعْهُ مِنْهُ قَالَ لَا ۔

ترجمہ: حضرت ابوحازم تابعی فرماتے ہیں کہ لوگوں نے حضرت سہل بن سعدؓ آخری صحابی سے پوچھا
کہ منبر رسول کس چیز سے بنایا گیا۔ انہوں نے جواب میں فرمایا کہ لوگوں میں میرے سے زیادہ اس کو جاننے
والا باقی نہیں رہا۔ وہ غابۃ مقام کے جھاؤ کے درخت سے بنایا جس کو فلان فلانۃ کے غلام نے جناب رسول اللہ
صلعم کے لئے بنایا جب وہ منبر بنا کر رکھا گیا تو جناب رسول اللہ صلعم اس پر کھڑے ہوتے۔ قبلہ کی طرف
متوجہ ہو کر تکبیر کہی۔ لوگ بھی آپؐ کے پیچھے کھڑے ہو گئے۔ آپ نے قرأت کی رکوع کیا لوگوں نے بھی آپؐ
کے پیچھے رکوع کیا۔ پھر آپؐ نے سر مبارک کو اٹھایا پھر پیچھے کو لوٹے اور زمین پر سجدہ کیا۔ پھر منبر پر واپس
آئے۔ قرأت کی۔ رکوع کیا پھر سر مبارک اٹھایا پھر الٹے پیچھے کی طرف لوٹ کر زمین پر سجدہ کیا پس یہ
اس کا حال ہے۔ امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ میرے استاد علی بن عبداللہ فرماتے ہیں کہ حضرت امام احمد بن
حنبلؒ نے اس حدیث کے متعلق میرے سے سوال کیا تو شیخ علی بن مدینی فرماتے ہیں۔ میرا منشا یہ ہے کہ
چونکہ نبی اکرم صلعم تمام لوگوں سے بلند و برتر تھے تو ایسی ہستی اگر لوگوں سے اونچے مقام پر ہو تو اس میں
کوئی مضائقہ نہیں۔ پھر فرماتے ہیں کہ میں نے کہا کہ حضرت سفیان بن عیینہؒ محدث سے اس حدیث کے بارے
میں بہت پوچھ گچھ کی جاتی تھی کہ آپ نے ان سے اس بارے میں کچھ نہیں سنا تو امام احمدؒ نے فرمایا نہیں

تشریح از شیخ مدنیؒ: حدیث پاک میں ہے جُعِلَتْ الارضُ مَسْجِداً و طهوراً جس سے معلوم
ہوتا ہے کہ نماز پڑھنے والے کو زمین پر کھڑا ہونا چاہیئے اگر زمین پر کھڑا نہ ہو تو ایسی چیز پر کھڑا ہو
جو زمین سے متصل ہو۔ جمد وہ جگہ جہاں سردی کی وجہ سے پانی جم جائے جیسے سرد ملکوں میں تالاب کے
پانی جم جاتے ہیں بینھما ستۃ ای مانعۃ من ملاقات النجاسۃ ثلج یعنی برف کی وہ صورت مراد ہے
جبکہ اس پر کھڑا ہونا ممکن ہو۔ تو ثلج منجمد مراد ہوگا۔ غابۃ یعنی جھاؤ یعنی ملتف الاشجار اس جگہ لغوی
معنی مراد نہیں بلکہ جبل احد کے پیچھے ایک جگہ کا نام ہے جسے غابہ کہتے ہیں اثل یعنی جھاڑ منبر بنانے کی

درخواست اولاً عورت نے پیش کی تھی جب دیر ہوگئی تو آپ نے پھر ارشاد فرمایا اس طرح دونوں کی طرف نسبت صحیح ہوگی۔ امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ امام کا لوگوں سے مرتفع ہونا جائز نہیں اور جمہور مکروہ کہتے ہیں جبکہ اس مقام کی اونچائی ایک ذراع ہو۔ اگر امام کے ساتھ کچھ اور مقتدی بھی ہوں تو پھر کوئی کراہت نہیں ہے۔

تشریح از شیخ زکریاؒ۔ حضرت اقدس شاہ ولی اللہؒ کی رائے یہ ہے کہ حدیث میں آتا ہے۔ جعلت الارض مسجدا وطہورا جس سے بظاہر ابہام ہوتا ہے۔ کہ زمین ہی پر نماز پڑھی جائے۔ تو امام بخاریؒ اس وہم کو دفع فرما رہے ہیں۔ مگر میرے نزدیک اس مسئلہ کے زیادہ موافق باب الصلوٰۃ علے الفراش ہے۔ یہاں تو امام بخاریؒ دوسرے اختلافات کی طرف اشارہ فرماتے ہیں۔ گو یہ اختلافات ہمارے اس زمانہ میں کچھ نہیں رہے۔ کان لم یکن ہو گئے۔ چونکہ امام بخاریؒ کے سامنے یہ اختلافات تھے اس لئے انہوں نے اس پر باب باندھا۔ اور بہت سے اختلافات ایسے ہیں جو بہت زائد شہرت پذیر ہو گئے۔ مثلاً مسئلہ رفع الیدین یہ ایک ایسا معرکۃ الآراء نہ تھا جیسا کہ اب ہو گیا۔ بہر حال میرے نزدیک امام بخاریؒ بعض تابعین پر رد فرما رہے ہیں جیسا کہ بعض شراح سے منقول ہے کہ وہ لوگ صلوٰۃ علے السطوح کی کراہت کے قائل ہیں نیز اس باب سے مالکیہؒ پر بھی رد ہے کہ وہ صلوٰۃ علے المنبر کی کراہت کے قائل ہیں۔ اور ایسے ہی خشب سے حضرت حسن بصری اور ابن سیرین کے قول پر رد فرما دیا کیونکہ ان حضرات سے صلوٰۃ علے الخشب کی کراہت منقول ہے ولم یر الحسن باسا جمد جما ہوا برف اس کے متعلق کوئی اختلاف نظر سے نہیں گذرا اگر کچھ بھی ہو۔ صلوٰۃ علے السطح تو ثابت ہو ہی جاتی ہے کیونکہ وہ جمد مثل سطح کے ہوتا ہے۔ اور صلوٰۃ علے القناطیر سے صلوٰۃ علی السطح صاف طور پر ثابت ہے اذا کان بینہما منلوۃ اس کا مطلب یہ نہیں کہ نجاست کے اور اس نمازی کے درمیان سترہ معروفہ ہو بلکہ اس سے مراد حائل ہے من اثل الغابۃ اس میں اختلاف ہے کہ منبر کب بنا۔ تین قول ہیں ۵ھ، ۶ھ، ۷ھ ما بقی فی الناس اعلم بہ منی اس لئے کہ وہ سارے صحابہ جو اس وقت موجود تھے۔ وہ اب انتقال کر گئے۔ بس میں ہی زندہ ہوں۔ اس لئے مجھے اس کی زیادہ خبر ہے۔ ھو من اثل الغابۃ۔ اثل کے معنی جھاؤ کے ہیں۔ اور غابہ ایک جگہ کا نام ہے اور مطلب یہ ہے کہ وہ غابہ مقام کے جھاؤ سے بنایا گیا تھا۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اثل کے معنی تو جھاؤ کے ہیں اور غابہ خوب گنجان کو کہتے ہیں اس صورت میں مطلب

یہ ہوگا۔ کہ گنجان درخت کا جھاڑ تھا۔ مگر اضافہ زیادہ واضح پہلی صورت میں ہوتی ہے میرے نزدیک بھی وہی اولیٰ ہے عملہ فلان اس کا نام میمون ہے ثم رجع القہقری الخ چونکہ سجدہ میں سب برابر ہوتے ہیں کوئی کسی کو نہیں دیکھتا اس لئے نیچے اترے نیز اس پر سجدہ کرنا دشوار تھا۔ اب یہاں اشکال یہ ہے کہ عمل کثیر پایا گیا اور یہ بالاتفاق مفسد صلوٰۃ ہے۔ گو اس کی جزئیات میں اختلاف ہو۔ اور یہاں توالی حرکات پائی گئی ہیں۔ بار بار سجدہ کے لئے چڑھنا اترنا نیز خطوات بھی پائے گئے اس لئے کہ پیچھے کو ایک دم تو لوٹ نہیں سکتے۔ آہستہ آہستہ قدم رکھ کر لوٹے گا۔ اور توالی حرکات و خطوات عمل کثیر ہے شراح یہ جواب دیتے ہیں کہ یہ اس وقت کا واقعہ ہے جبکہ نماز میں عمل کثیر جائز تھا۔ اور میرے والد صاحب نور اللہ مرقدہ کی رائے یہ ہے کہ رجوع الی القہقری کا مطلب یہ نہیں کہ بالکل سیدھے پیچھے کو ہٹے۔ بلکہ ذرا ایک جانب مائل ہو کر رجوع الی القہقری فرمایا۔ اس صورت میں ایک ہی قدم کے اندر رجوع ہو گیا۔ اور توالی حرکات جو پائی گئیں وہ ارکانِ مختلفہ میں نہیں۔ اور جو توالی مفسد اور عمل کثیر میں داخل ہے وہ یہ ہے کہ ایک ہی رکن میں ہو۔ لہٰذا حدیث کے متعلق یہ کہنا کہ یہ عمل کثیر کے جائز ہونے کے وقت کی روایت ہے اس کی کوئی ضرورت نہیں۔ قال علی بن عبد اللہ یہ علی بن مدینی ہیں۔ جو مشہور امام ہیں۔ قال انما اردت ان النبی صلعم یہاں بین السطور میں قال کا فاعل شیخ الاسلام کے حوالہ سے علی بن مدینی کو لکھا ہے مگر میرا ذوق یہ کہتا ہے کہ قال کا فاعل امام احمد بن حنبلؒ ہیں۔ اس لئے کہ وہ امام الفقہ ہیں۔ اور مسئلہ بھی علم فقہ کا آرہا ہے۔ لہٰذا اب مطلب یہ ہوگا کہ امام احمد بن حنبلؒ نے امام علی بن مدینی سے کہا کہ میں نے اس حدیث سے یہ استنباط کیا ہے۔ فلا باس ان یکون الامام اعلیٰ من الناس اس لئے کہ جب حضور اکرم صلعم لوگوں سے اوپر تھے اور حضورؐ امام تھے۔ تو معلوم ہوا کہ امام کا مقتدیوں سے اوپر ہونا جائز ہے اب اس میں اختلاف ہے کہ کتنا اوپر ہو سکتا ہے۔

احناف اور شوافع کے یہاں ایک ذراع سے کم اوپر ہے تو کوئی حرج نہیں۔ اور اس سے زائد میں روایات مختلف ہیں اور مالکیہ اوپر ہونے سے منع کرتے ہیں۔ شافعیہ کا مذہب یہ ہے کہ تعلیم کی غرض سے ارتفاع جائز بلکہ مستحب ہے اور اس کے ماسوا مکروہ ہے فقال فقلت اس قال کے قائل علی بن مدینی ہیں اور یہ الگ ہے ماقبل سے اس کا کوئی تعلق نہیں ان سفیان بن عیینہ الخ اس کا مطلب یہ ہے کہ علی بن مدینی نے حضرت امام احمدؒ سے فرمایا کہ تمہارے استاد سفیان بن عیینہ سے اس حدیث کے متعلق کثرت سے سوال

ہوتا تھا۔ تم نے ان سے کچھ نہیں سنا حضرت امام احمدؒ نے نفی میں جواب دیا۔
یہاں حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں ایک اشکال کیا ہے کہ مسند احمد میں بھی روایت امام احمدؒ نے سفیان عیینہؒ کے واسطے سے نقل کی ہے۔ پھر یہاں نفی کا کیا مطلب؟ ایک جواب جو خود حافظؒ نے دیا ہے تو وہ یہ ہے کہ بخاری کی روایت متصل ہے وہ تو انہوں نے ابن عیینہؒ سے سُنی نہیں۔ اور مسند احمد کی روایت جو مختصر ہے وہ انہوں نے ابن عیینہ سے سُنی۔ مگر میرے نزدیک اس سے اچھا جواب یہ ہے کہ ممکن ہے اولاً ابن عیینہؒ نے نہ سنی ہو جب علی بن المدینی سے سن لی۔ تو پھر سفیان بن عیینہؒ سے اس کے بعد سنی اور پھر ان کے واسطہ سے نقل کی۔ ہاں اگر یہ ثابت ہو جائے کہ امام احمدؒ نے یہ سوال علی بن المدینیؒ سے حضرت سفیان بن عیینہؒ کے انتقال کے بعد کیا ہے تو پھر یہ جواب نہیں چلتا۔ مگر اس کے لئے ثبوت کی ضرورت ہے۔

حدیث نمبر ۳۶۵ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحِيمِ الخ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَقَطَ عَنْ فَرَسِهِ فَجُحِشَتْ سَاقُهُ أَوْ كَتِفُهُ وَآلَى مِنْ نِسَائِهِ شَهْرًا فَجَلَسَ فِي مَشْرُبَةٍ لَهُ دَرَجَتُهَا مِنْ جُذُوعِ النَّخْلِ فَأَتَاهُ أَصْحَابُهُ يَعُودُونَهُ فَصَلَّى بِهِمْ جَالِسًا وَهُمْ قِيَامٌ فَلَمَّا سَلَّمَ قَالَ إِنَّمَا جُعِلَ الْإِمَامُ لِيُؤْتَمَّ بِهِ فَإِذَا كَبَّرَ فَكَبِّرُوا وَإِذَا رَكَعَ فَارْكَعُوا وَإِذَا سَجَدَ فَاسْجُدُوا وَإِنْ صَلَّى قَائِمًا فَصَلُّوا قِيَامًا وَنَزَلَ لِتِسْعٍ وَعِشْرِينَ فَقَالُوا يَا رَسُولَ اللهِ إِنَّكَ آلَيْتَ شَهْرًا فَقَالَ إِنَّ الشَّهْرَ تِسْعٌ وَعِشْرُونَ۔

ترجمہ:۔ حضرت انس بن مالکؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلعم اپنے گھوڑے سے گر پڑے جس سے آپؐ کی پنڈلی یا کندھا چھل گیا۔ اور آنجناب رسول اللہ صلعم نے اپنی بیویوں کے پاس جانے سے مہینہ کی قسم کھالی تھی۔ تو آپؐ ایک بالاخانہ میں تشریف فرما ہوئے جس کا زینہ کھجور کے تنے کا تھا۔ چنانچہ آپؐ کے صحابہ کرام آپؐ کی عیادت کے لئے تشریف لائے۔ آپؐ نے ان کو بیٹھ کر نماز پڑھائی جبکہ وہ لوگ کھڑے تھے۔ پس جب سلام پھیر لیا تو فرمایا امام اس لئے بنایا جاتا ہے کہ اس کی اقتدا کی جائے۔ پس جب وہ تکبیر کہے تم بھی تکبیر کہو اور جب وہ رکوع کرے تم بھی رکوع کرو۔ اور جب وہ سجدہ کرے تم بھی سجدہ کرو۔ اور اگر وہ کھڑے ہو کر نماز پڑھے تو تم بھی کھڑے ہو کر پڑھو۔ اور آپ ۲۹ دن بعد بالاخانہ سے اتر آئے۔ تو صحابہ کرام نے کہا یا رسول اللہ آپؐ نے تو مہینہ بھر کا ایلاء کیا تھا۔ آپؐ نے فرمایا کہ مہینہ انتیس دن کا بھی ہوتا ہے

تشریح از شیخ زکریا۔ سقط عن فرسہ حضور اکرم صلعم ایک بار گھوڑے پر سوار تشریف لے جا رہے تھے۔ گھوڑا بدکا جس کی وجہ سے نبی اکرم صلعم داہنی طرف گر گئے جس سے دائیں بازو اور دائیں ساق میں چوٹ آئی۔ اور دائیں قدم میں موچ بھی آئی۔ بعض روایات میں جحش ساقہ الایمن اور بعض میں شقہ الایمن اور بعض میں انفکت رجلہ آتا ہے۔ ان سب میں کوئی تعارض نہیں فجحشت ساقہ وکتفہ بہ او شک راوی ہے۔ اور اس کا یہ مطلب نہیں کہ احدھما میں جحش (چھیلا) ہوا۔ بلکہ راوی کو شک ہو گیا کہ میرے استاذ نے ان دونوں میں سے کون سا لفظ کہا وآلی من نسائہ شہراً حضور اقدس صلعم نے اپنی ازواج سے غصہ ہو کر قسم کھائی تھی کہ ایک ماہ تک ان کے پاس تشریف نہ لے جائیں گے۔ یہاں اشکال ہے جس سے شراح نے یہاں تو نہیں بلکہ کتاب التفسیر میں تعرض کیا ہے۔ وہ یہ کہ ایلاً کا یہ واقعہ ۵ھ میں پیش آیا۔ اور سقوط عن الفرس کا قصہ ۹ھ کا ہے تو جب ان دونوں میں چار سال کا فاصلہ ہے تو راوی نے دونوں کو کیوں جوڑ دیا۔ اس کے دو جواب ہیں اول یہ کہ کسی راوی کو وہم ہو گیا اور اسی نے ان دونوں واقعوں کو ایک ہی زمانہ کا سمجھ کر جوڑ دیا۔ مگر میرے نزدیک اس کو راوی کے وہم کی طرف منسوب کرنے سے بہتر دوسرا جواب ہے۔ کہ چونکہ دونوں واقعوں میں آپ نے مشربہ (بالاخانہ) پر قیام فرمایا تھا اس لئے راوی نے جب سقوط عن الفرس کا واقعہ بیان کیا تو تبعاً ایلاء کا قصہ بھی ذکر کر دیا۔ اور بتلا دیا کہ آپ نے دونو وقت مشربہ میں قیام فرمایا۔ مشربہ غرفہ کو کہتے ہیں جیسا کہ بعض روایات میں ہے فصلی بھم جالساً وھم قیام الخ یہ وہی سقوط عن الفرس کا واقعہ ہے جس کی بنا پر آپ نے بیٹھ کر نماز ادا فرمائی تھی۔

فاذا صلی قائماً فصلوا قیاماً۔ حنابلہؒ کا مذہب یہ ہے کہ اگر امام راتب کسی عذر سے بیٹھ کر نماز پڑھے تو مقتدیوں کو بلاعذر بیٹھ کر پڑھنا چاہیئے۔ اور ائمہ ثلاثہ کے ہاں مقتدیوں کو بلاعذر بیٹھ کر پڑھنا جائز نہیں امام بخاریؒ اس پر مستقل باب باندھ کر حنابلہؒ پر رد فرمائیں گے۔ یہ حدیث امام احمدؒ کا مستدل ہے لیکن ائمہ ثلاثہ انکار کرتے ہیں کہ مقتدیوں کو قیاماً اقتدا کرنی چاہیئے۔ جیسا کہ نبی کریم صلعم نے اپنی آخری زندگی میں بیٹھ کر نماز پڑھائی حضرت ابوبکر صدیقؓ مکبر کی حیثیت سے کھڑے ہو کر لوگوں کو تکبیرات پہنچا رہے تھے اور اس وقت تمام صحابہ کرام کھڑے ہو کر نماز ادا کر رہے تھے تو یہ فعل آخری آپ کا تمام افعال سابقہ کے لئے ناسخ ہو گا۔ حنابلہ اس قسم کی روایات کی تاویل کرتے ہیں کہ حضور اکرم امام نہیں تھے بلکہ وہاں حضرت ابوبکرؓ ہی امام تھے۔

باب إِذَا أَصَابَ ثَوْبُ الْمُصَلِّي امْرَأَتَهُ إِذَا سَجَدَ۔

ترجمہ:۔ جب نمازی سجدہ میں جائے اور اس کا کپڑا اس کی بیوی کو لگ جائے تو کیا حکم ہے۔

حدیث نمبر ۳۶۶ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ الخ عَنْ مَيْمُونَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي وَأَنَا حِذَاءَهُ وَأَنَا حَائِضٌ وَرُبَّمَا أَصَابَنِي ثَوْبُهُ إِذَا سَجَدَ قَالَتْ كَانَ يُصَلِّي عَلَى الْخُمْرَةِ (الحدیث)

ترجمہ:۔ حضرت میمونہ رض فرماتی ہیں کہ جناب رسول اللہ صلعم نے اس حال میں نماز پڑھتے تھے کہ میں آپ کے سامنے ہوتی تھی اور حیض والی ہوتی تھی جب آپ سجدہ میں جاتے تو بسا اوقات آپ کا کپڑا مجھے لگ جاتا تھا اور حضور چٹائی پر نماز پڑھتے تھے۔

تشریح از شیخ زکریا۔ چونکہ مس مرأۃ بعض حضرات کے نزدیک ناقض وضو ہے۔ تو ممکن ہے کسی کو وہم ہو کہ اگر نمازی کا کپڑا بحالت صلوٰۃ عورت کو لگ جائے تو باعث کراہت ہوگا۔ اس لئے امام بخاریؒ اس وہم کا دفعیہ فرما رہے ہیں کہ اس سے نماز میں کوئی خلل نہیں ہوگا۔ مگر میں نے بیان کیا ہے کہ امام بخاریؒ نہ تو مس مرأۃ سے وضو کے قائل ہیں نہ ہی مس ذکر سے اور نہ ہی قہقہہ سے وہ ان مسائل میں نہ احنافؒ کے ساتھ ہیں نہ شوافعؒ کے ساتھ اور دوسری غرض امام بخاریؒ کی حنفیہ پر رد کرنا ہو سکتی ہے۔ کیونکہ حنفیہ رہ محاذاۃ مرأۃ کو مفسد صلوٰۃ قرار دیتے ہیں۔ اور یہاں روایت سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت میمونہ رض سامنے ہوتی تھیں۔ بلکہ روایت میں حذاء (مقابل) کا لفظ موجود ہے۔ لیکن اس سے احنافؒ پر رد نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ حنفیہ رہ مطلقاً محاذات کو مفسد نہیں مانتے بلکہ اس کے لئے کچھ شرائط ہیں۔ مثلاً امام نے عورت کی امامت کی نیت کی ہو۔ اور عورت نماز میں اس کے ساتھ شریک ہو۔ لیکن چونکہ امام بخاریؒ عمومات سے استدلال کرتے ہیں اس لئے ممکن ہے کہ لفظ حذاء سے استدلال کر لیا ہو۔

باب الصَّلٰوةُ عَلَى الْحَصِيْرِ

ترجمہ:۔ چٹائی پر نماز پڑھنا کیسا ہے۔

وَصَلَّى جَابِرُ بْنُ عَبْدِ اللهِ وَأَبُو سَعِيْدٍ فِي السَّفِيْنَةِ قَائِمًا وَقَالَ الْحَسَنُ تُصَلِّي قَائِمًا مَا لَمْ تَشُقَّ عَلَى أَصْحَابِكَ تَدُوْرُ مَعَهَا وَإِلَّا فَقَاعِدًا۔

ترجمہ:۔ حضرت جابر بن عبداللہ اور حضرت ابو سعید نے کشتی میں کھڑے ہو کر نماز پڑھی اور حضرت

حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ جب تک آپ کے ساتھیوں پر شاق اور گراں نہ ہو تو کھڑے ہو کر نماز پڑھیں اور کشتی کے ساتھ گھومتے جائیں۔ ورنہ بیٹھ کر نماز پڑھیں۔

حدیث نمبر ۳۶۷ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوسُفَ الخ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّ جَدَّتَهُ مُلَيْكَةَ دَعَتْ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِطَعَامٍ صَنَعَتْهُ لَهُ فَأَكَلَ مِنْهُ قَالَ قُومُوا فَلِأُصَلِّيَ لَكُمْ قَالَ أَنَسٌ فَقُمْتُ إِلَى حَصِيرٍ لَنَا قَدِ اسْوَدَّ مِنْ طُولِ مَا لُبِسَ فَنَضَحْتُهُ بِمَاءٍ فَقَامَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَصَفَفْتُ وَالْيَتِيمُ وَرَاءَهُ وَالْعَجُوزُ مِنْ وَرَائِنَا فَصَلَّى لَنَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ انْصَرَفَ۔

ترجمہ: حضرت انس بن مالکؓ سے مروی ہے کہ ان کی دادی حضرت ملیکہؓ نے جناب رسول اللہ صلعم کو ایک کھانے کی دعوت پر بلایا۔ جو انہوں نے آپ کے لئے تیار کیا تھا۔ چنانچہ آپؐ نے کھانا کھالیا۔ پھر فرمایا کہ اُٹھو تاکہ میں تمہیں نماز پڑھاؤں حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ میں ایک ایسی چٹائی لے آیا جو طول استعمال کی وجہ سے کالی ہو چکی تھی۔ میں نے اس کو نرم کرنے کے لئے اس پر پانی چھڑکا۔ پس حضور اکرم صلعم کھڑے ہوئے میں نے اور یتیم نے آپؐ کے پیچھے صف بنائی۔ اور بڑھیا ہم سب کے پیچھے کھڑی ہوئی۔ تو جناب رسول اللہ صلعم نے ہمیں دو رکعت نماز پڑھائی۔ پھر آپ واپس چلے گئے۔

تشریح از شیخ مدنیؒ بعض لوگ کہتے ہیں کہ چٹائی پر نماز پڑھنا مکروہ ہے۔ بلکہ جو چیز غیر ارض ہیں سے ہو۔ یعنی آگ لگانے سے جل جائے یا پگھل جائے اس پر نماز ادا کرنا مکروہ ہے۔ مگر جمہور حصیر لکڑی وغیرہ پر نماز ادا کرنے کے جواز کے قائل ہیں۔ اس حدیث سے استدلال ہے

تشریح از شیخ زکریاؒ۔ بعض شراح نے یہاں حدیث جعلت الارض مسجدا و طهوراً ذکر کر کے غیر ارض پر جواز صلوٰۃ کا ذکر کیا ہے۔ مگر میرے نزدیک امام بخاریؒ کی غرض ایک اور مسئلہ کو بیان کرنا ہے غالباً ابن ابی شیبہؒ نے حضرت عائشہ سے نقل کیا ہے کہ وہ صلوٰۃ علی الحصیر کو مکروہ بتلاتی ہیں۔ ان کا استدلال آیت کریمہ وجعلنا جهنم للكافرين حصيرا سے ہے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ نے جہنم کو کافرین کے لئے حصیر بنایا ہے۔ چونکہ یہاں اشتراک اسمی پایا جاتا ہے۔ لہٰذا حصیر پر نماز مکروہ ہوگی۔ تو حضرت امام بخاریؒ رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ آنجناب رسول اکرم صلعم سے صلوٰۃ علی الحصیر ثابت ہے۔

صلی جابر بن عبد اللہ الخ اس سے غیر ارض پر نماز پڑھنا ثابت ہو گیا۔ اس لئے کہ صلوٰۃ علی الحصیر

بھی صلوٰۃ علے غیر الارض ہوتی ہے۔ قال الحسن یصلی قائماً الخ ائمہ ثلاثہ اور صاحبین کا یہی مذہب ہے کہ اگر کھڑے ہو کر پڑھ سکتا ہے تو پڑھے ورنہ بیٹھ کر ادا کرے۔ مگر امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ کشتی میں ابتداءً ہی سے بیٹھ کر نماز پڑھ سکتا ہے۔ کیونکہ کشتی میں مسافر مشقت میں ہوتا ہے چکر وغیرہ آتے ہیں تدور معها کا مطلب علامہ قسطلانیؒ نے لکھا ہے کہ جدھر کشتی رُخ پھیرے ادھر ہی نمازی اپنا چہرہ پھیر تا رہے۔ اور میری رائے یہ ہے کہ اس جملہ کا مطلب یہ ہے کہ اگر کشتی جانب قبلہ سے پھر جائے اور نمازی قبلہ کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھ رہا ہو۔ تو نمازی ہی قبلہ کی طرف مڑ جائے۔ ان جدته مليكة، جدته کی ضمیر میں اختلاف ہے ایک قول یہ ہے کہ یہ ضمیر اسحاق کی طرف راجع ہے۔ اور دوسرا قول ہے کہ انسؓ کی طرف راجع ہے فتح الباری میں حافظ ابن حجرؒ کی بھی یہی رائے ورج ہے کہ انسؓ کی طرف راجع ہے۔ قوموا فلا صلی لکم یہ بطور هل جزاء الاحسان الا الاحسان کے ہے کہ تم نے کھانا کھلایا لاؤ ہم تمہیں نماز پڑھائیں۔ الیتیم ودّاۃ یتیم کا نام ضمیرہ ہے والعجوز وراءنا اس جملہ سے اس پر استدلال کیا گیا ہے کہ اگر لڑکا ایک ہو تو امام کے پاس کھڑا ہوگا۔ اگر عورت اکیلی ہو تو پیچھے کھڑی ہوگی امام بخاریؒ اس پر مستقل باب باندھیں گے۔ یہاں پر اشکال ہے کہ حصیر کے باب میں سفینہ کا ذکر کیسے آگیا۔ جن لوگوں نے باب کی غرض یہ بتلائی ہے کہ غیر ارض پر نماز پڑھنا۔ جعلت الارض مسجد وطهوراً کے خلاف معلوم ہوتا ہے۔ ان پر رد کرنا ہے۔ ان لوگوں کے نزدیک تو کوئی اشکال نہیں۔ کیونکہ سفینہ اور حصیر دونوں غیر ارض میں ہیں۔ مگر میری رائے میں اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ بعض مرتبہ ترجمہ میں استدلال عادت سے ہوتا ہے۔ چونکہ عام طور سے سفینہ کے اندر حصیر بچھانے کی عادت ہے تو اس عادت کے تحت گویا کہ سفینہ میں نماز مثل صلوٰۃ حصیر کے ہے۔ قد اسود من طول ما لبس یہاں بچھانے کو لباس سے تعبیر فرمایا۔ اس سے استدلال ہے کہ بچھانا بھی لباس ہے، لہٰذا اگر ریشم کا بستر ہو تو وہ بھی مرد کے لئے ناجائز ہے۔

باب الصَّلٰوۃُ عَلَی الْخُمْرَۃِ۔

ترجمہ:۔ چھوٹی چٹائی پر نماز پڑھنا کیسا ہے۔

حدیث نمبر ۳۶۸ حَدَّثَنَا اَبُوالْوَلِیْدِ الخ عَنْ مَیْمُوْنَۃَ قَالَتْ کَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یُصَلِّیْ عَلَی الْخُمْرَۃِ۔

ترجمہ، حضرت میمونہؓ فرماتی ہیں کہ جناب نبی اکرم صلعم چھوٹی سے چٹائی پر نماز پڑھتے تھے۔

تشریح از شیخ زکریاؒ چونکہ صلوٰۃ علے الخمرہ کی کراہت حضرت عمر بن عبد العزیزؒ سے منقول ہے اس لئے اس باب سے امام بخاریؒ اس پر رد کرنا چاہتے ہیں دوسری بات یہ ہے کہ خمرہ اس چھوٹی سی چٹائی کو کہتے ہیں۔ جو مصلی کے لئے پوری نہ ہو۔ تو ایسی صورت میں بعض حصہ نماز نوارض پر ہوگا۔ اور بعض غیر ارض پر تو اس کے جواز پر تنبیہہ فرمائی

باب الصَّلٰوۃِ عَلَى الْفِرَاشِ

وَصَلّٰى اَنَسُ بْنُ مَالِكٍ عَلٰى فِرَاشِهٖ وَقَالَ اَنَسٌ كُنَّا نُصَلِّيْ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَيَسْجُدُ اَحَدُنَا عَلٰى ثَوْبِهٖ ۔

ترجمہ:۔ بستر پر نماز پڑھنا کیسا ہے۔ حضرت انسؓ نے اپنے بستر پر نماز پڑھی اور حضرت انسؓ نے فرمایا کہ ہم لوگ جناب نبی اکرم صلعم کے ساتھ نماز پڑھتے تھے تو ہمارا ایک نماز میں اپنے کپڑے پر سجدہ کرتا تھا

حدیث نمبر ۳۶۹ حَدَّثَنَا اِسْمَاعِيْلُ الخ عَنْ عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهَا قَالَتْ كُنْتُ اَنَامُ بَيْنَ يَدَيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَرِجْلَايَ فِيْ قِبْلَتِهٖ فَاِذَا سَجَدَ غَمَزَنِيْ فَقَبَضْتُ رِجْلِيْ وَاِذَا قَامَ بَسَطْتُهُمَا قَالَتْ وَالْبُيُوْتُ يَوْمَئِذٍ لَيْسَ فِيْهَا مَصَابِيْحُ (الحدیث)

ترجمہ:۔ حضرت عائشہ زوج النبی صلعم فرماتی ہیں کہ میں جناب رسول اللہ صلعم کے سامنے نیند کیا کرتی تھی اور میرے دونو پاؤں آپؐ کے قبلہ میں ہوتے تھے۔ جب آپؐ سجدہ کو جاتے تو میرے چٹکی کاٹ لیتے تو میں اپنے پاؤں سکیڑ لیتی تھی جب آپؐ سجدہ سے اٹھ جاتے تو پھر ان کو پھیلا دیتی تھی، وہ فرماتی ہیں ان دنوں گھروں میں چراغ نہیں ہوتے تھے۔

تشریح از شیخ مدنیؒ فراش چونکہ غیر جنس الارض ہوتا ہے اس پر جماع بھی کیا جاتا ہے اور بچے پیشاب بھی کر دیتے ہیں روایت سے ثابت ہوا کہ اس پر نماز پڑھنا جائز ہے، لیکن روایت سے فراش کا ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ تو کہا جائے گا کہ پاؤں کا پھیلانا فراش پر دال ہے اس لئے کہ عموماً انسان قد کے مطابق فراش بناتا ہے۔

تشریح از شیخ زکریاؒ۔ یہ وہ باب ہے جس کے متعلق میں نے بیان کیا تھا کہ جعلت لی الارض مسجداً وطہوراً سے جو وہم ہوتا ہے۔ اس کو اس باب سے دفع فرما رہے ہیں۔ اور ابواب سابقہ سے

ان اغراض کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ابوداؤد میں ہے لا یصلی فی لحفنا کہ آپ ہمارے لحافوں میں نماز نہیں پڑھتے تھے جس سے عدم جواز الصلوٰۃ فی ثیاب المرأۃ معلوم ہوتا ہے اس کو اس باب سے رد فرمادیا یہ آخری قول حافظ کا ہے و البیوت یومئذ الخ یہاں سے حضرت عائشہؓ دفع دخل مقدر فرما رہی ہیں کہ مجھ پر یہ اعتراض کرنا کہ میں پیر کیوں نہیں موڑ لیا کرتی تھیں اس لئے کہ چراغ تو تھا نہیں کہ کچھ نظر آجاتا۔ اور یہ پتہ نہیں چلتا تھا کہ آپ کا قیام کتنا طویل ہوگا۔ چار چار، پانچ پانچ پارے پڑھا کرتے تھے اس لئے پیر پھر دوبارہ پھیلاتی تھی۔

حدیث نمبر ۳۷۰ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ الخ أَنَّ عَائِشَةَ أَخْبَرَتْهُ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُصَلِّيْ وَهِيَ بَيْنَهُ وَ بَيْنَ الْقِبْلَةِ عَلَى فِرَاشِ أَهْلِهِ اِعْتِرَاضَ الْجَنَازَةِ

ترجمہ:۔ حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہؓ اپنے بھانجے حضرت عروہ کو بتلاتی ہیں کہ جناب رسول اللہ صلعم اس حال میں نماز پڑھتے تھے کہ حضرت عائشہ آپ کے اور قبلہ کے درمیان اپنے بستر پر ہوتی تھیں جیسے جنازہ سامنے ہوتا ہے۔ یعنی آپ کی دائیں طرف سے بائیں جانب کیطرف سوئی ہوئی ہوتی تھیں

حدیث نمبر ۳۷۱ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ الخ عَنْ عُرْوَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُصَلِّيْ وَعَائِشَةُ مُعْتَرِضَةٌ بَيْنَهُ وَ بَيْنَ الْقِبْلَةِ عَلَى الْفِرَاشِ الَّذِيْ يَنَامَانِ عَلَيْهِ۔

ترجمہ:۔ حضرت عروۃؓ سے مروی ہے کہ جناب نبی اکرم صلعم اس حال میں نماز پڑھا کرتے تھے کہ حضرت عائشہ آپ کے قبلہ کے درمیان سامنے پڑی ہوتی تھیں اس بستر پر جس پر آپ دونوں سویا کرتے تھے۔

باب السُّجُوْدِ عَلَى الثَّوْبِ فِيْ شِدَّةِ الْحَرِّ وَقَالَ الْحَسَنُ كَانَ الْقَوْمُ يَسْجُدُوْنَ عَلَى الْعِمَامَةِ وَ الْقَلَنْسُوَةِ وَ يَدَاهُ فِيْ كُمِّهِ۔

ترجمہ:۔ سخت گرمی کی وجہ سے کپڑے پر سجدہ کرنا حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام اپنی پگڑیوں اور ٹوپیوں پر سجدہ کرتے تھے اور ان کے دونوں ہاتھ آستین میں ہوتے تھے۔

حدیث نمبر ۳۷۲ حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيْدِ الخ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ كُنَّا نُصَلِّيْ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَيَضَعُ أَحَدُنَا طَرَفَ الثَّوْبِ مِنْ شِدَّةِ الْحَرِّ فِيْ مَكَانِ السُّجُوْدِ۔

ترجمہ:۔ حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ ہم جناب نبی اکرم صلعم کے ساتھ نماز پڑھتے تھے تو سخت گرمی کی وجہ سے ہمارا ایک کپڑے کے کنارے کو سجدے کی جگہ پر رکھتا تھا۔

تشریح از شیخ مدنی رح جمہور یہی فرماتے ہیں کہ آستین چھوٹا ہو یا بڑا اس پر سجدہ کرنا جائز ہے۔ امام مالک رح اس کی کراہت کے قائل ہیں امام شافعی رح اس کو ممنوع قرار دیتے ہیں البتہ اگر وہ آستین اتنا بڑا کپڑا ہو جس کے ایک کنارے کو حرکت دینے سے دوسرا کنارہ نہ ہل جائے۔ تب جائز ہے۔ مصنف رح مطلقاً بلا کراہت جائز کہتے ہیں۔

تشریح از شیخ زکریا۔ اس باب سے امام بخاری شوافع پر رد فرما رہے ہیں اس لئے کہ ان کے نزدیک ثوب متصل پر سجدہ کرنا مکروہ ہے۔ بلکہ ثوب منفصل (الگ) ہونا چاہیئے۔ اور جمہور کے نزدیک جائز ہے امام بخاری جمہور کے ساتھ ہیں۔ یسجدون علی العمامۃ الخ اس سے ثوب متصل پر سجدہ ثابت ہو گیا فیضع احدنا طرف الثوب یہ موضع ترجمہ ہے۔

باب الصّلوٰۃ فی النّعال

ترجمہ۔ جوتے میں نماز پڑھنا

حدیث نمبر ۳۷۳ حَدَّثَنَا اٰدَمُ الخ قَالَ سَاَلْتُ اَنَسَ بْنَ مَالِكٍ اَكَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یُصَلِّیْ فِیْ نَعْلَیْهِ قَالَ نَعَمْ۔

ترجمہ:- حضرت ابو مسلمہ ازدی فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت انس بن مالک رض سے دریافت کیا کہ کیا نبی اکرم صلعم اپنے جوتوں میں نماز پڑھتے تھے۔ فرمایا ہاں! یعنی پڑھتے تھے۔

تشریح از شیخ زکریا۔ شراح کی رائے یہ ہے کہ ابواب الثیاب چل رہے تھے اور نعال بھی ثیاب میں داخل ہیں۔ اس لئے ان کا ذکر فرما دیا۔ اور میرے نزدیک ایک غرض یہ ہے کہ قرآن پاک میں ہے فاخلع نعلیک اپنے جوتے اتار دو اس کا تقاضا یہ ہے کہ صلوٰۃ فی النعل جائز نہ ہو۔ کیونکہ مقام طویٰ میں خلع نعلین (جوتے اتارنا) کا حکم ہے۔ تو مسجد میں تو بطریق اولیٰ یہ حکم ہونا چاہیئے۔ تو اس وہم کو دفع کرنے کے لئے امام بخاری نے اس کا جواز ثابت فرما دیا۔ اس باب کے متعلق مولانا انور شاہ کشمیری رح فرمایا کرتے تھے کہ ہمارے اس زمانہ کے جوتوں میں نماز نہیں ہو گی۔ بلکہ عرب والے جو جوتے ہیں ان میں نماز ہو جاتی ہے۔ بشرطیکہ گندگی لگی ہوئی نہ ہو۔

باب الصّلوٰۃ فی الخِفافِ

ترجمہ:- موزوں کے اندر نماز پڑھنا کیسا ہے۔

حدیث نمبر ۳۷۴ حَدَّثَنَا اٰدَمُ الخ قَالَ رَاَیْتُ جَرِیْرَ بْنَ عَبْدِ اللّٰہِ بَالَ ثُمَّ تَوَضَّاءَ وَمَسَحَ عَلٰی خُفَّیْہِ ثُمَّ قَامَ فَصَلّٰی فَسُئِلَ فَقَالَ رَاَیْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ صَنَعَ مِثْلَ ھٰذَا قَالَ اِبْرَاھِیْمُ فَکَانَ یُعْجِبُھُمْ لِاَنَّ جَرِیْرًا کَانَ مِنْ اٰخِرِ مَنْ اَسْلَمَ۔

ترجمہ:۔ حضرت ہمام بن الحارث فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت جریر بن عبداللہ صحابی کو دیکھا کہ انہوں نے پیشاب کیا۔ پھر وضو فرمایا۔ اور موزوں پر مسح کیا۔ پھر کھڑے ہوکر نماز پڑھی تو ان سے پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ میں نے جناب نبی اکرم صلعم کو اس طرح کرتے دیکھا ہے۔ حضرت ابراہیم نخعی فرماتے ہیں کہ حضرت جریر ان کو پسند آتے تھے کیونکہ حضرت جریرؓ آخر میں مسلمان ہونے والوں میں سے تھے۔

تشریح از شیخ زکریاؒ۔ شراح اس باب کے متعلق بھی یہی فرماتے ہیں کہ چونکہ خفاف لباس میں داخل ہے اس لئے اس کا ذکر فرمادیا۔ اور میری رائے ہے کہ صلوٰۃ فی الخفاف کی اولویۃ بیان فرما رہے ہیں اس لئے کہ ابوداؤد میں ہے خالفوا الیھود فانھم لا یصلون فی نعالھم ولا خفافھم یعنی یہود کی مخالفت کرو کیونکہ وہ اپنے جوتوں اور موزوں میں نماز نہیں پڑھتے تو امام بخاریؒ نے اس باب سے اس کی اولویت کی طرف اشارہ فرمادیا۔ فکان یعجبھم وجہ اعجاب یہ تھی کہ احتمال تھا کہ مسح علی الخفین آیت وضو سے منسوخ ہوگیا ہو۔ مگر حضرت جریرؓ نے مسح کیا۔ اور یوں فرمایا کہ میں نے جناب نبی کریم صلعم کو مسح کرتے دیکھا ہے۔ حضرت جریرؓ اخیر میں اسلام لائے اور انہوں نے حضور اکرم صلعم کے مسح کا ذکر فرمایا تو معلوم ہوا کہ آیت وضو اس کے واسطے ناسخ نہیں۔

حدیث نمبر ۳۷۵ حَدَّثَنَا اِسْحَاقُ الخ عَنِ الْمُغِیْرَۃِ بْنِ شُعْبَۃَ قَالَ وَضَّاْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَمَسَحَ عَلٰی خُفَّیْہِ وَصَلّٰی۔

ترجمہ۔ حضرت مغیرہ بن شعبہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے جناب نبی اکرم صلعم کو وضو کرایا۔ آپ نے اپنے موزوں پر مسح کیا اور نماز پڑھی

باب اِذَا لَمْ یُتِمَّ السُّجُوْدَ

ترجمہ:۔ جبکہ کوئی سجدہ پورا نہ کرے۔

حدیث نمبر ۳۷۶ حَدَّثَنَا الصَّلْتُ بْنُ مُحَمَّدٍ الخ عَنْ حُذَیْفَۃَ اَنَّہٗ رَاٰی رَجُلًا لَّا یُتِمُّ رُکُوْعَہٗ وَلَا سُجُوْدَہٗ فَلَمَّا قَضٰی صَلٰوتَہٗ قَالَ لَہٗ حُذَیْفَۃُ مَا صَلَّیْتَ قَالَ

وَ اَحْسِبُهُ قَالَ لَوْ مُتَّ مُتَّ عَلٰی غَیْرِ سُنَّةِ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ۔

ترجمہ:۔ حضرت حذیفہؓ نے ایک آدمی کو دیکھا کہ وہ اپنا رکوع اور سجدہ پورا نہیں کرتا تھا جب وہ نماز پڑھ چکا تو حضرت حذیفہؓ نے اس سے فرمایا کہ تو نے نماز نہیں پڑھی۔ اور میرا گمان ہے کہ یہ بھی فرمایا کہ اگر تو اسی حال میں مرگیا تو جناب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّت پر نہیں مرے گا۔

باب یُبْدِیْ ضَبْعَیْهِ وَ یُجَافِیْ جَنْبَیْهِ فِی السُّجُوْدِ۔

ترجمہ:۔ بازو کو ظاہر کرے اور اپنے پہلو کو سجدے میں دور رکھے۔

حدیث نمبر ۳۷۷ حَدَّثَنَا یَحْیَی بْنُ بُکَیْرٍ الخ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَالِكٍ ابْنِ بُحَیْنَةَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ کَانَ اِذَا صَلّٰی فَرَّجَ بَیْنَ یَدَیْهِ حَتّٰی یَبْدُوَ بَیَاضُ اِبْطَیْهِ۔

ترجمہ:۔ حضرت عبداللہ بن مالک بن بحینہؓ سے مروی ہے۔ کہ جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز پڑھتے تھے۔ تو اپنے دونوں ہاتھوں کے درمیان اتنی کشادگی فرماتے۔ یہاں تک کہ آپؐ کی بغلوں کی سفیدی ظاہر ہو جاتی تھی۔

تشریح از شیخ مدنیؒ۔ ما یبدی ضبعیہ اور عدم اتمام السجود والے دونوں باب اپنے موقع پر نہیں ہیں۔ کیونکہ یہ صفت صلوٰۃ میں سے ہیں۔ ذکر ثیاب صلوٰۃ کا ہو رہا تھا۔ بعض نے کہا کہ سہو کاتبین سے ہے۔ مگر مصنفؒ ان ابواب کے بعد ان دونوں کو اس لئے لایا تاکہ معلوم ہو کہ تعدیل ارکان ضروری ہے۔ لیکن وہ سجدہ جو سخت گرمی کی وجہ سے کپڑے پر لیا جائے۔ اس کی اجازت ہے جیسے امام صاحبؒ فرماتے ہیں کہ اپنے کپڑے پر بھی نمازی سجدہ کر سکتا ہے۔ خواہ اس کا ایک کنارہ دوسرے کنارے سے حرکت کرے یا نہ کرے۔ اس سے تعدیل ارکان میں فرق نہیں پڑتا۔

تشریح از شیخ زکریاؒ۔ یہ دونوں باب ص۱۱۰ پر آرہے ہیں اور دو باب باب عقد الثیاب اور باب لا یکف ثوبہ فی الصلوٰۃ ص۱۱۳ پر اب شراح یہ فرماتے ہیں کہ یہاں تو ابواب الثیاب چل رہے تھے یہ درمیان میں دو باب سجود کے کیسے آگئے۔ ہو نہ ہو یہ کسی کاتب کا تصرف ہے۔ کہ غلط جگہ پر آگئے۔ اور لباس کے دو باب جو ص۱۱۳ پر آرہے ہیں۔ وہ باب السجود میں چلے گئے یہ بھی کاتب کا تصرف ہے حضرت شاہ صاحبؒ کی بھی یہی رائے ہے۔ اور انہوں نے فربری سے اس کی تائید نقل کی ہے۔ چنانچہ فربری فرماتے ہیں کہ بخاری کی نقل میں کہیں کہیں غلطی واقع ہو گئی۔ حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ چونکہ بخاری

کے نسخوں میں یہ دونوں باب یہاں موجود ہیں۔ اس لئے اس کی توجیہ یہ ہوسکتی ہے کہ امام بخاریؒ قیاس اور نظر سے ستر عورت کی اہمیت ثابت فرماتے ہیں کہ من ترك شرطًا من شرائط صلوٰۃ جس نے کسی شرط نماز کو چھوڑ دیا اس کی نماز صحیح نہیں ہوگی لمن ترك رکنًا جیسے کوئی رکن صلوٰۃ کو چھوڑ دے مگر میری رائے یہ ہے کہ ہر باب اپنی جگہ پر ہے اور صحیح ہے وہ اس طرح پر کہ امام بخاریؒ ابواب الثیاب ذکر فرما رہے تھے۔ تو امام بخاریؒ نے باب یبدی ضبعیہ منعقد فرما کر یہ بتلا دیا کہ اگر کپڑے چھوٹے چھوٹے ہوں تو سجدہ میں اخفاء نہ کرے۔ بلکہ ابدار کرے کیونکہ خود نبی اکرم صلعم نے کپڑے چھوٹے ہونے کے باوجود ابدار فرمایا۔ اگر کپڑا چھوٹا نہ ہوتا۔ تو بغل کی سفیدی کیسے نظر آتی۔ اور اس کے اثبات کے واسطے باب اذا لم یتم السجود منعقد فرمایا۔ کہ اگر تجافی نہ کرے گا۔ تو اتمام السجود نہ ہوگا۔ اور وہاں بحیثیت کیفیۃ السجود کے آئے ہیں جن پر مستقل کلام ہوگا۔ اس روایت میں جو ما صلیت وارد ہوا ہے۔ اس سے ائمہ ثلاثہ نے استدلال کیا کہ نماز کے اندر اعتدال فرض ہے۔ ورنہ نماز نہ ہوگی ہمارے نزدیک تعدیل ارکان واجب ہے۔ بغیر اس کے بھی نماز ہوجائے گی اور جواب اس کا یہ ہے کہ ما صلیت کاملًا ہمارا استدلال بھی اسی حدیث سے ہے۔ لو مت۔ مت علی غیر سنۃ محمد صلعم اس سے معلوم ہوا کہ یہ واجب کا درجہ رکھتی ہے۔ فرضیت کی صورت میں ایسا ہرگز نہ فرماتے۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔

یہاں سے کتاب القبلہ شروع ہورہی ہے امام بخاریؒ کو جب لکھنے میں فترہ واقع ہوجاتی تھی۔ تو بسم اللہ سے افتتاح فرماتے تھے۔

کتاب القبلہ

باب فَضْلِ اِسْتِقْبَالِ الْقِبْلَةِ۔

يَسْتَقْبِلُ بِاَطْرَافِ رِجْلَيْهِ الْقِبْلَةَ قَالَهُ اَبُوْ حُمَيْدٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

ترجمہ:۔ قبلہ کی طرف منہ کرنے کی فضیلت پاؤں کی انگلیوں کو بھی قبلہ کی طرف متوجہ کرنا چاہیئے۔ یہ ابو حمیدؓ نے جناب نبی اکرم صلعم سے بیان فرمائی ہے۔

حدیث نمبر ۳۷۸ حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عَبَّاسٍ الخ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلّٰى صَلٰوتَنَا وَاسْتَقْبَلَ قِبْلَتَنَا وَاَكَلَ ذَبِيْحَتَنَا فَذٰلِكَ الْمُسْلِمُ الَّذِيْ لَهٗ ذِمَّةُ اللّٰهِ وَذِمَّةُ رَسُوْلِ اللّٰهِ فَلَا تُخْفِرُوا اللّٰهَ فِيْ ذِمَّتِهٖ۔

ترجمہ:۔ حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلعم نے فرمایا جس شخص نے ہماری

نماز کی طرح نماز پڑھی اور ہمارے قبلہ کی طرف منہ کیا۔ اور ہمارا ذبح کردہ جانور سے کھالیا تو یہ وہ مسلمان ہے جس کے لئے اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلعم کی ذمہ داری ہے۔ تو اللہ تعالیٰ کی ذمہ داری میں خیانت نہ کرو۔

تشریح از شیخ زکریا۔ چونکہ شرائط صلوٰۃ ذکر ہو رہے تھے۔ اوّلاً تو وضو کو ذکر فرما دیا۔ کیونکہ وہ سب سے اہم ہے۔ پھر لباس اور استقبال قبلہ کو ذکر فرمایا۔ اور ابتداء اس کی فضیلت سے شروع فرمائی مگر یہاں پر دو اشکال ہیں بلکہ تین اشکال ہیں اول یہ کہ ابھی تو استقبال قبلہ کی فضیلت شروع فرمائی تو ابھی سے کہاں استقبال اطراف رجلین الی القبلہ کے اندر پہنچ گئے۔ حالانکہ استقبال اطراف رجلین سجدہ میں ہوتا ہے تو چاہیئے یہ تھا کہ اوّلاً استقبال قیام وغیرہ ذکر فرماتے پھر بتدریج استقبال اطراف رجلین کا ذکر فرماتے اور دوسرا اشکال یہ ہے کہ ص۱۱۲ پر باب یستقبل القبلۃ باطراف رجلیہ آ رہا ہے۔ لہٰذا یہ باب مکرر ہو جائے گا۔ اور تیسرا اشکال یہ ہے کہ ترجمہ میں اطراف رجلین کا اگر ذکر فرمایا ہے تو اس کی روایت ذکر نہیں فرمائی اس لئے کہ اگر قال ابو حمید عن النبی صلعم کہہ دیا (جس میں اطراف رجلین کے استقبال کا ذکر ہے) تو وہ روایت تو اب تک نہیں آئی۔ کہ اسی سے اشارہ ہو جاتا۔ کیونکہ یہ روایت سنۃ الصلوٰۃ میں آئے گی۔ اب جوابات سنو! امام بخاریؒ نے یستقبل باطراف رجلیہ القبلۃ کو جزو ترجمہ نہیں بنایا۔ اور مثبت بفتح الباء قرار نہیں دیا۔ بلکہ مثبت بکسر الباء قرار دیا ہے۔ اور غرض اس کے ذکر سے استقبال کی تاکید اور فضل استقبال کو منقح کرنا ہے۔ کہ استقبال اس درجہ مؤکد ہے کہ بحالت سجدہ بھی نہیں چھوڑا جا سکتا۔ اور پاؤں کی انگلیوں تک سے کیا جاتا ہے۔ اور قال ابو حمید سے اس روایت کی طرف اشارہ فرما دیا۔ جو آگے آ رہی ہے۔ اب کوئی اشکال بھی باقی نہ رہا۔ اس لئے کہ سارے اشکال کا مدار یہ تھا کہ اس کو جزو ترجمہ قرار دیا جاتا اسی وجہ سے تکرار بھی لازم آ رہا تھا۔ روایت کی بھی ضرورت ہو رہی تھی۔ اور کچھ بے ترتیبی معلوم ہو رہی تھی رہا یہ اشکال کہ ترجمہ مکرر ہے اس کا جواب شراحؒ نے یہ دیا ہے کہ یہ باب یہاں بالتبع ہے اور وہاں ص۱۱۲ پر بالقصد آ رہا ہے۔ واستقبل قبلتنا اگرچہ استقبال کا ذکر من صلّی صلوٰتنا میں ضمناً آ گیا تھا۔ اس لئے کہ نماز استقبال قبلہ کے ساتھ ہی پڑھی جاتی ہے۔ مگر چونکہ یہود وغیرہ کے یہاں بھی نماز ہے اس لئے ان سے امتیاز کلی ظاہری محض لفظ صلی صلوٰتنا سے نہیں ہو سکتا تھا۔ گو فی نفسہ تو ہو جاتا تھا۔ اس لئے اس کو واضح کرنے کے لئے واستقبل قبلتنا فرما دیا۔ اس طرح اس میں یہود و نصاریٰ کی بالکلیہ مخالفت ہو جاتی ہے۔ کیونکہ وہ لوگ نماز بیت المقدس کی طرف منہ کر کے پڑھتے ہیں۔ اور ہمارا قبلہ کعبۃ اللہ ہے

اور مقصود ان چیزوں کے ذکر کرنے سے شعائر اسلام کا ذکر کرنا ہے اور تبلانا ہے کہ شعائر اسلام اختیار کرو۔ ورنہ اکل ذبیحتنا کوئی ہمارے ساتھ ہی خاص نہیں یہود بھی کھاتے ہیں لہ ذمۃ اللہ یہاں ذمہ سے مراد حفظ باری تعالیٰ ہیں آجانا ہے اور ذمہ سے ذمہ اصطلاحی مراد نہیں۔

حدیث نمبر ۳۷۹ حَدَّثَنَا نُعَیْمُ الخ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِکٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اُمِرْتُ اَنْ اُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰی یَقُوْلُوْا لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ فَاِذَا قَالُوْھَا وَصَلَّوْا صَلٰوتَنَا وَاسْتَقْبَلُوْا قِبْلَتَنَا وَاَکَلُوْا ذَبِیْحَتَنَا فَقَدْ حَرُمَتْ عَلَیْنَا دِمَاءُھُمْ وَاَمْوَالُھُمْ اِلَّا بِحَقِّھَا وَحِسَابُھُمْ عَلَی اللّٰہِ وَقَالَ عَلِیُّ بْنُ عَبْدِ اللّٰہِ حَدَّثَنَا خَالِدُ بْنُ الْحَارِثِ قَالَ نَا حُمَیْدٌ قَالَ سَاَلَ مَیْمُوْنُ بْنُ سِیَاہٍ اَنَسَ بْنَ مَالِکٍ فَقَالَ یَا اَبَا حَمْزَۃَ وَمَا یُحَرِّمُ دَمَ الْعَبْدِ وَمَالَہٗ فَقَالَ مَنْ شَھِدَ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاسْتَقْبَلَ قِبْلَتَنَا وَصَلّٰی صَلٰوتَنَا وَاَکَلَ ذَبِیْحَتَنَا فَھُوَ الْمُسْلِمُ لَہٗ مَا لِلْمُسْلِمِ وَعَلَیْہِ مَا عَلَی الْمُسْلِمِ وَقَالَ ابْنُ اَبِیْ مَرْیَمَ اَنَا یَحْیَی بْنُ اَیُّوْبَ قَالَ نَا حُمَیْدٌ قَالَ نَا اَنَسٌ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ۔

ترجمہ، حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلعم نے فرمایا مجھے اس وقت تک لوگوں سے جہاد و قتال کرنے کا حکم دیا گیا ہے جب تک وہ کلمہ لا الٰہ الخ کہیں پس جب یہ کلمہ کہہ دیا۔ اور ہماری نماز جیسی نماز پڑھیں ہمارے قبلہ کی طرف متوجہ اور ہماری ذبیحہ کو کھالیں۔ تو ان کے خون اور اموال ہم پر حرام ہوگئے مگر ان جان و مال کے حقوق کے ساتھ اور ان کا حساب اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے۔ میمون بن سیاہ نے حضرت انس بن مالکؓ سے پوچھا کہ ابو حمزہ کسی بندے کے خون اور اس کے مال کو کون سی چیز حرام قرار دیتی ہے۔ فرمایا جس شخص نے کلمہ لا الٰہ الخ کی شہادت دی اور ہمارے قبلہ کی طرف متوجہ ہوا۔ ہماری نماز جیسی نماز پڑھی اور ہماری ذبیحہ کو کھالیا۔ پس وہ مسلمان ہے۔ جو مسلمان کے حقوق ہیں وہی اس کے ہوں گے۔ اور جو مسلمان پر ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں وہی اس پر عائد ہوں گی۔ اور یہ سب کچھ حضرت انسؓ نے جناب نبی اکرم صلعم سے روایت کیا۔

تشریح از شیخ زکریاؒ۔ امرت ان اقاتل الناس الخ امام بخاریؒ نے اس روایت کو ذکر کرکے اشارہ فرمادیا کہ روایت سابقہ میں صلوٰۃ۔ استقبال قبلہ اور اکل ذبیحہ پر جو مسلم کا حکم لگایا ہے۔ اور اس کے لئے ذمۃ اللہ وذمۃ رسولہ ثابت ہے یہ اس کے لئے ہے۔ جو لا الٰہ الا اللہ کا قائل ہو۔ اور اگر اس

کا قائل نہ ہو۔ تو چاہے ہزار نمازیں پڑھے کوئی فائدہ نہیں الا بحقہا الخ بحق الکلمۃ والاسلام اور حق اسلام کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی ایسا کام کرے جس پر اسلام میں حفظ دم نہیں ہے تو پھر حفظ دم وغیرہ نہ ہوگا۔ مثلاً کوئی کسی کو قتل کرے یا محصن زنا کرے تو پہلا قصاص میں قتل ہوگا۔ اور دوسرا رجم کر دیا جائے گا۔ قال ابن ابی مریم الخ اس تعلیق کو امام بخاریؒ اس لئے ذکر فرمایا کہ حمید طویل کے متعلق تدلیس کا قول نقل کیا گیا ہے۔ اور انہوں نے حضرت انسؓ سے عن عن کے ساتھ روایت نقل کی ہے اور معنعنہ مدلس میں انقطاع کا احتمال ہوتا ہے اس لئے تحدیث ثابت کرنے کے لئے حدثنا انس ذکر فرمادیا اور ما للمسلم الخ یعنی اس کے لئے وہ حقوق ہوں گے جو مسلمان کے لئے ہوتے ہیں اور اس پر وہ حقوق عائد ہوں گے جو کسی مسلمان پر آتے ہیں غرضیکہ اس حدیث میں کمال ایمان کی علامات میں سے استقبال قبلہ کو بھی بتلایا گیا ہے۔ اس سے اس کی فضیلت معلوم ہوگئی اور اس کو خاص طور پر اس لئے ذکر کیا کہ مدینہ میں یہود و نصاریٰ زیادہ تھے اور وہ لوگ تحویل قبلہ پر اعتراض کرتے تھے اس لئے اہمیت بیان کرنے کے لئے اس کو ذکر فرمادیا۔ ورنہ اس سے بھی زیادہ اہم اور علامات ہیں۔

باب قِبْلَةِ أَهْلِ الْمَدِينَةِ وَأَهْلِ الشَّامِ وَالْمَشْرِقِ لَيْسَ فِي الْمَشْرِقِ وَلَا فِي الْمَغْرِبِ قِبْلَةٌ لِقَوْلِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَسْتَقْبِلُوا الْقِبْلَةَ بِغَائِطٍ أَوْ بَوْلٍ وَلٰكِنْ شَرِّقُوا أَوْ غَرِّبُوا۔

ترجمہ:۔ مدینہ والوں شام والوں اور مشرق والوں کا قبلہ کیا ہے۔ اور مشرق و مغرب میں کوئی قبلہ نہیں بوجہ قول نبی اکرم صلعم کے کہ پاخانے یا پیشاب کرنے کی حالت میں قبلہ کی طرف منہ نہ کرو بلکہ مشرق یا مغرب کی طرف منہ کرو

حدیث نمبر۔ ۳۸ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ الخ عَنْ أَبِي أَيُّوبَ الْأَنْصَارِيِّ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا أَتَيْتُمُ الْغَائِطَ فَلَا تَسْتَقْبِلُوا الْقِبْلَةَ وَلَا تَسْتَدْبِرُوهَا وَلٰكِنْ شَرِّقُوا أَوْ غَرِّبُوا قَالَ أَبُو أَيُّوبَ فَقَدِمْنَا الشَّامَ فَوَجَدْنَا مَرَاحِيضَ بُنِيَتْ قِبَلَ الْقِبْلَةِ فَنَنْحَرِفُ وَنَسْتَغْفِرُ اللهَ عَزَّ وَجَلَّ وَعَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عَطَاءٍ قَالَ سَمِعْتُ أَبَا أَيُّوبَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِثْلَهُ۔

ترجمہ:۔ حضرت ابو ایوب انصاریؓ سے مروی ہے کہ جناب نبی اکرم صلعم نے ارشاد فرمایا جب تم لوگ

پاخانہ پھرنے کے لئے نشیبی جگہ میں آؤ تو نہ قبلہ کی طرف منہ کرو اور نہ پیٹھ کرو بلکہ مشرق یا مغرب کی طرف منہ کرو۔ حضرت ابوایوبؓ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ شام کے ملک میں آئے تو بیت الخلاء کو قبلہ کی طرف بنائے ہوئے پایا۔ تو ہم قبلہ سے پھر جاتے تھے اور اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرتے تھے حضرت عطاءؒ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوایوب کو نبی اکرم سے اسی طرح کہتے سنا۔

تشریح از شیخ مدنیؒ: ترجمۃ الباب میں مصنفؒ نے تین جگہ کے قبلہ کو بتایا ہے۔ مگر روایت میں کوئی ایسا لفظ نہیں جو ان تینوں کو شامل ہو۔ روایت میں صرف اہلِ مدینہ کو خطاب ہے؛ و لکن شرقوا او غربوا میں بھی وہی مخاطب ہیں۔ تو اس جگہ تاویل یہ کی جائے گی کہ عبارت یوں تھی قبلۃ اھل المدینۃ و غیرھا اس کی بجائے مصنفؒ اہل شام کہہ دیا۔ اور پھر آگے فرمایا کہ اہل مدینہ اور جو ان کی جانب رہنے والے ہیں ان کا قبلہ مشرق و مغرب میں نہیں ہوگا۔ تو یہ صحیح ہوا۔ تو روایت سے اہل مدینہ اور جہتہ مدینہ میں رہنے والے لوگوں کا حکم معلوم ہوا۔ اور جو مشرق و مغرب کے رہنے والے ہیں۔ ان کا قبلہ مشرق و مغرب میں ہے۔ یہاں مشرق و مغرب حصہ کے لئے نہیں بلکہ جہات اربعہ مراد ہیں تو ان کا قبلہ اہلِ مدینہ کے قبلہ کے علاوہ ہوگا۔ اور غیر اہل مدینہ دو قسم ہیں ایک وہ جو جہتہ مدینہ میں رہتے ہیں ان کا قبلہ وہی اہلِ مدینہ کا قبلہ ہے۔ اور دوسری جہات والوں کا مشرق و مغرب میں ہوگا۔ دوسری توجیہ یہ ہے کہ مصنفؒ اہل مدینہ اور اس جہتہ کے رہنے والوں کا قبلہ بتلاتا ہے کہ المشرق میں الف و لام عوض مضاف الیہ کے ہے ای مشرقھم ای مشرق اھل المدینۃ واھل شام۔ اور ایسے مغربھم کے معنی ہیں اور مشرق و مغرب سے مشرق قریب اور مغرب قریب مراد ہے۔ اس میں غیر اہل المدینہ کی حالت کو بیان کرنا نہیں عوالی اور قریٰ مدینہ کا بھی وہی حکم ہے؛ جو اہل مدینہ کا ہے۔

تشریح از شیخ زکریاؒ: میں بیان کر چکا ہوں کہ امام بخاریؒ کی ساری کمائی ان کے تراجم ہیں اور میں نے یہ بھی بیان کیا تھا کہ چونکہ امام بخاریؒ کا وظیفہ طرق استنباط ہے۔ اس لئے تعلیم کے لحاظ سے بخاری شریف درجہ ثالث میں ہے۔ گو فضیلت کے لحاظ سے سب سے مقدم ہے اور ساری روایات بخاریؒ کی صحیح ہیں؛ جس کسی نے کلام کیا ہے تو ان کے تراجم کا اثبات خود ایک معرکۃ الآراء چیز ہے۔ اور پھر میں نے باب من بدء بالحلاب والطیب میں یہ بتلایا تھا کہ کچھ تراجم ایسے بھی ہیں؛ جن کے اندر شراح اور مشائخ نے طبع آزمائی کی ہے۔ اور اپنی کوشش صرف فرمائی ہے اور پھر بھی یہ معلوم نہ ہو سکا کہ امام بخاریؒ کی غرض ان

ابواب سے کیا ہے۔ گو توجیہ ہر جگہ کرتے ہیں چنانچہ توجیہ یہاں بھی بیان کروں گا۔ کیونکہ یہ باب بھی انہیں ابواب میں سے ہے جو معرکۃ الآراء ہیں حضرت امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ باب قبلۃ اھل المدینۃ واھل الشام الخ اہل مدینہ کا قبلہ کا قبلہ تو جنوب میں ہے۔ کیونکہ مکہ مدینہ سے جنوب میں واقع ہے اور اہل شام کا قبلہ بھی جنوب میں ہے۔ اس لئے کہ شام مدینہ سے شمال کے اندر واقع ہے یہاں تک کوئی اشکال نہیں لیکن آگے جو والمشرق بڑھا دیا۔ یہ کسی طرح سمجھ نہیں ہوتا۔ اس لئے کہ اہل مدینہ اور اہل شام کا قبلہ تو جنوب میں ہے مگر اہل مشرق کا قبلہ مغرب میں ہوگا۔ نہ کہ جنوب میں جو اہل مدینہ و شام کا ہے اس لئے بعض شراح کی رائے تو یہ ہے کہ یہ کاتب کی غلطی ہے اور بعض کی رائے ہے کہ یہ اشکال اس وقت ہوتا ہے جب کہ اس کو جر (زیر) کے ساتھ پڑھا جائے۔ اگر اس کو رفع کے ساتھ پڑھا جائے۔ اور خبر محذوف مانی جائے۔ تو پھر کوئی اشکال نہیں اس وقت تقدیر عبارت یوں ہوگی۔ والمشرق بخلافھما یعنی قبلہ اہل مشرق بخلاف قبلہ اہل المدینۃ واہل الشام مگر اس توجیہ پر یہ اشکال ہے کہ پھر اس مخالفت میں مشرق ہی کی کیا تخصیص ہے۔ مغرب والوں کا بھی قبلہ ان دونوں کے خلاف ہے۔ علامہ عینیؒ اس کا جواب دیتے ہیں کہ یہاں والمغرب محذوف ہے۔ علے طریقہ قولہ تعالیٰ وسرابیل تقیکم الحر والبرد یعنی احد المتقابلین کے ذکر پر اکتفا کر لیا کیونکہ دوسرا خود سمجھ میں آجاتا ہے۔ مگر پھر اس مجموعے پر دو اشکال وارد ہوتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ یہ ترجمہ شان بخاریؒ کے موافق نہیں رہتا۔ کیونکہ یہ بات تو بالکل ظاہر ہے کہ جو ایک جہۃ والوں کا قبلہ ہوگا وہ دوسری جہۃ والوں کا نہیں ہوگا۔ دوسرا اشکال یہ ہے کہ حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ والمشرق میں جو روایت مذکور ہے وہ جر (زیر) کے ساتھ ہے۔ اب تم یہ سنو کہ المشرق جر کے ساتھ ہے نہ کہ رفع کے ساتھ۔ اب اشکال جو یہاں پیش آیا اس کی وجہ یہ ہے کہ المشرق سے عام مراد لیا گیا ہے۔ حالانکہ حضرت امام بخاریؒ کی غرض اس سے عام نہیں ہے۔ بلکہ خاص ہے۔ اور خاص ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس سے خاص خطے کے لوگ مراد ہیں جو بخارا اور مرو وغیرہ کے ہیں۔ یہ علاقے اس زمانہ میں مشرق کہلاتے تھے۔ اور شام چونکہ اس سے مغرب میں واقع ہے۔ اس لئے وہ مغرب کہلاتا تھا۔ تو یہاں پر مشرق سے مراد خاص بخارا اور مرو وغیرہ ہیں جو شام کے مقابل میں مراد ہیں اور اہل شام ان کے مقابل میں مغرب میں ہیں۔ اور بخارا و مرو وغیرہ سے قبلہ جنوب کی جانب میں ہے لہٰذا جو اہل مدینہ و شام کا قبلہ ہے وہی اہل مشرق خاص یعنی اہل بخارا و مرو وغیرہ کا قبلہ ہوا۔ مگر چونکہ مرو وغیرہ تھوڑا سا مشرق میں ہٹ کر واقع ہے۔ اس لئے حضرت عبداللہ بن المبارک امام ترمذیؒ نے ترمذی شریف

ما اختار ابن المبارک لاھل المرو النیاسو نقل کیا ہے کہ ذرا سا بائیں طرف کو مائل ہو کر نماز وغیرہ پڑھیں۔ اب اشکال نہیں رہا۔ اور کوکب الدرّی ملا ج اول کے حاشیہ میں جہاں حضرت ابن المبارک کا یہ مقولہ ترمذی میں مذکور ہے۔ وہاں بخارا، مرد، مکہ، مدینہ اور شام کی صورت بنا کر میں نے واضح کر دیا ہے اور مطلق اہل مشرق کا قبلہ مغرب ہے۔ جیسے ہم بالکل مشرق کے اندر واقع ہیں لہٰذا ہمارا قبلہ مغرب ہے لیس فی المشرق ولا فی المغرب قبلۃ یہ اہل مدینہ کے لئے ہے اور جو ان کی سمت پر واقع ہیں نہ کہ مطلق۔ اب اس کے بعد امام بخاریؒ نے لقول النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا تستقبلو ا القبلۃ الخ ذکر فرما کر ایک تو یہ ثابت فرما دیا کہ مشرق و مغرب میں اہلِ مدینہ ومن علی سمتہم کا قبلہ نہیں ہے اس کے ساتھ ان لوگوں کے قول پر رد فرما دیا جو یہ کہتے ہیں کہ حدیث میں ولکن شرقوا وغربوا کا خطاب عام ہے۔ اہل مدینہ اور ان کے غیر سب مشرق ومغرب کی طرف بحالت استنجا استقبال کر سکتے ہیں خواہ قبلہ سامنے یا پیچھے ہی کیوں نہ ہو۔ لا تستقبلوا القبلۃ استقبال واستدبار میں تین مذاہب مشہور ہیں جیسا کہ میں پہلے بیان کر چکا ہوں۔ ایک تو ظاہر یہ کا کہ یہ منسوخ ہے اور مطلقاً جائز ہے۔ اور دوسرا حنفیہؒ کا کہ مطلقاً ناجائز ہے تیسرے ائمہ ثلاثہ کا کہ بنیان کے اندر تو جائز ہے۔ اور صحاری میں ناجائز۔ اس کے علاوہ دو قول اور بیان کئے ہوتے ہیں۔ ایک استدبار فی البنیان کا اور دوسرے نہی تنزیہی کا۔ اس کے علاوہ اور بھی چند اقوال نقل کئے جاتے ہیں جو غیر مشہور ہیں قال ابو ایوب فقد من الشام الخ نسائی کی روایت میں عن رافع بن اسحاق انہ سمع ابا ایوب الانصاری وھو بمصر یقول ہے۔ علماء نے نسائی کی اس روایت کو غلط قرار دیا ہے۔ اور علماء موجہین فرماتے ہیں کہ قدوم شام میں تھا۔ اور روایت مصر میں بیان کی تھی۔ فوجدنا مراحیض الخ مراحیض مرحاض کی جمع ہے جس کے معنی بیت الخلاء کے ہیں۔

کفا ننحرف ونستغفر الخ قاعدہ یہ ہے کہ جو مشغول لوگ ہوتے ہیں وہ پائخانہ میں اس وقت جاتے ہیں جبکہ شدت کے ساتھ تقاضا ہو۔ صحابہ کرام کا بھی یہی حال تھا۔ کہ انتہائی مشغول ہوتے تھے اور جب شدت کے ساتھ طبیعت پر تقاضا ہوتا تب بیت الخلاء کا رُخ فرماتے اور جلدی میں اس کا خیال نہ رہتا اور ان مراحیض میں جو قبلہ کی طرف بنائے گئے تھے۔ بیٹھ جاتے۔ مگر جب یاد آجاتا تو اپنا رخ پلٹتے اور اپنی اس غلطی پر گو وہ نسیاناً ہوتی تھی۔ نادم ہوتے اور استغفار پڑھتے اپنے فعل پر۔ اور جن لوگوں نے یہ کہہ دیا کہ وہ ان بنانے والوں کے لئے استغفار کرتے تھے۔ یہ غلط ہے اس لئے کہ ان کے بنانے والے تو

کفار تھے ان کے لئے استغفار کے کیا معنی! اب تم یہ سنو! کہ حضرت امام بخاریؒ نے اس کو وہاں ذکر نہیں
فرمایا جہاں استقبال اور استدبار کا ذکر ہے۔ بس صرف حضرت ابن عمرؓ کی روایت نقل کر دی، کیونکہ
وہ ان کے موافق تھی۔ دوسری بات یہ سنو کہ حضرت ابوایوب انصاریؓ کے اس مقولہ سے یہ معلوم ہوا
کہ نہی بنیان وصحاری کو عام ہے۔ کیونکہ وہ بنیان کے اندر استقبال ہو جانے پر استغفار کرتے تھے۔
اگر یہ نہی عام نہ ہوتی تو استغفار کرنے کا کیا مطلب؟ اور تیسری بات یہ بھی معلوم ہوئی کہ عام صحابہ کرام
کا یہی مذہب تھا۔ اور اس کا علم اس سے ہوتا ہے کہ حضرت ابوایوبؓ نے جمع کا صیغہ استعمال کر کے
کنا ننحرف ونستغفر اللہ فرمایا ہے۔ کوکب کے اندر نقشہ کی صورت یہ ہے

مشرق	شمال	مغرب
بخارہ	ہرات	مدینہ
	کرمان	مکہ
مشرق	جنوب	مغرب

اس نقشے کے اندر جو چار یا پانچ شہروں کے نام ہیں یہ سب مدینہ کی جانب مشرق میں ہیں۔ مگر جنوب کی طرف مائل ہیں۔ لہٰذا جنوب ہی ان کا قبلہ ہے
اگر یہ بالکل جانب مشرق میں ہوتے مکہ سے تو پھر مکہ کی سیدھ میں ان کا نام آتا۔ حالانکہ ان کا نام
اس سے ہٹ کر آرہا ہے معلوم ہوا کہ یہ بالکل مشرق میں نہیں تاکہ غرب ان کا قبلہ ہو۔ حضرت ابوایوب
انصاری کی یہ روایت نہی حنفیہ کا مستدل ہے کہ استقبال قبلہ واستدبار مطلقاً ممنوع ہے

باب قَوْلِ اللّٰہِ عَزَّ وَجَلَّ وَاتَّخِذُوا مِنْ مَّقَامِ اِبْرَاهِيْمَ مُصَلًّى۔

ترجمہ:۔ مقام ابراہیم کو جائے نماز بناؤ۔

حدیث نمبر ۳۸۱ حَدَّثَنَا الْحُمَيْدِيُّ الخ سَأَلْنَا ابْنَ عُمَرَ عَنْ رَجُلٍ طَافَ بِالْبَيْتِ لِلْعُمْرَةِ وَلَمْ يَطُفْ بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ أَيَأْتِي امْرَأَتَهُ فَقَالَ قَدِمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَطَافَ بِالْبَيْتِ سَبْعًا وَصَلَّى خَلْفَ الْمَقَامِ رَكْعَتَيْنِ وَطَافَ بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ وَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ وَسَأَلْنَا جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ فَقَالَ لَا يَقْرَبَنَّهَا حَتّٰى يَطُوفَ بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ (الحدیث)

ترجمہ:۔ حضرت عمرو بن دینار فرماتے ہیں کہ ہم نے حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے اس آدمی کے متعلق
سوال کیا جس نے عمرہ کے لئے بیت اللہ کا طواف تو کیا اور لیکن صفا مروہ کے درمیان سعی نہیں کی کیا وہ اپنی
عورت سے ہمبستر ہو سکتا ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ جناب نبی اکرم صلعم تشریف لائے بیت اللہ کا سات مرتبہ

طواف کیا اور مقام ابراہیم کے پیچھے دو رکعت نماز پڑھی اور پھر صفا و مروہ کے درمیان سعی فرمائی اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ جناب رسول اللہ صلعم میں تمہارے لئے اسوۂ حسنہ ہے اور ہم نے حضرت جابر بن عبد اللہ رضی سے سوال کیا تو انہوں نے فرمایا کہ وہ اس وقت تک بیوی کے قریب نہ جائے جب تک صفا اور مروہ پہاڑی کے درمیان سعی نہ کرے۔

تشریح از شیخ مدنی؟ مصنف رح نے ترجمۃ الباب میں آیت کو ذکر کیا ہے۔ اس سے کیا مقصد ہے؟ یہ تو مسلم ہے کہ مصلی سے مراد مصلی الیہ ہے۔ کیونکہ مقام ابراہیم اتنا وسیع نہیں کہ اس پر کھڑے ہو کر نماز پڑھی جا سکے تو اس لئے مصنف رح نے اس کو باب قبلہ میں داخل کیا کہ مصلی معنی میں مصلی الیہ و مستقبل الیہ کے ہے تو معلوم ہوا کہ مقام ابراہیم کو مستقبل الیہ بنایا جائے۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے غالباً مصنف رح کو یہی بتلانا ہے کہ خانہ کعبہ کو مستقبل الیہ بنانا یہ حکم عام ہے۔ اور مقام ابراہیم کو مستقبل الیہ بنانا۔ یہ حکم خاص رکعتے الطواف کے لئے ہے چنانچہ روایات اسی پر دلالت کرتی ہیں کہ مسجد الحرام میں اگرچہ خلف المقام رکعتی الطواف پڑھی جا سکتی تھی۔ مگر آپ نے مقام ابراہیم کو مستقبل الیہ بنانے کا حکم دیا۔ دوسری توجیہ یہ ہے کہ یہ حکم بطور استحباب ہے اور فتوجھوا وجوھکم الخ یہ حکم بطور فریضہ کے ہے۔ اگر فاتخذوا فرضیۃ پر دلالت کرتا تو آپ کبھی اس کو ترک نہ کرتے۔ حالانکہ آپ نے خانہ کعبہ کی طرف بھی منہ کر کے نماز پڑھی ہے۔ تیسری توجیہ یہ ہے کہ مقام ابراہیم سے پتھر مراد نہیں۔ بلکہ خانہ کعبہ مراد ہے کہ خانہ کعبہ کے کسی جزو کو مستقبل الیہ بنالو۔ اس مسئلہ کو بتلانے کے لئے مصنف رح نے تین روایات ذکر کی ہیں۔ پہلی روایت میں ہے کہ آپ نے خلف المقام نماز پڑھی ہے وہ بھی اس طرح کہ خانہ کعبہ کا طواف استقبال بھی ہو جاتا ہے۔ اور پھر قبل کعبہ میں نماز پڑھی۔ اور مقام ابراہیم کی طرف پشت کی گئی تو ان دونوں روایتوں سے معلوم ہوا کہ خانہ کعبہ کو مستقبل الیہ بنانا چاہئے اور تمام کعبہ کا استقبال ضروری نہیں ہے۔ بلکہ بعض خانہ کعبہ کا طواف کیا جائے۔ اس وقت من تبعیضیہ ہوگا۔ اور خانہ کعبہ کی نسبت ابراہیم کی طرف اس لئے کی گئی۔ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اس کے بنانے والے ہیں اور عرصہ تک اس میں رہے ہیں اس صورت میں آیات میں تعارض نہ رہے گا۔

تشریح از شیخ زکریا۔ حضرت امام بخاری رح کی غرض اس باب سے کیا ہے۔ بعض علماء کی رائے ہے کہ اتخذوا امر کا صیغہ ہے اس سے بظاہر وجوب سمجھ میں آتا ہے۔ تو حضرت امام بخاری رح نے یہ باب منعقد فرما کر بتلا دیا کہ یہ امر ایجابی نہیں ہے اور یہی میرے والد صاحب رح کی رائے ہے اور بعض علماء کی رائے یہ ہے

کہ اتخذوا اپنے اطلاق کی وجہ سے مطلقاً اتخاذ صلوٰۃ پر دلالت کرتا ہے تو امام بخاریؒ اس کو ترجمہ گردان کر اور روایات ذکر فرماکر بتلادیا کہ اس سے خاص رکعتی الطواف مراد ہے اور بعض علماؒ کی رائے یہ ہے کہ من مقام ابراھیم کے لفظ سے بظاہر اس مقام کی تخصیص معلوم ہوتی تھی تو امام بخاریؒ نے روایات ذکر فرماکر اشارہ فرمادیا کہ کوئی تخصیص نہیں، بلکہ اس کے آس پاس کا حصہ بھی مقام ابراہیم میں داخل ہے۔ مقام خاص مراد نہیں۔ وقال قد صلی النبی صلی اللہ علیہ وسلم الخ اس سائل کے جواب میں حضرت ابن عمرؓ یہ فرماکر اشارہ کردیا کہ حضور صلعم نے ایسا فرمایا ہے۔ لہٰذا اب تم سوچ لو کہ یہ جائز ہوگا یا نہیں۔ اور مقصود اصلی امام بخاریؒ کا صلی خلف المقام رکعتین ہے۔ خلف المقام یہ تعمیم ہوگئی۔ نیز رکعتین کی تعیین بھی ہوگئی۔

حدیث نمبر ۳۸۲ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ الخ قَالَ أُتِيَ ابْنُ عُمَرَ فَقِيلَ لَهُ هٰذَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ الْكَعْبَةَ فَقَالَ ابْنُ عُمَرَ فَأَقْبَلْتُ وَالنَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ خَرَجَ وَأَجِدُ بِلَالًا قَائِمًا بَيْنَ الْبَابَيْنِ فَسَأَلْتُ بِلَالًا فَقُلْتُ أَصَلَّى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْكَعْبَةِ قَالَ نَعَمْ رَكْعَتَيْنِ بَيْنَ السَّارِيَتَيْنِ اللَّتَيْنِ عَلَى يَسَارِهِ إِذَا دَخَلْتَ ثُمَّ خَرَجَ فَصَلَّى فِي وَجْهِ الْكَعْبَةِ رَكْعَتَيْنِ۔

ترجمہ:۔ مجاہد فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عمرؓ تشریف لائے تو آپ سے کہا گیا کہ کیا جناب رسول اللہ صلعم خانہ کعبہ کے اندر داخل ہوئے ہیں حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ جب میں آیا تو جناب رسول اللہ صلعم خانہ کعبہ سے باہر نکل چکے تھے۔ حضرت بلالؓ کو میں نے دونوں دروازوں کے درمیان پایا تو میں نے ان سے پوچھا کہ کیا جناب نبی اکرم صلعم نے کعبہ کے اندر نماز پڑھی ہے۔ انہوں نے فرمایا ہاں آپ نے دو رکعتیں ان دوستونوں کے درمیان پڑھی ہیں۔ جو داخل ہونے والے کے بائیں جانب ہیں۔ پھر آپ نے دو رکعتیں خانہ کعبہ کے سامنے پڑھی ہیں۔

تشریح از شیخ زکریاؒ۔ فاقبلت والنبی صلعم قد خرج الخ حضرت ابن عمرؓ چونکہ سخت متبع سنت تھے، اس لئے جب ان کو خبر ملی کہ حضور اکرم صلعم خانہ کعبہ میں داخل ہوتے تو وہ بھی چلے کہ دیکھیں کہ آپ نے وہاں جاکر کیا کیا۔ اور جو کچھ آپ نے کیا۔ وہی میں کروں مگر حضور اکرم صلعم باہر تشریف لاچکے تھے السارتین الخ اس میں روایات مختلف ہیں کہ آپ نے خانہ کعبہ کے اندر نماز کہاں پڑھی ایک روایت

تو یہ ہے ۔ دوسری روایت یہ ہے کہ بین الرکنتین الیمانیین پڑھی تیسری روایت میں یہ ہے کہ تین سواری پیچھے تھے ۔ اس پر مزید کلام الصلوٰۃ بین السواری میں آئے گا ۔ روایات بھی دہیں آئیں گی فصلی فی وجہ الکعبۃ رکعتین اس سے تعمیم بھی ہوگئی ۔ اس لئے کہ جب وجہ کعبہ میں نماز پڑھی تو مقام ابراہیم پیچھے رہ گیا تو وہ رکعتین جو مقام کے ساتھ متعلق ہیں ان کا ایجاب ہی نہ رہا ۔

حدیث نمبر ۳۸۳ حَدَّثَنَا اِسْحٰقُ بْنُ نَصْرٍ الخ قَالَ سَمِعْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ قَالَ لَمَّا دَخَلَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ الْبَیْتَ دَعَا فِیْ نَوَاحِیْہِ کُلِّھَا وَلَمْ یُصَلِّ حَتّٰی خَرَجَ مِنْہُ فَلَمَّا خَرَجَ رَکَعَ رَکْعَتَیْنِ فِیْ قُبُلِ الْکَعْبَۃِ وَقَالَ ھٰذِہِ الْقِبْلَۃُ ۔

ترجمہ : حضرت عطاؒ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عباسؓ سے سُنا وہ فرماتے تھے کہ جب نبی اکرم صلعم بیت اللہ میں داخل ہوتے تو اس کے تمام جوانب میں دعا مانگی اور نماز نہ پڑھی یہاں تک کہ اس سے نکل آتے ۔ جب نکل چکے تو کعبہ کے سامنے دو رکعتیں پڑھیں اور فرمایا یہی قبلہ ہے ۔

لم یصل الخ حضرت ابن عمرؓ کی روایت میں صلی ہے اور اس روایت میں لم یصل ہے ۔ بعض علماء کا کہنا ہے کہ قاعدہ یہ ہے کہ جب نفی و اثبات میں تعارض ہو جائے تو اثبات کو ترجیح ہوا کرتی ہے ابن عمرؓ کی روایت مثبت ہے ۔ لہٰذا یہی راجح ہوگی ۔ اور بعض علماء نے جمع کیا ہے کہ آپؐ کا دخول کعبہ میں دو مرتبہ ہوا ہے ۔ ایک فتح مکہ کے موقعہ پر دوسرے حجۃ الوداع میں تو نماز کا پڑھنا محمول ہے ایک مرتبہ کے دخول پر اور نہ پڑھنا دوسرے دخول پر وقال ھذہ القبلۃ اس کا مطلب یہ ہے کہ اب یہ ہمیشہ کے لئے قبلہ بنا دیا گیا ۔ اس میں نسخ نہیں ہوگا ۔ یا یہ کہ واتخذوا من مقام ابراھیم میں جو امر ہے اس سے مقام ابراہیم کا قبلہ ہونا معلوم نہیں ہوتا بلکہ قبلہ تو یہ ہے ۔ بسا اوقات امام بخاریؒ آیت کو تبرکاً ذکر کر دیتے ہیں اور کبھی اس کو ترجمہ کے طور پر ذکر کرتے ہیں ۔ حضرات ائمہ مفسرین کے نزدیک یہ آیت کریمہ تحیۃ الطواف کے متعلق ہے کہ یہ دو رکعت طواف مقام ابراہیم پر پڑھنا واجب ہے سألنا ابن عمر عن رجل الخ ۔ دراصل اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ محرم احرام سے کب نکلتا ہے ۔ بعض لوگوں کے نزدیک حدودِ حرم میں داخل ہونے کے بعد اس کا احرام ختم ہو جاتا ہے ۔ اور بعض حضرات جن میں ابن عباسؓ بھی شامل ہیں کی رائے یہ ہے کہ جب اس کی نظر بیت اللہ پر پڑے اس وقت احرام ختم ہو جاتا ہے لہٰذا وطی وغیرہ سب ممنوعات اس کے لئے حلال ہیں لیکن جمہور ائمہ کے نزدیک جب تک طواف سعی اور حلق نہ کرائے اس وقت تک وطی جائز نہیں ۔

یہی مسئلہ اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے، بین الساریتین اس بارے میں روایات مختلف ہیں جیسا کہ گذر چکا میرے والد صاحبؒ فرماتے ہیں کہ اس زمانے میں ستون غیر مرتب ہوتے تھے۔ ہموار اور بالکل خط مستقیم کے ذریعہ سیدھے ایک لائن میں نہیں ہوتے تھے تو اس زمانے میں کعبہ کا نقشہ اس قسم کا تھا۔

بیت اللہ	
یسار	
یمین	حضورؐ

اور حضور اکرم صلعم ایسے کھڑے تھے کہ یسار میں بھی دو ستون تھے اور یمین میں بھی دو ستون تھے۔ اس طور پر آپؐ کا بین الساریتین ہونا بھی صادق ہو گیا اور یہ کہ آپؐ کے سامنے دو ستون ہیں کیونکہ جیسے تین رہیں ایسے ہی ادھر ادھر مقابلہ میں دو ہیں انہی کا ذکر کر دیا۔

باب ۔ التَّوَجُّهِ نَحْوَ الْقِبْلَةِ حَيْثُ كَانَ وَقَالَ اَبُوْهُرَيْرَةَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اسْتَقْبِلِ الْقِبْلَةَ وَكَبِّرْ ۔

ترجمہ :۔ جہاں بھی ہو نمازی کو قبلہ کی طرف توجہ کرنی چاہیئے حضرت ابو ہریرۃؓ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلعم نے قبلہ کی طرف منہ کر کے تکبیر کہی۔

حدیث نمبر ۳۸۴ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ رَجَاءٍ الخ عَنِ الْبَرَاءِ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى نَحْوَ بَيْتِ الْمَقْدِسِ سِتَّةَ عَشَرَ شَهْرًا اَوْ سَبْعَةَ عَشَرَ شَهْرًا وَّكَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُحِبُّ اَنْ يُّوَجَّهَ اِلَى الْكَعْبَةِ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ فَتَوَجَّهَ نَحْوَ الْقِبْلَةِ وَقَالَ السُّفَهَآءُ مِنَ النَّاسِ وَهُمُ الْيَهُوْدُ مَا وَلّٰهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِيْ كَانُوْا عَلَيْهَا قُلْ لِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ فَصَلّٰى مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلٌ ثُمَّ خَرَجَ بَعْدَ مَا صَلّٰى فَمَرَّ عَلٰى قَوْمٍ مِّنَ الْاَنْصَارِ فِيْ صَلٰوةِ الْعَصْرِ يُصَلُّوْنَ نَحْوَ بَيْتِ الْمَقْدِسِ فَقَالَ هُوَ يَشْهَدُ اَنَّهٗ صَلّٰى مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَنَّهٗ تَوَجَّهَ نَحْوَ الْقِبْلَةِ فَتَحَرَّفَ الْقَوْمُ حَتّٰى تَوَجَّهُوْا نَحْوَ الْكَعْبَةِ ۔

ترجمہ :۔ حضرت براء بن عازبؓ فرماتے ہیں کہ جناب نبی اکرم صلعم بیت المقدس کی طرف سولہ یا سترہ ماہ تک نماز پڑھتے رہے۔ اور آنحضرت صلعم کی خواہش یہ تھی کہ آپ کعبہ کی طرف متوجہ کئے جاتے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری۔ ہم آپؐ کے چہرے کا آسمان کی طرف الٹ پلٹ ہونا دیکھ رہے ہیں پس آپ کو

قبلہ کی طرف منہ کرنے کا حکم ہوا۔ تو بیوقوف لوگوں نے جو یہود تھے کہنا شروع کیا کہ ان لوگوں کو کس چیز نے اس قبلہ سے ہٹا دیا جس پر یہ پہلے تھے۔ فرما دیجئے اللہ کے لئے مشرق و مغرب ہے (آلایۃ) آپ کے ساتھ ایک آدمی نے نماز پڑھی نماز پڑھنے کے بعد وہ نکلا تو اس کا گذر انصار کی ایک قوم کے پاس سے ہوا جو عصر کی نماز بیت المقدس کی طرف منہ کرکے پڑھ رہے تھے۔ اس نے گواہی دے کر کہا کہ میں جناب نبی اکرم صلعم کے ساتھ کعبہ کی طرف منہ کرکے نماز پڑھ آیا ہوں تو وہ ساری قوم پھر کر کعبہ کی طرف متوجہ ہو گئے۔

تشریح از شیخ مدنیؒ۔ ظاہراً اس سے عموم مراد معلوم ہوتا ہے کہ ہر مکان سے مستقبل الیہ نانہ کعبہ ہو۔ اور دوسری بات یہ ہے کہ نحو کعبہ جب مستقبل الیہ ہوا۔ تو اس نے فولوا وجوھکم شطر المسجد الحرام کی تفسیر کر دی کہ شطر کے معنی نحو کے ہیں۔ نسف کے نہیں ہیں جمہور کا یہی مسلک ہے۔ اور ایک جماعت کا قول یہ ہے کہ مواجھہ الی الکعبۃ کے لئے بھی نحو قبلہ ضروری ہے۔ مگر جمہور فرماتے ہیں کہ اس کا مستقبل الیہ عین قبلہ ہوگا۔

تشریح از شیخ زکریاؒ۔ شراح کی رائے حیث کان کے بارے میں یہ ہے کہ سفر میں جہاں کہیں بھی ہو توجہ الی الکعبہ کرے۔ چونکہ فاینما تولوا فثم وجہ اللہ سے یہ سمجھ میں آتا تھا کہ سفر کے اندر استقبال قبلہ شرط نہیں بلکہ جس طرح بھی بن پڑے پڑھ لے۔ وہی قبلہ ہے۔ کیونکہ آیت کا نزول سفر کے اندر ہے تو حضرت امام بخاریؒ نے اس وہم کو دفع کرکے بتلا دیا کہ نہیں مسافر کو بھی توجہ الی القبلہ کرنی ہوگی۔ اور میری رائے یہ ہے کہ حضرت امام بخاریؒ کی غرض ترجمۃ الباب سے یہ ہے کہ جہاں کہیں بھی قبلہ کی قبلیت متحقق ہو جائے۔ بس متوجہ ہو جائے۔ خواہ ابتدا صلوٰۃ میں ہو۔ یا وسط صلوٰۃ میں یا آخر صلوٰۃ میں خواہ مسافر ہو یا مقیم ہو سب کو یہ حکم عام ہے جیسا کہ مسئلہ تحری میں ہے کہ جب بھی جس طرف تحری ہو اس طرف کو رُخ کرلے۔ وقال ابوھریرۃ الخ اس کے متعلق لکھتے ہیں کہ اس کو حضرت امام بخاریؒ نے کتاب الاستیذان میں ذکر فرمایا ہے۔ ستۃ عشر او سبعۃ عشر شھرا اجمالاً یہ ہے کہ ماہ ربیع الاول میں حضور اقدس صلعم ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لائے اور اخیر رجب میں تحویل قبلہ واقع ہوئی۔ تو جس نے ان دونو مہینوں کو مستقل شمار کرلیا اس نے سبعۃ عشر کہہ دیا اور جس نے ان دونو کو ایک شمار کیا اس نے ستۃ عشر کہہ دیا۔ کیونکہ کچھ دن ربیع الاول کے تھے اور کچھ دن رجب کے تھے۔ فمرّ علی قوم الخ اس میں علماء کا اختلاف ہے کہ تحویل کب واقع ہوئی بعض کی رائے یہ ہے کہ ظہر کی نماز میں ہوئی اور بعض کی رائے ہے کہ عصر کی نماز میں واقع ہوئی اس بارے میں روایات

مختلف ہیں کہ اس شخص نے کس نماز میں اطلاع دی - فجر کی نماز میں یا عصر کی نماز میں۔ اور میں بتلا چکا ہوں کہ عصر کا واقعہ محلہ بنو سالم کا ہے۔ اور فجر کا واقعہ قبا کا ہے اور وہاں میں یہ بھی بتلا چکا ہوں کہ ان لوگوں نے ایک شخص کی خبر پر کیسے اعتماد کر لیا جبکہ استقبال بیت المقدس قطعی تھا۔

حدیث نمبر ۳۸۵ حَدَّثَنَا مُسْلِمُ الخ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي عَلَى رَاحِلَتِهِ حَيْثُ تَوَجَّهَتْ بِهِ فَإِذَآ أَرَادَ الْفَرِيْضَةَ نَزَلَ فَاسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ

ترجمہ :- جا حضرت جابر بن عبد اللہ رضہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلعم اپنی سواری پر نماز پڑھتے تھے جدھر کو وہ رُخ کرتی تھی جب آپ فرض ادا کرنا چاہتے تو سواری سے اتر کر قبلہ کی طرف رُخ کر لیتے اور نماز پڑھتے

تشریح از شیخ زکریا یصلی علی راحلتہ نوافل کے اندر بالاتفاق ایسا کرنا جائز ہے جب کہ پہلی مرتبہ اس کی توجہ الی القبلۃ ہو۔

حدیث نمبر ۳۸۶ حَدَّثَنَا عُثْمَانُ الخ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ صَلَّى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِبْرَاهِيْمُ لَآ أَدْرِيْ زَادَ أَوْ نَقَصَ فَلَمَّا سَلَّمَ قِيْلَ لَهُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ أَحَدَثَ فِي الصَّلٰوةِ شَيْءٌ قَالَ وَمَا ذَاكَ قَالُوْا صَلَّيْتَ كَذَا وَكَذَا فَثَنٰى رِجْلَيْهِ وَاسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ وَسَجَدَ سَجْدَتَيْنِ ثُمَّ سَلَّمَ فَلَمَّا أَقْبَلَ عَلَيْنَا بِوَجْهِهِ قَالَ إِنَّهُ لَوْ حَدَثَ فِي الصَّلٰوةِ شَيْءٌ لَنَبَّأْتُكُمْ بِهِ وَلٰكِنْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ أَنْسٰى كَمَا تَنْسَوْنَ فَإِذَا نَسِيْتُ فَذَكِّرُوْنِيْ وَإِذَا شَكَّ أَحَدُكُمْ فِيْ صَلٰوتِهِ فَلْيَتَحَرَّ الصَّوَابَ فَلْيُتِمَّ عَلَيْهِ ثُمَّ لِيُسَلِّمْ ثُمَّ يَسْجُدْ سَجْدَتَيْنِ

ترجمہ :- حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے کہ جناب نبی اکرم صلعم نے نماز پڑھائی ابراہیم فرماتے ہیں کہ مجھے یاد نہیں کہ آپؐ نے زیادتی کی یا کمی کر دی پس جب آپؐ نے سلام پھیرا تو آپؐ سے کہا گیا کہ یا رسول اللہ کیا نماز میں کوئی نئی چیز پیدا ہو گئی ہے۔ آپؐ نے فرمایا وہ کیا ہے۔ صحابہ کرام نے عرض کی آپؐ نے نماز اس اس طرح پڑھائی ہے۔ پس آپؐ نے اپنے دونوں پاؤں کو پھیرا قبلہ کی طرف متوجہ ہوتے، دو سجدے کئے پھر سلام پھیرا جب اپنے چہرہ مبارک سے ہماری طرف متوجہ ہوئے تو فرمایا اگر نماز میں کوئی نئی چیز پیدا ہوتی تو میں تمہیں ضرور اس کی خبر دیتا لیکن بے شک میں انسان ہوں میں بھی اسی طرح بھولتا ہوں جس طرح تم بھولتے ہو۔ پس جب میں بھول جاؤں تو مجھے یاد کرا دیا کرو اور جب تم سے کسی ایک کو اپنی نماز میں شک گزرے تو وہ صواب کو تلاش کر کے اپنی نماز کو پورا کرے پھر سلام پھیر کر دو سجدے سہو کے ادا کرے

تشریح از شیخ زکریاؒ۔ لا ادری زاد او نقص، یہ سجدہ سہو کی روایت ہے وہاں اس پر کلام آئے گا نیز الکلام فی الصلوٰۃ کے جواز اور عدم جواز کی بحث بھی وہاں آئے گی۔ فثنی رجلیہ الخ یہاں حضور اقدس صلعم نے سجدہ سہو کے لئے استقبال قبلہ کیا۔ اس سے مراد استدلال ہے کہ جہاں بھی ہو آخر صلوٰۃ یا اوّل صلوٰۃ استقبال قبلہ کیا جائے گا۔ فلیتحر الصواب الخ ہمارے یہاں اصل تحری ہے۔ اگر یہ ہو تو بناء علی الاقل ہے اور امام شافعیؒ کے یہاں اصل بناء علی الاقل ہے اور تحری کی روایات اس پر محمول ہیں امام احمدؒ کے نزدیک امام تحری کرے اور منفرد بناء علی الاقل کرے اور امام مالکؒ کے یہاں بھی بناء علی الاقل اصل ہے اور تحری کی روایات اس پر محمول ہیں۔

باب مَا جَآءَ فِی الْقِبْلَةِ وَمَنْ لَمْ يَرَ الْاِعَادَةَ عَلٰى مَنْ سَهَا فَصَلّٰى اِلٰى غَيْرِ الْقِبْلَةِ وَقَدْ سَلَّمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ رَكْعَتَيِ الظُّهْرِ وَاَقْبَلَ عَلَى النَّاسِ بِوَجْهِهٖ ثُمَّ اَتَمَّ مَا بَقِيَ۔

ترجمہ:۔ جو کچھ قبلہ کے بارے میں وارد ہوا ہے جس شخص نے غلطی کی اور غیر قبلہ کی طرف نماز پڑھ لی تو بعض لوگ اس پر نماز کا اعادہ واجب نہیں سمجھتے اور جناب نبی اکرم صلعم نے ظہر کی دو رکعتوں پر سلام پھیر دیا لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے اور باقیماندہ نماز کو پورا فرمایا۔

حدیث نمبر ۳۸۷ حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عَوْنٍ الخ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَالَ عُمَرُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ وَافَقْتُ رَبِّيْ فِيْ ثَلٰثٍ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ لَوِ اتَّخَذْنَا مِنْ مَّقَامِ اِبْرَاهِيْمَ مُصَلًّى فَنَزَلَتْ وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرَاهِيْمَ مُصَلًّى وَاٰيَةُ الْحِجَابِ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ لَوْ اَمَرْتَ نِسَآءَكَ اَنْ يَّحْتَجِبْنَ فَاِنَّهٗ يُكَلِّمُهُنَّ الْبَرُّ وَالْفَاجِرُ .... فَنَزَلَتْ اٰيَةُ الْحِجَابِ وَاجْتَمَعَ نِسَآءُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْغَيْرَةِ عَلَيْهِ فَقُلْتُ لَهُنَّ عَسٰى رَبُّهٗ اِنْ طَلَّقَكُنَّ اَنْ يُّبْدِلَهٗ اَزْوَاجًا خَيْرًا مِّنْكُنَّ مُسْلِمَاتٍ فَنَزَلَتْ هٰذِهِ الْاٰيَةُ

ترجمہ:۔ حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ میں نے اپنے رب کی تین باتوں میں موافقت کی ایک تو یہ کہ میں نے کہا یا رسول اللہ کہ کاش ہم مقام ابراہیم کو جائے نماز بنا لیتے تو آیت واتخذوا من مقام الخ اتری اور دوسری پردے کی آیت میں کہ میں نے عرض کی یا رسول اللہ کاش آپ اپنی بیویوں کو پردہ کرنے کا حکم دیتے کیونکہ ان سے ہر ایک نیکو کار اور بدکار کلام کرتا ہے تو پردہ کی آیت

نازل ہوئی۔ اور تیسری بات یہ کہ جناب نبی اکرم صلعم کی بیویاں آپ پر غیرت کرنے کے لئے جمع ہوئیں تو میں نے ان سے کہا کہ اگر آنحضرت صلعم تم کو طلاق دے دیں تو عنقریب اللہ تعالیٰ آپ کو تمہارے بدلے ایسی بیویاں دے گا جو تم سے بہتر ہوں گی۔ فرمانبردار ہوں گی تو یہ آیت نازل ہوئی۔

تشریح از شیخ مدنی رح اس جگہ ماجاء فی القبلۃ سے وہ مراد ہے جو آثار سے معلوم ہوتا ہے بعض چیزیں ایسی ہیں کہ اگر وہ جزء صلوٰۃ میں نہ پائی جائیں تو صلوٰۃ فاسدہ ہوگی۔ جیسے طہارۃ اور سکوت یہاں تک امام صاحبؒ فرماتے ہیں کہ اگر سہواً کلام الناس پایا جائے تو نماز فاسد ہوگی تو آیا قبلہ کا استقبال بھی اسی طرح ہے یا نہیں یعنی ساہیاً یا ناسیاً کسی نے غیر قبلہ کی طرف نماز پڑھی یا ساہیاً کوئی قبلہ کی طرف سے پھر گیا۔ بعد میں اسے یاد دلایا گیا تو مصنفؒ فرماتے ہیں کہ نحو قبلہ استقبال فرض ہے کہ اگر اس کی طرف سے تھوڑی دیر چہرہ پھر جاتے تو نماز فاسد ہوجاتے مگر ایسا نہیں ہے۔ بلکہ آپ سے اس کا صدور ہوا لیکن نماز فاسد نہیں ہوئی۔ کہ جس کی وجہ سے آپ نے نماز کا اعادہ کیا ہو۔

تشریح از شیخ زکریاؒ شراح کی نزدیک ترجمہ کی غرض یہ ہے کہ اگر کسی طرف بھول کر نماز پڑھ لے تو اس کا حکم بتلا رہے ہیں اور من لم یر الاعادۃ الخ ما جاء فی القبلۃ کا عطف تفسیری ہے۔ میری رائے یہ ہے کہ دونو مستقل ہیں۔ اس لئے کہ اگر صرف من لم یر الاعادۃ علی من سہٰی کو بیان کرنا ہے تو روایت صرف ایک ہے جو مساعد ہے جس سے سہو معلوم ہوتا ہے اور بقیہ روایات مساعدت نہیں کرتیں۔ اس لئے اس میں تاویل کرنی ہوگی۔ لہٰذا میری رائے یہ ہے کہ ماجاء فی القبلۃ بطور مسائل شتّی کے ہے اور من لم یر الاعادۃ الخ بمنزلہ جزئیات کے ہے۔ جیسے کتابوں میں مسائل شتّی مصنفین اخیر کتاب میں بیان کرتے ہیں، اسی طرح امام بخاریؒ نے یہاں مسائل شتّی بیان فرماتے ہیں اور ان مسائل میں سے مسئلہ سہو چونکہ اہم تھا اور اختلافی تھا اس لئے خاص طور سے اس کو ذکر فرما دیا۔ اب ائمہ کا مذہب اس میں یہ ہے کہ اگر کوئی بھول کر غیر قبلہ کی طرف نماز پڑھ لے تو امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اعادہ واجب ہے اور امام مالکؒ کے نزدیک وقت کے اندر اعادہ کرے ہمارے نزدیک اعادہ نہیں ہے اور یہی حنابلہ اور امام بخاریؒ اور جمہور کا مذہب ہے۔ امام بخاریؒ بھی اسی کی تائید فرما رہے ہیں۔ فقد سلم النبی صلعم یہ حضرت ذوالیدینؓ کی روایت کا ایک ٹکڑا ہے جو مفصلاً اپنی جگہ آئے گا۔ اس روایت سے استدلال اس طرح ہے کہ حضور اکرم صلعم نے بھول کر سلام پھیر دیا۔ اور لوگوں کی طرف متوجہ ہوگئے

قبلہ کی طرف سے بھی رُخ پلٹ لیا پھر صحابہ کرام کے خبر دینے پر قبلہ کی طرف متوجہ ہو کر باقی نماز پوری کی اور سجدہ سہو کر کے سلام پھیرا۔ تو کہنا یہ ہے کہ اگر وہ پہلی نماز صحیح نہیں تھی۔ تو بنا کیسے ہوگی۔ اور اتمام کیونکر صحیح ہوا اور سجدہ سہو کیسے فرمایا۔ اور اگر حضور اقدس صلعم ابھی تک نماز ہی میں تھے تو بنا تو صحیح ہوئی۔ لہٰذا صلوٰۃ الی غیر القبلہ ساھیًا لازم آئی اور حضور صلعم نے اسی پر بنا کی۔ تو معلوم ہوا کہ صلوٰۃ الی غیر القبلہ سہواً سے نماز فاسد نہ ہوگی۔

وافقت ربی فی ثلاث الخ اس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت عمرؓ ان چیزوں کو چاہتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت عمرؓ کی منشاء کے مطابق حکم نازل فرمایا۔ اور یہ موافقات عمری کہلاتی ہیں حضرت عمرؓ کی موافقات پندرہ شمار کی گئی ہیں۔ اور اس روایت کا یہ عدد پندرہ کے مخالف نہیں۔ کیونکہ مفہوم عدد معتبر نہیں ہوتا۔ اور یہی مطلب ان الحق ینطق علی لسان عمر کا ہے کہ حق حضرت عمر کی زبان پر بولتا ہے یہ روایت حضرت عمرؓ کے بارے میں ابوداؤد میں ہے۔ فانزلت آیۃ الحجاب روایت گذر چکی ہے۔ باب خروج النساء الی البراز کے اندر کہ حضرت سودہ نکلیں حضرت عمرؓ نے کہا ہم نے پہچان لیا ہے حضرت سودہ ہے اس وقت آیت حجاب نازل ہوئی۔ واجتمع نساء النبی صلعم الخ غیرت یا تو اس بات کی تھی کہ حضرت ماریہ قبطیہ سے وطی فرمائی۔ یا اس واسطے کہ حضرت ام سلمہؓ کے یہاں شہد پیا۔ یہ پورا قصہ اپنی جگہ پر آئے گا۔ وہ یہ کہ ایک مرتبہ حضرت عمرؓ نے کچھ فرمایا۔ اس پر ان کی بیوی نے ان کو ٹوک دیا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا تو کون ہوتی ہے بولنے والی! اور اس کی وجہ یہ تھی کہ انصار کی عورتیں تو اپنے شوہروں کے ساتھ بلا تکلف دوبدو گفتگو کرتی تھیں اور نساء قریش بالکل چپ بہت زیادہ اپنے ازواج کے سامنے پست رہتی تھیں صحابہ کرام ہجرت کر کے جب مدینہ آئے تو انصار کی عورتوں سے قریش کی عورتوں نے ان کے عادات و اطوار سیکھ لئے خربوزہ خربوزے سے رنگ پکڑتا ہی ہے۔ بیوی نے عرض کی اپنی بیٹی کو نہیں دیکھتے کہ وہ جناب رسول اللہ صلعم کو کس طرح جواب دیتی ہے حضرت عمرؓ سن کر ام المؤمنین حضرت حفصہؓ کے پاس تشریف لائے۔ اور فرمایا میں نے سنا ہے کہ تم حضور اقدس صلعم کو بلا تکلف جواب دیتی ہو۔ حضرت حفصہؓ نے عرض کی کہ ہاں ہم ایسا کرتے ہیں حضرت عمرؓ نے فرمایا آئندہ ایسا ہرگز مت کرنا۔ اور اپنی سوکن کی ریس مت کرنا۔ وہ اپنے حسن کی وجہ سے لاڈلی ہے۔ اگر تجھے کوئی ضرورت ہو تو مجھ سے کہنا۔ حضرت عمرؓ پھر حضرت ام سلمہؓ کے پاس آئے۔ فرمایا کہ ہم سے

سنا ہے کہ حضور صلعم کو جراحات دیتی ہو حضرت ام سلمہ رضہ نے فرمایا کہ عمر رضہ حضور انور کی ازواج کے بارے میں ہر بات پر ٹانگ اڑاتے ہو غرض اس واقعہ حفصہ علی یا واقعہ حضرت ماریہ پیش آیا ۔ اور آپ نے مشربہ بالاخانہ میں قیام فرمالیا ۔

حدیث نمبر ۳۸۸ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰہِ بْنُ یُوْسُفَ الخ عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ بَیْنَا النَّاسُ بِقُبَآءٍ فِیْ صَلٰوۃِ الصُّبْحِ اِذْ جَآءَ ھُمْ اٰتٍ فَقَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَدْ اُنْزِلَ عَلَیْہِ اللَّیْلَۃَ قُرْاٰنٌ وَّقَدْ اُمِرَ اَنْ یَّسْتَقْبِلَ الْکَعْبَۃَ فَاسْتَقْبِلُوْھَا وَکَانَتْ وُجُوْھُھُمْ اِلَی الشَّامِ فَاسْتَدَارُوْا اِلَی الْکَعْبَۃِ

ترجمہ :۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضہ فرماتے ہیں کہ اس اثنا میں کہ لوگ مسجد قباء میں صبح کی نماز میں تھے کہ ایک آنے والا آیا اور اس نے کہا کہ جناب رسول اللہ صلعم پر آج رات قرآن اترا ہے جس پر حکم دیا گیا ہے کہ آپ کعبہ کو اپنا قبلہ بنائیں چنانچہ وہ سب اہل قباء کعبہ کی طرف متوجہ ہو گئے جبکہ ان کے چہرے شام کی طرف تھے تو وہ کعبہ کی طرف پھر گئے ۔

تشریح از شیخ زکریاؒ بینا الناس بقباء فی صلوٰۃ الصبح کہ میں کہہ چکا ہوں کہ قبا کے اندر صلوٰۃ صبح میں اعلام ہوا اور بنو سالم میں عصر کی نماز میں ۔

حدیث نمبر ۳۸۹ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ الخ عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ قَالَ صَلَّی النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ الظُّھْرَ خَمْسًا فَقَالُوْا اَزِیْدَ فِی الصَّلٰوۃِ قَالَ وَمَا ذَاکَ قَالُوْا صَلَّیْتَ خَمْسًا قَالَ فَثَنٰی رِجْلَہٗ وَسَجَدَ سَجْدَتَیْنِ ۔

ترجمہ :۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ جناب نبی اکرم صلعم نے ظہر کی نماز پانچ رکعتیں پڑھ لیں تو صحابہ کرام نے عرض کی کیا نماز میں اضافہ ہو گیا ہے آپ نے فرمایا وہ کیا ہے تو لوگوں نے کہا آپؐ نے پانچ رکعات پڑھی ہیں ۔ آپؐ نے اپنے پاؤں کو پھیرا اور دو سجدے کئے ۔

باب حَکِّ الْبُزَاقِ بِالْیَدِ مِنَ الْمَسْجِدِ ط

ترجمہ :۔ مسجد میں سے کنگھار کو ہاتھ سے کھرچ لینا ۔

حدیث نمبر ۳۹۰ حَدَّثَنَا قُتَیْبَۃُ الخ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِکٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ رَاٰی نُخَامَۃً فِی الْقِبْلَۃِ فَشَقَّ ذٰلِکَ عَلَیْہِ حَتّٰی رُؤِیَ فِیْ وَجْھِہٖ فَقَامَ فَحَکَّہٗ بِیَدِہٖ فَقَالَ اِنَّ اَحَدَکُمْ اِذَا قَامَ فِیْ صَلٰوتِہٖ فَاِنَّہٗ یُنَاجِیْ رَبَّہٗ اَوْ اِنَّ

رَبَّهٗ بَیْنَهٗ وَ بَیْنَ الْقِبْلَةِ فَلَا یَبْزُقَنَّ اَحَدُکُمْ قِبَلَ قِبْلَتِهٖ وَ لٰکِنْ عَنْ یَّسَارِهٖ اَوْتَحْتَ قَدَمِهٖ ثُمَّ اَخَذَ طَرَفَ رِدَآئِهٖ فَبَصَقَ فِیْهِ ثُمَّ رَدَّ بَعْضَهٗ عَلٰی بَعْضٍ فَقَالَ اَوْ یَفْعَلُ هٰکَذَا (الحدیث)

ترجمہ:۔ حضرت انس بن مالک رضؓ سے مروی ہے کہ جناب نبی اکرم صلعم نے قبلہ کی طرف کسی دیوار میں کھنگار دیکھا تو آپؐ کو یہ فعل ناگوار گذرا یہاں تک کہ ناراضگی کے آثار چہرۂ انور میں دیکھے گئے۔ آپؐ اٹھے اور اپنے ہاتھ مبارک سے اس کو کھرچ دیا۔ اور فرمایا جب ایک تمہارا نماز میں کھڑا ہوتا ہے تو وہ اپنے رب سے سرگوشی کرتا ہے اور رب کی توجہ اس بندے اور قبلہ کے درمیان ہوتی ہے۔ پس قبلہ کی طرف کوئی نہ تھوکے لیکن بائیں جانب یا اپنے قدم کے نیچے تھوکے پھر آپؐ نے اپنی چادر کا کنارہ پکڑا اس میں تھوکا اور بعض کو بعض سے مل دیا فرمایا یہ اس طرح کر دیا کرے۔

تشریح از شیخ مدنی رحمہ۔ فانہ یناجی ربہ یناجی مناجات سے ہے بمعنی سرگوشی کرنا۔ لیکن مناجات کا اطلاق تب ہوگا جبکہ دونوں طرف سے کلام خفی ہو۔ باب مفاعلہ اسی کا مقتضی ہے مگر یہاں دونو طرف سے کلام خفی نہیں، کیونکہ باری تعالیٰ کی طرف سے تکلم ہے ہی نہیں ہماری طرف سے کلام ہے وہ کان میں گفتگو کرنا نہیں کیونکہ ہر گفتگو کو مناجات نہیں کہا جاتا۔ ان دونو اعتراضات کے جواب مختلف ہیں۔

(۱) معنی مجازی مراد ہیں کہ بندے کی طرف سے آہستہ گفتگو کرنا اسی کو مناجات کہا گیا ہے کیونکہ حقیقی معنی گوش سے سننا باری تعالیٰ میں مستحیل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کان سے منزہ ہیں۔ تو سرا کلام کرنے کے معنی ہوں گے اور باری تعالیٰ کی طرف سے ارادہ قبولیت خیر بطور التفات باری الی العبد یہ گفتگو کے قائم مقام ہے۔ یہ مشہور توجیہ ہے۔ دوسری توجیہ یہ ہے کہ یہاں حقیقۃً مناجات ہوتی ہے کیونکہ باری تعالیٰ نحن اقرب الیہ من حبل الورید ہیں اور کان میں گفتگو کرنا بہ قرب کی وجہ سے ہوتا ہے یہاں بھی ہم باری تعالیٰ سے مخاطب کر رہے ہیں ان کو سنا رہے ہیں اور اپنے کلام کو آپ کی قوت سامعہ تک پہنچاتے ہیں۔ اس لیے اس سے گفتگو کرنا ہماری طرف سے مناجات ہوگی اور باری تعالیٰ بھی کلام کرتے ہیں اس لئے کہ جب مالک یوم الدین کہا تو اس کے جواب میں باری تعالیٰ فرماتے ہیں مجدنی عبدی میرے بندے نے میری بزرگی بیان کی اور قسمت الصلوٰۃ ای القرأۃ بینی و بین عبدی الخ تو باری تعالیٰ کی طرف سے سرگوشی ہوئی جسے ہم سن نہیں سکتے، ہمارا ادراک کرنا مخبر صادق کی خبر کے بعد

ہمارے آلہ ادراک کا قصور ہے اور جب کسی سے سرگوشی کی جائے تو پھر اس کی طرف تھوکنا اور بے ادبی کرنا التفات کے لئے مانع ہوگا۔ اور رحمت ایزدی بھی متوجہ نہ ہوگی۔ اِنَّ رَبّہ بینہ و بین القبلۃ باری تعالیٰ بینونۃ سے منزہ ہیں تو یہاں مجازی معنی ہوں گے کہ جیسے کوئی چیز حائل نہیں ہوتی۔ اور قرب ہوتا ہے ایسے باری تعالیٰ کا قرب حاصل ہوتا ہے۔ صوفیائے کرام تو فرماتے ہیں کہ جب تم نماز میں شروع ہوتے ہو تو اس وقت تجلی ربانی تمہاری طرف متوجہ ہوتی ہے۔ اور تجلیات الٰہیہ لا یمین ولا یسار ہیں جیسے آئینہ اپنے تعلق کی بنا پر دوسری چیز کو روشن کر دیتا ہے اس لئے اس کا اپنے آپ کو آفتاب کہنا صحیح ہے، جیسے آتشی شیشہ میں آفتاب کا پڑتا دکھائی پڑتا ہے تو حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تجلی ربانی اس کے اور قبلہ کے درمیان آجاتی ہے۔ اگر نمازی کو حس ہے تو اس تجلی کا اسے ادراک ہوگا۔ اگر لہو ولعب کیا تو وہ تجلی نظر نہ آسکے گی۔ اور اسی تجلی نے موسیٰ علیہ السلام سے کلام کیا تھا فلما کلمہ ربہ

تشریح از شیخ زکریا، چونکہ قبلہ کا ذکر ہو رہا تھا تو امام بخاریؒ نے اس کے ذیل میں مساجد کے احکام ذکر فرما دیئے اس لئے کہ مساجد کے اندر قبلہ کا خاص لحاظ ہوتا ہے اسی طرف کو مساجد بنائی جاتی ہے یہاں سے لے کر ابواب سترہ تک پچپن ابواب امام بخاریؒ نے مساجد کے متعلق منعقد فرمائے ہیں اور سب کا خلاصہ یہ ہے کہ مساجد کے بارے میں تشددات اور وعیدات وارد ہوتی ہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ کوئی شخص مسجد میں گم شدہ چیز تلاش کر رہا تھا (انشاد الضالّ) حضور اکرم صلعم نے فرمایا لا ردھا اللہ علیک۔ اللہ تعالیٰ وہ چیز تجھ پر واپس نہ کرے۔ اور کنز العمال میں ہے مساجد کے آداب میں ایسی روایات ذکر کی گئی ہیں۔ جن کا تقاضا یہ ہے کہ مساجد میں کسی قسم کا کلام نہ کرے صرف تلاوتِ قرآن۔ ذکر اللہ اور نماز پڑھے اور ایک دوسری روایت میں ہے کہ مسجد میں ہنسنا قبر کے اندر ظلمت کا سبب ہے۔ ایک مرتبہ حضرت عمرؓ نے مسجد نبوی میں دو آدمیوں کو زور سے بات کرتے دیکھا تو فرمایا کہ اگر تم یہاں کے باشندے ہوتے تو تمہاری پٹائی کرتا۔ تو امام بخاریؒ نے ابواب المساجد منعقد فرمائے ہیں اور اس کے اندر دو چیزیں ذکر فرمائیں ہیں ایک تو وہ جو امام بخاریؒ کے نزدیک آداب سے ہیں۔ ان کو ثابت فرما دیا۔ جیسے حکّ بزاق اور دوسرے ان چیزوں کا استثناء فرما دیا جن کا مسجد میں کر لینا جائز ہے، گویا ان کے عموم کو مقید فرما دیا جیسے من دعیٰ الی الطعام فی المسجد امام بخاریؒ نے ترجمۃ الباب میں ید کی قید لگائی ہے۔ ید کا ذکر صرف ایک روایت میں ہے حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ ترجمہ اندر تعمیم ہے بالید او بغیر الید ید قید احترازی نہیں۔ اور بعض علماء کی رائے یہ ہے

کہ امام بخاریؒ نے بالید کی قید سے تولی بنفسہ کی طرف اشارہ فرما دیا کہ خود کرنا چاہیئے۔ اب چاہے ہاتھ سے دور کردے یا کسی اور چیز سے اور حضرت شاہ صاحبؒ کی رائے اپنے تراجم میں یہ ہے کہ امام بخاریؒ کا مقصد بسا اوقات ابواب نہیں ہوتے بلکہ روایات ہوتی ہیں چنانچہ یہاں بھی غرض ابواب نہیں ہیں بلکہ روایات ہیں اور باب المخاط روایات کا لحاظ کرتے ہوئے تفنن کے طور پر باندھ دیا۔ ورنہ دونوں باب (باب البزاق۔ باب المخاط) کی غرض ایک ہی ہے۔ اور وہ ان کا ازالہ کرنا ہے اور میری رائے یہ ہے کہ امام بخاریؒ نے دو باب باندھ کر بزاق اور مخاط میں تفریق فرما دی کہ بزاق میں تو ید کافی ہوگا۔ کیونکہ اس کے اندر لزوجت نہیں ہوتی۔ اور مخاط میں ید کافی نہ ہوگا۔ بلکہ اس کے لئے کنکریوں وغیرہ کی ضرورت ہوگی، کیونکہ اس میں لزوجت ہوتی ہے۔ ان ربه بينه و بين القبلة اور قاعدہ یہ ہے کہ اگر کوئی کسی سے بات کر رہا ہو اور اس درمیان میں اس کے منہ پر تھوک دے تو وہ مخاطب کم از کم اس کے ایک تھپڑ تو مار ہی دے گا۔ یہ کلام علی سبیل التشبیہ ہے اس سے اللہ تعالیٰ کی مکانیت ثابت نہیں ہوتی۔ تشبیہ کا مطلب یہ ہے کہ مصلی جب اللہ تعالیٰ سے مناجات کر رہا ہے تو حق تعالیٰ اپنی عنایات کے ساتھ اس کی طرف متوجہ ہیں جیسے کوئی کسی سے سرگوشی کرے تو دوسرا اس کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔

حدیث نمبر ۳۹۱ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوْسُفَ الخ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَاٰى بُصَاقًا فِيْ جِدَارِ الْقِبْلَةِ فَحَكَّهٗ ثُمَّ اَقْبَلَ عَلَى النَّاسِ فَقَالَ اِذَا كَانَ اَحَدُكُمْ يُصَلِّيْ فَلَا يَبْصُقْ قِبَلَ وَجْهِهٖ فَاِنَّ اللّٰهَ سُبْحَانَهٗ قِبَلَ وَجْهِهٖ اِذَا صَلّٰى۔

ترجمہ:۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلعم نے قبلہ کی دیوار میں کھنگار کو دیکھا تو اسے کھرچا پھر لوگوں کی طرف متوجہ ہوتے اور فرمایا جب تم میں سے کوئی شخص نماز پڑھے تو اسے اپنے سامنے نہیں تھوکنا چاہیئے کیونکہ وہ نماز پڑھتا ہے تو اللہ سبحانہٗ تعالیٰ اس کے سامنے کی طرف ہوتے ہیں۔

حدیث نمبر ۳۹۲ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوْسُفَ الخ عَنْ عَائِشَةَ اُمِّ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَاٰى فِيْ جِدَارِ الْقِبْلَةِ مُخَاطًا اَوْ بُصَاقًا اَوْ نُخَامَةً فَحَكَّهٗ۔

ترجمہ:۔ حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلعم نے قبلہ کی دیوار میں سنک یا تھوک یا کھنگار کو دیکھا تو اسے چھیل ڈالا۔

تشریح از شیخ زکریاؒ۔ قبل وجهه یعنی سامنے مخاطا او بصاقا او نخامة یہ او شک کے لئے

یا تنزیہ کے لئے ہے اور مطلب یہ ہے کہ ان میں سے کوئی سا ایک تھا جس کو آپ نے زائل فرما دیا مخاط جو ناک سے نکلے بصاق جو منہ سے نکلے اور نخامہ جو سینے سے نکلے۔

باب حَکِّ الْمُخَاطِ بِالْحَصٰى مِنَ الْمَسْجِدِ وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ اِنْ وَطِئْتَ عَلٰى قَذَرٍ رَطْبٍ فَاغْسِلْهُ وَاِنْ كَانَ يَابِسًا فَلَا ۔

ترجمہ:۔ مسجد سے اس رینٹ کو کنکریوں سے زائل کیا جائے۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں اگر کوئی تر گندگی کو پاؤں تلے روند ڈالا تو اسے دھو ڈالو اگر خشک ہو تو دھونا ضروری نہیں ہے۔

حدیث نمبر ۳۹۳ حَدَّثَنَا مُوْسَى بْنُ اِسْمَاعِيْلَ الخ اَنَّ اَبَا هُرَيْرَةَ وَاَبَا سَعِيْدٍ حَدَّثَاهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَاٰى نُخَامَةً فِيْ جِدَارِ الْمَسْجِدِ فَتَنَاوَلَ حَصَاةً فَحَتَّهَا فَقَالَ اِذَا تَنَخَّمَ اَحَدُكُمْ فَلَا يَتَنَخَّمَنَّ قِبَلَ وَجْهِهٖ وَلَا عَنْ يَمِيْنِهٖ وَلْيَبْصُقْ عَنْ يَسَارِهٖ اَوْ تَحْتَ قَدَمِهِ الْيُسْرٰى (الحديث)

ترجمہ:۔ حضرت ابوہریرہ اور ابوسعید خدریؓ دونوں بیان کرتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلعم نے مسجد کی دیوار میں رینٹ کو دیکھا تو ایک کنکری کو لے کر اسے کھرچ دیا پھر فرمایا جب تم میں سے کوئی شخص ناک صاف کرے تو نہ تو اپنے سامنے صاف کرے اور نہ اپنی دائیں جانب بلکہ اپنی بائیں جانب یا اپنے بائیں قدم کے نیچے ناک صاف کرے۔

تشریح از شیخ مدنی رحمہ حضرت ابن عباسؓ کے قول سے معلوم ہوتا ہے کہ مخاط فی نفسہ نجس نہیں بلکہ قذر اور گندگی ہے اگر تر ہو تو اسے دھو دینا چاہیئے، جب خشک ہو جائے تو کھرچ دینا کافی ہے دھونے کی ضرورت نہیں اگر قذر سے نجس مراد ہو۔ تو پھر بھی یہی حکم ہے۔ بہرحال ترک احترام قبلہ میں دونو برابر ہیں اسی سے ترجمۃ الباب سے مناسبت ہو جائے گی۔

تشریح از شیخ زکریاؒ، یہاں سوال یہ ہے کہ اثر ابن عباسؓ کو ترجمۃ الباب سے کیا مناسبت ہے۔ حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ موطی اور مسجد کے اندر فرق کرنا ہے۔ اور مطلب یہ ہے کہ چونکہ حک بزاق وغیرہ احترام مسجد کی وجہ سے ہوتا ہے۔ لہٰذا اس میں رطب و یابس کے درمیان کوئی فرق نہ کرنا چاہیئے چونکہ یہ فی حد ذاتہ احترام مسجد کے خلاف ہے اس لئے بہرصورت اس کا ازالہ کرنا ہوگا۔ خواہ رطب ہو یا بس اور حضرت ابن عباسؓ کا اثر موطی روندنے کی جگہ کے بارے میں ہے کہ وہاں رطب و یابس میں فرق ہوگا

اگر رطب ہو تو دھولے۔ اس لئے کہ وہ مستقذر ہے۔ اگر یابس ہو تو ضرورت نہیں۔ علامہ عینیؒ فرماتے ہیں کہ یہ کچھ نہیں بلکہ امام بخاریؒ نے اثر ابن عباسؓ ذکر فرما کر اشارہ کر دیا۔ کہ حکؔ جبا یابس کے اندر ہے اگر بصاق وغیرہ رطب ہو۔ تو پھر دھونا ضروری ہو گا۔

باب لَا يَبْصُقُ عَنْ يَمِيْنِهٖ فِي الصَّلٰوةِ ۔

ترجمہ :۔ نماز میں داہنی طرف نہ تھوکے۔

حدیث نمبر ۳۹۴ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ الخ اَنَّ اَبَا هُرَيْرَةَ وَاَبَا سَعِيْدٍ اَخْبَرَاهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَاٰى نُخَامَةً فِيْ حَائِطِ الْمَسْجِدِ فَتَنَاوَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَصَاةً فَحَتَّهَا ثُمَّ قَالَ اِذَا تَنَخَّمَ اَحَدُكُمْ فَلَا يَتَنَخَّمْ قِبَلَ وَجْهِهٖ وَلَا عَنْ يَمِيْنِهٖ وَلْيَبْصُقْ عَنْ يَسَارِهٖ اَوْ تَحْتَ قَدَمِهِ الْيُسْرٰى ۔

ترجمہ :۔ حضرت ابو ہریرہ اور ابو سعید الخدریؓ خبر دیتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلعم نے مسجد کی دیوار میں رینٹ کو دیکھا آپ نے خود ایک کنکری لی اور اسے کھرچ ڈالا پھر فرمایا جب تم میں سے کوئی ناک صاف کرے تو اسے نہ تو اپنے سامنے ناک صاف کرنا چاہیئے اور نہ اپنی دائیں جانب بلکہ اپنی بائیں جانب یا اپنے بائیں قدم کے نیچے ناک صاف کرنا چاہیئے۔

حدیث نمبر ۳۹۵ حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ الخ قَالَ سَمِعْتُ اَنَسًا قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَتْفِلَنَّ اَحَدُكُمْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَلَا عَنْ يَمِيْنِهٖ وَلٰكِنْ عَنْ يَسَارِهٖ اَوْ تَحْتَ قَدَمِهِ الْيُسْرٰى (الحدیث)

ترجمہ :۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی نہ اپنے سامنے تھوکے اور نہ اپنے دائیں بلکہ اپنے بائیں یا اپنے بائیں پاؤں کے نیچے تھوکے۔

تشریح از شیخ مدنیؒ امام بخاریؒ کا مقصد ان احادیث سے یہ بتلانا ہے کہ علۃ نہی احترام قبلہ ہے محض تاذی بالبزاق مقصود نہیں۔

باب لِيَبْصُقْ عَنْ يَسَارِهٖ اَوْ تَحْتَ قَدَمِهِ الْيُسْرٰى ۔

ترجمہ :۔ اپنے بائیں طرف یا بائیں قدم کے نیچے تھوکنا چاہیئے۔

حدیث نمبر ۳۹۶ حَدَّثَنَا اٰدَمُ الخ سَمِعْتُ اَنَسَ بْنَ مَالِكٍ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ

وَسَلَّمَ: اِنَّ الْمُؤْمِنَ اِذَا كَانَ فِي الصَّلٰوةِ فَاِنَّمَا يُنَاجِيْ رَبَّهٗ فَلَا يَبْزُقَنَّ بَيْنَ يَدَيْهِ وَلَا عَنْ يَمِيْنِهٖ وَلٰكِنْ عَنْ يَسَارِهٖ اَوْ تَحْتَ قَدَمِهٖ۔ (الحدیث)

ترجمہ:۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ جناب نبی اکرم صلعم نے فرمایا، بیشک مومن جب نماز میں ہوتا ہے تو اپنے رب سے سرگوشی کرتا ہے پس اسے نہ تو اپنے سامنے تھوکنا چاہیے اور نہ اپنے دائیں جانب لیکن اپنی بائیں جانب اور اپنے قدم کے نیچے تھوک سکتا ہے۔

تشریح از شیخ مدنیؒ۔ ان روایات سے معلوم ہوا کہ جانب یسار تھوکنے کی اجازت ہے حالانکہ جانب یسار (بائیاں) سیات لکھنے والا فرشتہ ہوتا ہے تو جیسے ملک حسنات لکھنے والے کی تعظیم مقصود رہے ایسے سیات لکھنے والا فرشتہ بھی قابل تعظیم ہے۔ کیونکہ بُرے سے تو زیادہ بچنا چاہئے۔ مگر چونکہ کاتب حسنات دمیین امیر ہے اور کاتب سیات مامور ہے اس لئے اھون البلیتین کو اختیار کیا گیا۔ مگر یہ حکم اس وقت ہے۔ جبکہ تمہارا لیسار کسی دوسرے کا یمین نہ ہو اگر کسی دوسرے کا یمین ہو تو پھر صرف تحت قدمہ الیسری پر عمل ہوگا۔

تشریح از شیخ زکریاؒ۔ شراح نے ان ابواب سے کوئی تعرض نہیں کیا۔ بلکہ یہ فرماتے ہیں کہ چونکہ روایات سے مختلف احکام ثابت ہوتے تھے اس لئے امام بخاریؒ نے ہر ایک پر مستقلاً باب باندھ دیا مگر میرے نزدیک ہر ایک باب سے ایک الگ غرض ہے چنانچہ اس باب کی غرض یہ ہے کہ اس میں اختلاف ہو رہا ہے کہ بصاق عن الیمین کی نہی صلوٰۃ کے ساتھ خاص ہے، یا عام ہے صلوٰۃ وغیر صلوٰۃ سب کو کیونکہ روایات دو طرح کی ہیں حضرت امام مالکؒ سے تخصیص بالصلوٰۃ منقول ہے اور امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ عام ہے اور وجہ اختلاف اختلاف فی التعلیل ہے جو لوگ عام مانتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ نہی لبصاق الی الیمین کو دائیں جانب فرشتے کے ہونے کے ساتھ معلل کیا گیا ہے۔ اور وہ ہر وقت ساتھ رہتا ہے۔ لہٰذا نہی عام ہوگی۔ کیونکہ یہ اس کے احترام کے خلاف ہے۔ لیکن اس پر اشکال یہ کیا جاتا ہے کہ بائیں طرف بھی فرشتہ کاتب سیات ہوتا ہے اس کا وہ حضرات یہ جواب دیتے ہیں کہ ملک الیسار جو کاتب سیات ہے وہ مامور ہے۔ اور دائیں جانب کا فرشتہ جو کاتب حسنات ہے وہ امیر ہے ویراعی للامیر مالا یراعی للمامور علاوہ ازیں کاتب حسنات کاتب سیات کو کتابت سیات سے روکتا ہے۔ لہٰذا اس کا ہم پر احسان ہے اس لئے ہم کو بھی اس کا احترام کرنا چاہیئے اور حضرت امام بخاریؒ نے فی الصلوٰۃ کا لفظ بڑھا کر امام مالکؒ کی تائید کی ہے اور میری بھی یہی رائے ہے کہ نہی صلوٰۃ کے ساتھ مخصوص ہے۔ اور جو علت شراح نے بیان کی ہے اور ملک سے کاتب حسنات،

کو مراد کیا ہے ۔ یہ میرے نزدیک صحیح نہیں گو بڑوں سے منقول ہے اور صحیح نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ کاتب سیات کو کاتب سیات ہے ۔ مگر فرشتہ بھی تو ہے اور فرشتے سارے کے سارے مکرم ہیں عباد مکرمون نیز وہ کتابت سیات خود نہیں کرتا بلکہ وہ تو مامور ہے لہٰذا اس کا بھی احترام ہونا چاہیے نیز ٹھوک نیچے کو گرتا ہے ۔ اور فرشتہ اوپر ہوتا ہے لہٰذا میرے نزدیک یہ درست نہیں کہ ملک سے مراد ملک حسنات مراد ہو ۔ بلکہ اس سے مراد اس کے علاوہ فرشتہ ہے جو خاص طور سے نماز کے اندر آتا ہے اور دائیں جانب کھڑا ہوتا ہے جیسا کہ روایات سے ثابت ہے کہ جب بندہ نماز پڑھتا ہے تو اللہ تعالیٰ ایک فرشتہ کو بھیجتے ہیں جو اس کی دائیں جانب آکر کھڑا ہوتا ہے ۔ اور اس کے قلب کی حفاظت کرتا ہے اور ایک شیطان آتا ہے جو بائیں جانب کھڑا ہو جاتا ہے اور قلب میں وساوس ڈالتا ہے تو اس فرشتہ سے مراد یہ فرشتہ ہے اور یہ چونکہ نیچے کھڑا ہوتا ہے اس لئے اگر تھوکے گا تو تھوک اس پر پڑے گا اور لیبصق عن یسارہ سے امام بخاریؒ نے ایک اختلاف کی طرف اشارہ فرمایا وہ یہ ہے کہ قاضی عیاضؒ فرماتے ہیں کہ بصاق فی المسجد جائز ہے اور اس کا دفن نہ کرنا گناہ ہے ۔ اور امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ بصاق فی المسجد گناہ ہے اور اس کا کفارہ اس کا دفن کرنا ہے ۔ یہ دونو حضرات قدیم شارحین میں سے ہیں ۔ قاضی عیاض مقدم ہیں اور مالکی مذہب ہیں امام نووی مؤخر ہیں اور شافعی ہیں ۔ تو بسا اوقات معانی حدیث بیان کرنے میں دونو اختلاف کر جاتے ہیں اور پھر ان کے بعد آنے والے دو فریق ہو گئے ۔ ایک امام عیاض کی موافقت کرتا ہے اور دوسرا امام نوویؒ کی تائید کرتا ہے اسی میں سے یہ اختلاف بھی ہے ۔ امام بخاریؒ نے مختار قاضی عیاض کی طرف اس باب سے اشارہ فرمایا ہے مختار عیاض کا مطلب یہ نہیں ہے کہ امام بخاریؒ نے مختار عیاض سمجھ کر اس کی طرف اشارہ فرما دیا ہے ۔ بلکہ چونکہ شہرت امام عیاض کے ساتھ ہو گئی تھی اس لئے ان کی طرف منسوب کر دیا گیا ۔

حدیث نمبر ۳۹۷ حَدَّثَنَا عَلِیٌّ الخ عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَبْصَرَ نُخَامَۃً فِیْ قِبْلَۃِ الْمَسْجِدِ فَحَکَّہَا بِحَصَاۃٍ ثُمَّ نَہٰی اَنْ یَّبْزُقَ الرَّجُلُ بَیْنَ یَدَیْہِ اَوْ عَنْ یَّمِیْنِہٖ وَلٰکِنْ عَنْ یَّسَارِہٖ اَوْ تَحْتَ قَدَمِہِ الْیُسْرٰی وَعَنِ الزُّہْرِیِّ سَمِعَ حُمَیْدًا عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ نَحْوَہٗ (الحدیث)

ترجمہ :- حضرت ابی سعیدؓ سے مروی ہے کہ جناب نبی اکرم صلعم نے مسجد کے قبلہ کی طرف بلغم کو دیکھا تو اسے کنکری کے ساتھ کھرچ دیا ۔ پھر منع فرمایا کہ کوئی آدمی اپنے سامنے اور اپنی دائیں جانب نہ تھوکے

بلکہ اپنے بائیں جانب یا اپنے بائیں پاؤں کے نیچے تھوکے امام زہری سے منقول ہے کہ انہوں نے اپنے استاذ حمید سے حضرت ابو سعید خدری سے اس طرح سنا۔

باب كَفَّارَةِ الْبُزَاقِ فِي الْمَسْجِدِ

ترجمہ :۔ مسجد میں تھوکنے کا کفارہ کیا ہے۔

حدیث نمبر ۳۹۸ حَدَّثَنَا آدَمُ الخ سَمِعْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْبُزَاقُ فِي الْمَسْجِدِ خَطِيئَةٌ وَكَفَّارَتُهَا دَفْنُهَا ۔

حضرت قتادہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت انس بن مالکؓ سے سنا کہ مسجد میں تھوکنا گناہ ہے اس کا کفارہ اسے دفن کر دینا ہے

تشریح از شیخ زکریاؒ۔ اس باب سے امام بخاریؒ نے امام نووی کے مختار کی طرف اشارہ فرمایا ہے

باب دَفْنِ النُّخَامَةِ فِي الْمَسْجِدِ ۔

ترجمہ :۔ سنک کو مسجد کے اندر دفن کرنا ۔

حدیث نمبر ۳۹۹ حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ نَصْرٍ الخ عَنْ هَمَّامٍ سَمِعَ أَبَا هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا قَامَ أَحَدُكُمْ إِلَى الصَّلٰوةِ فَلَا يَبْصُقْ أَمَامَهُ فَإِنَّمَا يُنَاجِي اللّٰهَ مَا دَامَ فِي مُصَلَّاهُ وَلَا عَنْ يَمِينِهِ فَإِنَّ عَنْ يَمِينِهِ مَلَكًا وَلْيَبْصُقْ عَنْ يَسَارِهِ أَوْ تَحْتَ قَدَمِهِ فَيَدْفِنُهَا ۔ (الحدیث)

ترجمہ :۔ حضرت ہمام نے حضرت ابو ہریرہؓ سے سنا وہ جناب نبی اکرم صلعم سے روایت کر رہے تھے کہ آپ نے فرمایا جب تم سے کوئی شخص نماز کی طرف کھڑا ہو تو اپنے سامنے نہ تھوکے اس لئے کہ وہ اپنے اللہ سے سرگوشی کر رہا ہوتا ہے جب تک وہ اپنی جائے نماز پر رہے اور نہ ہی دائیں جانب تھوکے اس لئے کہ اس کی دائیں جانب فرشتہ ہوتا ہے۔ البتہ بائیں جانب یا اپنے پاؤں کے نیچے تھوکے پھر اسے دفن کر دے۔

تشریح از شیخ زکریاؒ۔ نخامہ مسجد کے اندر دفن کر دینا جائز ہے۔ علامہ رابابائی فرماتے ہیں کہ مسجد تحت الثریٰ سے لے کر آسمان تک ہے۔ لہٰذا اگر مسجد کے اندر دفن کر دیا گیا۔ تو مسجد ہی میں رہے گا۔ اور حک مسجد کے احترام کی وجہ سے ہوتا ہے جو اب بھی احترام کے خلاف رہا لہٰذا دفن سے مراد اس کا اخراج ہے حضرت امام بخاریؒ دفن کا جواز ثابت فرماتے ہیں۔ اس لئے کہ اب وہ مٹی کے نیچے چلا گیا اور اس کے نیچے

نہ جانے کتنی چیزیں ہوتی ہیں مرے بھی ہوتے ہیں. لہٰذا یہ اس کے خلاف ہے اور دوسری غرض یہ ہے کہ دفن مسجد کے ساتھ خاص ہے مسجد کے باہر ضروری نہیں. اس ممانعت کا جواب ہماری طرف سے یہ ہے کہ یہ احترام کے خلاف تب ہے جبکہ وہ خود ناپاک ہو. بزاق خود ناپاک نہیں، بلکہ استقذار کی وجہ سے اسے دفن کیا جاتا ہے. اس حیثیت سے خلاف احترام نہیں۔

باب اِذَا بَدَرَهُ الْبُزَاقُ فَلْيَأْخُذْ بِطَرَفِ ثَوْبِهِ۔

ترجمہ :- جب بزاق غالب آجائے تو اپنے کپڑے کے کنارے سے پکڑ لے۔

حدیث نمبر ۴۰۰ حَدَّثَنَا مَالِكُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ الخ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَأَى نُخَامَةً فِي الْقِبْلَةِ فَحَكَّهَا بِيَدِهِ وَرُئِيَ مِنْهُ كَرَاهِيَةٌ أَوْ رُئِيَ كَرَاهِيَتُهُ لِذٰلِكَ وَشِدَّتُهُ عَلَيْهِ وَقَالَ إِنَّ أَحَدَكُمْ إِذَا قَامَ فِي صَلَاتِهِ فَإِنَّمَا يُنَاجِيْ رَبَّهُ أَوْ رَبُّهُ بَيْنَهُ وَبَيْنَ قِبْلَتِهِ فَلَا يَبْزُقَنَّ فِي قِبْلَتِهِ وَلٰكِنْ عَنْ يَسَارِهِ أَوْ تَحْتَ قَدَمِهِ ثُمَّ أَخَذَ طَرَفَ رِدَائِهِ فَبَزَقَ فِيْهِ وَرَدَّ بَعْضَهُ عَلَى بَعْضٍ قَالَ أَوْ يَفْعَلُ هٰكَذَا۔

ترجمہ :- حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جناب نبی اکرم صلعم نے قبلہ کی طرف سنک کو دیکھا تو اسے ہاتھ سے کھرچ ڈالا اور آپؐ سے کراہیۃ دیکھی گئی. یا اس کی وجہ سے آپؐ کی کراہیۃ اور اس پر ناراضگی دیکھی گئی۔ اور آپؐ نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی شخص نماز میں کھڑا ہو تو وہ اپنے رب سے سرگوشی کرتا ہے یا اس کا رب اس کے اور اس کے قبلہ کے درمیان ہوتا ہے. پس اپنے قبلہ کی طرف نہ تھوکے بلکہ اپنے بائیں طرف یا اپنے قدم کے نیچے تھوکے پھر اپنی چادر کا پلہ (کنارہ) پکڑا اور اس میں تھوک کر مل دیا اور فرمایا یا اس طرح کرے

تشریح از شیخ مدنی رحمہ. مصنفؒ نے ترجمۃ الباب میں تو کہا کہ جب بزاق غالب ہو مگر روایت سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی غالباً امام بخاریؒ اس قید کے ساتھ مقید کرنا چاہتے ہیں کہ قصداً تو ایسا نہ کرنا چاہیئے البتہ جب مغلوب ہو جائے تو پھر ایسا کر سکتا ہے. چنانچہ یفعل ھکذا کے الفاظ اس پر دال ہیں حالانکہ ماقبل میں اسے خطیئۃ کہا گیا ہے. الغرض روایت میں بدرہ البزاق کے الفاظ تھے جو مصنف کی شرائط کے مطابق نہیں تھے اس لئے ترجمہ میں اعتبار کیا روایت میں نہ لائے۔

تشریح از شیخ زکریا. امام بخاریؒ تنبیہ فرماتے ہیں کہ روایت میں بصاق فی الیسار او تحت القدم اور فی الثوب کے اندر تسویہ ہے اس کا یہ مطلب نہیں کہ ثوب کے اندر لے کر مل دے

بلکہ یہ اس وقت ہے کہ جب بصاق اس پر غالب آجائے اور کوئی چارہ کار نہ رہے تو ایسا کرے گو ترجمہ شارحہ ہے جس میں ایہام کی توضیح خاص کی تفہیم اور عام کی تخصیص ہوتی ہے وراء ک منہ کواھیۃ قاعدہ یہ ہے کہ جب کوئی شخص حسین ہوتا ہے تو رنج وغم اور خوشی ومسرت اس کے چہرہ میں ظاہر ہو جاتی ہے اور حضور اقدس صلعم سے بڑھکر کون حسین ہوسکتا ہے۔ نہ آپ جیسا حسین کوئی پیدا ہوا اور نہ ہو سکتا ہے ؎

رُخ مصطفےٰ ہے وہ آئینہ کہ اب ایسا دوسرا آئینہ
نہ ہماری چشم خیال میں ہے نہ دکان آئینہ ساز میں

چنانچہ غایت حسن کی وجہ سے جو بات ہوتی تھی وہ چہرہ انور سے ظاہر ہو جاتی تھی۔ متنبی کے ممدوح کافور کی طرح نہیں کہ غایت سیاہی کی وجہ سے کسی چیز کا اثر ہی ظاہر نہ ہوتا تھا۔ الغرض امام بخاریؒ نے اذا بدرہ البزاق بڑھا کر بتلا دیا کہ یہ کپڑے سے بزاق کو رگڑنا نیچے تھوکنے کے مساوی نہیں جیسا کہ لفظ او سے معلوم ہوتا ہے۔ بلکہ یہ اذا بدرہ البزاق سے مقید ہے اور اس کا درجہ نیچے تھوکنے سے کم ہے اور نیچے تھوکنا اس فعل ثوب سے بڑھا ہوا ہے

باب عِظَةِ الْإِمَامِ النَّاسَ فِيْ اِتْمَامِ الصَّلٰوةِ وَ ذِكْرُ الْقِبْلَةِ

ترجمہ:۔ نماز کے پورا کرنے میں امام کا لوگوں کو نصیحت کرنا اور قبلہ کا ذکر ہے۔

حدیث نمبر ۴۰۱ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوْسُفَ الخ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ هَلْ تَرَوْنَ قِبْلَتِيْ هٰهُنَا فَوَاللّٰهِ مَا يَخْفٰى عَلَيَّ خُشُوْعُكُمْ وَلَا رُكُوْعُكُمْ اِنِّيْ لَاَرَاكُمْ مِنْ وَّرَاۗءِ ظَهْرِيْ۔

ترجمہ:۔ حضرت ابو ہریرہ رضؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ کیا تم میرا قبلہ اس جگہ سمجھتے ہو اللہ کی قسم تمہارا خشوع یا سجدہ اور رکوع مجھ پر پوشیدہ نہیں ہوتا میں تمہیں اپنی پیٹھ کے پیچھے بھی دیکھتا ہوں۔

تشریح از شیخ مدنیؒ۔ انی لاراکم من وراء ظھری بعض نے کہا کہ روس ابرہ کی طرح یعنی سوئی کے ناکہ کی مقدار آپ کے کندھوں میں باری تعالیٰ نے آنکھیں رکھی تھیں اور بعض نے کہا کہ یہ کہیں سے منقول نہیں اور نہ ہی صحابہ کرام نے اس کا احساس کیا۔ بلکہ انہیں آنکھوں سے دیکھتے تھے مگر باری تعالیٰ اشیاء مختلفہ کو منطبع کر دیتے تھے جس کی وجہ سے آپ دیکھتے تھے جیسے صلوٰۃ کسوف میں آپ نے جنت

اور نار کو دیکھا۔ تیسرا جواب یہ ہے کہ قلب کی آنکھوں سے دیکھتے تھے جس کے لئے مواجہہ اور قرب و بعد کوئی شرط نہیں۔ یہ آنکھیں عینک کے مرتبہ میں ہیں، درحقیقت یہ روحانی آنکھیں ہیں جب کسی کی وہ آنکھیں کھل جائیں تو پھر دور دور کی چیز بھی نظر آتی ہیں جیسے اشراقیہ اور جوگی ریاضات کرکے اسے حاصل کرتے ہیں۔ آپؐ کو بغیر ریاضت کے یہ آنکھیں حاصل تھیں

تشریح از شیخ زکریاؒ۔ امام بخاریؒ نے مصالح مسجد کی طرف اشارہ فرمایا کہ امام کو چاہیئے کہ مقتدیوں کے احوال کا تفحص کرے اگر وہ نماز وغیرہ صحیح نہ پڑھتے ہوں تو ان کو بتلائے اور تنبیہ بھی کرے۔ مگر بھائی یہ بھی ضروری ہے کہ پہلے اپنے حالات کو درست کرے۔ مقصود بالذات تو عظۃ الامام تھا مگر چونکہ حدیث میں هل ترون قبلتی ههنا آیا تھا اس لئے لفظ حدیث کی رعایت میں وذکر القبلۃ بڑھا دیا، اور یہ بتادیا کہ تم جو یہ سمجھتے ہو کہ میں جدھر دیکھتا ہوں، بس ادھر ہی کی مجھے خبر ہوتی ہے

اور پیچھے کی خبر نہیں ہوتی۔ یہ صحیح نہیں بلکہ خبر ہوتی ہے ما یخفی علیّ خشوعکم ولا رکوعکم بعض علماء نے رکوع کا لفظ دیکھ کر خشوع کی تفسیر سجود سے کی ہے۔ مگر میرے نزدیک اولیٰ یہ ہے کہ خشوع کو اپنے عموم پر رکھا جائے۔ تاکہ سارے افعال صلوٰۃ کو شامل ہو جائے۔ ورنہ پہلی صورت میں صرف سجدہ اور رکوع کا ذکر ہوگا۔ اور باقی کا نہیں جب سارے افعال صلوٰۃ خشوع کے اندر آگئے۔ اور پھر خاص طور سے رکوع کو اس واسطے ذکر کیا کہ زیادہ گڑبڑ رکوع کے اندر ہوتی ہے۔ اس کا اتمام نہیں ہوتا۔ سجدہ کا تو تھوڑا بہت ہو ہی جاتا ہے کیونکہ سجدہ میں سر زمین پر رکھا جاتا ہے۔ اس لئے وہاں تھوڑی دیر رک جاتا ہے بخلاف رکوع کے اور بہت سے لوگ ایسے ہیں کہ جلد بازی کی وجہ سے ان کا رکوع ہی نہیں ہوتا۔ انی لاراکم من وراء ظهری اس روایت کے اندر شراح کے پانچ قول ہیں، جن کو مختلف شراح نے الگ الگ ذکر کیا ہے مجھ کو کہیں ایک جگہ نہیں ملے۔ اوّل یہ کہ التفات کے ساتھ دیکھتے تھے۔ مگر اس پر اشکال ہے کہ پھر اس میں حضور اکرم صلعم کی کیا خصوصیت ہے۔ آپؐ کے علاوہ دوسرا بھی التفات سے دیکھ سکتا ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ وحی کے ذریعہ علم ہو جاتا تھا۔ یہ اوّل سے زیادہ صحیح ہے مگر اس صورت میں انی لاراکم کے کہنے سے زیادہ مناسب انی لاعلم ہی تھا۔ اور تیسرا قول یہ ہے کہ جدار قبلہ حضور اکرم صلعم کے لئے مثل آئینہ ہو جاتی تھی۔ صحابہ جو کچھ کرتے تھے وہ حضورؐ کو نظر آجایا کرتا تھا۔ عام مشائخ نے اس کو اختیار کیا ہے اور چوتھا قول یہ ہے کہ حضور اکرم کی قفا میں دو آنکھیں تھیں جن سے حضور پاک صلعم دیکھا کرتے تھے۔ مگر اس کو محققین نے رد کر دیا اس لئے

کہ اگر یہ بات صحیح ہوئی تو آپؐ کے احوال میں اس کا تذکرہ ضرور ہوتا اور پانچواں قول سننے سے پہلے ایک تمہید سنو وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کی رؤیت دنیا میں ممکن نہیں۔ اور اہل سنت والجماعۃ کا عقیدہ ہے کہ یہ رؤیت جنت میں ہوگی۔ لیکن معتزلہ نے اس کا انکار کیا ہے اس لئے کہ اس سے تو لازم آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لئے جہت ہو کہ مرئی رائی کے سامنے ہوتا ہے اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ جہت کا ہونا رؤیت کے واسطے اس عالم کے ساتھ خاص ہے۔ عالم آخرت میں جہت ضروری نہ ہوگی۔ تو جیسے عالم آخرت میں سارے لوگ اللہ تعالیٰ کو بلا جہت دیکھیں گے۔ اسی طرح کیا عجب ہے کہ دنیا میں حضور اکرم صلعم کے واسطے نماز میں یہ خصوصیت ہو کہ آپؐ مقتدیوں کو بلا جہت دیکھتے ہوں۔ یہی میرے نزدیک راجح ہے نیز! میرے نزدیک ابواب المساجد شروع ہوگئے لیکن اس باب کا مسجد سے کوئی تعلق معلوم نہیں ہوتا۔ نیز! آگے جو دوسرا جز باب کا ہے۔ یعنی ذکر القبلۃ اس پر اشکال ہوتا ہے کہ اس صورت میں اس کا تعلق باب استقبال القبلہ سے ہوگیا۔ ابواب المساجد سے نہ ہوا۔ میری رائے یہ ہے کہ قبلہ کا ذکر تنبیہًا واستطرادًا آگیا۔ اور مقصود اوّل جز ہے۔ اور عام طور سے لوگ جماعت کے ساتھ مساجد میں نماز پڑھتے ہیں اس اعتبار سے یہ ابواب مساجد سے متعلق ہوگیا مت وراء ظھری بعض لوگوں نے اس سے علم غیب پر استدلال کیا ہے لیکن یہ بالکل غلط ہے اس لئے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ میں خود نمازیوں کے حالات دیکھتا رہتا ہوں۔ اور اس طرح مجھے علم ہو جاتا ہے نیز یہ حالت کلی بھی نہیں خود ابو بکرہؓ کی روایت میں ہے کہ وہ مسجد میں آئے۔ وہاں جماعت ہو رہی تھی انہوں نے دور ہی سے رکوع کر لیا۔ نماز کے بعد یہ بات آپ کو دریافت کرنے پر معلوم ہوئی۔ اسی طرح ایک روایت میں ہے کہ ایک شخص ہانپتا ہوا آیا اور رکوع سے اٹھتے ہوئے ذرا بلند آواز سے حمدًا طیبًا کثیرًا مبارکًا پڑھا آپؐ نے نماز کے بعد دریافت کیا تب معلوم ہوا کہ فلاں شخص تھا۔ لہٰذا یہ قاعدہ کلیہ نہ ہوا۔ اور بعض ظاہریہ اپنے ظاہرپن کی وجہ سے یوں کہتے ہیں کہ اس کے ظاہری معنی مراد ہیں یعنی حضور کی گدی میں دو مزید آنکھیں لگی ہوئی تھیں لیکن یہ صحیح نہیں ورنہ کسی نہ کسی حدیث میں اس کا تذکرہ ہوتا۔ جیسے مہر نبوت کا بہت سی احادیث میں اس کا ذکر ہے۔

حدیث نمبر ۴۰۲، حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ صَالِحٍ الخ عَنْ أَنَسِ ابْنِ مَالِكٍ قَالَ صَلَّى لَنَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلٰوةً ثُمَّ رَقِيَ الْمِنْبَرَ فَقَالَ فِي الصَّلٰوةِ وَفِي الرُّكُوعِ إِنِّي لَأَرَاكُمْ إِنِّي لَأَرَاكُمْ مِنْ وَّرَائِي كَمَا أَرَاكُمْ (الحدیث)

ترجمہ :- حضرت انس بن مالک رض فرماتے ہیں کہ جناب نبی اکرم صلعم نے ہمیں ایک نماز پڑھائی پھر منبر پر چڑھ کر نماز اور رکوع کے بارے میں فرمایا۔ کیونکہ میں تمہیں اپنے پیچھے اس طرح دیکھتا ہوں جس طرح میں تمہیں دیکھتا ہوں۔

باب هَلْ يُقَالُ مَسْجِدُ بَنِي فُلَانٍ۔

ترجمہ :- کیا مسجد بنو فلاں کہا جا سکتا ہے۔

حدیث نمبر ۴۰۳ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ الخ عَنْ عَبْدِاللهِ بْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَابَقَ بَيْنَ الْخَيْلِ الَّتِيْ اُضْمِرَتْ مِنَ الْحَفْيَاءِ وَاَمَدُهَا ثَنِيَّةُ الْوَدَاعِ وَسَابَقَ بَيْنَ الْخَيْلِ الَّتِيْ لَمْ تُضْمَرْ مِنَ الثَّنِيَّةِ اِلٰى مَسْجِدِ بَنِيْ زُرَيْقٍ وَاَنَّ عَبْدَ اللهِ ابْنَ عُمَرَ كَانَ فِيْمَنْ سَابَقَ بِهَا۔

ترجمہ :- حضرت عبد اللہ بن عمر رض سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلعم نے ان گھوڑوں کو درمیان جو دبلے کئے گئے تھے۔ حفیاء سے گھوڑ دوڑ شروع کرائی جن کا آخری نشان ثنیۃ الوداع تھا۔ اور جن گھوڑوں کو دُبلا نہ کیا گیا تھا ان کی دوڑ کا مقابلہ ثنیۃ سے مسجد بنی زریق تک تھا حضرت عبد اللہ بن عمر رض ان لوگوں میں سے تھے جو گھوڑ دوڑ میں آگے نکل گئے تھے۔

تشریح از شیخ مدنیؒ۔ ان المساجد للہ الخ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ غیر اللہ کی طرف مساجد کی نسبت نہ کی جائے۔ مگر امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ اگرچہ جمیع اشیاء باری تعالیٰ کی مملوک ہیں مگر مساجد کو محلہ کی طرف منسوب کرنا جائز ہے سابق بین الخیل الخ اگرچہ گھوڑ دوڑ لہو ولعب میں داخل ہے مگر آپؐ نے تین لہو کی اجازت دی ہے۔ لھو الوجل بخیلہ و بسھمہ بامرأتہ اپنے گھوڑے تیر اور بیوی سے لہو جائز ہے کیونکہ مسابقۃ الخیل داعدوا لھو ما استطعتم الخ "میں سے ہے خیل دو قسم کے ہوتے تھے۔ ایک خیل مضمر دوسرے غیر مضمر۔ مضمر کے معنی دُبلا ہونے کے ہیں جن گھوڑوں کو مسابقہ کے لئے تیار کیا جاتا تھا ان کو اور کوئی چیز نہیں کھلاتے تھے۔ صرف گھی وغیرہ کھلاتے تھے۔ دوسری خوراک کے نہ ملنے کی وجہ سے اس کی کھال سمٹ جاتی تھی جس سے وہ دُبلا ہو جاتا تھا۔ مگر گھی کی وجہ سے طاقتور ہوتا تھا یہ مضمر گھوڑے دوڑنے میں تیز ہوتے تھے۔ تیز رفتاری کی وجہ سے دُبلا پن آجاتا تھا۔ غیر مضمر گھوڑے بہت نہیں دوڑ سکتے تھے۔

تشریح از شیخ زکریا۔ حضرت ابراہیم نخعیؒ کا مذہب یہ ہے کہ مسجد بنی فلاں کہنا صحیح نہیں اس لئے کہ اضافۃ مفید ملک ہوتی ہے۔ اور مساجد اللہ تعالیٰ کی ہیں کسی کی ملک نہیں ہیں ان المساجد للہ اور جمہور کے نزدیک یہ اضافۃ جائز ہے۔ کیونکہ یہ اضافۃ ان کے نزدیک تعریف کی ہے نہ کہ ملک کے لئے جیسا کہ خود ہمارے شہر سہارنپور میں فرخ کی مسجد "بونے" کی مسجد مشہور ہے۔ امام بخاریؒ جمہور کی تائید اور امام نخعی کی تردید فرما رہے ہیں۔ اب یہاں سوال یہ ہے کہ "ثنیۃ الوداع سے مسجد بنی زریق تک گھوڑ دوڑ ہوتی تھی۔ تو روایت میں تو مسجد بنی زریق موجود ہے، پھر ترجمہ میں لفظ ھل کیوں لائے، اس کا جواب یہ ہے کہ امام بخاریؒ بہت باریک بین ہیں۔ اس لئے ھل سے اس بات کی طرف اشارہ کردیا کہ روایت میں مسجد بنی زریق کا جو لفظ آیا ہے۔ تو ممکن ہے کہ حضور انور صلعم کے زمانہ میں وہاں مسجد نہ رہی ہو اور حضور صلعم کے بعد بنی ہو۔ اور راوی نے تعریف کے واسطے بنی زریق کہہ دیا اس کے اسی نام سے مشہور ہونے کی وجہ سے مضمرت الخ جن کی خوید کی گئی تھی گھوڑوں کو خوب کھلاتے پلاتے تھے اور ایک جگہ باندھے رکھتے تھے۔ خوب پسینہ نکلتا رہتا جس کو گھوڑے والے صاف کرتے رہتے اور ان کو ٹہلاتے رہتے جس کا نتیجہ یہ نکلتا کہ وہ خوب چاق و چوبند اور چست ہو جاتے تھے اور انہیں فربہی نہیں آتی تھی۔ بہر حال خوید والے گھوڑوں کے لئے میدان مسابقہ پانچ میل اور ان کے غیر کے لئے ایک میل ہوتا ہے۔ ثنیۃ الوداع اور حفیا، جگہ کا نام ہے۔ ان دونوں کے درمیان قریبًا پانچ میل کا فاصلہ ہے۔ اور مسجد بنی زریق سے حفیا، تک فاصلہ ایک میل ہے۔

باب الْقِسْمَةِ وَ تَعْلِيْقِ الْقِنْوِ فِي الْمَسْجِدِ۔

قَالَ اَبُوْ عَبْدِ اللّٰهِ الْقِنْوُ الْعِذْقُ وَ الْاِثْنَانِ قِنْوَانِ وَ الْجَمَاعَةُ اَيْضًا قِنْوَانٌ مِثْلُ صِنْوٍ وَ صِنْوَانٍ وَقَالَ اِبْرَاهِيْمُ يَعْنِي ابْنَ طَهْمَانَ عَنْ عَبْدِ الْعَزِيْزِ بْنِ صُهَيْبٍ عَنْ اَنَسٍ قَالَ اُتِيَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمَالٍ مِنَ الْبَحْرَيْنِ فَقَالَ انْثُرُوْهُ فِي الْمَسْجِدِ وَكَانَ اَكْثَرَ مَالٍ اُتِيَ بِهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَخَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلَى الصَّلٰوةِ وَلَمْ يَلْتَفِتْ اِلَيْهِ فَلَمَّا قَضَى الصَّلٰوةَ جَاءَ فَجَلَسَ اِلَيْهِ فَمَا كَانَ يَرٰى اَحَدًا اِلَّا اَعْطَاهُ اِذْ جَاءَهُ الْعَبَّاسُ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَعْطِنِيْ فَاِنِّيْ فَادَيْتُ نَفْسِيْ وَفَادَيْتُ عَقِيْلًا فَقَالَ لَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خُذْ فَحَثَا

فِي ثَوْبِهِ ثُمَّ ذَهَبَ يُقِلُّهُ فَلَمْ يَسْتَطِعْ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللهِ اُؤْمُرْ بَعْضَهُمْ يَرْفَعْهُ اِلَيَّ
قَالَ لَا قَالَ فَارْفَعْهُ اَنْتَ عَلَيَّ قَالَ لَا فَنَثَرَ مِنْهُ ثُمَّ ذَهَبَ يُقِلُّهُ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللهِ
مُرْ بَعْضَهُمْ يَرْفَعْهُ اِلَيَّ قَالَ لَا قَالَ فَارْفَعْهُ اَنْتَ عَلَيَّ قَالَ لَا فَنَثَرَ مِنْهُ ثُمَّ احْتَمَلَهُ
فَاَلْقَاهُ عَلٰى كَاهِلِهٖ ثُمَّ انْطَلَقَ فَمَا زَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُتْبِعُهُ بَصَرَهُ
حَتّٰى خَفِيَ عَلَيْنَا عَجَبًا مِنْ حِرْصِهٖ فَمَا قَامَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
وَثَمَّةَ مِنْهُ دِرْهَمٌ (الحديث)

ترجمہ:۔ مسجد میں مال بانٹنا۔ اور مسجد کے اندر خوشے لٹکانا۔ امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ قنو کا معنی خوشہ ہے اس کا تثنیہ اور جمع قنوان ہے جیسے صنو کا تثنیہ اور جمع صنوان ہے۔ اور حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ جناب نبی اکرم صلعم کی خدمت میں بحرین سے مال آیا۔ آپؐ نے فرمایا کہ اس کو مسجد میں پھیلا دو آج تک جس قدر مال جناب رسول اللہ صلعم کی خدمت میں لایا گیا ان سب سے زیادہ یہی مال تھا، چنانچہ جناب رسول اللہ صلعم نماز کے لئے گھر سے باہر تشریف لاتے۔ اس مال کی طرف توجہ ہی نہ فرمائی۔ البتہ جب نماز سے فارغ ہوئے تو اس مال کے پاس آکر بیٹھ گئے۔ اور جو کوئی بھی آپؐ کو نظر آیا اس کو اس مال میں سے عطا فرما دیا۔ اچانک جناب چچا حضرت عباسؓ تشریف لائے فرمانے لگے یا رسول اللہ مجھے بھی عطا فرمایئے۔ اور بہت دیجئے کیونکہ بدر کی لڑائی میں میں اپنا اور بھتیجے عقیلؓ کا فدیہ ادا کر چکا ہوں، جناب رسول اللہ صلعم نے فرمایا جس قدر لینا ہے لے لو چنانچہ وہ اپنے کپڑے میں چلو بھر بھر کے جمع کرنے لگے۔ اس قدر بھر لیا کہ جب اٹھانے لگے تو نہ اٹھا سکے۔ فرمانے لگے یا رسول اللہ کسی کو حکم دیجئے وہ مجھے اٹھوا لے تو آپؐ نے فرمایا نہیں جو خود اٹھا سکتے ہو لے جاؤ تو انہوں نے فرمایا آپؐ خود اٹھوا دیں، آپؐ نے فرمایا نہیں تو انہوں نے کچھ مال کپڑے سے نکال کر پھینک دیا۔ پھر اٹھانے لگے اور کہنے لگے یا رسول اللہ کسی کو حکم دیجئے وہ مجھے اٹھوا دے آپؐ نے فرمایا نہیں پھر کہنے لگے آپؐ خود اٹھوا دیں آپؐ نے ارشاد فرمایا نہیں پھر اس کپڑے میں سے کچھ مال نکال کر پھینک دیا۔ پھر اس مال کو اٹھا کر اپنے کندھے پر ڈال دیا۔ اور چل دیئے پس جناب رسول اللہ صلعم برابر ان کو دیکھتے رہے یہاں تک کہ وہ ہم سے چھپ گئے یہ برابر دیکھتے رہنا ان کے حرص پر تعجب کرنے کی وجہ سے تھا۔ پس جناب رسول اللہ صلعم اس جگہ سے کھڑے نہ ہوئے جب تک

ایک درہم بھی وہاں موجود نہ رہا۔

تشریح از شیخ مدنیؒ: حدیث شریف میں ہے کہ کوئی شخص اگر مسجد میں کسی گم شدہ چیز کے متعلق اعلان کر رہا ہو تو تم لا ردّ اللہ علیك کہ اللہ تعالیٰ تیری گم شدہ چیز واپس نہ کرے لان المساجد لم تبن لهذا کہ مسجدیں اس مقصد کے لئے نہیں بنائی گئیں۔ اس سے معلوم ہوا جو کام مساجد کے مناسب نہیں وہ مساجد میں نہ کرنے چاہئیں تو مال کا تقسیم کرنا اور کھجور کے خوشہ کا لٹکانا بھی نہ ہونا چاہئے کیونکہ مساجد ان کے لئے نہیں بنائی گئیں تو امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ یہ حکم عام نہیں بلکہ غنیمت خراج کے مال کا مسجد میں تقسیم کرنا جائز ہے اس طرح مساکین کے لئے مساجد میں کھجور کے خوشوں کا لٹکانا بھی جائز ہے۔ چنانچہ بحرین سے خراج کا مال لایا گیا۔ تو آپؐ نے اسے مسجد میں ڈلوایا اور پھر اس کی تقسیم فرمائی۔ اس اثنا میں ایک واقعہ پیش آیا کہ آپؐ کے چچا حضرت عباسؓ تشریف لائے اور فرمایا کہ میں نے حضرت عقیل برادر علی المرتضٰیؓ کی طرف سے فدیہ دیا تھا۔ اور یہ دونو بدر میں پکڑے آئے تھے، تو انہوں نے فرمایا کہ فدیہ دے کر میں نے احسان کیا تھا۔ اس لئے مجھے زیادہ مال دیا جائے۔ تو آپؐ نے فرمایا لے لو۔ تو انہوں نے اس قدر مال جمع کر لیا۔ کہ خود نہیں اٹھا سکتے تھے۔ الیٰ آخرہ چند الفاظ ایسے ہیں جن کا تثنیہ اور جمع ایک ہی ہے ان میں قنو وقنوان وصنو وصنوان ہے۔

تشریح از شیخ زکریا: قسمت مال انہی استثناآت میں سے جن کا مسجد میں کرنا جائز ہے اور تعلیق القنو ابن بطال کے قول کے مطابق امام بخاریؒ سے غفلت ہو گئی کہ اس کی کوئی دلیل ذکر نہیں فرمائی۔ بعض لوگوں نے امام بخاریؒ کی طرف سے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ ان کا ارادہ لکھنے کا تھا مگر لکھ نہ سکے۔ بیاض چھوڑ دی گئی جسے کاتبوں نے ہلا دی۔ بعض کہتے ہیں کہ شرط کے موافق کوئی روایت نہیں ملی یا بھول گئے وغیرہ وغیرہ۔ مگر میرے نزدیک یہ لفظ صحیح ہے اور حضرت امام بخاریؒ نے اس سے ابوداؤد شریف کی ایک روایت کی طرف اشارہ کر دیا۔ اس روایت میں ہے کہ حضور اقدس صلعم مسجد نبوی میں تشریف لائے۔ دیکھا کہ آدمی نے حشف یعنی ردی کھجوروں کا ایک خوشہ مسجد میں لٹکا رکھا ہے۔ آپؐ کے دست مبارک میں لاٹھی تھی۔ آپؐ نے اس خوشے میں مار کر فرمایا کہ اگر اس خوشے والا چاہتا تو اس سے بہتر صدقہ کر سکتا تھا۔ ایک روایت میں ہے کہ جناب رسول اللہ صلعم نے حکم فرمایا کہ ہر باغ میں سے ایک خوشہ مسجد میں مساکین کے لئے لٹکایا جائے۔ اور حضرت امام بخاریؒ کا قاعدہ یہ ہے کہ روایات کی طرف

ترجمۃ الباب میں اشارہ فرما دیا کرتے ہیں۔ اور میری رائے یہ ہے کہ قیاس سے ثابت فرما دیا اس لئے کہ روایت میں قسمۃ الدنانیر والدراھم کا ذکر ہے۔ اور دنانیر اور کھجوریں تقریباً رنگ اور مقدار کے اعتبار سے برابر ہوتی ہیں، یہ قیاس بھی صحیح ہے۔ کیونکہ حضور انور صلعم کے زمانے میں تسبیح کے ہونے پر گٹھلی وغیرہ والی روایت سے استدلال ہو سکتا ہے تو یہاں بھی شرکت فی التقسیم سے استدلال ہو سکتا ہے۔ اور بعض مشائخ فرماتے ہیں کہ قسمت مال اور تعلیق قنو عرض لٹکانا چونکہ نفع عامہ کی چیزیں ہیں اس لئے جس طرح قسمت جائز ہے۔ تعلیق قنو بھی جائز ہو گی

فانی فادیت نفسی الخ اس کا مطلب بعض حضرات نے یہ بیان کیا ہے کہ حضرت عباس رض فرماتے ہیں کہ میں غریب ہو گیا ہوں مگر یہ صحیح نہیں اس لئے کہ اگر یہ معنی ہوں تو اس صورت میں اس روایت کے معنی درست نہ ہوں گے جس میں یہ مضمون ہے کہ حضور پاک صلعم نے دو سال کی پیشگی زکوٰۃ حضرت عباس رض سے لی تھی۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ میرے اخراجات زیادہ ہو گئے ہیں فادفعہ انت علی اس لئے فرمایا کہ میرے چچا ہونے کا حق آپ پر ہے۔ آپ نے فرمایا نہیں کیونکہ اس میں عامۃ المسلمین کا حق ہے۔ اور باب کی غرض حنابلہ پر رد کرنا بھی ہو سکتا ہے۔ کیونکہ ان کے نزدیک ایسی چیزیں مسجد میں لٹکانا جائز نہیں اس لئے کہ یہ شور وشغب اور مسجد کے تلوث کا سبب بن جائے گا۔ امام بخاری رح نے قنو کے تثنیہ کو اس لئے بیان کیا ہے۔ کہ سورۂ اعراف میں قنوان دانیہ وارد ہے۔ قال ابو عبداللہ یہاں معانی کی طرف اشارہ فرماتے ہیں کہ ان کے معانی کیا ہیں۔

باب مَنْ دُعِيَ لِلطَّعَامِ فِي الْمَسْجِدِ وَمَنْ أَجَابَ مِنْهُ

ترجمہ:۔ مسجد میں کسی شخص کو کھانے کے لئے بلایا جائے اور جو اسکو قبول کرے

حدیث نمبر ۴۰۴ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ الخ أَنَّهُ سَمِعَ أَنَسًا قَالَ وَجَدْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْمَسْجِدِ وَمَعَهُ نَاسٌ فَقُمْتُ فَقَالَ لِي آرْسَلَكَ أَبُو طَلْحَةَ فَقُلْتُ نَعَمْ قَالَ لِطَعَامٍ قُلْتُ نَعَمْ فَقَالَ لِمَنْ حَوْلَهُ قُومُوا فَانْطَلَقَ وَانْطَلَقْتُ بَيْنَ أَيْدِيهِمْ

ترجمہ:۔ حضرت انس رض فرماتے ہیں کہ میں نے جناب نبی اکرم صلعم کو مسجد میں پایا جبکہ آپ کے ساتھ کچھ اور لوگ بھی تھے۔ میں کھڑا تھا کہ آپ نے فرمایا کیا تمہیں ابو طلحہ رض نے بھیجا ہے میں نے ہاں میں جواب دیا آپ نے فرمایا کھانے کے لئے میں نے ہاں میں جواب دیا پس آپ نے اپنے ارد گرد بیٹھے ہوئے آدمیوں

سے فرمایا اٹھو چنانچہ آپ چل پڑے اور میں ان کے آگے چل رہا تھا۔

تشریح از شیخ زکریا۔ چونکہ دعوت کرنا امور دنیویہ میں سے ہے اور مساجد بحیثیت لذکر اللہ وَ الصلوٰۃ وغیرہ ہیں۔ لہٰذا امام بخاریؒ اس کا جواز ثابت فرمارہے ہیں۔ اس لئے کہ روایت میں اس کا ثبوت ہے۔

باب اَلْقَضَآءِ وَ اللِّعَانِ فِی الْمَسْجِدِ بَیْنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ

ترجمہ:۔ مردوں اور عورتوں کے درمیان مسجد کے اندر فیصلے کرنا اور لعان کرنا۔

حدیث نمبر ۴۰۵ حَدَّثَنَا یَحْیٰی الخ عَنْ سَہْلِ بْنِ سَعْدٍ اَنَّ رَجُلًا قَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اَرَاَیْتَ رَجُلًا وَجَدَ مَعَ امْرَاَتِہٖ رَجُلًا اَیَقْتُلُہٗ فَتَلَاعَنَا فِی الْمَسْجِدِ وَاَنَا شَاھِدٌ۔

ترجمہ:۔ حضرت سہل بن سعدؓ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے جناب رسول اللہ صلعم کی خدمت میں عرض کیا کہ اگر کوئی آدمی اپنی بیوی کے ساتھ کسی آدمی کو پائے تو وہ اسے قتل کر سکتا ہے، پھر ان دونوں نے مسجد میں لعان کیا اور میں حاضر تھا۔

تشریح از شیخ زکریا۔ شراح مثلاً علامہ عینیؒ قسطلانی وغیرہ کی رائے یہ ہے کہ بین الرجال والنساء کے الفاظ یہاں لغو ہیں اس لئے کہ لعان تو ہوتا ہی بین الرجال والنساء ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ بین السطور لذا حشو لکھا ہوا ہے۔ اور بہت سے نسخوں میں یہ پایا ہی نہیں جاتا۔ میری رائے یہ ہے کہ شراح حضرات کو اشکال پیش آیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے بین الرجال والنساء کو اللعان سے جوڑ دیا۔ اور اس کے متعلق کر دیا۔ حالانکہ یہ لعان سے متعلق نہیں بلکہ اس کا تعلق القضاء سے ہے اب مطلب یہ ہوا کہ باب القضاء فی المسجد بین الرجال والنساء اور مقصود بالذات بھی یہی ہے لعان کا لفظ تو روایت کی وجہ سے بڑھا دیا۔ کیونکہ اس میں لعان کا لفظ موجود ہے ورنہ اصل مسئلہ تو قضاء کا بیان کیا جا رہا ہے اور اس مسئلہ کو امام بخاریؒ نے اسی واقعہ خاصہ سے استنباط فرمایا ہے تو جب قضا بین الرجال والنساء ثابت ہو گئی تو بین النوع الواحد بدرجہ اولیٰ ثابت ہو جائے گا۔ نیز میرے نزدیک لعان کا لفظ بھی لغو نہیں ہے۔ کتاب النکاح کے اندر یہی باب آئے گا مگر وہاں بین الرجال والنساء کا لفظ نہیں ہے۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ وہاں بحیثیت لعان کے ذکر فرمایا ہے اور وہ رجال اور نساء کے درمیان ہی ہوتا ہے اور یہاں مقصود قضا بین الرجال والنساء ہے اور جواز

فی النوع الواحد جواز فی النوع الآخر کو مستلزم نہیں، اس لئے قضاً بین الرجال والنسآ کا ذکر فرمایا ہے اور جب دونوں میں ثابت ہو جائے گا تو ایک نوع میں بدرجہ اولیٰ ثابت ہو جائے گا۔ اور روایۃ کا لحاظ کرتے ہوئے لعان کا لفظ بھی ذکر فرما دیا۔

وَجدمع امرأته رجلاً الخ یہ روایت یہاں مختصر ہے۔ کتاب الطلاق میں امام بخاریؒ اس روایت کو مکمل اور متعدد طرق سے ذکر فرمائیں گے۔ اور متعدد مسائل ثابت فرمائیں گے۔ مثلاً یہ لعان ایمان مؤکدہ بالشہادة ہیں یا شہادات مؤکدہ بالایمان ہیں۔ اور روایت کا حاصل یہ ہے کہ ایک صحابی حضرت عویمر آئے اور عرض کیا یا رسول اللہ اگر کوئی اپنی بیوی کے پاس کسی غیر کو پاوے اور وہ آدمی اسے قتل کر دے تو کیا اسے قصاصاً قتل کر دیں گے۔ (حضرت شیخ نے بطور جملہ معترضہ کے یہاں یہ بھی فرمایا کہ یہاں تو اتنی غیرت تھی کہ کسی کو بیوی کے پاس دیکھ لیں تو قتل کرنے کو تیار۔ اور دوسری طرف اہل عرب کا یہ حال تھا کہ دوسرے کا نطفہ نجابت ولد کے لئے عورت کو دوسرے آدمی کے پاس بھیج کر حاصل کرتے تھے) اور اگر بیوی کو قتل نہ کرے تو کیسے برداشت کرے۔ اب اگر کوئی آکر یہ کہہ دے کہ فلاں شخص میری بیوی کے پاس تھا۔ تو چار گواہ طلب کریں گے۔ اور بھلا اس وقت چار گواہ کہاں ہوں گے۔ تو اس وقت آیت لعان نازل ہوئی۔ اور چار شہادتوں کی بجائے چار بار لعان قائم مقام ہو گیا۔ اور پھر حضور اکرم صلعم نے لعان کرایا۔ اس واقعہ سے ترجمۃ الباب اس طرح ثابت ہو گیا کہ لعان کرانا مسجد کے اندر یہ قضا فی المسجد ہوا۔ اور لعان چونکہ بین الرجال والنسآ ہوتا ہے۔ لہٰذا قضا بین الرجال والنسآ بھی ثابت ہو گیا۔ یہ واقعہ اگرچہ خاص ہے مگر چونکہ قواعد کلیہ واقعات جزئیہ سے ہی مستنبط ہوا کرتے ہیں۔ اس لئے امام بخاریؒ نے قاعدہ کلیہ قضا بین الرجال والنسآ مستنبط کر لیا۔ اب یہ کہ قضا فی المسجد کا کیا حکم ہے۔ ائمہ ثلاثہ امام ابو حنیفہؒ۔ امام مالکؒ اور امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ قضا فی المسجد اولیٰ ہے کیونکہ وہاں کوئی روک ٹوک نہیں سب آ سکتے ہیں۔ اور امام شافعیؒ کے نزدیک خلافِ اولیٰ ہے۔

باب إِذَا دَخَلَ بَيْتًا يُصَلِّي حَيْثُ شَاءَ أَوْ حَيْثُ أُمِرَ وَلَا يَتَجَسَّسُ۔

ترجمہ:۔ جب آدمی کسی گھر میں داخل ہو تو جہاں مرضی آئے نماز پڑھے یا جس جگہ کا اسے حکم کیا گیا ہو۔ اور جاسوسی نہ کرے۔

حدیث نمبر ۴۰۶ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰہِ بْنُ مَسْلَمَۃَ الخ عَنْ عِتْبَانَ بْنِ مَالِكٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَتَاہُ فِیْ مَنْزِلِہٖ فَقَالَ اَیْنَ تُحِبُّ اَنْ اُصَلِّیَ لَكَ مِنْ بَیْتِكَ قَالَ فَاَشَرْتُ لَہٗ اِلٰی مَکَانٍ فَکَبَّرَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَصَفَفْنَا خَلْفَہٗ فَصَلّٰی رَکْعَتَیْنِ۔

ترجمہ:۔ حضرت عتبان بن مالکؓ سے مروی ہے کہ جناب نبی اکرم صلعم ان کے گھر تشریف لائے اور فرمایا کہ میرے گھر کے کون سے حصے میں پسند کرتے ہوں کہ میں تمہارے لئے نماز پڑھوں تو میں نے ایک مکان کی طرف اشارہ کیا چنانچہ آپؐ نے تکبیر کہی ہم نے آپؐ کے پیچھے قطار بنائی تو آپؐ نے دو رکعت نماز پڑھی۔

تشریح از شیخ زکریا۔ عام شراح کی رائے یہ کہ ترجمہ کے دو جزو ہیں ایک یصلی حیث شاء اور دوسرے حیث امر و اب اختلاف لا یتجسس میں ہو رہا ہے کہ اس کا تعلق جزء اول سے ہے یا جزو ثانی سے ہے۔ شراح کی رائے یہ ہے۔ کہ جزء ثانی کے متعلق ہے اور مطلب یہ ہے کہ جہاں حکم دیا جائے وہیں پڑھے تجسس نہ کرے اور ادھر ادھر نہ دیکھے اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کی رائے یہ ہے کہ دونوں کے متعلق ہو سکتا ہے۔ اب یہ سنو! کہ یہاں روایت سے صرف حیث امر ہو سکتا ہے اس لئے کہ حضور انور صلعم نے پوچھا تھا کہ کہاں پڑھوں اس پر حضرت عتبانؓ نے فرمایا کہ فلاں جگہ یہ حیث امر ہو گیا۔ اور حیث شاء کی روایت میں کوئی ذکر نہیں شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں کہ امام بخاریؒ کے اصول میں سے ہے کہ ترجمہ میں بسا اوقات روایت کے دوسرے طریق کی طرف اشارہ فرماتے ہیں تو یہاں امام بخاریؒ نے ایک اور طریق کی طرف اشارہ فرما دیا جس کے اندر تخییر کا ذکر موجود ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ یہاں لفظ ھل مقدر ہے اور مطلب یہ ہے کہ اذا دخل بیتاً ھل یصلی حیث شاء او حیث امر او تو روایت سے اس کا جواب معلوم ہو گیا۔ ای یصلی حیث امر اور بعض حضرات فرماتے ہیں کہ امام بخاریؒ کا مقصد یہ ہے کہ مسئلہ محل غور و فکر ہے اس لئے کہ روایت کے لفظ سے امر ثابت ہوتا ہے اور بلا دلیل ہے۔ اختیار کی جہاں چاہیں پڑھیں عن محمود بن الربیع یہ وہی ہیں جن کی روایت باب متی یصح سماع الصغیر میں گذر چکی ہے یہ حضرت عتبان کی روایت ہے کہ اس کو امام بخاریؒ نے متعدد جگہوں میں ذکر فرمایا ہے اور متعدد مسئلے ثابت فرماتے ہیں۔ مثلاً ایک یہی کہ

حضرت عتبان کے واقعہ میں حضور اکرم صلعم نے اوّلاً نماز پڑھی اور حضرت ام سلیمہ کے واقعہ میں ہے کہ اوّلاً نوش فرمایا بعدازاں ظہر کی نماز پڑھی۔

باب الْمَسَاجِدِ فِي الْبُيُوتِ وَصَلَّى الْبَرَاءُ بْنُ عَازِبٍ فِي مَسْجِدِهِ فِي دَارِهِ جَمَاعَةً۔

ترجمہ:۔ گھروں میں مساجد کا ہونا۔ اور حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ نے اپنی گھر کی مسجد میں جماعت کو نماز پڑھائی

حدیث نمبر ۴۰۷ حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ عُفَيْرٍ ... أَخْبَرَنِي مَحْمُودُ بْنُ الرَّبِيعِ الْأَنْصَارِيُّ أَنَّ عِتْبَانَ ابْنَ مَالِكٍ وَهُوَ مِنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِمَّنْ شَهِدَ بَدْرًا مِنَ الْأَنْصَارِ أَنَّهُ أَتَى رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ قَدْ أَنْكَرْتُ بَصَرِي وَأَنَا أُصَلِّي لِقَوْمِي فَإِذَا كَانَتِ الْأَمْطَارُ سَالَ الْوَادِي الَّذِي بَيْنِي وَبَيْنَهُمْ لَمْ أَسْتَطِعْ أَنْ آتِيَ مَسْجِدَهُمْ فَأُصَلِّيَ بِهِمْ وَوَدِدْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَنَّكَ تَأْتِينِي فَتُصَلِّيَ فِي بَيْتِي فَأَتَّخِذَهُ مُصَلًّى قَالَ فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَأَفْعَلُ إِنْ شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى قَالَ عِتْبَانُ فَغَدَا عَلَيَّ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَبُو بَكْرٍ حِينَ ارْتَفَعَ النَّهَارُ فَاسْتَأْذَنَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَذِنْتُ لَهُ فَلَمْ يَجْلِسْ حَتَّى دَخَلَ الْبَيْتَ ثُمَّ قَالَ أَيْنَ تُحِبُّ أَنْ أُصَلِّيَ مِنْ بَيْتِكَ قَالَ فَأَشَرْتُ لَهُ إِلَى نَاحِيَةٍ مِنَ الْبَيْتِ فَقَامَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَكَبَّرَ فَقُمْنَا فَصَفَفْنَا فَصَلَّى رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ سَلَّمَ قَالَ وَحَبَسْنَاهُ عَلَى خَزِيرَةٍ صَنَعْنَاهَا لَهُ قَالَ فَثَابَ بِالْبَيْتِ رِجَالٌ مِنْ أَهْلِ الدَّارِ ذَوُو عَدَدٍ فَاجْتَمَعُوا فَقَالَ قَائِلٌ مِنْهُمْ أَيْنَ مَالِكُ ابْنُ الدُّخَيْشِنِ أَوِ ابْنُ الدُّخْشُنِ فَقَالَ بَعْضُهُمْ ذَلِكَ مُنَافِقٌ لَا يُحِبُّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَقُلْ ذَلِكَ أَلَا تَرَاهُ قَدْ قَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ يُرِيدُ بِذَلِكَ وَجْهَ اللَّهِ قَالَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ قَالَ فَإِنَّا نَرَى وَجْهَهُ وَنَصِيحَتَهُ إِلَى الْمُنَافِقِينَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَإِنَّ اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ قَدْ حَرَّمَ عَلَى النَّارِ مَنْ قَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ يَبْتَغِي بِذَلِكَ وَجْهَ اللَّهِ قَالَ ابْنُ شِهَابٍ ثُمَّ سَأَلْتُ الْحُصَيْنَ بْنَ مُحَمَّدٍ الْأَنْصَارِيَّ وَهُوَ أَحَدُ بَنِي سَالِمٍ وَهُوَ مِنْ سَرَاتِهِمْ عَنْ حَدِيثِ مَحْمُودِ بْنِ الرَّبِيعِ فَصَدَّقَهُ بِذَلِكَ

ترجمہ:۔ حضرت محمود بن الربیع الانصاری خبر دیتے ہیں کہ حضرت عتبان بن مالک جو جناب رسول اللہ صلعم

کے ان صحابہ میں سے ہیں جو انصار میں سے بدر کی لڑائی میں حاضر ہوئے وہ حضور رسول اللہ صلعم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ عرض کیا یا رسول اللہ میری بینائی میں ضعف آگیا ہے اور میں اپنی قوم کو نماز پڑھاتا ہوں جب بارشیں ہوتی ہیں۔ تو یہ وادی جو میرے اور ان کے درمیان حائل ہے اس میں سیلاب آجاتا ہے تو میں ان کی مسجد تک نہیں پہنچ سکتا۔ کہ میں انہیں پڑھا سکوں میں چاہتا ہوں کہ آپ میرے گھر تشریف لائیں وہاں میرے گھر میں آپ نماز پڑھ دیں تاکہ میں اسے جائے نماز بنا لوں۔ حضور رسول اللہ صلعم نے ان سے فرمایا انشاء اللہ میں عنقریب ایسا کروں گا۔ حضرت عتبان فرماتے ہیں کہ دن چڑھ چکا تھا جناب رسول اللہ صلعم اور حضرت ابوبکرؓ صبح سویرے میرے پاس تشریف لائے۔ حضور رسول اللہ صلعم نے اندر آنے کی اجازت مانگی میں نے اجازت دے دی جب آپ گھر میں داخل ہوئے تو ابھی بیٹھے ہی نہ تھے کہ فرمایا کہ گھر کے کون سے حصہ میں تم میری نماز پڑھنا پسند کرتے ہو۔ میں نے گھر کے ایک کونے کی طرف اشارہ کر دیا۔ آپ نے کھڑے ہو کر نماز کے لئے تکبیر کہی ہم بھی آپ کے پیچھے کھڑے ہو گئے صف بندی کر لی آپ نے ہمیں دو رکعت نماز پڑھائی سلام پھیرا حضرت عتبانؓ فرماتے ہیں کہ آپ کو گوشت اور آٹے کے بنے ہوئے ثرید پر روک لیا جو آپ کے لئے ہم نے بنایا تھا۔ وہ فرماتے ہیں کہ میرے گھر میں اہل محلہ میں سے بہت سے لوگ کود پڑے جب اکٹھے ہو گئے تو ایک کہنے والا نے ان میں سے کہا۔ کہ مالک بن الدخیشن یا ابن الدخشن کہاں ہے۔ یعنی وہ تو نہیں آیا کسی نے کہا وہ منافق ہے اللہ اور اس کے رسول سے محبت نہیں کرتا۔ جس پر آنحضرت رسول اللہ صلعم نے فرمایا یہ نہ کہو کیا دیکھتے نہیں کہ وہ کلمہ طیبہ لا الہ الا اللہ خلوص سے کہہ چکا ہے جس سے اس کا مقصد اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی ہے۔ وہ بولا اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتا ہے۔ ہم تو اس کی توجہ اور خیر خواہی سب کی سب منافقین کی طرف سمجھتے ہیں جناب رسول اللہ صلعم نے فرمایا۔ بے شک اللہ بلند و برتر ہر اس شخص کو جہنم پر حرام قرار دے چکا ہے جس نے خلوص دل سے کلمہ طیبہ لا الہ الا اللہ کہا جس سے وہ اللہ تعالیٰ کی رضا چاہتا ہے۔ امام زہری فرماتے ہیں کہ میں نے حصین بن محمد انصاری سے محمود بن الربیع کی روایت کے متعلق پوچھا تو انہوں نے اس کی تصدیق کی۔

تشریح از شیخ مدنیؒ۔ مساجد بیوت (گھروں کی مسجد میں) چونکہ عام لوگوں کے لئے نہیں ہوتیں۔ کیونکہ شرعی مسجد عند الاحناف وہ ہے جس میں اذن عام ہو۔ اور اسی میں حائضہ وغیرہ کے احکام جاری ہوتے ہیں اور بعض حضرات اذن عام کی قید نہیں لگاتے۔ مصنفؒ بھی یہی کہتے ہیں کہ مساجد بیوت کا حکم

بھی مساجد کا ہے اگرچہ اس میں اذن عام نہ ہو۔ خزیرہ۔ حریرہ تو وہ ہے کہ پہلے بہل آٹے کو گھی میں بھونتے ہیں۔ پھر اس میں پانی ڈالتے ہیں۔ اگر نمک ڈالا جائے تو اسے عصیدہ کہتے ہیں۔ اگر مٹھائی اور دودھ وغیرہ ڈالا جائے۔ تو اسے حریرہ کہتے ہیں۔ اگر گوشت اور آٹا ہو۔ تو اسے خزیرہ کہتے ہیں۔ من بد بذالک وجہ اللہ اشکال ہوتا ہے کہ ارادہ غیر مرئی ہے۔ آپؐ نے یہ کیسے ارشاد فرمادیا تو کہا جائے گا کہ علامات اور دلائل سے بھی کبھی اس کا علم ہو جاتا ہے۔ مسئلہ احناف، گھر میں نماز پڑھنے کی اجازت دیتے ہیں۔ مگر اس مصلی کو مسجد شرعی نہیں کہتے۔ کیونکہ اس کے لئے قیود ہیں ورنہ آپؐ نے جمیع ارض کو مسجد کہا ہے اس جگہ قیود کے ثبوت اور عدم ثبوت پر کوئی چیز دلالت نہیں کرتی۔ ہماری بحث مسجد نبوی میں نہیں مسجد اصطلاحی میں ہے

تشریح از شیخ زکریاؒ۔ ابوداؤد شریف کے اندر حضرت سمرۃؓ کے خط میں ایک روایۃ ہے جس میں وارد ہے ان رسول اللہ صلعم کان یامرنا بالمساجد نصنعھا فی دورنا اس روایت کے دو مطلب ہیں ایک تو یہ ہے کہ حضور اقدس صلعم نے ہم کو اپنے گھروں میں نماز پڑھنے کی خاص جگہیں بنانے کا امر فرمایا ہے اور دوسرا مطلب یہ ہے کہ ہم کو اپنے محلہ میں مسجد بنانے کا حکم دیا ہے۔ امام بخاریؒ اس روایت کی تائید کرتے ہوئے بیوت کے اندر کسی خاص جگہ کو نماز کے لئے خاص کرنے کا استحباب بیان فرماتے ہیں گویا کہ اول معنی کی تعیین کی طرف بھی اشارہ فرماتے ہیں۔ اصلی البراءُ فی مسجد فی دارہ جماعۃ اس سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرامؓ نے اپنے گھروں کے اندر نماز پڑھنے کے لئے مستقل جگہ بنا رکھی تھی۔ یہاں حضرت براءؓ کے اثر میں مسجد کا لفظ مجازاً بول دیا گیا۔ اسی طرح جہاں بھی گھر کے اندر مسجد کا ذکر ہو کیونکہ مسجد شرعی کے اندر ضروری ہے کہ اذن عام ہو۔ اور گھر کی مسجد میں اذن عام نہیں ہوتا۔ اسی طرح حضرت عتبانؓ نے فاتخذہ مصلی فرمایا ہے جس سے اتخاذ المسجد فی البیوت ثابت ہوتا ہے کہ حضور صلعم کے سامنے درخواست کی کہ گھر کے اندر نماز کے لئے کوئی خاص جگہ بنالیں۔

تنبیہ! ہم نے بیان کیا ہے کہ ابوداؤد کی روایت میں حضرت سمرۃؓ کے خط میں ایک روایت ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت سمرۃؓ نے اپنے بیٹوں کو خط لکھا تھا جس کے اندر روایات لکھی گئی تھیں ان میں سے چھ امام ابوداؤدؒ نے نقل کی ہیں تین جلد اول میں اور تین جلد ثانی میں البتہ مسند بزار

میں تمام روایات اسی خط سے نقل کی گئی ہیں، این تعجب الخ یہاں روایت میں یہ ہے کہ حضور رسول اکرم صلعم نے پہنچتے ہی فرمایا این تحب اور حضرت ام سلیمہ کے واقعہ میں ہے کہ کھانا تناول فرما کر استراحت فرمائی اس کے بعد نماز پڑھی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہاں مقصود اصلی نماز پڑھنا تھا۔ اس لئے اس کو مقدم کر دیا اور کھانا تابع تھا اس کو مؤخر فرمادیا۔ فثاب فی البیت رجال اس لئے کہ قاعدہ یہ ہے کہ جب کوئی بزرگ آجاتا ہے۔ تو لوگ اس سے ملنے کے لئے اس کی زیارت کے لئے آجاتے ہیں ایسا یہاں بھی ہوا۔ پھر حضور اکرم صلعم کا تو کیا پوچھنا۔ ابن مالک بن الدخیشن یا ابن الاخشن یہ کسی راوی کو شبہ ہو گیا مصغر ہے یا مکبر ہے۔ مگر یہ دونوں غلط ہیں صحیح مالک بن الاخشم بالمیم ہے۔

فانا نری وجھہ اگر ان حضرات نے ان کے نہ آنے پر غصہ کی وجہ سے یہ بات کہی ہے تو اس میں کوئی بات نہیں غصہ میں ایسا ہو ہی جاتا ہے۔ اگر غصہ نہ تھا بلکہ واقعہ میں ایسا سمجھ کر کہا تو انہوں نے معلوم نہیں ہو گا۔ اور حضور پاک صلعم کو بذریعہ وحی معلوم ہو گیا ہو گا۔ اس لئے آپ نے لاتقل ذالک الخ فرمایا۔ قال ابن شہاب سوال کی وجہ یہ ہے کہ روایت سے بظاہر اہمال عمل (چھوڑنا) سمجھ میں آتا ہے اور دوسری روایات عمل چاہتی ہیں تو انہوں نے سوال کیا کہ آیا یہ صحیح محفوظ ہے، یا نسیان کا طریان ہو گیا۔

باب التَّيَمُّنِ فِي دُخُولِ الْمَسْجِدِ وَغَيْرِهِ وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ يَبْدَأُ بِرِجْلِهِ الْيُمْنَى فَإِذَا خَرَجَ بَدَأَ بِرِجْلِهِ الْيُسْرَى۔

ترجمہ:۔ مسجد میں داخل ہونے کے لئے دائیں جانب اختیار کرنی چاہیے اور اس طرح دیگر معاملات میں بھی حضرت ابن عمرؓ جب مسجد میں داخل ہوتے تو دائیں پاؤں سے ابتدا کرتے اور جب باہر نکلتے تو بائیں پاؤں سے شروع کرتے۔

حدیث نمبر ۴۰۸ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ الخ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُحِبُّ التَّيَمُّنَ مَا اسْتَطَاعَ فِي شَأْنِهِ كُلِّهِ فِي طُهُورِهِ وَتَرَجُّلِهِ وَتَنَعُّلِهِ

ترجمہ:۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضہ فرماتی ہیں کہ جناب نبی اکرم صلعم تمام حالات میں جس قدر طاقت رکھتے دائیں جانب کو پسند فرماتے تھے وضو کرنے میں کنگھا کرتے اور جوتا پہنتے۔

تشریح از شیخ مدنی رح۔ وغیرہ میں دو احتمال ہیں، کہ غیر کا عطف دخول پر ہو یا مسجد پر ہو۔ غیر الاحوال وغیر المسجد۔ حضرت ابن عمرؓ کا اثر بھی کسی چیز کو متعین نہیں کرتا کہ مسجد میں تھا یا غیر مسجد

ہیں مگر دوسری روایات سے دخول مسجد کا ثبوت ہوتا ہے اور حضرت عائشہؓ کی روایت میں مسجد کا تذکرہ نہیں ہے۔ مگر دغیرہ کہنے سے امام بخاریؒ کا مقصد یہ ہے کہ آپؐ امور مہمہ شریفہ میں تیمن کو ترجیح دیتے تھے ان میں سے دخول مسجد بھی ہے چنانچہ فی شانہ کلہ کے الفاظ اس پر دلالت کرتے ہیں۔

باب هَلْ يُنْبَشُ قُبُوْرُ مُشْرِكِي الْجَاهِلِيَّةِ وَيُتَّخَذُ مَكَانَهَا مَسَاجِدَ۔

لِقَوْلِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَعَنَ اللّٰهُ الْيَهُوْدَ اتَّخَذُوْا قُبُوْرَ اَنْبِيَائِهِمْ مَسَاجِدَ وَمَا يُكْرَهُ مِنَ الصَّلٰوةِ فِي الْقُبُوْرِ وَرَاٰى عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ اَنَسَ بْنَ مَالِكٍ يُصَلِّيْ عِنْدَ قَبْرٍ فَقَالَ الْقَبْرَ الْقَبْرَ وَلَمْ يَاْمُرْهُ بِالْاِعَادَةِ۔

ترجمہ:۔ کیا جاہلیۃ کے مشرکوں کی قبروں کو اکھیڑ کر ان کی جگہ مسجدیں بنائی جاسکتی ہیں۔ بوجہ قول جناب نبی اکرم صلعم کے اللہ تعالیٰ یہود پر لعنت فرمائے جنہوں نے انبیاء علیہم السلام کی قبروں کو سجدہ گاہیں بنا دیا۔ اور یہ کہ قبور کے اندر نماز پڑھنا مکروہ ہے۔ حضرت عمر بن الخطابؓ نے حضرت انس بن مالکؓ کو قبر کے پاس نماز پڑھتے دیکھا تو فرمایا قبر سے بچو قبر سے بچو لیکن انہیں نماز دوبارہ پڑھنے کا حکم نہ دیا

حدیث نمبر ۴۰۹ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنّٰى الخ عَنْ عَائِشَةَ رضہ اَنَّ اُمَّ حَبِيْبَةَ وَاُمَّ سَلَمَةَ ذَكَرَتَا كَنِيْسَةً رَاَيْنَهَا بِالْحَبَشَةِ فِيْهَا تَصَاوِيْرُ فَذَكَرَتَا ذٰلِكَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنَّ اُولٰٓئِكَ اِذَا كَانَ فِيْهِمُ الرَّجُلُ الصَّالِحُ فَمَاتَ بَنَوْا عَلٰى قَبْرِهٖ مَسْجِدًا وَصَوَّرُوْا فِيْهِ تِلْكَ الصُّوَرَ اُولٰٓئِكَ شِرَارُ الْخَلْقِ عِنْدَ اللّٰهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔

ترجمہ:۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضہ سے مروی ہے کہ حضرت ام حبیبہ اور ام سلمہ رضہ امہات المومنین اس گرجے کا ذکر کرتی تھیں جو انہوں نے حبشہ میں دیکھا تھا جس میں تصویریں تھیں انہوں نے اس کا تذکرہ جناب نبی اکرم صلعم سے بھی کیا۔ آپؐ نے فرمایا ان لوگوں کی عادت تھی کہ جب بھی کوئی نیک آدمی ان میں فوت ہوتا۔ تو اس کی قبر پر مسجد بنا لیتے اور اس میں یہی تصویریں رکھتے تھے یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے نزدیک قیامت کے دن بدترین مخلوقات میں سے ہوں گے۔

تشریح از شیخ مدنیؒ۔ آنحضرت صلعم نے صلوٰۃ الی القبور سے منع فرمایا۔ جس سے معلوم ہوا کہ مقبرہ قارعۃ الطریق وغیرہ سب جگہ میں نماز ممنوع ہو۔ تو اس سے کہنا پڑے گا کہ خواہ وہ قبور مشرکین جاہلیۃ کی ہوں یا مؤمنین کی سب کا یہی ایک حکم ہے۔ مگر امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ یہ ممانعت اس

وقت ہے جب قبور باقی ہوں اگر قبور مٹ چکی ہوں تو پھر ممانعت نہیں ہے اور قبور مشرکین کا اکھیڑنا ضرورت و بلاضرورت ہر طرح صحیح ہے۔ مگر بغیر ضرورت قبور مؤمنین کا نبش جائز نہیں اور وہ ضرورت شدیدہ یہ ہے کہ دریا کا پانی قریب آگیا۔ یا کسی دوسرے کی زمین میں قبر بنائی گئی۔ اب وہ اکھیڑنے کا مطالبہ کرتا ہے تو اس وقت نبش اکھیڑنا قبور مؤمنین بھی جائز ہے۔ بغیر ضرورت شدیدہ سے نبش اکھیڑنا قبور مؤمنین جائز نہیں۔ اگر قبور کے درمیان کوئی چیز حائل ہو یا ان کا استقبال نہ ہو تو پھر نماز مقبرہ وغیرہ میں پڑھنا جائز ہے ھل ینبش کا جواب یہ ہے کہ ہاں جائز ہے امام بخاریؒ اس لئے احتیاط سے کام لیتے ہیں کہ ایسی جگہ نماز پڑھنا مکروہ ہے۔ سواء کانت علیھا او الیھا او بینھا یعنی خواہ نماز قبور کے اوپر پڑھی جائے یا ان کی طرف منہ کرکے پڑھی جائے یا دو قبروں کے درمیان پڑھی جائے۔ نماز صحیح ہوگی۔ کیونکہ حضرت عمرؓ نے حضرت انسؓ کو اعادہ کا حکم نہیں دیا۔ یہ عدم فساد پر دلیل ہے۔

تشریح الشیخ ذکریا۔ شراح کی قاطبۃً رائے ہے کہ یہاں پر لفظ ھل قد کے معنی میں ہے جیسے ھل اتیٰ علی الانسان الآیۃ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ روایت میں مسجد نبوی کے بنانے کا ذکر ہے اور اس میں تصریح ہے کہ قبور مشرکین کا نبش اکھیڑنا کیا گیا تھا تو پھر لفظ ھل کو اپنے اصلی معنی پر رکھنا غلط ہے اس لئے یہ قد کے معنی میں ہے اور میرے نزدیک اپنے اصلی معنی پر ہے جیسا کہ میں آئندہ بیان کروں گا۔ لعن اللہ الیھود اس سے استدلال اس طرح ہے کہ جب حضور اکرم صلعم نے انبیاؑ کی قبور کو مساجد بنانے والوں پر لعنت فرمائی ہے۔ تو مشرکین کا کیا حال ہوگا۔ لہٰذا اگر وہاں مسجد بنانے کی ضرورت ہو۔ تو مشرکین کی قبور کا نبش اکھیڑنا کیا جائے گا ما یکرہ من الصلوٰۃ فی القبور یہ ترجمہ کا جزو ہے اور باب کے تحت میں داخل ہے اور اس پر عطف کا نشان بھی لگا ہوا ہے۔ اب یہاں سوال یہ ہے کہ کراھۃ صلوٰۃ فی المقابر کی کوئی روایت امام بخاریؒ نے ذکر نہیں فرمائی شراح اس کا جواب دیتے ہیں کہ اثر انس بن مالکؓ پر اکتفا کیا گیا اور اس سے استدلال یوں ہے کہ حضرت عمرؓ نے قبور کے پاس نماز پڑھنے سے روکا۔ اور اعادہ کا حکم نہیں دیا۔ تو معلوم ہوا کہ مکروہ تو ہے لیکن نماز ہو جائے گی۔ اگر نماز صحیح نہ ہوتی تو اعادہ کا حکم فرماتے۔ اب اشکال یہ ہے کہ امام بخاریؒ اس کے بعد ایک مستقل باب باب کراھۃ الصلوٰۃ فی المقابر منعقد فرما رہے ہیں۔ لہٰذا ترجمہ مکرر ہوگیا۔ اور یہ بات اصول میں معلوم ہو چکی ہے کہ اگر تراجم کی غرض ایک ہو تو وہ الفاظ بدل جائیں تو یہ تکرار ہوگا۔ اگر الفاظ ایک

ہوں لیکن اغراض الگ الگ ہوں تو یہ تکرار نہیں ہوتا۔ لیکن یہاں دونوں بابوں کی غرض ایک ہی ہے
شراح اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ یہاں کا باب تبعاً ہے اور آنے والا باب قصداً ہے۔ مگر میرے
نزدیک اس پر اشکال یہ ہے کہ قصد اور تبع کہنے کی ضرورت تو اس وقت پیش آتی ہے۔ جبکہ کوئی
اور صورت ممکن نہ ہو۔ یہاں اس کے علاوہ ایک صورت اور ہے۔ وہ یہ کہ میرے نزدیک لفظ هل
اپنے اصلی معنی میں ہے اور مطلب یہ ہے کہ کیا قبور مشرکین جاہلیۃ کا نبش کر دیا جائے اور ان کو
مساجد بنا دیا جائے۔ اس لئے کہ حضور اکرم صلعم نے قبور انبیاء کو مساجد بنانے والوں پر لعنت فرمائی
ہے تو قبور مشرکین کا کیا حال ہوگا۔ اور اس لئے کہ صلوٰۃ فی المقابر مکروہ ہے تو میرے نزدیک
ما یکرہ من الصلوٰۃ فی القبور یہ ترجمہ کا جزء نہیں بلکہ لام کے تحت میں داخل ہے۔ اور قول پر
عطف ہے اور یہ بھی ایک علت ہے۔ میرے قول کی بناء پر جب یہ ترجمہ میں داخل ہی نہ رہا۔ تو
روایت کی ضرورت نہ رہی اس لئے اثر سے ثابت کرنے کی بھی ضرورت نہیں اور نہ ہی تکرار ہوا۔
جس کے دفع کی بھی کوشش کی جائے۔ اب یہاں اشکال یہ ہے کہ هل اپنے اصلی معنی میں کیونکر
درست ہو سکتا ہے۔ حالانکہ مسجد نبوی کی تعمیر کے وقت نبش قبور مشرکین ہوا۔ اس کا جواب یہ
ہے کہ چند ابواب کے بعد باب الصلوٰۃ فی مواضع الخسف والعذاب منعقد فرمائیں گے
اس میں یہ بھی ہے کہ حضرت علیؓ نے بابل کے اندر موضع عذاب ہونے کے سبب نماز پڑھنی مکروہ
سمجھی تو حضرت علیؓ کی غرض کراہتہ موضع عذاب ہونے کی وجہ سے تھی اور جہاں مشرکین مدفون
ہوں گے وہ خود موضع عذاب ہے لہٰذا اس کی طرف اشارہ کرنے کے لئے ترجمہ میں لفظ هل لے
آئے اگر کوئی یہ کہے نبش قبور کے بعد وہاں کیا کچھ رہ گیا۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ بابل میں خسف
کب واقع ہوا تھا۔ اب بھی وہاں کچھ باقی رہ گیا تھا۔ بالکل نہیں۔ لہٰذا جس طرح وہاں باوجود
نہ ہونے کے موضع عذاب ہونے کی وجہ سے کراہتہ ہے تو یہاں بھی عذاب ہو چکا ہے یہ موضع
عذاب ہے۔ بچنا چاہیئے۔

حدیث نمبر ۴۱۰ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ الخ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَدِمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَدِيْنَةَ فَنَزَلَ اَعْلَى الْمَدِيْنَةِ فِيْ حَيٍّ يُّقَالُ لَهُمْ بَنُوْ عَمْرِو بْنِ عَوْفٍ
فَاَقَامَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْهِمْ اَرْبَعًا وَّعِشْرِيْنَ لَيْلَةً ثُمَّ اَرْسَلَ اِلٰى

بَنِي النَّجَّارِ فَجَاءُوا مُتَقَلِّدِينَ السُّيُوفَ فَكَأَنِّي أَنْظُرُ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى رَاحِلَتِهِ وَأَبُو بَكْرٍ رِدْفُهُ وَمَلَأُ بَنِي النَّجَّارِ حَوْلَهُ حَتَّى أَلْقَى بِفِنَاءِ أَبِي أَيُّوبَ وَكَانَ يُحِبُّ أَنْ يُصَلِّيَ حَيْثُ أَدْرَكَتْهُ الصَّلٰوةُ وَيُصَلِّي فِي مَرَابِضِ الْغَنَمِ وَأَنَّهُ أَمَرَ بِبِنَاءِ الْمَسْجِدِ فَأَرْسَلَ إِلَى مَلَإِ بَنِي النَّجَّارِ فَقَالَ يَا بَنِي النَّجَّارِ ثَامِنُونِي بِحَائِطِكُمْ هٰذَا قَالُوا لَا وَاللّٰهِ لَا نَطْلُبُ ثَمَنَهُ إِلَّا إِلَى اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ قَالَ أَنَسٌ فَكَانَ فِيهِ مَا أَقُولُ لَكُمْ قُبُورُ الْمُشْرِكِينَ وَفِيهِ خَرِبٌ وَفِيهِ نَخْلٌ فَأَمَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِقُبُورِ الْمُشْرِكِينَ فَنُبِشَتْ ثُمَّ بِالْخَرِبِ فَسُوِّيَتْ وَبِالنَّخْلِ فَقُطِعَ فَصَفُّوا النَّخْلَ قِبْلَةَ الْمَسْجِدِ وَجَعَلُوا عِضَادَتَيْهِ الْحِجَارَةَ وَجَعَلُوا يَنْقُلُونَ الصَّخْرَ وَهُمْ يَرْتَجِزُونَ وَالنَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَعَهُمْ وَهُوَ يَقُولُ اللّٰهُمَّ لَا خَيْرَ إِلَّا خَيْرُ الْآخِرَةِ فَاغْفِرِ الْأَنْصَارَ وَالْمُهَاجِرَةَ (الحدیث)

ترجمہ:- حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلعم مدینہ میں تشریف لائے تو عوالی مدینہ کے ایک قبیلہ میں رہائش پذیر ہوئے جسے بنو عمرو بن عوف کہا جاتا ہے۔ ان لوگوں میں آپؐ نے چودہ راتیں قیام فرمایا۔ پھر بنو نجار کو پیغام بھیجا وہ تلواریں لٹکائے ہوئے تشریف لائے حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ گویا کہ میں ابھی دیکھ رہا ہوں کہ جناب نبی اکرم صلعم اپنی اونٹنی پر سوار ہیں اور ابو بکر صدیقؓ آپؐ کے ردیف ہیں۔ اور بنو نجار کی ایک جماعت آپؐ کے ارد گرد گھیرا ڈالے ہوئے ہے۔ یہاں تک کہ آپؐ نے حضرت ابو ایوب انصاری کے گھر کے صحن میں پڑاؤ کیا۔ اور جہاں بھی نماز کا وقت آجاتا تھا وہاں پر حضور اکرم صلعم نماز پڑھنا پسند فرماتے تھے۔ یہاں تک کہ بکریوں کے باڑے میں بھی نماز پڑھ لیتے تھے چنانچہ آپؐ نے مسجد بنانے کا حکم دیا تو بنو النجار کی جماعت کو پیغام بھیج کر فرمایا کہ اے بنو نجار! آپ لوگ یہ اپنا باغ ہمیں قیمت پر دے دیں انہوں نے فرمایا نہیں اللہ کی قسم! ہم تو اس کی قیمت اللہ تعالیٰ سے طلب کریں گے۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ اس باغ میں وہ چیزیں تھیں جو میں تمہیں بتا رہا ہوں مشرکین کی قبریں تھیں کچھ ویران ٹکڑا تھا اور کچھ حصہ میں کھجوریں تھیں پس حضور نبی اکرم کے حکم کے مطابق مشرکین کی قبروں کو اکھیڑ دیا گیا۔ ویران حصہ کو ہموار کیا گیا۔ اور کھجوروں کو کاٹ دیا گیا جن کی قبلہ مسجد کی طرف قطار بنا دی گئی۔ اور اس کے دونوں بازوؤں میں پتھر رکھ دیئے گئے۔ اور

پتھروں کی نقل وحمل کے وقت وہ لوگ رجز یہ اشعار پڑھتے اور جناب نبی اکرم صلعم ان کے ساتھ مل کر یہ کہتے تھے اے اللہ! آخرت کی بھلائی کے سوا کوئی بھلائی نہیں ہے اے اللہ انصار اور مہاجرین کی مغفرت فرما۔

تشریح از شیخ زکریا - ان لها ف عشر بن ليلة یہ حضور اقدس صلعم کی ہجرت کا واقعہ ہے جس میں روایات مختلف ہیں کہ حضور اکرم صلعم نے قبا میں کتنے دن قیام فرمایا۔ اس روایت سے چوبیس راتیں معلوم ہوتی ہیں اور خود بخاری شریف کی ایک روایت میں چودہ دن کے قیام کا ذکر ہے۔ ظاہر بات ہے کہ ان میں سے ایک خلاف واقعہ ہوگی تو اس سے پتہ چلا کہ بخاری شریف کی روایات کے صحیح ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ ساری روایات واقعہ کے مطابق ہوں بنابریں حنفیہ اس قاعدہ کے مطابق کہتے ہیں کہ بخاری شریف میں رفع یدین کا ذکر آجانے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ واقعہ کے مطابق بھی ہو یعنی آپ کا آخری فعل ہو۔ اب یہاں دونو روایات مشکل ہیں اس لئے کہ سارے محدثین اور مؤرخین اس بات پر متفق ہیں کہ حضور اقدس صلعم پیر کے دن قبا پہنچے۔ اور پیر کے دن مکہ سے چلے تھے تو پیر کو چلے اور پیر کو قبا پہنچے اور مدینہ میں جمعہ کو تشریف لے گئے اور سب سے پہلا جمعہ بنو سالم میں پڑھا۔ ان دونوں دنوں پر اتفاق ہے کہ پیر کو قبا پہنچے اور جمعہ کو قبا سے مدینہ تشریف لے گئے۔ اب روایات دو طرح کی ہیں، ایک چوبیس کی اور دوسرے چودہ کی۔ ان دونوں میں سے ایک بھی ان اقوال متفقہ کے پیش نظر صحیح نہیں ہوتی اس لئے کہ اگر چودہ کو لیا جائے۔ تو پیر کو حضور قبا تشریف لائے ہیں پیر سے پیر تک آٹھ اور تیسرے پیر تک پندرہ ہو جاتے ہیں لہذا چودھواں دن یکشنبہ کو پڑتا ہے حالانکہ اس پر اتفاق ہے کہ جمعہ کو مدینہ گئے اور چوبیس والی روایت بھی نہیں بنتی اس لئے کہ پیر سے پیر تک آٹھ اور تیسرے پیر تک پندرہ اور چوتھے پیر تک بائیس دن ہوتے ہیں۔ منگل تیئیس اور بدھ کو چوبیس دن ہوتے ہیں پھر بھی جمعہ کو چوبیس دن نہیں ہوتے۔

اب یہ دونو تو صحیح نہ ہوئے۔ لہذا میری رائے یہ ہے کہ چوبیس والی روایت صحیح ہے اس کی صورت یہ ہے کہ راوی نے يوم الدخول اور يوم الخروج کو شمار نہیں کیا۔ تو پیر تو یوم الدخول فی قبا تھا۔ اور جمعہ یوم الخروج منہ تھا۔ اب دونو کو نکال کر چوبیس صحیح ہو جاتے ہیں اور قول متفق علیہ سے بھی تعارض نہیں ہوتا اس لئے کہ اب شمار منگل سے ہوگا۔ کیونکہ پیر تو نکل گیا۔ تو منگل سے منگل تک آٹھ

تیسرے منگل تک پندرہ اور چوتھے منگل کو بائیس اور بدھ تیئس اور جمعرات چوبیس ہو جاتے ہیں اور
اور جو جمعہ یوم الخروج ہے وہ بھی خارج ہے لہٰذا اب بالکل درست ہوگیا۔ اب اس سے میری ایک تائید
ہوگئی۔ وہ یہ کہ حضور اکرم صلعم نے قبا میں قیام تین جمعوں تک فرمایا۔ اور کوئی سا جمعہ دیہات ہونے سے نہیں
پڑھا ورنہ اور کیا بات تھی۔ شافعیہؒ اور حنابلہ فرماتے ہیں کہ اس وقت تک جمعہ فرض نہیں ہوا تھا اس لئے
جمعہ نہیں پڑھا اور حنفیہؒ فرماتے ہیں کہ حضور پاکؐ پر جمعہ کی فرضیت مکہ میں ہو چکی تھی۔ مگر دارالحرب ہونے
کی وجہ سے مکہ میں اقامت جمعہ نہ فرما سکے اور قبا میں گاؤں ہونے کی وجہ سے جمعہ نہ پڑھ سکے
احناف کا مستدل ابوداؤد کی وہ روایت ہے جس میں ہے کہ حضرت کعب بن مالک جب جمعہ کی اذان
سنتے تھے تو اسعد بن زرارہؓ کے لئے رحمت کی دعا فرماتے تھے، صاحبزادے نے پوچھا کہ یہ اسعد بن
زرارہ کون ہیں جن کے لئے آپ ہر جمعہ کو دعا فرماتے ہیں تو فرمایا کہ انہوں نے سب سے پہلے ہمیں
جمعہ کی نماز حضور اکرم صلعم کی آمد سے قبل پڑھائی۔ صاحبزادے نے کہا کہ آپ لوگ اس وقت کتنے آدمی تھے
فرمایا چالیس آدمی تھے۔ شافعیہؒ اور حنابلہؒ اس روایت سے استدلال کرتے ہیں کہ جمعہ کی نماز کے لئے
چالیس آدمیوں کا ہونا ضروری ہے۔ حنفیہؒ فرماتے ہیں کہ آپ حضرات روایت کے آخری حصہ کو تو لیتے
ہیں، اس کے پہلے حصہ کو کیوں نہیں لیتے۔ دوسری دلیل حنفیہؒ یہ پیش کرتے ہیں کہ اگر جمعہ مکہ میں فرض
نہیں ہوا تھا تو اتنی جلدی بنو سالم میں کیسے اطلاع ہوگئی۔ کہ حضور اکرم صلعم جمعہ ادا فرمائیں گے جس
کا انتظام کیا گیا۔ حتیٰ اَلْقیٰ بفناء ابی ایوب حضرت ابو ایوب انصاریؓ کے دروازے کے سامنے
اونٹنی جا کر بیٹھ گئی۔ اس لئے حضور انور صلعم نے نزول فرمایا ثامنونی بحائطکم ھذا یہ دو یتیموں کی
زمین تھی حضور اکرم صلعم نے فرمایا کہ تم اس زمین کی قیمت بتاؤ۔ انہوں نے کہا کہ ہم تو اس کو بلاقیمت
دیں گے۔ مگر حضور انور صلعم نے اسے منظور نہ فرمایا اور قیمت دے کر زمین لی۔ کیونکہ وہ یتیموں کا مال تھا
یہاں روایت مختصر ہے۔ ابواب ہجرت میں پوری آئے گی۔

متقلدین السیف یہ اس زمانہ کا شعار تھا۔ کہ جب کسی کے استقبال کے لئے جاتے تھے تو تلوار وغیرہ
ساتھ لے کر جاتے تھے۔ جیسے آجکل شیروانی وغیرہ پہننے کا رواج ہے۔

باب الصلوٰۃ فی مرابض الغنم۔

ترجمہ:۔ بکریوں کے باڑے میں نماز پڑھنا

حدیث نمبر ۴۱۱ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ الخ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي فِي مَرَابِضِ الْغَنَمِ ثُمَّ سَمِعْتُهُ بَعْدُ يَقُولُ كَانَ يُصَلِّي فِي مَرَابِضِ الْغَنَمِ قَبْلَ أَنْ يُبْنَى الْمَسْجِدُ۔ (الحدیث)

ترجمہ:۔ حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ جناب نبی اکرم صلعم بکریوں کے باڑے میں نماز پڑھتے تھے۔ پھر اس کے بعد میں نے ان سے سنا وہ فرماتے ہیں کہ مسجد کے بنائے جانے سے پہلے۔ مرابض غنم میں نماز پڑھتے تھے۔

تشریح از شیخ زکریاؒ: اس باب سے بیان جواز کرنا ہے یا استحباب بتلانا ہے۔ اگر استحباب ہو تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک روایت میں ہے کہ حضور اکرم صلعم بکری کو اس کی سکنت کی وجہ سے پسند فرماتے تھے۔ اور آدمی جس کے پاس اٹھے بیٹھے اس کا اثر پڑتا ہے۔ اور بکری سب جانوروں میں مسکین اور متواضع ہے اسی لئے تمام انبیاء علیہم السلام نے بکریاں چرائی ہیں نیز آدمی جب اونٹوں کے ساتھ رہتا ہے تو شدت اور سختی اس کے دل میں پیدا ہوتی ہے اور گائے بھینسوں کے اثر سے آدمی کی زبان پر گالیاں کثرت سے آنے لگتی ہیں نیز تجربہ اکثر جب بوجھ وغیرہ اٹھایا جائے اور کچھ زبان سے بولا جائے تو اس کا اثر اور وزن کم محسوس ہوتا ہے جیسے چھپر وغیرہ اٹھاتے وقت کتنا شور مچایا جاتا ہے۔ بنا بریں حضور اکرم صلعم اور صحابہ کرام اجز یہ اشعار پڑھتے تھے

باب الصَّلٰوةِ فِي مَوَاضِعِ الْإِبِلِ

ترجمہ:۔ اونٹ کی جگہوں پر نماز پڑھنا کیسا ہے۔

حدیث نمبر ۴۱۲ حَدَّثَنَا صَدَقَةُ بْنُ الْفَضْلِ الخ قَالَ رَأَيْتُ ابْنَ عُمَرَ يُصَلِّي إِلَى بَعِيرِهِ وَقَالَ رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَفْعَلُهُ۔

ترجمہ:۔ حضرت نافع فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کو اپنے اونٹ کی طرف نماز پڑھتے ہوئے دیکھا اور انہوں نے فرمایا کہ میں نے جناب نبی اکرم صلعم کو اس طرح کرتے ہوئے دیکھا۔

تشریح از شیخ مدنیؒ: بعض روایات سے معاطن ابل میں نماز پڑھنے کی ممانعت معلوم ہوتی ہے حالانکہ امام احمدؒ بول ابل کو حلال سمجھتے ہیں مگر اس کے باوجود فرماتے ہیں کہ معاطن ابل میں نماز جائز نہیں۔ اگرچہ وہاں ابل موجود نہ ہوں، تب بھی ممنوع ہے۔ اور ابل جنگل میں بیٹھا ہو۔ معاطن میں نہ ہو تب

بھی نماز ممنوع ہے۔ کیونکہ وہ فرماتے ہیں انه یخلق من بول الشیطان کہ وہ شیطان کے پیشاب سے پیدا شدہ ہے۔ لیکن روایت باب سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز ممنوع نہیں کیونکہ آپ نے ایسے کیا ہے۔

تشریح از شیخ زکریاؒ۔ ائمہ ثلاثہؒ کے نزدیک صلوٰۃ فی المرابض والمعاطن میں کوئی فرق نہیں دونوں جگہ نماز جائز ہے اور حنابلہ کے نزدیک معاطن ابل کے اندر نماز باطل ہے۔ اب بعض علماؒ کی رائے یہ ہے کہ امام بخاریؒ جمہور کے ساتھ ہیں۔ کیونکہ روایت جو ذکر فرمائی ہے۔ وہ جواز والی ذکر فرمائی ہے اور پھر ابل کا مستقل ترجمہ اس لئے باندھ دیا کہ حنابلہ کا اس میں اختلاف ہے۔ اور علامہ سندھیؒ کی رائے یہ ہے کہ امام بخاریؒ مرابض غنم اور معاطنِ ابل میں فرق بیان کر رہے ہیں کہ معاطن اور شئی ہے مرابض اور شئی ہے۔ لہٰذا تفریق کرنے سے پھر امام بخاریؒ حنابلہؒ کے ساتھ ہوں گے۔ حنابلہ کا استدلال ابوداؤد کی روایت سے ہے کہ مرابض غنم میں اجازت اور معاطن ابل میں ممانعت وارد ہوئی ہے۔ اور فرمایا فانها من الشیاطین جمہور فرماتے ہیں کہ ابل کے نفار کی وجہ سے ممانعت فرمائی گئی ہے۔

رأیت النبی صلعم علامہ سندھیؒ کے قول کے مطابق امام بخاریؒ نے صلوٰۃ فی معاطن الابل اور صلوٰۃ الی الابل میں فرق فرمایا ہے کہ صلوٰۃ الی الابل صلوٰۃ فی معاطن الابل نہیں کیونکہ نبی اکرم صلعم نے لحوم ابل سے وضو کو ضروری قرار دیا ہے جیسا کہ ابوداؤد وغیرہ میں ہے، چنانچہ حنابلہ کے ہاں اعطان ابل میں نماز نہیں ہوتی اور خود حضور اکرم صلعم کا ارشاد ہے توضّؤوا من لحوم الابل اس سے حنابلہ کو تقویت پہنچی۔ ائمہ ثلاثہ اس کی تاویل میں تین جوابات دیتے ہیں۔ اوّل یہ کہ منسوخ ہے۔ دوم یہ کہ وضو سے وضو لغوی مراد ہے۔ سوم یہ کہ استحباب پر محمول ہے۔ اور حنابلہ وضو سے وضو اصطلاحی مراد لیتے ہیں۔ اس لئے کہ ان کے نزدیک لحوم ابل ناقضِ وضو ہیں۔

باب مَنْ صَلّٰی وَقُدَّامَهُ تَنُّوْرٌ اَوْ نَارٌ اَوْ شَیْئٌ مِّمَّا یُعْبَدُ فَاَرَادَ بِهٖ وَجْهَ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ وَقَالَ الزُّهْرِیُّ اَخْبَرَنِیْ اَنَسُ بْنُ مَالِكٍ قَالَ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عُرِضَتْ عَلَیَّ النَّارُ وَ اَنَا اُصَلِّیْ۔

ترجمہ:۔ جو شخص نماز پڑھے اور اس کے آگے تنور ہو یا وہ چیز ہو جس کی عبادت کی جاتی ہے۔ اور اس سے اس کا ارادہ صرف ذات باری تعالیٰ ہو۔ تو نماز صحیح ہوگی۔ جناب امام زہری فرماتے ہیں کہ حضرت انس بن مالکؓ نے مجھے خبر دی کہ جناب نبی اکرمؐ نے فرمایا جہنم میرے سامنے پیش کی گئی جبکہ میں نماز پڑھ

رہا تھا۔

حدیث نمبر ۳۱۴ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْلَمَةَ الخ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ قَالَ اُنْخَسَفَتِ الشَّمْسُ فَصَلّٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ قَالَ اُرِيْتُ النَّارَ فَلَمْ اَرَ مَنْظَرًا كَالْيَوْمِ قَطُّ اَفْظَعَ ۔ (الحدیث)

ترجمہ :۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضؓ فرماتے ہیں کہ حضور کے زمانہ میں سورج بے نور ہوا۔ تو جناب رسول اللہ صلعم نے نماز پڑھی پھر فرمایا کہ مجھے جہنم دکھلائی گئی آج کے دن جیسا بھیانک منظر میں نے کبھی نہیں دیکھا۔

تشریح از شیخ مدنی ؒ:۔ علماء احنافؒ فرماتے ہیں کہ ہر وہ چیز جس سے تشبہ بالکفر لازم آتا ہے اس کی طرف منہ کرکے نماز پڑھنا مکروہ ہے اگرچہ عبادت الٰہی کا ارادہ کیوں نہ ہو تشبہ کی وجہ سے اور بعض حضرات فرماتے ہیں کہ مکروہ نہیں ہے کیونکہ آنحضرت صلعم نے صلوٰۃ کسوف میں اپنے آگے نار کو دیکھا تو نماز پڑھتے رہے۔ احنافؒ فرماتے ہیں کہ یہ نار دنیاوی نہیں بلکہ اخروی ہے ہم اس نار کے سامنے ہونے کو ممنوع قرار دیتے ہیں۔ جو دنیا میں معبود بنائی جاتی ہے۔ ہاں البتہ چراغ اور لالٹین بتی وغیرہ کو سامنے لانے سے نماز مکروہ نہیں ہوتی۔ وہ نار جو کفار کے طریقہ پر معبود بنتی ہے اس کو سامنے لانا ممنوع اور مکروہ ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ یہ کراہت اس وقت ہے جبکہ بالاختیار اسے سامنے لایا جائے۔ آنحضرت صلعم کے سامنے تو نار بلا اختیار لائی گئی تھی۔ لہٰذا اس سے استدلال صحیح نہ ہوگا۔

تشریح از شیخ زکریاؒ نور ۔ نار وغیرہ کی طرف نماز پڑھنا محمد بن سیرین اور بہت سے تابعین حنفیہؒ اور حنابلہؒ کے نزدیک مکروہ ہے۔ امام بخاریؒ قائلین کراہت پر رد فرما رہے ہیں کہ نماز میں مقصود حق تعالیٰ کی ذات ہے اور جب کوئی اللہ واسطے نماز پڑھے۔ تو نار وغیرہ اس کے اندر کوئی خلل وحرج پیدا نہیں کرسکتی۔ اور استدلال اس سے ہے کہ حضور پاک صلعم صلوٰۃ کسوف پڑھ رہے تھے اور آپؐ نے نماز کے دوران آگ دیکھی اس کا جواب یہ ہے کہ وہ جہنم کی آگ ہے۔ اس کو دنیا کی آگ پر قیاس نہیں کیا جا سکتا۔ نیز وہ نار آپؐ کے اختیار سے آپؐ کے سامنے نہیں تھی، اور ممکن ہے کہ نار جہنم اپنے ہی مقام پر ہو۔ اور آپؐ کو وہیں سے دکھلایا گیا ہو۔ اور ممکن ہے کہ رسول اللہ صلعم کے پیچھے آگ ہو اور حضور صلعم نے اس طرح دیکھ لیا جس طرح مصلیین (تعلیقاً بحر نبوۃ اللہ) کو نماز کے اندر دیکھ لیتے تھے نیز! ہماری طرف سے یہ جواب بھی ہے

کہ امام بخاریؒ خود ماقبل میں وہ حدیث بیان کر آئے ہیں جس میں مکان میں تصاویر ہوں وہاں نماز مکروہ ہے مزید برآں آگے باب الصلوٰۃ فی البیعۃ منعقد فرما کر معبد نصاریٰ میں نماز کی کراہت ثابت فرمائیں گے۔ رہ گیا امام بخاریؒ کا مستدل کہ حضورؐ نے صلوٰۃ کسوف میں جنت جہنم دکھائی گئیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ وہ آگ آپ کے سامنے نہیں تھی۔ بلکہ وہ اپنی جگہ سے نظر آرہی تھی نیز یہ تکوینی امر ہے اس پر اختیاری امور کو معمول کو قیاس نہ کرنا چاہیئے۔

باب كَرَاهِيَةِ الصَّلٰوةِ فِى الْمَقَابِرِ

ترجمہ:۔ قبور کے اندر نماز پڑھنا مکروہ ہے

حدیث نمبر ۴۱۴ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ الخ عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اجْعَلُوْا فِى بُيُوْتِكُمْ مِّنْ صَلٰوتِكُمْ وَلَا تَتَّخِذُوْهَا قُبُوْرًا (الحدیث)

ترجمہ:۔ حضرت عبداللہ بن عمر جناب نبی اکرم صلعم سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا کہ اپنے گھروں کے اندر بھی کچھ نماز کا حصہ کر لیا کرو گھروں کو قبریں نہ بناؤ۔

تشریح از شیخ مدنیؒ۔ روایت میں تو اجعلوا فی بیوتکم الخ ہے اس سے کراہت کیسے ثابت ہوگی۔ مگر چونکہ آپؐ فرما رہے ہیں کہ گھروں کو قبور مت بناؤ۔ اور قبور میں نماز نہیں پڑھی جاتی معلوم ہوا کہ مقابر میں نماز پڑھنا مکروہ ہے۔

تشریح از شیخ زکریاؒ۔ صلوٰۃ فی المقابر حنابلہ کے یہاں مکروہ تحریمی ہے اور غیر حنابلہ کے ہاں مکروہ تنزیہی ہے ولا تتخذوھا قبورا الخ اس کے معنی میں مختلف اقوال ہیں، اوّل یہ کہ تشبیہ عدم صلوٰۃ میں ہے۔ یعنی جیسے مقابر میں نماز نہیں پڑھی جاتی تو تم اپنے گھروں کو ایسا مت بناؤ کہ اس کے اندر بالکل ہی نماز نہ پڑھو۔ اور مقصد امام بخاریؒ کا یہی ہے اور اسی سے ترجمہ ثابت ہے اس صورت میں لا تتخذوھا قبورا جملہ اولیٰ اجعلوا فی بیوتکم الخ کی تائید ہوگی۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ گھروں میں اپنے مردے دفن نہ کرو۔ تیسرا مطلب یہ ہے کہ مقابر میں گھر نہ بناؤ کیونکہ قبور سے عبرت حاصل کی جاتی ہے اگر قبریں گھروں میں بنائی جانے لگیں، تو مقصد ہی فوت ہو جائے گا۔ الحاصل اصلوا فی بیوتکم من صلوتکم سے مراد نوافل ہیں کہ نوافل گھر کے اندر پڑھنے چاہئیں اور دوسرا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ اس سے فرائض مراد ہوں، کہ جب مسجد میں جماعت کے ساتھ نماز نہ ملے تو گھر کے اندر جماعت کر لیا کرو۔ اور

تخضوعا قبورًا کامطلب بطور لطیفہ کے یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کوئی تمہارے گھر آئے تو اس کی کچھ خاطر تواضع کر لیا کرو۔ ایسے نہ ہو جیسے قبرستان چلا جائے تو وہاں کوئی پان کھلانے والا بھی نہ ملے۔ ہر طرف خاموشی ہے۔

باب الصَّلوٰۃُ فِی مَوَاضِعِ الْخُسُفِ وَالْعَذَابِ وَیُذْکَرُ اَنَّ عَلِیًّا رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ کَرِہَ الصَّلوٰۃَ بِخَسْفِ بَابِلَ۔

ترجمہ: خسف اور عذاب کی جگہ پر نماز پڑھنا کیسا ہے۔ ذکر کیا جاتا ہے کہ حضرت علی رضہ نے بابل کی خسف کی جگہ نماز کو مکروہ فرمایا۔

حدیث نمبر ۴۱۵ حَدَّثَنَا اِسْمَاعِیْلُ بْنُ عَبْدِ اللّٰہِ الخ عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَدْخُلُوْا عَلٰی ھٰؤُلَآءِ الْمُعَذَّبِیْنَ اِلَّا اَنْ تَکُوْنُوْا بَاکِیْنَ فَاِنْ لَّمْ تَکُوْنُوْا بَاکِیْنَ فَلَا تَدْخُلُوْا عَلَیْھِمْ لَا یُصِیْبُکُمْ مَآ اَصَابَھُمْ۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلعم نے ارشاد فرمایا کہ ان عذاب دیئے گئے لوگوں پر داخل نہ ہو مگر روتے ہوئے۔ اور ان پر داخل نہ ہو کہیں تم پر وہ مصیبت نہ پڑ جائے جو ان پر پڑ چکی ہے۔

تشریح از شیخ مدنیؒ: خسف کے معنی دھنسنے کے ہیں۔ اس سے مطلق عذاب مراد ہے۔ بابل میں ایک ایسا بازار بنایا گیا تھا جس کا تعلق زمین سے کچھ نہیں تھا۔ بلکہ جوّ اور فضا میں جا کر بیع و شرا کرتے تھے حضرت ابراہیمؑ تشریف لائے۔ انہوں نے ان لوگوں کو اس تعلق سے روکا مگر وہ نہ رکے۔ اس لئے وہ چھت ان پر گر پڑی اب یہاں اشکال یہ ہوتا ہے کہ روایت میں تو ہے کہ الا ان تکونوا باکین اس سے کراہت کیسے ثابت ہوئی۔ تو کہا جائے گا کہ جب وہ رونے کی جگہ ہے۔ تو اس میں التفات اور توجہ الی اللہ نہیں ہوگی۔ اس لئے نماز مکروہ ہے۔ یا یہ کہ روتے ہوئے نماز پڑھنا مکروہ ہے اور بکا بھی خوف عذاب بعذبین میں سے ہے۔ تو نماز مکروہ ہوگی۔ اگر بکا لوجہ اللہ ہو۔ تو پھر مکروہ نہیں۔

تشریح از شیخ زکریاؒ: ایسے مقامات پر نماز پڑھنا مکروہ ہے۔ امام بخاریؒ کا استدلال لا تدخلوا سے ہے، کیونکہ اگر نماز میں مشغول ہوگا۔ تو بکا کہاں سے حاصل ہوگا۔ بکا میں مشغول ہوگا یا نماز میں اگر اشکال ہو کہ نماز باعث رحمت ہے موضع خسف میں نماز پڑھنی چاہیئے تھا تاکہ عذاب کا اثر کم ہو۔ اس کا جواب یہ ہے کہ نماز اگرچہ رحمت ہے، لیکن دعا بھی ہے۔ اور موضع خسف میں اگر زیادہ

اخلاص نہ ہو، تو رد دعا کا اندیشہ ہے۔ یہ یاد رہے کہ امام بخاریؒ جواز صلوۃ فی مواضع الخسف کے قائل ہیں۔

باب الصَّلٰوۃِ فِی الْبِیْعَۃِ، وَقَالَ عُمَرُ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ اِنَّا لَا نَدْخُلُ کَنَائِسَکُمْ مِنْ اَجْلِ التَّمَاثِیْلِ الَّتِیْ فِیْہَا الصُّوَرُ وَکَانَ ابْنُ عَبَّاسٍ یُصَلِّیْ فِی الْبِیْعَۃِ اِلَّا بِیْعَۃً فِیْہَا تَمَاثِیْلُ۔ الخ

ترجمہ:۔ گرجا گھر میں نماز پڑھنا، حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ ہم تمہارے گرجوں میں داخل نہیں ہوں گے۔ ان مورتیوں کی وجہ سے جن میں تصویریں ہوتی ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ گرجا گھر میں نماز پڑھتے تھے مگر ان گرجوں میں نماز نہیں پڑھتے جن میں مورتیاں ہوتی تھیں۔

حدیث نمبر ۴۱۶ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سَلَامٍ الخ عَنْ عَائِشَۃَ اَنَّ اُمَّ سَلَمَۃَ ذَکَرَتْ لِرَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَنِیْسَۃً رَاَتْہَا بِاَرْضِ الْحَبَشَۃِ یُقَالُ لَہَا مَارِیَۃُ فَذَکَرَتْ لَہٗ مَا رَاَتْ فِیْہَا مِنَ الصُّوَرِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اُولٰٓئِکَ قَوْمٌ اِذَا مَاتَ فِیْہِمُ الْعَبْدُ الصَّالِحُ اَوِ الرَّجُلُ الصَّالِحُ بَنَوْا عَلٰی قَبْرِہٖ مَسْجِدًا وَصَوَّرُوْا فِیْہِ تِلْکَ الصُّوَرَ اُولٰٓئِکَ شِرَارُ الْخَلْقِ عِنْدَ اللّٰہِ (الحدیث)

ترجمہ:۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضہ سے مروی ہے کہ حضرت ام المؤمنین ام سلمہ رضہ نے جناب رسول اللہ صلعم کے سامنے اس گرجا گھر ذکر کیا جو انہوں نے حبشہ کے ملک میں دیکھا تھا جسے ماریہ کہا جاتا تھا۔ تو حضرت ام سلمہ رضہ نے ان تصویروں کا بھی ذکر کیا جو انہوں نے اس گرجا گھر میں دیکھی تھیں تو جناب رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ یہ وہ قوم ہے جب ان میں کوئی نیک بندہ مرجاتا تھا تو اس کی قبر پر مسجد بنا دیتے۔ اور یہ تصویریں بھی اس میں بنا لیتے تھے۔ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بدترین مخلوقات میں سے ہیں۔

تشریح از شیخ مدنیؒ بیعہ نصاری کے معبد کو کہتے ہیں اور کنیسہ بھی کہا جاتا تھا۔ اور یہودیوں کے معبد کو صلوات کہتے ہیں۔ اور راہبوں کے رہنے کی جگہ کو صومعہ کہا جاتا تھا۔ التماثیل اور التی فیہا الصور دونوں ایک چیز ہیں تو تعریف الشیئ بنفسہ لازم آئے گی تو کہا جائے گا کہ التی فیہا الصور مستقل جملہ ہے اور تماثیل سے بدل واقع ہو رہا ہے۔ اس روایت سے امام بخاریؒ جواز صلوۃ فی البیعہ ثابت فرما رہے ہیں۔ مگر اکثر ائمہ ایسی جگہ نماز پڑھنے کو مکروہ فرماتے ہیں کیونکہ اس سے تشبہ بالکفر لازم آتا ہے

اور ہو سکتا ہے کہ الصور عطف بیان ہو اور بعض لوگ تماثیل اور صور میں عموم وخصوص مطلق مانتے ہیں کہ تماثیل صور سے عام ہے اور الصور ذوی الارواح کے لئے خاص ہے تو اب مقصد یہ ہوگا کہ وہ تماثیل جن میں صورہیں اس میں نماز پڑھنا مکروہ ہے اور جن میں صور نہیں ان میں نماز پڑھنا مکروہ نہیں ہے جمہور یہی فرماتے ہیں کیونکہ اس سے شرک اور تشبہ بالکفر لازم آتا ہے۔ امام بخاریؒ حضرت عمرؓ اور حضرت ابن عباسؓ کے قول اور فعل سے یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ بیعہ میں نماز ممنوع نہیں۔ یہاں تک کہ کراہتہ کا قول بھی نہیں کرتے، جمہور جواز مع الکراہتہ کے قائل ہیں۔

تشریح از شیخ زکریاؒ۔ بیعہ معابد نصاریٰ کو کہتے ہیں صلوٰۃ فی البیعہ حنابلہ کے نزدیک مطلقاً مباح ہے خواہ اس کے اندر تصاویر ہی کیوں نہ ہوں اور مالکیہؒ کے نزدیک تفریق ہے۔ اگر تصاویر ہیں تو ناجائز ورنہ جائز ہے۔ اور احناف وشوافع کے نزدیک مطلقاً مکروہ ہے قال عمرؓ ان آثار سے معلوم ہوتا ہے کہ امام بخاریؒ کا میلان مالکیہ کی طرف ہے۔ قال عمرؓ سے ان کا استدلال ہے مگر اس سے ان کا استدلال صحیح نہیں اس لئے کہ حضرت عمرؓ نے دخول کے متعلق فرمایا ہے۔ نماز کا تو اس میں کوئی ذکر نہیں ہے۔

باب

حدیث نمبر ۴۱۱ حَدَّثَنَا اَبُوالْیَمَانِ الخ۔ اَنَّ عَائِشَۃَ وَعَبْدَاللّٰہِ بْنَ عَبَّاسٍؓ قَالَا لَمَّا نُزِلَ بِرَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ طَفِقَ یَطْرَحُ خَمِیْصَۃً لَہٗ عَلٰی وَجْہِہٖ فَاِذَا اغْتَمَّ بِھَا کَشَفَھَا عَنْ وَّجْہِہٖ فَقَالَ وَھُوَ کَذٰلِکَ لَعْنَۃُ اللّٰہِ عَلَی الْیَھُوْدِ وَالنَّصَارٰی اتَّخَذُوْا قُبُوْرَ اَنْبِیَآئِھِمْ مَسَاجِدَ یُحَذِّرُ مَا صَنَعُوْا۔ (الحدیث)

ترجمہ:- حضرت عائشہ اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جب جناب رسول اللہ صلعم پر موت کے آثار ظاہر ہونے لگے تو وہ چادر منقش جو آپؐ کے چہرہ انور پر تھی اس کو پھینکنے لگ جاتے جب اس سے گھٹن محسوس ہوتی تو اپنے چہرہ انور سے اس کو کھول دیتے پس آپ اسی حالت میں تھے کہ فرمانے لگے اللہ تعالیٰ یہود اور نصاریٰ پر لعنت بھیجے جنہوں نے اپنے انبیاؑ کی قبروں کو مسجد بنا لیا۔ راوی کہتا ہے کہ ان کی اس کارگزاری سے حضور صلعم ڈراتے تھے اور بچانا چاہتے تھے۔

تشریح از شیخ مدنیؒ یہ باب بلا ترجمہ ہے جو کہ باب سابق کا تفصل ہے۔ واقعہ بھی یہی ہے کہ پہلے باب سے معبد نصاریٰ میں نماز پڑھنے کی کراہتہ معلوم ہوتی تھی اس باب سے بھی کراہتہ معلوم ہوتی ہے

گر پہلے باب میں کراہت کی وجہ صدور کا ہونا تھا۔ اور یہاں قبور کی وجہ سے کراہت ہے۔ اگر قبور انبیا علیہم السلام کو مسجود الیہا بنایا جاتے تو یہ شرک ہے۔ اگر مسجود علیہا ہوں تو بھی قبور کی توہین ہے۔ اس لئے وہاں نماز پڑھنا مکروہ ہوگا۔ اب اس سے قبور کے قریب نماز پڑھنا جائز ہوگا جیسا کہ روضۂ اقدس کے چاروں طرف مسجد نبوی بنائی گئی ہے۔ یہ محل سجدہ نہیں۔ روایت میں ممانعت اسی منع کے اعتبار سے ہے کہ انہیں محل سجدہ نہ بنایا جائے۔ اور کنائس میں قبور پر کھڑے ہوکر آج بھی سجدے کرتے ہیں، قبور کا مسجود الیہا ہونا یہ تو شرک ہے۔ اس کو یہاں بتلانا نہیں ہے، دوسرے آپ کے روضۂ اقدس کے اردگرد مخمس دیوار بنائی گئی ہے۔ تاکہ حجرہ کی دیوار کے ساتھ مماس نہ ہو۔ یہ دیواریں پتھر کی ہیں۔ ان کے اندر کوئی دروازہ نہیں یہی وجہ ہے کہ حجرہ نبوی کو آج کوئی بھی دیکھنے والا نہیں پایا جاتا۔ اس مخمس دیوار کے باہر لوہے اور پیتل کی جالی لگی ہوئی ہے۔ اس میں چار دروازے ہیں، جانب مشرق کا دروازہ ہر روز کھلتا ہے۔ اور جانب شمال کا دروازہ صرف رمضان المبارک میں کھلا کرتا تھا۔ اور جانبِ مغرب میں جو دروازہ ہے وہ تب کھلتا تھا جب کہ اہل اسلام پر کوئی معصیبت نازل ہو۔ تو روضہ من ریاض الجنۃ کے اندر مصحف عثمانی رکھا رہتا تھا۔ وہاں لوگ جاکر دعا مانگتے تھے۔ جانب جنوب یعنی قبلہ کی جانب کا دروازہ کبھی نہیں کھولا گیا غرضیکہ حجرہ کی دیوار کو کسی نے نہیں دیکھا البتہ ۶۵۴ھ میں جبکہ مسجد نبوی جل گئی تو حجرہ مبارکہ بھی جل گیا تھا اس کی بنا کے وقت لوگوں نے دیکھا۔ خلاصۃ الوفا میں کبوتر کا واقعہ بھی ذکر کیا گیا ہے کہ اس مرے ہوئے کبوتر کو نکالنے والے نے حجرہ کی دیوار کو دیکھا۔ مگر وہ انتقال کے وقت تک کسی سے ہمکلام نہیں ہوا۔ اور نہ ہی اس کے متعلق اس نے کچھ بتلایا۔ سلطان محمود زنگی والئے دمشق نے جو سیسہ کی دیوار بنوائی تھی وہ بھی حاجز عبدالعزیز کے باہر ہے۔ الغرض یہاں جو شبہ ہوتا تھا کہ جوار قبور صالحین وجوار قبر النبی میں نماز ممنوع نہیں، کیونکہ روضۂ اطہر کے باہر تو کئی دیواریں ہیں، حجرہ مبارکہ کو آج تک کسی نے دیکھا نہیں ہے تو اس کا مسجد بنانا کیسے لازم آئے گا۔ باقی جوار میں نماز ممنوع نہیں ہے

تشریح از شیخ زکریاؒ۔ یہ باب بلا ترجمہ ہے۔ اس کا فی الجملہ تعلق ماقبل سے فصل کی طرح ہے۔ والجامع المنجر عن اتخاذ القبور مساجد کہ قبور کو مساجد بنانے سے روکنا ہے امام بخاریؒ نے اس باب سے ان لوگوں کے قول کی طرف اشارہ فرمادیا جو مطلقاً کراھتہ صلوٰۃ فی البیعہ کے قائل ہیں، اور دوسری غرض یہ ہے کہ باب سابق سے صلوٰۃ فی معبد النصاریٰ ثابت فرمایا تھا۔ اور اس سے صلوٰۃ فی معابد الیہود

ثابت فرماتے ہیں اور یہی میری رائے ہے۔

حدیث نمبر ۴۱۸ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ الخ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ قَاتَلَ اللهُ الْیَهُوْدَ اِتَّخَذُوْا قُبُوْرَ اَنْبِیَآئِهِمْ مَسَاجِدَ۔

ترجمہ:۔ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ یہود کو مارے جنہوں نے انبیاء علیہم السلام کی قبروں کو مسجدیں بنا دیا۔

باب قَوْلِ النَّبِیِّ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ جُعِلَتْ لِیَ الْاَرْضُ مَسْجِدًا وَّ طَهُوْرًا۔

ترجمہ:۔ جناب نبی اکرم کا ارشاد کہ تمام روئے زمین میرے لئے سجدہ گاہ اور طہور بنائی گئی۔

حدیث نمبر ۴۱۹ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سِنَانٍ الخ حَدَّثَنَا جَابِرُ بْنُ عَبْدِ اللهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اُعْطِیْتُ خَمْسًا لَمْ یُعْطَهُنَّ اَحَدٌ مِّنَ الْاَنْبِیَآءِ قَبْلِیْ نُصِرْتُ بِالرُّعْبِ مَسِیْرَةَ شَهْرٍ وَّ جُعِلَتْ لِیَ الْاَرْضُ مَسْجِدًا وَّ طَهُوْرًا وَّ اَیُّمَا رَجُلٍ مِّنْ اُمَّتِیْ اَدْرَکَتْهُ الصَّلٰوةُ فَلْیُصَلِّ وَ اُحِلَّتْ لِیَ الْغَنَآئِمُ وَ کَانَ النَّبِیُّ یُبْعَثُ اِلٰی قَوْمِهٖ خَاصَّةً وَ بُعِثْتُ اِلَی النَّاسِ کَافَّةً وَّ اُعْطِیْتُ الشَّفَاعَةَ۔ (الحدیث)

ترجمہ، حضرت جابر بن عبد اللہؓ فرماتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ مجھے پانچ ایسی چیزیں دی گئی جو میرے سے پہلے انبیاء میں سے کسی نبی کو نہیں دی گئیں' ایک ماہ کی مسافت تک میری رعب سے مدد کی گئی اور تمام روئے زمین میرے لئے مسجد اور طہور بنائی گئی۔ اور میری امت کے جس آدمی کو جہاں بھی نماز کا وقت آجائے تو نماز پڑھ لے اور غنیمتیں میرے لئے حلال کی گئی۔ اور پہلے نبیؑ خاص ایک قوم کی طرف بھیجا جاتا تھا اور میں تمام لوگوں کی طرف بھیجا گیا ہوں اور مجھے شفاعت کبریٰ دی گئی

تشریح از شیخ مدنیؒ یہاں پانچ خصوصیات ذکر کی گئی ہیں اور بھی بہت خصوصیات ہیں جن کو امام سیوطیؒ نے اپنے دو رسالوں میں جمع کیا ہے۔ اور خصوصیات نبوی ایک ہزار سے بھی زائد بتلائی ہیں تو یہاں حصر کے لئے نہ ہوگا۔ اور نہ ہی ذکر عدد اس بات کا مقتضی ہے کہ ما زاد کی نفی کرے۔ جعلت لی الارض مسجداً سب روئے زمین آپؐ کے لئے مسجد بنا دیا گیا۔ مگر عوارض کی وجہ سے بعض مقامات کا استثنا کیا گیا ہے، جیسے مقبرہ قارعۃ الطریق وغیرہ واعطیت الشفاعۃ اگر شبہ ہو کہ شفاعت آپؐ کی خصوصیت نہیں بلکہ انبیاء سابقین بھی شفاعت کریں گے۔ بلکہ اطفال بھی اپنے ماں باپ کے لئے بھی شفاعت کریں گے۔ تو اس کا جواب

یہ ہے کہ شفاعت سے اس جگہ شفاعت کبریٰ مراد ہے اور یہی آپ کی خصوصیت ہے کہ آپ تمام عالم کی شفاعت فرمائیں گے۔ شفاعت موقف کے عذاب سے نجات دلانے کے لئے ہوگی اور بعض نے کہا کہ آپ کے ساتھ تین شفاعتیں مخصوص ہیں۔ (۱) شفاعۃ کبریٰ (۲) شفاعۃ من یدخل الجنۃ بغیر حساب (۳) اخراج من فی قلبہ مثقال ذرۃ من الایمان۔

تشریح از شیخ زکریاؒ۔ ترجمہ کی غرض اس بات کی طرف اشارہ کرنا ہے کہ اوپر جو کراہۃ صلوٰۃ ان مقامات کے متعلق ذکر کی گئی وہ خلاف اولیٰ پر محمول ہے

باب نَوْمِ الْمَرْأَةِ فِي الْمَسْجِدِ

ترجمہ:۔ عورت کا مسجد کے اندر سونا

حدیث نمبر ۴۲۰ حَدَّثَنَا عُبَيْدُ بْنُ اِسْمَاعِيلَ الخ عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ وَلِيدَةً كَانَتْ سَوْدَاءَ لِحَيٍّ مِنَ الْعَرَبِ فَاَعْتَقُوهَا فَكَانَتْ مَعَهُمْ قَالَتْ فَخَرَجَتْ صَبِيَّةٌ لَهُمْ عَلَيْهَا وِشَاحٌ اَحْمَرُ مِنْ سُيُورٍ قَالَتْ فَوَضَعَتْهُ اَوْ وَقَعَ مِنْهَا فَمَرَّتْ بِهِ حُدَيَّاةٌ وَهُوَ مُلْقًى فَحَسِبَتْهُ لَحْمًا فَخَطِفَتْهُ قَالَتْ فَالْتَمَسُوهُ فَلَمْ يَجِدُوهُ قَالَتْ فَاتَّهَمُونِي بِهِ قَالَتْ فَطَفِقُوا يُفَتِّشُونِي حَتّٰى فَتَّشُوا قُبُلَهَا قَالَتْ وَاللّٰهِ اِنِّي لَقَائِمَةٌ مَعَهُمْ اِذْ مَرَّتِ الْحُدَيَّاةُ فَاَلْقَتْهُ قَالَتْ فَوَقَعَ بَيْنَهُمْ قَالَتْ فَقُلْتُ هٰذَا الَّذِي اتَّهَمْتُمُونِي بِهِ زَعَمْتُمْ وَاَنَا مِنْهُ بَرِيئَةٌ وَهُوَ ذَا هُوَ قَالَتْ فَجَاءَتْ اِلٰى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَسْلَمَتْ قَالَتْ عَائِشَةُ فَكَانَتْ لَهَا خِبَاءٌ فِي الْمَسْجِدِ اَوْ حِفْشٌ قَالَتْ فَكَانَتْ تَأْتِينِي فَتَحَدَّثُ عِنْدِي قَالَتْ فَلَا تَجْلِسُ عِنْدِي مَجْلِسًا اِلَّا قَالَتْ وَيَوْمَ الْوِشَاحِ مِنْ تَعَاجِيبِ رَبِّنَا اَلَا اِنَّهُ مِنْ بَلْدَةِ الْكُفْرِ اَنْجَانِي. قَالَتْ عَائِشَةُ فَقُلْتُ لَهَا مَا شَاْنُكِ لَا تَقْعُدِينَ مَعِي مَقْعَدًا اِلَّا قُلْتِ هٰذَا قَالَتْ فَحَدَّثَتْنِي بِهٰذَا الْحَدِيثِ (الحدیث)

ترجمہ:۔ حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ عرب کے کسی قبیلہ کی ایک کالی رنگ والی چھوکری تھی جس کو انہوں نے آزاد کر دیا۔ مگر پھر بھی وہ ان کے پاس رہنے لگی۔ وہ بیان کرتی ہے کہ ان کی ایک چھوٹی لڑکی گھر سے اس حال میں نکلی ان کی کہ چمڑے کے تسموں کا ایک سرخ ہار اس کے اوپر تھا اس نے اسے رکھ دیا یا وہ ہار گر پڑا بہرحال ایک چھوٹی سی گدھ (چیل) اس کے پاس سے گذری جبکہ وہ ہار پڑا ہوا تھا کہ

گدھ نے اسے گوشت سمجھ کر اُچک لیا۔ وہ کہتی ہے کہ ان لوگوں نے خوب تلاش کیا مگر ہار نے نہ ملنا تھا اور نہ وہ ملا۔ تو انہوں نے مجھ پر اس کی تہمت لگائی چنانچہ انہوں نے میری تلاشی لینی شروع کی یہاں تک کہ میرے اندامِ نہانی کی بھی تلاشی لی، وہ کہتی ہے کہ اللہ کی شان میں ان کے ساتھ کھڑی ہوئی تھی کہ اچانک وہ چھوٹی سی گدھ (چیل) اس ہار کو لے کر گزری پھر اسے پھینک دیا۔ اتفاق سے وہ ہار ان کے درمیان آکر گرا تو وہ کہتی ہے کہ میں نے کہا یہ وہ ہار ہے جس کے ساتھ تم نے مجھے متہم کیا اور خدا جانے کیا کیا کہا حالانکہ میں اس سے بری تھی۔ اور وہ تمہارے سامنے یہ ہے۔ پس وہ جناب رسول اللہ صلعم کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام لائی۔ حضرت عائشہ رض فرماتی ہیں کہ اس کے لئے مسجد نبوی میں ایک خیمہ یا ایک چھوٹا سا گھر تھا وہ میرے پاس آکر باتیں کرتی تھیں اور جب بھی میرے پاس اس کی مجلس ہوتی۔ تو وہ شعر پڑھا کرتی تھی ؎

ہار والا دن ہمارے رب کی عجائبات میں سے ہے
بہرحال اس نے کفر کے شہر سے مجھے نجات دلائی

حضرت عائشہ رض فرماتی ہیں کہ میں نے اس سے پوچھا کہ کیا وجہ ہے کہ جب بھی تو میرے پاس بیٹھتی ہے تو یہ شعر ضرور پڑھتی ہے۔ پھر وہ مجھے اپنا وہ واقعہ سناتی اور بیان کرتی تھی۔

تشریح از شیخ مدنیؒ: روایت باب سے امام بخاریؒ یہ ثابت کر رہے ہیں کہ جس طرح عند الضرورت مردوں کے لئے نوم فی المسجد جائز ہے۔ ایسے عند الضرورت عورتوں کے لئے بھی جائز ہے بشرطیکہ کسی فتنہ کا اندیشہ نہ ہو۔ سبتی، جمع سبت کی بھنی چمڑے کی لمبی پٹی حدیاۃ بمعنی چیل زعمتم ای زعمتم الف مسختہ۔ تو اب اس لڑکی کو اپنے متعلقین کے قبیلہ سے نفرت ہوگئی۔ تو آپ کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ مسلمان ہوگئی چونکہ الگ اس کے لئے کوئی مکان نہیں تھا۔ اس لئے اس کے لئے مسجد میں ایک خیمہ لگا دیا گیا۔ یوم الوشاح وہی چیل والا واقعہ ہے کہ اگر وہ واقعہ نہ ہوتا تو نہ میں دارالاسلام میں آسکتی اور نہ اسلام سے مشرف ہوتی اس لئے اس رب العزت کے اعاجیب میں شمار کرتی ہوں۔

تشریح از شیخ زکریاؒ: امام بخاریؒ نے دو باب باندھے ہیں۔ ایک نوم المرأۃ فی المسجد کا اور دوسرا نوم الرجال فی المسجد کا۔ بظاہر امام بخاریؒ کی غرض دونوں بابوں سے جواز بیان کرنا ہے جیسا کہ روایات سے معلوم ہوتا ہے مگر نوم المرأۃ کو نوم الرجال پر مقدم کر دیا۔ اہتمام کی بنا پر۔ کیونکہ عورت محل فتنہ ہے ممکن ہے عدمِ جواز کا وہم ہو۔ تو امام بخاریؒ نے اسے مقدم کرکے جواز کو واضح فرما دیا۔ اور اسی محل فتنہ میں

ہونے کی وجہ سے مالکیہؒ کا مذہب ہے کہ عورت کو مطلقاً مسجد میں سونا جائز نہیں وان کانت عجوزۃ اگرچہ بڑھیا کیوں نہ ہو۔ اور ائمہ ثلاثہؒ کے نزدیک جائز ہے مگر خلاف اولیٰ ہے اور نوم الرجال کے اندر امام مالکؒ کے یہاں تفصیل ہے، فرماتے ہیں کہ اگر کوئی سونے کی جگہ نائم کے لئے نہ ہو۔ تو مسجد میں سو سکتا ہے۔ اگر جگہ ہو تو سونا جائز نہیں۔ اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک جائز ہے مگر اولیٰ یہ ہے کہ اگر کوئی ٹھکانا نہ ہو تو باہر سوئے۔ فاعتقوھا الخ یہ اس زمانے کا دستور تھا کہ اگر کسی کے غلام ہوتے اور وہ آزاد کر دیتا تو ان کے اخلاق کی بنا پر اس کے ولی نعمت ہونے کے سبب اس کے پاس رہتے تھے۔ اور کہیں نہیں جاتے تھے۔ ان صحابہ نے بھی ایسا کیا۔ مگر بعض تو ایسے تھے کہ غلامی کو پسند کرتے تھے۔ اگر مالک اجازت دیدے اور گھر والے لینے کے لئے آئیں جب بھی جانے کے لئے تیار نہ ہوتے تھے جیسا کہ حضرت زید بن حارثہؓ کو اُن کے گھر والے لینے آئے اور بہتیری کوشش کی عار دلائی مگر حضرت زیدؓ نہ گئے اور حضورؐ کی غلامی کو پسند کیا۔ فاتھموُنی بہ یہ قاعدہ ہے کہ اگر گھر کی کوئی چیز کھو جائے۔ اور کوئی بھنگن یا نوکرانی وہاں ہو۔ تو اسی کو متہم کیا کرتے ہیں اسی کے موافق ان کو بھی متہم کیا گیا۔ فکان لھا خبار فی المسجد یہ محل ترجمہ ہے۔ اور مقصود بالذات ہے کہ وہ مسجد کے اندر خیمہ ڈال کر رہا کرتی تھی اور جملہ میں او شک راوی کیلئے ہے حفش کے معنی جھونپڑے کے ہیں فلا تجلس مجلساً یعنی وہ جب بھی آئیں اور بیٹھتیں تو ایک شعر پڑھا کرتی تھیں، یوم الوشاح اس لئے کہ اس واقعہ کی وجہ سے اس نے قبیلہ کو چھوڑا

باب نَوْمِ الرِّجَالِ فِی الْمَسْجِدِ وَقَالَ اَبُوْ قِلَابَۃَ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِکٍ قَدِمَ رَھْطٌ مِنْ عُکْلٍ عَلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَکَانُوْا فِی الصُّفَّۃِ وَقَالَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ اَبِیْ بَکْرٍ کَانَ اَصْحَابُ الصُّفَّۃِ اَلْفُقَرَآءَ ۔

ترجمہ:۔ مردوں کا مسجد میں سونا۔ حضرت انس بن مالکؓ سے مروی ہے کہ قبیلہ عکل کے کچھ لوگ جناب نبی اکرم صلعم کے پاس آئے اور وہ صفہ ادر چبوترہ میں تھے حضرت عبدالرحمٰن ابی بکرؓ فرماتے ہیں کہ اصحاب صفہ فقیر لوگ تھے۔

حدیث نمبر ۴۲۱ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ الخ قَالَ اَخْبَرَنِیْ عَبْدُ اللّٰہِ ابْنُ عُمَرَ اَنَّہٗ کَانَ یَنَامُ وَھُوَ شَابٌّ اَعْزَبُ لَا اَھْلَ لَہٗ فِیْ مَسْجِدِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ۔

ترجمہ:۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے خبر دی ہے کہ وہ نوجوان اور غیر شادی شدہ تھے جو مسجد نبوی

میں سویا کرتے تھے۔

تشریح از شیخ مدنیؒ۔ اس پر تو تمام ائمہ کا اتفاق ہے کہ معتکف کے لئے مسجد کے اندر سونا جائز ہے۔ بلکہ اس کے لئے نوم خارج مسجد جائز ہی نہیں حالانکہ تلوث مسجد کا اندیشہ ہوتا ہے، ریح نکلنے کا اندیشہ ہے۔ البتہ غیر معتکف کے بارے میں اختلاف ہوا۔ بعض حضرات نے مذکورہ بالا وجوہ کی بنا پر نوم فی المسجد کو ناجائز کہا اور بعض حضرات نے کہا کہ بغیر مبیت (رات گذارنے کی جگہ) اور مقیل (قیلولہ کرنے کی جگہ) بنانے کے صاحب مکان بنانے کے مسجد میں نوم کر سکتا ہے۔ عامہ فقہاء اور شوافعؒ کا یہی مسلک ہے اور بعض نے اجازت عام دے دی۔ چنانچہ امام بخاریؒ نے اصحاب صفہؓ کے واقعہ سے استدلال کرتے ہیں جو کہ ستر کے قریب تھے اور حضرت علیؓ صاحب مکان تھے تو معلوم ہوا مطلقاً اجازت ہے مبیت (رات گذارنے کی جگہ) نہ بنائے۔

حدیث نمبر ۴۲۲ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ الخ عَنْ سَهْلِ ابْنِ سَعْدٍ قَالَ جَاءَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْتَ فَاطِمَةَ فَلَمْ يَجِدْ عَلِيًّا فِي الْبَيْتِ فَقَالَ أَيْنَ ابْنُ عَمِّكِ قَالَتْ كَانَ بَيْنِي وَبَيْنَهُ شَيْءٌ فَغَاضَبَنِي فَخَرَجَ فَلَمْ يَقِلْ عِنْدِي فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِإِنْسَانٍ انْظُرْ أَيْنَ هُوَ فَجَاءَ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللهِ هُوَ فِي الْمَسْجِدِ رَاقِدٌ فَجَاءَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ مُضْطَجِعٌ قَدْ سَقَطَ رِدَاؤُهُ عَنْ شِقِّهِ وَأَصَابَهُ تُرَابٌ فَجَعَلَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَمْسَحُهُ عَنْهُ وَيَقُولُ قُمْ أَبَا تُرَابٍ قُمْ أَبَا تُرَابٍ

ترجمہ:۔ حضرت سہل بن سعدؓ فرماتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلعم حضرت فاطمۃ الزہراءؓ کے گھر تشریف لائے تو حضرت علیؓ کو گھر میں نہ پایا۔ حضورؐ نے فرمایا تمہارا چچا زاد بھائی کہاں ہے۔ حضرت فاطمہؓ نے فرمایا میرے اور ان کے درمیان کوئی بات ہو گئی جس کی بنا پر وہ مجھ سے ناراض ہو گئے چلے گئے اور میرے پاس قیلولہ نہیں کیا۔ تو جناب رسول اللہ صلعم نے کسی انسان سے فرمایا کہ اس کو دیکھو کہ کہاں ہیں اس نے واپس آ کر بتلایا کہ وہ مسجد میں سوتے ہوتے ہیں تو جناب رسول اللہ صلعم خود مسجد میں تشریف لائے تو دیکھا وہ لیٹے ہوتے ہیں اور ایک کنارہ ان کی چادر کا ان کے پہلو سے گرا ہوا ہے۔ جس کو مٹی لگی ہوئی ہے تو حضور اکرم صلعم اس مٹی کو پونچھنے لگے اور فرماتے تھے او مٹی والے اٹھو او مٹی والے اٹھو۔

تشریح از شیخ مدنیؒ حضرت علیؓ صاحب مکان تھے اور شادی شدہ تھے۔ مگر مسجد نبوی میں سو گئے جس سے نوم الرجال فی المسجد ثابت ہوا۔

تشریح از شیخ زکریاؒ۔ قدم رھط من عکل الخ یہ وہی عکل والے ہیں جو خدمت اقدس میں حاضر ہوتے۔ اسلام ظاہر کیا اور کہا کہ ہم کو مدینہ کی ہوا موافق نہیں آئی۔ اس پر حضور اکرم صلعم نے صدقات کے اونٹوں میں چلے جانے کی اجازت مرحمت فرمائی۔ وہاں جاکر غداری کی راعی اونٹ (بجائے راعی الابل) کو قتل کر دیا۔ اونٹ لے کر بھاگ گئے الی آخرہ فکانوا فی الصفۃ الخ یہ صفہ مسجد کا حصہ تھا اس کے اندر قیام کیا تو یہ قیام فی المسجد ہو گیا کیونکہ حضور اکرم صلعم کے پاس مہمانوں کے لئے کوئی مستقل جگہ نہیں تھی۔ کوئی وفد وغیرہ آتا تو یہیں ٹھہراتے تھے۔ کان اصحاب الصفۃ الفقراء یہ حضرات غریب ہوتے تھے۔ ان کے پاس کچھ ہوتا نہیں تھا۔ دین کے واسطے آتے اور مسجد میں رہتے تھے۔ انہی آثار کی بناء پر امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ جس کے گھر کا انتظام نہ ہو وہ مسجد میں سو سکتا ہے

فقال ابن ابن عمك هذا مجان فان علیاً لیس بابن عم فاطمۃ الزھراء بل ھو ابن عم رسول اللہ صلعم۔ کان بینی و بینہ بینیٔ یعنی کوئی بات ہو رہی تھی تو وہ مجھ پر ناراض ہوگئے۔ ایسا ہوتا ہے کہ کبھی میاں بیوی میں کسی بات پر ناراضگی ہو جاتی ہے، خلو یقل بکسر القاف من القیلولۃ ھو فی المسجد راقد موضع الترجمہ۔ فسمیا ابا تراب اسی دن سے ان کی کنیت ابو تراب ہوگئی۔ رأیت سبعین من اصحاب الصفہ اصحاب صفہ کی تعداد ستر تک پہنچی ہے۔ اور اس سے زائد ڈیڑھ سو بلکہ چار سو تک پہنچی ہے۔ ان کی تعداد میں اختلاف ہے۔ وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ علم سیکھنے کے لئے آتے تھے اور صفہ میں قیام فرماتے تھے۔ اس لئے کبھی زیادہ ہو جاتے کبھی کم ہو جاتے۔ اور یہی صفہ اصل اہل مدارس کی ہیں اور اصل خانقاہیں ہیں اہل مدارس تو اس لئے کہ یہ لوگ علم حاصل کرتے تھے۔ اور اصل خانقاہیں اس لئے کہ فیض روحانی اصلی مقصد تھا۔ اور یہاں یہ اشکال نہیں ہو سکتا کہ بعض علماء نے مدارس کو بدعت حسنہ میں شمار کیا ہے۔ اس لئے کہ مدارس کی خاص ہیئۃ۔ مدرسین کا ہونا ملازمین کا ہونا اوقات کی پابندی۔ یہ سب کچھ وہاں نہ تھا۔ تو گویا ہیئت خاصہ حادث ہے اور اصل تعلیم اور متعلمین حضور صلعم کے زمانے سے ہیں اسی طرح خانقاہیں کا ہے کہ یہ ہیئت خاصہ نہ تھی۔

حدیث نمبر ۴۲۳ حَدَّثَنَا یُوْسُفُ بْنُ عِیْسٰی الخ عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ لَقَدْ رَاَیْتُ سَبْعِیْنَ مِنْ اَصْحَابِ الصُّفَّۃِ مَا مِنْھُمْ رَجُلٌ عَلَیْہِ رِدَآءٌ اِمَّا اِزَارٌ وَّاِمَّا کِسَآءٌ قَدْ رَبَطُوْا فِیْ اَعْنَاقِھِمْ فَمِنْھَا مَا یَبْلُغُ نِصْفَ السَّاقَیْنِ وَ مِنْھَا مَا یَبْلُغُ الْکَعْبَیْنِ فَیَجْمَعُہٗ بِیَدِہٖ

كَرَاهِيَةَ اَنْ تُرٰى عَوْرَتُهٗ (الحدیث)

ترجمہ:۔ حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے ستر اصحاب صفہ کو دیکھا جن میں سے کوئی آدمی ایسا نہیں ہوتا تھا جس پر اوپر کی چادر ہو یا تو تہبند ہوتا تھا یا گرم چادر ہوتی تھی جس کو چھوٹے ہونے کی وجہ سے گردنوں میں باندھ رکھا تھا پس بعض کو وہ پنڈلیوں کے نصف تک پہنچتے اور بعض کو ٹخنوں تک پہنچتے تھے۔ تو وہ اس چادر کو اپنے ہاتھ سے سمیٹ لیتا تھا کہ کہیں اس کا ننگ نہ دکھائی دے جس کو وہ ناپسند کرتے تھے۔ (تشریح گذر چکی ہے)

باب اَلصَّلٰوةُ اِذَا قَدِمَ مِنْ سَفَرٍ وَقَالَ كَعْبُ بْنُ مَالِكٍ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا قَدِمَ مِنْ سَفَرٍ بَدَأَ بِالْمَسْجِدِ فَصَلّٰى فِيْهِ۔

ترجمہ:۔ جب سفر سے آئے تو نماز پڑھے چنانچہ حضرت کعب بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلعم کی عادت مبارکہ تھی جب کسی سفر سے واپس تشریف لاتے تو ابتداء مسجد سے کرتے کہ اس میں نماز شکر ادا فرماتے تھے۔

تشریح از شیخ زکریاؒ یہ تحیۃ القدوم من السفر کہلاتا ہے۔ یہ ائمہ کے یہاں ہے کہ جب سفر سے آئے تو اول مسجد میں جاکر دو رکعت نماز تحیۃ السفر پڑھے۔ تاکہ ابتداءً مقام متبرک سے تلبس ہو اور برکت حاصل ہو۔ اور اس لئے بھی کہ لوگ مساجد میں جمع ہوتے ہیں، تو ان سے ملاقات بھی ہوجاتی ہے

حدیث نمبر ۴۲۴ حَدَّثَنَا خَلَّادُ بْنُ يَحْيٰى الخ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ اَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ فِي الْمَسْجِدِ قَالَ مِسْعَرٌ اُرَاهُ قَالَ ضُحًى فَقَالَ صَلِّ رَكْعَتَيْنِ وَكَانَ لِيْ عَلَيْهِ دَيْنٌ فَقَضَانِيْ وَزَادَنِيْ (الحدیث)

ترجمہ:۔ حضرت جابر بن عبداللہ فرماتے ہیں کہ میں جناب نبی اکرم صلعم کی خدمت میں حاضر ہوا جبکہ وہ مسجد میں تھے۔ مسعر راوی کہتے ہیں کہ میں سمجھتا ہوں کہ یہ ضحی کا وقت تھا۔ فرمایا دو رکعتیں پڑھ لو اور میرا آپ پر قرضہ تھا جو آپ نے ادا کردیا۔ بلکہ زیادہ بھی دیا۔

تشریح از شیخ زکریاؒ۔ یہ وہی اونٹ والا واقعہ ہے کہ حضرت جابرؓ نے حضور اکرم صلعم کو اپنا اونٹ فروخت کیا تھا جب مدینہ میں آئے تو حضور اکرم صلعم مسجد میں قیام فرما تھے۔ یہ اپنا قرضہ لینے آئے تھے۔ حضور اکرم صلعم نے پہلے تحیۃ السفر کا حکم فرمایا۔ پھر ان کا قرضہ ادا فرمایا اور خوب ادا فرمایا غرضیکہ آداب سفر

میں سے یوں ہے کہ جب سفر سے واپس آتے تو پہلے جاکر مسجد میں تحیۃ المسجد پڑھے کچھ دیر وہاں بیٹھے تاکہ احباب وغیرہ کو ملنے میں تکلیف نہ ہو۔ صرف نماز پڑھنا تو ہر ایک کے لئے مندوب ہے اور نماز کے بعد بیٹھنا صرف ان کے لئے ہے جن کے احباب اور تلامذہ زیادہ ہوں۔ اس باب کی حدیث میں قدوم من السفر کا ذکر نہیں لیکن امام بخاریؒ کے اصول میں سے استدلال بالعموم بھی ہے۔ اور یہی حدیث آگے آئے گی جس میں سفر کا ذکر بھی ہے۔

باب اِذَا دَخَلَ اَحَدُكُمُ الْمَسْجِدَ فَلْيَرْكَعْ رَكْعَتَيْنِ قَبْلَ اَنْ يَجْلِسَ۔

ترجمہ:۔ جب تم سے کوئی مسجد میں داخل ہو تو بیٹھنے سے پہلے دو رکعت پڑھ لے۔

حدیث نمبر ۴۲۵ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوْسُفَ الخ عَنْ اَبِيْ قَتَادَةَ السَّلَمِيِّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا دَخَلَ اَحَدُكُمُ الْمَسْجِدَ فَلْيَرْكَعْ رَكْعَتَيْنِ قَبْلَ اَنْ يَجْلِسَ (الحدیث)

ترجمہ:۔ حضرت ابو قتادہ سلمیؓ فرماتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلعم نے فرمایا جب تم سے کوئی مسجد میں داخل ہو تو بیٹھنے سے پہلے دو رکعت نماز ادا کرے۔

تشریح از شیخ زکریاؒ۔ یہ باب تحیۃ المسجد کے بیان میں ہے، یہاں امام بخاریؒ نے الفاظ حدیث کو ترجمہ بنالیا ہے اس لئے کہ تحیۃ المسجد میں پانچ بحثیں ہیں تو الفاظ حدیث کو ترجمہ گردان کر اشارہ فرمادیا البحث الاول اذا دخل میں دو مسئلے ہیں اوّل یہ کہ اذا دخل اپنے عموم کی وجہ سے، شافعیہ کے نزدیک اوقات مکروہہ کو بھی شامل ہے۔ لہٰذا جب بھی داخل ہوگا اس کی طرف تحیۃ المسجد کا امر متوجہ ہوگا۔ اگرچہ وقت مکروہ ہو۔ اور ائمہ ثلاثہ فرماتے ہیں کہ دوسری روایت کی بنا پر اوقات مکروہہ اس عموم سے مستثنیٰ ہیں یہ حکم ان کے علاوہ کے لئے ہے۔ حنابلہ اس عموم کو اوقات مکروہہ سے مقید کرتے ہیں تو مالکیہؒ حنفیہؒ کے ساتھ ہیں مگر جب خطیب خطبہ پڑھ رہا ہو تو اس وقت یہ حضرات دخل کو اپنے عموم پر رکھتے ہیں اور شافعیہ کے ساتھ ہو جاتے ہیں تو دو مسئلے ہوئے۔ ایک اوقات مکروہہ میں اس عموم دخول سے مستثنیٰ کرنے میں حنابلہ حنفیہؒ اور مالکیہ کے ساتھ ہیں تو گویا تینوں ایک طرف ہیں اور امام شافعیؒ عام رکھتے ہیں۔ اور دخول عند الخطبہ میں حنابلہ شافعیہ کے ساتھ ہیں اور دخول کو اپنے عموم پر رکھتے ہیں سلیک غطفانی روایت کی بنا پر جس میں اذا دخل احدکم المسجد والامام یخطب فلیرکع رکعتین۔

البحث الثانی۔ دخل اپنے اطلاق کی بنا پر اس بات کا متقاضی ہے کہ جب بھی دخول ہو اس وقت تحیۃ المسجد پڑھے۔ یہی ائمہ ثلاثہ فرماتے ہیں۔ اور امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ اگر دخول للجلوس تو پھر تو اس کو پڑھنا چاہیئے اگر صرف مرور ہے تو نہیں۔ کیونکہ حدیث کے اندر دخول کا ذکر ہے مرور کا نہیں ائمہ ثلاثہ دخول کو عام رکھتے ہیں خواہ دخول للجلوس یا للمرور تعمیم کی بنا پر امام بخاریؒ کا میلان بھی اسی طرف معلوم ہوتا ہے۔ البحث الثالث فلیرکع کا امر اہل ظواہر کے نزدیک وجوب کے لئے ہے اور جماہیر کے نزدیک استحباب کے لئے ہے۔ البحث الرابع شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک تنفل برکعۃ (ایک رکعت نفل) جائز ہے مگر تحیۃ المسجد میں رکعۃ واحدہ کافی نہیں۔ اس لئے کہ حدیث میں رکعتین کی تصریح ہے۔ حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک تنفل برکعۃ ناجائز ہے۔ البحث الخامس حنابلہ کے نزدیک قبل ان یجلس کی بنا پر اگر کوئی مسجد میں جاکر بیٹھ گیا۔ تو تحیہ فوت ہوگیا۔ ہاں اگر فوراً اٹھ کر پڑھ لے تو آتی بالتحیۃ (تحیہ کرنے والا ہوگا) ہوگا۔ اور شافعیہ کے نزدیک عمداً جلوس سے تحیہ فوت ہوجائے گا۔ اور اگر بھول کر بیٹھ گیا اور جلوس طویل ہوگیا۔ تو بھی تحیہ فوت ہوگیا تو حنابلہ اور شافعیہ کے مذہب میں یہ فرق ہوا کہ حنابلہ کے نزدیک مطلقاً بیٹھنے سے فوت ہوجائے گا۔ سواءً کان عمداً او سہواً الا ان یقوم علی الفور اور شافعیہ کے نزدیک جلوس عمد سے فوت ہوجائے گا۔ اب وہ کسی طور سے آتی بالتحیہ نہیں ہوگا۔ اور نسیان کی صورت میں جلوس طویل سے فوت ہوگیا۔ تو گویا نسیان میں سب کی رائے ایک ہے عمد کے اندر فرق ہے۔ شافعیہ کے نزدیک مطلقاً فوات اور حنابلہ کے نزدیک فوات بطول الجلس ہوگا۔ اور حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک مطلقاً فوات نہ ہوگا۔ سواء کان الجلوس عمداً او سہواً طال الجلوس او قصر۔

باب الحدث فی المسجد

ترجمہ:۔ مسجد میں بے وضو ہونا۔

حدیث نمبر ۴۲۶ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوسُفَ الخ عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ الْمَلٰئِكَةَ تُصَلِّيْ عَلٰى اَحَدِكُمْ مَا دَامَ فِيْ مُصَلَّاهُ الَّذِيْ يُصَلِّيْ فِيْهِ مَا لَمْ يُحْدِثْ تَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَهٗ اَللّٰهُمَّ ارْحَمْهُ۔

ترجمہ:۔ حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ فرشتے تم میں سے ہر اس شخص پر دعا کرتے رہتے ہیں جب تک وہ اپنی اس نماز کی جگہ پر ہے جہاں اس نے نماز پڑھی جب تک

کہ بے وضو نہ ہو وہ فرماتے ہیں اے اللہ! اس کی مغفرت و بخشش فرمائے اللہ اس پر رحم فرما

تشریح از شیخ مدنی ؒ۔ اس باب میں امام بخاریؒ نے یہ نہیں بتلایا کہ حدث فی المسجد جائز ہے کہ نہیں مگر مالم یحدث الخ سے معلوم ہوتا ہے کہ حدث نہ کرنا چاہیئے۔ تخامہ تھنگار لعاب وغیرہ میں انقطاع مغفرت کا ذکر نہیں کیا گیا مگر اس میں لیا گیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حدث مسجد میں جائز نہیں ورنہ ملائکہ طلب مغفرت نہیں کریں گے۔

تشریح از شیخ زکریاؒ۔ شراح کے نزدیک باب کی غرض جواز حدث کو بیان کرنا ہے۔ اور مطلب یہ ہے کہ اگر مسجد کے اندر بیٹھے بیٹھے ریح خارج کرنے کی ضرورت ہو جائے۔ تو اس کا خارج کرنا جائز ہے میرے نزدیک بیان جواز کے ساتھ ساتھ خلاف اولویتہ کو بھی بیان کرنا ہے جس کو میں آگے چل کے بیان کروں گا۔ ان الملائکۃ تصلی علی احدکم الخ شراح فرماتے ہیں کہ حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ صرف حدث سے صلوۃ ملائکہ بند ہو جاتی ہے۔ اور اس کے متعلق کچھ نہیں فرمایا کہ کرے یا نہ کرے معلوم ہوا کہ جائز ہے میں کہتا ہوں شراح جو کچھ کہتے ہیں درست ہے۔ مگر اس کے ساتھ یہ بھی تو ہے کہ فرشتوں کی دعا سے محروم ہو جاتا ہے۔ لہذا جو اس محرومی کا باعث ہو وہ خلاف اولیٰ ہوگا

تقول اللھم اغفر لہ الخ یہاں اشکال یہ ہے کہ سورۂ مومن میں ہے الذین یحملون العرش ومن حولہ یسبحون بحمد ربھم ویستغفرون للذین آمنوا الخ اس آیت پاک سے معلوم ہوا کہ حملۃ العرش ومن حولھم سارے مؤمنین کے لئے دعا مغفرت کرتے ہیں اور من حولھم سب فرشتوں کو عام ہے تو پھر وہ کون سے فرشتے ہیں جو ان جماعۃ مصلین ما دام فی مصلاھم مالم یحدث کے لئے مغفرت کی دعا کرتے ہیں اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ من حولھم عام نہیں ہے۔ بلکہ آس پاس کے فرشتے مراد ہیں اور فرشتوں کی دو جماعتیں ہیں ایک حملۃ العرش ومن حولھم وہ تو عام مؤمنین کے لئے دعائے مغفرت کرتے ہیں۔ اور دوسری وہ جماعت ہے۔ جو صرف مصلین کی جماعت کے واسطے دعائے مغفرت کرتے ہیں اگر من حولھم کو ہم عام مانیں تو دوسرا جواب یہ ہے کہ قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ مغفرت جب محل مغفور سے ملنے والی مصادف ہو تو وہ رفع درجات کا سبب ہوا کرتی ہے فکذا لک ھھنا۔ حافظ علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ بعض تابعین کے نزدیک حدث اصغر حدث اکبر کے حکم میں ہے۔ لہذا جیسے حدث اکبر کے اندر دخول مسجد جائز نہیں ایسے حدث اصغر میں بھی جائز نہیں امام بخاریؒ یہ باب منعقد فرما کر اس کے جواز کی طرف اشارہ فرمایا

ہے اس رائے کا بھی احتمال ہے۔ اور ممکن ہے کہ وہ زیادہ راجح ہو، جو میں اب بیان کروں گا سنو! اس باب سے ایک مسئلہ پر متنبہ فرما دیا۔ وہ یہ کہ مسجد کے اندر بدبو دار اشیاء کا لے جانا ممنوع قرار دیا گیا ہے۔ اور ریح بھی بدبودار ہوتی ہے تو اس سے وہم ہوا کہ ریح کا خارج کرنا ممنوع ہے تو یہاں سے جواز بتلا دیا البتہ غیر اولیٰ ہے۔

باب بُنْيَانِ الْمَسْجِدِ

ترجمہ:۔ مسجد کا بنانا

وَقَالَ اَبُوْسَعِيْدٍ كَانَ سَقْفُ الْمَسْجِدِ مِنْ جَرِيْدِ النَّخْلِ وَاَمَرَعُمَرُ بِبِنَاءِ الْمَسْجِدِ وَقَالَ اُكِنَّ النَّاسَ مِنَ الْمَطَرِ وَاِيَّاكَ اَنْ تُحَمِّرَ اَوْ تُصَفِّرَ فَتَفْتِنَ النَّاسَ قَالَ اَنَسٌ يَتَبَاهَوْنَ بِهَا ثُمَّ لَا يَعْمُرُوْنَهَا اِلَّا قَلِيْلًا وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ لَتُزَخْرِفُنَّهَا كَمَا زَخْرَفَتِ الْيَهُوْدُ وَالنَّصَارٰى۔

ترجمہ:۔ حضرت ابوسعیدؓ فرماتے ہیں کہ مسجد نبوی کی چھت کھجور کی ٹہنیوں کی تھی، حضرت عمرؓ نے مسجد بنانے کا حکم دیا، اور فرمایا کہ اس میں لوگوں کو بارش سے چھپانا چاہتا ہوں۔ مگر خبردار ان سرخ اور زرد بنانے سے بچتے رہنا کہیں وہ لوگوں کو فتنے میں مبتلا نہ کر دیں۔ حضرت انسؓ نے فرمایا کہ لوگ ان مسجدوں کی تعمیر میں ایک دوسرے سے بڑھ جانے میں فخر کریں گے۔ پھر ان کو آباد نہیں کریں گے مگر تھوڑا، اور ابن عباسؓ نے فرمایا کہ تم اپنی مسجدوں کو اس طرح مزین کروگے جس طرح یہود اور نصاریٰ نے اپنے معابد کو مزین کیا۔

حدیث نمبر ۴۲۷ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ الخ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ اَخْبَرَهٗ اَنَّ الْمَسْجِدَ كَانَ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَبْنِيًّا بِاللَّبِنِ وَسَقْفُهُ الْجَرِيْدُ وَعَمَدُهٗ خَشَبُ النَّخْلِ فَلَمْ يَزِدْ فِيْهِ اَبُوْبَكْرٍ شَيْئًا وَزَادَ فِيْهِ عُمَرُ وَبَنَاهُ عَلٰى بُنْيَانِهٖ فِيْ عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِاللَّبِنِ وَالْجَرِيْدِ وَاَعَادَ عَمَدَهٗ خَشَبًا ثُمَّ غَيَّرَهٗ عُثْمَانُ فَزَادَ فِيْهِ زِيَادَةً كَثِيْرَةً وَبَنٰى جِدَارَهٗ بِالْحِجَارَةِ الْمَنْقُوْشَةِ وَالْقَصَّةِ وَجَعَلَ عَمَدَهٗ مِنْ حِجَارَةٍ مَنْقُوْشَةٍ وَسَقَفَهٗ بِالسَّاجِ۔ (الحدیث)

ترجمہ:۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ خبر دیتے ہیں کہ مسجد نبوی جناب رسول اللہ صلعم کے زمانہ میں کچی اینٹوں سے بنائی گئی تھی اس کی چھت کھجور کی ٹہنیوں کی اور اس کے ستون کھجور کی لکڑیوں کے تھے، حضرت ابوبکر صدیقؓ

نے اس میں کسی چیز کا اضافہ نہ کیا۔ البتہ حضرت عمرؓ نے اس میں اضافہ فرمایا۔ اور اس کو ان بنیادوں پر تعمیر کیا جو جناب رسول اللہ صلعم کے زمانہ میں تھیں یعنی کچی اینٹ کھجور کی ٹہنی اور اس کے ستون کھجور لکڑی کے بدلے بعد ازاں حضرت عثمانؓ نے اس میں تبدیلی کی اور خوب تبدیلی کی۔ کہ اس کی دیوار پر نقش و نگار والے پتھروں سے بنائیں چونا لگایا اور اس کے ستون منقش پتھروں سے بنائے اور اس کی چھت ساگوان کی لکڑی سے بنائی

تشریح از شیخ مدنیؒ ۔ بنیان مسجد کے عنوان سے نہ تو کیفیت معلوم ہوتی ہے اور نہ کوئی چیز معلوم ہوتی ہے البتہ آثار سے پتہ چلتا ہے کہ جو مساجد خلوص اور عبادت کی نیت سے بنائی جائیں وہ مستحب ہیں اور جو زینت اور تفاخر کی بنا پر ہوں ان کی بنا مستحب نہیں۔

تشریح از شیخ زکریاؒ ترجمہ کی غرض دو امر ہیں اول بنا مسجد کے اہتمام کو بیان کرنا ہے کہ حضور پاک صلعم جب ہجرت فرما کر تشریف لائے تو سب سے پہلے مسجد بنانے کا نظام بنایا۔ امر ثانی جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے ۔ امام بخاریؒ کی غرض اُن آثار سے معلوم ہوا کرتی ہے۔ جن کو وہ ترجمہ میں ذکر فرماتے ہیں تو یہاں پر جو آثار ذکر فرمائے ہیں ان میں مسجد کو نقش و نگار سے بالکل صاف ہونا مذکور ہے۔ بلکہ جتنے بھی آثار ذکر فرمائے ہیں ان سے تزخرف کی ممانعت اور سادگی کا مطالبہ معلوم ہوتا ہے۔ لہٰذا ان آثار کے پیش نظر امام بخاریؒ کی غرض بنا مسجد میں تجنب عن المزخرفات ہے ۔ و زاد فیہ عمرؓ الخ یہاں اشکال یہ ہے کہ جملہ اولی چاہتا ہے کہ بنا مسجد تعمیر کی زیادتی کے بعد بدل گئی ۔ اور جملہ ثانیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ بنا وہی رہی جو سابق میں باقی تھی ۔ تو پھر حضرت عمرؓ نے کیا زیادتی کی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے جانب قبلہ میں بمقدار دو صف کے زیادتی فرمائی تھی اور باقی بنا حال سابق پر رکھی تو جملہ اولی جوار قبلہ کے متعلق ہے اور دوسرا جملہ آلات بنا سے متعلق ہے ۔ ثم غیرہ عثمان الخ جب حضرت عثمانؓ نے دیکھا کہ یہ تو روز روز کا جھگڑا ہے ہر چند سال بعد تجدید کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور لوگوں کی بھی کثرت ہو گئی تو انہوں نے اس کو آگے پیچھے دائیں بائیں جانب ہر طرف سے زیادہ کر دیا۔ اور منقش پتھروں سے پختہ بنا دی۔ اس پر حضرت عثمانؓ پر اعتراضات بھی کئے گئے کہ حضور اکرم صلعم کی بنا۔ کو بدل ڈالا۔ مگر یہ سب کچھ بمحضر الصحابہ ہوا۔ اور پھر میرے نزدیک اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ زمانہ کے اندر تہذیب و تمدن آچکا تھا۔ مکانات عمدہ بن رہے تھے تو اگر مسجد کو اس حال پر باقی رکھا جاتا تو مکانات کے مقابلہ میں مسجد کی اہانت ہوتی۔ اس بنا۔ پر حضرت عثمانؓ نے یہ سب کچھ کرا دیا۔

باب التَّعَاوُنِ فِي بِنَاءِ الْمَسْجِدِ وَقَوْلِ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِيْنَ أَنْ يَّعْمُرُوْا مَسَاجِدَ اللّٰهِ (الآية)

ترجمہ:۔ مسجد کے بنانے میں ایک دوسرے کی مدد کرنا اور اللہ تعالیٰ بلند و برتر کا ارشاد ہے کہ مشرکوں کو لائق نہیں کہ وہ اللہ کی مساجد کی تعمیر کریں۔

حدیث نمبر ۴۲۸ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ الخ عَنْ عِكْرِمَةَ قَالَ قَالَ لِي ابْنُ عَبَّاسٍ وَّ لِابْنِهٖ عَلِيٍّ انْطَلِقَا إِلَى أَبِي سَعِيْدٍ فَاسْمَعَا مِنْ حَدِيْثِهٖ فَانْطَلَقْنَا فَإِذَا هُوَ فِي حَائِطٍ يُّصْلِحُهٗ فَأَخَذَ رِدَاءَهٗ فَاحْتَبٰى ثُمَّ أَنْشَأَ يُحَدِّثُنَا حَتّٰى أَتٰى عَلٰى ذِكْرِ بِنَاءِ الْمَسْجِدِ فَقَالَ كُنَّا نَحْمِلُ لَبِنَةً لَبِنَةً وَّعَمَّارٌ لَبِنَتَيْنِ لَبِنَتَيْنِ فَرَاٰهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَجَعَلَ يَنْفُضُ التُّرَابَ عَنْهُ وَيَقُوْلُ وَيْحَ عَمَّارٍ تَقْتُلُهُ الْفِئَةُ الْبَاغِيَةُ يَدْعُوْهُمْ إِلَى الْجَنَّةِ وَيَدْعُوْنَهٗ إِلَى النَّارِ قَالَ يَقُوْلُ عَمَّارٌ أَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الْفِتَنِ (الحديث)

ترجمہ:۔ حضرت عکرمہؒ سے مروی ہے کہ مجھے اور اپنے بیٹے علی سے حضرت عبد اللہ بن عباسؓ نے فرمایا کہ حضرت ابو سعیدؓ کے پاس جا کر اس کی حدیث سنو۔ ہم چلے تو وہ اپنے باغ کو اصلاح ٹھیک ٹھاک کر رہے تھے پس انہوں نے اپنی چادر لی اور اس سے احتبا کیا پھر ہمیں حدیث سنانے لگے یہاں تک بنا مسجد کے ذکر تک پہنچے تو فرمایا کہ ہم لوگ تو ایک ایک اینٹ اٹھاتے تھے اور حضرت عمار دو دو اینٹیں اٹھاتے تھے جناب نبی اکرم صلعم نے ان کو دیکھا تو ان سے مٹی کو جھاڑنے جاتے تھے اور فرماتے تھے، افسوس ہے عمار کیلئے کہ اسے ایک باغی ٹولہ قتل کرے گا۔ وہ انہیں جنت کی طرف بلائے گا اور وہ اسے جہنم کی طرف بلاتے ہوں گے، راوی کہتے ہیں کہ حضرت عمارؓ فرماتے تھے کہ میں فتنوں سے اللہ تعالیٰ کے ساتھ پناہ مانگتا ہوں۔

تشریح از شیخ مدنیؒ ۔ مسجد چونکہ بیت اللہ ہے اس لئے یہاں کہا جا سکتا تھا کہ اس میں تعاون نہ ہو۔ تو یہاں آپس میں تعاون کو ثابت کرنا ہے کہ مسلمان مل کر یہ کام کریں یا یہ ثابت کرنا ہے کہ بناء مسجد میں مشرکین سے امداد نہ لینی چاہیئے۔ کیونکہ ارشاد ربانی ہے ما كان للمشركين ان يعمروا مساجد الله

ویح عمار الخ حضرت عمارؓ جنگ صفین میں شہید ہوئے اور یہ حضرت علیؓ کی فوج میں شامل تھے جب ان کو قتل کر دیا گیا تو حضرت علیؓ نے فرمایا کہ جماعت باغیہ نے ان کو قتل کر دیا تو حضرت معاویہؓ نے فرمایا کہ ہم نے ان کو قتل نہیں کیا۔ بلکہ حضرت علیؓ نے کیا ہے۔ کیونکہ وہ ان کو میدان جنگ میں کیوں لائے تھے، یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ ان حضرات کے درمیان جنگ اجتہادی تھی۔ اور یہی اہل السنۃ والجماعۃ کا مسلک ہے

کہ مشاجرات اور حروب صحابہ اجتہادی تھیں۔ لیکن یدعونہ الی النار سے معلوم ہوتا ہے کہ امیر معاویہؓ کی جماعت باغیہ تھی اور ان کی جنگ اجتہادی نہیں تھی۔ تو کہا جائے گا کہ جنگ تو اجتہادی تھی اور اجتہادی خطأ میں مخطی مستحق نار ہوتا ہے، کیونکہ اس نے اپنے اجتہاد سے اپنی طاقت کے مطابق حکم الٰہی کا ادراک کرنا چاہا لیکن خطأ ہوگئی تو فی نفسہٖ مستحق نار تھا۔ مگر عارض کی وجہ سے وہ زائل ہوگیا۔ تو حضرت امیر معاویہؓ کا مجازی معنی مراد لینا جائز نہیں کہ باغیہ سے طالبہ دم یعنی خون عثمان طلب کرنے والے مراد لیا جائے۔ بلکہ اہل سنۃ کے نزدیک صلح سے قبل تک باغی کہا جاتا ہے، جب حضرت حسنؓ سے صلح ہوگئی تو پھر ان کو باغی نہیں کہا جائے گا اور حضرت حسنؓ کو ملک عادل کہا جاتا ہے خلیفہ راشد نہیں۔

تشریح از شیخ زکریاؒ۔ اما لغرض بیان جواز التعاون فی بناء المسجد دفعًا لما یتوھم من عدم جواز ذلک لان النبی صلی اللہ علیہ وسلم لما ساوم بنی النجار ارض المسجد قالوا لا نطلب ثمنہ الا الی اللہ عزوجل فابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان یقبلہ فھذا قد یتوھم منہ عدم جواز التعاون فی بناء المسجد فاثبت البخاری جوازہ واما ان یکون الغرض بیان اولویۃ التعاون لان المسجد لجمیع المسلمین وفیہ فائدتھم فالاولی لھم التعاون فی بنائہ وھذا ھو الاولی عندی۔

ترجمہ: وہم ہوتا تھا۔ بناء المسجد میں باہمی امداد نہ کرنی چاہیئے اس لئے جب آپ نے بنو النجار سے زمین مسجد کا سودا کرنا چاہا تو بنو النجار نے کہا ہم تو اس کی قیمت اللہ تعالیٰ سے طلب کریں گے۔ جناب رسول اللہ صلعم نے ہبہ قبول کرنے سے انکار فرما دیا تو اس سے عدم جواز تعاون کا وہم ہوتا تھا۔ امام بخاریؒ نے اس کا جواز ثابت فرمایا یا امام بخاریؒ کی غرض یہ ہے کہ بنا مسجد میں تعاون کی اولویۃ کو بیان کرنا ہے کیونکہ مسجد تمام مسلمانوں کے لئے ہے جس میں ان کا فائدہ ہے۔ لہٰذا اولیٰ اور افضل ہے کہ اس کے بنانے میں ایک دوسرے کی مدد کریں۔ اور یہی میرے نزدیک اولیٰ اور افضل ہے۔

مشائخ رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ امام بخاریؒ نے آیت کریمہ ذکر فرما کر اشارہ کر دیا کہ مسجد کے بنانے میں مسلمانوں سے تو تعاون لیا جائے گا۔ مشرکین سے مدد نہ لی جائے گی۔ ایسے ہی وہ لوگ جو ریاء کی وجہ سے تعاون کریں ان سے بھی تعاون حاصل نہیں کیا جائے گا۔ شراح فرماتے ہیں کہ آیت کریمہ ذکر کرکے آیت کے اندر عمارت کے معنی میں دو احتمالوں میں سے ایک احتمال کی تعیین کر دی اور وہ دو احتمال یہ ہیں کہ عمارت

سے یا تو ظاہری عمارت مراد ہے یا تعمیر معنوی ذکر اللہ مراد ہے۔ تو عمارت ظاہری متعین فرمادی قال لی ابن عباس ولابنہ علی اور یہ ان حضرات کا طریقہ تھا۔ ہیچ من دیگرے نیست ان کا شیوہ نہیں تھا بلکہ دوسروں کے پاس تحصیل علم کے واسطے بھیجتے تھے، چنانچہ حضرت ابو سعیدؓ کے پاس بھیجا کہ وہ طویل الصحبت ہیں ان کو احادیث زیادہ معلوم ہوں گی۔ لہٰذا وہاں جاکر علم حاصل کرو۔ فاخذ رداءہ فاحتبیٰ الخ جب انہوں نے حضور اکرم صلعم کی حدیث کا ذکر سنا بس کیا تھا۔ سنانے بیٹھ گئے۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ حضور اکرم صلعم محبوب تھے اور محبوب کی بات ہر شخص کرنا چاہتا ہے۔ پھر صحابہ اور حضور اکرم صلعم کا تو کیا پوچھنا۔

تقتلہ الفئۃ الباغیۃ الخ یہ حضرت عمار بڑے متنعم تھے۔ صبح و شام نیا جوڑا پہنتے تھے۔ مگر جب اسلام لائے تو یہاں تک پہنچے ایک چادر بھی مشکل سے ملتی تھی۔ حضرت علیؓ کی جماعت میں تھے اور جنگ صفین میں حضرت معاویہؓ کے لوگوں سے شہید ہوئے۔ اس سے حضرت امیر معاویہؓ کی جماعت کا باغی ہونا معلوم ہوتا ہے۔ اس کا جواب یہ جماعت یہ دیتی ہے کہ باغیہ بغاوت سے مشتق نہیں بلکہ بُغیہ سے مشتق ہے اب معنی ہوئے تقتلہ الفئۃ الباغیۃ ای الطالبۃ لدم عثمانؓ اور دوسرا جواب یہ دیا گیا کہ ان کو درحقیقت حضرت علیؓ نے قتل کیا کیونکہ وہی تو قتال کرنے کو لائے تھے لیکن حضرت علیؓ کو جب ان کا یہ جواب پہنچا، تو فرمایا کہ پھر تو حمزہؓ وغیرہ کو حضور اکرم صلعم نے قتل کیا ہوگا۔ کیونکہ وہی تو میدانِ جنگ میں انہیں لے کر گئے تھے اور پہلا جواب بھی مشکل ہے۔ کیونکہ حدیث میں آگے یدعوھم الی الجنۃ و یدعونہ الی النار بھی وارد ہوا ہے۔

میرے والد صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ حضرت علی حق پر تھے اور حضرت امیر معاویہؓ اور ان کی جماعت خطا پر تھی۔ مگر ان پر اعتراض نہیں اس لئے یہ خطاء اجتہادی تھی اور خطاء اجتہادی میں کوئی گرفت نہیں ہوتی بلکہ اس پر ایک ثواب ملتا ہے۔ اگر مصیب (ٹھیک بتانے والا) ہو تو دو ثواب ملیں گے، لہٰذا یہاں وہ مثاب ہوئے۔ اور دلیل حضرت علیؓ کے حق پر ہونے کی جہاں اور بہت سی روایات ہیں۔ ایک روایت یہ بھی ہے یدعوھم الی الجنۃ لکونہم علی الحق و یدعونہ الی النار لکونہم علی غیر الحق لکنہم لکونہم خاطئین فی الاجتہاد لیسوا معتنو بابیہ علی ذالک الخ ترجمہ: وہ حق پر تھا اسلئے جنت کی دعوت دیتے تھے (اور یہ لوگ ان کو دوزخ کی طرف بلاتے تھے)

باب الاستعانۃ بالنجار والصناع فی اعواد المنبر والمسجد۔

ترجمہ:۔ مسجد اور منبر کی لکڑیوں میں بڑھئی اور کاری گر سے مدد طلب کرنا

حدیث نمبر ۴۲۹ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيْدٍ الخ عَنْ سَهْلٍ بَعَثَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلٰى امْرَاَةٍ مُرِىْ غُلَامَكِ النَّجَّارَ يَعْمَلْ لِىْ اَعْوَادًا اَجْلِسُ عَلَيْهِنَّ۔

ترجمہ :۔ حضرت سہل سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلعم نے ایک عورت کی طرف پیغام بھیجا کہ اپنے بڑھئی غلام کو حکم دو کہ میرے لئے لکڑیوں کا منبر تیار کرے جس پر میں بیٹھ کر خطبہ دوں۔

تشریح از شیخ زکریاؒ :۔ میں نے بیان کیا تھا کہ امام بخاریؒ نے بعض ابواب ذکر فرماتے ہیں بعض میں آداب کو بیان کیا ہے اور بعض میں کسی دوسری روایت کی طرف اشارہ کیا ہے۔ تو یہاں کنز العمال کی ایک روایت کی طرف اشارہ فرما دیا۔ اس میں ہے جنّبوا مساجد کم صناعکم (مساجد کو کاریگروں سے بچاؤ) تو شراح کے نزدیک امام بخاریؒ نے اس باب سے رد فرمایا ہے اور میرے نزدیک اس کے عموم کو مقید فرمایا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ یہ نہی جو کنز العمال میں ہے اپنے عموم پر نہیں ہے۔ بلکہ اس وقت ہے جبکہ صناع خود اپنا کام مسجدوں میں کرنے لگیں اور اگر مسجد کا کام مسجد میں کریں تو کوئی حرج نہیں جائز ہے۔

حدیث نمبر ۴۳۰ حَدَّثَنَا خَلَّادُ بْنُ يَحْيٰى الخ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ اَنَّ امْرَاَةً قَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَلَا اَجْعَلُ لَكَ شَيْئًا تَقْعُدُ عَلَيْهِ فَاِنَّ لِىْ غُلَامًا نَجَّارًا قَالَ اِنْ شِئْتِ فَعَمِلَتِ الْمِنْبَرَ (الحدیث)

ترجمہ :۔ حضرت جابر بن عبد اللہ رضؓ سے مروی ہے کہ ایک عورت نے کہا یا رسول اللہ کیا میں آپ کے لئے کوئی ایسی چیز نہ بناؤں جس پر آپ بیٹھا کریں اس لئے کہ میرا ایک بڑھئی غلام ہے۔ آپؐ نے فرمایا کہ اگر تم چاہو تو بنا لو تو اس نے منبر بنوا لیا۔ (منبر کی بحث گذر چکی ہے۔

باب مَنْ بَنٰى مَسْجِدًا

ترجمہ :۔ جس نے مسجد بنوائی

حدیث نمبر ۴۳۱ حَدَّثَنَا يَحْيٰى بْنُ سُلَيْمَانَ الخ اَنَّهٗ سَمِعَ عُثْمَانَ بْنَ عَفَّانَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ يَقُوْلُ عِنْدَ قَوْلِ النَّاسِ فِيْهِ حِيْنَ بَنٰى مَسْجِدَ الرَّسُوْلِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّكُمْ اَكْثَرْتُمْ وَاِنِّىْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ بَنٰى مَسْجِدًا قَالَ بُكَيْرٌ حَسِبْتُ اَنَّهٗ قَالَ يَبْتَغِىْ بِهٖ وَجْهَ اللّٰهِ بَنَى اللّٰهُ لَهٗ مِثْلَهٗ فِى الْجَنَّةِ۔

ترجمہ :۔ حضرت عبید اللہ خولانی نے حضرت عثمان بن عفان رضؓ سے اس وقت کہتے سنا جبکہ لوگوں نے ان پر

چہ میگوئیاں شروع کیں جبکہ انہوں نے مسجد رسول اللہ صلعم کو بنوایا۔ تو انہوں نے فرمایا کہ تم لوگوں نے بہت کچھ کہہ سن لیا۔ حالانکہ جناب رسول اللہ صلعم سے میں نے سنا کہ جس نے چھوٹی سی مسجد بنائی بکیر کہتے ہیں کہ میرا گمان ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ اس بنا مسجد سے اللہ تعالیٰ کی رضا چاہتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت میں اس جیسا محل بنائیں گے۔

تشریح از شیخ مدنیؒ۔ عہد نبوی میں مسجد نبوی نہ تو پختہ تھی اور نہ ہی اتنی وسیع تھی عہد عثمانی میں فتوحات بہت زیادہ ہوئی ہیں مسلمانوں کے پاس مال بہت تھا۔ یہاں تک کہ کوئی شخص صدقہ و زکوٰۃ قبول کرنے والا نہیں رہا تھا حضرت عثمانؓ غنی تھے۔ اور تجارت کی وجہ سے مال بہت جمع رکھتے تھے۔ اس لئے انہوں نے اپنے ہی مال سے مسجد نبوی کو مزین کیا۔ اور اس کی دیواریں منقش پتھر کی بنوائیں اور چھت ساگوان کی بنوائی۔ جو بصرہ سے منگوایا گیا تھا صحابہ کرامؓ نے اس قسم کی تزئین نہ دیکھی تھی۔ بنا بریں انہوں نے اعتراضات کرنے شروع کئے تو حضرت عثمانؓ نے حضورؐ کی ایک حدیث سنائی۔ مثلہ فی الجنۃ اگر شبہ ہو کہ دنیا کا گھر جنت کے گھر کی مثل کیسے ہو سکتا ہے، کیونکہ جنت کے محل کی دیواریں سونے اور چاندی کی ہوں گی۔ اور اس کی مٹی مشک ہوگی۔ تو مماثلت کیسے ہوئی اس کا جواب یہ ہے کہ مماثلۃ فی السعۃ ہے۔ یعنی جتنا وسیع گھر مسجد یہاں بنایا جائے گا وہاں بھی ویسا وسیع گھر ہوگا۔ لیکن اس پر شبہ ہوتا ہے کہ حضرت عثمانؓ پر اعتراض تو زیب و زینت کی وجہ سے کیا جا رہا تھا۔ وسعت پر نہیں۔ تو دوسرا جواب یہ ہے کہ مماثلت باعتبار تمیز کے ہے کہ دنیا میں جو مسجد اس شان کی بنائی کہ وہ دوسرے بیوت سے ممتاز ہو تو جنت میں بھی اس قسم کا ممتاز گھر بنا دیا جائے گا۔ اگرچہ وسعت اور زیب و زینت میں اس سے زیادہ ہو۔ تیسرا جواب یہ ہے کہ ہر ملک کے کیفیات مختلف ہیں پہاڑی علاقوں میں گھر پتھر کے بنائے جاتے ہیں۔ شہروں میں اینٹوں سے اور دیہات میں مٹی کے گھر بنائے جاتے ہیں اور کہیں لکڑی کے گھر بنتے ہیں اور کہیں زمین کے اندر گھر بنائے جاتے ہیں جیسے افریقہ میں گرمی کے ایام میں زمین کے اندر گھر بنائے جاتے ہیں الغرض ہر ملک کے لئے مکانات کا مادہ علیحدہ ہے اور صورت مکانات علیحدہ ہے۔ اسی طرز پر جنت میں بھی اس کی شان کے مطابق ہوگا۔ تو مماثلۃ فی الجملہ مراد ہوئی من کل الوجوہ نہ ہوئی۔

تشریح از شیخ زکریاؒ۔ اچھا اور عمدہ مسجد بنانے کی فضیلت بیان کر رہے ہیں کہ جو جیسی مسجد بنادے گا ویسا ہی مکان جنت میں ملے گا۔ عمدہ ہوگا۔ انکو اکثر تو جب حضرت عثمانؓ پر ان کے مسجد میں تغیر کر دینے کی وجہ سے لوگوں نے کثرت سے اعتراضات کئے تو انہوں نے ان کو خاموش کرنے کے لئے اور اپنی حجت

بیان کرنے کے لئے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلعم سے سنا ہے۔ لہٰذا میں تو جنت میں اچھا مکان بنانا چاہتا ہوں اس لئے میں نے مسجد عمدہ بنا دی۔ اس سے پہلے بھی ایک علت بیان ہو چکی ہے یہ دوسری علت ہوئی۔

اگر شبہ پر اعتراض ہو کہ فلہ عشر امثالہا کے مطابق دس مثل ملنا چاہیئے تو جواب یہ ہے کہ آیت میں کمیت کے اعتبار سے عشر امثال فرمایا گیا ہے اور حدیث پاک میں مثلہ نوعیت اور کیفیت کے اعتبار سے ہے۔

باب یَأْخُذُ بِنُصُوْلِ النَّبْلِ اِذَا مَرَّ فِی الْمَسْجِدِ

ترجمہ:۔ جب مسجد سے گذرنے تو تیر کے پھل کو پکڑلے تاکہ کسی کو لگ نہ جائے۔

حدیث نمبر ۴۳۲ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيْدٍ الخ قُلْتُ لِعَمْرٍو اَسَمِعْتَ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ يَقُوْلُ مَرَّ رَجُلٌ فِي الْمَسْجِدِ وَمَعَهُ سِهَامٌ فَقَالَ لَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَمْسِكْ بِنِصَالِهَا

ترجمہ:۔ میں نے حضرت عمرو سے پوچھا کہ تو نے حضرت جابر عبداللہ سے سنا کہ فرماتے تھے کہ ایک آدمی کا گذر مسجد سے ہوا جس کے پاس تیر تھے تو اس سے آنحضرت رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ ان تیروں کے پھلوں کو روک کے رکھو۔

تشریح از شیخ زکریاؒ۔ اگر کوئی جارح چیز لے کر مسجد میں جاوے تو اس کی دھار پر ہاتھ رکھ لے تاکہ کسی کو اس سے زخم نہ لگ جائے اس پر سب کا اتفاق ہے۔

باب اَلْمُرُوْرُ فِي الْمَسْجِدِ

ترجمہ:۔ مسجد سے گذرنا کیسا ہے

حدیث نمبر ۴۳۳ حَدَّثَنَا مُوْسَى بْنُ اِسْمَاعِيْلَ الخ سَمِعْتُ اَبَا بُرْدَةَ عَنْ اَبِيْهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ مَرَّ فِيْ شَيْءٍ مِّنْ مَّسَاجِدِنَا اَوْ اَسْوَاقِنَا بِنَبْلٍ فَلْيَأْخُذْ عَلٰى نِصَالِهَا لَا يَعْقِرْ بِكَفِّهٖ مُسْلِمًا (الحدیث)

ترجمہ:۔ حضرت نبی اکرم صلعم سے مروی ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا جو کوئی شخص ہماری کسی مسجد یا کسی بازار سے گذرے تیر لے کر گذرے تو اس کی دھار پر ہاتھ رکھ لے تاکہ اپنی ہتھیلی سے کسی مسلمان کو زخمی نہ کرے۔

تشریح از شیخ مدنیؒ من مرّ فی المسجد سے مصنفؒ علی الاطلاق مرور فی المسجد کی اجازت ثابت کر رہے ہیں اور اس روایت کا اعتبار نہیں کرتے جس میں ہے ما مرّ (گذرنے والا) فی المسجد تحیۃ المسجد پڑھے اور پھر جائے فقہا اس روایت کا اعتبار کرتے ہیں اور من مرّ فی المسجد

کے معنی من دخل فی المسجد کے لیتے ہیں۔

تشریح از شیخ زکریاؒ۔ علامہ عینیؒ فرماتے ہیں کہ امام بخاریؒ کا ترجمہ ناقص ہے۔ کیونکہ ترجمہ کا مقصد مرور مع النبل فی المسجد ہے جیسا کہ روایت سے معلوم ہوتا ہے اور ترجمہ میں مع النبل کا ذکر نہیں۔ میرے نزدیک مطلقاً مرور فی المسجد کا جواز بیان کرنا ہے۔ ابن ماجہ میں جہاں مساجد کی روایات میں منہیات کا ذکر ہے وہاں یہ بھی ہے ان تتخذ طریقاً کہ حضور پاک صلعم نے مساجد کو راستہ بنانے سے منع کیا ہے۔ تو امام بخاریؒ نے اس پر رد فرمایا۔ اور جواز ثابت فرما دیا۔ اور یہی آئمہ ثلاثہ کا مذہب ہے۔ اور حنفیہؒ کے نزدیک جائز نہیں۔ حضرات احنافؒ فرماتے ہیں کہ ابن ماجہ کی روایت نہی کے اندر نص ہے اور بخاریؒ کی روایت جواز کے اندر نص نہیں، کیونکہ ممکن ہے کہ مرور سے مراد مرور للدخول ہو۔ لہٰذا نص اپنے معنی پر رہے گی۔ اب یہاں اشکال یہ ہے کہ اگر یہاں مرور فی المسجد کا ذکر ہے، تو ایک ورق بعد باب الخوخۃ والممر آرہا ہے اور مرور اور ممر ایک ہی ہے۔ یہ مصدر میمی ہے صرف لفظی فرق ہے۔ جو تکرار کے دفیعہ کے لئے مؤثر نہیں اس کا جواب اسی باب میں دوں گا۔ نیز ا ترجمہ مکرر ہونے کی صورت میں ایک تفریق یہ بھی ہو سکتی کہ پہلے مطلق لے جانے کا ذکر تھا۔ اب نصال کے لے جانے کا ذکر ہے

باب الشِّعْرِ فِی الْمَسْجِدِ

ترجمہ:۔ مسجد میں شعر کہنا کیسا ہے

حدیث نمبر ۴۳۴ حَدَّثَنَا اَبُو الْیَمَانِ الخ اَنَّهٗ سَمِعَ حَسَّانَ بْنَ ثَابِتِ الْاَنْصَارِیَّ یَسْتَشْهِدُ اَبَا هُرَیْرَةَ اَنْشُدُكَ اللّٰهَ هَلْ سَمِعْتَ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ یَا حَسَّانُ اَجِبْ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اَللّٰهُمَّ اَیِّدْهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ قَالَ اَبُوْ هُرَیْرَةَ نَعَمْ۔

ترجمہ:۔ حضرت حسان بن ثابت الانصاریؓ حضرت ابو ہریرہؓ کو گواہ بنانا چاہتے تھے کہ میں تمہیں اللہ کی قسم دے کر کہتا ہوں کہ کیا تم نے نبی اکرم صلعم سے یہ کہتے ہوئے نہیں سنا تھا کہ اے حسان! اللہ کے رسول کی طرف سے (مشرکین) کو جواب دو اے اللہ روح القدس کے ذریعہ ان کی امداد فرما کر حضرت ابو ہریرہؓ نے ہاں میں جواب دیا۔

تشریح از شیخ مدنیؒ۔ آنحضرت صلعم نے شعر کی بہت قباحت بیان فرمائی ہے۔ قرآن مجید میں ہے وما علمناہ الشعر وما ینبغی لہٗ ۔ والشعراء یتبعھم الغاوون اور آپ کا ارشاد ہے۔ لان یمتلئ جوف

احدکم من القیح خیر من ان یمتلی شعراً او کما قال ان آیات اور روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ انشاد الشعر فی المسجد نہ ہو تو امام بخاریؒ بتلانا چاہتے ہیں کہ ہر شعر کے لئے ممانعت نہیں بلکہ وہ اشعار جن میں باری تعالیٰ کی حمد و ثنا ہو۔ یا نصیحت آموز اشعار ہوں۔ ان کا پڑھنا جائز ہے چنانچہ آپؐ نے خود حضرت حسانؓ کے لئے مسجد میں منبر رکھا اور دعا فرمائی اللّٰھم ایدہ بروح القدس اے اللہ جبرائیل علیہ السلام کے ذریعہ ان کی مدد فرما۔ اسی لئے علماء نے فرمایا ہے کہ علم ادب اور اشعار جاہلیۃ کا پڑھنا پڑھانا فرض عین ہو جاتا ہے۔ کیونکہ ان کے ذریعہ معارف قرآنیہ اور دیگر کتب کے مسائل معلوم ہوتے ہیں۔ چنانچہ حضرت عمرؓ کا فرمان ہے علیکم بدواوین العرب کہ عرب کے دیوان لازم پکڑو

تشریح از شیخ زکریاؒ۔ ابوداؤد اور ابن ماجہ وغیرہ کی جن روایات سے مساجد میں اشعار پڑھنے کی ممانعت معلوم ہوتی ہے۔ ان پر رد کرنا ہے۔ اور جواز ثابت کرنا ہے۔ دوسرے علماء فرماتے ہیں کہ دونو قسم کی روایات میں کوئی تعارض نہیں ہے۔ دونو کا محمل الگ الگ ہے۔ ممانعت کی روایات ان اشعار پر محمول ہیں جن کا دین سے کوئی تعلق نہ ہو۔ اور جواز کی روایات اشعار دینیہ پر محمول ہیں لہٰذا وہ ضرورت کے موقعہ پر جائز ہوں گے۔ اور صرف تفریح کے لئے ناجائز ہوں گے تستنشھد ابا ھریرۃ یہ روایت یہاں مختصر ہے۔ ہوا یہ تھا کہ حضرت حسانؓ اشعار پڑھ رہے تھے۔ حضرت عمرؓ نے سنا تو اس پر نکیر کی۔ حضرت حسانؓ نے حضرت ابو ہریرہؓ سے کہا کہ تم گواہی دو کہ میں حضور اکرم صلعم کے زمانہ میں خود آپؐ کے سامنے منبر پر اشعار پڑھا کرتا تھا۔ تفصیلی روایت ص۴۵۶ پر آئے گی۔

باب اَصْحَابِ الْحِرَابِ فِی الْمَسْجِدِ۔

ترجمہ:۔ چھوٹے نیزے والوں کا مسجد میں داخل ہونا کیسا ہے

حدیث نمبر ۴۳۵ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِیْزِ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ الخ اَنَّ عَائِشَةَ قَالَتْ لَقَدْ رَاَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَوْمًا عَلٰی بَابِ حُجْرَتِیْ وَالْحَبَشَةُ یَلْعَبُوْنَ فِی الْمَسْجِدِ وَرَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَسْتُرُنِیْ بِرِدَائِهٖ اَنْظُرُ اِلٰی لَعِبِهِمْ زَادَ اِبْرَاهِیْمُ بْنُ الْمُنْذِرِ قَالَ حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ قَالَ اَخْبَرَنِیْ یُوْنُسُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ رَاَیْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَالْحَبَشَةُ یَلْعَبُوْنَ بِحِرَابِهِمْ

ترجمہ:۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے ایک دن جناب رسول اللہ صلعم کو اپنے حجرے کے دروازے

پر دیکھا اور رسول اللہ صلعم مجھے اپنی چادر سے چھپا رہے تھے اور میں ان کے کھیل کو دیکھ رہی تھی ابراہیم نے زائد کیا کہ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے اس وقت آنحضرت صلعم کو دیکھا جبکہ حبشی لوگ اپنے چھوٹے نیزوں کے ساتھ کھیل رہے تھے۔

تشریح از شیخ مدنیؒ۔ روایت باب سے امام بخاریؒ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ آلاتِ حرب کا مسجد میں لانا اور نیزہ بازی کرنا جائز ہے اگرچہ فقہاً اہانت مسجد کی وجہ سے اس کی ممانعت کرتے ہیں وہ اس روایت کا جواب یہ دیتے ہیں کہ یہ فعل حبشہ مسجد میں نہیں تھا بلکہ فنا مسجد میں تھا۔ چنانچہ بعض روایات میں فناء مسجد کا لفظ وارد ہے اگر صحن مسجد ہی مراد ہو۔ تو کہا جائے گا کہ اس وقت جنگ کی وجہ سے آلاتِ حرب کی مشق کرنا فرض عین ہو چکا تھا۔ اس لئے صحن مسجد میں مشق کی گئی۔ چونکہ آیت الحجاب اتر چکی تھی۔ اور حضرت عائشہؓ حدیثۃ السن تھیں ان جنگی کھیل کو دیکھنا چاہتی تھیں۔ اس لئے بہت دیر تک آپ کے پیچھے پردہ میں کھڑی رہیں۔ آپ بھی ان کی وجہ سے کافی دیر تک ٹھہرے رہے جس سے آپ کا حسن معاشرہ بالازواج حدیثۃ السن ثابت ہوتا ہے۔ اگر شبہ ہو کہ حضرت عائشہؓ کے لئے اجنبیوں کا دیکھنا کیسے جائز ہو گیا۔ تو اس کے دفعیہ کے لئے فرماتی ہیں کہ انظر الی لعبہم کہ میں ان کے کھیل کو دیکھ رہی تھی۔ لعب دیکھنا مقصود بالذات تھا لاعبین کو دیکھنا مقصود نہیں تھا۔ یہ جائز ہے جیسے برقع اوڑھے ہوئے چلے تو گذرنے والوں پر ضرور نظر پڑے گی۔ مگر وہ مقصود بالذات نہیں ہے۔ تو آیت حجاب کا خلاف نہ ہوگا۔

تشریح از شیخ زکریاؒ۔ ابن ماجہ کی ایک روایت میں ہے کہ حضور پاک صلعم نے مسجد کے اندر شہر سلاح سے منع فرمایا ہے۔ لا یشہر فیہ سلاحاً لہٰذا امام بخاریؒ جواز ثابت فرما رہے ہیں کہ یہ ضرورت کی بنا پر جائز ہے یلعبون فی المسجد یہ سب تمرن (مشق) اور اعداد للمشرکین یعنی مشرکوں کے لئے تیاری کرنے کے واسطے تھا۔ لہٰذا اعدّوا لھم ما استطعتم میں داخل ہوگا۔ انظر الی لعبہم اجنبی مردوں کے دیکھنے کا جواب دے رہی ہیں۔ کیونکہ مرد کا عورت کو دیکھنا خواہ شہوت کے ساتھ ہو یا بلا شہوت دونوں صورتوں میں ناجائز ہے۔ لیکن عورت کا مرد کو بلا شہوت دیکھنا جائز ہے۔ یہ حنفیہ کا مسلک ہے جس کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے اور اس کے بالمقابل حضور اکرمؐ نے حضرت فضل ابن عباسؓ کے چہرے پر ہاتھ رکھ دیا تھا۔ جس وقت وہ ایک اجنبیہ کو دیکھ رہے تھے اور یہ دیکھنا شہوت کے ساتھ نہیں تھا

باب ذِكْرِ الْبَيْعِ وَالشِّرَآءِ عَلَى الْمِنْبَرِ فِي الْمَسْجِدِ۔

ترجمہ:۔ مسجد میں منبر پر خرید و فروخت کا ذکر کرنا۔

حدیث نمبر ۴۳۶ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ الخ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ اَتَتْهَا بَرِيْرَةُ تَسْاَلُهَا فِيْ كِتَابَتِهَا فَقَالَتْ اِنْ شِئْتِ اَعْطَيْتُ اَهْلَكِ وَيَكُوْنُ الْوَلَآءُ لِيْ وَقَالَ اَهْلُهَا اِنْ شِئْتِ اَعْطَيْتِهَا مَا بَقِيَ وَقَالَ سُفْيَانُ مَرَّةً اِنْ شِئْتِ اَعْتَقْتِهَا وَيَكُوْنُ الْوَلَآءُ لَنَا فَلَمَّا جَآءَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَكَّرَتْهُ ذٰلِكَ فَقَالَ ابْتَاعِيْهَا فَاَعْتِقِيْهَا فَاِنَّمَا الْوَلَآءُ لِمَنْ اَعْتَقَ ثُمَّ قَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى الْمِنْبَرِ فَقَالَ مَا بَالُ اَقْوَامٍ يَشْتَرِطُوْنَ شُرُوْطًا لَيْسَ فِيْ كِتَابِ اللّٰهِ مَنِ اشْتَرَطَ شَرْطًا لَيْسَ فِيْ كِتَابِ اللّٰهِ فَلَيْسَ لَهٗ وَاِنِ اشْتَرَطَ مِائَةَ مَرَّةٍ (الخ)

ترجمہ:۔ حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ وہ فرماتی ہیں ان کے پاس حضرت بریرہؓ آکر اپنی کتابت کے بارے میں کچھ مانگتی تھیں تو حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ اگر تو چاہے تو میں بدل کتابت تیرے مالکوں کو دے دوں اور ولاء میرے لئے ہوگا۔ ان مالکوں نے کہا کہ اگر حضرت عائشہ چاہے تو دے دے اور سفیان نے کہا کہ اگر چاہے تو آزاد کر دے لیکن ولاء ہمارے لئے ہوگا۔ جب جناب رسول اللہ صلعم تشریف لائے تو میں نے سارا واقعہ ذکر کر دیا۔ آپ نے فرمایا کہ تم بریرہ کو خرید کر آزاد کر سکتی ہے، ولاء اسی کا ہوگا جس نے آزاد کیا ہے۔ پھر جناب رسول اللہ صلعم منبر پر کھڑے ہوئے سفیان فرماتے ہیں کہ منبر پر چڑھے اور فرمایا لوگوں کا کیا حال ہے کہ ایسی شرطیں لگاتے ہیں جو کتاب اللہ کے اندر نہیں ہیں۔ سنو! جو شخص ایسی شرط لگائے جو کتاب اللہ میں نہیں ہے تو وہ شخص اس شرط کا مستحق نہیں اگرچہ وہ سو مرتبہ شرطیں لگائیں (الحدیث)

تشریح از شیخ مدنیؒ۔ مساجد میں بیع و شراء کی ممانعت ہے۔ مگر ان کا ذکر کرنا ممنوع نہیں کیونکہ یہ بھی احکام الٰہیہ کا ذکر کرنا ہے۔ حضرت بریرہؓ کی روایت سے بہت سے مسائل ثابت کئے گئے ہیں مگر اس میں بہت سے اشکالات بھی ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ دس سال تک دس اوقیہ پر ان کے موالی نے مکاتبت کی تھی دو برس تک دو اوقیہ مانگ مانگ کر ادا کر دیئے تھے۔ تیسرے سال یہ حضرت عائشہؓ کے پاس آتی ہیں کہ مجھے کچھ بدل کتابت دیجئے جس پر حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ اگر میں تم کو خرید لوں

تو تجھے آزاد کر دوں گی۔ اور ولاء میرے لئے ہوگا۔ اگرچہ مکاتب کی بیع عقد کتابت تک جائز نہیں مگر جب وہ اپنا عجز ظاہر کرے تو پھر اس کا بیچنا جائز ہے۔ موالی بریرۃ نے اس کو منظور کیا، مگر انہوں نے ایک شرط فاسد لگادی۔ کہ ولاء ہمارے لئے ہوگا۔ حضرت عائشہؓ نے اس کو نہ مانا۔ آپ سے جب اس کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا کہ تم شرط مان لو۔ حضرت عائشہ خرید لیتی ہیں۔ اس کے بعد آپ منبر پر کھڑے ہوکر فرماتے ہیں کہ بیع میں شرط نہ لگانی چاہیئے تو کیا یہ دھوکہ بازی نہ ہوگی۔ آپ فرماتے ہیں من غشنا فلیس منا جس نے ہم سے دھوکہ کیا وہ ہم میں سے نہیں ہے۔ یہاں آپ خود دھوکہ کر رہے ہیں تو امام شافعیؒ نے جواب دیا۔ و اشترطی ولھم الولاء یہ ہشام کی روایت میں ہے چونکہ من غشنا الخ کے خلاف ہے اس لئے ہم اسے قبول نہیں کرتے۔ اور بعض نے کہا کہ لھم بمعنی علیھم کے ہے۔ اور معنی یہ ہیں کہ اشترطی علیھم الولاء یہ تاویل تو ہے مگر وہ بچیں گے کیسے؟ اور بھی اس میں توجیہات ہیں سب سے بہتر توجیہ یہ ہے کہ اسے اپنے ظاہر پر رکھا جائے۔ کہ آپ یہاں اجازت دیتے ہیں تاکہ عقد راسخ ہوجائے۔ پھر مجمع میں کھڑے ہوکر ان شروط فاسدہ فی البیع سے ممانعت فرمادی جو کہ ادفع فی النفس ہے۔ جیسے اعرابی نے تین مرتبہ بغیر اعتدال کے نماز پڑھی آپ اسے اجازت دیتے رہے۔ اس سے مقصد یہ تھا کہ تو بیخ راسخ ہوجائے الغرض مصالح کی بنا پر آپ نے ایسے کام کئے ہیں۔ یہاں بھی غشش واقع ہوئی مگر اس سے ایک بڑی منفعت کو حاصل کرنا ہے۔ اس کا امام کو اختیار ہے۔

یشترطون شروطا لیس فی کتاب اللہ اس پر اعتراض کیا جاتا ہے کہ شرط کی ممانعت کا تذکرہ تو کتاب اللہ میں نہیں ہے تو جواب یہ ہوگا کہ کتاب اللہ بمعنی حکم اللہ کے ہے، اور حکم اللہ عام ہے خواہ وہ صراحۃً کتاب اللہ میں مذکور ہو۔ یا ضمناً مفہوم ہو یا وحی غیر متلو سے معلوم ہوجائے۔ چنانچہ فرمایا گیا۔ ما اتاکم الرسول فخذوہ (الآیۃ)

تشریح از شیخ زکریا۔ مسجد میں بیع اشراء کرنا جائز نہیں ہے۔ روایات اس کے متعلق مصرح ہیں اور یہی فقہاء کا مذہب ہے۔ شراح فرماتے ہیں کہ یہاں امام بخاریؒ کی غرض یہ ہے کہ عقد بیع و شراء ممنوع ہے۔ مسئلہ کا ذکر ممنوع نہیں۔ اور یہی میرے نزدیک راجح ہے اور حضرت شاہ ولی اللہؒ غرض بیان کرتے ہیں اگر مبیع حاضر نہ ہو تو بیع ایجاب و قبول کرنا جائز ہے۔ مگر واضح وہی ہے جو شراح فرماتے ہیں اس لئے کہ ایجاب و قبول کبھی کثرت کلام اور تنازع کی طرف منجر ہو جاتا ہے۔ روایت بھی شراح کی مساعدت کرتی

ہے۔ کیونکہ اس میں نفس مسئلہ کے بیان کا ذکر ہے۔ کہیں بھی معاملہ۔ بیع من غیر احضار المبیع کا ذکر نہیں۔ ذکرتہ یہ مجرد اور مزید دو نو طرح سے ضبط کیا گیا ہے۔ مزید سے ہو تو مطلب یہ ہوگا کہ حضرت عائشہ پہلے کہہ چکی تھیں مگر حضور پاک کسی اور کام میں مشغول ہو گئے تو حضرت عائشہ رضی نے دوبارہ یاد دلایا۔ نیز اشراح کے نزدیک اس حدیث کے یشترطون شروطا سے ترجمۃ الباب ثابت ہے لیکن میرے نزدیک ترجمہ کا اثبات اس سے ہے۔ یہی حدیث دوسری جگہ آئے گی۔ اس میں بیع و شراء کا ذکر بھی کیا ہے۔

باب التقاضی والملازمۃ فی المسجد

ترجمہ:۔ مسجد میں قرضہ کا تقاضا کرنا اور غریم کو چمٹ جانا

حدیث نمبر ۴۳۷ حدثنا عبد اللہ بن محمد الخ عن کعب انہ تقاضی ابن ابی حدرد دینا کان لہ علیہ فی المسجد فارتفعت اصواتھما حتی سمعھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وھو فی بیتہ فخرج الیھما حتی کشف سجف حجرتہ فنادی یا کعب قال لبیک یا رسول اللہ قال ضع من دینک ھذا واومأ الیہ ای الشطر قال لقد فعلت یا رسول اللہ قال قم فاقضہ۔

ترجمہ:۔ حضرت کعبؓ نے ابن ابی حدرد سے مسجد کے اندر اپنے اس قرضہ کا مطالبہ کیا جو ان کے ذمہ تھا۔ ان دونوں کی آواز اس قدر اونچی ہو گئی کہ جناب رسول اللہ صلعم نے اسے اپنے گھر میں سن لیا۔ جناب صلعم ان کے لئے باہر تشریف لائے یہاں تک کہ اپنے حجرے کا پردہ کھول دیا۔ اور یا کعب پکارے انہوں نے کہا حاضر ہوں یا رسول اللہ! آپؐ نے فرمایا اپنا قرضہ اس کا معاف کر دو اور ہاتھ سے نصف کا اشارہ فرمایا۔ حضرت کعبؓ نے فرمایا یا رسول اللہ صلعم تعمیل ہو گی۔ آپؐ نے فرمایا اٹھ اور ادا کر دے۔

تشریح از شیخ مدنیؒ۔ بعض روایات میں آتا ہے کہ مسجد میں دنیاوی کلام حسنات کو اس طرح جلا دیتا ہے جس طرح آگ لکڑی کو جلا دیتی ہے۔ تو امام بخاریؒ روایت باب سے بتلانا چاہتے ہیں کہ یا تو یہ روایت سنداً ثابت نہیں اگر ثابت ہو تو اس کلام دنیا سے ممانعت ہے جو فضول اور لغو ہو۔ مگر جو کلام دنیاوی تقاضا دین اور اپنے حقوق کے مطالبہ کے لئے ہو وہ جائز ہے۔ تدل علیہ روایۃ الباب۔

تشریح از شیخ زکریاؒ۔ چونکہ ابن ماجہؒ کی روایت سے ممانعت معلوم ہوتی ہے اس لئے بیان جواز

ثابت فرمادیا۔ مگر سوال یہ ہے کہ روایت سے تقاضا تو ثابت ہوتا ہے مگر ملازمت کسی لفظ سے ثابت نہیں ہوتی۔ شراح فرماتے ہیں کہ جب تقاضا کرے گا۔ تو کچھ دیر تو اس کے پاس رہے گا بس یہ ملازمت ہو گئی۔ شراح کا یہ فرمان اگرچہ درست ہے۔ مگر امام بخاریؒ کا یہ بھی قاعدہ ہے کہ وہ دوسرے طریق کی طرف اشارہ فرمایا کرتے ہیں۔ یہاں بھی اس کی طرف اشارہ ہے۔ جو صفحہ نمبر ۳۷۲ پر آرہا ہے۔ اس میں فلزمہ موجود ہے۔ جس سے صراحت ملازمت ثابت ہوتی ہے۔ بہرحال مسجد کے متعلق دو چیزیں ذکر کر رہے تھے۔ ایک آداب دوسرے وہ افعال جو حضور پاک صلعم سے مسجد میں صادر ہوئے۔ ان کا بیان کرنا بطور استثناء کے ہے۔ منجملہ اس قسم ثانی کے یہ ہے کہ مسجد کے اندر اگر کوئی اپنا قرض مانگے اور مقروض کا پیچھا کرے تو یہ جائز ہے۔ اگرچہ اس میں بیع و شراء سے زیادہ شور و شغب کا اندیشہ ہے۔ لیکن جائز ہے اس لئے کہ اس میں حق العبد کا دخل ہے۔

باب كَنْسِ الْمَسْجِدِ وَالْتِقَاطِ الْخِرَقِ وَالْقَذَى وَالْعِيدَانِ۔

ترجمہ:۔ مسجد میں جھاڑو دینا۔ چیتھڑے، تنکے اور لکڑیاں اٹھانا۔

حدیث نمبر ۴۴۸ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ الخ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَجُلًا أَسْوَدَ أَوِ امْرَأَةً سَوْدَاءَ كَانَ يَقُمُّ الْمَسْجِدَ فَمَاتَ فَسَأَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْهُ فَقَالُوا مَاتَ فَقَالَ أَفَلَا كُنْتُمْ آذَنْتُمُونِي بِهِ دُلُّونِي عَلَى قَبْرِهِ أَوْ قَالَ قَبْرِهَا فَأَتَى قَبْرَهُ فَصَلَّى عَلَيْهَا (الحدیث)

ترجمہ:۔ حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ ایک کالا آدمی یا کالی عورت جو مسجد نبوی میں جھاڑو دیتا تھا۔ وفات پا گیا تو جناب نبی اکرم صلعم نے اس کے بارے میں دریافت فرمایا۔ بتایا گیا کہ وہ وفات پا چکا ہے تو آنجناب صلعم نے فرمایا کہ آپ لوگوں نے مجھے اس کی اطلاع کیوں نہیں دی۔ اب مجھے اس کی قبر بتلاؤ چنانچہ آپؐ ان کی قبر پر تشریف لائے اور دعا مانگی یا نماز پڑھی۔

تشریح از شیخ زکریاؒ۔ ابو داؤد شریف میں ہے کہ جب کوئی شخص مسجد سے کنکری نکالتا ہے۔ تو وہ اس کو قسم دلاتی ہے کہ تو مجھ کو مت نکال کیوں نکالتا ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ مسجد کے اندر پڑی ہوئی کنکری، تنکا، خس و خاشاک جو بھی پڑ جائے اس کو نہ نکالا جائے۔ امام بخاریؒ یہاں اس بات پر تنبیہ فرماتے ہیں کہ کنکری وغیرہ کا قسم دلانا عام نہیں یعنی یہ بات نہیں کہ جو چیز بھی مسجد میں داخل

ہو جائے اس کو مسجد سے نہ نکالا جائے۔ اور کباڑ خانہ بنا دیا جائے۔ بلکہ مسجد سے خس وخاشاک دور
کیا جائے۔ اور ابو داؤد کی روایت کا مطلب یہ ہے کہ مسجد نبوی کی چھت کھجور کے پتوں اور اس کی شاخوں
کی بنی ہوئی تھی۔ نیچے مٹی بچھی ہوئی تھی جب بارش ہوا کرتی تھی تو مسجد ٹپکنے لگا کرتی تھی اور کیچڑ ہو جایا کرتا
تھا۔ ایک مرتبہ ایک صحابیؓ نے کیچڑ دیکھ کر کچھ کنکریاں لا کر ڈال دیں۔ حضور اکرم صلعم نے جب دیکھا تو فرمایا
ما احسن هذا یہ کس قدر اچھا ہے۔ جب حضور اکرم صلعم نے یہ فرمایا تو صحابہ کرامؓ نے بہت کنکریاں لا کر بچھا
دیں تو امام بخاریؒ نے تنبیہ فرما دی کہ وہ کنکریاں ضرورت کی وجہ سے تھیں۔ ان پر خس وخاشاک کو قیاس
نہ کیا جائے۔ بلکہ وہ تو مسجد کا فرش تھیں میری حجاز میں دو مرتبہ حاضری ہوئی ایک ۳۵ھ میں دوسرے ۴۴ھ
میں دونوں مرتبہ میں نے دیکھا کہ دونوں جگہ مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ میں صحن مسجد میں کنکریاں بچھی ہوئی تھیں، ایک
تو حال معلوم نہیں۔ مگر دونوں جگہ میں فرق یہ تھا کہ مدینہ منورہ کی کنکریاں نہایت خوبصورت چھوٹی چھوٹی تھیں
ان پر بلا کچھ مصلیٰ وغیرہ بچھائے نماز پڑھنے اور بیٹھنے کو جی چاہتا تھا۔ بخلاف مکہ معظمہ کی کنکریوں کے
کہ وہ بڑی بڑی تھیں۔ اور ہم جیسوں کو اگر یوں ہی اس پر چلنے لگیں تو زخمی کر دیں۔ لہٰذا ان پر چلنے
کے لئے ایک خاص قسم کے سلیپر ہوتے تھے اس کو پہن کر چلا کرتے تھے۔ وہ مسجد کے بوابوں کے پاس
مسجد سے نکل کر رکھ دی جاتی تھیں اور مسجد میں داخل ہوتے وقت وہ لوگ دے دیا کرتے تھے۔ وجہ فرق
دونوں جگہ ظاہر ہے کہ مدینہ منورہ میں تو شان محبوبیت تھی اور مکہ مکرمہ میں شان عاشقیت اس لئے ہر چیز
ہر جگہ کے مناسب تھی۔ قال النبی صلعم عنہ یعنی جب آپؐ نے اسے گم پایا تو اس کی وجہ پوچھی
فاتی قبرہ الخ کیونکہ حضور اکرم صلعم ان پر نماز پڑھنے اور دعا کرنے کے مامور تھے۔ فصلّ علیهم ان
صلوتک سکن لهم اور حدیث شریف میں کہ ان کی قبریں تاریکی سے لبریز رہتی ہیں جب میں نماز پڑھ
لیتا ہوں تو وہ روشن ہو جاتی ہیں یا اس وجہ سے کہ آپؐ ہر مومن کے ولی ہیں۔ ولی کو بعد از دفن میت
پر نماز پڑھنے کا حق ہے۔ جبکہ اس نے نماز جنازہ میں شرکت نہ کی ہو۔ تو آپؐ کی نماز پر غیر کو قیاس نہیں
نہیں کیا جائے گا گویا کہ یہ آپؐ کی خصوصیت تھی۔ امام بخاریؒ اس روایت کو بہت سی جگہ ذکر فرمائیں گے
کیونکہ اس سے بہت سے مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔ مثلاً مردہ کا رات کو دفن کرنا اس کی قبر پر نماز
پڑھنا ہر باب پر کلام آئے گا بس اتنا یاد رکھو کہ نبی اکرم صلعم کے اس فعل سے عام استدلال کرنا صحیح نہیں
کیونکہ یہ صرف آپؐ کی خصوصیت ہے اس لئے کہ آپؐ مثل ولی کے ہیں اس لئے آپؐ کو حق تھا کہ آپؐ

نماز پڑھیں رجل او المرأۃ اوشک کے لئے ہے۔ صحیح یہ ہے کہ یہ واقعہ عورت کا تھا۔ اس حدیث میں ایک لفظ تقمّ ہے اس سے جھاڑو دینا ثابت ہوتا ہے۔ اور شراح کے نزدیک تقم کے عموم سے غرق۔ قذی وغیرہ ثابت ہو رہا ہے۔

باب تحریم تجارۃ الخمر فی المسجد۔

ترجمہ: مسجد میں شراب کی تجارت کی حرمت بیان کرنا۔

حدیث نمبر ۴۳۹ حدثنا عبدان الخ عن عائشۃ رضی اللہ عنہا قالت لما انزلت الآیات من سورۃ البقرۃ فی الربا خرج النبی صلی اللہ علیہ وسلم الی المسجد فقرأهن علی الناس ثم حرم تجارۃ الخمر (الحدیث)

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب سورۂ بقرہ کی وہ آیات جو سود کے بارے میں اتریں تو حضور اکرم صلعم گھر سے باہر نکل کر مسجد کی طرف تشریف لائے اور لوگوں کے سامنے یہ آیات پڑھیں پھر شراب کی تجارت کی حرمت کو بیان فرمایا۔

تشریح از شیخ مدنی فی المسجد تحریم کی قید ہے۔ تجارت کی نہیں یعنی مسجد میں تجارت خمر کی حرمت بیان کرنا جائز ہے۔

تشریح از شیخ زکریا شراب، سود، بول و براز کا مسجد کے اندر نام لینا بظاہر خلاف ادب ہے حتیٰ کہ سود کا نام نہیں لیتے بلکہ جانور کہتے ہیں تو حضرت امام بخاریؒ نے تنبیہ فرما دی۔ کہ اگرچہ یہ اشیاء نجس ہیں اور ان کا نام مسجد میں نہیں لینا چاہیئے۔ مگر ان کا مسئلہ تبلانا جائز ہے۔ اور اگر ان کا ذکر مسئلہ میں آجائے تو کوئی حرج نہیں۔ فقرء ھن علی الناس یعنی جب حرمت ربوا کی آیات نازل ہوئیں تو حضور پاک صلعم میں مسجد میں تشریف لائے اور آیت ربوا تلاوت فرمائی پھر تحریم خمر کو بیان فرمایا یہاں اشکال یہ ہے کہ حرمت ربوا کی آیت حضور اکرم صلعم کے انتقال کے کچھ دنوں پہلے نازل ہوئی تھی حتیٰ کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں پسند کرتا ہوں کہ حضور اکرم سے تین چیزوں کے بارے میں سوال کر لیا ہوتا۔ اور خوب تحقیق کر لیتا۔ ایک شراب دوسرے کالہ اور تیسرے ربوا اور تحریم خمر اس سے چار پانچ سال پہلے ہے پھر آیت ربوا کے بعد تحریم خمر کا کیا مطلب ہے اس کے تین جواب ہیں ایک تو یہ ہے کہ تحریم پہلے نازل ہو چکی تھی مگر حضور پاک صلعم نے تاکیداً پھر تحریم ربوا کے ساتھ حرمت خمر کو بھی بیان

فرما دیا۔ یہ مطلب نہیں کہ اس وقت خمر کی حرمت نازل ہوئی۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ نفس حرمت خمر تو ربوٰا کی حرمت سے متقدم ہے ممکن ہے تجارت خمر ممنوع نہ ہوئی ہو۔ اور وہ ربوٰا کی تحریم کے بعد نازل ہوئی۔ اس لئے حضور صلعم نے اسے بیان فرما دیا۔ تیسرا جواب یہ ہے کہ راوی نے اس وقت سنا ہو۔ اور اپنے خیال کے مطابق بیان کر دیا۔

باب الْخَدَمِ لِلْمَسْجِدِ، وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ نَذَرْتُ لَكَ مَا فِي بَطْنِي مُحَرَّرًا مُحَرَّرًا لِلْمَسْجِدِ يَخْدُمُهُ۔

ترجمہ:۔ مسجد کے لئے خادم کا رکھنا۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں نذرت لک ما فی بطنی محررًا یعنی آزاد ہو مسجد کے لئے خدمت کرتا ہو۔

حدیث نمبر ۴۴۰ حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ وَاقِدٍ الخ عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ اَنَّ امْرَاَةً اَوْ رَجُلًا كَانَتْ تَقُمُّ الْمَسْجِدَ وَلَا اُرَاهُ اِلَّا امْرَاَةً فَذَكَرَ حَدِيْثَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهُ صَلّٰى عَلٰى قَبْرِهَا (الحديث)

ترجمہ:۔ حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ ایک عورت یا ایک مرد مسجد نبوی میں جھاڑو دیتی تھی میرا خیال یہی ہے کہ وہ عورت تھی۔ پھر جناب نبی اکرم صلعم کی حدیث بیان کی کہ آپؐ نے اس کی قبر پر نماز پڑھی۔

تشریح از شیخ زکریاؒ۔ شراح فرماتے ہیں کہ امام بخاریؒ نے تنبیہ فرمائی ہے کہ مسجد کے واسطے خادم رکھنا سنت قدیمہ ہے۔ جیسے کہ ابن عباسؓ کے اثر سے ثابت ہے اور بعض نے کہا کہ صرف مسجد کے لئے خادم رکھنے کا جواز ثابت فرما رہے ہیں اور میرے والد صاحبؒ کی رائے یہ ہے کہ مسجد کے پیسے کے واسطے خادم رکھنے کا جواز بیان فرما رہے ہیں۔ بہرحال امام بخاریؒ نے استدلال فرمایا ہے کہ وہ شخص مسجد میں صفائی کرتا تھا یا وہ باندی صفائی کیا کرتی تھی۔ اور آپ نے کبھی نکیر نہیں فرمائی۔ اس سے مطلق جواز معلوم ہوا۔ چونکہ وہ ضروریات میں سے ہے۔ لہٰذا والد صاحب والی غرض بھی ثابت ہو گئی۔

باب الْاَسِيْرِ اَوِ الْغَرِيْمِ يُرْبَطُ فِي الْمَسْجِدِ۔

ترجمہ:۔ قیدی اور مقروض کو مسجد میں باندھا جا سکتا ہے۔

حدیث نمبر ۴۴۱ حَدَّثَنَا اِسْحٰقُ بْنُ اِبْرَاهِيْمَ الخ عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ عِفْرِيْتًا مِّنَ الْجِنِّ تَفَلَّتَ عَلَيَّ الْبَارِحَةَ اَوْ كَلِمَةً

نَحْوَهَا لِيَقْطَعَ عَلَيَّ الصَّلٰوةَ فَاَمْكَنَنِيَ اللّٰهُ مِنْهُ وَاَرَدْتُّ اَنْ اَرْبِطَهٗ اِلٰى سَارِيَةٍ مِّنْ سَوَارِي الْمَسْجِدِ حَتّٰى تُصْبِحُوْا وَتَنْظُرُوْا اِلَيْهِ كُلُّكُمْ فَذَكَرْتُ قَوْلَ اَخِيْ سُلَيْمَانَ رَبِّ هَبْ لِيْ مُلْكًا لَّا يَنْبَغِيْ لِاَحَدٍ مِّنْ بَعْدِيْ قَالَ رَوْحٌ فَرَدَّهٗ خَاسِئًا (الحديث)

ترجمہ :- حضرت ابوہریرہؓ جناب نبی اکرم صلعم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا ایک نہایت ہی شریر جن گذشتہ رات اچانک میرے پیش آیا تاکہ میری نماز خراب کرے۔ یا اس تفلت کی طرح کا اور کلمہ فرمایا تو اللہ تعالیٰ نے مجھے اس پر قدرت دے دی تو میرا ارادہ ہوا کہ مسجد کے ستونوں میں سے کسی ایک ستون کے ساتھ اسے باندھ دوں تاکہ صبح کے وقت تم سب کے سب لوگ اس کو دیکھ لو۔ مگر مجھے اپنے بھائی حضرت سلیمان علیہ السلام کی وہ دعا یاد آئی جو انہوں نے فرمایا کہ اے میرے رب مجھے ایسی سلطنت عطا فرما جو میرے بعد کسی کے لائق نہ ہو۔ تو روح راوی فرماتے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے اس شیطان کو نامراد اور ذلیل کرکے واپس فرمایا۔

تشریح از شیخ مدنیؒ :- ایک شیطان کے قید کر لینے سے آپؐ حضرت سلیمان علیہ السلام کے برابر نہیں ہوجاتے اور نہ ہی اس سے ان کی خصوصیت باطل ہوجاتی ہے۔ تو پھر اس ارشاد کا کیا مطلب ہوا جواب یہ ہے کہ خصوصی چیز جو حضرت سلیمان علیہ السلام کی ہے وہ جنات پر حکومت کرنا ہے حیوانات اور طیور پر حکومت کرنا دوسروں کے لئے بھی ہے مگر جنات کو مسخر کرنا حضرت سلیمانؑ کی خصوصیت ہے۔ اگر ایک جن کو قید کر لیا جائے تو اس سے لوگوں کو شبہ ہوگا کہ جنات آپؐ کے مسخر ہوگئے تو اس وقت حضرت سلیمانؑ کی دعا، رب هب لی الخ میں عدم قبولیت کا احتمال پیدا ہوجائے گا۔ اس لئے آپؐ نے اس سے اجتناب کیا

تشریح از شیخ زکریاؒ :- امام بخاریؒ یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ اگر قیدی یا قرضدار کو مسجد کے ستون کے ساتھ باندھ دیا جائے تو جائز ہے اور روایت جو ذکر فرمائی ہے وہ گذر چکی ہے۔ اس میں ہے فامکننی اللہ منہ الخ اس میں اشکال ہے کہ شیطان کیسے باندھتے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ شیطان جب انسان کی شکل میں آتا تو انسان کے لوازمات اس میں آجاتے لہٰذا باندھنے میں کیا اشکال ہے۔ من تزیا بزی شیئ یاخذ حکمہ یعنی جس شخص نے جس چیز کی شکل اختیار کرلی تو اس پر حکم ہوگا۔ اس میں اشکال ہے کہ روایت میں اسیر کا تو ذکر ہے۔ مگر غریم کا نہیں۔ شراح جواب دیتے ہیں کہ قیاسًا علی الاسیر ثابت فرما دیا۔

باب الْاِغْتِسَالِ اِذَا اَسْلَمَ وَرَبْطِ الْاَسِيْرِ اَيْضًا فِي الْمَسْجِدِ۔ وَكَانَ شُرَيْحٌ يَاْمُرُ الْغَرِيْمَ اَنْ يُّحْبَسَ اِلٰى سَارِيَةِ الْمَسْجِدِ۔

ترجمہ:۔ جب اسلام لائے تو غسل کرنا اور مسجد کے اندر قیدی کا باندھنا۔ قاضی شریحؒ مقروض کو مسجد کے ستون کے ساتھ باندھنے کا حکم دیتے تھے۔

حدیث نمبر ۴۴۲ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰہِ بْنُ یُوسُفَ الخ اَنَّہٗ سَمِعَ اَبَا ھُرَیْرَۃَ قَالَ بَعَثَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ خَیْلًا قِبَلَ نَجْدٍ فَجَاءَتْ بِرَجُلٍ مِّنْ بَنِیْ حَنِیْفَۃَ یُقَالُ لَہٗ ثُمَامَۃُ بْنُ اُثَالٍ فَرَبَطُوْہُ بِسَارِیَۃٍ مِّنْ سَوَارِی الْمَسْجِدِ فَخَرَجَ اِلَیْہِ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اَطْلِقُوْا ثُمَامَۃَ فَانْطَلَقَ اِلٰی نَخْلٍ قَرِیْبٍ مِّنَ الْمَسْجِدِ فَاغْتَسَلَ ثُمَّ دَخَلَ الْمَسْجِدَ فَقَالَ اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ۔

ترجمہ، حضرت سعیدؓ نے حضرت ابوہریرہؓ سے سنا وہ فرماتے تھے کہ حضرت نبی اکرم صلعم نے نجد کی طرف ایک گھوڑ سوار دستہ روانہ فرمایا جو بنی حنیفہ کے ایک ایسے آدمی کو گرفتار کر لائے جس کو ثمامہ ابن اثال کہا جاتا تھا۔ تو انہوں نے اس کو مسجد کے ستونوں میں ایک ستون کے ساتھ باندھ دیا جناب نبی اکرم صلعم اس کے پاس تشریف لائے۔ گفتگو کے بعد حکم دیا کہ ثمامہ کو چھوڑ دو چنانچہ وہ مسجد کے قریب ایک کھجور کے باغ کی طرف گیا۔ غسل کیا پھر مسجد میں داخل ہو کر کہنے لگا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور محمد صلعم اللہ کے رسول ہیں۔

تشریح از شیخ مدنیؒ۔ اگر اشکال ہو کہ اغتسال کو احکام مسجد سے کیا تعلق ہے مگر کہا جائے گا کہ اگر اغتسال کا باب مستقل ہوتا۔ پھر اشکال تھا یہاں اغتسال کا باب مستقل نہیں ہے۔ ضمناً ہے۔ اگر مستقل بھی ہو تو بعض حضرات نے اس کے معنی یہ لئے ہیں۔ اخراج الکافر المربوط من المسجد للاغتسال اذا اسلم اور ربط الاسیر بطور فائدہ جدید کے ہے۔ اور بعض حضرات کا کہنا ہے کہ یہ پہلے باب سے متعلق ہے اور اس کا تتمہ و تکملہ ہے پہلے باب میں اسیر اور غریم کہا گیا تھا۔ غریم کا ذکر تو پہلے باب میں آچکا ہے مگر اسیر کا ذکر نہیں آیا تھا۔ چنانچہ مستقلاً اس باب میں اس کا ذکر کیا جاتا ہے۔ کہ ثمامہ بن اثال اسیر کو ساریہ مسجد سے باندھ دیا گیا تھا۔ تو اس باب میں اسیر اور غریم دونوں کو ذکر کیا گیا ہے۔ اور باب اوّل میں غرض کو اسیر اور غریم کہنا تکلف ہے۔ تو گویا باب اوّل یہی ہے۔ یہاں سے ایک شبہ کا ازالہ کرنا مقصود ہے کہ بسا اوقات کافر اسیر و غریم جنبی ہوتا ہے۔ لہٰذا اسے مسجد میں داخل نہ ہونے دیا جائے۔ امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ محض احتمال کی بنا۔ پر ان کو مساجد سے نہ روکا جائے۔ البتہ اگر ضرورت پیش آئے تو اسے مسجد سے

نکالا جائے۔ ہاں امام مالکؒ کسی مسجد میں کافر کے داخل ہونے کی اجازت نہیں دیتے۔

تشریح از شیخ زکریاؒ۔ یہاں پر دو چیزیں ہیں ایک تو یہ کہ اگر کوئی شخص مسلمان ہوگیا تو کیا اس پر غسل ضروری ہے یا نہیں اس پر اشکال ہے کہ اس باب کو ابواب الطہارت میں ذکر کرنا چاہیئے تھا۔ ابواب المساجد میں اس کا ذکر کیسے آگیا۔ دوسری چیز ربط الاسیر ہے اس پر اشکال یہ ہے کہ ربط الاسیر کا مسئلہ تو امام بخاریؒ گذشتہ باب میں ذکر فرما چکے ہیں۔ پھر یہاں تکرار کیوں فرمایا۔ اب پہلے تو مسئلہ سنو! امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ جب کوئی آدمی مسلمان ہو تو اس پر اسلام لانے کی وجہ سے غسل کرنا ضروری ہے اور واجب ہے خواہ موجب غسل پایا گیا ہو یا نہ اور ائمہ ثلاثہؒ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی موجب غسل پایا جا رہا ہو جیسے احتلام، جماع اور عورت کے لئے حیض و نفاس تب تو واجب ہے ورنہ نہیں۔ پھر ان تینوں حضرات کے اندر ایک اور مسئلہ میں اختلاف ہے وہ یہ کہ اگر اسلام لانے سے پہلے موجب غسل پایا گیا اور اس نے بحالت کفر غسل کرلیا تو اس کا اعتبار ہوگا یا نہیں حنفیہؒ کے نزدیک یہ غسل معتبر ہوگا۔ اس لئے کہ ان کے نزدیک وضو اور غسل میں نیت شرط نہیں ہے اور مالکیہؒ اور شافعیہ کے نزدیک یہ غسل معتبر نہیں ہوگا۔ کیونکہ ان کے نزدیک وضو اور غسل میں نیت شرط ہے اور نیت کافر کی معتبر نہیں۔ یہاں امام مالکؒ ایک اور بات فرماتے ہیں وہ یہ کہ اگر اس کو اعتقاد جازم ہوگیا ہو اور اس نے زبان سے کلمۂ شہادت نہیں پڑھا اور اس سے قبل غسل کرلیا تو اس جزم اور اعتقاد کی بنا پر اس کی نیت معتبر ہوگی اور غسل صحیح ہو جائے گا چونکہ امام ابوداؤد حنبلی ہیں اس لئے انہوں نے اس روایت پر باب باندھا ہے۔ باب الرجل یؤمر بالغسل اور امام ترمذیؒ نے باب الاغتسال اذا اسلم باندھا ہے جیسا کہ امام بخاریؒ نے باندھا ہے۔ اب رہی یہ بات کہ امام بخاریؒ کو تو اسے ابواب الطہارت میں بیان کرنا چاہیئے تھا تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ کوئی مستقل ترجمہ نہیں بلکہ امام بخاریؒ کے اصول موضوعہ میں سے ہے کہ اگر روایت باب کے اندر کوئی نئی بات ہو تو بطور فائدہ جدیدہ کے اس پر تنبیہ فرماتے ہیں حقیقۃً یہ باب در باب ہے اور پہلے ہی باب کا جزو ہے۔ اب جبکہ اس کو باب سابق کا جزو مان لیا تو یہ اشکال نہیں رہتا کہ امام بخاریؒ نے باب سابق میں دو جزو ذکر فرماتے ہیں ایک ربط الاسیر اور دوسرا ربط الغریم لیکن روایت صرف ربط الاسیر کی ذکر فرمائی ہے۔ غریم کی ذکر نہیں فرمائی۔ تو ربط الغریم کیسے ثابت ہوگا اور شراح کے جواب دینے کی ضرورت نہیں رہتی کہ قیاس سے ثابت کیا ہے۔ بلکہ یہ پہلے باب کا تکملہ ہے۔ اور ربط الغریم کا ثبوت باب العفو سے ثابت ہے۔ اور یہ بھی اشکال نہیں رہتا کہ باب تو امام بخاریؒ نے اغتسال کا باندھا اور ربط الاسیر

کہاں سے ذکر فرما دیا۔ تخریج النبی صلعم یہاں روایت مختصر ہے۔ قصہ یہ ہوا تھا کہ ثمامہ بن اُثال پکڑ کر لائے گئے۔ اور انہیں مسجد کے ستون سے باندھ دیا گیا۔ پہلے دن آپؐ تشریف لائے تو فرمایا ما عندک یا ثمامہ انہوں نے جواب دیا ان تقتل تقتل ذا دم وان تنعم تنعم علی شاکر وان ترد المال فسل منہ ما شئت یعنی آپؐ نے پوچھا اے ثمامہ اب تمہارا کیا خیال ہے اس نے جواب دیا کہ اگر آپؐ مجھے قتل کر دیں تو ایک خون والے کو قتل کریں گے جس کا قصاص لیا جائے گا۔ اگر آپؐ احسان کریں گے تو ایک شکر گذار پر احسان کریں گے۔ اور اگر آپ کو مال کی خواہش ہے تو یہ سب مال آپؐ کا ہے۔ حضور پاک صلعم یہ سن کر چلے گئے، دوسرے دن پھر تشریف لائے اور یہی سوال وجواب ہوا تیسرے دن بھی یہی بات ہوئی حضور صلعم نے جب دیکھ لیا کہ اسلام ان کے قلب میں راسخ ہو گیا ہے تو فرمایا اطلقوا ہ اس کو چھوڑ دو۔ چنانچہ اسے چھوڑ دیا گیا وہ مسجد کے قریب ایک باغ میں جا کر غسل کرتے پھر مسلمان ہو جاتے ہیں۔ یہاں اس حدیث میں ہے کہ پہلے غسل کیا پھر کلمہ شہادت پڑھا یہ حنفیہ کے موافق ہے کہ کافر کا قبل از اسلام غسل کر لینا معتبر ہے۔

باب الخَيْمَةِ فِي الْمَسْجِدِ لِلْمَرْضٰى وَغَيْرِهِمْ۔

ترجمہ:۔ مریضوں وغیرھم کے لئے مسجد میں خیمہ لگانا۔

حدیث نمبر ۴۴۳ حَدَّثَنَا زَكَرِيَّا بْنُ يَحْيٰى الخ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ أُصِيبَ سَعْدٌ يَوْمَ الْخَنْدَقِ فِي الْأَكْحَلِ فَضَرَبَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَيْمَةً فِي الْمَسْجِدِ لِيَعُودَهُ مِنْ قَرِيبٍ فَلَمْ يَرُعْهُمْ وَفِي الْمَسْجِدِ خَيْمَةٌ مِنْ بَنِي غِفَارٍ إِلَّا الدَّمُ يَسِيلُ إِلَيْهِمْ فَقَالُوا يَا أَهْلَ الْخَيْمَةِ مَا هٰذَا الَّذِي يَأْتِينَا مِنْ قِبَلِكُمْ فَإِذَا سَعْدٌ يَغْذُو جُرْحُهُ دَمًا فَمَاتَ مِنْهَا (الحدیث)

ترجمہ:۔ حضرت عائشہؓ سے مروی ہے وہ فرماتی ہیں کہ خندق کی لڑائی میں حضرت سعدؓ کی بازو والی ایک رگ میں تیر لگا تو جناب نبی اکرم صلعم نے مسجد میں خیمہ لگایا تاکہ قریب سے ان کی بیمار پرسی کر سکیں مسجد میں ایک اور خیمہ بنو غفار کا بھی تھا جن کو خون سے ہی خوفزدہ کر دیا۔ جو ان کی طرف بہہ کر آیا تھا۔ تو کہنے لگے کہ اے اہل خیمہ یہ کیا چیز تمہاری طرف سے ہمارے پاس پہنچی ہے دیکھتے کیا ہیں کہ حضرت سعد کا زخم خون بہا رہا تھا جس سے ان کی موت واقع ہو گئی۔

تشریح از شیخ مدنیؒ۔ مریض کو مسجد میں رکھنے سے تلوث بالنجاستہ کا احتمال تھا۔ امام بخاریؒ نے

ظاہر الفاظ خیمہ فی المسجد سے استدلال کر کے اس احتمال کو رد کر دیا۔ اگرچہ مانعین نے یہ جواب دیا ہے کہ وہ مسجد نبوی نہیں تھی۔ بلکہ خیمہ کے قریب نماز پڑھنے کی ایک جگہ تھی۔

تشریح از شیخ زکریاؒ۔ مسجد میں خیمہ لگانا امام بخاریؒ کے نزدیک جائز ہے۔ اکحل ہاتھ میں ایک رگ ہوتی ہے جس کو مادہ رگ جو بند تھی اس کا منہ کھل گیا جس سے خون جاری ہو گیا۔ اور اسی میں وفات ہوئی۔ یوں کہتے ہیں کہ حضرت سعدؓ نے دعا کی تھی کہ اے اللہ! اگر قریش سے کوئی جنگ ہونی ہے تو مجھ کو باقی رکھ۔ ورنہ اٹھا لے۔ ان کی دعا قبول ہوئی۔ اور اس کے بعد قریش سے کوئی لڑائی نہیں ہوئی۔

باب اِدْخَالِ الْبَعِيْرِ فِي الْمَسْجِدِ لِلْعِلَّةِ ۔ وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ طَافَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى بَعِيْرٍ۔

ترجمہ:۔ مسجد میں کسی ضرورت کی بناء پر اونٹ کو داخل کرنا۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ جناب نبی اکرم صلعم نے اپنے اونٹ پر سوار ہو کر طواف کیا۔

حدیث نمبر ۴۴۴ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوْسُفَ الخ عَنْ اُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ شَكَوْتُ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنِّيْ اَشْتَكِيْ فَقَالَ طُوْفِيْ مِنْ وَّرَآءِ النَّاسِ وَاَنْتِ رَاكِبَةٌ فَطُفْتُ وَرَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْ اِلٰى جَنْبِ الْبَيْتِ يَقْرَأُ بِالطُّوْرِ وَكِتَابٍ مَّسْطُوْرٍ

ترجمہ:۔ حضرت ام سلمہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے جناب رسول اللہ صلعم کو شکایت پیش کی کہ میں بیمار ہوں۔ تو آپ نے فرمایا کہ تم سوار ہو کر لوگوں کے پیچھے پیچھے طواف کرو۔ چنانچہ میں طواف کر رہی تھی اور جناب رسول اللہ صلعم بیت اللہ کے پہلو میں نماز پڑھ رہے تھے اور والطور* وکتاب مسطور پڑھ رہے تھے۔

تشریح از شیخ مدنیؒ۔ جمہور تو اس کے قائل نہیں ہیں کہ دواب کو مسجد میں لایا جائے بغیر ضرورت شدیدہ کے کیونکہ یہ باعث تلویث مسجد ہے کہ اس سے مسجد کے ملوث ہونے کا اندیشہ ہے۔ آپ کی ناقہ مدربہ تھی یعنی وہ سدھائی ہوئی تھی اس پر قیاس نہیں کیا جا سکتا۔ مگر امام بخاریؒ اسے بھی ثابت فرما رہے ہیں۔

تشریح از شیخ زکریاؒ۔ جانور اونٹ وغیرہ کو کسی عذر کی بناء پر مساجد میں داخل کرنا جائز ہے چنانچہ حضور اکرم صلعم کی زوجہ نے مرض کی وجہ سے طواف عمرہ اونٹ پر کیا۔ اور جیسے ام سلمہ نے مرض کی وجہ سے اونٹ پر طواف کیا۔ بعض شراح نے علّۃ سے مراد ضعف و بیماری لی ہے۔ پھر امام بخاریؒ پر اعتراض کیا ہے کہ ام سلمہ کی روایت تو ترجمہ کے مطابق ہے لیکن ابن عباسؓ کی حدیث موافق نہیں ہے حافظ فرماتے ہیں کہ

یہ اشکال علّۃ سے ضعف مراد لینے کی وجہ سے ہوا۔ حالانکہ علت سے مراد عارض اور حاجت ہے اور اس پر کوئی اشکال نہیں۔ طاف النبی صلعم ابعیرہ بعض کہتے ہیں کہ مرض کی وجہ سے طواف علی البعیر فرمایا۔ اور بعض کہتے ہیں ایسا اس لئے ہوا تاکہ آپ کو کوئی تکلیف نہ پہنچائے۔ اور بعض کہتے ہیں تاکہ سارے لوگ آپ کے افعال حج کو دیکھ لیں۔ یصلی الی جنب البیت میرے نزدیک یہ چودہ تاریخ ذوالحجہ فجر کی نماز کا طواف وداع کے بعد کا واقعہ ہے۔ اس کے بعد حضور پاک صلعم محصب میں تشریف لائے اور وہاں سے مدینہ منورہ کو روانہ ہوگئے۔ یہ آخری نماز ہے جس کو نبی اکرم صلعم نے مکہ میں ادا فرمائی۔ بعض کے نزدیک یہ واقعہ عمرہ جعرانہ کا ہے اور بعض کے ہاں عمرۃ القضا کا ہے۔ میرے نزدیک یہ ۱۴ ذوالحجہ بدھ کا واقعہ ہے جس میں حضور پاک کا نماز پڑھنا اور ام سلمہ کا طواف کرنا مذکور ہے۔ یہ حدیث بخاری میں بہت جگہ آئے گی ۱۴ تاریخ کے دلائل وقرائن بہت سے ہیں جو وقتاً فوقتاً ذکر کرتا رہوں گا۔ کیونکہ آپ نے تیرہ ذوالحجہ کے دن رمی فرمائی۔ پھر محصب میں قیام فرمایا۔ اور چار نمازیں وہاں پڑھیں۔ پھر رات کو مکہ میں تشریف لائے اور چودہ کی صبح کو نماز پڑھائی۔

باب

حدیث نمبر ۴۴۵ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنّٰى الخ عَنْ قَتَادَةَ قَالَ حَدَّثَنَا اَنَسٌ اَنَّ رَجُلَيْنِ مِنْ اَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَحَدُهُمَا عَبَّادُ بْنُ بِشْرٍ وَاَحْسِبُ الثَّانِيَ اُسَيْدَ بْنَ حُضَيْرٍ فِيْ لَيْلَةٍ مُّظْلِمَةٍ وَّمَعَهُمَا مِثْلُ الْمِصْبَاحَيْنِ يُضِيْئَانِ بَيْنَ اَيْدِيْهِمَا فَلَمَّا افْتَرَقَا صَارَ مَعَ كُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا وَاحِدٌ حَتّٰى اَتٰى اَهْلَهُ۔ (الحدیث)

ترجمہ:- حضرت قتادہؓ فرماتے ہیں کہ ہمیں حضرت انسؓ نے حدیث سنائی کہ اصحاب نبی اکرم صلعم میں سے حضور اکرم صلعم کے پاس تاریک رات میں باہر تشریف لائے ایک ان میں سے حضرت عباد بن بشر تھے اور دوسرے کے متعلق میرا گمان ہے کہ وہ حضرت اسید بن حضیرؓ تھے اور اس کے پاس دو چراغوں جیسی لاٹھی تھی جوان کے سامنے روشنی کرتی تھی۔ جب دونو جدا ہونے لگے تو ہر ایک کے ساتھ ایک روشنی تھی، یہاں تک کہ ہر ایک اپنے گھر پہنچ گیا۔

تشریح از شیخ مدنی رح یہ باب بلا ترجمہ لایا گیا ہے۔ جس میں آنحضرت صلعم کے ایک معجزہ کا تذکرہ ہے جو کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزہ سے بہت بڑھا ہوا ہے۔ ید بیضا کا معجزہ نبی کے سامنے اور اس کے

جسم سے متعلق تھا. مگر یہاں پر مصابیح اشخاص اجنبیہ کے سامنے آ گئے۔ اور وہ بھی ان کے جسم میں سے نہیں ہیں وہاں پر روشنی نبی کے قلب سے آئی تھی یہاں قلب نبی سے نہیں آئی بلکہ خارج سے ہے اس باب کا ابواب مسجد سے کیا تعلق ہے۔ اکثر ایسا باب باب سابق کا مفصل ہوا کرتا ہے۔ لیکن کبھی کبھی امام بخاری تشحیذ الاذھان کے لئے ترجمہ کو حذف کر دیتے ہیں۔ کہ خود ترجمہ مقرر کر لو۔ اور یہ وجہ بھی ہو سکتی ہے کہ پہلے زمانے میں مساجد کے اندر مصابیح نہیں ہوتے تھے۔ حضرت عمرؓ کے زمانہ سے مصابیح کا رواج پڑا تو مقصد ہو گا کہ مسجد میں بغیر روشنی کے داخل ہونا چاہئیے۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ باب ادخال الانوار فی المساجد ثابت کرنا چاہتے ہوں۔ کیونکہ آپ نے فرمایا۔ بشر المشائین فی الظلم بالنور التام یعنی تاریکیوں میں چلنے والوں کو نور تام کی بشارت دو۔ اور یہاں پر آپ نے ان کے روشنی مہیا کر دی۔ تو جب خروج کے لئے نور ہوا تو دخول کے لئے بطریق اولیٰ ہو گا۔ اور بشرا لمشائین فی الظلم کے یہ معنی ہیں کہ جو لوگ اوقات تاریکی میں آتے جاتے ہیں ان کو نور تام کی بشارت دو۔ اگرچہ نور موجود ہے۔ تو معلوم ہوا کہ ادخال النور فی المساجد بھی جائز ہے۔ اور اسی مناسبت سے اسے کالفصل عن الباب السابق بھی کہا جا سکتا ہے کہ پہلے باب میں استعانت بالعبیر تھی اس میں استعانت بالنور ہے۔

تشریح از شیخ زکریاؒ۔ یہ باب بلا ترجمہ ہے شراح یہاں عاجز ہو گئے اور انہوں نے کوئی غرض بیان نہیں فرمائی۔ بعض نے کہا کہ کتابت ترجمہ کا ارادہ تھا۔ مگر فرصت نہ ملی۔ بعض نے کہا اصل میں بیاض تھا۔ ناسخین نے اسے ملا دیا۔ اور بعض نے کہا کتاب سے ہی رہ گیا۔ لیکن ہمارے مشائخ نے توجیہ فرمائی ہے کہ احکام المساجد کا ذکر ہو رہا تھا۔ اور بلا ترجمہ باب کالفصل باب سابق سے متعلق ہوتا ہے تو امام بخاریؒ نے اس باب سے مسجد کے اندر بیٹھنے والوں کی فضیلت بیان فرمائی ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس روایت کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ بشر المشائین فی الظلم بالنور التام ہے۔ پھر ان دونو صحابیوں کی روایت بیان فرمادی جو خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔ رات اندھیری تھی جب جانے لگے تو ایک نور ان کے سامنے آ گیا۔ دونو اس کی روشنی میں چلتے رہے۔ اور جب وہ الگ الگ ہو گئے تو اس نور کے دو ٹکڑے ہو کر ہر ایک کے پاس الگ الگ ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ اپنے خاص خاص بندوں کو نمونہ کے طور پر وہاں چیزیں اور وہاں کا منظر دکھا دیتے ہیں ان دونو کو بھی یسعٰی نورھم بین ایدیھم۔ وبشر المشائین والی روایت کا نمونہ دکھلا دیا جس زمانہ میں میں فضائل قرآن لکھ رہا تھا۔ تو مجھ کو خواب میں ایک تاج دکھلایا گیا۔

بالکل موتیوں سے بھرا ہوا تھا۔ دھاگہ اتنا باریک کہ نظر نہ آتا تھا اس کا حسن بیان سے باہر تھا، اور میرے والد صاحب کی رائے ہے کہ ان دونوں صحابیوں کے پاس جو لکڑی تھی۔ اس کا سرا ڈنٹھ کے منہ کے مثل تھا۔ لہٰذا احتمال ثابت ہو گیا۔ مگر چونکہ صراحت نہیں اس لئے باب بلا ترجمہ باندھ دیا۔ اور باب سابق میں ذکر نہیں فرمایا۔ یہ مضمون بہت تلاش کیا مگر نہیں ملا۔ اگر مل جائے تو اس سے عمدہ توجیہ نہیں ہو سکتی۔ شاہ ولی اللہ رح فرماتے ہیں کہ کلام فی المسجد کا جواز ثابت فرماتے ہیں آجکل اولیاء اللہ کی کرامات کے متعلق بہت سی کتابیں مل جاتی ہیں، لیکن صحابہ کرام کی کرامات کے متعلق نہیں ملتی۔ حالانکہ ان کی بھی ہزاروں کرامات موجود ہیں، وجہ اس کی یہ ہے کہ صحابہ کرام کے نزدیک کرامات وخوارق عادت کوئی بڑی چیز شمار نہیں کی جاتی تھی۔ بلکہ ان کے یہاں اتباع سنت و شریعت کو اہمیت حاصل تھی اور آجکل کسی سے کوئی خرق عادت کام صادر ہو جائے تو اس کو بہت بڑا ولی سمجھا جاتا ہے۔ صحابہ کرام کی کرامت پر کوئی توجہ نہیں کرتا۔

بَابُ الْخَوْخَةِ وَالْمَمَرِّ فِي الْمَسْجِدِ

ترجمہ:۔ مسجد کے اندر کھڑکی یا گذرگاہ بنانا داخل ہونے کے لئے

حدیث نمبر ۴۴۶ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سِنَانٍ الخ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ خَطَبَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ إِنَّ اللّٰهَ سُبْحَانَهُ خَيَّرَ عَبْدًا بَيْنَ الدُّنْيَا وَبَيْنَ مَا عِنْدَهُ فَاخْتَارَ مَا عِنْدَ اللّٰهِ فَبَكَى أَبُو بَكْرٍ فَقُلْتُ فِي نَفْسِي مَا يُبْكِي هٰذَا الشَّيْخَ إِنْ يَكُنِ اللّٰهُ خَيَّرَ عَبْدًا بَيْنَ الدُّنْيَا وَبَيْنَ مَا عِنْدَهُ فَاخْتَارَ مَا عِنْدَ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ فَكَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هُوَ الْعَبْدَ وَكَانَ أَبُو بَكْرٍ أَعْلَمَنَا فَقَالَ يَا أَبَا بَكْرٍ لَا تَبْكِ إِنَّ أَمَنَّ النَّاسِ عَلَيَّ فِي صُحْبَتِهِ وَمَالِهِ أَبُو بَكْرٍ وَلَوْ كُنْتُ مُتَّخِذًا مِنْ أُمَّتِي خَلِيلًا لَاتَّخَذْتُ أَبَا بَكْرٍ وَلٰكِنْ أُخُوَّةُ الْإِسْلَامِ وَمَوَدَّتُهُ لَا يَبْقَيَنَّ فِي الْمَسْجِدِ بَابٌ إِلَّا سُدَّ إِلَّا بَابُ أَبِي بَكْرٍ (الحدیث)

ترجمہ:۔ حضرت ابو سعید خدری رض فرماتے ہیں کہ جناب نبی اکرم صلعم نے خطبہ دیتے ہوئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ایک بندے کو دنیا اور جو کچھ اللہ تعالیٰ کے پاس ہے اس میں سے ایک اختیار دیا ہے اس بندے نے جو کچھ اللہ تعالیٰ کے پاس ہے اس کو اختیار کر لیا۔ حضرت ابو بکر صدیق رض رو پڑے میں نے اپنے دل میں کہا کہ بڈھے کو کس چیز نے رُلایا۔ اگر اللہ تعالیٰ کسی بندے کو اختیار دے دیا ہے کہ وہ دنیا اور ما عند اللہ میں کسی

ایک کو اختیار کرے تو اس نے ما عند اللہ اختیار کر لیا۔ تو رسول اللہ صلعم وہی عبد تھے اور حضرت ابوبکر صدیقؓ ہم سب میں سے زیادہ عالم تھے۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ اے ابوبکرؓ مت روؤ بے شک تمام لوگوں میں سے سب سے زیادہ اپنی صحبت اور اپنے مال کی بدولت مجھ پر تمام لوگوں میں سب سے زیادہ احسان کرنے والا ابوبکرؓ ہے اگر میں اپنی امت میں سے کسی کو اپنا دلی دوست بناتا تو ابوبکر صدیقؓ کو بناتا لیکن اسلامی بھائی چارہ اور اسلامی محبت رہ گئی ہے۔ مسجد میں کسی دروازہ کو باقی نہ رکھا جائے بلکہ اسے بند کر دیا جائے مگر حضرت ابوبکرؓ کا دروازہ باقی رکھا جائے۔

تشریح از شیخ مدنیؒ۔ خوخہ چھوٹے دروازے کو کہتے ہیں (کھڑکی) اگر مسجد کی طرف کھڑکی اور گذرگاہ کو کھولا جائے گا۔ تو ایک تو مسجد کو راستہ بنانا پڑے گا۔ اس میں اہانت مسجد ہے اور رفطی ق فی المسجد یعنی مسجد کو راستہ بنانے سے آپؐ نے منع فرمایا ہے۔ دوسرے جنبی وغیرہ اس سے گذریں گے ان کے لئے دخول فی المسجد ناجائز ہے۔ امام بخاریؒ اس کا خلاف کر رہے ہیں اور الا عابری سبیل سے استدلال کرتے ہیں کہ عابری سبیل کے لئے دخول فی المسجد جائز ہے۔ خواہ جنبی ہو یا غیر جنبی علماء احنافؒ و شوافعؒ اس کو منع کرتے ہیں خبیر عبداً، عبداً نکرہ تحت میں اثبات کے ہے۔ اس سے عموم تو مراد نہیں لیا جا سکتا۔ البتہ فرد غیر معین مراد لیا جا سکتا ہے اور قرائن خارجیہ سے اس کی تعیین کی جا سکتی ہے حضرت صدیق اکبرؓ اس کو سمجھ گئے دوسرے صحابہؓ نہ سمجھ سکے۔ کان ابو بکر اعلمنا اس سے جمہور استدلال کرتے ہیں۔ کہ اعلم احق بالامامۃ ہونا چاہیئے۔ ان من امن الناس علیّ فی صحبتہ وما لہ ابوبکر صحبت کے معنی معاشرہ کے ہیں۔ حضرت صدیق اکبرؓ نے اشاعت اسلام میں اپنا تمام مال و اسباب خرچ کر دیا۔ واقعات ان کی معاشرۃ اور انفاق مال پر کثرت سے دلالت کرتے ہیں۔ سب سے بڑی فضیلت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی معیت خلائق کے ساتھ ہوتی ہے۔ مگر پھر اس کے مراتب ہیں معیت محسنین اور ہے معیت صابرین اور ہے اور معیت سید المرسلین کے ساتھ سب سے بڑھی ہوئی ہے۔ اس میں ابوبکر صدیقؓ کو شامل کرتے ہوئے فرمایا گیا ولا تحزن ان اللہ معنا۔ معی نہیں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی معیت جیسے سید المرسلین کے ساتھ ہے ایسے صدیق اکبر کے ساتھ بھی ہے۔

الا باب ابی بکر اگر اس پر شبہ ہو۔ کہ باب علیؓ بھی کھلا رہا۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ خود امام ترمذیؒ نے اس روایت پر جرح کی ہے۔ اگر ثابت بھی ہو جائے۔ تو اس روایت صحیحہ قویہ کو ترجیح دی جائے

گی۔ یہ کہا جائے گا۔ کہ وہ واقعہ متقدمہ ہے اور یہ واقعہ متاخرہ ہے۔

*تشریح از شیخ زکریاؒ. باب الممر درگذر چکا اور وہاں جو توجیہ میں نے کی اس کی بنا پر یہاں تکرار لازم آتا ہے کیونکہ ممر مصدر میمی ہے۔ شراح نے جواب دیا کہ وہ بالاصالۃ ذکر ہے۔ اور یہاں بالتبع ذکر ہے مگر مجھے اس جواب مبنے کی ضرورت اس وقت ہو گی۔ جب میں ممر کو مصدر میمی مانوں میرے نزدیک یہ مصدر میمی نہیں بلکہ اسم ظرف ہے اور خوخہ کی تفسیر ہے۔ کیونکہ خوخہ مطلقاً کھڑکی کو کہتے ہیں۔ خواہ گذرگاہ ہو یا نہ ہو۔ تو میرے نزدیک امام بخاریؒ نے خوخہ کے بعد ممر کا لفظ ذکر کر کے اشارہ کر دیا کہ خوخہ سے وہ مراد ہے جو گذرنے کی جگہ کے معنی میں ہے۔ ولو کنت متخذا خلیلا یہاں سوال یہ ہے کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی دوستی حضرت ابو بکر صدیقؓ سے اسلام سے پہلے سے تھی اور ضرب المثل تھی لہٰذا اس کا کیا مطلب کہ اگر کسی کو دوست بناتا تو ابو بکرؓ کو بناتا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ مودت اور محبت عام ہے اور خلت اس محبت کو کہتے ہیں جو خلال قلب میں ہو۔ متنبی کہتا ہے۔

عذل العواذل حول قلبی التائہ ؛ وھوی الاحبۃ منہ فی سودائہ

کہ ملامت گروں کی ملامت میرے پریشان دل کے اردگرد ہے اور دوستوں کی محبت دل کے کالے دانے کے اندر ہے اور حضور پاک صلعم کا قلب اللہ تعالیٰ کی محبت سے بھرا ہوا تھا۔ پھر کسی دوسرے کی محبت کی جگہ کیسے ہو سکتی ہے۔ اب یہ سنو! کہ حضور اقدس صلعم کی صفت حبیب اللہ ہے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی صفت خلیل اللہ ہے اس میں اختلاف ہے کہ خلت کا درجہ اولیٰ ہے یا محبت کا بعض محبت کو اعلیٰ مانتے ہیں اور بعض خلت کو اگر ایسا ہو تو یہ جزئی فضیلت ہو گی۔ یا یہ کہ حضور اقدس خلیل اللہ اور حبیب اللہ دونوں تھے۔ حبیب اللہ تو دارمی میں مصرح ہے اور ان اللہ اتخذنی خلیلا کما اتخذ ابراھیم خلیلا۔ تو اب کوئی شبہ نہ رہے گا۔

ولکن اخوۃ الاسلام حضور اقدس صلعم فرماتے ہیں کہ یہ اخوت اسلام ہے تو جس کا اسلام جتنا قوی ہو گا اس کا تعلق بھی اتنا قوی ہو گا۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ کا اسلام سب سے قوی ہے اس لئے اس کی اخوت بھی سب سے قوی ہو گی۔ لا یبقین فی المسجد باب الخ روایت میں باب کا لفظ ہے اور امام بخاریؒ نے ترجمہ خوخہ کا لفظ ذکر فرما کر ایک اہم بات کی طرف اشارہ فرما دیا۔ وہ یہ کہ ترمذی شریف کی روایت میں ہے۔ ولا یبقین باب الا باب علیؓ اب یہاں بخاری اور ترمذی کی روایت میں تعارض

ہوگیا۔ بعض حضرات نے بخاری کی روایت کو ترجیح دی ہے اور بعض مؤرخین فرماتے ہیں کہ مسجد نبوی اس طور پر بنی تھی کہ اس کے کنارے مکانات تھے۔ اور ان مکان والوں نے مسجد میں آنے کے لئے اپنے گھروں کے دروازے مسجد میں کھول رکھے تھے اور اس وقت تک جنب اور حائض کا مسجد میں سے ہوکر گذرنا ممنوع نہیں تھا۔ لوگ گذرتے رہتے تھے لیکن جب گذرنا ممنوع ہوگیا۔ تو حضور پاک صلعم نے سارے دروازے بند کرنے کا حکم دے دیا۔ حضرت علیؓ کے دروازہ کو مستثنیٰ فرمایا۔ کیونکہ وہ اس حکم سے مستثنیٰ تھے۔ اس ممانعت پر صحابہ نے دروازے تو سب بند کر دیئے۔ مگر چھوٹی چھوٹی کھڑکیاں کھول لیں۔ تاکہ نماز کے واسطے ان میں سے ہوکر آجایا کریں۔ جب وفات قریب ہوئی تو حضورؐ نے یہ سب خوخے بھی بند کرا دیئے۔ صرف حضرت ابوبکرؓ کا خوخہ باقی رکھا۔ اس لئے کہ وہ خلیفہ ہونے والے تھے۔ ان کو ضرورت تھی لہٰذا ان کا خوخہ باقی رکھا۔ تو لفظ خوخہ سے اس کی طرف اشارہ فرمادیا کہ باب سے خوخہ مراد ہے۔

حدیث نمبر ۴۴۷ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مُحَمَّدٍ الْجُعْفِيُّ الخ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ مَرَضِهِ الَّذِيْ مَاتَ فِيْهِ عَاصِبًا رَأْسَهُ بِخِرْقَةٍ فَقَعَدَ عَلَى الْمِنْبَرِ فَحَمِدَ اللّٰهَ وَاَثْنٰى عَلَيْهِ ثُمَّ قَالَ اِنَّهُ لَيْسَ مِنَ النَّاسِ اَحَدٌ اَمَنَّ عَلَيَّ فِيْ نَفْسِهِ وَمَالِهِ مِنْ اَبِيْ بَكْرِ بْنِ اَبِيْ قُحَافَةَ وَلَوْ كُنْتُ مُتَّخِذًا مِّنَ النَّاسِ خَلِيْلًا لَاتَّخَذْتُ اَبَا بَكْرٍ خَلِيْلًا وَّلٰكِنْ خُلَّةُ الْاِسْلَامِ اَفْضَلُ سُدُّوْا عَنِّيْ كُلَّ خَوْخَةٍ فِيْ هٰذَا الْمَسْجِدِ غَيْرَ خَوْخَةِ اَبِيْ بَكْرٍ (الحديث)

ترجمہ:۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلعم اپنی اس بیماری میں جس میں آپؐ کی وفات ہوئی اپنے سر پر ایک ٹاکی کی پٹی باندھے ہوئے باہر تشریف لائے منبر پر آکر بیٹھ گئے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کی۔ پھر فرمایا کہ لوگوں میں سے کوئی شخص ایسا نہیں جس کی ذات اور مال نے مجھ پر زیادہ احسان کیا ہو سوائے حضرت ابوبکر بن ابی قحافہ کے اگر میں لوگوں میں سے کسی کو اپنا ولی دوست بنانے والا ہوتا تو ابوبکر صدیق کو خلیل بناتا۔ لیکن اب اسلامی دوستی افضل ہے۔ پس اس مسجد میں سب کھڑکیاں بند کر دو سوائے ابوبکر صدیقؓ کی کھڑکی کے کہ وہ کھلی رہے

تشریح از شیخ زکریاؒ ۔ سدوا عنی کل خوخۃ اس روایت کو ذکر فرما کر اشارہ کر دیا کہ باب کے اندر لفظ خوخہ اپنی طرف سے نہیں لکھا بلکہ اتباع روایت کی وجہ سے لکھا ہے۔ اور تکرار باب

کا ایک جواب یہ بھی ہے۔ وہاں مراد بالنبل مراد تھا۔ یہاں مطلق مرور مراد ہے۔ قید اور اطلاق سے بھی فرق ہو جاتا ہے۔ اگرچہ مرور بالنبل میں مرور مطلق بھی پایا جاتا ہے۔

باب الْاَبْوَابِ وَالْغَلَقِ لِلْكَعْبَةِ وَالْمَسَاجِدِ۔ قَالَ اَبُوْ عَبْدِ اللّٰهِ وَقَالَ لِیْ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ قَالَ قَالَ لِی ابْنُ اَبِیْ مُلَيْكَةَ يَا عَبْدَ الْمَلِكِ لَوْ رَاَيْتَ مَسَاجِدَ ابْنِ عَبَّاسٍ وَّ اَبْوَابَهَا۔

ترجمہ:۔ کعبہ مکرمہ اور مساجد کے دروازے اور ان کے تالے۔ امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ ابن جریج نے کہا کہ مجھے ابن ابی ملیکہ نے فرمایا اے عبد الملک کاش تم ابن عباس کی مسجدیں اور ان کے دروازے دیکھتے۔

حدیث نمبر ۴۴۸ حَدَّثَنَا اَبُو النُّعْمَانِ الخ عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدِمَ مَكَّةَ فَدَعَا عُثْمَانَ بْنَ طَلْحَةَ فَفَتَحَ الْبَابَ فَدَخَلَ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَبِلَالٌ وَّاُسَامَةُ بْنُ زَيْدٍ وَّعُثْمَانُ بْنُ طَلْحَةَ ثُمَّ اُغْلِقَ الْبَابُ فَلَبِثَ فِيْهِ سَاعَةً ثُمَّ خَرَجُوْا قَالَ ابْنُ عُمَرَ فَبَدَرْتُ فَسَاَلْتُ بِلَالًا فَقَالَ صَلّٰى فِيْهِ فَقُلْتُ فِیْ اَیٍّ فَقَالَ بَيْنَ الْاُسْطُوَانَتَيْنِ قَالَ ابْنُ عُمَرَ فَذَهَبَ عَلَیَّ اَنْ اَسْاَلَهُ كَمْ صَلّٰى۔

ترجمہ، حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ جناب نبی اکرم صلعم مکہ معظمہ تشریف لائے تو عثمان بن طلحہ کو بلوایا جس نے آکر کعبہ کا دروازہ کھولا تو جناب نبی اکرم صلعم حضرت بلالؓ حضرت اسامہ بن زید اور عثمان بن طلحہ اندر داخل ہوئے پھر دروازہ بند کر دیا گیا۔ کچھ دیر آپؐ اندر ٹھہرے پھر سب حضرات باہر آگئے ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے جلدی جلدی حضرت بلال سے نماز کے متعلق پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ آپؐ نے کعبہ کے اندر نماز پڑھی ہے۔ میں نے پوچھا کون سی جگہ فرمایا دونوں ستونوں کے درمیان ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ یہ بات مجھ سے چوک گئی کہ ان سے پوچھتا کہ آپ نے کتنی رکعت پڑھی

تشریح از شیخ مدنیؒ یہاں پر شبہ ہوتا تھا کہ آنحضرت صلعم کا ارشاد ہے۔ یا بنی عبد مناف لاتمنعوا احداً طاف بالبیت یعنی اے بنی عبد مناف جو بیت اللہ کا طواف کرنا چاہے اسے مت روکو۔ اور قرآن مجید میں ہے و من اظلم ممن منع مساجد اللہ ان یذکر فیہا اسمہ وسعیٰ فی خرابھا یعنی اس شخص سے بڑا ظالم کون ہے جو اللہ تعالیٰ کی مساجد میں ذکر الٰہی سے روکتا ہے اور اس کی ویرانی میں کوشاں ہے اس حدیث اور آیت کا تقاضا ہے۔ کعبہ اور مساجد کے ابواب کو بند نہ کیا جائے۔ مگر اس سے نہ

مساجد کے متاع کی حفاظت ہو سکے گی اور نہ ہی ان کی نظافت باقی رہے گی۔ اس لئے امام بخاریؒ اس باب سے بتلانا چاہتے ہیں کہ کعبہ اور مساجد کو مغلق کرنا (تالا لگانا) اس کا مصداق نہیں، چنانچہ آپؐ نے خود خانہ کعبہ کے دروازہ کو بند کرایا۔ لوگ انتظار میں تھے۔ اسی وجہ سے ابن عمرؓ اندر نہ جا سکے۔

تشریح از شیخ زکریاؒ۔ بعض علماء نے مساجد کے دروازے بند کرنے کو منع کیا ہے کہ یہ فمن اظلم ممن منع مساجد اللہ میں داخل ہے۔ لیکن امام بخاریؒ اس باب سے اس کا جواز ثابت فرما رہے ہیں کہ اگر غلق باب مسجد کی حفاظت یا اور کسی مصلحت کی وجہ سے ہو تو جائز ہے تو ابن ابی ملیکہ سے ولو رأیت مساجد ابن عباس الخ معلوم ہوا کہ صحابہ کرام اپنے زمانے میں مساجد کے اندر دروازے لگاتے تھے جن کی ان کو قدرت تھی۔ تو اغلاق الباب یہاں پر دروازے بند کرنے کی وجہ سے منع الناس عن الدخول ہوا مگر مصلحت کی بنا پر تھا۔ معلوم ہوا کہ ایسا کرنا مصلحتاً جائز ہے۔ اور بند کرنا جب کعبہ میں جائز ہے تو مسجد میں بدرجہ اولیٰ ہوگا۔ بند اس لئے کیا تھا کہ اس میں ہجوم نہ ہو اور سکون قلبی حاصل ہو۔

باب دُخُولِ الْمُشْرِكِ فِي الْمَسْجِدِ۔

ترجمہ:۔ مشرک کا مسجد میں داخل ہونا۔

حدیث نمبر ۴۴۹ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ الخ اَنَّهٗ سَمِعَ اَبَا هُرَيْرَةَ يَقُوْلُ بَعَثَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَيْلًا قِبَلَ نَجْدٍ فَجَآءَتْ بِرَجُلٍ مِّنْ بَنِيْ حَنِيْفَةَ يُقَالُ لَهٗ ثُمَامَةُ بْنُ اُثَالٍ فَرَبَطُوْهُ بِسَارِيَةٍ مِّنْ سَوَارِي الْمَسْجِدِ (الحدیث)

ترجمہ:۔ حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلعم نے ایک گھوڑ سوار فوجی دستہ نجد کی طرف بھیجا تو وہ ایسے آدمی کو پکڑ کے لائے جو قبیلہ بنو حنیفہ کا تھا جس کو ثمامہ بن اثال کہا جاتا تھا۔ تو اس کو مسجد کے ستونوں میں ایک ستون کے ساتھ انہوں نے باندھ دیا۔

تشریح از شیخ زکریاؒ۔ حنفیہؒ و حنابلہؒ کے نزدیک دخول المشرک فی المسجد جائز ہے۔ اور مالکیہ کے نزدیک مطلقاً ناجائز۔ شوافعؒ کے نزدیک مسجد حرام میں ناجائز ہے اور اس کے ماسوا میں جائز ہے۔ بظاہر ترجمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ امام بخاریؒ کے نزدیک مطلقاً جائز ہے۔ کیونکہ انہوں نے ترجمہ میں کوئی قید ذکر نہیں فرمائی۔ ما نعین انما المشرکون نجس فلا یقربوا المسجد الحرام بعد عامھم ھذا یعنی مشرک نجس ہیں۔ یہ ناپاک لوگ اس سال کے بعد مسجد حرام کے قریب نہ آئیں اس آیت سے استدلال

کرنے میں مجوزین کہتے ہیں کہ اس سے نجاست اعتقاد مراد ہے نہ کہ نجاست جسم

باب رَفْعِ الصَّوْتِ فِي الْمَسْجِدِ۔

ترجمہ:۔ مسجد میں آواز بلند کرنا۔

حدیث نمبر ۴۵۰ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ الخ عَنِ السَّائِبِ بْنِ يَزِيدَ قَالَ كُنْتُ قَائِمًا فِي الْمَسْجِدِ فَحَصَبَنِي رَجُلٌ فَنَظَرْتُ إِلَيْهِ فَإِذَا عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ فَقَالَ اذْهَبْ فَأْتِنِي بِهٰذَيْنِ فَجِئْتُهُ بِهِمَا فَقَالَ مَنْ أَنْتُمَا قَالَا مِنْ أَهْلِ الطَّائِفِ قَالَ لَوْ كُنْتُمَا مِنْ أَهْلِ الْبَلَدِ لَأَوْجَعْتُكُمَا تَرْفَعَانِ أَصْوَاتَكُمَا فِي مَسْجِدِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

ترجمہ:۔ حضرت سائب بن یزید فرماتے ہیں کہ میں مسجد نبوی میں کھڑا ہوا تھا کہ مجھے ایک آدمی نے کنکری ماری۔ دیکھتا کیا ہوں کہ وہ حضرت عمر بن الخطابؓ ہیں فرمایا جاؤ! اور ان دونوں آدمیوں کو میرے پاس لے آؤ چنانچہ میں ان دونوں کو آپ کے پاس لے آیا تو حضرت عمرؓ نے پوچھا تم کس قبیلہ سے ہو یا کہاں سے آئے انہوں نے کہا کہ ہم تو طائف کے رہنے والے ہیں فرمایا اگر تم اس شہر کے باشندے ہوتے تو تمہیں دردناک سزا دیتا تم مسجد رسول اللہ میں آوازیں بلند کرتے ہو۔

تشریح از شیخ مدنیؒ امام بخاریؒ نے ترجمۃ الباب بغیر حکم کے ذکر فرمایا۔ جو روایات ذکر فرمائی ہیں ان میں سے ایک اجازت پر دلالت کرتی ہے اور دوسری ممانعت پر۔ تو اس کے دو جواب ذکر کئے جاتے ہیں۔ پہلا یہ کہ امام بخاریؒ کا مقصد یہ معلوم ہوتا ہے کہ بلا ضرورت مسجد میں رفع صوت جائز نہیں ہے عند الضرورت جائز ہے۔ جیسے مسجد میں خطیب کو آواز بلند کرنی پڑتی ہے، چنانچہ آنحضرت صلعم خود آواز کو عند الخطبہ و عند التکبیر بلند کیا کرتے تھے۔ اس لئے امام صاحب متفقہین (فقہی مسائل بیان کرنیوالے) کو رفع الصوت فی المسجد کی اجازت دیتے ہیں۔ چونکہ طائف کے ان دو باشندوں نے بلا ضرورت رفع الصوت کیا تھا اس لئے ان کو منع کیا گیا۔ دوسری توجیہ یہ ہے کہ امام بخاریؒ مطلقاً رفع الصوت کو ممنوع قرار دینا چاہتے ہیں۔

حدیث نمبر ۴۵۱ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ صَالِحٍ الخ أَنَّ كَعْبَ بْنَ مَالِكٍ أَخْبَرَهُ أَنَّهُ تَقَاضَى ابْنَ أَبِي حَدْرَدٍ دَيْنًا كَانَ لَهُ عَلَيْهِ فِي عَهْدِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْمَسْجِدِ فَارْتَفَعَتْ أَصْوَاتُهُمَا حَتّٰى سَمِعَهَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ فِي بَيْتِهِ فَخَرَجَ إِلَيْهِمَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰى كَشَفَ سِجْفَ حُجْرَتِهِ وَنَادٰى كَعْبَ

بْنَ مَالِكٍ فَقَالَ يَا كَعْبُ فَقَالَ لَبَّيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَاَشَارَ بِيَدِهٖ اَنْ ضَعِ الشَّطْرَ مِنْ دَيْنِكَ قَالَ كَعْبٌ قَدْ فَعَلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُمْ فَاقْضِهٖ

ترجمہ:۔ حضرت کعب بن مالک خبر دیتے ہیں کہ انہوں نے ابن ابی حدرد سے اپنے اس قرضہ کا مطالبہ کیا۔ جو اس کے اوپر تھا۔ اور یہ مطالبہ حضور رسول اللہ صلعم کے زمانہ میں مسجد کے اندر ہوا۔ اس جھگڑے میں ان کی آوازیں اتنی بلند ہوئیں کہ جناب رسول اللہ صلعم نے اپنے گھر میں ان کی آواز کو سن لیا چنانچہ جناب رسول اللہ صلعم اپنے حجرہ کا پردہ ہٹا کر ان دونوں کے لئے باہر تشریف لاتے اور کعب بن مالک کو اونچی آواز سے پکارا فرمایا اے کعب! انہوں نے کہا یا رسول اللہ میں حاضر ہوں۔ تو آپ نے اپنے ہاتھ سے اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ اپنے قرضے میں سے آدھا اس کو معاف کردو۔ حضرت کعب فرماتے ہیں کہ میں نے ایسے کرلیا۔ تو آپ نے ان سے فرمایا اٹھو اور قرضہ باقی ادا کردو۔

تشریح از شیخ مدنیؒ:۔ یہ حضرت کعب بن مالکؓ کا یہ واقعہ رفع الصوت فی المسجد کے جائز نہ ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ ورنہ آپؐ جلدی سے ان کے درمیان صلح نہ کراتے۔ آپؐ کو اندیشہ لاحق ہوا کہ اگر معاملہ طول پکڑ گیا۔ تو لڑائی جھگڑے تک نوبت آئے گی۔ اور رفع صوت ہوگا۔ مگر پہلی توجیہ اقرب الی التحقیق ہے۔

تشریح از شیخ زکریاؒ:۔ رفع صوت کی ممانعت بہت سی روایات سے ثابت ہے اسی بنا پر احناف کے نزدیک مکروہ ہے۔ اس کے برخلاف بہت سی روایات سے جواز بھی معلوم ہوتا ہے چونکہ روایات مختلف ہیں اس لئے امام بخاریؒ نے کوئی حکم نہیں لگایا صرف دو نوع کی روایات ذکر کردیں۔ اور علامہ سندھیؒ فرماتے ہیں کہ امام بخاریؒ نے نہی کی روایت پہلے ذکر فرمائی۔ اور جواز والی بعد میں تو جواز والی روایت نہی کی طرف پھیری جاسکتی ہے۔ اور کہا جا سکتا ہے کہ رفع صوت مطلقاً منع ہے اسی بنا پر حضور اکرم صلعم نے جلدی سے نکل کر ہاتھ سے اشارہ فرمادیا تاکہ مسجد میں آواز بلند نہ ہو الحاصل مسجد کے اندر رفع صوت مکروہ ہے لیکن علمی بات کے لئے یا تقریر کے لئے اگر رفع صوت کی ضرورت پڑ جائے تو جائز ہے۔ تو دونوں روایات میں جمع کی صورت یہ ہے کہ ایک کو ضرورت پر محمول کیا جائے رفضبنی رجل۔ حضرت عمرؓ باوجود جہوری الصوت ہونے کے مجھے مسجد میں آواز نہیں دی۔ بلکہ کنکری کے اشارے سے بلایا۔ نیز اجو آدمی گفتگو کر رہے تھے ان کو دھمکی دی۔ اس سے کراہتہ رفع صوت کا علم ہوا۔ امام بخاریؒ کا

بہلان بھی کراہتہ رفع صوت کی طرف ہے

بَاب الحَلَقِ وَالجُلُوْسِ فِی المَسجِدِ

ترجمہ :۔ مسجد میں حلقے بنانا اور بیٹھنا کیسا ہے۔

حدیث نمبر ۴۵۲۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ الخ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ سَالَ رَجُلٌ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَھُوَ عَلَی الْمِنْبَرِ مَاتَرٰی فِیْ صَلٰوۃِ اللَّیْلِ قَالَ مَثْنٰی مَثْنٰی فَاِذَا خَشِیَ اَحَدُکُمُ الصُّبْحَ صَلّٰی وَاحِدَۃً فَاَوْتَرَتْ لَہٗ مَاصَلّٰی وَاِنَّہٗ کَانَ یَقُوْلُ اجْعَلُوْا اٰخِرَ صَلٰوتِکُمْ بِاللَّیْلِ وِتْرًا فَاِنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَمَرَ بِہٖ (الحدیث)

ترجمہ :۔ حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ ایک آدمی نے جناب نبی اکرم صلعم سے اس وقت مسئلہ پوچھا جبکہ آپؐ منبر پر تھے کہ رات کی نماز کے بارے میں آپؐ کی کیا رائے ہے۔ فرمایا کہ دوگانہ دوگانہ پڑھی جائے اور جب کسی کو صبح ہو جانے کا اندیشہ لاحق ہو۔ تو ایک رکعت ملا کے جو کچھ پڑھ چکا ہے اس کو وتر بنالے کیونکہ ابن عمرؓ فرماتے تھے کہ رات کے وقت تمہاری آخری نماز وتر ہونی چاہیئے کیونکہ جناب نبی اکرم صلعم نے اسی کا حکم دیا ہے

تشریح از شیخ مدنیؒ۔ جمعہ کے دن حلقہ بنا کر بیٹھنے کو آپؐ نے منع فرمایا ہے۔ اور اسی طرح انشاد ضالہ یعنی گم شدہ چیز کی تلاش کے لئے فرمایا کہ ان المساجد لم تبن لھذا کہ مسجدیں اس کام کے لئے نہیں بنائی گئی۔ جس سے معلوم ہوا کہ اگر تم مسجد میں بیٹھو گے تو اور لوگ بھی تمہارے پاس آکر بیٹھیں گے تو حلقہ بنانے کی نوبت آجائے گی۔ اور روایات اس کی ممانعت پر دلالت کرتی ہیں لیکن روایات باب سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونو امر جائز ہیں کیونکہ باب کی پہلی روایت سے جلوس ثابت ہوتا ہے۔ اور حلقہ کا ثبوت التزاماً ہے۔ اور تیسری روایت میں فرای فرجۃً فی الحلقۃ۔ صراحۃً حلقہ بندی پر دلالت کرتا ہے۔

تشریح از شیخ زکریاؒ مسلم شریف کی روایت میں ہے مالی اراکم عزین مجھے کیا ہو گیا کہ میں تمہیں متفرق دیکھتا ہوں۔ اس طرح ابو داوٗد کی روایت میں ہے نہی عن الحلق فی المسجد یوم الجمعہ کہ آپؐ نے جمعہ کے دن مسجد میں حلقہ بنا کر بیٹھنے سے منع فرمایا۔ اسی طرح ایک اور روایت میں ہے لعن اللہ من جلس وسط الحلقۃ کہ جو شخص حلقہ کے درمیان بیٹھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس پر لعنت فرماتے ہیں۔ ان روایات کا تقاضا ہے کہ مسجد کے اندر حلقہ بنا کر بیٹھنا ناجائز ہے۔ ممکن ہے کہ امام بخاریؒ نے ان روایات پر رد کیا ہے جن سے نہی معلوم ہوتی تھی۔ اور علماء موجہین فرماتے ہیں کہ اس باب سے تنبیہ فرمائی ہے کہ جن روایات کے

اندر ہی وارد ہوئی ہے وہ اپنے عموم پر نہیں لہٰذا عزین والی روایت اس پر محمول ہے کہ اس طور پر بیٹھنے سے انتشار پیدا ہوتا ہے۔ اور مقصود اجتماع ہے اس لئے اس سے منع فرما دیا۔ اسی طرح ابوداؤد کی روایت جمعہ کے ساتھ خاص ہے کیونکہ حلقہ بنانا۔ اصفاف یعنی صفیں بنانے کے مقصود میں مخل ہے۔ اور وسط الحلقہ میں بیٹھنا چونکہ مستہزین (مسخرے) لوگوں کا طریقہ ہے۔ اس لئے اس سے منع فرمایا سأل رجل النبی صلعم و ھو علی المنبر جب حضور صلعم منبر پر تھے۔ تو لوگ اس پاس حلقہ کئے ہوئے بیٹھے ہوں گے

حدیث نمبر ۴۵۳ حَدَّثَنَا اَبُو النُّعْمَانِ الخ عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ رَجُلًا جَاءَ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ يَخْطُبُ فَقَالَ كَيْفَ صَلٰوةُ اللَّيْلِ فَقَالَ مَثْنٰى مَثْنٰى فَاِذَا خَشِيْتَ الصُّبْحَ فَاَوْتِرْ بِوَاحِدَةٍ تُوْتِرُ لَكَ مَا قَدْ صَلَّيْتَ وَقَالَ الْوَلِيْدُ بْنُ كَثِيْرٍ حَدَّثَنِيْ عُبَيْدُ اللّٰهِ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ اَنَّ ابْنَ عُمَرَ حَدَّثَهُمْ اَنَّ رَجُلًا نَادَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ فِي الْمَسْجِدِ (الحدیث)

ترجمہ:۔ حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ جب نبی اکرم صلعم خطبہ دے رہے تھے تو ایک آدمی حضور صلعم کی خدمت میں حاضر ہو کر پوچھتا ہے کہ رات کی نماز یعنی نماز تہجد کس طرح پڑھی جائے۔ آپؐ نے فرمایا دوگانہ دوگانہ پڑھی جائے۔ جب صبح ہو جانے کا اندیشہ لاحق ہو تو ایک رکعت کے ساتھ وتر بنا لو کیونکہ جو کچھ تم پڑھ چکے ہو اس رکعت کو وتر بنا دے گی۔ اور ابن عمرؓ نے ان حضرات کو حدیث بیان کی کہ آدمی نے جناب نبی اکرم صلعم کو اونچی آواز سے پکارا جبکہ آپ مسجد میں تھے۔

حدیث نمبر ۴۵۴ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوْسُفَ الخ عَنْ اَبِيْ وَاقِدِ اللَّيْثِيِّ قَالَ بَيْنَمَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْمَسْجِدِ فَاَقْبَلَ نَفَرٌ ثَلٰثَةٌ فَاَقْبَلَ اثْنَانِ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَذَهَبَ وَاحِدٌ فَاَمَّا اَحَدُهُمَا فَرَاٰى فُرْجَةً فِي الْحَلْقَةِ فَجَلَسَ وَاَمَّا الْاٰخَرُ فَجَلَسَ خَلْفَهُمْ وَاَمَّا الْاٰخَرُ فَاَدْبَرَ ذَاهِبًا فَلَمَّا فَرَغَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَلَا اُخْبِرُكُمْ عَنِ النَّفَرِ الثَّلٰثَةِ اَمَّا اَحَدُهُمْ فَاَوٰى اِلَى اللّٰهِ فَاٰوَاهُ اللّٰهُ وَاَمَّا الْاٰخَرُ فَاسْتَحْيٰى فَاسْتَحْيَى اللّٰهُ مِنْهُ وَاَمَّا الْاٰخَرُ فَاَعْرَضَ فَاَعْرَضَ اللّٰهُ عَنْهُ۔

ترجمہ:۔ حضرت ابو واقد لیثیؓ فرماتے ہیں کہ اس اثنا میں کہ جناب رسول اللہ صلعم مسجد میں تھے کہ تین لوگ آئے تو دو تو حضور رسول اللہ صلعم کے پاس پہنچ گئے اور تیسرا چلا گیا۔ ان دو میں سے ایک نے

حلقہ میں کوئی کشادہ جگہ دیکھی تو اس میں جا کر بیٹھ گیا۔ دوسرا ان سب کے پیچھے بیٹھ گیا اور تیسرا پیٹھ پھیر کے چلا گیا۔ جب آنحضرت رسول اللہ صلعم فارغ ہوئے تو آپ نے فرمایا کہ کیا میں تمہیں ان تین لوگوں کے متعلق نہ بتلا دوں ان میں سے ایک نے تو اللہ تعالیٰ سے ٹھکانا مانگا۔ اللہ تعالیٰ نے اسے ٹھکانا وسط میں دے دیا۔ دوسرے کو حیا دامن گیر ہوئی۔ تو اللہ تعالیٰ نے بھی اس سے حیادار جیسا معاملہ کیا۔ تیسرے نے منہ پھیرا تو اللہ تعالیٰ نے بھی اس سے منہ پھیر لیا۔

تشریح از شیخ مدنی رح۔ یہ تیسری روایت جواز حلقہ پر صراحۃً دلالت کرتی ہے، یہ روایت کتاب العلم میں مفصل گذر چکی ہے

باب الاستلقاء في المسجد،

ترجمہ:۔ مسجد میں چت لیٹنا کیسا ہے۔

حدیث نمبر ۴۵۵ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْلَمَةَ الخ عَنْ عَمِّهِ اَنَّهُ رَاٰى رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُسْتَلْقِيًا فِي الْمَسْجِدِ وَاضِعًا اِحْدٰى رِجْلَيْهِ عَلَى الْاُخْرٰى وَعَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ سَعِيْدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ كَانَ عُمَرُ وَعُثْمَانُ يَفْعَلَانِ ذٰلِكَ (الحديث)

ترجمہ:۔ حضرت عبداللہ بن زید بن عاصم سے مروی ہے کہ انہوں نے جناب رسول اللہ صلعم کو مسجد میں چت لیٹے ہوئے دیکھا کہ ایک پاؤں دوسرے پاؤں پر رکھنے والے تھے۔ حضرت سعید بن مسیب فرماتے ہیں کہ حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ بھی اسی طرح کیا کرتے تھے۔

تشریح از شیخ مدنی رح اس روایت باب سے استلقاء کا جواز معلوم ہوتا ہے اور مسلم شریف کی روایت میں ہے۔ نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن الاستلقاء في المسجد تو رفع تعارض کے لئے کہا جائے گا کہ استلقاء سے فی نفسہ ممانعت نہیں، بلکہ اس زمانہ میں لوگ تہبند باندھتے تھے اور استلقاء کی صورت مذکورہ فی الحدیث میں کشف عورت ہوتا ہے جس کی بنا پر آپؐ نے ممانعت فرمائی ہے۔ اگر کوئی کشف عورت سے حفاظت کرے، تو کوئی ممانعت نہیں چنانچہ آپؐ نے بھی کیا۔ حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ بھی کیا کرتے تھے۔ امام بخاری رح روایت نہی کو منسوخ قرار دینا چاہتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ امام بخاریؒ نے بتلا دیا کہ نہی متقدم ہے اور اباحت متاخر ہے۔ حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کے افعال اس پر دال ہیں۔

تشریح از شیخ زکریا۔ یہ آداب میں سے ہے جس کی تفصیل کتاب الآداب میں آئے گی، یہاں ابوداؤد کی

روایت پر رد کرنا ہے جن میں پاؤں پر پاؤں رکھ کر چت لیٹنے کی ممانعت وارد ہوئی ہے علما موجہین فرماتے ہیں کہ استلقاء فی نفسہٖ جائز ہے جیسا کہ بخاری کی روایت سے معلوم ہوتا ہے۔ اور اولیٰ یہ ہے کہ ایسے نہ لیٹے اور یہی ابوداؤد کی روایت کا محمل ہے۔ اور میرے حضرت نور اللہ مرقدہٗ کی رائے یہ ہے کہ استلقاء کی صورت میں پاؤں پر پاؤں رکھ کر سونے کی دو صورتیں ہیں۔

ایک یہ کہ پیر پھیلے ہوئے ہوں اور پاؤں پر پاؤں رکھ لے۔ یہ صورت جائز ہے، دوسری صورت یہ ہے کہ پاؤں موڑ کر گھٹنے پر دوسرا پاؤں رکھا ہے۔ یہ دوسری صورت روایات نہی کا محمل ہے۔ نہی اس لیے فرمائی گئی کہ اس میں کشف عورت کا احتمال ہوتا ہے۔ اور بعض حضرات نے فرق کیا ہے کہ اگر لنگی چھوٹی ہے تب تو منع ہے ورنہ نہیں جب ان روایات میں نص موجود ہے اس لیے اگر اس ترجمہ کو بیان جواز کے لیے مانا جائے تو زیادہ بہتر ہے۔

باب الْمَسْجِدِ يَكُوْنُ فِي الطَّرِيْقِ مِنْ غَيْرِ ضَرَرٍ بِالنَّاسِ فِيْهِ وَبِهٖ قَالَ الْحَسَنُ وَاَيُّوْبُ وَمَالِكٌ۔

ترجمہ:۔ راستے میں مسجد بنانا جبکہ اس کی وجہ سے لوگوں کو تکلیف نہ ہو۔ حضرت حسن بصریؒ اور ایوب اور امام مالکؒ اسی کے قائل ہیں۔

حدیث نمبر ۴۵۶ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ الخ اَنَّ عَائِشَةَ زَوْجَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَتْ لَمْ اَعْقِلْ اَبَوَيَّ اِلَّا وَهُمَا يَدِيْنَانِ الدِّيْنَ وَلَمْ يَمُرَّ عَلَيْنَا يَوْمٌ اِلَّا يَأْتِيْنَا فِيْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ طَرَفَيِ النَّهَارِ بُكْرَةً وَّعَشِيَّةً ثُمَّ بَدَا لِاَبِيْ بَكْرٍ فَابْتَنٰى مَسْجِدًا بِفِنَاءِ دَارِهٖ فَكَانَ يُصَلِّيْ فِيْهِ وَيَقْرَاُ الْقُرْاٰنَ فَيَقِفُ عَلَيْهِ نِسَاءُ الْمُشْرِكِيْنَ وَاَبْنَاؤُهُمْ يَعْجَبُوْنَ مِنْهُ وَيَنْظُرُوْنَ اِلَيْهِ وَكَانَ اَبُوْ بَكْرٍ رَجُلًا بَكَّاءً وَّلَا يَمْلِكُ عَيْنَيْهِ اِذَا قَرَاَ الْقُرْاٰنَ فَاَفْزَعَ ذٰلِكَ اَشْرَافَ قُرَيْشٍ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ (الحديث)

ترجمہ:۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ مجھے سمجھ تو نہیں تھی مگر میرے والدین کسی خاص دین کو اختیار کئے ہوئے تھے کوئی دن ایسا نہیں گذرتا تھا مگر یہ کہ جناب رسول اللہ صلعم صبح و شام ہمارے گھر آیا کرتے تھے حضرت ابوبکر صدیق رض نے مناسب سمجھا کہ اپنے گھر کے صحن میں ایک چھوٹی سی مسجد بنالی جس میں وہ نماز پڑھتے تھے اور قرآن مجید کی تلاوت کرتے تھے مشرکین کی عورتیں اور ان کے بچے آپ کے پاس آکر کھڑے ہوتے

تھے۔ قرآن مجید پڑھنے پر تعجب بھی کرتے اور آپ کی طرف مشفقانہ نظر بھی کرتے تھے کیونکہ حضرت ابو بکر صدیقؓ بہت رونے والے تھے جب قرآن مجید کی تلاوت کرتے تو آنکھوں پر قابو نہیں رہتا تھا بلا اختیار رو دیتے تھے۔ مشرکین قریش کے سردار اس تاثر سے گھبرا اٹھے

تشریح از شیخ مدنی رحمہ مصنف ابن ابی شیبہ کی روایت ہے کہ قارعۃ الطریق کو مسجد نہ بنایا جائے امام بخاری رحمہ ثابت فرماتے ہیں کہ اگر اس مسجد قارعۃ الطریق سے لوگوں کو ضرر نہ پہنچے تو ممانعت نہیں ہے۔ ضرر پہنچے تو ممانعت ہے۔ چنانچہ ممانعت والی روایت اسی پر محمول ہے۔ اور ممانعت کی وجہ یہ ہے کہ دواب وغیرہ گذرتے ہیں نجاسات پڑی ہوتی ہیں۔ آنے جانے والوں کو رکاوٹ ہوتی ہے۔ اس لئے ممانعت ہے ورنہ نہیں مصنف رحمہ نے ممانعت کو معلول بالعلۃ قرار دیا۔ چنانچہ آپ نے حضرت صدیق اکبرؓ کو قارعۃ الطریق پر مسجد بنانے سے نہیں روکا۔

تشریح از شیخ زکریا۔ شارع عام کے اندر جو کسی کی مملوک نہ ہو۔ اور اس میں کسی کا ضرر بھی نہ ہو وہاں اگر مسجد بنا دی جائے تو کوئی حرج نہیں فابتنیٰ مسجدا لفناء دارہ یہ روایت ابواب الھجرۃ میں پوری نہیں صفحے پر آئے گی۔ اور کتاب الکفالۃ میں ایک صفحہ کا ٹکڑا آئے گا مختصر اتنا سن لو کہ جب مشرکین طرح طرح سے مسلمانوں کو ستانے لگے تو کچھ مسلمانوں نے ہجرت کا ارادہ کیا اور جانے لگے چونکہ حبشہ کا بادشاہ رحمدل تھا اس لئے وہیں صحابہ کرام جا رہے تھے۔ حضرت صدیق اکبرؓ نے بھی ہجرت کا ارادہ کیا اور نکل پڑے، راستہ میں ابن الدغنہ ملا جو اپنی قوم کا سردار تھا۔ اس نے پوچھا ابو بکر کہاں جا رہے ہو۔ حضرتؓ نے بتلا دیا۔ کہنے لگا تم جیسا آدمی نہیں جا سکتا۔ تم صلہ رحمی کرتے ہو۔ غریبوں کی خیر و خبر لیتے ہو۔ میرے ساتھ چلو تمہیں کوئی تکلیف نہیں پہنچا سکتا۔ عرب میں دستور تھا کہ اگر کوئی کسی کو پناہ دے دیتا تو پھر اس سے کوئی تعرض نہیں کرتا تھا اگر کوئی کرتا تو پھر اس کی اسی پناہ دینے والے کے سارے قبیلے سے ہو جاتی تھی۔ ابن الدغنہ حضرت ابو بکر صدیق رضہ کو واپس لے آئے اور ادھر اُدھر پھر کر سب کو خبر کردی کہ میں نے ابو بکر صدیقؓ کو پناہ دے دی ہے۔ اب ان کو کسی قسم کی تکلیف نہ پہنچائی جائے جب قریش نے سنا تو کہنے لگے کہ ہمیں تمہارے امان دینے سے کوئی انکار نہیں۔ ابو بکر شوق سے رہیں۔ مگر بات یہ ہے کہ ابو بکر رضہ جب قرآن پاک پڑھتے ہیں تو بہت زیادہ روتے ہیں ہمیں ڈر ہے کہ ہمارے بچے اور عورتیں ہم سے پھر نہ جائیں اس لئے کہ عورتوں اور بچوں کا دل نرم ہوتا ہے۔ لہٰذا اے ابن الدغنہ تم یہ شرط لگا دو کہ وہ قرآن پاک اپنے گھر کے اندر پڑھا کریں اس نے

آکر حضرت ابو بکر صدیقؓ سے کہہ دیا حضرت ابو بکرؓ نے اوّلاً تو منظور کر لیا۔ مگر کب تک اللہ کے ذکر کو چھپاتے دروازے کے سامنے مسجد بنالی۔ اور اس میں قرآن پاک پڑھتے رہے۔ قریش نے اس کی شکایت ابن الدغنہ سے کی وہ آیا اور آکر اپنی شرط یاد دلائی۔ اس پر حضرت ابو بکرؓ نے اس کی امان اسے واپس کر دی مفصّل قصہ آگے آئے گا۔

باب الصَّلٰوةِ فِیْ مَسْجِدِ السُّوْقِ۔ وَصَلّٰی ابْنُ عَوْنٍ فِیْ مَسْجِدٍ فِیْ دَارٍ یُّغْلَقُ عَلَیْهِمُ الْبَابُ۔

ترجمہ:۔ بازار میں نماز پڑھنا حضرت ابن عون نے اپنی حویلی کی ایسی مسجد میں نماز پڑھی جس کا دروازہ ان پر بند کیا جاتا تھا

حدیث نمبر ۴۵۷ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ الخ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ صَلٰوةُ الْجَمِیْعِ تَزِیْدُ عَلٰی صَلٰوتِهٖ فِیْ بَیْتِهٖ وَصَلٰوتِهٖ فِیْ سُوْقِهٖ خَمْسًا وَّعِشْرِیْنَ دَرَجَةً فَاِنَّ اَحَدَکُمْ اِذَا تَوَضَّاَ فَاَحْسَنَ الْوُضُوْءَ وَاَتَی الْمَسْجِدَ لَا یُرِیْدُ اِلَّا الصَّلٰوةَ لَمْ یَخْطُ خَطْوَةً اِلَّا رَفَعَهُ اللّٰهُ بِهَا دَرَجَةً وَّحَطَّ عَنْهُ بِهَا خَطِیْئَةً حَتّٰی یَدْخُلَ الْمَسْجِدَ وَاِذَا دَخَلَ الْمَسْجِدَ کَانَ فِیْ صَلٰوةٍ مَّا کَانَتْ تَحْبِسُهٗ وَتُصَلِّی الْمَلٰٓئِکَةُ عَلَیْهِ مَادَامَ فِیْ مَجْلِسِهِ الَّذِیْ یُصَلِّیْ فِیْهِ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَهٗ اَللّٰهُمَّ ارْحَمْهُ مَالَمْ یُؤْذِ یُحْدِثْ فِیْهِ (الحدیث)

ترجمہ:۔ حضرت ابو ہریرہؓ جناب نبی اکرم صلعم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ جماعت کی نماز اکیلے گھر میں نماز پڑھنے سے یا اپنے بازار میں نماز پڑھنے سے پچیس گنا زیادہ ثواب رکھتی ہے۔ کیونکہ جب کسی نے وضو کیا۔ اور وضو کو اچھی طرح بنایا پھر مسجد میں اس حال کے اندر آیا کہ نماز کے سوا اور کسی چیز کا ارادہ نہیں رکھتا تھا تو جو قدم بھی اٹھائے گا اللہ تعالیٰ اس کی بدولت ایک درجہ بلند کر دیں گے یا اس کا ایک گناہ معاف فرما دیں گے۔ یہاں تک کہ مسجد میں داخل ہو گا جب مسجد میں داخل ہو گا۔ تو جب تک اسے نماز روکے ہوئے ہے وہ نماز ہی میں ہے۔ اور جب تک نماز پڑھنے والی جگہ میں رہتا ہے فرشتے برابر اس کے لئے دعا کرتے رہتے ہیں اے اللہ اس کی بخشش فرما اور اس پر رحم فرما جب تک کہ یہ کسی کو تکلیف نہ دے یعنی بے وضو نہ ہو جائے۔

تشریح از شیخ مدنی رح۔ چونکہ اسواق کو شر البقاع کہا گیا ہے۔ اس لئے احتمال تھا کہ مسجد سوق میں نماز مکروہ ہوگی۔ مگر امام بخاریؒ بتلانا چاہتے ہیں کہ سوق میں اور مسجد سوق میں نماز پڑھنا مکروہ نہیں۔ فی مسجد فی دار اگر شبہ ہو کہ یہ مسجد تو فی دار ہے تو پھر ترجمہ مسجد فی السوق کیسے ثابت ہوگا۔ بعض حضرات نے کہا کہ افادہ زائدہ کے لئے مصنفؒ نے زیادتی کر دی۔ وہ یہ ہے کہ مسجد وہ ہے جس میں اذن عام ہو مسجد دار مسجد اصطلاحی نہیں ہے تو بتلانا ہے کہ اس میں بھی نماز باجماعت ہو جاتی ہے کیونکہ آپؐ کا ارشاد ہے۔ جعلت الارض مسجدا و طھورا کہ تمام روئے زمین میرے لئے سجدہ گاہ بنائی گئی ہے حالانکہ وہ بھی مسجد اصطلاحی نہیں ہے۔ تو معلوم ہوا کہ مسجد نبوی میں ہر جگہ نماز ہو جاتی ہے اور صلوٰۃ فی البیت اور صلوٰۃ فی السوق دونوں برابر کے درجہ کی ہیں البتہ صلوٰۃ الجمیع ان سب سے پچیس درجہ زائد ہے۔ تو مسجد سوق شر البقاع نہ ہوئی۔ کیونکہ صلوٰۃ فی سوقہ فرمایا گیا ہے صلوٰۃ الجمیع تزید اگر شبہ ہو کہ صلوٰۃ الجمیع مثلاً سو آدمیوں کے مجموعہ کی نماز کا ثواب پچیس درجہ زائد ہے، حالانکہ یہ مقصد نہیں تو کہا جائے گا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جماعت کے ہر فرد کی نماز مصلی فی البیت کی نماز سے پچیس گنا زائد ہے، یہی وجہ ہے کہ صلوٰۃ فی بیتہ میں ضمیر کو مفرد لایا گیا ہے۔ یہ ثواب تو الگ ہے اس کے علاوہ جو وضو اچھا کرے گا۔ قدموں چل کر آئے گا۔ یہ اسباب صلوٰۃ ہیں۔ ان میں بھی خیریت پائی جاتی ہے ان کا ثواب الگ سے ملے گا۔ پچیس درجہ نماز کا ثواب وہ ان کے ثواب سے الگ ہے فان احدکم اس کی علت نہیں ہے۔

تشریح از شیخ زکریاؒ۔ حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ حدیث پاک کے اندر آیا ہے شر البقاع اسواقھا اور بالکل یہی بات ہے۔ لہٰذا اگر کسی ضرورت کے لئے جائے تو بقدر ضرورت وہاں ٹھیرے اور ٭ ریلا آدے جیسے بیت الخلا میں اتنی ہی دیر ٹھیرتا ہے جتنی اس کو حاجت ہوتی ہے تو اس روایت کا تقاضا یہ ہے کہ سوق کے اندر نماز پڑھی جائے۔ حضرت امام بخاریؒ نے اس باب سے اس کا جواز ثابت فرمایا اور یہی اقرب ہے۔ علامہ عینیؒ نے حافظ کے کلام کو رد فرما دیا۔ مگر کوئی وجہ بیان نہ فرمائی بعض حضرات فرماتے ہیں کہ چونکہ مساجد میں نماز پڑھنے کی فضیلت بہت آئی ہے اور بعض روایات میں لا صلوٰۃ لجار المسجد الا فی المسجد کہ مسجد کے ہمسائے کی نماز مسجد کے سوا جائز نہیں تو اس سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ غیر مسجد میں جار (ہمسایہ) مسجد کی نماز ہی نہیں ہوتی اس لئے امام بخاریؒ اس کا جواز ثابت

فرماتے ہیں، مسجد سوق ہیں اگرچہ وہ حقیقۃً مسجد نہیں ہوتی۔ اور بعض حضرات فرماتے ہیں کہ یہ حنفیہ پر رد فرماتا ہے اس لئے کہ مسجد شرعی ان کے نزدیک وہ ہے جس میں اذن عام ہو۔ مسجد سوق میں عام اجازت نہیں ہوتی اور بازار کی مسجد سے وہ مسجد مراد ہے جو گھر میں بنالی جائے تو امام بخاریؒ نے جواز ثابت کیا کہ مسجد سوق سے مسجد شرعی ہوسکتی ہے۔ میرے والد صاحبؒ فرماتے ہیں کہ امام بخاریؒ کی غرض یہ ہے کہ نماز پڑھنے کے لئے مسجد اصطلاحی کا ہونا ضروری نہیں اس لئے کہ مسجد نبوی کے اندر بھی نماز پڑھنا جائز ہے اور سب اقرب ہے۔ وصلّی ابن عون فی مسجد۔ علامہ کرمانیؒ اور علامہ عینیؒ فرماتے ہیں کہ ابن عون کے اثر کا ترجمہ سے کوئی تعلق نہیں۔ کیونکہ باب تو صلوٰۃ فی مسجد السوق کے بیان میں ہے اور ابن عون کا اثر مسجد البیت کے بارے میں ہے مگر میرے والد صاحب نے ترجمہ کی جو غرض بتلائی ہے۔ اس صورت میں ابن عون کا اثر بے تعلق نہیں رہتا کیونکہ مسجد اصطلاحی کا ہونا ضروری نہیں۔ مسجد اصطلاحی وہ ہے جس میں اذن عام ہو اور مسجد سوق میں اذن عام نہیں ہوتا۔ کیونکہ جب سوق بند ہوگیا تو مسجد بھی بند ہوگئی۔ اس لئے کہ سوق سے مراد مسقف منڈی ہے جیسے گوشت مارکیٹ، سبزی مارکیٹ وغیرہا۔ صلوٰۃ الجمیع تزید۔ اس سے بھی معلوم ہوا کہ صلوٰۃ السوق جائز ہے۔ کیونکہ جب جماعت کی نماز صلوٰۃ بیت اور صلوٰۃ سوق پر پچیس گنا زیادہ ہوتی ہے تو معلوم ہوا کہ ایک درجہ جو اصل صلوٰۃ ہے وہ ان دونوں کے اندر بھی موجود رہتا ہے۔ اب یہاں بحث پچیس اور ستائیس درجے کی ہے۔ اس پر کلام ابواب الجماعۃ میں آئے گا۔ کیونکہ وہاں دونوں قسم کی روایات آئیں گی، ترجمۃ الباب کے متعلق میری رائے یہ ہے کہ حضرت سمرہؓ کا جو خط انہوں نے اپنے بیٹوں کو لکھا تھا اس کے اندر ہے کہ اپنے گھروں کے اندر مساجد بناؤ تو یہاں سے بتلاتے ہیں کہ بازار اور گھروں کے اندر مساجد بنانی چاہئیں اور ان کے اندر کبھی کبھی نماز پڑھتے رہنا چاہیئے۔ روایت میں جو ایک لفظ آیا ہے۔ صلوٰۃ فی سوقہ تو امام بخاریؒ کا اپنے ترجمہ پر استدلال اسی سے ہے۔

باب تَشْبِيكِ الْأَصَابِعِ فِي الْمَسْجِدِ وَغَيْرِهِ

ترجمہ:۔ مسجد میں انگلیوں کو انگلیوں میں داخل کرنا، بجانا، چٹخارے نکالنا۔

حدیث نمبر ۴۵۸ حَدَّثَنَا حَامِدُ بْنُ عُمَرَ الخ عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَوِ ابْنِ عَمْرٍو قَالَ شَبَّكَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَصَابِعَهُ وَقَالَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عَمْرٍو قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا عَبْدَ اللّٰهِ ابْنَ عَمْرٍو كَيْفَ بِكَ إِذَا بَقِيتَ فِي حُثَالَةٍ مِنَ النَّاسِ بِهٰذَا۔

ترجمہ:۔ حضرت عبداللہ بن عمر یا عبداللہ بن عمرو العاصؓ فرماتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلعم نے اپنی انگلیوں کو انگلیوں میں داخل کرتے ہوئے فرمایا۔ اور دوسری سند میں ہے کہ جناب رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ اے عبداللہ بن عمروؓ تیرا کیا حال ہوگا جبکہ تو ردی لوگوں میں رہ جائے گا۔

تشریح از شیخ مدنیؒ۔ تشبیک الاصابع کو آپ نے پسند نہیں فرمایا جس سے علی الاطلاق ممانعت معلوم ہوتی ہے۔ مگر امام بخاریؒ اس کے جواز کو وہ بھی مسجد میں ہو ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ بغیر ضرورت کے تشبیک ناجائز ہے

تشریح از شیخ زکریاؒ۔ چونکہ ابوداؤد وغیرہ سنن کی روایات میں ہے۔ اذا عمد احدکم الی المسجد فلا یشبکن یدہ یعنی جب تم میں سے کوئی شخص مسجد میں جانے کا ارادہ کرے تو اپنے ہاتھ کی انگلیوں کو نہ بجائے جس سے معلوم ہوا کہ تشبیک ناجائز ہے۔ امام بخاریؒ نے اس کے جواز کو ثابت فرما دیا۔ علماء موجہین فرماتے ہیں کہ سنن کی روایت اور بخاری کی روایت میں کوئی تعارض نہیں اس لئے کہ بخاری کی روایت نفس تشبیک پر محمول ہے۔ اور وہ جائز ہے۔ اور سنن کی روایت مشی الی المساجد پر محمول ہے۔ کیونکہ جب مصلی مسجد کی طرف جاتا ہے تو وہ مصلی ہی کے حکم میں ہوتا ہے۔ اور مصلی تشبیک سے ممنوع ہے اس لئے عامد الی المسجد میں مصلی کے حکم میں ہونے کی وجہ سے ممنوع عن التشبیک ہوگا۔ شبک النبی صلعم اصابعہ یہ روایت مجمل ہے۔ وقال عاصم بن علی سے اس کی تفصیل فرمائی ہے۔ سمعت ھذا الحدیث عن ابی فلم احفظہ یوں کہتے ہیں کہ جیسے یہ حدیث میں نے واقد سے سنی اس طرح اپنے والد صاحب سے بھی سنی ہے۔ مگر مجھ کو وہ ترتیب یاد نہ رہی جو والد صاحب نے یاد بیان فرمائی کہ پہلے کیا بیان کیا تھا۔ اور پھر کیا بیان فرمایا۔ عن ابیہ میں ابیہ کی ضمیر واقد کی طرف راجع ہے۔ اذا بقیت فی حثالۃ الناس یہ ابواب الفتن کی روایت ہے۔ اور مطلب یہ ہے کہ حضور اکرم صلعم نے تشبیک کرکے اشارہ کردیا کہ اس وقت تیرا کیا حال ہوگا جبکہ اچھے اور برے کی تمیز نہ ہوسکے گی اور سب ایک دوسرے میں گڈمڈ ہوجائیں گے

حدیث نمبر ۴۵۹ حَدَّثَنَا خَلَّادُ بْنُ يَحْيٰى الخ عَنْ اَبِيْ مُوْسٰى عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ قَالَ اِنَّ الْمُؤْمِنَ لِلْمُؤْمِنِ كَالْبُنْيَانِ يَشُدُّ بَعْضُهٗ بَعْضًا وَّشَبَّكَ اَصَابِعَهٗ

ترجمہ:۔ حضرت ابوموسیٰؓ جناب نبی اکرم صلعم سے روایت کرتے ہیں کہ جناب نبی اکرم صلعم نے فرمایا مومن مومن کے لئے دیوار کی طرح ہے کہ وہ ایک دوسرے کو مضبوط کرتے ہیں پھر آپ نے انگلیوں کو انگلیوں

میں داخل کر کے سمجھایا۔

تشریح از شیخ مدنی رح کالبنیان یشد بعضہ بعضا کہ دیوار کے پتھروں میں تداخل ہوتا ہے جس کی وجہ سے دیوار کی تقویت اور مضبوطی ہو جاتی ہے۔ مؤمنین کی مثال بھی یہی ہے کہ اگر ان کے درمیان اختلاط نہ ہو۔ تو ایک دوسرے کی حمایت نہیں کر سکیں گے۔ اس کو آپ نے تشبیک کر کے بتلایا۔ اور ایسے ظہور کے مسئلہ کو اور ذوالیدین کے مسئلہ میں بھی ایسا ہوا۔

تشریح از شیخ زکریا حضور اقدس صلعم کا ارشاد ہے کہ مؤمن مومن کے واسطے عمارت کی طرح ہے کہ بعض کو بعض کے ساتھ تقویت ہوتی ہے۔ ایک دوسرے سے ملے ہوئے ہوتے ہیں جیسے دیوار کی اینٹیں کہ جب تک ان کے اندر تشبیک کی صورت رہتی ہے تو قوت رہتی ہے اگر یہ بات نہ ہو۔ بلکہ ایک اینٹ پر دوسری اینٹ رکھ دی جائے تو ایک دم گر جائے گی۔

حدیث نمبر ۴۶۰ حَدَّثَنَا إِسْحٰقُ الخ عَنْ أَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ صَلّٰی بِنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ إِحْدٰی صَلٰوتَیِ الْعَشِیِّ قَالَ ابْنُ سِیْرِیْنَ قَدْ سَمَّاهَا أَبُوْ هُرَیْرَةَ وَلٰکِنْ نَسِیْتُ أَنَا قَالَ فَصَلّٰی بِنَا رَکْعَتَیْنِ ثُمَّ سَلَّمَ فَقَامَ إِلٰی خَشَبَةٍ مَعْرُوْضَةٍ فِی الْمَسْجِدِ فَاتَّکَأَ عَلَیْهَا کَأَنَّهٗ غَضْبَانُ وَوَضَعَ یَدَهُ الْیُمْنٰی عَلَی الْیُسْرٰی وَشَبَّکَ بَیْنَ أَصَابِعِهٖ وَوَضَعَ خَدَّهُ الْأَیْمَنَ عَلٰی ظَهْرِ کَفِّهِ الْیُسْرٰی وَخَرَجَتِ السَّرَعَانُ مِنْ أَبْوَابِ الْمَسْجِدِ فَقَالُوْا قُصِرَتِ الصَّلٰوةُ وَفِی الْقَوْمِ أَبُوْ بَکْرٍ وَّعُمَرُ فَهَابَاهُ أَنْ یُّکَلِّمَاهُ وَفِی الْقَوْمِ رَجُلٌ فِیْ یَدِهٖ طُوْلٌ یُقَالُ لَهٗ ذُوالْیَدَیْنِ قَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ أَنَسِیْتَ أَمْ قُصِرَتِ الصَّلٰوةُ قَالَ لَمْ أَنْسَ وَلَمْ تُقْصَرْ فَقَالَ أَکَمَا یَقُوْلُ ذُوالْیَدَیْنِ فَقَالُوْا نَعَمْ فَتَقَدَّمَ فَصَلّٰی مَا تَرَکَ ثُمَّ سَلَّمَ ثُمَّ کَبَّرَ وَسَجَدَ مِثْلَ سُجُوْدِهٖ أَوْ أَطْوَلَ ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهٗ وَکَبَّرَ ثُمَّ کَبَّرَ وَسَجَدَ مِثْلَ سُجُوْدِهٖ أَوْ أَطْوَلَ ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهٗ وَکَبَّرَ فَرُبَّمَا سَأَلُوْهُ ثُمَّ سَلَّمَ فَیَقُوْلُ نُبِّئْتُ أَنَّ عِمْرَانَ بْنَ حُصَیْنٍ قَالَ ثُمَّ سَلَّمَ (الحدیث)

ترجمہ:۔ حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ شام کی نمازوں میں سے ایک نماز جناب رسول اللہ صلعم نے ہمیں پڑھائی۔ ابن سیرین فرماتے ہیں کہ حضرت ابوہریرہؓ نے تو اس کا نام لیا تھا مگر میں بھول گیا۔ فرمایا ہمیں دو رکعت نماز پڑھائی پھر سلام پھیر دیا۔ پھر اس لکڑی طرف کھڑے ہوئے جو مسجد میں عرض میں پڑی ہوئی تھی

اس لکڑی کا سہارا لیا۔ گویا کہ آپؐ ناراض تھے۔ اپنا دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھا اور انگلیوں کے درمیان تشبیک کی۔ اور اپنے داہنے رخسار کو اپنے بائیں ہاتھ کی ہتھیلی کی پیٹھ پر رکھا۔ اور جلد باز لوگ مسجد کے دروازوں سے نکل چکے تھے۔ صحابہ کرامؓ نے سمجھا کہ نماز میں کمی کر دی گئی ہے۔ اور قوم میں حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ موجود تھے مگر وہ آپؐ سے کلام کرنے میں ہیبت زدہ ہو گئے۔ اور قوم میں ایک ایسا شخص تھا جس کے دونو ہاتھوں میں لمبا پن تھا جس کو ذوالیدین کہا جاتا تھا۔ وہ بولا یا رسول اللہ کیا آپؐ بھول گئے ہیں یا نماز میں کمی کر دی گئی ہے۔ آپؐ نے فرمایا نہ میں بھولا ہوں اور نہ نماز میں کمی ہوئی ہے۔ پھر آپؐ نے لوگوں سے کہا کہ کیا بات ایسے ہے جیسے ذوالیدین کہتا ہے۔ سب بولے ہاں تو آپؐ آگے بڑھے اور جو کچھ چھوڑ دیا تھا اس کو پڑھا سلام پھیرا تکبیر کہی اس طرح کا سجدہ کیا یا اس سے بھی لمبا۔ پھر سر اٹھایا تکبیر کہی اس جیسا سجدہ کیا یا اس سے بھی لمبا سجدہ کیا پھر سر اٹھایا تکبیر کہی۔ ابن سیرینؒ سے لوگوں نے پوچھا پھر سلام پھیرا۔ فرمانے لگے مجھے خبر دی گئی ہے کہ عمران بن حصینؓ نے فرمایا ثم سلّم پھر سلام پھیرا۔

تشریح از شیخ زکریاؒ ۔ احدی صلوٰۃ العشی الظہر والعصر ابو ہریرہؓ کی روایت میں ظہر مشہور ہے اور عمران بن حصینؓ کی روایت میں عصر ہے محدثین دونو کو ایک ہی واقعہ پر محمول کرتے ہیں مگر میری سمجھ میں نہیں آتا کہ وحدت پر محمل کرنے کی کیا ضرورت ہے جبکہ سہو متعدد بار ہوا ہے۔ کانہ غضبان چونکہ نماز کے اندر سہو واقع ہوا جس کا اثر قلب اطہر پر پڑا۔ اور وہ اثر چہرہ سے ایسا ظاہر ہوا جیسے کہ حضور پاک صلعم کو غصہ آ رہا ہو۔ میں نے پہلے بھی کہا تھا کہ جو جتنا حسین ہوتا ہے۔ اتنا ہی جلدی تاثر اس کے چہرہ پر ظاہر ہوتا ہے پھر حضورؐ کے حسن کا تو کیا پوچھنا۔ وضع یدہ الیمنیٰ سے لے کر علی ظہر یدہ الیسریٰ تک کی جو تشکیل حضرتؒ نے فرمائی۔ وہ یہ ہے کہ اوّلاً داہنی ہاتھ کی ہتھیلی کو بائیں ہاتھ کے کف کی پشت پر رکھے۔ اور انگلیوں کو انگلیوں میں ڈال لیا جائے۔ اور پھر داہنے رخسارے کو بائیں ہاتھ کی ہتھیلی کی پشت پر اس طرح رکھے کہ داہنے ہاتھ کی انگلیاں تو بائیں ہاتھ کی انگلیوں میں رہیں۔ مگر ہتھیلی بائیں ہاتھ کے انگوٹھے کی طرف کو ذرا سا الگ ہو واللہ اعلم۔ فہاباہ ان یکلماہ اس لئے کہ جس کو جتنا زیادہ بزرگوں سے قرب ہوتا ہے اتنا ہی زیادہ ان سے خوف بھی ہوتا ہے۔ قال لم انس ولم تنقص حضور اقدس صلعم نے لم انس اس لئے فرمایا کہ بھولنے والے کو یاد نہیں رہتا۔ کہ مجھ سے بھول واقع ہوئی یا نہیں اور قصر ہوا یا نہیں تو حضورؐ نے یہ سب کچھ اپنے ظن کے مطابق فرمایا۔ فقال اکما یقول ذوالیدین حضرت ذوالیدین کے فرمانے کے بعد

حضور صلعم نے دوسرے صحابہ سے اس کی تصدیق فرمائی کہ ذوالیدین جو کچھ کہہ رہے ہیں وہ صحیح ہے یا نہیں۔ یہ روایت ابواب السہو اور کلام فی الصلوٰۃ میں آئے گی اور ان مسائل پر کلام وہیں ہوگا فیما سالوہ ثم سلم ابن سیرین کے شاگرد کا مقولہ ہے کہ ابن سیرین سے لوگوں نے پوچھا کہ پھر حضور صلعم نے اس کے بعد سلام بھی پھیرا۔ تو انہوں نے فرمایا کہ عمران بن حصین قال ثم سلم یعنی ابوہریرہؓ کی روایت میں تو نہیں مگر مجھے خبر پہنچی کہ عمران بن حصین فرماتے ہیں ثم سلم۔ قال عاصم بن علی اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ عاصم بن علی فرماتے ہیں کہ ہم سے اس کو عاصم بن محمد نے اپنے باپ سے بیان کیا۔ لیکن وہ اس کے الفاظ بھول گئے تھے، تو انہوں نے اپنے بھائی واقد بن محمد سے اس کی توثیق اور تقویم کرائی کہ میں نے اس کو اپنے باپ سے سنا تھا تم کو بھی یاد ہے تو انہوں نے توثیق فرمائی۔ اور کہا کہ میرے باپ بیان کیا کرتے تھے۔ تو گویا اس حدیث کی سند اگرچہ عاصم بن محمد سے ہے مگر چونکہ وہ بھول گئے تھے۔ اس لئے اپنے بھائی سے پوچھ کر اس حدیث کو بیان فرمایا۔ اذا بقیت فی حثالۃ من الناس۔ حثالہ کہتے ہیں پھوک کو یعنی وہ کباڑ جو جو کا آٹا چھننے کے بعد چھلنی میں رہ جاتا ہے۔ اور مطلب یہ تھا کہ جب سب لوگ خلط ملط ہو جائیں گے اس وقت تو کیا کریگا۔

باب اَلْمَسَاجِدِ الَّتِیْ عَلٰی طُرُقِ الْمَدِیْنَۃِ وَالْمَوَاضِعِ الَّتِیْ صَلّٰی فِیْہَا النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

ترجمہ:۔ ان مساجد کے بارے میں جو مدینہ منورہ کے راستوں میں ہیں اور وہ مقامات جن میں جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی ہے۔

حدیث نمبر ۴۶۱ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ اَبِیْ بَکْرٍ الْمُقَدَّمِیُّ الخ قَالَ رَاَیْتُ سَالِمَ بْنَ عَبْدِ اللّٰہِ یَتَحَرّٰی اَمَاکِنَ مِنَ الطَّرِیْقِ فَیُصَلِّیْ فِیْہَا وَیُحَدِّثُ اَنَّ اَبَاہُ کَانَ یُصَلِّیْ فِیْہَا وَاَنَّہٗ رَاَی النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یُصَلِّیْ فِیْ تِلْکَ الْاَمْکِنَۃِ قَالَ وَحَدَّثَنِیْ نَافِعٌ عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّہٗ کَانَ یُصَلِّیْ فِیْ تِلْکَ الْاَمْکِنَۃِ وَسَاَلْتُ سَالِمًا فَلَا اَعْلَمُہٗ اِلَّا وَافَقَ نَافِعًا فِی الْاَمْکِنَۃِ کُلِّہَا اِلَّا اَنَّہُمَا اخْتَلَفَا فِیْ مَسْجِدٍ بِشَرَفِ الرَّوْحَاءِ (الحدیث)

ترجمہ:۔ حضرت موسیٰ بن عقبہ فرماتے ہیں کہ میں حضرت سالم بن عبداللہ دیکھا کہ راستے کے ان مکانات کو تلاش کرتے جن میں وہ نماز پڑھتے تھے بیان کرتے تھے کہ ان کے باپ حضرت ابن عمر انہیں مکانات میں نماز پڑھتے تھے اور انہوں نے جناب نبی اکرم صلعم کو ان مکانات میں نماز پڑھتے دیکھا تھا۔ اور نافع نے بھی ابن عمرؓ سے روایت کیا کہ وہ انہیں مکانات میں نماز پڑھتے تھے۔ اور میں نے سالم سے پوچھا تو انہوں

نے بھی میرے علم کے مطابق ان مکانات کے بارے میں حضرت نافع کی موافقت کی مگر مسجد بشرف الروحاء میں دونوں کا اختلاف ہوگیا۔

تشریح از شیخ مدنی۔ اس باب سے بتلانا ہے کہ اگر کسی جگہ کوئی صالح نماز پڑھے یا وہاں سے اس کا گذر ہو تو اس مقام پر مسجد بنا لینا جائز ہے۔ مدینہ منورہ سے طرف مکہ میں سے آپ کا جانا کئی بار ہوا ہے۔ اور بعض مقامات پر آپ نے مختلف ازمنہ میں نماز پڑھی۔ اور راحت بھی فرمائی۔ حضرت ابن عمرؓ کو آپ کی ان قیام گاہ کے بارے میں غلو تھا۔ اس لئے انہوں نے اس کا زیادہ تفحص کیا۔ مگر اس زمانہ میں بھی خبط عشوائی ہوگیا تھا۔ اب ان مساجد میں سے صرف مسجد ذوالحلیفہ باقی ہے روحاء مدینہ منورہ سے ۳۶ میل کے فاصلہ پر دوسری منزل ہے اور شرف کے معنی بلندی کے ہیں چونکہ اس جگہ آپ نے قیام فرمایا تھا اس لئے یہاں پر ایک مسجد بنا دی گئی۔ مگر اس میں حضرت سالم اور نافع رح کا اختلاف واقع ہوگیا۔ اور سب مساجد میں اتفاق رہا۔

تشریح از شیخ زکریاؒ۔ شراح فرماتے ہیں چونکہ غرض حضور اکرم صلعم کے حالات کو بیان کرنا ہے اس لئے حضور اکرم صلعم کے اسفار کے راستے کا حال بھی بیان فرما دیا۔ مساجد چونکہ اہم تھیں اس لئے ان پر ترجمہ باندھ دیا۔ میرے نزدیک امام بخاریؒ نے ایک اہم مسئلہ کی طرف اشارہ فرمادیا ہے۔ وہ یہ کہ مشاہد اکابر سے استبراک جائز ہے یا نہیں جس میں دو فریق ہوگئے۔ ایک نے تو بالکل افراط کردی جیسے مبتدعین اور دوسرے نے بالکل تفریط کردی۔ جیسے وہابیہ۔ نجدیہ اور ہم اہل دیوبند کا طریقہ یہ ہے کہ عقائد کے اندر تو وہابی اور اعمال کے اندر مبتدعین کے ساتھ ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم اس طرح نہیں کرتے کہ جس سے ان بزرگوں کی شان میں کسی قسم کی گستاخی ہو بلکہ جو ادب ہے۔ اس کے ساتھ پیش آتے ہیں لیکن ساتھ ہی ساتھ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ یہ حضرات کچھ بھی نہیں کرسکتے جو کرنے والا ہے وہ اللہ تعالیٰ ہے اس کے قبضۂ قدرت میں سب کچھ ہے۔ اب یہ سنو ! کہ حضرت عمرؓ استبراک یعنی تبرک حاصل کرنے کے معاملہ میں بہت زیادہ سخت واقع ہوئے تھے۔ وہابیوں کے قریب قریب تھے، حتیٰ کہ اس درخت کو بھی کٹوا دیا جس کے نیچے بیعت رضوان ہوئی تھی، جس کی وجہ یہ ہوئی کہ لوگوں نے برکت کی نیت سے وہاں اس درخت کے نیچے نماز پڑھنا شروع کردی۔ اس پر فرمایا کہ اب درخت کی عبادت ہوگی۔ یہ کہہ کر کٹوا دیا۔ اسی طرح جب حجر اسود کو بوسہ دینے لگے تو اوّلاً فرمایا إنی اعلم انک لا تضر ولا تنفع لولا انی رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

تبلك ما تبلتك نو قبّل الخ یعنی میں جانتا ہوں کہ تُو نہ تو نقصان پہنچا سکتا ہے اور نہ ہی نفع دے سکتا ہے۔ اگر میں نے جناب رسول اللہ صلعم کو بوسہ دیتے ہوئے نہ دیکھا ہوتا تو تجھے کبھی بوسہ نہ دیتا۔ پھر بوسہ دیا۔ اس کے برخلاف حضرت ابن عمرؓ بالکل حضرت عمرؓ کی ضد تھے جہاں بھی حضور اکرم صلعم کوئی کام کیا ہے وہ کام حضرت ابن عمرؓ بھی کرنا چاہتے تھے حتیٰ کہ اگر کسی جگہ حضورؐ نے پیشاب کیا تو حضرت ابن عمرؓ نے بھی پیشاب کرنے کے لئے بیٹھ جاتے تھے۔ گو اس وقت حاجت نہ بھی ہو رہی ہو۔ حضرت امام بخاریؒ نے حضرت ابن عمرؓ کے طریقہ کو ترجیح دی ہے۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ خود حضور صلعم کے زمانہ سے استبراک ثابت ہے جیسا کہ عتبانؓ کی ذات میں گزر چکا کہ انہوں نے نبی پاک صلعم سے آکر عرض کیا کہ حضورؐ میرے گھر میں کسی جگہ نماز پڑھ لیں۔ میں اسی کو اپنے لئے نماز گاہ بناؤں گا۔ تو یہ استبراک ہی ہوا اسی طرح حضور اکرم صلعم کے بالوں سے استبراک کرتے تھے کہ اس کو پانی میں ڈال کر شفا حاصل کرتے تھے۔

وحدثنی نافع اس روایت کو ذکر فرما کر موسیٰ بن عقبہ نے بتلادیا کہ جیسے سالم نے اپنے باپ سے نقل کیا ہے۔ اسی طرح ابن عمر کے مولیٰ نافع نے بھی ان سے یہی نقل کیا ہے۔ تو اس سے سالم کی روایت کی تقویت ہو گئی کہ صرف وہی نہیں بیان کرتے بلکہ اور بھی بیان کرتے ہیں۔ ان دونوں کی روایات میں یہاں صرف اس مسجد میں اختلاف ہے جو کہ شرف روحاء پر واقع ہے کہ کس جگہ پر واقع ہے۔

حدیث نمبر ۴۶۲ حَدَّثَنَا اِبْرَاهِيْمُ بْنُ الْمُنْذِرِ الْحِزَامِيُّ الخ اَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ اَخْبَرَهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَنْزِلُ بِذِى الْحُلَيْفَةِ حِيْنَ يَعْتَمِرُ وَفِىْ حَجَّتِهٖ حِيْنَ حَجَّ تَحْتَ سَمُرَةٍ فِىْ مَوْضِعِ الْمَسْجِدِ الَّذِىْ بِذِى الْحُلَيْفَةِ وَكَانَ اِذَا رَجَعَ مِنْ غَزْوَةٍ وَّكَانَ فِىْ تِلْكَ الطَّرِيْقِ اَوْ حَجٍّ اَوْ عُمْرَةٍ هَبَطَ بَطْنَ وَادٍ فَاِذَا ظَهَرَ مِنْ بَطْنِ وَادٍ اَنَاخَ بِالْبَطْحَاءِ الَّتِىْ عَلٰى شَفِيْرِ الْوَادِى الشَّرْقِيَّةِ فَعَرَّسَ ثَمَّ حَتّٰى يُصْبِحَ لَيْسَ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الَّذِىْ بِحِجَارَةٍ وَّلَا عَلَى الْاَكَمَةِ الَّتِىْ عَلَيْهَا الْمَسْجِدُ كَانَ ثَمَّ خَلِيْجٌ يُصَلِّىْ عَبْدُ اللّٰهِ عِنْدَهٗ فِىْ بَطْنِهٖ كُثُبٌ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَمَّ يُصَلِّىْ فَدَحَا فِيْهِ السَّيْلُ بِالْبَطْحَاءِ حَتّٰى دَفَنَ ذٰلِكَ الْمَكَانَ الَّذِىْ كَانَ عَبْدُ اللّٰهِ يُصَلِّىْ فِيْهِ وَاَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ حَدَّثَهٗ اَنَّ النَّبِىَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلّٰى حَيْثُ الْمَسْجِدُ الصَّغِيْرُ الَّذِىْ دُوْنَ الْمَسْجِدِ الَّذِىْ بِشَرَفِ الرَّوْحَاءِ وَقَدْ كَانَ عَبْدُ اللّٰهِ يَعْلَمُ الْمَكَانَ الَّذِىْ بِشَرَفِ الرَّوْحَاءِ

وَقَدْ كَانَ عَبْدُ اللّٰهِ يَعْلَمُ الْمَكَانَ الَّذِيْ كَانَ صَلّٰى فِيْهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ ثَمَّ
عَنْ يَمِيْنِكَ حِيْنَ تَقُوْمُ فِي الْمَسْجِدِ تُصَلِّيْ وَذٰلِكَ الْمَسْجِدُ عَلٰى حَافَةِ الطَّرِيْقِ الْيُمْنٰى وَأَنْتَ
ذَاهِبٌ إِلٰى مَكَّةَ بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْمَسْجِدِ الْأَكْبَرِ رَمْيَةٌ بِحَجَرٍ أَوْ نَحْوُ ذٰلِكَ وَأَنَّ ابْنَ عُمَرَ كَانَ
يُصَلِّيْ إِلَى الْعِرْقِ الَّذِيْ عِنْدَ مُنْصَرَفِ الرَّوْحَاءِ وَذٰلِكَ الْعِرْقُ انْتَهٰى طَرَفُهُ عَلٰى حَافَةِ
الطَّرِيْقِ دُوْنَ الْمَسْجِدِ الَّذِيْ بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْمُنْصَرَفِ وَأَنْتَ ذَاهِبٌ إِلٰى مَكَّةَ وَقَدِ ابْتُنِيَ
ثَمَّ مَسْجِدٌ فَلَمْ يَكُنْ عَبْدُ اللّٰهِ ابْنُ عُمَرَ يُصَلِّيْ أَمَامَهُ إِلَى الْعِرْقِ نَفْسِهِ وَكَانَ عَبْدُ اللّٰهِ
يَرُوْحُ مِنَ الرَّوْحَاءِ فَلَا يُصَلِّي الظُّهْرَ حَتّٰى يَأْتِيَ ذٰلِكَ الْمَكَانَ فَيُصَلِّيْ فِيْهِ الظُّهْرَ وَإِذَا
أَقْبَلَ مِنْ مَكَّةَ فَإِنْ مَرَّ بِهِ قَبْلَ الصُّبْحِ بِسَاعَةٍ أَوْ مِنْ آخِرِ السَّحَرِ عَرَّسَ حَتّٰى يُصَلِّيَ
بِهَا الصُّبْحَ وَأَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ حَدَّثَهُ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَنْزِلُ تَحْتَ
سَرْحَةٍ ضَخْمَةٍ دُوْنَ الرُّوَيْثَةِ عَنْ يَمِيْنِ الطَّرِيْقِ وَوِجَاهَ الطَّرِيْقِ فِيْ مَكَانٍ بَطِحٍ
سَهْلٍ حَتّٰى يُفْضِيَ مِنْ أَكَمَةٍ دُوَيْنَ بَرِيْدِ الرُّوَيْثَةِ بِمِيْلَيْنِ وَقَدِ انْكَسَرَ أَعْلَاهَا فَانْثَنٰى فِيْ
جَوْفِهَا وَهِيَ قَائِمَةٌ عَلٰى سَاقٍ وَفِيْ سَاقِهَا كُثُبٌ كَثِيْرَةٌ وَأَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ حَدَّثَهُ
أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلّٰى فِيْ طَرَفِ تَلْعَةٍ مِنْ وَرَاءِ الْعَرْجِ وَأَنْتَ ذَاهِبٌ
إِلٰى هَضْبَةٍ عِنْدَ ذٰلِكَ الْمَسْجِدِ قَبْرَانِ أَوْ ثَلَاثَةٌ عَلَى الْقُبُوْرِ رَضَمٌ مِنْ حِجَارَةٍ عَنْ
يَمِيْنِ الطَّرِيْقِ عِنْدَ سَلَمَاتِ الطَّرِيْقِ بَيْنَ أُوْلٰئِكَ السَّلَمَاتِ كَانَ عَبْدُ اللّٰهِ يَرُوْحُ مِنَ
الْعَرْجِ بَعْدَ أَنْ تَمِيْلَ الشَّمْسُ بِالْهَاجِرَةِ فَيُصَلِّي الظُّهْرَ فِيْ ذٰلِكَ الْمَسْجِدِ وَأَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ
بْنَ عُمَرَ حَدَّثَهُ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَزَلَ عِنْدَ سَرَحَاتٍ عَنْ يَسَارِ
الطَّرِيْقِ فِيْ مَسِيْلٍ دُوْنَ هَرْشٰى بَيْنَهُ وَبَيْنَ الطَّرِيْقِ قَرِيْبٌ مِنْ غَلْوَةٍ وَكَانَ عَبْدُ اللّٰهِ
بْنُ عُمَرَ يُصَلِّيْ إِلٰى سَرْحَةٍ هِيَ أَقْرَبُ السَّرَحَاتِ إِلَى الطَّرِيْقِ وَهِيَ أَطْوَلُهُنَّ وَأَنَّ
عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ حَدَّثَهُ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَنْزِلُ فِي الْمَسِيْلِ الَّذِيْ
فِيْ أَدْنٰى مِنَ الظَّهْرَانِ قِبَلَ الْمَدِيْنَةِ حِيْنَ تَهْبِطُ مِنَ الصَّفْرَاوَاتِ تَنْزِلُ فِيْ بَطْنِ ذٰلِكَ
الْمَسِيْلِ عَنْ يَسَارِ الطَّرِيْقِ وَأَنْتَ ذَاهِبٌ إِلٰى مَكَّةَ لَيْسَ بَيْنَ مَنْزِلِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَبَيْنَ الطَّرِيْقِ إِلَّا رَمْيَةٌ بِحَجَرٍ وَأَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ حَدَّثَنَا أَنَّ النَّبِيَّ

۶۹/۲

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَنْزِلُ بِذِي طُوًى وَيَبِيتُ حَتَّى يُصْبِحَ يُصَلِّي الصُّبْحَ حِينَ يَقْدَمُ مَكَّةَ وَمُصَلّٰى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذٰلِكَ عَلٰى اَكَمَةٍ غَلِيظَةٍ لَيْسَ فِي الْمَسْجِدِ الَّذِي بُنِيَ ثَمَّهْ وَلٰكِنْ اَسْفَلَ مِنْ ذٰلِكَ عَلٰى اَكَمَةٍ غَلِيظَةٍ وَاَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ ابْنَ عُمَرَ حَدَّثَهُ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اسْتَقْبَلَ فُرْضَتَيِ الْجَبَلِ الَّذِي بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْجَبَلِ الطَّوِيلِ نَحْوَ الْكَعْبَةِ فَجَعَلَ الْمَسْجِدَ الَّذِي بُنِيَ ثَمَّ يَسَارَ الْمَسْجِدِ بِطَرَفِ الْاَكَمَةِ وَمُصَلَّى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَسْفَلَ مِنْهُ عَلَى الْاَكَمَةِ السَّوْدَاءِ تَدَعُ مِنَ الْاَكَمَةِ عَشْرَةَ اَذْرُعٍ اَوْ نَحْوَهَا ثُمَّ تُصَلِّي مُسْتَقْبِلَ الْفُرْضَتَيْنِ مِنَ الْجَبَلِ الَّذِي بَيْنَكَ وَبَيْنَ الْكَعْبَةِ (الحدیث)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر حضرت نافع کو خبر دیتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلعم جب عمرے کے لئے جاتے تو ذوالحلیفہ اور اپنے حج میں بھی جبکہ حج کے لئے جاتے اس کیکر کے درخت کے نیچے جو ذوالحلیفہ میں مسجد کی جگہ میں ہے۔ اور جب کسی غزوہ سے واپس تشریف لاتے اور اس راستہ میں ہوتے یا حج اور عمرہ سے واپس آتے تو لطن وادی میں اترتے اور جب لطن وادی سے باہر نکل کر ظاہر ہوتے تو اس کنکریلی زمین شرقی پر اونٹنی کو بٹھا دیتے جو وادی کے کنارے پر ہے۔ وہاں رات کے آخری حصہ میں آرام کرتے۔ یہاں تک کہ صبح کرتے، نہ اس مسجد کے پاس جو پتھروں پر ہے اور نہ ان ٹیلوں پر جن پر مسجد بنی ہے۔ اس جگہ ایک گہری وادی تھی جس کے پاس حضرت عبداللہ نماز پڑھتے تھے اس وادی کے اندر ریت کے ٹیلے ہیں جہاں پر جناب رسول اللہ صلعم نماز پڑھتے تھے اس جگہ پر سیلاب کنکریاں بہا کرلے آیا جس سے وہ مکان مٹ گیا جہاں حضرت عبداللہؓ نماز پڑھتے تھے اور عبداللہ بن عمرؓ ان میں بیان کرتے تھے کہ جناب نبی اکرم صلعم اس چھوٹی سی مسجد میں نماز پڑھی جو روحاء پہاڑ کی بلندی والی مسجد کے قریب ہے اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ اس مکان کو جانتے تھے جہاں جناب نبی کرم صلعم نے نماز پڑھی تھی فرماتے تھے اس جگہ دائیں جانب جہاں تم کھڑے ہو کر مسجد میں نماز پڑھو۔ اور یہ مسجد راستے کے دائیں جانب کنارے پر ہے جبکہ آپ مکہ کو جا رہے ہوں اس چھوٹی اور بڑی مسجد کے درمیان پتھر پھینکنے کی مقدار یا اس کے برابر ہے۔ اور ابن عمرؓ اس چھوٹے پہاڑ کی طرف نماز پڑھتے تھے۔ جو روحاء پہاڑ کے موڑ پر ہے اور اس چھوٹے پہاڑ کا کنارہ راستے کی جانب اس مسجد کے قریب پہنچتا ہے جو اس چھوٹے پہاڑ اور روحاء کے موڑ کے درمیان ہے۔ جبکہ آپ مکہ کو جا رہے ہوں اس جگہ ایک مسجد بن

چکی ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ اس مسجد میں نماز نہیں پڑھتے تھے۔ بلکہ اس مسجد کو اپنی بائیں طرف اور اپنے پیچھے
چھوڑ جاتے تھے اور خود عرق کی طرف اپنے آگے چل کر نماز پڑھتے اور حضرت عبد اللہ بن عمرؓ روحاء سے چل کر
ظہر کی نماز نہیں پڑھتے تھے، یہاں تک کہ اس مکان میں پہنچ کر ظہر پڑھتے تھے اور جب مکہ سے آتے اور اس
مکان سے صبح سے ایک گھڑی پہلے گذرتے یا سحری کے آخری وقت گذرتے تو یہاں اس وقت تک آرام کرتے
یہاں تک کہ صبح کی نماز ادا کرتے۔ اور حضرت عبد اللہ بن عمرؓ یہ بھی بیان کرتے تھے کہ جناب نبی اکرم صلعم
راستہ کی داہنی جانب رویثہ پہاڑ کے قریب بڑے بڑے عظیم درخت کے نیچے اترتے تھے اور راستے کے مقابل
اس مکان میں اترتے جو وسیع اور نرم ہے۔ یہاں تک کہ اس ٹیلے کے پاس پہنچے جو دو میل کے فاصلہ
پر رویثہ پہاڑ جہاں قاصد جا کر ٹھہرتے تھے اس کے قریب ہے جس کا اوپر والا حصہ ٹوٹ چکا ہے اور وہ
دوہرا ہو کر اس کے پیٹ میں گر گیا ہے، پہاڑ اپنی بنیاد پر کھڑا ہے۔ اور اس کی بنیاد میں بہت سے ریت
کے ٹیلے ہیں اور عبد اللہ بن عمرؓ یہ بھی بیان کرتے تھے کہ جناب اکرم صلعم نے عرج بستی کے پیچھے ٹیلے کے کنارے
نماز پڑھی جبکہ آپ اس پہاڑ کی طرف جا رہے ہوں جو زمین پر پھیلا ہوا ہے۔ اس مسجد کے پاس دو یا تین
قبریں ہیں، اور قبروں کے اوپر بڑے بڑے پتھر ہیں، راستے کے دائیں جانب جہاں راستے کے بڑے بڑے
درخت ہیں، ان درختوں کے درمیان حضرت عبد اللہ عرج بستی سے چلتے تھے۔ جبکہ دوپہر کے بعد سورج ڈھلتا تھا
تو وہ اس مسجد میں آکر ظہر کی نماز پڑھتے تھے اور یہ بھی حضرت عبد اللہ رضؓ نے بیان فرمایا کہ جناب رسول اللہ صلعم
ہرشی پہاڑ کے قریب جہاں پانی کی گذرگاہ ہے، راستے کے بائیں جانب بڑے بڑے درختوں کے پاس اترتے
تھے اور یہ پانی کی گذرگاہ ہرشی پہاڑ کے کنارہ سے ملی ہوئی ہے، راستے اور اس کے درمیان تیر کے پہنچنے کی مقدار
کے قریب ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عمر ان درختوں میں سے جو درخت راستے کے قریب ہے وہاں نماز پڑھتے
تھے۔ یہ درخت ان درختوں سے لمبا ہے اور حضرت عبد اللہ بن عمر یہ بھی بیان فرماتے تھے کہ جناب نبی اکرم صلعم
اس پانی کی گذرگاہ پر اترتے تھے جو مر الظہران کے قریب ہے۔ مدینہ کی طرف جبکہ ان پہاڑوں یا وادیوں
سے نیچے اترتے تھے تو اس پانی کی گذرگاہ جو راستے کے بائیں جانب ہے، جبکہ آپ مکہ کی طرف جا رہے ہوں
اترا کرتے تھے۔ آپ کی منزل اور راستے کے درمیان پتھر کے پھینکنے کی مسافت کے برابر ہے اور حضرت
عبد اللہ بن عمرؓ نے یہ بھی بیان کیا کہ جناب نبی اکرم صلعم جب ذی طوٰی میں اترتے تو رات وہاں پر بسر کرتے
یہاں تک کہ جب صبح ہوتی تو فجر کی نماز ادا کرتے جبکہ آپ مکہ کو آ رہے ہوتے۔ جناب رسول اللہ صلعم کے نماز

پڑھنے کی یہ جگہ ایک بہت بڑے ٹیلے پر ہے اس مسجد میں نہیں جہاں اب مسجد بنی ہوئی ہے۔ لیکن اس کے نیچے بڑے ٹیلے پر ہے۔ اور عبداللہ بن عمرؓ یہ بھی بیان کرتے تھے۔ کہ جناب نبی اکرم صلعم اس پہاڑ کے راستے کو سامنے رکھتے تھے جو اس پہاڑ اور کعبہ کی طرف جو لمبا پہاڑ ہے اس کے درمیان ہے تو نافع فرماتے ہیں حضرت عبداللہ بن عمر اس مسجد کو جو اس جگہ بنائی گئی ہے۔ اس مسجد کے بائیں جانب قرار دیتے تھے جو ٹیلے کے کنارے پر ہے۔ جناب نبی اکرم صلعم کے نماز پڑھنے کی جگہ اس کے نیچے کالے پتھروں والے ٹیلے کو دس گز یا اس کے مثل چھوڑ کر پھر تو ان پہاڑی راستوں کو سامنے رکھ کر نماز پڑھے جو راستے اس پہاڑ کے ہیں جو تیرے اور کعبہ کے درمیان ہے۔

تشریح از شیخ مدنیؒ۔ سمرہ کانٹے دار درخت کو کہتے ہیں اکثر اس کا اطلاق ببول کے درخت پر ہوتا ہے جسے ام غیلان بھی کہتے ہیں جہاں غول بیابان رہا کرتے ہیں یعنی ارواحِ خبیثہ جن کو اکثر قبول نہیں کیا جاتا تھا بلکہ ان کو رد کر دیا جاتا تھا بعض نے کہا غول بیابان ایک وہمی چیز ہے۔ بطحاء وہ وادی جہاں پر سنگریزے کثرت سے پھیلے ہوئے ہوں تنفیر بھی کنارہ خلیج بھی دریا۔ یا سمندر کے کنارے کوئی گڑھا پڑ جائے قلعہ وہ اونچی زمین جو وادی سے اوپر ہو۔ اور پہاڑ سے نیچے ہو۔ اس لئے کبھی اسے ارض مرتفعہ کہا جاتا ہے اور کبھی ارض منخفضہ کہتے ہیں۔ دونو حیثیتوں کا لحاظ کرکے بولتے ہیں۔ ھرشیٰ پہاڑ کی گھاٹی کا نام ہے۔ سرحۃ درخت کو کہتے ہیں۔ کراع حقیقت میں ذوات القوائم کے پیر کو کہتے ہیں۔ مگر یہاں پہاڑ کا سلسلہ یا وادی کا سلسلہ اگر لمبا ہو جائے تو اسے کراع کہتے ہیں۔ غلوۃ یعنی رمیۃ السہم صفوات جمع صفراء کی اس کا اطلاق پہاڑ اور وادی دونو پر آتا ہے۔ فی ضفۃ الجبل ای مراحل والطریق فی الجبل قد دفن المکان الذی کان عبداللہ یصلی فیہ ہاں اس کی محاذات باقی رہ گئی ہیں یہاں تک پہلی منزل ہو گئی۔ ان عبداللہ بن عمرؓ نافع نے یہ جملہ آٹھ جگہ ذکر کرکے آٹھ منزلیں گنوائی ہیں من بطن واد اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہاں نزول فرماتے تھے بلکہ نیچے اترنے کے معنی میں چلتے ہوتے فی جانبہ السیل بالبطحاء پس ردتے اس میں کنکریاں لا کر ڈال دیں۔ اور قاعدہ یہ ہے کہ جب رَد چلتی ہے کہ کوڑا کرکٹ اور ریت ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہو جاتا ہے دوسری جگہ سے تیسری جگہ وانت ذاھب دفی مکۃ اس جملہ کی قید اس لئے لگائی کہ ان اثنا میں دایاں بایاں اضافی ہے بینہ و بین المسجد رمیۃ بحجر الخ چونکہ ان حضرات کے ہاں تیر اندازی کا شغلہ تھا۔ نشانہ بازی ان کا کھیل تھا اس لئے انہیں ایک مقدار بعد کی معلوم تھی

اس لئے کہیں تو رمیثۃ الحجر کہہ دیا۔ اور کہیں رمیثۃ بسہم بول کر ایک خاص مقدار مراد لیتے تھے۔ العرق چھوٹی سی پہاڑی سخت سرحۃ ضخمۃ سرحۃ بڑے موٹے اور چوڑے درخت کو کہتے ہیں ضخمہ سے اس کی تاکید کر دی کان یتحدث عن یسار دولانہ یعنی اس مسجد کو بائیں جانب چھوڑتے تھے اور اس سے آگے بڑھ کر پھر پڑھتے تھے۔ وافت ذاھب الی ھضبۃ۔ ھضبہ اس پہاڑی کو کہتے ہیں جو اونچی نہ ہو رضم من حجارۃ چھوٹے چھوٹے سفید پتھروں کو رضم کہتے ہیں۔ عند سلمات الطریق راستہ کے کیکروں کے پاس۔ ھرشی ایک جگہ کا نام ہے بکراع ہرشی ای بطرفہ مر الظہران بھی جگہ کا نام ہے، عرب کا پہلے زمانہ میں یہ دستور تھا کہ اگر منزل بڑی ہوتی۔ تو ظہر کی نماز پڑھ کر چلتے ورنہ عصر کی نماز کے بعد چلتے تھے اور صبح سے دوپہر تک کسی جگہ آرام کر لیا کرتے تھے اور مکہ سے مدینہ کا سفر تقریباً دس بارہ دن کا ہے درمیان میں آٹھ منزلیں ہوتی تھیں۔ ان مقامات پر جو حضور انور صلعم نے نمازیں پڑھی ہیں وہ حجۃ الوداع کے موقعہ پر پڑھی ہیں۔ اب اس میں اختلاف ہے کہ حضور انورؐ مدینہ سے کب چلے۔ چوبیس پچیس یا چھبیس ذیقعدہ میری رائے یہ ہے کہ آپؐ شنبہ کے دن چلے ہیں اور چھبیس ذیقعدہ تھی۔ اگر مہینہ تیس ۳۰ کا ہے اور پچیس ذیقعدہ تھی اگر مہینہ انتیس کا ہے۔ یہ اس لئے کہ اس پر سب کا اتفاق ہے کہ آپ چار ذی الحجہ بروز اتوار چاشت کے وقت مکہ کے اندر داخل ہوئے اور مدینہ سے مکہ تک کل آٹھ منزلیں ہیں تو گویا درمیان میں آٹھ دن لگے ہیں، یعنی شنبہ سے شنبہ تک اور یکشنبہ کی چاشت کو آپؐ مکہ میں داخل ہوئے۔ اور بجائے جمعہ کے شنبہ میں نے اس لئے اختیار کیا کہ روایت کے اندر آتا ہے کہ جب حضور صلعم تشریف لے چلے تو ظہر کی نماز مدینہ میں چار رکعات ادا فرمائی۔ اور عصر کی نماز دو رکعت ذوالحلیفہ میں پڑھی۔ اگر جمعہ کا دن ہوتا تو چار رکعات ظہر کی کیسے ہو سکتی ہے۔ بطن کے معنی پست زمین علو اونچی زمین بطحا، کنکریلی زمین کثیب رملۃ کے ٹیلے شرف الروحاء یہ دوسری منزل ہے۔ پہلی منزل ذوالحلیفہ ہے۔ حافہ یعنی کنارہ رمیثۃ بحجر ایک پتھر پھینکنے کی مقدار العرق چھوٹی پہاڑی۔ منصرف موڑ دو ثنیہ تیسری منزل کا نام ہے سرحۃ بہت بڑا کیکر کا درخت وجاہ مقابلہ۔ بطح ہموار وسیع بین یدی الی وثنیہ رویثہ میں ڈاک گھر عرج چوتھی منزل کا نام ہے۔ قلعہ چھوٹا ٹیلہ ھضبۃ عرج کے قریب چھوٹا سا گاؤں رضم بڑے بڑے پتھر سلمات کیکر کے درخت سلمہ کی جمع ہے۔ ھرشی پانچویں منزل کا نام ہے۔ مسیل یعنی رو جس میں بارش کا پانی چلتا ہے کراع کنارہ۔ غلوۃ ایک تیر پھینکنے کی مسافت کے برابر مر الظہران چھٹی منزل

کا نام ہے۔ صفادات صفرادۃ کی جمع ہے یعنی دادی۔ ذوالطوای مکہ سے ڈھائی تین میل کے فاصلہ پر چھوٹی منزل کا نام ہے۔

باب سُتْرَۃُ الْاِمَامِ سُتْرَۃُ مَنْ خَلْفَہٗ۔

ترجمہ:۔ امام کا سترہ اوران لوگوں کا سترہ جو امام کے پیچھے ہیں۔

حدیث نمبر ۴۶۳ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰہِ بْنُ یُوْسُفَ الخ اَنَّ عَبْدَ اللّٰہِ بْنَ عَبَّاسٍ قَالَ اَقْبَلْتُ رَاکِبًا عَلٰی حِمَارٍ اَتَانٍ وَّ اَنَا یَوْمَئِذٍ قَدْ نَاھَزْتُ الْاِحْتِلَامَ وَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یُصَلِّیْ بِالنَّاسِ بِمِنًی اِلٰی غَیْرِ جِدَارٍ فَمَرَرْتُ بَیْنَ یَدَیْ بَعْضِ الصَّفِّ فَنَزَلْتُ وَ اَرْسَلْتُ الْاَتَانَ تَرْتَعُ وَ دَخَلْتُ فِی الصَّفِّ فَلَمْ یُنْکِرْ ذٰلِکَ عَلَیَّ اَحَدٌ۔

ترجمہ:۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ میں گدھیا پر سوار ہو کر آیا جبکہ میں ان دنوں احتلام کے قریب تھا یعنی بالغ ہونے والا تھا۔ اور جناب رسول اللہ صلعم منیٰ میں بغیر کسی دیوار کے سامنے لوگوں کو نماز پڑھا رہے تھے تو میں بعض کے سامنے سے گذرا اتر کر گدھیا کو چرنے کے لئے چھوڑ دیا اور خود میں صف میں شامل ہو گیا کسی نے اس وجہ سے مجھ پر اعتراض نہ کیا۔

تشریح از شیخ مدنی:۔ جناب رسول اللہ صلعم کا ارشاد ہے کہ صحراء میں نمازی اپنے آگے سترہ کھڑا کرے۔ جو بین المصلی و بین الکعبۃ گذرے گا وہ گناہگار ہوگا۔ مگر یہ حکم ہر مصلی کے لئے نہیں ہے بلکہ امام کا سترہ مقتدیوں کے لئے کافی ہے اور جو شخص مقتدیوں کے آگے سے گذرے اور امام کے آگے سے نہ گذرے تو اس سے نہ امام کی نماز میں خلل آئے گا اور نہ ہی مقتدیوں کی نماز میں ضرر ہوگا۔ چنانچہ روایت ابن عباسؓ اس پر دلالت کرتی ہے کہ وہ خود بھی نمازیوں کے آگے سے گذرے اور ان کی گدھیا بھی آگے سے گذری مگر کسی نے ان پر نکیر نہ کیا۔ حالانکہ مار بین یدی المصلی گناہ کا ارتکاب کرتا ہے۔ تو معلوم ہوا کہ سترہ الامام سترہ من خلفہ ہے۔ اس کو آثار سے ثابت کیا حالانکہ کوئی صراحت نہیں ہے۔ مگر قراءۃ الامام قراءۃ لہ میں جبکہ صراحت ہے وہاں سب کو مکھی چھینک جاتی ہے۔ امام بخاریؒ بھی اس مسئلہ میں امام صاحبؒ کا خلاف کرتے ہیں۔

تشریح از شیخ زکریا:۔ جب جماعت سے نماز ہو رہی ہو۔ تو صرف امام کے سامنے سترہ ہونا کافی ہے ہر شخص کے لئے مقتدیوں میں سے سترہ ہونا ضروری نہیں یہ اجماعی مسئلہ ہے لیکن اس میں اختلاف ہے۔ کہ سترۃ الامام سترۃ لمن خلفہ ہے یا امام کا سترہ تو وہ لکڑی ہے اور خود امام قوم کا سترہ ہے اس

میں علماء کے دو قول ہیں۔ یصلی بالناس بمنٰی الی غیر جدار روایت گذر چکی اس کے مطلب میں اختلاف ہے۔ بعض علماء کی رائے ہے کہ بالکل سترہ نہیں تھا۔ چنانچہ بیہقی نے اس روایت پر ترجمہ باندھا ہے باب الصلوٰۃ بمنی من غیر سترۃ اور دوسرا قول یہ ہے کہ سترہ تو تھا مگر جدار نہیں تھی۔ یہی امام بخاریؒ کی روایت ہے۔ فمررت بین یدی بعض الصف کیونکہ سترۃ الامام لسترۃ لمن خلفہ ہے امام بخاریؒ نے اس قول کو ترجیح دی ہے کہ سترۃ الامام سترۃ لمن خلفہ ہے۔ فلم ینکر ذالک علی احد اس کا مطلب یہ ہے کہ جو لوگ کہتے ہیں۔ حمار، کلب اور عورت قطع صلوٰۃ کا سبب ہوتے ہیں۔ یہ درست نہیں ہے میں نے گدھی چھوڑ دی۔ وہ چرتی رہی کسی نے نکیر نہیں کی۔ اب اگر سترہ تھا تو پھر استدلال نہیں ہو سکتا۔ اگر نہیں تھا جیسے کہ بیہقی وغیرہ کی رائے ہے تو پھر واضح ہے۔

حدیث نمبر ۴۶۴ حَدَّثَنَا اِسْحٰقُ الخ عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ اِذَا خَرَجَ يَوْمَ الْعِيْدِ اَمَرَ بِالْحَرْبَةِ فَتُوْضَعُ بَيْنَ يَدَيْهِ فَيُصَلِّيْ اِلَيْهَا وَالنَّاسُ وَرَآءَهٗ وَكَانَ يَفْعَلُ ذٰلِكَ فِي السَّفَرِ فَمِنْ ثَمَّ اتَّخَذَهَا الْاُمَرَآءُ (الحدیث)

ترجمہ۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلعم جب عید کے دن باہر تشریف لاتے تو ایک چھوٹے نیزے کے متعلق حکم دیتے جو آپؐ کے سامنے رکھا جاتا آپؐ اس کی طرف منہ کرکے نماز پڑھتے اور لوگ آپؐ کے پیچھے ہوتے تھے اور یہ کام آپؐ سفر میں کرتے تھے اسی وجہ سے امراء ملک نے نیزہ رکھنے کو معمول بنا لیا۔

تشریح از شیخ زکریاؒ امر بالحربۃ اس سے امام کے لئے سترہ ثابت ہوا۔ لوگوں کے لئے سترہ نہیں رکھا گیا۔ اگر رکھا جاتا تو اس کا ذکر ضرور ہوتا۔ جب ذکر نہیں کیا تو معلوم ہوا کہ امام کا سترہ مقتدیوں کا سترہ ہے۔ فمن ثم اتخذھا الامراء یعنی حضور اقدس صلعم کے ساتھ تو اس غرض سے ہوتا تھا کہ اگر نماز کے لئے ضرورت ہو اور کوئی سترہ نہ ہو تو نیزہ کو گاڑ کر سترہ بنالیں۔ کہیں استنجاء کی ضرورت ہو تو زمین نرم کرلیں۔ ڈھیلے توڑ لیں مگر اس کو اصل قرار دے کر ان امراء نے اختیار کیا کہ حضور صلعم کے زمانے میں نیزہ لے کر چلتے تھے۔ اور امراء سے مراد امراء بنوامیہ ہیں خلفاء راشدین مراد نہیں اور یہ نکیر فرماتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ بہت سی باتوں کی اصل ہوتی ہے۔ مگر اس میں افراط کی بنا پر سداً للباب علماء منع فرما دیتے ہیں کہ ابتداء میں وہ باتیں عارضی ہوتی ہیں۔ اور پھر لوگ اس کو معلوم نہیں کس حد تک پہنچا دیتے ہیں الحاصل

امام بخاریؒ کی اصول موضوعہ میں سے ہے کہ جب کوئی روایت غیر بخاری کی ہو. لیکن مضمون اس کا صحیح ہو تو ان مضامین کی تقویت کرتے ہیں اور جن روایات کے مضامین درست نہ ہوں ان پر رد کرتے چلتے ہیں. باب کی روایت ابوداؤد کی ہے. اور اسی روایت کا مضمون ان کے نزدیک صحیح ہے. لہٰذا اس کی تقویت کے لئے دوسری حدیث ذکر فرمادی اور اس حدیث کو ترجمۃ الباب بنا دیا. اس میں اختلاف ہے کہ جو سترہ امام کے لئے ہوتا ہے. وہی سترہ مقتدیوں کے لئے بھی ہوتا ہے. یا مقتدیوں کا سترہ امام ہے. اس میں دونوں قول ہیں. امام بخاریؒ نے اس باب سے بتلا دیا. کہ مقتدیوں کا سترہ وہی ہے جو امام کا ہے. نہ کہ خود امام سترہ ہے. اس اختلاف کا ثمرہ یہ نکلے گا کہ اگر امام اور اس کے سترہ کے درمیان کوئی چیز قاطع نکلے تو وہ امام کے لئے مضر ہوگی. مقتدیوں کے لئے مضر نہیں کیونکہ مقتدیوں کا سترہ تو خود امام ہے. اگر امام اور مقتدی کے درمیان سے گذرے تو مقتدیوں کے لئے مضر ہوگا. اور امام کی نماز صحیح ہوگی. بمنیٰ الی غیر جدار مسلم شریف میں بجائے منیٰ کے عرفہ واقع ہے. علامہ نوویؒ نے فرمایا ہے کہ تعدد واقعہ پر محمول ہے اس پر حافظ نے نکیر فرمائی ہے کہ واقعہ ایک ہی ہے. اور روایات مشہورہ کے اندر صرف منیٰ واقع ہوا ہے. لہٰذا یہی صحیح ہے اور عرفہ شاذ ہے. مصنفؒ نے باب باندھ کر تبلا دیا کہ حضور علیہ السلام نے منیٰ کے اندر جدار کے علاوہ کسی اور شیٔ کو سترہ بنا کر نماز پڑھی اور یہی معنی راجح ہیں فمن ثم اتخذھا الامراء یہ ایک خاص واقعہ کی طرف اشارہ ہے کہ یہیں سے بادشاہوں نے بنا لیا. اب جو بدعتوں کی موجودہ خرافات ہیں ان کی ابتداء اور اصل بہت اچھی ہوتی ہے. لیکن پھر بعد میں ناجائز اور حرام باتیں اس میں داخل ہوجاتی ہیں ان زیادتیوں کی وجہ سے ناجائز کہنا پڑتا ہے. عرس کی اصل یہ ہے کہ جب کوئی شیخ مرجاتا تھا تو اس کے سب مرید آپس میں ملاقات کے لئے شیخ کی تاریخ وفات پر ایک جگہ جمع ہو جایا کرتے تھے. کیونکہ یہ تاریخ انتقال سب کو معلوم ہوتی ہے. لیکن اب بعد میں ان میں زوائد داخل ہو گئے. جیسے رقص و سرود. میلہ ٹھیلہ وغیرہ اس لئے ناجائز ہے

حدیث نمبر ۴۶۵ حَدَّثَنَا اٰبُو الْوَلِیْدِ الخ قَالَ سَمِعْتُ اَبِیْ یَقُوْلُ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ صَلّٰی بِھِمْ بِالْبَطْحَاءِ وَبَیْنَ یَدَیْہِ عَنَزَۃٌ اَلظُّھْرَ رَکْعَتَیْنِ وَالْعَصْرَ رَکْعَتَیْنِ تَمُرُّ بَیْنَ یَدَیْہِ الْمَرْاَۃُ وَالْحِمَارُ۔

ترجمہ:۔ حضرت عون فرماتے ہیں میں نے اپنے باپ ابو جحیفہ سے سنا وہ فرماتے تھے کہ جناب

نبی کریم صلعم نے بطحاً میں ان کو نماز پڑھائی جبکہ آپ کے سامنے نوکدار لاٹھی تھی۔ ظہر کی دو رکعتیں اور عصر کی بھی دو رکعتیں پڑھائیں۔ آپ کے سامنے سے عورت اور گدھا گذرتے تھے جس سے نماز میں کوئی خلل نہیں آتا تھا۔

باب قَدْرِ كَمْ يَنْبَغِي أَنْ يَكُوْنَ بَيْنَ الْمُصَلِّي وَالسُّتْرَةِ۔

ترجمہ:۔ نمازی اور سترہ کے درمیان کس قدر فاصلہ مناسب ہے۔

حدیث نمبر ۴۶۶ حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ زُرَارَةَ الخ عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ كَانَ بَيْنَ مُصَلَّى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ بَيْنَ الْجِدَارِ مَمَرُّ الشَّاةِ (الحدیث)

ترجمہ:۔ حضرت سہل بن سعد رض فرماتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلعم کی جائے نماز اور دیوار کے درمیان بکری کے گزرنے کی جگہ کا فاصلہ ہوتا تھا

تشریح از شیخ مدنی۔ کان بین مصلّی رسول اللہ الخ یہ مسجد نبوی کا واقعہ ہے۔ مصلّی رسول اللہ سے پیر رکھنے کی جگہ مراد ہے تو اس کے اور جدار کے درمیان ممرالشاۃ تھا۔ مگر اتنی جگہ میں سجدہ نہیں ہو سکتا۔ تو کہا جائے گا کہ مصلّی رسول اللہ سے پیر رکھنے کی جگہ مراد نہیں بلکہ سجدہ کرنے کی جگہ مراد ہے اور دوسری توجیہ یہ ہے کہ ممرشاۃ طولاً مراد ہے۔ اس کے لئے جگہ بہت چاہیئے۔ ممرالشاۃ عرضاً مراد نہیں۔

تشریح از شیخ زکریا۔ مصلّی اسم فاعل من التفعیل اور اسم ظرف منہ پڑھا گیا ہے۔ چونکہ سترہ نماز پڑھنے والوں اور گذرنے والوں دونوں کی سہولت کے لئے ہوتا ہے۔ اس لئے نمازی کو سترہ سے بہت دور نہ کھڑا ہونا چاہیئے۔ بلکہ قریب کھڑا ہونا چاہیئے۔ اب مقدار کیا ہو۔ اس کو امام بخاریؒ بیان فرماتے ہیں۔ میں نے کہا کہ مصلّی اسم فاعل اور مصلّی اسم ظرف دونو پڑھے گئے ہیں۔ تو جمہور تو اس کو علی بناء الظرف پڑھتے ہیں۔ اور ان کے نزدیک مطلب یہ ہے کہ نماز پڑھنے کی جگہ اور سترہ کے درمیان کتنا فاصلہ ہونا چاہیئے۔ اور مالکیہ اس کو فاعل کے وزن پر پڑھتے ہیں۔ اور ان کے نزدیک مطلب یہ ہے کہ نماز پڑھنے والے کے درمیان اور سترہ کے درمیان کتنا فصل ہونا چاہیئے جمہور کے نزدیک چونکہ اسم ظرف ہے۔ اس لئے روایت سے معلوم ہوا کہ جتنی دور کے اندر مصلی سجدہ کرتا ہے۔ اس کو چھوڑ کے پھر ایک ممر شاہ ہونا چاہیئے۔ اور مالکیہ کے نزدیک نمازی اور سترہ کے درمیان ممر شاۃ کا فاصلہ ہونا چاہیئے۔ اب سجدہ کیسے کرے۔ وہ فرماتے ہیں کہ سجدہ کے وقت پیچھے ہٹ جائے جیسے حضور صلعم سجدہ کرنے کے لئے منبر سے نیچے اترے تھے۔ باب کے اندر جو لفظ مصلّی ہے۔ جمہور نے اسے اسم ظرف پڑھا ہے مالکیہ نے اسم فاعل لیکن جو روایت اس باب میں آرہی ہے

وہ اسم فاعل کے صیغہ کا احتمال نہیں رکھتی۔ کیونکہ وہاں اضافت کے ساتھ ہے مصلی رسول اللہ الخ اس سے معلوم ہوا کہ ترجمۃ الباب کے اندر بھی اسم ظرف ہے تو گویا اب باب کے ذریعہ مالکیہ پر رد فرما دیا۔

حدیث نمبر ۴۶۷ حَدَّثَنَا الْمَكِّيُّ بْنُ إِبْرَاهِيمَ الخ قَالَ كَانَ جِدَارُ الْمَسْجِدِ عِنْدَ الْمِنْبَرِ مَا كَادَتِ الشَّاةُ تَجُوزُهَا (الحدیث)

ترجمہ :- حضرت سلمہ رض فرماتے ہیں کہ مسجد کی دیوار منبر کے پاس تھی جس سے بکری مشکل سے گذر سکتی تھی۔

باب الصَّلٰوةِ إِلَى الْحَرْبَةِ۔

ترجمہ :- چھوٹے نیزے کی طرف نماز پڑھنا۔

حدیث نمبر ۴۶۸ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ الخ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُرْكَزُ لَهُ الْحَرْبَةُ فَيُصَلِّي إِلَيْهَا۔

ترجمہ۔ حضرت عبد اللہ بن عمر رض سے مروی ہے کہ جناب نبی اکرم صلعم کے لئے چھوٹا نیزہ گاڑا جاتا جس کی طرف منہ کرکے آپ نماز پڑھتے تھے۔

تشریح از شیخ مدنی رح۔ عنزہ اور حربہ عام نیزوں سے چھوٹے ہوتے ہیں۔ البتہ بعض کے نزدیک عنزہ کی بھال چوڑی ہوتی ہے اور حربہ کی پتلی۔

تشریح از شیخ زکریا۔ امام بخاری رح نے دو باب باندھے ہیں۔ ایک صلوٰۃ الی الحربہ اور دوسرا صلوٰۃ الی العنزہ کا میرے والد صاحب کی رائے ہے کہ بعض اقوام چونکہ ہتھیاروں کی پرستش کرتے ہیں اس لئے اس سے شبہ ہوتا تھا کہ ہتھیاروں کا سترہ بنانا ان کی طرف نماز پڑھنا صحیح نہ ہو جیسے کہ احناف رح کے نزدیک آگ کی طرف منہ کرکے نماز پڑھنا ممنوع ہے۔ تو حضرت امام بخاری رح نے اس کا جواز ثابت فرما دیا۔

باب الصَّلٰوةِ إِلَى الْعَنَزَةِ

ترجمہ :- چھوٹے نیزے کی طرف نماز پڑھنا

حدیث نمبر ۴۶۹ حَدَّثَنَا آدَمُ الخ قَالَ سَمِعْتُ أَبِي قَالَ خَرَجَ عَلَيْنَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْهَاجِرَةِ فَأُتِيَ بِوَضُوْءٍ فَتَوَضَّأَ فَصَلَّى بِنَا الظُّهْرَ وَالْعَصْرَ وَبَيْنَ يَدَيْهِ عَنَزَةٌ وَالْمَرْأَةُ وَالْحِمَارُ يَمُرُّوْنَ مِنْ وَرَائِهَا (الحدیث)

ترجمہ :- حضرت عون فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے باپ ابو جحیفہ رض سے سنا فرماتے تھے کہ دوپہر

کے وقت جناب نبی اکرم صلعم ہماری طرف باہر تشریف لائے پانی لایا گیا۔ آپؐ نے وضو فرمایا۔ اور ہمیں ظہر اور عصر کی نماز پڑھائی جبکہ آپؐ کے سامنے چھوٹا نیزہ تھا۔ عورت اور گدھا اس عنزہ کے پیچھے سے گذرتے تھے۔ نماز میں کوئی فرق نہیں آتا تھا۔

حدیث نمبر ۴۷۰ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ حَاتِمٍ الخ سَمِعْتُ اَنَسَ بْنَ مَالِكٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا خَرَجَ لِحَاجَتِهٖ تَبِعْتُهٗ اَنَا وَغُلَامٌ وَّمَعَنَا عُكَّازَةٌ اَوْ عَصًا اَوْ عَنَزَةٌ وَّمَعَنَا اِدَاوَةٌ فَاِذَا فَرَغَ مِنْ حَاجَتِهٖ نَاوَلْنَاهُ الْاِدَاوَةَ۔

ترجمہ:۔ حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلعم جب قضائے حاجت کے لئے باہر جاتے تھے تو میں اور ایک لڑکا آپؐ کے پیچھے پیچھے چلتے تھے۔ ہمارے ساتھ عکازہ یا عصا یا عنزہ ہوتا تھا۔ اور ایک پانی کی ڈلیا بھی ہوتی تھی۔ پس جب آپ حاجت سے فارغ ہوتے تو ہم آپؐ کو پانی کی ڈلیا دے دیتے تھے۔

تشریح از شیخ زکریاؒ۔ یہاں سوال یہ ہے کہ او شک کے لئے ہے اور جب شک ہوگیا تو ترجمہ کیسے ثابت ہوا۔ جواب یہ ہے کہ ان کی طرف منہ کرکے نماز پڑھتے تھے جب بھی تو ان اشیاءؐ کے درمیان شبہ ہوا۔ تو مطلوب ثابت ہوا اور میرے نزدیک او تنویع کے لئے ہے۔ کہ کبھی اس کی طرف کبھی اس کی طرف اب کوئی اشکال نہیں۔ مرتبہ چھوٹے نیزے کو کہتے ہیں۔ عنزہ ذرا اس سے بڑا ہوتا ہے اور عکازہ اس لکڑی کو کہتے ہیں جو چرواہے کے ساتھ رہتی ہے اور اس کے کونہ پر لوہے کا ایک پنجہ سا بنا ہوا ہوتا ہے۔ جس سے وہ درخت کے پتے اور شاخیں توڑتا ہے۔

باب السُّتْرَةِ بِمَكَّةَ وَغَيْرِهَا۔

ترجمہ:۔ مکہ اور غیر مکہ میں سترہ کا استحباب۔

حدیث نمبر ۴۷۱ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ الخ عَنْ اَبِيْ جُحَيْفَةَ قَالَ خَرَجَ عَلَيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْهَاجِرَةِ فَصَلّٰى بِالْبَطْحَاءِ الظُّهْرَ وَالْعَصْرَ رَكْعَتَيْنِ وَنَصَبَ بَيْنَ يَدَيْهِ عَنَزَةً وَتَوَضَّاَ فَجَعَلَ النَّاسُ يَتَمَسَّحُوْنَ بِوَضُوْئِهٖ

ترجمہ:۔ حضرت ابوجحیفہؓ فرماتے ہیں۔ کہ ایک دن دوپہر کے وقت جناب رسول اللہ صلعم ہمارے لئے باہر تشریف لائے تو بطحاء میں ہمیں ظہر اور عصر کی دو رکعتیں پڑھائیں۔ اور آپؐ کے ساتھ چھوٹا نیزہ

کھڑا کیا گیا تھا۔ اور آپؐ نے وضو فرمایا تو صحابہ کرام آپ کے وضو کے پانی کو تبرکاً بدن کو ملتے تھے۔

تشریح از شیخ مدنی رح۔ مکہ معظمہ میں طائفین کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے۔ اور طائفین کو مرور سے نہ روکا جائے گا۔ احناف رح اور شوافع رح کا اس مسئلہ پر اتفاق ہے۔ حالانکہ نمازی کے آگے گزرنے والے کو شیطان کہا گیا ہے اور اس کے دفع کرنے کا حکم ہے۔ دفع کے معنی بعض شوافع حقیقی لیتے ہیں مگر احناف رح اشارہ مراد لیتے ہیں تو اگر طائفین کو روکا جائے تو اتنی بڑی جماعت کو کیسے روکا جا سکتا ہے اس لئے ضرورت کی بنا پر احناف رح اور شوافع رح نے طائفین کی تخصیص کر دی۔ اور ان کے لئے سترہ کے قائل نہ ہوتے اور بعض نے معنوی علۃ بیان کی ہے کہ طواف کی حالت مجنونانہ اور طور عقل سے نکل جاتا ہے اور مجنون پر کوئی تنگی نہیں اس لئے اس کے لئے سترہ کی کوئی ضرورت نہیں غیر مطاف میں میں سترہ۔ کھڑا کرنا بالاتفاق ضروری ہے۔ جیسے آپ نے بطحاء کے اندر سترہ کھڑا کیا۔

تشریح از شیخ زکریاؒ۔ ابوداؤد وغیرہ سنن کی روایت میں ہے کہ جناب رسول اللہ صلعم میں مطاف میں باب بنی سہم کے پاس نماز پڑھتے تھے اور طواف کرنے والے حضور صلعم کے سامنے طواف کرتے تھے اور آپؐ کے سامنے سترہ نہیں ہوتا تھا۔ اس روایت کی تخریج میں علماؔ کا اختلاف ہے۔ بعض کی رائے یہ ہے کہ مکہ میں بلا سترہ نماز پڑھنا جائز ہے۔ جیسا کہ عبدالرزاق نے اپنے مصنف میں باب باندھا ہے۔ اور یہی حنابلہ کا مذہب ہے۔ تو امام بخاریؒ نے اس پر رد فرما دیا۔ کہ اس سے یہ نہیں نکلتا کہ مکہ میں سترہ ضروری نہیں ہے بلکہ مکہ میں آپؐ نے بطحاؔ کے اندر سترہ کی طرف نماز پڑھائی ہے۔ اور بعض علماؔ کی رائے یہ ہے کہ چونکہ حدیث کے اندر ہے۔ الطواف بالبیت صلوٰۃ بیت اللہ کا طواف کرنا نماز ہے۔ لہٰذا طائفین کی جماعت ایسی ہے۔ جیسی نماز کی جماعت اس لئے وہ مضر نہیں تیسرا قول یہ ہے کہ حنفیہ رح کے نزدیک مسجد کبیر میں سترہ ہونے کی ضرورت نہیں اور مسجد کبیر کی مثال میں یہ حضرات مسجد مکہ اور مسجد مدینہ اور مسجد بیت المقدس کو پیش کرتے ہیں تو چونکہ یہاں مسجد کبیر تھی اس لئے سترہ کی ضرورت نہیں تھی۔

باب الصَّلٰوۃِ اِلَی الْاُسْطُوَانَۃِ

ترجمہ:۔ ستون کی طرف نماز پڑھنا

وَقَالَ عُمَرُ الْمُصَلُّوْنَ اَحَقُّ بِالسَّوَارِیْ مِنَ الْمُتَحَدِّثِیْنَ اِلَیْہَا وَرَاٰی ابْنُ عُمَرَ

رَجُلًا يُصَلِّي بَيْنَ اُسْطُوَانَتَيْنِ فَاَدْنَاهُ اِلٰى سَارِيَةٍ فَقَالَ صَلِّ اِلَيْهَا ۔ (الحدیث)

ترجمہ :۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ نمازی لوگ ستونوں کے زیادہ مقدار میں باتیں کرنے والوں سے اور ابن عمرؓ نے دو ستونوں کے درمیان ایک آدمی کو نماز پڑھتے دیکھا تو اسے ستون کے قریب کر دیا اور فرمایا کہ اس کی طرف نماز پڑھو۔

حدیث نمبر ۴۷۲ حَدَّثَنَا الْمَكِّيُّ بْنُ اِبْرَاهِيْمَ الخ قَالَ كُنْتُ اٰتِيْ مَعَ سَلَمَةَ بْنِ الْاَكْوَعِ فَيُصَلِّيْ عِنْدَ الْاُسْطُوَانَةِ الَّتِيْ عِنْدَ الْمُصْحَفِ فَقُلْتُ يَا اَبَا مُسْلِمٍ اَرَاكَ تَتَحَرَّى الصَّلٰوةَ عِنْدَ هٰذِهِ الْاُسْطُوَانَةِ قَالَ فَاِنِّيْ رَاَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَحَرَّى الصَّلٰوةَ عِنْدَهَا

ترجمہ :۔ حضرت یزید بن ابی عبیدؒ فرماتے ہیں کہ میں حضرت سلمہ بن الاکوعؓ کے ہمراہ آتا تھا۔ تو وہ اس ستون کے پاس نماز پڑھتے تھے جو مصحف کے پاس ہے۔ میں نے پوچھا اے ابومسلم! کیا وجہ ہے کہ میں آپ کو دیکھتا ہوں کہ اس ستون کے پاس نماز پڑھنے کی کوشش کرتے ہیں؟ انہوں نے فرمایا کہ میں نے جناب نبی اکرم صلعم کو اس ستون کے پاس نماز پڑھنے کی کوشش کرتے دیکھا ہے۔

تشریح از شیخ زکریاؒ۔ غرض یہ ہے کہ اگرچہ مسجد کے اندر سترہ کی ضرورت نہیں ہے۔ مگر اولیٰ یہ ہے کہ کسی ستون کے قریب پڑھے۔ کیونکہ اس سے نمازیوں کے نکلنے میں سہولت ہوگی اور یہ وجوب کا درجہ نہیں۔ الاسطوانۃ التی عند المصحف اس کا مطلب یہ ہے کہ جب حضرت عثمان غنیؓ نے اپنے زمانۂ خلافت میں نسخ مصاحف جمع کراتے تو مسجد نبوی میں ایک ستون کے پاس رکھ دیئے گئے تاکہ نماز پڑھنے والوں میں سے جس کا جی چاہے اس میں دیکھ کر پڑھے۔ تو اس ستون کو اسطوانۃ المصحف کہتے ہیں۔ اور بعض نے یہ کہہ دیا کہ حضورؐ نے اپنے زمانے میں مصحف رکھوائے تھے یہ غلط ہے۔

حدیث نمبر ۴۷۳ حَدَّثَنَا قَبِيْصَةُ الخ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ لَقَدْ اَدْرَكْتُ كِبَارَ اَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَبْتَدِرُوْنَ السَّوَارِيَ عِنْدَ الْمَغْرِبِ وَزَادَ شُعْبَةُ عَنْ عَمْرٍو عَنْ اَنَسٍ حَتّٰى يَخْرُجَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (الحدیث)

ترجمہ :۔ حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی اکرم صلعم کے بڑے بڑے صحابہ کرام کو پایا کہ وہ مغرب کی نماز کے وقت ستونوں کی طرف جلدی کرتے تھے تاکہ دو رکعت قبل المغرب پڑھ لیں۔ شعبہ کی روایت میں یہ زائد ہے۔ یہاں تک جناب نبی اکرم صلعم باہر تشریف لے آئیں۔

تشریح از شیخ زکریاؒ۔ اس پر کلام تو وہاں آئے گا جہاں صلوٰۃ بعد العصر کا ذکر آئے گا، یہاں صلوٰۃ الی السواری ثابت کرنا ہے۔ وہ ثابت ہے۔

باب الصَّلٰوةِ بَيْنَ السَّوَارِیْ فِیْ غَيْرِ جَمَاعَةٍ۔

ترجمہ:۔ بغیر جماعت کے ستونوں کے درمیان نماز پڑھنا کیسا ہے۔

حدیث نمبر ۴۷۴ حَدَّثَنَا مُوْسٰى بْنُ اِسْمَاعِيْلَ الخ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ دَخَلَ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْبَيْتَ وَاُسَامَةُ ابْنُ زَيْدٍ وَّعُثْمَانُ بْنُ طَلْحَةَ وَبِلَالٌ فَاَطَالَ ثُمَّ خَرَجَ وَكُنْتُ اَوَّلَ النَّاسِ دَخَلَ عَلٰى اَثَرِهٖ فَسَاَلْتُ بِلَالًا اَيْنَ صَلّٰى فَقَالَ بَيْنَ الْعَمُوْدَيْنِ الْمُقَدَّمَيْنِ (الحدیث)

ترجمہ:۔ حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ خانہ کعبہ میں جناب نبی اکرم صلعم۔ اسامہ بن زید عثمان بن طلحہ اور حضرت بلالؓ داخل ہوئے۔ آپ بڑی دیر تک اندر رہے پھر باہر تشریف لائے۔ تو میں لوگوں میں سے سب سے پہلا شخص تھا جو آپ کے نقش قدم پر داخل ہوا۔ تو میں نے حضرت بلالؓ سے پوچھا کہ آپ نے کہاں نماز پڑھی فرمایا ان اگلے دو ستونوں کے درمیان پڑھی۔

تشریح از شیخ زکریاؒ۔ اس میں اختلاف ہے کہ صلوٰۃ بین السواری مکروہ ہے یا جائز امام مالکؒ فرماتے ہیں مطلقاً مکروہ ہے۔ اور امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ امام کے لئے جائز ہے۔ مقتدیوں کے لئے مکروہ ہے ہاں اگر صف کے اندر کھڑے ہونے میں تنگی ہو تو جائز ہے اور حنفیہؒ کے نزدیک امام کے لئے مکروہ ہے اور منفرد اور جماعت کے لئے جائز ہے۔ شوافع کے نزدیک مطلقاً جائز ہے۔ امام بخاریؒ نے فی غیر جماعۃ کی قید لگائی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک اگر کوئی منفرداً نماز پڑھے تو اس کے لئے جائز ہے اور جماعت کے اندر اسواری (ستونوں) کے درمیان کھڑا ہونا مکروہ ہے اور غالباً اس کی وجہ سنن کی روایت ہے کہ حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ وقعنا بین السواری فتقدمنا و تاخرنا وکنا نتقی ھذا علی عھد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلعم کے زمانہ میں ہم اس سے بچا کرتے تھے۔ معلوم ہوا ایسا نہیں کرنا چاہئے تقدمنا و تاخرنا کے مختلف معنی ہیں۔ منجملہ ان کے یہ ہے کہ سواری میں ترتیب نہیں تھی۔ لہٰذا کوئی آگے ہو گیا۔ کوئی پیچھے ہو گیا۔ اور میرے نزدیک حضرت امام بخاریؒ کی غرض یہ ہے کہ حضرت عمرؓ کا اثر علی قول المحققین وھو نسیخہ

الحاشیہ یا حضرت بن عمرؓ کا اثر جو باب سابق میں گزرا ہے کہ انہوں نے ایک شخص کو بین الساریتین نماز پڑھتے دیکھا تو اس کو ساریہ کے نزدیک لا کر کھڑا کر دیا۔ اس سے بظاہر وہم ہوتا ہے کہ صلوٰۃ بین السواری جائز نہ ہو۔ تو امام بخاریؒ نے اس باب سے اس وہم کو دفع کر دیا۔ اور ممکن ہے کہ چونکہ صلوٰۃ بین السواری کے بارے میں روایات مختلف ہیں، بعض سے جواز معلوم ہوتا ہے۔ اور بعض سے ممانعت، تو امام بخاریؒ نے دونوں قسم کی روایات کے اندر جمع فرما کر بتلا دیا کہ ممانعت جماعت کی حالت پر محمول ہے۔ اور جواز کی روایت کا محمل انفراد کی حالت ہے۔

حدیث نمبر ۴۷۵ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوسُفَ الخ عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ الْكَعْبَةَ وَاُسَامَةُ بْنُ زَيْدٍ وَبِلَالٌ وَعُثْمَانُ ابْنُ طَلْحَةَ الْحَجَبِيُّ فَاَغْلَقَهَا عَلَيْهِ وَمَكَثَ فِيْهَا فَسَاَلْتُ بِلَالًا حِيْنَ خَرَجَ مَا صَنَعَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ جَعَلَ عَمُوْدًا عَنْ يَسَارِهٖ وَعَمُوْدًا عَنْ يَمِيْنِهٖ وَثَلٰثَةَ اَعْمِدَةٍ وَرَاءَهٗ وَكَانَ الْبَيْتُ يَوْمَئِذٍ عَلٰى سِتَّةِ اَعْمِدَةٍ ثُمَّ صَلّٰى وَقَالَ لَنَا اِسْمَاعِيْلُ حَدَّثَنِيْ مَالِكٌ فَقَالَ عَمُوْدَيْنِ عَنْ يَّمِيْنِهٖ (الحديث)

ترجمہ :- حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلعم کعبہ میں داخل ہوئے۔ حضرت اسامہ بن زید حضرت بلالؓ اور حضرت عثمانؓ بن طلحہ الحجبی بھی داخل ہوئے تو حضرت عثمان نے کعبہ آپ پر بند کر دیا۔ آپؐ کچھ دیر اس میں ٹھیرے جب باہر تشریف لائے تو میں نے حضرت بلالؓ سے پوچھا کہ آپؐ نبی اکرم صلعم نے اندر کیا کیا۔ تو انہوں نے فرمایا کہ ایک ستون کو بائیں جانب دوسرے ستون کو دائیں جانب اور تین ستون پیچھے رکھے۔ کعبہ ان دنوں چھ ستونوں پر قائم تھا۔ پھر آپؐ نے نماز پڑھی۔ اسماعیل فرماتے ہیں کہ حضرت امام مالکؒ نے مجھے بیان کیا کہ دو ستون دائیں جانب رکھے

تشریح از شیخ زکریاؒ۔ عمودین عن یمینہ اس بارے میں حضور اکرم صلعم نے کعبہ کے اندر کہاں نماز پڑھی۔ روایات مختلف ہیں۔ بعض کے اندر عمود بن عن یمینہ ہے اور بعض میں عمودین عن یسارہ ہے اور بعض کے اندر بین العمودین المقدمین ہے۔ محدثین کی رائے یہ ہے کہ روایات میں اضطراب ہے۔ مگر میرے والد صاحبؒ کی رائے یہ ہے کہ ان میں اضطراب نہیں بلکہ وجہ اس اختلاف کی یہ ہے کہ اس زمانہ میں بہت زیادہ تمدن تو تھا نہیں لہٰذا ستونوں کے اندر کوئی خاص ترتیب نہیں تھی۔ ایسا ہی تھا کہ

جیساکہ مسجد نبوی کے اندر کھجوروں کو اوپر سے کاٹ کر ستون کا کام لے لیا گیا تھا۔ کسی ستون کو آگے کھڑا کر دیا گیا اور کسی کو پیچھے اس طرح یہاں بھی تھا جس کی صورت یہ تھی [.] حضور اکرم صلعم بیچ میں جہاں نقطہ لگ رہا ہے جس کے نیچے ایک ہندسہ ہے کھڑے تھے تو یمین کے اعتبار سے عمودین عن یمینہ بھی ہو گیا۔ اور یسار کی بھی ہو گئی۔ اور اقدام کی بھی۔ اور اس میں روایات متفق ہیں کہ بیت اللہ چھ ستونوں پر قائم تھا۔
تفد منا وتاخرنا کا مطلب ابن ارسلان نے یہ بیان کیا ہے کہ یقینا مؤخرا یعنی ہم پیچھے کو ہو گئے۔ میرے والد صاحب فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ چونکہ وہاں عمود ہموار نہیں تھے اور سب ایک سیدھ میں نہیں تھے اس لئے ہم میں سے بعض مؤخر ہو گئے اور بعض نے متقدم ہو کر صف سیدھی کر لی۔ اور میرے نزدیک اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم میں سے بعض آگے کی صف میں اور بعض پیچھے والی صف میں کھڑے ہو گئے۔ غرضیکہ بین السارین نہیں کھڑے ہوئے آگے چل رہے کنا ننفی علی عہد رسول اللہ صلعم اس بنا پر امام مالکؒ کے نزدیک مکروہ ہے لیکن حنفیہ اور شافعیہ کے نزدیک مطلقاً جائز ہے اور یہ لوگ حضرت انسؓ کی روایت کا جواب یہ دیتے ہیں کہ وہ ان کا اپنا مسلک ہوگا یا اس وجہ سے کہ عمودین ہموار نہیں ہوتے تھے اور صف بندی نہیں ہو سکتی تھی اس لئے بچتے تھے۔ امام بخاریؒ کا میلان حنابلہ کی طرف ہے اس لئے فی غیر جماعۃ کی قید لگا دی۔

باب

حدیث نمبر ۴۷۶ حَدَّثَنَا اِبْرَاهِيْمُ بْنُ الْمُنْذِرِ الخ عَنْ نَافِعٍ اَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ كَانَ اِذَا دَخَلَ الْكَعْبَةَ مَشٰى قِبَلَ وَجْهِهٖ حِيْنَ يَدْخُلُ وَجَعَلَ الْبَابَ قِبَلَ ظَهْرِهٖ فَمَشٰى حَتّٰى يَكُوْنَ بَيْنَهٗ وَبَيْنَ الْجِدَارِ الَّذِيْ قِبَلَ وَجْهِهٖ قَرِيْبًا مِّنْ ثَلٰثَةِ اَذْرُعٍ صَلّٰى يَتَوَخَّى الْمَكَانَ الَّذِيْ اَخْبَرَهٗ بِهٖ بِلَالٌ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلّٰى فِيْهِ قَالَ وَلَيْسَ عَلٰى اَحَدِنَا بَاْسٌ اَنْ صَلّٰى فِيْ اَيِّ نَوَاحِي الْبَيْتِ شَاءَ (الحدیث)

ترجمہ:۔ حضرت نافعؒ سے مروی ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ جب کعبہ میں داخل ہوتے تھے تو جب داخل ہوتے تو اپنے سامنے چلے جاتے۔ اور دروازہ کو اپنی پیٹھ کے پیچھے کر لیتے اور یہاں تک چلے جاتے کہ ان کے درمیان اور اس دیوار کے درمیان جو آپ کے سامنے تھی۔ تین گز کا فاصلہ رہ جاتا وہاں نماز پڑھنے اس مکان کی کوشش کرتے جس کے متعلق حضرت بلالؓ نے ان کو بتلایا تھا کہ جناب نبی اکرم صلعم نے

وہاں نماز پڑھی تھی۔ اور فرماتے تھے کہ کسی پر تنگی نہیں ہے۔ بیت اللہ کے جس کنارے میں چاہے نماز پڑھ لے۔

تشریح از شیخ مدنیؒ: امام مالکؒ کعبہ کے اندر نماز فرض۔ نفل با لجماعۃ اور منفرداً سب کو مکروہ کہتے ہیں جمہور کے نزدیک جائز ہے۔ چنانچہ روایت باب سے ثابت ہے اس لئے اس باب کو باب سابق سے فصل کے طور پر لائے ہیں

تشریح از شیخ زکریاؒ: یہ باب بلا ترجمہ ہے جس کا فی الجملہ باب سابق سے تعلق ہوتا ہے۔ علامہ عینیؒ کی رائے یہ ہے کہ اس باب سے سواری کا اثبات بطریق التزام ثابت فرمایا ہے۔ اور حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ باب سابق میں حضور اقدس صلعم کے قیام فی الکعبہ کو باعتبار عمود کے بتلایا تھا اور یہاں سے قیام باعتبار مسافت کو بیان فرمارہے ہیں کہ دیوار سے تین گز بعد تھا اور میری رائے یہ ہے کہ روایت سابقہ میں گذرا ہے کہ حضور اقدس صلعم نے فلاں جگہ نماز پڑھی ہے اس سے بظاہر وہم ہوتا ہے کہ ممکن ہے اس مقام خاص کو کعبہ من حیث الکعبہ ہونے کے اندر کوئی خصوصیت ہو۔ تو امام بخاریؒ نے اس وہم کو دفع فرما دیا۔ اور دلیل میرے اس قول کی حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا وہ ارشاد ہے۔ جو اس باب کی روایت کے اخیر میں ہے کہ ہم میں سے کسی پر تنگی نہیں ہے۔ کعبہ کے جس کونے میں چاہے نماز پڑھے میرے والد صاحبؒ فرماتے ہیں کہ پہلے باب میں عمود بن کے درمیان نماز پڑھنے کی تصریح تھی اس باب میں عمود بن کی تصریح نہیں اگرچہ مراد وہی ہے۔ اس لئے دو نو حدیثوں کے درمیان فصل کے لئے باب بڑھا دیا۔ اور بعض مشائخ کی رائے ہے کہ اس روایت سے استبراک مقصود ہے جیسے ابن عمرؓ اس مقام مبارک کی تلاش کرتے تھے۔ حالانکہ کعبہ خود سب سے زیادہ بابرکت ہے۔

باب اَلصَّلٰوۃِ اِلَی الرَّاحِلَۃِ وَالْبَعِیْرِ وَالشَّجَرِ وَالرَّحْلِ۔

ترجمہ:۔ سواری۔ اونٹ درخت اور پالان کی طرف نماز پڑھنا۔

حدیث نمبر ۴۷۷ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ اَبِیْ بَکْرٍ الْمُقَدَّمِیُّ الْبَصْرِیُّ الخ عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنَّہٗ کَانَ یُعَرِّضُ رَاحِلَتَہٗ فَیُصَلِّیْ اِلَیْھَا قُلْتُ اَفَرَاَیْتَ اِذَا ھَبَّتِ الرِّکَابُ قَالَ کَانَ یَاْخُذُ الرَّحْلَ فَیُعَدِّلُہٗ فَیُصَلِّیْ اِلٰی اٰخِرَتِہٖ اَوْقَالَ مُؤَخِّرِہٖ وَکَانَ ابْنُ عُمَرَ یَفْعَلُہٗ (الحدیث)

ترجمہ:۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ جناب نبی اکرم صلعم سے روایت کرتے ہیں کہ جناب نبی اکرم صلعم

اپنی سواری کو چوڑائی میں بٹھا کر اس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے تھے۔ میں نے پوچھا بتلاؤ جب سواریاں چلی جاتی تھیں تو فرمایا کہ پالان کو لے کر اسے ٹھیک کر کے رکھ دیتے پھر اس کی آخری لکڑی کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے تھے۔ اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ بھی اسی طرح کرتے تھے۔

تشریح از شیخ زکریاؒ۔ اس سے امام بخاریؒ یہ مسئلہ بیان کرنا چاہتے ہیں کہ آیا حیوان کو سترہ بنانا جائز ہے یا نہیں حضرت امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کی رائے یہ ہے کہ مکروہ ہے اس لئے سترہ سے مقصود گذرنے والوں کی سہولت ہے۔ تو اس جانور کا کیا اعتبار جب چاہے چل دے اور جمہور کی رائے یہ ہے کہ سترہ بنانا جائز ہے۔ انہی میں حنفیہؒ اور حنابلہؒ بھی شامل ہیں حضرت امام بخاریؒ جمہور کی تائید فرما رہے ہیں امام بخاریؒ کا اصل مقصد تو حیوان کے سترہ بنانے کا جواز بیان کرنا تھا۔ اور رحل لکڑی ہوتی ہے اس لئے اس سے شجرہ کا استنباط کر لیا۔ اور رحل کو روایۃ میں ہونے کی وجہ سے ترجمہ میں ذکر فرما دیا۔ اور شجر کو استنباطاً بہر حال امام بخاریؒ نے اس سے جمہور کی تائید فرما کر مالکیہؒ شافعیہ پر رد فرما دیا۔ اور میں بتلا چکا ہوں کہ جو شخص مذاہب ائمہ سے واقف ہوگا۔ اس پر یہ بات بخوبی واضح ہوگی کہ امام بخاریؒ نے جتنا حنفیہؒ پر رد کیا ہے۔ شوافعؒ پر بھی رد فرمایا ہے۔

اذا ھبّت الرکاب۔ ھبّت کا ترجمہ شراح قاطبۃ ہاجت دتحرکت سے کرتے ہیں لیکن میرے والد صاحبؒ نے اپنی تقریر میں اس کی تغلیط فرمائی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ ھبّت کے معنی ذھبت کے ہیں میرے نزدیک بھی یہی اولیٰ ہے۔ کیونکہ شراح جو مطلب بیان کرتے ہیں اس سے کوئی بات اچھی طرح ظاہر نہیں ہوتی۔ کیونکہ اب مطلب یہ ہے کہ جب سواریاں حرکت کرنے لگتیں تو رحل کو سترہ بنا لیا کرتے تھے، یہ کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ بخلاف اس مطلب کے کہ جب سواریاں نہیں ہوتی تھیں اور جنگل میں چرنے کے لئے چلی جایا کرتی تھیں تو کجاووں کو سترہ بنا لیتے تھے۔

باب الصَّلٰوةُ اِلَى السَّرِيْرِ

ترجمہ:۔ چارپائی کی طرف نماز پڑھنا کیسا ہے۔

حدیث نمبر ۴۷۸ حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ اَبِيْ شَيْبَةَ الخ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ اَعَدَلْتُمُوْنَا بِالْكَلْبِ وَالْحِمَارِ لَقَدْ رَاَيْتُنِيْ مُضْطَجِعَةً عَلَى السَّرِيْرِ فَيَجِيْئُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَيَتَوَسَّطُ السَّرِيْرَ فَيُصَلِّيْ فَاَكْرَهُ اَنْ اَسْتَقْبِلَهٗ فَاَنْسَلُّ مِنْ قِبَلِ

رجلی السریر حتی انسل من لحافی (الحدیث)

ترجمہ :۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضہ فرماتی ہیں کہ کیا تم لوگوں نے ہم عورتوں کو کتے اور گدھے کے برابر کر لیا۔ کہ عورت کے آگے آنے سے نماز ٹوٹ جاتی ہے، حالانکہ میں چار پائی پر لیٹی ہوتی تھی جناب رسول اللہ صلعم چار پائی کو درمیان لے کر نماز پڑھتے تھے۔ میں سامنے سے نکلنا پسند نہیں کرتی تھی، تو میں نے چار پائی سے اپنے پاؤں کی طرف سے کھسکنا شروع کر دیا۔ یہاں تک کہ اپنی لحاف سے نکل جاتی تھی۔

تشریح از شیخ زکریا۔ علامہ عینیؒ کرمانیؒ اور علامہ سندھی کی رائے ہے کہ الی علی کے معنی میں ہے تو معنی ہوتے چار پائی پر کھڑے ہو کر نماز پڑھنا۔ یا تخت پوش پر نماز پڑھنا۔ لیکن حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ مطلب یہ ہے کہ سریر کو سترہ بنائے اور اس کے بیچ میں کھڑے ہو کر نماز پڑھے اور یہی زیادہ واضح ہے اس لئے کہ اگر الی کو علی کے معنی میں لے لیں تو یہ باب باب السترہ کا نہیں رہے گا بلکہ وہاں کا ہو گا جہاں صلوٰۃ علی السطح کو بیان فرمایا ہے۔ اعدلتمونا بالکلب والحمار یہ نکیر نفس قران بیننا وبین الکلب والحمار پر ہے، نہ کہ اس کا مطلب وہ ہے جو شراح بیان کر رہے ہیں کہ حضرت عائشہؓ عورت کے قاطع صلوٰۃ ہونے پر نکیر فرما رہی ہیں اور کلب وحمار سے قطع ثابت ہوتا ہے۔ اب وہ اشکال نہیں ہوگا جو شراح باب لا یقطع الصلوٰۃ شیئ کے تحت جہاں امام بخاریؒ نے اس روایت کو ذکر فرمایا کرتے ہیں کہ روایت سے تو یہ معلوم ہوا کہ عورت قاطع نہیں ہے اور کلب وحمار قاطع ہیں بتوسط السریر علامہ عینیؒ نے اپنے قول کے مطابق اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ تخت کے نیچے کھڑے ہوتے تھے۔ اور حافظؒ فرماتے ہیں کہ تخت کے اوپر بیچ میں نہیں کھڑے ہوتے تھے بلکہ تخت سے نیچے کھڑے ہوتے تھے۔ اس طور پر کہ تخت کا وسط آپؐ کے چہرہ کے سامنے رہتا تھا۔ اس پر علامہ عینیؒ نے اعتراض کیا کہ جب حضورؐ تخت کے نیچے کھڑے ہوتے تھے تو پھر حضرت عائشہؓ کے اس جملہ فانسل من قبل رجلی لکھنے کا کیا مطلب ہے اس کا جواب حافظؒ نے یہ دیا ہے کہ حضورؐ کے احترام کی وجہ سے سامنے سے ہٹ جاتی تھیں۔

باب لیرد المصلی من مر بین یدیہ، ورد ابن عمر فی التشھد وفی الکعبۃ وقال ان ابی الا ان یقاتلہ فلیقاتلہ۔

ترجمہ :۔ جو شخص نمازی کے سامنے سے گذرے اسے ہٹانا چاہیئے۔ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ التحیات

اور کعبہ میں بھی ایسے آدمی کو ہٹاتے تھے اور فرماتے کہ اگر گذرنے والا انکار کرے۔ اور لڑائی تک نوبت پہنچے تو اس سے لڑائی کرو۔

حدیث نمبر ۴۷۹ حَدَّثَنَا اَبُوْ مَعْمَرٍ الخ اَنَّ اَبَا سَعِيْدٍ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ح قَالَ اَبُوْ صَالِحِ السَّمَّانُ قَالَ رَاَيْتُ اَبَا سَعِيْدٍ الْخُدْرِيِّ فِيْ يَوْمِ جُمُعَةٍ يُصَلِّيْ اِلٰى شَيْئٍ يَسْتُرُهُ مِنَ النَّاسِ فَاَرَادَ شَابٌّ مِّنْ بَنِيْ اَبِيْ مُعَيْطٍ اَنْ يَّجْتَازَ بَيْنَ يَدَيْهِ فَدَفَعَ اَبُوْ سَعِيْدٍ فِيْ صَدْرِهٖ فَنَظَرَ الشَّابُّ فَلَمْ يَجِدْ مَسَاغًا اِلَّا بَيْنَ يَدَيْهِ فَعَادَ لِيَجْتَازَ فَدَفَعَهُ اَبُوْ سَعِيْدٍ اَشَدَّ مِنَ الْاُوْلٰى فَنَالَ مِنْ اَبِيْ سَعِيْدٍ ثُمَّ دَخَلَ عَلٰى مَرْوَانَ فَشَكَا اِلَيْهِ مَا لَقِيَ مِنْ اَبِيْ سَعِيْدٍ وَدَخَلَ اَبُوْ سَعِيْدٍ خَلْفَهٗ عَلٰى مَرْوَانَ فَقَالَ مَالَكَ وَلِابْنِ اَخِيْكَ يَا اَبَا سَعِيْدٍ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِذَا صَلّٰى اَحَدُكُمْ اِلٰى شَيْئٍ يَسْتُرُهُ مِنَ النَّاسِ فَاَرَادَ اَحَدٌ اَنْ يَّجْتَازَ بَيْنَ يَدَيْهِ فَلْيَدْفَعْهُ فَاِنْ اَبٰى فَلْيُقَاتِلْهُ فَاِنَّمَا هُوَ شَيْطَانٌ (الحدیث)

ترجمہ: حضرت ابو سعیدؓ نے فرمایا اور دوسری سند سے ابو صالح سمان فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابو سعید خدری جمعہ کے دن ایک سترہ کی طرف نماز پڑھتے دیکھا بنو ابی معیط کے ایک نوجوان نے ان کے سامنے سے گذرنا چاہا۔ تو حضرت ابو سعیدؓ نے اس کے سینے میں ٹکہ مارا۔ تو نوجوان غصہ سے دیکھنے لگا جب اسے آپ کے سامنے سے گذرنے میں کوئی چارہ نہ دیکھا تو پھر وہ سامنے سے گذرنے لگا۔ حضرت ابو سعیدؓ نے اس کو پہلے سے زیادہ سخت دھکا دیا۔ تو اس نے ابو سعیدؓ کو گالی دینی شروع کی اور مروان حاکم مدینہ کے پاس اپنی اس تکلیف کی شکایت کی جو انہیں حضرت ابو سعید خدریؓ سے پہنچی تھی۔ حضرت ابو سعیدؓ بھی پیچھے پیچھے مروان کے پاس پہنچ گئے۔ مروان نے کہا کہ اے ابو سعید یہ اپنے بھتیجے کو آپ نے کیوں تکلیف پہنچائی

جس پر حضرت ابو سعیدؓ نے فرمایا کہ میں نے جناب نبی اکرم صلعم سے سنا تھا فرماتے تھے۔ جب تم میں سے کوئی شخص سترہ کی طرف نماز پڑھ رہا ہو اور کوئی شخص اس کے سامنے سے گذرنا چاہے تو اس کو دھکا دے اگر انکار کرے تو اس سے لڑے کیونکہ وہ شیطان ہے۔

تشریح از شیخ مدنیؒ۔ شوافع مالکیہ اور بعض اہل ظواہر کے نزدیک دفع کے حقیقی معنی دھکا دینا

مراد ہیں، مگر احناف اور دیگر ائمہ دفع سے اشارہ تو بہ مراد لیتے ہیں۔ اس لئے کہ دھکا دینے سے نماز میں زیادہ خلل واقع ہوگا۔ کیونکہ یہ مرور سے زیادہ ہے۔ اگر وہ اشارے سے بھی نہ رکے۔ پھر مارنے اور لڑنے کی اجازت ہے، مگر یہ قاتل کا امر وجوب کے لئے نہیں۔ البتہ بعض اہل ظاہر اسے وجوب مراد لیتے ہیں۔

تشریح از شیخ زکریا۔ یہ حدیث کے الفاظ ہیں امام بخاریؒ نے الفاظِ حدیث ہی کو ترجمہ گردان دیا اس کی وجہ یہ ہے کہ اس میں اختلاف ہے کہ فلیقاتلہ کا امر کیسا ہے اس کا کیا حکم ہے۔ احنافؒ کے نزدیک اباحت کے لئے ہے۔ اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک استحباب کے لئے ہے اور ظاہریہؒ کے نزدیک وجوب کے لئے ہے اور اسی پر آجکل اہلِ نجد کا عمل ہے تو امام بخاریؒ نے اس اختلاف کی طرف اشارہ کرنے کے لئے الفاظ حدیث کو ترجمہ قرار دے دیا اور امام بخاریؒ نے جو روایات ذکر کی ہیں۔ ان کا تقاضا یہ ہے کہ امام بخاریؒ حرمت کے قائل نہیں ہیں، تو کم از کم استحباب کے قائل تو ہیں، اور آگے امام بخاریؒ نے فی الکعبہ بڑھا کر اشارہ کر دیا کہ رد کنے کا عمل کعبہ اور غیر کعبہ دونوں میں برابر ہے اور جیسا کہ میں نے کہا ہے کہ مصنف عبد الرزاق میں باب ہے کہ مکہ میں سترہ ضروری نہیں، یہاں بھی اس کا رد ہے۔ ورد ابن عمر فی التشھد الخ اور جب بالکل اخیر میں رد فرمایا تو کم از کم مستحب ہوگا۔ مالك ولا بن اخيك یہ مجاز ہر عرب کے اندر ہے بڑے کو چچا اور چھوٹے کو ابن الاخ کہہ دیتے ہیں۔

فان ابى فليقاتله اوجز کے اندر اس کے آٹھ مطلب ہیں ان سب کی تفصیل وہاں دیکھ لینا۔ حنفیہ چونکہ جواز الدفع کے قائل نہیں، اس لئے وہ فرماتے ہیں کہ یہ اس وقت کا واقعہ ہے جبکہ نماز کے اندر یہ افعال جائز تھے، جب قوموا لله قانتين آیت کریمہ نازل ہوئی۔ تو یہ سب منسوخ ہو گئے ایک مطلب ہوا اور مالکیہ قتال کے معنی کو بددعا پر حمل کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں یہ ایسے ہے جیسے قتل الخراصون میں ہے۔ یہ دوسرا مطلب ہے۔ اکثر شراح نے اس کو بعد الصلوٰۃ پر حمل کیا ہے کہ بعد میں تنبیہ کرے۔ کیونکہ اعمال کثیرہ نماز کے اندر ممنوع ہیں۔ لکونها مفسدة لها (یہ قتال نماز کے لئے مفسد ہے) یہ معنی ثالث ہیں اور بعض کی رائے ہے کہ یہ متمرد پر محمول ہے (سرکش) جو کسی حال میں مانتا ہی نہ ہو یہ معنی رابع ہوئے۔

باب اثم المار بين يدي المصلي۔

ترجمہ:۔ نمازی کے آگے سے گذرنے والے کا گناہ کیا ہے۔

حدیث نمبر ۴۸۰ حدثنا عبد الله بن یوسف الخ ان زید بن خالد ارسله الی

اَبِیْ جُھَیْمٍ یَسْاَلُہٗ مَاذَا سَمِعَ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِی الْمَارِّ بَیْنَ یَدَیِ الْمُصَلِّیْ فَقَالَ اَبُوْ جُھَیْمٍ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَوْ یَعْلَمُ الْمَارُّ بَیْنَ یَدَیِ الْمُصَلِّیْ مَاذَا عَلَیْہِ لَکَانَ اَنْ یَّقِفَ اَرْبَعِیْنَ خَیْرًا لَّہٗ مِنْ اَنْ یَّمُرَّ بَیْنَ یَدَیْہِ قَالَ اَبُوالنَّضْرِ لَآ اَدْرِیْ قَالَ اَرْبَعِیْنَ یَوْمًا اَوْ شَھْرًا اَوْ سَنَۃً (الحدیث)

ترجمہ:۔ بسر بن سعید کو حضرت زید بن خالد نے حضرت ابوجہیم صحابی کے پاس بھیجا جو ان سے پوچھتے تھے کہ انہوں نے نمازی کے سامنے گذرنے والے کے متعلق جناب رسول اللہ صلعم سے کیا سنا ہے، حضرت ابوجہیم نے فرمایا کہ جناب رسول اللہ صلعم کا ارشاد ہے اگر نمازی کے آگے سے گزرنے والے کو اس گناہ کا علم ہوجائے تو اس کے سامنے سے گذرنے سے بہتر ہے کہ چالیس تک کھڑا رہے۔ ابوالنضر راوی فرماتے ہیں کہ کہ نہیں معلوم چالیس دن فرمائے مہینے فرمائے یا چالیس سال فرمائے۔

تشریح از شیخ مدنیؒ :۔ یہاں شبہ ہوتا ہے کہ آپؐ کا ارشاد ہے لو یعلم المار الخ حالانکہ وقوف اربعین علم پر موقوف نہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ واقعی وقوف اربعین علم پر موقوف نہیں ہے۔ لیکن یہاں پر ایک قید ہے خیراً لہ الی خیراً لہ عندہ یا خیراً کے معنی اسہل کے ہیں۔ مگر یہ اس وقت ہے جبکہ علم حقیقی قلبی مراد ہو۔ یعنی تاثر ہو علم لسانی مراد نہیں ہوگا۔ کیونکہ بسا اوقات بہت سے لوگ جاننے کے باوجود مرور کر جاتے ہیں۔

تشریح از شیخ زکریاؒ:۔ میری رائے یہ ہے کہ امام بخاریؒ نے اس باب سے ایک اختلاف کی طرف اشارہ فرمادیا۔ وہ اختلاف یہ ہے کہ فلیدفع اور فلیقاتل کا امر کس وجہ سے ہے۔ بعض کی رائے ہے کہ چونکہ یہ موجب قطع خشوع اور سبب وسواس ہے۔ اس لئے امر فرمادیا۔ اس صورت میں اس کا نفع مصلی کی طرف لوٹ جائے گا۔ اور بعض کی رائے ہے کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر اس کو دفع نہ کرے گا تو گذرنے والا مصلی کے سامنے گزرے گا جس کی بنا پر گذرنے والا گنا ہگار ہوگا۔ لہٰذا اس وبال سے بچانے کے لئے اس کا امر فرمایا۔ جیسے کوئی اندھا جا رہا ہو۔ اور آگے کنواں آجائے۔ اور اس اندھے کے اس کنوئیں میں گرنے کا احتمال ہو تو اس مصلّی کو نماز توڑ دینی ہوگی۔ اسی طرح یہاں چونکہ گذرنے والا ایک بڑے وبال سے گذر رہا ہے۔ لہٰذا اس سے اس کو بچانا ضروری ہے۔ اور اسی واسطے یہ امر فرمادیا۔ امام بخاریؒ کا رجحان اسی طرف ہے۔ اس سلسلہ ابی جہیم ابوجہیم اور ابوجہم کی روایات تین جگہ آئی ہیں ایک لباس میں

دوسرے مرد میں تیسرے تیمم میں بحث مستقلاً ہو چکی ہے۔ قال ابو النضر الخ یہاں تو ابو النضر کو شک ہو گیا لیکن امام طحاویؒ نے معانی الآثار میں اربعین خریفاً ذکر فرمایا ہے جس سے اربعین سنۃ مراد ہے اس لئے کہ موسم خریف سال بھر میں ایک مرتبہ آتا ہے، جب چالیس خریف ہو گئے تو چالیس سال بن گئے۔

باب اسْتِقْبَالِ الرَّجُلِ الرَّجُلَ وَهُوَ يُصَلِّي ؛ وَكَرِهَ عُثْمَانُ أَنْ يُسْتَقْبَلَ الرَّجُلُ وَهُوَ يُصَلِّي وَهٰذَا إِذَا اشْتَغَلَ بِهٖ فَأَمَّا إِذَا لَمْ يَشْتَغِلْ بِهٖ فَقَدْ قَالَ زَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ مَا بَالَيْتُ إِنَّ الرَّجُلَ لَا يَقْطَعُ صَلٰوةَ الرَّجُلِ۔

ترجمہ:۔ نماز کی حالت میں آدمی آدمی کی طرف منہ کرے تو حضرت عثمان اس کو مکروہ سمجھتے تھے، یہ اس وقت ہے جبکہ آدمی آدمی کے ساتھ مشغول ہو جائے۔ نماز میں دھیان نہ رہے۔ لیکن جب مشغول نہ ہو تو زید بن ثابتؓ فرماتے ہیں کہ میں پرواہ نہیں کرتا۔ آدمی آدمی کی نماز کو قطع نہیں کرتا۔

حدیث نمبر ۴۸۱ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ خَلِيلٍ الخ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّهُ ذُكِرَ عِنْدَهَا مَا يَقْطَعُ الصَّلٰوةَ فَقَالُوْا يَقْطَعُهَا الْكَلْبُ وَالْحِمَارُ وَالْمَرْأَةُ فَقَالَتْ لَقَدْ جَعَلْتُمُوْنَا كِلَابًا لَقَدْ رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي وَإِنِّي لَبَيْنَهُ وَبَيْنَ الْقِبْلَةِ وَأَنَا مُضْطَجِعَةٌ عَلَى السَّرِيْرِ فَتَكُوْنُ لِيَ الْحَاجَةُ وَأَكْرَهُ أَنْ أَسْتَقْبِلَهُ فَأَنْسَلُّ انْسِلَالًا الخ

ترجمہ:۔ حضرت عائشہؓ کے پاس ان چیزوں کا تذکرہ ہوا جو نماز کو توڑتی ہیں تو لوگوں نے کہا کہ اس کو کتا۔ گدھا اور عورت قطع کرتی ہے۔ تو انہوں نے فرمایا کہ تم لوگوں نے ہمیں کتا بنا دیا۔ حالانکہ میں نے جناب رسول اللہ صلعم کو نماز پڑھتے دیکھا کہ میں آپ کے اور قبلہ کے درمیان چار پائی پر لیٹی ہوئی ہوتی تھی اگر مجھے کوئی ضرورت پیش آتی تو میں آپ کے سامنے آنے کو پسند نہیں کرتی تھی اس لئے ایک طرف سے کھسک جاتی تھی۔

تشریح از شیخ مدنیؒ:۔ احناف اسے مکروہ سمجھتے ہیں کیونکہ یہ عبادت غیر اللہ کے مشابہ ہے۔ مگر مصنفؒ اس میں تفصیل ذکر کرتے ہیں۔ کہ اگر اس حالت میں مصلی مشغول فی الصلوٰۃ رہے تو کوئی کراہت نہیں اگر اشتغال نہ رہے تو پھر مکروہ ہے۔ حضرت عائشہؓ کے کلام سے استقبال کی مطلقاً کراہت معلوم ہوتی ہے۔ لیکن مصنفؒ حضرت زید بن ثابتؓ کے فتویٰ پر عمل کرتے ہیں۔

تشریح از شیخ زکریاؒ: فقہاء کے نزدیک ایسے شخص کی طرف متوجہ ہو کر نماز پڑھنا جو مصلی کی

طرف منہ کئے ہوئے ہو مکروہ ہے۔ اس لئے کہ اس صورت میں وہم ہوتا ہے کہ مصلی اس کو سجدہ کر رہا ہے اور حضرت امام بخاریؒ کی رائے ہے کہ اس میں کوئی حرج نہیں۔ جبکہ وہ اخلاص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو۔ مگر یہ ان کی رائے ہے جو فقہاء پر حجت نہیں کیونکہ فقہاء ایہام کی وجہ سے منع کرتے ہیں۔ لیکن خود امام بخاریؒ نے صلوٰۃ الی التصاویر کو مکروہ بتلایا ہے اور وہاں خلوص کا اعتبار نہیں فرمایا۔

وکرہ عثمان الخ حضرت عمرؓ سے بھی کراہتہ منقول ہے۔ اور یہ اپنے اطلاق کی وجہ سے جمہور کی تائید ہے۔ امام بخاریؒ نے اپنے مطلب کے مطابق تفسیر کی ہے۔ انما ھذا اذا اشتغل الخ یہ ان کی اپنی رائے اور اپنی تفسیر ہے۔ ما بالیت ان الرجل الخ فقہاء فرماتے ہیں کہ قطع صلوٰۃ اور چیز ہے اور کراہتہ اور چیز ہے اور عدم قطع سے کراہت کی نفی کہاں لازم آتی ہے۔ فاکرہ ان استقبلہ الخ امام بخاریؒ کا استدلال اس سے اس طرح ہے کہ یہ حضرت عائشہ کی طرف سے کراہت ہے۔ حضور اقدس صلعم کی طرف سے اس کی کراہت معلوم نہیں ہوتی۔ کیونکہ حضور اقدس صلعم نے ان کو منع نہیں فرمایا۔ جمہور فرماتے ہیں کہ آپ نے درست فرمایا کہ یہ حضرت عائشہ کا فعل ہے۔ مگر انہوں نے استقبال کہاں کیا جس کی وجہ سے حضور اکرم صلعم کو ممانعت کی نوبت آتی۔ وہ تو خود یہ فرما رہی ہیں کہ میں یہ مکروہ سمجھتی تھی اس لئے چپکے سے پیچھے کو کھسک جاتی تھی۔

باب الصّلوٰۃِ خَلْفَ النَّائِمِ

ترجمہ:۔ سونے والے کے پیچھے نماز پڑھنا۔

حدیث نمبر ۴۸۲ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ الخ عَنْ عَائِشَۃَ قَالَتْ کَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یُصَلِّیْ وَ اَنَا رَاقِدَۃٌ مُّعْتَرِضَۃٌ عَلٰی فِرَاشِہٖ فَاِذَا اَرَادَ اَنْ یُّوْتِرَ اَیْقَظَنِیْ فَاَوْتَرْتُ۔

ترجمہ:۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں جناب نبی اکرم صلعم نماز پڑھتے تھے اور میں سامنے آپ کے بستر پر سوئی ہوتی تھی جب آپ وتر پڑھنا چاہتے تو مجھے جگا دیتے تھے تو میں وتر پڑھ لیتی۔

تشریح از شیخ مدنیؒ۔ خلف النائم کے یہ معنی نہیں کہ نائم امام بنا ہوا ہو۔ بلکہ نائم سترہ بنا ہوا ہو۔ اگرچہ ایسے نائمین بھی ہوتے ہیں جو سوتے سوتے نماز پڑھتے رہتے ہیں۔

تشریح از شیخ زکریاؒ۔ ابوداؤد شریف میں ہے نھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن الصلوٰۃ خلف المتحدث والنائم او کما قال کہ باتیں کرنے والے اور سونے والے کے پیچھے نماز پڑھنے سے آپؐ نے روک دیا ہے۔ اسی وجہ سے امام مالکؒ صلوٰۃ خلف النائم کو مکروہ فرماتے ہیں۔ اور جمہور کے نزدیک

کوئی کراہت نہیں حضرت امام بخاریؒ جمہور کی تائید فرماتے ہیں ۔ اور امام مالکؒ پر رد فرماتے ہیں اور ابو داؤد شریف کی روایت کا محمل یہ ہے کہ قائم کے سامنے ہونے میں تشویش کا احتمال ہے ۔ اس لئے کہ شاید اس کا ضراط وغیرہ خارج ہو ۔ تو خشوع میں فرق پڑے ۔ یہاں ایک سوال یہ ہے کہ امام بخاریؒ نے باب استقبال الرجل الخ اور باب الصلوٰۃ خلف النائم دونوں کے اندر حضرت عائشہ رضؓ کی روایت ذکر فرمائی ہے ۔ تو جب استقبال ہوا تو خلفیت کہاں ہوئی ۔ لہٰذا ترجمہ کا ثبوت کیونکر ہوا ۔ اس کا جواب یہ ہے کہ امام بخاریؒ کے اصول میں استدلال بکل محتمل ہے ۔ یہاں بھی اسی قبیل سے ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس باب میں حضرت عائشہ رضؓ کے قول کراہتہ ان استقبلہ سے ہوا اور یہاں اس طور پر کہ حضرت عائشہ رضؓ ظاہر ہے کہ قبلہ کی طرف چہرہ کرکے سوئیں گی ۔ تو صلوٰۃ خلف النائم ثابت ہو گیا ۔

باب التَّطَوُّعِ خَلْفَ الْمَرْأَةِ ۔

ترجمہ :۔ عورت کے پیچھے نماز پڑھنا ۔

حدیث نمبر ۴۸۳ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوسُفَ الخ عَنْ عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهَا قَالَتْ كُنْتُ أَنَامُ بَيْنَ يَدَيْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَرِجْلَايَ فِي قِبْلَتِهِ فَإِذَا سَجَدَ غَمَزَنِي فَقَبَضْتُ رِجْلَيَّ فَإِذَا قَامَ بَسَطْتُهُمَا قَالَتْ وَالْبُيُوتُ يَوْمَئِذٍ لَيْسَ فِيهَا مَصَابِيحُ (الحديث)

ترجمہ :۔ حضرت عائشہ زوج النبی صلعم فرماتی ہیں کہ میں جناب رسول اللہ صلعم کے سامنے سویا کرتی تھی اور میرے دونوں پاؤں آپؐ کے قبلہ کی طرف ہوتے تھے جب آپؐ سجدہ کرنے لگتے تو میرے چٹکی کاٹ دیتے تو میں اپنے پاؤں سکیڑ لیتی تھی ، جب آپؐ کھڑے ہو جاتے تو پھر ان کو پھیلا دیتی تھی ۔ وہ یہ بھی فرماتی ہیں گھروں میں ان دنوں چراغ نہیں ہوتے تھے ۔

تشریح از شیخ زکریاؒ ۔ بعض علماء کی رائے ہے کہ عورت کے پیچھے نماز پڑھنی مکروہ ہے ۔ مگر ایسا نہیں بلکہ امام بخاریؒ کا طریقہ یہ ہے کہ جب وہ کسی مشہور شئی کے خلاف کو ثابت کرنے پر اترتے ہیں تو اس کو مختلف طرق اور مختلف اسالیب سے ثابت فرماتے ہیں چونکہ روایات میں ہے ۔ یقطع الصلوٰۃ المرأۃ والکلب والحمار اور امام بخاریؒ کو اس کے خلاف ثابت کرنا ہے تو حضرت امام بخاریؒ نے اس کو مختلف ابواب کے اندر مختلف طور سے ثابت فرمایا ۔ مثلاً یہاں امام بخاریؒ کا استدلال یوں ہے ۔ کہ جب عورت کا مصلی کے مقابل

ہیں پڑا رہنا قاطع نہیں ہے۔ تو مرور تو بدرجہ اولیٰ نہ ہوگا۔

بَاب مَنْ لَا يَقْطَعُ الصَّلٰوةَ شَيْءٌ

ترجمہ:۔ اس شخص کے بارے میں جو کہتا ہے کہ نماز کو کوئی چیز قطع نہیں کرتی۔

حدیث نمبر ۴۸۴ حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ حَفْصِ بْنِ غِيَاثٍ الخ. عَنْ عَائِشَةَ ذُكِرَ عِنْدَهَا مَا يَقْطَعُ الصَّلٰوةَ الْكَلْبُ وَالْحِمَارُ وَالْمَرْأَةُ فَقَالَتْ شَبَّهْتُمُوْنَا بِالْحُمُرِ وَالْكِلَابِ وَاللّٰهِ لَقَدْ رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْ وَإِنِّيْ عَلَى السَّرِيْرِ بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْقِبْلَةِ مُضْطَجِعَةٌ فَتَبْدُوْ لِيَ الْحَاجَةُ فَأَكْرَهُ أَنْ أَجْلِسَ فَأُوْذِيَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَنْسَلُّ مِنْ عِنْدِ رِجْلَيْهِ۔ (الحدیث)

ترجمہ:۔ حضرت عائشہؓ کے پاس جو چیزیں نماز کو قطع کرتی ہیں ان کا ذکر ہوا۔ کتا۔ گدھا اور عورت تو آپ نے فرمایا کہ تم نے ہمیں گدھوں اور کتوں کی مثل بنا دیا۔ اللہ کی قسم میں نے جناب نبی اکرم صلعم اس حال میں نماز پڑھتے دیکھا کہ میں چارپائی پر آپ کے اور قبلہ کے درمیان لیٹی ہوئی تھی۔ مجھے کوئی ضرورت لاحق ہوتی میں آپ کے سامنے بیٹھنے کو مکروہ سمجھتی کہ کہیں آپ کو تکلیف میں مبتلا نہ کردوں اس لئے چارپائی کے پاؤں کے پاس سے کھسک جاتی تھی۔

تشریح از شیخ مدنیؒ۔ چونکہ باب السترہ ہے اس لئے تقدیر عبارت ہوگی۔ لا یقطع الصلوٰۃ مرور شیء جمہور کا یہی مسلک ہے مگر بعض روایات میں تین چیزوں کا استثناء کیا گیا ہے، لیکن وہ احادیث یا تو منسوخ ہیں یا محمول عن الظاہر ہیں کہ یہ چیزیں خشوع کے لئے قاطع ہیں قاطع صلوٰۃ نہیں ہیں اور عورتیں تو واقعی قاطع خشوع ہوا کرتی ہیں۔ اب یہاں اشکال یہ ہے کہ ترجمۃ الباب میں لا یقطع الصلوٰۃ شیئ کہا گیا ہے۔ مگر روایت سے یہ چیز ثابت نہیں ہوتی۔ زیادہ سے زیادہ حضرت عائشہؓ کا فعل مذکور ہے۔ تو عورت قاطع صلوٰۃ نہ ہوئی دوسرا اشکال یہ ہے کہ اگر عورت کا مرور قاطع ہے۔ جو لوگ اس کے قائل ہیں۔ مگر انسلال کو تو کوئی بھی قاطع نہیں کہتا۔ پہلے اشکال کا جواب یہ ہے کہ جو لوگ عورت کو قاطع کہتے ہیں وہ ان تینوں چیزوں میں فرق نہیں کرتے۔ تو جب عورت کا مرور قاطع نہ ہوا۔ تو دوسری چیزوں کا مرور بھی قاطع نہیں ہو گا۔ دوسرے شبہ کا جواب یہ ہے کہ مرور تو ایک منٹ میں ہوتا ہے۔ اور انسلال تو کچھ وقت چاہتا ہے جب وہ قاطع نہیں تو ایک منٹ کا مرور کیسے قاطع ہوگا۔

تشریح از شیخ زکریاؒ چونکہ مسلم شریف وغیرہ میں ہے۔ یقطع الصلوٰۃ المرأۃ والکلب والحمار اور نسائی کے اندر المرأۃ الحائض ہے تو امام بخاریؒ نے یہ باب باندھ کر اس کے خلاف کو ثابت فرما دیا چونکہ دونو روایتوں میں تعارض ہے اس لئے بعض علماء کی رائے ہے کہ قطع صلوٰۃ والی روایات ابتداء اسلام پر محمول ہیں اور لا یقطع الصلوٰۃ شیٔ متاخر ہے۔ لہٰذا اس کے لئے ناسخ ہے۔ اور اکثر علماء و مشائخ کی رائے یہ ہے کہ یہ قطع خشوع پر محمول ہے۔ عورت کا قاطع خشوع ہونا ظاہر ہے اور کتے کی عادت یہ ہے کہ وہ زبان لگاتا ہے۔ تو اس سے ڈر ہوتا ہے کہ کہیں منہ نہ لگادے۔ اور ناپاک نہ کردے۔ اور گدھے کا قاعدہ یہ ہے کہ جہاں کوئی چیز دیکھتا ہے اپنے بدن کو اس سے کھجلانا شروع کر دیتا ہے۔ اور اس سے تصادم کرتا ہے۔ لہٰذا ڈر ہے کہ کہیں مصلی سے آکر نہ لگ جائے۔

حدیث نمبر ۴۸۵ حَدَّثَنَا اِسْحٰقُ بْنُ اِبْرَاهِيْمَ الخ قَالَ نَا ابْنُ اَخِيْ ابْنِ شِهَابٍ اَنَّهٗ سَاَلَ عَمَّهٗ عَنِ الصَّلٰوةِ يَقْطَعُهَا شَيْءٌ قَالَ لَا يَقْطَعُهَا شَيْءٌ اَخْبَرَنِيْ عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ اَنَّ عَائِشَةَ زَوْجَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَتْ لَقَدْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْمُ فَيُصَلِّيْ مِنَ اللَّيْلِ وَاِنِّيْ لَمُعْتَرِضَةٌ بَيْنَهٗ وَبَيْنَ الْقِبْلَةِ عَلٰى فِرَاشِ اَهْلِهٖ (الحدیث)

ترجمہ:۔ ابن شہاب نے اپنے چچا سے پوچھا کہ نماز کے لئے کوئی چیز قاطع ہے۔ تو انہوں نے فرمایا کہ مجھے حضرت عروۃؓ بن الزبیرؓ نے خبر دی کہ حضرت عائشہ زوج النبی صلعم فرماتی تھیں کہ جناب رسول اللہ صلعم رات کو کھڑے ہو کر نماز پڑھتے تھے اور میں آپ کے اور قبلہ کے درمیان ان کے گھر والوں کے بستر پر لیٹی ہوئی ہوتی تھی۔

باب اِذَا حَمَلَ جَارِيَةً صَغِيْرَةً عَلٰى عُنُقِهٖ فِي الصَّلٰوةِ

ترجمہ:۔جب کوئی شخص نماز میں ایک چھوٹی بچی کو اپنی گردن پر اٹھالے تو اس کا کیا حکم ہے۔

حدیث نمبر ۴۸۶ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوْسُفَ الخ عَنْ اَبِيْ قَتَادَةَ الْاَنْصَارِيِّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُصَلِّيْ وَهُوَ حَامِلٌ اُمَامَةَ بِنْتَ زَيْنَبَ بِنْتِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلِاَبِي الْعَاصِ بْنِ رَبِيْعَةَ بْنِ عَبْدِ شَمْسٍ فَاِذَا سَجَدَ وَضَعَهَا وَاِذَا قَامَ حَمَلَهَا (الحدیث)

ترجمہ:۔ حضرت ابو قتادہ انصاریؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلعم اس حال میں نماز پڑھتے

تھے کہ اپنی نواسی حضرت امام بنت زینب بنت رسول اللہ کو اٹھانے والے ہوتے تھے اور وہ ابو العاص بن ربیعہ بن عبد شمس کی بیٹی تھی۔ جب آپؐ سجدہ کے لئے جاتے تو اسے نیچے رکھ دیتے جب کھڑے ہوتے تو اسے اٹھا لیتے تھے۔

تشریح از شیخ مدنیؒ۔ آپؐ کا یہ فعل بیان جواز کے لئے تھا۔ اس واقعہ سے بہت سے مسائل ثابت ہوتے ہیں نمبر ایک بچہ نجس نہیں اگرچہ اس کے اندر نجاست ہے۔ پہاڑی عورتیں اور مختلف ممالک کی عورتیں بچوں کو پیچھے باندھ لیتی ہیں۔ اس میں عند الرکوع السجود اتارنے کی نوبت نہیں آتی۔ افریقہ کے نفقودی قبیلہ کے لوگوں کی عورتیں کھیتی باڑی کا کام کرتی ہیں اور ان کے مرد دینی امور میں زندگی بسر کرتے ہیں اور ان کو جلالی کہا جاتا ہے۔ کیونکہ ان میں سے ہر ایک جلالین شریف حفظ ہوتی ہے۔ وہ مدینہ منورہ میں پہنچ کر ایک مہینہ میں جلالین پڑھا کر ختم کرتے ہیں۔ اور ان کی عورتیں اسی حالت میں نماز پڑھتی ہیں کہ ان کے بچے ان کی کمر پر ہوتے ہیں۔ دوسرا احتمال تھا کہ بچہ پیشاب کر دیتا ہے جس کے دھونے میں بار بار تکلیف ہوتی ہے۔ اور کبھی فعل کثیر بھی ہو جاتا ہے۔ جمہور تو فرماتے ہیں کہ جاریہ کے اٹھانے میں فعل قلیل تھا۔ فعل کثیر نہیں تھا۔ یا ابھی تک فعل کثیر فی الصلوٰۃ کی ممانعت نہیں آئی تھی۔ تو معلوم ہوا کہ فقط احتمال پر حکم نہیں لگایا جا سکتا جب تک ظن غالب نہ ہو۔

تشریح از شیخ زکریاؒ۔ مطلب کہنے کا یہ ہے کہ جب بچی کا اٹھانا قاطع صلوٰۃ نہیں تو پھر عورت کا گذر جانا بدرجہ اولیٰ قاطع نہ ہوگا۔ وھو حامل امامۃ الخ یہ حضور اقدس کی نواسی ہیں حضور اقدس صلعم نے ایک مرتبہ نماز پڑھائی۔ اور ان پر اپنے کاندھے پر بٹھا رکھا تھا۔ جب رکوع وسجود میں جاتے تو اتار دیتے اور جب کھڑے ہونے لگتے تو اٹھا لیتے۔ اب اس پر اشکال یہ ہے کہ یہ تو عمل کثیر ہے جو مفسد صلوٰۃ ہے اس کے مختلف جوابات ہیں۔ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ یہ اس وقت کا واقعہ ہے جب کہ نماز میں عمل کثیر اور حرکات کثیرہ جائز تھیں' اور میرے والد صاحب فرماتے ہیں کہ عمل کی نسبت حضور اقدس صلعم کی طرف مجازی ہے حقیقت یہ ہے کہ یہ خود ہی اترتی اور چڑھتی تھیں۔ اور ایسا بہت ہوتا ہے' جبکہ بچہ لاڈلا ہوتا ہے۔ تو کود کر گردن پر چڑھ جاتا ہے۔ تو حضور انور صلعم جب سجدہ میں ہوتے تو یہ آکر بیٹھ جاتیں۔ اور قیام تک بیٹھی رہتیں اور جب رکوع وسجود میں جانے وقت کرنے لگتیں تو اتر جاتیں اور پھر سجود سے اٹھتے ہی کاندھے پر بیٹھ جاتیں اور میری توجیہ یہ ہے کہ نبی اکرم صلعم تعلیم فعلی کے لئے تشریف

لائے تھے۔ تو جتنے امور شانِ نبوت کے خلاف نہیں تھے۔ وہ تو حضور صلعم سے کرائے گئے۔ اور جو منافی شانِ نبوت تھے وہ صحابہ کرام سے کرائے گئے۔ اب سنو! حنفیہ کا مذہب یہ ہے کہ مفسد ثلاث حرکات فی رکعۃ واحد ہیں۔ یعنی عمل کثیر ایک ایک رکن میں پایا جائے۔ یہاں ایک ہی رکن میں وضع و حمل جاریہ نہیں ہوتا تھا۔ تو عمل کثیر نہیں پایا گیا۔ حضور اقدس صلعم نے خود اس کو کر کے دکھا دیا۔

ولابی العاص یعنی وہ جیسے حضرت زینب کی صاحبزادی ہیں ویسے حضرت ابو العاص کی بھی ہیں۔ کیونکہ حضرت زینب کے شوہر کا نام ابو العاص بن ربیعہ ہے۔

باب إِذَا صَلَّى إِلَى فِرَاشٍ فِيهِ حَائِضٌ۔

ترجمہ:۔ جب اس بستر میں نماز پڑھے جس میں حائضہ ہو۔

حدیث نمبر ۴۸۷ حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ زُرَارَةَ الخ قَالَ أَخْبَرَتْنِي خَالَتِي مَيْمُونَةُ بِنْتُ الْحَارِثِ قَالَتْ كَانَ فِرَاشِي حِيَالَ مُصَلَّى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَرُبَّمَا وَقَعَ ثَوْبُهُ عَلَيَّ وَأَنَا عَلَى فِرَاشِي (الحدیث)

ترجمہ:۔ حضرت عبداللہ بن شداد فرماتے ہیں کہ میری خالہ حضرت میمونہؓ زوج النبی صلعم فرماتی تھیں کہ میرا بستر جناب نبی اکرم صلعم کی جائے نماز کے پہلو میں ہوتا تھا۔ تو بسا اوقات آپؐ کا کپڑا میرے اوپر گرتا تھا حالانکہ میں اپنے بستر میں ہوتی تھی۔

تشریح از شیخ زکریاؒ۔ جب کہ صلوٰۃ علی فراش الحائض قاطع نہیں ہے۔ تو مرور حائض بدرجہ اولیٰ قاطع نہیں ہوگا۔ روایت پہلے باب میں گزر چکی ہے۔

حدیث نمبر ۴۸۸ حَدَّثَنَا أَبُو النُّعْمَانِ الخ قَالَ سَمِعْتُ مَيْمُونَةَ تَقُولُ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي وَأَنَا عَلَى جَنْبِهِ نَائِمَةٌ فَإِذَا سَجَدَ أَصَابَنِي ثَوْبُهُ وَأَنَا حَائِضٌ

ترجمہ:۔ حضرت عبداللہ بن شداد فرماتے ہیں کہ میں نے اپنی خالہ حضرت میمونہؓ سے سنا وہ فرماتی تھیں کہ جناب نبی اکرم صلعم اس حال میں نماز پڑھتے تھے جبکہ میں آپؐ کے پہلو میں سونے والی ہوتی تھی اور میں حائضہ ہوتی تھی۔ جب آپؐ سجدہ کے لئے جاتے تو آپؐ کا کپڑا مجھے لگتا تھا۔

باب هَلْ يَغْمِزُ الرَّجُلُ امْرَأَتَهُ عِنْدَ السُّجُودِ لِكَيْ يَسْجُدَ۔

ترجمہ:۔ کیا مرد سجدہ کے وقت اپنی بیوی کے چٹکی کاٹ سکتا ہے تاکہ وہ سجدہ کر سکے۔

حدیث نمبر ۴۸۹ حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عَلِيٍّ الخ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ بِئْسَمَا عَدَلْتُمُونَا بِالْكَلْبِ وَالْحِمَارِ لَقَدْ رَأَيْتُنِي وَرَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي وَأَنَا مُضْطَجِعَةٌ بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْقِبْلَةِ فَإِذَا أَرَادَ أَنْ يَسْجُدَ غَمَزَ رِجْلَيَّ فَقَبَضْتُهُمَا (الحدیث)

ترجمہ:۔ حضرت عائشہ رضہ فرماتی ہیں کہ یہ بہت بُرا ہے کہ تم لوگوں نے ہمیں کتے اور گدھے کے برابر کر دیا۔ حالانکہ میں نے اپنے آپ کو دیکھا کہ جناب رسول اللہ صلعم نماز پڑھتے تھے اور آپ کے اور قبلہ کے درمیان لیٹی ہوئی ہوتی تھی۔ جب آپ سجدہ کرنے کا ارادہ فرماتے تو میرے پاؤں کی چٹکی کاٹ لیتے۔ میں ان کو سکیڑ لیتی تھی۔

تشریح از شیخ زکریا۔ اگر یہ مسئلہ مس المرأۃ کا ہے تو امام بخاریؒ پر اشکال ہے کہ اس کو یہاں نہ ہونا چاہیئے۔ بلکہ ابواب نواقض الوضوء کے بیان میں ہونا چاہیئے۔ مگر میری رائے یہ ہے کہ امام بخاریؒ یہ ثابت فرما رہے ہیں کہ جبکہ غمز اور ہاتھ سے چھونا اور ہٹانا قاطع نہیں تو مرد رکیا قاطع ہوگا۔ اب یہاں سوال ہے۔ کہ روایت کے اندر غمز مصرح ہے۔ پھر ترجمہ میں حل کیوں لائے۔ جواب اس کا یہ ہے کہ امام بخاریؒ کے اصول موضوعہ میں سے ہے کہ جہاں کوئی اختلاف ہوتا ہے تو امام بخاریؒ باب میں لفظ حل ذکر فرما کر اشارہ کر دیتے ہیں۔ چونکہ مس مرأۃ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک مفسد وضو صلوٰۃ ہے۔ جس کی تفصیل میں اختلاف ہے۔ لہٰذا ان کی طرف اشارہ فرما دیا۔ اور میں یہ بیان کر چکا ہوں کہ امام بخاریؒ کے نزدیک مس مرأۃ مس ذکر نواقض وضو نہیں ہیں۔ جیسا کہ حنفیہ فرماتے ہیں۔ مگر چونکہ ائمہ ثلاثہ کا اختلاف تھا اس لئے اس کی طرف اشارہ فرما دیا۔ وہ بھی یہ تاویل کرتے ہیں کہ درمیان میں کوئی کپڑا حائل ہوگا۔ لیکن حائل کی موجودگی میں چٹکی نہیں کاٹی جا سکتی۔ لہٰذا یہ تاویل صحیح نہیں۔

باب الْمَرْأَةِ تَطْرَحُ عَنِ الْمُصَلِّي شَيْئًا مِنَ الْأَذَى۔

ترجمہ:۔ عورت جب نماز سے کوئی موذی چیز ہٹائے تو کیا حکم ہے۔

حدیث نمبر ۴۹۰ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ إِسْحَاقَ الخ عَنْ عَبْدِ اللهِ قَالَ بَيْنَمَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَائِمٌ يُصَلِّي عِنْدَ الْكَعْبَةِ وَجَمْعُ قُرَيْشٍ فِي مَجَالِسِهِمْ إِذْ قَالَ قَائِلٌ مِنْهُمْ أَلَا تَنْظُرُونَ إِلَى هٰذَا الْمُرَائِي أَيُّكُمْ يَقُومُ إِلَى جَزُورِ آلِ فُلَانٍ فَيَعْمِدُ إِلَى فَرْثِهَا وَدَمِهَا وَسَلَاهَا فَيَجِيءُ بِهِ ثُمَّ يُمْهِلُهُ حَتّٰى إِذَا سَجَدَ وَضَعَهُ بَيْنَ كَتِفَيْهِ فَانْبَعَثَ أَشْقَاهُمْ فَلَمَّا سَجَدَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَضَعَهُ بَيْنَ كَتِفَيْهِ وَثَبَتَ النَّبِيُّ

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَاجِدًا فَضَحِكُوْا حَتّٰى مَالَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ مِّنَ الضِّحْكِ فَانْطَلَقَ مُنْطَلِقٌ اِلٰى فَاطِمَةَ وَهِيَ جُوَيْرِيَةٌ فَاَقْبَلَتْ تَسْعٰى وَثَبَتَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَاجِدًا حَتّٰى اَلْقَتْهُ عَنْهُ وَاَقْبَلَتْ عَلَيْهِمْ تَسُبُّهُمْ فَلَمَّا قَضٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الصَّلٰوةَ قَالَ اللّٰهُمَّ عَلَيْكَ بِقُرَيْشٍ اَللّٰهُمَّ عَلَيْكَ بِقُرَيْشٍ اَللّٰهُمَّ عَلَيْكَ بِقُرَيْشٍ ثُمَّ سَمّٰى اَللّٰهُمَّ عَلَيْكَ بِعَمْرِو ابْنِ هِشَامٍ وَعُتْبَةَ بْنِ رَبِيْعَةَ وَشَيْبَةَ بْنِ رَبِيْعَةَ وَالْوَلِيْدِ بْنِ عُتْبَةَ وَاُمَيَّةَ بْنِ خَلَفٍ وَّعُقْبَةَ ابْنِ اَبِيْ مُعَيْطٍ وَّعُمَارَةَ بْنِ الْوَلِيْدِ قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ فَوَ اللّٰهِ لَقَدْ رَاَيْتُهُمْ صَرْعٰى يَوْمَ بَدْرٍ ثُمَّ سُحِبُوْا اِلَى الْقَلِيْبِ قَلِيْبِ بَدْرٍ ثُمَّ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاُتْبِعَ اَصْحَابُ الْقَلِيْبِ لَعْنَةً ۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلعم خانہ کعبہ کے پاس کھڑے ہو کر نماز پڑھ رہے تھے کہ قریش کی ایک جماعت اپنی مجلسوں میں تھے کہ ان میں سے ایک کہنے والے نے کہا کہ کیا اس ریاکار کو نہیں دیکھتے ۔ کیا تم میں سے کوئی آل فلاں کے ذبح شدہ اونٹ کے پاس جائے ۔ اس کی گوبر اس کا خون اور اوجھری کی گندگی لے آتے پھر آپ کو اتنی دیر مہلت دے کہ جب آپ سجدے کے لئے جائیں تو یہ سب گندگی آپ کے کندھوں کے درمیان رکھ دے ۔ چنانچہ ان میں سے سب سے بڑا بدبخت عقبہ بن ابی معیط اٹھا جب رسول اللہ صلعم سجدہ کے لئے گئے تو اس گندگی کو اس نے آپ کے کندھوں کے درمیان رکھ دیا ۔ اور حضور اقدس صلعم برابر سجدہ کی حالت میں رہے ۔ پس وہ لوگ ہنسنے لگے یہاں تک کہ ہنسی کی وجہ سے ایک دوسرے پر لوٹ پوٹ ہونے تھے تو ایک جانے والا حضرت فاطمۃ الزہرا کی طرف گیا ۔ وہ اس وقت چھوٹی بچی تھیں وہ دوڑتی ہوئی آئیں ابھی تک نبی اکرم صلعم سجدہ میں ٹکے ہوئے تھے کہ حضرت فاطمہؓ نے اس گندگی کو آپ سے گرا دیا ۔ اور قریش کے پاس آکر ان کو گالیاں دینے لگیں جب آپ نبی اکرم صلعم نماز سے فارغ ہوئے تو بددعا دیتے ہوئے فرمایا کہ اے اللہ قریش کو پکڑ لے قریش کو پکڑ لے ، پھر چند آدمیوں کے نام لئے اے اللہ ! عمرو بن ہشام ابو جہل کو پکڑ لے ۔ عتبہ بن ربیعہ شیبہ بن ربیعہ ولید بن عتبہ اور امیہ بن خلف عقبہ بن ابی معیط اور عمارہ بن الولید کو پکڑ لے ۔ حضرت عبداللہؓ فرماتے ہیں اللہ کی قسم میں نے بدر کی لڑائی میں ان کو زمین پر پڑے ہوتے دیکھا ۔ پھر ان کو بدر کے اندھے کنوئیں میں دھکیل کر پھینک دیا گیا ۔ پھر آنجناب رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ اندھے کنوئیں والوں کے پیچھے لعنت ڈالی گئی ۔

تشریح از شیخ مدنیؒ۔ پہلے باب میں غمز الرجل عورت کے لئے تھا، جیسے وہ ناقض وضو نہیں۔ ایسے عورت اگر مرد کے بدن سے نجاست کو زائل کرے تو اس میں ضرور غمز کا ہاتھ مرد کو لگے گا تو یہ بھی ناقض وضو اور قاطع صلوٰۃ نہیں ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ ایک سالفہ روایت میں تھا۔ سلاھا سلا کے معنی بچہ دان کے ہیں بعض اسے نجس نہیں کہتے تھے۔ مگر یہاں تو فرث۔ دم وغیرہ کا بھی ذکر ہے جس کی وجہ سے آپؐ سجدہ سے نہ اٹھ سکے تیسری بات یہ ہے کہ مصنفؒ فرق کرنا چاہتے ہیں کہ جو نجاست نماز سے پہلے لگ جائے تو وہ ناقض ہے مگر جو نجاست اثناء صلوٰۃ میں گر پڑے وہ ناقض نہیں ہے۔ مصنفؒ کا یہی مسلک ہے مگر جمہور فرماتے ہیں کہ خواہ نماز سے پہلے نجاست لگ جائے یا اثناء صلوٰۃ میں سب کا ایک ہی حکم ہے کہ نجس ہے۔ اس روایت کی یہ توجیہ کرتے ہیں کہ آپؐ کو استغراق کی وجہ سے علم ہی نہیں ہو سکا۔ اس لئے آپؐ نماز پڑھتے رہے

تشریح از شیخ زکریاؒ۔ اس باب میں امام بخاریؒ نے سلا جزور والی روایت ذکر فرمائی ہے جس میں ہے کہ حضرت فاطمہ آئیں۔ اور انہوں نے سلا جزور کو دھکیل کر حضور اکرم صلعم کی کمر سے اتار دیا۔ تو اس دھکیلنے کی وجہ سے مس ضرور ہوا ہوگا۔ تو جب مس ہو جانا مفسد نہیں تو مرور کیونکر مفسد صلوٰۃ ہوگا۔ اور ممکن ہے حنفیہ پر رد ہو۔ اس لئے کہ ان کے نزدیک محاذاۃ المرأۃ ناقض صلوٰۃ ہے اور اس سے بڑھ کر اور کیا محاذات ہو سکتی ہے۔ کہ عورت کوئی چیز مصلی کے اوپر سے اٹھائے مگر ہم پر یہ اشکال نہیں ہو سکتا۔ اس لئے جو محاذات ہمارے ہاں ناقض ہے۔ وہ یہاں باقی نہیں گئی۔ یہ روایت ص۳۷ پر گذر چکی ہے۔ اور وہاں مفصل کلام بھی ہو چکا ہے

الحمد للہ یہاں تک بخاری شریف کا دوسرا پارہ ختم ہوا اور دو پارہ کی پہلی جلد تشریحات بخاری اختتام کو پہنچی۔
کتاب مواقیت الصلوٰۃ سے دوسری جلد کا آغاز ہوگا۔ انشاء اللہ تعالیٰ